فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۔ (البقرۃ ۲۰۶)

پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا
اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں

تفسیر عروۃ الوثقیٰ

سورۃ فاتحہ اور بقرہ

جلد اوّل

ازافادات وعبارات **مشاہیر علماء اسلام**

عبدالکریم اثری

مکتبۃ الأثریّۃ
جناح اسٹریٹ
گجرات : پاکستان

پرنٹ لائن 183598 ۲ ~~143092~~ تفسیر عروۃ الوثقی جلد ۱

11119

تالیف	عبدالکریم اثری
اشاعت اول	دسمبر ۱۹۹۴ء
نام کتاب	تفسیر عروۃ الوثقی جلد اول
کمپوزنگ	مکتبہ قدوسیہ' اردو بازار لاہور
مطبع	عرفان افضل پرنٹنگ پریس لاہور
طابع	مکتبہ الاثریہ جناح اسٹریٹ گجرات
تعاون	جامع مسجد اہل حدیث جناح اسٹریٹ گجرات
ہدیہ	-/۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ الاثریہ جناح اسٹریٹ گجرات

Marfat.com

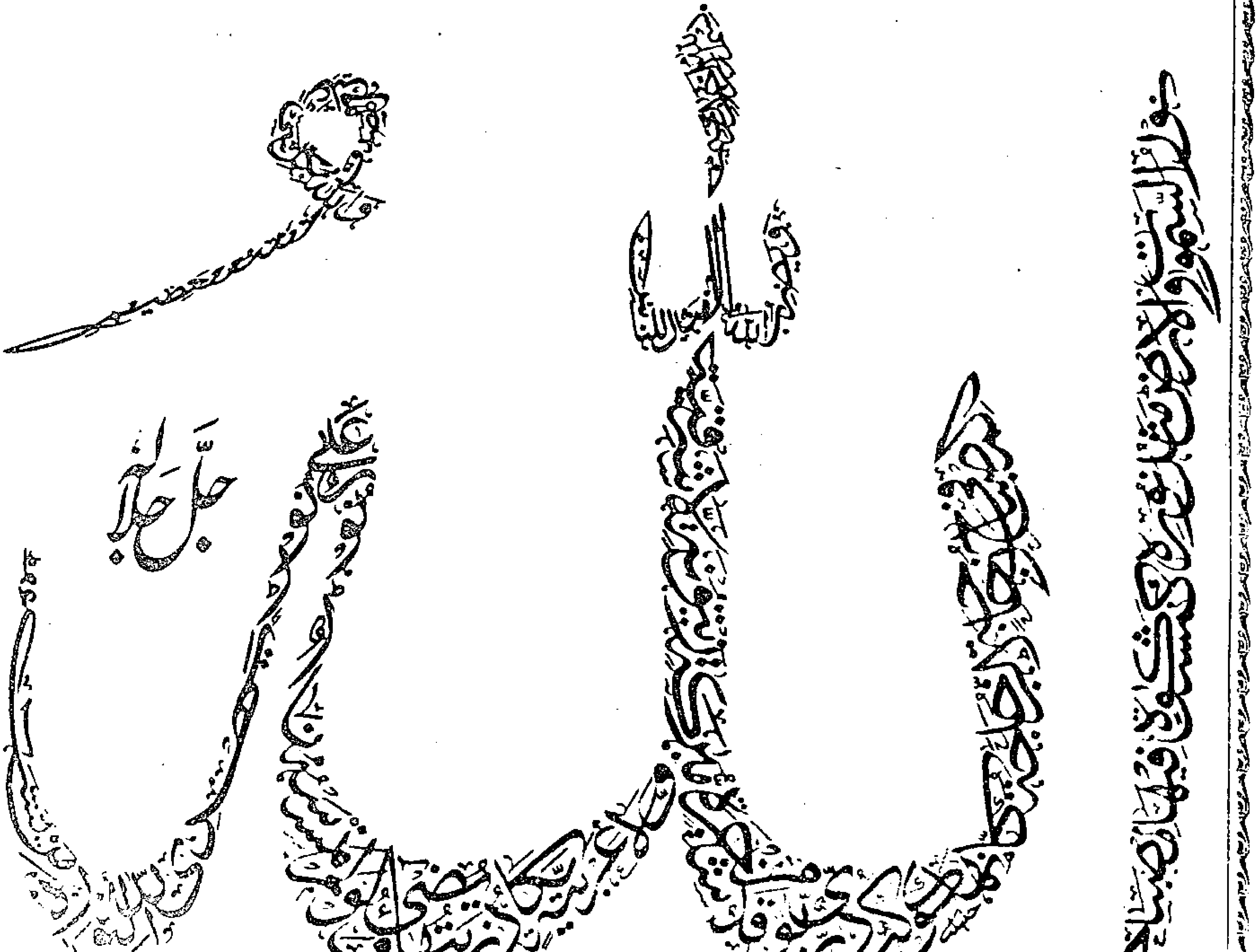

Marfat.com

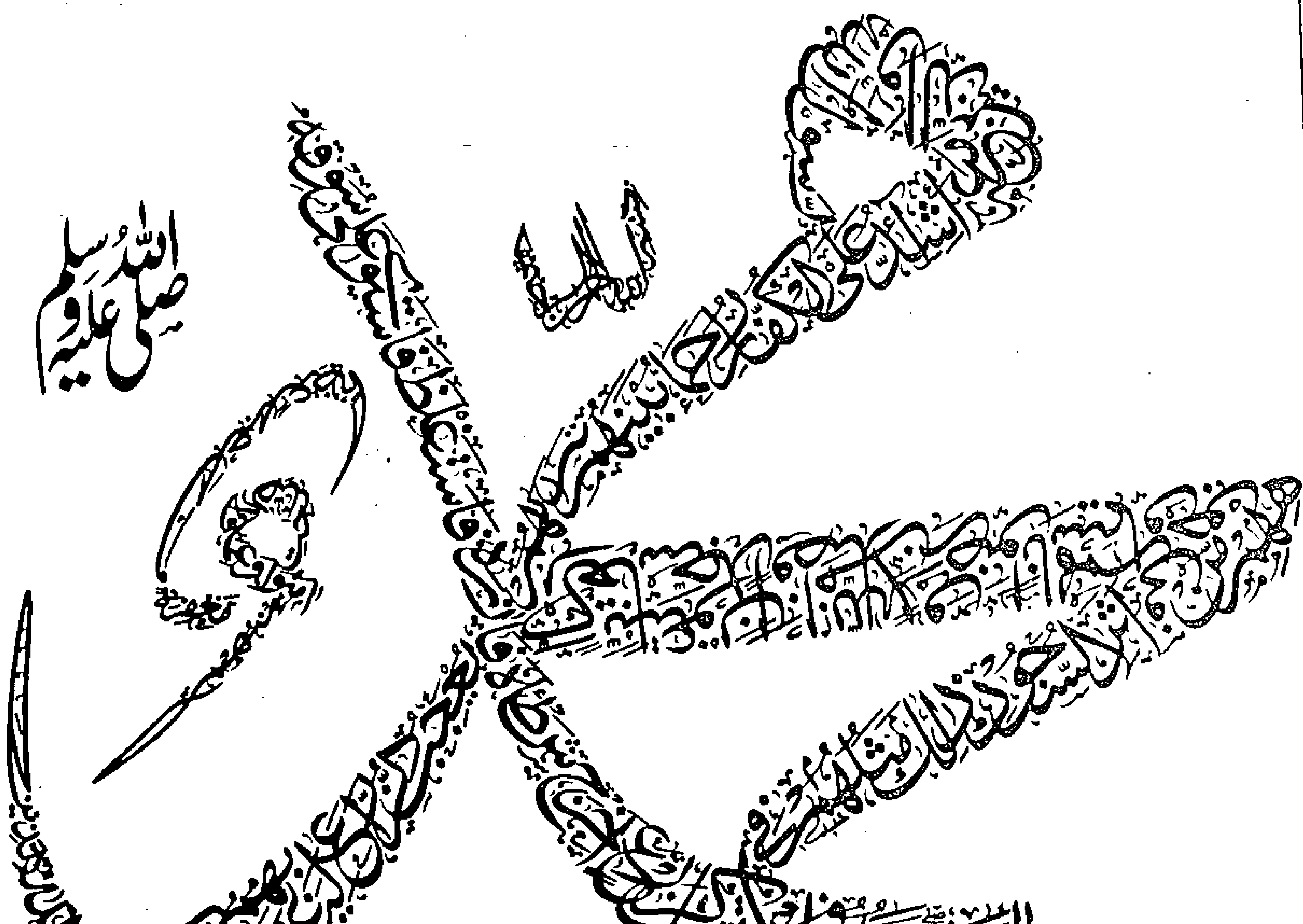

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

اللہ تعالیٰ کے کلام کو پوری طرح سمجھنا انہی انسان کامل کا کام تھا جن کے قلب سلیم پر وہ نازل ہوا اور پھر انہیں دوسروں کو سمجھانے کا کام بھی سپرد ہوا تھا انہوں نے اس کے سمجھانے کا یقیناً حق ادا کر دیا۔ اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد

ازیں بعد صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور صلحائے امتؒ نے اپنی اپنی بساط کے مطابق اس کلام الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کی اور آئندہ آنے والوں کو سمجھانے کا کام بھی بخوبی انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مساعی جمیلہ کو یقیناً قبول فرمایا اور انہی کی مرہون منت آج بھی اللہ کی کتاب کے مفہوم و معانی بیان کرنے والے ہم میں موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔

ایک میں ہی وہ ہوں کہ علم و فن سے کورا اور حسن عمل سے تہی دست ہوں۔ اس قابل بھی نہیں کہ کلام الٰہی کی کسی ایک آیت کی بھی تفسیر و تشریح کر سکوں لیکن اللہ ہی کی وہ ذات ہے کہ جس سے جو کام لینا چاہے وہ لے لیتا ہے۔ وہی ہے جس نے ابابیلوں سے ہاتھیوں کے لشکر جرار کو شکست دلوا دی اور میدان بدر میں نہتوں سے ساز و سامان والوں کو تہ تیغ کرا دیا۔

اس نے میرے جیسے نا فہم و بصیرت دیہاتی سے خوشہ چینی کا کام لے لیا تو اس میں آخر تعجب کی کیا بات ہے وہ یفعل ما یرید بھی ہے اور علی کل شئی قدیر بھی۔ وہی ہے جس کے فیصلے ان ٹل اور ان مٹ ہیں۔

میرے وطن عزیز میں مختلف مکاتبہائے فکر کے علماء کثرت سے موجود ہیں لیکن ان کا کام اپنے اپنے مکتبہ فکر کی ترجمانی ہے اور ان کے قائدین اسلام کی پروا کیے بغیر اپنی اپنی قیادت کو قائم رکھنے کی لائن پر رواں دواں ہیں۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مجھے اس مذہبی گروہ بندی سے بالکل آزاد رکھا اور صحابہ کرامؓ تابعین عظام و سلف صالحین سے لے کر آج تک جتنے علمائے اسلام ہوئے ہر ایک عالم با عمل کی قدر و قیمت میرے دل میں پختہ کر دی۔ ایک طرف میرے دل میں پھول چننے کا شوق پیدا کیا تو دوسری طرف میرے لیے زمین کو باغ و بہار کر دیا اور مجھے ہر طرف پھول ہی پھول نظر آنے لگے۔

Marfat.com

الحمدللہ کہ اس نے مجھے کانٹوں سے بچ بچا کر پھولوں سے دامن بھرنے کی توفیق دی اور جو کچھ میں چن پایا اس کا ایک حصہ آپ کے سامنے رکھ دیا کس کو کس پھول سے پیار ہے اور کس سے نہیں' یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے۔

جن جن جگہوں سے یہ پھول چنے گئے ان کا تذکرہ میں نے "مصادر و مراجع" کے عنوان میں کر دیا ہے کہیں سے زیادہ اور کہیں سے کم حسب خیال جس قدر چاہا حاصل کیا۔ ترجمہ جس کو دراصل مفہوم کے نام سے یاد کرنا زیادہ موزوں ہے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے مستعار لیا لیکن بعض مقامات پر دوسرے علمائے کرام اور مترجمین حضرات سے بھی استفادہ کیا گیا اسی لیے مکمل نسبت علامہ آزاد کی طرف کرنا مناسب خیال نہ سمجھا۔

اس گلدستہ کو تیار کرتے وقت میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مختلف تجارتی مکتبوں نے خرچہ کم کرنے کی ایک سے زیادہ تدبیریں مجھے بتائیں میں نے کسی پر بھی کان نہ دھرا۔ کاغذ کی اعلیٰ سے اعلیٰ کوالٹی استعمال کی طباعت کے لیے اچھے مطبع کا انتخاب کیا۔ جز بندی اور جلد بندی میں بھی مشہور و معروف لوگوں کی خدمات حاصل کیں کیونکہ میرے پیش نظر خوب سے خوب تر کا حصول تھا تاہم ان سارے کاموں میں کفایت شعاری کو ملحوظ خاطر رکھا۔

ثم الحمدللہ کہ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ بمطابق دسمبر ۱۹۹۳ء میں کام شروع کیا تھا اور رجب المرجب ۱۴۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۴ء میں ۹۶۰ صفحات کی ضخیم کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جلد دوم اور سوم کتابت کے مراحل طے کر چکی ہیں۔ زندگی اور حالات نے وفا کی تو انشاء اللہ جلد ہی پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں گی۔

اس رب ذوالجلال سے دست بہ دعا ہوں کہ اس حقیر خدمت کو حسن قبول عطا فرمائے۔ میری' میرے بچوں' میرے والدین اور میرے اساتذہ اور ان تمام دوست و احباب کی جو اس تالیف میں مالی حیثیت سے معین و مدد گار ہوئے مغفرت فرمائے۔ ہم سب پر اور پوری امت مسلمہ پر رحمت کی بارش نازل فرمائے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس دعا پر آمین کہہ دیں۔

عبدالکریم اثری

ٹھٹھہ عالیہ۔ گجرات

جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ

۹ نومبر ۱۹۹۴ء

Marfat.com

مصادر و مراجع

۱۔ التفسیر المنسوب الی ابن عباسؓ
۲۔ تفسیر ابن ابی شیبہ ابوبکر عبداللہؒ
۳۔ جامع البیان الطبری ابو جعفر محمد بن جریرؒ
۴۔ تفسیر بحر العلوم ابو اللیث السمرقندیؒ
۵۔ معالم التنزیل البغوی حسینؒ
۶۔ تفسیر القرآن العظیم ابن کثیرؒ (ک)
۷۔ الدر منثور فی التفسیر الماثور السیوطیؒ
۸۔ فتح القدیر شوکانی محمد بن علیؒ
۹۔ تفسیر الکشاف جاء اللہ محمود زمخشریؒ
۱۰۔ مفاتیح الغیب فخر الدین ابو عبداللہ محمد الرازیؒ (ک)
۱۱۔ الجامع الاحکام القرآن ابو عبداللہ محمد القرطبیؒ
۱۲۔ غرائب القرآن نظام الدین حسنؒ
۱۳۔ البحر المحیط ابو عبداللہ محمدؒ
۱۴۔ تفسیر الجلالین المحلیؒ السیوطیؒ
۱۵۔ السراج المنیر شمس الدین محمد الشربینیؒ
۱۶۔ ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ابو السعودؒ
۱۷۔ روح المعانی محمود آلوسیؒ
۱۸۔ فتح البیان، نواب صدیق حسن خانؒ
۱۹۔ مواہب الرحمٰن سید امیر علی صاحبؒ
۲۰۔ ترجمان القرآن نواب صدیق حسن خاںؒ
۲۱۔ تفسیر ثنائی مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ (ک)
۲۲۔ تفسیر ستاری مولانا عبدالستار صاحب امیر غربا اہلحدیث
۲۳۔ البیان القرآن محمد علی لاہوری
۲۴۔ البیان القرآن شاہ اشرف علی تھانویؒ
۲۵۔ تفسیر القرآن سرسید احمد خانؒ (ک)
۲۶۔ تفسیر عثمانی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
۲۷۔ تفہیم القرآن ابو الاعلیٰ مودودیؒ (ک)
۲۸۔ ماجدی عبدالماجد دریا آبادیؒ (ک)
۲۹۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (ک)
۳۰۔ تدبر القرآن امین احسن اصلاحی لاہور
۳۱۔ ضیاء القرآن جسٹس پیر محمد کرم شاہ بھیرہ
۳۲۔ تفسیر القرآن خواجہ عبدالحی لکھنویؒ
۳۳۔ بائبل پرانا عہد نامہ، نیا عہد نامہ (اناجیل)
۳۴۔ ترجمان القرآن ابو الکلام آزادؒ (ک)
۳۵۔ جواہر القرآن حسین علیؒ صاحب غلام اللہ خاںؒ
۳۶۔ آیات اللسائلین علامہ حافظ عنائت اللہ اثریؒ (ک)
۳۷۔ المعجم المفہرس بالفاظ القرآن الکریم
۳۸۔ ابوداؤد سلیمان بن داؤد الطیالسیؒ
۳۹۔ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزیؒ
۴۰۔ البخاری محمد بن اسماعیل بن ابراہیمؒ
۴۱۔ الترمذی محمد بن عیسیٰ الضحاک السلمیؒ
۴۲۔ مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوریؒ
۴۳۔ البزار احمد بن عمرو بن عبدالخالق البصریؒ
۴۴۔ ابوبکر الشافعی محمد بن عبداللہ بن ابراہیمؒ
۴۵۔ البغوی عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیزؒ
۴۶۔ الشافعی الامام ابو عبداللہ محمد بن ادریسؒ
۴۷۔ ابن ماجہ ابو عبداللہ محمد بن یزیدؒ
۴۸۔ النسائی ابو عبدالرحمان احمد بن علی بن شعیبؒ
۴۹۔ ابوداؤد سلیمان بن العشث بن اسحاقؒ
۵۰۔ عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیریؒ
۵۱۔ ابن تیمیہ احمدؒ مجموع فتاوی طبع الریاض
۵۲۔ ابن خلدون عبدالرحمان المقدمہ مؤسسہ الاعلمی
۵۳۔ ابن الجوزی عبدالرحمان نواسخ القرآن بیروت
۵۴۔ ابن تیمیہ اصول تفسیر مکتبہ علمیہ لاہور

Marfat.com

۵۵۔ ابن خلکان ابو العباس احمد وفیات الاعیان بیروت
۵۶۔ ابن الصلاح ابو عمرو عثمان حلب
۵۷۔ ابن عبد البر' ابو عمر یوسف۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ
۵۸۔ ابن حجر' احمد بن علی العسقلانی' دار الکتب الحدیث
۵۹۔ ابن قتیبہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم تفسیر غریب القرآن
۶۰۔ ابن کثیر۔ ابو الفدا اسماعیل بن عمر البدایہ والنہایہ
۶۱۔ ابو بکر احمد بن الحسین النیشاپوری الریاض طبع اول
۶۲۔ ابو حیان اثیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف البحر المحیط الریاض
۶۳۔ السیوطی جلال الدین عبد الرحمان الاتقان فی علوم القرآن القاہرہ
۶۴۔ الشاہ عبد العزیز۔ بستان المحدثین۔
۶۵۔ شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر و حجۃ اللہ البالغہ (ک)
۶۶۔ شمس الحق افغانی علوم القرآن امجد اکیڈمی لاہور
۶۷۔ محمد حنیف الندوی مطالعہ قرآن ادارہ ثقافت اسلامیہ
۶۸۔ محمد مالک التحریر فی اصول التفسیر قرآن محل کراچی
۶۹۔ معین الدین ندوی تاریخ اسلام مطبع اعظم گڑھ
۷۰۔ مورلیس بکائے۔ بائبل' قرآن اور سائنس مترجم دار العلوم کراچی
۷۱۔ سید سلیمان ندوی' ارض القرآن دار الاشاعت کراچی
۷۲۔ شبلی نعمانی' الکلام۔ علم الکلام۔ نفیس اکیڈمی کراچی
۷۳۔ ابو الاعلیٰ مودودی' تفہیمات
۷۴۔ حیات جاوید الطاف حسین حالی
۷۵۔ حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی رحمتہ اللہ اثبات توحید
۷۶۔ شاہ اشرف علی تھانوی۔ التکشف۔ یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور
۷۷۔ حافظ علامہ عنایت اللہ اثری۔ البیان المختار دار الحدیث گجرات
۷۸۔ مرزا حیرت دہلوی' مقدمہ تفسیر۔
۷۹۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔ قصص القرآن
۸۰۔ عبد الوہاب نجدی' ہدایتہ المستفید' عطاء اللہ ثاقب
۸۱۔ سر سید احمد خان۔ تہذیب الاخلاق علی گڑھ۔ انڈیا
۸۲۔ مولانا حالی مسدس۔ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۸۳۔ خطبات احمدیہ۔ اللہ والوں کی قومی دکان کشمیری بازار لاہور
۸۴۔ محمد بن علی الشوکانی در السحابہ مکتبہ سید احمد شہید
۸۵۔ الدکتور عبد الرؤف ظفر تفسیر القرآن کا مفہوم مجلس التحقیق الاثری جہلم
۸۶۔ الدکتور محمد اقبال' مجموعہ اشعار' غلام علی اینڈ سنز لاہور
۸۷۔ حافظ شیرازی۔ دیوان حافظ۔ غلام علی اینڈ سنز لاہور
۸۸۔ مولانا محمد حسین بٹالوی۔ اشاعت السنہ
۸۹۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر۔ البریلویہ
۹۰۔ تسہیل القرآن غلام احمد پالوا صاحب کراچی

(ک) کثیر فائدہ حاصل کیا گیا

Marfat.com

فہرست عنوانات تفسیر عروۃ الوثقی جلد اول مع حوالہ آیات

نمبر شمار	سورۃ الفاتحہ	صفحہ نمبر	آیت نمبر
	مصادر و مراجع		
	الحمدللہ وحدہ	۳۳	
	نزول قرآن کی غرض و غائت	۳۵	
	ایک نیا دور جو اب پرانا ہو گیا	۳۷	
	حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں	۳۸	
	مفہوم و معانی میں تبدیلی کا نتیجہ	۴۱	
	اصول تفسیر	۵۴	
	قرآن کریم کی ترتیب اور فاتحہ کو پہلی سورت ہونے کا شرف	۶۴	
	نماز اور فاتحۃ الکتاب	۷۳	
۱	فاتحہ قرآن کریم کی پہلی سورت ہے۔ سورۃ کو سورۃ کہنے کی وجہ	۷۸	
۲	سورہ فاتحہ کے دوسرے نام احادیث میں	۷۸	
۳	قرآن کریم کی سورتوں کی تقسیم نہایت اہم تقسیم ہے۔	۸۱	
۴	وہ حروف جو سورہ فاتحہ میں استعمال نہیں ہوئے۔	۸۱	
۵	رکوعات کی تقسیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد کی تقسیم ہے۔	۸۲	
۶	لفظ "اللہ" اسم ذات رب ذوالجلال ہے۔	۸۲	۱
۷	اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟	۸۳	"
۸	"الرحمٰن الرحیم" صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔	۸۳	"
۹	کیا تسمیہ فاتحہ کی آیت ہے؟	۸۴	۱
۱۰	"بسم اللہ" قرآن کریم کا افتتاحی کلمہ ہے۔ اور یہاں کچھ محذوف بھی ہے	۸۹	"
۱۱	تمام خوبیوں کا مالک صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔	۹۲	۲
۱۲	لفظ "العلمین" کی تحقیق لغت میں	۹۲	"
۱۳	ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رہنمائی کرنے والا کون ہے؟	۹۳	"
۱۴	طلب کرنے اور مانگنے کے آداب لفظ "حمد" صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔	۹۳	۲
۱۵	رحمت الٰہی کی وسعت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔	۱۰۱	۳
۱۶	حقیقی مالک ہر چیز کا "اللہ" ہی ہے۔	۱۰۶	۴

Marfat.com

۱۷	"مالک یوم الدین" فاتحہ کی چوتھی آیت ہے	۱۰۶	۴
۱۸	"الدین" کی اصل کیا ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟	۱۰۶	"
۱۹	"یوم الدین" خالصتاً اسلامی اصطلاح ہے۔	۱۰۷	۴
۲۰	"ایاک" کلمہ حصر ہے یعنی صرف تجھ ہی سے	۱۱۰	۵
۲۱	عبادت وہ تعظیم ہے جو اللہ کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں ہے	۱۱۱	۵
۲۲	جو "استعانت" غیر اللہ سے حرام ہے	۱۱۱	"
۲۳	رب بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جو اللہ ہی کے لئے استعمال کرنا چاہئے	۱۱۲	"
۲۴	ہدایت وہی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے	۱۱۹	۶
۲۵	راہ ہدایت ہی راہ "المستقیم" ہے	۱۱۹	۶
۲۶	پیام نبوت کیا ہے؟ ہدایت ہی ہدایت ہے	۱۱۹	"
۲۷	انعام الٰہی کے اصل مستحق انبیاء، شہداء اور صدیقین ہیں	۱۲۲	۷
۲۸	غضب الٰہی سے پناہ طلب کرتے رہنا چاہئے	۱۲۲	۷
۲۹	"ضال" کے ایک معنی بھول جانے کے بھی اور ایک تلاش کرنے کے بھی	۱۲۲	"
۳۰	انعام یافتہ لوگوں کی راہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے رہنا چاہئے	۱۲۳	"
	صراط مستقیم کی پہچان کے دونوں پہلو واضح کر دیئے گئے	۱۲۴	
	احادیث و آثار میں اس کی حقیقت واضح کر دی گئی	۱۲۵	
	سورہ فاتحہ کی تعلیمی روح کا خلاصہ	۱۲۶	
	اختصار فاتحہ پر ایک مزید نظر	۱۲۷	
	سورہ فاتحہ اور آمین	۱۳۰	

سورة البقرة

۱	حروف مقطعات	۱۳۲	۱
۲	موعودہ کتاب	۱۳۴	۲
۳	متقین کے لئے ہدایت ہے	۱۳۵	"
۴	ہدایت تقویٰ کی مزید تشریح	۱۳۶	"
	صاحب تقویٰ کون لوگ ہیں؟	۱۳۶	"
۵	i۔ ایمان بالغیب	۱۳۶	۳
۶	ii۔ اقامت صلوٰۃ	۱۳۸	"

Marfat.com

۳۳ اللہ کا استہزاء منافقین کے ساتھ کیسا ہے؟	۱۶۳	۱۵
۳۴ امثال قرآنی	۱۶۴	۱۶
۳۵ بیع و شراء کی مثال	۱۶۴	"
۳۶ منافقین کی تجارت خسارے کا سودا ہے	۱۶۵	"
۳۷ منافقین کے دو گروہوں کا ذکر	۱۶۵	۱۷
۳۸ منافقین کے پہلے گروہ کی مثال	۱۶۶	"
۳۹ بہرے، گونگے اور اندھے کون ہیں؟	۱۶۷	۱۸
اس مضمون کی وضاحت قرآن کریم کی زبان سے	۱۶۷	"
قارئین "عروہ" سے درخواست	۱۷۴	"
۴۰ منافقین کی دوسری جماعت کی مثال	۱۷۵	۱۹
۴۱ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ	۱۷۶	"
۴۲ خلاصۃ الکلام	۱۷۷	۲۰
۴۳ اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے	۱۷۷	"
۴۴ قرآن کریم کا انداز تخاطب	۱۷۸	۲۱
۴۵ توحید الٰہی کے درس و فکر کا پہلا طریقہ	۱۷۸	"
۴۶ مخاطبین کی پیدائش سے استدلال	۱۷۹	"
۴۷ من قبلکم میں پوشیدہ راز	۱۸۰	"
۴۸ سوچ سمجھ کا واحد مرکز	۱۸۰	"
۴۹ زمین و آسمان کی صدائے وحدت	۱۸۰	۲۲
۵۰ بارش برسانے والا ہی معبود حقیقی ہے	۱۸۲	"
۵۱ لا ضد لہ و ند لہ	۱۸۲	"
۵۲ فطرت انسانی اور توحید ربانی	۱۸۳	"
۵۳ پوری انسانیت کے لئے ایک چیلنج	۱۸۳	۲۳
پہلا معجزہ قرآنی	۱۸۳	
قرآن کریم کا ارشاد کہ میں کیا ہوں؟	۱۸۴	
قرآن کریم ایک زندہ و جاوید معجزہ ہونے کی تشریح	۱۸۵	
وجوہ اعجاز قرآنی	۱۸۶	

Marfat.com

۷ iii۔ انفاق فی سبیل اللہ	۱۳۹	"
۸ iv۔ ایمان بالقرآن	۱۴۰	۴
۹ v۔ ایمان بالرسل و بالکتب	۱۴۱	"
۱۰ vi۔ ایمان بالآخرۃ	۱۴۲	"
۱۱ یہی گروہ کامیاب گروہ ہے	۱۴۳	۵
۱۲ کفار کون ہیں؟	۱۴۴	۶
۱۳ فطرت انسانی کے متعلق اختلاف مذاہب	۱۴۵	"
۱۴ قرآن کریم کا فیصلہ	۱۴۶	۷
۱۵ وحی الٰہی کا نزول کیوں؟	۱۴۸	"
۱۶ جن لوگوں کی فطرت صالح مسخ ہوگئی ہے	۱۴۹	"
۱۷ منافقین کا گروہ	۱۵۰	۸
منافقین کا سردار کون تھا؟	۱۵۱	"
۱۸ دھوکہ باز ہمیشہ خود دھوکا میں رہتا ہے	۱۵۲	۹
۱۹ منافقین کے روگ کی حقیقت	۱۵۳	۱۰
۲۰ منافقین کا روگ کیسے بڑھتا ہے؟	۱۵۴	"
۲۱ منافقت کی سزا کفر کی سزا سے بھی سخت ہے	۱۵۴	"
۲۲ سچ سچ ہی ہے خواہ کوئی کہے	۱۵۵	۱۱
۲۳ اصلاح و افساد	۱۵۵	"
۲۴ خبردار ہو جاؤ !	۱۵۸	۲۱
۲۵ شعور کیا ہے؟	۱۵۹	"
۲۶ صرف دعوئ اسلام' اسلام نہیں	۱۵۹	۱۳
۲۷ منافقین انسانیت سے بھی عاری ہوتے ہیں	۱۵۹	"
۲۸ منافقین کا طنز	۱۶۰	"
۲۹ کیا کسی احمق نے کبھی حماقت کا اعتراف کیا ہے؟	۱۶۰	"
۳۰ منافقین کا اظہار ایمان	۱۶۱	۱۴
۳۱ منافقین کی خاص مجلسیں	۱۶۱	"
۳۲ منافقین کا اقرار جرم	۱۶۱	"

Marfat.com

	اعجاز قرآنی کی پہلی وجہ	۱۸۶	
	اعجاز قرآنی کی دوسری وجہ	۱۸۸	
	اعجاز قرآنی کی تیسری وجہ	۱۹۴	
	اعجاز قرآنی کی چوتھی وجہ	۱۹۴	
	اعجاز قرآنی کی پانچویں وجہ	۱۹۴	
	اعجاز قرآنی کی چھٹی وجہ	۱۹۵	
	اعجاز قرآنی کی ساتویں وجہ	۱۹۵	
	اعجاز قرآنی کی آٹھویں وجہ	۱۹۶	
	اعجاز قرآنی کی نویں وجہ	۱۹۶	
	اعجاز قرآنی کی دسویں وجہ	۱۹۷	
۵۴	رسول اللہ ﷺ کی حیثیت اسلامی	۲۰۳	۲۳
	نبوت و رسالت اور اہل اسلام	۲۰۳	//
	طریقہ نزول قرآن کریم کا دوسرا معجزہ	۲۰۵	//
۵۵	قرآن کریم کا تیسرا معجزہ	۲۰۶	۲۴
۵۶	عذاب جہنم کیوں؟	۲۰۶	//
۵۷	وہ انسان جو دوزخ کا ایندھن ہوں گے؟	۲۰۷	//
۵۸	جنت اور وراثت جنت کا ذکر	۲۰۸	۲۵
	جنت و دوزخ کی حقیقت	۲۰۸	//
	ان دیکھی چیز کا بیان کیسے ممکن ہے؟	۲۱۰	//
۵۹	انسانی زندگی کا آخری سکون	۲۱۲	۲۵
۶۰	کچھ بن نہ آیا تو نکتہ چینی شروع کر دی	۲۱۳	۲۶
۶۱	انداز گفتگو سے پوشیدہ راز کھل جاتے ہیں	۲۱۶	//
	یضل بہ کثیرا میں لفظ اضل کے معنی و مفہوم	۲۱۶	//
۶۲	اطاعت گزار فاسق نہیں ہوتا	۲۱۸	//
۶۳	فاسق کون ہے؟	۲۱۸	۲۷
۶۴	اللہ کے انکار کا مطلب رسول کی رسالت کا انکار ہے	۲۱۹	۲۸
۶۵	زندگی و موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے	۲۲۰	//

Marfat.com

۶۶	حشر اجساد انسانی کا مسئلہ	۲۲۱	"
۶۷	تخلیق کائنات صرف اور صرف انسان کی خاطر ہے	۲۲۲	۲۹
۶۸	آسمان کیا ہیں؟	۲۲۲	"
	رب ہی اصل مربی ہے	۲۲۳	"
۶۹	ابتداء قصہ آدم علیہ السلام	۲۲۴	۳۰
۷۰	اللہ کا بات کرنا کیا اور کیسا ہے؟	۲۲۴	"
۷۱	کیا فرشتے اور جن کوئی وجود رکھتے ہیں؟	۲۲۵	"
۷۲	کیا آدمؑ سے پہلے کوئی مخلوق موجود تھی؟	۲۲۶	"
۷۳	فرشتوں نے مشورہ دیا نہ اعتراض کیا	۲۲۷	"
۷۴	فرشتوں کی نیاز مندی اور اقرار فرمانبرداری	۲۲۸	"
۷۵	فرشتوں میں خلافت ارضی کی استعداد نہیں	۲۲۸	۳۰
۷۶	آدمؑ سے مراد بنی نوع انسان ہیں	۲۲۹	۳۱
۷۷	آدمؑ اور علم اسماء	۲۳۰	"
۷۸	فرشتوں پر ان اسماء کا پیش کرنا	۲۳۱	"
۷۹	کیا فرشتوں نے کچھ اپنے بیان سے چھپایا بھی تھا؟	۲۳۲	۳۳
۸۰	سجدہ کا حکم پا کر فرشتوں کا سجدۂ شکر ادا کرنا	۲۳۳	۳۴
۸۱	انکار ابلیس کیا ہے؟ چور بھی اور چتر بھی	۲۳۴	"
۸۲	آدم علیہ السلام کی جنت اول	۲۳۵	۳۵
۸۳	جنت کی مشروط زندگی کا انجام	۲۳۷	"
۸۴	بھول چوک فطرت انسان میں داخل ہے	۲۳۷	۳۶
۸۵	بھول کا اعتراف اور وحی الٰہی کی رہنمائی	۲۳۹	۳۷
۸۶	توبہ کیا قبول ہوئی کہ وحی الٰہی کی بارش شروع ہو گئی	۲۴۰	۳۸
۸۷	ہدایت الٰہی کے منکرین کے لئے انتباہ	۲۴۱	۳۹
	قصہ آدم قرآن کریم کی زبان میں	۲۴۲	"
	قصہ آدمؑ پر ایک طائرانہ نظر	۲۴۶	"
	ازلہ اوہام	۲۵۰	"
۱	انسان اول کی پیدائش کا مسئلہ	۲۵۰	"

Marfat.com

٢ انسان اول کی پیدائش کب ہوئی؟	٢٥١	٣٩
٣ آدم علیہ السلام کی قدوقامت کا مسئلہ	٢٥٢	″
٤ کیا آدمؑ اکیلے پیدا ہوئے تھے یا ان کی بیوی بھی ساتھ پیدا ہوئی تھی؟	٢٥٣	″
٥ صرف ایک انسان کی پیدائش کا مسئلہ	٢٥٦	″
٦ آدم اور حوا عربی نام ہیں یا عجمی؟	٢٥٨	″
٧ کیا آدمؑ شرک کے بھی مرتکب ہوئے؟	٢٥٨	″
٨ سجدہ کا حکم فرشتوں کو تھا ابلیس کو نافرمان کیسے قرار دیا گیا؟	٢٦١	″
٩ ابلیس جنت میں کیسے داخل ہو گیا؟	٢٦١	″
١٠ کیا فرشتہ یا جن صرف طاقت یا قوت کا نام ہے کیا یہ دونوں مستقل مخلوق نہیں؟	٢٦٢	″
گذشتہ سے پیوستہ	٢٦٣	″
٨٨ یہود کی علمی خرابی	٢٦٥	٤٠
٨٩ بنی اسرائیل کا عہد اللہ سے	٢٦٥	″
بنی اسرائیل کے عہد کا تذکرہ قرآن کریم میں	٢٦٦	″
٩٠ اللہ کا عہد بنی اسرائیل سے	٢٦٧	″
٩١ قانون الٰہی کی گرفت سے ڈرنے کی ہدایت	٢٦٨	″
٩٢ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئی	٢٦٨	٤١
٩٣ بنی اسرائیل کو تنبیہہ کہ اپنی بدبختی میں پہل نہ کرو	٢٦٩	″
٩٤ علمائے بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے عادی تھے	٢٧٠	٤٢
٩٥ علمائے یہود کی یہ گمراہی کہ بدعات کو جاری کرتے تھے	٢٧٠	″
٩٦ یہود کی علمی کمزوری	٢٧١	٤٣
زکوٰۃ ادا نہ کرنا بھی عملی کمزوری ہے	٢٧٢	″
حب مال کے نتائج بد کا مختصر ذکر	٢٧٢	″
٩٧ یہود کی یہ گمراہی کہ دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت	٢٧٣	٤٤
٩٨ صبرو صلوٰۃ سے تعاون حاصل کرنے کی ہدایت	٢٧٥	٤٥
٩٩ کون لوگ صبرو صلوٰۃ سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں؟	٢٧٦	″
١٠٠ اللہ کی خشیت رکھنے والوں کی دو علامات	٢٧٦	٤٦
بنی اسرائیل کی روئیداد کا ماحصل	٢٧٧	″

Marfat.com

۱ علمی خرابیاں	۲۷۷	۴۶
۲ عملی کمزوریاں	۲۷۷	″
۳ انتظامی نقائص	۲۷۷	″
۱۰۱ اجمال کی تفصیل شروع ہو رہی ہے	۲۷۸	۴۷
۱۰۲ تذکیر بمابعد الموت	۲۷۹	۴۸
۱۰۳ شفاعت کیا ہے؟ اور کیسے ہے؟	۲۸۰	″
۱۔ وجاہت	۲۸۱	″
۲۔ محبت	۲۸۱	″
۳۔ اجازت	۲۸۱	″
۱۰۴ انعامات الٰہی کا تذکرہ بنی اسرائیل کے لئے ایک نصیحت	۲۸۲	۴۹
۱۰۵ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو مار ڈالنے کا واقعہ	۲۸۳	″
۱۰۶ بنی اسرائیل کی لڑکیوں کو زندہ رکھنے کی وجہ	۲۸۴	″
۱۰۷ بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور بحر احمر کو عبور کرنا	۲۸۵	۵۰
موسیٰ کے معجزانہ طور پر دریا عبور کرنے کا ذکر قرآن کریم کی زبان میں	۲۸۵	″
۱۰۸ عبرت کا مقام ہے	۲۸۸	″
۱۰۹ ہجرت کے بعد بنی اسرائیل کی پہلی گمراہی بچھڑے کی پرستش کرنا	۲۸۸	۵۱
۱۱۰ بنی اسرائیل کی گمراہی کی معافی کا اعلان	۲۹۱	۵۲
۱۱۱ ادائے شکر کیا ہے؟	۲۹۱	″
۱۱۲ وحی الٰہی کے نزول کا مقصد ہدایت انسانی ہے	۲۹۲	۵۳
غلامی کے آثار باقیہ کا اثر	۲۹۲	″
۱۱۳ توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے	۲۹۳	۵۴
۱۱۴ قوم بنی اسرائیل کی دوسری گمراہی	۲۹۴	۵۴
۱۱۵ ریگستان میں بادلوں کے سایہ کا انعام یعنی تیسرا معجزہ	۲۹۷	۵۷
۱۱۶ من و سلویٰ کا نزول الٰہی	۲۹۷	″
۱۱۷ ناشکری سے نقصان کس کا ہوا؟	۲۹۹	″
۱۱۸ شہر میں داخلے کا حکم	۲۹۹	۵۸
۱۱۹ شہر میں فاتحانہ اور فرمانبردارانہ داخل ہونے کی تاکید	۳۰۰	″

Marfat.com

۱۲۰	لاتوں کے بھوت باتوں سے کب مانتے ہیں؟	۳۰۱	۵۹
۱۲۱	پانی کا فقدان اور موسیٰ علیہ السلام کی پانی کے لئے التجاء	۳۰۲	۶۰
۱۲۲	قانون الٰہی ہے کہ جو ئندہ یابندہ	۳۰۳	"
۱۲۳	ہر قبیلے کا الگ الگ گھاٹ مقرر کرنا	۳۰۵	"
۱۲۴	فساد سے باز رہنے کا دوبارہ حکم	۳۰۵	"
۱۲۵	یاد رفتہ	۳۰۶	۶۱
۱۲۶	ان کی اصل طلب کیا تھی؟	۳۰۷	"
۱۲۷	وہ ذلت و مسکنت کے مستحق ہوگئے	۳۰۸	"
۱۲۸	انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا	۳۰۹	"
۱۲۹	انبیاء کرام کو قتل کرنا ان کا شیوہ ہوگیا	۳۰۹	"
	بنی اسرائیل کا اعتراف جرم	۳۱۱	"
۱۳۰	حقیقت کو کھو دینا بھی عصیان وعدوان کہلاتا ہے	۳۱۲	۶۱
	سورہ بقرہ کی آیت ۶۱ کا ماحصل	۳۱۳	"
۱۳۱	ایمان کا دعویٰ کرنے والے	۳۱۴	۶۲
۱۳۲	گروہ یہود میں داخل لوگ	۳۱۴	"
۱۳۳	نصاریٰ کہلانے والی پارٹی	۳۱۵	"
۱۳۴	صابی کون لوگ تھے؟	۳۱۶	"
۱۳۵	ایمان باللہ کا تعلق کسی گروہ بندی سے نہیں	۳۱۶	"
	ازالہ وہم	۳۱۸	
۱۳۶	تورات کی تعلیم کے پابند رہنے کا عہد بنی اسرائیل سے	۳۳۲	"
۱۳۷	کیا بنی اسرائیل نے اس عہد کو پورا کیا؟	۳۳۳	۶۴
۱۳۸	بنی اسرائیل کی حیلہ سازی	۳۳۴	۶۵
۱۳۹	واقعہ سبت میں بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم ہوگئے	۳۳۶	"
۱۴۰	ہر مرض اپنی علامت سے پہچانا جا سکتا ہے	۳۳۷	"
۱۴۱	اس واقعہ میں عبرت بھی ہے اور نصیحت بھی	۳۴۱	۶۶
۱۴۲	بنی اسرائیل کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم	۳۴۲	۶۷
۱۴۳	بنی اسرائیل کی مزید موشگافیاں	۳۴۳	۶۸

Marfat.com

۱۴۴ بنی اسرائیل نے مزید سوال اٹھا دیا کہ بتاؤ اس کا رنگ کیسا ہے؟	۳۴۴	۶۹
۱۴۵ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہماری تسلی ابھی نہیں ہوئی کچھ مزید وضاحت کراؤ	۳۴۵	۷۰
۱۴۶ گائے کی آخری پہچان جس کے بعد وہ مزید کچھ نہ کہہ سکے؟	۳۴۵	۷۱
گزشتہ آیات کی روشنی میں قوم مسلم کا ایک تجزیہ	۳۴۶	۷۱
موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل قرآن کریم کی زبان میں	۳۴۷	"
۱۴۷ بنی اسرائیل کے ایک واقعہ قتل کا قضیہ	۳۶۹	۷۲
۱۴۸ حکمت الٰہی کی کرشمہ سازی	۳۷۲	۷۳
۱۴۹ راز افشا کرنے والے کے ساتھ دشمنی مزید بڑھ جاتی ہے	۳۷۴	۷۴
۱۵۰ پتھر اور خوف الٰہی کی مثال	۳۷۶	"
۱۵۱ جو کتاب اللہ میں تحریف کرنے سے باز نہیں آئے تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو؟	۳۷۸	۷۵
۱۵۲ حق چھپانے کے عادی ہو چکے ہیں	۳۸۰	۷۶
۱۵۳ ان کے حق چھپانے کا طریقہ کیا تھا؟	۳۸۰	"
۱۵۴ علمائے یہود کی مثال	۳۸۱	۷۷
۱۵۵ ان پڑھ اور جاہل ہونا کیا ہے؟	۳۸۲	۷۸
۱۵۶ ہر تحریف اور ہر تصحیف موجب لعنت ہے	۳۸۳	۷۹
۱۵۷ یہود کے خوش کن عقائد میں ایک عقیدہ نجات	۳۸۵	۸۰
۱۵۸ برائی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا	۳۸۷	۸۱
۱۵۹ اچھائی کا نتیجہ کبھی برا نہیں ہو سکتا	۳۸۸	۸۲
۱۶۰ احکام الٰہی ہی عہد و پیمان ہیں	۳۸۹	۸۳
۱۶۱ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا عہد	۳۸۹	"
۱۶۲ والدین کی فرمانبرداری کا عہد	۳۹۰	"
۱۶۳ عزیز رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کا عہد	۳۹۰	"
۱۶۴ عبادت الٰہی میں مصروف رہنے کا عہد	۳۹۱	۸۳
۱۶۵ بنی اسرائیل نے ان وعدوں کو پورا نہ کیا	۳۹۲	"
۱۶۶ بنی اسرائیل کے عہد و پیمان میں درج ذیل تین باتیں بھی تھیں	۳۹۳	۸۴
۱۶۷ دنیا کی خاطر آخرت کو برباد کیا لیکن دنیا بھی ہاتھ نہ آئی	۳۹۶	۸۶
۱۶۸ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی یاد دہانی	۳۹۷	۸۷

Marfat.com

۱۶۹	موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام کا پے در پے آنا	۳۹۹	۸۷
۱۷۰	شاخ یعقوب کے آخری نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	۳۹۹	″
۱۷۱	وہ سچائی کی روشن نشانیاں کیا تھیں؟	۴۰۰	″
۱۷۲	روح القدس کی تائید کا مطلب کیا ہے؟	۴۰۱	″
۱۷۳	ہوائے نفس کی پیروی سراسر گمراہی ہے	۴۰۳	″
۱۷۴	بنی اسرائیل کی اندھی تقلید	۴۰۳	۸۸
۱۷۵	قرآن کریم کی تصدیق ان پر لازم آتی تھی لیکن تصدیق کی بجائے انکار کر دیا	۴۰۵	۸۹
۱۷۶	جس مثیل موسیٰ کی تم کو انتظار تھی وہ آگیا	۴۰۵	″
۱۷۷	انکار کا سبب دراصل ان کی سرکشی تھی	۴۰۷	۹۰
۱۷۸	ایک سچائی کا انکار سب سچائیوں کا انکار ہے کاش کہ تم سمجھ جاؤ	۴۰۹	۹۱
۱۷۹	کیا موسیٰ علیہ السلام بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے تھے؟	۴۱۰	۹۲
۱۸۰	تم وہی نہیں جن سے طور کے نیچے عہد لیا گیا تھا؟	۴۱۱	۹۳
۱۸۱	گائے کی محبت تھی کہ وہ تمہارے دلوں کے اندر رچ بس گئی تھی	۴۱۲	″
۱۸۲	بنی اسرائیل اپنی ساری بد اعتدالیوں کے باوجود آخرت کی کامیابی بھی اپنا حق سمجھتے تھے	۴۱۳	۹۴
۱۸۳	دعوت مباہلہ کا چیلنج	۴۱۴	۹۴
۱۸۴	آخر انہوں نے اس چیلنج کو کیوں قبول نہ کیا؟	۴۱۴	۹۴
۱۸۵	اہل کتاب کہلا کر مشرکوں سے بھی گئے گزرے ہیں	۴۱۶	۹۶
۱۸۶	جبرئیل دشمنی سے جبرئیل کا کیا نقصان ہوگا؟	۴۱۸	۹۷
۱۸۷	تصوراتی دنیا میں کھو جانے والے ہمیشہ اپنا ہی نقصان کیا کرتے ہیں	۴۱۹	۹۸
۱۸۸	سچائی کی روشنی کو جھٹلانے والا کفر کا اندھا ہی ہو سکتا ہے؟	۴۲۰	۹۹
۱۸۹	یہود کی اس سرکشی کا بیان کہ "وہ وعدہ ہی کیا جو ایفاء ہوگیا"	۴۲۲	۱۰۰
۱۹۰	کیا ایمان نام کی کوئی چیز بھی ان کے ہاں تسلیم ہے؟	۴۲۳	″
۱۹۱	جب ان کے پاس رسول آیا "رسول" سے مراد کونسا رسول ہے؟	۴۲۳	۱۰۱
۱۹۲	پیٹھ پیچھے پھینکنے کا مطلب بچے بھی سمجھتے ہیں لیکن یہاں علماء نہ سمجھیں تو ہم کیا کریں؟	۴۲۵	″
۱۹۳	یہود کے کتاب اللہ چھوڑنے کی ایک واضح دلیل	۴۲۵	۱۰۲
۱۹۴	ہاروت و ماروت فرضی شخصیتیں ہیں فرشتے نہیں	۴۲۸	″
۱۹۵	افسوں گری کا مشغلہ کرنے والوں کا اصل نشانہ کیا تھا؟	۴۲۹	″

Marfat.com

۱۹۶	سحر کا اثر اذن الٰہی چہ معنی دارد؟	۴۳۰	۱۰۲
۱۹۷	سحر کیا ہے؟ کفر ہے۔ حرام کاری ہے۔ مکر و فریب ہے	۴۳۱	″
	سحر یا جادو اسلام کی نظر میں	۴۳۲	″
	قصہ ہاروت و ماروت	۴۳۵	″
	نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر	۴۴۱	″
۱۹۸	انسانیت سے عاری لوگوں کی حالت پر بھی اظہار افسوس کی ہدایت	۴۴۵	۱۰۳
۱۹۹	مشتبہ الفاظ کے استعمال کی ممانعت	۴۴۵	۱۰۴
۲۰۰	اسلام دشمنی میں یہود و نصاریٰ اور مشرک سب ہم خیال ہیں	۴۴۸	۱۰۵
۲۰۱	ناسخ و منسوخ کیا ہے؟ کیا قرآن کریم کی آیات منسوخ ہیں؟	۴۵۱	۱۰۶
۲۰۲	نبوت عطائی یا وہبی چیز تھی کسبی نہیں کیا تم کو اتنی واضح بات بھی معلوم نہیں؟	۴۵۷	۱۰۷
۲۰۳	یہود کی اس شرارت کا بیان کہ وہ مسلمانوں کو بے جا سوالات کرنے پر اکساتے تھے	۴۵۷	۱۰۸
۲۰۴	بے جا سوالات بھی کفر تک پہنچنے کا سبب ہو سکتے ہیں	۴۵۹	″
۲۰۵	اس چھیڑ چھاڑ سے یہود کی اصل غرض کیا ہے؟	۴۶۰	۱۰۹
۲۰۶	اسلام اہل اسلام کو بھڑکا کر نہیں بلکہ سمجھا کر کام پر لگاتا ہے	۴۶۱	″
۲۰۷	ارکان اسلام کے اندر ہی غلبہ اسلام ہے۔ ارکان کو سمجھ کر ادا کرنے کی عادت بنا لو	۴۶۲	۱۱۰
۲۰۸	کیا جنت حاصل کرنے کے لئے کسی گروہ کا قلادہ پہننا ضروری ہے؟	۴۶۹	۱۱۱
۲۰۹	جنت کا مدار کسی کی آرزوؤں پر نہیں	۴۷۰	″
۲۱۰	ایمان و عمل صالح ہی جنت کا ضامن ہے	۴۷۱	۱۱۲
۲۱۱	یہود و نصاریٰ کیا ہیں؟ اور کیا کہتے ہیں؟	۴۷۳	۱۱۳
۲۱۲	یہود و نصاریٰ کی لڑائی سے مشرکین نے کیا فائدہ اٹھایا؟	۴۷۴	″
۲۱۳	مسلمانوں نے بھی وہی کیا جو دوسری قومیں کرتی آ رہی تھیں؟	۴۷۵	″
	ایک غلطی کا ازالہ	۴۷۵	″
۲۱۴	دین اسلام میں صرف ایک ہی مرکز کا ہونا ضروری ہے	۴۷۷	۱۱۴
۲۱۵	قومی مرکز کی بے حرمتی قوم کی موت کے مترادف ہے؟ گویا دنیوی رسوائی ہے	۴۷۹	″
۲۱۶	سمت کا مقرر کرنا انتظامی امور سے متعلق ہے اللہ ہر سمت سے پاک ہے	۴۸۰	۱۱۵
۲۱۷	اللہ کی اولاد بنانے والوں کا اصل موقف کیا ہے؟	۴۸۲	۱۱۶
۲۱۸	زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا تو ہے	۴۸۵	″

Marfat.com

۲۱۹ بغیر کسی مادہ کے پیدا کرنے والا ہی "اللہ" ہے	۴۸۶	۱۱۷
۲۲۰ اللہ کے کلمہ کن کا صحیح مطلب کیا ہے؟	۴۸۷	"
۲۲۱ علم نہ رکھنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟	۴۸۷	۱۱۸
۲۲۲ ہر دور میں گمراہوں کی گمراہی ایک ہی جیسی رہی ہے	۴۸۸	"
۲۲۳ سب کے دل ایک جیسے ہونے کا مطلب ایک ہی جیسے سوالات کرنا ہے	۴۸۸	"
۲۲۴ مطالبہ ایک نشان کا تھا لیکن ان کو نشان پر نشان دکھایا گیا جو بے اثر ثابت ہوا	۴۸۹	"
۲۲۵ بعثت کی ضرورت	۴۹۰	۱۱۹
۲۲۶ یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی خوش نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ ان کی بات مان لیں	۴۹۲	۱۲۰
۲۲۷ اسلام دین الٰہی ہونے کا نشان	۴۹۴	۱۲۱
۲۲۸ اجمال اور تفصیل اجمال کے بعد دوبارہ اجمال کی حکمت	۴۹۵	۱۲۲
۲۲۹ ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر	۴۹۶	۱۲۴
۲۳۰ خلافت ارضی کا عہد بھی نافرمانوں کے لئے نہیں ہے	۵۰۹	"
۲۳۱ دنیا کی قدیم عبادت گاہ بیت اللہ ہی ہے	۵۱۰	۱۲۵
۲۳۲ مقام ابراہیم کی حقیقت و اصلیت	۵۱۱	"
۲۳۳ تعمیر بیت اللہ کا اصل مقصد	۵۱۲	"
۲۳۴ شرک و بت پرستی کی ناپاکی سب ناپاکیوں سے بڑی اور بری ہے	۵۱۳	"
۲۳۵ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مناجات بارگاہ قاضی الحاجات اور پہلی طلب	۵۱۴	۱۲۶
۲۳۶ آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کا فائدہ' فائدہ قلیل ہے	۵۱۵	"
۲۳۷ کعبہ کی تعمیر ابراہیمی تعمیر اول نہیں تھی	۵۱۶	۱۲۷
۲۳۸ مثل ہے کہ ہاتھ کار پر دل یار پر	۵۱۷	"
۲۳۹ بارگاہ رب ذوالجلال میں امت مسلمہ کے لئے دعا	۵۱۷	۱۲۸
۲۴۰ رسول عربی ﷺ کے حق میں دعائے مخصوص	۵۱۸	۱۲۹
۲۴۱ منصب رسالت پر فائز ہونے والے رسول کے فرائض	۵۱۹	"
۲۴۲ ملت ابراہیمی سے منہ موڑنے والا کبھی عقل مند نہیں ہو سکتا	۵۲۲	"
۲۴۳ ابراہیم علیہ السلام کے لئے آخرت میں بھی درجات عالیہ مقرر ہیں	۵۲۳	"
۲۴۴ ابراہیم علیہ السلام کی وصیت اپنے بیٹوں کے نام	۵۲۴	۱۳۲
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک خاکہ قرآن کریم کی نظر میں	۵۲۵	"

Marfat.com

۲۴۵ یعقوب علیہ السلام کا استفسار بیٹوں سے کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟	۵۴۵	۱۴۳
۲۴۶ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ سارے انبیاء کی آواز ایک ہی جیسی تھی	۵۴۶	"
۲۴۷ دنیا سے رخصت ہونے والے انبیاء سب ایک ہی جماعت تھے	۵۴۷	۱۳۴
۲۴۸ تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو نہ کہ دوسروں کے	۵۴۷	"
۲۴۹ ملت ابراہیم علیہ السلام اور اسلام ایک ہی چیز کے دو نام ہیں	۵۴۸	۱۵۳
۲۵۰ ایمان میں مثالی نمونہ ہی اگر دیکھنا ہے تو بانی اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کا ایمان ہی ہو سکتا ہے	۵۴۹	۱۳۶
۲۵۱ پھر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی طرف منہ کر کے کہا جاتا ہے	۵۵۱	۱۳۷
۲۵۲ مخالفوں کی مخالفت کی پروا نہ کرنا ہی اللہ کی حفاظت میں آنا ہے	۵۵۱	"
۲۵۳ نصاریٰ کی ایک رسم اصطباغ کا رد	۵۵۲	۱۳۸
۲۵۴ اہل کتاب سے کہا جا رہا ہے کہ جھگڑا چھوڑ دو کیونکہ ہمارا اور تمہارا رب ایک ہی ہے	۵۵۳	۱۳۹
۲۵۵ اے اہل کتاب ذرا عقل کے ناخن لو کیا کہہ رہے ہو	۵۵۴	۱۴۰
۲۵۶ اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحید خالص کے پیرو تھے	۵۵۵	"
۲۵۷ اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے	۵۵۵	"
۲۵۸ ہاں! اکابرین یہود ایک امت تھے	۵۵۶	۱۴۱
۲۵۹ جو شخص سوچ سمجھ کر بات نہ کرے وہی بے وقوف ہوتا ہے	۵۵۷	۱۴۲
۲۶۰ اللہ تعالیٰ کسی مقام یا جہت میں پابند نہیں	۵۵۸	"
۲۶۱ بہترین قبلہ بیت اللہ ہے اور بہترین امت امت مسلمہ ہے	۵۵۹	۱۴۳
۲۶۲ بیت المقدس کو عارضی قبلہ کیوں رہنے دیا گیا؟	۵۶۱	"
۲۶۳ بیت المقدس کو قبلہ بنا کر پڑھی گئی نمازیں صحیح اور درست ہیں	۵۶۳	"
۲۶۴ رسول اللہ ﷺ وہی چاہتے تھے جو رضائے الٰہی ہوتی	۵۶۳	۱۴۴
۲۶۵ المسجد الحرام بیت اللہ کا نام ہے	۵۶۴	"
۲۶۶ اہل کتاب بھی جانتے تھے کہ بیت اللہ ہی مستقل قبلہ ہے	۵۶۵	"
۲۶۷ اہل کتاب دلائل کے ماننے والے ہوتے تو ان کے پاس بھی موجود تھے	۵۶۶	۱۴۵
۲۶۸ نہ ماننے والوں کے لئے کوئی دلیل بھی دلیل نہیں ہوتی	۵۶۷	"
۲۶۹ اہل کتاب آپکو اور آپکے قبلہ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے انسان اپنی اولاد کو پہچانتا ہے	۵۶۸	۱۴۶
۲۷۰ حق ہمیشہ اپنی دلیل آپ ہوتا ہے	۵۶۹	۱۴۷
۲۷۱ امت مسلمہ کا قبلہ ہی امت مسلمہ کا مرکز ہے	۵۶۹	۱۴۸

183598 H3078

Marfat.com

۲۷۲ بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی تاکید مزید	۵۷۰	۱۴۹
۲۷۳ تکرار الفاظ کی حکمت ظاہری	۵۷۱	۱۵۰
۲۷۴ اہل اسلام کیلئے ساری نعمتوں سے بڑی نعمت رسول عربی ﷺ ہیں	۵۷۲	″
اہل کتاب اپنے آئینہ و کتاب میں	۵۷۳	″
۲۷۵ امت مسلمہ کو ذکر الٰہی کی ہدایت اور اس کے ثمرات	۵۷۷	۱۵۲
۲۷۶ اللہ کا شکر ادا کرنے کے اہم ذرائع میں سے نماز اور صبر ہیں	۵۷۸	۱۵۳
۲۷۷ شہید کی موت کبھی موت نہیں ہوتی بلکہ وہی تو اصل حیات ہے	۵۸۱	۱۵۴
۲۷۸ انسان کی زندگی میں آزمائشیں اور بھی ہیں	۵۸۴	۱۵۵
۲۷۹ آزمائش کی گھڑیوں میں اللہ کو یاد رکھنا صبر ہے	۵۸۶	۱۵۶
۲۸۰ رضائے الٰہی پر راضی رہنے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہوگئے	۵۸۸	۱۵۷
۲۸۱ صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو بیت اللہ کے بالکل قریب ہیں	۵۸۸	۱۵۸
۲۸۲ حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جو فرض ہے اور عمرہ سنت ہے	۵۹۰	″
۲۸۳ احکام حق کو چھپانے والے اللہ کی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں	۵۹۱	۱۵۹
۲۸۴ فساد کی اصلاح کرلیں جو چھپایا ہے ظاہر کردیں تو یہ ان کی توبہ ہوگی	۵۹۲	۱۶۰
۲۸۵ کفر پر قائم رہنے والوں کے لئے اللہ اور اس کی تمام مخلوق کی لعنت ہے	۵۹۴	۱۶۱
۲۸۶ ابدی محروموں کے لئے نہ تخفیف ہوگی اور نہ ہی مہلت دی جائے گی	۵۹۴	۱۶۲
۲۸۷ پوری کائنات اور انسانیت کا معبود حقیقی ایک ہی ہے	۵۹۶	۱۶۳
۲۸۸ یگانگت الٰہی کی نشانیاں	۵۹۷	۱۶۴
۲۸۹ کون ہیں وہ جو اللہ کا شریک اور ہم پلہ بناتے ہیں	۶۱۱	۱۶۵
۲۹۰ جو محبت خالص اللہ کے لئے ہے وہ دوسروں کے لئے حرام ہے	۶۱۴	″
۲۹۱ ایمان والوں پر اللہ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہوتی ہے	۶۱۵	″
۲۹۲ شرک سے بڑا کوئی ظلم اور مشرک سے بڑا کوئی ظالم نہیں	۶۱۶	″
۲۹۳ وہ وقت یاد کرو جب پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزار ہوں گے	۶۱۶	۱۶۶
۲۹۴ مریدین کی حرکت کہ کاش ایک بار ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹایا جائے	۶۱۸	۱۶۷
۲۹۵ مسلمانوں کو حلال و طیب چیزیں کھانے کی ہدایت	۶۲۵	۱۶۹
۲۹۶ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہوگا	۶۲۶	″
۲۹۷ بے دلیل بات کبھی سچی نہیں ہوتی	۶۲۸	″

Marfat.com

۲۹۸ اللہ کی راہ کی بجائے باپ دادوں کی راہ پر چلنے والے	۶۳۰	۱۷۰
۲۹۹ کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کی مثال قرآن کریم میں	۶۳۲	۱۷۱
۳۰۰ مسلمانوں کو حلال و طیب کھانے کی ہدایت	۶۳۴	۱۷۲
۳۰۱ جن چار چیزوں سے روکا گیا ہے وہ کون کونسی ہیں؟	۶۳۵	۱۷۳
۳۰۲ اللہ کے نازل کردہ احکامات کو چھپانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے	۶۴۰	۱۷۴
۳۰۳ ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب حاصل کرنے والے یہی لوگ ہیں	۶۴۱	۱۷۵
۳۰۴ کتاب الٰہی کے نزول کے بعد تفرقہ بازی ہدایت نہیں گمراہی ہے	۶۴۱	۱۷۶
۳۰۵ نیکی اور بھلائی کی پہچان کہ وہ کیا ہے؟	۶۴۲	۱۷۷
۳۰۶ قانون فوجداری کی شق اول کا ذکر	۶۴۷	۱۷۸
۳۰۷ اگر مقتول کے ورثاء دیت پر راضی ہو جائیں تو خون بہا ادا کر دیا جائے	۶۵۰	″
۳۰۸ قصاص کیا ہے؟ گویا زندگی ہے لیکن عقل والوں کے لئے	۶۵۱	۱۷۹
۳۰۹ وصیت کرنے کا حکم منسوخ نہ ہونے کی دلیل	۶۵۲	۱۸۰
۳۱۰ وصیت میں تغیر و تبدل جائز نہیں بشرطیکہ وصیت شرعی ہو	۶۵۴	۱۸۱
۳۱۱ وصیت کرنے والا اگر وصیت خلاف اصول کر دے تو اصلاح جائز ہے	۶۵۵	۱۸۲
۳۱۲ روزہ کی فرضیت کا اعلان	۶۵۵	۱۸۳
۳۱۳ چند گنتی کے دنوں کا روزہ فرض ہے یعنی ۲۹ دن یا ۳۰ دن کا	۶۵۷	۱۸۴
۳۱۴ مسافر، بیمار اور جن کے لئے روزہ رکھنا ناقابل برداشت ہو وہ کیا کریں؟	۶۵۸	″
۳۱۵ رمضان المبارک کی فضیلت اور نزول قرآن کریم	۶۶۰	۱۸۵
۳۱۶ اللہ بندے کے اتنا قریب ہے کہ بندہ اتنا اپنے قریب بھی نہیں	۶۶۳	۱۸۶
۳۱۷ رمضان کی راتوں میں فرصت کے اوقات ہوں تو ازدواجی تعلق کی ممانعت نہیں	۶۶۷	۱۸۷
۳۱۸ ازدواجی زندگی کے "لباس" کے الفاظ کی خوبی	۶۶۸	″
۳۱۹ ازدواجی زندگی کا اصل مقصد اسلام کی نظر میں	۶۶۸	″
۳۲۰ روزہ کی حدود کا اعلان الٰہی	۶۶۹	″
۳۲۱ حالت اعتکاف میں مزید پابندیوں کی اطلاع	۶۷۰	″
عورتوں کا اعتکاف	۶۷۰	″
۳۲۲ حدود اللہ کے قریب جانا مناسب نہیں	۶۷۰	″
۳۲۳ ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ	۶۷۱	۱۸۸

Marfat.com

۳۲۴ قمری حساب کی افادیت	۶۷۴	۱۸۹
۳۲۵ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کی تردید	۶۷۶	״
۳۲۶ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم عام	۶۷۷	۱۹۰
۳۲۷ جنگ جاری کرنے والوں کو اب جہاں پاؤ قتل کرو یہاں تک کہ وہ جنگ سے باز آجائیں	۶۷۹	۱۹۱
۳۲۸ مشرکین کی جسارت کا اندازہ لگاؤ	۶۸۰	״
۳۲۹ فتنہ کا قائم رہنا خونریزی سے بھی بڑھ کر جرم ہے	۶۸۱	״
۳۳۰ مسجد حرام کی حدود میں لڑائی جائز نہیں لیکن مجبوری اور شے ہے	۶۸۲	۱۹۱
گذشتہ سے پیوستہ	۶۸۲	״
۳۳۱ کفار اپنی روش چھوڑ دیں تو اللہ معاف کر دے گا	۶۸۳	۱۹۲
۳۳۲ فتنہ کے خاتمہ تک جنگ جاری رہے گی، فتنہ ختم ہوگا تو اللہ کا دین جاری ہوگا	۶۸۴	۱۹۳
۳۳۳ حرمت کے مہینوں کا احترام ضروری ہے	۶۸۷	۱۹۴
۳۳۴ جہاد میں مال کی بھی ضرورت ہوگی وقت آنے پر دریغ نہ کرنا	۶۸۹	۱۹۵
جہاد کا بیان جاری تھا اچانک حج کا ذکر کیوں؟	۶۹۰	״
حج اور جہاد کی مناسبت	۶۹۲	״
۳۳۵ رضائے الٰہی کے حصول کیلئے حج ادا کرنا	۶۹۳	۱۹۶
۳۳۶ راستہ میں رک جانے کی اگر کوئی صورت پیش آجائے تو کیا کرے؟	۶۹۴	״
۳۳۷ بیماری کے سبب اگر قربانی سے قبل حجامت بنوانا ضروری ہو تو کیا کرے؟	۶۹۵	״
۳۳۸ وہ جرمانہ کیا ہے؟	۶۹۵	״
۳۳۹ راستہ کھل جائے یا عذر دور ہو جائے تو پھر حج کرو	۶۹۶	״
۳۴۰ قانون الٰہی کی پابندی کرو	۶۹۷	״
۳۴۱ حج معلوم مہینوں میں ہے	۶۹۷	۱۹۷
۳۴۲ حج کرنا چاہتے ہو تو زاد راہ کا خود بندوبست کرو	۷۰۰	״
۳۴۳ اللہ کے حکم کے مطابق کام کرنا ہی عقلمندی ہے	۷۰۰	״
۳۴۴ حج اور فضل اللہ کی تلاش	۷۰۱	۱۹۸
۳۴۵ میدان عرفات میں وقوف کرنے کے بعد واپس الی المنیٰ	۷۰۲	״
۳۴۶ دین اسلام میں آجانے کے بعد جس چیز کا خطرہ سب سے بڑھ کر ہے وہ کیا ہے؟	۷۰۳	״
۳۴۷ حج کا مقصد تفریق مٹانا ہے ڈالنا نہیں	۷۰۴	۱۹۹

Marfat.com

۳۴۸ میدان عرفات میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو	۷۰۵	۱۹۹
۳۴۹ مناسک حج کی تکمیل کے بعد خالص اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ	۷۰۵	″
۳۵۰ صرف دنیا کا طالب ہمیشہ آخرت سے محروم رہتا ہے	۷۰۷	″
۳۵۱ حقیقی بھلائی وہی ہے جو دنیا و آخرت کے لئے ہو	۷۰۸	۲۰۱
۳۵۲ دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہنے والے ہی لوگ مفید ہو سکتے ہیں	۷۰۹	۲۰۲
۳۵۳ حج کے دنوں کی مشغولیت صرف اللہ کی یاد ہے	۷۱۱	۲۰۳
ارکان اسلامی کا ایک اہم رکن حج ہے	۷۱۲	″
حج کی دعائیں اور اذکار	۷۲۱	″
ناخواندہ حجاج کرام کے لیے تحفہ	۷۲۸	″
۳۵۴ دوہری پوزیشن کے لوگوں کا حال بھی عجیب ہوتا ہے	۷۲۹	۲۰۴
۳۵۵ ان منافقین کو اگر حکومت مل جائے تو کیا ہوتا ہے؟	۷۳۰	۲۰۵
۳۵۶ نصیحت ان کو ایسے لگتی ہے جیسے زخم پر نمک	۷۳۱	۲۰۶
۳۵۷ طالبان رضائے الٰہی کا حال کیسا ہے؟	۷۳۲	۲۰۷
۳۵۸ پورے پورے مسلمان بن جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو	۷۳۳	۲۰۸
۳۵۹ اگر تم نے پرواہ نہ کی تو سمجھ لو کہ اللہ تو پہلے ہی بے پرواہ ہے	۷۳۴	۲۰۹
۳۶۰ اعلیٰ ترین قانون تمہارے پاس ہے لیکن عمل کا انحصار تو تم پر ہے	۷۳۴	۲۱۰
۳۶۱ اللہ کا قانون مکافات بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے	۷۳۵	۲۱۱
۳۶۲ کفار کی نگاہوں میں دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے	۷۳۶	۲۱۲
۳۶۳ ایک وقت تھا کہ سب انسان ایک ہی جماعت تھے اور کوئی گروہ بندی نہ تھی	۷۳۷	۲۱۳
زیر نظر آیت سے تین باتیں واضح ہوئیں۔	۷۴۰	″
۳۶۴ صرف ایمانی دعویٰ سے جنت نہیں ملتی یہاں لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں	۷۴۲	۲۱۴
۳۶۵ وہ مقام جس پر رسالت کا منصب رسول کو عام انسانوں سے جدا کر دیتا ہے	۷۴۳	″
دوبارہ آیت ۲۱۴ کی طرف مراجعت	۷۴۳	″
۳۶۶ کیا آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ روپیہ کا مصرف کیا ہے	۷۴۴	۲۱۵
۳۶۷ جنگ تم پر فرض کی گئی ہے اسکی حقیقت سمجھ میں آئیگی تو ناگواری ختم ہو جائے گی	۷۴۷	۲۱۶
۳۶۸ کیا وہ حرمت کے مہینوں کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں؟	۷۴۸	۲۱۷
۳۶۹ مہینوں کی حرمت پر بحث کرنے والوں کو انسانیت سوز کاموں کا بھی خیال چاہیے۔	۷۴۹	″

Marfat.com

۳۷۰ فتنہ پردازوں کو آخر اپنا فتنہ کیوں نظر نہیں آتا	۷۵۰	۲۱۷
۳۷۱ کیا مرتد کی سزا قتل ہے یا کوئی اور؟	۷۵۱	"
۳۷۲ ایمان لانے کے بعد ایمان پر ثابت قدمی بہت بڑا کمال ہے	۷۵۳	۲۱۸
۳۷۳ حرمت شراب اور اس کے متعلقہ احکام	۷۵۴	۲۱۹
۳۷۴ "میسر" یعنی "جوا" کیا ہے	۷۵۷	"
۳۷۵ ضروریات سے زائد مال راہ الٰہی میں خرچ کر دینا ہی عفو ہے	۷۵۸	"
۳۷۶ لوگ آپؐ سے بے باپ بچوں کے متعلق پوچھتے ہیں ان کو بتا دو	۷۶۰	۲۲۰
۳۷۷ مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت اور مشرک مردوں سے بھی	۷۶۲	۲۲۱
۳۷۸ ایام خاص میں عورتوں یعنی اپنی بیویوں سے علیحدگی کا مسئلہ	۷۶۴	۲۲۲
۳۷۹ ازدواجی زندگی کی ایک ضرورت افزائش نسل ہے	۷۶۶	۲۲۳
۳۸۰ وقت اور حالات کے مطابق بیج ڈالنا ہی فطری طریقہ کاشت ہے	۷۶۷	"
۳۸۱ نیک کاموں کے نہ کرنے کی قسم اٹھانا بذاتہ بری چیز ہے	۷۶۸	۲۲۴
۳۸۲ لایعنی قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں تاہم ایسی قسم کھانا اچھی عادت نہیں	۷۶۹	۲۲۵
۳۸۳ ایلاء ایک قسم کی قسم بھی ہے اور طلاق کی ایک صورت بھی	۷۷۰	۲۲۶
۳۸۴ اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو بات کو واضح کر دینا چاہئے	۷۷۲	۲۲۷
۳۸۵ طلاق والیاں تین معیادوں تک انتظار کریں	۷۷۷	۲۲۸
۳۸۶ ""ثلثۃ قروء" کو تین میعادیں کیوں کہا گیا؟	۷۷۴	"
۳۸۷ حقیقت حقیقت ہی ہے اس کو بدلنے کی ضرورت آخر کیوں؟	۷۷۶	"
۳۸۸ دو طلاق دینے کے بعد بھی مرد رجوع کا حق رکھتا ہے	۷۷۷	۲۲۹
۳۸۹ طلاق دینے والا مطلقہ سے کوئی دی ہوئی چیز واپس لینے کا حق نہیں رکھتا	۷۷۹	"
۳۹۰ ہاں عورت خلع کرنا چاہے تو مہر کا کچھ حصہ یا زیادہ سے زیادہ سارا واپس لیا جا سکتا ہے	۷۸۰	"
۳۹۱ طلاق مکمل کب ہوتی ہے؟	۷۸۳	۲۳۰
۳۹۲ حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے ملعون ہیں	۷۸۳	"
۳۹۳ رکاوٹ کیوں ڈالی گئی اور نتیجہ کیا رہا؟	۷۸۴	۲۳۰
۳۹۴ ایک یا دو طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے	۷۸۵	۲۳۱
۳۹۵ ایک یا دو طلاق کے بعد عدت پوری کر کے عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے	۷۸۶	"
۳۹۶ دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری ہے	۷۹۰	۲۳۲

Marfat.com

۳۹۷ ماں باپ مشورہ کر کے اتفاق رائے سے بچے کو دودھ پلانے کی مدت کم کر سکتے ہیں	۷۹۱	۲۳۴
۳۹۸ ماں کے سوا دوسری عورت کا دودھ پلوانے کے شرعی احکام	۷۹۲	″
۳۹۹ خاوند وفات پا جائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی	۷۹۳	۲۳۵
۴۰۰ دوران عدت عورت کو نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے	۷۹۴	″
۴۰۱ نکاح کیا لیکن مہر مقرر نہیں کیا پھر خلوت صحیح بھی نہ ہوئی کہ طلاق کی نوبت آگئی؟	۷۹۵	۲۳۷
۴۰۲ نکاح کیا، مہر بھی مقرر ہوگیا لیکن صحبت میسر نہ آئی کہ طلاق کی نوبت آگئی	۷۹۶	۲۳۷
۴۰۳ مسائل طلاق جاری تھے کہ اچانک نماز کا ذکر چھیڑ دیا، کیوں؟	۷۹۷	۲۳۸
۴۰۴ نماز وسطیٰ کون سی نماز ہے اور اس کی خصوصاً تاکید کیوں؟	۷۹۷	″
۴۰۵ دشمن کا خوف دامن گیر ہو تو بھی نماز ادا کرنا ہوگی ہاں اسکی صورت کچھ بدل جائے گی	۷۹۸	″
۴۰۶ بیوہ عورتوں کے لئے عدت کے علاوہ بھی مزید رعایت رکھی گئی ہے	۷۹۹	۲۴۰
۴۰۷ طلاق دینے کے بعد بھی عورت کے فائدہ کا خیال رکھنا پرہیزگاری ہے	۸۰۰	۲۴۱
طلاق ثلاثہ پر مختصر کلام	۸۰۱	
میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونے کی صورت میں	۸۱۰	
ایک مجلس کی تین یا زائد طلاق کو تین شمار کرنے کی دلیل	۸۱۱	
کیا مجلس واحد کی تین طلاقوں کا وقوع حدیث سے ثابت ہے	۸۱۴	
کیا تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر اجماع ہے؟	۸۲۰	
مجلس واحد کی تین طلاقیں کن علماء و فقہاء کے نزدیک ایک واقعہ ہوتی ہیں	۸۲۴	
تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا اثر اسلام کے نظام طلاق پر	۸۲۵	
مسلم ممالک میں ایک طلاق کا قانون	۸۲۵	
محض تاکید کے لیے طلاق کا لفظ دہرانا	۸۲۶	
اس سلسلہ کی سب سے بڑی برائی وہ ہے جس کا نام حلالہ رکھا گیا	۸۲۶	
۴۰۸ گزشتہ احکام کی تاکید مزید کا پیارا انداز	۸۲۷	۲۴۲
۴۰۹ سلسلہ کلام پھر جہاد کی طرف پھیرا جا رہا ہے	۸۲۷	۲۴۳
۴۱۰ جہاد پیش آجائے تو بے خوف و خطر ہو کر لڑو	۸۳۱	۲۴۴
۴۱۱ اللہ کو قرض دینا کیا ہے؟	۸۳۱	۲۴۵
۴۱۲ جہاد کے لئے انتخاب امیر کی ضرورت اور بنی اسرائیل کی اپیل	۸۳۳	۲۴۶
وہی کچھ ہوا جس کا خدشہ نبیؑ نے ظاہر کیا تھا	۸۳۴	″

Marfat.com

۴۱۳ فوجی سپہ سالار یعنی کمانڈر ان چیف کیسا ہونا چاہئے؟	۸۳۵	۲۴۷
۴۱۴ طالوت کون تھا؟ بعض نے اسے پسند نہیں کیا کیوں؟	۸۳۷	″
۴۱۵ تابوت کیا ہے؟ کہاں گیا اور کیسے واپس آیا؟	۸۳۸	۲۴۹
۴۱۶ طالوت کا لشکر کے ساتھ میدان جنگ کی طرف جانا اور لشکر کی آزمائش	۸۴۱	″
۴۱۷ طالوت نے سیر ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی تھی	۸۴۳	″
۴۱۸ قوت ایمانی سب قوتوں پر غالب آجاتی ہے	۸۴۳	″
۴۱۹ میدان کار زار میں جب فریقین نبرد آزما ہوئے	۸۴۴	۲۵۰
۴۲۰ لشکر طالوت نے جالوت سے دو چار کر دیا	۸۴۵	۲۵۱
۴۲۱ قرآن کریم کی دور رس نظر پکار رہی ہے کہ میں اللہ کا کلام ہوں	۸۴۶	۲۵۲
قصہ طالوت پر ایک نظر	۸۴۷	″
۴۲۲ گروہ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت	۸۴۸	۲۵۳
۴۲۳ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا	۸۵۰	″
۴۲۴ اشارہ ہے جامع کمالات خاتم نبوت ؐ کی طرف	۸۵۰	″
۴۲۵ ابن مریم کی کنیت کا اصل راز	۸۵۱	″
۴۲۶ ابن مریم کی تائید روح القدس سے	۸۵۲	″
۴۲۷ مشیت ایزدی میں لوگوں کے نہ جھگڑنے کا فیصلہ ہوتا تو وہ کیوں جھگڑتے؟	۸۵۲	″
۴۲۸ انبیاء کے بعد لوگ پھر آپس میں اختلاف کرنے لگے	۸۵۳	″
۴۲۹ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے کا مطلب کیا؟	۸۵۴	۲۵۳
۴۳۰ قومی حیات حکومت سے وابستہ ہے اور حکومت کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے	۸۵۴	۲۵۴
۴۳۱ اللہ ہی معبود حقیقی ہے اور اس کو کبھی فنا نہیں	۸۵۶	۲۵۵
۴۳۲ اللہ ہی کی ذات ہے جو اونگھ سے بھی پاک ہے	۸۵۷	″
۴۳۳ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے	۸۵۷	″
۴۳۴ عرش الٰہی ہر ایک چیز کو محیط ہے	۸۵۸	″
۴۳۵ زمین و آسمان کی نگرانی اس کو تھکا نہیں سکتی	۸۵۸	″
۴۳۶ یہ آیت "آیۃ الکرسی" کے نام سے معروف ہے	۸۵۹	″
۴۳۷ دین میں صبر و اکراہ نہیں کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے	۸۶۰	۲۵۶
۴۳۸ طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانا ہی اصل ایمان ہے	۸۶۲	″

Marfat.com

۴۳۹ ہر چیز کا جاننے والا صرف اور صرف اللہ ہی ہے	۸۶۳	"
۴۴۰ کارساز حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے	۸۶۳	۲۵۷
۴۴۱ یہاں سرکش اور مفسد لوگوں کو طاغوت کہا گیا ہے	۸۶۴	"
۴۴۲ ایک سچے مسلم کیلئے طاغوت کا کفر کرنا ضروری ہے	۸۶۵	"
۴۴۳ رئیس الموحدین سیدنا ابراہیمؑ نمرود کے دربار میں	۸۶۵	۲۵۸
۴۴۴ نمرود حکومت کے نشہ میں ایسا سرشار تھا کہ گویا وہ بادشاہ نہیں بلکہ رب ہے	۸۶۶	"
۴۴۵ ابراہیمؑ نمرود کی مناظرانہ چال کو سمجھ گئے تو بحث کو فرد سے اٹھا کر کائنات پر جا رکھا	۸۶۸	"
۴۴۶ نمرود نے ہدایت کا آخری موقع بھی ضائع کر دیا	۸۶۹	"
۴۴۷ زیر نظر آیت میں کس شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے غور طلب ہے	۸۷۰	۲۵۹
۴۴۸ رؤیا میں اصل حقیقت واضح کر کے دکھا دی گئی	۸۷۴	"
۴۴۹ سیدنا ابراہیمؑ کے ایک رؤیا کا ذکر	۸۷۵	۲۶۰
۴۵۰ سیدنا ابراہیمؑ کی التجا بارگاہ خدا	۸۷۷	"
۴۵۱ کیا آسان کو مشکل اور پھر مشکل ترین بنانا تفسیر ہے	۸۸۰	"
۴۵۲ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا زمین میں غلہ بونے کے مترادف ہے	۸۸۱	۲۶۱
۴۵۳ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیوں؟	۸۸۲	"
۴۵۴ راہ خدا میں خرچ کرنا نیکی ہے تو نیکی کرو دریا میں ڈال دو	۸۸۳	۲۶۲
۴۵۵ نیکی وہی نیکی ہے جس کے بعد احسان نہ جتایا جائے	۸۸۴	"
۴۵۶ سیدھے منہ کی بات اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت ہو	۸۸۴	۲۶۳
۴۵۷ ایمان والوں کو تاکید مزید ہے کہ اپنے خرچ کئے ہوئے کو مٹا نہ دو	۸۸۵	۲۶۴
۴۵۸ دکھاوے کی خیرات کرنے والا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا	۸۸۶	"
۴۵۹ دکھاوے کی خیرات کرنے والوں کی مثال قرآن کریم میں	۸۸۷	"
۴۶۰ رضائے الٰہی کی خاطر مال خرچ کرنے والوں کا حال	۸۸۹	۲۶۵
۴۶۱ اس باغ سے تشبیہ جو کسی اونچے مقام پر لگایا گیا ہو	۸۸۹	"
۴۶۲ متلاشیان رضائے الٰہی سے خطاب	۸۹۰	"
۴۶۳ فطرت انسانی سے استشہاد کی ایک مثال	۸۹۱	۲۶۶
۴۶۴ بڑھاپے کی مثال موت کے ساتھ کیوں؟	۸۹۲	"
۴۶۵ تماثیل سے کون لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں	۸۹۴	"

Marfat.com

۴۶۶ جائز طریقوں سے کمائے ہوئے حلال مال میں سے وہ خرچ کرو جو بڑھیا ہو	۸۹۵	″
۴۶۷ زمین کی پیداوار میں سے جو بھی غلہ پیدا ہوتا ہے اس کا مخصوص حصہ نکالو	۸۹۶	″
۴۶۸ وہی کچھ خرچ کرو جو کل تم کو لوٹایا جائے یا لینا پڑے تو خوشی سے قبول کرسکو	۸۹۷	″
۴۶۹ شیطان کی دعوت کبھی نیکی کی دعوت نہیں ہو سکتی	۸۹۸	۲۶۸
۴۷۰ حکمت کیا ہے؟ خیر کثیر ہے	۸۹۹	۲۶۹
۴۷۱ صدقہ و خیرات اور نذر کا فرق اور یہ کہ نذر کیا ہے؟	۹۰۱	۲۷۰
۴۷۲ صدقہ و خیرات ظاہر طور پر دو یا چھپا کر دونوں طرح جائز ہیں	۹۰۱	۲۷۱
۴۷۳ نیکی برائی کو مٹا دینے کا کام بھی کرتی ہے	۹۰۲	″
۴۷۴ ہدایت کا قبول کروانا پیغمبر کی ذمہ داری نہیں	۹۰۲	۲۷۲
۴۷۵ تمہارا خرچ کرنا صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو	۹۰۴	″
۴۷۶ خاص طور پر مدد کے مستحق یہ تنگ دست ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے	۹۰۵	۲۷۳
۴۷۷ یہ وہ لوگ ہیں جن کی پہچان مسلمان کو خود کرنا ہوگی	۹۰۶	″
۴۷۸ مال لینے والوں اور دینے والوں سب کو اللہ جانتا ہے	۹۰۷	″
۴۷۹ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا اجر محفوظ ہے	۹۰۸	۲۷۴
۴۸۰ راستہ الٰہی میں خرچ کرنے والے کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوں گے	۹۰۹	″
۴۸۱ جو لوگ حاجت مندوں کے لئے تنگی کا باعث ہوتے ہیں ان کی حالت	۹۱۰	۲۷۵
۴۸۲ سود خور قیامت کے روز اس طرح ہوگا جیسے کوئی مخبوط الحواس ہوتا ہے	۹۱۱	″
۴۸۳ سود خور مخبوط الحواس کیوں ہوگا؟	۹۱۴	″
۴۸۴ جیسا جرم ویسی سزا قانون الٰہی کے عین مطابق ہے	۹۱۵	″
۴۸۵ سود خور کا انجام یقیناً برا ہے	۹۱۶	″
۴۸۶ سود کیا ہے؟ اللہ سود کو مٹاتا ہے کا مطلب	۹۱۷	۲۷۶
۴۸۷ اللہ والوں کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ کبھی بے چین نہیں ہوتے	۹۱۹	۲۷۷
۴۸۸ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حرمت سود کے بعد طے شدہ سود بھی چھوڑ دیا جائے	۹۲۰	۲۷۹
۴۸۹ اگر سود کی رقم کو چھوڑنا مشکل ہے تو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ	۹۲۲	۲۷۹
۴۹۰ توبہ کے بعد سود کو چھوڑ دو اور اصل زر وصول کرلو یہ تمہارے حق میں بڑی رعایت ہے	۹۲۴	۲۷۹
۴۹۱ غربت اور نادار مقروض کے ساتھ مساہلت کا سلوک کرنے کی ہدایت	۹۲۵	۲۸۰
۴۹۲ احکام سود کی آیات کے ختم پر دوبارہ بارگاہ ایزدی کا حکم	۹۲۷	۲۸۱

Marfat.com

اس ضمن میں قرآن کریم کی دوسری آیات	۹۲۸	۲۸۱
سورہ روم کی اختلافی آیت کہ اس کا حکم کس طرح کے سود سے ہے	۹۲۹	″
۴۹۳ ادھار دینا بھی ایک قسم کی مالی اعانت ہے جو ضرورت کے وقت لیا دیا جا سکتا ہے	۹۲۹	۲۸۲
۴۹۴ ادھار لینے، دینے لگو تو ضرور اس کو لکھ لیا کرو	۹۳۰	″
۴۹۵ ادھار کی تحریر لکھوانا ادھار لینے والے کا حق ہے یا ادھار دینے والے کا	۹۳۱	″
۴۹۶ مقروض اگر ایسا شخص ہو کہ املا نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا ولی املا لکھائے گا	۹۳۳	″
۴۹۷ قرض یا ادھار کی دستاویز پر گواہ ٹھہرانا بھی ضروری ہیں	۹۳۴	″
۴۹۸ گواہ طلب کیے جائیں تو وہ گواہی سے انکار نہ کریں	۹۳۶	″
۴۹۹ اگر سودا دست بدست ہو تو تم لکھ لینے سے آزاد ہو چاہو لکھو چاہو نہ لکھو	۹۳۷	″
۵۰۰ کاتب اور گواہوں کو نقصان نہ پہنچانے کا تاکیدی حکم	۹۳۸	″
۵۰۱ سورہ بقرہ کی اس آیت ۲۸۲ کا ماحصل	۹۳۸	″
۵۰۲ رہن رکھنے کا طریقہ اور اس کی حقیقت کا بیان	۹۴۱	۲۸۳
۵۰۳ رہن کیا ہے؟ گویا ایک قسم کی امانت ہے جو ہر حال میں قابل واپسی ہے	۹۴۲	″
۵۰۴ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے	۹۴۳	۲۸۴
۵۰۵ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا ہوا ہے	۹۴۴	″
۵۰۶ رسول بھی اپنی رسالت پر اسی طرح یقین رکھتا ہے جس طرح دوسروں کو ایمان کی دعوت دیتا ہے	۹۴۵	۲۸۵
۵۰۷ ایمان مجمل کی تفصیل بھی بتا دی	۹۴۶	۲۸۵
۵۰۸ ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے	۹۴۶	″
۵۰۹ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا	۹۴۷	۲۸۶
۵۱۰ نتیجہ عمل کے ساتھ وابستہ ہے جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی	۹۴۸	″
۵۱۱ اے اللہ! ہم پر ایسا بوجھ مت ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا گیا	۹۴۹	″
۵۱۲ اے رب کریم ہم سے وہ بوجھ مت اٹھوا جس کے ہم متحمل نہ ہوں	۹۵۰	″
۵۱۳ اے ہمارے رب! ہم خطا کار ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار بھی	۹۵۰	″
۵۱۴ کفر کے مقابلہ میں مدد کی اپیل بارگاہ رب ذوالجلال	۹۵۱	″
۵۱۵ انسان کی انسانیت کی بلندی کا معیار یہی ہے جو طلب کرے اللہ سے کرے	۹۵۲	″
سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی مجموعی اہمیت	۹۵۲	″
سورہ بقرہ کی آخری آیت ۲۸۶ کے دعائیہ کلمات	۹۵۳	″

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وحدہ

قرآن کریم کی تفاسیر کا جس قدر ذخیرہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کے دیکھنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ فرزندان اسلام نے اپنے تہذیب و شائستگی اور تمدن و حضارۃ کے مبارک عہد میں قرآن کریم کے حقائق و معارف اور بصائر و حکم پر زور دینے اور دنیا کو اس کا حلقہ بگوش بنانے کے لئے کس قدر انتہائی سعی و کوشش سے کام لیا ہے اور اس کی تعلیمات صالحہ کی نشر و اشاعت میں کس قدر ایثار و فدویت کا اظہار کیا ہے۔ ان جلیل القدر بزرگوں نے اس کتاب حکمت کے حقیقی مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت میں سرفروشانہ اقدام کیا اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بے شمار تالیفات کیں۔ اس وقت ہم تمام زبانوں کی تفسیروں کو نظر انداز کر کے صرف عربی ہی کو لے لیں تو یقین کیجئے کہ کئی ہزار تک ان کی تعداد پہنچے گی۔ یہاں ارباب بصیرت کی ضیافت طبع کے لئے چند عربی تفاسیر کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ ان کی وسعت بیان کا اندازہ ہو جائے ملاحظہ کیجئے۔

i۔ تفسیر ابن الجوزی جو ۲۷ جلدوں میں ہے

ii۔ تفسیر الاصفہانی جو ۳۰ جلدوں میں ہے اس کے مولف امام ابو مسلم اصفہانی ہیں۔ اس تفسیر کے اقتباسات جا بجا تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی نے درج کئے ہیں اور ان کی ثنا خوانی اکثر مقامات پر کی ہے۔

iii۔ کتاب الجامع فی التفسیر ۳۰ جلدوں میں مدون ہوئی

iv۔ تفسیر ابن النقیب ۵۰ جلدوں سے زائد ہے

v۔ تفسیر ابی بکر عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم

vi۔ تفسیر الاوفوی' علامہ اوفوی جو روم کے شہرہ آفاق عالم تھے اس تفسیر کے مولف ہیں اور اس کی ۱۲۰ جلدیں ہیں

vii۔ تفسیر القزوینی تین صد جلدوں میں ہے

viii۔ تفسیر حدائق ذات بہجہ پانچ صد جلدوں میں ہے۔

اس وسعت بیان کو دیکھئے کیا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار کرے گا کہ یہ تفسیریں کسی زمانہ میں قرآن کریم کی انسائیکلو پیڈیا نہ رہی ہوں گی۔ اقوام و امم عالم کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اس کثرت کے ساتھ اپنی کسی کتاب کی خدمت کی ہو۔ یہ شرف و مزیت اور خصوصیت کبریٰ صرف قرآن کریم ہی کو حاصل ہے کہ اس کثرت سے اس کی شرح و تفسیر کی گئی۔ اس کے احکام و ضوابط کی تدوین و ترتیب میں عمریں صرف کی گئیں۔ کشف و سرائر و محجوبات کے لئے جلدیں تالیف کی گئیں لیکن پھر بھی ارباب فہم و بصیرت اور حقیقت شناس حلقوں سے یہی صدائے عشق بلند ہوتی دکھائی دی کہ "قرآن وہ کتاب ہے

Marfat.com

جس کے عجائب و غرائب کی کوئی انتہا نہیں ہے"

دیکھیے کہ عبدالملک بن مروان ۵۶ ہجری میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے اولین کام یہ کیا کہ اپنی تمام تر توجہ علوم و فنون کی تدوین کی جانب پھیردی۔ خلافت کے اطراف و اکناف میں اعلان کر دیا کہ ہر ایک فن پر کتابیں تالیف ہوں۔ علمائے عظام کو دعوت دی اور ان کو تصنیف کی طرف متوجہ کیا۔ سعید بن جبیر سے درخواست کی کہ قرآن کریم کی شرح و تفسیر میں کچھ تحریر کریں۔ وہ اپنے زمانہ کے امام اور تفسیر میں یکتائے روزگار تھے۔ انہوں نے تفسیر لکھ کر بھیجی جس کو قصر خلافت میں جگہ دی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انہوں نے اور زیادہ اس دائرہ کو وسعت دی اور تمام بلاد و امصار اسلامی میں احکام نافذ کر دیئے کہ سنن و احادیث پر تالیفات تیار ہوں۔

دور اول میں تفسیر کا طریق نہایت ہی دل آویز اور معنی خیز تھا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ قرآن کریم میں اخلاق بھی ہے اور فلسفہ اخلاق بھی۔ تمدن و حضارۃ کے احکام بھی ہیں اور تہذیب و شائستگی کے اصول و ضوابط بھی۔ تدبیر منزل و سیاست مدن کے آئین و قوانین بھی ہیں اور جہانگیری و جہانداری کے قوائد تنظیم و تشکیل بھی لیکن انداز بیان، طریق تعبیر اور اسلوب تحریر کچھ اس درجہ جاذب قلوب و انظار واقع ہوا ہے کہ ان علوم سے کوئی واقف ہو یا نہ ہو جس وقت یہ اعجازی کلمات اس کے کانوں تک پہنچیں گے اس کی فطرت صالح اور قلب سلیم کا یہی اقتضاء رہے گا کہ ہروقت اس سے حلاوت اندوز رہے اور اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوں۔

ابتدائی زمانہ کی تفسیروں کے نمونے ہمارے سامنے ہیں ان میں نہ منطقی دلائل ہیں نہ فلسفیانہ موشگافیاں نہ ان کو ریاضت و طبیعات سے کوئی سروکار ہے، نہ ہیئت و نجوم کے زور سے استدلال و حجت کو قوی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ صاف صاف اور کھلی کھلی باتیں ہیں۔ کسی قسم کا اخفا اور حجاب نہیں البتہ اگر ان میں کوئی حقیقت نمایاں اور ممتاز پہلو لئے ہوئے ہے تو وہ عمل کی دعوت ہے اور بس۔

شقیق بن سلمہ اور ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب نے اپنے عہد حکومت میں ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس کو امیرالحج مقرر کر کے بھیجا تھا انہوں نے خطبہ اس انداز سے بیان کیا اور سورہ نور کی تفسیر اس دلفریب طریق پر بیان کی کہ کفار ترک و روم بھی اگر اسے سن لیتے تو یقیناً دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے اور ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہتا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ سورہ بقرہ کی ایسی معنی خیز موثر اور دل آویز تفسیر بیان کی کہ ایک شخص تو بے اختیار پکار اٹھا کہ اگر کفار دیلم اس کو سن لیتے تو ضرور حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے لو سمع ھذا الدیلم لاسلمت۔ اگر کفار دیلم اس کو سن لیتے تو ضرور حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔

یہ محض افسانہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور تاریخ کے صفحات اس قسم کے بے شمار امثلہ و نظائر سے پُر ہیں غیر مسلم قوموں کو جب کبھی قرآن کریم کی تعلیمات کے سننے اور ان میں درس و فکر کرنے کا موقع ملا تو پھر

Marfat.com

ان کے مسلمان ہو جانے میں کوئی تامل نہ رہا۔
عہد نبوت سے جب تک قرب و اتصال رہا تفسیر کا یہی انداز تھا خلفائے اربعہ' عبداللہ بن مسعود' ابن عباس' ابی بن کعب' زید بن ثابت' ابو موسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی دور اول میں نہایت ہی جلی قلم سے لکھے ہوئے نظر آتے ہیں اور باوجود امتداد عہد اور استیلائے جہل ان کی تابناکی اور درخشندگی میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوا۔
مکہ مکرمہ میں ابن عباسؓ کے شاگردوں کی فہرست تو بہت طویل ہے لیکن مجاہدؒ عطاء بن ابی رباحؒ، عکرمہؒ مولیٰ ابن عباس سعید بن جبیر اور طاؤس ان کے ارشد تلامذہ میں شامل ہیں اس لئے خصوصیت سے مشہور ہیں تفاسیر میں ابن عباس کے جس قدر اقوال ملتے ہیں وہ سب انہی کی وساطت سے ہم تک پہنچے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کو تیس بار قرآن کریم سنایا ہے۔ کوفہ کی سرزمین عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کی وجہ سے علوم و معارف قرآن کا نشیمن بنی رہتی تھی۔ اسی طبقہ میں حسن بصریؒ عطا بن ابی سلمہ خراسانیؒ محمد بن کعب قرظیؒ، ابو العالیہؒ، ضحاک بن مزاحمؒ، عطیہؒ، قتادہؒ، زید بن اسلمؒ، مرہ ہمدانیؒ، ابو مالکؒ اور ربیع بن انسؒ ہیں۔
تیسرے دور میں سفیان ابن عیینۃؒ، وکیع بن الجراحؒ، شعبہ بن حجاجؒ، یزید بن ہارونؒ، عبدالرزاقؒ، آدم بن ابی ایاسؒ، اسحاق بن راہویہؒ، روح بن عبادہؒ، عبد بن حمیدؒ اور ابو بکر بن شیبہؒ ہیں۔

نزول قرآن کی غرض و غایت

قرآن کریم کے نزول کی غرض و غایت یہ تھی کہ جو لوگ اس کی تعلیم پر عمل کریں ان میں اعلیٰ ترین اخلاق پیدا ہوں۔ انہیں تمکین فی الارض حاصل ہو اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ اپنے تو اپنے بیگانے بھی اس سے ناآشنا نہ تھے۔
آپ غور کریں کہ ۶ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی۔ ابو سفیان ان دنوں روم ہی میں تھے۔ شاہ ہرقل نے ابو سفیان سے اسلامی تعلیمات' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرزندان اسلام کے متعلق مختلف سوال کئے اور آخر میں کہا "اگر یہ سچ ہے جو تم کہتے ہو تو وہ نبی ہے اور اس کی سلطنت ضرور میرے قدموں تک پہنچے گی اور میرے نیچے کی زمین اس کی سلطنت کا حصہ بنے گی"
سبحان اللہ! یہ نتائج و ثمرات تھے قرآن کریم کی تعلیم و تربیت کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی مقدس جماعت خوب جانتی تھی کہ قرآن کریم کا نزول صرف اس لئے ہوا ہے کہ
الف۔ اس کو نہایت ہی غور و خوض سے پڑھیں اور اس کی آیات کریمات میں فکر و تدبر کریں۔
ب۔ جس قدر پڑھیں سمجھ کر پڑھیں اور پھر اس پر عمل بھی کریں۔
ج۔ قرآن کریم کی ہدایات پر عمل کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھیں اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ

Marfat.com

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے یہاں تک کہ ایک چھوٹی سورۃ بھی بڑی سے بڑی سورۃ ہو جاتی اور بعض اوقات ایک ہی آیت پر ٹھہر جاتے اور اسی کو بار بار پڑھتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی"

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"آہستہ پڑھنا اور غور کرنا جس میں قرآن کریم اگرچہ تھوڑا پڑھا جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ جلدی اور زیادہ پڑھا جائے کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے تاکہ اس پر عمل ہو سکے۔ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا معانی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے"

چنانچہ بعض سلف نے کہا ہے کہ قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے مگر لوگوں نے اس کی تلاوت کو ہی ایک مستقل عمل بنا لیا ہے۔ اس لئے گزشتہ طبقات میں اہل قرآن وہی سمجھے جاتے تھے جو قرآن کریم کے عالم اور عامل تھے۔ اگرچہ ان کو زبانی حفظ نہ ہوتا لیکن جس شخص نے قرآن کو یاد کیا اور اس کے مطالب نہ سمجھے اور نہ ان پر عمل کیا تو وہ اہل قرآن سے نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے حروف کو تیر کی طرح اس نے درست کر لیا۔ کیونکہ تلاوت تو ہر نیک و بد' مومن اور منافق کر سکتا ہے جو فہم و تدبر سے خالی ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال ایسی ہے جیسے ریحان ہے جس کی بو عمدہ اور مزہ کڑوا ہوتا ہے"

شعبہ نے کہا کہ ابو حمزہ نے ابن عباسؓ سے عرض کیا میں تیز پڑھنے والا ہوں بعض اوقات ایک ہی شب میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ مجھے ایسے قرآن کریم پڑھنے سے ایک سورت پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اگر تم تیزی ہی سے پڑھنا چاہو تو بھی ایسا پڑھو کہ تمہارے کان سنیں اور تمہارا دل اسے خوب سمجھے۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ قرآن کریم کے عجائب پر ٹھہرو اور ان سے دلوں کو حرکت دو اور تمہاری یہ کوشش نہ ہو کہ خواہ مخواہ سورۃ کے آخر تک پہنچو۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ میں ایک عورت کے پاس گیا اور میں سورۂ ہود پڑھ رہا تھا اس نے کہا اے عبدالرحمٰن! تم اس طرح سورۂ ہود پڑھتے ہو' اللہ کی قسم میں چھ مہینے سے اس سورۃ کو پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو اس سے آگے نہ پڑھتا جب تک ان کے معانی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا۔ ابو عبدالرحمٰن سلمی نے فرمایا ہے کہ ہم سے ہمارے اساتذہ نے بیان کیا کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا کرتے تھے جس وقت دس آیتیں پڑھ لیتے تو ہم ان سے تجاوز نہ کرتے جب تک ان پر عمل نہ کر لیتے۔ لہٰذا ہم نے قرآن کریم اور اس پر عمل دونوں اکٹھے سیکھے۔

ظاہر ہے کہ اس پاک گروہ کی نظر اس پر نہ تھی بلکہ وہ اس امر پر بھی غور و فکر کرتے کہ تعلیم قرآن سے

Marfat.com

قبل ہماری کیا حالت تھی؟ اور اب اس سے کس قدر انقلابات و تغیرات رونما ہوئے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں نے اس حقیقت کبریٰ پر مہر لگا دی کہ۔

"اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح بھی فقط اسی چیز سے ہو گی جس سے اس کے اول کی اصلاح ہوئی ہے"

ایک نیا دور جو اب پرانا ہو گیا

اب ایک نیا دور شروع ہوا کہ ایک ایک آیت کے لئے متعدد مطالب اور مختلف روایات ذکر کی جانے لگیں جن میں بعض تو یقیناً قابل قبول اور لائق اسناد تھیں۔ مگر بیشتر غلط اور موضوع تھیں۔ رد و قبول کے محک پر ان کے پرکھنے کی ضرورت تھی تاکہ کھوٹے اور کھرے میں، غث اور سمین میں فرق و امتیاز ہو جائے اور حق و باطل میں التباس و اشتباہ باقی نہ رہے۔ ان بزرگوں نے مختلف اقوال کو صرف اس لئے جمع کر دیا تھا کہ آیات کے مفہوم میں جس قدر ممکن سے ممکن اقوال منقول ہوں یا ہو سکتے ہوں اور جس قدر زیادہ سے زیادہ مواد فراہم ہو سکتا ہو ناظرین کے روبرو بغیر حک و اضافہ اور چھانٹ چھپٹ کے تمام و کمال پیش کر دیا جائے اور ہر ایک سخن شناس طبیعت کے لئے اس امر کا موقع حاصل رہے کہ وجدان سلیم، ذوق صحیح اور اصول تفسیر کی اعانت سے ان اقوال کو جرح و تعدیل کے میزان میں تولے اور نقد و اختیار کے بعد جس کو چاہے ترجیح دے اور جسے چاہے مجروح قرار دے۔

چنانچہ تیسری صدی ہجری میں علامہ ابو جعفر بن جریر طبری نے اپنی مشہور عالم تفسیر لکھی جس کی نسبت علامہ ابو حامد سفرائنی کی رائے یہ ہے کہ "تفسیر ابن جریر کی تلاش میں اگر ایک شخص چین تک کا سفر کرے تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے" ابن جریر کی وفات کو ایک ہزار سے زیادہ مدت ہو چکی ہے وہ ہر ایک بات میں روایت کے پابند ہیں۔ ان کا خاص مذاق ہے کہ حدیث کے نام سے خواہ کیسی ہی لغو اور مہمل بات کہی جائے سب کو نقل کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ حقیقت اصلیہ کیا تھی اور عقل سلیم اس کو قبول کرنے کے لئے کہاں تک تیار ہو گی۔ ایک ایک آیت کے متعلق مختلف اقوال و روایات پیش کرتے ہیں اور بعض اوقات ترجیح بھی دے جاتے ہیں۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین نیشاپوری ہیں ان کی وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی انہوں نے تفسیر "حقائق" لکھی اور رطب و یابس روایات و مطالب کا ایک انبار جمع کر دیا یہی حال ابو اسحاق احمد ثعلبی کا ہے۔ ابو محمد عبداللہ جوینی، اور ابو القاسم عبدالکریم قیشری اور ابو الحسن بن احمد وغیرہ سب اسی طبقہ میں شامل ہیں۔ اس صدی کی تفسیروں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ان میں روایات تو بیان کی جاتی ہیں مگر ان کی اسناد کو حذف کر دیا جاتا ہے چنانچہ کشف الظنون میں ہے۔

"اس کے بعد متاخرین میں سے ایک جماعت نے تفاسیر تالیف کیں اور اسناد کو مختصر کر دیا۔ بہت سے اقوال

Marfat.com

نقل کئے اور یہاں سے زائد باتیں داخل ہونے لگیں اور صحیح و ضعیف آپس میں ملتبس ہو گئے۔ اس کے بعد جس کسی کو جو بات معلوم ہوئی وہی درج کر دی اور جو کچھ اس کے خیال میں آیا اسی پر اعتماد کر لیا۔ اس کے بعد پھر پچھلا طبقہ اپنے متقدمین میں سے نقل کرنے لگا اس خیال سے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس کی اصلیت ہو گی انہوں نے اس کی بالکل تحقیق نہ کی کہ سلف صالحین سے اس میں کیا منقول ہے؟ تاآنکہ وہ خود سلف صالحین ہو گئے۔

ان غلط اور بے بنیاد روایات کا اندازہ علامہ سیوطی کے صرف اس ایک قول سے ہو سکتا ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ۔

"میں نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر میں دس مختلف اقوال دیکھے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جمہور صحابہ اور جملہ تابعین سے یہود و نصاریٰ کے سوا کوئی دوسرا قول بھی روایت نہیں کیا گیا"

حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں

جس قدر زمانہ بڑھتا گیا اور عہد نبوت سے بعد و ہجر ہوتا گیا تفسیر کی صورت بھی نمایاں تبدیلیاں اختیار کرتی گئی اور انجام کار ایسا انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ جن مطالب اور روایات کے حق میں محکمہ تحقیق کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ قابل قبول نہیں ہیں وہی زیادہ مشہور ہو گئیں اور عام طبائع نے ان کو شرف قبولیت بخشا۔ ہر بات میں پیچیدگی اور اعجوبگی اور اسی طرح مشکل پسندی اور عجائب پرستی کا طومار بھر گیا۔ حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں دکھائی دینے لگیں۔ معانی و بیان کے حقائق بیان کئے جانے لگے اور ہیئت و نجوم کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر ہونے لگی مگر جس قدر ان چیزوں میں زیادتی ہوتی گئی اتنی ہی قرآن سے دوری ہوتی چلی گئی اور منشائے قرآن کی خصوصیت میں فرق آتا گیا۔

اس میں شک نہیں کہ مفسرین کرام کی زندگیوں کا مقصد وحید اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اس کتاب حکیم کے اسرار و معارف کی نشر و اشاعت ہو اور اس کے مفہوم و معانی کی تبلیغ و دعوت ہو لیکن جب ان تفاسیر میں بحث و نظر کی جاتی ہے تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ "لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ"۔

قرآن کریم کا نزول تو اسی لئے ہوا تھا کہ اس کے درس و فکر سے حیات انفرادی و اجتماعی میں انضمام و توحید پیدا ہو۔ ہر مسلم قانت کی تشنہ لبی دور ہو۔ ہر ایک مخالف غبی کا دندان شکن جواب دیا جائے۔ ہر ایک فرزند اسلام اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے مگر ان تفاسیر سے یہ مقصد حاصل نہ ہوا اور صرف یہی نہیں بلکہ شکوک و شبہات بڑھنے لگے ضرورت تھی قرآن کریم کے مطالعہ کی تاکہ قوم دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے لیکن لوگوں نے جب ان تفاسیر کا مطالعہ کیا تو وہ اس چشمہ حیات سے بہت دور جا پڑے اور اب تو بعض کے نزدیک خود قرآن کریم کا درس ممنوع و ناجائز ہے اس کو ان تفاسیر ہی کے درس پر کفایت کرنا ہو گا ورنہ وہ فتوؤں کی زد سے بچ نہیں سکتا۔ "يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا"۔

Marfat.com

قرآن کریم کو جو قوم کی دینی و دنیوی ترقی کے لئے نازل کیا گیا تھا ایک شعبدہ کی کتاب بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ اس کے مطالب بیان کرنے کے لئے سجادہ نشینوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو یوں رقمطراز ہوئے کہ الحمد کے صرف الف کے معانی و مطالب معلوم کرنے کے لئے ۳۶۰ علوم کی ضرورت ہے اور بسم اللہ کی ب کے نقطہ میں پورے قرآن کریم کی تفسیر پنہاں ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔ نہ کوئی شخص ان ۳۶۰ علوم کو سیکھ سکے گا اور نہ ہی قرآنی تعلیمات کو سیکھنے اور قرآنی مطالب کو بیان کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر کرے گا تو یہ سجادہ نشین اس پر کفر کے فتویٰ صادر فرما کر سیدھا جہنم واصل کر دیں گے۔ ذَالِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔

مدار روزگار سفلہ پرور راتماشا کن!

دنیا میں ہمیشہ تغیرات و انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں۔ تمام اقوام و امم عالم بھی ادوار مختلفہ میں سے گزرتی رہی ہیں اور یہی حال قوم مسلم کا بھی ہے اور فن تفسیر بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہ سکا۔ ہر زمانہ میں اس کا رنگ بدلتا رہا یہاں تک کہ اس میں ایسی ایسی تبدیلیاں واقع ہو گئیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ محدثین کرام نے قرآن کریم کی آیات کے مناسب ان تمام احادیث و مرویات صحابہ اور اقوال تابعین کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ جن سے اخذ مطالب اور فہم معانی میں سہولت و آسانی ہو اور وہ تمام بصائر و حکم سامنے آجائیں جو براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوں اگرچہ اس میں بھی احتیاط سے کام نہ لیا گیا۔ بعدازیں معتزلہ و اشاعرہ کے گروہ سامنے آئے جنہوں نے فلسفہ یونان سے مرعوب ہو کر نئے نئے سوال پیدا کئے اور ان کے فرضی جواب دینے شروع کر دیئے قرآن کریم کے حقیقی اور ذاتی معانی و مطالب کو ترک کر کے بعید از فہم حقائق کی جانب متوجہ ہو گئے۔ قرآن کی سادہ زبان کے محاورات و ضرب الامثال اور استعارات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہیں کے کہیں نکل گئے۔ اس طرح نئی نکتہ آفرینیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا دروازہ کھول دیا اور ہمیشہ کے لئے الحاد و زندقہ' فتنہ و فساد اور نئی نئی توجیہات و تاویلات کا باب مفتوح کر دیا۔ فلسفہ کی نشر و اشاعت نے عقائد و اخلاق میں اور زیادہ تزلزل پیدا کر دیا۔ متکلمین آگے بڑھے۔ ان شبہات کا جواب دینے لگے اور قرآن کریم کی شرح و تفسیر علم کلام سے ہونے لگی۔ فقہاء کے گروہ نے صرف استنباط احکام و اخذ مسائل ہی کو اپنا مطمع نظر بنا لیا اور ان کی سعی و کوشش یہیں تک محدود رہی۔ ارباب لغت نے دوسری حیثیت سے نظر ڈالی علمائے نحو کے سامنے یہی فن تھا اس کی خاطر انہوں نے کلام عرب سے شواہد کی تلاش و جستجو کی اور صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تین ہزار ترکیبیں بیان کر دیں۔ اہل سلوک و احسان نے صرف تصوف کو اپنی غایت و الغایات یقین کر کے قرآن کریم کو تصوف کے قالب میں ڈھال دیا۔ ظواہر کو چھوڑ کر بطون کے پیچھے پڑ گئے اور مغز کو پھینک کر محض چھلکے پر قناعت کر بیٹھے۔ سب سے زیادہ نقصان اسلام کو ہندوانہ تصوف سے پہنچا اور اکثر لوگ اب تک اسی کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

Marfat.com

فاران کی چوٹی پر نزول الہام اس لئے ہوا تھا کہ مسلمانوں کے لئے قانون اساسی کے طور پر کام دے مگر زمانہ کی نیرنگ سازی ملاحظہ ہو کہ وہ اب ہر کس و ناکس کی رائے و خیال کا دست خوش بن گیا اور ہر شخص اپنے مذاق خاص کے مطابق اس کی تفسیر کرنے لگا۔ اس بے اصول خطرناک آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا بہت بڑا حصہ زید و عمر کے اقاویل اور شیخ و سید کے اباطیل و اکاذیب کا ذخیرہ بن گیا۔ آیات احکام کے مفہوم متعین کرنے میں "اعجاب کل ذی رای برایہ" کی آمیزش ہونے لگی۔ وسعت معلومات' اسلوب تحریر اور نسج بیان ظاہر کرنے کے لئے تفسیر قرآن میں مفروضات و تخیلات کی جس قدر جولانی دکھاتے بنی اچھی طرح دکھائی گئی اور یہ خیال نہ آیا کہ ہم تلاعب بالقرآن کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

وہ دین فطرت جو حجاز کی وادیوں میں اپنے اصل حسن و جمال کے ساتھ دلفریبی اور کشش کا باعث تھا اس پر مجوسیوں کی عجائب پرستیاں' یہودیوں کے دُور از کار افسانے اور بت پرستوں کے رسم و رواج چھا گئے اور اب ہمارا زمانہ آیا تو دودھ سے پانی کا جدا کرنا سخت ترین کام ہو گیا۔ دقت آفرینی اور عجائب پسندی کی بنیاد پر جو جو شاخیں نکلیں' جیسے جیسے شگوفے پھوٹے اور تفاسیر میں جس نہج پر اس قسم کی روایتیں پھلی پھولیں ان کو دیکھ کر بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلم میں طاقت نہیں کہ ان کو تحریر میں لا سکے۔

ابو الفضل اکبری دربار کے نورتن تھے۔ قدرت نے طبیعت نکتہ سنج دی تھی "سواطع الہام" قران کی تفسیر لکھی جس میں یہ التزام کیا گیا کہ تمام تفسیر میں اول سے آخر تک ایک لفظ بھی منقوط نہ ہو۔ اس نفسانی ہیجان کو پورا کرنے کے لئے انہیں جس قدر اپنی طبیعت پر زور ڈالنا پڑا ان کے انداز تحریر سے ظاہر ہے۔ عبارتوں کی عبارتیں فقروں کے فقرے اور ترکیبوں کی ترکیبیں یکے بعد دیگرے چلی آ رہی ہیں جن میں باہم کوئی ربط نہیں' کوئی تعلق نہیں بالکل ایک بے معنی کلام ہے جس کے لئے دلاویز دلفریب ترکیبوں اور جملوں کی تلاش ہو رہی ہے۔ صورت ہے لیکن معنی نہیں۔ جسم ہے مگر روح نہیں' ایک حی و قائم انسانی وجود ہے جس کے تمام اعضاء و جوارح کاٹ دیئے گئے ہیں۔

شیخ علی بن احمد مہائم ضلع گجرات کے رہنے والے تھے ان کی وفات ۸۳۵ ہجری میں ہوئی۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے بے انتہا ثنا خواں اور مسئلہ وحدت وجود میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ انہوں نے تفسیر رحمانی لکھی چونکہ تصوف میں ذوق رکھتے تھے اس لئے قرآن کریم کی تفسیر اسی صوفیانہ رنگ میں کی' آیات کا مطلب احسان و سلوک کے رنگ میں بیان کیا۔ قرآن کی نظم و ترتیب پر بھی روشنی ڈالی تو یہی چیز غالب رہی۔ انہیں اس امر کا خیال نہ رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض تصوف ہی سکھانے نہ آئے تھے بلکہ وہ مثیل موسیٰ بھی تھے اور آپؐ کی بعثت کی غرض و غایت یہ تھی کہ فرزندان اسلام شہداء علی الناس بن جائیں اور خلافت ارضی کے جائز وارث قرار پائیں۔

ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی آئے انہوں نے

Marfat.com

ایک تفسیر لکھی جس کا نام "انوار التنزیل و اسرار التاویل" ہے عربی مدارس میں اس کا ابتدائی حصہ درس میں شامل ہے۔ اکثر علماء کرام نے اس پر حواشی بھی تحریر کئے ہیں۔ تفسیر کی کیفیت یہ ہے کہ فن معانی، بدیع اور بلاغت میں جو کچھ لکھتے ہیں۔ "جار اللہ زمخشری" کی تفسیر "کشاف" سے لیتے ہیں اور بغیر حریت رائے و اجتہاد کے اس کی تقلید کرتے ہیں۔ فلسفہ و کلام کے مسائل آتے ہیں تو فخر الدین رازی سے طالب اعانت ہوتے ہیں اور جب مفردات الفاظ اور اشتقاق کے مباحث سامنے آتے ہیں تو امام راغب اصفہانی کی جانب رجوع کرتے نظر آتے ہیں۔

یہاں جو کچھ نوک قلم پر آیا ہے اس سے ان جلیل القدر بزرگوں کی تقبیح و تنقیص مقصود نہیں بلکہ ایک حقیقت ثابتہ ہے جس کا اظہار ضروری سمجھا۔ پھر میں اس وادی میں اکیلا نہیں بلکہ دوسرے ارباب بصیرت بھی میرے ساتھ ہیں۔ چنانچہ صاحب "کشف الظنون" کی رائے ملاحظہ ہو۔

"اس کے بعد ایسے لوگوں نے تصنیف کی جنہوں نے کسی ایک علم میں فوقیت حاصل کی ہے اور اپنی کتاب کو اس فن سے بھر دیا ہے جو اس کی طبیعت میں غالب تھا اور محض اس پر اکتفا کیا جس میں اس نے مہارت حاصل کی تھی۔ گویا قرآن کریم صرف اسی علم کے لئے نازل ہوا تھا حالانکہ اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے لیکن نحوی کو صرف اعراب اور وجوہ ترکیب ہی پیش نظر ہیں اگرچہ وہ بعید ہی کیوں نہ ہوں وہ نحو کے قواعد' مسائل فروع اور خلافیات ہی کو داخل کرے گا جس طرح زجاج و واحدی نے بسیط میں اور ابو حیان نے "بحر اور نہر" میں کیا ہے۔ اخباری کو صرف قصے اور ان کی تکمیل ہی پیش نظر رہتی ہے۔ گذشتہ قصوں کا خیال رہتا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط۔ ثعلبی ان لوگوں میں سے ہیں فقیہ کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ساری فقہ قرآن کریم میں داخل کر دے بسا اوقات فقیہ فروعات فقہ کی دلیلیں لاتا ہے حالانکہ نفس آیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور پھر مخالفین کے جواب میں نقل کر دیتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں سے قرطبی ہیں ارباب علوم عقلیہ میں امام رازی ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر کو حکماء اور فلاسفروں کے اقوال سے بھر دیا ہے اور کہیں سے کہیں چلے گئے ہیں جس سے دیکھنے والا ورطہ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ ابو حیان نے بحر میں کہا ہے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں درج کر دیں جن کی علم تفسیر میں کچھ بھی ضرورت نہ تھی" (کشف الظنون ج ۲)

اس قسم کی تفسیر کے درس و مطالعہ اور بحث و نظر نے ہماری تمام قوتوں پر عالم ممات طاری کر دیا چونکہ انسان منفعل اور اثر پذیر واقع ہوا ہے اس لئے عام لوگوں نے تعطل کی زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور آخر یہ کہنا پڑا کہ "لم یبق من الاسلام الا رسمہ"

مفہوم و معانی میں تبدیلی کا نتیجہ

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم کے اکثر الفاظ کے حقیقی مفہوم و معانی بدل دیئے گئے۔ لسان الٰہی نے ان کو جن مواقع میں استعمال کیا تھا اور جو مطالب صاحب شریعۃ علی صاحب الصلوۃ و التحیۃ کے پیش نظر تھے وہ

Marfat.com

بالکل فراموش کر دیئے گئے۔ یہاں مثال کے طور پر چند الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ "توکل" عام لوگوں کے نزدیک اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ ایک انسان بیکاروں اور اپاہجوں کی زندگی بسر کرے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے' کوئی کام نہ کرے لوگوں کے صدقات و خیرات اور نذر و ہدایا پر نظر رکھے۔ لیکن قرآن کریم اس کا مفہوم بالکل جداگانہ بتاتا ہے اس کے نزدیک "توکل" کے یہ معنی ہوں گے کہ مشکلات و مصائب کے وقت ہمت و استقلال عزم و ثبات قدم اور جوش صادق و ولولہ عمل کے ساتھ مصروف کار ہو۔ نتائج و ثمرات کی طرف سے خوفزدہ ہو کر اپنے فرائض حیات کو ترک نہ کر دے بلکہ اللہ تعالیٰ سے پوری توقع رکھے کہ وہ ضرور کامیابی نوازش کرے گا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

"انہوں نے جواب دیا اے موسیٰؑ! وہاں تو بڑے بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لئے تیار ہیں" ان ڈرنے والوں میں دو شخص ایسے بھی تھے جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا۔ انہوں نے کہا "ان جباروں کے مقابلہ میں دروازے کے اندر گھس جاؤ۔ جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو" وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین (المائدہ ۵:۲۲' ۲۳)

ظاہر ہے کہ ان دو آدمیوں نے جو توکل کے معنی سمجھے وہ ساری قوم کی نگاہ سے اوجھل رہے حالانکہ یہ سب کے سب معمولی آدمی نہ تھے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے جو اپنے آپ کو نبی زادے کہلاتے تھے اور آج بھی جتنے پیر زادے اور صاحبزادے ہیں ان کی اکثریت توکل کے اس مفہوم کو نہیں سمجھتی جو کلام الٰہی سے مراد ہے۔

۲۔ "صبر" مشہور یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے تکلیف و مصیبت آپڑے تو غم کا اظہار نہ کرنا۔ ذلتوں اور رسوائیوں کے برداشت کرنے کی عادت ڈال لینا اور اف تک نہ کرنا۔ سب طرف سے لعنت و نفریں ہو تو بھی خاموش بیٹھ کر سنتے رہنا صبر کہلاتا ہے واعظین نہایت دردناک آواز میں یہ وعظ کرتے ہیں دیکھو ایوب علیہ السلام تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ پورا جسم بھی خراب ہو گیا حتیٰ کہ سارے بدن میں کیڑے پڑ گئے' ایک روز بدن سے ایک کیڑا نیچے گرا تو اٹھا کر زخم میں رکھ دیا اسی وجہ سے آپ صبر میں ضرب المثل ہو گئے۔ بیشک صبر ایوبی کی مثل آج بھی مشہور و معروف ہے لیکن یہ داستان بالکل من گھڑت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ صحیح اصول اور مقاصد صالحہ کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے وقت جس قدر بھی تکالیف و شداید آئیں ان کو برداشت کرے باوجود ان آلائم و مصائب کے اپنے مقصد کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور کام برابر جاری رکھے۔ رکاوٹوں سے گھبرا کر اپنے آپ کو بے دست و پا نہ بنا لے۔ حسب ذیل آیات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

وکاین من نبی قتل معه ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصبرین ○ (سورۃ آل عمران ۳:۱۴۶)

Marfat.com

"اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گذر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی اور اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے' انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی اور باطل کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔"

یایھا الذین امنوا اصبروا و صابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون○ (سورۃ آل عمران ۳: ۲۰۰)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو' باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ' حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو' امید رکھو کہ فلاح پاؤ گے۔"

فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین○ (سورۃ الانفال ۸: ۶۶)

"پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور ہزار آدمی ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں"

گویا ایمان والوں سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دوگنی طاقت سے ٹکرانے میں تمہیں کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ تمہارے صبر کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر ایک کو دس کا مقابلہ کرنا پڑے تو پھر بھی وہ جی نہ چرائے اور بے خطر مقابلہ پر اتر آئے۔

۳۔ "تقدیر" اس عقیدہ کے غلط مفہوم نے بھی مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ لوگ سمجھ گئے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کے حکم سے ہوتا ہے تو ہمیں کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کی بقا کے لئے کوشش کرنا ترک کر دی۔ بیکاروں اور اپاہجوں کا ایک گروہ بن گیا۔ اور بے دست و پا ہو کر دوسروں کے لئے بار دوش ثابت ہوئے لیکن یقین کیجئے کہ اسلام کبھی اس سے آلودہ دامن نہیں ہوا۔ اس کی تعلیم کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ مسلمان تعطل و بیکاری کی زندگی بسر کریں بلکہ وہ یکسر پیام عمل ہے۔ اس نے اپنے نزول کے اولین روز بہانگ دہل اس امر کا اعلان کر دیا تھا کہ۔

تلک امۃ قد خلت لھا ماکسبت ولکم ماکسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون○ (سورۃ البقرے ۲: ۱۳۴)

"وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے"

یہ جو فرمایا کہ "جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے۔ یہ قرآن کریم کا خاص انداز بیان ہے۔ ہم جس چیز کو فعل یا عمل کہتے ہیں قرآن کریم اپنی زبان سے اسے کسب یا کمائی کہتا ہے۔ ہمارا ہر عمل اپنا ایک اچھا یا برا نتیجہ رکھتا ہے جو اللہ کی خوشنودی اور ناراضی کی صورت میں ظاہر ہو گا وہی نتیجہ ہماری کمائی ہے۔ چونکہ قرآن کریم کی نگاہ میں اصل اہمیت اس نتیجہ کی ہے اس لئے اکثر وہ

Marfat.com

ہمارے کاموں کو عمل و فعل کے الفاظ سے تعبیر کرنے کی بجائے "کسب" کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔

"انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہی جس کی اس نے سعی کی۔ اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔" وان سعیه سوف یری (النجم ۵۳:۳۹، ۴۰)

"پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا"۔ ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره (الزلزال ۹۹:۷، ۸)

گویا اس نے ہر ایک کے سامنے دعوت عمل پیش کی ہے اور بتا دیا ہے کہ یہ صرف انسان کی اپنی سعی و کوشش ہے جو اچھے اور برے نتائج پیدا کرتی ہے۔

قرون اولیٰ کے مومنین' قانتین تقدیر کا مفہوم صرف اتنا جانتے تھے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت ہمارے نفع و نقصان' سود و زیاں' داد و ستد' سلب و عطا اور حیات و ممات کی مالک نہیں' صرف اللہ وحدہ لا شریک و قہار ہی کی ذات ہر قسم کے احکام نافذ کرتی ہے اور اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اس عقیدہ نے عرب کے بادیہ نشینوں میں اتنا جوش و ولولہ عمل اور استقلال و ثبات قدم پیدا کیا کہ انہوں نے قیصر و کسریٰ کی تخت گاہوں کو الٹ دیا۔

۴۔ "جہاد فی سبیل اللہ" بہت سی زبانیں تو اس کے ذکر ہی سے گنگ ہیں۔ شیاطین الانس کا خوف ان کے رگ و پے میں اس درجہ اثر کئے ہوئے ہے کہ وہاں اللہ کے خوف کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں۔ "ایک فریق کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔" (۴:۷۷) اور جنہیں ابھی بولنے کی قوت حاصل ہے وہ اسے جہاد بالنفس پر محمول کرتے ہیں اور "ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں" کی غلط اور موضوع حدیث سے اس کا نفس خادع تمسک و اعتصام کرتا ہے گویا ابلیس نے ان علماء سو کو اپنے اعمال شیطانی کے لئے ایک آلہ کار بنا لیا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لیتا ہے لیکن قرآن کریم نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ۔

ان الله یحب الذین یقتلون فی سبیله صفا کانهم بنیان مرصوص (سورۃ الصف ۶۱ : ۴)

"اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ہیں۔"

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جن لوگوں سے تمام تعلقات و روابط منقطع کیے گئے وہ وہی تین جلیل القدر صحابہ تھے جو کاہلی و سستی کی بنا پر جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔

و علی الثلثة الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیهم الارض بما رحبت و ضاقت علیهم انفسهم و ظنوا ان لا ملجا من الله الا الیه ثم تاب علیهم لیتوبوا ان الله هو التواب الرحیم (سورۃ التوبہ ۹ : ۱۱۸)

"اور ان تینوں کو بھی معاف فرما دیا جو بانتظار الٰہی ملتوی رکھے گئے تھے جب زمین اپنی ساری وسعت کے

Marfat.com

باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگی تھیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف لوٹ آیا تاکہ وہ بھی اس کی طرف لوٹ آئیں یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوں ان کی نسبت فرمایا کہ نہ صرف یہی مصیبتوں اور تکلیفوں کا نشانہ بنیں گے بلکہ ان کی وجہ سے تمام قوم مبتلائے آلام ہو گی۔

"اور اس فتنے سے بھی بچو جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہیں رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔" (الانفال ۸:۲۵)

جس طرح ہر شخص اپنی انفرادی زندگی کی بقا و قیام کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرتا ہے ٹھیک اسی طرح قرآن کریم نے تمام مسلمانوں پر حیات اجتماعی کے قائم و دائم رکھنے کے لئے جہاد کو الزم اللوازم قرار دیا ہے۔

"اور تم لوگ جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لئے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں اور ان دوسرے اعداء کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف لوٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ہرگز ظلم نہ ہو گا۔" (الانفال ۸:۶۰)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس سامان جنگ جو حالات زمانہ کے مطابق اپنی مختلف حالتیں بدلتا رہے گا اور ایک مستقل فوج ہروقت تیار رہنی چاہئے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو اور مستقل فوج کے علاوہ ہر مملکت اسلامی کے ہر بالغ فرد کو دفاع اسلامی کی ٹریننگ لازمی ہے۔ یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی جلدی رضا کار اور اسلحہ اور سامان رسد جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اسی اثناء میں کہ یہ تیاری مکمل ہو دشمن اپنا کام کر جائے اس سے لازم آتا ہے کہ اسلامی حکومتوں کو مل کر جدید اسلحہ فیکٹریاں لگانا اور سامان جنگ کی مکمل تیاری رکھنا لازم و ضروری ہے اور اسی سلسلہ میں دوسرے ممالک وہ بھی غیر اسلامی پر انحصار رکھنا اتنی بڑی کوتاہی ہے جو کبھی قابل معافی نہیں ہے۔ کاش کہ اسلامی حکومتیں اس حکم الٰہی کا کچھ ہی پاس کرتیں تو آج ہماری قومی حالت اتنی پست نہ ہوتی جو پوری دنیا میں ہو چکی ہے یاد رہے کہ نبوت کے اعمال مہمہ میں سب سے اشرف و اعلیٰ مقام جہاد فی سبیل اللہ ہی کو دیا گیا ہے۔

"اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم! مومنوں کو جنگ پر ابھارو" حرض المومنین علی القتال (الانفال ۸:۶۵)

عالم الغیب والسرائر کو اس امر کی اطلاع تھی کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں کی تمام تر اجتماعی زندگی بطالت و بدعملی اور جبن و نامردی کی تصویر ہو گی جہاد فی اللہ سے بچنے کے لئے طرح طرح کے حیلے تراش کر نفس خادع کے فریب میں مبتلا ہو جائیں گے اور اسلام کے نام پر حکمرانی کرنے والے قتال فی اللہ ترک کر دیں گے۔ اس

Marfat.com

لئے سورہ توبہ میں ان کے ایک ایک عذر لنگ کو بیان کیا ہر ایک کی حقیقت آشکارا کر دی اور بتا دیا کہ تمہیں کسی طرح بھی اس فرض اہم و اقدم سے نجات نہیں مل سکتی۔ یہ فوجی خدمت ہر مسلم مرد و عورت' امیر و غریب' بادشاہ و فقیر اور آقا و غلام پر لازمی ہے اور اس سے کسی کو حق استثناء نہیں یہاں صرف اشارات پر اکتفا کیا جا رہا ہے تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

الف۔ مخالفین و معاندین اسلام نے اپنی مجتمع قوت سے اسلامی حکومتوں کو سرنگوں کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے تمام ممالک بلاد و امصار میں تباہی و بربادی روز افزوں ترقی پذیر ہے اور ہر آنے والا دن جانے والے سے بدتر آتا جا رہا ہے لیکن اسلامی ممالک کی حکمران شخصیتیں خود غرضی کی بنا پر اپنے اپنے عوام کے کانوں پر تھپکیاں دے رہی ہیں۔ ان کو اندیشہ ہے کہ حمیت مذہبی کی وجہ سے مسلمان عوام اپنے آقاؤں کے مقابلہ کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ دوسری طرف دشمنان دین فوراً اپنے مواعید کاذبہ کا اعلان کر دیتے ہیں کہ فرزندان اسلام کے تمام حقوق کی حفاظت و نگہداشت کی جائے گی۔ ان کے مقدس مقامات کا احترام کیا جائے گا اور ان کے مذہبی و سیاسی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت روا نہ رکھی جائے گی۔ اس قسم کی دلفریب باتیں سن کر حیلہ جو طبیعتیں پکار اٹھتی ہیں کہ دیکھو یہ کتنے اچھے لوگ ہیں ایسے لوگوں سے جنگ کرنا حد درجہ کی سفاہت و بداخلاقی ہے یہ تو پیکر فرشتگی اور ملکوتیت ہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ان پر اعتماد کرنا جہل و نادانی ہے اور ان کا عمل بھی ان کے دعوؤں کی تردید کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ما كان للمشركين ان يعمروا مسجد الله شهدين على انفسهم بالكفر اولئك حبطت اعملهم و فى النار هم خلدون (سورۃ التوبہ ۹: ۱۸)

"مشرکین کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں درانحالیکہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی شہادت دے رہے ہیں ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔" (التوبہ ۹:۱۷)

ب۔ مسلمان اپنے گھروں میں نیک کام کرتے ہیں۔ علمائے کرام قرآن و حدیث کے درس میں مصروف ہیں۔ گروہ صوفیا اپنی خانقاہوں میں اللہ اللہ کے نعرے لگاتا ہے اور اسی طرح تزکیہ نفس حاصل کر رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انسان ہیں جو ان سے اپنی تشنگی کو دور کرتے ہیں اور سیراب ہو ہو کر اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ یہ لوگ ان اعمال صالحہ کو پیش کر کے اپنے آپ کو قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن لسان الٰہی ان بدبختان ملت کو ظالم قرار دیتی ہے۔

"کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کبھی ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔"

ج۔ دنیاوی ضرورتیں' ماں باپ کی محبت' رشتہ داروں کی خبر گیری' مساکین و غرباء کی اعانت اور زمین و

Marfat.com

جائیداد کی حفاظت ان میں سے ایک چیز بھی جہاد فی سبیل سے مستثنیٰ نہیں کر سکتی۔

"اے پیغمبر اسلام! ان سے کہہ دو کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی کبھی راہنمائی نہیں کرتا۔" (التوبہ ۹:۲۴)

د۔ قلت تعداد اور فقدان اسباب اور ضعف ظاہری کی بناء پر بھی جہاد کو نہیں ترک کیا جا سکتا۔ اسی طرح تاجرانہ تعلقات اور ملازمت کے روابط کی وجہ سے بھی کسی قوم سے جنگ کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا اور یہ خیال کرنا جرم ہے کہ علیحدگی اختیار کرنے پر آمدن کے تمام ذرائع مسدود ہو جائیں گے اگر معاندین اسلام سے جنگ جاری رکھی۔

"اللہ اس سے پہلے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ ابھی ابھی غزوہ حنین کے روز اس کی دستگیری کی شان تم دیکھ چکے ہو۔ اس روز تم کو اپنی کثرت تعداد کا غرہ تھا مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔" (التوبہ ۹:۲۵)

پس ان تمام آیات قرآنی نے واضح کر دیا کہ جب تک آنکھوں میں بصارت ہے کان سن سکتے ہیں' ناک سونگھ سکتی ہے۔ زبان میں قوت گویائی اور ہاتھوں میں پکڑنے کی طاقت اور پاؤں میں چلنے کی قابلیت ہے ہر مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ وہ جہاد کی تیاری کرے۔ تمام محبتوں اور چاہتوں پر اس کی شیفتگی و وارفتگی غالب رہے۔ اس کا سودا سر میں موجود ہو اور اس کی زنجیر پاؤں میں ہو یہی سنام اسلام ہو کہ یہی عصارہ ایمان اور مغز عبادت ہے۔

گزشتہ آیات کی مثل دوسری آیات کریمات کا مفہوم سمجھنے میں بھی اکثر غلطیاں اس لئے سنگ راہ ہوئیں کہ باریک بین نگاہوں نے الفاظ کو موشگافیوں کی نظر سے دیکھا اور جب اس سے بھی سیری نہ ہوئی تو دامان نگاہ کو تنگ کرنے کے لئے ہر قسم کی تاویلات سے مدد لی اور بات کہیں سے کہیں جا پڑی۔ بے شبہ قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے سخن فہم اور نکتہ سنج طبیعت کی ضرورت ہے لیکن اس کے ساتھ "ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد" کے اصول سے بھی علیحدگی ممکن نہیں ہے جس کی ناواقفیت سے تفسیر میں صدہا مشکلات ہو گئی ہیں۔

دوسری غلط فہمی شان نزول کے متعلق پیدا ہو گئی کہ ہر آیت کے لئے کوئی نہ کوئی واقعہ فرض کر لیا گیا پھر اس کے مطالب کو اس مخصوص حادثہ میں محدود کر دیا۔ ان میں بیشتر وہ واقعات تھے جو اہل کتاب سے منقول تھے اس لئے ناقابل اعتماد تھے مگر ان ارباب تفسیر نے انہیں اسرئیلیات کو اصل و اساس قرار دے کر قرآن کریم کی

Marfat.com

تفسیر لکھی اور اسی طرح اس کتاب کی اجتماعی اور محیط الکل حیثیت کو بالکل نظرانداز کر دیا بلکہ قرآن کریم کو ایک افسانہ گوئی کی کتاب بنا دیا جس سے قصہ یوسف واقعہ حسن و عشق بن گیا اور اب تو عام زبانوں پر یہ جاری ہے۔

کہ من اسیر۔ معشوق او بلفرز نداست

سلیمان علیہ السلام کے عجائب و غرائب تو زبان زد خاص و عام ہیں اور ہاروت و ماروت کا ذکر بھی کچھ اسی قبیل سے ہے۔

قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ امتوں کے واقعات اس لئے بیان کئے جاتے ہیں کہ لوگ ان سے بصیرت اندوز ہوں۔ ان سے استخراج و استنباط نتائج و شواہد کریں۔ جہانگیری و جہانداری کے اصول و ضوابط کی تعلیم ہو۔

لیکن یہاں مصیبت یہ ہوئی کہ قرآن کریم کے تخاطب کو صرف عرب کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ کہا گیا کہ یا ایھا الناس سے مراد کفار مکہ ہیں اور یا یہا الذین امنوا کا روئے سخن اہل مدینہ کے مسلمانوں کی جانب ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نزول قرآن کے وقت اولین مخاطب یہی لوگ تھے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا کی باقی قومیں اور آنے والی نسلیں ان آیات کی مخاطب نہیں بن سکتیں۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اہل اصول کا اس امر میں اختلاف ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہو گا یا خصوص سبب کا۔ ہمارے نزدیک قول اول ہی ارجح و اقویٰ ہے۔"

باوجود اس قسم کی تصریحات کے متاخرین نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا۔ اسی کا آج اثر ہے کہ صرف برکت اور بزرگی کی خاطر قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کے نزدیک اس کے مخاطب عرب تھے نہ کہ ہم انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ قرآن بار بار درس و مطالعہ کی دعوت دیتا ہے۔ محض الفاظ پر زور دینا اور حقیقت سے غافل رہنا شریعت کے نزدیک بیکار ہے اس کا روئے سخن عالمگیر ہے وہ ایک بین الملی جامعہ کے قیام کے لئے آیا ہے۔اور وہ ہماری انفرادی و اجتماعی خرابیوں کا تذکرہ کرتا ہے ان کی اصلاح و تہذیب کے لئے مرتب قانون پیش کرتا ہے مگر چونکہ یہ حقیقت پیش نظر نہیں اس لئے ہماری قوتیں بیکار ہو گئیں۔ ہم اپاہجوں کی جماعت بن گئے۔ اگر احیا اور تجدید کی ضرورت محسوس ہوئی تو یورپ کی جانب دیکھا اس کی تقلید اعمیٰ کی زنجیروں نے ہمارے پاؤں کو بوجھل کر دیا۔

ایک مزید اشارہ یوں سمجھیں کہ اقسام القرآن کا علم نہایت ہی معنی خیز اور لطیف و دلاویز تھا جس سے صدہا سرائر و محجوبات فطرت کا کشف و بروز ہوتا تھا مگر اول تو ان کی نظر ہی وہاں تک نہ پہنچی اور اگر کسی کی نگاہ اٹھی تو فتویٰ فروشوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی وہ گت بنائی کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ازیں بعد پھر بھی کوئی سنبھل گیا تو مفتیان شرح متین نے اس پر اتنے کفر کے ردے چڑھا دیئے کہ وہ زندہ درگور ہو کر رہ گیا۔

قرآن کریم میں بار بار بیان کیا گیا کہ جو لوگ ایمان باللہ اور عمل صالح رکھتے ہیں وہ ضرور کامیاب ہوں گے

Marfat.com

زندگی کے ہر شعبہ میں شاد کام و بامراد رہیں گے اور کبھی انہیں حزن و ملال نصیب نہ ہو گا۔ ارباب تفسیر نے اس امر پر مہر لگا دی کہ اعمال صالحہ کے جن نتائج و ثمرات کا ذکر کیا گیا ہے وہ قیامت کے لئے مخصوص ہیں۔ دنیا میں مسلمان ذلیل و رسوا رہیں گے۔ اس خیال نے پختگی پیدا کی اور اب تو یہی عقیدہ ہر مسلمان کے قلب و دماغ پر حاوی ہے۔ پس مسلمان دین و دنیا کی جانب سے غافل ہو گئے اور محکومانہ زندگی پر قناعت کر بیٹھے مگر قرآن کریم پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

"جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تو ان کو عذاب الٰہی نے ایسی طرف سے آلیا کہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی۔ ان کو اس دنیا کی زندگی میں اللہ نے ذلت کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اس سے شدید تر ہے کاش یہ لوگ جانتے۔" (۳۹:۲۶'۲۷)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

"جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی' کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں' محتاجی و مغلوبی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑ گئی ہے۔" (ال عمران ۳:۱۱۲)

یہ تمام آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ ذلت و مسکنت' خسران و خذلان اور غلامی و محکومی اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب شدید کی نشانیاں ہیں۔ ان میں کوئی شک نہیں کہ کبھی یہ آیات یہود و نصاریٰ پر فٹ ہوتی تھیں لیکن آج یہ اس قوم پر چسپاں ہو رہی ہیں جس کو انہی آیات نے آسمان کے ستاروں سے بھی بلند مقام عطا کیا تھا۔ کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جن ارباب قدس و طہارۃ کو وہ اپنے فضل مخصوص کے لئے چن لیتا ہے ان کو جنت ارضی' خلافت الٰہی اور سرفرازی و سربلندی نوازش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"دل شکستہ نہ ہو' نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو' تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔" (ال عمران ۳:۱۳۹)

پھر فرمایا گیا کہ۔

"اور ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کی سلطنت کے وارث ہوں گے۔" (الانبیاء ۲۱:۱۰۵)

یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصے میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں۔ "صلح" کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں "فسد" کے معنی بگڑنے بگاڑنے کے "صالح" انسان وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اور یہی حقیقت نیک عمل کی ہے۔ "مفسد" وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے اور یہی حقیقت بد عمل کی ہے۔ پس قانون الٰہی یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے سنوارنے والوں کی وارثت میں آتی ہے۔ ان کی

Marfat.com

وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔

آپ دیکھیں گے کہ زبور کا مجموعہ آج موجود ہے اس کے بھی بے شمار ترانوں میں یہ حقیقت صاف صاف بول رہی ہے کہ:

"بدعمل کاٹ دیئے جائیں گے مگر وہ جو خداوند کی بات کی راہ دیکھتے ہیں زمین کو میراث میں پائیں گے۔ قریب ہے کہ شریر نابود ہو جائے تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈے اور نہ پائے پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہوں گے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے۔" (زبور باب ۳۷:۹)

تورات' انجیل اور قرآن تینوں نے زمین کی "وراثت" کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور غور کرو کہ یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور قطعی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشے میں ہم دیکھتے ہیں ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد یا ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک فرد یا گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آجاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ تو تم دیکھو گے اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے۔ ایک قوم قابض ہوئی پھر مٹ گئی دوسری اس کی وارث ہو گئی پھر اس کے لئے مٹنا ہوا اور تیسرے وارث کے لئے جگہ خالی ہو گئی۔ و ہلم جرا۔

پس قرآن کہتا ہے کہ یہاں ارث و میراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے اب سوچنا یہ چاہئے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں وہ یوں وراثت کے حقدار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ یہاں اللہ کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے "اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ" (۲۱:۱۰۵)

وراثت ارضی کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے جو صالح نہ رہے ان سے نکل جائے گی جو صالح ہوں گے ان کے ورثہ میں آئے گی! "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا"

آہ! ان بدبختان ملت کو کیا ہوا کہ انہوں نے قوم کو یہ باور کرایا کہ دیکھو اللہ کسی وعدہ کا پابند نہیں ہے اور اللہ کو وعدہ کا پابند کہنا کفر عظیم ہے۔ وہ تو فعال لما یرید ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس نے چاہا تھا کہ ہمارے آباد اجداد کو خلیفہ بنائے تو بنا دیا۔ اس نے نہیں چاہا کہ وہ ہم کو خلیفہ بنائے سو نہیں بنایا۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ اس نے ہمارے حق میں خلافت کو آخرت کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اب ہم ذلیل ہیں تو کیا ہوا؟ کل یقیناً ہم ہی آخرت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

اب ہم اس سیر حاصل بحث کے بعد مذہب کے اس اہم واقدم باب کی طرف آتے ہیں جس میں داخل ہونے کے بعد ہر قوم نے کامرانی و سربلندی کی راہیں اپنے سامنے کشادہ پائی ہیں اور جہاں ذرا سی زلت قدم نے ان کو ہمیشہ کے لئے حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔

Marfat.com

اسلام سے قبل جس قدر اقوام و امم اس زمین کی پشت پر پیدا ہوئیں اگر ان کے تنزل و انحطاط کے اصولی اسباب و مراتب کا درس و مطالعہ کیا جائے تو سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز علت یہی نظر آئے گی جو تمام امراض و مفاسد ملی کے لئے بمنزلہ اصل و اساس کے کام دے گی کہ امت کے تمام افراد نے تبلیغ و دعوت کے اہم و اقدم فرض سے بعد ہجر اختیار کیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ برائی کا ارتکاب کیا جا رہا ہے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے گویا آنکھیں اس لئے نہ دی گئی تھیں کہ ان سے دیکھنے کا کام لیتے۔ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ۔

پھر اس کے ساتھ دوسری مصیبت یہ ہوئی کہ ایک مخصوص گروہ نے دعوت و اصلاح کو اپنے اندر محدود کر دیا کہ کسی دوسرے کو دخل دینے کا حق حاصل نہیں۔ جیسے ہندوؤں میں صرف برہمن ہی ویدوں کے عالم بن سکتے ہیں۔ دوسروں کو صرف ان معبودان باطل کی رسوم کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور رومن کیتھولک کے فادروں نے کتاب مقدس کے اسرار و خزائن پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو اربابا من دون اللہ کا درجہ دیا ہوا ہے۔

قرآن کریم کا نزول ہوا تھا کہ وہ ان بیڑیوں کو کاٹ دے جو لوگوں کے پاؤں میں ڈال دی گی ہیں اس نے ہر مسلم کا فرض قرار دیا کہ وہ مبلغ ہے اور اسلام و قرآن کی آواز دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پہنچانا اس کا مقصد حیات ہے۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ۔

"لوگوں کی راہنمائی کے لئے جتنی امتیں پیدا ہوئی ہیں ان میں تم سب سے بہتر امت ہو کہ اچھے کام کرنے کو کہتے اور برے کام سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (ال عمران ۳:۱۱۰)

دوسری جگہ ارشاد ہوا

"اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ بنو اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں۔" (البقرہ ۲:۱۴۳)

یہ اور ایسی ہی بہت سی آیات بغیر کسی اختلاف و تفریق کے بیانگ دہل اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں کہ مسلمان صرف اس غرض کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہیں کہ وہ ہر نیکی کے آمر اور ہر برائی کے ناہی ہیں۔ تبلیغ و دعوت ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ جو ان کو باقی تمام اقوام عالم سے نمایاں کرتا ہے۔ اس کا ہر ہر فرد پیکر دعوت و اصلاح ہے اور اس میں کسی ایک گروہ کی تخصیص نہیں بلکہ یہ فرض عام اور سب پر فرداً فرداً حاوی ہے۔

پھر سورۂ عصر نے تو کامیابی اس تبلیغ و اشاعت ہی کو قرار دیا کہ اگر فرزندان اسلام تواصی بالحق اور تواصی بالصبر نہ کریں گے تو خسران و خذلان اور ذلت و ادبار میں مبتلا ہوں گے اور وہی مستوجب عقوبت نہ ہوں گے جنہوں نے تبلیغ و ارشاد کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی قرار نہ دیا اور اس کے ادا کرنے میں تساہل سے کام لینے لگے بلکہ پوری امت کی امت مبتلائے آلام ہو گی۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً

غور کیجئے کہ جب ہر مسلم داعی الی الحق پیدا کیا گیا تو کیسے ممکن تھا کہ لسان نبوت خاموش رہتی اور صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین اس موضوع پر کسی قسم کی روشنی نہ ڈالتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ "اگر ایک آیت بھی جانتے ہو تو اس کی نشر و اشاعت کرو۔ بلغوا عنی ولو اية

آپؐ نے حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص اس وقت موجود ہے غائب کو ان باتوں کی اطلاع کر دے ممکن ہے کہ جس کو اس کی خبر پہنچے وہ مبلغ سے زیادہ صاحب فہم و فراست ہو۔ فیبلغ الشاهد الغائب فان الشاهد عسى ان يبلغ من هو اوعى له منه"۔

آپؐ کا فرمان ہے کہ "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ طاقت سے کام لے کر اس کو روکے اگر قوت نہیں تو زبان سے ورنہ دل سے ضرور ہی برا جانے اور یہ ضعیف ترین درجہ ایمان ہے" من راى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه و ذالك اضعف الايمان

مزید تاکید فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔

"تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی بابت سوال کیا جائے گا" الا كلكم راع وكلم مسؤل عن رعيته

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اس کی اہمیت کو واضح کیا۔

"اگر تم تلوار کو میری گردن پر رکھ دو اور مجھے یہ توقع ہو کہ گردن کٹنے سے قبل میں ان کلمات کی تبلیغ کر سکوں گا۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں تو ضرور کہہ کر رہوں گا۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی حیات مقدس اس امر کی شاہد ہے کہ ان میں ایک ایک فرد مجسم دعوۃ اسلام تھا۔ وہ کہیں جاتے تبلیغ کا درد ان کے دل میں ہوتا تھا۔ ان کا ہر اقدام و ادبار اسی غرض کے لئے ہوتا تھا۔ تجارت تھی تو اس کے لئے زراعت تھی تو اس کی خاطر۔ کیونکہ وہ ایک زندہ و جاوید تبلیغی مجسمے تھے۔ ان کو بلاد بعیدہ اور ممالک اجنبیہ کے دور دراز سفر تھے۔ جنگلوں اور بیابانوں کی بادیہ پیمائی تھی' پہاڑوں کی سر بفلک چوٹیاں' سمندروں اور دریاؤں کی طوفان خیز موجیں' آندھیوں اور طوفانوں کی ہلاکت خیز بربادیاں ان کی راہ میں حائل تھیں مگر ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے لئے سنگ راہ ثابت نہ ہوئی۔ قید خانوں کی کوٹھڑی میں بھی وہ اسوۂ یوسفی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور برابر تبلیغ میں مصروف رہتے۔ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر زندگی اس فرض جلیل کے ادا کرنے میں گزر گئی۔ لوگوں نے آپؐ پر پتھر برسائے' گالیاں دیں' مجنون و ساحر کہا۔ کس لئے؟ صرف اسی لئے کہ داعی حق' ناشر صداقت اور مبلغ قرآن کریم تھے۔

لیکن آہ! ثم آہ! مسلمانوں نے اس اسوۂ حسنہ کو ترک کر دیا۔ اس سے بعد و ہجر اختیار کیا اس کو وراء ظہور پھینک کر یقین کر لیا کہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ لیکن صدیوں کے تجربہ نے آج اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ جب تک ہر فرزند اسلام قرآن کریم کی دعوت کے لئے سرکف کوشش نہ کرے گا اور اس کتاب حکیم کو لے کر سرفروشانہ اقدام نہ کر لے گا امت مسلمہ کا تنزل و انحطاط سے نجات حاصل کرنا محال قطعی ہے۔

Marfat.com

چند ابتدائی صدیوں تک مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ تبلیغ و دعوت ہر مسلمان کا فرض حیات ہے مگر آخر جمود و استبداد نے ان کی قوتوں کو پامال کر دیا اور گروہ علماء نے اس پر قبضہ کر لیا گویا اقلیم فرمانروائی تھی جو صرف انہیں کے لئے مخصوص تھی لیکن آج وہ بھی اپنے فرض سے غافل اور خانقاہوں میں تسبیح و سجادہ پر قانع ہیں جس کا دین اسلام کی تبلیغ کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔

پس اب یہ وقت ایسا ہے کہ ہر وہ مسلم جس کے دل میں اسلام کا درد اور دین کی ٹھیس ہے اسے چاہئے کہ وہ میدان عمل میں آگے بڑھے اور قرآن کریم کی نشر و اشاعت میں لگ جائے۔ اس کو کسی خاص گروہ کے لئے بالکل نہ چھوڑے۔

اس جذبہ کے پیش نظر ہم نے قلم پکڑا ہے ہمیں معلوم ہے کہ قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر پر ہماری زبان میں اب تک اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب محض برکت و سعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ یا نئی تفسیر شائع کرنا اضاعت وقت ہے لیکن ان بندشوں سے آزاد ہو کر جو مختلف مکاتب فکر نے اپنی اپنی فکر کو ترویج دینے کے لئے لگا رکھی ہیں کام کیا جائے اور ان مشاہیر علمائے اسلام سے استفادہ کیا جائے جو صدر اول سے لے کر آج تک مختلف ادوار میں ہوتے رہے ہیں تو ابھی بہت کام کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

سو عرض ہے کہ ہمارے خیال میں قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے جب تک قرآن کریم نازل کرنے والے یعنی اللہ اور جس پر قرآن نازل ہوا یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور خود قرآن کریم ہی سے اس کو سمجھنے کے لئے کچھ اصول بیان نہ کئے جائیں جو تفسیر قرآن کے لئے اصل قرار پائیں اس وقت تک کوئی تفسیر متفق علیہ نہیں ہو سکتی۔ پہلے وہ اصول بیان کر دیئے جائیں اور پھر تفسیر کی جائے۔ اگر کہیں اختلاف ہو جائے تو اس کو اصول پر رکھ کر دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ فروع ہمیشہ اصول پر متفرع ہوتے ہیں اس لئے فروع پر بحث مفید نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اصل جس پر فرع متفرع ہے صحیح یا غلط نہ قرار پائے۔ اگر وہ اصل صحیح ٹھہرے تو ضرور ہے کہ فروع اس کے تابع قرار دیئے جائیں اور صحت اصل ہی دلیل قاطع ہے اس امر کی کہ فرع صحیح ہے۔ اس طرح فروع پر بحث ختم ہو جاتی ہے اور فروع پر بحث ختم ہو جائے تو کم از کم فروع کا اختلاف تو باقی نہیں رہتا۔

اگر کسی کے نزدیک کوئی ایک اصل صحیح نہیں ہے تو کلام صرف اسی اصل پر ہی ہو گا جس کا حل آسان ہے کیونکہ جب اصل صحیح نہیں ہے تو فرع کیسے صحیح ہو گی؟ مثلاً شوافع کے ہاں ایک اصول ہے کہ حرمت مصاہرت بدوں ازدواج شرعی کے نہیں ہو سکتی؟ اب اس پر جو امور متفرع ہیں اس کے سو عیوب بیان کئے جا سکتے ہیں اور کئے جاتے ہیں لیکن جب تک وہ اصل غلط نہ ٹھہرے فروع کے نقصان و عیوب بیان کرنے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا بلکہ صرف اصل دلیل قاطع ہے صحت فرع کی وہ بحال خود باقی رہتی ہے جب تک کہ وہ اصل باطل نہ ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ اصول تفسیر کیا ہیں؟ جواباً عرض ہے کہ وہ درج ذیل ہیں۔

Marfat.com

اُصولِ تفسیر

۱۔ اللہ ایک یعنی یکتا ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

۲۔ اللہ کی صفات عین ذات ہیں اور وہ مثل ذات کے ازلی و ابدی ہیں۔ تمام صفات اس کی نامحدود اور مطلق عن القیود ہیں۔ جو کام کرنے یا نہ کرنے کا اس نے ارشاد فرمایا ہے وہ ویسا ہی ہو گا اور یہ اس کے مطلق عن القیود ہونے کے منافی نہیں ہے۔ وہ فعال لما یرید بھی ہے اور لا تخلف المیعاد بھی۔

۳۔ اللہ کی صفات ثبوتی اور سلبی جس قدر قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں وہ سب سچ اور درست ہیں لیکن ان صفات کی ماہیت مافوق عقل انسانی ہے اس لئے وہ صفات جس کیفیت سے ہمارے ذہن میں ہیں اور جن کو ہم نے ممکنات سے اخذ کیا ہے۔ بعینہٖ ذات الٰہی پر منسوب نہیں کر سکتے اور ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ان صفات کے جو معنی مصدری ہیں وہ ذات الٰہی میں موجود ہیں جیسے قدرت و حیات۔ الی غیر ذالک

۴۔ اللہ اپنے کئے ہوئے وعدوں کا خلاف نہیں کرتا نہ خلاف ہونے دیتا ہے۔ جو وعدے اس نے کئے ہیں وہ فعال لما یرید ہونے کے باوجود کئے ہیں کسی مجبوری کے ساتھ نہیں کئے اور نہ ہی کسی کابینہ کی اکثریت رائے کے پیش نظر کئے گئے ہیں اور ان وعدوں کو پورا کرنے کی تاکید قرآنی صفحات میں بار بار کی گئی ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

"وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں الا یہ کہ چند روز کی سزا مل جائے ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا یہ بات ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں خواہ مخواہ کہہ دیتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اس نے ان کا ذمہ لیا ہے؟ آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہیں چھوئے گی؟" (البقرہ ۲:۸۰)

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

"پھر یہ جنت کے لوگ دوزخ والوں کو پکار پکار کر کہیں گے کہ ہم نے ان سارے وعدوں کو ٹھیک پا لیا جو ہمارے رب نے ہم سے کئے تھے تم نے بھی ان وعدوں کو ٹھیک پایا جو تمہارے رب نے کئے تھے؟ وہ جواب دیں گے ہاں" (الاعراف ۷:۴۴)

ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

"وہ لوگ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے گا اور انہیں بڑا اجر ملے گا۔ رہے وہ لوگ جو کفر کریں اور اللہ کی آیات کا جھٹلائیں تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں" (المائدہ ۵:۹، ۱۰)

پھر ارشاد ہوتا ہے۔

"ان منافق مرد اور عورتوں اور کافروں کے لئے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے" (التوبہ ۹:۶۸)

"ان مومن مرد اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔" (التوبہ ۹:۷۲)

زیر نظر آیات جیسی بے شمار آیات سے ثابت ہے کہ اللہ نے وعدے کئے ہیں اور وہ کبھی کسی وعدے کا خلاف نہیں کرے گا اور باجوود ان وعدوں اور ان کی عدم تخلف کے جا بجا اس نے اپنے آپ کو قادر مطلق اور فعال لما یرید فرمایا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وعدہ اور عدم تخلف وعدہ اس کے قادر مطلق ہونے اور اس کی صفات کے مطلق عن القیود ہونے کے منافی نہیں ہے۔

۵۔ قانون فطرت جس پر یہ کائنات بنائی گئی ہے وہ اللہ کا عملی وعدہ ہے جس طرح اللہ کا قولی وعدہ سچا ہے اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا ایسا ہی عملی وعدہ بھی سچا ہے۔ اس قانون فطرت میں سے بہت کچھ اللہ نے بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے اور بہت کچھ ہے جو ابھی دریافت نہیں ہوا ہو گا۔ جس قدر دریافت ہوا وہ بھی بلاشبہ اللہ کا عملی وعدہ ہی ہے جس کا تخلف محال ہے جو دریافت نہیں ہوا وہ ابھی انسانی کمزوری ہے اللہ کے ہاں اس کا ہونا محفوظ ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔ (القمر ۵۴:۴۹)

یعنی دنیا کی کوئی چیز الل ٹپ نہیں پیدا کر دی گئی۔ بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے۔ ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے۔ ایک خاص حد تک نشوونما پاتی ہے' ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

ہر قوم کے لئے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیرو تقدیم بھی نہیں ہوتی (الاعراف ۷:۳۴)

مطلب صاف ہے کہ ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا جو موقع دیا جاتا ہے اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی

Marfat.com

جاتی ہے۔ بایں معنی کہ اس کے اعمال میں خیر اور شر کا کم سے کم کتنا تناسب برداشت کیا جا سکتا ہے۔ جب تک ایک قوم کی بری صفات اس کی اچھی صفات کے مقابلہ میں تناسب کی اس آخری حد سے فروتر رہتی ہیں اس وقت تک اسے اس کی تمام برائیوں کے باوجود مہلت دی جاتی ہے اور جب وہ اس حد سے گذر جاتی ہیں تو پھر اس بدکار و بد صفات قوم کو مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی۔

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے کہ "اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں" لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس ۱۰:۶۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا

"یہ اللہ کی سنت ہے جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔" وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا

یہ عام ہدایات قانون فطرت کی نسبت قرآنی صفحات میں جا بجا موجود ہیں مگر اللہ نے خاص خاص قانون فطرت بھی بڑی وضاحت سے بیان فرمائے ہیں۔ انسانی پیدائش کے متعلق فرمایا۔

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکنے والی بوند میں تبدیل کیا۔ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی' پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا۔ پھر بوٹی کے اندر ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اس کو ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب کاریگروں سے اچھا کاریگر" (المومنون ۲۳:۱۲' ۱۴)

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں" (الروم ۳۰:۲۱)

علاوہ ازیں بہت سی آیات اسی مضمون کی قرآن کریم میں موجود ہیں جس میں قانون فطرت یہ بتایا گیا ہے کہ جوڑے یعنی زن و مرد سے اور نطفہ کے ایک مدت معین تک ایک مقرر جگہ میں رہنے سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ پس اس قانون فطرت کے خلاف بالکل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

ایک جگہ اجرام فلکی کے متعلق قانون فطرت بیان فرمایا۔

"اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند' اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے اختیار میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

پس یہ نہیں ہو سکتا کہ سورج خلاف قانون فطرت جس طرح کہ وہ چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے کسی کے لئے چلنے

Marfat.com

سے ٹھہر جائے اور چاند اپنی منزلیں طے کرتا ہوا جس طرح ہلال ہوا تھا پھر ہلال نہ ہو' نہ یہ ہو سکتا ہے کہ چاند اور سورج آپس میں ٹکرا جائیں۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ رات دن آپس میں گڈمڈ ہو جائیں اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سورج کا چلنا زمین کی حرکت سے دکھائی دیتا ہے تو اس آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ زمین حرکت کرنے سے کسی وقت کسی کے واسطے ٹھہر جائے کیونکہ ایسا ہونا خلاف قانون فطرت ہے اور وہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کہ قولی وعدے کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔

اسی طرح اللہ نے قانون قدرت یہ بتایا ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ جب تک یہ قانون قائم ہے سورج مشرق ہی سے طلوع ہوتا رہے گا اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ زمین مغرب سے مشرق کی طرف اپنے محور پر حرکت نہ کرے کیونکہ اس کے برخلاف ہونا بالکل ناممکن ہے (یہ ذکر سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۰ میں مذکور ہے)

سورہ عنکبوت کی آیت ۲۳ بتاتی ہے کہ احراق خاصہ نار ہے اور جب تک قانون فطرت موجود ہے یہ ناممکن ہے کہ آگ کسی کو نہ جلائے

اسی طرح پانی میں بوجھل چیز کا ڈوبنا۔ آسمان سے بارش برسنا' گرمی سردی کا آنا جانا اور دوسرے تمام قانون فطرت جو مشاہدہ میں آچکے ہیں ان کا خلاف ہرگز ہرگز ممکن نہ ہے۔ جو شخص ان میں مستثنیات تسلیم کرتا ہے اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ کتاب و سنت سے ان مستثنیات کی نشاندہی کرے کہ اللہ نے ان میں اس کو مستثنیٰ کیا ہے۔

جو قانون قدرت کہ انسان نے تجربہ سے ثابت کیا ہے اس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ جب تمام قانون فطرت ابھی تک نامعلوم ہیں تو ممکن ہے کہ کوئی قانون فطرت ایسا ہو جس سے مستثنیات ثابت ہو جائیں؟ مگر یہ کہنا کافی نہیں ہے کیونکہ امکان عقلی تو کوئی شئے وجودی نہیں صرف ایک خیال غیر محقق الوقوع ہے۔ وان بعض الظن لا یغنی من الحق شیئا

علاوہ ازیں امکان کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو لیکن جس چیز کا وقوع کبھی ثابت نہ ہوا ہو تو اس پر امکان کا اطلاق بالکل غلط ہے ہمیں یقین ہے کہ جو قانون قدرت بھی مزید ثابت ہو گا وہ اس قرآنی اصول پر یقیناً منطبق ہو گا کیونکہ یہ اسی اللہ کا قانون ہو گا جس نے قرآن جیسی کامل کتاب کو نازل فرمایا۔ عقل انسانی کی ترقی ہر حال محدود ہے لیکن علم الٰہی غیر محدود۔ فافہم فتدبر۔

۶۔ یہ بات مسلم ہے کہ اللہ نے انسانوں میں رسول بنا کر مبعوث فرمائے ہیں۔ "پیغام پہنچانے والے آدمیوں میں سے" (الحج ۲۲:۷۵) اور محمد رسول اللہ خاتم المرسلین ہیں۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں" (الاحزاب ۳۳:۴۰)

Marfat.com

۷۔ یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے "یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے" اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم ۵۳:۴)

۸۔ یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یعنی وحی کیا گیا ہے۔ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ (الفرقان ۲۵:۱)

۹۔ یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن کریم بالکل سچ ہے اس میں کوئی بات غلط یا خلاف واقع مندرج نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ "لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ" (حم السجدہ ۴۱:۴۲) البتہ حکایۃً" کسی قول کا نقل کرنا صرف بغرض بیان یا بغرض تردید یا لوگوں کے اعتقادات کو جو منافی مقصد قرآن کے نہیں ہیں بلا بحث ان کی اصلیت اور واقفیت کے تسلیم کر کے ان پر استدلال کرنا یا بطور حجت الزامی کے پیش کرنا یا امور ظاہر الوقوع کو ان کی ظاہری حالت پر بلا ان کی لمیت پر بحث کے بیان کرنا یا کلام غیر مقصود بالذات کا اثنائے کلام میں آنا قرآن کریم کی صداقت کے منافی نہیں ہے۔

۱۰۔ قرآن کریم جس قدر نازل ہوا ہے بتمامہ موجود ہے اس میں کوئی حرف کم یا زیادہ نہیں ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۱۵:۹)

۱۱۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ ترتیب قرآن منصوص ہے اور وحی الٰہی ہی اس کی ذمہ دار ہے شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ "در زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سورتے علیحدہ محفوظ و مضبوط بود"

۱۲۔ قرآن کریم میں ناسخ منسوخ نہیں ہے یعنی اس کی کوئی آیت دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوئی۔
ولیس فی القران نوع من الاشاءۃ علی هذا واما ایة ما ننسخ من ایة او ننسها نات بخیر منها او مثلها متعلقة بشرایع ما قبل الاسلام لا بایات القران ولا شک ان اهل الکتاب من الیهود والنصری والمشرکین لا یودون من احکام الاسلام ما خالف شرایعهم فذکره سبحانه تعالی اولا وقال ما یود الذین کفروا من اهل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم والله یختص برحمته من یشاء والله ذوالفضل العظیم○
"جن لوگوں نے دعوت حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین مکہ یہ کبھی نہیں

Marfat.com

چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل کی جائے بلکہ اہل کتاب تو یہ چاہتے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خاندان سے ہو تا مگر اللہ صاحب فضل و کرم ہے اپنی رحمت کے لئے جسے چاہے مخصوص کرلیتا ہے جب ہم کسی آیت کو موقوف یا فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی پہنچا دیتے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں"

یہ اور اس جیسی دوسری آیات جن سے استدلالاً ناسخ و منسوخ کا مسئلہ نکالا جاتا ہے یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

ہاں! فن تفسیر میں ناسخ منسوخ ایک اہم ترین باب ہے جس سے ناواقفیت زلۃ قدم کا باعث ہوتی ہے۔ نسخ کی تعریف میں متقدمین و متاخرین کا اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کی بنا پر اس کے متعلق عجیب و غریب مباحث پیدا ہو گئے۔ حضرات صحابہ و تابعین کے کلام کا استقرا بتاتا ہے کہ وہ نسخ کو اس کے لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ذریعہ زائل کر دینا' اس لئے کہ عمل کی مدت ختم ہو گئی۔ کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا یا یہ بتانا کہ پہلے جو قید تھی وہ صرف اتفاقی طور پر لگائی گئی تھی۔ لفظ کی عمومیت میں کچھ تخصیص کر دینا۔ منصوص اور مقیس علیہ ظاہر میں امرفارق کو بیان کر دینا یا جاہلیت کی کسی عادت اور قانون کو دور کر دینا وغیرہ ان کے نزدیک یہ تمام صورتیں نسخ میں داخل تھیں۔

ابن حزم کہتے ہیں

"لغت میں نسخ کے دو معنی آتے ہیں (۱) ایک حکم بالکلیہ زائل کر دینا (۲) ایک حکم کی مدت عمل ختم ہو گئی اس کی جگہ دوسرا حکم دینا"

لیکن اس مثال سے یہ مضمون اور زیادہ واضح ہو جائے گا کہ طبیب اپنے مریض کی حالت کا اندازہ کر کے اس کے لئے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے جب اس کا اثر مکمل ہو جاتا ہے اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو مسہل کا نسخہ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ منضج کا نسخہ منسوخ ہو گیا۔ یہی مثال تمام احکام شرعیہ کی سمجھنی چاہئے۔

اگر ہم اس وقت جبکہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی آیت ہمارے سامنے ہو' ناسخ و منسوخ کو قرآن میں ان معنوں میں تسلیم کرلیں جو عام طور پر بیان کئے جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تقریباً تمام قرآن بیکار ہے۔ حالانکہ اب قرآن کریم ایک مکمل قانون کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور کسی کو اس میں تغیر و تبدل کا حق نہیں۔ بعض لوگوں نے پانچ سو آیات کو منسوخ تسلیم کیا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک بیس آیات منسوخ ہیں اور امام المتاخرین شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فوز الکبیر میں صرف پانچ آیتوں پر اکتفا کیا ہے۔ یہ رفتار خود بتا رہی ہے کہ کس طرح آہستہ آہستہ ناسخ و منسوخ کے مسئلہ کو اس وقت قرآن کریم

Marfat.com

سے زائل کیا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر شاہ صاحبؒ کی پانچ آیتوں میں ذرا دقت نظر سے کام لیا جائے تو ان کا نسخ بھی جاتا رہتا ہے اور اس طرح تمام کتاب اول سے لے کر آخر تک قابل عمل بن جاتی ہے بلکہ قابل عمل ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ہم نے ان پانچ آیات کی اپنے اپنے مقام پر اس طرح تفسیر کر دی ہے کہ کوئی سلیم الفطرت انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا اور اس آیت سے تو کسی طرح استدلال ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ اس میں ملتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بحث کی گئی ہے۔

آپ ذرا فکر کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس آیت سے پہلے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ جس قدر بغض و عداوت ہے اس کا اصل سبب صرف یہ ہے کہ بنی اسمٰعیل پر کیوں وحی الٰہی نازل ہوئی اور بنی اسرائیل کو کس لئے اس فضیلت کبریٰ سے محروم کر دیا گیا؟ ظاہر ہے کہ وحی و الہام کے بدلتے ہی حکومت کا مسئلہ بھی جدید صورت اختیار کرے گا یعنی یہودی ذلیل ہوں گے اور مسلمانوں کو حکومت نوازش ہو گی۔ اسی لئے تو وہ بدبخت زیادہ چیخ و پکار کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جب ہم کسی ملت کو منسوخ کرتے ہیں تو پھر دو صورتیں ہمارے سامنے ہوتی ہیں اس سے بہتر قوم کو اس کی جگہ کھڑا کر دیں یا اس جیسی ہی کو' چنانچہ یہودیوں کی مغضوبیت کے بعد اس کے مساوی درجہ کی قوم عیسائیوں کی کھڑی کر دی گئی اب اس سے بہتر قوم کو پیدا کیا جاتا ہے جو تمام دنیا میں پھیل جائے گی اور ارض الٰہی کا ایک ایک گوشہ نغمہ توحید سے معمور ہو جائے گا۔

زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کی ہے وہ ایک قوم کو حکومت نوازش کرتا ہے جب اس میں ناقابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کی جگہ دوسری ملت قائم کی جاتی ہے کہ نظام عالم میں خلل واقع نہ ہو اور ارض الٰہی فساد کا گہوارہ نہ بن جائے۔ پھر اقوام و امم کے تغیر و تبدل پر اللہ کا علم کس طرح محل اعتراض بن سکتا ہے اگر عرب کے ظہور و شہود کو ہم نے باقی قوموں سے موخر کر دیا تھا اور کائنات خلت ابراہیمؑ کے بعد اس پر گمنامی کا پردہ ڈال دیا تھا تو یہ بھی کسی نہ کسی وجہ سے تھا چنانچہ اس تاخیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس وقت دنیا کی تمام قومیں اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آگئیں اور وہ جہاں جاتی تھی فتح و نصرت اس کے قدم چومتی تھی۔ افسوس کہ آج وہی بام عروج پر پہنچنے والی قوم دوبارہ ہزاروں سال پیچھے جا پڑی اور اس کی وہی حالت ہو گئی جو اس وقت قوم یہود و نصاریٰ کی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ آج پھر ہم من حیث القوم اس گڑھے میں جا گرے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نکالا تھا۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

۳۳۔ قرآن کریم بھی انسانوں کی زبان میں نازل ہوا ہے جس طرح انسان استعارہ' مجاز' کنایہ' تشبیہ' تمثیل' دلائل لمی و اقناعی و خطابی' استقرائی اور الزامی کو کام میں لاتا ہے بالکل اسی طرح قرآن کریم میں بھی استعارہ' مجاز'

Marfat.com

کنایہ، تشبیہ، تمثیل اور دلائل لمی، اقناعی، خطابی، استقرائی اور الزامی سب موجود ہیں۔ ان سے انکار گویا قرآن کریم کا انسانوں کی زبان میں نازل ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔ افسوس کہ ترجمہ و تفسیر میں اس کا لحاظ نہ کیا گیا بلکہ صرف لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا گیا حالانکہ استعارہ، مجاز، کنایہ اور محاورہ کے لفظی ترجمہ پر انحصار نہیں ہوتا۔

۱۴۔ قرآن کریم کے معنی بیان کرنے میں ہم کو ایک اور امر کا تصفیہ کرنا بھی لازم ہے کہ جس کلام پر ہم استدلال کر رہے ہیں آیا وہ کلام مقصود ہے یا غیر مقصود کیونکہ اگر وہ کلام غیر مقصود ہے تو اس پر استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بات ہم مان چکے ہیں کہ قرآن کریم میں کلام غیر مقصود جگہ جگہ پایا جاتا ہے جس طرح انسانوں کے کلام میں بھی کلام غیر مقصود ہوتا ہے جس پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔

ارشاد الٰہی ہے کہ

"جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کے ساتھ ان سے منہ پھیر لیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور یہ لوگ جنت میں ہرگز ہرگز داخل نہیں ہو سکیں گے جیسے اونٹ سوئی کے ناکے سے نہیں گزر سکتا" (الاعراف ۷:۴۰)

اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ کسی وقت اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے گا کیونکہ وہ کلام غیر مقصود ہے۔ اس جگہ دراصل صرف ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ کے کلام کو جھٹلایا ہے جنت میں داخل ہونے کے عدم امکان کا بیان ہے۔ اس طرح اس آیت سے آسمان کے دروازوں کے ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ کلام اس مقصود کے لئے نہیں بولا گیا بلکہ صرف اللہ کی رحمت سے محروم رہنے کے مقصد کے لئے بولا گیا ہے اور اس طرح کلام غیر مقصود کی بیشمار مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں لہٰذا ان کو موضوع بحث نہیں بنایا جا سکتا۔

۱۵۔ ایک بحث تاویل کی ہے ہمارے نزدیک قرآن کریم میں تاویل نہیں کرنی چاہئے اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے صفحات درکار ہیں یہاں مختصر ذکر کیا جا سکتا ہے تفصیل وقت پر آئے گی۔ تاویل کا مفہوم یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کسی لفظ کے اصلی معنی نہیں بن سکتے تو دوسرے معنی لئے جائیں جس سے قول قائل صحیح ہو جائے، انہی معنوں کے پیش نظر ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ تاویل جائز ہو سکتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان معنوں میں تاویل جائز نہیں ہو سکتی کیونکہ قول قائل کا اگر مطلب ہی دوسرے معنی لینا ہو تو پھر اس کو ہم تاویل کیوں کہیں گے یہ تو قائل کا اصل مقصد ہے جس کو قائل بیان کرنا چاہتا ہے جب وہی مفہوم و معنی مراد لئے جا رہے ہیں جو قائل کی مراد ہے تو تاویل کیسے ہوئی؟

مثلاً زید کہتا ہے کہ "زید اسد" جبکہ قائل کا درحقیقت لفظ اسد سے معروف حیوان لینا مراد نہیں بلکہ وہ خود

Marfat.com

اس سے صرف بہادری کی ایک صفت مراد لے رہا ہے نہ کہ وہ اصل حیوان تو یہ تاویل نہیں ہوگی بلکہ قائل کے اصل مطلب کا اظہار ہے بالکل اسی طرح جب ہم قرآن کریم میں کسی لفظ کے اصلی معنی نہیں لیتے بلکہ مجازی معنی لیتے ہیں تو ہم اس کو تاویل نہیں کہیں گے اس لئے کہ ہم بقدر اپنی طاقت کے یہی سمجھیں گے کہ اللہ نے انہی مجازی معنوں میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں قصص انبیاء کے ضمن میں ہمارے مفسرین نے بہت کچھ تفاسیر میں درج کر دیا ہے جس کا قرآنی قصص سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سب کا سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے علمائے اسلام نے بھی بیشتر حکایات سے انکار کیا ہے جن کو خواہ مخواہ قرآن کریم میں بطور تفسیر درج کر دیا گیا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے متعلق فوز الکبیر کے ص ۹۷، ۹۸ پر خوب بحث کی ہے جو قابل دید ہے۔ ان قصص کو بیان کرتے وقت کتاب و سنت کے الفاظ سے باہر نکلنا زلۃ قدم کا باعث ہو جاتا ہے لہٰذا ان کو سمجھنے یا بیان کرنے کے لئے شنیدہ کہانیوں سے خالی الذہن ہونا ضروری ہے لیکن تفسیر قرآن میں یہ باب جتنا اہم ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے جس پر نگاہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ فافہم فتدبر

مختصر یہ کہ ہم سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم کا یہی سمجھتے ہیں کہ وہ اس طرز کلام میں نازل ہوا کہ امی اور عالم و جاہل و فلسفی کسی طرح پر اس کے معنی سمجھیں سیدھے سادہ طور پر یا علمی و فلسفی طریقہ پر مگر نتیجہ میں سب متحد ہو جائیں۔ کوئی کلام بجز قرآن کریم کے ایسا نہیں کہ وہ جاہل اور امی محض کو بھی اس نتیجہ پر پہنچا دے جس نتیجہ پر ایک عالم و فلسفی کو پہنچاتا ہے اور ہر ایک بقدر اپنے علم اور استعداد کے اس سے فائدہ اٹھا کر منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

ہم سے "طعناً" کہا جاتا ہے کہ جب حکمت و ہیئت و فلسفہ یونانی مسلمانوں میں پھیلا اور جو اس زمانہ میں بالکل سچ و صحیح اور مطابق حقیقت واقع سمجھا جاتا تھا۔ علمائے اسلام نے قرآن کریم کے ان مقامات کی جو ان کے مطابق معلوم ہوتے تھے تائید کی اور ان مقامات کو جو بظاہر مخالف ان علوم کے معلوم ہوتے تھے ان کے مطابق کرنے کی کوشش کی۔ اب معلوم ہوا کہ وہ علوم غلط اصول پر مبنی تھے اور ان کا علم ہیئت بالکل خلاف حقیقت تھا اور علم طبیعیات نے زیادہ ترقی کی تو اب ان معنوں سے جو اگلے علماء نے مطابق یونانی علوم کے قرار دیئے تھے خلاف کرتے ہو اور دوسرے معنی اختیار کرتے ہو جو حال کے علوم کے مطابق ہیں اور کیا عجب ہے کہ آئندہ زمانہ میں ان علوم کو اور زیادہ ترقی ہو اور جو امور اس وقت محققہ معلوم ہوتے ہیں وہ غلط ثابت ہوں اس وقت قرآن کریم کے الفاظ کے دوسرے معنی قرار دینے کی ضرورت ہوگی۔ یعنی قرآن کریم لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہو جائے گا۔

ہم اس طعنہ کو بطور ایک بشارت کے نہایت خوشی سے تسلیم کرتے ہیں اور بڑے ادب سے یہ گزارش بھی کرتے ہیں کہ اس کو "ایک کھلونا" کہہ کر آپ نے زیادتی کی ہے۔ کیونکہ ہمارا یقین ہے کہ قرآن کریم حقیقت

Marfat.com

امور کے مطابق ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کام بھی ہر حال اس کے مطابق ہے مگر اس میں بہت بڑا معجزہ یہ ہے کہ ہمارے ہر درجہ علم میں ان امور میں جن کی ہدایت کے لئے قرآن کریم نازل ہوا ہے یکساں ہدایت کرتا ہے۔ اس کے الفاظ ایسے اعجاز سے نازل ہوئے ہیں کہ جہاں تک ہمارے علوم کو ترقی ہوتی جائے گی اور ان ترقی یافتہ علوم کے لحاظ سے ہم اس پر غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ اس کے الفاظ اس لحاظ سے بھی مطابق حقیقت ہیں اور ہم کو ثابت ہو جائے گا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے اور اب غلط ثابت ہوئے ہیں وہ ہمارے علم کا قصور تھا۔ نہ الفاظ قرآن کا۔ پس اگر ہمارے علوم کو آئندہ زمانہ میں ایسی ترقی ہو جائے کہ اس وقت کے امور محققہ کی غلطی ثابت ہو تو ہم پھر قرآن کریم پر رجوع کریں گے تو اس کو ضرور مطابق حقیقت پائیں گے اور ہم کو معلوم ہو گا کہ جو معنی ہم نے پہلے قرار دیئے تھے وہ ہمارے علم کا نقصان تھا۔ قرآن کریم ہر ایک نقصان سے بری تھا اور بری ہے۔

مثلاً فرض کرو کہ قرآن کریم سے ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سورج زمین کے گرد پھرتا ہے جس سے طلوع و غروب ہوتا ہے اب معلوم ہوا کہ سورج ساکن ہے اور زمین سورج کے گرد پھرتی ہے۔ جب ہم قرآن کریم پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا پھرنا قرآن کریم میں بطور حقیقت واقع کے بیان نہیں ہوا بلکہ علی ما یشہدہ الناس بیان ہوا ہے اور وہ بالکل سچ ہے۔ پس ہم نے جو اس کو بطور حقیقت واقع کے سمجھا تھا وہ ہماری غلطی تھی نہ کہ قرآن کریم کی۔ غرضیکہ ترقی علوم سے ہم کو ان امور سے رجوع کرنا ہے جو ہم نے پہلے نسبت قرآن کے قرار دیئے تھے اور قرآن کریم کو اس کے مطابق پایا تھا جس کی طرف ہم نے بعد ترقی علم رجوع کیا ہے ہمارے علم سابق کا نقصان اور قرآن کریم کے کامل ہونے کا ثبوت ہے جو ہماری نسبت کسی قسم کا طعنہ زنی کا سبب نہیں۔

پھر یہ بحثیں جہاں تک ہیں صرف اور صرف ان امور سے متعلق ہیں جو علوم طبیعیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی رہے وہ امور جو روحانی تعلیم سے متعلق ہیں اور جن پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حاوی ہے وہ ہر وقت ایک حالت مستقل پر قائم ہیں ان میں نہ کبھی تبدل ہوا اور نہ ہو گا نہ ہونے کی کبھی حاجت ہے جن کے لئے منطوق آیہ کریمہ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا شاہد عادل ہے۔

ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ان پندرہ اصولوں کو مدنظر رکھا جائے تو قرآن کریم کو سمجھنا نہایت آسان ہو گا اور قارئین سے امید رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہوں گے تاہم اگر کہیں اختلاف ہوا تو وہ ہم کو اس سے ضرور مطلع کریں گے اور اپنے اختلاف کی وجہ تحریر کریں گے۔ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلَاغُ

Marfat.com

قرآن کریم کی ترتیب اور فاتحہ کو پہلی سورت ہونے کا شرف

قرآن کریم کی ایک ترتیب وقتی تھی اور ایک دائمی' وقتی ترتیب وہ تھی جو اس وقت حسب ضرورت نزول میں ملحوظ رکھی گئی۔ دائمی وہ تھی جس کے مطابق وہ بشکل "الکتاب" مرتب و مدون ہوتا رہا۔ بس یہی الکتاب ہے جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ بالکل ویسا ہی مرتب و منظم ہے جیسا کہ وحی الٰہی نے اس کو مرتب کیا تھا۔ اگرچہ اس کی نزول و ترتیب کی تاریخ بھی ضائع نہیں ہوئی۔ اس کو آج بھی ہم معلوم کرسکتے ہیں کیونکہ اس کی حفاظت کے لئے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اپنی روایات و تعلیم میں "علم تاریخ نزول و شان نزول" کو محفوظ کر دیا ہے۔ ان دونوں ترتیبوں کے مقصدوں میں اختلاف تھا۔ پہلی ترتیبؔ اس لئے تھی تاکہ ایک محدود و مخصوص جماعت کو تعلیم دے کر تمام دنیا کی تعلیم و تربیت کے لئے تیار کیا جائے۔ پس جیسی ان کی حالت تھی اسی کے مطابق ان کی رہنمائی کی گئی۔ لیکن دوسری ترتیب کا مقصد کسی محدود جماعت اور مخصوص وقت سے تعلق نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے تمام بنی نوع انسان کی تعلیم و ہدایت کے لئے ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کرنا چاہتی تھی اس لئے ضروری تھا کہ پہلی ترتیب سے وہ مختلف ہو۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی کتابی ترتیب' ترتیب نزولی سے مختلف ہے اور اکثر وہ سورتیں پہلے نظر آتی ہیں جو ترتیب نزول میں بہت بعد کی تھیں۔ آخری پاروں کی سورتیں اکثر مکی ہیں یعنی آغاز عہد میں نازل ہوئی تھیں لیکن اب انہیں سورتوں پر کتاب مبین ختم ہوتی ہے۔ سورۃ بقرہ ہجرت کے ایک عرصہ بعد نازل ہوئی لیکن اب سورۂ فاتحہ کے بعد اسی سے "الکتاب" شروع ہوتی ہے۔

اس اعتبار سے سورۂ فاتحہ ایک عجیب سورت ہے جو دونوں ترتیبوں میں پہلی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کی اولیت دونوں جگہ یکساں طور پر ممتاز نظر آتی ہے۔ یہ پہلا سبق ہے جو درس گاہ الٰہی میں "السابقون الاولون" کو دیا گیا اور پہلا بیان ہے جو ہمیشہ کے لئے "الکتاب" میں بھی پہلے رکھا گیا یعنی نزول کے اعتبار سے بھی سورۂ فاتحہ پہلی سورت ہے اور صحیفہ الٰہی کا سب سے پہلا صفحہ بھی اسی کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

اس کی مثال آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ایک دائرہ جس نقطے سے شروع ہوتا ہے اسی پر ختم بھی ہو جاتا ہے اس کی پہلی اور آخری دونوں منزلیں ایک ہی ہیں۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ سب سے پہلی حقیقت بھی ہے اور سب سے آخری بھی۔ جس طرح وہ ابتداء ہے اس کے سوا انتہا بھی اور کوئی نہیں۔ جس طرح وہ آغاز ہے اسی طرح اس کے اندر اتمام و اکمال بھی ہے۔ جس طرح وہ ایک بیج ہے' جو سب سے پہلے درخت کے سلسلہ عملیات میں نمودار ہوا اسی طرح درخت کا سب سے آخری ظہور بھی وہی ہے کیونکہ درخت نے سب سے آخری کام یہی کیا کہ اپنی شاخوں میں بیج کا پھل لگایا پس نوع انسانی کی سعادت جس طرح سورۂ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اسی طرح اسی پر ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مومن کی ہدایت کی ابتدا بھی یہی ہے اور کمال بھی یہی ہے۔

یہ ایک بیج ہے اس لئے درخت کی ابتداء اور انتہا جو کچھ ہے سب کچھ اسی کے اندر ہے اسی لئے ایک مسلم

Marfat.com

زندگی یعنی فطرت صالحہ کی ایک بے میل و خالص روح سب کچھ بھول سکتی ہے مگر سورۂ فاتحہ کو نہیں بھول سکتی۔ اس کے ساز زندگی سے شب و روز یہی نغمہ حقیقت بلند ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح اس کی صبح کا پہلا نغمہ یہی ہے اسی طرح اس کی رات کا آخری ترانہ بھی یہی ہے پس مومن کا دن شروع ہوتا ہے۔ تو فاتحہ سے اور ختم بھی ہوتا ہے تو فاتحہ پر۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام "فاتحة الکتاب" رکھا اور اس طرح اس کی حقیقت اولیت کو اس کے نام ہی سے واضح کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ لا صلوة لمن لم یقراء بفاتحة الکتاب اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے نماز میں فاتحة الکتاب یعنی سورة فاتحہ کو نہ پڑھا

عربی میں "فتح" کا لغوی اطلاق دراصل مشکلوں' بندشوں اور رکاوٹوں کے دور ہو جانے پر ہوتا ہے جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے۔ "الفتح ازالة الاغلاق والاشکال" "یعنی فتح" بندشوں اور مشکلوں کا دور ہونا ہے" چونکہ بندشوں کے دور ہونے اور مشکلوں کے چھٹ جانے میں کھل جانے کا مفہوم ہے اس لئے اس کا اطلاق ہر اس حالت پر ہونے لگا جو کھلنے کے بعد نمایاں ہوا۔ بند دروازہ کھل گیا تو دروازے کا فتح ہونا ہے۔ لڑائی میں کامیابی نمودار ہوئی اور رکاوٹیں دور ہو گئیں تو یہ لڑائی کی فتح ہے۔ غم دور ہو گیا اور راحت شروع ہوئی تو یہ فتح غم و الم ہے۔ غرضیکہ "فتح" کے معنی میں اصل حقیقت لغوی تو کھلنا ہے لیکن چونکہ کھلنے کے بعد مابعد کی سب سے پہلی نمودار ی ہوئی ہے اس لئے آغاز و ابتداء کا مفہوم بھی اس کا ایک جزو ہو گیا ہے اور اس کے تمام استعمالات میں نظر آتا ہے۔

اب غور کرو کہ اس سورت کا نام "فاتحہ" یعنی "فاتحة الکتاب" ہے۔ لفظ فتح کے مفہوم لغوی میں بندش کا دور ہونا' کھلنا اور شروع ہونا ہے اور ان تمام استعمالات لفظ کے اعتبار سے بھی یہی سورت "فاتحہ" ہے۔ وحی الٰہی کھلی اور بندش دور ہوئی تو سب سے پہلے یہی سورت نمودار ہوئی اور تمام کلام اللہ اس کے مابعد ہے۔ درسگاہ وحی الٰہی نے امت مسلمہ کے پہلے گروہ کو تعلیم کتاب و حکمت دے کر تیار کرنا چاہا تو سب سے پہلا سبق اور درس یہی تھا جس سے سلسلہ اسباق شروع ہوا۔ پھر "الکتاب" کی دائمی ترتیب میں بھی قرآن حکیم کا مبدا یہی ہے یعنی قرآن کھلتے ہی سب سے پہلے اس کا اجمال علم نظر افروز ہوتا ہے اور سب کچھ اس کے بعد ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا کلام جس قدر دنیا میں آیا اور جو کچھ قرآن کریم میں ہے وہ سب کا سب سورۂ فاتحہ ہی سے کھلتا ہے اور سب کے لئے یہی سورت نقطہ آغاز و افتتاح ہے۔

یہ جو کچھ کہا گیا سو محض قیاسی و تخمینی نہیں ہے بلکہ خود احادیث و احکام نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوة والسلام) کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کے ہر کام کا افتتاح سورة فاتحہ ہی سے ہونا چاہئے بلکہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مشہور حدیث کو اپنے سامنے لاؤ جس کو اصحاب صحاح و سنن نے بکثرت مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے لیکن اول سب کے حضرت ابو ہریرہؓ ہی ہیں۔

Marfat.com

کل امر ذی بال لم یبدا فیه بالحمد فهو ابتر

جو کام حمد الٰہی سے نہیں شروع کیا گیا تو اس میں کامیابی نہیں ہے۔

یہ ابن ماجہ اور ابو داؤد کے الفاظ ہیں لیکن ابن العربی اور بغوی کی روایت میں "بالحمدللہ" ہے یعنی ہر کام "الحمدللہ" سے شروع کرنا چاہئے اور امام نسائی کی روایت میں "کل کلام لا یبدا فیه بحمد لله فهو اجزم" کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں "اقطع" بھی موجود ہے۔ بلکہ بعض روایتوں میں "الحمد" کی بجائے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے جو کام شروع نہ کیا جائے وہ ابتر ہے' اجزم اور اقطع ہے۔ اور دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ "الحمدللہ" ہو یا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" افتتاح اعمال حقیقت فاتحہ ہی سے ہے اور سچ یہ ہے کہ مومن کے خصائص و امتیازات میں اولین چیز یہی ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے کرتا ہے اور اس سے زندگی کے ہر شعبہ کو شروع کر کے اپنے تئیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص کر دیتا ہے۔

البتہ اس تاریخی حقیقت کو جس طرح ترتیب "الکتاب" میں یہ سورت پہلی ہے۔ اسی طرح ترتیب درس و نزول میں بھی پہلی ہے' کسی قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ صاف ہو جانا چاہئے۔

یہ بات معلوم ہے کہ قرآن کریم تئیس سال کے عرصہ میں جستہ جستہ نازل ہوا ہے تاریخ نزول قرآن میں اس زمانے کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا۔ پہلا حصہ ابتدائی زمانے کا ہے جو ہجرت پر ختم ہو جاتا ہے اور "عہد مکی" کہلاتا ہے۔ دوسرا دور ہجرت مدینہ سے شروع ہوتا ہے اور آپؐ کے وصال تک قائم رہتا ہے' اس کو "مدنی" کہتے ہیں۔ پس قرآن کریم کی جو سورتیں ابتدائی عہد میں نازل ہوئی ہیں ان کو "مکی" کہتے ہیں اور جو آخری عہد میں نازل ہوئی ہیں ان کو "مدنی" کہا جاتا ہے۔ اب یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ سورۂ فاتحہ مکی ہے یا مدنی' یعنی یہ پہلے عہد میں نازل ہوئی ہے یا دوسرے عہد میں؟

اس کا جواب کسی دوسری جگہ تلاش کرنے کی بجائے خود قرآن کریم کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے نزول کا ذکر سورۂ حجر میں جو بالاتفاق مکی ہے' موجود ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (۱۵ : ۸۷)

"اور بلاشبہ ہم نے تجھ کو (اے پیغمبر اسلام!) سات چیزیں دیں بار بار دہرائی جانے والی اور قرآن عظیم"

احادیث صحیحہ و آثار صحابہ جن کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے ہم کو بتاتے ہیں کہ اس آیت سے "سات چیزوں" سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور "مثانی" ان کا وصف ہے کہ وہ ہر روز نمازوں میں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور مومن و مسلم کبھی بھی اس کے دہرانے سے نہیں تھکتا۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ سورۂ فاتحہ قطعاً "مکی" ہے کیونکہ اگر مکہ میں سورۃ الحجر سے پہلے نازل نہ ہو چکی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر سورۃ الحجر میں کیونکر فرماتا؟

Marfat.com

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ابو میسرہ، حسنؒ، قتادہؒ اور ابو العالیہؒ جیسے کبار صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے کہ سورۂ فاتحہ مکی سورت ہے بلکہ یہی سورت سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔
امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر جیسے ائمہ تفسیر بالحدیث کا بھی یہی خیال ہے اور ان کے بعد قیل و قال، قیاس و ہرائے کی طرف اعتناء کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ جن لوگوں کو سورۂ فاتحہ کے مدنی ہونے کا خیال ہوا ہے ان لوگوں کے دلائل میں کوئی وزن نہیں کیونکہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں کمزور روایات کی طرف مراجعت کسی حال میں بھی درست نہیں۔

پھر متاخرین نے اس اختلاف کا حل بھی پیش کر دیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کے مکی ہونے کے اعتبار میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہٰذا فریق ثانی کی بات کا وزن برقرار رکھنے کے لئے یہ قیاس ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہو گی پہلی بار مکے میں اور دوسری بار مدینے میں۔ یہ بات کچھ عجب بھی نہیں ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہو کیونکہ سعادت انسانی کا پہلا سبق بھی وہی ہے اور آخری سبق بھی وہی۔ اس لحاظ سے یہ سورت مکی بھی ہوئی اور مدنی بھی، اگرچہ اس کا شمار مکی سورتوں ہی میں ہو گا کیونکہ پہلا نزول مکی ہی ہے۔

لیکن جن مفسرین نے یہ قیاس کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ نصف مکے میں اتری اور نصف مدینے میں ان کا قیاس اور ان کے دلائل اس قابل ہی نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے کیونکہ وہ یہ بھول گئے کہ سورۃ الحجر مکے میں نازل ہوئی اور اس میں سورۂ فاتحہ کی ساڑھے تین آیتوں کی جگہ سات آیتوں کا ذکر ہے اور یہ احادیث بالکل صحیح ہیں جن پر کوئی جرح نہیں ہے۔ پھر مکی ہونے کے خلاف صرف ایک حدیث جو مجاہد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام سے پیش کی ہے اس کا معقول جواب علامہ سیوطی علیہ الرحمتہ الاتقان کے صفحہ ۲۵ پر دے چکے ہیں۔

اب اس کے بعد دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ مکی سورتوں میں بھی سب سے پہلی سورت کونسی ہے۔ سورۂ فاتحہ یا کوئی اور سورت؟ اس کے متعلق علماء فن کے حسب ذیل اقوال ہیں۔

۱۔ امام بخاریؒ نے "بدا الوحی" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصل حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے پہل وحی کیونکر نازل ہوئی؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے رویا صادقہ شروع ہوئے پھر آپؐ نے خلوت اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ غار حرا میں آپؐ اکثر جاتے اور رات بھی وہیں بسر کرتے یہاں تک کہ نور حق ظاہر ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے ظاہر ہو کر کہا "اقرا" یعنی پڑھ! آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں کیونکر پڑھوں؟ آپؐ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس نے تین بار کہا اور آخری بار کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ" اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔

اس حدیث کو امام مسلم نے بھی لیا ہے نیز باختلاف جزئیات یہ الفاظ حاکمؒ، طبرانی اور بیہقی وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے جو سورت نازل ہوئی ہے وہ تیسویں پارہ کی

Marfat.com

سورۂ اقراء ہے اور چونکہ امام بخاریؒ نے "کیف کان بدی الوحی" وحی کیونکر شروع ہوئی' کا باب اسی حدیث کی بنا پر قائم کیا ہے اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اور دوسرے اکثر محدثین اور علماء فن کا یہی خیال ہے اور بکثرت تابعین اور ائمہ سے منقول ہے اور مجاہد اور زہری کے اقوال بھی حافظ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے الاتقان میں نقل کئے ہیں۔ (ص ۵۳)

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ امام بخاری و مسلم نے ابو سلمہؓ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا "میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کہ قرآن مجید میں سے کون سی چیز پہلے اتری تو انہوں نے کہا "یاایہا المدثر" میں نے کہا کہ یا۔ ہا المدثر یا اقرا باسم ربک؟ جابرؓ نے کہا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے غار حرا میں قیام کیا۔ جب میرا زمانہ قیام ختم ہوا تو میں وہاں سے نکلا اور وادی میں سے گزرنے لگا تو میں نے سنا کہ کوئی مجھے پکار رہا ہے۔ میں نے اپنے سامنے' پیچھے' داہنے اور بائیں نظر ڈالی لیکن کوئی نظر نہیں آیا اسی طرح تین بار آواز سنی پھر میں نے اوپر سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ہوا میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے یعنی جبرئیلؑ۔ یہ دیکھ کر مجھے سخت اضطراب پیدا ہوا اور مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی لیکن میں رواں دواں خدیجہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اسی طرح کچھ وقت گزر گیا تو "فانزل اللہ" اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ" (صحیح مسلم)

۳۔ تیسرا قول وہ ہے جو امام واحدی نے عکرمہ اور حسن کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ۔

اول ما نزل من القران "بسم الله الرحمن الرحیم" (الباب النزول ص ۶) سب سے پہلے جو چیز قرآن کریم سے اتری وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ امام واحدی نے ابو میسرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آواز کو سنتے تھے جو ان کا نام لے کر پکارا کرتی تھی جب آپؐ نے اس صدا کے جواب میں لبیک کہا تو اس نے کہا۔

قال الحمد لله رب العلمین حتی فرغ من فاتحة الکتاب (اسباب النزول ص ۱۲)

کہہ الحمد للہ رب العالمین' چنانچہ آخر تک سورۂ فاتحہ اس نے پڑھا دی اس کے بعد امام واحدی لکھتے ہیں "وهذا قول علی بن ابی طالب" یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ امام بیہقی نے بھی "دلائل" میں اسی روایت کو نقل کیا ہے اور دوسرے مفسرین نے اور بھی بہت کچھ اس سلسلہ میں بیان کیا ہے لیکن مسئلہ محض مفسرین سے متعلق نہیں کیونکہ یہ مسئلہ فن حدیث کی معلومات سے متعلق ہے اور محدثین نے ان تمام روایات کو تطبیق دینے کی جو کوشش کی ہے وہ نہایت تسلی بخش ہے۔

لیکن یہاں ایک نیا سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کے آغاز وحی و تنزیل کے متعلق اس قدر مختلف

Marfat.com

اقوال و روایات کیوں ہیں؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ تاریخ تنزیل قرآن کی ابتداء متحقق و واضح نہیں ہے؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا سوال کرنا محض تقصیر نظر و عدم ذوق فن کا نتیجہ ہے۔ ان روایات و احادیث میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ فی الحقیقت اختلاف نہیں ہے بلکہ سب ایک ہی حقیقت کو واضح کر رہی ہیں جب ایک واقعہ کو مختلف لوگ بیان کریں تو لوگوں کے بیان میں الفاظ کا اختلاف فطری بات ہے اور یہ اختلاف فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس وقت تسلیم ہو گا جب "ایک واقعہ" سے کوئی انکار کرے بلکہ اس کی بجائے کوئی "دوسرا واقعہ" بیان کر دے۔ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ واقعہ ایک ہی ہے جس کو مختلف لوگوں نے بیان کیا ہے۔ متاخرین کا کام یہ ہے کہ وہ روایات مختلفہ میں تحقیق و تطبیق کی کوشش کریں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

یہاں جو مسئلہ زیر بحث ہے اس کے سمجھنے میں ایک بنیادی غلطی ہوئی ہے اور جب تک وہ غلطی صاف نہ ہو جائے حقیقت واضح نہیں ہو سکتی۔ ایک چیز ہے سب سے پہلی وحی جس سے سلسلہ تنزیل وحی شروع ہو اور ایک چیز ہے قرآن کریم کی پہلی سورت کا نزول جو صاحب قرآن پر نازل ہوئی۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں لیکن بہت سے لوگوں نے ان میں فرق نہیں کیا بلکہ دو مختلف چیزوں کو ایک سمجھ لیا۔ پھر جب دو مختلف چیزوں کے متعلق مختلف بیان نظر آئے تو اس مغالطہ میں پڑ گئے کہ ایک ہی حقیقت کے متعلق کئی مختلف بیان ہیں حالانکہ فی الواقعہ ایسا نہیں ہے۔

یاد رہے کہ نزول "اقرا" محض افتتاح وحی ہے نہ کہ نزول سورت اور یہ بات متعدد وجوہ سے بالکل واضح ہے۔ سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو بخاری میں ہے اس میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اپنے اولین ظہور میں تین بار صرف "اقرا" کہا اور آخری بار "اقرا باسم ربک الذی سے ما لم یعلم" تک، یعنی ابتداء کی پانچ آیتوں تک پڑھایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پوری سورت کا نزول نہ تھا بلکہ صرف ابتدائی حصہ تھا۔ پھر اس پر غور کرنا چاہئے کہ ابتداء کی ان پانچ آیتوں کا مطلب کیا ہے۔ پہلے ترجمہ پڑھو مطلب سمجھ میں آجائے گا۔

"اے پیغمبر بنائے جانے والے! آپؐ اپنے پروردگار اور خالق حقیقی کے نام سے پڑھیں جس نے آپ کو اور ساری مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ انسان کو اس نے خون کے ایک جمے ہوئے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ اے پیغمبر بنائے جانے والے! آپؐ پڑھیں آپؐ کا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

ان آیتوں میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم اور حکمت و تعلیم کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ایک امی سے تمام عالم انسانیت کی تعلیم کا

Marfat.com

کام لے سکتی ہے۔ نیز علم اور مرتبہ علم کو ظاہر کیا ہے۔ پس یہ آیتیں اگرچہ آگے چل کر ایک سورت کی ابتداء قرار پائیں لیکن معناً" محض وحی الٰہی کا افتتاح تھا اور اس میں وحی کے پڑھنے' باب علم و تعلیم کے کھلنے اور مستعد کار ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا۔

یہ پہلی منزل تھی جو آپؐ کو پیش آئی۔ جب آپؐ پڑھ چکے اور علاقہ ربط وحی قائم ہو گیا تو مرتبہ تبلیغ و رسالت کا ظہور ہوا۔ اور دوسرا حکم آیا کہ اب کام شروع کر دو یعنی "قُمْ فَاَنْذِرْ" یہ بھی کسی سورت کا نازل ہونا نہیں تھا بلکہ صرف افتتاح وحی کے بعد کام کے شروع کر دینے کا حکم یعنی آغاز سورہ مدثر میں سے صرف پہلی پانچ آیتیں۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

"اے کپڑا اوڑھ کر پڑ جانے والے! اٹھ اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا۔ اپنے پروردگار کی کبریائی کا اعلان کر۔ اپنی روح[۱] کو پاک و منزہ کر۔ اور بداعمال قوم کی گندگیوں سے پاک ہو جا۔"

ظاہر ہے کہ ان آیتوں میں بھی صرف حکم انداز و تبلیغ ہے جو افتتاح وحی اور قیام رابطہ و علاقہ مبدا تنزیل کے بعد دوسری منزل تھی۔ قرآن کریم کے تعلیمی حصے میں سے یہ کوئی چیز نہیں ہے اور یہ احکام خود ظاہر کر رہے ہیں کہ ابھی کام شروع نہیں کیا گیا ہے' کام کرنے والے کو مستعد کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ قدماء میں سے بعض ارباب نظر نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تطبیق دیتے ہوئے حافظ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"اور بعض نے یوں تطبیق دیتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلی چیز جو نبوت کے لئے اتری وہ "اقرا" ہے اور سب سے پہلی چیز جو رسالت کے لئے نازل ہوئی وہ "یایھا المدثر" ہے۔

اور اس سے بھی زیادہ روشن رائے وہ ہے جو بعض محققین و ارباب نظر کی نسبت سے ابو امامہ بن النقاش نے نقل کی ہے اور مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اقراء" کے نزول میں مقام نبوت کا حصول اور مدثر کے نزول میں رسالت کا یعنی ڈرانے اور بشارت دینے کا۔ اس کے نزول کو "اقرا" کے بعد ہی ہونا تھا کیونکہ سورۂ اقراء میں خلقت انسانی کے مختلف دوروں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق خلق' تعلیم و رشد اور ارتقاء فہم و ادراک سے ہے۔ پس ضروری تھا کہ وہی آیتیں پہلے نازل ہوتیں اور سلسلہ علم و تعلم کا ان کی تنزیل سے شروع کیا جاتا۔ یہ ایک ترتیب طبعی سلسلہ وحی کی ہے کہ سب

۱۔ علامہ ابن قیمؒ **اغاثۃ اللھفان** میں لکھتے ہیں کہ تمام محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں ثیابک سے مقصود کپڑا نہیں بلکہ قلب ہے۔

Marfat.com

سے پہلے اللہ تعالیٰ اس علم و حکمت اور نبوت کے مقامات کا ذکر کرے جن کے لئے اس نے شخص نبوت کو چن لیا ہے اور پھر اس کے بعد اس چیز کی اطلاع دے جس کے لئے یہ مراتب اس کو عطا کئے گئے ہیں۔ (مواہب جلد اول ص ۴۴)

جن بزرگوں کا یہ قول ہے یقیناً ان کا یہی مقصود تھا کہ افتتاح وحی تنزیل میں بالترتیب دو منزلیں پیش آئی ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہوا کہ وجود نبوت کو وحی الٰہی اپنی جانب مخاطب کرے اور ان سے علاقہ وحی قائم کرے۔ اس کو انہوں نے نبوت سے تعبیر کیا۔ دوسری منزل یہ ہے کہ جب رابطہ قائم ہو گیا تو اب کام شروع کر دینے کا حکم دیا گیا' یہ رسالت ہے۔ یعنی احکام الٰہی کی تبلیغ اور انسانوں تک حکم الٰہی کو پہنچانا۔

لیکن اب تک اصل کام شروع نہیں ہوا ہے۔ اصل کام کیا ہے؟ انذار اور بشارت یعنی اعمال بد کے نتائج سے ڈرانا اور اعمال صالحہ و قبول حق کے نتائج حسنہ کی خبر دینا نیز ایک امت صالحہ کو تعلیم و تزکیہ نبوت سے تیار کرنا اور ان کو وحی الٰہی سے کتاب و حکمت کا بتدریج درس دینا۔ جب وجود معلم خود تعلیم پا کر مستعد ہو گیا جیسا کہ "علم الانسان ما لم یعلم" کے علیم و حکیم نے اس کو پڑھا دیا۔ پھر جب اس کو حکم بھی مل گیا کہ اب تم پڑھانے کے لئے تیار ہو گئے ہو کام شروع کر دو' یعنی "قم فانذر" تو اس نے ایک طرف انذار و بشارت کا کام شروع کیا اور دوسری طرف امت مسلمہ کو پڑھانا اور تعلیم کتاب و حکمت سے تیار کرنا۔ سو جب ایسا ہو چکا تو سب سے پہلا درس' سب سے پہلا سبق' سب سے پہلی تعلیم جو دی گئی وہ سورۃ "فاتحہ" کا جامع و مانع درس تھا اور انہیں سات آیتوں کی اولین تعلیم تھی کہ فاتحیت اعمال و تعلیمات صرف انہیں کے لئے ہے۔

یہ وہ حقیقت ظہور و انبعاث وحی ہے جس کے معلوم کرنے کے بعد تمام روایات جمع ہو جاتی ہیں اور کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

۱۔ امام بخاری کی روایت "کیف کان بدا الوحی؟" سب سے زیادہ مستند و معتبر روایت ہے جو اس بارے میں ہم تک پہنچی ہے اور تقریباً تمام ائمہ فن نے اس کو قبول کیا ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس میں صرف بدء وحی یعنی انفلاق صبح وحی کی خبر دی گئی ہے گویا یہ مخاطبہ وحی کا آغاز ہے۔ اور جن جن صحابہ و تابعین سے اولیت اقرا منقول ہے سب نے افتتاح وحی کی بناء پر اقرا کو اولین چیز قرار دیا ہے۔

۲۔ دوسری روایات سورۂ مدثر کے متعلق ہیں۔ بعض متاخرین نے ان کو ایک دوسرا مذہب قرار دیا ہے۔ لیکن فی الحقیقت ان میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں عبدالرحمٰن بن سلمہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سی چیز اتری؟ انہوں نے جواب دیا کہ "مدثر" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فضا میں دیکھا اور گھر پہنچ کر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے چادر اوڑھا دو۔ اس پر آیت اتری "یایھا المدثر" یہ بھی بالکل صحیح ہے۔

Marfat.com

صرف اس میں یہ بات رہ گئی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اولین مشاہدے میں "اقراء" کا حکم ہوا اور اس کے بعد دوسرے مشاہدے میں "یا ایھا المدثر" اتری۔ چنانچہ اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں نے اوپر نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ "وہی آدمی موجود ہے" یعنی جبرئیلؑ موجود ہیں۔ وہ کا اشارہ واضح کرتا ہے کہ یہ مشاہدہ پہلا نہیں ہے اگر پہلا ہوتا تو اشارے سے کام نہ لیتے۔

اصل یہ ہے کہ سلسلہ واقعات کو سامنے رکھنے کے بعد دونوں روایتیں جمع ہو جاتی ہیں سب سے پہلے جب فرشتہ الٰہی کا ظہور ہوا تو اس نے کہا "اقراء" اس کے بعد بھی آپؐ نے غار حرا کا اعتکاف برابر جاری رکھا۔ کچھ عرصے کے بعد پھر آپؐ نے دیکھا کہ وہی ملک فضا میں موجود ہے۔ یہ دیکھ کر آپؐ پر اضطراب طاری ہوا۔ اور آپؐ نے کہا "دثرونی" اس کے بعد "یا ایھا المدثر" نازل ہوئی۔

ہم نے جو روایت نقل کی ہے وہ صحیح مسلم کے باب "بدء الوحی" میں ہے۔ لیکن اس روایت کو امام بخاریؒ نے "کیف کان بدء الوحی" میں حضرت عائشہؓ کی روایت کے بعد درج کیا ہے اور اس تقدیم و تاخیر اندراج سے واضح کر دیا ہے کہ پہلا واقعہ "اقراء" کا اور دوسرا "مدثر" کا ہے۔ اس طرح تمام اختلاف دور ہو گیا۔ امام بخاریؒ کی یہی دقت نظر حسن استنباط، قوت اخذ و استدلال، خوبی ترتیب و تقسیم اور فضل مخصوص تبویب و تراجم ہے جو ان کو تمام ائمہ و مجتہدین فن میں ممتاز کرتا ہے اور جس قدر کاوش کرتے جائیے اس کی خوبیاں کھلتی اور بڑھتی جاتی ہیں۔

رہی یہ بات کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں فرمایا کہ سب سے پہلے "مدثر" اتری تو شارحین صحیحین نے اس پر متعدد پہلوؤں پر نظر ڈالی ہے اور حافظ سیوطیؒ نے تطبیق کی کئی صورتیں نقل کی ہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مقصود اولیت سے یہ تھا کہ "اقرا" کا نزول تو محض وحی کا افتتاح تھا، کسی سبب کی بناء پر نازل نہیں ہوئی تھی بہ خلاف "مدثر" کے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب کی وجہ سے نازل ہوئی۔ اس سلسلے کی یہ پہلی چیز ہے۔ یہ تطبیق ہمارے بیان کے لئے مزید تائید ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بھی "اقرا" کا نزول محض افتتاح وحی اور تعلیم شخصی ہے تاہم بہترین جواب وہی ہے جس کو حافظ سیوطیؒ نے بھی مان لیا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز وحی کے واقعات بیان فرماتے ہوئے اس کو بیان کیا، جو افتتاح وحی کے بعد وحی کا دوسرا نزول ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ اس سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا ہو گا۔ پس یہ ان کا اجتہاد ہے نہ کہ جزو روایت۔ ان کی روایت کو حضرت عائشہؓ کی روایت سے موخر رکھ کر ہم صحیح ترتیب پیدا کر سکتے ہیں۔ (الاتقان علامہ سیوطیؒ ص ۵۴)

۳۔ اس کے بعد وہ روایتیں سامنے آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اجلہ تابعین مثلاً حسن عکرمہ کا یہ بیان تھا کہ سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نازل ہوئی۔ تو یہ بالکل درست ہے اور ٹھیک ٹھیک اصل مقصود کا موید۔ سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی اور سب سے پہلی تعلیم جو وحی الٰہی سے انسانوں کو دی وہ

Marfat.com

سورۃ فاتحہ ہے اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سورۂ فاتحہ ہی کی پہلی آیت ہے۔ پس جن تابعین کا یہ قول ہے وہ دراصل یہی کہہ رہے ہیں کہ سب سے پہلے سورۃ فاتحہ اتری کیونکہ اس کی اولین آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اس کو کوئی علیحدہ مذہب قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

۴۔ اس کے بعد چوتھا قول ہے اور وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور مندرجہ بالا تشریح کے بعد اس قول میں اور ابتداء کی تین روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ بلاشبہ یہ حق ہے اور انکشاف وحی و حکم انذار و تعلیم کے بعد سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی ہے اور جس کے سوا کوئی سورت بھی پہلی نہیں ہو سکتی وہ ''فاتحۃ الکتاب'' ہی ہے اور یہی خیال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بھی تھا جو پیچھے گذر چکا۔

نماز اور فاتحۃ الکتاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ''لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب'' جو شخص سورۃ فاتحہ کو نماز میں نہیں پڑھتا اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔

یہ حدیث صحیح بخاری ج اول ص ۱۰۴ صحیح مسلم جلد اول ص ۱۶۹' سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۱۹' جامع ترمذی ص ۵۰' سنن نسائی ص ۹۲' سنن ابن ماجہ ص ۶۰' سنن دارمی ص ۱۴۶' سنن دار قطنی ص ۱۲۲ معجم الصغیر طبرانی ص ۴۲' کتاب الام امام شافعی ص ۹۳' مسند احمد ص ۱۹۲' سنن بیہقی ص ۳۸' کتاب القراۃ ص ۹ پر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ ''لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب خلف الامام'' جو شخص سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے نہیں پڑھتا اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔

یہ حدیث کتاب القراۃ بیہقی کے صفحہ ۴۷ پر موجود ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ ''قال کنا خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فی صلوۃ الفجر فقرا رسول الله صلی الله علیه وسلم فثقلت علیه القراۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرء ون خلف امامکم قلنا نعم هذا یا رسول الله قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانه لا صلوۃ لمن لم یقرا بها'' عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم نے صبح کی نماز ادا کی آپؐ نے قرآن مجید کی قرات فرمائی تو قرات دشوار ہوئی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو مقتدیوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ امام کے پیچھے قرآن کریم پڑھتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہؐ ہم پڑھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مت پڑھا کرو مگر صرف سورۂ فاتحہ کیونکہ اس کے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی (وہ امام ہو یا مقتدی)

یہ حدیث جزء القراۃ بخاری ص ۱۵' مسند احمد ص ۱۹' ابو داؤد ص ۳۰۴' ترمذی ص ۲۵۴' نسائی ص ۹۳' دار قطنی ص ۲۲۰' مستدرک حاکم ص ۲۳۸' طبرانی صغیر ص ۱۳۳' معانی الآثار طحاوی ص ۱۲۷' محلی ابن حزم ص ۲۳۶' بیہقی ص ۱۶۴' کتاب القراۃ ص ۲۵' پر عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ترمذی' دار قطنی اور بیہقی نے

Marfat.com

اس حدیث کی اسناد کو حسن بتایا ہے۔

ایک لمبی حدیث کے اقتباس کا اردو ترجمہ

نافع سے مروی ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو جو بیت المقدس میں امام تھے ایک روز صبح کی نماز میں دیر ہو گئی تو ابو نعیم موذن نے جماعت شروع کرا دی۔ نماز شروع ہو چکی تو عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور نماز میں شریک ہو گئے اور میں (نافع) بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ قریب ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا کہ عبادہؓ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے استفساراً عرض کیا کہ آپ نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں پڑھی ہے۔ پھر عبادہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ہمارے سامنے ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ مقتدیوں میں سے کسی نے کچھ قرآن پڑھا جو سورۂ فاتحہ کے علاوہ تھا۔ اور آپؐ کو ان کے پڑھنے سے خلجان ہوا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا جب میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھ رہا ہوں تو میرے پیچھے مت پڑھا کرو مگر صرف سورۂ فاتحہ، کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی"

آپؐ کے ممانعت کے الفاظ اس طرح ہیں "فلا تقرء وا بشئی من القران اذا جهرت الا بام القران فانه لا صلوة لمن لم يقرا بها"

اس حدیث کو جزء القراۃ بخاری ص ۱۵، ابو داؤد ص ۳۰۴، مستدرک ص ۲۳۹، دار قطنی ص ۲۲۱، بیہقی ص ۶۵، کتاب القراۃ ص ۴۲، محلی ابن حزم ص ۲۳۷ میں بیان کیا گیا ہے اور دار قطنی اور بیہقی نے اس حدیث کی اسناد کو صحیح اور راویوں کو ثقہ بتایا ہے۔

یزید بن شریک سے مروی ہے کہ میں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے پڑھنے کے متعلق دریافت کیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو میں نے عرض کیا کہ اگرچہ آپ نماز پڑھا رہے ہوں فرمایا کہ ہاں خواہ میں نماز پڑھا رہا ہوں پھر میں نے مزید کہا کہ جب آپ بلند آواز سے پڑھ رہے ہوں۔ عمر فاروقؓ نے فرمایا ہاں خواہ میں بلند آواز سے پڑھ رہا ہوں۔

اس کو دار قطنی ص ۱۲۰، مستدرک ص ۲۳۹، جزء القراۃ بخاری ص ۱۲، کتاب القراۃ ص ۶۱، طحاوی ص ۱۲۹ میں درج کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھ کر کوئی دوسری سورت بھی ملا لیا کرو اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ ہی کفایت کرتی ہے۔

اس کو دار قطنی ص ۱۲۴، مستدرک ۲۳۹، جزء القراۃ ص ۶۴ میں بیان کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں کتب احادیث میں عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن مغفلؓ

Marfat.com

عمران بن حصینؓ معاذ بن جبلؓ ابو امامہ باہلیؓ ابو سعید خدریؓ ابو درداؓ ابو ہریرہؓ سیدہ عائشہؓ انسؓ اور ابو قتادہؓ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان صحابہ کبار میں سے آخری پانچ کا ذکر ترمذی ص ۲۵۳ پر بھی موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید کی تلاوت کرنے اور نماز کے اندر پڑھنے کا ذکر بھی کتب احادیث میں موجود ہے۔ افسوس کہ آج آپؐ کا طریقہ یکسر ختم کر دیا گیا الا ماشاء اللہ

کاش کہ آج صرف قرآن مجید ہی سے قرآن پڑھنے کا طریقہ جو سکھایا گیا تھا اسی پر ہی غور کیا ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۰۶)

"اور اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہم نے اتارا ہے تاکہ آپؐ لوگوں کو آسانی سے ٹھہر ٹھہر کر سنائیں اور وہ آسانی سے اس کو سمجھ سکیں"

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (مزمل ۷۳ : ۴) "اور قرآن کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں"

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ (طہ ۲۰ : ۱۱۴) "آپؐ اس قرآن کو جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش نہ کریں"

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (قیامہ ۷۵ : ۱۶) "اے میرے نبی امیؐ! یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیا کریں بلکہ جبرئیلؑ کو ختم کر لینے دیا کریں"

چنانچہ آپؐ کی قرات کے متعلق صحیح بخاری میں ہے۔

حدثنا عمرو بن عاصم قال حدثنا همام عن قتادة قال سئل انسؓ كيف كانت قراءة النبى صلى الله عليه وسلم فقال كانت مدا ثم قرا بسم الله الرحمٰن الرحيم. يمد بسم الله ويمد بالرحمن ويمد بالرحيم (صحیح بخاری جلد دوم ص ۷۵۴)

"حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قرات کرتے تھے۔ انسؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھینچ کھینچ کر قرائت کرتے تھے پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو بسم اللہ کو کھینچا، رحمٰن کو کھینچا اور رحیم کو کھینچا۔ (صحیح بخاری)

ابو داؤد میں ہے قراءة رسول الله صلى الله عليه وسلم بسم الله الرحمن الرحيم○ الحمد لله رب العلمين. الرحمن الرحيم. مالك يوم الدين. يقطع قراية اية اية.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت فرماتے تو ہر آیت کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے۔

ترمذی جلد اول ص ۱۱۶ میں ہے۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراء ته يقرا الحمد لله رب العلمين ثم يقف الرحمن الرحيم ثم يقف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔ آپؐ الحمد

Marfat.com

للہ رب العلمین پڑھ کر ٹھہر جاتے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہر جاتے اور اسی طرح ساتوں آیات کو الگ الگ کر کے پڑھتے۔

مجمع الزوائد ج ا ص ۱۸۴ میں بحوالہ طبرانی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قال الحمد لله رب العلمين ثم يسكت

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب سورۂ فاتحہ تلاوت فرماتے تو الحمد للہ رب العلمین کی تلاوت کر کے خاموش ہو جاتے (اور اسی طرح ساتوں آیات کریمات کو وقفہ وقفہ سے پڑھتے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً" فاتحہ کی ایک ایک آیت پڑھ کر خاموش کیوں ہو جاتے؟ بات بالکل صاف ہے' اس لئے کہ آپؐ کے وقفہ میں مقتدی وہی آیت اپنے دل میں پڑھ لیں اور آمین سے پہلے امام اور مقتدی دونوں کی سورۂ فاتحہ ختم ہو جائے اور امام اور مقتدی سب مل کر آمین پکار کر کہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد دار قطنی ص ۱۲۲' مستدرک حاکم ص ۲۳۸' کتاب القراۃ ص ۵۴' میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من صلى صلوة مكتوبة مع الامام فليقراء بفاتحة الكتاب فى سكتاته۔ "جو شخص فرض نماز امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ ادا کرے اس کو چاہیے کہ امام کے سکتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے"

نیز دار قطنی ص ۱۲۲' کتاب القراءۃ ص ۵۵ میں عبداللہ بن عمروؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "ومن صلى صلاة مع امام يجهر فليقرا بفاتحة الكتاب فى سكتاته فان لم يفعل فصلاته خداج غير تمام"

"جو شخص جماعت کے ساتھ یعنی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرے اس کو چاہیے کہ امام کے سکتوں میں سورۂ فاتحہ ضرور پڑھ لے ورنہ اس کی نماز ناتمام یا مردہ ہو گی یعنی صحیح نہیں ہو گی"

ظہر اور عصر تو جہری نمازیں نہیں ہیں اور جو جہری نمازیں ہیں یعنی فجر' مغرب اور عشاء۔ ان میں بھی صرف پہلی دو دو رکعت جہری ہیں باقی سری یعنی مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی تیسری اور چوتھی رکعت بھی سری ہیں اور فجر میں ویسے ہی صرف دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سری نمازوں یا سری رکعتوں میں سکوت کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ ان میں قرات جہری نہیں ہے۔ اور جو جہری رکعت ہیں یا جہری نمازیں' ان میں امام کو چاہیے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق قرات میں سکتات کرے تاکہ مقتدی بھی فاتحہ کی قرات ساتھ ساتھ امام کے سکتات میں کرتے رہیں تاکہ ایک فریضہ کی ادائیگی ہو جائے جو ہر رکعت میں فرض ہے۔ اگر کوئی امام ارشادات الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مقتدیوں کو وقفہ نہ دے یا کوئی مقتدی اثنائے قراۃ میں شامل ہو تو بھی جس طرح ہو سکے وہ اپنے دل میں سورۂ فاتحہ کی قراۃ ضرور کرے کیونکہ کوئی فرض بھی فقط امام کے ادا کرنے سے مقتدی کا ادا نہیں ہو جاتا بلکہ ہر فریضہ سب کو ادا کرنا لازم ہے امام ہو

Marfat.com

یا مقتدی۔ چونکہ سورۂ فاتحہ ہر رکعت میں فرض ہے لہٰذا اس کا پڑھنا امام اور مقتدی دونوں پر لازم اور ضروری ہے۔ البتہ جب امام جہر پڑھے گا تو مقتدی اس وقت بھی اس کو جہر نہیں پڑھ سکتا بلکہ دل میں پڑھے گا جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

اور ابو داؤد ص ۱۲۰ اور بیہقی ص ۱۷ میں ہے۔ فان لم یسکت اقرابها قبل او معه او بعده لا تترکها علی حال یعنی امام اگر وقفہ نہ دے تو مقتدی سورۂ فاتحہ کو امام سے پہلے' اس کے ساتھ یا اس کے بعد ہر حال میں ضرور پڑھے (کیونکہ وہ کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی)

آئمہ اربعہ میں سے امام مالک' امام شافعی اور امام احمد فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

عینی شارح بخاری ج ۶ ص ۱۰ میں فرماتے ہیں استدل بهذا الحدیث عبد الله بن المبارک والا وزاعی و مالک والشافعی و احمد واسحاق و ابو ثور و ابو داود علی وجوب قراءة الفاتحة خلف الامام فی جمیع الصلوة یعنی اس حدیث سے عبد اللہ بن مبارک' امام اوزاعی' امام مالک' امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق' ابو ثور' ابو داؤد نے فاتحہ خلف الامام کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔

علامہ عبدالحیؒ صاحب حنفیؒ عمدۃ الرعایہ میں رقم طراز ہیں۔ وروی عن محمد انه استحسن قراءة الفاتحة الخلف الامام فی السریة وروی مثله عن ابی حنیفة صرح به فی الهدایة والمجتبی شرح مختصر القدوری وغیرهما و هذا مختار کثیر من مشائخنا

"دوسری نمازوں اور سری رکعتوں میں امام محمد نے فاتحہ خلف الامام کو مستحسن بتایا ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے جیسا کہ ہدایہ اور مجتبیٰ میں ہے اور ہمارے اکثر مشائخ اسی عمل پر عامل ہیں"

اور علامہ عینی ج ۶ ص ۱۴ شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ ان بعض اصحابنا استحسنوا ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوت ہمارے بعض بزرگوں نے بطور احتیاط و استحسان سب نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا اقرار کیا ہے۔

مختصر یہ کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں دونوں طرف سے بے حد زیادتی کی گئی۔ اور جو کچھ ہوا وہ سب کا سب ضد اور عناد میں ہوا۔ بات صرف اسی قدر تھی کہ ایک فریق فاتحہ خلف الامام کو مستحسن سمجھتا تھا لیکن ان کی فرضیت کا قائل نہیں تھا اور دوسرا فریق ان کو فرض خیال کرتا تھا۔ مستحسن سمجھنے والوں نے ضد میں آکر نہ صرف یہ کہ اس کے مستحسن ہونے سے انکار کیا بلکہ قائلینِ فاتحہ خلف الامام کو طعن و تشنیع کیا اور ان کے منہ میں مٹی ڈالنے یا آگ جھونکنے کی کوشش کی اور فاتحہ خلف الامام کے قائلین نے اپنے مخالفین کو صرف برا بھلا ہی کہنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ کفر و فسق کے فتوے لگائے اور ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملت اسلامیہ کو فی الحقیقت واضح گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

Marfat.com

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ①

آیاتہا ۷ ① رکوعہا ۱

سورۃ فاتحہ مکی ہے اس میں سات آیات اور ایک رکوع ہے۔

فاتحہ قرآن کریم کی پہلی سورۃ۔ سورۃ کو سورۃ کہنے کی وجہ

ف۱ قرآن کریم کی سورتوں کو جو سورت کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال ہیں۔ سب سے صاف یہ ہے کہ سورت شہر کی فصیل کو کہتے ہیں جس سے شہر محدود ہو جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات معینہ محدودہ پر سورت کا اطلاق کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں بھی آٹھ جگہ سورت کا لفظ آیا ہے اس سے بھی قرآن کریم کا ایسا حصہ ہی مراد ہے جس میں پورا مطلب اور منشاء بیان کیا گیا ہے بلکہ اسی نسبت سے قرآن کریم میں اس پر سورت کا اطلاق ہوا ہے۔ پس اس کی پیروی میں ان مجموعہ آیات پر جو درحقیقت معین و محدود اور اپنے ماقبل و مابعد سے علیحدہ ہیں۔ سورت کا اطلاق کرنا نہایت درست و صحیح ہے۔

قرآن کریم میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں جن کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے۔ اور اکثر نام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے ہیں اور کچھ سورتوں کے نام ایک سے زیادہ بھی روایات میں موجود ہیں جیسے زیر نظر سورۂ مبارکہ کے نام ۳۶ تک علمائے اسلام نے تحریر کیے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ سورۃ کے لفظی معنی بلندی یا بلند منزل کے ہیں۔ جیسے السورۃ الرافعۃ (لسان) السورۃ المنزلتہ الرفیعہ (راغب) اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح دنیا کی دوسری کتابیں مختلف بابوں میں تقسیم ہوتی ہیں اسی طرح قرآن مجید کے ہر باب کو سورۃ کہتے ہیں۔ گویا ہر سورۃ ایک بلند منزل کا نام ہے۔ ان میں سے جس نسبت سے بھی سورۃ کو سورۃ کہا جائے صحیح اور درست ہے۔

سورۃ فاتحہ کے دوسرے نام احادیث میں

ف۲ سورۂ فاتحہ کے بہت سے نام کتب احادیث و تفاسیر میں بتائے گئے ہیں اور علماء نے چھتیس تک شمار کئے ہیں ان میں صرف دس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ زیادہ دیکھنے کا شوق ہو تو علامہ سیوطیؒ کی ''الاتقان'' کا مطالعہ کریں۔

۱۔ ''فاتحۃ الکتاب'' یہ نام اس لئے تجویز ہوا کہ قرآن مجید کا اس سے افتتاح ہوتا ہے اور نماز کی قرات بھی اسی سے شروع ہوتی ہے یا نماز میں اس کی قرات ضروری ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آسمان سے سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت یہی ہے۔ اسی لئے اس کا نام ''فاتحۃ الکتاب'' ہے۔

۲۔ ''الحمد'' یہ اس لئے کہ اس سورت کے اندر الحمد کا لفظ موجود ہے یعنی دوسری آیت کے شروع میں

Marfat.com

الحمد کا لفظ ہے اور دوسری سورتوں کے اسماء بھی سورتوں کے اندر موجود ہیں اور ہر سورۃ کا نام اس سورۃ کی کسی نہ کسی آیت کے اندر ہی سے لیا گیا ہے لہٰذا اس سورت کا نام بھی سورت کے اندر کی آیات ہی سے لیا گیا۔

۳۔ ''ام القرآن'' اس کی بہت سی وجوہ بیان کی گئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہر چیز کی ماں اس کی اصل ہے اور تمام قرآن مجید کی تقریر کی اصل سورۃ فاتحہ ہے لہٰذا اسی نسبت سے اس کو ''ام القرآن'' فرمایا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید کے مضامین کا خلاصہ الٰہیات' معاد' قضا و قدر اور نبوات ہے اور ان چاروں کا خلاصہ سورۃ فاتحہ کے اندر موجود ہے۔ پہلی تین آیتیں الرحمٰن الرحیم○ تک الٰہیات کا بیان ہے۔ چوتھی آیت معاد پر دلالت کرتی ہے۔ پانچویں آیت ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' سے جبر و قدر کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر قضا و قدر کے اثبات پر دلیل ہے۔ اور چھٹی اور ساتویں آیت یعنی ''اھدنا الصراط سے ولا الضالین'' تک نبوات پر واضح دلیل ہے۔

۴۔ ''سبع مثانی یہ نام قرآن مجید کی سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۸۷ سے لیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ''وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِىْ'' (۱۵ : ۸۷) ''اور ہم نے آپ کو سات دہرائی جانے والی آیات عطا کیں''

صحیح حدیث میں ہے کہ ''سات دہرائی جانے والی آیات'' سے مراد سورۃ فاتحہ ہے کہا گیا ہے کہ اس کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ:

الف۔ نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ نماز فرض ہو۔ نفل یا سنت۔ نماز عید ہو یا جنازہ۔ نماز تسبیح ہو یا استغفار

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فاتحہ وہ سورت ہے جو سابقہ تمام کتابوں سے مستثنیٰ ہے خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سورت کی مثل نہ تورات و انجیل میں ہے اور نہ زبور و قرآن میں اور یہ سورت فاتحہ ہے جس کا مثل قرآن مجید میں بھی موجود نہیں ہے۔

ج۔ اس کی سات آیات ہیں جو بار بار دہرائی بھی جاتی ہیں اور جو شخص اس سورۂ مبارکہ کی تلاوت کرتا ہے وہ پورے قرآن مجید کا ثواب حاصل کر لیتا ہے۔

د۔ اس کا نزول دوبار ہوا' پہلی بار مکہ مکرمہ میں اور دوسری بار مدینہ طیبہ میں۔

ہ۔ اس کو نماز میں دوبار بھی پڑھا جاتا ہے ایک بار فرض سمجھتے ہوئے اور دوسری بار قرآن مجید کی ایک سورت ہونے کے واسطہ سے (امام رازی' تفسیر کبیر)

و۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ثناء و مدح بیان کی گئی ہے۔

۵۔ ''الوافیہ'' سورۃ فاتحہ کو اس نام سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ نماز کے اندر اس کی تنصیف نہیں کی جا سکتی یعنی باقی سورتوں کی طرح نماز میں اس کا آدھا حصہ کم یا زیادہ پڑھ لینے سے نماز صحیح نہیں ہوتی حالانکہ

Marfat.com

باقی سورتوں میں سے کسی کا آدھا یا کچھ حصہ بھی تلاوت کر لیا جائے تو نماز درست ہو جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس کی مقدار تین آیات یا ایک بڑی آیت بتایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اس سورت کے علاوہ ایک سورت کو دو رکعت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے آدھا حصہ ایک رکعت میں اور آدھا باقی دوسری رکعت میں اور سورۃ فاتحہ دو رکعت میں تقسیم بھی نہیں کی جا سکتی۔

۶۔ "الکافیہ" نماز کی ایک رکعت میں اگر صرف سورۂ فاتحہ پڑھ لی جائے اور علاوہ ازیں قرآن مجید کا کوئی حصہ تلاوت نہ کیا جائے تو نماز درست ہو جاتی ہے اگرچہ ایک سنت اس میں سے رہ گئی۔ لیکن سورۂ فاتحہ چھوڑ کر باقی قرآن کا کوئی حصہ تلاوت کر لیا تو نماز صحیح نہ ہوئی۔ چنانچہ:

محمود بن ربیع حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ام القرآن اپنے علاوہ سورتوں کا بدل ہے مگر اس کے علاوہ کوئی سورت اس کا بدل نہیں"

۷۔ "الشفاء" یعنی بیماریوں کے لئے شفا۔ یقینی بات ہے کہ کچھ روحانی بیماریاں ہوتی ہیں اور کچھ جسمانی۔ جسمانی بیماریوں سے روحانی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کبھی روحانی بیماریوں سے جسمانی بیماریاں بھی لاحق ہو سکتی ہیں اور فاتحہ ان دونوں اقسام کے لئے یقیناً شفا ہے۔ اس لئے فاتحہ کا ایک نام "دعا" بھی ہے۔ اس کے ساتھ قرآن مجید کی آیت "فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ" پر ایک نظر مزید آپ کی تسلی کر دے گی۔

۸۔ "الصلوۃ" سورۂ فاتحہ کا ایک نام "الصلوۃ" بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (صحیحین) سورۂ فاتحہ کے سوا کوئی نماز نہیں ہو سکتی پس اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو "سورۃ الصلوۃ" کے نام سے پکارا ہے۔ یعنی وہ سورت جس کے سوا نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ ایک انسان اس سے زیادہ جس قدر قرآن میں سے پڑھے اور سیکھے مزید معرفت و بصیرت کا ذریعہ ہو گا لیکن قیام نماز میں اس سے کم کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "الصلوۃ" میرے اور میرے بندے کے درمیان تقسیم ہے اور اس سے مراد بھی سورۂ فاتحہ ہے۔

۹۔ "السوال" بھی اس سورت کا ایک نام ہے وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے سے مستغنی ہے؟ ہر ایک کو حاجت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اور وہ اپنی ضرورت طلب کرے۔ اپنی دینی اور دنیوی ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی حدیث قدسی ہے۔ "جو شخص میرے سوال سے میرے ذکر میں مشغول ہو میں اسے اس سے افضل عطا کرتا ہوں جو دوسرے سوالیوں کو دیتا ہوں۔" مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کر کے اپنے آپ کو اس کے مطابق بنا کر بندہ جب سوال کرتا ہے تو میں اس کو پورا کرتا ہوں۔ اسی نسبت سے اس سورۂ مبارکہ کا نام "السوال" رکھا گیا۔

۱۰۔ "الدعا" اس سورۂ مبارکہ میں دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب طلب ہو تو

Marfat.com

کس سے مانگے اور کیسے مانگے؟ جب دینی طلب ہو تو دنیا اس کے اندر آجاتی ہے۔ اسی نسبت سے اس سورۃ کا نام "دعا" بھی احادیث صحیح سے ملتا ہے اور اس سورۃ کا باہمی تعلق دعا اور جواب دعا کا ہے۔ اس دعا کی ابتداء اس ہستی کی تعریف سے کی جا رہی ہے جس سے ہم دعا مانگنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی تعلیم ہے کہ دعا جب مانگو تو مہذب طریقہ سے مانگو یہ کوئی تہذیب نہیں کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا' تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعا کر رہے ہو پہلے اس کی خوبی کا اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو۔

قرآن کریم کی سورتوں کی تقسیم نہایت اہم تقسیم ہے

۳ قرآن کریم کی سورتوں کی ایک اہم تقسیم بہ لحاظ زمانہ نزول کی گئی ہے جو سورتیں قبل ہجرت نبوی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ قیام مکہ میں نازل ہوئیں خواہ ان کا نزول حدود شہر مکہ سے باہر ہی ہوا ہو' مکی کہلاتی ہیں اور جو سورتیں بعد ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی زمانہ قیام مدینہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں خواہ ان کا نزول حدود شہر مدینہ سے باہر ہی ہوا ہو۔ لیکن یہ تقسیم صرف عمومی حیثیت سے ہے ورنہ بارہا ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی سورت کے اندر مکی آیتیں رکھ دی ہیں' اور اس کے برعکس بھی حکم فرمایا ہے۔

ربط مضمون و مناسبت مقام کا صحیح و لطیف تر احساس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کو ہو سکتا تھا؟ اس لئے کسی متعین آیت کے باب میں اس کے مکی یا مدنی ہونے کا فیصلہ جزم کے ساتھ کرنا دشوار ہے اس باب میں جو روایتیں ہوئی ہیں ان میں اکثر و بیشتر درجہ تواتر کو نہیں پہنچتیں محض مفید ظن ہیں' مفید یقین نہیں اور اس قسم کے قیاسی معیار کو مثلاً "یا ایھا الناس" سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مکی اور "یاایھا الذین امنوا" سے شروع ہونے والی آیتیں لازمی طور پر مدنی ہوں گی محض اکثری و تخمینی ہیں کلی اور قطعی نہیں لہٰذا اسی پر زور دے کہ کلام کرنا ہرگز درست نہیں۔

وہ حروف جو سورۃ فاتحہ میں استعمال نہیں ہوئے

۴ اور ان آیات میں سے پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں کل انتیس الفاظ اور ایک سو اکتالیس حروف ہیں جن میں سے

الف = ۲۴' ب = ۴' ت = ۳' ث = x' ج = x' ح = ۵' خ = x

د = ۴' ذ = ۱' ر ۔ ۸' ز = x' س = ۳' ش = x' ص = ۲

ض = ۲' ط = ۲' ظ = x' ع = ۶' غ = ۲' ف = x' ق = ۱

ک = ۳' ل = ۲۲' م = ۱۵' ن = ۱۱' و = ۴' ہ = ۵' ی = ۱۴

قرآن مجید کی کل آیات بھی شمار کر لی گئی ہیں اور ان کی میزان الاتقان سیوطیؒ کے مطابق ۶۶۱۶ ہے اور قرآن مجید کے کل الفاظ ۷۷۹۳۴ اور کل حروف کی تعداد ۳۲۳۷۶۰ ہے۔ قرآن مجید کے شیدائیوں نے اس

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے جو بہت ہی مہربان بہت ہی پیار کرنے والا ہے (پڑھو پڑھاؤ)۔ ا

جیسی اور بھی بہت سی عرق ریزیاں کی ہیں جو آج بھی ان کے عشق کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

اور سورۂ فاتحہ میں درج ذیل سات حروف استعمال نہیں ہوئے اور اتفاق یہ ہے کہ ساتوں حروف معجمہ ہیں وہ حروف یہ ہیں ثاء، جیم، خاء، زاء، شین، ظاء، اور فاء (ث، ج، خ، ز، ش، ظ اور ف) مفسرین نے اس کی بڑی عجیب عجیب وجوہ بیان کی ہیں اور خصوصاً امام رازی نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یہ ساتوں حروف مقامات عذاب ہیں اور پھر ان سے نکلے ہوئے وہ الفاظ درج کیے ہیں جو عذاب پر دلالت کرتے ہیں مثلاً ثاء سے ثبور (۴۵:۱۴) جیم سے جہنم (۱۵:۴۳)، (۱۷۸:۷) خاء سے خزیٰ (۱۶:۲۷) زاء سے زفیر (۱۱:۱۰۶)، (۴۴:۴۳) شین سے شہیق (۱۱:۱۰۶) ظاء سے ظل اور ظلیل (۷۷:۳۰، ۳۱) فاء سے یفرقون (۳۰:۱۴) اور افتری (۲۰:۶۱) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سے مراد جہنم کے سات دروازے ہیں جیسے (الحجر: ۴۴) میں بیان کیا گیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس سورت سے سات حرف ساقط فرمائے ہیں اور یہ ساتوں حروف عذاب پر دلالت کرتے ہیں اور اس پر اشارہ ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو پڑھے گا وہ دوزخ کے ان سات دروازوں یعنی ساتوں طبقات دوزخ سے امان پائے گا۔ (کامل علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہی اصل حقیقت کو جانتا ہے)

رکوعات کی تقسیم نبی کریم ﷺ سے بعد کی تقسیم ہے

۵ سورت کے اندر کی ایک بڑی تقسیم کا نام رکوع ہے۔ بڑی سورتوں میں اکثر رکوع دس سے پندرہ آیتوں تک رکھے گئے ہیں اگرچہ کہیں کہیں ان سے کم یا زیادہ آیتیں بھی موجود ہیں۔ اور یہ اتنی مقدار ہے جو تقریباً ایک رکعت میں پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کی پابندی لازمی اور ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ تیسویں پارہ کی آخری ۳۴ چھوٹی سورتوں میں بھی ایک ایک رکوع ہی شمار کیا گیا ہے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھ لینے کے بعد قرآن مجید میں سے کوئی چھوٹی سورۃ یا کسی بڑی سورۃ کا ایک رکوع یا چند آیتیں پڑھنا مسنون ہے البتہ فرض نماز کی آخری ایک یا دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھ لینے کے بعد بھی رکوع کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں رکوع کی تعداد ۵۵۸ شمار کی گئی ہے۔

لفظ اللہ اسم ذات رب ذوالجلال ہے

۶ لفظ "اللہ" کی اصل ا ل ہ ہے۔ بعض کا قول ہے کہ "اللہ" اصل میں "الہ" ہے ہمزہ تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے اور اس پر الف لام (تعریف) لا کر باری تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اسی تخصیص کی

Marfat.com

بناء پر فرمایا۔ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (۶۵:۱۹) کیا تمہیں اس کے کسی ہم نام کا علم ہے۔

"اللہ ' الٰہ ' الٰھین ' اللھم اور اللہ" کا لفظ قرآن مجید میں ۲۶۹۷ بار آیا ہے۔ "الٰہ" ۱۱۱ بار اور "الٰھین" صرف دو بار "الٰہۃ" کا لفظ ۳۴ بار اور "اللھم" پانچ بار استعمال کیا گیا ہے۔

اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟

۵۷ نام کو عربی زبان میں اسم کہتے ہیں اور "اسم" کی "اصل" س م و ہے۔ سما' یسمو' سموا' الاسم کسی چیز کی علامت جس سے اسے پہچانا جائے۔ دراصل ہر شے کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔ اسم کی جمع اسماء اور تصغیر سمی۔ اسم کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مسمی کا ذکر بلند ہوتا ہے اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے یعنی پہچانا جاتا ہے۔

بسم اللہ کے الفاظ قرآن مجید میں تین بار آئے ہیں۔

۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (فاتحہ ۱:۱)

۲۔ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا (ہود ۴۱:۱۱)

۳۔ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ (النمل ۳۰:۲۷)

الرحمٰن اور الرحیم صرف اللہ ہی کی ذات ہے

۵۸ "بہت ہی مہربان بہت ہی پیار کرنے والا" یعنی "الرحمٰن" "الرحیم" کی "اصل" ر' ح' م ہے۔ الرحمۃ وہ رقت قلب جو مرحوم پر احسان کی مقتضی ہو۔ پھر کبھی اس کا استعمال صرف رقت قلب کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں۔ جب اس کے ساتھ ذات باری تعالیٰ متصف ہو تو اس سے صرف احسان مراد ہو گا جیسا کہ مروی ہے "ان الرحمة من الله انعام وافضال ومن الا دميين رقة وتعطف" یعنی اللہ کی طرف سے رحمت اس کے انعام و فضل سے عبارت ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف سے رقت اور شفقت کے معنی میں آتی ہے۔

"اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" یہ دونوں فعلان و فعیل کے وزن پر مبالغہ کے صیغے ہیں۔ جیسے ندمان و ندیم۔ پھر رحمٰن کا اطلاق اسی ذات پر ہوتا ہے جس نے اپنی رحمت کی وسعت میں ہر چیز کو سما لیا ہو' اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے اور الرحیم بھی اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور اس کے معنی بہت ہی زیادہ رحمت کرنے والے کے ہیں اور اس کا اطلاق دوسروں پر بھی جائز ہے قرآن مجید میں ہے "رؤف رحیم" (۱۲۸:۹) کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں۔

اور بعض نے رحمٰن اور رحیم میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ رحمٰن کا لفظ دنیوی رحمت کے اعتبار سے بولا جاتا ہے جو مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے اور رحیم اخروی رحمت کے اعتبار سے ہے جو خاص کر مومنین پر ہو گی۔

Marfat.com

"الرحمٰن" کا لفظ قرآن مجید میں ۵۷ بار آیا ہے اور "الرحیم" کا ۳۴ بار۔ سورۂ فاتحہ کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چونکہ آیات قرآنی میں شامل ہے اس لئے اس میں الرحمٰن الرحیم کو شامل کیا گیا ہے اور باقی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں سے "الرحمٰن" "الرحیم" کے الفاظ شامل نہیں کئے گئے اس لئے کہ وہ قرآن مجید میں شامل ہی نہیں وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محض دو سورتوں کے درمیان فصل کے لئے بیان ہوئی ہے اگرچہ اس میں اختلاف بھی ہے۔

کیا تسمیہ فاتحہ کی آیت ہے؟

۹ مکہ مکرمہ اور کوفہ کے قراء اور اکثر فقہاء حجاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ کو سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت تسلیم کرتے ہیں۔ اس قول کی تصدیق عبداللہ بن مبارکؒ اور سفیان ثوریؒ کے بیان سے بھی ہوتی ہے اس سلسلہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ:

۱۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ پڑھتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم(۱) کو ایک آیت بناتے اور الحمد للہ رب العلمین(۲) کو دوسری آیت قرار دیتے۔ "الرحمٰن الرحیم(۳)" کو تیسری اور "مالک یوم الدین(۴)" کو چوتھی آیت بناتے۔ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (۵)" کو پانچویں اور "اھدنا الصراط المستقیم(۶)" کو چھٹی آیت قرار دیتے اور "صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین(۷)" کو ساتویں آیت بناتے۔ آیات کا یہ شمار آپؐ کے وقفوں سے ثابت ہے۔

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فاتحۃ الکتاب سات آیات ہیں اور ان کی پہلی آیت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے"

۳۔ ابی بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تجھے اس آیت کی خبر ہے جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے بعد میرے سوا کسی نبیؐ پر نازل نہیں ہوئی؟" میں نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے فرمایا "جب نماز شروع کی جائے تو قرآن کی کونسی آیت شروع ہوتی ہے؟" میں نے کہا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" آپؐ نے فرمایا "یہی ہے یہی ہے" یعنی یہی وہ آیت ہے جو سلیمان علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ چنانچہ سورۃ النمل ۲۷ کی آیت تیس میں اس کا ذکر ہے اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ قرآن کریم سے ہے قرآن سے باہر نہیں اور خصوصاً فاتحۃ الکتاب کی پہلی آیت ہے۔

۴۔ ثعلبی اپنی اسناد کے ساتھ امام جعفر صادقؒ سے وہ اپنے والد گرامی امام محمد باقرؒ سے وہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا "جب تو نماز قائم کرتا ہے تو کیسے کہتا ہے؟ جابرؓ نے کہا میں کہتا ہوں "الحمد للہ رب العلمین○" یہ سن کر آپؐ نے ارشاد فرمایا' نہیں کہہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

Marfat.com

۵۔ ثعلبی نے اپنی اسناد کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت نقل کی ہے کہ جب میں نماز میں سورۃ فاتحہ کو شروع کرتا ہوں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہوں اور فرماتے جس نے اس کو پڑھنا چھوڑ دیا اس نے سورۃ کی آیات میں کمی کی۔

۶۔ ثعلبی نے اپنی اسناد کے ساتھ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے "وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ" (۱۵:۸۷) یعنی آپؐ کو دہرائی جانے والی سات آیات کریمات دی گئی ہیں کی تفسیر میں فرمایا یہ فاتحۃ الکتاب ہے۔ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورت کی پہلی آیت ہے۔

۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "جب تم ام القرآن پڑھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو نہ چھوڑو کیونکہ یہ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

۸۔ ثعلبیؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ میں نے اپنے اور اپنے بندے کے درمیان سورۂ فاتحہ کو آدھا آدھا تقسیم کیا ہے۔ جب بندہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہتا ہے تو اللہ سبحانہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی اسی طرح ساتوں آیتوں کے جوابات بیان فرمائے۔

۹۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز شروع کر دی تعوذ کو پڑھا اور پھر الحمد للہ سے پڑھنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور اسے فرمایا اے شخص! تونے اپنی نماز قطع کر لی کیا تو نہیں جانتا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ سے ہے؟ جس نے اسے چھوڑ دیا تو اس نے اس سے ایک آیت چھوڑ دی اور جس نے ایک آیت کو چھوڑ دیا اس نے اپنی نماز قطع کر لی اس لئے کہ فاتحۃ الکتاب کے بغیر صلوۃ نہیں ہوتی تو جس نے اس سے ایک آیت ترک کر دی اس کی نماز باطل ہو گئی۔

۱۰۔ طلحہ بن عبیداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو چھوڑ دیا اس نے قرآن مجید کی ایک آیت کو چھوڑ دیا۔

معلوم رہے کہ یہ سب روایات تفسیر کبیر میں امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ ابی اسحاق ثعلبی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر سے مع شئی زائد نقل کی ہیں۔ آپ چاہیں تو اصل کی طرف مراجعت کریں۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اعظم آیت کون سی ہے؟ ابی بن کعبؓ نے کہا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "صحیح ہے"

اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ سورۃ النمل کی آیت ۲۷ میں جو بسم اللہ ہے وہ پوری آیت نہیں بلکہ آیت کا ایک جزء ہے کیونکہ پوری آیت ہے "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ زیر نظر

Marfat.com

حدیث میں آپؐ کا ارشاد پوری آیت سے ہے۔ اور پوری مکمل آیت سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی کی آیت ہو سکتی ہے۔

۱۲۔ امیر معاویہؓ مدینہ منورہ میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی یعنی معاویہؓ نے جماعت کرائی جب اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی تو بسم اللہ کو جہر نہ پڑھا تو ہر گوشہ سے آواز بلند ہوئی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی معاویہؓ بھول گئے تو امیر معاویہؓ نے ام القرآن کو دوبارہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے پڑھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صحابہؓ کے اجماع پر دلالت کرتی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے ایک روایت میں ہے کہ پوری نماز پڑھ چکنے کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہوا تو امیر معاویہؓ کے دوبارہ نماز پڑھانے پر یہ بات ختم ہوئی اور دوسری صورت پہلی سے بھی قوی ہے۔ فتدبر۔

۱۹۷۱ء کی بات ہے جب کبھی بندہ ناچیز ادارۃ القرآن کراچی کی کتابت کا کام کیا کرتا تھا مولانا نور احمد صاحب مرحوم بانی ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ نے قرآن مجید کی اشاعت کے لئے ناچیز سے مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فاتحہ کی پہلی آیت ہونے پر گفتگو ہو گئی یہ گفتگو زبانی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں طے پایا کہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بانی دارالعلوم کراچی جو مولانا موصوف کے سسر بھی ہوتے تھے سے اس کی تسلی کے لئے رابطہ کیا جائے۔ چنانچہ اگلے روز "دارالعلوم" میں مفتی صاحب مرحوم و مغفور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ مفتی صاحب نے اس سلسلہ میں جو اپنی تحقیق بیان فرمائی اس کا ماحصل یہ تھا کہ قرآن کی ۱۱۳ بسم اللہ جو سورۂ توبہ کے علاوہ باقی سورتوں پر تحریر ہیں ان میں سے ایک بسم اللہ یقیناً قرآن مجید کا جزء ہے اور قراء حضرات جب قرآن مجید کو تراویح میں پڑھتے ہیں ان کو ایک بسم اللہ بلند آواز سے ضرور پڑھنی چاہئے اور یہ بسم اللہ سورۂ نمل کے اندر جو بسم اللہ ہے اس کے علاوہ ہو۔ دل اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ ہی کی قرار دینا سنت نبویؐ کے زیادہ قریب ہے لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ سورۂ فاتحہ کی "بسم اللہ" ہی فاتحہ کی پہلی آیت ہے"

بندہ ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت اس پر آپ کی طرف سے ایک تحریر ہو جائے تو بہت بہتر ہے مولانا نور احمد صاحب مرحوم نے بھی میری پرزور تائید کی لیکن مفتی صاحب مرحوم نے اس پر کچھ تحریر کرنے سے معذرت کر لی۔ تاہم مولانا نور احمد صاحب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جو قرآن مجید ہم "ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ" سے طبع کریں گے اس میں سورۂ فاتحہ کی "بسم اللہ" پر فاتحہ کی پہلی آیت کا نمبر ایک ضرور دیا جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جس کی زندہ شہادت آج بھی موجود ہے کہ مذکورہ ادارہ کے قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کی "بسم اللہ" کو آیت نمبر ایک شمار کیا گیا ہے۔

مولانا نور احمد صاحب مرحوم "رابطہ عالم اسلامی" کے رکن بھی تھے۔ انہوں نے اس مسئلہ کو "رابطہ عالم اسلامی" کے علماء میں پیش کیا اور ان مجالس کی اکثر رپورٹوں کا ذکر ہماری ملاقات میں ایک مدت تک ہوتا رہا۔

Marfat.com

الحمدللہ کہ اس کے نتیجہ میں "الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود" نے جو قرآن مجید مدینہ طیبہ سے طبع کرائے ان میں بھی سورۂ فاتحہ کی "بسم اللہ" کو فاتحہ کی پہلی آیت تسلیم کرلیا گیا جس کی شہادت بھی مدینہ طیبہ کے طبع شدہ قرآن کریم پیش کر رہے ہیں اور ازیں بعد کویت سے جو قرآن کریم طبع ہو رہے ہیں ان میں بھی سورۂ فاتحہ کی "بسم اللہ" کو فاتحہ کی پہلی آیت کا مقام مل گیا کیونکہ انہوں نے بھی "بسم اللہ" کو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت تسلیم کرتے ہوئے "بسم اللہ" کے ختم پر آیت کے نشان میں نمبرایک دے دیا ثم الحمدللہ۔

ازیں بعد بندہ ناچیز نے مولانا نور احمد صاحب سے ایک مجلس میں جو مولانا نصیرالدین چلاسی صاحب مدظلہ العالی کے پاس ایبٹ آباد میں قائم ہوئی یہ گذارش کی مولانا صاحب ماشاء اللہ آپ نے اس سنت نبویؐ کو زندہ کرنے میں بہت کام کیا اب میری گزارش یہ ہے کہ جب "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کی آیت نمبرایک تسلیم ہے تو جہر نماز میں جب امام فاتحہ پڑھتا ہے اور وہ فاتحہ کو الحمدللہ سے شروع کرتا ہے تو گویا وہ فاتحہ کی پہلی آیت کو جہر نہیں کرتا جس کا مطلب صاف ہے کہ وہ فاتحہ کی چھ آیات تلاوت کرتا ہے اور ایک آیت کو یا تو چھوڑ دیتا ہے یا پھر خفی کرتا ہے جس پر تلاوت کا لفظ یقیناً نہیں بولا جا سکتا اور باتوں ہی باتوں میں مولانا چلاسی صاحب مدظلہ نے بھی میری تائید فرما دی لیکن کوئی فیصلہ کن بات نہ ہوئی کہ مجلس برخاست ہو گئی اور اگلے روز ہم واپس اپنے اپنے مقام کی طرف لوٹ گئے اس کے بعد ابھی ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ مولانا نور احمد صاحب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ دروازہ بند ہو جانے کے بعد بندہ ناچیز نے مختلف علمائے اسلام سے رابطہ کیا کئی ایک مفتیوں سے استفتاء بھی کیا لیکن تاحال کوئی قابل ذکر جواب نہیں آیا جس کا ذکر کیا جائے۔

"بسم اللہ" جہر نہ کرنے کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث بیان کی جاتی ہے:

عن انسؓ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر و عثمان فلم اسمع احدا منھم یقرا بسم اللہ الرحمن الرحیم

"انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی نماز میں "بسم اللہ" کو جہر نہیں پڑھا۔

حالانکہ اس میں سورۂ فاتحہ کا کہیں ذکر نہیں کہ فاتحہ پڑھتے وقت آپؐ نے اور آپؐ کے اصحاب ثلاثہ نے "بسم اللہ" جہر نہیں پڑھی۔ اس لئے یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ فاتحہ کے بعد جب کوئی سورت ملائی تو بسم اللہ جہر نہیں پڑھی جبکہ کوئی سورت جہر پڑھی۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ مسئلہ ہی دوسرا ہے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں کیونکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ "بسم اللہ" سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے اور اگر اس کو جہر نہ کیا جائے تو فاتحہ کی ایک آیت جہر نہیں ہو گی اور فاتحہ کو جہر پڑھنے کا ذکر واضح طور پر موجود ہے جس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے چونکہ یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ ہر سورت پر جو "بسم اللہ" تحریر ہے کیا وہ سورۃ کی مستقل آیت ہے یا نہیں؟

Marfat.com

اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ اور امام مالک اس کو ہر سورۃ کا جز نہیں تسلیم کرتے اور امام شافعی ہر سورت کی ایک مستقل آیت تسلیم کرتے ہیں۔

پھر تعجب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے دلائل میں بھی صحیح مسلم ہی کی حدیث پیش کی گئی ہے جس سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ "بسم اللہ" ہر سورۃ کی ایک مستقل آیت ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ۔

عن انس بن مالک قال بینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم بین اظهرنا اذا اغفی اغفاۃ ثم رفع راسه متبسما فقلنا ما اضحک یا رسول الله انزلت علی انفا سورۃ فقراء "بسم الله الرحمن الرحیم○ انا اعطینک الکوثر○ فصل لربک وانحر○ ان شانئک هو الابتر○"

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ پر ایک خاص حالت طاری ہوئی جب طاری ہوئی آپؐ خاموش تھے پھر آپؐ نے سر اٹھایا اور آپؐ مسکرا رہے تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ کس چیز پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ابھی ابھی قرآن مجید کی ایک سورۃ نازل ہوئی چنانچہ آپؐ نے سورۃ تلاوت کرنا شروع کی اور آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ پوری سورہ "الکوثر" تلاوت فرمائی"

جس سے امام شافعی یہ استدلال کرتے ہیں کہ "بسم اللہ" ہر سورۃ کی ایک مستقل آیت ہے جیسا کہ "الکوثر" کے ساتھ آپؐ نے اس کو تلاوت فرما کر یہ سمجھا دیا کہ "بسم اللہ الکوثر" کی ایک مستقل آیت ہے۔ اس حدیث سے امام شافعی بسم اللہ ہر سورۃ کا جز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

جہری نماز میں "بسم اللہ" جہر نہ پڑھنے والوں سے میری اتنی مزید گذارش ہے کہ جب آپ مسلم شریف کی اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس میں صراحت موجود نہیں ہے تو جس حدیث میں صراحت ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "فی اول قراۃ ولا فی اخرھا" جس سے پھر ایک نیا موضوع شروع ہو جاتا ہے جو "بسم اللہ" جہر یا عدم جہر سے مختلف ایک تیسرا موضوع ہے کیا وہ صحیح مسلم کی اس حدیث کو نہیں پڑھتے جو استدلال میں پیش کردہ حدیث کے ساتھ ہی اگلی صاف اور صریح حدیث ہے۔ اور اس میں دعائے استفتاح جہر پڑھنے کا حکم ہے۔ حدیث یہ ہے

عن عبدۃ ان عمر بن الخطاب کان یجهر بهولاء الکلمات یقول سبحنک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک (صحیح مسلم جلد اول کتاب الصلوۃ)

عبدہ نے بیان کیا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دعائے ثناء یعنی کلمات ذیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ "سبحنک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک"

ہمارے جن بھائیوں نے "بسم اللہ" کو جہر کرنا ترک کیا انہوں نے ثناء کے ان الفاظ کو جہر پڑھنا شروع کر دیا ہے؟۔ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا یہ حدیث صحیح مسلم کی نہیں ہے؟ کیا آپ کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے؟

Marfat.com

صحیح مسلم کی ایک سے زیادہ احادیث ہیں جن میں ظہر و عصر اکٹھی پڑھنے کا ذکر ہے۔ ایک حدیث درج ذیل ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعا بالمدینۃ فی غیر خوف ولا سفر (جلد اول کتاب الصلوۃ)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو ملا کر پڑھا۔ نہ تو کسی قسم کا وہاں خوف و ہراس تھا اور نہ ہی کوئی سفر درپیش تھا۔ صحیح مسلم میں تین آدمیوں کی صورت میں امام کا درمیان کھڑا ہونا اور دونوں مقتدیوں میں ایک دائیں اور دوسرے کا بائیں میں کھڑا ہونے کا حکم ہے کہ ابن مسعود نے دو آدمیوں کو جماعت کرائی تو ایک کو بائیں اور دوسرے کو دائیں کھڑا کیا اور خود درمیان میں کھڑے ہوئے پھر ایک حدیث میں رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو جوڑ کر رانوں کے درمیان میں رکھنے کا ذکر بھی ہے۔ تشہد میں دایاں پاؤں بچھا کر بیٹھنے کا بھی ذکر ہے۔ ان پر عمل کیوں نہیں ہے؟ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ جلد اول)

ہمارے جو بھائی صحیح مسلم کی حدیث کے پیش نظر "بسم اللہ" جہر ترک کر بیٹھے ہیں کیا انہوں نے اپنے ہاں ظہر و عصر کو اکٹھا پڑھنا شروع کر دیا ہے؟ کیا وہ تین آدمی ہونے کی صورت میں امام کو درمیان میں کھڑا کرتے ہیں؟ کیا وہ رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو جوڑ کر رانوں کے درمیان رکھ لیا کرتے ہیں؟ کیا وہ تشہد میں دایاں پاؤں بھی بچھا لیتے ہیں؟ کیا یہ احادیث صحیح مسلم کی نہیں ہیں؟

بسم اللہ قرآن کریم کا افتتاحی کلمہ ہے اور یہاں کچھ محذوف بھی ہے

۱۰ قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سورت کے ہر سورت کی ابتداء میں دہرایا گیا ہے یعنی ۱۱۳ بار اور سورۃ النمل کے اندر عبارت میں بطور آیت قرآنی بھی آیا ہے اس لئے اس پر یہ بحث کرنا کہ آیا یہ قرآن کریم ہے یا نہیں؟ بالکل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ قرآن مجید کا جزو ہے۔ البتہ اس میں گفتگو کی جا سکتی ہے اور کی گئی ہے کہ آیا ہر سورت کی ابتدا میں بھی اس کی حیثیت ایک مستقل آیت کی ہے؟ بعض نے اس کو ہر سورۃ کی ایک مستقل آیت قرار دیا ہے اور بعض نے صرف دو سورتوں کے درمیان ایک امتیازی کلمہ قرار دیا ہے لیکن سورۃ فاتحہ میں تو یہ امتیاز بھی قائم نہیں ہوتا کیونکہ فاتحہ سے پہلے کوئی سورت موجود ہی نہیں جس کے اور فاتحہ کے درمیان اس کو "بطور فصل" تسلیم کیا جائے اس کی تفصیل دیکھنا منظور ہو تو "الاتقان" امام سیوطی اور "احکام القرآن" رازی کا مطالعہ کریں۔

یہاں آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے کہ ہر مکتبہ فکر اس بات کو تسلیم کرتا ہے اور کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے "اعوذ باللہ" کی تلاوت نہایت ضروری ہے وہ جہر پڑھی جائے یا دل میں پڑھ لی جائے دونوں طرح صحیح اور درست تسلیم کیا گیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ

Marfat.com

پوری امت کا اسی پر عمل بھی موجود ہے لیکن اس کے باوجود قرآن مجید کو شروع کرتے وقت اور دو سورتوں کے درمیان کہیں بھی تعوذ کو نقل نہیں کیا گیا صرف تلقین کی جاتی ہے۔

حالانکہ قرآن کریم میں اس کا حکم بھی موجود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ "کہ جب تو قرآن کو پڑھے تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کر"۔ اس سلسلہ میں آپؐ کا معمول بھی یہی تھا کہ جب آپؐ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو تعوذ پڑھتے اور پڑھنے کا حکم فرماتے۔ قرآن مجید میں تعوذ کا حکم موجود ہونے کے باوجود کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ "اعوذ باللہ" قرآن مجید کا جزو ہے۔ لیکن اس کے برعکس قرآن مجید جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تحریر کیا گیا تو آپؐ نے حکماً "بسم اللہ تحریر کرائی۔ صرف زبانی تلقین نہیں فرمائی۔

آپؐ نے یہ حکم فرمایا کہ جب کوئی نیک کام شروع کرو تو "بسم اللہ" پڑھ لیا کرو۔ ہر جائز کام کی ابتداء "بسم اللہ" سے کرنے کی بڑی فضیلتیں حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔ آپؐ کی عادت مبارک بھی یہ تھی کہ کھانا کھاتے، پانی پیتے، اور وضو کرتے غرض اس قسم کے سارے کاموں کی ابتداء بسم اللہ ہی سے کرتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی کام کو خدائے رحمٰن و رحیم کا نام لے کر شروع کرتا ہے وہ عملاً اسی بات کا اعلان کرتا ہے کہ میرا ضمیر پاک و صاف ہے، میری نیت مخلصانہ ہے۔ میرا مقصود اعلیٰ ہے اور میں اللہ واحد کا پرستار ہوں۔ ایک طرف شرک سے اور دوسری طرف الحاد سے بیزار۔ غرض بسم اللہ سے بڑھ کر قوت بخش اور اس سے زیادہ روح و اخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں ہے۔ ان سب جگہوں پر "بسم اللہ" کی حیثیت سنت کی ہے فرض کی نہیں۔

اکثر یہ کہا گیا ہے کہ بسم اللہ کی "ب" نحویوں کی اصطلاح میں باء الاستعانت کہلاتی ہے پڑھنے والا گویا یوں کہتا ہے کہ میں شروع کرتا ہوں اس کلام کو یا اس کام کو اللہ کے نام سے مدد چاہتے ہوئے اور یہ کہ بسم اللہ پڑھنے والا اپنی اور سب کی طرف سے قطع نظر کر کے صرف اللہ کی ذات پر تکیہ کر لیتا ہے۔ یہ مفہوم اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور ہر کام کو شروع کرتے وقت جو "بسم اللہ" پڑھی جاتی ہے اس کا یہی مفہوم لے کر پڑھنا چاہیے۔

یہاں "بسم اللہ" کو قرآن مجید کا جزو تسلیم کر کے جب "بسم اللہ" کی تلاوت کی جائے گی تو یقیناً اللہ کا وہ حکم آنکھوں کے سامنے آجائے گا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی نعمت عظمیٰ سے نوازا اور حکم دیا کہ "اقراء" پڑھ۔ لہٰذا اسی کو اگر یہاں بھی محذوف مانا جائے کہ "اِقْرَاْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" یعنی پڑھ اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور بہت پیار کرنے والا ہے۔ تو یہ "محذوف" بالکل وہی ہو گا جو خود اللہ تعالیٰ نے شروع وحی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر فرمایا جیسا کہ سورۃ العلق میں ہے "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ" اپنے رب کے نام سے پڑھ۔ لہٰذا تلاوت قرآن مجید کے وقت جو بسم اللہ قرآن مجید کا جزو

Marfat.com

سمجھتے ہوئے تلاوت کی جائے گی تو اس کو مد نظر رکھنا زیادہ روح قرآنی کے قریب نظر آتا ہے ہم نے اس کے پیش نظر ترجمہ میں (پڑھو) کے لفظ کو تحریر کیا ہے جو "اقراء" کا اردو ترجمہ ہے۔

یہاں پر پہلی وحی کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔ محدثین نے آغاز وحی کا قصہ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ امام زہری سے اور انہوں نے عروہ بن زبیرؓ سے اور انہوں نے اپنی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے اور بعض روایات کے مطابق اچھے خوابوں کی شکل میں ہوئی۔ آپؐ جو خواب میں دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپؐ نے دن کی روشنی میں دیکھا ہے پھر آپؐ تنہائی پسند ہو گئے اور کئی کئی شب و روز غار حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ (چونکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو عبادت کا طریقہ نہیں بتایا گیا تھا) اس لئے یہ عبادت محض تدبر و تفکر فی الافاق تھا۔ آپؐ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارتے اور پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور آپؐ کے تقاضا کے مطابق وہ مزید چند روز کے لئے سامان آپؐ کے لئے مہیا کر دیتی تھیں۔ ایک روز جب آپؐ غار حرا میں تھے یکایک آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور فرشتے نے کوئی تحریر کی ہوئی چیز آپؐ کے سامنے پیش کی۔ اور کہا کہ اس کو پڑھو۔ اس کے بعد حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں کہ "میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی اور پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں اس طرح تین بار ہوا اور تیسری بار اس نے بھینچا اور ساتھ ہی کہا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا یہاں تک کہ مَا لَمْ یَعْلَمْ تک پہنچ گیا۔

ازیں بعد آپؐ پر کپکپی طاری ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے لرزتے ہوئے وہاں سے واپس آئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اوڑھا دو۔ یعنی کپڑا اوڑھا دو۔ چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کپڑا اوڑھا دیا۔ جب آپؐ کی کپکپی دور ہوئی تو آپؐ نے سارا واقعہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کر دیا۔ نہ معلوم خدیجہ کیا ہونے والا ہے؟ اس باہمت خاتون نے کہا۔ ہرگز نہیں آپؐ خوش ہو جائیے خدا کی قسم آپؐ کو اللہ کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ آپؐ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ امانتیں ادا کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ آپؐ بے سہارا لوگوں کا سہارا ہیں ناداروں کو دینے والے ہیں اور ہر نیک کام پر ان کی مدد کرتے ہیں۔ آپؐ کو اللہ نہیں چھوڑے گا نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اڑھا دو کے الفاظ کہہ کر گویا اس خاتون اول کے دل کو حاصل کر لیا جو اس راہ کی ساری مشکلوں کا صحیح حل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خوف ڈر نہیں تھا کہ میرے ساتھ کیا ہو گا ساری فکر بس یہی تھی کہ اس بار گراں کے بعد گھر والوں کا کیا ہو گا؟ جو میری کفالت میں ہیں ان کا کیا بنے گا اور یہ انسانی فطرت کے تقاضے ہیں اور ان سب انسانی تقاضوں کا آپؐ نے ایک جملہ میں ایسا نہ ٹوٹنے والا حل تلاش

Marfat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۟ۙ ۲

ہر طرح کی اچھی [۱۱] تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام [۱۲] کائنات خلقت کا پروردگار [۱۳] ہے [۱۴] ۔ ۲

کیا جس میں آپ کی کامیابی کا اصل راز تھا۔

افسوس کہ اس بات کو اہل اسلام کے بعض ناقدر شناس لوگوں نے اس جملہ پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں جن میں ایک اعتراض بھی ان کا معقول نظر نہیں آتا اور حالات و واقعات نے ثابت بھی کر دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فراست نے جو فیصلہ کیا۔ مشیت ایزدی نے اس فیصلہ کو قومی ترقی کا زینہ قرار دیا علاوہ ازیں بھی اس پر گفتگو کی گئی ہے لیکن جگہ کی قلت مانع ہے اور اس طرح ہم اصل مضمون سے دور نکل جائیں گے۔ اس کا موقع آئے گا تو مزید گفتگو ہو گی۔ انشاء اللہ!

تمام خوبیوں کا مالک صرف اللہ ہی ہے

۱۱ "الحمد" کی "اصل" ح م د ہے۔ الحمدللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی فضیلت کے ساتھ اس کی ثناء بیان کرنے کے ہیں۔ یہ مدح سے خاص اور شکر سے عام ہے۔ سب خوبیاں اور ستائشیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

"الحمد" کا لفظ قرآن مجید میں ۲۸ بار اور "الحمدللہ" ۲۳ بار آیا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کا پورا جملہ (فاتحہ ۱:۲) (الانعام ۶:۴۵) (یونس ۱۰:۱۰) (الصافات ۳۷:۱۸۲) (الزمر ۳۹:۷۵) (المومن ۴۰:۶۵) یعنی کل چھ بار استعمال ہوا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین فاتحہ کی دوسری آیت ہے۔

لفظ عالمین کی تحقیق لغت میں

۱۲ "العالمین" کی "اصل" ع ل م ہے۔ امام راغب مفردات القرآن میں رقمطراز ہیں "عالم" آسمان اور آسمان کے نیچے جو جواہر و اعراض ہیں ان سب کا نام ہے۔ یہ اصل میں اسم ہے اس چیز کا جس کے ذریعے علم حاصل کیا جائے۔ جس طرح سے طابع (ٹھپہ) اور خاتم (مہر) ان اشیاء کے اسم ہیں جن سے ٹھپہ لگایا جاتا ہے اور مہر کی جاتی ہے اور اس صیغہ پر اس کی بناء بھی اس لئے رکھی گئی ہے کہ وہ بھی بمنزلہ آلہ کے ہے کیونکہ عالم اپنے بنانے والے کی طرف رہنمائی کا آلہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی معرفت کے سلسلہ میں ہم کو عالم ہی کا حوالہ دیا ہے۔ جیسے ارشاد ہے "اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ" اور اس کی جمع بھی اس لحاظ سے ہے کہ ان مخلوقات کی ہر نوع "عالم" کہلاتی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے عالم انسان، عالم آب، عالم آتش نیز کہا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کے "دہ و چند ہزار عالم" ہیں اور جمع سلامت کی وجہ یہ ہے کہ انسان بھی ان عالموں کے زمرہ میں شامل ہے اور جب کسی لفظ کا استعمال انسان اور غیر انسان دونوں کے لئے مشترک ہو تو انسان کا حکم غالب ہوتا ہے اور اس میں اور بھی اقوال پائے جاتے ہیں جن کی بحث بہت لمبی

Marfat.com

ہے۔

عالم جاننے والا، علم رکھنے والا، علم سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مذکر۔ قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال جہاں حق تعالیٰ کی ذات عالی کے لئے خاص ہے وہاں اس کے معنی ہیں "وہ ذات عالی کہ جس پر کوئی چیز مخفی نہ ہو اور وہ ہر چیز کی حقیقت سے باخبر ہو۔ امام راغب کہتے ہیں۔ والعالم فی وصف الله هو الذی لا یخفی علیه شئی و ذلک لا یصح الا فی وصفه تعالی۔

"عالم جب اللہ تعالیٰ کا وصف ہو تو اس کے معنی ہیں وہ ذات جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور یہ بات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے وصف میں صحیح ہے"

ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف رہنمائی کرنے والا کون ہے؟

۱۳ "رب" کی "اصل" رب ب ہے اور رب کے معنی ہیں پروردگار۔ مالک، صاحب۔ یہ اصل میں "رب یرب" کا مصدر ہے جس کے معنی تربیت کے ہیں اور پھر مبالغہ کے لئے "عدل" کی طرح بطور صفت استعمال کیا گیا ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کہ رب مصدر ہے جو فاعل کے لئے مستعار ہے۔ تربیت کی تعریف امام موصوف نے ان الفاظ میں کی ہے۔ "هو انشاء الشئی حالا فحالا الی حد التمام" یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ حد کمال تک پہنچ جائے۔ "رب العالمین" میں رب اللہ تعالیٰ کی صفت خاص کے طور پر بیان کی گئی ہے اور رب العالمین کا لفظ ۴۳ بار قرآن کریم میں آیا ہے۔

"رب" کا لفظ قرآن مجید میں ۸۴ بار آیا ہے اور "رب جو دراصل ربی ہے ۶۸ بار استعمال ہوا ہے اور واضح طور پر "ربی" کا لفظ ۱۰۱ بار استعمال ہوا ہے "رب" جیسے "الحمدللہ رب العلمین" (فاتحہ ۱:۲)

"رب" جیسے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا (البقرہ ۲:۱۲۶) "ربی" جیسے اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (البقرہ ۲:۲۵۸)

طلب کرنے اور مانگنے کے آداب لفظ "حمد" صرف اللہ ہی کے لیے ہے

۱۴ عربی زبان میں "حمد" ستائش ثنائے جمیل کو کہتے ہیں جس کا عام مفہوم ہے اچھی صفتیں، اکثر اردو مترجمین نے اس کے معنی تعریف یا صفت کے کئے ہیں۔ لیکن تعریف یا صفت میں دونوں مفہوم پائے جاتے ہیں کیونکہ تعریف یا صفت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ لیکن عربی زبان میں ہر صفت یا ہر تعریف کو "حمد" نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے صحیح معنی یہی ہوں گے کہ "اچھی تعریفیں" یا "اچھی صفتیں "الحمد" پر الف لام استغراق کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور جنس کے لئے بھی۔ پس "الحمد للہ" کے معنی ہوئے کہ حمد و ثناء میں سے جو کچھ بھی کہا جا سکتا ہے وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے کیونکہ خوبیوں اور کمالات میں سے جو کچھ بھی ہے سب صرف اور صرف اسی سے ہے اور اسی میں ہے۔

Marfat.com

"حمد" سے سورت کی ابتداء کیوں کی گئی؟ اس لئے کہ معرفت الٰہی کی راہ میں انسان کا سب سے پہلا تاثر یہی ہے۔ جب کبھی بھی ایک سچا انسان اس راہ میں قدم اٹھائے گا تو سب سے پہلے جو حالت اس کی فکر پر طاری ہو گی وہ قدرتی طور پر یہی ہو گی جسے اس جگہ تحمید و ستائش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ انسان کے لئے معرفت حق کی راہ کیا ہے؟ سو قرآن مجید اس کے متعلق کہتا ہے کہ وہ صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے کائنات خلقت میں تدبر و تفکر۔ اس لئے کہ مصنوعات کا مطالعہ انسان کو صانع حقیقی تک پہنچا دے گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران ۳:۱۹۱) "جو لوگ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں اور بے اختیار یوں پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار یہ کارخانہ عالم تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا"

اس غور و فکر کا سب سے پہلا اثر جو اس کے دل و دماغ پر طاری ہو گا وہ کیا ہو گا؟ یہی کہ وہ دیکھے گا کہ خود اس کا وجود اور اس کے وجود سے باہر کی ہر چیز ایک مدبر قدیر اور صانع حکیم کی کارفرمائیوں کی جلوہ گاہ ہے۔ پس قدرتی طور پر اس کی روح جوش ستائش اور محویت جمال سے معمور ہو جائے گی۔ اور وہ بے اختیار کہہ اٹھے گا کہ "الحمدللہ" ساری حمد و ستائش اسی کے لئے ہے جو معنی حسن و کمال ہے۔ "سبحان الله والحمد لله"

مزید غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس راہ میں فکر انسانی کی سب سے بڑی گمراہی یہی ہے کہ اس کی نظریں مصنوعات کے جلووں میں محو ہو کر رہ جاتی ہیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ وہ پردوں کے نقش و نگار دیکھ کر بے خود ہو جاتا ہے اور اس ذات کی جستجو نہیں کرتا جس نے اپنے جمال صفت پر یہ دل آویز پردے ڈال رکھے ہیں۔ دنیا میں مظاہر فطرت کی پرستش کی بنیاد اس کوتاہ نظری سے پڑی ہے اور "الحمدللہ" کا اعتراف دراصل اسی حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات کا تمام جمال خواہ کسی گوشے میں ہو صرف ایک صانع حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے۔ اب کون ہے جو جمال کو اچھی صفت سے تعبیر نہیں کرے گا؟

نزول قرآن سے قبل "اللہ" کا لفظ خدا کے لئے بطور اسم ذات مستعمل تھا۔ قرآن مجید نے بھی یہی لفظ بطور اسم ذات اختیار کیا اور تمام صفتوں کو اس کی طرف نسبت دی چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف ۷ : ۱۸۰) "اور اللہ تعالیٰ کے نام یعنی صفات بہت حسین و جمیل ہیں لہٰذا تم اس کو اس کے اسمائے حسنیٰ (یعنی صفتوں میں سے جس صفت سے چاہو پکار سکتے ہو)"

قرآن مجید نے یہ لفظ محض اس لئے اختیار نہیں کیا کہ لغت کی مطابقت کا مقتضی ہے بلکہ اس سے زیادہ اس میں اس کی معنوی موزونیت پوشیدہ ہے کیونکہ جب ہم اس کی معنوی حقیقت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس غرض کے لئے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔

Marfat.com

دنیا کی تمام قوموں کی زبانوں میں جن کا حال کچھ بھی اس صفحہ قرطاس میں منقول ہے یعنی طبرانی' سریانی' آرامی' کلدانی' حمیری اور عربی وغیرہ' سب میں اس کا یہ لغوی خاصہ پایا جاتا ہے۔ یہ الف' لام اور ہاء کا مادہ ہے جیسا کہ لغات میں موجود ہے اور بلاشبہ اس کی اصل "الہ" ہے اور تمام لغات متفق ہیں کہ "الہ" کے معنی تحیر اور درماندگی کے ہیں۔ پس خالق کائنات کے لئے یہ لفظ اس لئے اسم قرار پایا کہ اس کے متعلق جو کچھ انسان جانتا ہے یا جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور درماندگی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور و خوض کریں گے آپ کی عقل کی حیرانی اور درماندگی یقیناً بڑھتی ہی جائے گی یہاں تک کہ آپ جو نتیجہ اخذ کریں گے وہ یہی ہو گا کہ اس راہ کی ابتدا بھی عجز و حیرت سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز و حیرت ہی ہے۔

خدا کو اس کی صفتوں سے پکارنا ہے تو بلاشبہ اس کی صفتیں بے شمار ہیں۔ لیکن اگر صفات سے الگ ہو کر اس کی ذات کی طرف اشارہ کرنا ہے تو وہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایک متحیر کر دینے والی ذات ہے اور جو کچھ اس کی نسبت سے کہا جا سکتا ہے وہ عجز و درماندگی کے اعتراف کے سوا کچھ نہیں ہے۔

چونکہ "اللہ" کا اسم خدا کے لئے بطور اسم ذات استعمال میں آیا اس لئے قدرتی طور پر ان تمام صفتوں پر حاوی ہو گیا۔ اگر ہم خدا کا تصور اس کی کسی صفت کے ساتھ کریں مثلاً "الرب" "الرحمٰن" "الرحیم" تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہو گا۔ یعنی وہ ذات جس میں ربوبیت یا رحمت ہے لیکن جب ہم "اللہ" کا لفظ زبان پر لاتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو ان تمام صفات حسن و کمال سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کی جا سکتی ہیں۔

اے بروں ازوہم وقال وقیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من!

"الحمد" کی ایک تقریر یہ ہے کہ "الحمد" میں الف لام استغراق کے لئے نہیں بلکہ جنس اور عہد خارجی کے لئے ہے اور قاعدہ نحو کے مطابق الف لام کا حقیقی معنی ہے ہی جنس اور عہد خارجی۔ استغراق کو محققین نے الف لام کا مجازی محمل قرار دیا ہے اور اس سے صرف وہی صفات مراد ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں' اور وہ مخلوق میں نہیں پائی جاتیں۔ یعنی صفات کار سازی یا بالفاظ دیگر صفات فاعلیہ یا صفات مافوق الاسباب مثلاً مالک و مختار' متصرف و کارساز' حاجت روا' مشکل کشا اور دور و نزدیک سے یکساں طور پر سمیع و بصیر وغیرہ مطلب یہ ہے کہ تمام صفات الوہیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور ان میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اپنی صفات الوہیت بیان فرمائی ہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

۱۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (النمل ۲۷:۶۵)

"(اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم" آپ انہیں کہہ دیں کہ زمین و آسمان کی ساری موجودات (جن و انس اور فرشتوں) میں سے کوئی بھی غیب کا علم نہیں رکھتا' غیب کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے"

Marfat.com

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب کا ذکر ہے اور یہ صفت "صفات الوہیت" میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے اور غیر اللہ میں یہ صفت نہیں ہو گی اور جو شخص یہ صفت غیر اللہ میں تصور کرے گا وہ گویا شرک کرے گا۔

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

۲۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس ۱۰:۱۰۷)

"اور اگر وہ (اللہ تعالیٰ) آپ کو کسی بیماری' فقر و فاقہ یا کسی مصیبت میں مبتلا کر دے تو دوسرا اس کے سوا کون ہے جو اس سے نجات دے سکے اور اگر وہ تمہیں صحت' توانائی' تونگری اور بھلائی دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے فضل و کرم کو ٹالنے والا بھی کوئی نہیں ہے"

اس میں واضح فرمایا کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "نفع و نقصان" پہنچانے کی صفت الوہیت کے متعلق ہے اگر کسی نے غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک متصور کیا تو گویا اس نے الوہیت کی خاص صفت میں کسی دوسرے کو شریک کر دیا اور یہی شرک ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے

۳۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (نحل ۱۶:۵۳) "دنیا میں جو نعمت بھی تم میں سے کسی کو ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اس کی عطا کردہ ہے"

اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق پر صبح و شام مختلف انعامات کی جو بارش ہوتی رہتی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اس "نعمت" کے عطا کرنے کی صفت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ یہ صفت بھی خاص الوہیت کے متعلق ہے۔

ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے

۴۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (فاطر ۳۵:۳)

"اے بنی نوع انسان! اللہ تعالیٰ نے جو انعامات اور احسانات تم پر کئے ہیں انہیں فراموش نہ کرو وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا اور تمہارے لئے آسمان سے باران رحمت برسا کر زمین سے تمہیں رزق بہم پہنچایا' اس کے سوا اور کوئی ہے جو تمہیں یہ سب کچھ دے سکے؟"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق و رازق اور منعم و مربی ہونے کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اور یہ صفات "الوہیت" کے متعلق خاص ہیں ان کو کسی دوسری ہستی میں تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک کرنا ہے جو ایک کھلا شرک ہے۔

علاوہ ازیں سینکڑوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ بیان کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات جو "الوہیت" سے متعلق ہیں اسی کے لئے خاص ہیں اور وہ سب مافوق الاسباب ہیں۔
یہاں یہ بات سمجھ لی جائے کہ نظام عالم میں جو کام ہو رہے ہیں وہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو وہ ماتحت الاسباب ہیں مثلاً بینائی اور شنوائی رکھنے والا آدمی اپنے اردگرد کی چیز دیکھ سکتا ہے اور قرب و جوار کی آوازیں سن سکتا ہے یا مثلاً ایک آدمی اناج یا پھل اگانا چاہتا ہے تو وہ اس کام کے لئے اسباب استعمال کرتا ہے یعنی زمین میں ہل چلاتا ہے اور اس کو اس قابل بناتا ہے کہ اس میں کاشت کاری ہو سکے پھر اس میں بیج ڈالتا ہے' اسے پانی دیتا ہے اس کی نلائی وغیرہ کرتا ہے یہ تمام اسباب عادیہ ہیں ان کو استعمال میں لائے بغیر کام نہیں بن سکتا۔ دوسری قسم کے کام وہ ہیں' جو مافوق الاسباب ہیں مثلاً ساری کائنات کے ذرے ذرے کو ہر وقت دیکھنا۔ زمین و آسمان کی چھپی ہوئی تمام چیزوں کا ہر آن مشاہدہ کرنا۔ اسباب عادیہ سے بالاتر اور ماوراء ہے۔ اسی طرح زمین کے پیٹ میں پڑے بیجوں' تخموں اور گٹھلیوں کو شق کر کے ان پودوں کی شاخیں نکالنا انسانی دسترس سے باہر اور اسباب عادیہ سے بالاتر ہے تو معلوم ہوا کہ انسانی دسترس میں صرف وہی کام ہیں جو ماتحت الاسباب ہیں اور مافوق الاسباب سارے امور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کے تحت داخل ہیں۔

"الحمد" سے مراد وہ تمام صفات ہیں جو مافوق الاسباب ہیں یعنی مافوق الاسباب تمام اچھی صفتیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں اور ان میں سے ایک صفت اور خوبی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتی مشرکین مکہ چونکہ انہی صفات الوہیت یا مافوق الاسباب صفات ہی میں اپنے معبودوں کو خدا کا شریک سمجھتے تھے اس لئے "الحمدللہ" میں مشرکین کے اس خیال باطل کی تردید اس طرح فرمائی گئی ہے کہ تمام مافوق الاسباب صفات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں۔ انشاء اللہ جوں جوں قرآن مجید کا مطالعہ آپ کریں گے یہ بات روز روشن کی طرح صاف سامنے آتی جائے گی۔

مختصر یہ کہ سورۂ فاتحہ میں "الحمدللہ" ایک دعویٰ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمام صفات کارسازی کا مستحق صرف اللہ ہے۔ اور اس کے بعد رب العالمین○ ـــــــ الرحمٰن الرحیم ـــــــ اور مالک یوم الدین' یہ سب اس دعویٰ کی دلیلیں ہیں۔

"رب" بھی "الہ" کی طرح عالمی قومی زبانوں کا ایک کثیرالاستعمال لفظ ہے۔ عبرانی' سریانی اور عربی تینوں زبانوں میں اس کے معنی پالنے والے ہی کے ہیں چونکہ پرورش کی ضرورت کا احساس انسانی زندگی کے بنیادی احساسات میں سے ہے اس لئے اسے بھی قدیم ترین تعبیرات سے سمجھنا چاہئے۔ چونکہ والدین' معلم' استاد اور آقا کسی نہ کسی اعتبار سے پرورش کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے اس کا اطلاق ان معنوں میں بھی ہونے لگا۔ چونکہ عبرانی اور آرامی کا لفظ "ربی" اور "رباہ" پرورش کنندہ معلم اور آقا تینوں معنی رکھتا تھا اور اسی طرح قدیم مصری اور کلدانی زبان کا ایک لفظ "رابو" بھی انہی معنوں میں مستعمل ہوتا تھا اور اس سے ان ملکوں کی قدیم ترین وحدت کی خبر ملتی ہے۔

Marfat.com

بہرحال عربی میں بھی "ربوبیت" کے معنی پالنے کے ہیں لیکن دوسری زبانوں کی نسبت عربی میں اس کو وسیع اور کامل معنوں میں بولا جاتا ہے اس لئے بعض آئمہ لغت نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔

"ھوانشاء الشئی حالا فحالا الی حدالتمام" (مفردات راغب اصفہانی' مادہ رب ب)

یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ وہ چیز اپنے حد کمال کو پہنچ جائے۔ اگر کوئی شخص بھوکے کو کھانا کھلا دے یا محتاج کو پیسہ دے دے تو یہ اس کا کرم ہو گا' جود ہو گا' احسان ہو گا لیکن وہ بات نہ ہو گی جسے ربوبیت کہتے ہیں۔ ربوبیت کے لئے ضروری ہے کہ پرورش اور نگہداشت کا ایک جاری اور مسلسل اہتمام ہو۔ اور ایک وجود کو اپنی طبعی حالت کے مطابق وقتاً فوقتاً" جیسی ضرورتیں پیش آتی ہیں ان سب کا سروسامان اس انداز کے ساتھ ہوتا رہے کہ یہ سب کچھ ایک خاص محبت اور شفقت کے ساتھ ہوتا نظر آئے۔ کیونکہ جو عمل محبت و شفقت سے خالی ہو گا وہ ربوبیت نہیں ہو سکتی۔

ربوبیت میں ایک ناقص ترین نمونہ ہم پرورش میں دیکھ سکتے ہیں جس کا جوش ماں کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ دیکھو بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو محض ایک گوشت و پوست کا متحرک لوتھڑا ہوتا ہے اور زندگی اور نمو کی جتنی قوتیں بھی رکھتا ہے وہ سب کی سب پرورش و تربیت کی محتاج ہوتی ہیں۔ یہ پرورش محبت و شفقت' حفاظت و نگہداشت اور بخشش و اعانت کا ایک طویل ترین سلسلہ ہے اور اسے اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک بچہ اپنے جسم و ذہن کے حد بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔ پھر پرورش کی ضرورتیں ایک دو نہیں بے شمار ہیں اور ان کی نوعیت بھی ہمیشہ بدلتی رہتی ہے اور ضروری ہے کہ ہر عمر اور ہر حالت کے مطابق محبت کا جوش' نگرانی کی نگاہ اور زندگی کا سروسامان ملتا رہے۔ حکمت الٰہی نے ماں کی محبت میں ربوبیت کے یہ تمام خدوخال پیدا کر دیئے ہیں یہ ماں کی ربوبیت ہے جو پیدائش کے دن سے لے کر بلوغ تک بچہ کو پالتی ہے' بچاتی اور سنبھالتی رہتی ہے اور ہروقت اور ہر حال کے مطابق اس کی ضروریات پرورش کا سروسامان مہیا کرتی رہتی ہے۔

جب بچہ کا معدہ دودھ کے سوا کسی غذا کا متحمل نہ تھا تو اسے دودھ ہی پلایا جاتا رہا۔ جب دودھ سے زیادہ قوی غذا کی ضرورت ہوئی تو ویسی ہی غذا دی جانے لگی۔ جب اس کے پاؤں میں کھڑے ہونے کی سکت نہ تھی تو ماں اسے گود میں اٹھائے پھرتی تھی' جب کھڑے ہونے کے قابل ہوا تو انگلی پکڑ لی اور ایک ایک قدم چلانے لگی۔ پس ہر حالت و ضرورت کے مطابق ضروریات مہیا ہوتی رہیں اور نگرانی و حفاظت کا ایک مسلسل اہتمام جاری رہا۔ یہ صورت حال ہے جس سے ربوبیت کے مفہوم کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

ایک بار پھر غور کرو کہ جو چیز کسی انسان کے لئے باعث تکلیف ہوتی ہے اس سے نفرت ہونا لازمی و لابدی امر ہے کائنات ہستی میں اس کی ایک مثال بھی نہیں دی جا سکتی کہ جو شئے جان جیسی چیز کے لئے خطرے کا باعث ہو وہ ان سارے خطرات اور باعث ایذا ہونے کے باوجود پھر جان ہی سے زیادہ عزیز بھی ہو جائے یہ صرف

Marfat.com

ایک ماں کی ممتا ہے کہ وہ جان کی بازی لگا کر بچے کو جنم دیتی ہے اور وضع و رضع کی جانکاہ تکالیف برداشت کرنے کے باوجود اس بچہ کو جو اس کے لئے باعث ایذا ہوا' پھر اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہے۔

مجازی ربوبیت کی یہ ناقص اور محدود مثال سامنے لاؤ اور ربوبیت الٰہی کو غیر محدود حقیقت کا تصور کرو۔ اللہ تعالیٰ کے "رب العلمین" ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائنات اور اس کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے اور یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب و غریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لئے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب کچھ مل رہا ہے۔

دور نہ جاؤ ایک بار پھر ربوبیت الٰہی کی اس کارسازی پر غور کرو کہ کس طرح ماں کی فطرت میں بچے کی محبت ودیعت کر دی گئی اور کس طرح اس جذبے کو طبیعت بشری کے تمام جذبات میں سب سے زیادہ پرجوش اور سب سے زیادہ ناقابل تسخیر بنا دیا گیا ہے؟ دنیا کی کونسی طاقت ہے جو اس جوش کا مقابلہ کر سکتی ہے جسے ماں کی ممتا کہتے ہیں۔ جس بچے کی پیدائش اس کے لئے زندگی کی سب سے بڑی مصیبت تھی' جس کے متعلق رب ذوالجلال نے یوں وضاحت فرمائی۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (۱۵:۴۶) "اس کی ماں نے اس کو تکلیف کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور تکلیف کے ساتھ جنا"

اس کی محبت اس کے اندر زندگی کا سب سے بڑا جذبہ مشتعل کر دیتی ہے۔ جب تک بچہ سن رشد تک نہیں پہنچ جاتا وہ اپنے لئے نہیں بلکہ بچے کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہے۔ زندگی کی کوئی خود فراموشی نہیں جو اس پر طاری نہ ہوتی ہو اور راحت و آسائش کی کوئی قربانی نہیں جس سے اسے گریز ہو۔ حب ذات جو فطرت انسانی کا سب سے زیادہ طاقتور جذبہ ہے اور جس کے انفعالات کے بغیر کوئی مخلوق زندہ نہیں رہ سکتی وہ بھی اسی جذبہ خود فراموشی کے مقابلہ میں مضمحل ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ بات کہ ایک ماں نے بچے کے عشق میں اپنی زندگی قربان کر دی فطرت مادی کا ایک ایسا معمولی واقعہ ہے جو ہمیشہ پیش آتا رہتا ہے اور ہم اس میں کسی طرح کی غرابت محسوس نہیں کرتے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ایک ماں میں یہ محبت کیوں رکھی گئی؟ اس لئے کہ اس کے بچے کو پرورش کی احتیاج تھی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز ایسی ہے کہ اسے پرورش کی احتیاج ہے اور اسے پرورش مل رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی پرورش کرنے والا بھی موجود ہو۔ یہ پرورش کرنے والا کون ہے؟ یقیناً وہ نہیں ہو سکتا جو خود پروردہ اور محتاج پروردگاری ہو۔ قرآن مجید اس کے متعلق ہمیں بتاتا ہے کہ وہی "رب العلمین" ہے۔ جو سب کا پرورش کرنے والا ہے لیکن اس کا کوئی پرورش کرنے والا نہیں۔

نظام ربوبیت میں ہر ایک چیز کی پرورش و نگرانی داخل ہے لیکن انسان چونکہ ہر ایک سے افضل و اعلیٰ ہے

Marfat.com

اس لئے انسان کا ذکر مخصوص کر دیا گیا اس طرح انسانوں کو باور کرایا کہ یاد رکھو تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ نطفہ سے لے کر طفولیت تک اور طفولیت سے لے کر بڑھاپے تک تمام منازل سے انسان کو وہی گزارتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہایت اختصار سے اس حقیقت کو بیان فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ○ (روم ۳۰:۵۴)

”وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک حقیر سی بوند سے ضعف کی حالت میں پیدا کیا پھر اس ضعف اور کمزوری کے بعد قوت و توانائی بخشی پھر اس قوت و توانائی کے بعد ضعف اور کمزور کر کے بوڑھا کر دیا وہ ہر چیز پر پوری اور کامل قدرت رکھتا ہے۔“

پھر انسانوں اور دوسری تمام اجناس کو پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا بلکہ انسان اور دوسرے تمام حیوانات کے لئے اللہ تعالیٰ کس طرح روزی بھی بہم پہنچاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ○ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا○ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا○ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا○ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ○ (العبس ۸۰:۲۴ تا ۳۲)

”پھر اے انسان ذرا اپنی خوراک پر تو غور کر کس طرح ہم نے اپنی قدرت سے مہیا کر دی کہ پہلے تو آسمان سے موسلا دھار بارش برسائی پھر زمین کو عجب طریقے سے پھاڑ دیا۔ پھر اس میں غلہ جات اگائے' انگور اور ترکاریاں پیدا کیں' زیتون کے درخت اور کھجور کے جھنڈ پیدا کئے اور گھنے باغات اگائے اور قسم قسم کے پھل اور طرح طرح کے چارے نکالے۔ تاکہ یہ ساری چیزیں تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست و متاع حیات کا کام دیں۔“

ان آیات کریمات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا نظام ربوبیت ساری کائنات پر حاوی ہے۔ انسان سے لے کر تمام حیوانات' نباتات' جمادات اور اللہ تعالیٰ کی ساری نوری' ناری اور خاکی مخلوقات علویات اور سلفیات سب کا خالق و مربی و محافظ اور پروردگار وہی ہے۔

ایک انسان تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لے لیکن بہرحال اپنی شب و روز کی غذا کی طرف سے تو آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ جو غذا اس کے سامنے دھری ہے اسی پر نظر ڈال لے۔ یہ کیا ہے؟ گیہوں کا دانہ ہے۔ اچھا! گیہوں کا ایک دانہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لو اور اس کی پیدائش سے لے کر اس کی پختگی و تکمیل تک کے تمام احوال و ظروف پر غور کرو۔ کیا یہ حقیر سا ایک دانہ بھی وجود میں آسکتا تھا اگر تمام کارخانہ ہستی ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ اس کی بناوٹ میں سرگرم عمل نہ رہتا؟ پھر غور کرو کہ اگر دنیا میں ایک ایسا نظام ربوبیت موجود ہے تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟

Marfat.com

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۳

جو[۱۵] بہت ہی مہربان اور بہت ہی پیار کرنے والا ہے۔ ۳

سورہ نحل میں یہی استدلال ایک دوسرے پیرائے میں بیان فرمایا ہے' ارشاد ہوتا ہے

"اور دیکھو یہ چارپائے جنہیں تم پالتے ہو ان میں تمہارے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی کتنی عبرت ہے؟ ان کے جسم سے ہم خون و کثافت کے درمیان دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے ایک نہایت ہی لذیذ اور صحت بخش مشروب ہوتا ہے۔ اسی طرح کھجور اور انگور کے پھل ہیں جن سے نشہ کا عرق اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہو۔ بلاشبہ اس میں ارباب عقل و بصیرت کے لئے ربوبیت الٰہی کی بڑی نشانی ہے۔ اور پھر دیکھو! تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یہ بات ڈال کر پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض کے لئے بلند کر دی جاتی ہیں اپنے لئے گھر بنائے پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے پھر اپنے رب کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں پر کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو' چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ اس کے جسم سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے جس میں انسان کے لئے شفا ہے بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں ربوبیت الٰہی کی بڑی نشانی ہے۔" اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ

رحمت الٰہی کی وسعت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

۱۵ "الرحمٰن" اور "الرحیم" اگرچہ دونوں اسم رحمت سے ہیں لیکن یہ رحمت کے دو مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ رحمت کا ایک پہلو رحمت عامہ سے تعلق رکھتا ہے جس کو "الرحمٰن" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ رحمت جو محض صفت عارضہ ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے لئے یکساں کام کرتی ہے۔ "الرحیم" کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس سے ہمیشہ رحمت کا ظہور ہوتا ہی رہتا ہے اور ہر آن اور ہر لمحہ تمام کائنات خلقت اسی سے فیضیاب ہو رہی ہے۔ اگر اس کی صفت "الرحیم" نہ ہوتی تو ہر ظالم اور زیادتی کرنے والا ظلم اور زیادتی کرتے ہی اس کے نتیجہ سے دو چار ہو جاتا اور اس کو معافی طلب کر لینے کی کبھی مہلت نہ ملتی۔

رحمت کو دو الگ الگ صفتوں سے کیوں تعبیر کیا گیا؟ اس لئے کہ قرآن کریم خدا کا جو نقشہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس میں سب سے نمایاں اور سب صفات پر چھائی ہوئی صفت' رحمت ہی کی صفت ہے بلکہ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تمام تر وہ رحمت ہی رحمت ہے۔

وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ (۷:۱۵۵) "اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔"

پس ضروری ہوا کہ خصوصیت کے ساتھ اس کی صفتی اور فعلی دونوں حیثیتیں واضح کر دی جائیں یعنی اس

Marfat.com

میں رحمت ہے کیونکہ وہ "الرحمٰن" ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہمیشہ اس سے رحمت کا ظہور بھی ہو رہا ہے کیونکہ وہ رحمٰن ہونے کے ساتھ ساتھ "الرحیم" بھی ہے۔ "الرحمٰن الرحیم" فاتحہ کی تیسری آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا اظہار ہر نبی علیہ السلام نے اپنے اپنے وقت میں کیا۔ الہامی کلام کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے کہ اس میں مجازات کی کثرت ہوتی ہے اور وہی مجازات ہیں جو اس کی تاثیر کا زیور اور اس کی دل نشینی کی خوبروئی ہیں لیکن افسوس کہ دنیا والوں نے ہمیشہ ان کے سمجھنے میں ٹھوکر کھائی اور مجازات کو حقیقت سمجھ کر غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام نے کہا ہے کہ "دشمنوں سے پیار کرو" تو یقیناً اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے دشمنوں کا عاشق زار ہو جائے بلکہ سیدھا سادا مطلب یہ تھا کہ تم میں غیظ و غضب اور نفرت و انتقام کی جگہ رحم و محبت کا پرجوش جذبہ ہونا چاہئے اور ایسا ہونا چاہئے کہ دوست تو دوست دشمن تک کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آؤ۔ اس مطلب کے لئے کہ رحم کرو' بخش دو' معاف کرو انتقام کے پیچھے نہ پڑو۔ یہ ایک نہایت ہی بلیغ اور موثر پرایہ بیان ہے کہ "دشمنوں تک کو پیار کرو" ایسے ماحول میں جہاں اپنوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی رحم و محبت کا برتاؤ نہ کیا جاتا ہو یہ کہنا کہ اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہ کرو رحم و محبت کی ضرورت کا ایک اعلیٰ اور کامل ترین تخیل ہے لیکن افسوس کہ لوگوں نے اس کو کیا سمجھا؟

"الرحمٰن" "الرحیم" کی رحمت کا شاہکار خود بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو "رحمۃ للعالمین" کے خطاب سے نوازے گئے۔ آپؐ کو یہ خطاب کیوں دیا گیا؟ اس لئے کہ آپؐ نے نفرت کو مٹانے اور محبت کو پھیلانے کا کام کیا' محبت اور رحمت لازم و ملزوم ہیں۔ آپؐ نے گناہوں سے نفرت سکھائی لیکن گناہگاروں سے محبت کا درس دیا۔ آپؐ نے مرض سے دور رہنے اور مریض سے قریب ہونے کا حکم فرمایا۔ جس سے آپؐ مجسمہ رحمت و رافت اور شفقت قرار پائے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد

چونکہ تمثیل سے سمجھنا اور سمجھانا آسان ہوتا ہے اور بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اس لئے آپ "الرحمٰن" و "الرحیم" کو زیر نظر تمثیل سے سمجھو۔ امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں "الرحمٰن" کو تمثیل سے اس طرح سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا "میں ایک شخص کے پاس مہمان تھا۔ میزبان نے کھانا تیار کرایا اور میرے سامنے لا کر رکھا تاکہ میں میزبان کے ساتھ مل کر کھاؤں جب ہم کھانے لگے تو اچانک ایک کوا آیا اور جو روٹیاں رکھی تھیں ان میں سے ایک روٹی اٹھا کر اڑ گیا۔ میں بہت حیران ہوا کہ کوا اور پوری روٹی اٹھا کا اڑتا بنا۔ میں فوراً اس کے پیچھے دوڑا۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹیلہ تھا اور ٹیلے کے پیچھے ایک شخص کو مشکیں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا جو زندہ تھا لیکن اپنی جگہ سے ہل جل نہیں سکتا تھا کوے نے وہ روٹی اس شخص کے بالکل قریب جا کر گرا دی یا کوے کی چونچ سے وہ روٹی عین اس شخص کے سر کے قریب گر گئی۔ اب اس شخص کو اس روٹی کے کھا لینے میں کوئی شے مانع نہ تھی۔ یہ اس "الرحمٰن" کی رحمانیت کا تقاضا تھا جو اس طرح پورا ہوا۔

Marfat.com

"سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم"

"الرحمٰن" کی رحمانیت کو سمجھنے کے لئے مزید غور کرو۔ امام رازی اپنی تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں کہ "کوے کے بچے کی حکایت کو مشاہدہ کر کے دیکھ سکتے ہو کہ جب وہ انڈے کے چھلکے سے نکلتا ہے تو بغیر بالوں کے ایک گوشت کے ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے چونکہ وہ متحرک ہوتا ہے جب کوا اس کو دیکھتا ہے تو اسے چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے وہ کائیں کائیں کرتا ہے۔ ہر آنے جانے والے کو ٹھونگے لگاتا ہے اور اضطراری حالت میں اڑتا پھرتا ہے لیکن آشیانہ کے قریب تک نہیں جاتا اور نہ ہی وہ اپنے بچے کی پرورش کرتا ہے چونکہ بچہ ایک گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوتا ہے لہٰذا اسی شبہ میں مچھر ادھر ادھر سے اڑ اڑ کر اس پر اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور وہی مچھر اس کوے کے بچے کی غذا بنتا ہے اور یہ حال کئی دنوں تک جاری رہتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد بچہ کے پر و بال اگ آتے ہیں اور وہ سیاہ رنگ کا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس میں کچھ طاقت بھی آجاتی ہے یہاں تک کہ اس کے بالوں میں گوشت پورا چھپ جاتا ہے اس وقت اس کے ماں باپ اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی غذا کا بندوبست سنبھال لیتے ہیں۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل عام ہے اور اس کی صفت "الرحمٰن" اس وقت بھی سہارا بن جاتی ہے جب کوئی اور سہارا نظر نہیں آتا۔ الحمد للہ علی ذلک

"الرحیم" بھی اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے' اس کی وسعت کو سمجھانے کے لئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ایک حدیث بیان کی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر روشنی پڑتی ہے وہ کہتے ہیں۔

"حدیث میں ہے کہ ایک قریب المرگ نوجوان کی زبان کلمہ شہادت ادا کرنے سے رک گئی نزع کی حالت طاری تھی لیکن جان نکلتی بھی نہیں تھی۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ آپؐ تشریف لائے اور اس کے قریب ہی کھڑے ہو گئے۔ مرنے والے پر کلمہ شہادت لوٹایا۔ وہ متحرک و مضطرب ہوتا مگر اس کی زبان کام نہ کرتی ادائیگی الفاظ بالکل رک گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا یہ نماز پڑھتا تھا؟ مثبت جواب پا کر آپؐ نے فرمایا کیا روزہ رکھتا تھا؟ اس کا جواب بھی ہاں میں دیا گیا آپؐ نے استفسار فرمایا کہ زکوۃ ادا کرتا تھا؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں! آپؐ نے فرمایا کیا والدین کا نافرمان تھا؟ لوگوں نے اس کا جواب بھی ہاں میں دیا کہ اس کی والدہ اب بھی موجود ہے لیکن وہ یہاں آنا پسند نہیں کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اس کی والدہ کو لے آؤ۔ آپؐ کے حکم کے مطابق اس کی والدہ لائی گئی وہ ایک بوڑھی خاتون تھی۔ آپؐ نے پوچھا کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ بڑھیا نے کہا ہاں! میرا بیٹا ہے! آپؐ نے فرمایا کہ اس کا گناہ معاف کر دے اس نے کہا' کہ میں اسے معاف نہیں کروں گی۔ اس نے مجھے تھپڑ مارا اور میری آنکھ پھوٹ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھیا کی بات سن کر صحابہؓ کو حکم دیا کہ لکڑیاں لاؤ اور آگ جلاؤ۔ خاتون نے پوچھا کہ آگ کس لئے جلائی جا رہی ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس لئے تاکہ تیرے اس نافرمان بیٹے کو تیری آنکھوں کے سامنے جلایا جائے اور اس نے تیرے ساتھ جو زیادتی کی ہے اس کا بدلہ پائے۔" خاتون نے فوراً بیٹے

Marfat.com

کو مخاطب کیا اور کہنے لگی بیٹا میں نے تجھے معاف کیا' کیا میں نے تجھے نو مہینے آگ کے لئے اٹھایا تھا۔ کیا میں نے دو سال تک تجھے دودھ آگ کے لئے پلایا تھا؟ ماں کا معاف کرنا تھا کہ بیٹے کی زبان پر کلمہ توحید جاری ہو گیا"

اللہ تعالیٰ کی اس صفت "الرحیم" نے والدہ کی اتنی سخت نفرت کو پھر ماں کی ممتا میں بدل دیا۔ اور والدہ کی اس سختی کو جو اس نے بیٹے کی نافرمانی کی وجہ سے اختیار کی تھی رحمت میں تبدیل کر دیا اور بیٹے کو بھی اس کی غلطی کا احساس دلا دیا اور مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرما دی۔"

گویا "رب العلمین" کے بعد "الرحمٰن الرحیم" کا دوبارہ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نظام ربوبیت کے بعد تمام نظام عالم اللہ تعالیٰ کی صفت رحم کا ظہور ہے گویا یہ تمام کارگاہ عالم اور یہ ساری کائنات صرف اس لئے ہی ہے تاکہ اس سے ہمیں فائدہ پہنچے اور ہماری ضرورتیں پوری ہوں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت جگہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○ (الجاثیہ ۴۵: ۱۳)

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمان کی جملہ مخلوق اور زمین کی ساری چیزوں کو (اپنے خاص فضل و کرم سے) تمہارے تابع کر دیا (اور یہ انعامات تم کو عطا فرمائے ہیں) عقل و خرد رکھنے والے اور غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے ان میں (قدرت الٰہی کی) بے شمار نشانیاں موجود ہیں"

نہ صرف زمین و آسمان کے درمیان خلاء میں بلکہ زمین کے پیٹ میں بھی اس نے اپنی رحمت و نعمت کے بیشمار خزانے اپنی مخلوق کے لئے مخفی کر رکھے ہیں جو محض اس کی شفقت اور مہربانی سے زمین کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں اور اس کی ساری مخلوق ان سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ زمین کی سطح پھلوں' پھولوں' غلہ' ترکاریوں اور میووں سے مالا مال ہے اور پانی کے شفاف اور شیریں چشمے اس کے پیٹ سے ابل کر اس کی سطح پر بہہ رہے ہیں اور زمین کی گہرائیاں سونے چاندی اور دیگر قیمتی معدنیات سے پر ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○ (الرعد ۱۳: ۳'۴)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو بچھونے کی طرح پھیلا کر بچھا دیا اور اس پر پہاڑوں کو میخوں کی طرح نہایت مضبوط طریقہ سے گاڑ دیا اور اس پر دریا رواں کر دیئے اور اس ذات واحد نے پھلوں کے جوڑے تلخ و شیریں ذائقہ میں' سیاہ و سفید و سرخ و زرد وغیرہ رنگت میں' گرم' سرد اور تر و خشک مزاج میں پیدا کئے' اور وہی ان کی گرمی اور روشنی پر لوگوں کے آرام کے لئے رات کی تاریکی اور سردی لاتا ہے۔ غور و فکر اور سوچ و بچار

Marfat.com

سے کام لینے والوں کے لئے ان تمام چیزوں میں قدرت خداوندی کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ دیکھ لو زمین میں الگ الگ مگر قریب اور متصل خطے پائے جاتے ہیں۔ بعض نرم ہیں کہ وہاں کاشت ہو سکتی ہے بعض سخت اور پتھریلے ہیں کہ جہاں زراعت و کاشت نہیں کی جا سکتی اس زمین میں کہیں انگور کے باغات ہیں کہیں لہلہاتی کھیتیاں ہیں۔ کہیں کھجور کے نخلستان ہیں کچھ ان میں اکہرے ہیں اور بعض دوہرے ہیں سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ مگر خوشبو اور بدبو میں اور ذائقہ اور رنگ میں ہم ایک دوسرے سے جدا اور بڑھیا گھٹیا کر دیتے ہیں۔ عقل و دانش رکھنے والوں کے لئے ان ساری چیزوں میں بیشمار (قدرت کی) نشانیاں موجود ہیں۔ (یعنی ان میں توحید کے دلائل موجود ہیں)"

خشکی کے علاوہ تری میں بھی اس کی رحمت عامہ کے آثار نمایاں اور ہویدا ہیں۔ مثال کے طور پر سمندروں کی سطح جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے نقل و حرکت اور آمد و رفت کے لئے اعلیٰ شاہراہ کا کام دیتی ہے اور اس کی گہرائی موتیوں اور دیگر مفید اور قیمتی اشیاء سے مالا مال ہے نیز دریاؤں اور سمندروں سے مچھلی کا تازہ بتازہ گوشت حاصل ہوتا ہے جو انسان کے لئے بہترین غذا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (النحل ۱۶:۱۴)

"اور تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ہے جس میں اپنے کھانے کے لئے مچھلی کا تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور اس کی تہوں میں سے غوطہ زن موتی وغیرہ نکال لاتے ہیں اور جس سے تم اپنے زیورات بناتے ہو اور تم کشتیوں کو ملاحظہ کرتے ہو کہ وہ سمندروں کا سینہ چیرتی ہوئی پھرتی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ (بحری تجارت سے) منافع حاصل کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔"

ان آیات کریمات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس جہان کا ذرہ ذرہ پیدا کر کے پورے نظام عالم کو اپنے نظام ربوبیت کے تحت رکھا ہوا ہے اور اس کا نظام ربوبیت اس کے رحم و کرم اور اس کی رحمت و شفقت کے تحت چل رہا ہے۔ پورے نظام عالم کا ایک ذرہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ خشکی اور تری کی ساری نعمتیں عالم جسمانی کی تربیت اور پرورش کے لئے پیدا فرمائی ہیں اسی طرح اس کی رحمت بے پایاں نے عالم روحانی کی ترقی اور نشوونما کے لئے بھی انتظام فرمایا اور دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے عالم روحانی کی غذا کا بندوبست کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اپنے آخری پیغام قرآن مجید کی تعلیم کو خصوصیت سے اپنی رحمت کے ساتھ متعلق فرمایا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (انبیاء ۲۱:۱۰۷)

"ہم نے آپؐ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ سارے عالم پر رحم کریں۔"

Marfat.com

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴

جو اس دن کا مالک[16] ہے جس دن[17] کاموں کا بدلہ[18] لوگوں کے حصے میں آئے گا[19] ۴

الحمدللہ کہ دنیا کی تمام نعمتوں میں سے بڑھ کر نعمت اور دنیا کی تمام رحمتوں اور شفقتوں سے بڑھ کر رحمت اور شفقت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایک طرف روح اور جسد کا تعلق باقی رکھنے کے لئے بے شمار مادی غذائیں مہیا کیں اور دوسری طرف روح کی نشوونما کے لئے اعلیٰ درجہ کی روحانی غذا یعنی نبوت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہیا فرما دی۔ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

حقیقی مالک ہر چیز کا "اللہ" ہی ہے

۱۶۔ "ملک" کی "اصل" م ' ل ' ک ہے۔ الملک بادشاہ جو عوام پر حکمرانی کرتا ہے "ملک" کو اس جگہ ملک بھی پڑھا گیا ہے اور "مالک" بھی۔ مفہوم دونوں طرح پڑھنے سے ایک ہی رہتا ہے۔ ملک یوم الدین قیامت کے روز اسی کی بادشاہت ہوگی۔ یہ اصل میں ملک الملک فی یوم الدین۝ ہے اور دوسری جگہ فرمایا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارُ اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ قیامت کے روز کا مالک ہے۔ اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۳:۲۶) "مالک" کا لفظ قرآن مجید میں ۳ بار استعمال ہوا ہے۔

۱۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۝ (الفاتحہ ۱:۳) ۲۔ (آل عمران ۳:۲۶)۔ ۳۔ (الزخرف ۴۳:۷۷)

"مالک یوم الدین" فاتحہ کی چوتھی آیت ہے

۱۷۔ یوم اور "الیوم" کی "اصل" ی و م ہے۔ یوم طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کی مدت اور وقت پر بولا جاتا ہے اور عربی زبان میں مطلقاً وقت اور زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ زمانہ ایک دن کا ہو یا ایک سال کا' ایک صدی کا یا ہزار سال کا یا ہزارہا سال کا۔ جمع ایام' ایام اللہ' اللہ کی نعمتیں۔ من اول یوم یعنی سب سے پہلا دن۔ یوماً اسم ظرف منصوب۔ دن یوم' الیوم کا لفظ قرآن مجید میں ۳۴۸ بار استعمال ہوا ہے۔

"الدین" کی اصل کیا ہے؟ اور اس کا مطلب کیا؟

۱۸۔ "الدین" کی "اصل" د ' ی ' ن ہے۔ دین بمعنی جزاء' اطاعت شریعت' بدلہ دینا' اطاعت کرنا' حکم ماننا۔ "دین" بمعنی ملت ہی ہے مگر اس کا استعمال اطاعت اور شریعت کی پابندی کے معنی میں ہوتا ہے۔ دان یدین کا مصدر ہے اور "ادیان" جمع' دین۔ دام' قرض' ادھار' قرض دینا' قرض لینا۔ دان یدین کا مصدر ہے۔ دیون جمع ہے۔

Marfat.com

"یوم الدین" خالصتاً" اسلامی اصطلاح ہے

۱۹ "یوم الدین" "بدلے کا دن" (انصاف کا دن" "جزا و سزا کا دن" "قیامت کا دن")
نزول قرآن کے وقت پیروان مذاہب کا عالمگیر اعتقاد یہ تھا کہ جزا و سزا محض خدا کی خوشنودی اور اس کے قہر و غضب کا نتیجہ ہے۔ اعمال کے نتائج کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ وہ دیکھتے تھے کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کبھی خوش ہو کر انعام و اکرام دینے لگتا ہے، کبھی بگڑ کر سزائیں دینے لگتا ہے اس لئے خیال کرتے تھے کہ خدا کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ لیکن قرآن کریم نے جزا و سزا کا اعتقاد ایک دوسری ہی شکل و نوعیت کا پیش کیا وہ کہتا ہے کہ کائنات ہستی کا عالمگیر قانون یہ ہے کہ ہر حالت کوئی نہ کوئی اثر رکھتی ہے اور ہر چیز کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ ممکن نہیں یہاں کوئی شے اپنا وجود رکھتی ہو اور اثرات و نتائج کے سلسلہ سے وہ باہر ہو۔ پس جس طرح خدا نے عالم دنیا کے اجسام میں خواص و نتائج رکھے ہیں۔ اس طرح اعمال میں بھی خواص و نتائج ہیں اور اعمال کے انہی خواص و نتائج کو جزا و سزا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہی ثواب کہلاتا ہے۔ برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور اس کو عذاب کہتے ہیں۔ ثواب و عذاب کے ان اثرات کی نوعیت کیا ہو گی؟ وحی الٰہی نے ہماری فہم و استعداد کے مطابق اس کا ایک نقشہ کھینچا ہے اور اس نقشہ میں ایک مرقع بہشت کا ہے اور ایک دوزخ کا۔ بہشت کے انعامات ان کے لئے جن کے اعمال بہشتی ہوں گے اور دوزخ کی عقوبتیں ان کے لئے جن کے اعمال دوزخی ہوں گے۔

وہ کہتا ہے، تم دیکھتے ہو کہ فطرت ہر گوشہ وجود میں اپنا قانون مکافات رکھتی ہے ممکن نہیں کہ اس میں تغیر و تساہل ہو۔ فطرت نے آگ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جلائے۔ اب سوزش اور جل جانا فطرت کی وہ مکافات ہو گئی جو ہر اس انسان کے لئے ہے جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈال دے۔ ممکن نہیں کہ تم آگ میں کود جاؤ اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ، تم دیکھتے ہو کہ آگ جلاتی ہے پانی ٹھنڈک پیدا کرتا ہے۔ سنکھیا کھانے سے موت آتی ہے اور دودھ پینے سے طاقت و قوت بڑھتی ہے اور کونین سے بخار رک جاتا ہے جب اشیاء کی ان تمام مکافات پر تم کو تعجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمہاری زندگی کی یقینیات ہیں تو پھر اعمال کے مکافات پر کیوں تعجب ہوتا ہے؟ افسوس تم پر! تم اپنے فیصلوں میں کتنے ناہموار ہو۔

تم گیہوں بوتے ہو اور تمہارے دل میں کبھی خدشہ نہیں گزرتا گیہوں پیدا نہیں ہو گا۔ اگر تم سے کوئی کہے کہ ممکن ہے گیہوں کی جگہ جوار پیدا ہو جائے تو تم اسے پاگل سمجھو گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ فطرت کے قانون مکافات کا یقین تمہاری طبیعت میں راسخ ہو چکا ہے۔ تمہارے وہم و گمان میں کبھی یہ خطرہ نہیں گزر سکتا کہ فطرت گیہوں لے کر اس کے بدلے میں جوار دے دے گی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تم یہ بھی نہیں مان سکتے کہ اچھی قسم کے گیہوں لے کر بری قسم کے گیہوں دے گی اس لئے کہ تم جانتے ہو کہ وہ بدلہ دینے میں قطعی اور شک و شبہ سے بالاتر ہے پھر بتلاؤ جو فطرت گیہوں کے بدلے گیہوں اور جوار کے بدلے جوار دے رہی ہے کیونکر ممکن

Marfat.com

ہے کہ اچھے عمل کے بدلے اچھا اور برے عمل کے بدلے برا نتیجہ نہ رکھتی ہو؟

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جزاء و سزا کے لئے "الدین" کا لفظ اختیار کیا کیونکہ مکافات عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لئے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔ پھر "مالک یوم الدین" کہہ کر اس مضمون کو مزید پکا کر دیا کہ وہ اللہ جس کے فیصلوں میں کبھی رد و بدل نہیں ہوتا۔ جو اپنے فیصلے کو نہ خود بدلتا ہے اور نہ بدلنے دیتا ہے۔ مکافات عمل کے دن کا وہ مالک ہے۔ وہ اپنی رحمت و ربوبیت کے باوجود عدالت بھی رکھتا ہے اور اس کے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اچھے اعمال کی جزا اچھی اور برے اعمال کی جزا بری ہو اور یہی مکافات عمل ہے۔

مزید دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور نظام ربوبیت کے تحت ہر چیز کو انسان کی خدمت پر لگا دیا جدھر دیکھو خشکی اور تری پر اس کی رحمت اور نعمت کی چادریں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ اس نے روح کی نشوونما کا انتظام بھی فرمایا اور راہ ہدایت اور صراط مستقیم بتانے کے لئے کتابیں اور رسول بھیجے اور آخر میں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی آخری کتاب قرآن مجید نازل فرما کر نعمت اسلام کی تکمیل فرما دی۔ اس سارے نظام ربوبیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک ایسا دن ضرور ہونا چاہئے جس میں اس امر کا فیصلہ ہو سکے کہ کس نے اللہ کی ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا اور کس نے ناشکری کی۔ کس نے اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کیا اور اس کے احکام کی تعمیل کی اور کس نے اس کی ہدایت اور اس کے احکام کو ٹھکرا دیا۔ ایسا دن تو دنیا میں ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ دارالعمل ہے اس لئے لامحالہ ایسا دن دنیا کے اختتام پر ہی ہو سکتا ہے۔ اسی دن کا نام "یوم الدین" ہے اور اس کو یوم آخر یا روز جزاء کہتے ہیں کیونکہ یہ دن دنیا کے ختم ہونے پر آئے گا اس میں نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس دن میں ہر قسم کے تمام اختیارات صرف اور صرف اللہ کے قبضے میں ہوں گے وہاں مجازی طور پر بھی کسی کو کوئی اختیار یا اقتدار حاصل نہیں ہو گا۔ اس کی وضاحت کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ اہل کتاب کے علماء سوء ان کے احبار و رہبان اور ان کے پیروں اور پادریوں کو چونکہ حق چھپانے، حق و باطل کو ملانے، غلط بیانی کرنے اور تورات و انجیل کی آیتوں میں لفظی اور معنوی تحریفیں اور تبدیلیاں کرنے کی عادت پڑ چکی تھی اس لئے انہوں نے اپنے عوام میں بہت سے غلط عقائد پھیلا رکھے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جابجا ان کے کرتوتوں کو ظاہر فرمایا ہے تاکہ امت محمدیہ اس سے عبرت حاصل کرے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ (البقرہ ۲:۷۵)

"ان (یہود) میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور اس کا مطلب سمجھتا تھا لیکن پھر بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا تھا یعنی اس کا مطلب بدل دیتا تھا۔

بنی اسرائیل کی سب سے پہلی گمراہی یہ تھی کہ نہ تو کتاب اللہ کا سچا علم ان میں باقی رہا اور نہ سچا عمل۔

Marfat.com

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (آل عمران ۳:۷۱)

"اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کے ساتھ ملا جلا کر مشتبہ کر دیتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ اصلیت کیا ہے؟"

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (المائدہ ۵:۴۲) "یہ لوگ جھوٹ کے لئے کان لگانے والے اور برے طریقوں سے مال کھانے میں بیباک ہو چکے ہیں۔"

یعنی رشوت اور نذرانہ لے کر فتویٰ دیتے ہیں اور احکام شرع کی خرید و فروخت کی دکان لگا رکھی ہے۔

اہل کتاب کے پادریوں اور صوفیوں نے آخرت کے بارے میں ایک نہایت ہی غلط تصور عوام کے ذہن نشین کرا رکھا تھا۔ اپنے متعلق تو انہوں نے عوامی ذہن میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اور اللہ کے بیٹے ہیں یعنی جس طرح باپ کی صفات بیٹوں میں ہوتی ہیں اسی طرح اللہ کی صفات ہم میں موجود ہیں اس لئے آخرت میں ہمیں تو کسی قسم کا عذاب ہو گا ہی نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ ۵:۱۸)

"اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں، ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔"

یعنی ہم جو کچھ بھی کریں ہمارے لئے نجات ہی نجات ہے۔ عوام کو انہوں نے یقین دلا رکھا تھا کہ جنت ان کے لئے ریزرو ہے ان کے سوا اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

جیسا کہ فرمان الٰہی ہے۔

قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (البقرہ ۲:۱۱۱)

"انہوں نے کہا جنت میں ہرگز داخل نہیں ہو گا مگر وہی جو یہودی ہو گا یا عیسائی۔"

حالانکہ ان کا یہ کہنا ان کے اپنے بیان کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو برملا جھٹلا چکے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ (البقرہ ۲:۱۱۳)

"یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کا دین کچھ نہیں ہے عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ حالانکہ اللہ کی کتاب دونوں پڑھتے ہیں"

قرآن کہتا ہے خدا کی سچائی سب کے لئے ہے اور سب کو ملی تھی لیکن سب نے سچائی سے انحراف کیا۔ سب اصل کے اعتبار سے سچے اور عمل کے اعتبار سے جھوٹے ہیں میں چاہتا ہوں اسی مشترک اور عالمگیر سچائی پر

Marfat.com

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ

ہم صرف[۲۰] تیری ہی بندگی[۲۱] کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے ہم اپنی ساری احتیاجوں[۲۲] میں مدد مانگتے ہیں[۲۳]۔ ۵

سب کو جمع کر دوں اور مذہبی نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ مشترک اور عالمگیر سچائی کیا ہے؟ خدا پرستی اور نیک عملی کا قانون ہے یہی قانون ہے جو خدا کا ٹھہرایا ہوا دین ہے اور اس کو میں "الاسلام" کے نام سے پکارتا ہوں۔

اہل کتاب کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور ان کے پیر اور پادری سب حاجت روا مشکل کشا اور شفیع غالب ہیں اور قیامت کے دن ان کو عذاب سے بچالیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کے عقیدہ کو بیان کیا گیا ہے:

اِتَّخَذُوۡۤا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ (التوبہ ۹:۳۱)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا تھا اور مریمؑ کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو بھی۔"

سورۂ فاتحہ میں جس طرح دوسرے باطل عقیدوں کی تردید کی گئی ہے اسی طرح "ملک یوم الدین" سے اہل کتاب کے غلط تصور آخرت کی تردید فرمائی کہ قیامت کے دن کا مالک تو صرف اللہ ہی ہے اور اس کے ہاتھ میں سب کا حساب و کتاب اور عذاب و ثواب ہے جو ان لوگوں کے اپنے ہی کئے کا رزلٹ ہے۔ جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھ رہے ہو اور ان کو مالک و مختار اور شفیع غالب مان رہے ہو اور جن کے بارے میں تمہارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن وہ خدا کے عذاب سے جو انہی کے کئے کا نتیجہ ہو گا چھڑالیں گے۔ یاد رکھو قیامت کے دن ان کا کوئی زور نہیں چلے گا اور نہ ہی ان کو کسی قسم کے تصرف کا اختیار ہو گا اور نہ ہی وہ کوئی بات منوا سکیں گے کیونکہ تصرف صرف وہی کر سکتا ہے جو مالک و مختار ہو اور قیامت کے دن کا مالک صرف اور صرف اللہ ہی ہے اور سب کے نیک و بد اعمال کو جاننے والا بھی وہی ہے اس لئے وہی لوگوں کے اعمال کی جزا و سزا کا مالک ہے اس کے سوا کسی میں قدرت نہیں کہ اعمال کا حساب لے اور ہر ایک کے حسب حال اور حسب نیت و بد اعمال کی جزا و سزا دے۔ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـًٔا ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ (الانفطار ۸۲:۱۹)

"ایاک" کلمہ حصر ہے۔ یعنی صرف تجھ ہی سے

۲۰ تجھ ہی سے تجھ ہی کو "ایاک"۔ واحد مذکر حاضر کی ضمیر۔ منصوب منفصل۔ "ایا" کے ساتھ جب یاء متکلم کاف خطاب ہا غائب اور دیگر فروع متکلم و مخاطب و غائب لاحق ہوتے ہیں تو اس وقت یہ ضمیر منصوب منفصل ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اسم ظاہر ہے جو ضمائر کی طرف مضاف ہوتا ہے مگر یہ صحیح نہیں

Marfat.com

اور اس میں مزید بحث بھی ہے۔

ایاک اور ایاکم یعنی جمع مذکر حاضر کی ضمیر منصوب منفصل قرآن مجید میں ۸ بار استعمال ہوئی ہے۔ "ایاک" (فاتحہ ۱:۵) میں دو بار اور ایاکم ۶ بار آیا ہے۔ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" فاتحہ کی پانچویں آیت ہے۔

عبادت وہ تعظیم ہے جو اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے

۲۱۵ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ "نعبد" جمع متکلم، مضارع، یعنی ہم عبادت کرتے ہیں یا ہم عبادت کریں گے۔ اس کی "اصل" ع ب د ہے۔ "عبادۃ" عبد یعبد کا مصدر ہے جس کے معنی پرستش کرنے یا پوجنے کے ہیں۔ امام راغب کہتے ہیں "عبودیت" اظہار فروتنی کا نام ہے اور "عبادۃ" اس سے بھی بلیغ تر ہے کیونکہ اس کے معنی انتہائی فروتنی کے ہیں اور اس کا استحقاق بھی سوائے اس ذات عالی کے جس کے افضال و انعام بے حد و نہایت ہیں اور کسی کو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ" نہ عبادت کرو مگر صرف اور صرف اس کی یعنی اللہ تعالیٰ کی قاموس میں عبادت کے معنی اطاعت کے بیان کئے گئے ہیں لیکن ابن الاثیر نے نہایہ میں فرمایا ہے کہ العبادة فی اللغة الطاعة مع الخضوع۔ "لغت میں عبادت نام ہے اس اطاعت کا جو عاجزی کے ساتھ ہو"

قاضی شوکانی فتح القدیر میں کہتے ہیں "وفی الشرع عبادة عما یجمع کمال محبة والخضوع والخوف" شرع میں عبادت وہ ہے جو انتہائی محبت، فروتنی اور خوف پر مشتمل ہو۔

اعجاز القرآن میں ہے "العبادة تذلل لغیر عن اختیار الغایة تعظیمه فخرج التسخیر والسخر والقیام والانحناء لنوع تعظیم۔ "عبادت اپنے اختیار سے دوسرے کی انتہائی تعظیم کی غرض سے اس کے لئے فروتنی کا نام ہے لہٰذا تسخیر کی بناء پر یا مذاق کی غرض سے ایسا کرنا نیز تعظیم رسمی کے لئے کسی کے واسطے کھڑا ہو جانا یا جھک جانا عبادت کی تعریف سے خارج ہے۔" ہاں جس کام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ بہرحال ممنوع ہے۔

جو "استعانت" غیر اللہ سے حرام ہے۔

۲۲۵ "نستعین" جس کی "اصل" ع و ن ہے۔ جمع متکلم کا صیغہ ہے یعنی ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ استعینوا تم مدد طلب کرو مصدر۔ استعانۃ ہے جس کے معنی مدد چاہنے کے ہیں۔ استعانت اللہ تعالیٰ سے خاص ہے اور غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جب وہ موجود نہ ہو اور مدد کرنے کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو حرام ہے۔

نستعین کا لفظ ایک ہی بار یعنی یہاں سورۂ فاتحہ میں استعمال ہوا ہے اور ۲ بار المستعان کا لفظ آیا ہے سورۂ یوسف کی آیت ۱۸، اور المائدہ ۵ کی آیت ۱۲ ۱۱۲ میں، فقط اسی طرح اعانۃ سورۃ الفرقان کی آیت ۴ میں..... فاعینونی سورہ الکہف کی آیت ۹۵ میں اور تعاونوا کے الفاظ صرف دو بار استعمال ہوئے ہیں اور دونوں بار سورہ المائدہ کی آیت ۲ میں لیکن استعینوا کا لفظ تین بار استعمال ہوا ہے۔ البقرہ کی آیت ۴۵، اور آیت ۱۵۳ میں اور سورۃ

Marfat.com

اعراف کی آیت ۱۲۹ میں اور اسی طرح عوان کا لفظ بھی صرف ایک بار "عوان بین ذلک" سورہ بقرہ کی آیت ۶۸ میں استعمال ہوا اس کے علاوہ کہیں بھی قرآن مجید میں استعمال نہیں ہوا۔

رب بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جو اللہ ہی کے لیے استعمال کرنا چاہیے

ف ۲۴ "ربوبیت" "رحمت" اور "عدالت" اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اسلام سے پہلے جتنے مذاہب تھے سب نے اللہ تعالیٰ کی صفات ہی میں ٹھوکر کھائی تھی۔ صرف اور صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لئے لازم قرار دیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ذات میں واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ بالکل اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس طرح اس کی ذات کے لئے کوئی مثال قائم نہیں کی جا سکتی بالکل اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی اس کی مثل نہیں ہو سکتا۔ "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا مثل لہ ولا مثال لہ لا ضدلہ ولا ندلہ"

قرآن کریم نے توحید فی الصفات کا ایسا کامل نقشہ کھینچ دیا کہ اس طرح کی لغزشوں کے تمام دروازے بند ہو گئے جس طرح کی لغزشیں پہلوں سے سرزد ہو چکی تھیں۔ اس نے صرف توحید ہی پر زور نہیں دیا بلکہ شرک کی راہیں بھی مسدود کر دیں اور یہی اس باب میں اس کی خصوصیت ہے۔

وہ کہتا ہے: ہر طرح کی عبادت و نیاز کی مستحق صرف اور صرف خدا کی ذات ہے پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو توحید الٰہی کا اعتقاد باقی نہ رہا۔ وہ کہتا ہے: یہ اسی کی ذات ہے جو انسانوں کی پکار سنتی اور ان کی دعائیں قبول کرتی ہے۔ پس اگر تم نے اپنی دعاؤں اور طلب گاریوں میں کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کیا تو گویا تم نے اسے خدا کی خدائی میں شریک کر لیا۔

وہ کہتا ہے: دعا و استعانت' رکوع' سجود' عجز و نیاز' اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں اگر ان اعمال میں تم نے کسی دوسری ہستی کو بھی شریک کر لیا تو خدا کے رشتہ معبودیت کی یگانگی باقی نہ رہی۔ اسی طرح عظمتوں' کبریائیوں' کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو اعتقاد تمہارے اندر خدا کی ہستی کا تصور پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہیے۔ اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لئے بھی پیدا کر لیا تو تم نے اسے خدا کا "ند" یعنی شریک ٹھہرا لیا اور توحید کا اعتقاد درہم برہم ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ یہاں "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کی تلقین کی گئی اس میں اول تو عبادت کے ساتھ استعانت کا بھی ذکر کیا گیا۔ پھر دونوں جگہ مفعول کو مقدم کیا جو مفید اختصاص ہے۔ یعنی صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اس کے علاوہ تمام قرآن مجید میں اس کثرت کے ساتھ توحید فی الصفات اور رد اشراک پر زور دیا گیا ہے کہ شاید ہی کوئی سورت بلکہ کوئی صفحہ اس سے خالی ہو۔

سب سے زیادہ اہم مسئلہ مقام نبوت کی حد بندی کا تھا' یعنی معلم کی شخصیت کو اس کی اصلی جگہ میں محدود

Marfat.com

کر دینا' تاکہ شخصیت پرستی کا ہمیشہ کے لئے سدباب ہو جائے اس بارے میں قرآن کریم نے جس طرح صاف اور قطعی لفظوں میں جا بجا پیغمبر اسلام کی بشریت اور بندہ ہونے پر زور دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ہم یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلائیں گے۔ اسلام نے اپنی تعلیم کا بنیادی کلمہ جو قرار دیا ہے وہ سب کو معلوم ہے۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

یعنی میں اقرار کرتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس اقرار میں جس طرح خدا کی توحید کا اعتراف کیا گیا ہے۔ ٹھیک اسی طرح پیغمبر اسلام کی انسانیت اور درجہ رسالت کا بھی اعتراف ہے۔

غور کریں کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لئے کہ پیغمبر اسلام کی انسانیت اور درجہ رسالت کا اعتقاد اسلام کی اصل اساس بن جائے اور اس کا کوئی موقع باقی نہ رہے کہ عبدیت کی جگہ معبودیت کا اور رسالت کی جگہ اوتار کا تخیل پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ اس معاملے کا تحفظ نہیں کیا جا سکتا تھا؟ کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خدا کی توحید کی طرح پیغمبر اسلام کی انسانیت کا بھی اقرار نہ کر لے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں میں بہت سے اختلافات پیدا ہوئے لیکن پیغمبر اسلام کی شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوا ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر چند گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بر سر منبر اعلان کر دیا تھا۔

من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت (صحیح بخاری)

"جو کوئی تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا سو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور جو کوئی تم میں سے اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کی ذات ہمیشہ زندہ ہے اور اس کے لئے موت نہیں"

اب عبادت و استعانت کے متعلق مختصر گفتگو کریں گے اس لئے کہ کہا گیا ہے کہ:

الفاتحۃ سر القران و سرھا ھذہ الکلمۃ "ایاک نعبد و ایاک نستعین○ (ابن کثیر جلد اول ص ۲۵)

جان لینا چاہئے کہ عبادت کے مفہوم میں دو چیزیں داخل ہیں ایک غایت تذلل یعنی انتہائی عاجزی اور ذلت دوم غایت تعظیم اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ کہ معبود کو غائبانہ تصرف اور قدرت حاصل ہے جس سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے کیونکہ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں یہ دو صفتیں موجود ہوں۔

۱۔ وہ عالم الغیب ہو کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر و باطن' سر و علانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔

Marfat.com

۲۔ وہ مالک و مختار، متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لئے استحقاق عبادت و پکار کا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنی انہی دو صفتوں کو اس کی علت قرار دیا ہے اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عبادت و پکار کی نفی کی ہے وہاں غیر سے دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے البتہ کہیں دونوں صفتوں کی نفی ہے اور کہیں صرف ایک کی نفی ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ○ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (القصص ۲۸:۶۸ تا ۷۰)

اور اللہ آپ کا پروردگار قادر مطلق ہستی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے اپنی رسالت اور پیغام رسانی کے لئے منتخب کرلے وہ کسی کی رائے کا محتاج نہیں اور نہ ہی یہ کام لوگوں کے کرنے کا ہے کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ کس میں کیا صلاحیت ہے اور وہ پاک و منزہ ہے ان کے شرک سے جو وہ اس کی صفات و اختیارات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور آپ کا پروردگار جانتا ہے ان کے سینوں کے مخفی ارادوں کو اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے رازوں کو اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اس سے بھی باخبر ہے اور وہ ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا وہی اللہ ہے جس کے سوا عبادت و بندگی کے لائق کوئی نہیں اور نہ کوئی اس کا استحقاق ہی رکھتا ہے۔ دنیا و آخرت میں حمد و ستائش صرف اسی کے لئے ہے اور اسی کی حکومت ہو گی اور اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ○ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ○ (طٰہٰ ۲۰:۶ تا ۸)

جو کچھ زمین اور آسمانوں اور ان کے درمیان میں ہے اور جو کچھ مٹی کے نیچے موجود ہے سب کا مالک وہی ہے (اور اسی کا ان پر تصرف چلتا ہے)۔ اللہ نہاں خانہ قلب میں چھپی بات کو جسے تم آہستہ سے کہو یا پکار کر، خوب جانتا ہے بلکہ اسے تو مخفی تر بات کا بھی علم ہے وہ اللہ ہی کی ذات اقدس ہے اس کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ اس کے بہترین نام ہیں (اور بہترین صفات کا وہ مالک ہے)

ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (ہود ۱۱:۱۲۳)

"اور یاد رکھو اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی چھپی باتوں کا علم ہے اور سارے کام اسی کے آگے رجوع

Marfat.com

ہوتے ہیں پس اس کی بندگی میں لگا رہ اور اسی پر بھروسہ کر۔ تیرا پروردگار اس سے غافل نہیں ہے جو لوگ کر رہے ہیں"

ان آیات کے علاوہ سینکڑوں آیات کریمات میں یہ مضمون پوری وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی ان دونوں صفتوں کا ذکر فرمایا کہ وہ متصرف و مختار ہے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے تمام معاملات اور سارے کارخانہ عالم کی تدبیر اور پورا نظام عالم اسی کے زیر اقتدار ہے اور زمین و آسمان کے تمام غیوب کو جاننے والا بھی وہی ہے اور مذکورہ تینوں جگہوں میں دونوں صفتیں بیان کرنے کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ جب عالم الغیب اور متصرف و مختار اللہ ہے تو معبود بننے اور پکارے جانے کے لائق بھی صرف اللہ ہی ہے۔ تمام صفات کار سازی بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو' اسی کو پکارو اسی کے آگے جھکو اور جو کچھ مانگو اسی سے مانگو۔

چنانچہ علامہ ابن القیم نے عبادت کی تعریف کو ایک جامع تعبیر سے حسب ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے۔

العبادۃ عبارۃ عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية يقدر بها على النفع والضرر فكل ثناء ودعاء وتعظيم بصاحب هذا الاعتقاد والشعور فهى عبادة (مدارج السالکین ج اول ص ۴۰)

"یعنی عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے اس لئے ہر اچھی تعریف ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد و شعور کے ساتھ ہو وہ عبادت ہے"

اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر وہ قول اور فعل' دعا اور پکار' ثناء اور تعظیم' رکوع اور سجود' قیام اور قعود جو اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ ہو کہ معبود کو مافوق الاسباب ہمارے تمام معاملات پر غیبی قبضہ اور تسلط حاصل ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے' عبادت ہے اور عبادت غیر اللہ کی شرک ہے۔

اسی طرح "استعانت" یعنی مدد طلب کرنا بھی صرف اسی سے خاص ہے نہ کسی اور سے کیوں؟ اس لئے کہ حاجات و مشکلات میں پکارنا اور مدد مانگنا چونکہ عبادت کی سب سے بڑی اور اہم شاخ ہے اس لئے عبادت کے ساتھ خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ہر آدمی جو کسی معبود کی عبادت کرتا ہے دنیوی زندگی کے اعتبار سے اس کی عبادت کا مقصد اور لب لباب یہی ہوتا ہے کہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں اور اس کی تمام مشکلیں آسان ہو جائیں۔ اس لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعاء و پکار عبادت کا مغز اور لب لباب ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے الدعاء مخ العبادة اور دوسری جگہ ہے الدعاء هو العبادة (ابو داؤد ج اول ص ۲۸' ترمذی جلد اول ص ۱۷۳' تفسیر ابن جریر ۲۴ ص ۴۶) "یعنی پکارنا بھی اصل عبادت ہے۔ قرآن مجید میں بھی لفظ عبادت بمعنی دعاء اور پکار آیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِىٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِى سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (مومن

Marfat.com

۴۰:۶۰) "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ تمہارے پروردگار کا حکم ہے کہ مجھ سے ہی دعائیں کریں میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا (اور انہیں یہ بھی بتا دیں کہ) جو لوگ کبر و نخوت اور گھمنڈ میں آکر میری عبادت یعنی پکار سے انحراف کریں گے انہیں قیامت کے روز گھسیٹ کر اور ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔"

اس آیت کریمہ میں پہلے اللہ نے اپنی پکار کا حکم فرمایا ہے پھر پکار کو لفظ عبادت سے تعبیر فرما کر واضح کر دیا ہے کہ پکار بھی عبادت ہے اور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں "عبادتی" سے مراد "دعائی" لے کر مہر تصدیق ثبت کر کے اس بات کی مزید وضاحت فرما دی ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲۴ ص ۴۷، ابن کثیر ج ۴ ص ۸۵)

قرآن مجید میں عبادت و استعانت کے اس مضمون کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً" سورۃ زمر اور حوامیم کا مرکزی مقصد ہی یہ ہے کہ عبادت و استعانت صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے۔ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (۴۰:۶۵) جس کی پوری تشریح ان سورتوں میں موجود ہے۔

یعنی سورۃ فاتحہ میں جس دعویٰ کو "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" سے بیان کیا گیا ہے اس کی تفصیل اگرچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہے تاہم حوامیم کا مرکزی مضمون ہی یہ ہے اس لئے تشنہ کاموں کو ان سورتوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے تاکہ مذکورہ دعویٰ کے روشن دلائل کا مشاہدہ کر سکیں۔

عبادت اور استعانت کا مفہوم، عبادت اور استعانت کا آپس میں تعلق، عبادت اور استعانت دونوں میں ایک جیسا حصر، عبادت اور استعانت میں غیر اللہ کی نفی یعنی نعبد ولا نعبد غیرک (ابن عباس) کو رالضمیر للتنصیص علی انہ المستعان بہ لاغیر (بیضاوی) یعنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے اور مدد تجھ ہی سے طلب کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی اور سے مدد طلب نہیں کرتے، یہ اور ان جیسی آیات پر جہلاء کی طرف سے ایک شبہ وارد کیا جاتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے شبہ کیا ہے؟ بیان یہ ہوا ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا، غیر اللہ کو نفع و نقصان کا مالک تصور کرنا اور غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے حالانکہ ہمہ وقت ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر انسان دوسرے انسان سے مدد مانگتا ہے، اور اسے اپنی مدد کے لئے پکارتا ہے اور اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے یہ باہمی مدد و امداد کا سلسلہ اس قدر وسیع اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ایک منٹ بھی نہیں چل سکتا اور اس باہمی مدد مانگنے کا ثبوت بھی خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ کیا ہم سب مشرک ہیں؟ کیا قرآن مجید میں متضاد احکام موجود ہیں؟ قرآن کا کون سا بیان صحیح ہے؟

ہمیں معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی شرارت بھانپ لی اور سمجھ لیا کہ وہ کفر پر اڑ گئے ہیں تو اپنی مدد کے لئے پکارا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (آل عمران ۳:۵۲)

Marfat.com

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفرو انکار پر آمادہ ہیں (اور وہ قتل کے درپے ہیں) تو ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں میرا حامی اور مددگار کون ہے؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے دین کے بارے میں آپ کے مددگار ہیں"

ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو روکنے کے لئے دیوار بناتے وقت لوگوں سے کہا "اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ" (الکہف ۱۸:۹۵) سب مل کر قوت کے ساتھ میری مدد کرو' مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (البقرہ ۲) صلوۃ اور صبر سے استعانت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْٓ اُخْرٰىكُمْ" (آل عمران ۳:۱۵۳) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے تم کو پکار رہے تھے۔ یہ اور ان جیسی آیات کا مفہوم کیا ہوا؟

قرآن مجید میں جہاں یہود کی بہت سی شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ان کی شرارت یہ بھی بیان کی گئی ہے "یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ" (المائدہ ۵:۴۱) "یہ تورات کے کلموں کو باوجودیکہ ان کا صحیح محل ثابت ہو چکا ہے۔ صحیح محل سے پھیر دیتے ہیں"

یعنی ان کا مطلب کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں یہاں بھی وہی ہاتھ دکھایا گیا ہے اور صرف شرارتاً" یہ بات کہی گئی ہے ورنہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ زیر نظر آیت کریمہ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" کو ایک ہاتھ ذکر کرنے کا مطلب و مفہوم ہی یہ تھا کہ یہ اس استعانت کی بات ہے جو استعانت عبادت ہے اور یہ خالصتہً" اللہ ہی سے ہے غیر اللہ سے نہیں۔

پھر اس کی مزید وضاحت بھی کی گئی ہے کہ ایک استعانت ماتحت الاسباب ہے یعنی ظاہری اسباب کے تحت کسی سے مدد مانگی جائے اور یہ امداد ہے جو تمام انسانوں کو روز مرہ زندگی میں ایک دوسرے سے حاصل ہوتی رہتی ہے اور ایک حد تک حاصل ہوتی ہی رہنی چاہئے کیونکہ یہ ایک دوسرے سے تعاون ہے جو نیکی کے ہر کام میں جاری رہنا چاہئے اور اس کا حکم تو خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۞ (مائدہ ۵:۲) "نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو گناہ کے کام میں کسی سے تعاون نہ کرو"

شبہ میں جس استعانت کا ذکر کیا گیا ہے اگر وہ عبادت ہوئی تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ العیاذ باللہ عوام الناس' اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے حاجت روا اور مشکل کشا ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد مانگی اور ذوالقرنین نے اپنی قوم سے' حالانکہ جن لوگوں کی طرف سے شبہ پیش ہوا ان کا دعویٰ یہ ہے جسے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیا کرام حاجت روا اور مشکل کشا ہیں معاذ اللہ۔

"من انصاری الی اللہ" کہہ کر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ہے جو اللہ کے دین کے لئے میری امداد کرے؟ مطلب بالکل واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے دین کے لئے تعاون کے لئے فرمایا تو

Marfat.com

حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ یہ معاملہ تحت الاسباب تھا کیونکہ حواری عیسیٰ علیہ السلام کے پاس موجود تھے ان کی بات سن رہے تھے کہیں غائب نہ تھے۔ انہوں نے بالمشافہ حواریوں سے اسباب عادیہ کے تحت امداد طلب کی اور بالکل اسی طرح ذوالقرنین نے بھی یاجوج ماجوج کو روکنے کے لئے دیوار بناتے وقت لوگوں سے جو کہا تھا "اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ" "تم قوت بازو یعنی کام سے میری مدد کرو"

یہ مدد بھی ظاہری اسباب کے تحت تھی۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو غائبانہ پکارا اور نہ ان سے مافوق الاسباب مدد مانگی اور نہ ہی ذوالقرنین نے اپنی قوم سے ایسا کیا۔ جس طرح ظاہری اسباب کے تحت مدد و امداد جائز ہے اسی طرح اسباب عادیہ کے تحت پکار بھی جائز ہے یعنی جو آدمی سامنے موجود ہو اسے پکار کر یعنی اے فلاں کہہ کر کوئی ایسا کام کرنے کا کہا جائے جو اسباب عادیہ کے تحت اس کی قدرت میں ہو مثلاً اسے کہا جائے مجھے پانی پلا دو یا بازار سے سودا سلف لا دو تو یہ تعاون علی الخیر ہوا۔ دیکھو جنگ احد میں وقتی افراتفری کی بنا پر جب صحابہ کرامؓ کی کچھ تعداد آپؐ سے علیحدہ ہو گئی تو آپؐ نے ان کو واپس بلایا وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ (آل عمران ۳:۱۵۲) "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے تم کو بلا رہے تھے"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بلانا اور پکارنا اسباب ظاہری کے تحت تھا اور آواز ان کو دی جا رہی تھی جو میدان احد میں آپؐ کی آواز سن رہے تھے یہ پکار ماتحت الاسباب تھی' نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہؓ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر نہیں پکار رہے تھے۔ فافہم فتدبر

اب خود ہی غور کر لو کہ ایک دوسرے سے مدد طلب کرے جبکہ ایک دوسرے کے سامنے ہو' ایک دوسرے کی بات کو سن رہا ہو' ایک دوسرے سے صرف اس کام میں مدد طلب کرے جس میں وہ اس کی مدد کر سکتا ہو تو یہ شرک کیونکر ہوا اور اس طرح ایک دوسرے کی مدد کرنے والے مشرک کیسے ہو گئے؟

"تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کا حکم دے کر قرآن مجید نے کس حکم خداوندی کے متضاد حکم دیا۔

قرآن مجید کے وہ کون سے دو بیان ہیں جو آپس میں متضاد ہیں تاکہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ کونسا حکم صحیح ہے اور کونسا صحیح نہیں؟

خوب سمجھ لو کہ یہ شبہ ڈالنے والے نے دھوکہ دیا' فریب کیا' مکاری کی' یہودیوں کا سا فعل کیا' دراصل یہ کوئی شبہ نہیں تھا خواہ مخواہ کی ایک مداخلت تھی' فریب نظر تھا جو کافور ہو گیا۔

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" کے الفاظ "نعبد" اور "نستعین" جمع کا صیغہ ہے جو قابل لحاظ ہے کہ دعا تنہا ایک ایک فرد نہیں کر رہا۔ ایک ایک فرد کی زبان سے ساری ملت اسلامیہ مل کر اجتماعی رنگ میں کر رہی ہے اور یہ اجتماعیت کی اہمیت قرآن و حدیث دونوں کی دعاؤں میں کثرت سے جلوہ گر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

****

Marfat.com

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۶

اے اللہ ! ہم پر سعادت[۲۴] کی سیدھی[۲۵] راہ کھول دے[۲۶]۔ ۶

ہدایت وہی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو

۲۴ اے اللہ ! اھدنا تو ہم کو ہدایت دے۔ ''اھدنا'' کی اصل ھ د ی ہے۔ تو ہم کو راہ دکھا۔ تو ہم کو راہ بتلا۔ اھد ھدایتہ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ''نا'' ضمیر جمع متکلم۔ اھدنا کا لفظ صرف دو بار قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ ایک یہاں سورۂ فاتحہ میں اور ایک بار سورۂ ص کی آیت نمبر ۲۲ میں وَاهْدِنَا اِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ اور کہیں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ ''اھدنا الصراط المستقیم'' فاتحہ کی چھٹی آیت ہے۔

راہ ہدایت ہی راہ ''المستقیم'' ہے

۲۵ المستقیم کیا ہے؟ ''المستقیم'' کی ''اصل'' ق و م ہے۔ المستقیم۔ اسم فاعل واحد مذکر منصوب۔ معرف باللام ''سیدھا'' ''سیدھی''

''المستقیم'' کا لفظ قرآن مجید میں ۲۹ بار استعمال ہوا ہے۔

''پیغام نبوت'' کیا ہے؟ ہدایت ہی ہدایت ہے

۲۶ سعادت یعنی ''ہدایت'' کے معنی راہنمائی کرنے' راہ دکھانے اور راہ پر لگا دینے کے ہیں۔ ہدایت کے مختلف مراتب و اقسام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اور ان اقسام ہدایت میں سے ایک خاص قسم کی ہدایت ''وحی و نبوت'' ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مخلوقات کو ان کے مناسب حال جسم وقویٰ دیئے ہیں اسی طرح ان کی ہدایت کا فطری سامان بھی مہیا کر دیا ہے اور جس طرح مخلوقات کے مختلف مدراج ہیں ہدایت کے بھی مختلف مراتب حسب حال موجود ہیں۔ جس مخلوق کے لئے وجدان کی ہدایت کافی ہے وہ یقیناً اس میں موجود ہے وجدان کی ہدایت کیا ہے؟

وجدان طبیعت حیوانی کا فطری اور اندرونی الہام ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی غذا کی تلاش کرتا ہے اور اس کی جستجو کے لئے اس کے پاس جب رونے کے سوا ابھی کوئی چیز نہیں ہے تو وہ رو رو کر ثابت کرتا ہے کہ اس کو احتیاج ہے لیکن ماں جب اس کو چھاتی سے لگاتی ہے تو وہ بغیر اس کے کہ خارج کی کوئی راہنمائی اسے ملی ہو ماں کی چھاتی منہ میں لیتے ہی اسے چوستا ہے۔ اور اپنی غذا حاصل کر لیتا ہے۔

وجدان کے بعد حواس کی ہدایت کا مرتبہ ہے اور وہ وجدان سے بلند تر ہے یہ ہمیں دیکھنے' سننے' چکھنے' چھونے اور سونگھنے کی قوتیں بخشتی ہیں اور انہیں کے ذریعے ہم نفع حاصل کرتے اور نقصان سے بچنے کی کوشش

Marfat.com

کرتے ہیں۔

ہدایت فطرت کے یہ دونوں مرتبے انسان اور حیوان سب میں موجود ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک تیسرا مرتبہ ہدایت بھی موجود ہے اور وہ عقل کی ہدایت ہے۔ فطرت کی یہی وہ ہدایت ہے جس نے ایک انسان اور حیوان میں امتیاز پیدا کر دیا اور صرف یہی نہیں کہ امتیاز پیدا کیا بلکہ انسان کے سامنے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیا ہے اور اس کو کائنات ارضی کی تمام مخلوقات کا حاصل و خلاصہ بنا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جوہر پہلی قسموں یعنی وجدان اور احساس سے قوی ہے۔ پھر جوہر عقل کیا ہے؟

عقل دراصل اس قوت کی ایک ترقی یافتہ حالت ہے جس نے حیوانات میں وجدان اور حواس کی روشنی پیدا کر دی تھی۔ جس طرح انسان کا جسم اجسام ارضی کی سب سے اعلیٰ کڑی ہے اسی طرح اس کی یہ معنوی قوت بھی تمام معنوی قوتوں کا برترین جوہر ہے۔ روح حیوانی کا وہ جوہر ادراک جو نباتات میں مخفی اور حیوانات کے وجدان میں نمایاں تھا۔ انسان کے مرتبے میں پہنچ کر درجہ کمال تک پہنچ گیا اور جوہر عقل کے نام سے موسوم ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہدایت فطرت کے ان تینوں مرتبوں یعنی وجدان۔ حواس اور عقل میں سے ہر مرتبہ اپنی قوت و عمل کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر ایک مرتبے سے دوسرا مرتبہ بلند تر نہ ہوتا تو ہماری معنوی قوتیں اس حد تک ترقی نہ کر سکتیں جس حد تک فطرت کی راہنمائی سے ترقی کر رہی ہیں۔

وجدان کی ہدایت ہم میں طلب و سعی کا جوش پیدا کرتی ہے اور مطلوبات زندگی کی راہ پر لگا دیتی ہے لیکن ہمارے وجود سے باہر جو کچھ موجود ہے اس کا ادراک نہیں کر سکتی یہ کام مرتبہ حواس کی ہدایت کا ہے۔ وجدان کی راہنمائی جب درماندہ ہو جاتی ہے حواس کی دستگیری نمایاں ہوتی ہے' آنکھ دیکھتی ہے' کان سنتا ہے' زبان چکھتی ہے' ہاتھ چھوتا اور ٹٹولتا ہے' ناک سونگھتی ہے اور اس طرح ہم اپنے وجود سے باہر کی تمام محسوس اشیاء کا ادراک حاصل کر لیتے ہیں۔

حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد تک ہی کام دے سکتی ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی آنکھ دیکھتی ہے' مگر صرف اسی حالت میں جب کہ دیکھنے کی تمام شرطیں موجود ہوں۔ اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے۔ مثلاً روشنی نہ ہو۔ فاصلہ زیادہ ہو تو ہم آنکھ رکھتے ہوئے بھی ایک موجود چیز کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے۔ علاوہ ازیں حواس کی ہدایت صرف اتنا ہی کر سکتی ہے کہ اشیاء کا احساس پیدا کر دے ظاہر ہے کہ یہ مجرد احساس کافی نہیں ہے۔ ہمیں استنباط اور نتائج کی ضرورت ہے۔ احکام کی ضرورت ہے۔ کلیات کی ضرورت ہے اور یہ کام حواس کی ہدایت کا نہیں بلکہ یہ کام عقل کی ہدایت کا ہے۔

پھر جس طرح وجدان کی نگرانی کے لئے حواس کی ضرورت تھی اسی طرح حواس کی نگرانی کے لئے عقل کی ضرورت ہوئی۔ حواس کا ذریعہ ادراک نہ صرف محدود ہے بلکہ بسا اوقات غلطی و گمراہی سے بھی محفوظ نہیں۔ اگر

Marfat.com

مرتبہ حواس سے ایک بلند تر مرتبہ ہدایت کا وجود نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ہم حواس کی ان درماندگیوں میں حقیقت کا سراغ پا سکتے۔ ایسی تمام حالتوں میں عقل کی ہدایت نمودار ہوتی ہے وہ حواس کی درماندگیوں میں ہماری راہنمائی کرتی ہے لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حق ہے اور ثابت ہے کہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور اس کے دائرہ عمل کے بعد بھی ایک دائرہ باقی رہ جاتا ہے۔ عقل کی کارفرمائی اگرچہ کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو محسوسات کے دائرے میں محدود ہے یعنی وہ صرف اس حد تک کام دے سکتی ہے جس حد تک ہمارے حواس خمسہ معلومات بہم پہنچاتے ہیں لیکن محسوسات کی حد سے آگے کیا ہے؟

اس پردے کے پیچھے کیا ہے جس سے آگے ہماری چشم حواس نہیں بڑھ سکتی؟ جہاں پہنچ کر عقل درماندہ ہو جاتی ہے اس کی ہدایت ہمیں کوئی روشنی نہیں دے سکتی۔

سورہ فاتحہ کی زیر نظر آیت اور اس جیسی قرآن کریم کی دوسری تمام آیات پکار پکار کر کہتی ہیں کہ اللہ نے تم کو وجدان کے ساتھ حواس بھی دیئے تاکہ وجدان کی لغزشوں میں نگرانی کریں اور حواس کے ساتھ عقل بھی دی تاکہ حواس کی غلطیوں میں قاضی و حاکم ہو تو عقل کے ساتھ وحی و نبوت کی ہدایت بھی دی تاکہ عقل کی درماندگیوں میں وہ راہنما اور فیصلہ کن ہو۔ اور اس کو قرآنی اصطلاح میں "الہدیٰ" کے نام سے پکارتا ہے۔

یہ "الہدیٰ" یعنی ہدایت کی حقیقی راہ کون سی ہے؟ قرآن کہتا ہے وحی الٰہی کی عالمگیر ہدایت ہے جو اول دن سے دنیا میں موجود ہے اور بلا تفریق و امتیاز تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے وجدان، حواس اور عقل کی ہدایت میں نہ تو نسل و قوم کا امتیاز رکھا نہ زمان و مکان کا۔ اسی طرح اس کی ہدایت وحی بھی ہر طرح کے تفرقے اور امتیاز سے پاک ہے۔ وہ سب کے لئے ہے اور سب کو دی گئی ہے اور اسی ایک ہدایت "الہدیٰ" کے سوا اور جتنی ہدایتیں بھی انسانوں نے سمجھ رکھی ہیں، سب انسانی بناوٹ کی راہیں ہیں۔ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی راہ صرف یہی ایک راہ ہے۔

اسی لئے وہ ہدایت کی ان تمام صورتوں سے یک قلم انکار کرتا ہے جو اس اصل سے منحرف ہو کر طرح طرح کی مذہبی گروہ بندیوں اور متخالف ٹولیوں میں بٹ گئی ہیں اور سعادت و نجات کی عالمگیر حقیقت خاص خاص گروہوں اور حلقوں کی میراث بنا لی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے انسانی بناوٹ کی یہ الگ الگ راہیں ہدایت کی راہ نہیں ہو سکتیں۔ ہدایت کی راہ تو وہی راہ ہے جو وحی و نبوت کے رنگ میں دی گئی جو کسی خاص گروہ قوم اور نسل کے لئے نہیں ہے بلکہ سب کے لئے یکساں ہے اور سب ہی کو اس کی طلب کرتے رہنا چاہئے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

Marfat.com

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪

وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہوئی جن پر تو نے انعام کیا۔[۲۷] ان (یہود) کی نہیں جو پھٹکارے گئے[۲۸] اور نہ ان[۲۹] (نصاریٰ) کی جو راہ سے بھٹک گئے[۳۰] ۔ ۷

انعام الٰہی کے اصل مستحق انبیاء، شہداء اور صدیقین ہی ہیں

۲۷؎ تو نے انعام کیا۔ ”انعمت“ تو نے فضل کیا۔ تو نے احسان کیا۔ اس کی ”اصل“ ن ع م ہے اور انعمت انعام سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ اور قرآن مجید میں انعمت کا لفظ آٹھ بار استعمال ہوا ہے۔

غضب الٰہی سے پناہ طلب کرتے رہنا چاہیے

۲۸؎ ”المغضوب“ کی ”اصل“ غ ض ب۔ غضب۔ سخت غصہ، بہت غصہ ہونا، انتقام کے لئے دل کے خون میں جوش آکر گردن کی رگیں پھول جانا اور آنکھیں سرخ ہو جانا۔ گویا بدن کے اندر ایک آگ بھڑک جانا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس سے مراد ہے۔ سخت عذاب دینا۔ المغضوب جن پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا۔ غیر المغضوب یعنی جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ یعنی عذاب نازل نہ ہوا اور المغضوب صرف ایک بار استعمال ہوا جو یہاں سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت ہے اور اس کے علاوہ یہ لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ ”صراط الذین“ سے آخر آیت تک فاتحہ کی ساتویں آیت ہے۔

”ضال“ کے ایک معنی بھول جانے کے بھی اور ایک تلاش کرنے کے بھی“

۲۹؎ ”الضالین“ کی ”اصل“ ض ل ل ہے۔ اور ”ضال“ کے معنی سیدھی راہ سے ہٹ جانے کے ہیں۔ اگرچہ یہ لفظ بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بھول جانے، سہو ہو جانے اور نسیان ہونے یعنی ناواقف حیران اور بے خبر کے معنوں میں جو انسان کی اختیاری حالت نہیں ہوتی۔ اگر اختیار کے ساتھ ہو تو برا ہے اور بھول چوک ہو تو معاف ہے۔ بعض اوقات ہدایۃ کی ضد میں اس کا استعمال ہوتا ہے جو ایک برا وصف ہے۔ ارشاد الٰہی ہے ”فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا“

بہرحال مختصر یہ کہ راہ سے ہٹنا مراد ہے قصداً ہو یا سہواً، اگر اس کی نسبت شیطان، کافر اور فاسق کی طرف ہو گی تو یقیناً رشد و ہدایت کی ضد ہی میں استعمال ہو گا لیکن اگر اس کی نسبت کسی نیک انسان اور نبی کی طرف ہو گی تو اس سے مراد نسیان و سہو اور بھول چوک ہو گا جو ایک وقتی چیز ہوتی ہے دائمی گمراہی نہیں۔ اور

Marfat.com

"الضالین" کا لفظ قرآن مجید میں صرف چھ بار استعمال ہوا ہے سورۂ فاتحہ کی ساتویں آیت میں۔ البقرہ کی آیت ۱۹۸ میں، الانعام کی آیت ۷۷ میں، شعراء کی آیت نمبر ۲۰، ۸۶ میں اور واقعہ کی آیت ۹۲ میں۔ ان سب جگہوں میں اس کا استعمال غیر المھتدین پر ہی ہوا ہے۔

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عقل کی ہدایت نہ تو ہر حال میں کافی ہے، نہ ہر حال میں موثر، ذرا مزید غور کرو کہ نفس انسانی طرح طرح کی خواہشوں اور جذبوں سے کچھ اس طرح مقہور واقع ہوا ہے کہ جب کبھی عقل اور جذبات میں کشمکش ہوتی ہے تو اکثر حالتوں میں فتح جذبات ہی کی ہوتی ہے۔ بسا اوقات عقل ہمیں یقین دلاتی ہے کہ فلاں فعل مضر اور مہلک ہے لیکن جذبات ہمیں ترغیب دیتے ہیں اور ہم اس مضر فعل کے ارتکاب سے اپنے آپ کو روک نہیں سکتے۔ عقل کی بڑی سے بڑی دلیل بھی ہمیں ایسا نہیں بنا سکتی کہ غصے کی حالت میں بے قابو ہو جائیں اور بھوک کی حالت میں مضر غذا کی طرف ہاتھ نہ بڑھائیں۔ ان اشارات کو جتنی وسعت دیئے جاؤ گے بات صاف ہوتی جائے گی۔

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ حواس کی ہدایت ذرا ماند ہوئی تو عقل کی ہدایت نے اس کو درماندگی سے بچا لیا اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ عقل کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو کیا ضروری نہ تھا کہ عقل کی ہدایت کے ساتھ کوئی اور ہدایت بھی ہو تاکہ عقل کی درماندگیوں میں وہ راہنما ہو سکے؟

قرآن کریم کہتا ہے کہ ضروری تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے عقل کی ہدایت کی درماندگیوں سے بچانے کے لئے ایک اور ہدایت کا بندوبست فرمایا جس کو "وحی و نبوت کی ہدایت" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کتاب ہدایت کا ورق الٹتے ہی اور نیاز مندانہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہی "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کی طلب کا حکم دے کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی دعا میں اس ہدایت کی طلب ہمیشہ کرتا رہے، تاکہ عقل کی ہدایت جب ماند پڑ جائے تو وحی ہدایت اس کی راہنمائی کے لئے تیار ہو۔

انعام یافتہ لوگوں کی راہ اللہ سے طلب کرتے رہنا چاہئے

۵۳۰ یہ اس سیدھے راستہ کی تعریف ہے جس کے لئے ہم ہاتھ باندھے نیاز مندانہ کھڑے ہو کر طلب کر رہے ہیں۔ یعنی وہ راستہ جس پر ہمیشہ سے تیرے منظور نظر لوگ چلتے رہے۔ وہ بے خطا راستہ کہ قدیم ترین زمانہ سے آج تک جو شخص اور جو گروہ بھی اس پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق ہوا اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ یہ انعام یافتہ کون لوگ ہیں جن کی راہ سیدھی ہوئی؟ قرآن مجید نے جا بجا واضح کیا ہے کہ خدا کے تمام رسول اور راست باز انسان جو دنیا کے مختلف عہدوں اور گوشوں میں گزر چکے ہیں سب انعام یافتہ انسان ہیں اور انہی کی راہ "صراط مستقیم" ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (النساء ۴:۶۹)

Marfat.com

”اور جس کسی نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو بلاشبہ وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یہ انعام یافتہ جماعت نبیوں کی ہے صدیقوں کی ہے۔ شہداء کی ہے۔ نیک عمل انسانوں کی ہے اور جس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں تو کیا ہی اچھی اس کی رفاقت ہے۔“

اس آیت میں بالترتیب چار جماعتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور انہیں انعام یافتہ قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء' صدیقین شہداء اور صالحین۔

”انبیاء“ سے مقصود خدا کی سچائی کے تمام پیغامبر ہیں جو نوع انسانی کی ہدایت کے لئے پیدا ہوئے۔

”صدیقین“ سے مقصود ایسے انعام یافتہ ہیں جو کامل معنوں میں سچے ہوں یعنی سچائی کے سانچے میں کچھ ایسے ڈھلے ہوئے ہوں کہ سچائی کے خلاف کوئی بات ان کے دماغ میں اتر ہی نہ سکے۔

”شہید“ کے معنی گواہ کے ہیں یعنی ایسے انسان جو اپنے قول و فعل سے حق و صداقت کی شہادت بلند کرنے والے ہوں۔

”صالحین“ سے مقصود وہ تمام انسان ہیں جو نیک عمل کی راہ میں استقامت رکھیں اور برائی کی راہوں سے کنارہ کش ہوں۔

پس معلوم ہوا کہ انعام یافتہ انسانوں سے مقصود دنیا کے تمام رسول اور داعیان حق ہیں جو قرآن مجید کے نزول سے پہلے دنیا میں پیدا ہو چکے تھے اور تمام راست باز انسان وہ ہیں جو نوع انسانی میں گزر چکے تھے۔ اس میں نہ تو کوئی خاص نسل و قوم کی خصوصیت رکھی گئی ہے نہ کسی خاص مذہب اور اس کے پیروؤں کی۔ دنیا کے تمام نبی' تمام صدیق' تمام شہداء حق' تمام صالح انسان خواہ وہ کسی ملک و قوم میں ہوئے ہوں قرآن کریم کے نزدیک ”انعام یافتہ“ انسان ہیں اور انہی کی راہ ”صراط مستقیم“ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ خدا کے ان رسولوں اور نوع انسانی کے راستباز افراد کی راہ کون سی راہ تھی؟ وہ راہ جسے قرآن دین حقیقی کی راہ قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے دنیا میں جس قدر بھی سچائی کے داعی آئے' سب نے یہی تعلیم دی کہ ”اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا“ یعنی خدا کا ایک ہی دین قائم رکھو اور اس راہ میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

پس ”صراط مستقیم“ پر چلنے کی طلب زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت کی راہ چلنے کی طلب ہوئی اور اس لئے سعی و عمل کے ہر گوشے میں انعام یافتہ گروہ وہی ہو سکتا ہے جس کی راہ ”صراط مستقیم“ ہو۔

صراط مستقیم کی پہچان کے دونوں پہلو واضح کر دیئے

پھر صراط مستقیم کی پہچان صرف اس کے مثبت پہلو ہی سے واضح نہیں کی گئی بلکہ اس کا ضد و مخالف پہلو بھی واضح کر دیا گیا کہ ”غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ“ ”ان کی راہ نہیں جو مغضوب ہوئے نہ ان کی جو گمراہ ہو کر بھٹک گئے“

”مغضوب علیہ“ گروہ ”منعم علیہ“ کی بالکل ضد ہے کیونکہ انعام کی ضد غضب ہے اور فطرت کائنات کا

Marfat.com

قانون یہ ہے کہ راست باز انسانوں کے حصے میں انعام آتا ہے۔ نافرمانوں کے حصے میں غضب "گمراہ" وہ ہیں جو راہ حق نہ پاسکے اور اس کی جستجو میں بھٹک گئے۔ پس مغضوب وہ ہوئے جنہوں نے راہ پائی اور اس کی نعمتیں بھی پائیں لیکن پھر اس سے منحرف ہو گئے اور نعمت کی راہ چھوڑ کر محرومی و شقاوت کی راہ اختیار کر لی' گمراہ وہ ہوئے جو راہ ہی نہ پاسکے اس لئے ادھر ادھر بھٹک کر رہ گئے اور صراط مستقیم کی سعادتوں سے محروم رہے۔ یعنی "مغضوب علیہ" کی محرومی حصول معرفت کے بعد انکار کا نتیجہ ہے اور گمراہ کی محرومی جہل کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ محروم دونوں ہی ہوئے مگر یہ ظاہر ہے کہ پہلے کی محرومی زیادہ مجرمانہ ہے۔

احادیث و اثار میں اس کی حقیقت واضح کردی گئی

احادیث و اثار میں اس کی جو تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ ترمذی' احمد' ابن حبان وغیرہم کی مشہور حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المغضوب" یہودی اور "الضالین" نصاریٰ ہیں۔ یقیناً اس تفسیر کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ مغضوب سے مقصود صرف یہودی اور گمراہ سے مقصود صرف نصاریٰ ہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ مغضوبیت اور گمراہی کی حالت واضح کرنے کے لئے دو جماعتوں کا ذکر بطور مثال کر دیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں جماعتوں کی تاریخ میں ہم محرومی کی دونوں حالتوں کا کامل نمونہ آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہودیوں کی قومی تاریخ مغضوبیت کے لئے اور عیسائیوں کی تاریخ گمراہی کے لئے عبرت و تذکیر کا بہترین سرمایہ ہے۔ ذرا تاریخ کی ورق گردانی کر کے دیکھیں کہ وہ کیا تھے؟ اور کیا ہو گئے۔

ہم دیکھتے ہیں' قرآن مجید نے ہدایت و تذکیر امم کے لئے جن جن اصولوں پر زور دیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں اصل پچھلی قوموں کے ایام و وقائع اور ان کے نتائج ہیں۔ وہ کہتا ہے کائنات ہستی کے ہر گوشے کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے بھی خدا کا قانون سعادت و شقاوت ایک ہی ہے اور ہر عہد اور ہر ملک میں ایک ہی طرح کے احکام و نتائج رکھتا ہے اس کے احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اس کے نتائج ہمیشہ اور ہر حال میں اٹل ہیں جس طرح سنکھیا کی تاثیر اس لئے بدل نہیں سکتی کہ وہ کس عہد اور کس سنہ میں استعمال کی گئی اسی طرح قوموں اور جماعتوں کے اعمال کے نتائج بھی اس لئے متغیر نہیں ہو سکتے کہ کس ملک میں پیش آئے۔ اگر ماضی میں ہمیشہ شہد' شہد کا خاصہ رکھتا آیا ہے اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی رہی ہے تو مستقبل میں بھی ہمیشہ شہد' شہد ہی رہے گا اور سنکھیا کی تاثیر سنکھیا ہی کی ہو گی پس جو کچھ ماضی میں پیش آچکا ہے ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ (۳۳:۶۲)

"جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے لئے اللہ کی سنت یہی رہی یعنی اللہ کے قوانین و احکام کا دستور یہی رہا ہے اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤ گے"۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ج وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (فاطر

Marfat.com

۳۵: ۴۳)

"پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس سنت کی جو اگلے لوگوں کے لئے رہ چکی ہے؟ تو یاد رکھو، تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیئے جائیں" ایک جگہ ارشاد ہے:

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۷)

"اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم تم سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے، ان کے لئے ہماری سنت یہی رہی ہے اور ہماری سنت بھی ٹلنے والی نہیں ہے۔"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک طرف تو انعام یافتہ جماعتوں کی کامرانیوں کا ذکر بار بار کرتا ہے اور دوسری طرف مغضوب اور گمراہ جماعتوں کی محرومیوں کی سرگزشتیں بھی بار بار سناتا ہے پھر جابجا ان سے عبرت و بصیرت کے نتائج اخذ کرتا ہے جن پر اقوام و جماعات کا عروج و زوال موقوف ہے۔ وہ کھول کھول کر بتاتا ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی ان ان اعمال کا انعام تھے اور مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی ان ان بد عملیوں کی پاداش تھی۔ اچھے نتائج کو "انعام" کہتا ہے کیونکہ یہ فطرت الٰہی کی قبولیت ہے۔ برے نتائج کو "غضب" کہتا ہے کیونکہ یہ قانون الٰہی کی پاداش ہے۔ وہ کہتا ہے جن اسباب و علل سے دس مرتبہ ایک خاص طرح کا معلول پیدا ہو چکا ہے تم کیونکر انکار کر سکتے ہو، کہ گیارہویں مرتبہ بھی ویسا ہی معلول پیدا نہ ہو گا؟

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (آل عمران ۳:۱۳۷)

"تم سے پہلے بھی دنیا میں خدا کے احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنھوں نے اللہ کے احکام و قوانین کو جھٹلایا تھا"

قرآن مجید کی سورتوں میں ایک بڑی تعداد ایسی سورتوں کی ہے جو تمام تر اس مطلب پر مشتمل ہیں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر بیان بھی پچھلے عہدوں کے وقائع و قصص کا ہے وہ تمام تر سورۂ فاتحہ کی اس آیت کی تفصیل ہے۔

سورۃ فاتحہ کی تعلیمی روح کا خلاصہ

اچھا! اب چند لمحوں کے لئے سورۂ فاتحہ کے مطالب پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالو اور دیکھو اسی کی سات آیتوں کے اندر مذہبی عقائد و تصور کی جو روح مضمر ہے وہ کس طرح کی ذہنیت پیدا کرتی ہے۔ سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے۔ فرض کرو ایک انسان کے دل زبان سے شب و روز یہی دعا نکلتی رہتی ہے، اس صورت میں اس کے فکر و اعتقاد کا کیا حال ہو گا؟

وہ خدا کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہے، لیکن اس خدا کی حمد میں نہیں جو نسلوں، قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے بلکہ "رب العلمین" کی حمد میں جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے اور اس لئے تمام نوع

Marfat.com

انسانی کے لئے یکساں طور پر پروردگاری و رحمت رکھتا ہے۔ پھر وہ اسے اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت ہی کی صفتیں اسے یاد آتی ہیں۔ گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کے لئے سر تا سر رحمت و عدالت کی نمود ہے اور جو کچھ بھی اس کی نسبت جانتا ہے وہ رحمت و عدالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنا سرِ نیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے اور صرف تو ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے۔ وہ اپنی عبادت اور استعانت دونوں کو صرف ایک ہی ذات کے لئے وابستہ کر دیتا ہے اور اس طرح دنیا کی ساری قوتوں اور ہر طرح کی انسانی فرماں روائیوں سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اب کسی چوکھٹ پر اس کا سر جھک نہیں سکتا۔ اب کسی قوت سے وہ ہراساں نہیں ہو سکتا۔ اب کسی کے آگے اس کا دستِ طلب دراز نہیں ہو سکتا۔

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ یہی ایک دعا ہے جس سے زبان احتیاج آشنا ہوتی ہے، لیکن کون سی سیدھی راہ؟ کس خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کس خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کس خاص مذہبی حلقے کی سیدھی راہ؟ نہیں، وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی راہنماؤں اور تمام راستباز انسانوں کی متفقہ راہ ہے، خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔ اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے لیکن یہاں بھی کسی خاص نسل و قوم یا کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی راہیں رہ چکی ہیں۔ گویا جس بات کا طلب گار ہے وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے وہ بھی نوع انسانی کی عالمگیر برائی ہے۔ نسل، قوم، ملک یا مذہبی گروہ بندی کے تفرقہ و امتیاز کی کوئی پرچھائیں اس کے دل و دماغ پر نظر نہیں آتی۔

غور کرو! مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن و عواطف کے لئے کس طرح کا سانچہ مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل و دماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا وہ کس قسم کا انسان ہو گا؟ کم از کم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی خدا کی عالمگیر رحمت و جمال کے تصور کی خدا پرستی ہو گی۔ دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی نسل و قوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہو گا۔ عالمگیر انسانیت کا انسان ہو گا اور دعوتِ قرآنی کی اصل روح یہی ہے۔ وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

اختصارِ فاتحہ پر ایک نظر مزید

غور کریں کہ اسلام جو تہذیب انسان کو سکھاتا ہے اس کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہر کام کی ابتدا اللہ کے نام سے کرے۔ اس قاعدے کی پابندی اگر شعور اور خلوص کے ساتھ کی جائے تو اس سے لازماً تین فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ آدمی بہت سے برے کاموں سے بچ جائے گا، کیونکہ اللہ کا نام لینے کی عادت اسے ہر کام شروع کرتے وقت یہ سوچنے پر مجبور کر دے گی کہ کیا واقعی میں اس کام پر اللہ کا نام

Marfat.com

لینے میں حق بجانب ہوں؟ دوسرے یہ کہ جائز اور صحیح اور نیک کاموں کی ابتدا کرتے ہوئے اللہ کا نام لینے سے آدمی کی ذہنیت بالکل ٹھیک سمت اختیار کر لے گی اور وہ ہمیشہ صحیح ترین نقطہ سے اپنی حرکت کا آغاز کرے گا۔ تیسرا اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے نام سے اپنا کام شروع کرے گا تو اللہ کی تائید اور توفیق اس کے شامل حال ہو گی' اس کی سعی میں برکت ڈالی جائے گی اور شیطان کی فساد انگیزیوں سے اس کو بچایا جائے گا۔ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب بندہ اس کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ بھی بندے کی طرف توجہ فرماتا ہے۔

معلوم ہو گا جیسا کہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں سورۂ فاتحہ اصل میں تو ایک دعا ہے' لیکن دعا کی ابتدا اس ہستی کی تعریف سے کی جا رہی ہے جس سے ہم دعا مانگنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی تعلیم ہے کہ دعا جب مانگو تو مہذب طریقہ سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب نہیں ہے کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا۔ تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعا کر رہے ہو' پہلے اس کی خوبی کا' اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو۔ تعریف ہم جس کی بھی کرتے ہیں' دو وجوہ سے کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بجائے خود حسن و خوبی اور کمال رکھتا ہو' قطع نظر اس سے کہ ہم پر اس کے ان فضائل کا کیا اثر ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہمارا محسن ہو اور ہم اعتراف نعمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس کی خوبیاں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ان دونوں حیثیتوں سے ہے۔ یہ ہماری قدر شناسی کا تقاضا بھی ہے اور احسان شناسی کا تقاضا بھی کہ ہم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوں۔

اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تعریف اللہ کے لئے ہے' بلکہ صحیح یہ ہے کہ "تعریف اللہ ہی" کے لئے ہے۔ یہ بات کہہ کر ایک بڑی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور وہ حقیقت ایسی ہے جس کی پہلی ہی ضرب سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن' کوئی خوبی' کوئی کمال ہے' اس کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ کسی انسان' کسی فرشتے' کسی دیوتا' کسی سیارے' غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ اور پرستار' احسان مند اور شکر گذار' نیاز مند اور خدمت گار بنیں تو وہ خالق کمال ہے نہ کہ صاحب کمال۔

یاد رہے کہ رب کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں بولا جاتا ہے۔ (۱) مالک اور آقا (۲) مربی' پرورش کرنے والا' خبر گیری اور نگہبانی کرنے والا (۳) فرمانروا' حاکم' مدبر اور منتظم۔ اللہ تعالیٰ ان سب معنوں میں کائنات کا رب ہے۔

دیکھئے انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے' اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا' تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔

Marfat.com

رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اللہ کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے' اس قدر وسیع ہے' ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لئے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں "سخی" کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چٹے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب "لمبا" کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں۔

روز جزا یعنی اس دن کا مالک جبکہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامہ زندگی کا حساب لیا جائے گا اور ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ اللہ کی تعریف میں رحمان اور رحیم کہنے کے بعد مالک روز جزا کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ نرا مہربان ہی نہیں ہے بلکہ منصف بھی ہے' اور منصف بھی ایسا بااختیار منصف کہ آخری فیصلے کے روز وہی پورے اقتدار کا مالک ہو گا' نہ اس کی سزا میں کوئی مزاحم ہو سکے گا اور نہ جزا میں مانع۔ لہٰذا ہم اس کی ربوبیت اور رحمت کی بنا پر اس سے محبت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے انصاف کی بنا پر اس سے ڈرتے بھی ہیں اور یہ احساس بھی رکھتے ہیں کہ ہمارے انجام کی بھلائی اور برائی بالکلیہ اسی کے اختیار میں ہے۔

اسی طرح عبادت کا لفظ بھی عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) پوجا اور پرستش (۲) اطاعت اور فرمانبرداری (۳) بندگی اور غلامی۔ اس مقام پر تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں۔ یعنی ہم تیرے پرستار بھی ہیں' مطیع فرمان بھی اور بندہ و غلام بھی اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ہم تیرے ساتھ یہ تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ واقعی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ تعلق صرف تیرے ہی ساتھ ہے۔ ان تینوں معنوں میں سے کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا ہمارا معبود نہیں ہے۔

اے ہمارے اللہ تیرے ساتھ ہمارا تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے بلکہ استعانت کا تعلق بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ساری کائنات کا رب توہی ہے اور ساری طاقتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں' اور ساری نعمتوں کا توہی اکیلا مالک ہے' اس لئے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں' تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے اور تیری مدد ہی پر ہمارا اعتماد ہے۔ اسی بنا پر ہم اپنی یہ درخواست لے کر تیری خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔

اے رب کریم! زندگی کے ہر شعبہ میں خیال اور عمل اور برتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتا جو بالکل صحیح ہو' جس میں غلط بینی اور غلط کاری اور بدانجامی کا خطرہ نہ ہو' جس پر چل کر ہم سچی فلاح و سعادت حاصل کر سکیں۔--- یہ ہے وہ درخواست جو قرآن کا مطالعہ شروع کرتے ہوئے بندہ اپنے اللہ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اس کی گزارش یہ ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ قیاسی فلسفوں کی ان بھول بھلیوں میں حقیقت نفس

Marfat.com

الامری کیا ہے' اخلاق کے ان مختلف نظریات میں صحیح نظام اخلاق کونسا ہے' زندگی کی ان سے بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان فکر و عمل کی سیدھی اور صاف شاہراہ کونسی ہے؟

"انعام یافتہ" اس سیدھے راستہ کی تعریف ہے جس کا علم ہم اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں۔ یعنی وہ راستہ جس پر ہمیشہ سے تیرے منظور نظر لوگ چلتے رہے ہیں۔ وہ بے خطا راستہ کہ قدیم ترین زمانہ سے آج تک جو شخص اور جو گروہ بھی اس پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق ہوا اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر رہا۔

اے منعم حقیقی "انعام" پانے والوں سے ہماری مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بظاہر عارضی طور پر تیری دنیوی نعمتوں سے سرفراز تو ہوتے ہیں مگر دراصل وہ تیرے غضب کے مستحق ہوا کرتے ہیں اور اپنی فلاح و سعادت کی راہ گم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس سلبی تشریح سے یہ بات خود کھل جاتی ہے کہ "انعام" سے ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور اللہ کی خوشنودی کے نتیجہ میں ملا کرتے ہیں' نہ کہ وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو پہلے بھی فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں اور بدکاروں اور گمراہوں کو ملے ہوئے ہیں۔

سورہ فاتحہ اور آمین

سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا سنت ہے۔ آمین خود ایک دعا ہے جس کے معنی ہیں استجب یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ امین عند اکثر اهل العلم اللهم استجب لنا (قرطبی)

چنانچہ حدیث میں ہے کہ

اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا امين صحیح بخاری ص ۲۷ ۴۲ پارہ نمبر ۳ عن ابی ہریرۃؓ۔ "جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ چکے تو تم بھی آمین کہا کرو"۔

صحیح مسلم ج اول ص ۷۷ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اذا قال ولا الضالين فقولوا امين۔ جب امام "ولا الضالین" کہے تو تم آمین کہا کرو۔

سنن نسائی ج اول ص ۱۴۷' سنن دارمی ۱۴۶' مسند احمد ج اول ص ۲۰۴ پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ان الامام يقول امين" امام بھی آمین کہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۸ میں وائل اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ

صليت مع النبی صلی الله عليه وسلم فلما قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال امين "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب آپؐ نے ولا الضالین کہا تو آپؐ نے آمین بھی کہی"

ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامينه تامين الملائكة غفرله ما تقدم من ذنبه

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو اس لئے کہ جب تمہاری

Marfat.com

آمین ملائکہ کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے تو آمین کہنے والوں کے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں" (اور یہ انعام ہے آمین کہنے کا) (صحیح بخاری پارہ ۳ ص ۴۲۵، صحیح مسلم ج اول ص ۱۷۶، سنن ابی داؤد ج اول ص ۳۵۳، جامع ترمذی ج اول ص ۲۱۲، سنن نسائی ج اول ص ۴۷، سنن ابن ماجۃ ج اول ص ۶۱، سنن دارمی ص ۱۴۷، مسند امام شافعی ص ۵۶، ام امام شافعی ج اول ص ۹۴، مسند امام احمد ج اول ص ۲۰۴، منتقی ابن الجارود ص ۱۰۰، سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۵۷)

کتب احادیث میں اتنی احادیث بیان ہوئی ہیں کہ ان کا شمار کیا جائے تو باقاعدہ کتاب تیار ہو جائے اس پر پوری امت مسلمہ متفق ہے کہ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا چاہئے کیونکہ یہ سنت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہئے یا صرف مقتدیوں کو؟ آمین جہراً کہنا چاہئے یا سری طور پر؟

بات اگرچہ صاف تھی کہ جو شخص سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرے نماز میں یا نماز کے علاوہ سورۃ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہے۔ اگر وہ سورۂ فاتحہ کو جہراً پڑھے تو آمین بھی جہراً کہے اور اگر سری طور پر پڑھے تو آمین بھی سری طور پر کہے اور امام ہونے کی صورت میں جب نماز جہری ہو تو اس کی جہری رکعتوں میں فاتحہ جہراً پڑھے گا۔ تو مقتدی بھی امام کے وقفوں میں فاتحہ کو پڑھیں اور امام آخری وقفہ کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے اور مقتدی بھی امام کے ساتھ آمین میں شریک ہو جائیں تاکہ آمین سب کی بیک زبان ہو جائے۔ اور یہ اجتماعی صورت اپنے اندر بہت حکمتیں اور برکتیں رکھتی ہے۔

افسوس کہ اتنی صاف بات کو بھی اختلاف کی بھینٹ چڑھا دیا گیا اور اختلاف یہاں تک بڑھا کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر ہوئے۔ مناظرے قائم ہوئے شرطیں لگیں اور دونوں طرف سے فتح حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے اشتہار طبع کرائے گئے جن پر ایک دوسرے کو چیلنج پر چیلنج کئے گئے اور کئے جا رہے ہیں۔ الامین والحفیظ۔

یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ امت مسلمہ میں آج بھی کثیر تعداد جہری نمازوں میں امام و مقتدی سب پکار کر آمین کہنے والوں کی ہے اگرچہ ہمارے ملک پاکستان میں یہ لوگ اقلیت میں ہوں اس کا مشاہدہ حج کے موقع پر بیت اللہ اور مسجد نبوی میں کیا جا سکتا ہے جہاں پوری ملت اسلامیہ کے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ تاہم اس ملک میں ہمارے جو بھائی آمین پکار کر نہیں کہتے بلکہ دل ہی دل میں کہہ لیتے ہیں خواہ وہ امام ہوں یا مقتدی یا دل میں بھی نہیں کہتے ان کو یہ بات باور کر لینی چاہئے کہ جو لوگ آمین پکار کر کہتے ہیں وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتے جو خلاف سنت ہے لہٰذا ان کو آمین سے چڑ نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی پکار کر کہنے والوں کو دل میں کہہ لینے والوں سے جھگڑا کرنا مناسب ہے بلکہ اپنے عمل میں پختگی اور بلند ہمتی اصل چیز ہے اور اسی پر قائم رہنا ضروری ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

Marfat.com

آیاتہا ۲۸۶ (۲) سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ (۸۷) رکوعاتہا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

الف ـ لا .... م ـ می...... مٓ ـ ۱[۱]

یہ وہ موعود کتاب ہے جس میں شبہ کی گنجائش نہیں[۲]۔ جو متقی انسانوں[۳] پر سیدھی

حروف مقطعات

[۱] قرآن کریم میں انتیس سورتیں ہیں جن کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوتی ہے وہ سورتیں درج ذیل ہیں۔

(۱) البقرہ، ۲ (۲) آل عمران ۳، (۳) الاعراف ۷، (۴) یونس ۱۰، (۵) ہود ۱۱، (۶) یوسف ۱۲، (۷) الرعد ۱۳، (۸) ابراہیم ۱۴، (۹) الحجر ۱۵، (۱۰) مریم ۱۹، (۱۱) طٰہ ۲۰، (۱۲) الشعرا ۲۶، (۱۳) النمل ۲۷، (۱۴) القصص ۲۸، (۱۵) العنکبوت ۲۹، (۱۶) الروم ۳۰، (۱۷) لقمان ۳۱، (۱۸) السجدہ ۳۲، (۱۹) یٰس ۳۶، (۲۰) ص ۳۸، (۲۱) المومن ۴۰، (۲۲) حم السجدہ ۴۱، (۲۳) الشوریٰ ۴۲، (۲۴) الزخرف ۴۳، (۲۵) الدخان ۴۴، (۲۶) الجاثیہ ۴۵، (۲۷) الاحقاف ۴۶، (۲۸) ق ۵۰، (۲۹) القلم ۶۸۔

ان سورتوں میں جو حروف استعمال کئے گئے ہیں ان کا رسم خط اس طرح کا ہے۔

الٓمّٓ ـ الٓمّٓصٓ ـ الٓرٰ ـ الٓمّٓرٰ ـ كٓهٰيٰعٓصٓ ـ طٰهٰ ـ طٰسٓمّٓ ـ طٰسٓ ـ يٰسٓ ـ صٓ ـ حٰمٓ ـ حٰمٓ عٓسٓقٓ ـ قٓ ـ نٓ

اس رسم خط میں جو حروف ہجاء استعمال ہوئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

الف	حاء	راء	سین	صاد	طا	عین	قاف	کاف	لام	میم	نون	ہاء	یاء
ا	ح	ر	س	ص	ط	ع	ق	ک	ل	م	ن	ہ	ی

جو کل چودہ حروف ہیں۔

مفسرین کرام نے ان حروف کے متعلق مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اللہ کے بہت سے اسرار و رموز ہیں جن کی اطلاع کسی انسان کو نہیں دی گئی۔ یہ حروف بھی ان میں شامل ہیں۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ ان کے معانی رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہیں کیونکہ یہ اللہ اور رسول کے اسرار و خفایا ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں۔

Marfat.com

بعض نے ان کو متشابہات میں شمار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان میں گفتگو کرنا جرم عظیم ہے لیکن ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان کے مخصوص معانی تحریر کئے ہیں اور یہ اختلاف صحابہ کرامؓ سے شروع ہو کر آج تک بدستور چلا آرہا ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس میں اس طرح کی گفتگو کرنے کی گنجائش باقی تھی لہٰذا کسی گروہ کو مطعون کرنے کی ضرورت تھی نہ ہے بلکہ اس میں وسعت یہ ہے کہ کتاب و سنت اور حالات زمانہ نزول قرآن کی رعایت سے اب بھی کوئی نظریہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بات واضح ہے کہ قرآن کریم کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ دنیا کی ضلالت و گمراہی دور ہو۔ اور علم حق و عمل صالح کی قاہرانہ قوت نافذ ہو۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے اس امر کو تسلیم کر لیں کہ قرآن کریم کا ایک حصہ اگرچہ وہ بہت ہی کم ہو ایسا بھی ہے جس کے مطالب کوئی فرد بشر نہیں جانتا تو دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ قرآن کریم کا کوئی ایک جزو ایسا ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے یہ بیکار ہے حالانکہ قرآن کریم اپنی نسبت اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ وہ "ہدی للناس" ہے' "برہان" ہے' "بصائر" ہے' "نور" ہے' "بصیرت" ہے اور یہ کہ وہ "العلم" ہے اور دنیا کے پاس اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ظن ہے تخمین ہے اٹکل کی باتیں اور قیاسات ہیں لہٰذا یہ ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ حروف مقطعات کا علم کسی کو نہیں دیا گیا بلکہ اس کے برعکس یہ کہا جا سکتا ہے کہ حروف مقطعات وہ حروف ہیں جن کو زمانہ نزول کے امی اور ناخواندہ لوگ بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں ان میں اس کی مثالیں ہمیں دستیاب ہیں۔ جیسے

ع

قفلت لہا قفی فقالت لی ق

میں نے اس سانڈنی سوار عورت سے کہا کہ ٹھہر جا اس نے کہا قاف۔ (وقفت) یعنی میں ٹھہر گئی۔

اس طرح کی مثالوں سے ہمیں یہ یقیناً معلوم ہو جاتا ہے کہ عرب میں حروف مقطعات کا استعمال عام طور پر ہوتا تھا' اور عرب کے لوگ اس سے اجنبی نہ تھے اگر یہ کوئی جدت طرازی ہوتی تو ضرور تھا کہ سب سے پہلے وہی لوگ اس کی مخالفت کرتے کیونکہ ان سے بڑھ کر قرآن کا دشمن اور کون ہو سکتا تھا؟ تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس سے اس امر کی تائید ہو سکے کہ کسی عرب نے اس وقت اعتراض کیا ہو۔ لہٰذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ

الم ھذا و مثلہ من حروف الھجاء فی اوائل السور لیست بایت متشابھات ولا باسماء ولا افعال عند النحاۃ واھل التصریف انما ھی حروف تنبیہ واستفتاح تنبہ السامع والمخاطب علی ما بعدھا من الکلام وقعت فی اولہ و مدت صوتًا۔

Marfat.com

الم اور اسی طرح کے دوسرے حروف ہجاء یعنی حروف مقطعات جو کئی ایک سورتوں کے شروع میں آئے ہیں یہ نہ تو آیات متشابہات ہیں اور نہ ہی اسماء و افعال بلکہ یہ وہ حروف ہیں جو اہل زبان کے نزدیک سامع اور مخاطب کو متوجہ کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں تاکہ سامع آنے والی باتوں اور احکام کو اچھی طرح سمجھ کر سن لیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حروف کو لمبا لمبا کر کے ادا کیا جاتا ہے۔

قارئین سے التماس ہے کہ ان سورتوں کا بغور مطالعہ کریں جن کے شروع میں یہ حروف مقطعات بولے گئے ہیں تو آپ یقیناً ان میں ایسے احکام اور اسی طرح کے مضامین پائیں گے جن کے بیان کرنے سے پہلے واقعی سامعین کو متوجہ اور متنبہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فافہم و تتدبر

موعودہ کتاب

۲ اس سورت میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کے نازل کرنے کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام سے کیا گیا تھا اور اس میں ذرا شک و اشتباہ کی گنجائش نہیں' اس کی صداقت توراۃ کی حسب ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا' اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔" (الاستثناء ۱۸: ۱۸)

اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ۔

"اے اہل مکہ! تمہاری طرف سے ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ کو تمہارے کاموں پر اسی طرح گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور دریا میں غرق ہوا تم بھی اپنا انجام سوچ لو۔"

گویا کتاب کھولتے ہی فریقین یعنی تسلیم کرنے والے اور نہ تسلیم کرنے والے دونوں طرح کے لوگوں کو تنبیہ کر دی تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں اور دل کے کان کھول کر سن لیں۔

یہ کتاب الٰہی ہے اس کا ہر مضمون برحق اور اس کا ہر لفظ صدق ہے اس کا ہر دعویٰ مدلل ہے اس کی ہر حقیقت ثابت شدہ ہے اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے تو گناہ چشمہ آفتاب کا نہیں قصور شپرۂ چشمی کا ہے۔ سبحان اللہ!

یہی وجہ ہے کہ ارشاد یہ نہیں ہوا کہ اس کے بارے میں کسی کو شک و تردد لاحق ہی نہیں ہو گا بلکہ ارشاد یہ ہوا کہ خود یہ کتاب اس کے مضامین شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ "لَا رَیْبَ فِیْهِ" سے مقصود نفی ریب کی تاکید ہے اس لئے ترکیب کلام بجائے "لا فیه ریب" کے "لا ریب فیه" رکھی گئی کہ اس میں زور اس سے زیادہ تھا۔

Marfat.com

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ

راہ کھولنے والی ہے۔ ۲
متقی انسان وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ' نماز قائم کرتے ہیں اور ہم جو رزق

متقین کے لئے ہدایت ہے

۳ زندگی کے تمام کاموں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں ۔ بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں بعض بے پروا ہوتی ہیں۔ جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر کام میں سمجھ بوجھ کے قدم اٹھاتے ہیں۔ اچھے برے ' نفع و نقصان ' نشیب و فراز کا خیال رکھتے ہیں۔ جس کام میں برائی دیکھتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جس میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کر لیتے ہیں برخلاف اس کے جو لوگ بے پروا ہوتے ہیں ان کی طبیعتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں جو راہ دکھائی دے گی چل پڑیں گے جس کام کا خیال آجائے گا کر بیٹھیں گے۔ جو غذا سامنے آجائے گی کھالیں گے جس بات پر اڑ جائیں گے۔ اچھائی ' برائی ' نفع و نقصان ' دلیل اور توجیہ کسی بات کی بھی انہیں پروا نہیں ہوگی۔

جس حالت کو یہاں احتیاط سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کو قرآن کریم تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ "متقی" یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر و عمل میں بے پروا نہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے۔ برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے ' اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے ایسے ہی لوگ تعلیم حق یعنی قرآن کریم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں؟ "اما سدکت طریقًا ذا شوک؟" حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں! چلا ہوں۔ حضرت ابی نے کہا تو ایسی حالت میں آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں ابی نے کہا بس! یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔ فذلک التقوی۔

تقویٰ کے معنی اس طرح بھی بیان کئے گئے ہیں کہ "جعل النفس فی وقایته مما یخاف" ہر اس چیز سے بچنے کی کوشش کرنا جو اس کے لئے ضرر و نقصان کا باعث ہو اور "حفظ النفس مما یوثم" گناہ کی جانب دعوت دینے والی چیزوں سے پرہیز کرنا اور ان کے قریب نہ جانا۔

بہرحال ان تمام تصریحات نے بتا دیا کہ اس کتاب یعنی قرآن کریم میں ایسی ہدایتیں اور بصیرتیں موجود ہیں جن کو دیکھ کر متقی قبول کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ ان کی فطرت ہدایت و بصیرت ہی کو قبول کر سکتی ہے۔

Marfat.com

ہدایت و تقویٰ کی مزید تشریح

۵۴ قرآن کریم کے مطالعہ کے وقت اس کا اپنا بتایا ہوا وصف اول یعنی "ھدی" سے یہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ کوئی تاریخ کا دفتر نہیں جس میں سنہ اور ترتیب کے ساتھ پچھلے زمانہ کے حالات و واقعات درج کئے گئے ہیں نہ ہی یہ کوئی سائنس کی کتاب ہے کہ علوم طبیعی اور ریاضی کے مسائل کا حل اس کے اوراق میں تلاش کیا جائے۔

کوئی فلسفہ کا مقالہ نہیں کہ پڑھنے والے ظنون و نظریات ہی میں الجھے رہیں۔ کوئی افسانہ نہیں کہ قارئین دل بہلانے کے لئے اس کا مطالعہ کریں۔ اس کی اصل اور بنیادی حیثیت صرف یہ ہے کہ یہ ہدایت نامہ ہے' دستور حیات ہے مکمل و مفصل نقشہ زندگی ہے۔ پھر "لِلْمُتَّقِيْنَ" کی قید لگا کر صاف بتا دیا کہ اس قانون عام اور ہدایت تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر خوف الٰہی موجود ہو۔ کتاب ہدایت تو ساری دنیا کے لئے ہے خطاب سارے عالم سے کر رہی ہے لیکن عملاً اس سے نفع صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے اور جن کا ضمیر زندہ ہے۔ آفتاب اپنی جگہ عالم تاب سہی لیکن جن کی بصارت ہی ضائع ہو چکی ہو' ان کے لئے تیز سے تیز شعاع بھی بیکار ہے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بھی بے اثر ہے۔ غذا کتنی ہی بہتر کیوں نہ ہو ہیضہ کے مریض کے لئے کبھی مفید نہیں ہو سکتی بلکہ مضر ہی ہوگی۔ بس! قرآن کریم سے استفادہ کے لئے اولین شرط دل کے اندر کا تقویٰ ہے۔ ہو فی نفسہ ہدی ولکن لا ینالہ الا الابرار۔ (ابن کثیر)

صاحب تقویٰ کون لوگ ہیں؟

اس کے بعد دو آیتوں میں متقیوں کی مخصوص صفات و علامات بیان کر کے بتلا دیا ہے کہ یہ جماعت ہدایت یافتہ ہے انہی لوگوں کی اختیار کردہ راہ سیدھی راہ ہے۔ جس کو سیدھی راہ مطلوب ہو اس جماعت میں شامل ہو جائے ان کے ساتھ رہے۔ ان کے عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق کو اپنا نصب العین بنائے۔ ان دونوں آیتوں میں متقیوں کی پانچ صفات ذکر کی گئی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

i- ایمان بالغیب۔ ii- اقامت صلوٰۃ۔ iii- اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ iv- جو کچھ پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوا جو کچھ آپؐ سے پہلے نازل ہوا اس پر ایمان لانا اور جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا اس پر ایمان لانا۔
v- اور قیامت کے دن کو سچے دل سے تسلیم کرنا۔

i- ایمان بالغیب

۵۵ انسان کے علم و ادراک کا ذریعہ حواس خمسہ ہیں' یعنی دیکھنے' سننے' سونگھنے' چکھنے اور چھونے کی قوتیں۔ جو کچھ ان کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے اس کے لئے محسوس ہے جو ان کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا وہ

Marfat.com

غیر محسوس ہے' قرآن کریم نے اس مطلب کے لیے غیب اور شہادت کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عالم غیب وہ ہے جو غیر محسوسات ہے۔ عالم شہادت یعنی محسوسات۔ ارشاد ہوتا ہے کہ توحید الٰہی کی بنیاد یہ ہے کہ ان حقائق پر یقین رکھے جو اس کے لئے غیر محسوس ہیں لیکن وجدان ان کی شہادت دیتا ہے اور وحی الٰہی نے اس کی خبر دی ہے مثلاً اللہ کی ذات و صفات۔ ملائکہ کا وجود۔ وحی و نبوت' مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اور زندگی کے بعد موت پر موت کا لزوم' عذاب و ثواب' دنیا کی ابتدائی پیدائش اور عالم آخرت کے احوال و واردات وغیرہ۔

یعنی جس چیز کو ہمارے ظاہری اور باطنی حواس ادارک نہیں کر سکتے وہ غیب ہے۔ ارباب تقویٰ کی اولین خصوصیت یہ بتائی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر ہر اس چیز کو ماننے کے لئے تیار ہیں جس کو انہوں نے کسی طریق پر بھی محسوس نہیں کیا۔ گویا کہ درمیانی حجاب اٹھا دیئے جائیں تو ان کے یقین و اذعان میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوگا۔ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کا کہنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا دونوں برابر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی صحبت و ہم نشینی اور قرآن کریم کی تعلیم و تربیت نے ایسے ارباب طہارت پیدا کر دیئے ہیں جن کا طغرائے امتیاز یہی تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل و حجت کے رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری میں داخل ہوگئے اور اللہ پر ایمان لائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سینا سے توراۃ لے کر آتے ہیں بنی اسرائیل کو اس پر ایمان لانے کو کہتے ہیں لیکن وہ جواب دیتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (۲ : ۲۵) جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں ہم کسی طرح تمہارا یقین کرنے والے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے بہتر اور اشرف مخلوق انسان ہے اور پھر انسانوں میں بہتر اور اشرف انبیاء علیہم السلام تھے اور انبیاء علیہم السلام میں ارفع و اعلیٰ مقام ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمیں تسلیم ہے کہ آپؐ کا دائرہ ادراک بھی تمام انبیاء علیہم السلام سے بہت بڑا ہے اور ظاہر ہے کہ جتنا دائرہ ادراک بڑا ہوگا۔ اتنا ہی دائرہ غیب چھوٹا ہوگا تاہم وہ مخلوق ہیں اور مخلوق کے لئے غیب کا ہونا ضروری ہے عالم الغیب صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ اسے جب عالم الغیب کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو سب بندوں کے لئے غیب ہی ہوتی ہیں۔ "غیب" کی اضافت یہاں صرف بندوں کی جانب ہوتی ہے ورنہ حق تعالیٰ کے لئے تو جس طرح دور و نزدیک' آسان و دشوار' بڑا اور چھوٹا سب یکساں ہیں اور ان کے باہمی فرق بے معنی ہیں اسی طرح غیب و شہود بھی بالکل ایک ہیں۔

کوئی انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو تاہم ایک منزل پر پہنچ کر اس کے علم کی بھی انتہا ہو جاتی ہے اور دائرہ غیب اس کا شروع ہو جاتا ہے۔ غیب پر ایمان لانا تو زیر نظر آیت اور اس جیسی بے شمار آیات کریمات میں متقیوں کی سب سے پہلی علامت بیان کی گئی ہے۔ اب اگر خدانخواستہ کسی کو غیب ہے ہی نہیں تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا؟ انبیاء علیہم السلام تو متقی ہی نہیں بلکہ متقیوں کے سردار و پیشوا ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان اگر

Marfat.com

مغیبات اور مخفیات پر نہ ہو گا تو اور کس کا ہو گا؟ یاد رہے دین کا مغز کہئے یا ایمان کی روح۔ وہ یہی عالم غیب کا عقیدہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے کوئی چیز غیب و پوشیدہ ہے ہی نہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا مرتکب ہے اور آپ ؐ کی نبوت کا انکاری ہے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

اقامت صلوٰۃ

٦ لغوی طور پر صلوٰۃ کا لفظ دعا اور رحمت کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن کریم نے اس کو ایک اصطلاحی معنی کے لئے مخصوص کر لیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرز عمل سے اس کی تفسیر بیان فرما دی ہے اور اب اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ نماز ہے۔ یعنی نماز ادا کریں اس طرح کہ فرائض و واجبات، سنن و مستحبات کا اچھی طرح خیال ہو اوقات کی پابندی ہو اور تعدیل ارکان پیش نظر رہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سامنے رکھو کہ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ۔ یعنی نماز ادا کرو جس طرح کہ تم نے مجھے نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ آج جس کا خاکہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔

پھر اقامت نماز میں نماز کی تکمیل صوری و معنوی ہر طرح کی آگئی۔ کسی شئے کی اقامت کرنے کے معنی عربی زبان میں یہ ہوتے ہیں کہ اسے اسی طرح ادا کیا جائے جو اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق ایک جامع تشریح "یقیمون الصلوٰۃ" کی صاحب جلالین نے اپنے دو مختصر لفظوں میں کر دی یعنی "ای یاتون بھا بحقوقھا" ان دیکھے رب کے سامنے جھکنے، سر عبودیت خم کرنے، اس سے گہرا ربط و تعلق پیدا کرنے اور خود افراد امت میں باہم نظم و ضبط پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے اور سب سے بڑھ کر امام کی متابعت میں قومی زندگی کے لئے وہ سبق رکھا گیا ہے جس کو آج امت مسلمہ نے مکمل طور پر پس پشت ڈال دیا ہے۔ حالانکہ بدنی عبادتوں میں یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان و توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔ فرد کے لئے اسلامی نماز باجماعت کے جو اخلاقی، طبی، مادی فائدے ہیں نیز ملت اسلامیہ کے لئے جو معاشرتی، اجتماعی مصلحتیں ہیں، ان کی جھلک کہیں دور سے دیکھ کر یہود، مسیحی اور منکرین تک اس کے دلدادہ ہوگئے تھے اور ان کے اہل علم اپنی تحریروں میں بار بار اس کا ذکر داد و مدح کے لہجہ میں کر چکے ہیں۔

ذرا غور کریں کہ جب سورۂ مزمل نازل ہوئی اور "قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا" کا حکم ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں صرف رسول اللہ ﷺ ہی مخاطب تھے لیکن صحابہؓ بھی آپ ؐ کے ساتھ شریک ہوگئے۔ تمام شب یا شب کا اکثر حصہ اللہ کے حضور میں کھڑے رہتے اور یہ کھڑا ہونا تدبر و تفکر کا کھڑا ہونا تھا۔ یہ اس وقت کی حالت ہے جب کہ ابھی پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں جس وقت نمازوں کا حکم ہوا یعنی فرضیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے اپنے کاروبار، کام دھندے میں مصروف ہیں کہ "حیّ علی الصلوٰۃ" کے الفاظ کان میں پڑے اور سب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں آگئے۔ چنانچہ انہی کے متعلق کہا گیا کہ۔

Marfat.com

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

انہیں دیتے ہیں اسے ہماری رضا کے مطابق خرچ کرتے ہیں ؎ ۳

نیز وہ وہی لوگ ہیں جو اس حقیقت پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر اے پیغمبر

"رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ" (النور ۲۴ : ۳۷) یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام سنتے ہیں تو اس پر قربان ہونے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ان کو اپنی دلفریبیوں اور محبوبیتوں کا شیفتہ نہیں بنا سکتی۔ اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو یہ بات سمجھ لے کہ جس طرح میں اس وقت "حیّ علی الصلوٰۃ" کے الفاظ سنتے ہی مسجد میں آگیا ہوں ایسے ہی جب کبھی اسلام کو میری زندگی کی ضرورت ہو تو میں فوراً اپنے آپ کو پیش کر دوں اور کوئی چیز بھی میرے لئے رکاوٹ کا باعث نہ بن جائے۔ سوتے وقت ہر مسلمان اپنے ایمان و اسلام کو دیکھے کہ اللہ کے ساتھ میں نے جو عہد باندھا ہے اس میں کسی قسم کی کمی تو نہیں پیدا ہوگئی اور کیا میں اس کے نام پر اپنے آپ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں؟ اور پھر کم از کم یہ تو یاد رکھے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے "حاسبوا قبل تحاسبوا" یعنی ہر شخص اپنا خود محتسب بن جائے اور قبل اس کے کہ دوسرے لوگ اس پر حرف گیری کریں وہ خود ہی اپنے محبوب کو دیکھے اور اصلاح کرنے کی سعی کرے کہ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کا حکم میری نماز سے پورا ہو رہا ہے یا نہیں؟

iii - انفاق فی سبیل اللہ

؎ رزق کا لفظ کلام عرب میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں خواہ ظاہری و مادی ہوں مثلاً مال و جان اور اولاد یا معنوی اور روحانی ہوں مثلاً علم و حکمت اور فہم و فراست۔ اس جگہ بھی "رزقنھم" فرما کر ہر رزق کو اپنی جانب منسوب کر کے بتا دیا کہ جو نعمت، جتنی اور جس قسم کی بھی انسان کو ملتی ہے۔ سب اللہ ہی کے فیض و عطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ "ینفقون" متقیوں کی تیسری صفت ارشاد ہوئی ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے انہیں جو بھی ظاہری و معنوی نعمتیں عطا ہوئی ہیں انہیں اللہ ہی کے دین پر، حق کی راہ میں صرف کرتے ہیں اور اللہ کی مخالفت، عدوان اور عصیان میں صرف نہیں کرتے۔

متقیوں کی یہ تیسری صفت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ وہ دنیوی اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈال کر صرف اللہ کی رضا کے لئے سب کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں یہ دین کی خاطر جان و مال کی قربانی کرنا معمولی بات نہیں ہے جب تک کہ انسان کا معاشی نقطہ نظر بالکل ہی تبدیل نہ ہو جائے وہ اس بات پر آمادہ

Marfat.com

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ

اسلام! نازل ہوئی ہے[۵۸] اور ان تمام حقیقتوں پر بھی جو آپ سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہو

نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی ذاتی یا قومی اغراض سے بالاتر ہو کر محض ایک اعلیٰ درجے کے اخلاقی مقصد کی خاطر اپنا مال بے دریغ صرف کرنے لگے۔ مادہ پرست لوگ جو پیسہ حاصل کرنے کے لئے جیتے ہوں اور پیسے پیسے پر جان دیتے ہوں اور جن کی نگاہ ہر وقت نفع و نقصان کی میزان پر ہی جمی رہتی ہے کبھی اس قابل نہیں ہو سکتے کہ مقاصد عالیہ کے لئے کچھ کر سکیں۔ وہ بظاہر اخلاقی مقاصد کے لئے کچھ خرچ کرتے بھی ہیں تو پہلے اپنی ذات یا اپنی برادری یا اپنی قوم کے مادی منافع کا حساب لگا لیتے ہیں۔ اس ذہنیت کے ساتھ انسان اس دین کی راہ پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ جس کا مطالبہ یہ ہے کہ دنیوی فائدے اور نقصان سے بے پروا ہو کر محض اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اپنا وقت، اپنی قوتیں اور اپنی کمائیاں خرچ کرو۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں وسعت، حوصلے میں فراخی، دل میں کشادگی اور سب سے بڑھ کر خالص رضاء الٰہی کی طلب ہی ان کو اس راہ کی طرف لے آتی ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرنا چاہتے ہیں صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ان کا مطمع نظر ہے۔

۱۷۔ ایمان بالقرآن

۵۸ متقیوں کی چوتھی صفت میں ارشاد ہوا ہے "يُؤْمِنُونَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ" یعنی اے پیغمبر اسلام! یہ وہ لوگ ہیں جو سچائی تم پر نازل ہوئی ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ قرآن کریم کے طریق استدلال کا اولین مبداء تعقل و تفکر کی دعوت ہے وہ جابجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کے لئے حقیقت شناسی کی راہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام لے اور جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود کے باہر جو کچھ بھی محسوس کر سکتا ہے اس میں تدبر و تفکر کرے۔ آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کی کوئی سورت اور سورت کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو تدبر و تفکر کی دعوت سے خالی ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات ۵۱ : ۲۰، ۲۱)

اور یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں معرفت حق کی بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں؟

پھر رسول کی "حیثیت" کہ جو کچھ اس پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لانا ہی دراصل ایمان کہلانے کا مستحق ہے۔ اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتی ہے کیونکہ اس عبارت سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں

Marfat.com

يُوقِنُونَ ۞ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَ

چکی ہیں۹ اور آخرت کی زندگی کے لئے بھی ان کے اندر کامل یقین ہے۱۰۔ ۴

یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے راستے پر ہیں۱۱ اور یہی لوگ

الگ الگ ہیں۔ ایک کلام نازل کرنے والا یعنی اللہ۔ دوسرا وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا یعنی اللہ کا رسول اور تیسرا خود قرآن کریم۔ تاکہ دنیا والوں کو یہ جملہ واضح کر دے کہ بروز' تمثل' حلول اور وحدت الوجود کے عوامی مفہوم سب کے سب مشرکانہ و نیم مشرکانہ عقائد ہیں جن کی جڑ اس سے مکمل طور پر کٹ جاتی ہے۔ کیونکہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ نہ کلام متمثل ہوا ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کا اوتار انسانی قالب میں آیا ہے کہ وہ حقیقت میں اللہ ہی ہو' بلکہ رسول ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتا ہے اور پھر صرف یہی نہیں کہ یہ حیثیت اس خاتم الانبیاء کی ہے بلکہ ہر رسول جو بھی اللہ سے پیغام پا کر مبعوث ہوا سب کا یہی حال ہے کہ وہ نہایت ہی سچے انسان تھے نہ ان میں سے کسی نے اللہ میں حلول کیا اور نہ ہی اللہ ان میں سے کسی میں حلول کر گیا تھا۔

۷ - ایمان بالرسل و بالکتب

۹ متقیوں کی پانچویں صفت "وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ" یعنی وہ ان تمام سچائیوں پر ایمان رکھتے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے اس بات کو کس طرح صاف کر دیا کہ سلسلہ ارشاد و ہدایت کوئی نئی پیدا شدہ چیز نہیں بلکہ یہ تو اس وقت سے قائم ہے جب سے انسان نے دنیا میں قدم رکھا۔ یعنی سلسلہ وحی کی عمر اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسانیت کی اور ایمان کے لئے تصدیق صرف ختم المرسلین ہی کی کافی نہیں بلکہ سارے انبیاء و رسل کی تصدیق ضروری ہے اور اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ خود محمد رسول اللہ ﷺ کی' پھر صرف یہی نہیں بلکہ تمام سابق انبیاء میں سے کسی ایک کی تکذیب بھی سب کی تکذیب کے مترادف ہے۔

یہ جملہ ارشاد فرما کر ایک طرف تو محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے مبعوث ہونے والے سارے رسولوں کی حیثیت اور ان کے پیغامات کی تصدیق کرا دی اور دوسری طرف یہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت آنے والے رسول یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کو ختم کیا جا رہا ہے لہٰذا جس طرح پہلے رسولوں اور ان پر نازل کی گئی کتابوں پر ایمان لانے والے ہی متقین تھے ایسے ہی اب محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت ہو جانے اور آپ پر جو پیغام نازل ہو چکا ہے اس کے بعد کوئی پیغام اللہ کی طرف سے نہ آنے پر یقین رکھنا بھی متقیوں کی صفت ہے۔ وہ انسان کبھی متقی نہیں ہو سکتا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی کوئی نبی یا اللہ کی طرف سے کوئی پیغام آیا ہوا تسلیم

Marfat.com

کرے۔

کیونکہ اگر قرآن کریم کے بعد کوئی کتاب یا وحی بھی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں اور وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اور وحی پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری ہوتا بلکہ اس کی ضرورت اور بھی زیادہ تھی کیونکہ تورات و انجیل اور تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا تو پہلے ہی جاری اور معلوم تھا اگر نبی مکرم رسول معظم ﷺ کے بعد بھی سلسلہ وحی اور نبوت جاری ہوتا تو ضرورت اس کی تھی کہ اس کتاب اور اس نبی کا ذکر زیادہ اہتمام سے کیا جاتا جیسا کہ پیچھے ہوتا چلا آرہا تھا کہ جو بعد میں آنے والے ہوں ان کے متعلق کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ مگر قرآن نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء کا ذکر فرمایا لیکن بعد میں آنے والی کسی وحی یا نبی کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر صرف اس آیت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں یہ مضمون اول سے آخر تک بیسیوں دفعہ مختلف مقامات پر آچکا ہے۔ سب میں رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء پہلی وحی اور پہلی کتابوں کا ذکر ہے کسی ایک آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی یا نبی آنے والا ہے جس پر ایمان لانا ہے۔ یہاں اشارہ کر دیا ہے تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

vi ۔ ایمان بالآخرۃ

۱۰ زیر نظر آیات میں جو متقیوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے متقیوں کا یہ چھٹا اور آخری وصف بیان کیا گیا ہے۔ الاخرۃ سے مراد دارالاخرت یا عالم آخرت ہے یعنی وہ عالم جو موجودہ سلسلہ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اسے آخرت کہا ہی اس لئے جاتا ہے کہ وہ اس دنیوی زندگی کے خاتمہ کے بعد پیش آئے گا۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر کہیں دارالاخرۃ سے آیا ہے اور کہیں صرف آخرۃ سے۔ اس میں سب سے ضروری اور یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جزاء و سزا کے لئے ایک مستقل آئندہ عالم پر یقین رکھنا دین صحیح کے لوازم میں سے ہے اور اس سے تردید ہو جاتی ہے ان باطل مذاہب کی جو کہنے کو تو مذہب ہیں لیکن یا تو سرے سے جزاء اعمال ہی کے قائل نہیں یا قائل ہیں تو اس جزاء سزا کا محل و مکان اسی عالم موجود کو سمجھتے ہیں۔ خواہ ایک ہی قالب میں یا کئی کئی قالبوں میں۔ بعض جدید اہل باطل نے الاخرۃ کا ترجمہ کیا ہے "زمانہ آخر کی وحی" تاکہ اس سے ان کی خود ساختہ نبوت کا اجرا قرآن سے ثابت ہو۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ یہ ترجمہ ہے نہ تفسیر بلکہ یہ قرآن کریم اور عربی لغت دونوں کے ساتھ تمسخر و تلعب ہے جو متقیوں کے اوصاف سے بہت بعید ہے۔

قابل یادداشت امر یہ ہے کہ آخرۃ نام ہے ایک مجموعہ نظریات کا جس کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

یہ نظریہ ہونا کہ اس عالم دنیا کے مکمل خاتمہ کے بعد اللہ ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدائی زمانہ سے انتہائی زمانہ یعنی قیامت تک اس دھرتی پر پیدا ہوئی تھی بیک وقت دوبارہ پیدا کر دے

Marfat.com

گا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا مکمل حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

یہ نظریہ کہ آخری زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار اس دنیا کی خوش حالی اور بدحالی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں کامیاب وہی ہے جو اللہ کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے گا اور ناکام وہی اصل ناکام ہوگا جو وہاں ناکام ہوگا۔

یہ نظریہ کہ اللہ تعالیٰ کے آخری فیصلے میں جو کامیاب قرار پائیں گے وہ جنت کے اور اس کے انعامات کے مستحق ہوں گے اور جو ناکام ٹھہریں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور دوزخ کا عذاب انہی کے حصہ میں آئے گا۔

یہ نظریہ کہ دنیا کا موجودہ نظام یقیناً مبدل ہے لیکن اس کی تبدیلی کا وقت صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

یہ نظریہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کا اپنے مالک حقیقی کے سامنے جوابدہ ہے۔

یہ نظریہ کہ اللہ کے سوا اس دن کسی کا کوئی حمایتی اور بوجھ اٹھانے والا نہیں ہوگا اور اس دارالعمل میں جن لوگوں پر انحصار کر کے اس نے ارتکاب جرم کیا ہے اس کے ہرگز کام نہیں آسکیں گے۔

یہی گروہ کامیاب گروہ ہے

۱۱ ان سارے اوصاف کا جن کا ذکر متقیوں کے ضمن میں کیا گیا ہے ماحصل یہ ہوا کہ وہ لوگ ہیں جن کا ضمیر زندہ ہے اور ان کے دل خوف الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں۔ ان کا اعتقاد اس مادی دنیا سے بہت پرے یعنی عالم غیب پر ہوتا ہے جس کی اصل اور بنیاد حقیقی اللہ کی ذات ہے ان کے تعلق مع اللہ کا عملاً اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ یہ لوگ نمازوں کو ادا کرتے ہیں جس طرح کہ ان کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو یہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ ہی کی مخلوق پر صرف کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے برحق ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری معلم و ہادی ہونے اور قرآن کریم کے آخری کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہیں پھر اس کے ساتھ ہی پورے سلسلہ وحی اور نظام نبوت کی تصدیق کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلسلہ وحی کے ختم المرسلین ﷺ پر ختم ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کا کامل ایمان یوم آخرت یعنی روز جزا پر ہے اور اپنے ہر معاملہ میں اس کو یاد رکھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ ہی اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جو راہ راست پر ہیں وہی فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہوں گے۔ اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم کو بھی ان لوگوں میں شمار فرما۔

یہی وہ گروہ ہے جو کامیاب و کامران ہوا اور جس کا ذکر قرآن کریم میں مختلف پیرائیوں سے کیا گیا ہے قارئین کی سہولت کے لئے دو آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اس نیک گروہ میں شامل ہونے کا شوق پیدا ہو۔

Marfat.com

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ

دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی پانے والے ہیں۔ ۵

وہ لوگ جنہوں نے انکار کی راہ اختیار کی[۱۲] تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو وہ ماننے

ارشاد الٰہی ہے۔

الٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (لقمان ۳۱ : ۱'۵)

"الف لا...... م ی...... م اچھی طرح سن لو کہ یہ آیات کتاب حکیم یعنی قرآن کریم کی ہیں جس کی ہر بات حکمت سے بھری ہوئی ہے اور کوئی بات بھی حکمت سے خالی نہیں۔ یہ آیات سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والی ہیں اور حسن عمل کا طریقہ اختیار کرنے والوں کے لئے سراسر رحمت ہیں۔ جو لوگ نمازوں کو قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' جو جذبہ قربانی اور ایثار کو ان کے دلوں میں مضبوط کر دیتی ہے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں جس سے احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ جن لوگوں میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور آخرت میں فلاح و نجات یہی پائیں گے اور کامیاب و کامران رہیں گے۔"

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ (النمل ۲۷ : ۱'۳)

"طاس...... ن' خوب سن لو اور اچھی طرح یاد رکھو کہ یہ قرآن کریم اور کتاب الٰہی کی ایسی آیات ہیں جو اپنی تعلیمات' احکام اور ہدایات کھول کھول کر اور واضح طور پر بیان کرتی ہیں۔ دوسری صفت اس کتاب مبین کی یہ ہے کہ مومنوں کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی اور ہدایت کرنے والی اور سرتاسر بشارت و خوشخبری ہے۔ ایسے مومنین کے لئے آخرت میں سعادت عظمیٰ ہے جو پانچوں اوقات کی فرض نمازوں کو پورے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے غریبوں کو ان کا حصہ دیتے ہیں یعنی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور قیامت کی آمد پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔"

کفار کون ہیں؟

۱۲ ہر تحریک کے دور میں تین قسم کے لوگوں کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

i وہ جو اس تحریک کے حامیان کار ہوں۔

ii وہ جو مکمل طور پر اس کے مخالف اور نہ ماننے والے ہوں۔

iii ایسے لوگ جن کے تعلقات دونوں طرف موجود ہوں۔

Marfat.com

عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦

والے نہیں۔١٣ ٥ - ٦

بس! دوسری قسم کے لوگوں کو جو اسلامی تحریک کے سخت مخالف ہیں اسلام کی زبان میں کفار کہا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کافر یعنی انکار کرنے والے ہی کہا جائے گا۔ یہی لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جمے رہتے ہیں۔ ان کی استعداد قبول حق کے باب میں روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے۔ آیت میں خصوصی اشارہ یہود مدینہ کی جانب ہے ان کا کفر کفر جحود کی قسم کا تھا یعنی یہ نبی آخر الزمان کی بابت پیش گوئیاں اور ان کی علامات سے اچھی طرح واقف تھے اور پھر دانستہ جان بوجھ کر حق سے اعراض و اخفا کرتے تھے کہ اپنی دینی ریاست اور دنیوی سیادت میں فرق نہ پڑے۔ کفر کو سمجھنے کے لئے فطرت انسانی پر غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائے گا۔

فطرت انسانی کے متعلق اختلاف مذاہب

١٣ ٥ اب تک فطرت کے بارہ میں دنیا کے خیالات حسب ذیل رہے ہیں۔

الف۔ انسان کی فطرت میں بدی ہی بدی ہے' باہر کی تربیت اس کو عارضی طور پر خوشنما کر دیتی ہے' وہ خصائص فطرت کے اعتبار سے بالکل حیوان ہے لیکن تربیت پذیری کے لحاظ سے اس پر فوقیت رکھتا ہے درخت کی شاخیں متناسب نہیں ہوتیں لیکن ان کو کاٹ کر اور چھیل کر درست کر لیا جاتا ہے۔ ڈیوجانس کلبی اس فلسفہ اخلاق کا مشہور و معروف پیشوا گزرا ہے۔

ب۔ انسان کی فطرت بالکل سادہ ہے اس میں نہ نیکی ہے نہ بدی' وہ محض ایک منفعل' اثر پذیر اور نقش انگیز وجود ہے وہ ایک دامن ہے جس کے اندر گنجائش کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اس کو پتھر ملا ہے تو اس کو بھر لے گا' پھول ملے ہیں تو ان کو چن لے گا۔ حکماء یونان میں اس مذہب کا ایک دور رہ چکا ہے۔ اسلامی گروہوں نے بھی زیادہ تر اسی کی پیروی کی۔ آج یورپ میں بھی حکماء اخلاق کا ایک بڑا گروہ یہی کہتا ہے۔

ج۔ نیکی اور بدی انسان کی فطرت میں موجود ہے بالقوہ وہ شیطان اور فرشتہ دونوں ہے دنیا میں آکر جس قسم کے خارجی اثرات اس کو ملتے ہیں انہی کے مطابق اس کی کوئی ایک قوت نشوونما پاتی اور بروز کرتی ہے اگر نیکی کے اثرات ملے تو قوت ملکوتی ابھرے گی اور چمکے گی۔ لیکن اگر اس کے برخلاف بدی کا گردوغبار چھا جائے گا تو نیکی کی چمک ماند پڑ جائے گی اور بدی کی تاریکی پھیل جائے گی۔ دنیا کے قدیم و جدید دوروں میں اس مذہب نے سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ ارسطو کا یہی مذہب تھا۔ تقریباً تمام حکماء اسلام اس کے قائل نظر

Marfat.com

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ

ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے[۱۴] اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا

آتے ہیں۔ ابن مسکویہ اس کا داعی ہے۔ دور جدید کے حکمائے اخلاق نے اسی کے آگے اپنی گردنیں خم کی ہیں فخر الدین رازی نے اس مذہب کے مطابق تفسیر کی ہے۔ دیکھنے کا شوق ہو تو "وہدینا النجدین" اور "فالہمہا فجورھا و تقوھا" کی تفسیر دیکھیں۔

قرآن کریم کا فیصلہ

ف ۱۴ لیکن قرآن کریم نے ان سب سے الگ اپنی راہ نکالی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان خالص و کامل نیکی ہے۔ اس میں خیر کے سوا اور کچھ نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ اس میں برائی کمانے کی استعداد بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی جس قدر بھی برائی ہے وہ اس کا کسب خارجی ہے۔ نیکی اس کا فطری عمل اور بدی غیر فطری' خارجی اور یکسر صناعی ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو یہ فطرت ہے اگر بد ہے تو یہ تصنع ہے۔ قرآن کریم اسی کو فطرت صالحہ' دین الٰہی' دین قیم' دین حنیفی' صراط مستقیم' فطرت اللہ' صبغۃ اللہ اور اسلام کہتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ انسان کی اصل فطرت اسلام ہے اور کفر ایک صناعی اور غیر فطری عمل' اگر ایک انسان مسلم ہے تو اس کو یوں کہو کہ وہ اپنی اصلی فطرت صالحہ پر قائم ہے اس کی فطری روشنی نور دے رہی ہے لیکن اگر ایک انسان مسلم نہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ فطرت حقیقی کا چراغ بجھ گیا ہے اس کے اندر کا آئینہ زنگ آلود ہوگیا ہے گردوغبار کی کثافت نے اس کو سیاہ کر دیا ہے اور وہ فطرت کی صورت حقیقی کی جگہ ایک مسخ شدہ غیر فطری و مصنوعی جانور بن گیا ہے۔ معصیت سے یہ فطری آئینہ زنگ آلود ہوتا ہے اور کفر' زنگ آلودگی کی وہ آخری حالت ہے جب کہ آئینہ بالکل سیاہ ہوگیا اور ایک دھندلی سی چمک بھی اس میں باقی نہ رہی۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ (البقرہ ۲ : ۷) سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ (البقرہ ۲ : ۶) لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا (الاعراف ۷ : ۱۷۹) اُولٰٓـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ (الاعراف ۷ : ۱۷۹) جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ (الاعراف ۷ : ۱۷۹) میں اسی فطرت صالحہ کی پامالی اور ایک غیر فطری حالت مسخ و انقلاب کو واضح کیا گیا ہے۔

یہی معنی ہیں مسلم شریف کی اس حدیث کے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اپنی اصلی اور بے میل فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ اب باہر کی ہوائیں اس کے اندر کی روشنی کو تہ و بالا کرنے لگتی ہیں اگر یہودیت کے اثرات اس پر غالب آگئے تو یہودیت کا جھونکا اس کے چراغ فطرت کو گل کر دے گا۔ اگر نصرانیت یا مجوسیت کا طوفان اٹھا تو اس میں اس کی کشش

Marfat.com

فطرت ڈگمگانے لگے گی۔

جب اللہ نے ذریت انسان سے پوچھا "الست بربکم" کیا میں ہی تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو اس نے تصدیق کی اور "بلیٰ" کہا اب اگر تصدیق کی جگہ انکار کرتا ہے تو یہ اس کی فطرت کی صدا نہیں بلکہ ایک غیر فطری صنائی ہے۔

اسی فطرت صالحہ کا نام قلب سلیم ہے "اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ" جبکہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حضور میں فطرۃ صالحہ غیر آلود کے ساتھ حاضر ہوئے اسکی فطرت کو باہر کا کوئی بڑے سے بڑا جلوہ بھی مرعوب و ہیبت زدہ نہ کر سکا۔

لیکن یہاں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان سے عام قاری کو اشتباہ ہوتا ہے کہ جب اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگا دی تو ان کا قصور کیا رہا۔ حالانکہ یہ ایک پیرایہ بیان ہے تاکہ قاری ان تعلیمات کو سرسری نظر سے پڑھ کر چلتا نہ بنے بلکہ غور و فکر سے بھی کام لے تاکہ وہ کلام الٰہی کی خوبیوں سے واقف ہو سکے۔ یہاں جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ دین الٰہی کی اشاعت کے لئے آپؐ کے اندر اتنی تڑپ تھی دل چاہتا تھا کہ یہ کافر سب کے سب دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں تاکہ یہ جانوروں کی صف سے نکل کر انسانوں کی صف میں شمار ہوں لیکن یہاں یہ حقیقت آپؐ کو بتائی گئی ہے کہ آپ کچھ بھی کر ڈالئے ان کے حق میں سب یکساں ہیں۔ یہ بدبخت اپنی صلاحیت حق شناسی کو ضائع کر چکے ہیں لیکن آپؐ کا اجر تبلیغ بہرحال ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک خبر ہے جو خبیر مطلق اپنے بندہ کو دے رہا ہے ایک اطلاع ہے جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے۔ مرضی الٰہی سے ایک شائبہ تعلق بھی نہیں۔ "علم" اور "مرضی" کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عوام کے ذہن ان دو بالکل مختلف قانونوں کے درمیان خلط مبحث کر کے اپنے آپ کو عجیب الجھنوں میں ڈال لیتے ہیں۔ حالانکہ ذرا غور و فکر سے کام لیں تو کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔

غور کرو کہ طبیب حاذق اپنے علم کی رو سے مدتوں پیشتر خبر دے دیتا ہے کہ فلاں بدپرہیز' خود رائے مریض اچھا نہ ہو گا کیا اس پیش گوئی اور اس خبر میں اس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟ اس کافر کا ناقابل ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابل ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے اور ناقابل ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد اور مخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے اندر استعداد قبول حق رکھی ہے مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفس اور خود غرضی کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ ایک روز وہ استعداد فنا ہو جاتی ہے۔ چونکہ حق قبول کرنے یا نہ کرنے کے قانون کا خالق حقیقی اللہ ہی ہے اسی لئے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ وَمِنَ النَّاسِ

ہے[15] جس کے نتیجہ میں ان کے لئے عذاب جانکاہ لازم ہے[16]۔ ۷

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان

ہاں! یہاں ایک بات اور بھی یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ قلب یعنی دل سے مراد سینہ کے اندر جو ایک مضغہ گوشت ہے جو عام بول چال اور اصطلاح میں دل کہلاتا ہے وہ مراد نہیں بلکہ وہ دل مراد ہے جو محاورۂ زبان میں احساس، عقل، ارادہ سب کا مرکز ہے انسانی زبان میں دل اسی کو کہا جاتا ہے اور افعال ارادی کا صدور اسی سے ہوتا ہے اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل اس کے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا سبب۔ اس نے اپنے لئے جو کچھ اختیار کیا وہی اللہ تعالیٰ اسے بحیثیت علت العلل و مسبب الاسباب اپنے قانون تکوینی نہ کہ قانون رضا کے تحت دینے لگتا ہے۔

وحی الٰہی کا نزول کیوں؟

۱۵ شرائع الٰہیہ کا نزول اس لئے ہوتا ہے کہ انسان نے صناعی اور خارجی ضلالت کا جو زنگ فطرۃ صالحہ پر چڑھا لیا ہے اسے دور کر دے اور اس کی اصل روشنی پھر چمک اٹھے اسی لئے ہدایت الٰہی کو قرآن کریم نے "ذکر" اور کفر و ضلالت کو "نسیان" کہا ہے۔ نسیان کی انتہا غفلت ہے۔ اس کو قرآن نے منتہائے ضلالت قرار دیا ہے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا کی یہی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی جہاں ارشاد فرمایا اَلَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر ۵۹ : ۱۹) یعنی اپنی فطرت صالحہ کو بھول گئے کیونکہ فطرت صالحہ تو وہی تھی جس نے "بلیٰ" کہا تھا۔ یعنی اللہ کی ربوبیت اور اس کے رشتہ کا اقرار کیا تھا اب اگر وہ اس ہستی کے رشتہ کو بھلا رہے ہیں جس کے سامنے اصلی فطرۃ "بلیٰ" کہہ چکی ہے، تو اس رشتہ کو نہیں بھلا رہے بلکہ اپنی فطرت اصلی کو بھلا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قانون کی وضاحت قرآن کریم کے صفحات میں ان گنت مقامات پر کی ہے یہاں دو تین جگہوں کی نشاندہی کر دی جاتی ہے تاکہ قارئین جہاں کہیں ایسی آیات کریمات آئیں ان کا مفہوم وہی سمجھیں جو یہاں بیان کیا گیا ہے اور ہر بار تشریح کی ضرورت نہ رہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ (یٰس ۳۶ : ۸ تا ۱۱)

Marfat.com

"ہم نے گمراہی اور شیطان کی غلامی کے طوق ان کی گردنوں میں ڈال دیئے جو ان کی ٹھوڑیوں تک آگئے ہیں اور ان کے سر پھنس کر رہ گئے ہیں ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک ان کے پیچھے اس طرح ان کو ڈھانک دیا ہے لہٰذا وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اور ان کے لیے یکساں ہے آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور بن دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرے۔ سو ایسے شخص کو مغفرت اور باعزت اجر کی خوشخبری سنا دیجئے۔"

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (فاطر ۳۵ : ۱۸)

"اے پیغمبر اسلام! آپ صرف انہی لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہیں جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔"

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۴۸، ۵۰)

"اور دیکھو یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور وحی الٰہی کی روشنی اور متقیوں کے لیے نصیحت دی تھی۔ ان متقیوں کے لیے جو اپنے پروردگار کی ہستی سے بغیر دیکھے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آنے والی گھڑی کے تصور سے بھی لرزاں رہتے ہیں اور یہ قرآن کریم بھی نصیحت ہے برکت والی۔ ہم نے اسے نازل کیا پھر کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟"

جن لوگوں کی فطرت صالح مسخ ہو گئی ہے

ف ۱۶ پس جن لوگوں نے اپنی فطرت صالحہ کو مسخ کر لیا اور اس کی روشنی کو آندھی اور طوفان سے محفوظ نہ رکھا اس پر ظلمت اور تاریکی چھا گئی اور انسانیت سے نکل کر حیوانوں کے دائرہ میں داخل ہو گئے۔ اب ان کے لئے نبی و رسول کا انذار و عدم انذار برابر ہے، علم و معرفت حاصل کرنے کے تین ہی ذرائع تھے دل، آنکھ اور کان۔ مگر کفر کی زنگ آلودگی نے ان کے آئینہ کو بالکل سیاہ کر دیا اور ایک دھندلی سی چمک بھی اس میں باقی نہ رہی۔ اب اس کو جس قدر بھی عذاب دیا جائے گا کم ہے کہ انہوں نے اپنی تصدیق کو بھلا دیا جو ان کے اندر ودیعت کی گئی تھی۔ اس مضمون کو اللہ نے تصریف آیات کے ذریعے بہت اچھی طرح سمجھایا لیکن فی زمانا عوام تو عوام ہمارے علماء کرام بھی دل کی آنکھیں بند کر کے اور قفل لگا کر پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے :-

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا

Marfat.com

مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا

رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مومن نہیں۔[۱۷] ۸

وہ ایمان کا دعویٰ کر کے اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔[۱۸] حالانکہ وہ

عٰمِلُوْنَ (حم السجدہ ۴۱ : ۵)

”اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں تک تمہاری دعوت کے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ ہمارے دل اوجھل اور اوٹ میں ہیں اور تمہاری آواز حق سننے سے ہمارے کان بہرے ہیں اس لئے ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہو چکا ہے تم اپنا عمل جاری رکھو اور ہم بھی اپنے اعمال کرتے رہیں گے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں۔“

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ (الکہف ۱۸ : ۵۷)

”پھر بھلا اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا؟ جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی گئی ہو اور وہ اس سے اعراض کرے اور اپنے کئے کو بالکل بھول جائے کہ گویا اس نے کیا ہی نہیں' جن لوگوں نے ایسی روش اختیار کر رکھی ہے ہم نے اپنے قانون کے مطابق ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں وہ قرآن کی بات سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کرتے' اور ان کے کانوں میں گویا ثقل و گرانی ہے وہ کبھی نصیحت کی بات نہیں سن سکتے۔ آپ انہیں کتنا ہی خیرخواہانہ انداز سے راہ راست کی دعوت دیں وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔“

قَالُوْا سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

(الشعراء ۲۶ : ۱۳۶' ۱۳۸)

”ہودؑ کی دعوت سن کر من چلے سردار بولے تمہارا ہمیں وعظ و نصیحت کرنا نہ کرنا یکساں ہے کیونکہ ایسی باتیں خبطی لوگ ہمیشہ کرتے ہی آئے ہیں' تمدن اسی طرح ترقی کرتا رہا۔ اور دنیا کی گاڑی اسی طرح اپنی پٹڑی پر چلتی رہی کوئی آفت نہ آئی اور ہم پر بھی کوئی عذاب نہیں آئے گا یہ تمہارے سہانے خواب تمہیں کو مبارک ہوں۔“

منافقین کا گروہ

۱۷ اب تک قرآن کریم نے دو قسم کے انسانوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک مومن فرمانبردار' قانون الٰہی کے

Marfat.com

مطیع۔ دوسرے کافر، نافرمان، قانون الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسرے قسم کے لوگوں کا شروع ہو رہا ہے۔ حقیقت میں تو یہ بھی کافر و منکر ہی ہوتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے کفر و انکار پر مکر و فریب کا پردہ ڈال رکھا ہوتا ہے یعنی زبان پر دعویٰ اسلام رکھتے ہیں لیکن دل ان کے تصدیق نہیں کرتے۔ صرف زبان سے دعویٰ و اقرار کرتے ہیں جس میں قلبی تصدیق ہرگز شامل نہیں ہوتی۔ ان ننگ انسانیت انسانوں کو اصطلاح شریعت میں منافق کہا گیا ہے۔ نفاق کی حقیقت یہ ہے کہ انسان بھلائی کا اعلان و اظہار کرتا رہے لیکن اندر ہی اندر شر کو چھپائے رکھے اور جب موقع دیکھے شر کے پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے لیکن شر کے پھیلانے کا انداز ایسا اختیار کرے کہ ضرورت کے وقت وہ شر کو اپنی چرب زبانی اور چالاکی سے خیر ثابت کرنے کی پوری کوشش کرے یعنی اس منافقت کو تین اقسام میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

الف ۔ ظاہر ایمان کا اظہار ہو لیکن حقیقت میں وہ تمام ضروریات ملی کا منکر اور تعلیم الٰہیہ کا شدید دشمن ہو۔

ب ۔ فسق و فجور کی کثرت اور عدوان و ضلالت کا اثر اس درجہ غالب آگیا ہو کہ دنیا کو دین پر اور کفر کو اسلام پر ترجیح دے۔

ج ۔ ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے تذبذب اور اضطراب میں ہو۔

اگر آپ ان تینوں مراتب کو پیش نظر رکھیں گے تو کتاب و سنت کے تمام مقامات جو ان کے مختلف حالات بیان کریں گے مکمل طور پر حل ہو جائیں گے اور کسی آیت اور حدیث میں اختلاف معلوم نہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی علامتیں اس طرح بیان فرمائی ہیں : فرمایا "ہر بات میں جھوٹ کہے گا۔ ہمیشہ بدعہدی کرے گا۔ خائن اور بے ایمان ہوگا۔ جھگڑے کے وقت گالیوں پر اتر آئے گا۔"

منافقین کا سردار کون تھا؟

نفاق یعنی جھوٹا اظہار اسلام مکہ میں بالکل نہ تھا۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی وہ بھی خصوصاً غزوۂ بدر کے بعد جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونا شروع ہوگئی۔ اس وقت بعض لوگوں نے اپنے کو محض تقیۃً بلا شائبہ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس وقت اس پارٹی کا سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول ایک بااثر شخص تھا۔ وہاں کے لوگوں نے اسلام کی آمد سے پہلے اس کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ بادشاہی کی علامت یعنی تاج بھی تیار ہو چکا تھا۔ اس دور میں رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے۔ شہر کی تمام جماعتوں نے مل کر یہ طے کر لیا کہ آپ ہی ان کے تمام مناقشات و منازعات کا فیصلہ کریں۔ عبداللہ کے لئے اس وقت اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اپنی کمزوری کو محسوس کر کے خاموشی اختیار کرے، مخالفت کرنے کی طاقت نہ تھی یعنی کھلا کافر رہنا بھی اس کے لئے دشوار ہوگیا انجام کار اس نے بھی اسلام کا اظہار کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ مل گیا لیکن دراصل اس کی یہی کوشش رہی کہ ہو سکے تو مسلمانوں کا نام و نشان دنیا سے مٹا

Marfat.com

يُخَادِعُونَ اِلَّآ اَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي قُلُوبِهِم

خود ہی دھوکے میں پڑے ہیں اگرچہ اپنی جہالت کے سبب اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ۹

دیا جائے۔ اس کی چالوں اور چالاکیوں سے اسلام کا دفتر بھرا پڑا ہے اس کا تعلق بنو خزرج سے تھا لیکن اس کا اثر و رسوخ اپنے حریف قبیلہ بنو اوس پر بھی موجود تھا۔ یہ اپنے وقت کا بہترین سیاستدان اور ایک زمانہ کا مانا ہوا لیڈر تھا۔ اس نے جب اسلام کے قدم مدینہ میں جمتے دیکھے تو اس کو اپنی دکان اجڑتی نظر آنے لگی۔ اس نے ذرا دیر نہ کی اور اپنے پیروؤں کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ تم بھی زبان سے اس تحریک کے ساتھ وابستگی کا اعلان کر دو لیکن دل میں اپنے عقائد کو مزید پختہ کر لو اور وقت کا انتظار کرو۔ افسوس! کہ اسلام کے دعویٰ داروں میں آج بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں بلکہ اس ملک پاکستان میں تو دن دگنی رات چوگنی ترقی کرتے جا رہے ہیں جو مذہب اور سیاست کفر میں پیوند کاری کا کام سرانجام دے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس طرح کفر کا نام اسلام رکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دھوکہ دہیوں اور مکاریوں سے نجات دے۔

دھوکہ باز ہمیشہ خود دھوکے میں رہتا ہے

۱۸ یہاں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ دھوکا باز' مکاری کرنے والا اور فریب دینے والا ہمیشہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکا دیتا ہے کیوں؟ ظاہر ہے کہ اس کا یہ عمل کبھی اچھا نہیں ہو سکتا اور جب عمل اچھا نہ ہوا تو اس کا نتیجہ کیونکر اچھا ہوگا؟ عمل اور ردعمل یعنی عمل کا نتیجہ لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ اس کے نفاق سے نقصان کسی اور کا نہیں ہوگا خود اسی کا ہوگا۔ جو یقیناً آخرت میں عذاب کی شکل اختیار کرے گا اور دنیا میں بھی رسوائی و فضیحت اور منافقت کی پردہ دری ہوگی۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی رسم تاجپوشی ادا ہونے ہی والی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے رک گئی۔ اس کے باوجود اس نے ظاہری طور پر مسلمانوں کا ساتھ دیا دراصل اس کا خیال یہ تھا کہ لوگ گھر بار چھوڑ کر فقر و فاقہ کی حالت میں یہاں آئے ہیں جن کی پذیرائی ہماری قوم کے مختلف نوجوانوں نے کی ہے اس کی روک تھام کے لئے اپنے نوجوانوں کا ساتھ دینا ہی مناسب ہے آج نہیں تو کل سہی یہ لوگ خودبخود فنا ہو جائیں گے۔ اس نے اللہ کا دین سمجھ کر اسلام اختیار نہ کیا بلکہ مصلحت وقت دیکھی۔ یہی مصلحت وقت اس کا دھوکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ جو جہانبانی و جہانداری وہ چاہتا ہے اس کو حاصل کرنے کا اب یہی ایک راستہ ہے لیکن وہ یہ بھول گیا کہ جہانداری و جہانبانی کے لئے جن اخلاق فاضلہ کی ضرورت ہے اس کا یہ اقدام ہی اس کے خلاف ہے ظاہر ہے کہ اس کے اس فریب کا نتیجہ اسی کو ملنا چاہئے تھا جو انجام کار مل کر رہا کہ آج تک منافقین کے سردار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور رہتی دنیا تک اسی نام سے یاد کیا جائے گا۔ اور

Marfat.com

مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا

ان کے دلوں میں ایک روگ ہے [19] پس قانون الٰہی نے انہیں اور زیادہ روگی کر دیا [20]

اس کی آخرت کی بربادی کا ذکر بھی احادیث میں بڑی وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے اور انشاء اللہ سورۂ توبہ میں اس کا مفصل ذکر آئے گا۔

منافقین کے روگ کی حقیقت

۱۹ مرض اور بیماری کو کون نہیں جانتا؟ لیکن یہ دل کا روگ ظاہری امراض سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے مثل مشہور ہے کہ تلواروں کے گھاؤ بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم ہمیشہ تازہ رہتے ہیں کبھی نہیں بھرے جاتے بالکل اسی طرح ظاہری امراض بھی اگرچہ پریشان کن ہوتے ہیں تاہم ان کا علاج ممکن ہے لیکن دل کے مرض کا علاج سوائے اللہ کے ممکن ہی نہیں ہے یہ صحیح ہے کہ مرض اور بیماری اس کیفیت کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے اعتدال مناسب سے نکل جائے اور اس کے افعال میں خلل پیدا ہو جائے جس کا آخری نتیجہ ہلاکت اور موت ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں ان نفسانی کیفیات کو بھی مرض کہا جاتا ہے جو نفس انسانی کے کمال میں خلل انداز ہوں اور جن کی وجہ سے انسان اپنے انسانی اعمال سے محروم ہو جاتا ہے جس کا آخری نتیجہ بھی روحانی موت و ہلاکت ہی ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کو حالیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

کسی نے بقراط سے جا کے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا؟
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر ان کو سمجھائیں تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں یوں ہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

منافقین کا روگ کیسے بڑھتا ہے؟

۲۰ منافقین کے دل کے روگ کو ترقی دو طریقوں سے ہوتی رہی۔ ایک اس طرح کہ جوں جوں اسلام کو مزید غلبہ و اقتدار حاصل ہوتا گیا ان لوگوں کے دل کی دھڑکن اور جلن بڑھتی گئی اور دوسرا اس طرح کہ کلام

Marfat.com

كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي

ہے ان کے لئے عذاب جانکاہ لازم ہے اس لئے کہ وہ اپنے دعوی میں سچے نہیں[ف۲۱]۔ ۱۰
جب ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے[ف۲۲] کہ ملک میں خرابی نہ پھیلاؤ یعنی بد عملیوں سے

الٰہی کی ہر آیت کے نزول کے ساتھ ان کے غیظ و غضب میں اور اضافہ ہوتا گیا۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کی وہ افسوسناک حقیقت سے کون ہے جو واقف نہیں؟ اور کلام الٰہی نے جس طرح ان کی چالوں اور مکاریوں کو واشگاف کیا اور جس انداز میں ان کو للکارا اس کی صدائیں آج بھی سورۃ الانفال، سورۃ توبہ اور المنافقون میں محفوظ ہیں۔ قرآن کریم نے "فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا" ارشاد فرما کر گویا اس بات کا اعلان کر دیا کہ آگے جس فعل کا ذکر آرہا ہے وہ محض بطور ثمرہ یا نتیجہ پیدا ہوا ہے ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی۔ ہوا صرف یہ ہے کہ اللہ کا قانون مشیت ایسا واقع ہوا ہے جس سے ان بدنصیبوں نے اپنے مرض کے بڑھانے کا کام لیا ہے تو وہ بڑھتا ہی گیا ہے۔ ورنہ اگر وہ اپنی عقل و ارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہی اسباب سے جو ان کو پیش آئے وہ ہدایت بھی پا سکتے تھے۔

منافقت کی سزا کفر کی سزا سے بھی سخت ہے

ف۲۱ مطلب واضح ہے کہ انہوں نے اپنے مومن ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا جس کے سبب قانون الٰہی کے عین مطابق ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ عذاب کی یہ صورت وہ ہے جو مطلق کفر کے بدلہ میں عذاب دیئے جانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ مطلق کفر کے بدلہ میں عذاب عظیم تھا اور منافقت کے بدلہ میں عذاب الیم ارشاد فرمایا یعنی دکھ دینے والا جس میں تکلیف و اذیت کا پہلو اس سے بھی زیادہ نمایاں ہے اس سے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ہر منافق قانون الٰہی میں یقیناً کافر ہوتا ہے لیکن ہر کافر منافق نہیں ہوتا۔ منافقت کفر سے ایک درجہ بڑھ کر ہے اسی وجہ سے اس کا عذاب بھی کفر سے سوا ہے اللہ تعالیٰ اس بیماری سے بچائے۔

ایسے منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرز خطاب بھی مطالعہ کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تعلیم الٰہی کا یہ طرز کوئی نیا طرز بیان نہیں بلکہ پہلے سے چلا آرہا ہے اور سب ایک ہی چشمہ ہدایت سے نازل شدہ ہیں۔

"تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی بھری قبروں کی مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہوئی ہیں۔" (متی ۲۳ : ۲۷)

Marfat.com

الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۞ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

باز آجاؤ تو وہ جواباً کہتے ہیں ہم تو سنوارنے والے ہیں ہم بد عمل کہاں ہیں؟ ۲۳ ۱۱

"جو اولیاء کی صحبت میں منافقت کے ساتھ رہتے ہیں خدا انہیں غارت کر کے رہے ---------- جو کوئی منافقت برتے خدا کرے چیل کوے اس کی آنکھیں نکال کر رہیں۔" (تالمود ۶ ص ۵۱۴)

"جو کوئی منافقت برتتا ہے وہ غضب خداوندی دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم ہے۔" (تالمود ص ۱۰۷)

سچ سچ ہی ہے خواہ کوئی کہے

۲۲ "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ" اس قول کا قائل کون ہے؟ قرآن کریم نے واضح نہیں کیا اور اس کی وضاحت نہ کرنے میں ایک خاص راز پوشیدہ ہے وہ یہ کہ جب تم سے کوئی بات کہی جائے تو اس بات پر غور کرو' اس کو اچھی طرح سمجھو اور یہ چیز اپنی عادت میں پختہ کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ بات سنتے ہی تم کہنے والے کی تلاش میں لگ جاؤ۔ کیونکہ سچ ہمیشہ سچ ہی ہے خواہ اس کا کہنے والا کوئی ہو اور جھوٹ ہمیشہ جھوٹ ہی ہے خواہ اس کا کہنے والا کوئی ہو۔ اس حقیقت کو یاد رکھو کہ سچ قبول کرنا ہے اور جھوٹ سے اجتناب کرنا ہے۔ ہاں! اللہ اور اس کے رسول ہمیشہ سچ ہی کہنے والے ہیں ان کی طرف کسی جھوٹ کی نسبت ہو تو فوراً سمجھ جاؤ کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی بات نہیں۔ اگر یہ اصول تم نے یاد رکھا تو اسلام کا سمجھنا تم پر آسان ہو گیا۔

اصلاح و افساد

۲۳ اصلاح و افساد دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ضدین کبھی ایک نہیں ہوتیں اگرچہ وہ مخلوط ہوں۔ نور و ظلمت دست و گریباں ہیں۔ خیر و شر ہم آغوش ہیں اور ایک دوسرے کو مستلزم۔ جس چیز کو ایک اصلاح کہتا ہے' دوسرا اسی کو افساد کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اس لئے آئے ہیں کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ ظلم سے نجات دلائیں لیکن فرعون اسی کو افساد کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ باوجود اس اختلاط و التباس کے ان دونوں میں ایک حد فاصل ضرور ہے یہی بات زیر نظر آیت میں بیان کی گئی ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے اس کی حقیقت متعین کر دیں تاکہ بات بالکل واضح ہو جائے اور اس تفسیر میں بار بار اس موضوع پر تفصیل کی ضرورت نہ رہے۔

الف ۔ جزئیات اصلاح و افساد اور ان کے آثار و علامات۔

قرآن کریم نے ان جزئیات کو بہت ہی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن یہاں اختصار کے ساتھ چند

Marfat.com

اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ اصل مقصود تفہیم ہے۔

۱۔ ایک چور چوری کرتا ہے۔ ایک کا گھر برباد ہوا؟ لیکن خود چور کا گھر آباد ہوگیا۔ اس لئے یہ افساد بھی ایک دوسری صورت میں اصلاح ہے گویا اصلاح و افساد مخلوط ہوگئے بایں ہمہ اس کو اس چور کے سوا ہر شخص افساد کہتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ چوری درحقیقت افساد ہے اصلاح نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر جب مصر میں پیمانہ کی چوری کا الزام لگایا گیا تو انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم' تم لوگ جانتے ہو کہ ہم اس لئے یہاں نہیں آئے کہ زمین میں فساد کریں اور ہم چور نہیں۔" مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ۔ (یوسف ۱۲ : ۷۳)

۲۔ ایک شخص اس سے بھی ترقی کرتا ہے اور محدود چوری کی جگہ ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اس سے اگرچہ لٹنے والے بالکل لٹ جاتے ہیں مگر لوٹنے والوں کا گھر مال و دولت کی کان بن جاتا ہے۔ ایک شخص غیر فطری طریقوں سے لذت نفسانی حاصل کرتا ہے اور اس کو اپنے نفس کی بھلائی اس میں نظر آتی ہے وہ اس کو فلسفہ عیش و آرام کے لقب سے یاد کرتا ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ کیسا مفسدانہ فلسفہ عیش و آرام ہے جو حفظ صحت کو۔ نسل کو' مال و دولت کو اور انسان کے قوائے طبعی کو یکسر برباد کر دیتا ہے۔ ان دونوں بیماریوں کا ذکر قرآن میں اسی طرح ہے۔

"تم وہ لوگ ہو کہ خلاف وضع فطری فعل کے مرتکب ہوتے ہو' ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی مجلسوں میں بداخلاقیوں کے کام کرتے ہو۔" (العنکبوت ۲۹ : ۲۸)

انہی نتائج مہلکہ کے لحاظ سے اللہ کا رسول بے اختیار ہو کر اللہ سے التجا کرتا ہے کہ "اے اللہ! اے میرے رب! مجھ کو فساد برپا کرنے والے لوگوں پر نصرت عطا فرما۔ "رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ" (العنکبوت ۲۹ : ۲۹)

۳۔ ایک حکومت ایک قوم کی حریت و آزادی سلب کر لیتی ہے۔ اس سے غلاموں کی طرح خدمت لیتی ہے۔ اس کی قوتوں کو فنا کر دیتی ہے اس کی اخلاقی طاقت کو برباد کر دیتی ہے۔ اس حکومت کا یہ عمل باطل اور یک قلم سرچشمہ فساد ہے۔ لیکن وہ کہتی ہے کہ میں اپنی قوم کی اصلاح کر رہی ہوں اور اس کی اصلاح و عروج کے لئے دوسری قوم کو اپنا غلام بنایا ہے۔ جو شخص اس حکومت کے خلاف جہاد کرتا ہے وہ اس کو مفسد قرار دیتی ہے۔ لیکن تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ اس کو کیا کہتا ہے۔

"فرعون نے مصر میں سرکشی کا بڑا ہی سر بلند کیا تھا اس نے رعایا کو کمزور کرنے کے لئے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ ان میں سے ایک گروہ کو زیادہ ہی کمزور کرنا چاہتا تھا وہ ان کے بچوں کو ذبح کرتا' ان کی عورتوں کو بے عصمتی کے لئے چھوڑ دیتا۔ بلاشبہ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔" اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص ۲۸ : ۴)

Marfat.com

قرآن کریم نے مفسدین کی کوئی خاص دنیوی علامت نہیں بتائی جو ان کے اعمال کی عکسی تصویر ہو لیکن چونکہ مفسدین منافقین ہی کے گروہ کے افراد ہوتے ہیں اس لئے وہ صرف اپنے اعمال ہی سے شناخت کئے جا سکتے ہیں۔ فساد دراصل تیرگی خالص کا نام ہے اور تاریکی میں صرف تاریکی ہی نظر آتی ہے۔

اب اصلاح کی بعض امثلہ و نظائر ملاحظہ کریں۔

۱۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ ارباب اصلاح جو کام کرتے ہیں صرف اپنے نور ایمان کی ہدایت سے کرتے ہیں ان کو کسی طرح کی ترغیبات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

"جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور صالح عمل اختیار کرتے ہیں تو اللہ ان کے ایمان کی روشنی کو ان کے لئے شمع ہدایت بنا دیتا ہے ان کے لئے نعمتوں سے بھری ہوئی جنت ہے اور اس کی نہروں کی روانی کا نظارہ بھی۔"

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ (یونس ۱۰ : ۹)

۲۔ مصلحین میں ہمیشہ باہم محبت و یگانگت ہوتی ہے باہمی پھوٹ اور نفاق صاحب اصلاح گروہ میں نہیں ہو سکتا۔ اس وقت کے علمائے امت کو بھی اس روشنی میں اپنا مطالعہ کرنا چاہئے کہ وہ کس گروہ کے افراد ہیں اور کیا کر رہے ہیں اصلاح یا افساد؟ ارشاد ہوتا ہے۔

"جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالح کر کے پکے مسلمان بن گئے' عن قریب اللہ جو نہایت ہی رحم کرنے والا ہے ان کے لئے محبت کے دروازے کھول دے گا یعنی وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں گے۔"

سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ (مریم ۱۹ : ۹۶)

۳۔ عمل صالح انسان کے دل کو سنوارتا ہے اس لئے پچھلے گناہوں کا جو داغ دل میں ہوتا ہے اس کو بھی مٹا دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے۔

"اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں' اعمال صالح کرتے ہیں اور قرآن کریم پر جو ان کے رب کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل کیا گیا اور ان کے لئے حق کا پیغام ہے' یقین لاتے ہیں سو وہ اچھی طرح جان لیں کہ ان کے تمام گناہ مٹ گئے اور ان کے دلوں کو سنوار دیا گیا۔" (محمد ۴۷ : ۲)

ان مثالوں سے واضح ہوگیا کہ اعمال صالحہ کی حالت اعمال مفسدہ سے بالکل مختلف ہے۔ وہ زندگی' طاقت اور صحت ہیں اس لئے زندگی ہی کے نتائج کا ان سے ظہور ہوتا ہے وہ روشنی ہیں اس لئے روشنی ہی کے تمام آثار و علامات اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔

ب۔ اصلاح و افساد یا خیر و شر دنیا میں مخلوط ہیں اور ان کے سرے آپس میں ملے ہوئے ہیں لیکن تاہم اصلاح افساد پر' خیر' شر پر کمیت و کیفیت کے لحاظ سے غالب ہے یعنی بلحاظ حقیقت کے بھی' بلحاظ وجود کے بھی اور پھر بلحاظ نتائج کے بھی۔

Marfat.com

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ

یاد رکھو یہی لوگ دراصل خرابیاں پھیلانے والے ہیں[۲۴] اگرچہ جہالت و سرکشی کے باعث اس کا شعور نہیں رکھتے[۲۵]۔ ۱۲

مفسدین و مصلحین کی صفیں تمہارے سامنے ہیں۔ تم نے اصلاح کو افساد سے، نور کو ظلمت سے اور پھول کو کانٹوں سے الگ کر کے دیکھ لیا لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ کاغذ کے صفحات پر تو ان کو الگ الگ کیا جا سکتا ہے صفحہ ارض پر ان کی بزم آرائی نہیں ہو سکتی۔ ایک ایسی حالت کو بیان کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرشتوں نے خلقت آدم پر اعتراض کیا اور بظاہر آدمؑ نے جنت ہی میں ان کے اعتراض کی تصدیق بھی کر دی۔ لیکن تم کو صرف آدمؑ کے اس عمل ہی کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ اس کا دوسرا عمل بھی بصیرت میں رہنا چاہئے جس کے نتیجہ کا اعلان بھی ساتھ ہی کر دیا گیا۔ صحیح ہے کہ آدمؑ سے بھول ہو گئی جس کے نتیجہ میں اس کا بنا بنایا گھر اجڑ گیا لیکن تم نے دیکھا اس افساد کی اصلاح اس نے کتنی جلدی کی اور اس تخریب نے کیا تعمیر کیا؟ ہاں! ایک بہت بڑا عالم کھڑا کر دیا جس میں اس کی اولاد چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ اس لئے آدمؑ کا یہ گناہ یعنی نسیان ذات خود فرشتوں کے اعتراض کی تصدیق نہیں کرتا بلکہ یہ اس کا عملی جواب ہے۔ اللہ نے ان کو دکھا دیا کہ وہ فساد فساد نہیں ہوتا جس کا فاعل اپنے فساد کو تسلیم کر لے اور اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھ لے۔

ج ۔ اصلاح و افساد کے درمیان ایک حد فاصل ہے جو ایک کو دوسرے سے بالکل جدا جدا کر دیتی ہے۔ تاہم مفسد نے کبھی اپنے فساد کا اقرار نہیں کیا بلکہ مفسد کہتے ہی اس کو ہیں جو فساد کو اصلاح کا نام دے کر اصلاح اصلاح کا شور مچائے تاکہ لوگ اس کے دام تزویر میں پھنس جائیں۔

خبردار ہو جاؤ

۲۴ "الا" کلمہ تنبیہہ ہے جس طرح اردو میں "خبردار ہو جاؤ" "آگاہ رہو" "یاد رکھو" کے الفاظ بولے جاتے ہیں اسی طرح اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے عربی میں "الا" کا استعمال ہوتا ہے۔ لفظ "اجی" بھی اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔

کیا کہنا ہے ان کی مسخ شدہ ذہنیت کا! سیاہ کو سفید کہہ رہے ہیں اور تاریکی کو روشنی کا نام دے رہے ہیں ڈھیٹ اتنے ہیں کہ ان کو اپنی اس جہالت کا ذرا احساس بھی نہیں۔ یہ وہی بات ہوئی کہ "چور بھی کہے چور چور۔"

Marfat.com

لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی راہ اختیار[26] کرو جس طرح اور لوگوں نے اختیار کی ہے[27] تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ بیوقوف ایمان لائے ہیں[28]؟ یاد رکھو اے پیغمبر اسلام! درحقیقت یہ لوگ خود بیوقوف ہیں

شعور کیا ہے؟

۲۵ ہر انسان کے اندر ایک طاقت و قوت ایسی موجود ہے جو صحیح اور غلط، ماں اور بیوی میں امتیاز کر دیتی ہے اس طاقت و قوت کا نام شعور ہے قرآن کریم کہتا ہے کہ اصلاح و افساد کا انحصار زبانی دعووں پر نہیں ہے۔ آپ غور کریں کہ کوئی چور ڈاکو بھی اپنے آپ کو مفسد کہنے کو تیار نہیں۔ بلکہ مدار کار اس کام پر ہے جو کیا جا رہا ہے وہ فساد ہے تو کرنے والا یقیناً مفسد ہے خواہ وہ تسلیم کرے یا نہ کرے جب کوئی مفسد افساد کا نام اصلاح رکھ دے تو یہی کہا جائے گا کہ اس کے شعور کا جنازہ نکل چکا ہے۔

صرف دعوئ اسلام، اسلام نہیں

۲۶ ظاہر ہے کہ ایمان کا دعویٰ تو وہ پہلے ہی رکھتے ہیں جب انہوں نے یہ کہا ہے کہ "نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ" ہم گواہی دیتے ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اب اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ کہنے والوں کا مطلب یہ تھا کہ سچے دل سے ایمان لاؤ، دیانت اور راستی کے ساتھ رسول کی رسالت کو تسلیم کرو۔ صرف کاغذی مسلمان نہ بنو کہ کاغذات میں تمہارا مذہب اسلام لکھ دیا گیا یا تم نے لکھوا لیا تو تم مسلمان ہو گئے۔

منافقین انسانیت سے عاری ہوتے ہیں

۲۷ كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ "جیسا کہ دوسرے لوگ ایمان لائے" جن لوگوں سے خطاب ہے یعنی منافقین وہ ان اہل ایمان کو جانتے اور پہچانتے ہیں تب ہی ان کو یہ کہا جا رہا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ "الناس" سے مراد انسان کامل ہیں اور اس سے مراد یہ ہوگی کہ ایمان ان کی طرح لاؤ جو صفت انسانیت میں کامل ہیں اور واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہیں جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جو منافقین و منکرین ہیں وہ صورۃً" انسان ہیں لیکن حقیقتہً" اپنی ناسمجھی کے لحاظ سے چوپائے یا

Marfat.com

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

اور اپنی حالت کا صحیح علم نہ ہونا ہی ان کی بیوقوفی کی علامت ہے[۲۹]۔ ۱۳

جب یہ لوگ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو دعوت حق قبول کر چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے[۳۰] لیکن جب اپنے سرغنوں[۳۱] کے ساتھ مخصوص مجالس میں بیٹھتے ہیں تو

حیوان ہیں کیونکہ جس چیز کا نام انسانیت ہے اس سے یہ لوگ عاری ہیں۔

منافقین کا طنز

ف ۲۸ "کَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ" کہہ کر منافقین نے گویا طنز کیا ہے اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں پر یعنون اصحاب النبی (ابن جریر) یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ پر۔

سفاہت کہتے ہیں کوتاہ عقلی اور ناعاقبت اندیشی کو۔ منافقین اپنے آپ کو ارباب فہم و فراست خیال کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بیوقوف کہتے ہیں' کیوں؟ اس لئے کہ مسلمانوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن عزیز کو' خویش و اقارب کو اور مال و جائیداد کو قربان کر دیا اس لئے وہ ان کی نظر میں بے وقوف سمجھے گئے ذرا غور کریں تو آج بھی ان "ترقی پسندوں" اور "روشن خیالوں" کے دربار سے "جمود پسند" اور "رجعت پسند" جیسے خطابات نیک لوگوں اور پکے مسلمانوں کو ملتے رہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں بے وقوف وہ شخص ہے جو علم کی پروا نہیں کرتا' اخلاق کی جانب سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور فضائل و محاسن کے کسب و حصول کی ضروریات محسوس نہیں کرتا۔

کیا احمق نے کبھی حماقت کا اعتراف کیا ہے؟

ف ۲۹ نو دو کتنے ہوتے ہیں؟ ایک جواب دیتا ہے گیارہ' اور دوسرا کہتا ہے سات۔ جواب کس کا صحیح ہے؟ ساری دنیا کہے کہ پہلے کا جواب درست ہے لیکن دوسرا اس کو تسلیم نہ کرے تو؟ بس سمجھ لو کیا ٹھکانہ ہے ان کے حمق و نافہمی کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہتے رہے۔ اب حمق بالائے حمق یہ ہے کہ عقل و دور اندیشی اور حکمت کو بے عقلی ٹھہرا رہے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں "جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔" "پھانسی کا پھندا اسی کے گلے میں ڈال دو جس کو فٹ آئے۔" ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ زور آور بھی ہیں اور بیوقوف بھی۔ پھر بیوقوف اگر اپنی بیوقوفی سمجھ لے تو وہ بیوقوف کیسے ہوا؟

Marfat.com

مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ۝۱۴ اللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ

ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہمارا اظہار ایمان تو مسلمانوں سے ایک قسم کا تمسخر ہے۔ ۳۲ ۱۴

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود انہی کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کہ اللہ کے قانون

منافقین کا اظہار ایمان

ف ۳۰ "اٰمنّا ہم ایمان لائے" یہ بات منافقین دراصل ذی اثر مسلمانوں کی دلجوئی اور خوشنودی کے لئے کہتے۔ ان لوگوں کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے' اتراتے رہتے لیکن مسلمانوں میں جو لوگ صاحب ثروت' صاحب اثر و اقتدار ہوتے ان کے سامنے فوراً گھٹنے ٹیک جاتے اور اظہار ایمان کا بار بار اقرار کرتے۔ بات شروع کرتے ہی ایسا انداز اختیار کرتے کہ وہ لوگ سمجھیں کہ یہ لوگ دین اسلام کے گویا ستون ہیں؟ اس طرح کی حرکات سے وہ دوہرا فائدہ اٹھاتے۔ ایک یہ کہ صاحب اثر لوگ ان کو اپنا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھیں اور دوسرا فائدہ یہ کہ اس طرح سے وہ مسلمانوں کے خاص رازوں سے واقف ہوں تاکہ وقت آنے پر ان کو گزند پہنچا سکیں۔ گویا یہ "ایک پنتھ دو کاج" کی مثل پر عمل کرتے۔

منافقین کی خاص مجلسیں

ف ۳۱ منافقین کا دعویٰ اسلام تو جو کچھ تھا اس کا بیان تو ہو ہی رہا ہے۔ ایک عادت ان کی یہ بھی تھی راتوں کو سب خاص جگہوں پر اکٹھے ہوتے رہتے اور ان کے یہ اجتماعات ان کے خاص خاص سرغنوں کے ہاں ہوتے تھے۔ انہی سرغنوں کو قرآن کریم کی زبان میں "شیاطین" کہا گیا ہے۔ شیطان کا لفظ عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ ہر سرکش اور بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں۔ انسان' حیوان' جن' حشرات الارض' ڈنگر ڈھور' کیڑے مکوڑے اور مکھی مچھر تک پر بولا جاتا ہے۔ یہاں شیاطین سے مراد رؤسا یہود و منافقین لئے گئے ہیں جو اپنی سرکشی اور طغیان کے لحاظ سے خود ہی شیطان بنے ہوئے تھے نیز ان کے کاہن و پروہت یعنی مذہبی پیشوا جن کے یہ لوگ بہت معتقد تھے زیر نظر آیت میں "واذا خلوا" کا مطلب تنہائی کی ملاقات ہے یعنی جس مجلس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہوتا تنہا ایک ہی مرض کے سارے مریض اکٹھے ہو جاتے۔

منافقین کا اقرار جرم

ف ۳۲ ذرا غور کریں کہ ان منافقین نے کسی طرح اقرار جرم کیا ہے مثل ہے کہ جھوٹ بولنے والے کا

Marfat.com

يَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۞ اُولٰٓئِكَ

جزا نے ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے[۳۳] اور وہ اپنی اس سرکشی ہی میں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ ۱۵

حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ اپنے سرغنوں اور سرداروں کے پاس جب حاضر ہوتے ہیں تو یوں اقرار کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ تو محض ظاہر داری کے طور پر ہیں اور مصلحتہ" اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں ورنہ حقیقتہ" تو ہم تمہارے ہی ہم عقیدہ و ہم مذہب ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے ایمان والوں سے ملاقات کر کے ایمان کا دعویٰ کیا تھا اور کہا تھا "امنا" یعنی ہم ایمان لائے ہیں۔ اب اپنے سرغنوں کی مجلسوں میں ان کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ دونوں دعوے ایک دوسرے کے بالکل برعکس ہیں اور ان کا یہی کردار ان کو منافق قرار دے رہا ہے۔ اندازہ کریں ایسا کر کے وہ اسلام کے ساتھ تمسخر کر رہے ہیں یا خود ان کی اپنی ذات کے ساتھ تمسخر ہو رہا ہے کتنی سیدھی سادھی بات ہے جس کو سمجھنے سے وہ عاری ہیں یہ لوگ خود اپنی زبان سے اس امر کا اقرار کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں صرف استہزاء و تمسخر کی غرض سے جاتے ہیں۔ ورنہ دراصل ان کی تلاش و جستجوئے حق نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں وہ اپنے ہی ساتھ ہنسی کر رہے ہیں اور اپنے نفسوں کی صلاحیت کو فراموش کر رہے ہیں وہ دونوں جگہ عزت کے آرزومند ہیں مگر جلد ہی ان کی حقیقت مستورہ بے نقاب ہو جائے گی اور پھر چاروں طرف سے ذلت و رسوائی ہی ان کو نصیب ہوگی یہاں تک منافقین کی چند اصولی غلط کاریاں صاف کر دی گئیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف شدید ہوتا ہے۔

۲۔ خدع و فریب ان کی عادت ہے۔

۳۔ جاہ طلبی ان کی غایت الغایات ہے۔

۴۔ مسلمانوں کی نسبت ان کو پورا پورا یقین ہے کہ قرآن کریم کے پابند رہ کر یہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔

۵۔ فرزندان اسلام کو غیروں کا غلام بنانے کی کوشش و سعی کرتے ہیں۔

۶۔ فساد پھیلانے کی فکر میں رہتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ افساد کا نام اصلاح رکھتے ہیں۔

۷۔ مسلمانوں کو ناعاقبت اندیش اور کوتاہ بین خیال کرتے ہیں۔

۸۔ جانی و مالی قربانی سے گریز کرتے ہیں۔

۹۔ دوغلا پن ان کی گھٹی میں پڑا ہے، گھڑی تولہ اور گھڑی ماشہ ان کی سرشت میں داخل اور راسخ ہو چکا ہے۔

Marfat.com

۱۰۔ تعلیم الٰہی کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرتے ہیں اور "دروغ گو را حافظہ نباشد" کے مصداق ہیں۔

اللہ کا استہزاء منافقین کے ساتھ کیسا ہے؟

۳۳ استہزاء و تمسخر جہالت ہے۔ قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ نے استہزاء و تمسخر کی اجازت کسی مسلمان کو بھی نہیں دی بلکہ بار بار ان افعال شنیعہ سے منع فرمایا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے وحی پاکر قوم کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر قوم کے لوگوں نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ ایسا حکم دے کر آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اللہ کی پناہ! میں آپ سے ہنسی کیوں کروں گا؟ ہنسی کرنا تو جاہلوں اور نااہلوں کا کام ہے۔ یہ واقعہ آگے چل کر اسی سورۃ البقرہ میں آئے گا۔ اس لحاظ سے قابل غور امر یہ ہے کہ اللہ ان سے کیونکر ہنسی اور تمسخر کرے گا؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

دراصل اس کی حقیقت اللہ نے خود واضح کر دی ہے ہم کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ قارئین کو یہ تعجب اس لئے ہوتا ہے کہ ہمارے مترجمین نے "اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ" کا ترجمہ عربی زبان کا عربی زبان ہی میں کر دیا ہے اردو زبان استعمال نہیں کی اور ایسا اکثر و بیشتر ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ عام قاری مبہوت سا ہو کر رہ جاتا ہے لیکن جب اس کو طرح مصرع یوں دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے کیا تم اللہ کے ارشاد پر نکتہ چینی کرتے ہو؟ تو اس کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں ہوتا۔ حالانکہ اللہ کی ذات اور استہزاء۔ توبہ۔ کیا کہہ رہے ہو؟ ذرا رک جاؤ اور بات سمجھ لو۔ آیت زیر نظر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "وَیَمُدُّہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ" بس اس کو قرآن کی زبان میں "یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پھر غور کرو اور دیکھو کہ منافقین کا تمسخر یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو باور کرایا تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور اپنے سرداروں سے کہا تھا کہ ہم مسلمان تو نہیں صرف ٹھٹھہ مذاق کے لئے وہاں جا کر بیٹھ جاتے ہیں ضروری تھا کہ ان کو اس جرم کی سزا ملتی لیکن اللہ کے قانون تکوینی سے ان کو فوراً سزا نہیں ملی بلکہ ایک وقت مقرر تک موخر کر دی گئی۔ جس کو اس طرح بیان کیا گیا کہ اللہ کے قانون تکوینی نے ان کی رسی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اور وہ اپنی اس سرکشی میں بہکے چلے جا رہے ہیں اس مضمون کو استہزاء سے تعبیر کیا گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ خالق کائنات نے بندوں کو جو آزادی و اختیار دے رکھا ہے اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی کبھی نہیں کرتا۔ سانپ کو کاٹنے کی، زہر کو ہلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی یہ ساری اجازتیں اور آزادیاں اسی قانون کے مطابق ہیں بس منافقین کا اپنی سرکشی میں بہکے چلے جانا اور ان کو فوراً سزا نہ ملنا ہی استہزاء ہے جس کی نسبت اللہ کی طرف اس کے قانون تکوینی کی وجہ سے ہے۔ وحی الٰہی کی روشنی سے محرومی کے بعد انسان کی واقعی یہی حالت ہو جاتی ہے۔ اپنی محدود ناقص عقل کے سہارے وہ چاروں طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ طرح طرح کے نظریئے قائم کرتا ہے اصول و کلیات بناتا ہے۔ ہر طرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتا ہے۔ کھلا ہوا راستہ کوئی سجھائی نہیں دیتا

Marfat.com

الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ

یقین۳۴ کیجئے اے پیغمبر اسلام! یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید۳۵ لی اور ایسے تاجروں کی تجارت کبھی نفع مند ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۳۶۔ اور ایسے

وہ شک و ارتیاب اور بے اطمینانی کے دلدل میں اور زیادہ پھنستا چلا جاتا ہے۔ فافهم و تتدبر۔

امثال قرآنی

۳۴ قرآن کریم کا درس و فکر ہم کو بتاتا ہے کہ اللہ کریم بسا اوقات اپنے اعلیٰ ترین مطالب و مقاصد کے اظہار کے لئے امثلہ و نظائر پیش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کا بہت بڑا حصہ انہی تمثیلات پر مشتمل ہے۔ کہیں ہواؤں کی تعریف ہے۔ بادلوں کی انبساط ہے' زمین کی نشوونما ہے۔ لیل و نہار کا اختلاف ہے۔ موجودات و مخلوقات کے مختلف اشکال والوان ہیں۔ کواکب و سیارات اور نجوم و ثوابت کے طلوع و غروب ہیں۔ انقلابات طبیعیہ کے مناظر جمیلہ ہیں۔ رعد و برق کے دہشت انگیز اور خوف دلانے والے نظارے ہیں۔ بیع و شرا اور خرید و فروخت کے منازعات و مناقشات ہیں۔ بس! ان میں وہ تمام اسرار و معارف بیان کئے گئے ہیں جو فہم انسانی کا منتہائے ادراک ہیں۔ سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ (الزمر ۳۹ : ۲۷)

"یعنی اس قرآن کریم میں ہم نے ہر قسم کی مثالیں بیان کر کے سمجھایا ہے کہ ہوش میں آکر نصیحت پکڑ لیں۔"

ان امثال و نظائر کے بیان کرنے سے قرآن کریم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی قلبی و روحی حیات و ممات' اقوام و ملل کے انقلابات' ملکوں اور حکومتوں کے تسلط اور ہدایت الٰہی اور شقاوت الٰہی کے مختلف مدراج و مراتب سامنے آجائیں۔ وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔

بیع و شرا کی مثال

۳۵ منجملہ ان امثال قرآنیہ کے بیع و شرا کی ایک لطیف و بدیع اور جامع تمثیل ہے جس پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ زور کیوں ہے؟ اس لئے کہ عرب کے باشندوں کا تجارتی کاروبار خوب پھیلا ہوا تھا اور تجارت کی اصطلاحیں ان کی زبان و ادب کا ایک جزو بن گئی تھیں جیسا کہ آج کل کاروبار کے طور طریقے سب عیسائیت کے فراہم کردہ ہیں اور کاروباری اصطلاحیں بھی انگریزی زبان و ادب کا جزو بن کر رہ گئی ہیں۔

ان کو انہی کی اصطلاح کے مطابق سمجھایا جا رہا ہے کہ ایک شخص بازار جاتا ہے کہ کچھ خرید کرے اس کی

Marfat.com

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهٗ

بیوپاری کبھی ہدایت نہیں پا سکتے ۱۶

ان لوگوں ۳۷ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے سخت تاریکی میں روشنی کے لئے آگ سلگائی جس کے شعلوں سے اس کا آس پاس روشن ہو گیا تو قدرت الٰہی سے ایسا ہوا

انتہائی سعی و کوشش یہی ہوگی کہ بہتر سے بہتر خریدے۔ کبھی اس کو اپنا نقصان گوارہ نہ ہو گا مگر ان لوگوں کی حماقت و نادانی ملاحظہ ہو کہ یہ ہدایت دے کر گمراہی اور ضلالت خرید رہے ہیں۔ بس یہ تجارت کہاں نفع بخش ثابت ہو سکتی ہے؟ اور یہ لوگ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟

منافقین کی تجارت خسارے کا سودا ہے

۳۶ دراصل بات یہ ہے کہ ان کی یہ تجارت' تجارت کے اصولوں ہی کے خلاف تھی۔ تجارت میں سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ قوت ارادہ و فیصلہ سے صحیح کام لیا جائے۔ تجارت کے مال' وقت کی مناسبت' قوت خرید کے ساتھ قوت فروخت سب کا اندازہ کر کے بروقت فیصلہ کر لیا جائے لیکن یہاں ان سب باتوں میں ایک کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا۔ پھر تجارت سے مقصود ہوتا ہے کہ اصل سرمایہ محفوظ رہے اور نفع اس پر بڑھتا رہے لیکن ان منافق کافروں کے نفع کا کیا ذکر یہاں تو انہوں نے عقل سلیم کے اصل سرمایہ ہی کو الٹا برباد کر ڈالا۔ اس طرح اصل زر ہی نہ رہے۔ تو ظاہر ہے یہ سودا کتنے خسارے کا سودا ہوا۔ جس شخص کو عقل سلیم مل گئی گویا اس کو خیر کثیر مل گئی لیکن جس کی عقل سلیم ہی برباد ہو گئی وہ خود بخود تباہ و برباد ہو گیا۔

منافقین کے دو گروہوں کا ذکر

۳۷ منافقین کے دو گروہ ہیں ایک گروہ تو اس درجہ اسلام کا دشمن ہے کہ اس سے کبھی نیکی کی توقع نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ہمیشہ اسلام کی تباہی و بربادی کی تجاویز سوچتا رہتا ہے لیکن ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی طبعی کمزوری سے مجبور ہے۔ اس گروہ کے لوگ ہر اثر کو قبول کر لیتے ہیں۔ ہر صحبت و ہم نشینی ان پر غالب آجاتی ہے اور ہر زبردست شخصیت ان کو اپنے قابو میں لا سکتی ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ قرآن مجید جس طرح پہلی جماعت کی پروا نہیں کرتا دوسری طرف سے بھی آنکھیں بند کر لے اور ان کی ہدایت و راہنمائی کی کوئی سبیل تجویز نہ کرے۔ دو مثالیں پیش فرما کر دونوں جماعتوں یا گروہوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ پہلی مثال میں اس

Marfat.com

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۝۱۷ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۱۸

کہ اچانک اس کے شعلے بجھ گئے اور روشنی جاتی رہی نتیجہ یہ نکلا کہ روشنی کے بعد پھر اندھیرا چھا گیا اور اس کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں کہ کچھ بھی دکھائی نہیں[۳۸] دیتا۔ ۱۷

گویا یہ لوگ بہرے[۳۹] گونگے اور اندھے ہو کر رہ گئے پس جن لوگوں کی بدبختی کا یہ

گروہ کا ذکر ہے جو ایمان لے آیا' اسے اسلام کی حقیقت و حقانیت کا یقین ہو گیا لیکن جس وقت آگے چل کر اس کے مصالح خصوصی و ذاتی اغراض کا مفاد اسلام و منافع اجتماعیہ کے ساتھ تصادم ہوا تو فوراً ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اس طرح اپنی تمام قوتوں کو برباد کر دیا۔

منافقین کے پہلے گروہ کی مثال

۳۸ منافقین کے پہلے گروہ کی مثال آگ روشن کرنے سے دی جا رہی ہے اور یہاں ارشاد یہ ہو رہا ہے کہ جب حقانیت کی آگ خوب روشن ہو گئی اور ہدایت کا نور ہر طرف پھیل گیا تو بجائے اس کے کہ وہ اس سے مستفید ہوتے منافقین نے خود اپنے اندرونی حاسہ بصارت کو ضائع کر دیا اور اس روشنی سے محروم ہو گئے۔ سلب بصارت اور گمراہی میں چھوڑ دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جانب محض قانون تکوینی کی حیثیت سے ہے مطلب یہ ہے کہ جب منافقوں نے گمراہ رہنا چاہا اور دعوت حق کو قبول و توجہ کے کانوں سے سنا ہی نہیں تو مشیت الٰہی نے بحیثیت علت العلل کے اس پر نتیجہ بھی وہ مرتب کر دیا۔ رضائے الٰہی کو اس میں مطلق دخل نہیں تھا۔

اس تمثیل کو مزید سمجھنے کے لئے یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ اس جگہ "اسلام" کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے آگ جلانے سے مراد رسول اللہ ﷺ لئے جاتے ہیں۔ روشنی سے مراد نور ہدایت ہے۔ تاریکی سے مراد ان کی گمراہی۔ بینائی سے مراد ان کی آنکھوں کی بصارت نہیں بلکہ دل کی بصیرت اور فطری صلاحیت ہے۔ اللہ کے بینائی لے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے حسد اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں جو اللہ کے قانون میں مقرر ہو چکا ہے۔ ان کی بینائی یعنی قبول حق کی فطری صلاحیت جاتی رہی۔ ایک بار پھر اسی مطلب کو دوبارہ سمجھو کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو پیش کیا اور نور اسلام سے تمام عالم کا اندھیرا چھٹ گیا اور وہ جگمگا اٹھا اور اس کی روشی میں صراط مستقیم پر چلنا آسان ہو گیا تو منافقین نے حسد کیا' ہٹ دھرمی کی چونکہ ان کی یہ ہٹ

Marfat.com

دھری ایمان کے بعد تھی جس کے نتیجہ میں وہ تھوڑی بہت فطری صلاحیت اور بینائی جو ان کے قلوب میں آئی تھی وہ بھی ضائع ہوگئی بالکل اسی طرح جس طرح خوب' اچانک اور تیز روشنی میں اکثر ہو جایا کرتا ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور باوجود روشنی موجود ہونے کے اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا بالکل اسی طرح جب اسلام کی روشنی سے پورا عالم جگمگا رہا ہو تو اس شخص کو اس روشنی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوتا ہے۔ منافقین نے حسد کی وجہ سے اپنی فطری صلاحیت کو ضائع کر دیا۔ ان کے دل اندھے ہوگئے اب وہ اسلام کی روشنی سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ صراط مستقیم انہیں نظر نہیں آتا وہ گمراہی میں بھٹک رہے ہیں۔ اس میں اسلام کا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور سارا ان کا اپنا ہے کہ انہوں نے حسد کی وجہ سے دل کی بینائی کو زائل و بے کار کر دیا۔ اور جب دل اندھا ہو جاتا ہے تو نہ عبرت حاصل ہوتی ہے' نہ نصیحت بلکہ انسان گمراہی میں روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

بہرے' گونگے اور اندھے کون ہیں؟

۳۹ یہ منافقین کی اس پہلی جماعت کے لوگ ہیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا۔ "صم" بہرے ہیں یعنی صدائے حق گویا سنتے ہی نہیں۔ "بکم" گونگے ہیں یعنی کلمہ حق و ایمان کے ادا کرنے سے ان کی زبانیں گنگ ہیں۔ "عمی" اندھے ہیں یعنی دید حق کی طرف سے ان کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں اور یہ سب کچھ ان کی اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ہوا۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون کو اس طرح ادا فرمایا ہے کہ:
اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۝ (الحج ۲۲ : ۴۶) "کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے؟ کان ہوتے تو سنتے اور پاتے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں۔"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صراط مستقیم پر چلنے کے لئے دل کی بینائی یعنی بصیرت بہت ضروری ہے اگر دل نابینا ہو جائے تو انسان روحانی طور پر سمجھ بوجھ سے محروم ہو جاتا ہے فہم و ادراک اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کی فطری صلاحیت جاتی رہتی ہے اب اسے عبرت و نصیحت ہو تو کیسے ہو؟

اس مضمون کی وضاحت قرآن کریم کی زبان سے

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ "صم' بکم' عمی" سے مراد کان کے بہرے' زبان کے گونگے اور آنکھ کے اندھے نہیں بلکہ وہ سن لینے کے باوجود نہ سننے والے' بولنے کے باوجود نہ بولنے والے اور دیکھنے کے باوجود نہ دیکھنے والے ہیں قرآن کریم نے جگہ جگہ ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ مزید الفاظ بھی ملائے گئے ہیں کہ

Marfat.com

زندہ ہونے کے باوجود مرجانے والے، جائز و ناجائز میں تمیز رکھنے کے باوجود تمیز نہ کرنے والے۔ حق و ناحق کی پہچان رکھنے کے باوجود نہ پہچاننے والے ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی لائی ہوئی تعلیم کی مخالفت کی لیکن ان کی مخالفت کے باوجود انبیاءؑ ان کو پوری مستعدی کے ساتھ تعلیم حق دیتے رہے پھر جن کو علم الٰہی میں قانون فطرت کے مطابق کان، زبان اور آنکھیں ملنا تھیں جن کو کفر کی موت سے نکل کر اسلام کی زندگی اختیار کرنا تھی کی، اور دوسرے اپنی انہی عادات اور اوصاف میں جہنم رسید ہوگئے۔

لیکن کوتاہ بینوں نے سمجھا کہ انبیاء ظاہری کانوں کے بہروں کو شنوائی، زبان کے گونگوں کو گویائی اور آنکھوں کے اندھوں کو بینائی عطا فرماتے ہیں اور اس سے بڑھ کر طبعی موت مرجانے والوں کو "قم باذن اللہ" کہہ کر دوبارہ زندگی بھی دے دیتے ہیں اور اسی طرح لوگوں کو غیب کی خبریں دینے کے لئے آتے ہیں۔ ان کی عقل پر ایسا پردہ پڑا کہ اتنی صاف بات بھی نہیں سمجھ سکے کہ یہ اللہ رب العالمین کی صفات ہیں جو کسی انسان میں منتقل نہیں ہو سکتیں، نہ کلی طور پر اور نہ جزوی طور پر اور یہ کہ اللہ کریم جس طرح اپنی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اسی طرح اپنی مخصوص صفات میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتا۔ یہ ساری ہماری سمجھ کی کمزوری ہے۔ ہم چاہتے ہیں قرآن کریم کے ایسے مقامات میں سے چند ایک کی نشاندہی قارئین کرام کو ضرور کرا دی جائے تاکہ یہ مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے ہدایت کی راہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جس پر کسی کو بھی اختیار نہیں دیا گیا۔ اب آیات ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا (الکہف ۱۸ : ۵۷)

"اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے گردن موڑ لے اور اپنی بدعملیاں بھول جائے جو پہلے کر چکا ہے؟ بلاشبہ ہم نے اپنے قانون تکوینی کے مطابق ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ کوئی بات پا نہیں سکتے اور اسی قانون کے مطابق ان کے کانوں میں گرانی کر دی کہ صدائے حق سن نہیں سکتے تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ مگر وہ کبھی راہ پانے والے نہیں!"

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۴۵ تا ۴۸)

"اے پیغمبر اسلام! جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اپنے قانون تکوینی کے مطابق ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں اور اسی قانون کے مطابق ان کے دلوں پر ایک غلاف ڈال دیتے ہیں کہ سمجھ کام نہیں کرتی اور کانوں میں گرانی کہ کچھ سنائی نہیں دیتا۔ جب تو قرآن میں صرف

Marfat.com

اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتا ہے اور ان کے ٹھہرائے ہوئے ربوں کا نام نہیں لیتا تو یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتے ہیں اور نفرت سے پر ہوتے ہیں۔ جب یہ لوگ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جو کچھ ان کا سننا ہوتا ہے اسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور جب یہ ظالم باہم سرگوشیاں کرتے ہیں اور ان سرگوشیوں میں کہتے ہیں کہ "تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ جادو سے مارا ہوا ہے؟" تو اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں۔ اے پیغمبر اسلام! غور کرو' ان لوگوں نے تمہاری نسبت کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں جس کے سبب گمراہی میں پڑ گئے۔ پس اب یہ لوگ کبھی سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔"

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ○ (حم السجدہ ۴۱ : ۵)

"اور وہ کہتے ہیں کہ تمہاری دعوت کے قبول کرنے کے لئے ہمارے دلوں میں کوئی جگہ نہیں ہے' نہ کانوں میں سماعت ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مخالفت کی دیوار کھڑی ہوگئی ہے' ہم تمہاری بات سننے والے نہیں' سو تو اپنا کام کئے جا' ہم اپنا کام کئے جاتے ہیں۔" (۴۱ : ۵)

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ○ (المائدہ ۵ : ۷۱)

"وہ سمجھے کہ اب کوئی آزمائش نہیں ہوگی اس لئے گمراہی کے جوش میں اندھے بہرے ہوگئے پھر اللہ اپنی خاص رحمت سے ان پر لوٹ آیا یعنی ان کو توبہ کی توفیق دی اور توبہ قبول کر لی لیکن پھر ان میں سے بہتیرے دوبارہ اندھے بہرے ہوگئے اور اب جیسے کچھ ان کے اعمال یعنی کرتوت ہیں اللہ دیکھ رہا ہے۔" (۵ : ۷۱)

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ○ (ہود ۱۱ : ۲۸)

"نوح علیہ السلام نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا' یہ کہ میں اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت خاص بھی مجھ پر کی ہے لیکن وہ تمہیں دکھائی نہیں دیتی تو میں کیا کر سکتا ہوں کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھا دیں جبکہ تم اس سے بیزار ہو۔"

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم السجدہ ۴۱ : ۱۷)

"اور رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ جتلا دی تھی لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ پسند کیا یعنی ہدایت کی جگہ گمراہی پسند کی۔" (۴۱ : ۱۷)

وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ○ (الاعراف ۷ : ۶۴)

اور جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں' انہیں ہم نے غرق کر دیا حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ بوجھ

Marfat.com

کھو کر یک قلم اندھے ہوگئے تھے۔ (۷ : ۶۴)

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (احقاف ۴۶ : ۲۶)

"اور ہم نے ان کو کان' آنکھیں اور دل دے رکھے تھے' مگر نہ تو ان کے کان ان کے کچھ کام آئے اور نہ ہی آنکھیں اور دل' کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس کے پھیر میں آگئے۔" (۴۶ : ۲۶)

وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الانعام ۶ : ۳۹)

"اور پھر غور کرو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو گویا وہ ایسے ہوگئے کہ جیسے بہرے' گونگے تاریکیوں میں گم ہوں' اللہ جس پر چاہے اپنے قانون مشیت کے مطابق راہ گم کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قانون کے مطابق سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔" (۶ : ۳۹)

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۷۳)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو اللہ کی آیات سن کر اندھوں بہروں کی طرح نہیں رہ جاتے بلکہ ان نصیحتوں پر غور و فکر کرتے ہوئے ان پر عمل کرتے ہیں۔" (۲۵ : ۷۳)

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۴۵)

"اے پیغمبر اسلام تو کہہ دے میری پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی سے علم پا کر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں اور جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے کبھی سننے والے نہیں۔" (۲۱ : ۴۵)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (النمل ۲۷ : ۸۰' ۸۱)

"آپ کفر کی موت مرے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں تک آواز پہنچا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں یعنی ماننے کو تیار نہ ہوں اور نہ آپ دل کے اندھوں کو گمراہی سے بچا کر صحیح راہ پر لگا سکتے ہیں آپ انہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لانے کو تیار ہوتے ہیں اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔" (۲۷ : ۸۰' ۸۱)

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (الروم ۳۰ : ۵۳)

"اے پیغمبر اسلام! آپ کفر کی موت مرے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں تک اپنی آواز پہنچا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں اور نہ آپ دل کے اندھوں کو گمراہی سے بچا کر صحیح راہ پر لگا سکتے ہیں آپ

Marfat.com

صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔" (۳۰ : ۵۳)

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○ (الزخرف ۴۳ : ۴۰)

"اے پیغمبر اسلام! کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں کو جو صریح گمراہی میں مبتلا ہیں کیا ان کو راہ راست پر لگا سکتے ہیں؟" (۴۳ : ۴۰)

اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ○ (الفاطر ۳۵ : ۲۲)

"اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے قانون کے مطابق سناتا ہے مگر اے پیغمبر اسلام! آپ لوگوں کو نہیں سنوا سکتے جو قبروں یعنی عالم برزخ میں پہنچ چکے ہیں۔" (۳۵ : ۲۲)

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا○ (الانعام ۶ : ۲۵)

"اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر حق بات سننے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور حالانکہ ہمارے قانون کے مطابق ان کے دلوں پر پردے پڑے ہیں کہ ان تک بات کی سمجھ نہیں پہنچتی اور ان کے کان میں بوجھ ہے کہ سن نہیں سکتے یعنی سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔" (۶ : ۲۵)

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا یَعْقِلُوْنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ اَفَاَنْتَ تَهْدِ الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ○ (یونس ۱۰ : ۴۲، ۴۳)

"اور اے پیغمبر اسلام! ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں حالانکہ وہ فی الحقیقت نہیں سنتے۔ پھر کیا تو ان بہروں کو بات سنائے گا اگرچہ وہ بات نہ سننا چاہیں؟ اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو تیری طرف تکنے کے باوجود نہیں دیکھتے کیا تو اندھوں کو راہ دکھا دے گا؟ اگرچہ ان کو کچھ نہ سوجھتا ہو؟"

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ حَتّٰٓی اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ۔ (محمد ۴۷ : ۱۶)

"اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں پھر جب آپکے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جو اہل علم ہیں ازراہ مذاق پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا کہا تھا یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے اپنے قانون کے مطابق مہر لگا دی ہوئی ہے کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے والے ہیں۔" (۴۷ : ۱۶)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (النحل ۱۶ : ۱۰۸)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے اپنے قانون کے مطابق ان کے دلوں پر، کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی ہے اور اسی سبب تو وہ غفلت میں ڈوب گئے ہوئے ہیں جس سے اللہ کے سوا ان کو کوئی نکال نہیں سکتا۔"

Marfat.com

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓی اَبْصَارَهُمْ (محمد ۴۷ : ۲۳)

”اور یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو قانون کے مطابق اندھا اور بہرا کر دیا گیا ہے۔“

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ (محمد ۴۷ : ۲۴)

”کیا یہ لوگ اپنے دماغ سے قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟“

وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی (حم السجدہ ۴۱ : ۴۴)

”اور اے پیغمبر اسلام! جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ثقل ہے اور یہ ان کے حق میں سراسر تاریکی ہی تاریکی ہے۔“ (۴۱ : ۴۴)

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا (الانعام ۶ : ۱۰۴)

”یاد رکھو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس علم و دلیل کی روشنی آچکی ہے۔ پس! اب جو کوئی دیکھے اور سمجھے تو خود اس کا فائدہ ہے اور جو کوئی قانون الٰہی کے مطابق اندھا ہو جائے تو اس کا وبال بھی اس کے سر ہے۔“ (۶ : ۱۰۴)

اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ (الانعام ۶ : ۴۶)

”اے پیغمبر اسلام! ان سے کہو کہ کبھی تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر یعنی عقلوں پر مہر لگا دے تو کون ہے جو تم کو واپس دے سکتا ہے؟“

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ (الجاثیۃ ۴۵ : ۲۳)

”اے پیغمبر اسلام! کیا آپ نے بھلا اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے خواہش نفس ہی کو اپنا رب بنا لیا ہے اور اللہ نے اپنے علم کی بنا پر اسے گمراہی میں پھینک دیا ہے اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے اور پھر اب اللہ کے بعد کون ہے جو اس گم کردہ راہ کو راہ دکھا دے کیا یہ سب کچھ دیکھ کر بھی یہ لوگ نصیحت نہیں پکڑتے۔ (۴۵ : ۲۳)

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ (الحج ۲۲ : ۴۶)

”کیا یہ لوگ زمین میں کبھی چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ کاش! ان کے پاس سمجھنے بوجھنے والے دل ہوتے۔ سن کر یقین کرنے والے کان ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن کو اختیار کر لیتا

Marfat.com

ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔"

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (الاعراف ۷ : ۱۷۹)

"ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے کام نہیں لیتے۔ آنکھیں رکھتے ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے اس طرح عقل کو کھو کر وہ چارپایوں کی طرح ہو گئے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔" (۷ : ۱۷۹)

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (الفرقان ۲۵ : ۴۴)

"اے پیغمبر اسلام! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ نہیں! یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔"

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَن يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (النحل ۱۶ : ۷۶)

"اور دیکھو اللہ ایک اور مثال بیان کرتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک گونگا ہے کسی بات کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا' اپنے آقا پر ایک بوجھ ہے' جہاں کہیں بھیجے کوئی خوبی کی بات اس سے بن نہ آئے دوسرا ایسا ہے کہ لوگوں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور خود بھی سیدھے راستے پر ہے کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟"

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا (ھود ۱۱ : ۲۴)

"ان دو فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا' بہرا ہو اور ایک دیکھنے سننے والا' پھر بتاؤ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟" (۱۱ : ۲۴)

"هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ۔" (الرعد ۱۳ : ۱۶)

"ان سے کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا دونوں برابر ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اندھیرا اور اجالا برابر ہے؟"

"وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ۔" (المومن ۴۰ : ۵۸)

"اور اندھا اور بینا دونوں برابر نہیں ہوتے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور بدکار کبھی برابر ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔" (۴۰ : ۵۸)

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ وَلَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ۔ (فاطر ۳۵ : ۱۹، ۲۱)

Marfat.com

"یاد رکھو کہ اندھا اور بینا کبھی برابر نہیں ہو سکتے' اور نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں اور نہ سایہ اور دھوپ کی تپش دونوں برابر ہیں اور نہ زندے اور مردے دونوں مساوی ہیں؟" (۳۵ : ۱۹' ۲۱)

مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّ صُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۷)

"جس شخص کو اللہ سعادت کی راہ پر لگا دے فی الحقیقت وہی راہ پر ہے اور جس کسی پر اس نے کامیابی کی راہ گم کر دی تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے' اندھے' گونگے' بہرے ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہو گا جب کبھی اس کے شعلے بجھنے کو ہوں گے تو اور زیادہ بھڑکا دیئے جائیں گے اور یہ سزا ہو گی ان کے غلط اعمال کی۔"

وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۲)

"اور جو کوئی اس دنیا میں عقل و حواس سے کام نہ لے کر اندھا رہا تو یقین جانو آخرت میں بھی وہ اندھا ہی ہو گا اور سیدھے راستے سے یک قلم بھٹکا ہوا۔" (۱۷ : ۷۲)

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲۴' ۱۲۶)

"اور جو شخص میری یاد سے روگرداں ہو گا تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن بھی میں اسے اندھا اٹھاؤں گا۔ وہ کہے گا۔ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا؟ ارشاد الٰہی ہو گا۔ ہاں اسی طرح ہونا تھا' ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ بس! اس طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے۔"

قارئین "عروہ" سے درخواست

پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اگر قارئین نے ان مقامات کو بغور پڑھنے کی کوشش کی' اگر سرسری نظر ڈال کر آگے نہ نکل گئے تو انشاء اللہ ان آیات کا مطالعہ دلوں پر مدت کے پڑے ہوئے پردے اتار کر اس قابل بنا دے گا کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن ہی میں تلاش کی جائے اور مدت بعد کے مشہور قصوں اور کہانیوں سے اجتناب کیا جائے اور خصوصاً شرک فی الصفات کو اچھی طرح سمجھ کر اس کے ارتکاب سے بچنے کی پوری پوری کوشش کی جائے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے قصص کا مطالعہ کرتے وقت ان استعارات و تمثیلات' محاورات و ضرب الامثال پر اچھی طرح نگاہ ڈالی جائے اور ان پاک نفوس کی تعلیمات کو جس طرح سمجھنے کا حق ہے سمجھا جائے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ۔ رسول سارے کے سارے اللہ کے بندے تھے اور بندہ کبھی اللہ کی صفات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پچھلی امتیں زلت قدم سے منہ کے

Marfat.com

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّ
بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ
الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢبِالْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹

حال ہے وہ کبھی اپنی گم گشتگی سے واپس نہیں لوٹ سکتے۔ ۱۸

یا پھر کچھ لوگوں کی مثال ایسی سمجھو جیسے آسمان سے پانی کا برسنا ہے[۴۰] کہ اس کے ساتھ کالی گھٹائیں بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک ہوتی ہے۔ بادل جب زور سے گرجتے ہیں تو موت کا ڈر انہیں دہلا دیتا ہے۔ جب وہ گرج و چمک کو روک نہیں سکتے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگتے ہیں اور آنکھیں بند کرلیتے ہیں کیا ان کے ایسا کرنے سے گرج چمک رک جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ کا قانون منکروں کو گھیرے ہوئے ہے[۴۱]۔ ۱۹

بل گریں اور ایسی گریں کہ پھر ان کے قدم کبھی نہ جم سکے۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

منافقین کی دوسری جماعت کی مثال

ف[۴۰] یہ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو اپنی کمزوری طبیعت کی وجہ سے ان مصیبتوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ان لوگوں کی مثال ٹھیک اس شخص کی سی ہے جو شب کے وقت کہیں جا رہا ہو اور رعد و برق کے خوف سے اپنی جان بچانے کی فکر میں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام تو قبول کرلیا مگر اب یہاں مشکلات کا سامنا ہے' عزیز و اقارب' وطن و دیار' مال و جائیداد سے علیحدگی ہے۔ جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے لئے سرکف پھرنا ہے۔ منہیات شرعیہ سے اجتناب ہے۔ یہ قربانیاں ان کو تکلیفوں میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔ چونکہ یہ طبیعت کے کمزور ہیں اس لئے ان کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اب بھی اپنے کانوں اور آنکھوں سے کام نہ لیں گے تو ان پر عالم ممات طاری کردیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مثال سے منافقین کی اصلی حیثیت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے ان کی عام طور پر یہی کیفیت ہوتی ہے کہ "لا الی هؤلا ولا الی هؤلاء" کی پوری تفسیر بنے ہوتے ہیں

Marfat.com

یعنی نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔

دل میں کچھ اور زبان پر کچھ

۴۱ ان کی طبیعت کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ دونوں جماعتوں یعنی مسلمان اور منکرین اسلام سے تعلقات قائم رہیں اگر اسلام کے ساتھ دوستی ہے تو اس طرح کہ کفر سے بھی رشتہ اخوت نہ ٹوٹنے پائے۔ حق کی تائید ہے تو باطل بھی قائم و دائم رہے نور سے استفادہ ہو رہا ہے تو ظلمت و تاریکی بھی کوئی بری چیز نہیں۔ بلکہ وقت آنے پر بڑے کام کی چیز ہے پھر کیوں اس سے مفت میں بیر مول لیا جائے ان کی حالت کا ذکر بھی قرآن کریم میں جگہ جگہ کیا گیا ہے۔ ایک دو مقام کو دیکھ لینا بصیرت فطرت کے لئے کافی ہوگا' چنانچہ ارشاد الٰہی ہے

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ○ (محمد ۴۷ : ۲۰' ۲۱)

"ظاہر میں ایمان لانے والے مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایسی سورت کیوں نازل نہیں ہوئی جس میں مشرکین سے جنگ کا حکم دیا گیا ہو؟ جب ایسی محکم اور شک و شبہ سے بالاتر سورت نازل کر دی گئی جس میں کفار سے لڑائی کا حکم تھا تو آپ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض نفاق ہے وہ یہ حکم سن کر آپ کی طرف اس طرح حیرت سے دیکھتے ہیں جس طرح موت کی غشی میں مبتلا آدمی دیکھتا ہے حالانکہ ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع اور پیروی کریں۔" (۴۷ : ۲۰' ۲۱)

ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا گیا

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ○ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ (الاحزاب ۳۳ : ۱۸' ۱۹)

"اللہ تعالیٰ ان منافقین کو خوب جانتا ہے جو جنگ کے بارے میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں اور انہیں بھی جانتا ہے جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کا ساتھ چھوڑ دو اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ' یہ لوگ لڑائی میں حصہ لیتے بھی ہیں تو مجبوراً اور بہت تھوڑا سا دکھاوے کے لئے' اور وہ لوگ تمہارا کسی کام میں دل کھول کر ساتھ نہیں دیتے اور دشمن کی طرف سے اگر کوئی خوف یا خطرہ پیش آجائے تو آپ کی طرف اس طرح دیدے پھیر پھیر کر دیکھتے ہیں جیسے کسی پر نزع کی حالت میں غشی طاری ہو رہی ہو اور جب خوف خطرے کا وقت گزر جاتا ہے تو یہی لوگ فتح و نصرت کے بعد قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں لے کر آپ کے استقبال کے لئے پیش پیش

Marfat.com

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ
مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

پھر جب بجلی زور سے چمکتی ہے تو انکی خیرگی کا یہ حال ہوتا ہے کہ قریب ہے کہ انکی بینائی اچک لے۔ اسکی چمک سے جب فضا روشن ہو جاتی ہے تو دو چار قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو پھر رک جاتے ہیں اگر اللہ چاہے تو یہ لوگ بالکل بہرے اندھے ہو کر رہ جائیں [۴۲] اور اللہ یقیناً ہر بات کیلئے ایک اندازہ [۴۳] مقرر کرنے والا

ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شریک جنگ تھے ہمارا حصہ ملنا چاہئے۔ یہ ہرگز مومن نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے سارے اعمال اکارت و ضائع کر دیئے ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہوا ہے اس لئے کوئی مشکل کام نہیں بلکہ بالکل آسان ہے۔" (۳۳ : ۱۸ ' ۱۹)

خلاصۃ الکلام

۴۲ منافقین کا پہلا گروہ تو ایڑی سے چوٹی تک اسلام کا اشد شدید دشمن ہے۔ اس سے کسی خیر و صلاحیت کی توقع رکھنا ہی فضول ہے البتہ دوسری قسم کے لوگ جن کی مثال "او کصیب" سے دی گئی ہے ایسے ہیں کہ ان کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے' رشد و ہدایت ان کے سامنے ہو تو ممکن ہے ترغیب و ترہیب سے وہ اپنے اندر عبرت و موعظت پیدا کریں اور سچے دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب آنے والی آیات میں ان کی جانب توجہ کی جاتی ہے اور تذکیر بآلا اللہ کے ذریعہ ان کے لئے تنبیہہ اور عبرت کی راہ کھولی جاتی ہے اور یہ بات اس مضمون سے خود بخود نکل آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ "اگر اللہ چاہے تو یہ لوگ بالکل بہرے' اندھے ہو کر رہ جائیں" یعنی ابھی قانون الٰہی کے مطابق ان کو موقع دیا جا رہا ہے کہ اگر یہ سیدھی راہ چلنا چاہیں تو چل سکتے ہیں۔

اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہر چیز پر قادر ہے

۴۳ قدیر قدرۃ سے ہے۔ قادر اور قدیر ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے

Marfat.com

علیٰ کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۲۰ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا

ہے۔ ۲۰

اے افراد نسل انسانی[۴۴]! اپنے رب کی عبادت[۴۵] کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے[۴۶] اور

جس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی عجز و کمزوری سے پاک ہے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے الفاعل لما یشاء علی قدر ما تقتضی الحکمۃ لا زائدا علیہ ولا ناقصا عنہ۔ یعنی کرنے والا اس کا جسے وہ چاہے اس اندازے پر جو حکمت کا اقتضا ہے نہ اس سے زیادہ اور نہ اس سے کم (راغب) یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو ایک خاص بندھن میں باندھ دیا ہے ایک خاص انداز اس کے لیے مقرر کر دیا ہے ایک خاص قانون اس کے لئے بنا دیا ہے۔ اب کوئی چیز اس بندھن' اس انداز اور اس قانون سے انحراف نہیں کر سکتی۔ اگر اس کے خلاف ہو تو اللہ کی قدرت میں نقص آتا ہے اور اللہ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو ہر نقص سے پاک ہے۔ افسوس! کہ لوگوں نے اللہ کے قادر یا قدیر ہونے کو کیا سمجھا؟

قرآن کریم کا انداز تخاطب

۴۴ گذشتہ آیات میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ مسلمان' کافر اور منافق۔ پھر منافقین کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے بتایا گیا اور دونوں گروہوں کو الگ الگ مثال دے کر خوب ذہن نشین کرا دیا کہ ان کے یہ یہ اوصاف ہیں تاکہ ہر انسان اپنا تجزیہ کر کے اپنی حیثیت کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرے اگر کوئی بات ایسی نظر آئے جو کفر و نفاق کی طرف لے جا رہی ہو تو فوراً اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ چونکہ بحیثیت انسان تینوں گروہ ایک ہی اصل سے متعلق ہیں اس لئے اکرام انسانیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو "اے نسل انسانی" کہہ کر مخاطب کیا "اے کافرو" یا "اے منافقو!" کہہ کر نہیں بلایا۔ پھر صدا دی تو صدا دے کر خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ ان سب کے سامنے توحید الٰہی کا مضمون رکھا اور یہ بتا دیا کہ قرآن کی دعوت پوری نوع انسانی کے لئے ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا ہر انسان کی مرضی اور اختیار کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے فائدہ اٹھانے یا نہ اٹھانے کے لئے قانون یعنی ایک انداز مقرر کر دیا ہے جو چاہے ایمان لائے' اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ مَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ۔

توحید الٰہی کے درس و فکر کا پہلا طریقہ

۴۵ قرآن کریم کا درس و فکر ہمیں بتاتا ہے کہ مخالفین و معاندین کو راہ حق کی طرف لانے کے لئے تین قسم کی تذکیر و موعظت سے کام لیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۱۔ تذکیر بآلاء اللہ۔ یعنی اپنی نعمتیں یاد دلا کر عبرت و بصیرت پیدا کرنا جیسے فَاذْكُرُوٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الاعراف ۷ : ۶۷) "پس چاہئے کہ تم اللہ کی نعمتوں کی یاد سے غافل نہ ہو تاکہ ہر طرح کامیاب ہو جاؤ۔"

۲۔ تذکیر بایام اللہ۔ گزشتہ اقوام و امم کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس سے استنباط نتائج وغیرہ جیسے وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ (ابراہیم ۱۴ : ۵) "اور اللہ کے فیصلہ کن واقعات کا تذکرہ کر کے وعظ و نصیحت کرو کیونکہ ہر اس انسان کے لئے جو صبر و شکر کرنے والا ہے ان تذکروں میں عبرت و موعظت کی بڑی نشانیاں ہیں۔"

۳۔ تذکیر مابعد الموت۔ مرنے کے بعد اعمال انسانی کے نتائج بیان کر کے نیکی کا شوق دلانا اور برائی کی پشیمانی سے ڈرانا جیسے : اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ○ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ○ (العادیات ۱۰۰ : ۹، ۱۰) "کیا انسان کو وہ وقت یاد نہیں جب مردے جو قبروں یعنی عالم برزخ میں ہیں اٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ اور جو کچھ لوگوں کے سینوں میں مخفی ہے وہ سب آشکارا کر دیا جائے گا۔"

ان آیات میں پہلی قسم کی تذکیر یعنی تذکیر بالاء اللہ کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ ربوبیت ہی پر ہر زندگی کا انحصار ہے۔ زندگی کے جس قدر مراتب مختلفہ ہیں سب کے سب اللہ وحدہ لا شریک کے قبضہ میں ہیں۔ موت و حیات کا وہی مالک ہے وہی بادلوں سے پانی برساتا ہے اور وہی حیات انسانی کے بقا و قیام کے تمام ضروری سامان پیدا کرتا ہے پھر یہ کس قدر کوتاہ بینی اور جہالت و ضلالت ہے کہ غلامی کرتے وقت ہم کسی اور کو بھی اس کا شریک بنالیں خواہ وہ بشکل اصنام و طواغیت ہوں۔ رسم و رواج ہوں۔ نسلی روایات ہوں یا عقائد مالوفہ ہوں یا سلاطین جابرہ ہوں غرض کہ ہر وہ چیز جس کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا درجہ عملاً یا اعتقاداً دیا جائے سب اس میں داخل ہیں پھر تخلیق انسانی کے ساتھ تخلیق آسمان و زمین اور کائنات کی ہر شے انعامات الٰہی ہی کی کرشمہ سازی ہے۔

مخاطبین کی پیدائش سے استدلال

۴۶ "جس نے تمہیں پیدا کیا" یعنی تمہاری تخلیق میں کسی دوسرے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یعنی عمل تخلیق خالص الٰہی عمل ہے تخلیق میں ہمسر و مساوی ہونا تو الگ رہا۔ ماتحت و معاون کی حیثیت سے بھی کوئی شریک تخلیق نہیں۔ یعنی تم نیست سے ہست ہوئے۔ عدم سے وجود میں آئے ہو یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی مخلوق مادہ موجود تھا اللہ نے اس کی صورت میں کوئی خاص صفت و ترتیب پیدا کر دی۔ جہاں اس رنگ کے علاوہ بیان ہوا یعنی کسی نہ کسی مادہ سے تخلیق کرنے کا ذکر فرمایا وہاں اس حقیقت کو اس میں پوشیدہ رکھا کیوں؟ اس لئے کہ انسان کا امتحان ہو جائے کہ اس نے اپنے خالق حقیقی کو کیا سمجھا ہے؟

Marfat.com

رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ

ان سب کو بھی پیدا کیا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں[47] تب ہی[48] تم اس کی نافرمانی سے بچ سکتے ہو۔ ۲۱

وہ پروردگار عالم جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش کی طرح بچھا دیا[49] اور آسمان کو

من قبلکم میں پوشیدہ راز

۴۷ "اور تم سے پہلوں کو" اس سے پچھلی انسانی نسلوں کا مراد ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ تم سے پہلے جو انسان ہو گزرے ہیں ان سب کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے لیکن اس میں ایک پوشیدہ راز یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ خلقت انسانی سے قبل روئے زمین پر کوئی اور مخلوق بھی آباد رہ چکی ہو۔ یہ دو لفظ لا کر قرآن کریم نے اشارہ ادھر بھی کر دیا کہ توحید الٰہی کا درس ماضی و حال' تاریخ و مشاہدہ دونوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

سوچ سمجھ کا واحد مرکز

۴۸ "تب ہی تم" یعنی توحید الٰہی میں وہ نسخہ کیمیا ہے جس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ متقی اور موحد دونوں مرادف ہیں متقی تب ہی متقی ہے جب موحد ہے اگر موحد نہیں تو متقی نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ "لعل" کا لفظ اظہار شک اور امید و آرزو کے لئے بولا جاتا ہے لیکن قرآن کریم میں جس جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے وہاں آرزو کی بجائے وقوع اور شک و احتمال کی بجائے یقین کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ ان مقامات پر اردو میں اس کا ترجمہ "تاکہ" "تب ہی" سے کیا جائے تو یہی صحیح ہے کیونکہ اس سے احتمال اور شک ختم ہو جاتا ہے۔

زمین و آسمان کی صدائے وحدت

۴۹ فراش کے معنی مفروش یعنی پھیلائی ہوئی چیز کے ہیں۔ امام راغب کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زمین کو ایسا بنایا جس پر انسان قرار پکڑ سکتا ہے اگر انسانی پیدائش اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل ہے تو زمین و آسمان کی پیدائش اور بناوٹ اس عظمت کا اور بھی بلند سے بلند تر احساس پیدا کرتی ہے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت یا عمارت کہنے سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ فرش بچھانے' چھت یا عمارت بنانے میں ایک خاص نظم و نسق یا ایک خاص ترتیب موجود ہوتی ہے جس میں اس بات کا واضح اشارہ دیا جا رہا ہے کہ وہ ذات جو ان

Marfat.com

السَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ

چھت کی طرح بلند و بالا کر دیا اور وہی ہے جو آسمان سے پانی برساتا رہتا ہے جس سے

سب کی بنانے والی ہے وہ بہت ہی مدبر بالارادہ ذات ہے کیونکہ ہر صنعت صانع کا پتہ دیتی ہے۔ ہر نظام ناظم کی صلاحیت پر دال ہے انسان ہو یا زمین و آسمان بلکہ اس کائنات کا ہر ذرہ ذرہ اس بات کی شہادت ہے کہ ان کا صانع ایک اور صرف ایک ہے اور ایسا قادر و قدیر ہے کہ اسی کے بندھن سے یہ سب کچھ بندھا ہوا ہے۔

یہاں مقصود اصلی زمین و آسمان کی ہیئت بیان کرنا یا ان کی ارضیاتی یا فلکیاتی ماہیت بیان کرنا قطعاً نہیں ہے بلکہ مقصود اصلی یہ ہے کہ زمین ہو یا آسمان کوئی بھی ازخود نہیں بن گیا بلکہ جو کچھ ہے اور جیسا بھی ہے سب اللہ ہی کا بنایا ہوا ہے اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہے۔ دوسری تعلیم یہ ہے کہ زمین و آسمان انسان کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ انسان زمین و آسمان کے لئے خلق نہیں ہوا۔ یعنی مقصود و مطلوب انسان ہے۔ زمین و آسمان دونوں بلکہ ان کے درمیان اور ان کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب باذن الٰہی اسی خلیفۃ اللہ کے خادم ہیں۔ پھر یہ کیسی حماقت و بے وقوفی ہے کہ آقا یعنی انسان اپنے ان الٰہی خادموں کے سامنے جھکنے لگے اور الٹا انہیں کو معبود قرار دے کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

آپ ایک بار پھر دیکھیں کہ زمین کو فرش کا نام دے کر یہ بھی بتا دیا کہ یہ ایسی ٹھوس اور ہموار چیز ہے جس پر ہم قدم رکھ سکتے ہیں' بیٹھ سکتے ہیں' لیٹ سکتے ہیں یہ کوئی ایسی کھردری یا پلپلی چیز نہیں جس پر بیٹھنا' چلنا' قدم رکھنا ناممکن ہو۔ زمین اپنی ہیئت کے لحاظ سے گول ہو یا چپٹی ہر حال میں اس کا تعارف انسان اور انسانیت کے سلسلہ میں اس سے بہتر ممکن نہیں کہ وہ انسان کے لئے فرش کا کام دے رہی ہے اور اس کام پر اس کو اللہ ہی نے لگایا ہے۔ اسی طرح "سماء" میں اصلی تخیل بلندی کا ہے۔ زمین جس طرح بطور فرش ہمیں نیچے سے سنبھالے ہوئے ہے آسمان بالکل اسی طرح ہم کو اوپر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ جو محسوس اور مرئی چیز اس قدر بلند ہے کہ بڑے بڑے سیاروں کی بلندیاں' اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں' پرندوں اور طیاروں کی بڑی سے بڑی بلند پروازیاں سب اس کے اندر سما جائیں اور سب کی سب اس سے پست ہی رہیں تو اس پر چھت کا اطلاق نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ پھر یہ بات کہ زمین کی طرح آسمان بھی کوئی ٹھوس یا مادی جسم رکھتا ہے؟ یا محض خلا منتہائے نظر ہے اس قسم کے مسائل کا تعلق تمام تر دنیوی تجربی علوم سے ہے قرآن کو تو آسمان کا صرف یہ وصف بیان کرنا تھا جو سلسلہ الٰہی اور خلافت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بیان اس نے کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ زمین و آسمان کی کوئی شے پوجا اور پرستش کے لائق نہیں ہے اس کی ہیئت و ماہیت کچھ بھی ہو؟

بارش برسانے والا ہی معبود حقیقی ہے

Marfat.com

مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا
وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا

زمین شاداب ہوتی رہتی ہے اور طرح طرح کے پھل تمہاری غذا کے لئے پیدا کرتا رہتا ہے جب خالق وہی ہے اور رب بھی وہی تو ایسا نہ کرو کہ اس کے ساتھ کسی دوسری ہستی کو شریک و سہیم بناؤ[۵۱] اور تم جانتے بھی ہو کہ اس کے سوا کوئی نہیں ہے جو یہ کام کرے[۵۲]۔ ۲۲

اگر تمہیں اس کلام کی سچائی میں کوئی شک[۵۳] ہے جو ہم نے اپنے بندے یعنی محمد

ف۵۰ اور آسمان سے پانی نازل کرنے والا وہی معبود واحد و برحق ہے نہ کہ کوئی دیوی دیوتا' پری و بھوت اور انسان و جن زندہ ہو یا مردہ۔ مقصود یہاں بھی وہی تعلیم ہے کہ آسمان و بارش سب اللہ واحد ہی کی مخلوق و مصنوع ہیں۔ علاوہ ازیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب مکرانیوں' مصریوں' یونانیوں' ہندیوں اور رومیوں کے گھڑے ہوئے خرافات ہیں۔ آسمان و بارش کی پرستش اب دنیا سے بالکل مفقود نہیں ہوئی بلکہ نہ معلوم کتنی مخلوق اب بھی ہے جو ان کی پرستش کرتی ہے۔ نہ معلوم کتنے گوشوں میں اب بھی یہ شرک دوسرے شرکوں کی طرح جاری و ساری ہے۔ یاد رہے کہ آسمان سے پانی برسنے' بادل سے پانی کے اترنے' بخارات کے منجمد ہونے اور پھر گرمی پا کر تحلیل ہونے اور بادل بن کر برس پڑنے اور اسی طرح کے درمیانی واسطوں کے ہرگز منافی نہیں کیونکہ یہ واسطے اسی مسبب الاسباب کے ہیں جو ہر چیز کا آخری سبب ہے۔

لاضدله ولا ندله

ف۵۱ "تم اللہ کا ہمسر مت ٹھہراؤ" اس خلیفۃ اللہ یعنی انسان کو سمجھانا یہاں بھی مقصود ہے کہ وہ جب کبھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر پستی میں گرا ہے تو اس نے اپنا سر جھکایا اور ماتھا ٹیکا ہے' درختوں کے آگے' ان کے پھلوں کے آگے' بارش کے دیوتا کے آگے' زمین کے آگے' آسمان کے آگے بلکہ زمین و آسمان کی ہر شے کے آگے قرآن کریم اس کو اسی حماقت پر تنبیہہ کر رہا ہے۔

"انداداً" ند کی جمع ہے۔ ند عربی میں کہتے ہیں مثل و مشابہ کو اور مخالف و مدمقابل کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہاں دونوں مراد ہیں اور اس جامعیت میں نکتہ یہ ہے کہ شرک دنیا میں دونوں قسموں سے مروج رہا

Marfat.com

ہے اور اب بھی مروج ہے۔ بہت سی قوموں نے اپنے دیوتاؤں کو محض ایک رب اصغر یا ماتحت رب تسلیم کیا ہے اور مجوس نے اہرمن کو یزدان کا حریف اور مدمقابل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے شرک کو شرک ہی قرار دیا ہے اور اس میں سوائے الفاظ کے کوئی فرق بھی تسلیم نہیں کیا۔ مفہوم شرک میں دونوں برابر ہیں۔

فطرت انسانی اور توحید ربانی

۵۲ یعنی الہام فطری اور فہم بشری دونوں کا تقاضا ہے کہ سب کا حاکم' سب کا خالق بس وہی ایک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اتنی بصیرت جو توحید الٰہی تک پہنچادے ہر قلب بشری میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ اکثر غلط تعلیم و تربیت اور ناقص ماحول اس فطرت ہی کو مسخ کر ڈالتا ہے اور جس کی فطرت مسخ شدہ ہو وہ انسان' انسان کیونکر ہوا؟ یعنی ہر مشرک شرک کر کے اپنی انسانیت ہی کو ضائع کر دیتا ہے۔ اسی لئے اس کو "ظلم عظیم" قرار دیا گیا ہے کہ یہ فطرت کو مسخ کرتا ہے۔ دیکھو حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو ان الفاظ میں نصیحت کی ہے کہ "یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ"

پوری انسانیت کے لئے ایک چیلنج

۵۳ کلمہ اسلام کے اجزائے ترکیبی دو ہیں۔ ایک توحید الٰہی' دوسرے رسالت محمدی ﷺ۔ توحید کا بیان اوپر کی دو آیتوں میں ہو چکا اب دعوت تصدیق رسالت کی دی جا رہی ہے اور پیرایہ بیان ایسا اختیار کیا گیا ہے جو صرف قریش مکہ یا اہل عرب ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ چیلنج بھی ایسا کہ کسی خاص وقت کے لئے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک جب تک انسان کو انسان کہا جاتا رہے گا یا انسان' انسان رہے گا یہ چیلنج موجود رہے گا جس طرح نزول قرآن کے وقت تھا اب بھی ہے اور قیامت کے دن تک بدستور رہے گا۔ وہ چیلنج کیا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے قرآن کو خود بنا لیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر پیغمبر نے بنا لیا ہے تو تم بھی ایک سورت ایسی بنا لاؤ؟ اٹھو! دیر نہ کرو! اپنے سارے فصحا و بلغا کو اکٹھا کر لو' نہیں نہیں تمام انسان اکٹھے ہو جاؤ۔ اگر جنوں سے مدد لے سکتے ہو تو لے لو۔ پورا قرآن نہیں' دس سورتیں نہیں صرف اور صرف ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو۔

پہلا معجزہ قرآنی

قرآن کریم نے بار بار اس امر کا مطالبہ کیا ہے اور مخالفین و منکرین کو چیلنج پر چیلنج دیا ہے۔ کوئی شرط عائد نہیں کی۔ کوئی پابندی نہیں لگائی۔ کہا ہے تو صرف یہ کہا ہے کہ یا تو دعویٰ رسالت تسلیم کر لو اور مان لو کہ یہ کلام پیغمبر اسلام کا تصنیف شدہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے رسالت کا پیغام ہے یا پھر ایسا کلام تم بھی بنا کر پیش کر دو۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

Marfat.com

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۸۸) "اے پیغمبر اسلام! اس بات کا اعلان کر دو کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کی مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی پیش نہیں کر سکیں گے اگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو۔"

ایک موقع پر یوں ارشاد ہوا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ (ہود ۱۱ : ۱۳) "پھر کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس آدمی یعنی پیغمبر اسلام نے قرآن اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ اے پیغمبر اسلام! تو ان کو جواب دے دے کہ اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اس طرح کی دس سورتیں گھڑی ہوئی لا کر پیش کر دو اور اللہ کے سوا جس جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے پکار سکتے ہو' پکار لو۔"

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہوا

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ (یونس ۱۰ : ۳۸) "کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یعنی پیغمبر اسلام نے قرآن اپنے جی سے گھڑ لیا ہے؟ اے پیغمبر اسلام! تم ان کو جواب دے دو۔ اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو تم بھی اس قرآن کریم کی ایک سورت کی مانند سورت بنا کر پیش کرو اور اللہ کے سوا جن جن ہستیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو تم کو اجازت ہے کہ بلا لو۔"

آیت زیر نظر میں بھی یہی مطالبہ کیا گیا ہے کہ ایک سورۃ بنا کر لے آؤ لیکن سوال یہ ہے کہ جواب کس اعتبار سے مانگا جا رہا ہے۔ عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت میں مقابلہ کی دعوت دی گئی ہے اس میں شک نہیں کہ مسلمان تو ایک طرف خود معاندین اسلام بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت پیش کرنا غیر ممکن اور انسانی طاقت سے باہر ہے۔ جب خود اہل زبان اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں تو دوسروں کی کیا بات ہے؟

قرآن کریم کا ارشاد کہ میں کیا ہوں؟

قرآن کریم نے اپنی نسبت کہا ہے کہ وہ "نور" ہے۔ "بصائر" ہے۔ "ہدی للناس" ہے اس کا روئے سخن عالمگیر ہے۔ وہ تمام اقوام و امم عالم میں وحدت و جمعیت پیدا کرنے آیا ہے۔ اس کا مقصد اصلی ایک امتہ صالحہ اور مدنیت فاضلہ کا بقا و قیام ہے وہ تہذیب اخلاق' تدبیر منزل' سیاست مدن اور خلافت کبریٰ کی تعلیم دینے آیا ہے یہ اس کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ اس نے عرب کو زندہ جاوید قوم بنا دیا۔ جس نے زناکاری' شراب خوری' قمار بازی اور صدہا جرائم کو آن واحد میں سرزمین عرب سے حرف غلط کی طرح محو و باطل کر دیا۔ جس نے عرب کے جنگلیوں اور وحشیوں کو اللہ کا مقدس دست عمل بنا دیا' جو قیصر و کسریٰ کے خزائن کے مالک بنا دیئے گئے اور

Marfat.com

یہ سب سے زیادہ حیرت انگریز اور محیر العقول انقلاب عظیم صرف تئیس سال کے قلیل ترین زمانہ میں ہوا۔ کیا دنیا کی تاریخ ہمیں کوئی ایسی نظیر بتا سکتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے ریفارمر اور مصلح کو ایسی عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

یہ وہ حقائق ثابتہ ہیں جو تاریخ کے اوراق میں اب تک اپنی تابناکی و درخشندگی سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کر رہے ہیں یہ واقعات ہیں جن کو انسان اگر بھول جائیں تو ممکن ہے مگر نہ تو آسمان پر چمکنے والے ستارے فراموش کر سکتے ہیں اور نہ زمین کے رینگنے والے جانور اور سمندروں اور دریاؤں میں تیرنے والی مچھلیاں ان کو بھلا سکتی ہیں اور نہ آسمان و زمین کے درمیان اڑنے والے پرندے۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا یہ قرآن کریم کا اثر تھا۔ پس اگر مخالفین اسلام میں ہمت ہے تو وہ کوشش کر کے دیکھیں اپنے تمام اعوان و انصار اور اولیاء الشیطان کی مدد سے ایسا قانون مرتب کر کے لائیں۔ اگر تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے تو پھر قرینِ عقل و انصاف یہی ہے کہ اس کتاب کریم کے سامنے سر نیاز جھکا دیں اور اپنی گردنیں خم کر کے بغیر کسی قسم کے بحث و مذاکرہ کے اس کو اپنا امام و پیشوا تسلیم کر لیں ورنہ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ بداخلاقی و بدکرداری کے دردناک انجام سے انہیں کوئی نجات نہ دلا سکے گا۔

ہمارے خیال میں وہ یہاں پیش اپنے اس سب سے بڑے وصف کو کر رہا ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جو ہدایتیں اور بصیرتیں میرے ایک ایک سورہ کے اندر موجود ہیں اب اگر تم اپنی متحدہ کوشش اور جدوجہد سے بھی اس کے مقابلہ کی کوئی چیز پیش کر سکتے ہو تو لاؤ دکھاؤ۔ "من مثلہ" میں مثلیت کی تفسیر پر سب سے بہترین روشنی خود قرآن کریم ہی سے پڑتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ (القصص ۲۸: ۴۹، ۵۰)

"اے پیغمبر اسلام! تم ان سے کہو کہ اگر تم اپنے اس دعوئ میں سچے ہو کہ قرآن کریم اور تورات شریف ہدایت کے لئے آسمانی کتابیں نہیں ہیں تو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی کوئی دوسری کتاب لے آؤ جو آسمانی ہو تاکہ میں اس کی پیروی کر کے ہدایت حاصل کر سکوں حالانکہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ یہ لوگ آپ کے اس چیلنج کا کوئی جواب دیں؟ یقیناً ان سے اس کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑے گا تو پھر تم سمجھ لو کہ یہ ہٹ دھرم لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔"

قرآن کریم ایک زندہ و جاوید معجزہ ہونے کی تشریح

گزشتہ اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کریم کو کس بنا پر نبی کریم ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ دوسرے یہ

Marfat.com

کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کریم کی زبردست تحدی یعنی چیلنج کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کر سکا یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے۔ یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور ذرا تفصیل طلب ہیں۔

وجوہ اعجاز قرآنی

پہلی بات کہ قرآن کریم کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے اس پر قدیم و جدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ہر دور کے مفسرنے اپنے اپنے طرز پر اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ چند ضروری چیزیں عرض کرتے ہیں۔

اعجاز قرآنی کی پہلی وجہ

اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب کل علوم کی جامع کتاب کس جگہ' کس ماحول میں اور کس پر نازل ہوئی؟ اور کیا وہاں کچھ ایسے علمی سامان موجود تھے جن کے ذریعہ دائرہ اسباب ہامہ میں ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہو سکے' جو علوم اولین و آخرین کی جامع' اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے' جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا مکمل نظام ہو اور تدبیر منزل سے لے کر سیاست مملکت تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ریگستانی خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ پڑے گا جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی' نہ اس ملک کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی خوشگوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں' نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں جن سے وہاں تک پہنچنا آسان ہو' اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے' جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا' اور دور تک نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ کوئی کھیت نہ درخت۔

اس پورے خطہ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں' چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گزارنے والے انسان بستے ہیں' اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا' جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں ان میں بھی کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں' نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم' وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اوز پیدائشی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دے دیا ہے' جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں' وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں' ان کی ادنیٰ ادنیٰ چھوکریاں ایسی فصیح و بلیغ شعر کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔

Marfat.com

لیکن یہ سب کچھ ان کا فطری فن ہے' جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا' غرض نہ وہاں تعلیم و تعلم کا کوئی سامان ہے' نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلبستگی ہے' ان میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں تو وہ تجارت پیشہ ہیں' مختلف اجناس مال کی درآمد برآمد ان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر مکہ کے ایک شریف گھرانہ میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے جو مہبط وحی ہے' جس پر قرآن اترا ہے' اب اس ذات مقدس کا حال سنئے :

ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا' پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہوگئے' ابھی سات سال کی بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہوگئی' آغوش مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا' شریف آباو اجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا' جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے' نہایت عسرت کی زندگی پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں' ان حالات میں آپؐ نے پرورش پائی' اور عمر کا ابتدائی حصہ گزارا جو تعلیم و تعلم کا اصلی وقت ہے' اس وقت اگر مکہ میں کوئی دارالعلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپؐ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا' مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی کسی کو نہ تھی' اسی لئے یہ پوری قوم عرب امیین کہلاتے تھے' قرآن کریم نے بھی ان کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے' اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ آپؐ ہر قسم کی تعلیم و تعلم سے بے خبر رہے' وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جا سکیں' جن کا قرآن حامل ہے' پھر قدرت کو تو ایک فوق العادۃ معجزہ دکھلانا تھا' جو انبیاء کرام کے ساتھ خاص رکھا گیا تھا۔ آپؐ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت و خواند جو ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طرح سیکھ ہی لیتے ہیں آپ نے وہ بھی نہ سیکھی' امی محض رہے' کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے' عرب کا مخصوص فن شعرو سخن تھا' جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے' اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا' آپؐ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ لی' نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا' نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔

ہاں امی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپؐ کی شرافت نفس' اخلاق فاضلہ' فہم و فراست کے غیر معمولی آثار' دیانت و امانت کے اعلیٰ ترین شاہکار آپؐ کی ذات مقدس میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار آپؐ کی تعظیم کرتے تھے' اور سارے مکہ میں آپؐ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنی برادری کے سامنے رہتے ہیں' کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں کرتے' جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہاں جا کر علوم حاصل کئے ہوں گے' صرف ملک شام کے دو

Marfat.com

تجارتی سفر ہوئے' وہ بھی گنے چنے چند دن کے لئے جس میں اس کا کوئی امکان نہیں۔

اس امی محض ذات مقدس کی زندگی کے چالیس سال مکہ میں اپنی برادری میں اس طرح گزرے کہ نہ کبھی کسی کتاب یا قلم کو ہاتھ لگایا' نہ کسی مکتب میں گئے' نہ کسی مجلس میں کوئی نظم و قصیدہ ہی پڑھا' ٹھیک چالیس سال کے بعد ان کی زبان مبارک پر وہ کلام آنے لگا جس کا نام قرآن ہے جو اپنی لفظی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے اور معنوی علوم و فنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے' اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی اس کے معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے' مگر یہاں یہی نہیں بلکہ اس نے ساری دنیا کو تحدی کی' چیلنج دیا کہ کسی کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہو تو اس کا مثل بنا لائے۔

اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدی اور چیلنج اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کو شکست دینے کے لئے اپنی مال جان' اولاد' آبرو سب گنوانے کو تیار ہیں' مگر اتنا کام کرنے کے لئے کوئی جرات نہیں کرتا' کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنا لائے۔ فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے مثال و بے نظیر نہ ہوتی' جب بھی ایک امی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن اور وجوہ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر قرآن کریم کے معجزہ ہونے کے لئے کم نہیں جس کو ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔

اعجاز قرآنی کی دوسری وجہ

اب اعجاز قرآن کی دوسری وجہ دیکھئے' یہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن اور اس کے احکام ساری دنیا کے لئے آئے' لیکن اس کے بلاواسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے' جن کو اور کوئی علم و فن آتا تھا یا نہیں مگر فصاحت و بلاغت ان کا فطری ہنر اور پیدائشی وصف تھا' جس میں وہ اقوام دنیا سے ممتاز سمجھے جاتے تھے' قرآن ان کو مخاطب کر کے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمہیں میرے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے تو تم میری ایک سورت کی مثال بنا کر دکھلا دو' اگر قرآن کی یہ تحدی (چیلنج) صرف اپنا حسن معنوی یعنی حکیمانہ اصول اور علمی معارف و اسرار ہی کی حد تک ہوتی تو قوم امیین کے لئے اس کی نظیر پیش کرنے سے عذر معقول ہوتا' لیکن قرآن نے صرف حسن معنوی ہی کے متعلق تحدی نہیں کی' بلکہ لفظی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کو چیلنج دیا ہے' اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے اقوام عالم میں سب سے زیادہ مستحق عرب ہی تھے' اگر فی الواقع یہ کلام قدرت بشر سے باہر کسی مافوق قدرت کا کلام نہیں تھا تو بلغاء عرب کے لئے کیا مشکل تھا کہ ایک امی شخص کے کلام کی مثال بلکہ اس سے بہتر کلام فوراً پیش کر دیتے' اور ایک دو آدمی یہ کام نہ کر سکتے تو قرآن نے ان کو یہ سہولت بھی دی تھی کہ ساری قوم مل کر بنا لائے' مگر قرآن کے اس بلند بانگ دعوے اور پھر طرح طرح سے غیرت دلانے پر بھی عرب کی غیور قوم پوری خاموش ہے' چند سطریں بھی مقابلہ پر نہیں پیش کرتی۔

عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح

Marfat.com

اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا' وہ کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں' شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے گنے چنے رفقاء کو طرح طرح کی ایذائیں دے کر چاہا کہ وہ کلمہ اسلام کو چھوڑ دیں' مگر جب دیکھا کہ "یاں وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے" تو خوشامد کا پہلو اختیار کیا عرب کا سردار عتبہ ابن ربیعہ قوم کا نمائندہ بن کر آپؐ کے پاس حاضر ہوا' اور عرب کی پوری دولت و حکومت اور بہترین حسن و جمال کی لڑکیوں کی پیشکش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں' آپ نے اس کے جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفا فرمایا' جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ و مقابلہ کے لئے تیار ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریش عرب نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی' جان' مال' اولاد' آبرو' سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے' یہ سب کچھ کیا' مگر یہ کسی سے نہ ہو سکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا' اور چند سطریں مقابلہ پر پیش کر دیتا' کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا' بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا' اور جو ان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا' پھر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے' اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف کے محروم رہے' قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے' میں اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتا ہوں' جس سے اندازہ ہو سکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے بے مثل' بے نظیر ہونے کو تسلیم کیا' اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا' جب رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا' اور حج کا موسم آیا تو قریش مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج آئیں گے' اور رسول کریم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے' تو فریفتہ ہو جائیں گے اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے' اس کے انسداد کی تدبیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا' اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے' ان میں ولید بن مغیرہ عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے' سب نے ولید بن مغیرہ کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطراف ملک سے لوگ آئیں گے اور ہم سے محمد (ﷺ) کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم سب وہ ہی بات کہہ دیں' ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے' ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کہو کیا کہنا چاہیے؟

لوگوں نے کہا کہ ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) معاذ اللہ مجنون ہیں' ان کا کلام مجنونانہ

Marfat.com

بڑ ہے' ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا' کیونکہ یہ لوگ جب ان کے پاس جائیں گے' اور ان سے ملاقات و گفتگو کریں گے' اور ان کو ایک فصیح و بلیغ عاقل انسان پائیں گے تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے' پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں' ولید نے اس سے بھی منع کیا' اور کہا کہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں' انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں اور نہ آپ شاعر ہیں' نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے' پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں' جو شیاطین و جنات سے سن کر غیب کی خبریں دیا کرتے ہیں' ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے' کیونکہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کسی کاہن کا نہیں ہے' وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے' اسکے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے ان کو اِن الفاظ میں بیان کیا:

"خدا کی قسم! تم میں کوئی آدمی شعر و شاعری اور اشعار عرب سے میرے برابر واقف نہیں' خدا کی قسم! اس کلام میں خاص حلاوت ہے' اور ایک خاص رونق ہے' جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا۔"

پھر ان کی قوم نے دریافت کیا کہ آپ ہی بتلایئے پھر ہم کیا کریں؟ اور ان کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا' پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم ان کو ساحر کہو' کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔

قوم اس پر مطمئن اور متفق ہو گئی' اور سب نے یہی کہنا شروع کیا' مگر خدا کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا؟ اطراف عرب کے لوگ آئے قرآن سنا اور بہت سے مسلمان ہو گئے' اور اطراف عرب میں اسلام پھیل گیا۔ (خصائص کبریٰ)

اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا:

"اے قوم قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے' اور تم سب ان کے عادات و اخلاق کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے اور کہتے تھے اب جب کہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے' اور انہوں نے ایک بے مثل کلام اللہ کی طرف سے پیش کیا تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے' خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں' ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے' ان کے کلام سنے ہیں' اور طریقوں کو سمجھا ہے' وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے' خدا کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں' ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا اور ان کے کلام سنے ہیں' ان کو ان کے کام سے کوئی مناسبت نہیں۔

Marfat.com

اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے' خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں' ہم نے خود شعر' شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے' اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں' ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں' پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو' خدا کی قسم! وہ مجنون بھی نہیں' ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا' ان کی بکواس سنی ہے' ان کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں' یہاں یہ کچھ نہیں' اے میری قوم تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو' یہ سرسری ٹال دینے کی چیز نہیں۔" (خصائص کبریٰ ص ۱۱۴ ج ۱)

حضرت ابوذرؓ صحابی فرماتے ہیں کہ میرا بھائی انیس ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گیا' اس نے واپس آکر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے' میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے' کوئی کاہن بتلاتا ہے' کوئی جادوگر کہتا ہے' میرا بھائی انیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا' اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں' ان کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے' نہ مجنونانہ کلمات ہیں' بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا' اور مسجد حرام میں آکر پڑ گیا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا۔ (خصائص ص ۱۱۶ ج ۱)

واپس گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں' اور کاہنوں کے کلمات اور حمیر کے مقالات بہت سنے ہیں' محمد (ﷺ) کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سنی' تم سب میری بات مانو' اور آپؐ کا اتباع کرو' چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہوگئے۔ (خصائص ص ۱۱۶ ج ۱)

اسلام اور آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور اخنس بن شریق وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے' اور اس کے عجیب و غریب' بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے' مگر جب قوم کے کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبد مناف میں اور ہمارے قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہا ہے' وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں' اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ یہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے اب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں' میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی اور

Marfat.com

سکوت کیا' بلکہ اس کے بے مثل و بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا ہے' اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قرآن اور پیغمبر قرآن کے مقابلہ میں جان و مال' اولاد و آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو وہ تیار ہو گئے' مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال و افعال کے باوجود منصف مزاج تھے' جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے' جب انہوں نے قرآن کو سن کر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لا سکتے تو محض دھاندلی اور کٹ حجتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا اپنے لئے عار سمجھا' کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کر دی تو پورے عرب کے فصحاء و بلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کر دیں گے' اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی' اسی لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کیا' اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا جس کے کچھ وقائع پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کے سردار اسعد بن زرارہ نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے اقرار کیا کہ:

"ہم نے خواہ مخواہ محمد (ﷺ) کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناتے توڑے' اور تعلقات خراب کئے' میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں' ہرگز جھوٹے نہیں' اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔"

(خصائص ص ۱۱۶ ج ۱)

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمی قیس بن نسیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ سے قرآن سنا' اور چند سوالات کئے جن کا جواب آنحضرت ﷺ نے عطا فرمایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے' اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے' تو لوگوں سے کہا:

"میں نے روم و فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام سنے ہیں' بہت سے کاہنوں کے کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے' حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں' مگر محمد ﷺ کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا' تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو۔" انہیں کی تحریک و تلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(خصائص ۱۱۶ ج ۱)

Marfat.com

یہ اقرار و تسلیم صرف ایسے ہی لوگوں سے منقول نہیں جو آپ کے معاملات سے یکسو اور غیر جانبدار تھے، بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی حال تھا، مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے۔ اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سن کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گزر گئی، اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت و حلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا، پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہوگیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کر لیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا، کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس پہنچا، اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے محمدؐ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابوجہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آتی ہے، قوم کی سیادت و قیادت میں وہ جس محاذ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انہوں نے سخاوت و بخشش کے ذریعہ قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا تو ہم نے ان سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔

ان حالات میں ان کے خاندان سے یہ آواز اٹھی کہ ہمارے میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے

Marfat.com

وحی آتی ہے' اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں گے' اس لئے ہم نے تو یہ طے کر لیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے' اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ (خصائص ص ۱۱۵ ج ۱)

یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے' یہ تمام واقعات علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کئے ہیں۔

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں جو قرآن نے دیں' اور ہو بہو اسی طرح واقعات پیش آئے جس طرح قرآن نے خبر دی تھی' مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداء" اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے' لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر رومی اہل فارس پر غالب آجائیں گے' مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبرؓ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آگئے' تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی' اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط تھی' وہ مال ان کو دینا پڑا' رسول کریم ﷺ نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا' کیونکہ وہ ایک قسم کا جوا تھا' اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

اعجاز قرآن کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی امتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف تذکرہ ہے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی' نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا' پھر یہ ابتداء دنیا سے آپؐ کے زمانہ تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کے شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے کہ بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو' اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبریں دی ہوں۔

اعجاز قرآن کی پانچویں وجہ

یہ ہے کہ اس کی متعدد آیات میں لوگوں کے دل میں چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور پھر ان کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی' یہ کام بھی عالم الغیب والشھادۃ ہی کر سکتا ہے' کسی بشر سے عادۃ" ممکن نہیں' مثلاً ارشاد قرآنی ہے:

اِذْ ھَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا۔ (آل عمران ۳ : ۱۲۲)

Marfat.com

"جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا کہ پسپا ہو جائیں۔"

اور یہ ارشاد کہ :

يَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ۔

"وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔"

یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا' قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا ہے۔

اعجاز قرآن کی چھٹی وجہ

چھٹی وجہ اعجاز قرآنی کی' وہ آیات ہیں جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیش گوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کر سکیں گے' اور پھر وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کر سکے' جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ فی الواقع اپنے آپ کو اللہ کے دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہئے' وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا :

وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا۔ (البقرۃ ۲ : ۹۵)

"وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کر سکیں گے۔"

موت کی تمنا کرنا کسی کے لئے مشکل نہ تھا' خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے' قرآن کے ارشاد کی وجہ سے ان کو تمنائے موت میں خوف و ہراس کی کوئی وجہ نہ تھی' یہود کے لئے تو مسلمانوں کو شکست دینے کا یہ موقع بڑا غنیمت تھا کہ فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس و محفل میں اعلان کرتے۔

مگر یہود ہوں یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے' اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی' اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کر دے۔

اعجاز قرآن کی ساتویں وجہ

وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص و عام اور مومن و کافر پر طاری ہوتی ہے' جیسے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا' جب آپؐ آخری آیات پر پہنچے تو جبیرؓ کہتے ہیں کہ میرا دل گویا اڑنے لگا' اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا' وہ آیات یہ ہیں :

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ○ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ○ أَمْ عِندَهُمْ

Marfat.com

خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ○ (طور ۵۲ : ۳۵' ۳۷)

"کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ' یا وہی ہیں بنانے والے' یا انہوں نے بنائے ہیں آسمان اور زمین! کوئی نہیں' پر یقین نہیں کرتے' کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے' یا وہی داروغہ ہیں؟"

اعجاز قرآن کی آٹھویں وجہ

یہ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اکتاتا نہیں' بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے' دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے' پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ جتنا کوئی اس کو زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی اس کا شوق و رغبت بڑھتا جاتا ہے' یہ بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

اعجاز قرآن کی نویں وجہ

یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے' وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر و ترمیم کے باقی رہے گا' اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس سے زیادہ ہونے کو آئے ہیں ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر و زبر کی غلطی کا امکان نہیں' ہر زمانے میں مرد' عورت' بچے' بوڑھے اس کے حافظ ملتے ہیں بڑے سے بڑا عالم اگر کہیں ایک زیر و زبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہیں غلطی پکڑ لیں گے' دنیا کا کوئی مذہب اپنی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی' اور اس کے کتنے اجزاء تھے؟

کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں' حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی' اور ذرائع نشر و اشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں کو اس کا کوئی معتدبہ حصہ نصیب نہ تھا' مگر ان باتوں کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا۔

پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا جن سے جل جانے اور محو ہو جانے کا امکان ہو' بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں محفوظ کر دیا' اگر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کر دیئے جائیں' تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی' چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جا سکتی ہے' یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ ہے اور اس

Marfat.com

کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے' کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا' قرآن کی یہ پیش گوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آچکی ہے' اور تاقیامت انشاء اللہ تعالیٰ آتی رہے گی' اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک و شبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے۔

اعجاز قرآن کی دسویں وجہ

وہ علوم و معارف ہیں جن کا احاطہ نہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے نہ آئندہ امکان ہے کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم و فنون جمع کئے جا سکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے' شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات اور اجتماعیات اور سیاست ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔

پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرنا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آکر قوموں کے مزاج' اخلاق' اعمال' معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرون اولیٰ میں مل سکتی ہے نہ قرون مابعد میں' یہ حیرت انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ انسان بھی امی اور اس کی قوم بھی امی ہو۔

محذرات سرا پردہائے قرآنی
چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

یہی وہ محیر العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کو کلام الٰہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل و بصیرت کو تعصب و عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔

یہاں تک کہ اس دور مادہ پرستی کے مسیحی مصنفین جنہوں نے کچھ بھی قرآن میں غور و فکر سے کام لیا اس اقرار پر مجبور ہوگئے کہ یہ ایک بے مثل و بے نظیر کتاب ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارت معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے :۔

"بے شک قرآن کا طرز بیان خالق جل وعلا کا طرز بیان ہے' بلاشبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلام الٰہی ہو سکتا ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم و اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں' پچاس کروڑ مسلمان جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے

Marfat.com

ہوئے ہیں ان میں قرآن کی خاص تاثر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا وہ کبھی مرتد ہوا یا قرآن کا منکر ہو گیا ہو۔"

مسلمانوں میں تاثیر قرآنی کا یہ اعتراف اس مسیحی مستشرق سے ایک ایسے دور میں ہو رہا ہے جبکہ خود مسلمان اسلام اور قرآن سے بیگانہ اس کی تعلیمات سے دور' اور اس کی تلاوت سے غافل ہو چکے ہیں' کاش! یہ مصنف اسلام اور قرآن کے اس دور کو دیکھتا جب کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن کا عمل تھا اور ان کی زبانوں پر قرآن کی آیات تھیں۔

اسی طرح دوسرے مسیحی مصنفین نے بھی جو منصف مزاج ہیں اسی قسم کے اعتراف کئے ہیں۔ مسٹر ولیم میور نے اپنی کتاب "حیات محمدؐ" میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے' اور ڈاکٹر شبلی شمیل نے اس پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے۔

قرآن کے کلام الٰہی اور معجزہ نبوی ﷺ ہونے پر دس وجوہ آپ سن چکے ہیں' آخر میں ایک اجمالی نظر اس پر ڈالئے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ پیدائشی بے باپ ہو کر دنیا میں تشریف لائے ہیں' عمر بھر کسی مکتب میں قدم نہیں رکھتے' قلم اور کتاب کو ہاتھ نہیں لگاتے' اپنا نام بھی خود نہیں لکھ سکتے' اسی میں جوان ہوتے ہیں' آپؐ کی طبیعت عزلت پسند ہے' کسی کھیل' تماشہ' جلسوں' ہنگاموں میں جانے کے بھی عادی نہیں' شعر و سخن سے بھی مناسبت نہیں' کسی قومی اجتماع میں کبھی کوئی خطبہ دینے یا تقریر کرنے کا بھی عمر بھر اتفاق نہیں ہوتا' چالیس سال ہونے کے بعد جب کہ ادھیڑ عمر میں پہنچ جاتے ہیں' اور عادۃً کسی علم کے سیکھنے سکھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس وقت آپؐ کی زبان مبارک پر ایک ایسا محیر العقول' جامع حقائق فصاحت و بلاغت میں اعجاز نما کلام آنے لگتا ہے' جو کسی بڑے سے بڑے عالم' ماہر اور فصیح و بلیغ سے بھی ممکن نہیں جس کے ذریعہ آپؐ عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کو خطاب فرماتے ہیں' ان کے جلسوں میں پہنچ کر خطبے دیتے ہیں' اور پوری دنیا کے لئے عموماً عرب کے لئے خصوصاً یہ چیلنج سناتے ہیں کہ کوئی اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ کرے تو اس کے کسی چھوٹے سے حصہ کی مثال بنا کر دکھلا دے' اس پر پوری قوم مثال پیش کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔

پوری قوم جو آپؐ کو پہلے امین کے لقب سے پکارتی اور تعظیم کرتی تھی' آپ کی مخالف ہو جاتی ہے اس کلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے دولت' حکومت اور ہر انسانی خواہش کی چیزیں پیش کرتی ہے آپؐ ان میں سے کسی چیز کو قبول نہیں کرتے' پوری قوم آپؐ کو اور آپؐ کے رفقاء کو ستانے' ظلم کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے' آپؐ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں' مگر اس کلام کی تبلیغ نہیں چھوڑتے قوم آپؐ کے قتل کی سازشیں کرتی

Marfat.com

ہے، جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ آپؐ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے، آپؐ کی قوم آپؐ کو وہاں بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سارا عرب اور اہل عرب آپؐ کی مخالفت پر جمع ہو جاتا ہے، آئے دن مدینہ پر حملے ہوتے ہیں آپؐ کے مخالفین یہ سب کچھ کرتے ہیں، مگر قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے ایک چھوٹی سی سورت قرآن کی مثل بنا کر پیش نہیں کرتے، قرآن ان کو غیرت دلاتا ہے اس پر بھی ان کی رگ حمیت میں حرکت نہیں ہوتی۔

صرف یہی نہیں کہ پورا عرب قرآن کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا، بلکہ خود وہ ذات اقدس جس پر یہ قرآن نازل ہوا، وہ بھی اس کی مثال اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے، ان کا سارا کلام یعنی حدیث جس طرح کا ہے قرآن کا کلام یقیناً اس سے ممتاز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ۔ (یونس ۱۰: ۱۵)

"جو لوگ آخرت میں ہمارے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی جیسا ایک اور قرآن بنا دیجئے یا اس کو بدل دیجئے، تو آپؐ فرما دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل ڈالوں۔"

ایک طرف تو قرآن کے یہ کھلے کھلے معجزات ہیں جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر شاہد ہیں، دوسری طرف اس کے مضامین و مضمرات اور حقائق و معارف پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے زیادہ محو حیرت بنا دینے والی چیز ہے۔

نزول قرآن کے ابتدائی دور کے چند سال تو اس حالت میں گزرے کہ قرآنی تعلیمات کو کھلے طور پر پیش کرنا بھی ممکن نہ تھا، آنحضرت ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو اصول قرآنی کی طرف دعوت دیتے تھے، پھر بے شمار مزاحمتوں اور مخالفتوں کے نرغہ میں کچھ علانیہ دعوت بھی شروع کی جاتی ہے، مگر قرآن کریم کے مجوزہ قانون کی تنفید کا کوئی امکان نہ تھا۔

ہجرت مدینہ کے بعد صرف دس سال ایسے ملے جن کو مسلمانوں کے لئے آزادی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے، جس میں قرآنی نظام کی مکمل تعلیم اور تنفید کی کوشش اور کوئی تعمیری کام کیا جا سکتا تھا۔

لیکن ان دس سال میں بھی آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی چھ سال دشمنوں کے نرغہ اور منافقین اور یہود مدینہ کی سازشوں سے کس کو فرصت تھی کہ کوئی تعمیری کام اور ایسا نظام جو ساری دنیا کے نظاموں سے مختلف ہے، عملی طور پر نافذ کر سکے، مسلمانوں کے خلاف سب بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے، غزوۂ بدر، احد، احزاب وغیرہ سب اسی مدت کے اندر ہوئے، ہجرت کے چھٹے سال دس سال کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا اور صرف ایک سال اس معاہدہ پر قریش عرب قائم رہے، اس کے بعد انہوں نے اس کو بھی توڑ ڈالا، اور پھر جنگ و جہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

Marfat.com

ظاہر اسباب میں صرف یہ ایک دو سال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو اس کام کے لئے ملے' کہ قرآن کی دعوت کو عام کر سکیں' اور اس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کر سکیں' اسی عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے سلاطین دنیا کو خطوط لکھے' قرآن کی دعوت ان کو پہنچائی' قرآنی نظام کو قائم کرنے پھیلانے کی سعی فرمائی' اور نبی کریم ﷺ کی آخری عمر مبارک تک اس آزادی کے صرف چار سال ہوتے ہیں جن میں فتح مکہ کا جہاد بھی پیش آیا اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

اب اس چار سال کی قلیل مدت کو دیکھئے' اور قرآن کے اس نفوذ و اثر پر نظر ڈالئے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً پورے جزیرۃ العرب پر قرآن کی حکومت تھی' ایک طرف سرحد روم اور دوسری طرف عراق تک' تیسری طرف عدن تک پہنچ چکی تھی۔

اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے کہ رسول کریم ﷺ امی تھے اس کو بھی نظر انداز کیا جائے کہ آپؐ کی قوم ایک ایسی قوم تھی کہ جس نے کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ اس کو بھی بھول جائیے کہ ساری دنیا آپؐ کے خلاف تھی' اور مشرکین عرب یہود و نصاریٰ سب کے سب مل کر آپؐ کو اور قرآن کو دنیا سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے' بالکل سازگار فضا مان لیجئے تو بھی ایک نئے نظام' نئے قانون اور نئے اصول کی پہلے تو تدوین و ترتیب پھر اس کی تعلیم و تفہیم' پھر اس کی عملی تنفید اور اس کے ذریعہ ایک پاکباز معاشرہ' اور ملک بھر میں امن و سکون پیدا کرنے کے لئے کتنی مدت' کتنا سرمایہ' کتنے آدمی درکار ہیں' اور کیا وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو حاصل تھے؟ آج کے نظاموں کو سامنے رکھ کر حساب لگائیے تو ایک اندھے کی بھی آنکھیں کھل جائیں گی کہ یہ نفوذ و اثر یہ روحانی تاثیر بجز خاص قدرت الہیہ کے کسی طرح ظاہر نہیں ہو سکتی۔

اعجاز قرآنی کے پورے وجوہ اور ان کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے' علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں۔

سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن کے نام سے مستقل کتاب لکھی۔ پھر چوتھی صدی کے اوائل میں ابو عبداللہ واسطی نے بنام اعجاز القرآن ایک کتاب تصنیف کی' پھر اسی صدی میں ابن عیسیٰ ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام اعجاز القرآن لکھا' قاضی ابوبکر باقلانی نے پانچویں صدی کے اوائل میں اعجاز القرآن کے نام سے ایک مفصل و مبسوط کتاب لکھی' علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان اور خصائص کبریٰ میں امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں' قاضی عیاضؒ نے شفاء میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس مضمون کی تفصیل لکھی' آخری دور میں مصطفیٰ صادق رافعی مرحوم نے اعجاز القرآن کے نام سے اور جناب سید رشید رضا مصری نے الوحی المحمدی کے نام سے مستقل' جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں' اردو زبان میں محترم علامہ شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک رسالہ بنام اعجاز القرآن تصنیف فرمایا۔

Marfat.com

یہ بھی قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل و کتابیں اتنی لکھی گئیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

پھر قرآن کی صرف فصاحت و بلاغت اور نظم و ترتیب ہی بے مثال نہیں' لوگوں کے دل و دماغ پر اس کی تاثیرات عجیبہ اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں' جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے' انسانی اخلاق میں ایک کایا پلٹ ہوگئی' عرب کے تند خو' گنوار حلم و اخلاق اور علم و حکمت کے استاد مانے گئے' ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمان ہی نہیں موجودہ زمانے کے سینکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے' یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کئے جائیں تو ایک مستقل کتاب ہو جائے' اور حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی ؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام شہادۃ الاقوام علی صدق الاسلام تحریر فرمائی ہے اس جگہ چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں!

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں صفائی سے اس حیرت انگیزی کا اعتراف کیا' ان کے الفاظ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے :

"اس پیغمبر اسلام اس نبی امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے' جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہ آئی تھی رام کیا' اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا' اور اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔"

مسٹر وڈول جس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے لکھتا ہے کہ :

"جتنا بھی ہم اس کتاب (یعنی قرآن) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے' لیکن فوراً ہمیں مسخر کرلیتی ہے' متحیر بنا دیتی ہے' اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے' اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عفیف' عالی شان اور تہدید آمیز ہے اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پر زور اثر دکھاتی رہے گی۔" (شہادۃ الاقوام' ص ۱۳)

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا' اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی' اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں :

"عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا' تمام مشرق نے اقرار کرلیا ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً" ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے' یہ وہی کلام ہے جس

Marfat.com

کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا' ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا' یہ وہی کلام ہے جب کہ یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے' اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا۔" (شہادۃ الاقوام ص ۱۴)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا' جلد ۱۶ ص ۵۹۹ میں ہے :

"قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں' بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں' مظاہر قدرت' تاریخ الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے' بالخصوص حضرت محمد (ﷺ) کے واسطہ سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے' بت پرستی اور مخلوق پرستی کو بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے' قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔"

انگلستان کے نامور مورخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (سلطنت روما کا انحطاط و زوال) کی جلد ۵ باب ۵ میں لکھتے ہیں :

"قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمینٹ کی روح ہے' قانون اساسی ہے' اور صرف اصولی مذہب ہی کے لئے نہیں' بلکہ احکام تعزیرات کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہے' جن سے نوع انسان کی زندگی وابستہ ہے جن کو حیات انسانی کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلق ہے' حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد (ﷺ) کی شریعت سب پر حاوی ہے' یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

اس جگہ مستشرقین یورپ کے اقوال و اعترافات کا استیعاب کرنا نہیں کہ اس کی گنجائش نہیں' نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کئے گئے ہیں' جن سے واضح ہوتا ہے کہ باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور باعتبار اغراض و مقاصد کے اور باعتبار علوم و معارف کے قرآن کے بے نظیر و بے مثل ہونے کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں ہر زمانہ کے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔

قرآن نے ساری دنیا کو اپنی مثال لانے کا چیلنج دیا تھا اور کوئی نہ لا سکا' آج بھی ہر مسلمان دنیا کے ماہرین علم و سیاست کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہے کہ پوری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا دکھلا دو کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر حکیم فیلسوف کھڑا ہو اور ساری دنیا کے عقائد و نظریات اور رسوم و عادات کے خلاف ایک نیا نظام پیش کرے' اور اس کی قوم بھی اتنی جاہل گنوار ہو' پھر وہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کی تعلیم کو بھی عام کر دے اور عملی تنقید کو بھی اس حد پر پہنچا دے کہ اس کی نظیر آج کے مضبوط و مستحکم نظاموں میں ملنا ناممکن ہے۔

دنیا کی پہلی تاریخ میں اگر اس کی کوئی نظیر نہیں تو آج تو بڑی روشنی' روشن خیالی' بڑی تیز رفتاری کا زمانہ

Marfat.com

عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس کی سی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن جن کو تم نے اپنا حمایتی سمجھ رکھا ہے ان سب کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لو اگر تم سچے ہو تو ایسا ضرور کرو۔ ۲۳

ہے' آج کوئی کر کے دکھلا دے' اکیلا کوئی نہ کر سکے تو اپنی قوم کو بلکہ دنیا کی ساری اقوام کو جمع کر کے اس کی مثال پیدا کر دے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (البقرۃ ۲ : ۲۴)

''اگر تم اس کی مثال نہ لا سکے اور ہرگز نہ لا سکو گے تو پھر اس جہنم کی آگ سے ڈرو' جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں' جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی حیثیت اسلامی

۵۴ تصدیق رسالت کے ساتھ ہی رسول کی حیثیت اسلامی کی بھی مکمل وضاحت فرما دی۔ ظاہر ہے کہ یہ موقع رسول اللہ ﷺ کے خاص قرب و اختصاص کے اظہار کا ہے لیکن اس انتہائی زور و اہمیت کے موقع پر بھی رسول کی ذاتی حیثیت محض ایک ''خاص بندہ'' یعنی عبد کے لفظ ہی سے مناسب سمجھی گئی اور دنیا کی اقوام و امم کو بتا دیا گیا کہ دین اسلام میں رسول کی حیثیت ''اللہ کا ایک خاص بندہ'' کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی نہ وہ اللہ ہے نہ اللہ کا جزو اور نہ اللہ کا مثل' نہ بروز' نہ اوتار' نہ اللہ کا وزیر' نہ مشیر بلکہ محض عبد! یعنی اللہ کا ایک خاص بندہ۔

نبوت و رسالت اور اہل اسلام

نبوت و رسالت پر اہل اسلام نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ہمارے خیال میں اس وقت یہ بحث کرنا اضاعت وقت ہے کیونکہ جب نبوت و رسالت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی تو اب اس کی وضاحت کی کیا ضرورت رہی؟ جب تک نبوت جاری تھی یہ مضمون قابل وضاحت تھا۔ تاکہ آنے والے نبی کی پہچان ہو سکے اب جبکہ نبوت و رسالت ختم ہو چکی ہے تو اس بحث کا بھی خاتمہ ہو چکا۔ ہاں یہ بات کہ نبوت کیا تھی؟ کیا سمجھی گئی؟ مختصر الفاظ میں پیش خدمت ہے:

علماء اسلام کی اکثریت نے نبوت کو ایک عہدہ سمجھا ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے یا جس کو منتخب کرتا ہے

Marfat.com

دے دیتا ہے جیسے بادشاہ اپنی رعایا میں سے کسی کو وزیر' کسی کو مشیر' کسی کو دیوان' کسی کو بخشی کر دیتا ہے۔ اور وہ اس منصب کو پا کر کام شروع کرتا ہے اور مبعوث ہونے کے ٹھیک معنی انہوں نے اسی طرح سمجھے ہیں لیکن ہماری سمجھ میں یہ نہیں ہے۔ ہم نبوت کو ایک خاص وہبی چیز سمجھتے ہیں۔ نبی گو اپنی ماں کے پیٹ ہی میں کیوں نہ تھا بہرحال نبی تھا۔ النبی نبی ولو کان فی بطن امہ۔ نبی جب پیدا ہوتا تھا تو نبی ہی ہوتا تھا اگرچہ اس کو خود بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔

ہاں! یہ اختلاف کیوں؟ اس لئے کہ بادشاہ نے اپنی رعایا میں سے جس کو چاہا وزیر و مشیر بنایا اور جس کو چاہا نہ بنایا۔ لیکن جن کو وزیر و مشیر بنایا ان کی زندگیوں' اور جن کو وزیر و مشیر نہ بنایا ان کی زندگیوں میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ ان کی زندگیوں کے برابر بلکہ ان سے بھی اعلیٰ زندگیوں کے لوگ اور بھی موجود تھے لیکن اللہ نے جس شخص کو نبوت یعنی ملکہ نبوت بخشا اس کے مقابلہ کی زندگی رکھنے والا اور کوئی انسان اس وقت یا اس کے بعد موجود نہ تھا اور نہ اب ہے۔ جب اس کے مقابلہ کا کوئی اور انسان نہ تھا تو اس سے اعلیٰ و ارفع ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟ اسی طرح انسانوں کی زندگی کا وہ حصہ جو بلوغت سے پہلے کا ہوتا ہے وہ بچپن کی حرکات و سکنات سے بالکل محفوظ نہیں ہوتا بلکہ ہونہار بچوں کا بچپن دوسرے ہم عمروں سے زیادہ تیکھا ہوتا ہے مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ لیکن نبی ہونے والے انسان کا بچپن' بچپن کی حرکات سے محفوظ ہوتا تھا۔ ہر نبی کی نبوت سے پہلے کی زندگی بعد کی زندگی سے مختلف نہیں تھی الا یہ کہ بعثت کے بعد اس نے دوسروں کو بھی اللہ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن عجب یہ ہے کہ جو پیغامات انہوں نے دوسروں تک پہنچائے وہ بالکل وہی تھے جو پیدائش سے لے کر بعثت تک کے زمانہ میں ان سے صادر ہوتے رہے۔ ذرا قرآن ہی میں غور کرو تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ۱۰: ۱۶) "پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ یعنی اعلان نبوت سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟"

غور کرو کہ اس آیت کریمہ میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے لیکن افسوس ہے کہ مفسرین نے اس کی پوری حقیقت واضح نہیں کی۔ فرمایا ہے' ساری باتیں چھوڑ دو۔ صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جس کے خصائل و حالات اور اخلاق و کردار کی تمہیں خبر نہ ہو۔ تم ہی میں سے ہوں اور اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں یعنی چالیس برس تک کی عمر' کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی۔ بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب اللہ پر بہتان باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں کہ مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

Marfat.com

تمام علماء اخلاق و نفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصل زمانہ ہوتا ہے جو سانچا اس عرصہ میں بن گیا پھر بقیہ زندگی میں نہیں بدل سکتا۔ پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک صادق اور امین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب اور مفتری بن جائے کہ انسانوں ہی پر نہیں بلکہ اس خالق حقیقی پر افتراء کرنے لگے؟ اگر تم کو مخالفت ہی کرنا ہے تو مخالفت کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہے تم اس سے ہاتھ دھو بیٹھے؟

اکثر علمائے اسلام نے انبیاء اور عام انسانوں میں بجز اس کے کہ ان کو اللہ کی طرف سے ایک عہدہ مل گیا اور کچھ فرق نہیں سمجھا اور اسی لئے اشاعرہ نے جو عام مسلک مسلک اہل سنت کا ہے نبی اور امت کی مثال سلطان و رعیت کی سی سمجھی ہے مگر ہماری سمجھ میں یہ مثال ٹھیک نہیں ہے۔ نبی اور امت کی مثال راعی و غنم کی سی ہے۔ گو نبی اور امت انسانیت میں شریک تھے جیسے کہ راعی و غنم حیوانیت میں شریک ہیں مگر نبی اور امت اور وہبت نبوت کی ایسی ہی فصل ہے جیسے راعی و غنم میں ناطقیت کی فصل۔

طریقہ نزول قرآن کریم کا دوسرا معجزہ

قرآن کریم کا "نجما" نجما" نازل ہونا بھی بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ وہ بہ مقتضائے اسی وہبیت کے نازل ہوا ہے جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انسان میں تمام ملکات انسانی کسی محرک یعنی کسی امر کے پیش آنے پر اپنا کام کرتے ہیں اسی طرح ملکہ نبوت بھی جبھی اپنا کام کرتا تھا جب کوئی امر پیش آتا تھا۔ انسان کے دل میں سینکڑوں مضمون ہوتے ہیں، سینکڑوں نصیحتیں ہوتی ہیں۔ اشعار ہوتے ہیں، مضامین ہوتے ہیں، علوم مختلفہ ہوتے ہیں، دوستوں کی صورتیں، مکانوں، باغوں اور جنگلوں کی تصویریں دماغ میں موجود ہوتی ہیں مگر جب تک ان پر متوجہ ہونے کا کوئی سبب نہ ہو وہ سب بے معلوم رہتی ہیں۔ یہی حال ملکہ نبوت کا تھا۔ نبی مع اپنے ملکہ نبوت یا نور نبوت کے موجود ہوتا تھا، کھاتا تھا، پیتا تھا، سوتا تھا، جاگتا تھا، دنیوی باتیں جن کا تعلق دین سے نہیں تھا، کرتا تھا جس طرح کہ باقی انسان کرتے ہیں لیکن اس کی حفاظت اس کا ملکہ نبوت ساتھ ساتھ ہر وقت جاری رکھتا تھا کہ کوئی بات خلاف دین صادر نہ ہو۔ یہی وہ دقیق نکتہ ہے بلکہ یوں کہو کہ معجزہ قرآنی ہے جس کو ارشاد الٰہی خود نبی کی زبان سے اس طرح کہلواتا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف ۱۸ : ۱۱۰)

"اے پیغمبر اسلام! کہہ دیجئے کہ میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں البتہ اللہ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ تمہارا معبود وہی ایک ہے۔"

اور خود نبی رحمت نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَاْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ۔ (رواہ مسلم)

Marfat.com

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تم کبھی نہیں کر سکو گے ۵۵ تو اس آگ ۵۶ کے عذاب سے ڈرو جو انسانوں اور پتھر کے ایندھن سے سلگائی جانے والی ہے اور منکرین حق کے لئے وہ بالکل تیار ہے ۵۷۔ ۲۴

قرآن کریم کا تیسرا معجزہ

۵۵ کلام الٰہی یعنی قرآن کریم تو پہلے ہی معجزہ تھا جس کی مثل لانے سے لوگ قاصر تھے' ہیں اور ہیں گے۔ لیکن اس معجزہ کو بطور پیشگوئی بیان کر کے ایک دوسرا معجزہ بنا دیا۔ فرمایا "اس کتاب کی مثل تم کبھی نہیں لا سکو گے" لَنۡ تَفۡعَلُوۡا۔ اور آج اس کی صداقت آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن ہے۔

اللہ اکبر! کس زور کا اعلان ہے اور وہ بھی ایک امی کی زبان اقدس سے! اپنی عقل و حکمت' اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا جوش اس وقت بھی آیا ہو گا اور آج بھی آ رہا ہے لیکن بات الٰہی جہاں تھی وہیں رہی۔ کتنے نئے نئے مسلک روز پیدا ہوئے کیسی کیسی ازمز ہر روز اٹھ رہی ہیں اور دنیا کو راہ نجات دکھانے میں سب کی سب بیکار ہی ثابت ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں یہ سب گویا قرآن کے اس سوال کے جوابات ہیں لیکن ہر جواب ناکام اور شرمناک حد تک ناکام ہو رہا ہے۔ کاش کہ مسلمان بھی سمجھیں۔

اس بات پر ایک بار پھر غور و فکر کرو کہ جو قوم اسلام اور قرآن کی مخالفت اور اس کے گرانے اور مٹانے کے لئے اپنی جان و مال' عزت و آبرو اور اولاد سب کچھ قربان کرنے پر تلی ہوئی تھی اس کو یہ آسان موقع دیا جاتا ہے کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال بنا لاؤ تم اپنے مطلب میں کامیاب ہو سکتے ہو اور یہ کہہ کر ان کی غیرت کو مزید جوش دلایا جاتا ہے کہ تم ہرگز یہ کام نہ کر سکو گے۔ مگر پوری قوم میں کوئی بھی اس کام کے لئے آگے نہ بڑھا۔ اس سے بڑھ کر کونسا اعتراف اپنے عجز کا اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ہو سکتا ہے جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کریم نبی ﷺ کا ایسا کھلا ہوا معجزہ ہے جس نے تمام سرکشوں کی گردنیں جھکا دیں۔

عذاب جہنم کیوں؟

۵۶ قرآن کریم کہتا ہے کہ جب میری پیش کی ہوئی دلیل کے جواب سے عاجز آ چکے ہو اور اپنے انکار پر بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اس کے باوجود تم انکار کئے ہی جاتے ہو تو بتاؤ یہ بجز عناد اور خبث نفس

Marfat.com

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

ہاں یاد رکھو!۵۸ جن لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی اور ان کے کام بھی اچھے

کے اور کس چیز کا نتیجہ ہے؟ سو یاد رکھو کہ جہنم کا عذاب آتشیں اسی ہٹ دھرمی اور معاندانہ انکار حق کا لازمی اور قدرتی نتیجہ ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اہل معصیت کے حق میں دوزخ ایک شفاخانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

وہ انسان جو دوزخ کا ایندھن ہوں گے

۵۷ اس جگہ دوزخ کی آگ کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ گویا یہ آگ شرک یا بت پرستی سے ہی پیدا ہوئی ہے اور سارے گناہ دراصل شرک ہی کے فروع ہیں۔ جس طرح ساری نیکیوں کی جڑ یا اصل توحید ہے۔ "الحجارۃ" یعنی پتھروں سے مراد اس جگہ معبودان باطل کے وہ بت ہیں جن کی یہ لوگ یعنی مشرک پرستش کیا کرتے تھے اور "الناس" یعنی لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو قبول کرنے میں ایسے سخت دل ہوتے ہیں جیسے پتھر، اور عربی زبان میں بڑے ہیبت ناک آدمی کو بھی حجر کہا جاتا ہے جس پر دوسرے کی بات کا کوئی اثر نہ ہو۔ یعنی وہ قسی القلب لوگ جن پر وحی الٰہی یعنی قرآن کریم جیسی لاریب تعلیمات کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ الٹے مخالفت میں پیش پیش ہوگئے اور لوگوں کا دوزخ کا ایندھن ہونا یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ دوزخ انسانوں ہی کے برے اعمال کا نتیجہ ہے حتیٰ کہ اس کا ایندھن یعنی جس سے یہ آگ جلتی ہے خود انسان ہی ہیں کچھ اور نہیں۔

مختصراً یوں سمجھو کہ جہنم کی اصل غذا تو خود اہل شرک و کفر ہوں گے۔ سزا انہیں کو ملے گی لیکن اس سزا میں مزید اضافہ کے لئے ایک صورت یہ بھی ہوگی کہ ان کے ٹھاکروں کو بھی ان کے پہلو میں رکھ دیا جائے گا اور گویا ان سے کہا جائے گا کہ لو اب اپنے انہی معبودوں سے کام لو جنہیں دنیا میں پوجتے رہے تھے۔ شرک اور مورتی پوجا میں تعلق بہت قدیم، بہت وسیع اور بہت گہرا ہے دنیا کی تقریباً ہر مشرک قوم نے بت پرستی بھی ضرور کی ہے ظاہر ہے کہ اس سے ان کی آگ دوزخ مزید بھڑکے گی۔ قابل تفہیم بات یہ ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کرنے والے بت پرست ہوں یا قبر پرست دراصل پرستش صاحب بت اور صاحب قبر ہی کی کرتے ہیں مجسمے یا تصویریں، یا مزارات یا قبریں صرف ظاہر نشان کے طور پر استعمال ہوتی ہیں تاکہ صاحب قبر، صاحب بت یا صاحب تصویر کا تصور آنکھوں کے سامنے رہے۔ فی نفسہ بت، قبر یا تصویر کی کبھی کسی نے پرستش نہیں کی۔ فافہم و تدبر۔

اور اس آخرت کے نظارہ کا ایک رنگ دنیا میں بھی دکھا دیا جہاں "نار" جنگ کے قائم مقام ہے فرمایا كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ انہی جنگوں میں مخالفت کرنے والے بھی بھسم ہوگئے اور وہ معبودان باطل جن کے بھروسہ پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی جاتی تھی وہ بھی اسی آگ کا ایندھن بن گئے۔

Marfat.com

جنت اور وراثت جنت کا ذکر

۵۸ گزشتہ آیت میں منکرین اور ان کے انکار کا نتیجہ بیان کیا گیا تھا۔ ضروری تھا کہ اس کے بعد مومنین اور ان کے ایمان کے نتیجہ کو بھی بیان کیا جاتا چنانچہ اس پوری آیت میں یہ بتایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اس قانون کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لیا وہ جنت میں داخل ہوں گے اور اس طرح کہ گویا جنت ان کی وراثت تھی یعنی ان کا حق تھا سب سے پہلے ان کے اعمال صالحہ کی جزا اسی دنیا میں انہیں ملے گی۔ یعنی بہشت زا اراضی کے مالک وہ بنا دیئے جائیں گے اور خلافت و نیابت الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ نیک کاموں کا بدلہ دنیا میں نہیں ملتا۔ نہیں، نہیں! بلکہ اس کی اولین قسط اسی جگہ سے شروع ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم خود دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۔ (آل عمران ۳ : ۱۳۹)

”اور دیکھو نہ تو ہمت ہارو، نہ غمگین ہو، تم ہی سب سے بلند ہو بشرطیکہ تم سچے مومن ہو۔“

پھر حقیقی ثمرات و نتائج مرنے کے بعد ظہور پذیر ہوں گے جن کی وضاحت زیر نظر آیت اور قرآن کریم کی اس جیسی بے شمار آیات میں کی گئی ہے۔

جنت و دوزخ کی حقیقت

قرآن کریم میں جگہ جگہ جنت کے انعامات اور دوزخ کے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے اس آیت سے پہلی آیت میں بھی دوزخ کے عذاب کا ذکر گزرا اور اس آیت میں جنت کے انعامات کا ذکر ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جنت و دوزخ کی حقیقت کو ایک حد تک بیان کیا جائے تاکہ جب جنت کے انعامات کا ذکر ہو اور دوزخ کے عذاب کا بیان، تو اس کی حقیقت خود بخود ذہن نشین ہوتی جائے۔

یاد رکھنے کی پہلی بات تو یہ ہے کہ دوزخ کے عذاب کا بیان ہو، یا جنت کے انعامات کا ذکر۔ اس کو ماضی کے صیغوں میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں بھی دوزخ کے متعلق بیان ہوا کہ "اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ" یعنی دوزخ تیار کی گئی کافروں کے لئے جنت کے متعلق ذکر ہوا "اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ" یعنی جنت تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے۔ یہ قرآن کریم کے بیان کا انداز ہے کہ جس چیز کو یقینی اور حتمی طور پر بیان کرنا مقصود ہو اس کو ہمیشہ ماضی کے صیغوں ہی میں بیان کرتا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ جنت و دوزخ موجود ہیں۔ پھر یہ بحث شروع کر دینا کہ وہ کہاں ہیں؟ آسمان پر یا زمین پر اور اسی طرح بحث سے ایک نئی بحث پیدا کرتے جانا بالکل فضول اور لغو ہے۔

یاد رکھنے کی دوسری بات یہ ہے کہ جب دوزخ کا بیان ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ دوزخیوں کو کھانے کے لئے تھوہر دیا جائے گا پینے کو پیپ اور کھولتا پانی۔ ان کی پیشانیاں اور پشتیں کاویوں سے داغی جائیں گی۔ ان کو سانپ اور بچھو ڈسیں گے ان کی جلدیں جھلسی بلکہ پکائی جائیں گی لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر ان کے سر

Marfat.com

پھوڑے جائیں گے۔ ان کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جائیں گی اس طرح بہت سی عذاب کی دردناک شکلیں اور صورتیں بیان ہوں گی۔

اور جنت کا ذکر ہوگا تو کہا جائے گا وہاں باغات ہوں گے۔ ان کے درمیان نہریں جاری ہوں گی۔ سنگ مرمر کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہوں گے' دودھ و شراب کی ندیاں بہہ رہی ہوں گی' ہر قسم کے میوے کھانے کو موجود ہوں گے اور آرام و سکون کے لباس و مشروبات کا ذکر ہوگا اور بالآخر تسکین دل کے لئے بلوری جسم کی بیویاں ملیں گی۔

جنت یا بہشت کی ماہیت جو خود اللہ تعالیٰ نے بتائی' وہ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الم السجدہ ۳۲ : ۱۷)

"پھر جو کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزا میں ان کے لئے چھپا کر رکھا گیا ہے اس کی کسی نفس کو بھی خبر ہے؟"

پیغمبر اسلام ﷺ نے جو حقیقت بہشت کی بیان فرمائی وہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہ ؓ کی سند سے اس طرح بیان کی۔ آپؐ نے فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین ما لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ "یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز تیار کر رکھی ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔"

پس اگر حقیقت بہشت کی یہی باغ اور نہریں' موتی اور چاندی سونے کی اینٹوں کے مکان اور دودھ و شراب اور شہد کی نہریں' لذیذ میوے' خوبصورت عورتیں اور بچے ہوں تو یہ صریحاً قرآن کریم کی آیت اور رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی تشریح کے خلاف ہے کیونکہ ان سب چیزوں کو تو ہر انسان جانتا ہے اگر فرض کیا جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ویسی عمدہ چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں تو بھی "ولا خطر علی قلب بشر" سے تو خارج نہیں ہو سکتیں۔ عمدہ ہونا ایک اضافی صفت ہے اور جب ان سب چیزوں کا نمونہ دنیا میں موجود ہے تو اس کی اضافی صفت کو جہاں تک ترقی دیتے جاؤ انسان کے دل میں اس کا خیال یقیناً گزر سکتا ہے۔ جبکہ بہشت کی ایک ایسی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال تک نہیں گزر سکتا۔

انسان اپنی فطرت کے مطابق انہی چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور انہی چیزوں کا خیال کر سکتا ہے یا اس کے دل میں گزر سکتا ہے جو اس نے دیکھی' چھوئی' چکھی' سونگھی یا قوت سامعہ سے محسوس کی ہوں اور بہشت کی جو لذت یا راحت ہے' اس کو نہ انسان نے دیکھا ہے' نہ چھوا ہے' نہ سونگھا ہے' نہ قوت سامعہ کی حس میں اس کا کوئی تصور موجود ہے۔ پس فطرت انسانی کے مطابق کسی انسان کو اس کا بتلانا ناممکن ہے پس جو کچھ اس سلسلہ

Marfat.com

میں بیان ہوا' اس کو صرف تشبیہ یا استعارہ ہی کہا جا سکتا ہے وہ بھی ان الفاظ میں جن کو بولنے کے سوا کوئی چارہ نہیں حالانکہ اس چیز کی ان الفاظ کے ساتھ بھی کوئی نسبت بیان نہیں کی جا سکتی۔

چونکہ تمام انسانوں کی خواہ وہ سرد ملک کے باشندے ہوں خواہ گرم ملک کے مکان کی آراستگی و خوبی' باغ کی خوشنمائی' بہتے پانی کی دلربائی' میوں کی تروتازگی۔ سب کے دل پر ایک عجیب کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اس کے علاوہ حسن یعنی خوبصورتی سب سے زیادہ دل پر اثر کرنے والی ہے۔ خصوصا جب کہ وہ انسان میں ہو' اور اس سے بھی زیادہ جب کہ عورت میں ہو۔ پس بہشت کی قرۃ اعین کو ان فطری راحتوں کی کیفیات کی تشبیہ میں اور دوزخ کے مصائب کو آگ میں جلنے' لہو پیپ پلائے جانے اور تھوہر کھلائے جانے کی تمثیل میں بیان کیا ہے تاکہ ہر انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ بڑی سے بڑی راحت و لذت یا سخت سے سخت عذاب وہاں موجود ہے اور درحقیقت جو لذت یا رنج و کلفت وہاں ہے ان کو اس سے کچھ بھی مناسبت نہیں۔

ان دیکھی چیز کا بیان کیسے ممکن ہے؟

اس امر کے ثبوت کے لئے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا' نہ واقعی ان چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے یہ حدیث ترمذی نے بریدہ سے روایت کی ہے اس میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا بھی ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہے گا اڑتا پھرے گا۔ پھر ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ وہاں اونٹ بھی ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں ہے جو کچھ چاہو گے سب کچھ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس جواب سے مقصود آپؐ کا یہ نہیں کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ موجود ہوں گے بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اعلیٰ درجہ کی راحت کے خیال کا پیدا کرنا ہے جو ان کے خیال اور ان کی عقل و فہم اور طبیعت کے مطابق اعلیٰ درجہ کی ہو سکتی تھی اس مضمون کی جتنی احادیث ہیں ان سب کا مقصود ان اشیاء کا بعینہ بہشت میں موجود ہونا نہیں ہے بجز اس کے کہ جہاں تک انسان کی عقل و بصیرت کے مطابق و موافق اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا ہو سکے وہ پیدا ہو۔

پھر یاد رہے کہ ان دو طرح کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے کہ انبیائے ربانی کے مخاطبین میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے تھے اور ان کو تمام کافہ انام کی تربیت کرنا ہوتی تھی جن کا بہت بڑا حصہ قریب کل کے محض ناتربیت یافتہ جاہل وحشی' جنگلی اور بدوی ہوتا تھا اس لئے انبیاء کرام کی تعلیم اللہ نے اس طرح کی کہ ان حقائق و معارف کو جن کو تربیت یافتہ عقل بھی مناسب غور و فکر و تامل سے سمجھ سکتی ہے ایسے الفاظ میں بیان کریں کہ تربیت یافتہ دماغ اور ناتربیت یافتہ دونوں برابر فائدہ اٹھائیں۔ قرآن کریم میں جو بے مثل چیز ہے وہ یہی ہے کہ اس کا طرز بیان' ہر ایک مذاق اور دماغ کے موافق ہے باوجود دونوں قسم کے لوگوں کے اور درجات

Marfat.com

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا

ہوئے تو ان کو باغات کی بشارت ہے ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ جب کبھی ان باغوں کا پھل یعنی جنت کی کوئی نعمت ان کو ملے گی تو بول اٹھیں گے کہ یہ تو وہ نعمت ہے جو پہلے بھی دی جا چکی ہے اور یہ اس لئے کہیں گے کہ ملتی جلتی چیزیں ان کے سامنے آئیں گی یعنی جیسا کچھ ان کا عمل تھا ٹھیک ویسی ہی بہشتی زندگی کی نعمت بھی

میں اس قدر اختلاف کے دونوں نتیجہ پانے میں برابر ہیں۔ انہی آیات کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو۔ ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ و وعید دوزخ و بہشت کے جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہ وہی اشیاء مقصود نہیں بلکہ اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔ اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہاء عمدگی نعیم جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک عام ذہنیت کا ملاں یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی۔ طرح طرح کے مشروبات پئیں گے۔ میوے کھائیں گے۔ دودھ و شہد کی ندیوں میں تیریں گے اور نہائیں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑائیں گے۔ ان باتوں کا خیال کر کے دن رات اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اس پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور اس طرح کافہ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتا ہے پس جس شخص نے ان حقائق قرآنی پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں غور نہیں کیا اس نے درحقیقت قرآن کریم کو مطلق نہیں سمجھا اور وہ اس نعمت عظمیٰ سے بالکل محروم رہا۔

یہ حقیقت جو اوپر بیان کی گئی ہے وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ہم نے سمجھی ہے کوئی بات اپنے نفس سے نہیں بنائی گئی۔ بعض طبعیتیں اس سے ابی کریں گی لیکن ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ قبل ازیں بھی علمائے اسلام یہ بیان کرتے آئے ہیں اگرچہ نسبتاً وہ کم ہی ہوں چنانچہ تفسیر کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ "جنت و نار کی جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سب کی سب تمثیلیں ہیں نہ حقیقتیں تاکہ جو چیز ہمارے پاس ہے اس سے اس چیز کا جو ہم سے پوشیدہ ہے کچھ خیال پیدا ہو۔"

"متشابھا" یہ تشابہ کس سے ہوگا؟ بعض نے کہا ہے کہ دنیا کی پھل پھلاریوں سے' اور بعض کہتے ہیں

Marfat.com

مِنۡ قَبۡلُ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ

ان کو ملے گی اور علاوہ ازیں ان کے لئے نیک اور پارسا بیویاں[۵۹] ہوں گی اور ان کی ہر

کہ جنت ہی کے میوے ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے لیکن اگر دنیا کے پھلوں سے تشابہ مراد لی جائے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ یہ مشابہت صرف صوری اور ظاہری ہی ہوگی ورنہ اصل لذت' ذائقہ' خوشبو وغیرہ کے لحاظ سے جنت اور دنیا کی نعمتوں میں' چہ نسبت خاک را بعالم پاک' کے مرادف ہے۔ ہاں! شکل و صورت اور نام میں مشابہت ہو سکتی ہے مگر بعض علمائے اسلام نے متشابہا کی تفسیر میں ثمر سے مراد درختوں کے میوے نہیں لئے۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لذت دنیا میں معرفت الٰہی اور اس کی اطاعت میں چکھی تھی تو جنت میں وہ لذت بڑھ کر ہوگی۔ اس لئے ان الفاظ سے کہ "یہ وہی ہے جو ہم کو پہلے ملا تھا" ثواب مراد ہے اور "ایک ہی سی ہونے سے" بزرگی اور علو مدارج میں ایک سا ہونا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کافروں کے حق میں کہا گیا ہے کہ چکھو جو تم جانتے تھے یعنی **ذوقوا ما کنتم تعلمون۔**

انسانی زندگی کا آخری سکون

۵۹ "ازواج" جو زوج کی جمع ہے اس کے معنی ہیں "جوڑے" اور یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جس طرح شوہر کے لئے بیوی زوج ہے بالکل اسی طرح بیوی کے لئے شوہر بھی زوج ہے۔ جنت کی پاکیزہ زندگی میں ان کا ذکر بھی پاکیزگی کی صفت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات دنیوی زندگی میں اگر مرد نیک ہے تو عورت نیک نہیں ہوتی اور عورت نیک ہے تو مرد نیک نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہو جائے تو خواہش نفسی کے ازالہ کے سوا زندگی کا کوئی سکون اور کوئی لطف میسر نہیں آتا پھر جنت کی پاکیزہ زندگی میں خواہش نفسی نام کی کوئی شے ہوگی بھی کیوں؟ اس لئے واضح فرما دیا کہ آخرت میں ایسے بے جوڑ جوڑوں کا رشتہ کٹ جائے گا اور اس طرح انسانی زندگی کا آخری سکون بھی اس کو میسر آئے گا اس لئے کہ جنت اور سکون لازم و ملزوم ہیں اور یہ وضاحت اس لئے فرما دی تاکہ تمہیں یہ نہ کہنا پڑے کہ:

اب تو گھبرا کے کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
لیکن مر کر بھی چین نہ پایا تو پھر کدھر جائیں گے

استحقاق جنت کے اعمال بجا لاؤ سکون مل جائے گا۔ یہ بات یقینی ہے۔

انہی ازواج کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ (الزخرف ۴۳ : ۷۰) "جنت میں داخل ہو جاؤ تم اور تمہارے ازواج' وہاں تمہاری خوب خاطر مدارت ہوگی۔"

Marfat.com

مُطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ

راحت ہمیشگی راحت ہوگی کہ اسے کبھی زوال نہیں ہوگا۔ ۲۵

اللہ انسانوں کو ان کی سمجھ کے مطابق مخاطب کرتا ہے لہٰذا وہ اس بات سے نہیں جھجکتا کہ کسی بات کو سمجھانے کے لئے کسی حقیر سے حقیر چیز کی مثال سے کام لے جیسے مچھر کی یا اس سے بھی زیادہ کسی حقیر چیز کی پس جو لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ ایسی ہی مثالوں پر غور کرتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ جو کچھ ہے ان کے پروردگار کی طرف

دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا :

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ (یٰسٓ ۳۶ : ۵۶)

"وہ اور ان کے جوڑے سایوں میں ہوں گے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے۔"

کچھ بن نہ آیا تو نکتہ چینی شروع کر دی

۶۰ قرآن کریم میں اپنے اپنے موقع پر تذکرہ بڑی سے بڑی مخلوق کا بھی آیا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کا بھی جانوروں میں ایک طرف ہاتھی، اونٹ، شیر کا بھی اور دوسری طرف چیونٹی، مکھی اور مچھر کا بھی۔ اس تذکرہ پر بعض نافہموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دعویٰ تو کلام الٰہی ہونے کا اور مضمون اس کے ایسی حقیر چیزوں کے۔ ایسا کیوں کہا؟ اس لئے کہ قرآن کریم کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے جیسا کہ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں اور ہار ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ غرور سرکشی نے عجز و انکساری کے اظہار سے محروم رکھا جب کچھ نہ بن آیا تو نکتہ چینی شروع کر دی۔ مثل ہے کہ

"ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا"

مکہ مکرمہ میں ایک حصہ قرآن کریم کا نازل ہو چکا تھا لیکن عوام الناس نے رب قدوس کو چھوڑ کر احبار و رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا درجہ دیا ہوا تھا۔ سب کے سب بت پرستی میں مبتلا تھے ان لوگوں کی جہالت و نادانی

Marfat.com

واضح کرنے کے لئے ارشاد الٰہی ہوا۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ○ (العنکبوت ۲۹ : ۴۱)

"ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے سوا اور لوگوں سے دوستی کرتے ہیں مکڑی کی سی ہے' مکڑی گھر بنانے کو تو بناتی ہے مگر گھروں میں کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش کہ! یہ لوگ سمجھتے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوا

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْــٴًـا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ○ (الحج ۲۲ : ۷۳)

"اے لوگو! ایک مثال سنائی جاتی ہے غور سے سنو! اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو انہوں نے تو ایک مکھی تک پیدا نہیں کی۔ اگر تمہارے یہ معبود اکٹھے ہو کر زور لگائیں جب بھی پیدا نہ کر سکیں اور پھر اگر ایک مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو ان میں قدرت نہیں کہ وہ اس سے چھڑا لیں تو فکر کرو کہ طلب گار بھی یہاں درماندہ ہوا اور مطلوب بھی' یعنی مرید بھی عاجز ہیں اور پیر بھی۔"

اس قسم کی آیات کریمات سن کر منافقین' مشرکین اور معاندین سب نے مختلف قسم کے شبہات پیدا کر لئے اور انجام کار نکتہ چینی کی ایک راہ نکال لی کہ جس کتاب میں ایسی حقیر و ذلیل اور مکروہ چیزوں کا ذکر ہو وہ اللہ کی کتاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ان چیزوں کا نام لینا اخلاق و مروت کے قانون میں جرم و معصیت ہے کوئی تہذیب یافتہ انسان ان کا ذکر اپنی زبان پر نہ لائے گا۔ پھر وحی و الہام تو اس سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ چیز ہے وہ ایسی ایسی مثالیں کیوں ذکر کرے گا۔ بس! زیر نظر آیت میں ان کے اسی اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے لیکن جن کو ضد و عناد ہے کیا وہ مان لیں گے؟

ہر چیز کا حسن و قبح اس کے نتائج و ثمرات سے تعلق رکھتا ہے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ عاقبت کار ہی نیکی و بدی کا پتہ دیتی ہے۔ انما الاعمال بالخواتیم یعنی اعمال نتائج سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ہر صاحب بصیرت کی نظر انجام پر ہوتی ہے مگر احمق اپنی جہالت و نادانی کی بنا پر ابتدائے کار ہی میں کٹ حجتیاں شروع کر دیتے ہیں۔

تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ بہتر سے بہتر زبان میں' آسان سے آسان ترکیبوں اور جملوں کے ذریعہ لوگوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔ اگر فصاحت و بلاغت کا خیال ہو' مشکل الفاظ' غیر معروف ترکیبیں اور نامانوس طرز بیان اختیار کیا جائے' فلسفہ و منطق کی مدد سے استدلال میں زور پیدا کیا جائے' ہندسہ و نجوم کے لاینحل مسائل سے اوراق کتاب کو زینت دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مخصوص طبقہ تو شاید ان علمی تحقیقات سے فائدہ اٹھا سکے گا جس کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔ مگر بیشتر افراد علم کی برکات سے محروم محض رہیں گے۔ آج

Marfat.com

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

لیکن جن لوگوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے وہ بسبب اپنی جہالت کے کہتے ہیں بھلا ایسی مثال بیان کرنے سے اللہ کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ بس خیال کرو کہ کتنے انسان ہیں جن کے حصے میں اس سے گمراہی آئے گی اور کتنے ہیں جن پر سعادت کی راہ کھل جائے گی اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ گمراہ نہیں کرتا مگر انہیں لوگوں کو جو اپنے

یورپ کے ماہرین فن تعلیم باوجود اس قدر علم و فضل کے اس اصول کو تسلیم کر چکے ہیں کہ سہل ترین زبان کے ذریعہ تعلیم دینا بے انتہا مفید و نفع بخش ہے چنانچہ اس قاعدہ کے تحت جدید مصنفین جدید مصنفات کا ذخیرہ فراہم کر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے چودہ سو سال پیشتر اس نظریہ کو اپنایا۔ اس نے شرک و بت پرستی' اصنام و طواغیت کی غلامی اور دجاجلہ و شیاطین کی کج نظری کو ایسا عام فہم مثالوں میں واضح کیا کہ سب کے سامنے ان کی حقیقت اصلیہ آگئی اور لاکھوں کروڑوں انسان راہ راست پر آگئے۔ اس نے تہذیب و شائستگی' جہانگیری و جہانداری اور عمران اجتماع کے مسائل کو قصص و اخبار ماضیہ کی شکل میں پیش کیا کہ لوگ خود ان سے استنباط نتائج کر لیں۔

پس ایسے امثلہ و نظائر جو ہزاروں انسانوں کی ہدایت و راہنمائی کا باعث بن جائیں اس قابل ہیں کہ ان کا بار بار ذکر کیا جائے اور ان کے ذکر سے زبان کبھی نہ تھکے۔ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر انسانوں کی فلاح و کامرانی ہے پھر وہ کیوں نہ ان چیزوں کا ذکر کرے۔ اس قسم کی مثالوں کے جہاں اور صدہا فوائد و منافع ہیں اس کا ایک یہ بین اور لازمی نتیجہ ضرور ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے قلوب غبار شک و اشتباہ سے گرد آلود نہ ہوئے ہوں وہ ان مثالوں کے سنتے ہی فوراً پکار اٹھتے ہیں کہ یہ تعلیم بے شک اللہ کی جانب سے نازل شدہ ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ ان کے دل تو پہلے ہی سے مومن تھے مگر اب تک انہیں اظہار کا موقع نہ ملا تھا۔ اب خود بخود ان کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوگئے جن سے ان کا اسلام عالم آشکارا ہوگیا۔

ہاں! جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے قلب سلیم کی جگہ زنگ آلود اور سیاہ دل رکھتے ہیں۔ اعمال فاسقہ کی کثرت اور کفر و جہل کے غلبہ کی بنا پر ان کی ہدایت کی تمام راہیں بند ہوتی ہیں' روشنی کی جگہ تاریکی' حق کی جگہ باطل اور اسلام کی جگہ کفر کی فرمانروائی ہوتی ہے۔ جو بدبخت اپنے مصالح خصوصی کی بنا پر اپنے کفر و نفاق کو

Marfat.com

چھپائے پھرتے تھے اور مسلمانوں کے مجمعوں میں اسلام پرستی کا اظہار کرتے تھے ایسی مثالوں کے سنتے ہی کہتے ہیں کہ بھلا ان مثالوں کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ان سے تو اور زیادہ لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوگی۔ وہ بظاہر اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کی منافقت و مخالفت اپنا ظہور کرتی ہے۔ فرزندان اسلام ہوشیار رہیں اور ان کی چالبازیوں میں ہرگز نہ آئیں اور آئندہ کے لئے ان سے اجتناب و احتراز کریں۔

انداز گفتگو سے پوشیدہ راز کھل جاتے ہیں

۷۱ آیت زیر نظر سے یہ بات نہیں ظاہر ہوتی کہ اللہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے بلکہ اس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ اس قسم کی مثالوں سے بہت سے لوگوں کی گمراہی کا اظہار ہو جاتا ہے اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی ہدایت واضح ہو جاتی ہے یعنی قانون الٰہی میں طے ہے کہ گمراہوں کے اعمال و افعال کیسے ہیں اور ہدایت والوں کے اعمال و اقوال کیسے؟ ظاہر ہے کہ جب رب قدوس نیکی اور طہارت کا سرچشمہ ہے تو وہ دوسروں کو کیسے گمراہ کرے گا اور کیوں کرے گا؟ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے بندوں کے واسطے کفر و ضلالت کو پسند نہیں کر سکتا۔ وہ خود فرما چکا ہے کہ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر ۳۹ : ۷) "اللہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا۔" مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو مینارہ ہدایت بنایا ہے جو اس کی طرف آئے گا ہدایت پائے گا اور جو اس سے دور ہوگا گمراہ ہو جائے گا اور اندھیروں میں جا گرے گا۔ قرآن مجید میں یہ امثال بیان کی گئیں سعید لوگوں نے ان کو تسلیم کیا تو ان کی سعادت واضح ہو گئی۔ شقی لوگوں نے ان میں میم میخ نکال کر اپنی شقاوت و بدبختی کا اظہار کر دیا جس سے ان کی گمراہی کھل کر سامنے آ گئی۔ یہ امثال اگر بیان نہ ہوتیں تو ان لوگوں کی سعادت و شقاوت کیسے واضح ہوتی؟

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا میں لفظ اضل کے معنی و مفہوم ـــــ اس جگہ "اضل" کے لفظ کے معنی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیں۔ اضل کے ایک معنی تو بہکا دینا یا غلط راہ پر ڈال دینا ہیں مگر ان معنوں میں یہ لفظ اللہ کی طرف قرآن کریم میں منسوب نہیں کیا گیا بلکہ بار بار شیطان کو مضل کہا گیا ہے۔ اب یہ تو ظاہر امر ہے کلام الٰہی میں اضلال کا فعل اللہ کی طرف اور شیطان رجیم کی طرف ایک ہی معنی میں منسوب نہیں ہو سکتا۔ جب بہکانے یا غلط راہ پر ڈالنے کا فعل شیطان کی طرف منسوب کیا گیا تو وہی فعل اللہ کی طرف ہرگز ہرگز منسوب نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں قیامت کے دن غلط کار لوگ جو عذر پیش کریں گے وہ خود قرآن مجید میں ان ہی کی زبان سے اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ہمارے سرداروں اور شیطانوں نے ہمیں دھوکہ دے کر غلط راہ پر ڈالا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (حم السجدۃ ۴۱ : ۲۹)

وہ یہ عذر کبھی نہیں پیش کریں گے کہ "اللہ تو نے ہمیں خود ہی غلط راہ پر ڈالا تھا۔ پس قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اضلال کا لفظ بہکانے یا غلط راہ پر ڈالنے کے معنی میں ہرگز ہرگز اللہ کی نسبت نہیں بولا گیا۔ بلکہ جن لوگوں نے بولا وہ بھی یہ نہیں کہتے یا سمجھتے۔

Marfat.com

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

فسق کے سبب ہدایت کی حدود توڑ چکے ہوں[۶۲]۔ ۲۶
فاسق کون ہیں[۶۳]؟ وہی جو احکام الٰہی کی اطاعت کا عہد کر کے پھر اسے توڑ ڈالتے

البتہ "اضلال" کے ایک دوسرے معنی بھی آئے ہیں یعنی جب کوئی شخص کسی شے کی وجہ سے خود ایک غلط راہ کو اختیار کر لے حالانکہ وہ شے اس کو غلط راہ پر ڈالنے والی نہیں۔ جس کی مثال سیدنا نوح علیہ السلام کی وہ عرض جو انہوں نے بارگاہ ایزدی میں پیش کی' سے دی جا سکتی ہے فرمایا: فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا اے اللہ! "میرے بلانے نے ان کو اور بھاگنے ہی میں بڑھایا ہے۔" حالانکہ بلانا فی نفسہ کو بھگانے والی شے نہیں۔ بلکہ بھاگنے کے مفہوم کے بالکل خلاف اس کا مفہوم ہے۔ وہ بلاتے ہیں وہ بھاگتے ہیں۔ مگر پھر چونکہ وہ جس قدر بلاتے تھے اسی قدر وہ اور بھاگتے تھے۔ اس لئے بھاگنے کو اپنی دعا کی طرف منسوب کیا۔ انہی معنوں میں "يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا" ہے کیونکہ خود "يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کہہ کر یہ فرما دیا ہے کہ جس چیز کی وجہ سے وہ گمراہ ہوتے ہیں وہ تو اصل میں ان کی ہدایت کی چیز ہے اور اس کی غرض ہی ان کو راہ دکھانا ہے مگر یہ ایسے کم بخت ہیں کہ ہدایت کی چیز سے بھی گمراہ ہی ہوتے ہیں۔

"اضلال" کے ایک اور معنی بھی عربی زبان میں ملتے ہیں اور وہ کسی شخص کو گمراہ پا کر اسے گمراہ قرار دینا ہے اس معنی کی مشہور مثال طرفہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

وما زال شربی الراح حتی اضلنی   صدیقی وحتی ساء نی بعض ذلکا

یہاں لفظ "اضل" صاف طور پر گمراہ قرار دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور قرآن کریم نے جہاں فعل اضلال کو اللہ کی طرف منسوب فرمایا ہے وہاں صاف یہ پایا جاتا ہے جیسے زیر نظر آیت مبارکہ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ یعنی اللہ کا اضلال تو اسی کے لئے ہے جو پہلے ہی فاسق ہو چکا۔ معلوم ہوا کہ جو پہلے ہی فاسق ہے گمراہ تو وہ ہو چکا اب اس کو اور کیا گمراہ کرنا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں "اضل" کے معنی گمراہ قرار دینے یا گمراہی کا فتویٰ صادر کرنے یا گمراہی کا نتیجہ یعنی سزا دینے کے ہیں۔ اس کو سورۃ الاعراف میں نہایت صفائی سے بیان فرما دیا گیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الاعراف ۷: ۳۰)

تمہارے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ نے راہ پائی۔ دوسرے گروہ پر گمراہی ثابت ہو گئی ان لوگوں نے یعنی دوسرے گروہ نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا۔ یعنی مفسدوں اور شریروں کی تقلید کی۔

اس مضمون کی موید بھی بہت سی آیات قرآن کریم کی ہیں فرمایا: يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ نیز فرمایا يُضِلُّ

Marfat.com

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کے کاٹنے میں بے باک ہیں اور اپنی بد عملیوں سے ملک میں فساد پھیلاتے ہیں' سو یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے

اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ --- یُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (المؤمن ۴۰ : ۳۴)

اطاعت گزار فاسق نہیں ہوتا

۶۲ فسق کہتے ہیں احکام سے تجاوز کر جانے کو اور فاسق وہ ہے جو دائرہ اطاعت سے بار بار نکل جائے۔ اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا۔ کفر و انکار کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی' اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور مومن گناہ گاروں کو بھی فاسقین کہا جاتا ہے۔ اظہار اسلام کے بعد فسق کرنا منافقت کی نشانی ہے۔

فاسق کون ہیں ؟

۶۳ وہی لوگ جو عہد کر کے اسے توڑ ڈالتے ہیں خصوصاً وہ لوگ جو احکام الٰہی کی اطاعت کا عہد کر کے پھر اسے توڑ دیں اور جن کاموں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان سے قولی یا عملی انحراف کریں۔ عہد اس صورت معاملہ اور معاہدے کو کہا جاتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے ہو جائیں۔ میثاق ایسے معاہدے کو کہتے ہیں جو قسم کے ساتھ مضبوط و مستحکم کیا جائے۔ اس آیت نے گویا پہلی آیت کی تشریح کر دی اور بتا دیا کہ قرآن کریم کی ان مثالوں سے جن پر مشرکین و منافقین نے اعتراض کیا ہے صرف وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے سرکشی کرتے ہیں جس کی دو وجہ ہیں۔

پہلی یہ کہ ایسا کرنے والے اس ازلی وعدے کو توڑ ڈالتے ہیں جو تمام انسانوں نے اپنے رب سے باندھا تھا' اور ایجاب و قبول سے وہ موثق ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ عہد قولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ کی ذات لفظوں کے بولنے اور آواز نکالنے سے جو انسان سے متعلق ہے بغیر واسطہ کے بری ہے۔ پس اللہ کا قول وہ انسانی فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کی قدرت کی نشانیاں جو دنیا میں ہیں اور خود انسان میں ہیں اور جو عقل و تمیز انسان میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے سمجھنے کی موجود ہے اس کے اللہ ہونے پر موثق عہد ہے جس کا دونوں طرف سے ایجاب و قبول ہوا ہے خود انسان کی فطرت اور جو قوائے محرک اور قوت مانع یا معتدل کرنے والی ان قویٰ کی اس میں رکھی ہے وہ ٹھیک اس کے دین یا شریعت کے بجالانے کا جو عین فطرت ہے پکا عہد ہے پس جو

Marfat.com

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۞ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ

سرتاسر نامرادی اور نقصان ہی نقصان ہے۔ ۲۷

اے نسل انسانی! تم کس طرح اللہ کی عبادت سے انکار کر سکتے ہو؟ جب کہ تم ۶۴

لوگ اس عہد کو توڑتے ہیں وہی بدکار ہیں اور وہی ان مثالوں سے گمراہ ہوتے ہیں۔ اس فطری عہد کا ذکر انسانی تفہیم کے لئے اس طرح قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب تمام انسانوں کی اس عالم میں پیدائش سے پہلے رب کریم نے تمام پیدا ہونے والے انسانوں کی ارواح کو جمع کر کے ایک سوال فرمایا تھا کہ "الست بربکم" یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس پر سب انسانی روحوں نے بیک زبان ہو کر کہا تھا "بلیٰ" یعنی آپ رب کیوں نہ ہوئے؟ جس میں بڑی تاکید کے ساتھ اس کا اقرار ہے کہ اللہ جل شانہ ہمارا رب و پروردگار ہے اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے سرمو تجاوز نہ کریں۔ اس لئے یہ عہد ازلی انسان اور اللہ کے درمیان ہو چکا اب دنیا میں پیدا ہونے کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں اسی عہد کی تجدید' یاد دہانی اور اس پر عمل کی تفصیلات بتانے کے لئے آئے تھے جس نے اس معاہدے ہی کو توڑ ڈالا اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب سے فائدہ اٹھائے؟

دوسری وجہ یہ بتائی کہ ان لوگوں نے ان تمام تعلقات کو قطع کر ڈالا ہے جن کے جوڑے رکھنے یعنی ملائے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا تھا۔ ان تعلقات میں وہ تعلق بھی ہے جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور وہ تعلق بھی جو انسان کو اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں سے ہے۔ اور وہ تعلق بھی جو ایک انسان کو اپنے پڑوسی اور دوسرے شرکاء کار کے ساتھ ہے اور وہ تعلق بھی جو عام مسلمانوں یا عام انسانوں کے ساتھ ہے ان تمام تعلقات کے پورے کرنے ہی کا نام اسلام ہے یا شریعت اسلام ہے اور انہی میں کوتاہی کرنے سے ساری زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس جملے کے بعد فرمایا "ویفسدون فی الارض" یعنی یہ لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور آیت کے آخر میں ان کے انجام بد کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔

اللہ کے انکار کا مطلب رسول کی رسالت کا انکار ہے

۶۴ مخاطب وہی لوگ ہیں جو عہد توڑنے والے اور فساد فی الارض کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں نے اگرچہ بظاہر اللہ کا انکار نہیں کیا مگر یہ تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا یا تو اقرار ہی نہیں کیا اور اگر اقرار کیا تو بھی سچے دل سے اقرار کرنے والے نہ تھے یہی وجہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا انکار کرنے والوں کو اللہ ہی کا انکار کرنے والے قرار دیا اور پھر مخاطب فرما کر پوچھا کہ تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تم کو زندہ کیا یعنی پیدا کیا۔

Marfat.com

وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

میں سے ہر ایک کی حالت یہ ہے کہ تمہارا وجود نہ تھا اس نے تم کو زندگی بخشی۔ پھر وہی[۶۵] ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا اور

تم مردہ تھے یعنی تمہارا وجود موجود نہ تھا۔ اگر انسان اول کے لحاظ سے وجود موجود نہ تھا تو مطلب یہ ہوا انسان کے وجود کی ابتداء بے جان ذرات ہیں جو کچھ منجمد چیزوں کی شکل میں کچھ مائع یعنی بہنے والی چیزوں میں کچھ غذاؤں کی صورت میں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان بے جان ذرات کو کہاں کہاں سے جمع فرمایا پھر اپنے قانون کے مطابق ان میں جان ڈالی اور زندہ و تابندہ انسان بنا دیا۔ یہ اس کی ابتدائی پیدائش کا ذکر ہے۔

موت کی دوسری صورت ہر انسان کے ساتھ ملحق ہے یعنی ہر انسان اس سے دوچار ہوتا ہے جس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا کہ "ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا○" (الدھر:۱) "اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ زمانے میں انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا۔"

اس لحاظ سے ہر ایک انسان پر ایسا وقت گزرتا ہے کہ وہ کوئی شی مذکور یعنی قابل ذکر چیز بلحاظ شکل و صورت موجود نہیں ہوتا۔ پھر قانون الٰہی کے مطابق وہ کئی ادوار میں سے گزرتا ہوا بالآخر انسان کی صورت سے وجود میں آجاتا ہے پھر پیدائش کے دونوں طریقوں کے لحاظ سے یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اس کا خلق کرنے والا یعنی پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے کوئی اور نہیں خواہ اس کی تخلیق اول ہو یا تکوینی قانون الٰہی کے مطابق تخلیق دوم اور تخلیق دوم سے مراد نطفہ امشاج سے تخلیق کرنا ہے یعنی ماں باپ سے بچے کا پیدا ہونا۔

زندگی و موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے

۶۵ پھر وہی ہے جو حیات کے بعد موت طاری کرتا ہے یعنی جس نے پہلی مرتبہ تمہارے بے جان ذرات کو جمع کر کے ان میں جان پیدا کی وہ اس عالم یعنی عالم دنیا میں بھی تمہاری عمر کا مقررہ وقت پورا ہونے کے بعد پھر تمہیں موت دے گا اور پھر ایک عرصہ کے بعد یعنی قیامت میں اسی طرح تمہارے جسم کے بے جان اور منتشر ذرات کو حیات عطا فرمائے گا یعنی زندہ کرے گا۔ اس طرح ایک موت یعنی بے جان ہونا تمہاری ابتدا میں تھا پھر اللہ نے تمہیں زندہ کیا دوسری موت دنیا کی پوری عمر ہونے کے وقت اور دوسری زندگی یعنی حیات قیامت کے روز ہوگی۔ مختصر یہ کہ اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے جو قیامت کے روز ہونے والی ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے علاوہ موت و حیات

Marfat.com

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

بالآخر تم سب کو اسی کے حضور لوٹنا ہے[۶۶]۔ ۲۸

غور کرو' یہ اس رب کریم کی کارفرمائی ہے کہ اس نے زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا[۶۷] کیں پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان درست کر دیئے

کے الفاظ جہاں کہیں بھی بولے جائیں گے وہاں حقیقی موت یا حقیقی حیات نہیں ہوگی بلکہ ہر اس جگہ جو اس موت و حیات کے علاوہ یہ الفاظ استعمال ہوں ان کا مفہوم موت و حیات کا مفہوم ثانی ہی مراد لیا جا سکتا ہے جس کو سکنڈری معانی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ موت شکست یا کفر کی موت ہوگی اور وہ حیات فتح و اسلام کی حیات ماننا پڑے گی۔ کہیں موت سے نیند اور حیات سے بیداری بھی مراد ہو سکتی ہے اور سیاق کلام خود معانی متعین کر دے گا۔

قبر یعنی برزخ کی زندگی جس کے ذریعہ قبر کے سوال و جواب اور قبر یعنی برزخ میں ثواب و عذاب ہونا جو قرآن کریم کی متعدد آیات اور صحیح احادیث سے ثابت ہے اس کا اس جگہ ذکر نہیں۔ کیوں؟

اس لئے کہ برزخی زندگی اس طرح کی زندگی نہیں ہے جو انسان کو دنیا میں حاصل ہے یا آخرت میں پھر ہوگی۔ بلکہ یہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے اس کو دنیا کا تکملہ بھی کہا جا سکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی۔ کیونکہ یہ کوئی مستقل زندگی نہیں ہے جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔

حشر اجساد انسانی کا مسئلہ

۶۶ "بالآخر تم سب کو اس کے حضور لوٹنا ہے" اس سے مراد حشر و نشر اور قیامت کا وقت ہے۔ قرآن کریم کی اسی طرح کی عبارات سے انسان کا مکلف ہونا ثابت ہے اور اپنے کئے کا جواب دہ ہونا لازم آتا ہے۔ جو اسلامی عقائد سے آخری عقیدہ ہے۔

مجموعی طور پر اس آیت میں اللہ نے اپنے اس انعام و احسان کا ذکر کیا ہے جو ہر انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہے اور جو سارے انعامات و احسانات کا مدار ہے یعنی زندگی' دنیا و آخرت اور زمین و آسمان کی جتنی نعمتیں انسان کو حاصل ہیں وہ سب اسی زندگی پر موقوف ہیں۔ زندگی نہ ہو تو کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ زندگی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہے مگر اس آیت میں موت کو بھی نعمتوں میں شمار اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دنیا کی

Marfat.com

سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝۲۹ وَاِذۡ قَالَ

جن سے تم فوائد حاصل کر رہے ہو اور وہی ہے جو ہر چیز کا حقیقی علم رکھنے والا ہے۔[۶۸] ۲۹

موت دروازہ ہے اس دائمی زندگی کا جس کے بعد موت نہیں اس لحاظ سے موت بھی ایک نعمت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر دنیوی زندگی کے ساتھ موت نہ ہوتی تو دنیوی زندگی کی ساری نعمتیں بیکار ہو جاتیں۔

تخلیق کائنات صرف اور صرف انسان کی خاطر ہے

۶۷ خطاب عام نوع انسانی کو ہے کہا یہ جا رہا ہے کہ تم خود ہی ساری کائنات ارضی کے مقصود و مطاع ہو۔ پھر یہ کیسی حماقت ہوگی کہ تم کسی اور مخلوق کو مقصود و مطاع بنا لو؟ یعنی اس آیت نے ہر قسم کے شرک' ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ ہی کاٹ دی۔ فرمایا اس دھرتی پر' اس فرش زمین پر جو کچھ بھی ہے سب انسان ہی کے لئے ہے۔ یعنی مخلوق سب اللہ کی۔ خالق پوری کائنات کا صرف اور صرف ایک اللہ! اللہ کی تخلیق میں سے کسی تخلیق کو خود اس تخلیق کے لئے بھی نہیں تخلیق کیا گیا۔ بلکہ جو کچھ ہے وہ سب کا سب انسان کی خاطر ہے ایسا ہرگز نہیں کہ انسان کسی اور مخلوق کے لئے ہو' اور مشرک انسان اس قدرتی اور فطری ترتیب کو الٹ دیتا ہے۔ حدیث رسول اللہ ﷺ کا یہ ٹکڑا جو انسان اور خصوصاً ہر خطیب اسلام کی زبان پر جاری ہو چکا ہے کہ اِنَّ الدُّنۡیَا خُلِقَتۡ لَکُمۡ وَاَنۡتُمۡ خُلِقۡتُمۡ لِلۡاٰخِرَةِ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو' گویا اسی مفہوم کی ترجمان ہے اور خلیفتہ اللہ کی بلاشبہ یہی شان ہونا چاہئے۔ کہ سب کچھ اس کے لئے ہو اور وہ خود صرف اور صرف اللہ کے لئے ہو جائے وہ جس چیز کو جس طرح قانون فطری کے مطابق چاہے استعمال میں لائے اور کوئی چیز اس کے حکم کے سامنے سرتابی نہ کر سکے اور وہ اس کا جوابدہ صرف اور صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبہ انسانی کا یہ شرف و احترام دین اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ پھر لفظ "جمیعًا" پر دوبارہ غور کرو۔ رب ذوالجلال والاکرام نے اس ایک لفظ میں "سب کچھ" کس انداز میں شامل فرما دیا کہ گنگا مائی بھی شامل ہے تو ننگا پربت بھی۔ گئو ماتا بھی اور ہنومان جی بھی' حجر پرستی بھی اور شجر پرستی بھی' دریا پرستی بھی اور کوہ پرستی بھی' قبر پرستی بھی اور صنم پرستی بھی' ناگ پرستی بھی اور مظاہر پرستی بھی۔ یعنی یہ جتنی بھی صورتیں ہیں سب بے معنی اور ننگ انسانیت ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مشرک انسان دائرۂ انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ شرک منصب انسانیت کے خلاف ہے۔ اسلام تو بڑی دور کی بات ہے اور کسی انسان کا صرف کاغذی مسلمان کہلانا اللہ کے نزدیک "مسلمان" ہونا نہیں ہے فافہم یا اخی!

آسمان کیا ہیں؟

۶۸ سماء واحد اور جمع دونوں طرح آتا ہے اس جگہ لفظ واحد ہے لیکن معنیً جمع ہے یعنی جنس سماء

Marfat.com

کے معنی میں بلکہ یہ بات خود اس آیت سے ثابت ہے کہ ھن کی ضمیر جمع کی ہے۔ یہ لفظ ہر اوپر کی چیز پر بولا جاتا ہے۔ کل سماء بالاضافۃ الی ما دونہا فسماء وبالاضافۃ الی ما فوقہا فارض۔ راغب
یعنی ہر ایک سماء اپنے سے نیچے والے کی نسبت سے سماء ہے اور اپنے سے اوپر والے کی نسبت سے الارض یعنی زمین۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے "ومن الارض مثلھن" یعنی زمین بھی ان کی طرح ہے یعنی سات۔ نیز قرآن کریم میں سبع طرائق یعنی سات راستے بھی فرمایا گیا ہے اور سورۂ دخان میں سماء کو دخان بھی کہا ہے۔ غور و فکر سے اس بیان کا اختلاف ختم ہو کر حقیقت ایک رہ جاتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح انسانی تخلیق کے لئے مختلف الفاظ استعمال کر کے اس کی ترکیبی شکل و صورت کی وضاحت کر دی ہے۔ سبع سموت سے مراد نظام شمسی کے سات اول درجے کے سیارے ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ یعنی کرۂ قمر' کرہ عطارد' کرہ زہرہ' کرہ شمس' کرہ مریخ' کرہ مشتری اور کرہ زحل اور کبھی فضا میں ان کے راستوں پر یہ لفظ بول دیا گیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ستاروں کے سات طبقے مراد ہوں جو کھلی آنکھ سے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سات سے مراد تعین اعداد نہ ہو بلکہ وسعت عدد مراد ہو۔ کیونکہ "سبع' سبعین وسبع مائۃ" عربی زبان میں کثرت کے ظاہر کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں چنانچہ سورۂ توبہ میں جہاں "تستغفرلھم سبعین مرۃ" آیا ہے وہاں مفسرین نے کثرت ہی مراد لی ہے گنتی مراد نہیں لی "لا من باب حصر العدد" یعنی یہاں گنتی مراد نہیں ہے اور لسان العرب میں ہے قد تکور ذکر السبعۃ والسبع والسبعین والسبع مائۃ فی القران و فی الحدیث۔ والعرب تضعہا موضع التضعیف والتکثیر کقولہ تعالی کمثل جنۃ انبتت سبع سنابل۔ یعنی سات ستر اور سات سو کا ذکر قرآن و حدیث میں بار بار آیا ہے اور عرب لوگ اس کو زیادتی اور کثرت کے اظہار کے لئے بولتے ہیں جیسے ارشاد الٰہی ہے کمثل حبۃ یعنی مثل اس دانے کی جس سے سات بالیں پیدا ہوتی ہیں اور ہر بالی میں سو دانہ کا ذکر آتا ہے۔ اور آسمانوں کی تعداد میں سات ہونا تورات و انجیل کی زبان سے بھی ثابت ہے۔ (ڈکشنری آف دی بائبل ج ۲ ص ۳۲۲)

رب ہی اصل مربی ہے

وہ علیم ہے یعنی اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی اس کو علم ہے اور اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا بلکہ ازراہ بندہ پروری اس نے ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا بھی بندوبست کر دیا ہوا ہے بندوں کو لازم ہے کہ وہ اپنی حاجات صرف اور صرف اسی کے سامنے پیش کریں کیونکہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کا پیدا کرنے والا وہ ایک ہی ہے اور وہی ہے جو اس پورے نظام کا چلانے والا ہے۔

Marfat.com

رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا

اے پیغمبر اسلام! اس[69] وقت کا ذکر کرو جب تمہارے[69] پروردگار نے فرشتوں[71] سے کہا تھا ”میں زمین میں ایک خلیفہ[72] بنانے والا ہوں“ فرشتوں نے عرض کیا ”کیا ایسی شخصیت

ابتداء قصہ آدم علیہ السلام

۶۹ آسمان و زمین اور جو کچھ آسمان و زمین کے اندر ہے اس کی پیدائش کے بعد آیت ۲۹ سے وہ ذکر شروع ہو رہا ہے جو آدم علیہ السلام کا قصہ کہلاتا ہے۔ عوام اس کو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے فرشتوں کے درمیان ہوا۔ تعالیٰ شانہ عما یقولون۔

اور خواص جانتے ہیں کہ یہ انسانی فطرۃ کا بیان ہے جو متضاد قوتوں کا حامل ہے یعنی خیر و شر دونوں کے مجموعے کا نام انسان ہے اور خیر و شر دونوں ہی کا خالق اللہ ہے اور وہی ہے جو انسان کے وجود میں ان متضاد قوتوں کا رکھنے والا ہے اس نے اس جگہ خیر کو ملک اور شر کو شیطان یا ابلیس کا نام دیا ہے تاکہ انسان کو اپنی تخلیق کا سمجھنا آسان ہو جائے وہ جان لے کہ قوت خیر اپنا کام کرنے پر مجبور محض ہے اور اسی طرح قوت شر بھی اپنا کام کرنے پر مجبور محض ہے۔ لیکن جس کے اندر دونوں قوتوں کو جمع کیا گیا ہے یعنی انسان‘ اس کو اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنی قوت خیر سے کام لے یا قوت شر سے۔ لیکن وہ جس سے کام لے گا وہ یقیناً اس کو کام دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو مکلف قرار دیا ہے اور وہیں تک مکلف ہے جہاں تک اس کا اختیار ہے پھر اسی پیرایہ بیان کو اس سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر انسان کہلانے والے کی عقل و سمجھ میں وہ اچھی طرح بیٹھ جائے اور وہ اپنی حقیقت کو خوب سمجھ لے۔

اللہ کا بات کرنا کیا ہے یا کیسے ہے؟

۷۰ قول کا لفظ عربی زبان میں مختلف افعال کے اظہار کے لئے آتا ہے چنانچہ مفردات میں ہے کہ قول کے ظاہر معنی تو یہی ہیں کہ نطق سے یعنی بول کر کچھ ظاہر کیا جائے لیکن جو بات دل میں ہو‘ اس پر بھی قول کا لفظ اطلاق کرتا ہے۔ کسی چیز کی حالت کسی بات پر دلالت کرے تو اسے بھی قول کہہ دیتے ہیں جیسے امتلاء الحوض وقال قطنی۔ ”حوض بھر گیا اور اس نے کہا کہ اب میرے لئے بس ہے۔“ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے۔ ”یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ“ (ق ۵۰ : ۳۰) ”جس روز یعنی قیامت کے روز ہم جہنم سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی کیا ابھی اور بھی ہیں؟“

علاوہ ازیں بھی معانی بیان کئے گئے ہیں چنانچہ تاج العروس میں ہے قَالَ بِیَدِهٖ۔ قَالَ بِرِجْلِهٖ۔ قَالَ بِرَاْسِهٖ

Marfat.com

۔ قَالَ بِثَوْبِہٖ وغیرہ جن کے معنی ہیں کہ اس نے پکڑ لیا۔ وہ چلا گیا۔ اس نے سر سے اشارہ کیا۔ اس نے کپڑا اٹھایا۔ قرآن کریم میں قول کا لفظ سوائے انسان کے دوسروں کے لئے بھی بولا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ "جہنم نے کہا" اور ایک دوسری جگہ "قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ" یعنی آسمان و زمین دونوں نے عرض کیا کہ ہم فرمانبردار ہوئے۔

امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ ان ذلک کان بتسخیر من اللہ تعالٰی یعنی اللہ کے مسخر کرنے کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اس طرح قول کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے مراد اس طرح کا نطق تو قطعاً مراد نہیں ہوتا جس طرح کا نطق انسان کے لئے ہے کیونکہ انسان کا نطق تو خاص خاص مخارج سے خاص خاص آوازوں کا نکلنا ہے اللہ کی ذات چونکہ وراء الوراء ہے اس لئے اس کا قول بھی انسان کے قول سے علیحدہ ہے پھر مختلف حالات میں اس قول کے معنی بھی مختلف ہوتے ہیں مثلاً یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا۔ محض آگ کو حکم ہے ایک جگہ ارشاد فرمایا: اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ بعض وقت یہ الہام اور وحی کی صورت میں ہوتا ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کے بارے میں، لیکن جہاں شیطان کو کچھ کہا ہو وہاں یہ مراد نہ ہوگی، یہاں ملائکہ کو کچھ فرمایا ہے جس کا یہاں بیان ہے تو چونکہ ملائکہ وہ ہستیاں ہیں جو وسائط کے طور پر اللہ کے احکام کو تعمیل میں لاتی ہیں۔ جیسے "وَھُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ" تو یہاں اللہ کا فرمان نہ بطور مشورہ ہے اور نہ بطور کسی اور غرض و غایت کے، بلکہ ارادۂ الٰہی کا اظہار فرمایا ہے اور اس اظہار کے لئے یہ الفاظ اختیار کئے گئے ہیں۔

کیا فرشتے اور جن کوئی وجود رکھتے ہیں؟

۷۱ اس میں بہت کلام کیا گیا ہے کیا فرشتے اور جن کوئی وجود رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر یہ کہ اگر وجود رکھتے ہیں تو ایک ہی جیسا یا مختلف؟ لیکن ان ساری بحثوں کا قرآن کریم متحمل نہیں کیونکہ ان کا تعلق قرآنی نظریات سے نہیں ہے۔ قرآن کریم کتاب ہدایت ہے اور ہدایت کے لئے اتنی ہی بات اصل حقیقت سے تعلق رکھتی ہے کہ فرشتے اللہ تعالٰی کی ایک مخلوق ہے جو نظام عالم جسمانی اور عالم روحانی میں وسائط ہیں خواہ وہ محض ایک قوت و طاقت تسلیم کی جائے یا ایک مستقل وجود رکھنے والی مخلوق۔ عالم جسمانی میں تو ان کا ثبوت ہمیں اس طرح ملتا ہے کہ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو جس قدر قویٰ دیئے گئے ہیں ان کے ظہور میں آنے کے لئے بیرونی وسائط کی بھی ضرورت ہوتی ہے جیسے آنکھ کے لئے روشنی کی، سماعت کے لئے گویائی کی، شامہ کے لئے بو کی، بالکل اسی طرح پر عالم روحانی میں بھی ہے۔ نیکی اور بدی کی جو قوتیں انسان کے اندر ہیں ان کے عمل میں آنے کے لئے بھی وسائط ہونے ضروری ہیں اور یہ کہ نیکی کے محرک ملائکہ اور بدی کے محرک شیاطین یا ابلیس ہیں۔ عالم جسمانی میں بھی یہ ظاہر ہے کہ ایک طاقت بذات خود کوئی چیز نہیں اس کا وجود ہم کو نظر آئے یا نہ آئے۔ ہاں بعض اوقات جس طرح طاقت انسانی آنکھ نہیں دیکھتی اسی طرح اس طاقت و قوت والی چیز کو بھی

Marfat.com

آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن اس کے باوجود طاقت کا وجود تسلیم ہے۔ اس پر ان کو بھی قیاس کر لینا مفید مطلب ہے۔ البتہ وجود کے لئے پانچ درجات علمائے اسلام نے مقرر کئے ہیں جس کا شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی شخص ان پانچوں درجات میں سے کسی ایک پر بھی دلیل کے ساتھ ایمان رکھتا ہے تو اس کے لئے مسلمان ہونے کے لئے کافی و وافی ہے۔ وہ درجات یہ ہیں :

وجود ذاتی' وجود حسی' وجود خیالی' وجود عقلی اور وجود شبہی۔ ان میں سے وجود ذاتی وہ وجود ہے جس کو وجود حقیقی بھی کہا جاتا ہے اور وہ وہی وجود ہے جو نظر و مشاہدہ میں آتا ہے' جیسے زمین کا وجود' انسان کا وجود اور نباتات و حیوانات کا وجود۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا وجود ذاتی یا حقیقی نہ تو جن و شیاطین کا ہے اور نہ ہی ملائکہ کا اور باقی چار وجودوں میں سے جس طرح کا بھی وجود کوئی تسلیم کرتا ہے وہ اسلامی تعلیمات کے لئے کفایت کرتا ہے اور زیادہ بحث کا یہ مقام نہیں۔

ہاں ایک بات مزید سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ دنیا کی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے لہٰذا جو شخص خیر کو تسلیم کرتا ہے یقیناً وہ شر کو بھی مانتا ہے کیونکہ خیر و شر دونوں آپس میں ضد ہیں۔ خیر بغیر شر کے پہچانی نہیں جاتی اور شر بغیر خیر کے کوئی پہچان نہیں رکھتا۔ ملائکہ و شیاطین دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جو ملائکہ کو مانے گا وہ شیاطین یا ابلیس سے انکار نہیں کر سکتا۔ گویا شیاطین و ابلیس کا انکار ملائکہ ہی کا انکار ہے۔ لہٰذا ایک کا نام لینا دوسرے کا اثبات ہے۔

کیا آدم سے پہلے کوئی مخلوق موجود تھی؟

۷۵ تخلیق آدم سے پہلے بے شمار مخلوق موجود تھی بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر طرح کی مخلوق موجود تھی اور اب ان میں انسان نامی محض ایک نئی صنف کا اضافہ نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کا نائب زمین پر پیدا کیا جا رہا ہے تخلیق تو ساری ہی موجودات کی ہوئی ہے جنات کی بھی' ملائکہ کی بھی' جنت کی بھی' عرش کی بھی بلکہ دنیا کے اندر جو کچھ ہے سب کی' ان کی بھی جن کو ایک مستقل وجود یعنی ذاتی یا حقیقی وجود عطا ہوا ہے اور ان کی بھی جن کو وجود ذاتی یا حقیقی نہیں ملا لیکن اور کسی چیز کے بھی "قصد تخلیق" کے ذکر کا اہتمام قرآن کریم میں نہیں ہوا یہ فخر صرف اور صرف خلقت آدم ہی کے حصے میں آیا اور یہی دلیل کافی ہے آدم کی افضلیت و شرافت کی۔ یہیں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ انسان کو جو قویٰ ملے ہیں وہ اس غایت و مقصود یعنی منصب خلاف الٰہی کے متناسب ملے ہیں اور کسی دوسری مخلوق کو ایسے قویٰ نہیں ملے۔ یہی وجہ ہے کہ نسل انسانی خود بھی اپنی صلاح و فلاح کے لئے اس کی محتاج ہے کہ اپنے کسی ہم جنس کے واسطہ سے شریعت الٰہی سے استفادہ کرے اور سلسلہ نبوت بھی اسی غرض سے قائم ہوا پھر اسی خاص حکمت الٰہی کے تحت اپنے قانون تکوینی کے مطابق اس سلسلہ نبوت کے خاتمہ کا اعلان کر کے یہ وراثت خلافت اہل علم کے سپرد کر دی گئی۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قوم مسلم کے لئے لازم و ضروری ہے کہ ایک زندہ انسان اس منصب خلافت پر قائم رہے اور اس کی موجودگی میں

Marfat.com

اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ

کو خلیفہ بنایا جائے گا جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی؟ حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی و قدوسی کا اقرار کرتے ہیں" ارشاد الٰہی ہوا کہ

جب بھی کوئی دوسرا اس منصب کا دعوئ کرے تو اس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ فساد امت مسلمہ صرف اسی صورت رک سکتا ہے۔ جب تک یہ صورت قائم نہیں ہوتی۔ فساد روکنے کی کوئی دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ ہاں! اس منصب پر قائم ہونے والے زندہ انسان کو آپ خلیفہ کہیں یا امیر المومنین کہیں یا صدر اور وزیر اعظم' جو چاہیں اس کا نام رکھیں۔ اسلامی نام اس کا ہر حال میں "خلیفتہ اللہ" ہی رہے گا۔ کاش کہ! امت مسلمہ اس حقیقت کو سمجھتی؟ آج دنیا میں یہودیت و عیسائیت جیسی مغضوب و ضالین قوم اس رمز کو پا گئی اور شہداء علی الناس کا لقب پانے والی امت نے اس حقیقت کو "وراء ظهور" پھینک دیا اور اس عمل کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اِنَّمَآ اَشۡكُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ

فرشتوں نے مشورہ دیا نہ اعتراض کیا

۳۷ "اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا" یعنی جو زمین میں خرابی پھیلائے گا یہ بات صرف ایک مخلوق کی زبان حال سے اصل مطلب کا بیان ہے اس کو نہ مشورہ کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی اعتراض کا نام دیا جا سکتا ہے۔ پھر قرآن کریم نے جو تصور ملائکہ یعنی فرشتوں کے متعلق دیا ہے وہ اس طرح ہے کہ

بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ لَا یَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ یَعۡمَلُوۡنَ○ (الانبیاء ۲۱ : ۲۷) "وہ معزز بندے ہیں یعنی عمدہ مخلوق۔ اللہ کے سامنے وہ بات نہیں کرتے اور جو وہ کہتا ہے وہی وہ بجا لاتے ہیں۔"

اور اس طرح مخلوق کی زبان حال سے سوال و جواب میں مطالب کا بیان اور جگہ بھی قرآن کریم میں آیا ہے۔ اللہ نے زمین و آسمان کی زبان حال سے حکایتہ" یہ فرمایا کہ جب ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ دونوں خواہ مخواہ حاضر ہو؟ تو دونوں نے عرض کیا یعنی زبان حال سے کہا کہ ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ (حم السجدہ)

ایک جگہ جہنم کی نسبت فرمایا: کہ جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کہ تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی کہ ہے اس سے زیادہ کچھ اور بھی؟ (ق آیت ۳۰) پس ان آیات میں اللہ نے ایسی چیزوں کی زبان حال سے جو گویا نہیں ہیں۔ سوال و جواب کے طور پر ان کی فطرت کو جس طرح کہ انسان کے خیال میں آسکتی ہے بیان کیا ہے۔ بعینہ یہی صورت یہاں واقع ہوئی ہے۔

Marfat.com

اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا

"میری نظر جس حقیقت پر ہے تمہیں اس کی خبر نہیں۔" ۳۰

پھر مشیت ایزدی نے جو چاہا تھا جب ظہور میں آگیا اور آدمؑ نے فطری تعلیم الٰہی

فرشتوں کی نیاز مندی اور اقرار فرمانبرداری

۷۴؎ مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں یعنی ہم میں نافرمانی کا عنصر موجود نہیں۔ ان میں یعنی انسانوں میں کوئی مفسد و سفاک بھی ہو گا سو اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے تو ہم سب مل کر اس کو انجام دیں گے اور وہ لوگ سب کے سب اس کام کے نہ ہوں گے جو مطیع ہوں گے وہ تو اس کام میں لگ جائیں گے مگر جو مفسد و ظالم ہوں گے ان سے کیا امید ہے کہ وہ اس کام کو انجام دیں۔

تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا ہر نقص سے مبرا ہونے کا اقرار کرنا۔ چونکہ یہ ملائکہ کا اعتراض نہیں تھا اور نہ ہی وہ اعتراض کر سکتے تھے اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے ہر نقص سے پاک اور بے عیب ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔

تسبیح اور تقدیس کے درمیان یہ فرق کیا گیا ہے کہ تسبیح کا اطلاق باعتبار طاعات کے ہوتا ہے اور تقدیس کا باعتبار اعتقادات کے۔ پھر اس میں یہ حکمت بھی پوشیدہ ہے کہ جاہل قوموں میں فرشتوں کے متعلق مختلف خیالات چلے آرہے تھے کسی قوم نے کسی فرشتہ کو اگنی دیوتا مان لیا کسی کو اندر دیوتا۔ قرآن کریم نے ان کی زبان حال سے ایسا بیان دیا کہ ان کی عبدیت پر مہر ثبت کر دی اور وہ بھی انہی کی زبان سے۔ کیونکہ فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید و تقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ اس طرح وہ ایک طرف تو اپنی عاجزی اور کمزوری کا اعتراف کر رہے ہیں اور دوسری طرف حکم بجالانے کے لئے مستعد و تیار نظر آتے ہیں جو ان کی فطرت میں داخل ہے۔

فرشتوں میں خلافت ارضی کی استعداد نہیں

۷۵؎ فرشتوں کی زبان حال سے جو نسل انسانی کے فساد و خون ریزی کا بیان ہوا تھا جس سے استحقاق نیابت آدم پر شبہ کا اظہار ہوتا تھا اس کا جواب اجمالاً یہ دیا گیا کہ "میری نظر جس حقیقت پر ہے تمہیں اس کی خبر نہیں" جس میں یہ اشارہ صاف نظر آرہا ہے کہ جس چیز کو تم نیابت و خلافت کے منافی سمجھ رہے ہو' دراصل وہی اس کی اہلیت کا بڑا سبب ہے کیونکہ نیابت زمین کی ضرورت ہی رفع فساد کے لئے ہے اور جہاں فساد نہ ہو وہاں خلیفہ اور نائب کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا؟ دوسری بات یہ کہ جو شخص حقیقت فساد سمجھ ہی نہ سکے وہ کیسے

Marfat.com

معلوم کر سکے گا کہ یہ فساد ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ فسادی نے کبھی فساد کا اعتراف نہیں کیا بلکہ وہ تو ہمیشہ افساد کو اصلاح کا نام دیتا ہے اور ہمیشہ افساد کو اصلاح کے نام سے کرتا ہے اور اصلاح کو افساد کے نام سے مٹا دینے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے جس کا پورا پورا نقشہ آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

غرض یہ بھی بتلا دیا کہ منشائے الٰہی یہ ہے کہ جس طرح اس نے ایک ایسی مقدس و معصوم مخلوق فرشتہ پیدا کر دی۔ جس سے کسی گناہ و خطا کا صدور ہو ہی نہیں سکتا اور جس نے ایسے شیاطین پیدا کر دیئے ہیں جن میں نیکی اور بھلائی کی صلاحیت ہی نہیں اسی طرح ایک ایسی مخلوق بھی پیدا کرنا منشائے ایزدی ہے۔ جس میں خیر و شر اور نیکی و بدی کا مخلوط مجموعہ ہو جس میں خیر و شر کے دونوں جذبات ہوں اور پھر وہ جذبات شر کو مغلوب کر کے خیر کے میدان میں آگے بڑھے اور رضائے الٰہی کی خلعت حاصل کرے۔

آدم سے مراد بنی نوع انسان ہیں

۷۶ علم کے لفظ سے بعض علمائے اسلام نے جو علمائے محققین کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں پڑھانا یا سکھانا یعنی تعلیم کرنا مراد نہیں لیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ بلکہ انسان میں ان قویٰ کا مخلوق کرنا مراد لیا ہے جن سے انسان تمام چیزوں کو جانتا اور سمجھتا اور خیال کرتا اور سوچتا اور نئے نئے نام رکھتا اور نئی نئی باتیں ظاہر کرتا ہے اور چند باتوں کے ملانے سے ایک نتیجہ نکالتا ہے اور چند چیزوں سے ایک مرکب تیار کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مختلف اجزا اور متبائن قوتوں سے پیدا کیا تھا جو طرح طرح معقولات اور محسوسات اور متخیلات و متوہمات کے جاننے کے لائق تھیں اور حقائق اشیاء اور ان کے اسماء اور علوم اور صنائع کے قواعد اور ان کے آلات کی کیفیات اس کے دل میں ڈالی تھیں۔ پس جو چیزیں کہ فطرت انسانی میں ہیں انہیں کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم کرنے کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک انسان ان سے کام لے کر نئی نئی ایجادات اور نئے نئے اسماء رکھتا آیا ہے اور ابھی نہ معلوم کیا کیا ایجادات کا اس سے اظہار ہو گا۔

اور آدم کے لفظ سے بھی یقیناً نوع انسانی مراد ہے اگرچہ عوام الناس اس کو باوا آدم کے نام سے ایک خاص انسان کا نام جانتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ آدم سے مراد نسل انسانی ہے چنانچہ کشف الاسرار میں بھی تحریر کیا گیا ہے کہ "وما المقصود بادم ادم وحده" اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایک دوسری جگہ اس کو اس طرح ارشاد فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (الاعراف ۷ : ۱۱) "اور دیکھو ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری شکل و صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا آدم کے خلیفہ بنائے جانے کی وجہ سے سجدۂ شکر بجا لاؤ۔" پس کم کا خطاب کل انسانوں کی طرف ہے اور جو اس وقت وجود میں آئے اور آدم سے بنی نوع انسان ہی مراد ہیں۔

Marfat.com

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ

سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ تمام حقائق فرشتوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم حقیقت حال سے واقف ہو تو ان حقائق کے نام بتاؤ؟
۳۱
فرشتوں کو عرض کرنا پڑا کہ "اے اللہ ساری پاکیزگیاں اور بڑائیاں تیرے ہی لئے

آدم علیہ السلام اور علم اسماء

۷۷ اسماء کے لفظ سے اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں جس کو ہم نام کہتے ہیں جیسے گھوڑا۔ گدھا۔ گائے اور اونٹ کتا اور بلی وغیرہ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ علمائے اسلام میں سے بھی بہت علماء نے صرف یہی معنی مراد نہیں لئے۔ بیضاوی۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ میں ان کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ آدم نے فطری تعلیم الٰہی سے تمام چیزوں کے نام معلوم کر لئے۔ چنانچہ اس سے مراد یہی ہے کہ جو قویٰ اس میں پیدا کئے ہیں اور جن کے سبب اس کا ذہن ایک نشان یا دلیل سے دوسری طرف منتقل ہوتا ہے اور نتیجہ پیدا کرتا ہے اسی کو اسماء کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ اور جو کہ یہ قویٰ ایسے تھے جن سے انسان تمام چیزوں محسوسات و معقولات کو جان سکتا ہے اسی لئے کلھا کے لفظ سے اس کی تاکید کی ہے جس سے اس بات کا اشارہ ہے کہ تمام چیزوں کے جاننے کا مادہ انسان میں ودیعت کیا گیا ہے ان قویٰ کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس میں ایک بڑا مضمون پوشیدہ ہے جس کا اختصار یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہے وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں پس "عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" کہنا بالکل انسان کی فطرت کے مطابق اور اس کے بیان کے نہایت ہی مناسب ہے۔

پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ایسے قویٰ پیدا کئے ہیں جن سے ہر ایک چیز کو وہ سمجھ سکتا ہے اور دلیل سے نتیجہ کو حاصل کر سکتا ہے۔ "عَرَضَهُمْ" میں جو ضمیر جمع مذکر کی ہے اس کا مرجع اوپر مذکور نہیں ہے۔ اس لئے محققین نے اسماء کے لفظ سے جو ضمناً اس کے مسمیات سمجھ میں آتے ہیں اسی طرف اس ضمیر کو راجع کیا ہے پھر ان کو یہ مشکل پیش آئی ہے کہ اس کے لئے ضمیر مونث کی ہونی چاہئے تھی نہ ضمیر جمع مذکر۔ اس کا حل انہوں نے یوں نکالا کہ مسمیات میں ذوی العقول وغیر ذی العقول سب شامل تھے۔ اسی لئے تغلیباً ضمیر جمع مذکر کی جو ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے لائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بھی اس کے مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔

Marfat.com

لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ

ہیں ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہماری فطرت میں رکھا۔ حقیقت میں تو علم تیرا ہی علم ہے اور حکمت تیری ہی حکمت ہے۔"۔ ۳۲

فرشتوں کے اعتراف عجز کے بعد اللہ نے حکم دیا "اے آدم اب تم فرشتوں کو ان حقائق کے نام بتاؤ" جب آدم نے بتلا دیئے تو پھر ارشاد الٰہی ہوا "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے تمام غیب صرف اور صرف مجھ ہی پر روشن ہیں۔ اور

فرشتوں پر ان اسماء کا پیش کرنا

۷۸ جس طرح پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان اور فرشتہ دونوں جبلتہ" اور فطرۃ" الگ الگ ہیں اور اس پورے واقعہ سے یہی سمجھانا مقصود و مطلوب ہے کہ جو علم آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی فطرت میں آفرینش سے ودیعت کر دیا گیا تھا جیسے بچہ ابتداء" ولادت میں ماں کا دودھ پینا جانتا ہے۔ بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے۔ اس میں کسی ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح فطرۃ" اور جبلتہ" فرشتوں میں وہ علم ودیعت نہیں کیا گیا۔ اور یہ کہ اگر فرشتوں میں بھی اسی طرح فطرۃ" ان اسماء کا علم ودیعت کیا جاتا تو وہ کیوں انسان ہی نہ ہوتے؟ اور ان کو فرشتے کیوں کہا جاتا؟ رہا یہ سوال کہ جب اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے تو وہ فرشتوں کا مزاج اور طبیعت بدل کر ان کو بھی یہ چیزیں سکھا سکتا تھا پھر ان کو کیوں نہ سکھایا گیا؟ لیکن اس کا ماحصل بھی وہی ہوا کہ فرشتوں کو ہی انسان کیوں نہ بنا دیا کیونکہ اگر فرشتوں کی جبلت و فطرت کو بدلا جاتا تو پھر وہ فرشتے کیسے ہوتے؟ اور پھر انسان کیوں نہ ہوتے؟ مختصر یہ کہ فرشتوں پر ان اسماء کو پیش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ علم الٰہی میں وہ علم ان کی جبلت کے خلاف تھا اور جبلت کے خلاف ممکن نہیں تھا؟ اور اس ناممکن ہونے کو اس پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس کی تفہیم انہی کی فطرت کے بیان سے ہو جائے۔

پھر اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں بلکہ پوری مخلوق کو یہ بتلا دیا کہ زمین کی نیابت کے لئے معصوم

Marfat.com

وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۝۳۳ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى

جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں ہے۔[۷۹]" ۳۳

پھر غور کرو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے سجدۂ[۸۰] شکر ادا کرو' وہ سب حکم سنتے ہی سجدۂ شکر میں گر گئے مگر

ہونے کو ہی نہیں دیکھا جاتا بلکہ دیکھا اس اصول کو جاتا ہے کہ وہ زمین کی چیزوں سے پورا واقف ہو' ان کے استعمال کے طریقوں اور ان کے ثمرات کو جانتا ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال زیادہ صحیح ہے کہ فرشتے اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں ہیں تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتلاؤ۔

کیا فرشتوں نے کچھ اپنے بیان سے چھپایا بھی تھا؟

۷۹ "اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی میرے علم میں ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ بھی مجھ سے مخفی نہیں ہے۔" یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اپنے بیان سے فرشتوں نے کچھ چھپا لیا تھا جس کو کسی وجہ سے انہوں نے اظہار نہیں کیا؟ جس طرح آدم علیہ السلام کا ملائکہ کو اسماء بتانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ آدمؑ نے ان کو وہ علم دے دیا جو اللہ تعالیٰ نے نہ دیا تھا۔ بلکہ یہ ان کے عمل کی خبر دیتا ہے انسان کے اشیاء تصرف پر تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کو ان کی صفات پر اطلاع ہے کیونکہ بغیر اطلاع کے تصرف ممکن نہیں ہے۔ کتم کا معنی چھپانا ہے مگر ایک چیز جب کسی کے عمل سے ظاہر ہو تو اس پر بھی کتم کا لفظ بولا جاتا ہے جیسے بخل کرنے والے کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے وَيَكۡتُمُوۡنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ (النساء ۴ : ۳۷) اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے خرچ کرنے کی جگہ چھپا رکھتے ہیں یعنی کفران نعمت کرتے ہوئے صحیح طریقہ کے مطابق خرچ نہیں کرتے گویا کفران نعمت کرنا چھپانے کی مانند ہے کیونکہ وہ ان کا ایسا عمل ہے جو خلاف حقیقت ہے۔ مال ملنے کی حقیقت یہی ہے کہ وہ جائز طریقوں سے خرچ کیا جائے ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے لا یکتمون اللہ حدیثًا (النساء ۴ : ۴۲) وہ اس دن اللہ تعالیٰ سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ یعنی وہ عملاً اس کا اظہار کر چکے ہیں' اب چھپایا کیسے جا سکتا ہے؟

اسی طرح مَا تُبۡدُوۡنَ وہ باتیں ہیں جو ملائکہ نے گویا ظاہر کیں یعنی انسان کا فساد اور خونریزی کرنا وَمَا

Marfat.com

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ وہ جو ان سے مخفی رہا یعنی انسان کا علم خواص اشیاء اور اس کا کمال اور اس کا جاننا جو ان کی فطرت کے مطابق ان پر ظاہر نہ ہو سکتا تھا نہ ہوا۔

سجدہ کا حکم پا کر فرشتوں کا سجدۂ شکر ادا کرنا

۸۰ سجدہ کے اصل معنی فرمانبرداری اختیار کرنا ہیں یا جھک جانا۔ جس کو عام زبان میں کہتے ہیں ہار تسلیم کر لینا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرنا اور اس کی عبادت کرنا' کے معنوں میں بھی عام استعمال ہوتا ہے اور پھر وہ بھی دو طرح پر ہے ایک سجدہ اختیار سے جو انسان ہی بجا لا سکتا ہے اور دوسرا تسخیر سے جو انسان' حیوان اور نباتات بلکہ ہر مخلوق اپنے خالق حقیقی کو کرتی ہے۔ "اسجدوا لادم" کے معنی بھی دو طرح سے کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کو بمنزلہ قبلہ رکھ کر اللہ کو سجدہ کرنا' دوسرا یہ کہ ان کو آدم کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا اور اس بات کا حکم کہ وہ آدم علیہ السلام اور اس کی ذریت کے مصالح کو قائم کریں۔ اصطلاح شریعت میں سجدہ عبادت کے اس خاص رکن کا نام ہے جب پیشانی زمین پر رکھ دی جاتی ہے اور یہ سجدہ اللہ کے سوا دوسروں کے لئے صرف ناجائز ہی نہیں بلکہ حرام اور شرک ہے۔ چنانچہ سجدۂ آدمؑ کے متعلق کہا گیا ہے۔

اللام فی لادم للتعلیل والمسجود هو الله سبحانه وخلافة ادم علة و سجود اخوة یوسف له مثل ذلک والسجود لغیر الله شرک به لم یرخص به فی شریعة

"لادم میں لام تعلیل کا ہے مسجود اللہ تعالیٰ ہے اور سجدہ کی علت آدم علیہ السلام کی خلافت ہے اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا سجدہ بھی اسی طرح کا سجدہ تھا کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ حرام اور شرک ہے جو کسی شریعت میں بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہوا اور نہ اب ہے"۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ○ (حٰمٓ السجدہ ۴۱ : ۳۷) "رات' دن' سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم نہ سورج کو سجدہ کرو' نہ چاند کو بلکہ اسی اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا۔ اگر تم فی الواقعہ اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○ (الحج ۲۲ : ۷۷)

"اے مسلمانو! رکوع میں جھکو' سجدے میں گرو' اپنے رب کی عبادت کرو اور جو کچھ کرو نیکی کی بات کرو عجب نہیں کہ اس طرح تم بامراد ہو۔" زیر نظر آیت میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کرو۔

گویا "لآدم" میں لام علت کا ہے جیسے" اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ "یعنی نماز ادا کرو اس لئے کہ سورج ڈھل گیا۔ نماز ادا کرو' کیوں؟ اس لئے کہ سورج ڈھل چکا ہے۔ اسجدوا لادم سجدہ کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ

Marfat.com

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ۳۴ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ

ابلیس کو یہ سجدہ ناگوار گزرا۔ لگا گھمنڈ کرنے اور حقیقت حال یہ ہے کہ وہ تھا ہی منکروں سے۔ ۳۴

آدم علیہ السلام کو خلافت مل گئی۔ وہ خلافت کا مستحق ٹھہرا۔ وہ تم پر فوقیت لے گیا۔ آدم علیہ السلام کی فوقیت کے اعتراف میں سجدہ بجالاؤ۔

اس حکم کے سنتے ہی ان کی گردنیں اپنے اللہ کے حضور جھک گئیں۔ وہ سجدۂ شکر بجالائے اور اس طرح آدم علیہ السلام کی علمی فوقیت کو تسلیم کر لیا اور اعتراف کیا کہ اے اللہ! اصل حقیقت حال سے تو ہی واقف ہے اور گویا زبان حال سے اس امر کا عہد و میثاق کیا۔ کہ وہ کبھی اس کی یعنی آدم علیہ السلام اور اس کی ذریت سے منحرف نہ ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ اس کے تابع فرمان رہیں گے۔ اور وہ قلوب بنی آدم میں نیکی اور طہارت کی تحریک کریں گے۔ وحی الٰہی کو لبیک کہنے اور انبیاء و رسل کی تعلیم کے سامنے سرنیاز خم کرنے کے لئے ان کو تیار کریں گے۔ اس طرح آدم علیہ السلام کی راہ میں جو مشکلات و موانع ہوں گے ان کے دور کرنے میں اس کے معین و مددگار بنیں گے۔

انکار ابلیس کیا ہے؟ چور بھی اور چتر بھی

۸۱ ابلیس نے سجدۂ شکر بجالانے سے صاف انکار کر دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ آدم علیہ السلام اور اس کی ذریت کی فوقیت کو تسلیم نہیں کرتا تھا اور اس طرح اس نے آدم اور اس کی ذریت کی اطاعت وانقیاد سے صاف انکار کر دیا اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ فرشتہ ہی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تو نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالا کر اور فرمانبرداری اختیار کر کے فرشتوں میں شامل ہو چکا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ہی صحیح نہیں ہیں کیونکہ نہ تو وہ فرشتہ تھا اور نہ ہی فرشتوں میں وہ شامل ہوا۔ قرآن کریم صاف اعلان کرتا ہے کہ اس کو فرشتوں سے کوئی تعلق نہیں تھا' بلکہ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکھف ۱۸ : ۴۹) "وہ جنات کے گروہ سے تھا وہ اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا یعنی اپنے رب کا حکم ماننے کے لئے تیار ہی نہ ہوا۔"

فرشتوں کی تو خصوصیت ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ طہارت و پاکیزگی اور نیکی و معصومیت کے پیکر ہوتے ہیں اور اللہ کے حکم سے کبھی انحراف نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝ (التحریم ۶۶ : ۶)

لیکن ابلیس کا جہاں ذکر آیا غرور و سرکشی اور طغیان و ضلالت کے ساتھ آیا۔ بس یہ بات صاف ہو گئی کہ ابلیس ایک جداگانہ مخلوق ہے یعنی وہ جنوں میں سے تھا یعنی اقسام جن میں سے ایک قسم تھا جو فرشتوں کے بخط

Marfat.com

اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے آدم سے کہا ”اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں[۸۲] جنت میں رہو، جس طرح چاہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو اور امن و چین کی زندگی بسر کرو مگر ہاں!

مستقیم مخالف ہے جس کی رگ و پے میں عصیان و عدوان اور نافرمانی سرایت کئے ہوئے ہے۔ اس سے اطاعت و فرمانبرداری کی توقع رکھنا بھی عبث و بیکار اور فضول ہے۔ اس لئے جس وقت اس نے سجدۂ آدم یعنی آدم علیہ السلام کی فوقیت و برتری کی بات سنی تو فوراً بول اٹھا۔ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۱) کیا میں اس شخص کی بزرگی مان لینے کے لئے سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے دوسری جگہ اس کی تفصیل کی ہے کہ جب اس نے سجدہ سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ○ (الاعراف ۷ : ۱۱)

”سجدہ کا حکم تو میں نے دیا ہے تو تجھ کو کونسی چیز مانع ہوئی؟ کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں تو اس کی بزرگی کو کیونکر تسلیم کرلوں جبکہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا ہے۔“

گویا انکار کی اصل وجہ اس کا غرور اور تکبر تھا وہ اپنے آپ کو آدم اور اس کی ذریت سے بہتر خیال کرتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ استکبار کبھی پسند نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ اس کے کبر و نخوت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لعنت کا طوق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے گلے میں پڑ گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مجسمہ برائی تھا۔ یہ عبارت ایک طریقہ بیان ہے۔ بس! تاکہ ذریت آدم کو اپنے ابدی دشمن کا پتہ و کھوج بتا دیا جائے کہ وہ اس سے ہوشیار رہیں اور اس کے داؤ و فریب میں نہ آئیں کیونکہ وہ ایسا شیطان ہے کہ گویا چور بھی ہے اور چتر بھی، یعنی شیطان بھی ہے اور شیطنت کو مانتا بھی نہیں۔

آدم علیہ السلام کی جنت اول

۸۲ یہاں دراصل فطرۃ انسانی کی اس کمزوری کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار لیتا ہے۔ اور خلق انسانی کا پہلا مرتبہ علم تھا۔ دوسرے مرتبہ میں اس کو بزرگی اور رفعت عطا ہوئی کہ اس عالم دنیا میں جتنی مخلوق ہے، اس میں سب سے زیادہ شرف اس انسان کو حاصل ہے یعنی وہ اشرف المخلوقات ہے، پھر تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اسے راحت و آرام کی زندگی میسر آئے اور یہی اس کی جنت اول ہے۔ پھر غور کرو کہ جب تیسرے مرتبہ یعنی آرام و سکون کی زندگی بسر کرنے کا ذکر آیا تو ساتھ ہی آدم کی بی بی بھی شامل ہوگئیں جس سے اس بات کی تفہیم کرائی گئی کہ راحت و آرام کی زندگی اکیلا انسان حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں! علم اور بزرگی حاصل کر سکتا ہے کیونکہ ان دونوں چیزوں کا تعلق قوائے ملکوتی سے ہے۔ پھر قوت بہیمیہ کا کیا ہوا؟ جب کہ انسان

Marfat.com

حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

دیکھو وہ جو ایک درخت ہے اس کے قریب مت جانا اگر تم اس کے قریب گئے تو حد

دونوں قوتوں کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا:

خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا (الروم ۳۰: ۲۱) "تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے سبب راحت و آرام پاؤ" یعنی راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے کے لئے زوجین کا ہونا ضروریات زندگی کے لئے لازم و ملزوم ہے۔

مختصر یہ کہ مسجود ملائکہ کا خطاب ملنے کے بعد آدم علیہ السلام کو جنت میں زندگی بسر کرنے اور مشروط طور پر سکون و آرام حاصل کرنے کے لئے بیوی کو ساتھ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس جنت سے مراد بہشت ہے جس کا وعدہ اعمال صالحہ پر ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ کیونکہ وہ جنت جو بعد موت حاصل ہوگی اس سے انسان کبھی نکالا نہیں جائے گا اور نہ ہی اس جنت میں کسی شخص کو کسی تکلیف کا سامنا ہوگا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ:

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ○ (الحجر ۱۵: ۴۸) "اس جنت کے اندر کوئی تکلیف ان کو چھوئے گی بھی نہیں اور نہ ہی وہ کبھی اس سے نکالے جائیں گے۔" اور ایسا مضمون قرآن کریم میں بہت سی مختلف جگہوں پر بیان کیا گیا ہے مزید دیکھو (سورہ طٰہٰ ۲۰: ۱۸، ۱۹) لہٰذا ضروری ہے کہ وہ جنت جو آخرت میں ملنے والی ہے یہاں وہ مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ وہ جنت ہے جس میں آدم علیہ السلام کو عارضی طور پر رکھا گیا تھا پھر وہاں تکلیف بھی پہنچی اور اس سے ہاتھ بھی دھونے پڑے۔ یعنی وہاں سے نکالے بھی گئے۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہوگا جو اس غرض کے لئے مخصوص کر دیا گیا جس میں قوائے مثالیہ کے ذریعہ جنت کے آثار و مختصات پیدا کر دیئے گئے ہوں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام خلافت ارضی کے لئے خلق ہوئے تھے پھر اس حقیقی جنت میں کیسے رہ سکتے تھے؟ اس جنت ارضی میں بھی انہیں صرف اسی لئے عارضی طور پر رکھا گیا تھا کہ ان کی قوتیں نشوونما حاصل کریں اور زمین میں کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔ ویسے بھی آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سب سامان زمین میں پیدا کر دیئے ہیں جن سے انسان کی بھوک دور ہوتی ہے اور پیاس بجھتی ہے جن سے لباس ملتا ہے اور رہنے کے لیے مکان میسر آتا ہے اور یہی چار چیزیں انسان کی اصل ضرورت ہیں لیکن یہاں یہ ساری چیزیں کوشش سے حاصل ہوتی ہیں۔ پھر انسان میں اللہ تعالیٰ نے طاقت بھی رکھ دی ہے جس کو استعمال کر کے یہ چیزیں حاصل کر سکتا ہے، اور پھر علم عطا فرمایا اور وہ صلاحیتیں اس کی فطرت میں رکھ دیں کہ جوں جوں علم حاصل کرتا جائے اپنی طاقت و قوت میں بھی اضافہ کرتا جائے۔

Marfat.com

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۵ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

سے تجاوز کر بیٹھو گے اور زیادتی کرنے والوں میں شمار ہونے لگو گے۔[۸۳] ۳۵

پھر[۸۴] خیال کرو کہ فطرت انسانی کی شیطانی وسوسہ اندازی نے ان دونوں کے قدم

جنت کی مشروط زندگی کا انجام

۸۳ آدم علیہ السلام کی مثال اس جنت میں جہاں ان کو عارضی طور پر رکھا گیا اس بچہ کی سی ہے جو ابھی ماں کی گود میں ہے۔ کچھ مدت تک اس کا صرف دودھ پر گزارا ہے کہ کھانے کی قابلیت اس میں پیدا ہو۔ جس طرح کوئی بچہ ہمیشہ کے لئے ماں کے دودھ پر گزارہ نہیں کر سکتا اسی طرح آدم علیہ السلام دائمی طور پر اس جنت میں نہیں رکھے جا سکتے بلکہ جس وقت ان میں محنت و مشقت کی استعداد پیدا ہو جائے گی فوراً وہاں سے نکال دیئے جائیں گے جیسے اوپر مذکور ہوا کہ آدم علیہ السلام کو جنت میں جو رکھا گیا تھا وہ مشروط طور پر تھا۔ وہ شرط کیا تھی؟

وہ شرط یہ تھی کہ انہیں ایک درخت کے قریب جانے سے روک دیا گیا تھا۔ ہمارے مفسرین نے اس درخت کی حقیقت و ماہیت پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ تمام و کمال جولانئ طبع کے سوا اور کچھ نہیں۔ کتاب و سنت سے اس بات کا پتہ نہیں لگتا کہ وہ درخت کون سا درخت تھا؟ پھر جب ناموس الٰہی اور لسان نبوت نے خاموشی اختیار کی ہو تو ہمیں فلسفیانہ موشگافیاں کرنے کا کیا حق ہے؟ ہاں! اس درخت کی مثال اس کڑوی دوا کے ساتھ دی جا سکتی ہے جو ماں اپنے پستان پر یا فیڈر کی نپل پر اس لئے لگا دیتی ہے کہ بچہ دودھ پینا چھوڑ دے اور ساتھ ہی اس کی محبت بھی والدین کے ساتھ بدستور قائم رہے۔ والدہ بچہ کو اس کے قریب جانے سے روکتی ہے مگر جب وہ نہیں مانتا اور اسے منہ لگا ہی دیتا ہے تو آخر اس کا کڑوا پن اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دودھ ترک کر دے۔ یہی کیفیت آدم علیہ السلام کے متعلق نظر آتی ہے' انہیں روک دیا جاتا ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جانا ورنہ اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آخر بھول چوک بھی تو انسانی فطرت کا خاصہ ہے' اور اسی کا بیان یہاں مقصود حقیقی ہے۔

بھول چوک فطرت انسانی میں داخل ہے

۸۴ "فَاَزَلَّهُمَا" کے الفاظ قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔ زلۃ اس قصور کو کہا جاتا ہے جو بغیر عزم و ارادہ کے سرزد ہو جائے۔ شیطان یعنی قوائے بہیمیہ جو فطرت انسانی میں داخل ہیں' کے پھسلانے کی وجہ سے بغیر عہد و ارادہ کے آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ سے وہ قصور ہو گیا جس سے منع کیا گیا تھا۔ جب تک علم الٰہی میں آدم علیہ السلام کا اس جنت میں رہنا طے تھا رہ گئے اور جب ان کے نکلنے کا زمانہ آگیا تو ان سے وہ قصور

Marfat.com

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ ۞ ۳۶

ڈگمگا دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسی کچھ راحت و سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے تو اس سے ہاتھ دھونے پڑے کیونکہ حکم الٰہی ہوا کہ "یہاں سے نکل جاؤ تم میں سے ہر وجود دوسرے کا دشمن ہے اب تم کو زمین میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت کے لئے جو علم الٰہی میں مقرر ہے اس میں رہ کر فائدہ اٹھانا ہے۔" ۳۶

ہو گیا جس میں ان کا عزم و ارادہ شامل نہ تھا چنانچہ خود قرآن کریم میں یہ ارشاد موجود ہے کہ

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلٰى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۵) "اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے سے جتا کر عہد لے لیا تھا' پھر وہ بھول گیا اور ہم نے نافرمانی کا قصد اس میں نہیں پایا۔"

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۲۱) "پس دونوں میاں بیوی نے اس درخت کا پھل کھا لیا اور دونوں کے ستر ان پر کھل گئے تب ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ باغ کے پتے توڑنے لگے اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے۔"

جس وقت انہوں نے پھل کھا لیا یعنی جب وہ کام کرنے کے قابل ہو گئے تو ان سے اس رخصت پر عمل نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے وہ سب کچھ چھین لیا گیا یا فطرۃ" چھوٹ گیا اور پوری زندگی کا نقشہ بدل کر رہ گیا چونکہ یہ پہلے سے طے تھا کہ آدمؑ ہمیشہ کے لئے اس جنت میں نہیں رہ سکتے۔ شجر ممنوعہ کو ان کے اخراج کا ایک سبب قرار دیا گیا اس لئے اس کے پھل کا کھانا تھا کہ انہیں وہاں سے نکلنے کا حکم صادر ہو گیا۔ ہبط کے لفظ سے بعض ارباب فکر و علم کو یہ شبہ ہوا ہے کہ آدمؑ کی جنت ضرور آسمانوں پر ہو گی کیونکہ ہبوط کے معنی اوپر سے نیچے آنے کے ہیں۔ لیکن مزید غور کریں گے تو اس شبہ کا ازالہ خود بخود ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کے لئے یہی لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا (۲ : ۵۸) اور یہاں سب کا اتفاق ہے کہ اس جگہ نقل مکانی کے معنی میں یہ لفظ آیا ہے اور اسی طرح تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہونے کو بھی کہتے ہیں پس یہاں بھی ہبوط آدم کے یہی معنی ہیں کہ ان کو جنت ارضی سے نکال کر دوسری زمین میں رہنے کا حکم دیا گیا۔

آدمؑ کے جنت سے نکلنے کا باعث ابلیس ہوا اور اس سے پہلے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ابلیس کی لعنت کا سبب بھی آدم علیہ السلام تھے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ درحقیقت یہ انہیں قوائے

Marfat.com

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ

پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے رب کی فطری تعلیم سے چند کلمات معلوم کر لئے[۸۵] جن سے اسکے حضور قبولیت تھی پس اس طرح اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بلاشبہ

ملکوتیہ اور بہیمیہ کی آپس میں جنگ ہے اور اس میں اشارہ دے دیا گیا کہ اب قدرتی طور پر جو دونوں میں بغض و عداوت کا بیج بویا گیا تھا اس نے ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا اور دشمن کا وار جب چل جائے تو وہ کمی نہیں کرتا۔ اس مضمون کو قرآن کریم نے سورۃ الاعراف میں اس طرح بیان فرمایا :

”اے نسل انسانی! کہیں شیطان تم کو اللہ کی سیدھی راہ سے بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو بہکا کر بہشت سے نکلوا دیا کہ لگا ان کے لباس ان سے اتروانے تاکہ ان کے پردہ کی چیزیں ان پر ظاہر کر دے۔ یاد رکھو کہ اغوائے شیطان سے بچتے رہو کیونکہ وہ اس کی ذریات تم کو ادھر سے دیکھتے ہیں جدھر سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔“ (الاعراف ۷ : ۲۷)

بھول کا اعتراف اور وحی الٰہی کی رہنمائی

۸۵ جس وقت آدمؑ وہاں سے نکال دیئے گئے تو انہیں ایک دائمی قانون کی طرف متوجہ کر دیا گیا اور وہ دستور العمل یہ تھا کہ دنیا دار العمل ہے کوئی شخص یہاں تعطل و بیکاری کی زندگی بسر کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ہر ایک کو محنت و مشقت کرنی پڑے گی۔ اسی سے وہ کمالات و فضائل حاصل کرے گا اسی پر اس کی فلاح و کامرانی کا دارومدار ہوگا۔ جہاں اس نے عیش و آرام کا خیال کیا تباہ و برباد ہوگیا اور جب تک اپنی حالت کے بدلنے کی خود کوشش نہ کرے گا اس کی حالت کبھی نہیں بدلے گی' کامیابی انہیں کو نصیب ہوگی جو اس کو حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے اور پھر ان کی کوشش بھی قانون الٰہی کے خلاف نہیں ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے کامیابی حاصل کرنے والوں کے لئے مقرر فرما دی ہے۔

آدم علیہ السلام جنت سے نکل کر کتنی مدت پریشان خاطر رہے؟ قرآن کریم نے ذکر نہیں کیا اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ فطرت انسانی میں سعی و کوشش کا طریقہ رکھ دیا گیا کہ جتنا اضطراب بڑھے گا اور پریشانی زیادہ ہوگی اتنی ہی سعی و کوشش تیز سے تیز تر ہوگی۔ قانون الٰہی اپنا کام کرنے کے لئے اتنا ہی تیار ہوگا۔ یہاں بھی یہی ہوا آدم علیہ السلام کا اضطراب اتنا بڑھا کہ قانون الٰہی کی زبان خود گویا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی ہی جوش میں آئی اور آدم علیہ السلام کو چند کلمات الہام کیے گئے بس! وہ کلمات ہی ان کے اطمینان و سرور کا باعث ہوگئے ان کلمات کا اگرچہ یہاں ذکر نہیں تاہم دوسری جگہ ان کلمات کو بھی ذکر کر دیا گیا تاکہ ذریت آدم بھی اپنی زلت قدم کے موقعہ پر ان سے فائدہ اٹھاتی رہے۔ الفاظ یہ تھے : رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا

Marfat.com

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ

وہی ذات ہے جو اپنی خاص رحمت کی بارش کرنے والا ہے اس کی درگزر کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ۳۷

بیشک آدم کی توبہ[۸۶] قبول ہوئی لیکن جنت سے نکل جانے کا حکم ہمارا سب کے لئے بدستور قائم رہا اور جس عارضی زندگی میں وقت مقرر تک رہنے کا حکم ہوا اس کے لئے جو ہدایت دی وہ اس طرح تھی کہ ہماری جانب سے تم پر ہدایت و راہنمائی کی راہ حق

وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۲۳) "دونوں پکارنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے" ------ سبحان اللہ! کہ ابوالبشرؑ اور ام البشر کی اس مناجات میں ادب اور استغفار کی تعلیم سارے آدم زادوں کے لئے قیامت تک باقی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

توبہ کیا قبول ہوئی کہ وحی الٰہی کی بارش ہوگئی

۸۶ چونکہ آدم علیہ السلام کے اطمینان قلب کا باعث ہی کلمات تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کئے گئے تھے۔ اس لئے آئندہ کے لئے یہی قاعدہ کلیہ بنا دیا گیا کہ انسانوں کے عزم و ارادہ میں قوت و طاقت پیدا کرنے، فطرۃ اصلیہ کو خارجی اثرات و ضلالت سے بچانے، اللہ کے حضور قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کو مبعوث کیا کرے گا۔ ان صحائف و اسفار آسمانی پر ایمان لانا ہر انسان کا فرض ہوگا جو ان پیغمبروں پر نازل ہوں گے اور ان الہامات کا مقصد یہی ہوگا کہ اس کے اندر جذبات صادقہ کی تولید ہو۔ دعا کو بہترین وسیلہ فلاح و کامرانی خیال کرے اور خالق و مخلوق کے تعلقات و روابط میں کسی قسم کی کدورت نہ پیدا ہو۔ اسی موضوع پر دوسری جگہ ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۳۵، ۳۶)

Marfat.com

فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝۳۸ وَالَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ

کھولی جائے گی جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لئے کسی طرح کا غم و فکر نہیں۔ ۳۸

لیکن[۸۶] جو کوئی انکاری ہوگا اور ہماری نشانیاں جھٹلائے گا وہ دوزخی گروہ میں سے

"اے اولاد آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم میں پیدا ہوں اور میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں تو جو کوئی ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر برائیوں سے بچے گا اور اپنے آپ کو سنوارے گا اس کے لئے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا' نہ کسی طرح کی غمگینی ہوگی۔ اور جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلے میں سرکشی کریں گے تو وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے"

یہاں سے وحی الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ تک بدستور جاری رہا۔ ہر قوم' ہر بستی اور ہر علاقہ میں یہ پیغام پہنچانے والے مبعوث ہوتے رہے اور لوگ ان چشموں سے سیرابی حاصل کرتے رہے۔ ازیں بعد خاتم المرسلین تمام دنیا کے انسانوں کے لئے اس وحی الٰہی کا بحر زخار لائے جو رہتی دنیا تک انسانوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اور ہر عاصی و خطاکار کو اس میں غوطہ زن ہونا ہوگا اسی طرح جس وحی الٰہی کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا محمد رسول اللہ ﷺ پر اس کو ختم کر دیا گیا اور آخری رسول کی آخری وحی بنی نوع انسان کی ہدایت کا سامان پیدا کرتی رہے گی۔ اللہم صلی علی محمد و علی آل محمد۔

ہدایت الٰہی کے منکرین کے لئے انتباہ

۸۷: آدم علیہ السلام کا قصہ جو دراصل فطرت انسانی کی حقیقی داستان ہے' کے اختتام پر منکرین ہدایت الٰہی کو ایک بار متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جس نے ہماری یاد سے روگردانی کی تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے روز بھی ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے اور عذاب جہنم میں وہ مسلسل تکلیف اٹھاتا رہے گا۔

جس سے یہ مسئلہ صاف ہوگیا کہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اسی لئے وہ مجبور ہے کہ ناموس الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دے۔ جس طرح ہمارے ماں باپ برابر پریشان و مضطرب پھرتے رہے تا آنکہ وحی الٰہی نے چند کلمات الہام کئے جو ان کے اطمینان قلب کا باعث بنے۔ اب قصہ آدم نے اس دعویٰ پر مہر لگا دی کہ دنیا میں انسان کو سکون و اطمینان صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو وحی الٰہی کا پابند بنائے ورنہ اس کے بغیر اس کی زندگی بالکل بیکار ہو جائے گی۔

Marfat.com

قصہ آدمؑ قرآن کریم کی زبان میں

قرآن کریم میں آدم علیہ السلام کا قصہ آٹھ سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ سورۃ البقرہ۔ سورۂ آل عمران‘ سورہ الاعراف‘ سورہ الحجر‘ سورہ بنی اسرائیل‘ سورہ الکہف‘ سوۂ طٰہٰ اور سورہ صٓ میں۔ کسی جگہ کوئی مضمون بیان ہوا ہے کسی جگہ کوئی‘ کسی جگہ اجمال ہے اور کسی جگہ تفصیل۔ کسی جگہ ایک مضمون کو کسی لفظ یا عبارت سے ظاہر کیا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے لفظ یا عبارت سے‘ مگر سب کا نتیجہ یا مقصد متحد ہے ہم یہاں ان آٹھوں سورتوں کے مضمون کو اس طرح جمع کرتے ہیں جس میں تمام مضمون جو قرآن کریم میں آئے ہیں ایک جگہ سلسلہ وار جمع ہو جائیں اور ازیں بعد اس کا ترجمہ و مفہوم بھی لکھ دیں گے تاکہ پورا قصہ انہی الفاظ میں جو قرآن کریم میں آئے ہیں ایک جگہ اکٹھا ہو جائے تاکہ قارئین ”عروۃ“ اس سے مستفید ہو سکیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ○ (بقرہ ۲: ۳۰) اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (ص ۳۸: ۷۱) مِنْ تُرَابٍ (ال عمران ۳: ۵۹)

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر ۱۵: ۲۶) وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ○ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ○ (بقرہ ۲: ۳۱‘ ۳۳)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ○ (الاعراف ۷: ۱۱) فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر ۱۵: ۲۹)

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (۱۵: ۳۰) اِلَّآ اِبْلِیْسَ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ (الاعراف ۷: ۱۱) کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکہف ۱۸: ۵۰) اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ (الحجر ۱۵: ۳۱) وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ○ (البقرہ ۲: ۳۴) قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ (الحجر ۱۵: ۳۲) مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (ص ۳۸: ۷۵) مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ (الاعراف ۷: ۱۲) قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِیْنًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۱) لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر ۱۵: ۳۳) اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف ۷: ۱۲) قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَکُوْنُ لَکَ اَنْ تَتَکَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (الاعراف ۷: ۱۸) فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ○ وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (الحجر ۱۵: ۳۵) اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ (الاعراف ۷: ۱۵) اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ (الحجر ۱۵: ۳۸‘ ۳۹) فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (ص ۳۸: ۸۲) لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ

Marfat.com

الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ○
(الاعراف ۷ : ۱۷) قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا
(بنی اسرائیل ۱۷ : ۶۲) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ (الحجر ۱۵ : ۴۱)
قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ (ص ۳۸ : ۸۴) لَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ (الاعراف ۷ : ۱۸) مِنكَ
وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ○ (ص ۳۸ : ۸۵) اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا○
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ
وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا○ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۶۳،۶۴) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ○ (الحجر ۱۵ : ۴۲) وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۶۵) وَقُلْنَا (البقرہ ۲ : ۳۴)
يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا (الاعراف ۷ : ۱۹) مِنْهَا رَغَدًا (بقرہ ۲ : ۳۵) حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا
هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ○ (الاعراف ۷ : ۱۹) فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا
يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ○ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ (طه ۲۰ :
۱۱۶، ۱۱۹) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا (الاعراف ۷ : ۲۰) قَالَ يَا آدَمُ
هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ○ (طه ۲۰ : ۱۲) وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا
أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ○ فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ (الاعراف ۷ : ۲۱) وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا
أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ (الاعراف ۷ : ۲۲) فَأَزَلَّهُمَا
الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ
إِلَىٰ حِينٍ○ (بقرہ ۲ : ۳۶) قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (الاعراف ۷ : ۲۵) وَعَصَىٰ آدَمُ
رَبَّهُ فَغَوَىٰ (طه ۲۰ : ۱۲۱) فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (البقرہ ۲ : ۳۷) قَالَا
رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ○ (الاعراف ۷ : ۲۳) ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ
فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ (طه ۲ : ۲۳) قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ○ (البقرہ ۲ : ۳۸) فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ۔ (طہ ۲۰ : ۱۲۳)

اے پیغمبر اسلام! اس وقت کا ذکر کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں وہ کہنے لگے کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خون ریزی کرے گی؟ حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی کا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا میری نظر جس حقیقت پر ہے تمہیں اس کی خبر نہیں! میں پیدا کرنے والا ہوں ایک آدمی گارے ' مٹی ' ریتلے گارے ' بدبودار کیچڑ سے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سب نام سکھا دیئے یعنی اس کی فطرت میں رکھ دیئے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے

Marfat.com

پیش کیا اور فرمایا کہ مجھ کو ان کے نام بتاؤ اگر تم اپنے بیان میں سچے ہو' وہ بولے تو ہی برگزیدہ ہے تو نے جو کچھ ہم کو سکھایا ہے یعنی ہماری فطرت میں رکھا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! ان کے نام ان کو بتا دے پھر جب ایسا ہوا کہ آدم نے ان کے نام ان کو بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اس کو بھی جانتا ہوں بیشک ہم نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کی بزرگی کے اعتراف میں سجدہ کرو جب میں اس کو ٹھیک کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ کرو۔ پھر ایسا ہوا کہ سب فرشتوں نے سجدۂ شکر ادا کیا مگر ابلیس یعنی شیطان نے آدم کی بزرگی کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا اور سجدہ بجا نہ لایا۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس لیے کہ دراصل وہ جنوں میں سے تھا یعنی مجموعہ قوائے بہیمی! اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا اور تکبر کیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ کافروں میں سے تھا سجدہ کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ کس چیز نے تجھ کو سجدۂ شکر بجا لانے سے روکا کہ میرے حکم کرنے پر بھی تو سجدہ نہ کرے حالانکہ اس کو میں نے پیدا کیا اور وہ میری قدرت کا مظہر ہے۔ کیا تو نے تکبر کیا اور بڑوں میں شمار ہونے لگا۔ تو نے میرے حکم کی کوئی پروا نہ کی۔ بتا تجھے کیا چیز آڑے آئی؟ ابلیس بولا! کہ کیا میں ایسے کی بزرگی مان لوں اور سجدہ شکر کروں جس کو تو نے سڑی مٹی سے بنایا ہے۔

میں اس سے بہتر ہوں' مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے ریتلے گارے اور بدبودار کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ یہاں سے دور ہو جا! ہٹ جا! تجھ کو تکبر کرنا زیب نہیں دیتا۔ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکلتا بن! تو تو نہایت ہی مردود ہے اور یہ مردود ہونا تیرے لئے لازم ہو گیا ہے۔ یاد رکھ کہ تجھ پر قیامت تک لعنت برستی رہے گی۔ تو نہایت ہی ذلیل اور کمینوں سے ہے ابلیس کہنے لگا کہ قیامت تک مواخذہ نہ ہونے کی مجھے مہلت دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا! تو مہلت دیا گیا ہے اس وقت معین تک جس کو قیامت کا روز کہا جاتا ہے۔ پھر ابلیس بولا کہ : اے رب! مجھ کو تیرے بہکانے کی قسم میں وہ ہوں کہ دنیا میں بری باتوں کو انہیں اچھی کر دکھاؤں گا اور تیری عزت کی قسم! ان سب کو بہکاؤں گا اور ان کے لئے تیرے سیدھے راستہ کی راہ ماری کرنے کو گھات لگاؤں گا پھر ان کے آگے سے' ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے ان پر پڑنے کی کوشش کروں گا اور تو ان میں بہتوں کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ ابلیس نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے بتا تو نے کیوں اس شخص کو مجھ پر بزرگی دی۔ اب جب تو نے مجھے ڈھیل دی ہے تو میں اس شخص کی اولاد کو بجز چند معدود لوگوں کے جڑ پیڑ سے اکھاڑ دوں گا بجز تیرے خالص بندوں کے جو ان میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خالص بندہ ہونا ہی میرے تک پہنچنے کا سیدھا رستہ ہے اور فرمایا کہ سچی بات یہ ہے اور یاد رکھ کہ میں سچ

Marfat.com

ہی کہتا ہوں جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں ان کو تیرے سمیت جہنم میں بھر دوں گا اور جو تیرے پیچھے چلیں گے سب کے لئے میرا یہی حکم ہے کہ تم سب کو جہنم کی سزا ہوگی اور تم کبھی اس سے بچ نہیں سکو گے۔ جا! ان میں سے جس جس کو تو بہکا سکتا ہے بہکا لے اپنی آواز سے' اور ان پر اپنے سوار اور پیدل سب دوڑا لے' اور اپنا حصہ بانٹ لے ان کے مال اور اولاد سے اور ان کو وعدے دے لے جو تو دے سکتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تیرا ہر وعدہ جھوٹ اور دھوکے کا پلندہ ہے یاد رکھ کہ میرے بندوں پر تجھ کو کچھ غلبہ نہیں ہے۔ سوائے ان گمراہوں کے جنہوں نے تیری پیروی کی' اور اے پیغمبر اسلام! تیرا رب ان کی کارسازی کے لئے کافی ہے اور ہم نے کہا یعنی اعلان الٰہی ہوا کہ اے آدمؑ! تو اور تیرا جوڑا دونوں جنت میں رہو اور پیٹ بھر کر کھاؤ اور پیو جہاں سے تم کھانا چاہتے ہو اور پینا پسند کرتے ہو لیکن یاد رکھنا کہ اس درخت کے پاس مت جانا۔ اگر جاؤ گے تو اپنے آپ پر زیادتی کرو گے پھر ارشاد الٰہی ہوا کہ اے آدم! یاد رکھ یہ ابلیس تیرا اور تیرے جوڑے کا دشمن ہے۔ یہ تمہارے جنت سے نکالے جانے کا سبب نہ بن جائے اگر ایسا ہوا تو تم بدبخت ہو گے۔ یہاں تم نہ بھوکے ہو گے نہ ننگے۔ نہ پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ تم کو ستائے گی پھر شیطان نے ان کو وسوسہ میں ڈال دیا جس سے ان کی پوشیدہ کمزوریاں ان پر ظاہر ہوگئیں اس نے وسوسہ یوں ڈالا' کہنے لگا اے آدم! میں تجھ کو ہمیشہ رہنے کا درخت اور نہ ختم ہونے والی سلطنت نہ بتا دوں؟ دیکھو! اللہ نے تم کو بجز اس کے اور کسی لئے اس درخت سے منع نہیں کیا کہ تم کھاؤ گے تو فرشتے ہو جاؤ گے اور اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے اور قسمیں کھا کھا کر ان کو باور کرا لیا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں اس طرح ان دونوں کو اپنے فریب میں پھنسا لیا اور جب انہوں نے اس درخت کو چکھا تو ان دونوں پر ان کی پوشیدہ کمزوریاں ظاہر ہوگئیں اور ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اب انجام کار وہ درختوں کے پتوں سے اپنے آپ کو چھپانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا اور بتایا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے لہٰذا شیطان نے ان کو بہکا دیا اور ان کو وہاں سے نکلوا دیا جس میں وہ خوش و خرم رہ رہے تھے۔ جب وہاں سے نکل جانے کا حکم الٰہی ان کو پہنچا تو ساتھ ہی بتا دیا گیا کہ اب تمہاری یہ دشمنی پکی ہوگئی۔ اور تمہارے پھرنے کی جگہ عالم زمین ہوگی اور تم کو یہاں ایک معین مدت تک رہنا ہوگا۔ یہاں تم زندگی بسر کرو گے اور یہیں مرو گے اور یہیں سے تم دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ اس طرح آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ بھول گیا۔ پھر آدمؑ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے چند کلمات ڈال دیئے ایسا اس لئے ہوا کہ اس نے معافی طلب کر لی سو اس کو معاف کر دیا گیا اس طرح آدمؑ اور اس کی بی بی نے وہ کلمات ادا کئے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر خود ظلم کر لیا اور اگر تو معاف نہ کرے گا اور رحم نہ فرمائے گا تو ہم خسارے میں رہیں گے اس کے رب نے اس کی پکار سن لی اس پر لوٹ آیا اور اس کو سیدھی راہ بتا دی پھر اللہ نے کہا اب یہاں سے دور ہو جاؤ زمین میں رہو اور تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی یاد رکھو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی اس پر کچھ

Marfat.com

خوف و خطر نہیں ہو گا اور نہ وہ کبھی غمگین ہو گا نہ وہ اب بھکے گا' اور نہ ہی اس پر بدبختی چھائے گی"۔

قصہ آدمؑ پر ایک طائرانہ نظر

جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے ہم قصہ آدمؑ کو صرف انسانی فطرت کا اس فطرت کی زبان حال سے بیان قرار دیتے ہیں پس انسان کا جنت میں رہنا اس کی فطرت کی ایک حالت کا بیان ہے جب تک کہ وہ مکلف کسی امر و نہی کا نہ تھا۔ وللہ من قال ؎

طفلی و دامان مادر خوش بہشتے بودہ است
چوں بپائے خود رواں گشتیم' سرگرداں شدیم

اور اس کا شجرہ ممنوعہ کے پاس جانا' اس کا پھل کھانا اس کی فطرت کی اس حالت کا بیان ہے جب کہ وہ امر و نواہی کا مکلف ہوا' اور ہبوط سے اس کی فطرت کی اس حالت کا تبدیل ہونا مراد ہے جب کہ وہ غیر مکلف سے مکلف ہوا۔ ہبوط کے لفظ کا استعمال صرف انتقال مکان ہی پر مختص نہیں ہے۔ (قاموس)

اس بات کا ذکر کہ اللہ نے کس چیز سے آدمؑ کو یا تمام زمین پر چلنے والے جانداروں کو پیدا کیا متعدد لفظوں سے قرآن کریم میں مذکور ہے ایک جگہ فرمایا ہے۔ "اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ" ایک جگہ بیان فرمایا "خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ" ایک جگہ ارشاد ہوا "مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" ایک جگہ فرمایا "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا" ایک جگہ فرمایا ہے "خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنَ الْمَآءِ" ایک جگہ فرمایا "وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ"۔

اب غور کرو "طین" کے معنی گارے کے ہیں۔ "تراب" کے معنی مٹی کے ہیں۔ "صلصال" کے معنی ریتلے گارے کے ہیں اور "حما مسنون" اس بدبو دار کیچڑ کو کہتے ہیں جو پانی کے نیچے بیٹھی ہوتی ہے۔ "الماء" کا لفظ تین جگہ آیا ہے خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنَ الْمَآءِ اور "جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ" ان دونوں مقام میں جو لفظ "ماء" ہے اس سے تو نطفہ مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ دابۃ کے پہلے جو "کل" کا لفظ آیا ہے اس میں تمام دابہ جو زمین پر چلتے ہیں' داخل ہیں چنانچہ خود قرآن کریم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ "فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰى رِجْلَیْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ" (النور ۲۴: ۴۵)

حالانکہ بہت سے دابہ ایسے ہیں جو نطفے سے پیدا نہیں ہوتے اور "من الماء بشرا" میں جو لفظ "ماء" ہے اس سے بھی نطفہ مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہاں بیان انسان کی اول خلقت کا ہے اور خلقت اول انسان کی نطفہ سے نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد دریا یا سمندر کا پانی ہی ہو سکتا ہے۔

پھر اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا" (الفرقان ۲۵: ۵۳)

اس کے بعد فرماتا ہے۔ "وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا" پس "الماء" میں جو الف لام ہے وہ صاف اسی پانی کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا اوپر بیان ہے۔ علامہ بیضاوی نے بھی بطور قول مرجح اسی بات کو اختیار کیا

Marfat.com

ہے اور پانی سے وہی پانی مراد لیا ہے۔ پس ان تمام آیتوں پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام چیزوں کی ترکیب کیمیاوی سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس سے انسان اور تمام جاندار مخلوق ہوئے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

دو چیزوں کا آپس میں مرکب ہونا دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک اس طرح پر کہ ظاہر میں ان دونوں کے اجسام مل گئے اور کچھ دیر کے بعد پھر جدا ہو گئے۔ مثلاً ہم ایک بوتل میں پانی اور نہایت باریک ریت ڈال دیں اور بوتل کو خوب ہلائیں تو ریت اور پانی بالکل مل جائے گا مگر جب تھوڑی دیر رکھ دیں تو ریت الگ اور پانی الگ ہو جائے گا۔ یا ہم مٹی میں پانی ڈال کر اس کا گار بنا دیں تو مٹی اور پانی مل جائے گا مگر جب اسی طرح پڑا رہنے دیں تو پانی ہوا اور بخارات ہو کر نکل جائے گا اور نری مٹی رہ جائے گی۔ اسی طرح پر دو چیزوں کا مرکب ہونا درحقیقت حقیقی ترکیب نہیں ہے۔

اور ترکیب کیمیاوی یہ ہے کہ دو چیزیں آپس میں اس طرح پر ملیں کہ از خود جدا نہ ہو سکیں بلکہ وہ دونوں مل کر ایک تیسری چیز بن جائے پس "طِيْنٍ" "تُرَابٌ" "صَلْصَالٍ" "حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ" اور "ماء" کی ترکیب کیمیاوی سے جو چیز پیدا ہوئی' وہ انسان کا خمیر ہے یعنی اس سے انسان پیدا ہوا ہے وہ چیز غالباً وہ ہے جو سطح آب پر جمع ہو جاتی ہے اور نہ وہ مٹی ہوتی ہے نہ ریت' نہ گارا' نہ کیچڑ بلکہ ان سب کی ترکیب کیمیاوی سے ایک اور ہی چیز بن جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے تمام جاندار' انسان اور حیوان مخلوق ہوئے ہیں جو تخلیق اول کہلاتے ہیں اور یہی بات قرآن کریم سے پائی جاتی ہے۔

اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں ا۔ اللہ ۲۔ فرشتے (قوائے ملکوتی) ۳۔ ابلیس (قوائے بہیمی) ۴۔ آدم یعنی انسان جو مجموعہ ان قویٰ کا ہے اور جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبان حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرنا ہے۔

اللہ جو سب کا پیدا کرنے والا ہے گویا قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے والا ہوں اور وہی میرا نائب ہوگا۔ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم اس کی بزرگی کو تسلیم کر لینا اور سجدۂ شکر بجا لانا۔ اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اس مخلوق یعنی انسان میں قوائے بہیمیہ ہوں گے' عالم قرار دیا گیا ہے۔ اور بمقتضائے فطرت ان قویٰ کے' انہوں نے یعنی مخاطبین نے کہا کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر فساد مچائے گا اور خون بہائے گا اور ان مخاطبین یعنی قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اس طرح بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک ہی کو یاد کرتے ہیں۔

پچھلا فقرہ قویٰ کی فطرت کو بھی بتاتا ہے کہ جو قویٰ جس کام کے لئے ہیں وہی کام کرتے رہتے ہیں کہ وہی ان کی تسبیح اور تقدیس ہے جیسے قوت نامیہ انما' قوت ناطقہ نطق' اور قوت احراق حرق' قوت سیالہ سیلان اور قوت جامدہ انجماد کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتی۔

Marfat.com

انسان باوجودیکہ قوائے متضادہ ملکوتیہ و بہیمیہ سے مرکب ہے مگر اس میں ایسی قدرت ہے کہ ایک قوت پر دوسری قوت کو غلبہ دے سکتا ہے چونکہ صاحب ارادہ ہے۔ جس قوت سے چاہے کام لے سکتا ہے۔ غیر معلوم چیزوں کو جان جاتا ہے۔ عالم کے اجزاء میں ترکیب دے کر ایک نئی چیز ایجاد کر لیتا ہے اور عالم کے تبدل میں اللہ کی دی ہوئی صلاحیت سے ایک بڑی مداخلت رکھتا ہے اور ٹھیک اللہ کا نائب کہلانے کا مستحق ہے۔

انسان کی فطرت کا مخاطبین یعنی قوائے ملکوتی پر فطری تفوق ظاہر کرنے کے لئے تمام کمالات نفسانی و روحانی و حقائق و معارف کو انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا پھر اس کو تعلیم اسماء سے تعبیر کیا ہے انسان کو مخاطبین یعنی قوائے ملکوتی کے سامنے کیا جو حقائق و معارف ان میں ہیں ان کو بتلاؤ۔ قوائے ملکوتی کی فطرت میں اس کا علم نہ تھا۔ پس گویا وہ بولے کہ ہم تو ان کمالات کو نہیں جانتے ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے بتایا ہے یعنی جس محدود فطرت پر پیدا کیا ہے اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ مگر انسان کی زبان حال نے جس کی فطرت میں ادراک کلیات و جزئیات تھا مخاطبین قوائے ملکوتی کی حقیقت کو بتا دیا جس سے یہ سبق دیا کہ گویا مخاطبین یعنی قوائے ملکوتی نے زک پائی۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و کمال کے اظہار کے لئے انسانی محاورہ کے موافق جیسے کہ انسان کسی کو زک دے کر دہراتا ہے' فرماتا ہے کہ کیوں میں نہ کہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

ازیں بعد اللہ تعالیٰ نے ان قوائے متضادہ کی جن سے انسان مرکب ہے اسی طرح پر فطرت بتائی ہے کہ قوائے ملکوتی اطاعت پذیر و فرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں مگر قوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں' انہی کو قابو میں لانا اور فرمانبردار کرنا انسان کا انسان ہونا ہے۔

ان قوائے بہیمیہ کے سرکش ہونے کو کبھی تو ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ "ابلیس نے سجدہ نہیں کیا" کہیں یوں فرمایا ہے کہ "اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور سجدہ کرنے سے انکار کیا" کہیں فرمایا ہے کہ "اس کافر نے غرور کیا اور کہا کہ کیا میں ایسی مخلوق کے لئے سجدہ کروں جو سڑی مٹی سے بنی ہے' میں تو اس سے افضل ہوں' وہ تو مٹی کا پتلا ہے اور میں آگ کا پوت ہوں۔"

قوائے بہیمیہ کو جن کا مبداء حرارت عزیزی و حرارت خارجی ہے آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت کا بتلانا ہے پھر جو فطری تضاد ان دونوں قسم کے قویٰ میں ہے اس کے اظہار کے لئے قوائے بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دیا ہے اور اس کی زبان حال سے اس کی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جب تک انسان زندہ ہے یا قیامت تک یعنی جب تک اس کی اولاد رہے گی اس کو بہکاتا اور راہ راست پر سے بھٹکاتا رہوں گا۔ یہ الفاظ کہ میں انسان کو دائیں سے بائیں' آگے پیچھے' اوپر نیچے غرض کہ ہر چہار طرف سے گھیروں گا صاف صاف ان قوائے بہیمیہ کی فطرت کا اظہار کرتے ہیں جو انسان میں ہے اور ہر ذی عقل و ہوش غور کرنے پر خود اپنے میں یہ سب باتیں پاتا ہے اور جان سکتا ہے کہ کس طرح ان قوائے بہیمیہ نے چاروں طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے۔

Marfat.com

درمیاں قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

پھر اللہ تعالیٰ نے نیک آدمیوں کی فطرت کو اور اس دشمن کے فریب میں آنے والوں اور نہ آنے والوں کے فطری نتیجہ کو بتایا ہے اور فرماتا ہے کہ تو جتنی چاہے دشمنی کر اور جس طرح چاہے اپنے لشکر سے ان پر چڑھائی کر، مگر نیک آدمیوں پر تیرا کچھ قابو نہ ہوگا۔ وہی بہکیں گے جو تیرے یعنی قوائے بہیمیہ کے تابع ہونے والے ہیں اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بہشت میں چین کریں گے اور پچھلے دوزخ میں بھرے جائیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصہ کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے بہشت میں رہنے، چین پانے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہے تو اس کے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درخت ممنوعہ کو کھلایا ہے۔

یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہے جب کہ اس کو رشد ہوتا ہے اور عقل و تمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلف اور اپنے تمام افعال و اقوال و حرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے زندگی کے ضروری سامان کے لئے خود محنت کرتا ہے اور نیک و بد کو خود سمجھتا ہے۔ اپنی بدی سے واقف ہوتا ہے اور اس کو چھپاتا ہے۔ یہ فطرت انسانی اللہ نے باغ کے استعارہ میں بیان کی ہے۔ اس لئے تمام فطرت کو باغ ہی کے استعارہ میں بیان فرمایا ہے۔ سن رشد و تمیز کے پہنچنے کو درخت معرفت خیر و شر کے پھل کھانے سے اور انسان کو اپنی کمزوریوں کے چھپانے کو درخت کے پتوں سے ڈھانکنے سے تعبیر کیا ہے مگر شجرۃ الخلد کے پھل تک اس کو نہیں پہنچایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک فانی وجود ہے اور اس کو دائمی بقا نہیں ہے۔

اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ اور جا کر زمین پر رہو، وہی تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اس میں تم رہو گے۔ اسی میں مرو گے۔ اسی میں سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ تمہاری کمزوریوں اور بدیوں کا علاج بھی وہیں ہے جو نیک بندے ہوں ان کی دی ہوئی ہدایت پر چلنا اور اپنی کمزوریوں اور بدیوں سے شرمندہ ہو کر ان کے کرنے سے باز آنا اور اپنے رب سے پکا اقرار کرنا کہ پھر نہ کریں گے اور پھر مت کرنا۔ تم اپنے دشمن پر فتح پاؤ گے، پھر تم کو کچھ ڈر اور خوف نہ ہوگا۔ اچھے خاصے اور مقبول بندے ہو گے۔

یہ ایک نہایت عمدہ اور دلچسپ بیان فطرت انسانی کا ہے مگر عام لوگ اس راز فطرت کے سمجھنے کے قابل نہ تھے اسی لئے اللہ رب العلمین نے ابتداء سے اس راز کو ایک دلچسپ قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے جس کو ہر انسان سمجھ سکتا ہے اور جو نتیجہ راز فطرت سے انسان کو حاصل ہونا چاہئے وہ ہر شخص کو حاصل ہوتا ہے خواہ تم یہ سمجھو کہ اللہ اور فرشتوں میں مباحثہ ہوا اور شیطان نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور آدمؑ بھی گیہوں کا درخت

Marfat.com

کھا کر نافرمانبردار ہوا لیکن پھر سنبھل گیا۔ اب شیطان اور انسان میں جنگ جاری ہے خواہ ہم یہ سمجھیں کہ اس بڑے صانع حقیقی نے جو صناعت کا ایک رازداں بنایا اس کے راز کو اسی کے رازوں کی اصطلاحوں میں بیان کر دیا۔
صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ○

ازالہ اوہام

ا۔ انسان اول کی پیدائش کا مسئلہ

تخلیق آدمؑ یعنی انسان اول کے عالم وجود میں آنے کا مسئلہ آج علمی نقطہ نگاہ سے بحث کا ایک نیا دروازہ کھولتا ہے۔ یعنی ارتقاء کا یہ دعویٰ ہے کہ موجودہ انسان اپنی ابتدائی تخلیق و تکوین ہی سے انسان پیدا نہیں ہوا بلکہ کائنات ہست وبود میں اس نے بہت سے مدراج طے کر کے موجودہ انسانی شکل حاصل کی ہے۔ اس لئے کہ مبدء حیات نے جمادات و نباتات کی مختلف شکلیں اختیار کر کے ہزاروں لاکھوں برس بعد درجہ بدرجہ ترقی کرتے کرتے اول لبونہ یعنی پانی کی جونک کا لباس پہنا اور پھر ایسی ہی طویل مدّت کے بعد حیوانات کے مختلف چھوٹے بڑے طبقات سے گزر کر موجودہ انسان کی شکل میں وجود پذیر ہوا۔ یہ اس گروہ کا خیال ہے جو جدید نظریات کا حامل ہے۔

خالصتہ" مذہبی گروہ یہ کہتا ہے کہ خالق کائنات نے انسان اول یعنی آدمؑ کو اس شکل و صورت میں بنایا۔ جس میں وہ اب تک موجود ہے اگرچہ اس کی قدوقامت اور عمر کا مسئلہ مختلف رہا۔ اور یہی وہ انسان ہے جس کو خالق کائنات نے تمام مخلوق پر برتری اور بزرگی عطا فرمائی اور امانت الٰہی کا بارگراں اس کے سپرد فرمایا اور کل کائنات کو اس کے ہاتھ میں مسخر کر کے خلافت و نیابت الٰہی کا شرف اس کو بخشا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ان دونوں نظریوں کے درمیان اس خاص مسئلہ میں علمی تضاد ہے یا اس میں تطبیق کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہمارے خیال میں ان دونوں نظریوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں اور جو تضاد بظاہر نظر آتا ہے وہ صرف اور صرف لفظوں ہی کا ہیر پھیر ہے۔ کیونکہ ارتقائی نظریہ کے حامل بھی جب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی اس آخری شکل و صورت سے پہلے جو ادوار بھی اس پر گزرے وہ کسی دور میں بھی انسان کہلانے کا حقدار نہیں تھا اور نہ ہی ان ادوار میں وہ کبھی مکلف کہلایا اور نہ ہی وہ اس وقت احسن تقویم میں تھا اور نہ اشرف المخلوقات تھا یہ سب کچھ اس کو اس وقت ہی ملا جب وہ اس تخلیق میں آیا جو انسان اول کی تخلیق کہلاتی ہے اور اس تخلیق پر وہ آج تک قائم ہے گویا دونوں گروہوں کا اسی پر اتفاق ہے کہ موجودہ انسان ہی اس کائنات کی سب سے بہتر مخلوق ہے اور عقل و دانش کا یہ پیکر ہی اپنے اعمال و کردار کے لئے جوابدہ ہے اور دستور و قانون کا مکلف۔

پھر دونوں گروہوں کے مشاہدہ میں یہ چیز موجود ہے کہ یہی انسان آج بھی جب اپنے پہلے ادوار میں ہوتا

Marfat.com

ہے یعنی نطفہ کے دور میں، علقہ کے دور میں، مضغہ کے دور میں اور غیر مخلقہ کے دور میں، وہ ہرگز ہرگز انسان نہیں کہلاتا نہ شکل و صورت کے لحاظ سے نہ عقل و فکر کے لحاظ سے لیکن جب خلقا" آخر کے دور میں داخل ہوتا ہے تو اس پر انسان کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کو انسان یا انسان کا بچہ کہا جاتا ہے لیکن ابھی وہ مکلف نہیں قرار دیا جاتا۔ مذہب کی نگاہ دور رس میں بھی وہ مکلف تب ہی ہوتا ہے جب اس کا یہ ڈھانچہ بڑھ کر موجودہ انسان کی قدوقامت تک پہنچ جاتا ہے تو اب بتایئے دونوں نظریوں میں اختلاف کہاں رہا سوائے اس کے کہ یہ لفظوں کا ہیر پھیر تھا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی اور یہ لفظی جنگ نہ کبھی ختم ہوئی اور نہ ہی کبھی ہوگی تاآنکہ یہ لفظی جنگ لڑنے والے خود ختم ہو جائیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت ختم ہوئے اور جو باقی ہیں وہ بھی یقیناً ختم ہوں گے۔

۲۔ انسان اول کی پیدائش کب ہوئی؟

یہ مسئلہ بھی لائق فکر و نظر ہے کہ انسان اول کی پیدائش کب ہوئی کیا کائنات ارض و سما کے ساتھ ساتھ یا غیر معین مدت کے بعد اس کی ہستی عالم وجود میں آئی؟

علمائے یہود و نصاریٰ اور بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق و تکوین کائنات کے بارہ میں جو "ستہ ایام" چھ دن کی تعبیر اختیار فرمائی ہے ان ہی چھ دنوں میں سے ایک دن حضرت آدمؑ نے بھی لباس وجود پہنا اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان چھ دن یعنی ادوار کا ذکر ہے جہاں ارشاد فرمایا کہ:

> کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر چھا گیا۔"

بلاشبہ پوری کائنات کی تخلیق ان چھ دنوں یا ادوار میں ہوئی ہے انسان اس تخلیق میں شامل نہیں ہے اس لئے اس چھٹے دن میں انسان کی پیدائش کا یہ مسلک درست نہیں نہ علمی و تاریخی لحاظ سے اور نہ دینی و مذہبی روایات کے اعتبار سے۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق تو علم نہیں کہ انہوں نے کس بنیاد پر یہ کہا ویسے بھی وہ جو کچھ مذہب کے لحاظ سے کہتے ہیں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی مگر علمائے اسلام پر ضرور تعجب ہے کہ انہوں نے اس بے دلیل بات کو کس طرح قبول فرمایا اور یہ مسلک کیوں اختیار کیا؟

ہاں! غور و فکر کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمائے اسلام کو یہ مغالطہ غالباً صحیح مسلم کی اس روایت سے ہوا ہے جو فضائل جمعہ میں مذکور ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمؑ کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی۔ بلاشبہ اس حدیث میں یہ موجود ہے آدمؑ کی پیدائش جمعہ کے روز ہوئی مگر اس سے یہ "ستہ ایام" میں شامل جمعہ کا ذکر تو ہرگز نہیں۔ بس یہی وہ مغالطہ ہے جس کی بنا پر وہ نظریہ قائم کر لیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد جگہ پر خلق کائنات کا ذکر موجود ہے لیکن کسی ایک جگہ بھی خلق آدمؑ کا ذکر نہیں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ارض و سماوات سے زیادہ حضرت آدمؑ کا ذکر ضروری تھا اگر اس کی تخلیق

Marfat.com

ان سب کے ساتھ ہی ہو جاتی۔ کیونکہ قرآن کریم ہی کی زبان میں وہ اشرف المخلوقات اور "خلیفتہ اللہ فی الارض" ہے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اگر اس اہم شخصیت کو "ستہ ایام" ہی میں کسی دن وجود بخشا جائے اور اس کا ذکر تک نہ کیا جائے۔ کیونکہ ان آیات میں ارض و سماوات کی پیدائش کا معاملہ اور "استویٰ علی العرش) کا ذکر پایا جاتا ہے مگر حضرت انسان کی تخلیق کے متعلق صراحت تو کیا اشارہ تک موجود نہیں ہے۔ پھر یہ بھی کہ قرآن کریم نے جس جس موقعہ پر حضرت آدمؑ کا ذکر کسی بھی نہج پر کیا ہے ان میں سے کسی ایک مقام پر بھی یوم پیدائش کا ذکر نہیں ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ خلق کائنات سے ہزاروں لاکھوں بلکہ غیر معین مدت کے بعد حضرت آدمؑ کو کسی جمعہ میں خلعت وجود عطا کیا گیا جو ان "ستہ ایام" میں شامل جمعہ نہ تھا بلکہ اس روز یعنی "ستہ ایام" کے چھٹے روز استویٰ علی العرش کا مظاہرہ ہوا لیکن دین اسلام نے اس دن کو مسلمانوں کی گویا عید کا دن شمار کیا اور اس کو سید الیوم کے نام سے یاد کیا اور مسلمانوں کی خاص عبادت کا دن بھی قرار دیا۔

۳۔ آدم علیہ السلام کی قد و قامت کا مسئلہ

ابوالبشر باوا آدم کی قدوقامت کا مسئلہ بھی زیر بحث رہا ہے چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا۔" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو ان کی شکل و صورت میں پیدا کیا تو ان کی قامت اس وقت ساٹھ ذراع تھی ذرع عربی زبان میں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے لے کر کہنی تک کے حصہ کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی لمبائی ماپی جاتی ہے اور دو ہاتھ کا گز آج بھی مشہور و معروف چیز ہے اور اسی سے عوام میں مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کی قد و قامت ۶۰ گز تھی اور ذرع کو ہاتھ کا نام دے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساٹھ گز نہیں بلکہ تیس گز۔ بہرحال وہ ساٹھ گز ہو یا تیس گز' دو باتیں قابل تفہیم ہیں۔ ایک یہ کہ ذرع' اس وقت کے عام آدمی کی مراد ہے یا خود آدم علیہ السلام کی۔ پھر اس وقت کے آدمی کی ذرع اگر مراد ہے تو نوزائیدہ بچے کی یا ایک لمبے تڑنگے جوان کی اگر آدم علیہ السلام کی ذرع مراد لی جائے تو یہ بات خیال میں رکھنا ہوگی کہ کوئی آدمی اگر اپنے ذرع سے ساٹھ گنا لمبا ہو تو اس کی شکل کیا ہوگی کیونکہ ہر انسان جب کہ ساڑھے تین ذراع یا ہاتھ لمبا ہوتا ہے تو اس کی یہ موجودہ شکل ہے اور جب وہ اپنی ساٹھ ذراع یا ہاتھ لمبا ہوگا تو یہ شکل نہیں رہ سکتی کیونکہ اس وقت اس کا ہاتھ اس کی قامت کا ساٹھواں حصہ ہوگا اور اس کا بازو ایسا معلوم ہوگا جیسے ایک انسانی جسم کے ساتھ صرف ایک انگلی بلکہ اس سے بھی کم۔ تو تصور کریں کیا یہ شکل انسان کی ہوتی ہے؟ یا کم از کم اگر ہو تو وہ مناسب معلوم ہوگی؟

درج ذیل حدیث بخاری شریف میں تین جگہ بیان کی گئی ہے بخاری پارہ ۲۵ کتاب الاستیذان باب بدء السلام' بخاری پارہ ۱۳ کتاب بدء الخلق آدم و ذریتہ ص ۲۲۰' بخاری کتاب العتاق۔

Marfat.com

شارحین میں سے فتح الباری میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور عمدۃ القاری میں علامہ عینیؒ اور کتاب الاسماء والصفات میں امام بیہقیؒ اور تعلیقات بخاری اور حاشیہ صحیح مسلم میں علامہ سندھیؒ جن مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں اس کی شہادت آج بھی یہ صفحات پیش کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود سوالات اپنی جگہ پر قائم ہیں ان کا کوئی حل نہیں ہو سکا۔ ازراہ تذکرہ اس کا ذکر ہم نے بھی کر دیا ہے اور اس کے ازالہ کے لئے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ کاتب اول ہی سے کہیں ست کا ستین لکھا گیا یا قاری نے اس کو یوں پڑھ لیا ہے اور بعد میں تحریر پر تحریر ہوتا آیا۔ رسول اکرم ﷺ کا بیان اپنے وقت کے موجود انسان کے ہاتھ سے تشبیہ دینا مراد ہو سکتی ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق پیدائش کے وقت ان کا جسم آج کل کے انسان کے ہاتھ کے مطابق چھ ہاتھ تھا اور ہاتھ سے مراد آپ کی ساعد ہوگی یعنی کہنی سے ہاتھ کے شروع تک کیونکہ ساعد کو بھی ذرع کہا جاتا ہے جس کی مثالیں عربی زبان میں عام ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے وقت کے انسان اور آج کے ایک متوسط انسان کی قدوقامت میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اور اس سے یہ تفہیم کرانا مقصود ہے کہ آدم علیہ السلام کی قد و قامت اور آج کے انسان کی قد و قامت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ ہاں جس طرح ہر انسان آہستہ آہستہ بڑھ کر ایک خاص قدوقامت تک پہنچتا ہے آدم علیہ السلام اپنی تخلیق کے وقت اتنی قدوقامت رکھتے تھے وہ آہستہ آہستہ نہیں بڑھے تھے کیونکہ ان کی پیدائش توالد و تناسل سے نہ ہوئی تھی بلکہ ایک تخلیقی پیدائش تھی جو بغیر ماں باپ کے وجود میں آئی اور تخلیق اول کے بعد انسانی پیدائش کے لئے ایک ضابطہ الٰہی مقرر کر دیا اور باقاعدہ طور پر اس کا اعلان بھی کر دیا گیا جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔

۴۔ کیا آدم علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے تھے یا ان کی بیوی بھی ساتھ پیدا ہوئی تھی؟

عام طور پر بیان تو یہی کیا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام اکیلے پیدا کئے گئے تھے پھر ان ہی کے جسم سے حوا علیہ السلام کو پیدا کیا گیا لیکن یہ بات کتاب و سنت سے نہیں پائی جاتی۔ جس آیت سے یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ تفہیم صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (النساء ۴ : ۱) ”اللہ وہ ذات ہے جس نے تم سب کو ایک جنس انسانی سے پیدا کیا اور پھر اسی جنس سے اس کا جوڑا بھی بنایا کسی غیر جنس سے نہیں۔“

آدم علیہ السلام سے حواؑ کا پیدا ہونا قرآن کریم کا بیان مطلق نہیں البتہ تورات کی صدائے بازگشت ہو سکتی ہے چنانچہ تورات کا بیان ہے کہ ”خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی ایک صورۃ بنا کر آدم کے پاس بھیجا۔ (پیدائش ۲ : ۲۲، ۲۴)

دراصل یہاں قرآن کریم کی زیر نظر آیت میں اماں حوا کی پیدائش کی حقیقت کی تفصیل بیان نہیں کی جا رہی بلکہ جنس انسانی کی پیدائش کا ذکر ہے البتہ لوگوں نے اس سے دو نظریات اخذ کئے ہیں ایک یہ کہ حوا آدم

Marfat.com

علیہ السلام سے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ مشہور ہے اور بائبل میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کو اس طرح پیدا کیا کہ مرد کے ساتھ ہی اس کی جنس سے ایک دوسری صنف بھی بنائی جس کو عورت کہا جاتا ہے اور جو مرد کی رفیقہ حیات بنتی ہے اور ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے حوا بھی ایسی ہی تھیں۔

زیر بحث آیت میں محققین کی رائے دوسری جانب کی طرف مائل ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن کریم صرف حضرت حوا کی تخلیق کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ عورت کی تخلیق کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کی جنس سے ہے اور اس طرح مخلوق ہوئی یعنی جنس کے لحاظ سے مرد اور عورت ایک ہی جنس ہیں اور صنف کے لحاظ سے مرد' مرد ہے اور عورت' عورت' گویا مرد اور عورت ایک جنس کی دو اصناف ہیں۔

قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ :

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ (الانعام ۶ : ۹۸)

”اور اللہ وہ ہے جس نے تم کو ایک جنس سے پیدا کیا پھر ایک جگہ تمہارے مستقل رہنے کی ہے اور ایک جگہ عارضی رہنے کی۔“

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الاعراف ۷ : ۱۸۹)

”وہی اللہ ہے جس نے تم کو ایک جنس سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا ہے۔“

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا (الزمر ۳۹ : ۶)

”اس نے تم لوگوں کو ایک جنس سے پیدا کیا پھر اس کی جنس سے اس کا جوڑا بھی بنایا۔“

ان آیات کریمات کو بنیاد بنا کر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حواؑ آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں حالانکہ یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ ان آیات میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جس سے یہ بات معلوم ہو بلکہ یہ تو قدرت الٰہی کا عام مظاہرہ ہے کیونکہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اس بیان کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ :

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً (النحل ۱۶ : ۷۲)

”اللہ نے تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور پھر ان بیبیوں میں تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔“ یہاں 'مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَیْ مِنْ جِنْسِكُمْ' یعنی تمہاری ہی جنس اور نوع سے تمہاری بیویاں بنائیں۔ یہ نہیں کہ تم میں سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔ ظاہر ہے کہ جو کسی سے پیدا کی جاتی ہے وہ اس کی بیٹی ہو سکتی ہے بیوی نہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک ہی جنس سے ہوتے ہیں غیر جنس سے نہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً (الروم ۳۰ :

Marfat.com

(۲۱) اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے آرام و سکون کے لئے تمہاری ہم جنس بیویاں پیدا کیں پھر دونوں میاں بیوی کے درمیان الفت ڈال دی اور اپنی خاص رحمت سے دونوں کو جوڑ دیا۔"

اس جگہ بھی من انفسکم ای من جنسکم یعنی تمہاری ہی جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں۔

یہ بات تو واضح ہوگئی کہ قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی نہیں جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ حوا رضی اللہ عنہا' آدم علیہ السلام سے یا آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہیں۔ رہی حدیث سو اس کا بھی یہی حال ہے اور جس مشہور حدیث کی رو سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اس میں ذکر نہ تو حضرت آدمؑ کا ہے اور نہ ہی حضرت حوا ؑ کا بلکہ محض عورت کی پیدائش اور کج سرشتی کا بیان ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ

استو صوا بالنساء خیراً فانہن خلقن من ضلع وان احوج شئی فی الضلع فان ذھبت تسمیہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل احوج (صحیح بخاری و صحیح مسلم) مطلب یہ ہے کہ اپنی اپنی عورتوں سے نیک سلوک کیا کرو کہ وہ ٹیڑھی پسلی کی طرح پیدا کی گئی ہیں بعض اوقات سیدھی بات کو بھی ٹیڑھا ہی سمجھ لیتی ہیں جس طرح پسلی کے خم کو سیدھا کرنے سے وہ ٹوٹ جاتی ہے ایسے ہی یہاں بھی سختی کے برتاؤ سے خوش گواری کی جگہ شکست و ریخت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

رہا سیدھی بات کو ٹیڑھا سمجھنے کا معاملہ تو وہ مرد و عورت کی صنفی حالت کا نتیجہ ہے اور یہ عورت کی کمزوری نہیں بلکہ فطرتی چیز ہے۔ جو صنفی فرق اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت میں رکھا ہے باوجود ایک جنس ہونے کے اس فرق سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

اس کی مزید وضاحت دیکھنا ہو تو اس حدیث کو دیکھو آپؐ کا ارشاد ہے:

لا تصلوا فی اعطان الابل فانہا خلقت من الشیطین (ابن ماجہ ص ۵۶ اور مسند احمد عن عبداللہ)

فرمایا کہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز مت پڑھو کہ وہ بہت شیطان اور شریر ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ شیطانوں سے پیدا کئے گئے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ:

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ (الروم ۳۰ : ۵۴) "اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف یعنی ناتواں پیدا کیا۔" اور پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی کہ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا (النساء ۴ : ۲۸) "اور آدمی کمزور یعنی ناتواں پیدا کیا گیا۔"

ایک جگہ ارشاد ہوا خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ (الانبیاء ۲۱ : ۳۷) "انسان جلدی سے بنایا گیا یعنی انسان جلد باز بنایا گیا ہے" کیونکہ دوسری جگہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر کر دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَکَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱۱) "یعنی انسان جلد باز ہے۔"

Marfat.com

ہمارے ہاں کشمیریوں کے متعلق محاورہ عام ہے کہ ان کی اڑھائی پسلیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ جب کہ شمار کرنے سے ایسا بالکل نہیں ہوتا البتہ سب لوگ اس کا مفہوم یہی لیتے ہیں کہ بہ نسبت دوسری قوموں کے قوی اور مضبوط ہوتے ہیں۔ کام کاج خوب محنت سے کر لیتے ہیں اور زور دار کاموں سے نہیں گھبراتے۔ رزق کمانے میں خوب جدوجہد کرتے ہیں۔

اور پھر چونکہ دائیں طرف سے بائیں طرف کمزور گنی اور سمجھی جاتی ہے اس لئے اس کی مزید کمزوری پر دلالت کے لئے بائیں پسلی کہہ دیا گیا نہ معلوم بائیں کا اضافہ کہاں سے ہوا۔ بہرحال پسلی دائیں ہو یا بائیں۔ وہ مقام پیدائش ہرگز نہیں ہے۔ یہ صرف بات سے بات نکالنے والوں کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے نہ کہ اسلام کا بیان۔ جیسے شیعہ صاحبان اپنے اماموں کی پیدائش کا مقام ان کی ماؤں کی دائیں ران بتاتے ہیں اور جس جگہ سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام معصوم ہوتے ہیں وہ پیشاب گاہ سے پیدا نہیں ہو سکتے اور مذہبی دیوانگی میں ایسی سینکڑوں باتیں ہر فرقہ میں پائی جاتی ہیں اس لئے کوئی بھی کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتا جب وہ کہے گا تو اس کے متعلق بھی کچھ کہا جائے گا۔

۵۔ صرف ایک انسان کی پیدائش کا مسئلہ

انسان اول کی پیدائش کا ذکر قرآن کریم میں کئی بار کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ بات بالکل لازم نہیں آتی کہ انسان اول فی نفسہ صرف ایک اور وہ بھی فقط مرد ہی پیدا ہوا پھر اسی سے دوسری مخلوق پیدا ہوئی۔ جس کا تصور اس طرح پیش کیا گیا کہ آدم یعنی انسان اول پر نیند طاری ہوئی تو اس کی بائیں پسلی سے حوا کو پیدا کر لیا یعنی کلمہ کن کہا تو وہاں سے حوا پیدا ہو گئیں اور پھر کیا تھا کہ دونوں میاں بیوی سے ایک جوڑا پہلے پہر اور ایک جوڑا پچھلے پہر پیدا کرنا شروع کر دیا' تاکہ جلدی جلدی مخلوق بننا شروع ہو جائے' پھر پہلے پہر کی لڑکی پچھلے پہر کے لڑکے سے اور پچھلے پہر کے لڑکی پہلے پہر کے لڑکے سے بیاہے جانے لگے اور اس طرح سے حقیقی بہن بھائیوں کی شادی کے بعد جب مخلوق زیادہ ہو گئی تو پھر حقیقی بہن بھائیوں کی شادی حرام قرار پا گئی یہ سب کا سب قصہ تصوراتی ہے جس کا کوئی اصل اسلام میں موجود نہ ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق یعنی مرد و عورت کی صورت میں من جنس واحد نہ معلوم کتنے انسان پیدا کئے اور اس پہلی پیدائش کے بعد اصول پیدائش مقرر کر دیا نیز یہ کہ پہلی پیدائش کے مردوں او عورتوں کی آپس میں شادیاں کرا دیں جن سے آدم علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے لئے بھی منتخب فرمایا اور یہ شادیاں فطرتی طور پر تھیں جس طرح آج بھی نسل انسانی میں اصولی طور پر اصل دونوں میاں بیوی کی رضا مندی ہے باقی سب قانونی ضرورتیں ہیں۔ اور حرام رشتوں میں ازدواج کا نہ ہونا بھی فطرت انسانی کا مسئلہ ہے صرف قانونی خانہ پری نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض اوقات انسان فطرت سے بھی تجاوز کر جائے اور اپنی حیوانی زندگی کو انسانی زندگی پر ترجیح دینے لگے۔ اس کے متعلق قرآن کریم کی رہنمائی اس طرح ہے ارشاد الٰہی ہے کہ:

Marfat.com

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (الاعراف ۷ : ۱۱)

اور ہم نے پہلے تمہاری تخلیق اول کے انسانی ڈھانچے بنائے اور اس طرح تمہاری صورتیں بنانے کے بعد تم میں سے آدم نامی شخصیت کو خلیفہ بنا دیا اور فرشتوں سے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کرو کہ اللہ نے آدمؑ کو کائنات ارضی کی خلافت عطا کی ہے جو پوری کائنات کی مخلوق پر اس کی فوقیت کے اظہار کی ایک علامت ہے۔

اس سے تخلیق اول کے انسانوں کی تعداد تو متعین نہیں ہوتی لیکن یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت انسانوں کی تعداد ایک سے زیادہ تھی کیونکہ قرآن کریم میں خطاب جمع کا ہے اور اس تعین کی کوئی ضرورت بھی نہیں کہ اس سے اصل مسئلہ کا حل نکل آتا ہے جب تین سے زیادہ ہوں اور تین سے کم پر جمع کا اطلاق عربی زبان کے مطابق نہیں ہوتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ :

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۝ (الروم ۳۰ : ۲۰) اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری پہلی تخلیق کو مٹی سے بنایا پھر تم ناگہاں انسان تھے چلنے پھرنے والے۔

قرآن کریم اور کیا وضاحت کرے اور کیا طریقہ بیان اختیار کرے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے؟ اس سے زیادہ صاف اور روشن طریق بیان اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ انسان کی تخلیق اول کا ذکر اس طریقہ سے کر رہا ہے کہ ذرا عقل رکھنے والا انسان بھی بات کو سمجھ سکتا ہے۔ اس تخلیق اول کے بعد پھر ضابطہ تخلیق انسانی خود پیدا کرنے والے نے متعین کر دیا اور اعلان کیا کہ اس تخلیق اول کے بعد ہمارا ضابطہ یہ ٹھہرا کہ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ہم نے تمہاری پیدائش نر و مادہ کے ملاپ سے شروع کر دی جو اختتام نظام عالم جاری و ساری رہے گی لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ "امنا" تمہارے ذمہ ہے جو ضابطہ پیدائش ہے اور تخلیق اب بھی ہمارے یعنی اللہ ہی کے ذمہ ہے اور ہم اپنے قانون تکوینی کے ضابطہ کے مطابق کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

انہی آیات کے پیش نظر امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ مکتوبات دفتر دوم میں بیان کرتے ہیں کہ ان اللہ خلق مائۃ الف ادم کہ تخلیق اول میں اللہ نے سو ہزار آدم یعنی نوع انسانی کے افراد تخلیق کئے لیکن ہمیں ایسی بحث چھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں جس بحث کا متحمل قرآن کریم کا بیان نہ ہو۔

اس نظریہ سے وہ ساری مشکلات جن کے فرضی حل تلاش کئے جاتے ہیں ختم ہو جاتی ہیں اور فطرت انسانی کا یہ مسئلہ کہ ازدواجی زندگی میں زوجین کی حرمت کا بیان فطرتی ہے جو فطرت حیوانی اور فطرت انسانی میں امتیاز پیدا کرتا ہے واضح ہو جاتا ہے اور حقیقی بہن بھائیوں کی شادی اور پہلے پچھلے پہر کے جوڑوں کی فرضی کہانیاں جو انسانی زندگی کے ماتھے پر کلنک کے ٹیکہ سے کم حیثیت نہیں رکھتیں بیک قلم ختم ہو جاتی ہیں اور تخلیق اول کا بیان نظم قرآنی کے مطابق بالکل سادہ انداز میں بغیر کسی فقہی موشگافی کے مکمل ہو جاتا ہے۔ فافهم و تدبر

Marfat.com

۶۔ آدم اور حوا عربی نام ہیں یا عجمی؟

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ سریانی نام ہیں عربی نہیں اور بائبل میں یہ نام الف کے مد اور دال کے طول کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یعنی آدم کو آدام لکھا اور پڑھا جاتا ہے لیکن بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ عربی نام ہیں جن لوگوں نے آدم کا تلفظ آدام کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عبرانی زبان میں آدام مٹی کو کہتے ہیں چونکہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی اسی لئے آدم یا آدام نام رکھا گیا اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ آدم ادمتہ سے ماخوذ ہے اس لئے کہ وہ "ادیم الارض" یعنی صفحہ زمین سے پیدا کئے گئے ہیں اور کچھ لوگوں نے اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ ادمت بمعنی خلطت سے ماخوذ ہے اور چونکہ ان کا خمیر پانی اور مٹی کو ملا کر اور خلط ملط کر کے بنایا گیا ہے اس لئے اسی مناسبت سے ان کو آدم کہا گیا۔ اسی طرح حوا کا نام حواء اس لئے پڑا یا رکھا گیا کہ وہ "زندہ انسان" کی ماں ہیں اور اسی طرح حی سے مبالغہ کا صیغہ بنا کر ان کا نام حوا رکھا گیا لیکن اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا یا جو کچھ بیان کیا جائے گا سب تخمین و قیاس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور اس وہم کا ازالہ صحیح یہ ہے کہ یہ وہم ہی سرے سے ایک جنون ہے اسلام جیسے دین فطرت میں ایسے فرضی سوالات کا جواب موجود ہی نہیں ہے اور یہ بھی کہ جب کسی کا کوئی نام رکھا جاتا ہے تو اس میں اگر کوئی وجہ یا علت ہوتی بھی ہے تو وہ اس وقت نام تجویز کرنے والوں کی ہوتی ہے جس کے نام کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے اس کی ذات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یعنی نام کی حیثیت صرف نام ہی کی ہوتی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ہاں! مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی کا نام تجویز کرتے وقت اچھا خیال رکھو اور وہ نام رکھو جس میں کوئی برائی یا شرک کا پہلو نہ نکلتا ہو۔ اور ایک دوسرے کو برے القاب سے مت یاد کرو اور یہی بات مدنظر رہنی چاہئے اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدم اور حوا کے نام میں نہ کوئی برائی ہے اور نہ کوئی شرک کی بات ہے بلکہ معناً و عرفاً اچھے نام ہیں اور ہمارے ہاں جو جیون اور جیواں، عائشی یا عائشہ نام رکھے جاتے ہیں وہ اسی قبیل کے ہیں۔

۷۔ کیا آدم علیہ السلام شرک کے بھی مرتکب ہوئے؟

یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا سوال اٹھایا گیا؟ آدم علیہ السلام صرف تخلیق اول کے ایک سردار ہی نہ تھے بلکہ سب سے اول انسانیت کے نبی اور رسول بھی۔ ان کے متعلق ایسا سوال چہ معنی دارد؟ جب کوئی سوال کیا جاتا ہے تو اس کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے لیکن بعض اوقات فرضی سوال بھی اٹھائے جاتے ہیں لیکن وجہ سے خالی وہ بھی نہیں ہوتے۔ لیکن یہ سوال فرضی نہیں بلکہ اولاد آدم کی طرف سے اپنے دادا کے نام پر دھبہ لگایا گیا اگرچہ وہ کبھی شرک کے مرتکب نہ ہوئے اور ایسے دھبوں یا الزامات کا جواب دینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کی حقیقی پوزیشن کو صاف کر کے تصویر کا صحیح رخ قوم کو دکھایا جائے۔ اور قوم پر واضح کیا جائے کہ انبیاء کرام پر ایسے الزامات لگتے آئے ہیں لیکن وہ بالکل معصوم لوگ تھے اس طرح کی جو باتیں انبیاء کرام کے بارے میں بیان کی جاتی رہی ہیں یا کی جا رہی ہیں سب کی سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں جو صرف الزامات ہی الزامات

Marfat.com

ہیں وہ اپنوں کی طرف سے ہوں گے تو ناسمجھی کی بنا پر اور بیگانوں کی طرف سے ہوں گے تو ان الزامات تراشنے والوں کی بدباطنی کی نشاندہی کریں گے دونوں صورتوں میں ان کا تعلق حقیقت سے کچھ نہیں ہے مختصر یہ کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حواء پر شرک کا الزام عائد کیا گیا ہے جس کا رد نہایت ضروری ہے کیونکہ نبی شرک کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ متفقہ ہے لیکن افسوس کہ عصمت کے اقرار کے باوجود اللہ کے ان نیک بندوں پر الزام تراشیاں کی گئیں اور اسرائیلیات کو قرآن کریم کی تفسیر بنا کر پیش کیا گیا۔ پھر مزید ستم یہ ہوا کہ جن لوگوں نے ان بے بنیاد الزامات کی تردید کی ان کو بھی برے ناموں سے یاد کیا گیا بہرحال کوئی کچھ کہے حق بات کہنے میں باق نہیں ہونا چاہئے۔ الزام شرک کے لئے جو قرآن کریم کی آیات منتخب کی گئیں وہ درج ذیل ہیں قرآن کریم میں ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ۝ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۝ (الاعراف ۷ : ۱۸۹، ۱۹۰) "وہی تمہارا رب ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا یعنی تمہارے قبیلہ اور گروہ کا مورث اعلیٰ ایک فرد واحد تھا اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا یعنی مرد ہی کی نسل سے عورت بھی پیدا ہوئی تاکہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے پھر جب ایسا ہوا کہ مرد عورت کی طرف ملتفت ہوا تو عورت کو قانون الٰہی کے مطابق حمل رہ گیا۔ پہلے حمل کا بوجھ ہلکا ہوا اور وہ وقت گزارتی رہی پھر جب وہ زیادہ بوجھل ہوگئی اور وضع حمل کا وقت قریب آلگا تو مرد اور عورت دونوں اللہ کے حضور دعا مانگنے لگے جو ان کا حقیقی رب کریم ہے کہ اے اللہ! ہم دونوں تیرے شکرگزار ہوں گے اگر ہمیں ایک تندرست بچہ عطا فرما دے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک تندرست فرزند عطا فرما دیا تو جو چیز اللہ تعالیٰ نے دی اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھہرانے لگے سو یاد رکھو یہ لوگ جیسی کچھ شرک کی باتیں کرتے ہیں اس سے اللہ کی ذات بہت بلند ہے۔"

اس آیت میں مشرکوں کی یہ گمراہی واضح کی گئی ہے کہ وہ اپنی احتیاجوں میں، مصیبتوں اور ضرورتوں میں اللہ سے التجائیں کرتے ہیں لیکن جب مطلب حاصل ہو جاتا ہے تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش و عطا سمجھنے لگتے ہیں جو انہوں نے خود ہی ٹھہرا رکھے ہیں۔

چنانچہ مشرکین عرب بھی اپنی مصیبتوں اور ضرورتوں میں اللہ ہی کو پکارتے تھے لیکن جب مصیبت ٹل جاتی تو اپنے بنائے ہوئے آستانوں پر نذریں چڑھاتے اور اپنی اولاد کو ان کی طرف منسوب کرتے اور کہتے یہ انہی کی بخشش ہے کہ ہمیں اولاد ملی۔

اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم فی التسمیہ ہے یعنی غیر اللہ

Marfat.com

کی طرف منسوب کر کے نام رکھنا۔ چنانچہ مشرکین عرب عبدالعزیٰ' عبدالشمس وغیرہا نام رکھتے تھے اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اسی طرح عبدالنبی' عبدالرسول' فیض الرسول' عطا محمد پیراندتہ وغیر نام رکھنے لگے۔

اس آیت میں آدم علیہ السلام اور حوا رضی اللہ عنہا کا ذکر تو کیا اشارہ تک بھی موجود نہیں ہے صرف "خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ" سے یہ ایک فرضی کہانی گھڑلی ہے اور جب ایک بار وہ بیان ہوگئی یا تحریر ہوگئی تو پھر تحریر پر تحریر ہوتی چلی گئی۔ اور علمائے اسلام نے بھی اس کا دل کھول کر رد کر دیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس کو مانتا یا تسلیم کرتا ہے تو یہ اس کی کم فہمی یا کم علمی کی نشانی ہے اور "نفس واحدہ" کی تفہیم بھی قبل ازیں کرائی جا چکی ہے لہٰذا اس آیت میں عام نسل انسانی کے لوگوں کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ اس طرح کے شرک سے باز آجاؤ لیکن یہ شرک آج بھی مسلم قوم کی اکثریت میں پایا جاتا ہے خصوصاً برصغیر کے ممالک میں اس کی مثالیں ہر خاندان اور ہر برادری میں عام طور پر ملتی ہیں اور دیہاتی زندگی میں تو شاید ہی کوئی گھر اس مہلک بیماری کی زد میں نہ ہوگا۔

جن روایات کو اس ضمن میں پیش کیا جاتا ہے ان میں سے ایک دو کے سوا باقی سب کوڑا کرکٹ ہے جن پر روایات کا لفظ بھی استعمال کرنا اس لفظ کی توہین کے مترادف ہے مگر جو حدیث صحیح مسلم کی اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے وہ صحیح مسلم کے ص ۲۷۵ پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو لوگوں نے سمجھ لیا ہے ہاں! بنی اسرائیل کی قوم میں کوئی حواء نامی عورت ہو تو یہ بات دوسری ہے کیونکہ اس حدیث میں سیدنا آدم کا ذکر تک موجود نہیں بلکہ بنی اسرائیل کا ذکر پایا جاتا ہے اور یہ الفاظ کہ ولو لا حواء لم تخن انثی زوجها الدهر حواء زوجہ آدم علیہ السلام کے متعلق نہیں ہیں بلکہ صرف حواء نام کی وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ انبیاء السلام کے گھرانے کے نام ہر دور میں رکھے گئے ہیں اور آج بھی لوگ ان ناموں کو مبارک جانتے ہیں جو ان بزرگوں کے تھے اور انہی کے ناموں کی نسبت سے اب بھی ہم میں بہت سے نام استعمال ہوتے ہیں۔

اور مطلب اس کا یہ ہے کہ حواء نامی عورت اپنے شوہر کا حق ضائع نہ کرتی تو اس کی اپنی زیر تربیت بچیوں پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا کہ وہ بھی اپنے اپنے گھروں میں جا کر سلیقہ شعار کہلاتیں اور نیک نام پیدا کرتیں مگر چونکہ اس نے اپنے شوہر کی حق تلفی کر کے اپنی بیٹیوں کے لئے بہت برا نمونہ قائم کیا کہ اب وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر اپنے اپنے شوہروں سے ایسے سلوک پر کیا کچھ نہ کہلوائیں گی جن میں بنی اسرائیل کے پورے گھرانے کی عورتوں کے لئے ایک نصیحت مخفی رکھی گئی ہے اور اس کو بیان کر کے گویا بنی اسرائیل کی پوری قوم کی عورتوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۸۔ سجدہ کا حکم فرشتوں کو تھا ابلیس کو نافرمان کیسے قرار دیا گیا؟

جس بات کی ترجمانی اس سوال میں کی جا رہی ہے اگر وہ بات صحیح ہوتی تو جب ابلیس سے کہا گیا تھا تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس کو جواب دینا چاہئے تھا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اور آپ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا ہے میں سجدہ کیسے کرتا مگر اس نے یہ نہیں کہا بلکہ کہا کہ میں اس کے لئے سجدہ کیوں کرتا جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا حالانکہ میری پیدائش تو نے آگ سے کی ہے لہٰذا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آدم کو مجھ پر کیوں فوقیت دی گئی۔ پھر اس پورے قصہ کی حقیقت ہم نے پہلے عرض کر دی ہے اس سے مراد دراصل انسان کی اندرونی طاقتوں کی آپس میں جنگ ہے جو مجموعہ ہے قوائے بہیمی اور قوائے ملکوتی کا۔ اور اس کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ مخاطب اگرچہ فرشتوں یعنی قوائے ملکوتی کو کیا گیا ہے جس کے ضمن میں سب قوائے بہیمی بھی شامل ہیں جس طرح قرآن کریم نے جہاں مردوں کو مخاطب کیا ہے وہاں عورتیں بھی ضمناً مخاطب ہیں وہ اس سے باہر نہیں ہیں اسی طرح فرشتہ انسان کے بعد تمام مخلوقات سے اشرف ہے لہٰذا اس کو مخاطب کر کے جو کہا گیا تو باقی سب مخلوق اس میں شامل ہے البتہ وہ خیر و شر ہونے کی وجہ سے دو صنفوں میں ذکر کی گئی ہے اگر وہ بات ہوتی جو اس سوال میں ہے تو ابلیس اتنا ناسمجھ نہیں کہ وہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکا جو اس کے ترجمان سمجھے؟ بلکہ اس کے جواب کا اندازہ خود بتا رہا ہے کہ مکمل سوال کیا تھا؟ ہمارے خیال میں جو کچھ ہم نے کہا وہ جواب بالکل صحیح اور درست ہے ورنہ تو ایک ضعیف اور کمزور رائے یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ملائکۃ اللہ میں سے ایک قسم کو "جن" بھی کہا جاتا ہے اور ابلیس انہی میں سے ایک تھا مگر اس کی تائید نہ قرآن کریم سے ملتی ہے اور نہ ہی صحیح احادیث سے۔ جب صحیح بات یہی ہے کہ دونوں نام ہیں متضاد قوتوں کے تو متضاد آپس میں ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟

۹۔ ابلیس جنت میں کیسے داخل ہو گیا؟

انسان جنت میں داخل کیا گیا یا نہیں؟ جب انسان داخل کیا گیا اور خود اللہ تعالیٰ نے اس کو داخل ہونے کا حکم دیا اور انسان نام ہے دونوں قوتوں کے مجموعے کا پھر یہ سوال کہ وہ جنت میں داخل کیسے ہو گیا؟ خود ہی سمجھ لو کہ یہ سوال صحیح ہے یا نہیں؟ پھر قرآن کریم نے "فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ" کے الفاظ سے بتا دیا کہ وساوس پیدا کرنے والی شے ہر انسان کے اندر موجود ہے۔ کہیں باہر سے نہیں آتی لیکن جب تک اس کو ان استعارات میں نہ سمجھایا جائے تو انسان سمجھ نہیں سکتا تھا۔ تفہیم کا فطرتی انداز یہی ہے اس کو ترک کیونکر کیا جا سکتا تھا۔ ہاں! اس کی جگہ سوال یہ ہوتا کہ جب انسان دوبارہ جنت میں داخل ہو گا تو کیا یہ ابلیس بھی ساتھ ہی داخل جنت کیا جائے گا؟ کیونکہ انسان جب مجموعہ ہے دونوں قوتوں کا جن میں ایک قوت کا نام ابلیس ہے تو بات بن سکتی تھی۔

لیکن اس کا جواب پیغمبر اسلام کی زبان اقدس سے دیا جا چکا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کا شیطان ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور شیطان انسان کے جسم میں اس طرح چلتا ہے جس طرح خون؟ تو آپؐ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپؐ کے ساتھ بھی شیطان پیدا ہوا؟

Marfat.com

آپ نے فرمایا ہاں! میرے ساتھ بھی پیدا ہوا۔ لیکن "فقد اسلم" وہ مطیع و فرمانبردار ہوگیا۔ اب ظاہر ہے کہ جب وہ فرمانبردار یا مطیع ہوگیا تو ابلیس یا شیطان کب رہا۔ اس کو اللہ کے نیک بندے اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ موتوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ لہٰذا جنت میں داخل ہونے والوں کا ابلیس یا شیطان جب مطیع و فرمانبردار ہوا تب ہی وہ جنت کے مستحق ہوئے اور اب شیطان' شیطان کب رہا کیونکہ شیطان تو تب ہی تھا جب مطیع و فرمانبردار نہ تھا۔ آگ تو وہی آگ ہے جب جلائے۔ جب جلائے نہیں تو وہ آگ کیونکر رہی ہے پانی وہی ہے جو نشیب کو بہے' جب وہ نشیب کو نہ بہے تو وہ پانی کب رہا اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ وہ جنت جس میں انسان داخل ہوگا اور وہ جس میں انسان یعنی آدم و حواء رکھے گئے وہ جنت ایک کیسے ہوئی؟ جب کہ یہ طے ہوگیا اور بار بار اسی کو قرآن کریم نے بیان فرمایا کہ جب وہ ایک بار جنت میں داخل کئے جائیں گے تو پھر اس سے نکالے نہیں جائیں گے۔ جس جنت کے داخلہ کے بعد نکلنا تسلیم ہے وہ جنت' جنت آخرت کیونکر ہوگی؟

جنت آخرت تو وہ ہے جس کے متعلق خود رسول عربی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ" کہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا نہیں اور کسی کان نے اس کو سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں اس کا تصور بھی نہیں لایا جاسکتا۔ جنت آخرت تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی کوئی انسان یا جن یا کوئی نبی و ولی نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کی جزاء میں ان کے لئے کیا کچھ مخفی رکھا گیا ہے جب وہ قیامت کے روز اس کو پائیں گے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی اور وہ فرط مسرت سے شاد کام ہوں گے لہٰذا وہ جنت الارض ہی تھی جس میں قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا مجمسہ انسان اس حالت میں رکھا گیا جبکہ اس کی قوائے بہیمی ابھی اس کے تابع فرمان نہ تھے۔ فافهم فتدبر۔

۱۰۔ کیا فرشتہ یا جن صرف طاقت یا قوت کا نام ہے کیا یہ دونوں مستقل مخلوق نہیں؟

کیوں نہیں۔ دونوں مستقل مخلوق ہیں بلکہ ہر طاقت و قوت خواہ و بہیمی ہو یا ملکوتی ہو مستقل مخلوق ہیں۔ لیکن مخلوق ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ مرئی طور پر بصورت مجسمہ نظر بھی آئیں۔ وہ مخلوق شمار ہی نہیں کی جاسکتی جو اس قدر پوشیدہ ہے کہ انسان کی آنکھ اس کے دیکھنے سے قاصر ہے۔ بعض قوتیں ایسی بھی ہیں جو ایک مستقل جسم رکھنے کے باوجود ان کا جسم اتنا لطیف ہے کہ انسان کی ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن آلات کی مدد سے ان کو دیکھا بھی جاسکتا ہے اور بہت سی قوتیں ایسی بھی ہیں جو مستقل جسم ہی نہیں رکھتیں ان کا جسم عطائی ہوتا ہے حقیقی نہیں جب وہ عطائی جسم میں سرایت کرتی ہیں تو نظر آتی ہے ورنہ کسی آلہ سے بھی نہیں دیکھی جا سکتیں۔ اسلام نے ان ساری چیزوں کو اس وقت بتایا جب سوائے "الغیب" کے وہ کچھ بھی نہ تھیں لیکن آج وہ "الغیب" نہیں رہیں بلکہ "الشہادۃ" میں داخل ہیں اور بہت سی اب بھی "الغیب" ہیں جو اپنے وقت پر "الشہادۃ" میں داخل ہو جائیں گی۔ اسلامی نظریات و عقائد میں اتنی وسعت ہے کہ آج دنیا بھر کے لوگ ان ہی

Marfat.com

کی وسعت سے ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں لیکن خود مسلم قوم ہے کہ ان کی مرہون منت اور دست نگر ہو رہی ہے۔ اس کی مثال اس پوستی کی سی ہے جس کے سینہ پر بیر تھا لیکن دوسروں کو آوازیں دیتا تھا اس بیر کو اٹھا کر میرے منہ میں ڈال دو۔ یا اس کی مثال اس پیاسے کی سی ہے جس کے سامنے پانی پڑا تھا لیکن وہ پانی کو آوازیں دے رہا تھا کہ اے پانی میرے منہ میں داخل ہو جا۔ وما ہو ببالغہ۔

گذشتہ سے پیوستہ

گزشتہ آیات میں آدم علیہ السلام کا ذکر ایسے رنگ میں رنگا گیا تھا کہ اس ذکر کے ساتھ ساتھ وحی کی ضرورت پر بھی بحث کی گئی تھی اور یہ بتایا گیا تھا کہ انسانی زندگی کے بقا و قیام کے لئے الہام الٰہی کا نزول ایسا ہی ضروری ہے جیسے کھیتی کے لئے سورج کی روشنی، جسم کی حفاظت کے لئے طب و ڈاکٹری اور حیات انفرادی کے لئے ہوا اور پانی۔ جس طرح ان میں سے ہر ایک چیز اس درجہ ضروری اور لازمی ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی انسان ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی روح کی تکمیل و تربیت، جذبات صادقہ کی پرورش اور اخلاق فاضلہ کی تہذیب و شائستگی کے لئے الہام کی ضرورت ہے کیونکہ مذہب اس کی فطرت میں داخل ہے پس اس کے لوازمات کی فراہمی بھی بہت ضروری ہے۔

الہام الٰہی نے ہر زمانہ میں اس کی ضروریات کے اعتبار سے مختلف اشکال و صور اختیار کیں فروعات میں گو اختلاف ہوا لیکن اصول و کلیات میں ہمیشہ اتحاد رہا۔ تمام صحائف و اسفار آسمانی کے اوراق کو دیکھ لیجئے۔ اساس و بنیاد سب کی ایک ہی ہوگی اور ایک ہی حقیقت کی طرف سب کی دعوت ہوگی اس لئے کہ سچائی ہمیشہ سے ایک ہی ہے، اور ایک ہی رہے گی۔ آپ اپنی سہولت و آسانی کے لئے اس کے مختلف نام رکھ لیجئے مگر مسمی تو ایک ہی ہے۔

کبھی وحی الٰہی نے نوحؑ کو اس وادی کا نووارد پایا اور کبھی اس نے حجاز کی وادیوں میں ابراہیم و اسماعیل کو نوازا۔ جب اسرائیل کے گھرانے پر نظر ڈالی تو ایک آگ کی تلاش میں نکلنے والے کو اپنا والہ و شیفتہ بنا لیا تو کبھی ناصرہ کے ایک نوجوان کو اپنی صدا کے لیے چن لیا تاآنکہ وادی بطحا کی قسمت جاگ اٹھی اور غار حرا میں ایک یتیم سر بہ زانو معتکف تھا رحمت کے محافظ فرشتے اس کے اردگرد صف بستہ تھے۔ تمام دنیا خواب غفلت میں تھی مگر وہ بیدار اور سربسجود تھا کہ رب العلمین گویا ہوا۔ ایک انسان کے منہ میں اپنا کلام ڈالا اور دنیا کے لئے امن و سلامتی کا پیغام نازل کیا "گویا تورات کی زبان میں" خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی۔ ہاں! وہ اس قوم میں بڑی محبت رکھتا ہے اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں۔ (کتاب استثناء ۳۳ باب ۲' آیت ۲)

Marfat.com

اگرچہ الہام کی مختلف صورتیں رہیں مگر ان میں سب سے آخری اور مکمل ترین شکل میں جو وحی نازل ہوئی وہ قرآن کریم ہی ہے اور اب جبکہ یہ مسئلہ صاف کر دیا گیا کہ ہر انسان کو الہام الٰہی کا اتباع کرنا ضروری ہے تو یہ بات خود بخود معلوم ہو گئی کہ اس زمانہ میں چونکہ وہ الہام قرآن کریم کے اوراق میں مستور ہے اس لیے اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنانا لازم و ضروری ہے مگر کیا کیا جائے کہ اس کی وہ لوگ مخالفت کرتے ہیں جن کے پاس پہلی کتابیں موجود ہیں اور اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اس لیے قرآن کریم مجبور ہے کہ ان اقوام و امم کی خرابیاں ذکر کرے تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک قوم بھی اس مقدس فرض کے قابل نہیں رہی۔ مذاہب تو بہت ہیں مگر ان سب میں سے زیادہ قابل غور یہودیت ہے جو اپنے آپ کو ابراہیم و اسمٰعیل کی طرف منسوب کرتی ہے اور جس کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ جنت کے اجارہ دار یہی لوگ ہیں اسی لئے البقرہ میں قصہ آدم کے بعد سب سے پہلے اسی قوم کو مخاطب کیا گیا کہ عیسائی دراصل انہی کی ایک مہذب شاخ سے وابستہ ہیں جن کا ذکر آل عمران میں آئے گا۔

لیکن قرآن کریم کی ضرورت ثابت کرنے سے پہلے یہودیوں کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کا ذکر ضروری سمجھا جائے گا پھر ان کے مختلف طبقات امت کے سوانح و حالات کی تنقیح ہو گی۔ ان کی مذہبی کمزوریوں اور اخلاقی فروگزاشتوں کو واضح کیا جائے گا اور اس تمام بحث و مذاکرہ کا اصل مقصد وحید یہ ہو گا کہ ان لوگوں نے اس درجہ اپنے قلب کو زنگ آلود کر لیا ہے اور اس قدر بد اخلاقیوں کا مظاہرہ کیا ہے کہ اب ان کی ہدایت کی تمام راہیں بند ہو گئی ہیں اور وہ اللہ کی رحمت سے بہت دور جا پڑے ہیں اور غضب الٰہی نے ان کی حیات قومی کے شیرازہ کو منتشر کر دیا ہے۔ تبلیغ و دعوت کے فرض سے ان کا کوئی سروکار نہیں جس کے نتیجہ میں نبوت اسرائیل کے خاندان سے منتقل ہو کر اسمٰعیل کے گھرانہ میں آ گئی ہے۔ آنے والے رکوع میں یہودیوں کی خرابیوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی گئی ہے اور اس کے بعد کی آیات میں اس اجمال کی تفصیل ملے گی۔ قارئین "عروہ" سے ہماری گزارش ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی خرابیوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ آج اپنی قوم یعنی قوم مسلم کی خرابیوں اور ان کی اس زبوں حالی کو بھی مدنظر رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنی اصلاح میں کوشش کرتے رہیں کہ افراد سے مل کر ہی ہمیشہ قوم بنتی ہے انفرادی خرابیوں کی اصلاح ہو جائے تو اجتماعی اصلاح ممکن ہے ورنہ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

آدم علیہ السلام کی اس سرگذشت کا ماحصل بھی یہی ہے کہ انسان بھٹک جانے کے بعد اس زندگی میں ہی سنبھل جائے اور اپنی لغزش کا اعتراف کر کے اللہ سے معافی طلب کرے اور آئندہ محتاط ہو جائے تو اس کی لغزش کا گناہ اس طرح مٹ جاتا ہے اور یہ نظریہ صحیح نہیں ہے کہ گناہگاری کا جو داغ آدم علیہ السلام کے دامن پر لگ گیا تھا وہ مسلسل اُن کی نسل پر بھی منتقل ہوتا رہا تا آنکہ اللہ نے اپنا اکلوتا بیٹا بھیج کر نوع انسانی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے سولی پر چڑھایا تب جا کر نسل انسانی کے ذمہ سے وہ گناہ ساقط ہوا۔ اللہ تعالیٰ ایسے خرافات و لغویات سے بچائے۔

Marfat.com

فِيهَا خٰلِدُونَ ۝٣٩ يٰبَنِيٓ إِسْرٰٓءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِيٓ أُوفِ بِعَهْدِكُمْ

ع ۴ ۵

ہوگا یعنی ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ ۳۹

اب بنی اسرائیل کو خطاب ہوتا ہے کہ اے اسرائیل کے بیٹو![۵۸۸] میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا اور دیکھو اپنا ہدایت قبول کرنے کا عہد[۵۸۹] پورا

یہود کی علمی خرابی

۵۸۸ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کہتے ہیں کیونکہ ان کا دوسرا نام اسرائیل ہی ہے۔ قرآن کریم ان کی خرابیاں ذکر کرنے سے قبل تذکیر بالاء اللہ یعنی اپنے انعامات کا ذکر کر کے ان کے اندر حس و بیداری پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ایک شریف انسان کی تنبیہہ کے لئے صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ تم شریف زادے ہو۔ چنانچہ اس آیت میں بھی انہیں بتایا گیا ہے کہ تمہارے آبائے کرام وہ لوگ تھے جن پر ہر قسم کی نعمتیں نازل ہوئیں ان کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ حکومت نوازش کی گئی اور یہی سب سے بڑی نعمت ہے کہ کسی امت کو ایسے اعلیٰ ترین عقائد و اخلاق کی تعلیم دی جائے کہ ان کا لازمی اور قطعی نتیجہ حکومت و جہانداری ہو۔ چنانچہ دوسرے موقعہ پر اس کا ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ۝ (المائدہ ۵ : ۲۰)

"اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ اے لوگو! اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ اسی نے تم میں نبی پیدا کئے، تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ بات عطا فرمائی جو دنیا میں کسی کو نہیں دی گئی یعنی نبوت و حکومت دونوں تم میں جمع ہوگئیں۔"

گویا اللہ کریم نے یہودیوں کو روحانی اور جسمانی دونوں بادشاہتیں نوازش کیں پھر ایسے لوگوں کے لئے تو یہ کبھی جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کی غلامی چھوڑ کر انسانوں کو اپنا رب بنالیں۔ اس قدر تذکیر و موعظت کے بعد ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس عہد کی پابندی کریں جو انہوں نے اپنے رب کے ساتھ کیا تھا۔ اس ایفائے عہد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ بھی اپنے وعدے کو پورا کرے گا جو ان سے کیا گیا تھا گویا اس آیت میں دو عہدوں کا ذکر کیا گیا ایک بنی اسرائیل کا اللہ سے اور دوسرا اللہ کا عہد بنی اسرائیل سے، یہ دونوں عہد کیا ہیں؟ یہ عہد حسب ذیل ہیں۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا عہد اللہ سے

۸۹ ہم چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا عہد خود بنی اسرائیل ہی کی الہامی کتاب تورات سے ذکر کیا جائے تاکہ ان کے لئے اور قرآن کریم کو کتاب الٰہی ماننے والوں یعنی مسلمانوں کے لئے باعث تسکین ہو چنانچہ وہ عہد اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

"تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے اور میں اسی کی راہوں پر چلوں گا اور اس کی شرطوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا اور اسی کی آواز کا شنوا ہوں گا۔ (کتاب استثناء : ۱۸)

ذرا غور کرو اور دیکھو کہ کتاب الٰہی یعنی تورات "خداوند کی آواز" کس کو قرار دیتی ہے اور یہی کتاب کن الفاظ میں اس پر روشنی ڈالتی ہے۔

"میں ان کے لئے ان کے بھائیوں (اسماعیلیوں) میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔" (کتاب استثناء : ۱۱)

بنی اسرائیل کے عہد کا تذکرہ قرآن کریم میں

i توریت پر عمل کرنے کا عہد چنانچہ ارشاد الٰہی ہے :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (البقرہ ۲ : ۶۳)

ii ہفتہ کے روز احکام الٰہی سے سرتابی نہ کرنے کا عہد۔

وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا (النساء ۴ : ۱۵۴)

iii اللہ کے احکام سے کچھ نہ چھپانے کا عہد

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران ۳ : ۱۸۷)

iv اللہ پر افتراء یعنی جھوٹ نہ بولنے کا عہد

اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (الاعراف ۷ : ۱۶۹)

v اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنے کا عہد۔

vi قیام صلوٰۃ کا عہد

vii زکوٰۃ ادا کرنے کا عہد

viii لوگوں سے اچھی بات کرنے کا عہد

ix والدین اور عزیز و اقارب اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرنے کا عہد

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى

Marfat.com

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۞ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

کرو اور میں تو اپنا عہد پورا کرنے ہی والا ہوں۹۰ اور یاد رکھو میرے سوا کوئی نہیں جس سے

ہر حال میں ڈرنا ضروری ہو پس دوسروں سے نہیں صرف مجھ ہی سے ڈرو۹۱۔ ۴۰

اور اس کلام پر ایمان لاؤ۹۲ جو میں نے محمد رسول اللہ پر نازل کیا ہے جو اس کلام کی

وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ ۲ : ۸۳)

اللہ کا عہد بنی اسرائیل سے

۹۰ اب اللہ کا عہد بنی اسرائیل سے دیکھنے کے لئے اوپر کے پیرا کو ایک بار پھر پڑھو جس میں "ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا" مذکور ہے کیا وہ عہد پورا ہوا یا نہیں؟ کیوں نہیں جب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم الرسلین بنا کر مبعوث کیا گیا تو گویا وہ عہد کی تکمیل ہوگئی۔ اور دوسری جگہ اس عہد کا ذکر اس طرح بھی کیا گیا۔

"اور خداوند نے بھی آج کے دن تجھ سے اقرار فرمایا جیسا اس نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو اس کی خاص گروہ ہووے اور تو اس کے سب احکام کی محافظت کرے اور تجھے سارے گروہوں سے جنہیں اس نے پیدا کیا صفت اور نام اور عزت میں زیادہ بالا کرے اور خداوند اپنے خدا کی مقدس گروہ ہوئے جیسا اس نے کہا۔"
(کتاب استثناء ۲۶ : ۱۷)

گویا اللہ تعالیٰ کا عہد بنی اسرائیل سے یہی تھا کہ ان کی لغزشوں کو معاف کر کے ان پر احسان کیا جائے گا اور اس کا ذکر قرآن کریم کے صفحات میں جگہ جگہ ملتا ہے کہ ہم نے تم پر یہ احسان کیا۔ پھر یہ احسان کیا جیسا کہ ذکر ہے۔

i من و سلویٰ نازل کرنے کا احسان
وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (البقرہ ۲ : ۵۷)

ii پانی کے بارہ چشموں کو جاری کرنے کا احسان
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (البقرہ ۲ : ۶۰)

iii بادلوں کے سایہ کرنے کا احسان
وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ (البقرہ ۲ : ۵۷)

iv سمندر سے پار کر دینے کا احسان

Marfat.com

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ (البقرہ ۲: ۵۰)

v فرعون کے عذاب سے نجات دینے کا احسان

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (البقرہ ۲: ۴۹)

vi تمام اقوام عالم پر فضیلت دینے کا احسان

اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ ۲: ۴۷)

بنی اسرائیل سے اب بھی یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے عہد کی پابندی کریں "خداوند کی آواز کے شنواہوں" اور قرآن کریم پر ایمان لے آئیں تو پھر وہ ایسی قوم بنا دیئے جائیں گے جو صفت' نام اور عزت میں زیادہ بالا ہوگی۔

قانون الٰہی کی گرفت سے ڈرنے کی ہدایت

۹۱ بنی اسرائیل کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جب مذہبی جماعت کی عزت و حرمت کا اصلی سبب اللہ تعالیٰ ہی کا نام ہے اور اسی لئے لوگ اس کو اکرام و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں تو اس کے لئے کبھی یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر اللہ سے بھی ڈرے بلکہ اسے صرف ایک ہی ذات کا خوف اپنے دل میں رکھنا چاہئے ایک دل میں دو ڈر کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ایک سینہ میں دو دل۔ یاد رکھو "اللہ ہی اس کا حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اگر تم ایمان والے ہو تو اس کا خیال رکھو۔" (التوبہ ۹: ۱۳)

اس سے بڑھ کر اس جماعت کی اور کیا ذلت ہو سکتی ہے؟ کہ اللہ کے سوا کوئی دوسری قوت بھی اس کو اپنے فرائض ادا کرنے سے روک سکتی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی پیشین گوئی

۹۲ پیشین گوئیوں کی ضرورت تصدیق کے لئے محسوس ہوا کرتی ہے آپ کو معلوم ہے کہ باوجود تحریفات لفظی و معنوی کے پھر بھی کتب سابقہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کے متعلق پیشینگوئیاں اب تک موجود ہیں چنانچہ گزشتہ آیت میں اس کا ذکر کیا گیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ جیسا ایک پیغمبر بھیجا جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے کسی کا بھی مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب ملت اسرائیلی کی تجدید و احیاء کے لئے بھیجے گئے تھے بلکہ خود مسیح علیہ السلام بھی اسی انتظار میں چلے گئے۔ جب یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پاس یروشلم سے کاہن اور لیوی آئے اور انہوں نے آکر پوچھا کہ "پھر تو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں' کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔" (یوحنا ۱: ۱۲)

جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی آپؐ نے اول ہی روز یعنی شروع ایام ہی میں مثیل موسیٰ ہونے کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا
بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَلَا تَلْبِسُوا
الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲

تصدیق کرتا ہوا نازل ہوا جو تمہارے پاس میری طرف سے پہلے موجود ہے اور ایسا نہ ہو کہ اس کے انکار میں بدبختی کا پہلا قدم جو اٹھے وہ تمہارا ہی ہو[93]۔ یاد رکھو میرے سوا کوئی نہیں جس کی نافرمانی سے اتنا بچنا ضروری ہو جتنا میری نافرمانی سے پس میری نافرمانی سے بچو۔ ۴۱ خوب سن لو! کہ حق[94] کو باطل کے ساتھ ملا کر مشتبہ مت بناؤ اور نہ حق کو چھپاؤ[95] جبکہ تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے۔ ۴۲

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل ۷۳ : ۱۵) "ہم نے تمہاری طرف محمد رسول اللہ ﷺ کو گواہی دینے والا بنا کر مبعوث کیا ہے جیسا اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر فرعون کی طرف مبعوث کیا تھا۔"

اس لئے بنی اسرائیل سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس قرآن کریم پر ایمان لے آئیں کیونکہ اس کو مان لینے سے ان کی کتابوں کی صداقت پر مہر لگ جائے گی۔ اور تمام دنیا کو یقین ہو جائے گا کہ صحائف آسمانی کی پیشینگوئیاں درست ثابت ہوئیں۔

بنی اسرائیل کو تنبیہہ کہ اپنی بدبختی میں پہل نہ کرو

۹۳ بنی اسرائیل کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کا بیج بونے والے تم نہ بن جاؤ کیونکہ تم تو مکالمہ و مخاطبہ الٰہی کے قائل انبیاء و رسل کے سلسلہ سے واقف اور کتب سابقہ کا علم رکھنے والے ہو۔ تعلیم یافتہ ہو کر تمہیں انکار کی گنجائش نہیں ورنہ دوسرے لوگ بھی تمہارا اتباع کریں گے اور تمہارے نامہ اعمال میں ان کی غلط کاری یعنی انکار نبوت ختم المرسلین کی جزاء لکھی جائے گی۔ لیکن لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

Marfat.com

علمائے بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے عادی تھے

۹۴ علمائے یہود کی اس شقاوت کا ذکر کہ انہوں نے کبھی حق کی آواز کو لبیک نہیں کہا بلکہ اپنے دنیاوی فائدوں کی خاطر برابر سچائی کو قربان کرتے رہے حالانکہ انہیں خوب یقین تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کی پہچان ان کی کتاب تورات میں کرائی گئی ہے اور وہ ایک ایک صفت اور نشان آپؐ میں دیکھ چکے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ : یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ ۲ : ۱۴۶) وہ پیغمبر اسلام کو ویسے ہی پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔ قرآن کریم نے بار بار ان کی اسی غلط کاری کو بیان کیا ہے کہ ایک عالم کے لئے اس سے زیادہ بداخلاقی اور شیطنت اور کیا ہوگی کہ وہ حق کو پہچان کر پھر اس کی مخالفت کرے؟ لیکن افسوس! کہ وہ اپنے علم کی اینچ میں ایسے بدمست تھے کہ انہوں نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟

تلبیس کے اصلی معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ لینا یا خلط ملط کرنا اور ادھوری بات کہنا جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہو جائے یا جھوٹ کو لفظی اور ظاہری سچائی کا رنگ دے دینا جو بعض اوقات بالکل گھڑے ہوئے جھوٹ سے بھی بڑھ کر دھوکے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس سے ملتی جلتی چیز کا نام آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا ہے۔ یہود ان ساری باتوں میں زمانہ کے استاد تھے۔

علمائے یہود کی یہ گمراہی کہ وہ بدعات کو جاری کرتے تھے

۹۵ احکام الٰہی کو بدل دینے کی دوسری صورت اخفاء اور کتمان ہے۔ علمائے یہود کا ایک یہ بھی قصور تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کرنے کی بجائے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقے میں مقید کر رکھا تھا اور غیر تو غیر وہ یہودی عوام تک کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دیتے تھے۔ پھر جب عام جہالت کی وجہ سے ان میں گمراہیاں پھیلیں تو علمائے یہود نے اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لئے ہر اس ضلالت و بدعت کو جس کا رواج عام ہو جاتا اپنے قول و عمل سے الٹی سند جواز عطا کرنے لگے۔ بدقسمتی سے آج کل یہی کچھ علمائے اسلام کی اکثریت کرنے لگی ہے۔ حالانکہ برائی' برائی ہے خواہ کوئی کرے۔

ہر وہ چیز جو عین ضرورت کے وقت ملے وہ حق ہے اور ہر غیر ضروری چیز باطل۔ پس یہ ارباب علم و فضل کی شان سے کس درجہ گری ہوئی بات ہے کہ قوم و ملت کو جن احکام کی ضرورت ہے ان کی طرف تو کوئی بھی توجہ نہ کرے اگرچہ ان پر حیات قومی کا دارومدار ہو اور ان امور پر زور دیا جائے جو فرعیات کا حکم رکھتے ہوں پھر اس پر بھی قناعت نہ ہو بلکہ حق بات جاننے کے باوجود اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے۔ سچائی کو چھپانے کی کوشش ہمیشہ اس وقت کی جاتی ہے جب خود اس پر عمل نہ ہو۔ اس لئے لوگوں کو بھی اس سے بے خبر رکھنے کی سعی کی جاتی ہے کیونکہ اگر انہیں اس صداقت کا علم ہوگیا اور انہوں نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا' تو یہ علماء

Marfat.com

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۞ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

نماز قائم کرو جس کی حقیقی روح تم کھو چکے ہو' زکوٰۃ ادا کرو جس کے اصل راز سے تم واقف نہیں رہے اور جب اللہ کے حضور جھکنے والے جھکیں تو ان کے ساتھ تم بھی سر نیاز جھکا دو۔ [۹۶] ۴۳

تم عجیب [۹۷] لوگ ہو کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو مگر خود اپنی خبر نہیں لیتے کہ

مورد طعن و تشنیع بنیں گے کہ باوجود جاننے کے اس پر عمل نہیں کرتے۔

یہود کی عملی کمزوری

۹۶ گزشتہ آیات میں یہود اور علمائے یہود کی علمی کمزوریوں کا ذکر تھا اب ان کی عملی کمزوری واضح کی جا رہی ہے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ ہر زمانے میں اسلام کے اہم ارکان رہے ہیں لیکن یہودی ان سے غافل ہو چکے تھے۔ قوموں کے عروج و زوال کے جو اصولی اسباب و مراتب ہیں ان میں بنیادی چیز یہی ہے کہ سب ایک ہو کر رہیں ان کی قوتوں میں اجتماع و انضمام ہو۔ جہاں انتشار و اختلاف ہوا قوم برباد ہوگی۔ اس لئے کہ علیحدہ ہونے کی صورت میں عوام الناس اور تعلیم یافتہ اشخاص میں بعد و ہجر کی خلیج حائل ہوگئی۔ تمام لوگ بغیر سردار اور امیر کے رہ جائیں گے اور اہل فضل و کمال کے پاس دماغ تو ہو گا مگر دست و بازو نہ ہوں گے کیونکہ کام کرنے والے صحیح معنوں میں عوام الناس ہی ہوا کرتے ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ اجتماعی زندگی کی جان ہیں۔ ہمارے پیغمبر اسلام یعنی محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی اجتماعی زندگی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ "جو شخص جماعت سے الگ ہوا اور وہ اسی حالت میں مرگیا تو اس کی یہ موت جاہلیت کی موت ہوگی۔" من فارق الجماعة فمات میتة جاهلية

امت مسلمہ ایک جماعت ہونے کے فضائل بے شمار بیان ہوئے ہیں لیکن اس جگہ جماعت سے مراد نماز فرض کو باجماعت ادا کرنے کے ہیں جو کسی مسجد میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ یہ حکم کس درجہ کا ہے؟ علمائے امت نے اس میں بہت کچھ بیان کیا ہے تاہم ایک کثیر جماعت صحابہ و تابعین کی اس جماعت کو بھی واجب قرار دیتی ہے اور اس کے ترک کو سخت گناہ جانتی ہے اور بعض صحابہ کرام ؓ تو اس نماز ہی کو جائز قرار نہیں دیتے جو بلا عذر شرعی کے بدوں جماعت پڑھی جائے۔ یہ آیت ظاہری الفاظ کے اعتبار سے ان حضرات کی دلیل ہے جو وجوب جماعت کے قائل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

Marfat.com

لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ (ابوداؤد) یعنی مسجد کے قریب رہنے والے کی نماز صرف مسجد ہی میں جائز ہے جس سے ظاہر ہے کہ جماعت کی نماز ہی مراد ہو سکتی ہے یعنی فرض نماز' معلوم ہوا کہ مسجد کے قریب رہنے والے کی نماز بھی بغیر جماعت کے جائز نہیں۔

صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ ایک نابینا صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے مسجد تک پہنچا دے اور مسجد سے واپس لے جائے اس لئے اگر آپ اجازت دیں تو میں نماز گھر میں ہی پڑھ لیا کروں۔ آپ نے اول تو ان کو اجازت دے دی۔ مگر جب وہ جانے لگے تو آپ نے سوال کیا کہ کیا اذان کی آواز تمہارے گھر تک پہنچتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں! اذان کی آواز تو میں سنتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا پھر تو آپ کو مسجد میں آنا چاہئے اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو میں آپ کے لئے کوئی گنجائش اور رخصت نہیں پاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنا' پابندی سے ادا کرنا' سارے ارکان کو سکون و آرام سے ادا کرنا' وقت کی پابندی کرنا' مسجد کے اندر نماز ادا کرنا' صف بندی کا پورا خیال رکھنا' ہر رکن امام کے بعد تبدیل کرنا خصوصاً دل لگا کر نماز ادا کرنا۔ سب باتیں ایک خاص قسم کا نظم و ضبط حسن و خوبی اور پوری دلجمعی کے ساتھ امت مسلمہ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لینے کا درس دیتی ہیں اور یہ تمام تصریحات صاف صاف بتا رہی ہیں کہ باہم مل جل کر رہنا اور اکٹھے ہو کر کام کرنا کس درجہ ضروری ہے مگر افسوس! مسلمان ان سب ارشادات کو فراموش کر چکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ من حیث القوم اللہ کے ہاں بھی فراموش کر دیئے گئے ہیں۔ نسوا اللہ فانساہم۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنا بھی عملی کمزوری ہے

نماز کے ساتھ دوسری تاکید جو بنی اسرائیل کو کی گئی ہے وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنا بھی انسان کی عملی کمزوری ہے اور خصوصاً اسلامی معاشرے کا تیسرا بڑا رکن ہے۔ زکوٰۃ کے معنی ہیں پاک کرنا اور بڑھنا۔ اصطلاح شریعت میں مال کے اس حصہ کو زکوٰۃ کہتے ہیں جو شرعی احکام کے مطابق مال میں سے حساب کر کے نکالا جاتا ہے نماز کی طرح زکوٰۃ بھی ان احکام میں سے ہے جو احکام تمام انبیاء کرام اپنی اپنی قوموں کو دیتے رہے اور یہی حکم قوم یہود کو بھی دیا گیا۔ گویا نماز حب جاہ کا ایک علاج ہے اور زکوٰۃ حب مال کا۔ حب جاہ اور حب مال وہ دو بیماریاں ہیں جن کے باعث انسان کی دنیوی زندگی اور اخروی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے اور غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسانی تاریخ میں اب تک جتنی انسانیت سوز لڑائیاں لڑی گئیں اور جو جو فساد برپا ہوئے ان میں سے اکثر و بیشتر کو انہی دو بیماریوں نے جنم دیا۔

حب مال کے نتائج بد کا مختصر ذکر

۱۔ حب مال سے یعنی زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے کنجوسی اور بخل پیدا ہوتا ہے جس کا ایک قومی نقصان تو یہ

Marfat.com

ہوتا ہے کہ اس کی دولت قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ دوسرا نقصان خود اس کی ذات کو پہنچتا ہے کہ معاشرہ میں کوئی بھی ایسے شخص کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

۲۔ خود غرضی پیدا ہوتی ہے جو مال کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے اسے اشیاء میں ملاوٹ' ناپ تول میں کمی۔ رشوت ستانی' مکر و فریب اور دغا بازی کے نت نئے حیلے سجھاتی ہے۔ وہ اپنی تجوری پہلے سے زیادہ بھرنے کے لئے دوسروں کا خون نچوڑ لینا جائز قرار دیتی ہے۔

۳۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے شخص کو کتنا ہی مال مل جائے لیکن مزید کمانے کی دھن ایسی سوار ہوتی ہے کہ تفریح اور آرام کے وقت بھی یہی بے چینی اسے کھائے جاتی ہے کہ کس طرح اپنے سرمایہ میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کروں بالآخر جو مال دوسروں کے لئے آرام و راحت کا ذریعہ بنتا ہے اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ حق بات خواہ کتنی ہی صاف اور روشن ہو کر اس کے سامنے آجائے مگر وہ ایسی کسی بات کو مان لینے کی ہمت نہیں کرتا جو اس کی ہوس مال سے متصادم ہو۔ انجام کار یہ کہ ایک روز وہ حساب لگاتا ہے کہ کفن پر زیادہ مال خرچ ہو گا یا علاج پر' تو اس کے کان میں صدا آتی ہے کہ کفن بہتر ہے کیونکہ اس پر مجھ کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔

یہود کی یہ گمراہی کہ دوسروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت

۹۷ دین اسلام کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ جب دعوت دے گا تو عمل کی دعوت ہی دے گا۔ اس لئے کہ اس کے اوامر و احکام ایک ایسی امت پیدا کرنا چاہتے ہیں جو یکسر عمل ہی عمل ہو۔ اس لئے ہر وہ شخص جو اپنی قوت عملیہ فنا کر دے' اسلام کے نزدیک مردود ہے۔ پھر ان لوگوں کی کیا حالت ہوگی جو دوسروں کو تو کام کرنے کی دعوت دیتے ہیں مگر خود اس سے محروم محض رہتے ہیں؟ قرآن کریم نے شاعر لوگوں کی ایک اصولی غلط کاری بیان کی ہے اور وہی دراصل ان کے تمام امراض و مفاسد کی علت العلل اور بمنزلہ بنیادی پتھر کے ہے فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ :

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (الشعراء ۲۶ : ۲۲۶) "اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو بات کہتے ہیں وہ کرتے نہیں ہیں۔"

اور پھر مسلمانوں کو قرآن کریم میں مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف ۶۱ : ۲) "اے مسلمانو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود کرتے نہیں ہو؟"

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ "اللہ کو یہ بات نہایت ہی ناپسند ہے کہ جو تمہارا قول ہے وہ تمہارا فعل نہ ہو۔" (الصف ۶۱ : ۳)

Marfat.com

وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ وَ

تمہارے کاموں کا کیا حال ہے حالانکہ اللہ کی کتاب تمہارے پاس ہے جس کی ہمیشہ تلاوت بھی کرتے رہتے ہو! تف ہے تم پر کیا اتنی موٹی سی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی؟ ۴۴

قوم یہود ایک مذہبی قوم ہونے کے ناطے اس امر کی خواہشمند ہے کہ لوگ اس کی امامت و پیشوائی کو تسلیم کرلیں تو اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو عمل صالحہ کا بہترین نمونہ ثابت کرتے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کے برعکس ہر وہ برائی جو قوم و ملت کے لئے ہمیشہ مہلک ہی ثابت ہوتی ہے وہ ان میں موجود ہے۔ پھر تعجب ہے کہ وہ دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں لیکن اپنے آپ کو بالکل بھول چکے ہیں اور اس عمل کا نتیجہ بھی ان کی ہلاکت کے سوا کیا نکل سکتا ہے؟

پھر ہمارے لئے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ گمراہی صرف قوم یہود کے لئے ہی تباہی و بربادی کا باعث نہیں بنی بلکہ ہر وہ قوم و فرد جس کی حالت یہ ہوگی اس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہی ہوگا۔ یعنی اس آیت کا حکم عام ہے اور ہر اس شخص کی اس میں مذمت کی گئی ہے جو دوسروں کو تو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دے مگر خود عمل نہ کرے دوسروں کو اللہ سے ڈرائے مگر خود نہ ڈرے ایسے شخص کے بارے میں احادیث میں بڑی ہولناک وعیدیں آئی ہیں چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میرا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جن کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے تھے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے بتایا کہ یہ آپؐ کی امت کے دنیا دار واعظ ہیں۔ جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہیں مگر اپنی خبر نہیں لیتے۔ (ابن کثیر)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی، بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے تم آگ میں کیونکر پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے۔ اہل دوزخ کہیں گے "ہم زبان سے کہتے ضرور تھے لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے۔" (ابن کثیر)

خلاصہ آیت یہ ہے کہ واعظ کو بے عمل نہیں ہونا چاہئے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بے عمل آدمی کو وعظ کہنا جائز نہیں، اور دونوں میں فرق واضح ہے مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بے عمل ہونا تو نہ واعظ کے لئے جائز ہے نہ غیر واعظ کے لیے پھر واعظ کی تخصیص کیوں؟ جواباً عرض ہے کہ ناجائز تو دونوں کے لیے ہے مگر واعظ کا جرم غیر واعظ کے جرم کے مقابلے میں زیادہ سنگین اور زیادہ قابل مذمت ہے وہ بھی اس کے اپنے حق میں۔

Marfat.com

اسْتَعِینُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا

پھر سن [98] لو کہ صبر اور نماز کی حقیقی روح سے اپنی اصلاح میں مدد لو لیکن یہ ایسا عمل ہے جو عام انسانی طبیعت پر بہت ہی کٹھن گزرتا ہے ہاں وہ لوگ جن کے دل اللہ

کیونکہ واعظ جرم کو جرم سمجھتے ہوئے جان بوجھ کر کرتا ہے اس کے پاس یہ عذر نہیں ہوتا کہ مجھے اس کا جرم ہونا معلوم نہ تھا برخلاف غیر واعظ اور ان پڑھ جاہل کے' کہ اس کو خواہ علم حاصل نہ کرنے کا گناہ ہو لیکن ارتکاب گناہ میں اس کے پاس کسی درجہ میں عذر موجود ہوتا ہے کہ مجھے معلوم نہ تھا اس کے علاوہ عالم اور واعظ اگر کوئی جرم کرتا ہے تو یہ دین کے ساتھ ایک قسم کا استہزاء ہے چنانچہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ قیامت کے دن جتنا ان پڑھ لوگوں کو معاف کرے گا اتنا علماء کو معاف نہیں کرے گا۔

صبر و صلوٰۃ سے تعاون حاصل کرنے کی ہدایت

۹۸ مفہوم آیت کا عام ہے اور کہا یہ جا رہا ہے کہ تمہیں صبر و استقامت اور دعا سے کام لینا چاہئے کہ یہی چیزیں کامیابی کی ذمہ دار و کفیل ہیں مگر اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنہیں احتساب عمل کا یقین ہو ورنہ دوسروں کو ان تکالیف و مصائب کے برداشت کرنے کی ضرورت کیا؟

اس مفہوم کو سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳ میں خصوصاً مسلمانوں کو مخاطب کر کے سمجھایا گیا ارشاد ہوا: ''اے مسلمانو! صبر اور نماز سے تعاون حاصل کرتے رہو یاد رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

دراصل سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ دنیا دار العمل ہے اس میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دعوت اسلامی کو قبول کرنا کوئی پھولوں کا بستر نہیں جس پر آپ کو لٹا دیا جائے گا یہ تو عظیم الشان اور پرخطر خدمت ہے جس کا بار اٹھانے کے ساتھ ہی تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی۔ سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے طرح طرح کے دنیوی اور ظاہری نقصانات اٹھانے پڑیں گے اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں بڑھتے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارش ہوگی اس کام کے لئے قانون الٰہی یہی ہے اور ویسے بھی محنت کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ کا مفہوم اس طرح غلط بیان کیا جا رہا ہے کہ ان کا اصل مطلب ابھی کسی ذہن میں آنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ کبھی آسان تھا۔ پھر تعجب یہ ہے کہ غلط مطالب ہی بعض ضرب الامثال اور محاورات کے طور پر استعمال ہونے لگے ہیں۔ انہی الفاظ میں ایک صبر کا لفظ بھی ہے ہم نے تفسیر فاتحہ میں اس پر روشنی ڈال دی ہے وہاں مراجعت انشاء اللہ آپ کے لئے مفید ہوگی۔

Marfat.com

عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

ع ۵ ۶

کے حضور جھکے ہوئے ہیں[۹۹]۔ ۴۵

اور جن کو یقین ہے کہ انہیں اپنے پروردگار سے ایک روز ملنا ہے اور اس کے پاس حاضر ہونا ہے تو ان پر یہ عمل کٹھن نہیں ہو سکتا[۱۰۰]۔ ۴۶

کون لوگ صبر و صلوٰۃ سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں

۹۹؎ ارشاد ہوا کہ صبر و صلوٰۃ سے تعاون حاصل کرنا کہنے کو تو آسان ہے لیکن کر کے دکھانا نہایت ہی مشکل ہے ہاں! جو لوگ خاشعین ہیں ان کے لئے یہ مشکل امر کوئی مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔ محاورہ ہے کہ "ہمت مرداں مدد خدا" خشوع اصل میں آواز اور نگاہ کی پستی اور تذلل کے لئے بولا جاتا ہے جس کے اندر بہت بڑا مفہوم پنہاں ہے یعنی وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور نظریں نیچی اور نیکی کے کام میں بالکل مگن ہو جاتے ہیں کوئی کیا کہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ ان کی بلا سے' وہ تو اپنے کام میں ایسے مصروف ہیں کہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ ان کو کسی کی شاباش کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی کی ملامت کی پروا ہے۔ ان کی گردنیں اللہ کے حضور جھک چکی ہیں اب ان کے پاس کوئی گردن ہی نہیں جو کسی اور چوکھٹ پر جھکائی جائے گی۔ ان کے دل اللہ کی یاد میں ہیں اور ان کے پاس اور کوئی دل نہیں جس میں کسی دوسرے کو یاد کریں گے۔ ان کو صبر کا عنوان مل چکا ہے اور ان کے لئے وہی کلید کامیابی ہے وہ صبر و استقلال کے ساتھ اپنے رب کی سیدھی راہ پر گامزن ہیں۔ وہ پریشان ہوں گے کیوں؟ کہ ساری پریشانیوں کا واحد علاج صلوٰۃ یعنی صرف اللہ کی رضا کی طلب ان کے پاس ہے۔ ع

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں

اللہ کی خشیت رکھنے والوں کی دو علامات

۱۰۰؎ آیت زیر نظر میں خشوع قلب کے دو خاص اثرات کا بیان ہو رہا ہے پہلا اثر یہ ہے کہ خاشعین کو اس کا دھیان لگا رہتا ہے کہ یہ عبادتیں رایگاں جانے والی نہیں یقیناً ہم کو ان عبادات کا اجر مل کر رہے گا کیونکہ ہم اپنے شفیق و کریم رب کے ہاں ضرور حاضر ہوں گے اور اس وقت یہ ساری محنت وصول ہو جائے گی اور حق سے کہیں بڑھ کر اجر ملے گا۔ یہ دھیان یقیناً ایسا ہے جس سے نماز کا شوق و ذوق بڑھتا ہے۔ دوسرا

Marfat.com

اثر خشوع قلب کا یہ ہے کہ خاشعین کے دل میں یہ بات اچھی طرح جم جاتی ہے کہ آخر کو واپسی مالک حقیقی کے روبرو ہوگی حساب ہر ہر عمل اور ترک عمل کا ہوگا اور ترک نماز کی عادت خود بخود اس سے ترک ہو جائے گی۔ عمل کی ساری سہولتیں یقین ہی کی مضبوطی اور قوت سے پیدا ہوتی ہے اور یقین کے دونوں پہلو اس مضمون میں آگئے۔ نفسیات جدید میں بھی متحرک عمل دو ہی چیزیں مانی گئی ہیں یعنی ترغیب و ترہیب اور یہ دونوں پہلو بھی یہاں واضح ہوگئے اور یاد رہے کہ اس آیت میں "ظن" بمعنی یقین استعمال ہوا ہے۔ اسی لئے ترجمہ میں "جن کو یقین ہے" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور دراصل سیاق کلام خود مفہوم متعین کر لیتا ہے اور یہاں بھی سیاق کلام کا تقاضا یہی ہے۔

بنی اسرائیل کی روئیداد کا ماحصل

گزشتہ رکوع یعنی آیت ۴۰ سے ۴۶ تک سات آیتوں میں بنی اسرائیل کی خرابیوں اور بداعمالیوں کا اجمالی ذکر کیا گیا تھا۔ تفصیل آگے آئے گی یہاں ارباب عقل و دانش کے لئے بغرض آسانی و سہولت ان امراض فاسدہ کی تلخیص پیش خدمت ہے ذرا عمیق نظر سے دیکھ لیں انشاء اللہ عبرت و بصیرت حاصل ہوگی۔

۱۔ علمی خرابیاں

i عہد کی پابندی نہیں کرتے۔

ii قرآن کریم پر ایمان نہ لاتے حالانکہ اس سے ان کی کتاب کی تصدیق ہوتی ہے۔

iii کتاب الٰہی یعنی توراۃ کی تبلیغ و دعوت کے مقابلہ میں دنیوی جاہ و عزت کو ترجیح دیتے ہیں۔

iv ضروریات دین سے لاپرواہ ہو کر فرعیات پر اپنی تمام تر قوت صرف کرتے ہیں۔

v حق و صداقت کو مخفی رکھتے ہیں کہ عوام الناس کے نزدیک مورد طعن و تشنیع نہ بنیں۔

۲۔ عملی کمزوریاں

i اللہ کے پاک نام پر معمولی سے معمولی بدنی تکلیف بھی گوارا نہیں کر سکتے۔

ii قومی نشو و ارتقاء کے لئے خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

iii اجتماعی قوت اور اتحاد امت میں اختلاف و تفریق پیدا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

۳۔ انتظامی نقائص

i مذہبی احکام و اوامر اور اخلاق و تہذیب کے باب میں بے انتہاء کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔

ii دوسروں سے جب مطالبہ کرتے ہیں تو نہایت سختی برتتے ہیں۔

iii احتساب عمل کا یقین نہیں رہا" نام باقی ہو تو دوسری بات ہے اس لئے نظم و ترتیب امور کی پروا نہیں کرتے۔

Marfat.com

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي

اے بنی اسرائیل! میری دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ اس خاص نعمت کو بھی

جن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے آج اہل بصیرت کو دیکھنا چاہئے کہ کیا اس وقت یہ تمام مع شے زائد علمائے سوء جو اسلام ہی کے نام سے معروف ہیں ان میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اب علمائے سوء کے حالات عام لوگوں پر ذرا بھی مخفی نہیں اس لئے ہم زیادہ تفصیل میں گئے بغیر پوچھتے ہیں کہ یہ جملہ زبان زد خاص و عوام نہیں کہ "ان لوگوں کا بتایا تو کر لو لیکن ان کا کیا بالکل نہ کرنا۔" فاعتبروا یا اولی الالباب۔

اجمال کی تفصیل شروع ہو رہی ہے

۱۰۱ جب بنی اسرائیل میں انبیاء و رسل کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ مخاطبہ و مکالمہ الٰہی کے لئے یہی لوگ مخصوص تھے۔ حکومت بھی ان کے پاس تھی اس لئے اپنے زمانہ میں یہی سب سے زیادہ بزرگ و برتر تھے۔ بزرگ اباۓ کرام کی اولاد میں ہونا خود ایک شرف و مجد ہے اور یہ بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہوتا ہے مگر جس وقت انہوں نے اپنے فرائض تبلیغ و دعوت سے انحراف و تجاوز کیا تو ان سے یہ بزرگی جاتی رہی اور ان پر ذلت و مسکنت طاری ہوگئی۔ وہ اللہ کی رحمت بیکراں سے دور ہوگئے اور ان کی تمام فضیلت و بزرگی چھن گئی اور اب اللہ کے اس قانون مکافات کی گرفت میں آگئے کہ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید○

بنی اسرائیل کی اس فضیلت و بزرگی کا ذکر قرآن کریم میں بار بار کیا گیا ہے اور ان کی تفہیم کے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے لیکن جب کوئی قوم عذاب الٰہی کی مستحق ہو جائے وہ وقت وہی ہوتا ہے جب کوئی موثر سے موثر انداز بھی ان پر اثر نہیں کرتا۔ قرآن کریم کی حامل امت مسلمہ کو بھی اپنی حالت زار پر غور و فکر کرنا لازم ہے کہ کل تک قوم بنی اسرائیل پر انعامات کی بارش تھی اور آج وہ اللہ کی پکڑ میں ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ سنت اللہ یہی ہے جب قوم بدل جائے تو اس کی حالت بھی قانون الٰہی کے مطابق خود بخود بدل جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کے انعامات کا ذکر اس طرح ہوتا ہے۔

۱۔ بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکمت اور نبوت عطا فرمائی اور ان کو عمدہ عمدہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے انکو اقوام عالم پر فضیلت دی تھی اور ہم نے انہیں دین کے واضح دلائل بھی دیئے لیکن انہوں نے صحیح علم آجانے کے بعد ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کیلئے باہم اختلاف کیا اور اسی اختلاف کی بھینٹ چڑھ گئے۔

(الجاثیہ ۴۵: ۱۶: ۱۸)

۲۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی آپ اس کتاب کے ملنے میں شک نہ کریں اور ہم نے اس کتاب تورات کو بنی اسرائیل کیلئے یقیناً راہنما بنایا تھا اور ہم نے انہی بنی اسرائیل میں سے جب وہ صبر کرنے

Marfat.com

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ
نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

یاد رکھو جس سے میں نے تم کو سرفراز کیا تھا کہ اقوام عالم پر تم کو فضیلت دی تھی۔ ۴۷
اور یہ کہ اس دن کی پکڑ سے ڈر جاؤ[۱۰۲] جس روز کوئی انسان کسی دوسرے انسان
کے کام نہیں آئے گا' نہ کسی کی کسی کے حق میں سفارش سنی جائے گی۔ اور نہ کسی

والے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین لانے والے تھے پیشوا و رہنما بنائے تھے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے اور اب یہ لوگ ان ہی باتوں میں اختلاف کرنے لگے ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب انکے اس اختلاف کا فیصلہ سنا دیا جائے گا اور یہ دن وہی ہو گا جو قیامت کا دن ہے۔ (الم سجدہ ۳۲ : ۲۳' ۲۵)

۳۔ اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا اے لوگو! اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو' اس نے تم میں نبی پیدا کئے۔ تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ بات عطا فرمائی جو دنیا میں کسی کو بھی اب تک نہیں دی گئی یعنی نبوت اور بادشاہی دونوں کو جمع کر دیا۔ (المائدہ ۵ : ۲۰)

۴۔ بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب فرعون سے نجات دی۔ حالانکہ وہ حد سے بڑھ جانے والوں میں سے بہت اونچے درجے کا سرکش تھا اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی حالت کے جانتے ہوئے دوسری قوموں پر ترجیح دی۔ (الدخان ۴۴ : ۳۲' ۳۴)

تذکیر بما بعد الموت

۱۰۲ بنی اسرائیل کا وہ دور بدل چکا وہ انعامات الٰہی کا شکر ادا کرنے کی بجائے سرکش ہو گئے انہوں نے انعامات الٰہی کو انعام سمجھنے سے انکار کر دیا اور اس کو اپنا حق تصور کیا۔ اب وقت آگیا کہ ان کی ایک ایک خرابی کو کھول کھول کر بیان کیا جائے تاکہ آنے والے بھی خوب قانون الٰہی کو سمجھ لیں یعنی مسلمان قوم بھی بنی اسرائیل کی طرح انہی خرابیوں میں مبتلا نہ ہو جائے۔ قوم بنی اسرائیل سے دریافت کیا جائے گا کہ جس قوم کی تمام تر تاریخ ان سیاہ کاریوں اور بد عملیوں سے بھری ہوئی ہو اس کے لئے اس کے سوا اور کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اسے ہمیشہ کے لئے یعنی ان کی حالت کے بدلنے تک تخت سلطنت سے محروم کر دیا جائے اور وہ غلاموں کی زندگی بسر کرے۔ زیر نظر آیت میں انہیں بتا دیا کہ حادثہ قیامت کو پیش نظر رکھیں اور انصاف و دیانت سے جواب دیں۔
اگر ایک شخص کسی جرم کا مرتکب ہوا اور اسے عدالت میں پیش کر دیا گیا ہو تو سزا سے بچنے کے لئے

Marfat.com

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ

طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کسی طرف سے کسی طرح کی مدد مل سکے گی۔[۱۰۳] ۴۸

صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ :

i دوسرا شخص اپنے آپ کو پیش کر دے کہ مجرم کو چھوڑ کر مجھ سے مواخذہ کرو۔

ii سفارش ہو جائے اور یوں اس کی جان خلاصی پائے۔

iii جرمانہ اور معاوضہ ادا کر دے کہ یہ بھی نجات کی ایک شکل ہے۔

iv یار و مددگار آکر اپنی طاقت و قوت سے کام لیں اور ملزم کو چھڑا لیں۔

لیکن جن لوگوں نے حق پرستوں کی مخالفت کی' سچائی کے فنا کرنے کی فکر میں رہے اور انکار و سرکشی میں زندگی بسر کی ان کے لئے نجات کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ انہیں اپنے اعمال کا آپ جواب دینا ہوگا اور وہ دن یعنی قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ کون کسی کے کام آئے گا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝

(عبس ۸۰ : ۳۴' ۳۷)

"اور اس روز آدمی اپنے حقیقی بھائی سے راہ فرار ڈھونڈے گا اور ذرہ برابر اس کے کام نہ آئے گا۔ اسی طرح اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی رفیقہ حیات (بیوی) سے اور اپنی اولاد سے بھی بھاگے گا۔ اس دن ان میں سے ہر ایک پر ایسا وقت آن پڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی دوسرے کا مطلق ہوش اور خیال نہ رہے گا ہر ایک کو اپنی فکر لاحق ہوگی۔"

بھلا ایسے روز سوائے اعمال کے اور کون کام آسکتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے :

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(الممتحنہ ۶۰ : ۳)

"اگر تمہیں کوئی توقع ہو کہ تمہاری اولاد اور رشتہ داریاں قیامت کے روز تمہارے کچھ کام آسکیں گی تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر اچھی طرح نظر رکھے ہوئے ہے پس جب حقیقت یہ ہے تو کسی کی خاطر جھوٹ کیوں بولا جائے؟"

شفاعت کیا ہے اور کیسے ہے؟

[۱۰۳] اس آیت میں شفاعت کا تذکرہ آیا ہے اگر اس کے مراتب پیش نظر ہوں تو اس کی حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ذرا وضاحت سے بیان کر دیا جائے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں

Marfat.com

آجائے کہ شفاعت کیا اور کیسے ہے؟ اس طرح سمجھیں کہ شفاعت تین طرح سے کی جاتی ہے۔

ا۔ وجاہت ملزم حکومت پکڑ لیتی ہے۔ قانوناً وہ مجرم قرار پاتا ہے تو اسے سزا ملنا ضروری ہے مگر ایک رکن سلطنت اس کی سفارش کرتا ہے حکومت کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو یہ شخص سلطنت میں بہت خرابیوں کا موجب ہوگا اس لئے رعب میں آکر وہ مجرم کو چھوڑ دیتی ہے اس سفارش کو سفارش وجاہت کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کی جناب میں اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کے کفرو شرک میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ۔

قیامت کے روز تو یہ کیفیت ہوگی کہ

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (طٰہٰ ۲۰: ۱۰۸) "وہ دن ایسا ہوگا کہ اللہ رحمٰن کے سامنے سب کی آوازیں خاموش ہو جائیں گی اس سناٹے میں کوئی آواز سنائی نہیں دے گی مگر صرف قدموں کی آہٹ!"

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن ۴۰: ۱۶) "آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ کسی کی نہیں صرف اللہ واحد و قہار کی۔"

ذرا خیال کریں کہ کون ہے جس کی وجاہت وہاں کام آئے گی؟ کسی کی نہیں، ہرگز نہیں اور حاشا و کلا نہیں۔

۲۔ محبت حکمران کا کوئی دوست و محبوب سفارش کرتا ہے اور وہ اس کے عشق و محبت کی بنا پر مجرم کو رہائی بخشتا ہے، کیونکہ تعمیل ارشاد نہ کرنے کی صورت میں اسے اس کے رنجیدہ خاطر ہونے کا اندیشہ ہے اور ایسا خیال بھی جناب باری کی شان میں کفرو سرکشی ہے۔

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء ۲۱: ۲۸) "اور اس کے جلال سے وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔"

۳۔ اجازت شامت اعمال سے ایک شخص نے جرم کیا، مگر وہ اس پر نادم ہے۔ حکومت سے طالب مغفرت ہے۔ رحم کی اپیل ہے۔ کسی امیر کی پناہ میں نہیں آتا۔ صرف اور صرف اسی کی رحمت پر نظر ہے۔ حکمران بھی اسے معاف کرنا چاہتا ہے لیکن اس کو چھوٹ دی جائے تو پھر دوبارہ ایسی حرکت کا خیال ہوتا ہے کسی امیر کو سفارش و ضمانت کی اجازت دی جاتی ہے وہ سفارش کر دیتا ہے اس کو اپیل کی منظوری کہا جا سکتا ہے۔ کتاب و سنت کی تصریحات میں اس کی تائید نظر آتی ہے اور اس سے کسی کو انکار کی آخر ضرورت بھی کیا ہے؟ اس حقیقت کو قرآن و حدیث کی زبان میں سفارش کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اور دوسری جگہ فرمایا: لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا "کون ہے جو اس کے پاس کسی کی سفارش کرے مگر ہاں! اس کی اجازت کے بعد۔ وہ ہرگز بول نہیں

Marfat.com

نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ

اور اپنے آباء کی زندگی کا وہ باب بھی یاد رکھو جب ہم نے تمہیں خاندان فرعون [104] کے پنجہ استبداد سے جنہوں نے تم کو نہایت ہی سخت عذاب میں ڈال رکھا تھا نجات دی تھی وہ تمہارے لڑکوں کو بے دریغ ذبح کر ڈالتے تھے [105] اور تمہاری عورتوں کی حیا پر ڈاکہ

سکیں گے مگر ہاں جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دے دی۔ اور وہ جو بات کہے گا وہ بھی صاف صاف کہے گا۔"

انعامات الٰہی کا تذکرہ بنی اسرائیل کے لئے ایک نصیحت

۱۰۴ فرعون نام نہیں بلکہ لقب ہے جس طرح ایران کے بادشاہ کو کسریٰ اور روما کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا' اسی طرح مصر کے حکمران کا لقب فرعون ہوتا تھا۔ آل فرعون سے مراد فرعون کے لوگ یعنی فرعون کی پارٹی۔ آل کے معنی وہی ہیں جو اہل کے ہیں فرق یہ ہے کہ آل کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان انسانوں کی طرف مضاف کیا جاتا ہے جیسے عظیم الشان انبیائے کرام اور عظیم الشان بادشاہوں کی طرف اور اس کی وسعت میں سارے کے سارے متبعین داخل ہو جاتے ہیں ہمارے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر ایک متقی و پرہیزگار برائیوں سے بچنے والا اور میری سنت کے مطابق عمل کرنے والا میری آل میں داخل ہے مطلب یہ ہے کہ یہاں صرف نسل اور خاندان کے لوگ مراد نہیں ہوتے۔

بنی اسرائیل کا قصہ قرآن کریم میں جگہ جگہ مذکور ہے مگر اکثر لوگوں کو اس میں یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ تمام واقعات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہونا سمجھتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایسے واقعات بھی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بہت بعد کے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام سے جو واقعات متعلق ہیں وہ سورۃ البقرہ' النساء' المائدہ' الانعام' الاعراف' یونس' ہود' بنی اسرائیل' الکہف' مریم' طٰہٰ' المومنون' الشعراء' القصص' الصافات' المومن' الزخرف' الدخان اور النازعات یعنی بیس سورتوں میں آئے ہیں۔ ان میں مکرر مضامین بھی بیان ہوئے ہیں اور کسی مقام پر کوئی واقعہ بیان ہوا ہے کسی جگہ پر کوئی واقعہ۔ ہم ان تمام آیات اور الفاظ کو بترتیب تحریر کریں گے اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ و مفہوم بھی تاکہ تمام قصہ جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔ بلفظہ بہ ترتیب معلوم ہو جائے لیکن ابھی مناسبت آیات سے صرف ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں جو آیات کے متعلق ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا واسطہ مصر کے دو بادشاہوں

Marfat.com

کے ساتھ پڑا۔ لیکن قرآن کریم نے چونکہ بادشاہ کا نام نہیں بلکہ لقب کا ذکر ہوا اس لئے وہ فرعون ہی کے نام سے مذکور ہے۔

بنی اسرائیل کے لڑکوں کو مار ڈالنے کا واقعہ

۱۰۵ بنی اسرائیل تقریباً چار سو سال تک مصر میں رہے۔ خود اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام مع اپنے بیٹوں کے یوسف علیہ السلام کے سبب وہاں آباد ہوئے تھے۔ چونکہ دوسرے ملک کے رہنے والے تھے۔ آہستہ آہستہ مصر کے بادشاہوں نے ان کی اولاد کو مہاجرین خیال کرتے ہوئے خدمت گاری کے کاموں اور ذلیل طرح کے پیشوں پر لگانے کی کوشش کی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ لوگ دبتے دبتے بالکل ہی دب گئے اور کمزور سے کمزور تر اور کمزور ترین ہوگئے۔ قرآن کریم نے ان کے دکھوں کی داستان کی تفصیل نہیں کی لیکن دو اشارے ایسے کر دیئے جس سے ان کی بدحالی کی ساری تصویر سامنے آگئی لیکن تورات میں ان کے دکھوں کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ مختصر یہ کہ نہایت ذلیل قسم کے مشقت کے کام ان سے لئے جانے لگے چنانچہ تورات میں ہے کہ

"اور مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی کھیت کی خدمت ان سے کروا کر ان کی زندگی نہایت تلخ کر دی ان کی ساری خدمتیں جو وہ ان سے کرواتے تھے مشقت کی تھیں۔" (خروج ۱: ۱۳، ۱۴)

یہاں تک کہ ان کے لڑکوں کو مار ڈالتے اور لڑکیوں کو اپنی عیش و عشرت اور گھریلو کام کاج کے لئے زندہ رکھتے اس کی کیا صورت انہوں نے اختیار کی؟ قرآن کریم نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی لیکن تورات نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ

"تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائی جنائیوں کو یوں کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے لئے تم دائی جنائی کا کام کرتی ہو تو...... اگر بیٹا ہو تو اس کو ہلاک کر دو اور اگر بیٹی ہو تو جینے دو۔" (خروج ۱: ۱۵، ۱۶)

علاوہ ازیں بھی مفسرین نے طریقے بیان کئے ہیں کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے مردوں کی افرادی قوت ختم کرنے کے لئے یہ طریقے اختیار کئے لیکن جس جگہ قرآن کریم نے تفصیل نہیں کی ضروری بھی نہیں کہ اس کے کھوج میں وقت ضائع کیا جائے مقصد کی بات صرف اتنی ہی ہے کہ فرعون نے ظلم کی انتہا کر دی جس کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے لڑکوں تک کو مروا دیا۔ اور بنی اسرائیل اتنی بے حس قوم ہوگئی کہ وہ اس زیادتی کا بھی کوئی دفاع نہ کر سکی۔

آپ اندازہ کریں کہ وہی بنی اسرائیل قوم عیسائیت کو ساتھ ملا کر بلکہ ان کا سہارا لے کر مسلمانوں کو اس طرح دبائے جا رہی ہے کہ وہ اپنے گھروں اور ملکوں میں بھی آزادانہ زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ ان سے برملا کہا جاتا ہے کہ ہم تمہارے گھروں کی تلاشی لینا چاہتے ہیں کہ تمہارے گھر میں کیا کیا سامان رکھا ہے؟ اور مسلم قوم کے

Marfat.com

ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ۞ وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَآ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۞ ۵۰

زنی کرنے کے عادی مجرم [۱۰۶] تھے اور فی الحقیقت اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر بڑی ہی بھاری آزمائش تھی۔ ۴۹

اور پھر وہ واقعہ بھی ذرا آنکھوں کے سامنے لاؤ جب تم مصر سے نکلے تھے اور فرعون تعاقب کر رہا تھا وہ ہم ہی تھے کہ سمندر کا پانی تمہارے لئے پایاب کر دیا [۱۰۷] کہ تم اس سے بچ نکلے لیکن فرعون کا گروہ غرق ہو گیا اور تم اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے [۱۰۸] تھے! ۵۰

رہنما خوشی کے ساتھ باہر نکل کھڑے ہوتے ہیں وہ ہر قسم کی تلاشی لے کر ان کے گھر کے سامان کو تباہ و برباد کر کے جب باہر نکلتے ہیں تو دانت پیستے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ خبردار تمہارے گھر میں آئندہ یہ یہ سامان دیکھا گیا تو تمہیں تہ تیغ کر دیا جائے گا۔ ہمارے قومی رہنما ان کو سلوٹ مارتے ہوئے بزبان قال ہی نہیں بلکہ بزبان تحریر لکھ کر دے دیتے ہیں کہ صاحب! آپ ہمارے گھر میں یہ سامان آئندہ نہیں دیکھیں گے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے گھروں میں مکمل صفائی کا کام سرانجام دینے کے بعد عیش و طرب کی محفل کے پروگرام تشکیل دیتے ہوئے قوم کو مطمئن کرتے ہیں کہ ہم نے صاحب کو بلا کر تمہاری دال روٹی کا بندوبست کر لیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو فرعون کے مظالم کو اسی سے سمجھ لو کہ وہ کیا تھے؟ آج ہم برداشت کر رہے ہیں تو گزشتہ کل وہ خود برداشت کر چکے ہیں۔ جب آج بات ان کی سمجھ میں آئی تو ہماری مت ماری گئی۔ کاش کہ قوم مسلم کو زندہ کرنے والا بھی کوئی موسیٰ پیدا ہو جائے۔

بنی اسرائیل کی لڑکیوں کو زندہ رکھنے کی وجہ

۱۰۶ لڑکیوں کو قتل نہ کرنا بلکہ انہیں زندہ رکھنے کا حکم صادر کیا۔ کیوں؟ ظاہر ہے اس کا سبب یہی نظر آتا ہے کہ انہیں آئندہ فرعونی امراء اپنی نفسانی خواہشات کا شکار بنا سکیں اور اپنے گھروں میں رکھ کر ماما کا کام بھی ان سے لیں گویا یہ احسان بھی اپنے مطلب ہی کے لئے تھا۔ اور درحقیقت احسان نہیں بلکہ یہ بھی اصل میں قوم بنی اسرائیل کو مزید کمزور کرنے کا ایک نہایت ہی سلجھا ہوا گر تھا۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور بحر احمر کو عبور کرنا

۱۰۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون وقت کو پیغام الٰہی پہنچانے پر مامور ہوئے تھے اور اس کے پاس یہ مطالبہ بھی لے کر آئے تھے کہ جو مظالم قوم بنی اسرائیل پر کئے جا رہے ہیں ان کو ترک کر دے۔ یہ دعوت ایک مدت تک جاری رہی فرعون نے نہ دعوت قبول کی اور نہ ہی بنی اسرائیل کے مظالم میں کوئی کمی کی۔ بلکہ الٹا الزام موسیٰ علیہ السلام پر رکھا' چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ :

"بلاشبہ! ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلائل دے کر بھیجا۔ فرعون' ہامان اور قارون کی طرف مگر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور جھوٹا بتایا۔ غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچا تو ان لوگوں نے کہا جو لوگ موسیٰ کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو۔ مگر کافروں کی یہ تدبیر اکارت گئی اور فرعون نے بڑے رعب کے ساتھ کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔ اور وہ اپنے اللہ کو اپنی مدد کے لئے بلائے۔ میں ڈرتا ہوں کہ موسیٰ اگر زندہ رہا تو تمہارا دین بدل دے گا اور زمین میں فساد پھیلائے گا۔" (سورۃ المومن ۴۰ : ۲۴' ۲۶)

مختصر یہ کہ فرعون اور مصری گورنمنٹ کے مظالم سالہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا۔ یہ سفر مصری حکومت سے چھپ چھپ کر رات کے وقت شروع کیا۔ زمانہ وہ تھا کہ آج کل کی باقاعدہ سڑکیں تو تھیں نہیں نہ راستہ میں کوئی روشنی کا انتظام تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق ہجرت کی تھی لیکن یہ کوئی تین چار آدمیوں کا قافلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک بہت بڑی قوم کا خروج تھا جس میں کم و بیش ستر ہزار آدمی موجود تھے۔ یہ لوگ ملک مصر کے شہر رامیس سے نکلے تھے جو اس وقت مصری حکومت کا صدر مقام تھا اس کے بائیں جانب تھوڑے ہی فاصلہ پر دریائے نیل تھا اور دائیں طرف یعنی جانب شرق تقریباً تین منزل کے فاصلہ پر بحر احمر کی بڑی شاخ تھی موسیٰ علیہ السلام' بنی اسرائیل کو لے کر بحر احمر کی طرف نکلے جب یہ لوگ بحر احمر کی بڑی شاخ کے بائیں کنارہ سے گزرنے لگے کہ فرعون بھی ان کے تعاقب میں نکل آیا۔ لیکن حکم الٰہی کے مطابق قوم کی چیخ و پکار کے باوجود موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل سمیت بحر احمر کی بڑی شاخ کی نوک سے پار اترنے میں کامیاب ہوگئے۔ فرعون نے بھی تعاقب کرتے ہوئے اپنے لاؤ لشکر کو بنی اسرائیل کے پیچھے بحر احمر کی اسی شاخ میں اتار دیا۔ اتنے میں پانی کا اتنا تیز ریلا آیا کہ بنی اسرائیل کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ قوم فرعون کو خس و خشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔ اللہ نے اسی اپنے خاص انعام کا یہاں ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی تھی تو گویا وہ بہت بڑا انعام تم پر کیا تھا لیکن تم بھی عجیب لوگ ہو کہ تم نے بھی اللہ کے کسی انعام کو احسان کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور ہمیشہ ناشکری ہی کی۔

موسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ طور پر دریا عبور کرنے کا ذکر قرآن کریم کی زبان میں

Marfat.com

دریا سے پار اتر جانے کا واقعہ قرآن کریم میں چار مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اول اس جگہ سورۃ البقرہ میں' جہاں فرمایا گیا۔ "اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ" دوم سورۃ الشعراء میں' جہاں فرمایا ہے "فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ۝ (الشعراء ۲۶ : ۶۳) تیسرا سورہ طٰہٰ جہاں فرمایا ہے۔ "وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ (طٰہٰ ۲۰ : ۷۷' ۷۸) اور چوتھی جگہ سورۃ الدخان میں جہاں فرمایا : فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ۝ (الدخان ۴۴ : ۲۳' ۲۴) جن کا ترتیب وار مفہوم و ترجمہ یہ ہے کہ "جب ہم نے تمہارے سبب دریا کو پایاب کر دیا تھا۔" ۲۔ پس وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے سے دریا میں کہ وہ پھٹا ہوا ہے اور پھر ہر ٹکڑا پہاڑ کی مانند ہے۔" ۳۔ "ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ رات کو لے چل میرے بندوں کو پس چل ان کے لئے دریا کے سوکھے رستہ میں' مت خوف کر پکڑ لئے جانے سے۔ پس فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا پس پانی کا ریلا جیسا کچھ ان پر چھانے والا تھا' چھا گیا یعنی جو کچھ ہونا تھا فوراً ہو گیا۔" ۴۔ "لے چل میرے بندوں کو اے موسیٰ! رات کے وقت تم دشمن سے تعاقب کئے جاؤ گے اور چھوڑ چل دریا کو کہ وہ اس وقت اترا ہوا ہے۔"

اس سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے نکلنے کا واقعہ وحی الٰہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس جگہ کی نشاندہی کر دی گئی تھی کہ اس وقت تم دریا کے فلاں مقام سے پار کرو گے۔ اور ہم اپنے قانون تکوینی کے تحت تمہارے دریا پار کر جانے اور فرعون کے غرق ہونے کا معاملہ طے کر چکے ہیں۔ اور یاد رکھو کہ دریا عبور کرنے کے لئے لاٹھی کے سہارے اللہ کا نام لے کر جوں جوں دریا سے گزرتے جاؤ گے۔ وہ تمہارے لئے پایاب ہوتا جائے گا۔ جگہ کا تعین' وقت کا تعین' تمہارے خیریت سے نکل جانے کی خبر اور فرعون کے غرق ہونے کی اطلاع اس واقعہ میں یہ چار معجزات ہیں جو آپ کو یعنی موسیٰ علیہ السلام کو قبل از وقت دیئے جا رہے ہیں۔ اور اپنے لوگوں میں ان کا اعلان کر دو اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام سے اس خبر کی تشہیر بھی کرا دی تھی۔ تورات میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔

"خداوند نے بہ سبب بڑی پوربی آندھی کے تمام رات دریا کو چلایا اور دریا کو سکھا دیا۔" (خروج ۲۱:)

ویسے بھی ایسے واقعات کو جو انبیاء علیہم السلام کی تائید ایزدی سے پیش آتے رہے کچھ لوگوں نے ان کو عجائبات بنا دیا اور ہر ممکن کوشش کی' یہ واقعات خرق عادت یا مافوق الفطرت یا معجزات کے نام سے معروف کرائے گئے' حالانکہ حقیقت میں نہ تو وہ خرق عادت ہی تھے اور نہ مافوق الفطرت اور ان کو معجزات کہنا بالکل صحیح اور فطرت کے عین مطابق تھا لیکن تعجب یہ ہے کہ معجزات انبیاء کو یہ نام کس نے فراہم کئے؟ اور کہاں سے آئے؟ جو آج زبان زد خاص و عام ہیں۔

Marfat.com

جس فرق البحر کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اس پر غور کرو کہ اس کو مافوق الفطرت یا خرق عادت کا نام دینا کہاں تک صحیح ہے؟ جب کہ ہم بارہا دیکھتے ہیں کہ دریاؤں کا اتار چڑھاؤ اور پھر خصوصاً وہ بھی پہاڑی علاقوں میں کتنا آناً فاناً اور کس قدر تیزی کے ساتھ آج بھی ہوتا رہتا ہے اور سمندر کے کنارے بیٹھ کر مدوجزر کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔ مظاہر قدرت آج بھی زلزلوں کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے ایسے کئی واقعات پیش کر چکے ہیں۔

چنانچہ جنوری ۱۹۳۴ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں جو زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا اس موقع پر صوبہ کے صدر مقام شہر پٹنہ میں دن دھاڑے تقریباً ڈھائی بجے کے قریب ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہوگیا اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے قریب قریب خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت ناک منظر چار پانچ منٹ تک قائم رہا۔ یہاں تک یک بیک تیز رفتاری کے ساتھ گویا زمین سے ابل کر پھر جاری ہوگیا۔ اس واقعہ کی مفصل روئیداد انگریزی اخبار روزنامہ پانیر کی ۲۰ / جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے۔

لوگوں نے اس واقعہ کو کئی طریقوں سے بیان کیا ہے کسی نے بہت بڑھا چڑھا کر اور کسی نے اس کے اصل مقام سے بھی بہت نیچے گرا کر۔ لیکن قرآن کریم کا مضمون جو کچھ ہمیں بتا رہا ہے وہ ہمارے لئے بس ہے اور تفصیلات کی ہمیں ضرورت بھی نہ ہے کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل اس دریا یا سمندر سے صحیح سلامت گزر گئے اور فرعون کا لشکر ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا گیا جس سے شان الٰہی کا اظہار بالکل واضح ہے کہ ایک کو مہلک جگہ۔ یا ہلاکت کے سامانوں کے اندر محفوظ رکھے اور دوسرے کو اس کے حفاظت کے سامان رکھتے ہوئے یا ایک محفوظ جگہ میں ہلاک کر دے۔ جہاں قرآن کریم نے اس واقعہ کو موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرقان قرار دیا ہے بالکل اسی طرح بدر کے واقعہ کو ہمارے نبی کریم ﷺ کے لئے فرقان قرار دیا ہے۔ ذرا غور کرو کہ بدر کا میدان ہے جس میں کفار نے عمدہ سے عمدہ اور محفوظ سے محفوظ جگہ روک لی ہے پانی پر قبضہ کر لیا ہے۔ جمعیت ان کی مسلمانوں کے مقابلہ میں تگنی سے بھی زیادہ ہے۔ آدمی بھی جنگ آزمودہ اور بڑے بڑے بہادر ہیں۔ ہر طرح کا سامان جنگ بھی بکثرت موجود ہے۔ مقابلہ میں مسلمانوں کو جگہ اچھی نہیں ملی۔ جگہ محفوظ بھی نہیں۔ جمعیت بھی ایک بٹا تین ہے۔ سامان جنگ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو میدان جنگ میں کامیابی کی خوشخبری پہلے سنا دی ہے۔ بڑے بڑے بہادروں کے مرنے کی جگہ کی نشاندہی فرما دی ہے اور جب نتیجہ نکلتا ہے تو وہ بالکل وہی ہے جو رسول اکرم ﷺ نے وحی الٰہی پا کر پہلے بتا دیا ہے ایک تھوڑی سی جماعت کے سامنے ان کے سارے حفاظت کے سامان ہوتے ہوئے ہلاک کر کے اپنی قدرت کا نظارہ دکھا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں فرعونیوں کے غرق کرنے سے بھی بڑھ کر اپنی قدرت اور طاقت کا اظہار فرمایا ہے سو ہمارے پاس اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ امر الٰہی ہمیشہ غالب رہا ہے' غالب ہے اور غالب ہی

Marfat.com

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تھا اور ایفائے عہد کے لئے موسیٰؑ پہاڑ پر پہنچے ہی تھے کہ تم نے ایک بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی اور

رہے گا۔ لیکن جو کچھ تھا' ہے اور ہو گا سب قانون الٰہی کے مطابق تھا' ہے اور رہے گا۔ اس قصہ میں مسلمانوں کے لئے بے شمار اسباق تھے لیکن افسوس کے انہوں نے سب کے سب وراء ظہور پھینک دیئے اور ایسے واقعات کو قانون قدرت کے خلاف کرنے' بنانے اور ہونے ہی میں سارا زور صرف کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔ انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ۔

عبرت کا مقام ہے

۱۰۸ بنی اسرائیل بالکل قریب دوسرے کنارے پر کھڑے اس مسرت انگیز نظارہ کو دیکھ رہے تھے کہ وہ قوم جس نے آج تک ہم کو غلاموں کی طرح رکھا' آج بے بسی اور بے کسی کی چیخیں مار رہی ہے مگر کوئی نہیں جو اس کی کچھ بھی مدد کرے ان کی حالت اس وقت ایسی ہے کہ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ۝ (الدخان ۴۴ : ۲۹) "پھر نہ تو آسمان ان پر رویا اور نہ ہی زمین نے آنسو بہائے اور نہ ہی انہیں اپنی حالت کی اصلاح کی مہلت دی گئی کیونکہ قانون الٰہی کے مطابق فرعون کے لوگ اپنی حالت کو ایسا ہی بنا چکے تھے۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام ان رکاوٹوں کو دور کر دیا جو ان کی راہ ترقی میں مختلف اسباب کی بنا پر اس وقت پیدا ہو گئی تھیں جب کہ فرعون کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے خود آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

ہجرت کے بعد بنی اسرائیل کی پہلی گمراہی بچھڑے کی پرستش کرنا

۱۰۹ بنی اسرائیل فرعون سے نجات پا کر آگے بڑھے تو اب وہ ایک آزاد قوم تھے جن کے لئے قانون اور دستور العمل کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کوہ طور پر آکر چالیس روز تک رہیں تاکہ ان کو قوم کے لئے وہ قانون اور دستور العمل دیا جائے اور دوسری طرف قوم کی آزمائش بھی ہو سکے۔ اس کی تفصیل کے لئے بائبل کی طرف مراجعت کرنا ہے تو کتاب خروج باب ۲۴ : ۳۱ کو ملاحظہ کریں۔ وعدنا' وعدہ سے باب مفاعلہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس کا قبول کرنا' یہاں چالیس راتوں کا ذکر ہے اور سورۃ الاعراف میں تیس راتوں کا اور پھر ساتھ ہی ارشاد ہے کہ اس کو

Marfat.com

ہم نے مزید دس راتوں کے ساتھ پورا کر دیا۔ جس سے اس بات کی اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت فرما دی کہ وعدہ حقیقی طور پر چالیس ہی راتوں کا تھا جس کا تذکرہ عام انسانی بول چال کے مطابق تیس چالیس راتیں کہا گیا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین بنایا' یا جو ازراہ انتظام ضروری تھا تو وہاں انہوں نے تیس چالیس دن ہی کا ذکر کیا اور یہ ذکر خلاف واقعہ نہیں ہے بلکہ عین محاورہ زبان کے مطابق ہے۔

آج بھی ہم دو چار' پانچ سات' آٹھ دس' دس پندرہ' پندرہ بیس اور تیس چالیس کے الفاظ اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں اور کلام الٰہی کا انسانوں کی زبان' محاورہ' استعارہ اور ضرب المثل اور تمثیل میں ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ مفسرین کے بیان کے مطابق پندرہ سو قبل مسیح سمجھا گیا ہے اور سال ولادت ۱۵۲۰ ق م بتایا ہے اور سال وفات ۱۴۰۰ ق م یعنی تقریباً ۱۲۰ برس عمر تسلیم کی ہے اور مورخین کے مطابق فرعون مصر یعنی رعمیسس ثانی کا زمانہ جس کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ پیش آیا تھا ساڑھے تیرہ سو قبل مسیح تسلیم کیا ہے۔ اور تاریخی واقعات میں یہ اختلاف بالکل معمول اور عام سی بات ہے اور قرآن کریم کا انداز بیان ان تاریخی تعینات میں اپنا وقت بالکل ضائع نہیں کرتا کیونکہ وہ کوئی تاریخ کی کتاب ہی نہیں ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں جب کہ موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے ادھر ان کی قوم نے گردوپیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی اور مصری زمانہ میں مصر کے لوگ جس طرح گائے کی پرستش کرتے تھے اسی کے اثر سے انہوں نے ایک بچھڑے کی مورتی بنائی اور پھر اس کی پرستش شروع کر دی اور یہ کام موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک بااثر آدمی سامری کی شعبدہ بازی سے رواج پایا۔

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں قوموں کی تاریخ میں آج بھی اس کی شہادتیں موجود ہیں کہ مذہبی پیشوا مذہب ہی کے نام پر اپنے آباء و اجداد کے رواجات کو دوبارہ مشتہر کرتے رہتے ہیں اور قوم کے لوگ بھی اسی اثر کے تحت جو ان کو آباء سے ورثہ میں ملتا ہے اس کو قبول کرنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ باہر مت جاؤ اپنے ہاں کا مطالعہ کرو بات بالکل صاف ہو جائے گی۔ ہند و پاک میں آریہ قوم کی بہت سی باتوں کا اثر مسلمانوں پر ہوا ہے۔ جس کی مثالیں آج بھی ہمارے زمانہ میں موجود ہیں۔ ہاں زیادہ سے زیادہ صرف نام کا فرق' وہ بھی کہیں کہیں مل سکتا ہے یہ پیر پرستی' قبر پرستی' عرس اور میلے' ناچ اور بھنگڑے' حال و مستی' منتیں اور چڑھاوے' تیسرے' چوتھے' چالیسویں اور قل کی رسمیں کہاں سے آگئی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک کا تجزیہ کرتے جاؤ تو وہ سب ہندوؤں کی رسومات پر فٹ ہوتی جائیں گی جن کا اسلام کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں لیکن آج سمجھ دار سے سمجھ دار آدمی بھی ان کے بجالانے کے لئے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور علمائے سوء ہیں کہ ان سب کو ثواب اور نیکی کے کام ثابت کرنے میں مصروف ہیں اور عوام ہیں کہ ان ہی رسومات کو اسلام سمجھتے ہیں۔ ایک شخص دین اسلام کا ایک کام بھی نہ کرے لیکن ان رسومات کی پابندی کرے تو وہ پکا مسلمان ہے۔ اس کے مقابلہ

Marfat.com

مِنۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۞ ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ

تم راہ حق سے ہٹ گئے تھے۔ ۵۱

لیکن ہم نے اپنی خاص رحمت سے تم سے درگزر کی تاکہ تم اللہ کی وسعت

میں دوسرا شخص دین اسلام کا ایک ایک کام اللہ کی رضا اور رسول اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے لیکن ان رسومات کو ادا نہ کرے تو وہ مردود قرار دیا جائے گا۔ پھر بوالعجی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم گائے کی پرستش کو برا سمجھنے والے اپنے ہاں کی اس پرستش کے لئے سند جواز پیش کریں گے۔ اسی پر یہ مثل بولی جاتی ہے کہ "ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے۔"

ذرا غور کرو کہ بنی اسرائیل آزاد ہو چکے ہیں اب ان پر کسی انسان کی حکومت نہیں۔ ایک اللہ کے غلام ہیں۔ آزاد سرزمین ہے اور وہ ہیں کہ غلامی کے اثرات اب تک ان کے دل و دماغ پر حاوی ہیں اور ان کے رگ و پے میں جاری و ساری جس وقت انہوں نے اس بچھڑے کو دیکھا اور اس سے ایک بے نطق آواز سنی جو ایک بھا......ں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ فوراً سجدہ ریز ہوگئے کہ اس کی بندگی ان کا مایہ حیات ہے چنانچہ ان کی آئندہ قومی زندگی میں اس قسم کے بکثرت واقعات پیش آئے جن سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ ان کا مقصد حیات صرف جمع مال و دولت تھا اور صرف اور صرف وہم پرستی تھی۔ عقل و فکر اور قومی جذبہ کی بو بھی ان میں موجود نہ تھی۔ ان میں علماء تھے لیکن وہم پرست اور جاہ پرست۔ ان میں سیاسی لیڈر تھے لیکن وہ بھی وہم پرست اور جاہ پرست اور عوام تو پہلے ہی عوام ہوتے ہیں ان کی بات ہی کیا ہے؟ وہم پرستی کیا ہے؟ اعتدال اور عقل کا فقدان جس کا نتیجہ افراط ہے یا تفریط۔

ہر قوم کی ہلاکت کا باعث دراصل دو ہی چیزیں ہوتی ہیں افراط اور تفریط۔ اور یہ مترادف ہے وہم پرستی کے۔ افراط کیا ہے؟ روحانیت میں جائز حدود سے تجاوز کر جانا۔ جیسے نصاریٰ نے عبداللہ یعنی مسیح علیہ السلام کو اللہ بنا لیا یہ افراط ہے۔ اور تفریط کیا ہے؟ مادیت میں بہت دور نکل جانا۔ یعنی روحانیت کو اس کے مقام سے بھی بہت نیچے گرا دینا۔ جیسے یہودیوں نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ کہ ان کو انسانیت کے مقام سے بھی نیچے گرا دیا العیاذ باللہ! گویا یہ ان کی مسیح علیہ السلام کے متعلق تفریط تھی۔

بنی اسرائیل اس وقت دونوں غلطیوں کے مرتکب ہوگئے۔ انہوں نے بچھڑا پوجنا شروع کیا اور یہ سمجھے کہ وہ خداوند جو وراء الوریٰ ثم وراء الوریٰ ہے اس میں حلول کر گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف انہوں نے افراط سے کام لیا یعنی بچھڑے کے حق میں اور اللہ رب العزت کے حق میں وہ تفریط کر گئے کہ اس کے مقام سے اس کو نیچے گرا دیا۔ بھلا وہ کسی شکل و صورت میں کب سما سکتا ہے؟ بنی اسرائیل کو بالکل یہی صورت اس وقت پیش

Marfat.com

بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۲ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

بخشش کی قدر کرو[۱۱۱] ۔ ۵۲

پھر ایسا[۱۱۲] ہوا کہ موسیٰ[ؑ] تورات کی تختیوں کے ساتھ پہاڑ سے اترا تا کہ تم پر سعادت

آئی جب انہوں نے ارنا اللہ جہرۃ" کی صدا بلند کی۔ بت پرست یہی خیال کرتے ہیں اور چاہیے کہ پیر پرست اور قبر پرست اس سے عبرت پکڑیں۔

بنی اسرائیل کی گمراہی کی معافی کا اعلان

۱۱۰ "ہم نے اپنی خاص رحمت سے تم سے درگزر کی " ثم عفونا " کا ترجمہ و مفہوم ہے' عفو کے اصل معنی کسی چیز کے لئے لینے کا قصد کرنا ہے۔ (راغب) اس لئے یہ لفظ دو متخالف معنوں پر بولا جاتا ہے یعنی مٹانا اور بڑھانا کے معنی کی رو سے حدیث میں آتا ہے ہمارے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعفا اللحی۔ یعنی ڈاڑھی کے بالوں کو بڑھایا جائے یا معاف کر دیا جائے کاٹنے سے کترنے سے بچایا جائے۔

یعنی بنی اسرائیل کا یہ بہت بڑا جرم کہ وہ شرک کے مرتکب ہوئے لیکن ہم نے اپنے قانون کے مطابق کہ کسی مجرم کو جرم کرتے ہی فوراً نہیں پکڑ لیتے ان کے اس گناہ سے درگزر کرنے' معاف کرنے اور مٹانے کا ارادہ کر لیا گویا معاف کر دیا یعنی درگزر کی اور یہ درگزر اس لئے کی تھی کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

ادائے شکر کیا ہے؟

۱۱۱ شکر کے معنی ہیں جو نعمت دی جائے اس کو یاد رکھنا اور اس کا ظاہر کرنا۔ (راغب) شکر تین طرح سے ہے:

i شکر قلب یعنی دل سے شکر کرنا جو محض تصور نعمت ہوا۔

ii شکر لسان۔ زبان سے شکر ادا کرنا یعنی دینے والے کی ثناء بیان کرنا۔

iii شکر بالجوارح۔ یعنی اعضاء سے شکر ادا کرنا۔ یعنی نعمت کی مکافات اس کے استحقاق کے مطابق دینا اور بندہ پر یہ تینوں قسم کا شکر ادا کرنا لازم ہے اور بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ جب شکر ادا کرنا واجب ہو اور پھر شکر ادا نہ کیا جائے تو وہ گویا کفران نعمت ہے جس سے کفر لازم آتا ہے۔ اس طرح مطلب یہ ہوا کہ اگر تم شکر نہ ادا کرو گے تو گویا کفر کرو گے اس موقع پر شکر گزاری توحید و طاعت الٰہی پر ثابت قدمی دکھانا ہے۔

Marfat.com

وحی الٰہی کے نزول کا مقصد ہدایت انسانی ہے

۱۱۲ فرمایا موسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ پر جانا بغرض کتابت وحی الٰہی کے تھا اور وحی الٰہی کا منشا انسانی ہدایت یعنی قوم اسرائیل کی صحیح راہنمائی کرنا تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب بصورت کتابت شدہ تختیاں دی گئیں۔ جس کی کتابت خود موسیٰ علیہ السلام نے ہی کی تھی۔ اس جگہ تورات کو فرقان کہا گیا ہے۔ اور قرآن کریم میں جنگ بدر کو فرقان کہا گیا ہے (الانفال ۸ : ۴۱) اور ایک جگہ قرآن کریم کو بھی فرقان کا لقب دیا گیا ہے۔ (الفرقان ۲۵ : ۱) مومن کو جو "نور" حق و باطل میں فرق کرنے کا دیا جاتا ہے اسے بھی فرقان کہا گیا ہے (الانفال ۸ : ۲۹) اور ان سب معنوں میں ہی موسیٰ علیہ السلام کو بھی فرقان دینے سے یہ سب معنوں کا لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ یہاں فرقان سے مراد' بنی اسرائیل کے دشمنوں کی تباہی کی خبر معجزانہ طور پر دنیا ہو سکتا ہے۔ فرقان تورات کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ اور وہ نور بھی ہو سکتا ہے جس سے انبیاء علیہم السلام حق و باطل میں فرق کرتے ہیں۔

غلامی کے آثار باقیہ کا اثر

دوسری جگہ بنی اسرائیل کے دریا سے عبور ہونے کے بعد ان کی ایک گمراہی کا ذکر اس طرح بھی کیا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر سے پار اتر گئے اور آگے چلتے رہے تو وہاں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ وہ اپنے بزرگوں کے بتوں پر مجاور بنے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا۔ اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لئے ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم پر بہت افسوس ہے کہ تم تو بالکل ایک جاہل قوم ہو۔ یہ لوگ جس طریقہ پر چل رہے ہیں بلاشبہ وہ تو تباہ ہونے والا طریقہ ہے اور انہوں نے جو یہ عمل اختیار کیا ہے وہ سراسر باطل اور جھوٹ ہے۔

بنی اسرائیل چونکہ مصری بت پرستی سے مالوف ہو چکے تھے اس لئے سینا کے بت خانے دیکھ کر ان کی خواہش بھی جاگ گئی کہ ان کی پرستش کے لئے بھی ایک ایسا ہی مقام ضرور ہونا چاہئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان کی خواہش کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تم کو دنیا کی قوموں پر فضیلت عنایت کی ہے۔

اب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جانے لگتے ہیں تو اپنے بھائی ہارون سے کہتے ہیں کہ میں تو کوہ طور پر جا رہا ہوں تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو اور دیکھو سب کام اچھی طرح انجام دینا اور خرابی کی راہ سے بچنا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے مقررہ وقت کی میعاد پوری کرنے کے لئے کوہ طور پر آئے تو ان کو اپنے رب کی طرف سے ایک آواز دی گئی تو موسیٰ علیہ السلام آواز سنتے ہی بے اختیار ہو کر پکار اٹھے کہ اے میرے رب! مجھے اپنا جمال دکھا حکم ہوا تو مجھے کیسے دیکھ سکتا ہے؟ یعنی کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں! اس پہاڑ کی طرف نگاہ اٹھا اگر یہ تجلی حق تو دیکھ سکا تو پھر بات کرنا۔ پھر جب اس کے رب کی قدرت نے نمود کی تو وہ پہاڑ ریزہ ریزہ

Marfat.com

الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

کی راہ کھل جائے جب کہ تم اس کی دی ہوئی ہدایت پر عمل کرو۔ ۵۳
لیکن موسیٰ[۱۱۳] جب پہاڑ سے اترا تو تم ایک بچھڑے کی پوجا میں سرگرم تھے۔ وہ پکار

ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے۔

جب ہوش آیا تو بولے! اے میرے اللہ تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ پیش کرتا ہوں اور میں ان میں پہلا شخص ہوں جو مشاہدۂ الٰہی کی کبھی اپیل نہ کرنے والوں میں سے ہوں گا۔ تیرا جمال کون کر سکتا ہے؟ تیری ہم کلامی کا شرف ہی میرے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو وہ الواح لکھوائی گئیں جو وہ قوم کی طرف لے کر گئے۔

توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے

۱۱۳ موسیٰ علیہ السلام جب کتاب الٰہی کے ساتھ طور سے واپس آئے اور دیکھا کہ قوم کی اکثریت شرک کی ناپاکی میں لت پت ہے یعنی وہ ایک بچھڑے کی پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھنا تھا کہ گویا خون کھول گیا اور جلالی طبیعت کے تقاضا میں جلالت نے اپنا رنگ دکھایا۔ اپنے بھائی کو پکڑ کو خوب جھنجھوڑا اور استفسار کیا کہ تم نے میری خلافت کا کیا حق ادا کیا؟ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا کہ تیری قوم کو میں نے اس برائی سے روکنے کی حتی المقدور کوشش کی جس کے نتیجہ میں قریب تھا کہ وہ مجھے قتل ہی کر دیتے۔ پھر مجھے قتل ہو جانے کا بھی کوئی خوف نہیں تھا۔ مجھے ڈر تھا تو صرف اس بات کا کہ قوم میں اختلاف کی بیماری پھیل کر دو ٹکڑوں میں تقسیم نہ کر دے جو شرک کی بیماری سے بھی زیادہ مہلک ہوتی ہے۔ بھائی کی یہ باتیں سن کر ذرا غصہ تھما تو قوم کے لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ تم نے اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کیوں کی؟ اور تم اس گھناؤنے شرک کے مرتکب کیسے ہوگئے؟ قوم کے لوگوں نے ان شرارتیوں کی مکمل نشاندہی کر دی جنہوں نے اپنی شرارت سے یہ سارا تماشا کھڑا کیا تھا جن کا سردار اور لیڈر سامری تھا۔ اس مضمون کو سورۂ طٰہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا اور سورۃ الاعراف میں کچھ حصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ پھر قوم کے ان لوگوں کو جنہوں نے واقعہ کی پوری تفصیل بتائی اور ان شرارتیوں کی نشاندہی بھی کر دی اور ظاہر ہے کہ وہ شرارتی بھی اسی قوم کے لوگ تھے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان شرارتیوں کو قتل کر دو کیونکہ وہ جب تک سزا نہ پائیں گے دوبارہ جرم کریں گے اور اگر ایسے وجود قوم میں رہیں گے تو کوئی نیا فتنہ کھڑا کریں گے ابھی ان کو سزا مل گئی تو دوسروں کے لئے وہ عبرت کا موجب ہوں گے۔ اب وہ قتل ہوئے یا نہیں۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ تورات میں موجود ہے کہ ایک ہی دن میں تین ہزار آدمی قتل کر دیئے گئے لیکن یہ جو کہا گیا ہے

Marfat.com

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

اٹھا کہ اے میری قوم! تم نے بچھڑے کی پوجا کر کے خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے پس چاہیئے کہ تم اپنے خالق حقیقی کے حضور توبہ کرو اور گوسالہ پرستی کے بدلے اپنی جانوں کو قتل کرو۔ اس میں اللہ کے نزدیک تمہارے لئے بہتری ہے۔ پھر تمہاری توبہ قبول کر لی گئی اور اللہ بڑا ہی رحمت والا اور درگزر کرنے والا ہے۔ ۵۴

اور[۱۱۴] پھر وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا تھا! اے موسیٰ[۱۴۱]! ہم کبھی تم پر یقین

کہ اپنے آپ کو قتل کرنے کا حکم تھا کہ خود اپنی جانوں کو قتل کرو گویا خودکشی کر لو یہ کسی حال میں بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ اپنی جانوں سے مراد قوم کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم سن کر قوم نے پہلے اس سے کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لے کر اللہ سے مغفرت طلب کی ہو اور اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہو۔ جس کا ذکر آخر آیت میں کر دیا گیا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ سامری جو ان سب شرارتوں کا سردار تھا اس کے لئے ایک خاص طرح کی سزا مقرر کی گئی تھی جس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں آئے گا۔ مختصر یہ کہ قتل وہ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اگر وہ فی الواقعہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے تھے تو مغفرت کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ بات کہ ایک بار وہ سب قتل ہو گئے یعنی ایک دوسرے کو انہوں نے مار دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر کے فرمایا کہ اب تمہاری توبہ قبول ہو گئی سوائے اس کے کہ اس کو قصہ گوئی کہا جائے کوئی حیثیت اس کی نہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیت میں اس کا اشارہ تک بھی موجود نہیں اور غیر مصدقہ باتوں کی نسبت قرآن کریم جیسی کتاب مبین پر زیادتی کے مترادف ہے۔

قوم بنی اسرائیل کی دوسری گمراہی

۱۱۴ اب قوم بنی اسرائیل کی دوسری کھلی گمراہی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

طرف سے تورات کی تختیاں لے کر قوم کے پاس آئے اور قوم کی گمراہی دیکھ کر جز بز ہوئے لیکن یہ وقت گزر گیا۔ قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی مل گئی تو انہوں نے ایک نئی گمراہی کا اظہار کر دیا وہ یہ کہ کہنے لگے موسیٰ! ہم تیری لائی ہوئی تعلیمات پر اس وقت ہی عمل کر سکتے ہیں جب کہ ہم ان آنکھوں سے تیرے رب کو دیکھ لیں۔ ہم تیرے ہی کہنے پر یہ کیونکر مان لیں کہ رب تیرے ساتھ ہمکلام ہوتا ہے جب کہ وہ ہمارے ساتھ ہمکلام نہیں ہوتا۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو چن لیا تاکہ ان کو جمال الٰہی کی جھلک دکھائی جا سکے۔ یہ ستر آدمی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے یقیناً دل میں خیال ہوگا کہ جب میں (موسیٰ) اللہ کا جمال نہیں دیکھ سکا اور اس کا کمال دیکھ کر مان گیا' یقیناً یہ لوگ بھی جمال تو نہیں دیکھ سکیں گے لیکن کمال کی جھلک ہی ان کے ایمان کی پختگی کے لئے کافی ہوگی۔ کوہ طور پر جا کر موسیٰ علیہ السلام نے خود عرض پیش کی اور کہا اے اللہ! ایک تجلی ذرا ان پر بھی ہو جائے۔ قانون الٰہی حرکت میں آیا اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہوگیا۔ وہ ایک چیخ تھی کوئی جھٹکا تھا یا زلزلہ' کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا سوائے ایک ہولناک آواز کے' وہ زلزلہ کی آواز تھی یا ان زلزلہ دیئے گیئوں کی چیخ و پکار جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب بیہوش ہو کر گر پڑے جس سے ان کی قوت حس زائل ہوگئی۔ بے ہوش ایسے کہ گویا مر گئے۔ یہ ماجرا اتنا تیزی سے ہوا کہ گویا وہ دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔

چونکہ موسیٰ علیہ السلام اس تجلی رب کا ایک نظارہ پہلے کر چکے تھے وہ جلد ہی ہوش میں آگئے جب دیکھا کہ وہ سب کے سب بے حس و حرکت پڑے ہیں تو خیال ہوا کہ شاید وہ مر گئے۔ بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوگئے۔ الٰہی یہ کیا ماجرا ہوا کہ یہ سب کے سب مر گئے تو میری اکھڑ قوم کے لوگ کب ماننے والے ہیں وہ تو مجھ ہی پر ان سب کے مار دینے کا الزام رکھیں گے اور اگر تو ان کو مارنا ہی چاہتا تھا تو وہیں ان کے گھروں میں مار دیتا تاکہ مجھ پر یہ الزام تو نہ آتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر کرتا ہے کہ پھر ہم نے تم کو اس غشی کی حالت سے نکال کھڑا کیا اور تمہارے ہوش و حواس درست ہوئے اور چاہئے تھا کہ کم از کم تم کو پہلا احسان یاد نہ رہا تھا تو اس دوسرے احسان ہی کو یاد رکھتے۔ موت و حیات کا ذکر قبل ازیں بھی کیا گیا تھا اس جگہ پھر دوبارہ سمجھ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

۱۔ موت کے معنی قوت نامیہ کا نہ ہونا جیسے ارشاد الٰہی ہے۔ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا (الحدید ۵۷ : ۱۷) زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کر دیا یعنی جب وہ قابل پیداوار نہ رہی تو بارش برسا کر اس کو قابل کاشت بنا دیا۔

۲۔ قوت حسی کا زائل ہونا یعنی نیم بے ہوش ہو جانا' تکلیف و دکھ میں مبتلا ہونا جیسے یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا (مریم ۱۹ : ۲۳) یعنی ہائے افسوس کہ ایسا موت و حیات کا وقت اور اتنی غیر محفوظ جگہ' کاش! کہ میں اس سے پہلے مر گئی ہوتی۔

Marfat.com

حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۞ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ

کرنے والے نہیں جب تک کہ کھلے طور پر اللہ کو تم سے بات کرتا ہوا نہ دیکھ لیں پھر تم کو معلوم ہوگا کہ تمہاری اس جسارت کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ بجلی کے کڑکے نے تم کو آگھیرا اور تم نظر اٹھائے دیکھ رہے تھے۔ ۵۵

پھر ہم نے تم کو اس ہلاکت سے بچا کر اٹھا کھڑا کیا تاکہ اپنے آپ کو نعمت الٰہی کا

۳۔ قوت عقلی کا زائل ہونا یعنی جاہل ہونا جیسے ارشاد الٰہی ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (الانعام ۶: ۱۲۲) "کیا وہ آدمی کہ وہ مردہ تھا اور ہم نے اسے زندہ کر دیا۔" لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ اور اس کے لئے ایک نور ٹھہرا دیا کہ اس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان چلے پھرے كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔ اس آدمی جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور ان سے باہر نکلنے والا نہیں؟ اور کفر و جمود کی ایک مثال یہ بھی ہے جیسے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۞ (النمل ۲۷: ۸۰)

بات بالکل صاف ہے کہ ایمان زندگی ہے اور کفر موت اور اوہام و ظنون و شکوک تاریکی' پھر کیا وہ آدمی جس کے سامنے روشنی ہو' اس جیسا ہو سکتا ہے جس کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہو۔

۴۔ وہ غم و اندوہ جو زندگی کو مکدر کر دیتا ہے جیسے وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۞ (ابراہیم ۱۴: ۱۷) "ہر طرف سے اس پر موت آئے گی مگر مرے گا نہیں۔"

۵۔ موت کو نیند یعنی نوم ثقیل بھاری نیند اور نیند کو موت خفیف کہا جاتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا "یعنی سب اچھی تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہم کو زندہ کیا اس کے بعد کہ ہم کو مار دیا تھا یعنی ہم کو جگایا اس کے بعد ہم کو گہری نیند سلا دیا تھا۔"

۶۔ اور روح کی جسم سے مفارقت پر بولا جانا تو عام ہے جس کو سب جانتے اور سب مانتے ہیں' جیسے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (۳۹: ۳۰)

زیر نظر آیت میں تیسرے معنی مراد ہیں جس سے عقل ان کی زائل ہوگئی اور بے ہوشی اور غشی طاری ہوگئی جس کا اصل سبب ان کی جہالت اور کم عقلی تھی۔ صاحب عقل اللہ کو دیکھ کر ہی ماننے کی ضد کب کرتا

Marfat.com

تَشْكُرُونَ ۞٥٦ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا

قدر شناس ثابت کرو۔ ۵۶

پھر وہ[115] وقت بھی یاد ہوگا کہ جب صحرا سینا کی بے آب و گیاہ سرزمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہونے ہی والے تھے کہ ہم نے تمہارے سروں پر ابر کا سایہ پھیلا دیا اور من[116] و سلویٰ کی غذا فراہم کر دی تم سے کہا گیا کہ اللہ نے تمہاری غذا کے لئے جو اچھی چیزیں مہیا کر دی ہیں انہیں بافراغت کھاؤ اور کسی طرح کی

ہے؟ وہ تو پہلے ہی مان چکا ہوتا ہے یعنی قدرت الٰہی کو دیکھ کر اللہ حقیقی کی پہچان کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرک صرف مشرک ہی نہیں ہوتا بلکہ بے وقوف بھی ہوتا ہے۔

بعثت' موت اور حیات کے الفاظ بار بار قرآن کریم میں آئے ہیں اس لئے جہاں یہ الفاظ آئیں گے سیاق کلام خود ان کا مفہوم متعین کرے گا۔ قارئین "عروۃ" کو ان معنوں کی وسعت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے۔

ریگستان میں بادلوں کے سایہ کا انعام یعنی تیسرا معجزہ

۱۱۵ بنی اسرائیل کو ایسے جنگل یا ریگستان میں رہنا پڑا' جہاں نہ تو پانی تھا اور نہ ہی کوئی درخت۔ ظاہر ہے گرمی کا موسم۔ گرمی کی شدت اور مکانات وہاں موجود نہ تھے ایک طرح کی بدویانہ زندگی اختیار کرنا پڑی۔ پس ان حالات کے اندر بادل کا آنا گویا عظیم الشان نعمائے الٰہی میں سے تھا۔ حالات کی ناسازگاری کے اوقات میں حالات کا سازگار ہو جانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور وقت کے نبی و رسول کی اطلاع کے بعد بروقت اس کام کا ہونا معجزہ کہلاتا ہے۔ بادلوں کا سایہ سائے کی ضرورت کے وقت احسان الٰہی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی پیشگی اطلاع کے سبب اس کو معجزہ کہنا بالکل صحیح اور درست ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں اس کو بادلوں کا سایہ کہا ہے اور یہود اسے تخت خداوندی سے یاد کرتے تھے۔

من و سلویٰ کا نزول الٰہی

۱۱۶ "من" کا لفظ بھاری نعمت کے دینے پر بھی بولا جاتا ہے "من" اس رزق کو بھی کہتے ہیں جو بلا مشقت جسمانی میسر آجائے اور "من" اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو شبنم کی طرح ایک درخت پر اترتی ہے اور اس

Marfat.com

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

تنگی محسوس نہ کرو لیکن اس موقعہ پر بھی تم بدعملی سے باز نہ آئے، غور کرو کہ تم نے ناشکری کر کے ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کر لیا۔[117] ۵۷

اور[118] پھر اس وقت کا ذکر کرو جب ایک شہر کی آبادی تمہارے سامنے تھی اور ہم

میں ایک قسم کی مٹھاس ہوتی ہے۔ بخاری میں ہے کہ الکماۃ من المن یعنی کھمبی بھی "من" میں سے ہے۔ سلویٰ وہ چیز جو انسان کو تسلی دے اس کے کھانے سے تسلی ہو جائے کہ غذا کھائی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ من و سلویٰ ایک ہی چیز کو کہا گیا ہے۔ بہرحال وہ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی تھا۔ بنی اسرائیل کو بغیر مشقت جسمانی میسر آیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی اطلاع دینے کے بعد ملا تھا۔ اس لئے اس کو بھی معجزانہ طور پر دیا جانا کہا جا سکتا ہے لیکن اس کی جو صورت بھی تھی وہ ایک جیسی تھی ایسا نہیں جیسا لوگوں کے ذہن میں ہے کہ رات کو بنی اسرائیل سوتے تو صبح تک ہر طرح کے کھانے پکا کر ان کے لئے اتار دیئے جاتے تھے۔ یہ صحیح بات کو غلط یا بات کو بتنگڑ بنانے کے مترادف ہے۔ بھوک کے وقت دو کھجوریں اور سخت پیاس کے وقت دو گھونٹ باسی پانی دستیاب ہو جائے تو وہ بھی بہت بڑی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔ جنگل و ریگستان کی زندگی میں ان ہزاروں انسانوں کو زندگی کی رمق باقی رکھنے کے لئے جو کچھ بھی میسر آیا وہ احسان الٰہی سے کم نہ تھا۔

اور نزول کے لفظ سے جو خواہ مخواہ اس کو "بابا ٹل پکی پکائی گھل" کے مترادف سمجھا گیا ہے یہ کم علمی اور کوتاہ اندیشی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن کریم کی زبان میں کسی چیز کو پیدا کرنے اور بنانے کو نازل کرنے سے ادا کیا جاتا ہے۔ جیسے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (الحدید ۵۷ : ۲۵) اور وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ یعنی ہر چیز کے خزانے تو ہمارے پاس ہیں اور ایک معین اندازہ کے مطابق وہ چیزیں ہم اس عالم میں پہنچاتے رہتے ہیں۔ جسطرح یہاں نازل کرنے سے کوئی مافوق الفطرۃ طریقہ مراد نہیں اسی طرح وہاں بھی کوئی خرق عادت یا مافوق الفطرۃ نازل کرنا مراد نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا نام من رکھا شاید اس لئے بھی کہ وہ بطور احسان ان کو دیا گیا تھا اور سلویٰ کہ اس کے کھانے سے بھوک اتر جاتی تھی اگرچہ ایک ہی طرح کے کھانے سے وہ دل تنگ ہو چکے تھے۔ ہاں! اتنا ظاہر ہے کہ وہ دال روٹی نہیں تھی کیونکہ دال روٹی ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے انسان کا دل تنگ نہیں پڑتا۔ اور اگر وہ حلال و طیب طریقہ سے میسر آئے اور محنت سے کمائی جائے تو دنیا کی کوئی غذا بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

Marfat.com

ناشکری سے نقصان کس کا ہوا؟

۱۱۷ قرآن کریم کی زبان میں جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طیب کھائیں اس میں سے جو ان کو دیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو دیا گیا وہ من و سلویٰ ہی تھا جو بغیر مشقت جسمانی ان کو مل رہا تھا۔ یاد رہے کہ ذخیرہ وہی چیزیں کی جا سکتی ہیں جو بعد میں پکا کر کھائی جا سکیں یا اتنی خشک ہوں کہ ان کو ذخیرہ کیا جا سکے۔ جو رزق بنی اسرائیل کو مل رہا تھا وہ ذخیرہ کرنے کی چیزیں نہیں تھیں۔ تورات کے بیان کے مطابق ان کو پہلے کہا بھی گیا تھا کہ ان چیزوں کو سٹور نہ کرنا لیکن عادت ثانیہ بھی نہ بدلنے والی شے ہے وہ اس معمولی حکم پر بھی عمل نہ کر سکے اور اس تازہ ملنے والی غذا کو ذخیرہ کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گل سڑ کر خراب ہونے لگی۔ اس لحاظ سے وہ طیب بھی نہ رہی اور ایسی غذا سے کئی بیماریاں بھی پھیلنے لگیں اس طرح انہوں نے اس معمولی حکم کی بھی پروا نہ کی تو اس کے نتیجہ میں نقصان بھی انہوں نے خود اپنا ہی کیا۔ بیماریوں میں مبتلا ہوئے تو وہ خود ہوئے۔ اور گلی سڑی غذائیں کھانا پڑیں تو وہ انہی لوگوں کو۔ اس سے ایک عام اصول اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو سمجھا دیا کہ اللہ کے احکام کا خلاف کر کے انسان خود اپنا ہی نقصان کرتا ہے اس سے اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا اور اسی طرح جو انسان فرمانبرداری کرتا ہے اس کا فائدہ بھی اپنا ہی ہوتا ہے اللہ کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نفع و نقصان سے پاک و مبرا ہے نہ اس کا کوئی نقصان کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اگر صرف اتنی بات سمجھ میں آجائے تو انسان آخر احکام الٰہی کے خلاف کرے گا کیوں؟ وہ جب کرے گا فرمانبرداری ہی کرے گا کل اگر بنی اسرائیل نے احکام الٰہی کی نافرمانی کی تو نقصان اپنا کیا اور آج اگر ہم احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو نقصان بھی ہمارا ہی ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ تو ہر طرح کے نقصان سے پاک ہے اور رہے گا۔

شہر میں داخلے کا حکم

۱۱۸ اب تک یہ لوگ جنگلوں کی زندگی بسر کرتے تھے' جہاں ایک طرف تو ضروریات حیات نہایت ہی قلیل اور مختصر تھیں۔ دوسری طرف فواحش و منہیات اور حرام کاری کے سامان بھی نایاب تھے۔ ایک مدت تک جنگل میں رہنے کے بعد ان کے دلوں میں خود بخود شہری زندگی کی آرزو پیدا ہوئی انہیں ایک شہر میں داخلہ کی اجازت تو دی گئی مگر خاص پابندی کے ساتھ' وہ پابندی یہ تھی کہ ان سے کہہ دیا گیا کہ وہاں نفسی خواہش اور بدکاری کے مواقع تم کو کثرت سے ملیں گے اس لئے ایسی برائیوں اور بدکاریوں سے بچتے رہنا اور قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا' عبادت میں مصروف رہ کر گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ سے دعا کرنا کہ وہی ہر قسم کی آلائشوں اور ناپاکیوں سے پناہ میں رکھنے والا ہے۔ اس کی رسی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ شہر میں داخل ہو کر کمال اطاعت و فرمانبرداری کا خیال دل میں اچھی طرح جما لو مگر یہ اتنی چھوٹ قوم تھی کہ شہر میں داخل ہوتے ہی ان سے ضبط نہ ہو سکا' اور بدکاری و بدکرداری شروع کر دی' شراب نوشی اور زناکاری کے مرتکب ہو گئے حالت ایسی بگڑی کہ

Marfat.com

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

نے حکم دیا تھا کہ اس آبادی میں داخل ہو جاؤ اور کھاؤ پیو اور آرام چین کی زندگی بسر کرو۔ لیکن جب شہر کے دروازے میں قدم رکھو تو تمہارے[۱۱۹] سر اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں اور تمہاری زبانوں پر توبہ کا کلمہ جاری ہو اور وہ کلمہ ہے حطتہ حطتہ۔ اے اللہ! گناہوں کی گندگی سے پاک کر دے اور تم نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ خطائیں معاف کر

انجام کار ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور ہزاروں تباہ و برباد ہوئے۔

یہ شہر کونسا شہر تھا؟ جس میں ان کو داخلہ کا حکم دیا گیا ہے کہ اس کا نام شہر سطیم یا شطیم تھا۔ چنانچہ تورات میں ہے کہ "سو بنی اسرائیل سطیم میں مقیم ہوئے اور ان لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے حرام کاری شروع کی۔ انہوں نے اپنے معبودوں کی قربانیوں پر لوگوں کی دعوت کی۔ سو لوگوں نے کھایا اور ان کے معبودوں کو سجدہ کیا اور اسرائیلی بعل عفور یا فغور سے ملے تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پر بھڑکا۔" (گنتی ۲۵: ۱، ۲، ۳)

یہ قہر الٰہی بصورت وبا تھا جیسا کہ آگے چل کر تورات میں اس کی وضاحت کی گئی۔ "تب بنی اسرائیل سے وباء جاتی رہی وہ جو اس وباء میں مرے وہ چوبیس ہزار تھے۔"

شہر میں فاتحانہ اور فرمانبردارانہ داخل ہونے کی تاکید

۱۱۹ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ شہر خوب وسیع، آباد اور پر رونق تھا۔ ایک حکم یہ ملا تھا کہ شہر کی فصیل کے دروازے کے راستے سے داخل ہونا ہے اور فاتحانہ انداز میں داخل ہونا ہے اور عاجزی و فروتنی کے ساتھ داخل ہونا ہے۔ اتراتے ہوئے اور طمطراق سے داخل نہیں ہونا۔ یہاں سجدہ سے یہی مراد ہے نہ کہ عرفی سجدہ۔ ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ حکم یہ ملا ہو کہ شہر میں داخل ہوتے ہی سجدہ شکر بجا لاؤ کیونکہ یہ بھی ایک الٰہی فرمانبرداری کا صحیح اور جائز طریقہ ہے چنانچہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپؐ سفر سے واپس تشریف لاتے تو شہر میں داخل ہونے سے قبل یا گھر میں داخل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیا کرتے اگر اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ معنی اقرب الی الفہم معلوم ہوتے ہیں لیکن جو معنی اوپر بیان کئے گئے ہیں وہ بھی بالکل صاف ہیں کہ وہ جنگل سے نکل کر شہر میں آ رہے ہیں جہاں خواہش نفسانی کے ازالہ کے اسباب کثرت سے ملتے ہیں۔ جنگل میں انہیں خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ لہٰذا انہیں حکم دیا گیا

Marfat.com

وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا

دے گا اور نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دے گا اور ان کے اجر میں فراوانی ہوتی رہے گی۔ ۵۸

لیکن[۱۲۰] تم کو معلوم ہے کہ ان لوگوں نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی تھی اللہ کی

کہ شہر سے باہر داخل ہونے سے پہلے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرلینا اور شہر میں داخل ہوتے وقت بھی تمہارے دل حکم الٰہی کی طرف جھکے رہیں اور خلاف ورزی کا خیال بھی نہ آنے پائے ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔

دوسرا حکم انہیں استغفار کرنے کا تھا کہ زبان سے حطة کہتے ہوئے داخل ہونا یہ ایک دعائیہ لفظ ہے۔ کہ اے اللہ! ہم سے کوئی لغزش نہ ہو اور اگر ہو تو معاف فرما دے گویا یہ ایک طرح سے انسانی کمزوری کا اعتراف ہے کہ انسان اگر گناہ سے بالکل بچ جائے تو بھی یہ نہ سمجھے کہ اس میں میرا کوئی کمال ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تسلیم کرے، جس طرح ہم مسلمانوں کو نماز جیسی اہم عبادت سے فارغ ہو کر بلند آواز سے تکبیر کہنے اور اس کے بعد کم از کم تین بار استغفراللہ کا کلمہ ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اے اللہ! تو بہت بڑا ہے اور میں بالکل چھوٹا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جس طرح نماز ادا کرنا چاہئے تھی نہیں کر سکا۔ جو مجھ سے ہو سکا منظور فرما اور جو کوتاہی ہوئی معاف فرما دے۔

لاتوں کے بھوت باتوں سے کب مانتے ہیں؟

۱۲۰ جاہل اور اجڈ قوم کی یہی نشانی ہے کہ وہ کسی پابندی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ وہ بے لگام گھوڑے کی طرح چھوٹ ہوتی ہے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ جو جی میں آیا کر لیا۔ بالکل یہی حال بنی اسرائیل کا تھا۔ انہوں نے دونوں احکام کی کوئی پروا نہ کی۔ زنا کے مرتکب ہوئے۔ گناہوں میں مبتلا ہوئے۔ شرک جیسی نپاکی و رجس سے وہ اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ جو ماں کا نہ ہو وہ ماسی کا کیسے ہوگا؟ کی مثل کے مطابق شریعت کے احکام و اوامر کی عزت ان کے دلوں میں کیونکر آسکتی تھی؟ بلکہ وہ تو ان کو تمسخر اور استہزاء کی نظر سے دیکھتے اور ان پر طرح طرح سے نکتہ چینی کرتے انہوں نے سجدۂ شکر ادا کرنے کی بجائے شہنائیوں اور باجے ڈھولک سے کام لیا۔ شہر میں داخل ہو کر خوب عیش و عشرت کا جشن منایا۔ ناچنے اور کودنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور زبان سے حطة کی بجائے حنطة یا حبة فی شعرة کے الفاظ کہے یعنی گندم گندم کی نعرہ بازی کی اور بالیوں کے دانوں کا راگ گایا۔ اور اس عارضی زندگی کی خوشحالی کو دیکھ کر آخرت کو بالکل بھول ہی گئے۔

یہ ان کے تمسخر کی انتہا تھی کہ شرعی احکام کی ذرہ برابر بھی عزت ان کے دلوں میں نہ تھی۔ جب انہوں نے شریعت کے ساتھ استہزاء کیا اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوگئے تو اللہ کے غضب نے انہیں آلیا اور

Marfat.com

غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝۵۹ وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ

اس بتلائی ہوئی بات ایک دوسری ہی بات سے بدل دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمان سے عذاب نازل کیا اور دراصل یہ ان کی نافرمانی کی سزا تھی۔ ۵۹

اور ۱۲۱ پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب

اس دنیا میں انہیں دکھا دیا گیا کہ نافرمانی کی سزا اسی طرح دی جاتی ہے۔ اور نافرمانوں کا انجام اسی طرح ہوتا ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

رجز کے معنی عذاب کے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے انه رجز عذب به بعض الامم یعنی رجز وہ ہے جس کے ساتھ بعض قوموں کو عذاب دیا گیا۔ جب انسان ناپاکی اور رجس یعنی کفر و شرک کی راہیں اختیار کرتا ہے تو اس کے موافق اس کو سزا بھی ملتی ہے اور جب حد سے زیادہ ناپاکی بڑھ جاتی ہے تو اس کی سزا اسی دنیا یعنی دارالعمل میں بھی آجاتی ہے۔ "من السماء" فرما کر اشارہ دے دیا کہ وہ عذاب دراصل عذاب الٰہی تھا۔ یعنی وہ آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ جو ان کے گناہوں کی پاداش کے طور پر دیا گیا۔ یہ عذاب تھا کس صورت میں؟ روایات میں طاعون کا ذکر بار بار آیا ہے جو وبائی امراض میں سے ایک نہایت ہی مہلک مرض ہے۔

پانی کا فقدان اور موسیٰ علیہ السلام کی پانی کے لئے التجا

۱۲۱ شہر میں وباء پڑی اور ہزاروں مر گئے تو تنگ آکر پھر انہوں نے جنگل کی راہ لی۔ فلسطین سے دور اور مصر سے الگ دونوں کے درمیان معلق جزیرہ نمائے سینا کے لق و دق بیابان و ریگستان میں اپنے خیمہ اور خرگاہ کے ساتھ کوچ در کوچ ایک مقام سے دوسرے مقام' اور ایک منزل سے دوسری منزل کو منتقل ہو رہے ہیں۔ قدیم گلہ بان قوموں میں یہ دستور عام تھا اور آج بھی بہت سی خانہ بدوش قوموں میں عام ہے۔ ہمارے ہاں کی اوڈ قوم آج بھی انہی کے نقش قدم پر گامزن ہے۔ خشک ملک اور پھر مقامی جغرافیہ سے ناواقفیت' چلتے چلتے یہ لوگ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نایاب تھا اور ساتھ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ صورت حال کا ذرا تصور کیجئے پیاس سے بے حال اور بے دم تو ہو ہی رہے تھے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور لگے اپنی جھنجلاہٹ اور غصہ اپنے

Marfat.com

لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ

کیا تھا اور ہم نے حکم دیا تھا کہ اپنی لاٹھی[۱۲۲] سے فلاں فلاں چٹان پر ضرب لگاؤ تو یقیناً پانی

رہبر اور سردار سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اتارنے' چنانچہ تورات میں ہے کہ "تب سارے بنی اسرائیل کی جماعت نے اپنے سفروں..... میں خداوند کے فرمان کے مطابق سین کے بیابان سے کوچ کیا اور رفیدیم میں ڈیرا کیا۔ وہاں لوگوں کے پینے کا پانی نہ تھا سو لوگ موسیٰ سے جھگڑنے لگے اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں..... موسیٰ نے خداوند سے فریاد کی اور کہا کہ میں ان لوگوں کا کیا کروں؟ وہ تو مجھے ابھی سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔" (خروج ۱۷: ۱تا۴) اور قدیم ترین یہودی مورخ جوزیفس کی تاریخ آثار یہود میں ہے:

"وہ مقام رفیدیم میں پہنچے جہاں پیاس کی شدت سے بے تاب ہو رہے تھے....... یہاں کی سرزمین میں ایک قطرہ تک پانی کا نہ پایا اس پر لوگ غصہ میں آئے اور موسیٰ علیہ السلام پر ٹوٹ پڑے...... لیکن وہ خدا کے آگے دعا میں زاری کے ساتھ مشغول ہوگئے۔" (باب ۳۔ فصل ۲)

پیغمبر کوئی غیب دان تو نہیں ہوتے۔ جب تلاش کے بعد مایوسی ہو چکی تو بجز دعا اور مناجات کے اور کیا کرتے؟ تورات میں ہے کہ "اس کے بعد بنی اسرائیل کی ساری جماعت پہلے دشت سین کو آئی اور قادس میں رہنے لگی" یعنی اس بیان میں رفیدیم کی بجائے قادس کا ذکر ہے بہرحال وہ مقام قادس ہو یا رفیدیم' اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا فی نفسہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کی مسلمات میں سے ہے۔ استسقی کے معنی ہیں کہ پانی طلب کیا۔ پانی کی تلاش کی اور یہاں مراد ہے کہ پانی کی دعا کی۔

قانون الٰہی ہے کہ جوئندہ یابندہ

۱۲۲ موسیٰ علیہ السلام دست بدعا ہوئے تو ارشاد الٰہی ہوا کہ اپنے سارے لشکر کو ساتھ لے کر اس پہاڑ کے اوپر چلو وہاں تمہارے لئے ایک نہیں برابر برابر بارہ چشمے جاری کئے گئے ہیں وہاں اپنے لوگوں کو ٹھہراؤ اور بارہ قبیلوں کے لئے الگ الگ گھاٹ مقرر کر دو۔ اور وہاں آرام کی زندگی گزارو۔ اس جگہ کا نام جہاں یہ چشمے پائے گئے ایلیم بتایا جاتا ہے۔ وہ آج تک عیون موسیٰ کے نام سے مشہور و معروف ہے اگرچہ اس وقت وہاں چشمے موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے جو الفاظ بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ

اِضۡرِبۡ بِعَصَاكَ الۡحَجَرَ۔ اپنی لاٹھی کے ساتھ اس پتھر پر چل۔ یا اپنی لاٹھی سے فلاں فلاں پتھر پر مار اپنی جماعت کو ساتھ لے کر فلاں پتھر کی طرف یا فلاں پتھر پر چل۔ تینوں معنی صحیح ہیں اور تینوں ہی سے ایک مفہوم بیان ہوتا ہے جو بیان کرنا مطلوب ہے۔ ضرب یعنی مارنا۔ چلنا۔ بیان کرنا قرآن کریم میں آیا ہے۔ ضرب الارض کے معنی ہیں اس نے زمین میں سفر کیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

Marfat.com

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

موجود پاؤ گے۔ چنانچہ اسی طرح بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام قبیلوں[۱۲۳] کے لوگوں نے اپنے

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ۔ (المزمل ۷۳ : ۲۰)

اِذَا اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ

عصا کے معنی لاٹھی تو بیان ہوتے ہیں لیکن اصلی معنی اس کے اجتماع یعنی اکٹھا ہونا ہیں بلکہ عصا کو اسی لئے عصا کہتے ہیں کہ اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ کی انگلیوں کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے۔ (اصمعی) اس لئے عصا کے معنی جماعت کے عام ہیں۔ خوارج کے متعلق کہا گیا ہے۔ **شقوا عصا المسلمین** یعنی انہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں اختلاف ڈال دیا۔ اسی طرح آیا ہے کہ **ایاک و قتیل العصا** یعنی جماعت اسلام میں تفرقہ ڈالنے والوں سے بچو۔

اگر یہ معنی ہوں کہ "اپنی لاٹھی سے پتھر پر مار" تو مفہوم ہوگا کہ ان لوگوں کو اپنی لاٹھی سے نشان لگا دے یہاں سے ذرا یہ پتھروں کو ادھر ادھر کریں گے تو چشمہ جاری ہو جائے گا اور وحی الٰہی کی روشنی میں انہوں نے نشان زدہ جگہوں کو کچھ ہی کھودا تھا کہ پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔

اگر یہ معنی ہوں کہ "اپنی جماعت یعنی بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر فلاں پتھر تک چل وہاں چشمے جاری ہیں" تو جب وہاں گئے تو چشموں کو جاری پایا۔ بہرحال جو کچھ ہوا وہ وحی الٰہی کی اطلاع کے مطابق ہوا اور یہ بات نہ تو مافوق الفطرت تھی اور نہ ہی کوئی خرق عادت تھا۔

مختصر یہ کہ مفسرین کا یہ بیان کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر ساتھ لئے پھرتے تھے جو تین گز مربع کا تھا جہاں اسے جنگل میں رکھتے اور اس پر سوٹا مارتے وہیں اس سے بارہ چشمے بہہ نکلتے جن سے چھ لاکھ آدمی اور ان کے مال مویشی سیراب ہو جاتے اس قصہ کا کوئی نشان قرآن کریم میں نہیں ہے۔ اور نہ ہی سمجھنا چاہئے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا ہو کہ تم اپنے لوگوں کو ساتھ فلاں چٹان پر چلے جاؤ وہاں بارہ چشمے موجود ہیں یعنی نکل آئے ہیں۔ اس طرح بیان کرنے سے کوئی معجزہ کا انکار ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ایسے جنگل میں جہاں پانی نہ ملتا ہو اور لوگ پیاسے مر رہے ہوں موسیٰ علیہ السلام کو چشموں کی اطلاع دے دینا بذات خود اتنا بڑا عظیم الشان معجزہ ہے اور آئندہ آنے والی آیت سے اس کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کھانے کے لئے مختلف اشیاء طلب کرتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ جاؤ فلاں جگہ چلے جاؤ جو تم نے مانگا ہے وہاں مل جائے گا۔ بلاشبہ ایک واقعہ کو بیان کرنا اور اس کے معجزانہ رنگ کو معجزانہ رنگ ہی میں بیان کرنا صحیح ہے لیکن معجزہ بنا کر پیش کرنا اور پھر جو کچھ بنایا ہے اس کو دوسروں سے تسلیم کرانا اور اگر کوئی اس

Marfat.com

كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۞ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى

اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی اور تم سے کہا گیا کہ کھاؤ، پیو[۱۲۴]۔ اللہ کی بخشائش سے فائدہ اٹھاؤ اور اس سرزمین میں جھگڑا فساد مت کرو۔ ۶۰

پھر[۱۲۵] دیکھو تمہاری وہ بداعتدالی کہ تم نے موسیٰؑ سے کہہ دیا کہ ہم سے یہ نہیں ہو

بنائے ہوئے معجزہ کو اس طرح نہ مانے تو اس پر الزام لگانا کہ یہ معجزہ کا منکر ہے۔ کسی شعبدہ باز ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ کلام الٰہی اس کا متحمل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ اپنے بیان کئے ہوئے قانون کو بدلتا ہے اور نہ ہی کسی کو بدلنے دیتا ہے اور یہی اس کی قدرت کا سب سے بڑا اظہار ہے۔

ہر قبیلے کا الگ الگ گھاٹ مقرر کرنا

۱۲۳ یعنی اس ذخیرہ یا خزانہ پانی سے الگ الگ بارہ سوتے فاصلہ فاصلہ پر پھوٹ نکلے تھے یعنی بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی تعداد کے عین مطابق۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ان کے جھگڑنے کی صورت کے امکان کو جہاں تک ممکن تھا ختم کیا گیا لیکن یہ ایسے لوگ تھے کہ پھر بھی آپس میں لڑائی جھگڑے کی کوئی صورت نکال ہی لیتے تھے جو ان کی جہالت کی کھلی دلیل ہے۔

ہمارے علاقہ کے لوگوں کو ایسے نشانات دیکھنے کے لئے علاقہ مری کی پہاڑیوں کی سیر کرنا چاہئے ان کو جگہ جگہ قدرت الٰہی کے ایسے نشانات ملیں گے کہ کتنی بلندی پر، کتنے کتنے فاصلہ پر، کہاں کہاں سے گزر کر ٹھنڈے پانی کے چشمے اور کہیں گرم پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں ایک سیر و سیاحت کرنے والا قافلہ اس حکمت الٰہی کو آج بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ الگ الگ اور فاصلہ فاصلہ پر ان سوتوں کے ہونے کے کیا فوائد ہیں؟

"اناس" الناس ہی کی دوسری صورت ہے جو قبیلہ اور طائفہ کے معنی دیتی ہے۔ یہاں یہی معنی لئے گئے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بارہ قبیلے علیحدہ علیحدہ چشموں یا سوتوں پر خیمہ زن ہوئے تھے اور قرآنی نظم عبارت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بارہ گھاٹ تین مربع گز کے ایک ہی پتھر سے نکلنے کی بات فرضی ہے۔ حقیقت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

فساد سے باز رہنے کا دوبارہ حکم

۱۲۴ عثی کے معنی خود ہی فساد میں حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ عیث و عثی کے معنی ایک ہی

Marfat.com

طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

سکتا کہ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر قناعت کرلیں پس تم اے موسیٰ! اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ہمارے لئے وہ سب چیزیں [۱۲۶] پیدا فرمادے جو زمین کی پیداوار کہلاتی ہیں یعنی

ہیں البتہ ایک باریک فرق دونوں میں موجود ہے کہ عیث کا تعلق فساد حسی سے ہے اور عثی کا فساد معنوی ہے۔ مفسدین گویا اس فساد کی مزید تشریح ہے۔ ایسا مت کرو کہ تم زمین میں فسادہی فساد ہو جاؤ جس کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ تم فساد کی جڑ نہ ثابت ہو جو فساد پھوٹے یا جنم لے تم اس میں پیش پیش یعنی سرفہرست ہو۔ جب کوئی قوم من حیث القوم قانون الٰہی کو چھوڑ کر اپنے ہوائے نفس کے مطابق کوئی روش اختیار کرلیتی ہے تو اس کا نتیجہ دنیا میں لازمی طور پر فتنہ و فساد' حرب و ضرب اور کثرت جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور امن انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں طرح پر اٹھ جاتا ہے۔ فضل و انعام سے سیراب کر کے بنی اسرائیل کو ہدایت یہ ہوئی کہ جو فارغ البالی نصیب ہوئی ہے اس کو غنیمت سمجھو' قانون الٰہی کی پابندی کرو' لیکن ان باتوں میں سے وہ کونسی بات تھی جس پر بنی اسرائیل نے کان دھرا؟ اچھا! اگر انہوں نے اس ساری سنی کو ان سنی کر دیا تو نقصان کس کا ہوا؟ اور آج وہ اس روش سے واپس آ رہے ہیں تو قوم مسلم نے وہی راہ اختیار کرلی ہے کیا جو ان کے حق میں نتیجہ نکلا تھا وہ ہمارے حق میں نہیں نکلا؟ وہ کونسا مسلم ملک ہے جو فساد کا گہوارہ نہیں بن گیا؟

یاد رفتہ

۱۲۵ آزادی کے بعد بنی اسرائیل ایک بار شہر کی زندگی دیکھ چکے تھے۔ تمدن و عیش پرستی اور آرام و آسائش کے جس قدر سامان شہر میں میسر آسکتے تھے وہ ریگستان اور جنگل میں کہاں؟ ان کا ملنا تو فی الواقع ناممکنات میں سے تھا۔ اس سادگی میں وہ لوازمات کیسے پورے ہو سکتے تھے اب وہ اس سادہ زندگی پر قناعت نہیں کر سکتے اور آخر کار ان سے نہ رہا گیا وہ گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی لیکن وہ جو کام کرتے تھے بے سوچے سمجھے' اور ان کا جو مطالبہ ہوتا وہ بے وقت ہی ہوتا۔

ان کو ریگستان میں کیوں رکھا گیا؟ وہ جنگلات میں دھکے کیوں کھاتے رہے؟ دراصل ان کو ارض مقدس پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ اس کے لئے ضرورت تھی سپاہیانہ زندگی کی۔ اب جو انہوں نے اپنے مطالبات پیش کئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ ابھی تمہارے لئے بہتر یہی ہے۔ جن چیزوں کی تمہیں تلاش ہے ان سے تمہاری بدویانہ زندگی کو نقصان پہنچے گا مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو ان سے کہہ دیا گیا کہ جن چیزوں کا تم مطالبہ کرتے ہو وہ کسی شہری آبادی ہی میں رہ کر میسر آسکتی ہیں وہاں رہ کر کاشتکاری کرو کیوں کہ ان سب چیزوں کا اسی شعبہ سے تعلق ہے۔

Marfat.com

الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ

ترکاری، گیہوں، دال، پیاز وغیرہ جو مصر میں ہم کھایا کرتے تھے۔ موسیٰؑ نے یہ سن کر کہا افسوس تم پر کیا تم ایک ادنیٰ سی بات کی طلب کرتے ہو اعلیٰ کے بدلے جس میں بڑی ہی خیر و برکت ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو یہاں سے نکلو کسی شہر کی راہ لو وہاں تم کو یہ تمام

ان کی اصل طلب کیا تھی؟

۱۲۶ ان کی اصل طلب زمین کی پیداوار تھی جو کبھی مصر کی شہری زندگی میں کھایا کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا مطلوب یہ بھی تھا کہ ان کو کسی طرح کی محنت و مشقت نہ کرنی پڑے وہ چاہتے تھے کہ خالی دعاؤں سے کام چلے۔ موسیٰؑ دعا کریں تو ہر قسم کے غلہ جات آموجود ہوں، موسیٰؑ دعا کریں تو ہر قسم کی ترکاریاں کچی کھانے والی اور پکا کر کھانے والی ہمارے سامنے رکھی ہوں۔ موسیٰؑ دعا کریں تو ہر طرح کا ساگ پات اور سلاد قسم کی چیزیں اور چٹنیاں ہمارے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر موسیٰؑ دعا کریں ہر قسم کے مصالحہ جات اور دالیں اور طرح طرح کے پھل فروٹ ہمارے دستر خوان پر چن دیئے جائیں یعنی ہر ناممکن وہ ممکن دیکھنا چاہتے تھے۔ تساہل کی ماری اور کم ہمت قومیں اسی طرح شیخ چلی کے تصورات میں گم رہتی ہیں۔ دراصل وہ کچھ کر کے دکھانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی تو صرف یہ تھی کہ ہمیں سب کچھ کیا کرایا مل جائے۔ حالانکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے۔ وہ ایک ہی طرح کے کھانے سے اکتا گئے تھے جو ان کو بغیر محنت و مشقت مل رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ کھانے بھی ہماری مرضی کے ہوں اور محنت و مشقت بھی اس سلسلہ میں کچھ نہ کرنی پڑے۔

موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تمہاری فرمائش بے جا ہے، نامعقول ہے۔ جب دیکھا کہ اصرار سے باز نہیں آتے تو پھر یہ کہا کہ اچھا اگر یہ منظور ہے تو شہری تمدن اختیار کر لو۔ ساری گفتگو سمجھنے کے لئے قوم اسرائیل کے اس وقت کے طرز معاشرت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ صورت حال یہ ہے کہ مصر جیسے متمدن و مہذب ملک سے لاکھوں کی تعداد میں یہ لوگ نکل تو آئے ہیں لیکن ابھی دوسرے مہذب و متمدن ملک اور اپنے قدیم وطن یعنی فلسطین تک پہنچ نہیں پائے بلکہ دونوں کے درمیان جزیرہ نمائے سینا کے بیاباں میں

Marfat.com

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

چیزیں مل جائیں گی جن کے لئے تم ترس رہے ہو۔ پھر ان پر خواری[۱۲۷] و نامرادی کی مار پڑی اور وہ اللہ کے غضب کے سزاوار ہوئے اور یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ وہ اللہ کی

معلق ہیں یہ علاقہ اس وقت تک غیر متمدن تھا۔ باغ، عمارتیں، کھیت دور دور تک موجود نہیں تھے اس لئے ان کی دلی تمنا شہری آبادی کی تھی ان کو کہا جا رہا ہے کہ مصر میں اترو۔ مصر سے مراد، شہر مصر نہیں بلکہ کوئی آباد جگہ ہے یعنی اس بیابان کے خاتمہ کے بعد جہاں آبادی موجود ہے۔ پھر شہری زندگی کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ان میں کاہلی اور سستی پیدا ہوتی چنانچہ ان کے قوائے عملیہ آہستہ آہستہ بیکار ہوتے گئے اور آخر نتیجہ اس کاہلی اور سستی کا وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

وہ ذلت و مسکنت کے مستحق ہو گئے

۱۲۷ اس آیت میں قوم اسرائیل کی چند باتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسری کے لئے علت اور سبب بن رہی ہے۔ سب سے پہلے فرمایا کہ ان پر ذلت و مسکنت طاری کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آ گئے یہ مصائب اس لئے نازل ہوئے کہ کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء کے مرتکب ہوئے تھے اور ان سب امراض کے اسباب یہ تھے کہ ان کے اندر عصیان و عدوان کی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

ان کی ذلت و مسکنت کی تفسیر خود قرآن کریم نے دوسری جگہ کر دی ہے۔ فرمایا

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (آل عمران ۳ : ۱۱۲) ”یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے، یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے۔“

یہاں ذلت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتے کہ وہ دوسروں کے محکوم رہیں گے اور کبھی ان کو براہ راست حکومت نہ ملے گی، ہاں کہیں کچھ ملے گا بھی تو وہ دوسروں کے سہارے پر اور ان کی یہ حالت کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ انہوں نے اپنی حالت کے بدلنے کی کبھی کوشش ہی نہ کی۔ بات واضح ہو گئی کہ ذلت سے مراد غلامی و محکومی، وہ حسی ہو یا معنوی۔ لیکن کاش کہ آج ان کی اس حالت کو بیان کرنے والے خود اس حالت میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

مسکنت دراصل ذلت کا آخری رزلٹ ہے یعنی وہ کتنے ہی دولت مند کیوں نہ ہوں۔ فقر و تنگدستی کا

Marfat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

آیتوں سے انکار کرتے تھے[۱۲۸] اور انبیاء کے ناحق[۱۲۹] قتل میں بیباک ہو چکے تھے' سرکشی ان

اظہار کریں گے یعنی وہ صاحب ثروت ہو کر بھی فقرو فاقہ ہی کی سی حالت بنائے رکھیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مال کے غنی ہوں گے بھی تو دل کے غنی کبھی نہیں ہو سکتے۔ ملائیت ان کی گھٹی میں پڑ چکی ہے۔ اس لئے کہ لاکھوں پتی ہونے کے باوجود مانگنے ہی کی سی صورت بنائے رکھنا ملائیت ہے۔ وہ لاکھوں پتی ہو گا لیکن ہر کسی سے مانگے گا' ہر چیز مانگے گا اور ہر وقت مانگے گا کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم مانگنے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا

۱۲۸ یہاں ذکر کسی خاص موقع کا نہیں بلکہ بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ وہ انکار کرنے کے عادی ہو چکے تھے انکار حسی ہو یا انکار معنوی۔ انکار قولی ہو یا عملی۔ یعنی انکار کو تو انہوں نے اپنا شیوہ ہی بنا لیا تھا گویا یہ ان کی قومی خصلت کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔ ان کو جب موقع ملا احکام الٰہی کی نافرمانی کی' اس کی آیات کا انکار ہی کیا اور اس کے ارشادات کا تمسخر ہی اڑایا اور استہزاء ہی کیا۔ پھر اس انکار کا جو نتیجہ مرتب ہونا تھا وہ ہمیشہ ہو کر رہا۔ ان کے تمسخر اور استہزاء کا وبال خود انہی پر پڑا۔ کہ پوری قوم کی قوم دن بدن انحطاط پذیر ہوتی گئی۔ یہاں ایک بات دیکھنے کی ہے کہ کیا اس وقت قوم مسلم اسی بیماری میں تو مبتلا نہیں ہو رہی؟

انبیاء کو قتل کرنا ان کا شیوہ ہو گیا

۱۲۹ قوم یہود کی ایک یہ گمراہی بھی تھی کہ وہ انبیاءؑ کو قتل کر دیتے تھے اس جرم کے وہ مرتکب کیوں ہوتے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نبی کی بعثت کس لئے ہوتی تھی چنانچہ قرآن کریم نے کہا:

"ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر نور یعنی روشنی میں لے آؤ۔" (ابراہیم ۱۴: ۵)

سورۃ الاعراف میں مختلف پیغمبروں کا ذکر کیا اور ان کی دعوت کا مقصد اصلی یہ بیان کیا کہ: يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف ۷: ۶۵) "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کے سوا تمام معبودان باطل کی غلامی سے انکار کرو۔"

ان سب تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر نبی کی زندگی کا مقصد وحید اپنی امت کی اصلاح و تجدید ہوتی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ایک تحریک لے کر آتا تھا۔ اسی کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی تمام سعی و کوشش وقف کر دیتا تھا۔ اسے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ مخالفین اگر اس کی زندگی کے درپے ہوتے تو اس لئے نہیں

Marfat.com

کہ انہیں اس کے خون اور گوشت کے ساتھ دشمنی ہوتی تھی بلکہ اس لئے کہ اس کے وجود سے وہ تحریک خاتم ہے اگر اس کو جان سے مار ڈالیں گے تو ضرور وہ تحریک بھی فنا ہو جائے گی۔ یہودیوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تو صرف اس لئے کہ وہ ان کو ان کی غلط کاریوں پر متنبہ کرتے تھے اور ان کی اصلاح کے آرزو مند تھے یہ لوگ اس غلط گمان میں مبتلا تھے کہ اگر ہم نے ان کو مار ڈالا تو یہ سلسلہ اصلاح و تجدید بھی ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا۔

پس اب یہ حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہ رہی کہ نبی کا جان سے مار ڈالنا اور اس کی تحریک کو فنا کر دینا دونوں ایک ہی ہیں۔ اگر ایک شخص نبی کا نام تو عزت و تکریم سے لیتا ہے مگر اس کے طریق عمل کو مٹا رہا ہے تو یہ بھی دراصل قتل نبی ہی کا مرتکب ہو رہا ہے اور حدیث کی یہ وعید اس کے لیے تازیانہ عبرت کا کام دیتی ہے۔ امام احمد اپنی مسند میں عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ۔

اشد الناس عذابا رجل قتله نبی او قتل نبیا او امام ضلالة کہ اللہ کے شدید عذاب کا مستحق وہ شخص ہے جس کو نبی نے قتل کیا یا اس نے نبی کو قتل کیا یا جاہل اور گمراہ امام

پھر ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ نبی کی سنت کا زندہ کرنا خود اس رسول کا زندہ کرنا ہے۔ فرمایا:

من احیا سنتی فقدا حیانی ومن احیانی کان معی فی الجنة جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

یا بنی و ذلک من سنتی ومن احب سنتی فقدا حبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة۔ اے بیٹے! یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت سے محبت رکھی وہ مجھے محبوب رکھتا ہے اور مجھ سے دوستی رکھنے والا میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

بیہقی نے کتاب الزہد میں روایت کیا ہے کہ

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد۔ جب امت میں فتنہ و فساد ہو اور ایک مسلمان میری سنت سے تمسک کرے یعنی مضبوطی کے ساتھ پکڑے تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

یہ تمام روایات پکار پکار کر اعلان کرتی ہیں کہ نبی کی سنت کو زندہ کرنا خود اس نبی کو زندہ کرنے کے برابر ہے۔

بات ہو رہی تھی بنی اسرائیل کے قتل انبیاء کی اس لئے ان روایات کا ذکر بھی کیا کہ نبی کے قتل کرنے کا مطلب اس کی دعوت کو جھٹلانا بھی ہے لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ بنی اسرائیل انبیاء کو فی الواقع قتل کر دینے کے بھی مرتکب ہوئے جیسے یسیعا نبی کا قتل۔ یرمیاہ نبی کا قتل۔ زکریا نبی کا قتل، یحییٰؑ نبی کا قتل اور عیسیٰ علیہ السلام کا اقدام قتل۔

Marfat.com

بنی اسرائیل کا اعتراف جرم

بنی اسرائیل نے اپنے اس جرم یعنی قتل انبیاء کو اپنی تاریخ میں خود بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے یہاں چند ارشادات کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل کی سلطنت تقسیم ہو کر دو ریاستوں یعنی یروشلم کی دولت یہودیہ اور سامریہ کی دولت اسرائیل میں بٹ گئی تو ان میں باہم لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہودیہ کی ریاست نے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف دمشق کی آرامی سلطنت سے مدد مانگی اس پر خدا کے حکم سے حنانی نبی نے یہودیہ کے فرمانروا آسا کو سخت تنبیہہ کی مگر آسا نے اس تنبیہہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور خدا کے پیغمبر کو جیل بھیج دیا۔ (۲ تاریخ باب ۱۷ آیت ۷ تا ۱۰)

۲۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے جب بعل کی پرستش پر یہودیوں کو ملامت کی اور توحید کی دعوت کا از سر نو صور پھونکا تو سامریہ کے بادشاہ اخی اب نے اپنی مشرک بیوی کی خاطر ہاتھ دھو کر ان کی جان کے پیچھے پڑ گیا۔ اس موقع پر حضرت الیاس نے جو دعا مانگی ہے اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

"بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا۔ تیرے نبیوں کو تلوار سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں، سو اب وہ میری جان لینے کے درپے ہیں۔" (سلاطین ۱۔ باب ۱۹، آیت ۱ تا ۱۰)

۳۔ "ایک نبی حضرت میکایاہ کو اس اخی اب نے حق گوئی کے جرم میں جیل بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس شخص کو مصیبت کی روٹی کھلانا اور مصیبت کا پانی پلانا۔" (۱۔ سلاطین باب ۲۲۔ آیت ۲۶، ۲۷)

۴۔ جب یہودیہ کی ریاست میں اعلانیہ بت پرستی اور بدکاری ہونے لگی اور زکریا نبی نے اس کے خلاف آواز بلند کی تو شاہ یہوداہ یو آس کے حکم سے انہیں عین ہیکل سلیمانی میں "مقدس" اور "قربان گاہ" کے درمیان سنگسار کر دیا گیا۔ (۲ تواریخ، باب ۲۴، آیت ۲۱)

۵۔ ایک نبی حضرت عاموس نے سامریہ کی اسرائیلی ریاست کو اس کی گمراہیوں اور بدکاریوں پر ٹوکا اور ان حرکات کے برے انجام سے خبردار کیا تو ان کو ملک بدر کر دیا گیا۔ (عاموس، باب ۷، آیت ۱۰ تا ۱۳)

۶۔ حضرت یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام نے جب ان کی بداخلاقیوں کے خلاف آواز اٹھائی تو ہیرو دیس کے دربار میں اس صالح ترین انسان کا سر قلم کرایا گیا۔ (مرقس، باب ۶، آیت ۱۷ تا ۲۹)

۷۔ یرمیاہ نبی اپنی قوم کے زوال پر ماتم کرنے کے لئے اٹھے اور کوچہ کوچہ انہوں نے پکارنا شروع کیا تو ان پر پھٹکار کی بارش برسائی گئی، پیٹے گئے، قید کئے گئے۔ اور رسی سے باندھ کر ایک کیچڑ کے حوض میں لٹکا دیئے گئے اور وہ بھوک اور پیاس سے وہیں سوکھ کر مر گئے ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ قوم کے غدار ہیں اور بیرونی دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ (یرمیاہ باب ۱۵۔ آیت ۱۰)

Marfat.com

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱

میں گھر کر گئی تھی اور وہ تمام حدیں توڑ کر بے لگام ہو گئے تھے ۱۳۰۔ ۶۱

حقیقت کو کھو دینا بھی عصیان و عدوان کہلاتا ہے

۱۳۰ یہود کے عصیان وعدوان کا ذکر کر کے سمجھایا جا رہا ہے کہ عصیان و عدوان ہے کیا؟ فرمایا اس کے عام معنی تو نافرمانی کے ہیں مگر اس کا مطلب اصلی یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ مذہب کے جس قدر احکام ہیں ان کی ایک صورت تو ظاہری ہوتی ہے جس کی پابندی ہر شخص کو کرنا ہی پڑتی ہے مگر ایک روح اور حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس صورت کی پابندی سے پیدا کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہر مسلمان صاحب استطاعت عیدالاضحیٰ کے ایام میں قربانی کیا کرے پھر سورۂ حج میں اس کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج ۲۲ : ۳۷) گوشت اور خون میں سے اللہ کے پاس کوئی چیز نہیں جاتی بلکہ اس کا مقصد اصلی تو جذبہ و ایثار کا پیدا کرنا ہے اور بس۔

حج سے فراغت کے بعد فرمایا کہ یہاں پر آکر لوگ دو قسم کے ہو جاتے ہیں ایک وہ جنہیں صرف دنیا اور اس کی جاہ و منزلت مطلوب تھی اور یہ لوگ ملک و ملت کے لئے بیکار ہوتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جن کی نظر دنیا اور آخرت دونوں پر ہوتی ہے اصل میں کام کرنے والے یہی لوگ ہیں۔ فرمایا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرہ ۲ : ۲۰۱-۲۰۰)

اسلام کے جتنے ارکان شریعت میں بیان کئے گئے ہیں سب کا یہی حال ہے ایک ان کا ظاہری جسم و وجود ہے۔ اور ایک کی حقیقت اصلیہ' اور دونوں آپس میں لازم و ملزوم بھی ہیں جیسے جسم و جان۔ جس طرح جسم بغیر جان کے بیکار و مردہ ہے بالکل اسی طرح عمل بغیر اصلی روح و حقیقت کے بے جان و مردہ ہے۔ جس طرح روح جسم کے بغیر کارآمد نہیں بالکل اسی طرح روح عمل بھی جسم عمل کے بغیر کارآمد نہیں۔

شریعت کا مقصد یہ ہے کہ چند اخلاق فاضلہ قوم میں پیدا ہوں مگر ان کے لئے بعض اعمال کا پابند ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ وہ حقیقت پیدا نہیں ہو سکتی۔

جب کسی قوم میں تنزل شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہ اعمال کی روح و حقیقت کھو بیٹھتی ہے۔ اور صرف ظاہری شکل و صورت پر زور دیتی ہے۔ اس کو عدوان کہتے ہیں لیکن اس عدوان کا انتہائی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعمال کو بھی غیر ضروری سمجھنے لگ جاتی ہے۔ اس لئے کچھ مدت کے بعد احکام و اوامر کا ترک شروع ہو جاتا ہے اور لوگ شریعت کی پابندی کا خیال نہیں کرتے اس کا نام عصیان ہے۔

Marfat.com

عصیان و عدوان کے امراض جب حد سے بڑھ جائیں اور اعمال مذہبی سے بعد اپنے کمال پر پہنچ جائے تو ان لوگوں کی قدروقیمت جاتی رہتی ہے جن کے ذریعہ سے شریعت نوازش ہوئی تھی ان کے ساتھ تمسخرو استہزاء کیا جاتا ہے۔ ان کو حقیر و ذلیل خیال کرنے لگ جاتے ہیں اور اگر ذرا انہوں نے حق و صداقت کے لئے آواز بلند کی تو چونکہ وہ پہلے ہی سے ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں' ان کو قتل کیا جاتا ہے۔ اور پھر آخری منزل اللہ کی آیتوں کا انکار کرنا ہے جس کے بعد ذلت و رسوائی ہے اور غضب الٰہی۔

اسرائیلیوں کے مسلسل تردد و سرکشی اور نافرمانی کے تذکروں سے تورات و انجیل دونوں کے صفحات آج بھی پر ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی اپنی کتب سے بھی "مشتے از خروارے" نقل کر دیں۔ تحریر ہے کہ

"انہوں نے خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور اس کی باتوں کو ناچیز جانا اور اس کے نبیوں سے بدسلوکی کی یہاں تک کہ خدا کا غضب ان پر ایسا بھڑکا کہ کوئی چارہ نہ رہا۔" (تواریخ ۲' ۳۶ : ۱۷)

"تمہاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند تمہارے نبیوں کو کھا گئی۔" (یرمیاہ ۲ : ۳۰)

"اے اہل یعقوب اور اہل اسرائیل کے سب خاندانو! خداوند کا کلام سنو! خداوند یوں فرماتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں نے مجھ میں کونسی ناانصافی پائی جو وہ مجھ سے دور بھاگے اور بطلان کے پیرو ہوئے اور آپ باطل ہوگئے۔" (یرمیاہ ۲ : ۴ : ۵)

"وہ نافرمان نکلے اور تجھ سے پھر گئے اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پشت کے پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھرا لائیں' قتل کیا اور انہوں نے کاموں سے تجھے غصہ دلایا۔" (تحمیاہ ۹ : ۲۶)

"اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو!........ نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادوں نے نہیں ستایا؟" (اعمال ۷ : ۵۱'۵۲)

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس پہنچ گئے ہیں انہیں سنگسار کرتی ہے۔" (متی ۲۳ : ۲۹)' لوقا (۱۲ : ۳۴ : ۳۵)

غرض توہین انبیاء اور پیغمبر کشی کا الزام یہود پر قرآن کریم ہی نے نہیں لگایا ان کا فرد جرم کا یہ عنوان تو ان کے اپنے نوشتوں کے اندر بھرا پڑا ہے قرآن کریم نے تو صرف ان بیانات کی تصدیق کی ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۶۱ کا ماحصل

آیت زیر نظر میں یہودیوں کی چند خرابیاں ذکر ہوئی ہیں۔ ا۔ عدوان۔ ۲۔ عصیان۔ ۳۔ کفر بایات اللہ۔ ۴۔ قتل انبیاء وغیرہ۔ قارئین "عروۃ" اس آیت کو سرسری نظر سے دیکھ کر آگے نہ گزر جائیں بلکہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان میں سے کونسی خرابی ہے جو ان پر صادق نہیں آتی؟ کیا عصیان وعدوان سے وہ اپنے آپ کو پاک سمجھتے ہیں اکثر افراد ارکان مذہبی کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ جو پابند ہیں وہ روح و حقیقت

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ

اے پیغمبر اسلام! جو لوگ آپ پر ایمان لائے ۱۳۱ وہ ہوں یا یہود ۱۳۲ و نصاریٰ ۱۳۳ اور صابی ۱۳۴ ہوں' جو کوئی بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس کے اعمال اچھے ہوئے تو

سے بے خبر ہیں صرف لکیر کے پیچھے چل رہے ہیں کس طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مردہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے گویا دوسرے الفاظ میں رسول اکرم ﷺ کے قتل کے درپے ہیں۔ پھر کفر بایات اللہ تو اس کا لازمی اور قطعی نتیجہ ہے۔ جب نوبت یہاں تک آگئی تو یہودیوں کو ان حرکات کا جو صلہ ملا مسلمان بھی اس سے محروم نہیں رہے یعنی ذلت و مسکنت اور اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا کہ حکومتیں چھن گئیں غیروں نے ان پر قبضہ کر لیا بلکہ خود غیروں کو مدد دی کہ ہمارے بھائیوں کو فنا کرو اور ان کے ملکوں پر قبضہ کر لو اور جہاں کہیں قبضہ کر کے دوبارہ حکومت اس ملک کے رہنے والوں کو انہوں نے سپرد کی اس کا انداز بڑا ہی عجیب ہے کہ مغربی جمہوریت کی لعنت ان کے گلے میں لٹکا دی اور ان کو باور کرایا کہ تمہارا امیر۔ امیر المومنین۔ خلیفہ وقت۔ خلیفہ المسلمین ایک اور صرف ایک نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ ہر جماعت' ہر گروہ' ہر فکر کا ایک امیر ہونا ضروری ہے تاکہ ملک کا انتظام و انصرام جن ہاتھوں میں ہو وہ آزادی کے ساتھ کام کر سکیں اور عوام کو لڑا بھڑا کر اپنا الو سیدھا کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی سوچ ایک ہو جائے۔ ان کی ضرورت ایک ہو جائے۔ ان سب کو الگ الگ ملکوں کے باشندے بنا کر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے ان کو استعمال کیا جا سکے۔ مختصر یہ کہ جہاں کہیں آزادی ہے جیسے ہمارے ملک پاکستان میں وہ صرف نام کی آزادی رہے کام ویسے ہی چلیں جیسے عیسائی بابا کا حکم ہو اور آزاد ہونے کے باوجود ہم محکوم و غلام ہی رہیں۔ ذلت و رسوائی اب ہمارا مقدر ہو گیا اور غضب الٰہی میں ہم مبتلا ہو گئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایمان کا دعویٰ کرنے والے

۱۳۱ وہ لوگ جو محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری رسول اور قرآن کریم کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کرتے ہیں اور توحید پر ایمان' رسالت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ فرشتوں پر ایمان' کتابوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان لانے والے ہیں۔ جو من حیث القوم ایک قوم ہیں لیکن ایک نسل ہونا ان کا ضروری نہیں ہے۔

گروہ یہود میں داخل لوگ

۱۳۲ یعنی وہ لوگ جو دین یہود کے پیروکار ہیں خواہ پہلے سے یہودی چلے آ رہے ہیں یعنی نسلاً" یہود

Marfat.com

ہوں یا پہلے مشرک وغیرہ یا کچھ اور ہوں اور اب یہود کا عقیدہ اختیار کر چکے ہوں۔ اب تک ذکر بنی اسرائیل نام ایک خاص نسل و خاندان کا چلا آرہا تھا اور ان کی تاریخ کے اہم ترین منظر سامنے لائے جا رہے تھے اب ذکر ان کے مسلک و مشرب اور عقیدوں کا شروع ہوتا ہے کیونکہ یہاں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ یہ ہے' الذین ھادوا اور اس سے پہلے خطاب تھا' یا بنی اسرائیل کے لفظ سے۔ بنی اسرائیل ایک نسلی نام تھا ایک کنبہ' قبیلہ یا قوم کا نام ہے جسے اپنی عالی نسبی کا بہت فخر تھا وہ ہمیشہ اپنے آباء و اجداد کی مقبولیت پر نازاں تھے اس لئے تاریخ کو دہراتے وقت ضروری تھا کہ اس کا نسلی نام لیا جائے اب بیان ایک دینی مسلک کا' ایک اعتقادی نظام کا شروع ہو رہا ہے یعنی ہر اسرائیلی یہودی ہے لیکن ہر یہودی کا اسرائیلی ہونا ضروری نہیں ہے۔ قرآن کریم کا ایک یہ بھی اعجاز ہے کہ جب وہ ایک ہی بیان کے لئے مختلف لفظ لاتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی خاص رمز یا دقیق باہمی فرق کا ضرور لحاظ رکھتا ہے۔ مذہب یہود ایک نسلی مذہب ہے تبلیغی مذہب نہیں۔ اگرچہ انہوں نے (یعنی یہود نے) کسی کو یہودی بنانے کی دعوت نہ دی ہو لیکن کچھ ان کے ساتھ منسلک ہونے کی وجہ سے متاثر ہو کر اپنی ضرورت کے لئے یہودی ہوگئے تھے وہ بیشک پیدائشی یہودی نہ تھے بلکہ عرب یا بنی اسمٰعیل تھے لیکن ان سے مرعوب ہو کر انہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت معاصرین یہود کی حیثیت صرف مذہبی اور دینی فرقہ کی رہ گئی تھی۔ اس لئے اس جگہ ان کو گروہ یہود میں داخل ہونے کے ناطے سے بلایا جا رہا ہے۔

نصاریٰ کہلانے والی پارٹی

۱۴۳ نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام موجودہ علاقہ فلسطین میں ایک ناصرہ نام کا ایک قصبہ ہے جو بیت المقدس سے تقریباً ستر میل کے فاصلہ پر ہے اور بیت المقدس سے شمال میں اور بحیرۂ روم سے مشرق میں بیس میل کے فاصلہ پر آباد ہے جس کی آبادی اس وقت آٹھ نو ہزار کے قریب تھی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا آبائی وطنی یہی قصبہ ہے۔ اور مسیح علیہ السلام کو اسی نسبت سے ناصری کہا جاتا ہے۔ بعض نے اس کو عربی لفظ فرض کر کے نصرت سے مشتق سمجھا ہے لیکن صحیح قول اول ہی ہے اس جگہ قرآن کریم ذکر مسیحوں کا نہیں بلکہ نصاریٰ کا کر رہا ہے قرآن کریم کا ہر لفظ پر حکمت ہے مسیحی وہ ہیں جو اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں مسیح کو اللہ کا نبی نہیں بلکہ بیٹا مانتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ اللہ ان میں حلول کر آیا تھا۔ آخرت میں نجات دینے والا مسیح "ابن اللہ" کو یقین کرتے ہیں اور خدا کو تین اقنوم میں تقسیم کر کے ایک ناقابل فہم فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ ہر اقنوم بجائے خود بھی خدا ہے اور تینوں اقنوم مل کر بھی ایک ہی خدا بنتے ہیں۔ ان کھلے مشرکوں کا ہرگز ہرگز یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے ان کا نام بھی جو مشہور تھا اور پیچھے چلا آرہا ہے اس کو چھوڑ کر نصاریٰ لایا گیا نصاریٰ یعنی مسیح کے سچے پیرو اس کی نبوت کو ماننے والے۔ یہ لوگ توحید کے قائل تھے اور بجائے اناجیل اربعہ کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت حلولیت اور تثلیث ہی قرار پاگئی

Marfat.com

صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

وہ اپنے ایمان و عمل کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا اس کے لئے نہ تو کوئی کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی[135] ہوگی۔ ۶۲

پھر وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے تمہارا پختہ عہد لیا تھا اور کوہ طور کی

تو قدرۃ" نصرانیت کا ستارہ بھی گردش میں آیا اور نصرانی و نصرانیت کے الفاظ بجائے عزت و تکریم کے حقیر موقع اور ذم کے محل میں استعمال ہونے لگے۔ یہ وضاحت اس لئے کرنا پڑی تاکہ نصرانیت اور مسیحیت کا فرق معلوم ہو جائے قرآن کریم کے نزول کے وقت یہ فرق بالکل عام تھا قرآن کریم نے جب مدح کی تو نصاریٰ کا نام لیا اور جب بھی کوئی موقع ذم کا آیا تو نصاریٰ کا لفظ استعمال نہیں کیا صرف اہل کتاب یا مسیحیت کا ذکر کیا۔

صابی کون لوگ تھے؟

۱۳۴ صابی کے لفظی معنی تو "اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں چلے جانے کے ہیں۔" یا اپنے مذہب سے بیزار ہو کر دوسرے کی طرف مائل ہونے کے (راغب) لیکن اصطلاح میں صابیوں کے نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا۔ جو عرب کے شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ دین توحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے اس لئے اصلاً اہل کتاب ہی تھے۔ یہ لوگ اپنے کو "نصاریٰ یحیٰ" کہتے تھے گویا یہ لوگ حضرت یحیٰ علیہ السلام کی امت تھے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے مبصر و نکتہ رس خلیفہ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جیسے محقق صحابی نے صابیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے اور تابعین میں سے بھی ایک جماعت اکابرین کی اہل کتاب اور موحد ہی مانتی ہے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ وہ اہل قبلہ تھے۔ نماز ادا کرتے تھے اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ چونکہ خود عراقی تھے اس لئے ان سے براہ راست واقفیت رکھتے تھے ان کا فتویٰ ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح درست ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عراق میں اسی نام سے یہ لوگ اب بھی موجود ہیں لیکن عراقی لوگ ان کو حضرت یحیٰ علیہ السلام کی امت کہتے ہیں۔

ایمان باللہ کا تعلق کسی گروہ بندی سے نہیں

۱۳۵ یہ ان چار گروہوں کا تعارف تھا جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے نبی کریم ﷺ کی بعثت

Marfat.com

کے وقت اس قسم کے لوگ موجود تھے جو اپنے سچے دین پر قائم اور راہ راست پر گامزن تھے مگر ان کے کان آپؐ کی دعوت سے ناآشنا رہے تاآنکہ وہ مر گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ان کے حق میں کیا فیصلہ ہوگا؟ اسی سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی چنانچہ حسب ذیل روایت اس کی تائید کرتی ہے۔

"ابن جریر نے مجاہد سے سلمان کا بہت بڑا قصہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سلمان نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ان نصاریٰ کا کیا حال ہوگا جن کو ہم نے دیکھا تھا کہ وہ لوگ نہایت ہی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اسلام پر تو نہیں مرے۔ سلمان کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی مجھ پر دنیا تاریک ہوگئی میں نے ان لوگوں کے ورع و تقویٰ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی یعنی زیر نظر آیت ان الذین امنوا سے آخر آیت تک۔ رسول اللہ ﷺ نے سلمان کو طلب فرمایا اور کہا کہ تمہارے دوستوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے پھر فرمایا کہ جو شخص دین عیسیٰؑ پر مر گیا اور میری اطلاع اسے نہیں ہوئی تو وہ حالت اسلام میں مرا اور جس کے پاس میری نبوت کی خبر پہنچ گئی اور پھر بھی وہ ایمان نہ لایا تو وہ یقیناً ہلاک ہوگیا۔" (ابن جریر جلد اول)

اس شان نزول نے بتا دیا کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو آپؐ کے وقت بعثت تک موجود تھے اور حق و صداقت کو کھو نہیں بیٹھے تھے قرآن کریم کی دوسری آیات بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے:

"اور ایمان والوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں اس لئے کہ ان میں پادری اور رہبان ہیں اور اس لئے ان میں گھمنڈ اور خود پرستی نہیں ہے اور جب یہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں جوش گریہ سے بہنے لگتی ہیں کیونکہ انہوں نے اس کلام کی سچائی پہچان لی ہے وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں۔ اے اللہ! ہم اس کلام پر ایمان لائے پس ہمیں بھی انہی میں سے لکھ لے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔ اور وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کے کلام پر جو سچائی کے ساتھ ہمارے پاس آیا ہے ایمان نہ لائیں اور اللہ سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ ہمیں نیک کردار انسانوں کے گروہ میں داخل کر دے؟" (المائدہ ۵ : ۸۳، ۸۴)

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے:

"یقیناً اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ ان پر نازل ہو چکا ہے سب کے لئے ان کے دل میں یقین ہے نیز ان کے دل اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں وہ ایسا نہیں کرتے کہ اللہ کریم کی آیتیں دنیا کے لئے بضاعت مال کے بدلے میں فروخت کر دیں۔ بلاشبہ ایسے لوگوں کے لئے کوئی کھٹکا نہیں، ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے ان کے رب کے ہاں ان کا اجر محفوظ ہے۔ یقیناً اللہ کا قانون مکافات اعمال کے حساب میں بالکل سست رفتار نہیں ہے۔"

Marfat.com

پس معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں وہی لوگ مراد ہیں جو آپ ﷺ کی بعثت کے وقت موجود تھے پھر جو ایمان لاتے وہ دنیا و آخرت میں فائز المرام ہوگئے اور جو خاتم المرسلین ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ لائے گویا انہوں نے جس نبی کی تصدیق کی تھی اس پر ایمان نہ لائے اور وہ اپنے اس دعوئ ایمان میں سچے نہ نکلے کیونکہ ہر نبی کی تعلیم میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا تھا کہ جب اس کی بعثت ہو اس کی تصدیق لوازم ایمان میں سے ہے۔

پھر یہاں تک تو اعتقاد صحیح یا صالح کی بات تھی یعنی ایمان باللہ کے اس حصہ کا ذکر تھا جس کا تعلق اعتقاد صالح سے ہے اور جو عمل صالح سے تعلق رکھتا ہے وہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اعتقاد صالح' پھر جس طرح اعتقاد صالح کا تعلق وحی الٰہی سے ہے بالکل اسی طرح عمل صالح کا انحصار بھی وحی الٰہی ہی پر ہے اور ظاہر ہے کہ وحی الٰہی ہر شخص پر تو نازل نہیں ہوتی لہٰذا اعتقاد صالح اور عمل صالح دونوں ہی کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہے۔

جو عقیدہ آپ کے بتائے ہوئے عقائد کے مطابق ہوگا وہ یقیناً صحیح ہوگا اور جو عمل آپ کی ہدایت کے مطابق ہوگا وہی صحیح کہلائے گا۔ یہاں ان عقائد اور اعمال کی بات ہو رہی ہے جن کا تعلق عقیدہ اور عمل کی ظاہری صورت کے لحاظ سے اس کا تعلق خالصتاً آخرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دنیا میں اس کا نتیجہ ظاہر ہی نہیں ہوگا یا ظاہر نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک اچھے عمل و اعتقاد کا نتیجہ ہر حال میں اچھا ہوگا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور یہ کہ اچھا عمل یا اچھا اعتقاد صرف دنیا ہی کے لئے نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے لئے بھی اور آخرت کے لئے بھی کیونکہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کے الفاظ اس کی تشریح میں بالکل صاف اور واضح ہیں کہ یہ وہ حالت اور مرتبہ ہے جو روحانی زندگی کی آخری غایت ہے۔

ازالہ وہم

سورہ بقرہ کی اسی آیت یعنی آیت نمبر ۶۲ کا مفہوم ایک لحاظ سے مکمل ہوگیا لیکن یہ آیت ان آیات کریمات سے ہے جن کی تفسیر میں اہل اسلام کے ہاں بھی بہت غلو ہوا ہے۔ کسی کا نام لئے بغیر اس نوٹ کا اضافہ کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین "عروہ" کسی ایسی غلطی کا شکار نہ ہوں۔

یوں تو قرآن مجید کی آیات میں معنوی تحریف کرنے کی ہر زمانے میں کوششیں کی گئیں ہیں اور ہر دور میں کج نظر لوگوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ کتاب الٰہی کے واضح ارشادات کو توڑ موڑ کر اپنے نفس کی خواہشات یا اپنے دوستوں کے رجحانات و مطالبات کے مطابق ڈھالتے رہیں۔ لیکن زمانہ حال میں جو معنوی تحریف زیر نظر آیت میں کی گئی ہے' اس سے بڑھ کر گمراہ کن تحریف شاید ہی کبھی کی گئی ہو۔ دوسری تحریفات تو زیادہ تر احکام کی قطع و برید پر مشتمل ہیں' یا تعلیمات اسلامی کے اجزاء میں سے کسی جزء پر ضرب لگاتی ہیں' مگر یہ تحریف سرے سے

Marfat.com

اس بنیاد ہی کو اکھاڑ پھینکتی ہے جس پر قرآن مجید تمام عالم کو ایک صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس کی زد اس قاعدہ کلیہ پر براہ راست پڑتی ہے جو نوع انسانی کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور جس کے تحت ابتدائے آفرینش سے بعثت محمدی ﷺ تک تنزیل کتب اور ارسال رسل کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ حقیقت میں اس تحریف نے روح ضلالت کی وہ خدمت انجام دی ہے جس سے ائمہ کفر و ضلال بھی عاجز رہ گئے تھے۔ یہ ایک طرف تو غیر مسلموں کو قرآن کی دعوت حق قبول نہ کرنے کے لئے خود قرآن ہی سے دلیل بہم پہنچاتی ہے' دوسری طرف مسلمانوں کی جماعت میں جو منافقین اسلام کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے بے چین ہیں ان کو یہ کفر و اسلام کا امتیاز اٹھا دینے کی اجازت خود اسلام ہی کی زبان سے دلواتی ہے۔ اور تیسری طرف جو اچھے خاصے صاحب ایمان لوگ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی پیروی پر قائم ہیں' ان کے ایمان کو بھی متزلزل کر دیتی ہے' حتیٰ کہ وہ بیچارے اس شک میں پڑ جاتے ہیں کہ جب قرآن اور رسالت محمدی ﷺ سے انکار کر کے بھی انسان نجات پا سکتا ہے اور جب نجات کے لئے سرے سے کتاب اور رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر اسلام کی پابندی محض بے معنی ہے' اور ہمارا مسلمان ہونا یا ہندو' عیسائی' پارسی' یہودی وغیرہ ہونا یکساں ہے۔ غرض یہ ایک شاہ ضرب (Master Stroke) ہے جو ہر طرف سے' اندر سے بھی اور باہر سے بھی' اسلام کو نشانہ بناتی ہے۔ داد دینی چاہئے اس ذہانت کی جس نے کتاب ہدایت سے ضلالت کا یہ ہتھیار نکالا!۔۔۔۔۔ شاید قرآن پر اس سے بڑا بہتان کبھی نہیں لگایا گیا۔

مجھے بکثرت مجلسوں میں اس تحریف کے کرشمے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ میں نے دیکھا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات بری طرح اس کے شکار ہو رہے ہیں۔ اس فتنے کو دیکھ کر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا صحیح مفہوم قرآن مجید سے متعین کیا جائے' اور جو معنی اس کو پہنائے گئے ہیں ان کی تردید خود قرآن ہی سے کر دی جائے۔ کیونکہ جب قائل خود اپنے قول کی تشریح کر دے تو کسی شخص کو اپنے طور پر اس کے قول کو کچھ دوسرے معنی پہنانے کا حق ہی نہیں رہتا۔

سب سے پہلے آیت کے اصل الفاظ ملاحظہ کر لیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲: ۶۲)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے (یعنی مسلمان) اور جو یہود ہوئے اور نصاریٰ اور صابی' ان میں سے جو کوئی بھی اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لایا اور جس نے بھی نیک عمل کئے ان سب کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں اجر ہے اور ان کے لئے خوف اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے۔"

اسی مضمون کا اعادہ سورۂ مائدہ کے دسویں رکوع میں بھی تھوڑے سے تغیر لفظی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دونوں آیتوں کا مفہوم متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان کا تجزیہ کر کے ایک ایک لفظ کا مفہوم متعین

Marfat.com

کیا جائے اور اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو بات ان آیتوں میں مختصراً بیان کی گئی ہے' اس کی تفصیل خود قرآن میں دوسرے مقامات پر کس طرح کی گئی ہے۔

(۱) "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اس کا لفظی ترجمہ صرف اس قدر ہے کہ "بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے۔" مگر اس مبتدا کی خبر "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" (جو بھی اللہ پر ایمان لایا اور یوم آخر پر) میں دوبارہ ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایمان لانے والے کا ایمان لانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اَلَّذِیْنَ سے اگر وہی لوگ مراد ہوں جو خدا اور آخرت پر ایمان لائے ہیں تو ان کے لئے دوبارہ "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" کہنا فضول ہوگا۔ لہٰذا یہ ماننا لازم آتا ہے کہ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے مراد محض گروہ اہل اسلام ہے' اور اس کے مقابلہ میں "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" سے وہ شخص مراد ہے جو درحقیقت ایمان کامل کا حامل ہو' بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس گروہ سے انتساب رکھتا ہے۔

نزول قرآن کے عہد میں گروہ بندی کے جو تخیلات دماغوں پر مسلط تھے وہی آج بھی مسلط ہیں اور ان کو پیش نظر رکھ کر یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ قرآن مجید یہاں دراصل فرق کر رہا ہے ان لوگوں کے درمیان جو اہل ایمان کے گروہ سے انتساب رکھتے ہوں اور ان کے درمیان جو فی الواقع حقیقت ایمان کے حامل ہوں۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا فرقہ بندی کے نقطہ نظر سے ہی اشخاص میں تمیز کرتی ہے۔ ایک شخص کو مومن یا مسلم کہا جاتا ہے' صرف اس لئے کہ جماعتوں کی تقسیم کے اعتبار سے وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ درحقیقت بھی "مسلم ہے یا نہیں" اسی طرح ایک عیسائی' ایک یہودی' ایک بودھی کو بھی اس کے ظاہری انتساب کا لحاظ کرتے ہوئے عیسائی' یہودی وغیرہ کہا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ حقیقت میں وہ اپنے گروہ کے ایمانیات پر اعتقاد رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ اسی قسم کی صورت حال نزول قرآن کے عہد میں بھی تھی کہ حقیقت سے قطع نظر کر کے نوع انسانی کو ظاہر کے اعتبار سے گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ لوگ اس لحاظ سے اشخاص اور جماعتوں کے درمیان امتیاز کرتے تھے کہ فلاں شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کا آدمی ہے' اور فلاں یہودیوں کے گروہ سے ہے' اور فلاں نصرانیوں کے فرقہ والا ہے۔ چنانچہ اسی جماعتی تقسیم کے لحاظ سے منافقین بھی گروہ اہل ایمان "الذین امنوا" میں شمار کئے جاتے تھے' حالانکہ فی الواقع وہ ایمان نہ رکھتے تھے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اسی نقطہ نظر کی غلطی واضح کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ حقیقت نفس الامری کو بیان کرنے سے پہلے گروہوں کا ذکر ان کے جدا جدا ناموں سے کر رہا ہے' اور ابتدا اس نے مسلمانوں کے گروہ سے کی ہے۔

(۲) "وَالَّذِیْنَ هَادُوْا" لفظی ترجمہ : "وہ لوگ جو یہودی ہوئے۔" مقصود یہاں بھی وہی ہے جس کی تصریح اوپر کی گئی ہے۔ "یہودی ہوئے" سے مراد یہ نہیں کہ جنہوں نے حقیقت میں یہودیوں کا عقیدہ اور مسلک اختیار کیا ہے ان کے لئے وہ حکم ہے جو آگے چل کر بیان ہونے والا ہے۔ بلکہ دراصل گروہ اہل یہود میں شمار ہونے والوں کو "اَلَّذِیْنَ هَادُوْا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

Marfat.com

(۳) وَالنَّصٰرٰی۔ سلسلہ کلام کے تحت یہاں نصاریٰ سے مراد بھی "اعتقادی عیسائی" نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو عیسائیوں کی قوم میں شمار ہوتے ہیں۔

(۴) وَالصّٰبِئِیْنَ۔ یہ لفظ اہل عرب کی زبان میں عراق والجزیرہ وغیرہ علاقوں کے اس گروہ کے لئے بولا جاتا تھا جس میں انبیائے متقدمین کی تعلیمات کے ساتھ کواکب پرستی اور ملائک پرستی کے عقائد خلط ملط ہو گئے تھے۔ یہاں بھی صَابِئِیْنَ سے مراد محض اسی گروہ کے لوگ ہیں' نہ کہ صابیت پر اعتقاد رکھنے والے۔

(۵) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ لفظی ترجمہ یہ ہے "جو کوئی بھی ایمان لایا اللہ پر اور روز آخرت پر اور جس نے بھی نیک عمل کئے ایسے لوگوں کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف ہے اور نہ رنج۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے دراصل اس خیال کی تردید کی ہے جو عام طور پر پھیلا ہوا ہے کہ انسانوں کی تقسیم نام و نسب اور ظاہری انتسابات کے اعتبار سے جو مختلف قوموں اور گروہوں میں ہوگئی ہے اسی کے مطابق ان کا حشر بھی ہوگا۔ یہودی یہ سمجھتا ہے کہ جو یہودیوں کے گروہ میں شامل ہے وہی نجات پانے والا ہے' اس گروہ کے باہر کسی کے لئے نجات نہیں ہے۔ نصرانی یہ گمان کرتا ہے کہ نصرانیوں کے گروہ میں شامل ہو جانا گویا اہل حق میں شامل ہو جانا ہے اور اس گروہ سے باہر سب اہل باطل ہیں۔ مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ محض گروہ اہل اسلام میں نام اور خاندان اور چند ظاہری اشکال و مراسم کے اعتبار سے شامل ہو جانا ہی "مسلمان" ہونا ہے اور اس لحاظ سے جو لوگ اس گروہ میں شامل ہیں وہ ان لوگوں پر شرف رکھتے ہیں جو اسی لحاظ سے ان میں شامل نہیں ہیں۔ ان غلط خیالات کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان اور انسان میں حقیقی فرق و امتیاز ظاہری گروہ بندی سے نہیں ہوتا' بلکہ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔ جو مومن کہلاتا ہے مگر حقیقت میں ایمان اور عمل صالح سے بہرہ ور نہیں وہ حقیقت میں مومن نہیں ہے اور اس کا انجام وہ نہیں ہو سکتا جو مومنین کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح جو یہودی یا نصرانی یا صابی گروہوں کی طرف منسوب ہے' اگر وہ ایمان اور عمل صالح کی صفات سے متصف ہو جائے تو وہ حقیقت میں یہودی یا صابی نہیں بلکہ مومن ہے اور اس کا حشر وہ ہوگا جو مومنین و صالحین کے لئے مقرر کیا گیا ہے' لیکن اگر وہ ان صفات سے عاری ہو تو جس طرح مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہونا کسی شخص کے لئے نافع نہیں ہے اسی طرح یہودی یا نصرانی یا صابی گروہوں میں شامل ہونا بھی کسی کے لئے نافع نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر یہود و نصاریٰ کی اس گروہ پرستی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا:

قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی۔ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ البقرہ ۲ : ۱۱۱' ۱۱۲

Marfat.com

"انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا تاوقتیکہ وہ یہودی نہ ہو یا نصرانی نہ ہو۔ یہ محض ان کے من سمجھوتے ہیں۔ اے پیغمبر اسلام! ان سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ ہاں جو بھی خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دے گا اور نیکو کار ہو گا اس کے لئے اپنے پروردگار کے ہاں اجر ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لئے کوئی خوف اور رنج نہیں ہے۔"

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۔ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (المائدہ ۵ : ۱۸)

"یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں اے پیغمبر اسلام! ان سے پوچھو کہ پھر اللہ تمہارے گناہوں کی تم کو سزا کیوں دیتا ہے؟ دراصل تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے خدا نے اور انسان پیدا کئے ہیں۔"

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (آل عمران ۳ : ۲۴، ۲۵)

"انہوں نے کہا کہ ہم کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی اور اگر چھو بھی گئی تو زیادہ سے زیادہ چند روز۔ جو باتیں انہوں نے خود گھڑ لی ہیں انہی نے ان کو اپنے دین کے بارے میں دھوکہ دے رکھا ہے۔ پھر اس وقت کیسی کچھ گزرے گی جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا اور لوگوں کے ساتھ ظلم نہ ہو گا بلکہ وہی کیا جائے گا جس کے وہ حقیقت میں مستحق ہوں گے۔"

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (البقرہ : ۹۴)

"اے پیغمبر اسلام! ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر بس تمہارے ہی لئے ہے اور دوسرے لوگ اس میں حصہ دار نہیں ہیں، تب تو تمہیں موت کی تمنا کرنی چاہئے اگر تم سچے ہو۔"

ان تمام آیات میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اللہ کا کسی گروہ کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ نہ نجات پر کسی قوم کا اجارہ ہے۔ تم اس بنا پر کسی خاص برتاؤ کا حق نہیں رکھتے کہ فلاں قوم میں پیدا ہوئے ہو، یا فلاں جماعت سے منسوب ہو، خدا کی نگاہ میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں۔ کوئی قوم نہ بجائے خود چہیتی اور مقبول بارگاہ ہے۔ اور نہ کوئی صرف اس لئے راندۂ درگاہ کہ وہ فلاں نام سے موسوم اور فلاں طبقہ سے منسوب ہے خدا کے ہاں اصل وزن انتسابات اور قومیتوں کا نہیں ہے بلکہ اصول اور حقائق کا ہے۔ سچے دل سے ایمان لاؤ گے اور نیک عمل کرو گے تو اچھا بدلہ پاؤ گے اور اگر ایمان و عمل صالح سے خالی رہو گے تو کوئی چیز تمہیں بری جزا سے نہ بچا سکے گی خواہ تم کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔ اسی مضمون کو مسلمانوں اور اہل کتاب

Marfat.com

دونوں سے خطاب کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے :

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (النساء ۴ : ۱۲۳ ‘ ۱۲۴)

”عاقبت کا مدار تمہاری خواہشات پر ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر۔ جو برا عمل کرے گا۔ اس کا بدلہ پائے گا اور خدا کی پکڑ سے بچانے کے لئے اس کا کوئی حامی و مددگار نہ ملے گا اور جو نیک عمل کرے گا اس حال میں کہ وہ باایمان ہو‘ تو وہ مرد ہو یا عورت ‘ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے۔ دونوں قسم کے آدمیوں کے ساتھ رتی برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔“

یہی بات ہے جس کو آیت زیر بحث میں ایک دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ جس سلسلہ کلام میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں بحث یہ تھی ہی نہیں کہ مومن ہونے کے لئے کن کن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور صالح ہونے کے لئے عمل کا ضابطہ کیا ہونا چاہئے۔ یہ تفصیلات قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان ہوئی ہیں۔ وہاں تو محض یہ قاعدہ کلیہ بیان کرنا مقصود تھا کہ خدا کے ہاں اصل اعتبار حقائق نفس الامری کا ہے نہ کہ ان خارجی مظاہر اور سطحی اشکال اور نمائشی انتسابات کا جن پر دنیا کے لوگ کٹے مرتے ہیں۔ اسی لئے وہاں حقائق نفس الامری کی طرف ایک مختصر اشارہ کر دیا گیا۔ اب اگر اس سے کوئی شخص یہ معنی نکالتا ہے کہ اس آیت میں چونکہ صرف خدا اور آخرت پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے بس یہی دو چیزیں انسان کی نجات کے لئے کافی ہیں‘ ان کے بعد کسی رسول یا کسی کتاب کو ماننے اور کسی شریعت کا اتباع کرنے کی ضرورت نہیں‘ یا یہ کہے کہ قرآن کی دعوت کا منشاء اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہے کہ ہندو پکا ہندو بن جائے اور یہودی سچا یہودی بن کر رہے اور ہر شخص اسی مذہب کا پورا اتباع کرے جس کا وہ معتقد ہے‘ باقی رہا قرآن اور رسالت محمدی پر ایمان تو وہ نجات کے لئے شرط نہیں‘ تو ایسے شخص کے متعلق ہم صاف کہتے ہیں کہ وہ قرآن کی تفسیر نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔ اس کی بات تسلیم ہی نہیں کی جا سکتی جب تک کہ ان دو آیتوں کو مستثنیٰ کر کے سارے قرآن کا انکار نہ کر دیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ دین کی اصل ایمان باللہ ہی ہے‘ اور اسی لئے آیات زیر بحث میں سب سے پہلے اسی کا ذکر کیا گیا ہے‘ مگر ایمان باللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بس خدا کے وجود کا اور اس کی وحدانیت کا اقرار کر لیا جائے۔ قرآن واضح طور پر خود ہی ہم کو بتاتا ہے کہ ایمان باللہ سے اس کی مراد کیا ہے۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲ : ۱۱۲)

”جس نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور نیکو کاری اختیار کی اس کے لئے اپنے رب کے ہاں اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کوئی خوف اور رنج نہیں۔“

Marfat.com

یہاں ایمان باللہ کی تشریح کر دی گئی ہے کہ اس سے مراد "اسلام" یعنی اپنے آپ کو خدا کی رضا کا مطیع بنا دینا ہے۔ اور اس کا اجر بھی ٹھیک وہی بیان کیا گیا ہے جو آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا (بقرہ ۲ : ۶۲) میں بیان کیا گیا تھا' یعنی ایسا کرنے والے کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے نہ خوف ہے نہ رنج۔

پھر دوسرے مقامات پر مزید تشریح کی گئی کہ ایسا ایمان یا "اسلام" آدمی کو صرف انبیاء اور کتب آسمانی کی وساطت ہی سے مل سکتا ہے' یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص خود اپنی جگہ غور و فکر کر کے خدا اور آخرت کے متعلق ایک عقیدہ اور اخلاق فاضلہ کے متعلق ایک نظریہ قائم کرے' یا اپنے ذاتی انتخاب سے کام لے کر کچھ باتیں اس مذہب کی اور کچھ اس مذہب کی چن لے' اور وہ قرآن کی نظر میں مومن قرار پائے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ (البقرہ : ۱۳۶' ۱۳۷)

"کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف آئی ہے اور ان کتابوں پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف اتاری گئی تھیں اور ان سب کتابوں پر جو تمام انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کو الگ نہیں کرتے اور ہم اسی خدا کے فرمانبردار (مسلم) ہیں اگر وہ ایمان لائیں اسی طرح جس طرح تم ایمان لائے ہو' تو انہوں نے ہدایت پا لی۔ اور اگر وہ ایسے ایمان سے انکار کریں تو وہ ضد پر ہیں۔"

آل عمران میں دوبارہ اسی مضمون کا اعادہ کیا گیا اور وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ تک بیان کرنے کے بعد صاف کہا گیا ہے کہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران : ۸۵) یعنی جو شخص اس دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین پسند کرے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نامراد رہے گا۔ پھر اسی سورت میں دوسری جگہ فرمایا:

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ (آل عمران ۳ : ۲۰)

"اگر وہ تم سے حجت کریں تو کہو کہ میں نے اور میرے پیروؤں نے تو اپنے آپ کو خدا کی رضا کا مطیع (مسلم) بنا دیا ہے۔ پھر اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ان پڑھ لوگوں (غیر اہل کتاب) سے کہو کیا تم بھی اسی طرح اسلام لائے ہو؟ اگر وہ اسلام لائیں تب وہ بے شک ہدایت یافتہ ہوں گے۔"

ان آیات سے پوری صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آیت زیر تفسیر میں ایمان باللہ سے مراد محض خدا کو مان لینا نہیں ہے' بلکہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی کی تعلیم کے مطابق ماننا ہے اور اسی کا نام اسلام ہے قرآن نہایت قطعی الفاظ میں بار بار اس امر کا اعادہ کرتا ہے کہ نبی اور کتاب کا واسطہ انسانی ہدایت کے

Marfat.com

لیے ناگزیر ہے اس واسطے سے بے نیاز ہو کر کوئی شخص ہدایت نہیں پا سکتا۔ اور اس بنا پر کوئی شخص صاحب ایمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ خدا کے ساتھ اس کے پیغمبروں پر بھی ایمان نہ لائے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النور ۲۴: ۶۲)

"مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔"

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (النساء ۴: ۱۳۶)

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت سے کفر کرے وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے۔"

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا (الطلاق ۶۵ : ۸، ۹)

"اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی تو ہم نے ان سے سخت باز پرس کی اور ان کو بڑی بری سزا دی اور انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور آخر کار وہ گھاٹے میں رہے۔"

یہ ان بے شمار آیات میں سے چند ہیں جن میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسل کا تعلق غیر منفک ہے اور رسالت کا منکر کسی طرح خدا کا مومن نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل کے معنی یہی نہیں کہ رسولوں کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کر لیا جائے اور زبان سے کہہ دیا جائے کہ ہم ان کو بھی مانتے ہیں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں کو بھی۔ ایمان کے لئے محض اس طرح کا ایک تعظیمی اعتراف کافی نہیں ہے۔ جیسا کہ برہمو سماجی حضرات یا گاندھی جی کی قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ بلکہ عملی اطاعت اور اتباع بھی ضروری ہے اور اس قاعدہ کلیہ کو تسلیم کرنا ایک ناگزیر شرط ہے کہ نبی کا قول آخری قول (Final Authority) اور اس کے مقابلہ میں اپنی حجت چلانے کا کسی مومن کو حق نہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۴ : ۶۴)

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ فرمان خداوندی کے تحت اس کی اطاعت کی جائے۔"

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۴ : ۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔"

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء ۴ : ۱۱۵)

"جس شخص نے رسول سے جھگڑا کیا' حالانکہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی ہو اور مومنوں کے طریقے (یعنی

Marfat.com

اطاعت رسول) کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا' تو جدھر وہ مڑ گیا ہم بھی اسے ادھر ہی موڑ دیں گے اور اسے جہنم میں جھونکیں گے اور اس کا بہت برا ٹھکانہ ہو گا۔"

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب ۳۳ : ۳۶)

"کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دے تو پھر وہ خود اپنے معاملہ میں اپنے اختیار سے کوئی فیصلہ کرے۔ اللہ اور اس کے رسول کی جس نے نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہوا۔"

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ۴ : ۶۵)

"نہیں' تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے باہمی اختلاف میں (اے پیغمبر) تجھ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ اور جو فیصلہ تو کرے اس پر اپنے دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ بے چون و چرا اس کو تسلیم کر لیں۔"

اس کے ساتھ یہ تصریح کی گئی ہے کہ کسی ایک نبی یا ایک کتاب کو یا چند کتابوں کو مان لینا کافی نہیں ہے' بلکہ تمام انبیاء اور تمام خدائی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر ایک نبی کا بھی انکار کیا جائے گا تو تمام انبیاء اور خود اللہ تعالیٰ سے بھی کفر لازم آئے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (النساء ۴ : ۱۵۰' ۱۵۱)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں (یعنی خدا کو مانیں اور رسولوں کو نہ مانیں) اور جو لوگ کہتے ہیں ہم بعض رسولوں کو مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ درمیان کی کوئی راہ اختیار کریں۔ وہ سب کے سب بالیقین کافر ہیں۔"

یہ اس لئے کہ تمام انبیاء ایک ناقابل تفریق جماعت ہیں اور ایک ہی دین کی دعوت دیتے ہیں۔ لہٰذا ایک کا انکار' بلکہ اصل دین کا انکار ہے۔ اگر دس آدمی ایک ہی بات کہتے ہوں تو تمہارے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ یا تو سب کی تصدیق کرو یا سب کی تکذیب کرو۔ جو شخص ان میں سے نو کو سچا کہے گا اور ایک کو جھوٹا کہے گا وہ دراصل دسوں کی تکذیب بلکہ خود اس بات کی تکذیب کا مرتکب ہو گا جو انہوں نے بالاتفاق بیان کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ ...... وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ (المومنون ۲۳ : ۵۱' ۵۲)

"اے پیغمبرو...... اور بلاشبہ تمہاری یہ جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہٰذا مجھ

Marfat.com

ہی سے ڈرو۔"

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۳)

"اللہ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ ٹھہرایا ہے جس پر چلنے کا نوح کو حکم دیا اور جس کی وحی اے پیغمبر اسلام! تمہاری طرف بھیجی اور جس کا حکم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اس قاعدہ کلیہ کے تحت یہ آپ سے آپ لازم آجاتا ہے کہ محمد ﷺ اور قرآن مجید کی بھی تصدیق کی جائے' کیونکہ اگر کوئی شخص تمام انبیاء پر ایمان لائے اور صرف آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کردے' یا تمام کتب آسمانی کو مانے اور صرف قرآن کو نہ مانے' تو درحقیقت وہ تمام انبیاء اور تمام کتب آسمانی' بلکہ اصل دین الٰہی کا منکر ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس بات کی تصریح قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بے شمار مقامات پر کی گئی ہے اور اسی بنا پر انبیائے سابقین اور کتب سابقہ کے ماننے والوں کو محمد ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ان سے صاف صاف کہا گیا ہے کہ اگر تم ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو کفر کے مجرم ہوگے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۲ : ۸۹)

"اور جب خدا کی طرف سے ان کے پاس وہ کتاب آئی جو انہی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھیں' تو باوجودیکہ وہ اس کتاب کی آمد سے پہلے کفار کے مقابلے میں اسی کتاب کی توقع پر فتح کی دعائیں کرتے تھے۔ مگر اس کے آنے پر انہوں نے اس سے انکار کر دیا' حالانکہ وہ اسے خوب پہچانتے تھے۔ پس خدا کی لعنت ہو ان کافروں پر۔"

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ (البقرہ ۲ : ۹۱)

"اور جب ان سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو خدا نے بھیجی ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف اسی کتاب کو مانیں گے جو ہمارے پاس آئی ہے۔ اس کے سوا دوسری کتاب کو ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں۔"

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ..... اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ (آل عمران ۳ : ۳'۴)

"اللہ نے تم پر یہ کتاب برحق اتاری ہے۔ یہ تصدیق کرتی ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے آچکی ہیں...... بے شک جو لوگ خدا کی آیتوں سے منکر ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔"

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ (النساء ۴ : ۴۷)

Marfat.com

"اے اہل کتاب ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو ہم نے اتاری ہے اور جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہیں قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ کر الٹا دیں یا ان کو اس طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح ہم نے اصحٰب سبت کو لعنت زدہ کیا۔"

ان سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں وہ آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ...... اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (آل عمران ۳ : ۱۹۹)

"اور اہل کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ضرور ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو تمہاری طرف بھیجی گئی اور ان کتابوں پر جو ان کی طرف بھیجی جا چکی تھیں...... ایسے ہی لوگوں کے لئے ان کے رب کے ہاں اجر ہے۔"

یہ آخری آیت نہایت ہی واضح طور پر آیت زیر بحث کی تفسیر کر رہی ہے۔ وہاں کہا گیا تھا کہ مسلمان یہودی، عیسائی، صابی۔ ان میں سے جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے گا وہ اس کا اجر اپنے پروردگار کے ہاں پائے گا۔ یہاں اس کی تفسیر اس طرح کر دی گئی کہ محمد ﷺ اور قرآن کے آجانے کے بعد صرف وہی اہل کتاب خدا کے ہاں اجر پا سکیں گے جو اللہ پر اور اس کی بھیجی ہوئی پچھلی کتابوں پر ایمان لانے کے ساتھ اس کتاب پر بھی ایمان لائیں جو محمد ﷺ پر اتاری گئی ہے۔ اس سے زیادہ کھلی ہوئی تفسیر اور کیا ہو سکتی ہے؟

اس کے باوجود جو شخص آیت زیر بحث سے یہ معنی نکالتا ہے کہ یہودی کا بس پکا یہودی بن جانا اور عیسائی کا محض سچا عیسائی بن جانا قرآن کی نظر میں ہدایت یافتہ اور مستحق اجر ہونے کے لئے کافی ہے، وہ خود قرآن کے صریح بیانات کے خلاف قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قرآن یہودیوں اور عیسائیوں کو توراۃ اور انجیل کے اتباع کی دعوت دیتا ہے، مگر یہ بھی خبر ہے کہ اس دعوت کے معنی کیا ہیں؟ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ، قرآن اور محمد ﷺ کو چھوڑ کر توراۃ و انجیل کا اتباع کریں، بلکہ اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ توراۃ و انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے پیغام کی پیروی کرنے کے لئے جو ہدایات دی گئی تھیں ان کا اتباع کیا جائے۔ چنانچہ قرآن میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ اب توراۃ و انجیل کا حقیقی اتباع، قرآن اور محمد ﷺ کا اتباع ہے:۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (المائدہ ۵ : ۶۸)

"اے اہل کتاب تمہارا دعوائے حق پرستی، بیچ ہے جب تک کہ تم توراۃ اور انجیل اور اس کتاب کی پیروی پر قائم نہ ہو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے۔"

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ...... اُولٰٓئِكَ

Marfat.com

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اعراف : ۱۵۷)

"جو لوگ اس پیغمبر نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر انہیں توراۃ و انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے...... وہی درحقیقت فلاح پانے والا ہے۔"

یہ صرف اسی بنا پر نہیں ہے کہ قرآن اسی تعلیم خداوندی کو پیش کرتا ہے جس کو توراۃ اور انجیل پیش کرتی تھیں، بلکہ یہ اس وجہ سے بھی ناگزیر ہے کہ قرآن اس تعلیم ہدایت کا جدید ترین (Latest) بلکہ آخری ایڈیشن (Last Edition) ہے۔ اس میں بہت سی ان چیزوں کا اضافہ کیا گیا جو پچھلے ایڈیشنوں میں نہ تھیں، اور بہت سی وہ چیزیں حذف کر دی گئیں جن کی اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا جو شخص اس ایڈیشن کو قبول نہ کرے گا وہ صرف خدا کی نافرمانی ہی کا مرتکب نہ ہو گا۔ بلکہ ان فوائد سے بھی محروم رہ جائے گا جو آخری اور جدید ترین ایڈیشن میں انسان کو عطا کیے گئے ہیں۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدہ ۵ : ۱۵)

"اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا پیغمبر آگیا ہے جو تم کو کتاب الٰہی کی بہت سی وہ باتیں کھول کر بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو۔ اور بہت سی چیزوں سے معاف بھی کر دیتا ہے۔"

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

"اور وہ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بھاری بوجھ اور طوق و سلاسل اتار دیتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔"

نیز یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی پچھلی کتابوں میں قصداً تحریف کی اور بہت سی چیزوں کو بھلا دیا۔ اور بعض کتابوں (مثلاً اصل منزل من اللہ انجیل) کو کھو دیا۔ جس کی وجہ سے اب کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی اتباع قرآن کے بغیر موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ اور عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا اتباع کر سکے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ .... وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ۔ (المائدہ ۵ : ۱۳، ۱۴)

"یہودی الفاظ کو ان کے اصلی معنوں سے پھیر دیتے ہیں، اور انہوں نے ان ہدایتوں کا ایک بڑا حصہ بھلا دیا جو ان کو دی گئی تھیں...... اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں ان سے ہم نے عہد لیا تھا مگر انہوں نے ان ہدایات کا ایک حصہ بھلا دیا تھا جو ان کو دی گئی تھیں۔"

اب یہ ظاہر ہے کہ جن قوموں کے متعلق خود قرآن نے تصدیق کی ہے ان کو خدا کی طرف سے کتاب

Marfat.com

دی گئی تھی، ان کے لئے بھی جب اتباع قرآن کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تو پھر ان قوموں کو اتباع قرآن کے بغیر ہدایت کا راستہ کیسے مل سکتا ہے جن کا اہل کتاب ہونا محض قاعدہ کلیہ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱۳ : ۷) کی بنا پر فرض کر لیا گیا ہے۔

بظاہر یہ کہنے میں بڑی رواداری نظر آتی ہے کہ "اسلام صرف اپنے آپ ہی کو برحق نہیں کہتا بلکہ دوسرے مذاہب کو بھی سچا سمجھتا ہے اور اس کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ لوگ جب تک اپنے اپنے مذہبوں کو چھوڑ کر اسلام نہ لے آئیں ہدایت اور نجات سے بہرہ یاب نہ ہوں گے۔ بلکہ وہ تو صرف یہ کہتا ہے کہ اپنے اپنے مذہبوں کی اصلی تعلیمات کا اتباع کرو۔" لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ سراسر ایک غیر معقول بات ہے۔ دو نقطوں کے درمیان جس طرح خط مستقیم ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح انسان سے خدا تک صراط مستقیم بھی ایک ہی ہو سکتی ہے اسلام جب اپنے آپ کو صراط مستقیم کہتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ لازم آجاتا ہے کہ اس کے سوا جتنے راستے ہیں وہ ان سب کو غلط اور ٹیڑھے راستے قرار دے۔ کسی راستے کو صراط مستقیم بھی کہنا اور پھر مختلف راستوں کو راہ راست بھی قرار دینا۔ کسی صاحب عقل کا کام نہیں ہے۔ یہ اگر رواداری ہے تو محض ایک جھوٹی رواداری ہے، اور قرآن ایسی رواداری سے صاف انکار کرتا ہے۔ قرآن مجید میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف یہ اعلان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ :۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (الانعام ۶ : ۱۵۳)

"اور یہی میرا راستہ سیدھا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ یہ ہدایت ہے جو خدا نے تم کو دی ہے شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

محمد ﷺ تمام دنیا کو کھینچ کر اپنی طرف لانے کے لئے آئے تھے۔ اس لئے کہ آپ کو اپنے برحق ہونے پر کمال درجہ کا وثوق تھا۔ آپ نہ مذبذب تھے اور نہ معاذ اللہ خوشامدی کہ تمام مختلف راہوں پر چلنے والوں کے ساتھ مصالحت اور مدارات (Compromise) کرنے کے لئے تیار ہو جاتے۔

رواداری جتنی مستحسن چیز ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ غیر مستحسن چیز جھوٹ ہے۔ جس شخص کو اس معاملہ میں اپنی رواداری کا مظاہرہ کرنا ہو وہ اپنی طرف سے ایسی بات کہہ سکتا ہے، مگر اسے قرآن کی طرف سے وہ بات کہنے کا کیا حق ہے جو اس نے نہیں کہی؟ قرآن تو اس کے مقابلہ میں علی الاعلان کہتا ہے کہ محمد ﷺ اور قرآن کی پیروی کے سوا کوئی راستہ بھی صحیح نہیں ہے، تمام نوع انسانی کے لئے اور ہمیشہ کے لئے اب یہی ایک راستہ ہدایت اور نجات کا راستہ ہے، جو اس کو اختیار نہ کرے گا اس کا انجام دنیا میں گمراہی اور آخرت میں خسران کے سوا کچھ نہ ہوگا:۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف ۷ : ۱۵۸)

Marfat.com

"کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔"

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام ۶ : ۱۹)

"اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ تم کو اور ان سب لوگوں کو خبردار کروں جن تک یہ پہنچے۔"

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (السباء ۳۴ : ۲۸)

"اے پیغمبر اسلام! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ ۲ : ۲۰۸)

"اے ایمان والو تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستوں پر نہ چلو۔"

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (النساء ۴ : ۱۷۰)

"اے انسانو! یہ رسول تمہارے پاس خدا کی طرف سے حق لے کر آیا ہے۔ ایمان لاؤ کہ اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے اور اگر کفر کرو گے تو جان رکھو کہ خدا آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔"

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ (البقرہ ۲ : ۹۹)

"اے پیغمبر اسلام! ہم نے تمہاری طرف کھلی کھلی آیتیں بھیجی ہیں اور ان کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو نافرمان ہیں۔"

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (البقرہ ۲ : ۱۲۱)

"اور جو اس کا انکار کریں وہی نامراد ہوں گے۔"

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ (العنکبوت ۲۹ : ۴۷)

"اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی.... اور ہماری آیتوں کے ماننے سے صرف کافر ہی انکار کرتے ہیں۔"

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور ۲۴ : ۶۳)

"بس خوف کریں وہ لوگ جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائیں یا کہیں کوئی سخت عذاب ان کو نہ آئے۔"

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ (محمد ۴۷ : ۲، ۳)

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اس ہدایت کو مان لیا جو محمدؐ پر اتاری گئی ہے کہ وہی ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے ان کے گناہ خدا نے معاف کر دیئے اور ان کا حال درست کیا۔ یہ اس

Marfat.com

فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا

چوٹیاں ۱۳۶ تم پر بلند تھیں یعنی تم ان کے نیچے کھڑے تھے عہد یہ تھا کہ جو کتاب تمہیں دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اسے ہمیشہ

لئے کہ جنہوں نے نہ مانا انہوں نے باطل کا اتباع کیا اور جنہوں نے مان لیا انہوں نے اس حق کا اتباع کیا جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے۔"

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الطلاق ۶۵ : ۱۰، ۱۱)

"اللہ نے تمہاری طرف پیغمبر کو تمہاری آگاہی کے لئے بھیجا ہے۔ وہ تم کو اللہ کی کھلی کھلی آیات سناتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائے۔"

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ...... فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ (آل عمران ۳ : ۳۱، ۳۲)

"اے پیغمبر اسلام! کہہ دو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تم سے محبت کرے گا...... اور اگر وہ اس سے باز رہیں تو بے شک اللہ کافروں سے تو محبت نہیں کرتا۔"

یہ زور جو مذکورہ بالا آیات میں پایا جاتا ہے، یہ صرف اسی کلام میں ہو سکتا ہے جس کے قائل کو اپنے صادق اور حق ہونے پر پورا پورا علم ہو اور جو اپنے علم کے مطابق نوع انسانی کی اصلاح کا محکم ارادہ رکھتا ہو۔ ایسے کلام کی قدر وہ کمزور اخلاقی طاقت رکھنے والے کس طرح کر سکتے ہیں جو صداقت کا یقینی علم بھی نہ رکھتے ہوں اور پھر دنیا میں ہر ایک کو خوش بھی رکھنے کے متمنی ہوں۔ وہ تو بڑی سے بڑی بات جو کہہ سکتے ہیں وہ یہی ہوگی کہ بھائیو تم سب اچھے اور سب سچے!

تورات کی تعلیم کے پابند رہنے کا عہد بنی اسرائیل سے

۱۳۶ کسی میثاق یا عہد کا لینا جب اللہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ایک قوم کو بذریعہ اس کے نبی کے کچھ احکام دیئے جاتے ہیں اور وہ اس نبی پر ایمان لا کر گویا یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم ان احکام کی تعمیل کریں گے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ تورات کے پابند رہیں گے وہ وقت تھا کہ وہ دامن کوہ میں کھڑے تھے اور اپنے اوپر پہاڑ کو دیکھ رہے تھے، انہیں اس وقت یہ محسوس ہوا کہ گویا وہ ان پر گر رہا ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس کے گرتے ہی سب لوگ فنا ہو جائیں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ اللہ انہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ جو قانون تم کو دیا گیا ہے

Marfat.com

فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَ

یاد رکھو تاکہ تم پرہیز گار ہو۔ ۶۳

لیکن تم اپنے عہد[۱۳۷] سے پھر گئے اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارا ساتھ نہ دیتی تو تم اپنی اسی گمراہی کے سبب تباہی کے حوالے ہو جاتے۔ ۶۴

وہی تمہارے لئے زندگی بخش ہے اگر تم اس کو ترک کر دو گے تو مٹ جاؤ گے اسی حقیقت کو اس مثال سے اور زیادہ واضح کر دیا کہ یہ پہاڑ تمہارے سامنے رفیع و بلند دکھائی دے رہا ہے۔ جب تک یہ اپنی جگہ پر قائم ہے تم زندہ ہو۔ جہاں تمہارے اوپر گرا تو تم پس گئے پس اس طرح یقین کر لو کہ توراۃ کی پابندی میں زندگی ہے اور ترک میں ذلت و رسوائی۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہاڑ ان کے سروں پر وقتی طور پر بلند کر دیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے اس کو دیکھ رہے تھے کہ پہاڑ ان کے سروں پر ہے یعنی ان کے کھڑے ہونے کی جگہ ایسی تھی کہ وہاں اس طرح نظر آرہا تھا۔ حدیث میں ہے : " فرفعت لنا صخرة" جس کے معنی سب کو معلوم ہیں کہ " ظهرت لا بصارنا" یعنی چٹان ہمیں نظر آنے لگی۔ یہاں بھی یہی معنی مراد ہیں کہ وہ اپنے سامنے پہاڑ کو دیکھ رہے تھے۔

اگر وہ بات ہو جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے کہ پہاڑ کو بلند کر کے ان کے سروں پر لایا گیا اور پھر اس کے نیچے ان سے عہد لیا گیا کہ انہوں نے مان لیا اور عہد کر لیا تو ٹھیک ورنہ پہاڑ گرا کر ان کا کام تمام کر دیا جائے گا تو اس طرح کا معجزہ بنانے والوں کو یہ خیال نہ رہا کہ ایک طرف تو ہم معجزہ بنا رہے ہیں اور دوسری طرف جبر و اکراہ سے عہد لے رہے ہیں حالانکہ جبر و اکراہ سے عہد لیا ہوا یا عہد کیا ہوا کب عہد رہ جاتا ہے؟ پھر دین اسلام میں جبر واکراہ کی ویسے بھی ممانعت ہے تو اس طرح بیان کرنے والوں نے ناسمجھی کی بنا پر اسلام کے منہ پر داغ لگانے کی کوشش کی ہے حالانکہ اسلام ایسے داغوں سے ہر حال میں پاک ہے۔

کیا بنی اسرائیل نے اس عہد کو پورا کیا؟

۱۳۷ ان کے اس عہد کا ذکر ان کی اپنی کتاب تورات میں بھی موجود ہے اور اس کے پورا کرنے کی تاکید بھی چنانچہ لکھا ہے کہ :

" جو کوئی اس شریعت کی سب باتوں پر قائم نہ رہے کہ ان پر عمل کرے اس پر لعنت اور سب جماعت

Marfat.com

لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

اور یقیناً[۱۳۸] تم ان لوگوں کے حال سے بھی بے خبر نہیں ہو جو تم ہی سے تھے اور جنہوں نے سبت کے معاملہ میں راست بازی کی تمام حدیں[۱۳۹] توڑ دی تھیں اور ہم نے ان

کے آمین۔" (استثناء ۲۷:۲۶)

"اگر تو کوشش کرے کہ خداوند اپنے خدا کی آواز سنے تاکہ ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو فرماتا ہوں، دھیان کر کے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا زمین کی قوموں کی نسبت تجھے سرفراز کرے گا۔"

(استثناء ۲۸:۱)

"لیکن اگر تو خداوند اپنے خدا کی آواز کا شنوا نہ ہو گا کہ اس کے سارے شرعوں اور حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو بتاتا ہوں دھیان کر کے عمل نہ کرے تو ایسا ہو گا کہ ساری لعنتیں تجھ پر اتریں گی اور تجھ تک پہنچیں گی۔" (استثناء ۲۸:۱۵)

باوجود اس قدر پکے عہد کے ان لوگوں نے نفرت کا اظہار کیا اور کہا تو یہ کہا "سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا" (البقرہ ۲ : ۹۳) "ہاں! ہم نے سن تو لیا ہے مگر ہم نے ماننا نہیں۔"

اور ایک جگہ ان کا یہ قول نقل کیا وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (۲ : ۸۸) "اور کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں" یعنی تیری دعوت ہم پر اثر نہیں کر سکتی۔

ہم اس نبی کی تعلیم قبول نہیں کر سکتے اس عصیان اور نفرت کا نتیجہ تو یہی تھا کہ تم کو اسی وقت فنا کیا جاتا مگر اس وقت کوئی دوسری قوم تبلیغ دعوت کا فرض ادا کرنے اور دنیا میں قیام عدل کے لئے تیار نہ تھی اس لئے ہم نے تم پر اپنا فضل کیا اور تم پر برابر انبیاء بھیجتے رہے جو تمہاری غلط کاریوں کی اصلاح کرتے اور پھر تمہیں راہ راست پر لے آتے اور انبیاء کرام کے بھیجنے کو اس آیت میں فضل و رحمت سے تعبیر کیا گیا۔ ماحصل یہ کہ انہوں نے کبھی کوئی عہد اس لئے نہیں کیا تھا کہ اس کو پورا کریں گے بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ ع

وہ وعدہ ہی کیا جو ایفاء ہو گیا

بنی اسرائیل کی حیلہ سازی

۱۳۸ بنی اسرائیل کے لئے شنبہ یعنی ہفتہ کا دن عبادت کے لئے مخصوص تھا لیکن شرط یہ تھی کہ اس دن کوئی کام مشغولیت کا نہ کیا جائے۔ جس طرح اب بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان سنیں تو تمام کاروبار دنیوی ترک کر کے فوراً مسجد میں آجائیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ (۶۲ : ۹) "جب تمہیں نماز جمعہ کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر

Marfat.com

یعنی خطبہ جمعہ سننے کی طرف مستعدی اور اہتمام سے جلدی جاؤ سستی نہ کرو اور خرید و فروخت بھی بند کر دو۔"
ان کے لئے حکم یہ تھا کہ یوں السبت کو شکار بھی نہ کریں کیونکہ یہ سب مشغلیتوں سے بڑی مشغولیت ہے کہ اس میں مصروف آدمی کبھی نماز کو وقت پر ادا نہیں کر پائے گا مگر ان کے لئے مصیبت یہ تھی کہ صرف شنبہ ہی کے روز تو مچھلی بکثرت آتی اور باقی ایام میں بہت ہی کم ملتی۔ دریا کے کنارے پر رہتے تھے ان کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسری غذا نہ تھی حیران تھے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ نماز کا وقت ہو تو گاہک شروع ہو جائیں اور باقی دن مکھیاں مارنے میں گزر جائے۔ آخر کار ان کے علمائے سوء نے ان کو یہ حیلہ سکھایا کہ شنبہ کے روز دریا کے فاصلے پر گہرے گڑھے کھود لیں تاکہ ان میں پانی ڈال لیا جائے۔ جب پانی ان میں ڈالا جائے گا تو مچھلی بھی خود بخود اس پانی کے ساتھ آجائے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ دن بھر مچھلی گڑھوں میں آتی رہتی اور شام کو جا کر شکار کر لیتے اس میں بظاہر قانون کی صورت بھی قائم رہی اور ان کی غرض بھی حاصل ہو گئی۔ اس کو کہتے ہیں "سانپ مر گیا اور لاٹھی بچ گئی۔"

اس واقعہ کو دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۶۳)

"اور اے پیغمبر اسلام! بنی اسرائیل سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور جہاں سبت کے دن لوگ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے۔ سبت کے دن ان کی مطلوبہ مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آجاتیں مگر جس دن سبت نہ ہوتا نہ آتیں۔ اس طرح ہم ان کو آزمائش میں ڈالتے تھے بہ سبب اس نافرمانی کے جو وہ کیا کرتے تھے۔"

پھر ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اِ۟للّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۶۴، ۱۶۵)

"اور جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے کہا تم ایسے لوگوں کو بیکار نصیحت کیوں کرتے ہو جنہیں ان کی شقاوت کی وجہ سے یا تو خدا ہلاک کر دے گا یا نہایت سخت عذاب میں مبتلا کرے گا؟ انہوں نے کہا۔ اس لئے ان کو نصیحت کرتے ہیں تاکہ تمہارے رب کے حضور معذرت کر سکیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا اور مقصد یہ بھی ہے کہ شاید یہ لوگ باز ہی آجائیں۔ پھر جب ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انہیں کی گئی تھیں تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا۔ ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے مگر شرارت کرنے والوں کو ایک ایسے عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنے والا عذاب تھا بہ سبب ان

Marfat.com

نافرمانیوں کے جو وہ کیا کرتے تھے۔"

واقعہ سبت میں بنی اسرائیل تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے

۱۳۹ یہ ارباب حیل کی فریب کاری تھی' جب اس مرض کی انتہا ہو گئی اور باوجود تنبیہہ و تادیب کے وہ لوگ باز نہ آئے تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ یہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

ایک گروہ وہ تھا جو عوم الناس کو ان حیلوں کی تعلیم دیتا تھا۔ دوسرا ان کی اس مکاری پر خاموش رہتا اور تبلیغ و دعوت کا فرض ادا نہ کرتا' تیسرا گروہ وہ تھا جو ان کے اصرار و تمرد کے باوجود ان کو وعظ و ارشاد میں برابر مصروف رہا جن کی تفصیل سورۃ الاعراف کی اوپر بیان کردہ آیت میں گزر چکی ہے۔ بتایا یہ گیا ہے کہ کان کھول کر سن لو پہلے دونوں گروہ معذب ہوئے یعنی اپنے کئے کی سزا پا گئے اور تیسرا گرہ جو وعظ و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتا رہا صاف بچ گیا نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے بچا لیا گیا۔

ہمارے مفسرین سرگرداں ہیں کہ وہ عذاب بئیس کون سا عذاب ہے جس میں یہ لوگ مبتلا کر دیئے گئے تھے حالانکہ قرآن کریم نے اس عذاب کی پوری وضاحت سورۃ الاعراف میں کر دی ہے۔ وہ عذاب کیا ہے؟ کسی قوم کا معمولی معمولی باتوں میں ہٹ دھری سے کام لیتے ہوئے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جانا سب سے بڑا عذاب ہے جس سے زیادہ بڑا عذاب شاید دنیا کے اندر رہتے ہوئے کوئی اور نہیں ہوگا۔ لیکن افسوس کہ جب کسی قوم کی حالت فکر اتنی گہرائی میں جا گری ہو کہ اس کو یہ عذاب عذاب ہی نظر نہ آئے تو اس کو کوئی کیا سمجھائے گا؟ بنی اسرائیل اس وقت کی ایک نہایت ہی ڈھیٹ قوم ہو گئی ان کو جتنا سمجھایا گیا وہ اتنا ہی سمجھ سے دور ہوتے چلے گئے بیشک وہ اس وقت اسی مثل کے مصداق ہوں گے کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

لیکن فی زمانہ حالت اتنی مختلف ہو گئی کہ ان کو درس عبرت دینے والی قوم خود درس عبرت بن گئی جس چیز نے ان کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر ثریا سے بھی بلند مقام عطا کیا تھا آج وہ اس چیز کا نام تک بھول گئے جس بات کا ان کو درس دیا گیا تھا کہ "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو' اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم وہی لوگ تو ہو جو ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے او اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔" اس سنی ہوئی بات کو انہوں نے ان سنی کر دیا۔ کاش کہ! اس وقت سے پہلے میں مر گیا ہوتا۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ جس عذاب کا نتیجہ خود قرآن کریم نے اس آیت کے اندر کھول کر رکھ دیا اور بنی اسرائیل کو دو ٹوک الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ "ذلیل و خوار بندروں کی طرح ہو گئے۔" "بندر بانٹ" کے محاورات استعمال کرنے والے خود اس بحث میں مبتلا ہو گئے کہ وہ عذاب کونسا عذاب تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے

Marfat.com

لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۶۵ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

سے کہا تھا کہ تم ذلیل و خوار بندروں[140] کی طرح ہو جاؤ۔ ۶۵

اور ہم نے اس معاملہ کو ان سب کے لئے جو اس وقت موجود تھے اور ان کے

کہ انہوں نے اس مرض کو مرض ہی نہ جانا کیونکہ وہ خود اس کھجلی کے مرض میں مبتلا رہ کر کھجلانے کے عادی ہوگئے تھے۔

ہر مرض اپنی علامت سے پہچانا جا سکتا ہے

۱۴۰ جب قوم کا بیشتر حصہ اس مرض خبیث کا شکار ہوگیا تو ان کی اخلاقی حالت بھی مسخ ہوتی چلی گئی۔ ان کے اخلاق جانوروں کی طرح ہوگئے پھر جانوروں میں بھی بندر اور سور کی عادت و خصلت سے کون واقف نہیں۔ وہ اگرچہ ڈھانچہ میں انسانوں کی شکل و صورت رکھتے تھے مگر اب ان میں اور ان بدترین حیوانوں میں کوئی چیز مابہ الامتیاز سوائے ظاہری صورت کے نہ رہی تھی۔ اب وہ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کی بجائے شَرُّ الْبَرِيَّةِ۔ اُولُوا الْاَبْصَار کی بجائے اَلْاَعْمٰی اور اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ کی بجائے اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ تھے۔

جب تک انسان کی صحت عمدہ ہے کوئی خارجی مضر چیز اس پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتی جہاں اس کی صحت خراب ہوئی چاروں طرف سے امراض کا حملہ شروع ہو جاتا ہے اور طبیعت ان کو فوراً قبول کرلیتی ہے۔ یہی حال روحانی صحت و تندرستی کا ہے جب ایک قوم بری عادتیں قبول کرنا شروع کر دیتی ہے تو سب سے پہلے اس کے اخلاق پر انکا اثر نمودار ہوتا ہے اور یہ بالکل ممکن ہے کہ جن حیوانوں کے اخلاق اس نے ابتداء میں قبول کئے تھے انہیں کا برا اثر عالم مثال تک پہنچنے پر ان کی صورتیں بھی اخذ کرلے۔

قرآن کریم ایسے محاورات و امثال سے بھرا پڑا ہے لیکن کوتاہ اندیش قوم کو الفاظ کے ایر پھیر میں ہی الجھائے رکھنا چاہتے ہیں جس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ اگر قوم کو اس حقیقت کی سمجھ آجائے جو ان الفاظ میں رکھی ہے تو وہ خود ان صفات کی زد میں آتے ہیں اور وہ اپنی پوزیشن کو بچانے کے لئے سیدھی طرف آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے مثلاً قرآن کریم میں اندھے بہرے اور گونگے کہنے سے یہ مراد نہیں کہ وہ دیکھتے' سنتے اور بولتے نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ دیکھی ان دیکھی' سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور جہاں حق کہنا پڑے چپ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن کے اندر یہ صفات موجود ہوں وہ ان حقیقی معنوں کی طرف قوم کو کب آنے دیں گے؟ قرآن کہتا رہے کہ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ کہ "ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ یہ دل جو سینوں کے اندر ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (الاعراف ۷ : ۱۷۶) "اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی مشقت میں ڈالو جب بھی

Marfat.com

ہانپے اور زبان لٹکائے۔ چھوڑ دو جب بھی ایسا ہی کرے۔" قرآن کریم نے یہ پہلے بتا دیا کہ اس کی ایسی مثال کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ اس نے ہوائے نفس کی پیروی کی " واتبع ھواہ" لیکن جو خود اس بیماری میں مبتلا ہیں وہ یہ بات قوم کو کیوں سمجھنے دیں گے؟

قرآن کریم کہتا ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ ۶۲ : ۵) یعنی یہود جن کے لئے تورات پر عمل پیرا ہونا لازم کیا گیا تھا اور انہوں نے اس بار گراں کو اٹھانے کا حق ادا نہیں کیا اس کے احکام کی تعمیل نہیں کی ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں ہوں۔ اس کو بوجھ میں رہنے کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں ہے یہی کچھ حال ان یہود کا ہے جو کتاب الٰہی تورات کے ذمہ دار بنائے گئے تھے انہوں نے حاملین تورات ہونے کا دعویٰ تو کر لیا مگر اس کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوئے بلکہ وہ گدھے سے بڑھ گئے۔ گدھا تو سوچنے سمجھنے سے عاری ہے اور انہوں نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو کر بھی کتاب الٰہی سے فائدہ نہ اٹھایا۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ○ (المائدہ ۵ : ۶۰)

"اے پیغمبر اسلام! تم کہو کیا تمہیں بتلاؤں اللہ کے حضور جزاء کے اعتبار سے کون زیادہ بدتر ہوا؟ وہ لوگ جن پر خدا نے لعنت کی اور اپنا غضب اتارا اور ان میں سے کتنوں ہی کو بندر اور سور کی طرح کر دیا اور وہ جو شریر قوتوں کو پوجنے لگے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے بدتر ہیں اور سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔"

مقام غور ہے کہ بقرہ میں انہی کو بندر اور سور کہا اور انہی کو مائدہ میں بندر، سور اور شریر قوتوں کو پوجنے والے یعنی شیطان کے پرستار کہا اور فرمایا کہ وہ سیدھی راہ سے بہت دور چلے گئے ہیں۔ اگر وہ بندر اور سور بنا کر تیسرے روز مار دیئے گئے تھے تو یہ شیطان کے پرستار اور سیدھی راہ سے بہت دور نکل جانے والے کون لوگ ہیں؟

پھر یہ سزا جو یہاں بیان کی گئی ہے وہ "اہل سبت" کی ہے اور سورۃ المائدہ میں بھی انہی "اہل سبت" کا ذکر ہے جن کی سزا مذکور ہے اور سورۃ النساء میں بھی انہی "اہل کتاب یعنی یہود" کی زیادتی اور ان کی اس زیادتی کی سزا ان الفاظ میں مذکور ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○ (النساء ۴ : ۴۷)

"اے وہ لوگو! کہ تمہیں کتاب دی گئی تھی یعنی توراۃ اور جو کتاب ہم نے پیغمبر اسلام پر نازل کی ہے اور

Marfat.com

جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے جو تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس وقت سے پہلے ایمان لے آؤ جب ایسا ہو کہ ہم لوگوں کے چہرے مسخ کر کے پیٹھ پیچھے الٹا دیں یعنی انہیں ذلیل و خوار کر دیں یا ایسا ہو کہ جس طرح اہل سبت پر ہماری پھٹکار پڑی تھی اسی طرح ان پر بھی پھٹکار پڑے اور اللہ نے جو کچھ فیصلہ یعنی قانون ٹھہرا دیا ہوا ہے' وہ ضرور ہو کر رہے گا۔"

یہ ان یہود کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے ۔ کیا وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے؟ نہیں بلکہ وہ اپنی جات پر اڑے رہے۔ کیا ان کو بندر و سور بنایا گیا؟ ہرگز نہیں ان کی شکل و صورت کے لحاظ سے وہ انسان ہی رہے لیکن چونکہ عادات و خصائل کے لحاظ سے وہ ان جانوروں کی سی عادات و خصائل رکھنے والے تھے اس لئے ان کو ذلیل و خوار ہو کر مدینہ طیبہ سے نکلنا پڑا اور انجام کار وہ نکل ہی گئے اور ان کو بندروں اور سوروں کی طرح دربدر پھرنا پڑا اور دھکے کھانے پڑے۔

رسول اکرم ﷺ کے مخالف یہود کی اگر شکلیں بگڑ کر بندر اور سور ہوگئی تھیں تو یقیناً پہلے یہود کی بھی ہوئی ہوں گی اگر ان یہود کی شکلیں تو انسانوں ہی کی رہی ہوں لیکن عادات بدل کر بندر و سور کی عادت کے حامل ہوگئے ہوں تو پہلے یہود کے ساتھ بھی وہی ہوا کیونکہ جس لعنت کے مستحق وہ پہلے یہود ہوئے تھے بالکل اسی لعنت کے مستحق یہ پچھلے یہود یعنی رسول اللہ ﷺ کے معاصرین بھی ہوئے۔ "كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ" کے الفاظ اس کو واضح کر رہے ہیں کہ جو سزا وہاں تھی وہ یہاں ہے اور جو سزا یہاں ہے وہی سزا وہاں بھی تھی۔

پھر قرآن کریم میں "قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ" کے بعد معاً فرمایا:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الاعراف ۷ : ۱۶۷) "اور اے پیغمبر اسلام! جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے رب نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ اگر وہ باز نہ آئے تو وہ ایک مقررہ دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو انہیں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کریں گے حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب بد عملوں کو سزا دینے میں متعین وقت سے دیر نہیں کرتا اور ساتھ ہی وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا بھی ہے۔"

اگر وہ بندر اور سور ہو کر تین دن کے بعد مر گئے تھے تو یہ اتنے بڑے لمبے عذاب میں مبتلا کون ہوئے؟ جب ان مسخ شدہ لوگوں کی کوئی نسل نہیں چلی تھی وہ کون تھے جو رسول اکرم ﷺ کے مخاطب تھے اور آپ کی دعوت کو قبول نہ کر کے مزید عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے۔

پھر یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں بلکہ ہمارے مفسرین بھی یہ لکھتے چلے آئے ہیں کہ ان کی شکلیں اور صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ اخلاق و عادات بگڑ گئی تھیں جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان الفاظ سے یاد کیا گویا یہ بیان بھی ان کے لئے عذاب الٰہی سے کچھ کم نہ تھا۔ لیکن یہ بات سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور خصوصاً عادات و خصائل کے بگڑے ہوئے لوگ جیسے آج کل ہمارے علماء کی اکثریت اور روسا و سیاست دانوں کی

Marfat.com

کثیر تعداد کی حالت ہے کب مانیں گے؟ کیونکہ اگر وہ مان لیں تو گویا بندر و سور اور عبد الطاغوت تو وہ خود ہو گئے۔ لہٰذا ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ قوم کو اصل حقیقت سے دور ہی رکھیں اور ظاہر ہے کہ اپنا فائدہ دنیا دار کیسے چھوڑ سکتا ہے؟

یہ بات کہ مسخ صرف معنوی ہوا تھا صوری نہیں یعنی ان کے عادات و اخلاق بندروں کے سے کر دیئے گئے تھے اور بندروں کا اطلاق ان پر مجازاً ہونے لگا تھا ورنہ حقیقتہً وہ شکل و صورت کے لحاظ سے بندروں کے جسم و قالب میں تبدیل نہیں کئے گئے تھے۔ لم یمسحوا قردۃ انما ھو مثل ضربہ اللہ لھم (ابن جریر عن مجاہد) مسخت قلوبھم ولم یمسحوا قردۃ (ابن جریر عن مجاہد) فی تفسیر ھذہ الایۃ انہ انما مسخت قلوبھم وردت افھامھم القردۃ (قرطبی) قیل بل جعل اخلاقھم کاخلاقھا وان لم تکن صورتھم کصورتھا (راغب) سب عبارات کا مطلب و مفہوم ایک ہی ہے کہ ان کی عادات و خصائل بندروں کی سی ہو گئی تھیں شکلیں اور صورتیں نہیں بدلی تھیں۔

بندر کی بڑی خصوصیت جس کے لئے عربی زبان میں اس کی مثال دی جاتی ہے وہ زنا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ازنی من قرد یعنی وہ بندر سے بھی زیادہ زانی ہے اس لحاظ سے بھی یہود واقعی بندر ہو گئے تھے۔ کتاب حزقیل میں ہے:

”تیرے بیچ میں وہ ہیں جو فسق و فجور کرتے ہیں۔ تیرے بیچ باپ کو بھی انہوں نے بے ستر کیا۔ کسی نے دوسرے کی جورو سے برا کام کیا اور دوسرے نے اپنی بہو سے بد ذاتی کی اور کسی نے اپنی بہن اپنے باپ کی بیٹی کو تیرے درمیان خراب کیا ہے۔“ (۲۲ : ۹) اور پھر اس جرم کی سزا کو ان الفاظ میں بیان کیا ”ہاں میں تجھ کو قوموں میں کھنڈا دوں گا اور تجھے ملکوں میں پراگندہ کر دوں گا۔“ گویا ایک طرف یہود کے اخلاق بندروں اور سوروں کے سے ہو گئے تھے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا بھی ایسی ہی دی کہ ان کو ذلیل کر کے بندروں، سوروں کی طرح دربدر پھرایا اور کسی ایک جگہ ٹکنے نہ دیا۔ اور قرآن کریم نے بھی یہی فرمایا کہ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا اور گروہ در گروہ کر کے ہم نے ان کو زمین میں دربدر پھرایا اور مدت تک خاک چھانتے پھرے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ○ (الاعراف ۷ : ۱۷۹)

”ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے وہ گویا عقل و حواس کا استعمال کھو کر چارپایوں کی طرح ہو گئے بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔“

قانون ترک کرنے کی ایک صورت یہ تھی جو بنی اسرائیل نے اختیار کی وہ اس طرح کہ ان کے علماء نے

Marfat.com

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝٦٦ وَإِذْ قَالَ

لئے بھی جو بعد میں پیدا ہوئے تازیانہ عبرت بنا دیا۔ اور ان لوگوں کے لئے جو متقی ہیں
اس میں بہت بڑی نصیحت رکھ دی۔ ۶۶[۱۴۱]

ان کو ایک گر سکھایا کہ وہ ہفتہ کے روز شکار بھی نہ کریں اور شکار کا فائدہ بھی پورے کا پورا بلکہ زیادہ سے زیادہ حاصل کریں یعنی انہوں نے قوم کو ایک حیلہ بتایا کہ اللہ کے دیئے ہوئے حکم کی تعمیل بھی ہوگئی کیونکہ اس حکم کی شکل قائم رہی۔ کوئی دیکھنے والا اعتراض بھی نہ کر سکا اور ان کا مطلب بھی نکل آیا وہ سمجھے کہ یہی ہوتا ہے۔
"ہم خرما وہم صواب"

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ایک حیلے کی خوب گت بنائی۔ ان کو مغضوب کہا۔ ظالم کہا۔ فاسق کہا۔ خائب و خاسر کہا۔ ذلیل و خوار قرار دیا۔ سور اور عبدالطاغوت قرار دیا۔ لیکن علمائے اسلام کے ایک گروہ نے کتاب الحیل کھول دی۔ قوم کو حیلے پر حیلہ سکھایا۔ دل کھول کر اس حیلہ سازی سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا۔ دیکھنے کا شوق ہو تو کسی فقہ کی کتاب سے کتاب الحیلہ نکال کر مطالعہ کر لیں اور ہمارے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ لکھا ہے کہ "اس سے ان فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن کا ہماری کتب فقہ میں ذکر ہے۔ کیونکہ ہمارے فقہائے کرام اور علمائے عظام نے حرام سے بچنے کی بعض ایسی تدبیریں بتلائی ہیں ان کو یہود کے حیلوں کی طرح کہنا اور سمجھنا غلط ہے۔" کیوں؟ اس لئے کہ وہ یہود کا حیلہ تھا یہ ماشاء اللہ مسلمانوں کے حیلے ہیں۔

اس واقعہ میں عبرت بھی ہے اور نصیحت بھی

۱۴۱ یہود کو ان کے حیلے کی سزا مختلف گروہ بندیوں میں تقسیم ہو جانے کی صورت میں ملی۔ ہمارے اسلامی حیلوں کی سزا ہمیں مل رہی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ قارئین "عروۃ الوثقی" خود کر لیں۔ اس واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے دو قسم کے لوگ تھے اور ہیں یعنی فرمانبردار اور نافرمان۔ چونکہ نافرمانوں کے لئے تو یہ واقعہ نافرمانی سے توبہ کرانے والا تھا اور ہے اسی لئے اس کو "نکال" فرمایا اور فرمانبرداروں کو یہ واقعہ فرمانبرداری پر قائم رکھنے والا تھا اور ہے اس لئے اس کو "موعظۃ" سے تعبیر کیا ہے اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ متقی وہی ہوتے ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں اور ماننے والی بات یعنی حق کو فوراً مان لیتے ہیں۔

Marfat.com

مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

اور [۱۴۲] پھر وہ معاملہ یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے یہ بات کہی تھی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قوم کے لوگوں نے بیک زبان کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم ہمارے ساتھ تمسخر کرتے ہو۔ موسیٰؑ نے کہا اللہ کی پناہ کیا میں جاہلوں کا سا

بنی اسرائیل کو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم

۱۴۲ مثل ہے کہ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ بنی اسرائیل ایک مدت تک مصر میں رہتے تھے اور مصری گائے کی پرستش میں ہندوستان کے آریوں کی طرح مشہور تھے بنی اسرائیل توحید کے علمبردار بھی تھے۔ اور مشرکانہ رسومات کے پابند بھی۔ گائے کی عظمت بلکہ تقدیس ان کے دلوں میں رچ چکی تھی۔ توریت میں بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم خاص خاص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ بار بار ملا ہے۔ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب طور پر گئے تو آپ کی عارضی غیر حاضری میں سامری نے جو شعبدہ کیا تھا وہ بھی بچھڑے ہی کی شکل و صورت میں تھا۔ بچھڑا کیا ہے؟ وہی گائے کا بچہ جس سے ان کو دلی محبت اور لگاؤ تھا۔ تورات میں ہے:

"بنی اسرائیل کو کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو جس پر کبھی جوا نہ رکھا گیا ہو تجھ پاس لائیں تم اسے الیعزر کاہن کو دو کہ اسے خیمہ سے باہر لے جائے اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے۔"

(گنتی ۱۱: ۲۰)

جو شہر مقتول سے زیادہ نزدیک ہے اس شہر کے بزرگ سے ایک بچھیا لیں جس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو اور جوتے تلے نہ آئی ہو اور اس شہر کے بزرگ اس بچھیا کو ایک بہیڑ وادی میں جو نہ جوتی گئی ہو نہ اس میں کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور اس وادی میں اس بچھیا کی گردن کاٹیں۔" (استثناء ۲۱: ۳،۴)

بقرہ اصل میں صرف گائے کے لئے ہے جو "ثور" کا مونث ہے لیکن اسم جنس کے طور پر بھی بولا جاتا ہے یعنی نر ہو یا مادہ دونوں کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نے اس کو "گائے" لکھا ہے اور بعض نے "بیل" مراد لی ہے۔ آگے واقعہ کی تفصیل میں جو اس کی پہچان بتائی گئی ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ بیل ہوگا کیونکہ ہل جوتنے اور رہٹ یا کنواں چلانے کا کام زیادہ تر بیل ہی سے لیا جاتا ہے۔ جس کی

Marfat.com

الْجٰهِلِيْنَ ۞ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ

شیوہ اختیار کر رہا ہوں؟ ۶۷

یہ ۱۴۳ س کر وہ بولے کہ تم اپنے رب سے درخواست کرو کہ واضح کرے کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟ موسیٰؑ نے کہا اللہ کا حکم یہ ہے "وہ ایسی گائے ہو جو نہ تو بالکل بوڑھی

یہاں ممانعت کی گئی ہے کہ یہ کام اس سے نہ لئے گئے ہوں ظاہر ہے کہ عرف میں اس سے یہ کام لئے جا سکتے تھے لیکن جب ان کاموں کی نفی کی گئی تو خود بخود معلوم ہو گیا کہ وہ بیل ہو گا۔

پھر چونکہ عظمت و تقدیس کا ذکر جب آتا ہے تو اس سے مراد زیادہ تر "گائے" ہی لی جاتی ہے "بیل" نہیں اس لئے کچھ مفسرین نے صرف گائے ہی کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "بیل" کی نفی بھی کی۔ بنی اسرائیل "گئوماتا" کے احترام و تقدیس کے جذبہ سے سرشار تھے۔ ان کو شاید یقین ہی نہ آیا کہ ایسے مقدس و محترم جانور کو ذبح کر ڈالنے کا حکم ملا ہو گا۔ بس یہی سمجھے کہ موسیٰ علیہ السلام ازراہ ہنسی اور مذاق کہہ رہے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت فرما دی کہ میں نے تم کو اللہ کا حکم پہنچایا ہے اور اللہ کی طرف سے پیام گھڑ لینے کی جسارت وہی کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ سے غافل اور جاہل ہو یا وہ کر سکتا ہے جو احکام الٰہی سے استہزاء کے نتائج سے بے خبر ہو۔ میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟ تعجب ہے کہ تم نے میرے متعلق کیا خیال کیا؟ رہا معاملہ خوش طبعی کا تو وہ بھی دین کے معاملہ میں اور حکم الٰہی قرار دے کر کس طرح ممکن ہے یعنی ہرگز جائز نہیں ایسی بات کوئی جاہل اور ناواقف ہی کر سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کی مزید موشگافیاں

۱۴۳ جب قانون یا حکم پر عمل کرنا منظور نہ ہو تو اس میں فلسفیانہ موشگافیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ بال کی کھال اتاری جاتی ہے۔ بات سے بات نکالی جاتی ہے۔ سوال پر سوال کیا جاتا ہے اور مقصد یہی ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس سے نجات مل جائے۔ باتیں بہت پوچھی جاتی ہیں۔ فرضی صورتیں پیش کی جاتی ہیں اور ان سب کا ماحصل ترک قانون یا حکم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے بھی بعینہ یہی صورت اختیار کی اگر وہ ان باریک بینیوں میں نہ جاتے۔ بلکہ کوئی ایک گائے لے کر ذبح کر دیتے تو معاملہ ختم ہو جاتا لیکن ایسا جب کرتے کہ وہ کرنے کا ارادہ رکھتے ان کا ارادہ تو بات کو ٹالنے کا تھا۔ انہوں نے حتی المقدور کوشش کی۔ اب وہ

Marfat.com

عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۞ ۶۸ قَالُوا ادْعُ
لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ۞ ۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا

ہو نہ بالکل بچھیا بلکہ وہ درمیانی عمر کی ہو" اور اب چاہئے کہ تعمیل حکم کرو۔ ۶۸

لیکن[۱۴۴] پھر وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے پوچھو وہ یہ بھی بتلائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰؑ نے کہا "اللہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا رنگ پیلا ہو۔ خوب گہرا پیلا' ایسا پیلا کے دیکھنے والے دیکھتے ہی خوش ہو جائیں۔" ۶۹

وہ پھر کہنے[۱۴۵] لگے اب بھی ہمارے لئے اس کی پہچان مشکل ہے اپنے رب سے کہو

پوچھ رہے ہیں اے موسیٰ! اپنے رب سے پوچھ کر بتا وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ وہ گائے نہ تو اتنی بوڑھی ہو کہ کام کے قابل نہ رہی ہو اور نہ ہی اتنی کم عمر بچھیا کہ اس کا ذبح کرنا نہ کرنا برابر ہو بلکہ وہ جوان ہو اور تم کو چاہئے کہ بات کو ختم کر کے عمل کی طرف آؤ تاکہ اپنے لئے ایک آسان حکم کو مشکل نہ بنا دو۔

بنی اسرائیل نے مزید سوال اٹھا دیا کہ بتاؤ اس کا رنگ کیسا ہے؟

۱۴۴ اگر وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کا حکم سنتے ہی کوئی ایک گائے ذبح کر دیتے تو انہیں اتنی تکلیف برداشت کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی نیت صحیح نہ تھی وہ چاہتے تھے کہ یہ بات ہمارے سر سے ٹل جائے اس لئے کثرت سوال سے موسیٰ علیہ السلام کو خوب تنگ کیا لیکن نتیجہ میں وہ خود تنگی میں مبتلا ہو گئے۔ قاعدہ ہے کہ قانون اپنی ابتدائی شکل میں بہت سادہ اور سہل ہوتا ہے مگر جوں جوں آپ سوال کرتے جائیں گے قیود اور پابندیاں بڑھتی جائیں گی اور اس کا دائرہ تنگ ہوتا جائے گا۔

اہل مصر کا ایک فرقہ گائے کی تقدیس کے باوجود اسے قربان بھی کیا کرتا تھا۔ مگر وہ لوگ جو قربانی کے قائل تھے قربانی کے جانور میں بڑی بال کی کھال اتارا کرتے تھے اس کا رنگ یکسر سفید اس کے پورے جسم پر ایک بال بھی سیاہ نہ ہو۔ دم بالکل صحیح اور طبعی حالت میں ہو اور دم کے بال پورے سیاہ ہوں اس میں کوئی دھبہ نہ ہو

Marfat.com

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ؕ وَإِنَّآ إِن شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

وہ واضح کرے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ کچھ مزید وضاحت ہوئی تو ہم ان شاء اللہ ضرور پتہ لگالیں گے۔۷۰

موسیٰ علیہ السلام[۱۴۶] نے کہا اللہ کا حکم ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو

غرض کئی طرح کی قیدیں اور شرطیں انہوں نے لگا رکھی تھیں۔ آخر یہ لوگ بھی تو مصر ہی میں رہتے تھے ممکن ہے کہ انہیں کہ صحبت کا یہ اثر ہو۔ بہرحال ان کو بتایا گیا کہ گائے کا رنگ زرد ہو اور خوب شوخ کھلتا ہوا۔ خوشنما' خوش منظر' خوش رنگ ہو۔ بدرنگ' بدنما اور بدمنظر نہ ہو۔

بنی اسرائیل نے کہا کہ ہماری تسلی ابھی نہیں ہوئی کچھ مزید وضاحت کراؤ

۱۴۵ یہ کٹ حجتیاں کرنے والے کم ہوتے تو شاید نوبت یہاں تک نہ آتی لیکن یہاں تو پورا آوے کا آوا ہی خراب تھا۔ کوئی کسی کو کیا کہتا۔ علماء تھے تو سوء او سیاسی لیڈر تھے تو شرارتی۔ مذہبی پیشوا تھے تو چٹے ان پڑھ اور ناخواندہ۔ جو ان کے جی میں آتا کہہ دیتے اور جو کہہ دیتے وہ ان کا حرف آخر ہوتا۔ یہ نبوت کا کمال ہے کہ ان کو ہر سوال کا جواب دیا جا رہا ہے اور کوئی سر پھٹول نہیں ہوئی۔ صبر و استقلال کے ساتھ ان کی ساری واہیاتیوں کو برداشت کرتے ہوئے ایسے معمولی معمولی اور نہایت بودے سوالات کا جواب بھی کتنے تحمل سے دیا جا رہا ہے۔

گائے کی آخری پہچان جس کے بعد وہ مزید کچھ نہ کہہ سکے

۱۴۶ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ گائے نہ تو جوتی گئی ہو کہ زمین کو پھاڑنے والی ہو اور نہ کھیتی کو پانی وغیرہ دینے کے کام اس سے لئے گئے ہوں۔ ہند و پاک میں یہ کام بیل سے لیا جاتا ہے اور گائے سے کاشتکاری کا کام نہیں لیا جاتا ممکن ہے کہ ان کے علاقہ میں نر و مادہ کا یہ خیال نہ کیا جاتا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ گائے نہیں بلکہ بیل ہی ہو۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اگرچہ اس کا رواج ہمارے علاقہ میں نہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید کہا کہ اس گائے میں کسی طرح کا کوئی داغ دھبہ بھی نہ ہو۔ اب جبکہ ان کے کرنے کا کوئی سوال باقی نہ رہا۔ وہ خود سوال کر کے تھک گئے لیکن موسیٰ علیہ السلام برابر ان کو جواب فراہم کرتے رہے۔ جس چیز میں وہ ٹانگ اڑانا چاہتے تھے نہ اڑا سکے اور

Marfat.com

ایسے لاجواب ہوئے کہ گویا اب ان کو سوال کرنے کی ہوش ہی نہ رہی اور کوئی نیا بہانہ وہ تراش نہ سکے تو کہنے لگے کہ بس اب حق ہم پر واضح ہو گیا اور انجام کار وہ جانور انہوں نے تلاش کر ہی لیا۔ جس کو وہ ذبح کرنے کے لئے بادل نخواستہ تیار ہو گئے۔

گزشتہ آیات کی روشنی میں قوم مسلم کا ایک تجزیہ

گزشتہ آیات میں قوم بنی اسرائیل کی دو بنیادی خرابیاں ذکر کی گئی ہیں۔

الف ۔ قانون الٰہی سے نفرت ب ۔ علمائے یہود کو حیلہ سازی کی عادت اور قوم کی خوشی۔

اب رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی غور و فکر کے ساتھ سنیں اور اچھی طرح یاد رکھیں آپ ؐ نے فرمایا لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذ والنعل بالنعل---- ”جو کچھ بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا وہی میری امت کے ساتھ بھی ہو گا۔“ ذرا غور کریں اور قوم مسلم کا تجزیہ کر کے دیکھیں کہ کیا ہر وہ بیماری جو قوم یہود میں پائی جاتی تھی آج قوم مسلم میں وہ من و عن موجود ہے یا نہیں؟

قانون الٰہی کہیں یا دین الٰہی' اس کی پہلی شق یہ ہے کہ اختلاف و تفرقہ اور گروہ بندی کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اس لئے کہ یہ قومی زندگی کے لئے نہایت ہی مہلک اور نقصان دہ ہے۔ یہ ایک ہی وقت میں کفر بھی ہے اور شرک بھی' ظلم بھی ہے اور عدوان بھی۔ اور قران کریم کی زبان میں اس کو آگ کے گڑھے سے تشبیہ دی گئی ہے اور آپس میں محبت و پیار اور الفت کو اللہ کی نعمت کہا گیا ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اور اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے اس رسی کو مضبوط پکڑنے سے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو' اسی سے ان کی دلچسپی ہو' اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اس کی خدمت کے لئے آپس میں تعاون کرتے رہیں جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں' جزئیات و فرعیات کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصد حیات سے منحرف کر کے دنیا و آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔

آج اگر کوئی شخص بینا آنکھ رکھتا ہے یا اس کی سماعت کام کرتی ہے تو وہ اس بات کی تصدیق کرنے پر مجبور ہے کہ قوم مسلم میں وہ ہر ایک بیماری موجود ہے جو کبھی یہود میں ہوا کرتی تھی۔ نہیں بلکہ ان بیماریوں میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ ع

جسم ما تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

بنی اسرائیل کی قومی بیماریوں میں دوسری بیماری حیلہ سازی کی تھی آپ اس کو بھی دیکھتے چلیں لیکن یہاں

Marfat.com

صرف اشارات پر اکتفا کیا جائے گا تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے حیلوں کا سدباب یہاں تک کیا کہ قاضیوں کو ہدایا قبول کرنے سے روک دیا کہ رشوت ستانی کا ایک حیلہ بن سکتا ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا: ہدایا الولاۃ غلول ابوداؤد میں ہے کہ " استعملناہ علی عمل ورزقناہ رزقا فما اخذہ بعد ذلک فھو غلول۔" ہم نے اسے کام پر لگا دیا اور تنخواہ معین کر دی اس کے علاوہ جو کچھ لوگوں سے لے گا وہ غلول ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ " اخذ الامیر الھدیۃ سحت" امیر کا ہدیہ قبول کرنا مال حرام کا لینا ہے۔ اسی طرح مقروض سے تحفہ اور ہدیہ کا لینا ناجائز قرار دیا کہ یہ سود کے لئے حیلہ بن سکتا ہے۔ ارشاد ہوا: اذا قرض احدکم قرضا فاھدی الیہ اوحملہ علی الدابۃ فلا یرکبھا ولا یقبلہ الا ان یکون جری بینہ و بینہ قبل ذلک اگر تمہارا مقروض تمہیں ہدیہ دے یا سواری کے لئے جانور پیش کرے تو اس پر سوار نہ ہونا اور ہدیہ قبول نہ کرنا' ہاں! اگر پہلے سے یہ سلسلہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اجلہ صحابہ کرامؓ نے ہدیہ مقترض کی نسبت فتویٰ دیا کہ وہ ربوا میں داخل ہے۔ لیکن باوجود کتاب و سنت کی ان تصریحات کے ارباب دجل و فریب اور مکاروں کے گروہ نے وہ حیلہ سازیاں کیں کہ یہودیوں کے کان بھی پکڑوا دیئے۔

دوسری صدی ہجری کے شروع ہی میں بعض علمائے سو اور فقہائے دنیا نے حیلہ تراشیاں شروع کر دی تھیں اور تیسری صدی میں کتاب الحیل کی باقاعدہ تدوین و ترتیب عمل میں آگئی۔ اس میں انہوں نے اپنے پیش رو یہودیوں کو بھی مات کر دیا اللہ کا حکم تھا کہ ہر مالدار زکوٰۃ دے انہوں نے سال کے آخر میں تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیا کہ رب کریم دھوکے میں آکر ہم کو مفلس و نادار سمجھ لے گا۔ وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔

اجیرہ زانیہ کے اجر مثل کا جزئیہ کس سے مخفی ہے اس نے صاف زانیہ کی اجرت کو جائز قرار دیا اور توسیع کاروبار زنا بن گیا اس کے حلال و طیب ہونے کی صورت کس سے پوشیدہ ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ کسی شخص نے گھر کا کام کاج کرنے کے لئے یا کھانا پکانے کے لئے یا کسی اور فعل مباح کے لئے ایک عورت سے عقد اجارہ کیا کہ اتنی مزدوری پر میرا کام کر دینا اور ساتھ ہی یہ شرط بھی ٹھہرالی کہ تجھ سے خواہش نفس کا کام بھی لوں گا تو چونکہ یہ مشروع باصلہ و غیر مشروع بوضعہ ہے اس لئے اجارہ فاسد ہوا لیکن اجرت حلال ٹھہری۔ نتیجہ کیا نکلا؟ کہ اگر کسی فقیہ حیل نے ذرا چشم و ابرو دیکھ کر کسی اچھی سی ماما کو کام کاج کے لئے مزدوری پر رکھ لیا اور چونکہ ساتھ یہ شرط بھی ٹھہرائی تھی کہ گاہ گاہ کچھ اور مشغلہ بھی جاری رہے گا تو ایسی اجرت اس ماما کے لئے جائز اور حلال و طیب بتائی۔ تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل قرآن کریم کی زبان میں:

نَتْلُوْا عَلَیْکَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○ (القصص ۲۸:

Marfat.com

(۴۳) یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (البقرہ ۲ : ۴۹) یُقَتِّلُوْنَ (الاعراف ۷ : ۱۴۱) یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ
نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ (البقرہ ۲ : ۴۹) نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ
نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
یَحْذَرُوْنَ ۝ (القصص ۲۸ : ۶) وَاَوْحَیْنَآ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ (القصص ۲۸ : ۷) اَنِ
اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ (طٰہٰ ۲۰ : ۳۹) فَاَلْقِیْهِ (القصص ۲۸ : ۷) فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْ
خُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ (طٰہٰ ۲۰ : ۳۹) وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝
فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ (القصص ۲۸ : ۸) فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (القصص ۲۸ : ۱۱) قَالَتِ امْرَاَتُ
فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۝ (القصص ۲۸ : ۹) وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ
الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ
عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (القصص ۲۸ : ۱۳) وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى (القصص ۲۸ : ۱۴) دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰى حِیْنِ
غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَى
الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَیْهِ (القصص ۲۸ : ۱۵) فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی
اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤى اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا
قَالَ یٰمُوْسٰۤى اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ (القصص ۲۸ : ۱۹) وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ
یَسْعٰى قَالَ یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا
یَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (القصص ۲۸ : ۲۰)

قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا
نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ
وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ
اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝
فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى
اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ
تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا

Marfat.com

حَتّٰی اِذَا اَتَیَا اَهْلَ قَرْیَةِ اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ
قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا○ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا○
اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَکَانَتْ لِمَسَاکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَکَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَةٍ
غَصْبًا○ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَا اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا○ فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَکٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا○ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَکَانَ تَحْتَهٗ
کَنْزٌ لَّهُمَا وَکَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ وَمَا
فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا○ (الکھف ۱۸: ۶۰، ۸۲) وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ
عَسٰی رَبِّیْ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ○ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ
امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُکُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ○ فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ
تَوَلّٰی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ○ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ
اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْکَ لِیَجْزِیَکَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○ قَالَتْ اِحْدٰهُمَا یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ○ قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ
اُنْکِحَکَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ○ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِکَ وَمَا اُرِیْدُ اَنْ
اَشُقَّ عَلَیْکَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ قَالَ ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ
عَلَیَّ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ○ (القصص ۲۸: ۲۱، ۲۸) فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْ اَهْلِ مَدْیَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰا
مُوْسٰی (طٰہٰ ۲۰: ۴۰) فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا○ قَالَ لِاَهْلِهِ امْکُثُوْا
اِنِّیْ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْ اٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ (القصص ۲۸: ۲۹) اَوْ اٰتِیْکُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ (النمل ۲۷: ۷) جَذْوَةٍ مِّنَ
النَّارِ لَعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ (القصص ۲۸: ۲۹) اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی ○ (طٰہٰ ۲۰: ۱۰) فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ
شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ (القصص ۲۸: ۳۰) مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ (مریم ۱۹: ۵۲) فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَکَةِ
مِنَ الشَّجَرَةِ (القصص ۲۸: ۳۰) اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ یٰمُوْسٰی
اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (النمل ۲۷: ۹) اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (القصص ۲۸: ۳۰) اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ
فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی (طٰہٰ ۲۰: ۱۲) مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی○ قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا
عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی (طٰہٰ ۲۰: ۱۸) اَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ کَاَنَّهَا جَآنٌّ
وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ یٰمُوْسٰی اَقْبِلْ (القصص ۲۸: ۳۱) خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی (طٰہٰ ۲۰:
۲۱) اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ (القصص ۲۸: ۳۲) وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً
اُخْرٰی (طٰہٰ ۲۰: ۲۲) وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِکَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّکَ (القصص ۲۸: ۳۲) فِیْ تِسْعِ
اٰیٰتٍ (النمل ۲۷: ۱۲) اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ اِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ (القصص ۲۸: ۳۲) وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا○ (مریم

Marfat.com

۱۹ : ۵۲) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (ہود ۱۱ : ۹۷) هَامَانَ
وَقَارُوْنَ (المومن ۴۰ : ۲۴) اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ہود ۱۱ :) اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ
فِرْعَوْنَ (الشعراء ۲۶ : ۱۱) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (نازعات ۷۹ : ۱۷) قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ
(الشعراء ۲۶ : ۱۲) رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا (القصص ۲۸ : ۳۳) وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ (الشعراء
۲۶ : ۱۴) وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ (الشعراء ۲۶ : ۱۳) رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ
عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ (طٰہٰ ۲۰ : ۲۸) وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا (القصص ۲۸ : ۳۴) وَاجْعَلْ
لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي (طٰہٰ ۲۰ : ۳۰) فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ (الشعراء ۲۶ : ۱۳) فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً
(القصص ۲۸ : ۳۴) قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا (القصص ۲۸ : ۳۵) قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ
سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى (طٰہٰ ۲۰ : ۳۰) اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى-
(طٰہٰ ۲۰ : ۴۳) قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (الشعراء ۲۶ : ۱۷) فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ قَالَا رَبَّنَآ
اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى فَاْتِيٰهُ (طٰہٰ ۲۰ : ۴۶)
فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ (نازعات ۷۹ : ۱۸، ۱۹) فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ
فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ (طٰہٰ ۲۰ : ۴۷) قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى
قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (طٰہٰ ۲۰:
۵۱) قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ
حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ
الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ (الشعراء ۲۶ : ۲۹) قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ
الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ
رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (الشعراء ۲۶ : ۱۸،
۲۲) فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱۰۱)

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الشعراء ۲۶ : ۳۰) قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ (الاعراف ۷ : ۱۰۶)
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝
(الشعراء ۲۶ : ۳۳) قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا
الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الاعراف ۷ : ۱۰۵) وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ (القصص ۲۸ : ۳۹) فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝

Marfat.com

(المومنون ۲۳: ۴۶) مُجْرِمِيْنَ (یونس ۱۰: ۷۵) قَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ○ (المومنون
۲۳: ۴۷) فَظَلَمُوْا (الاعراف ۷: ۱۶۲) فَكَذَّبُوْهُمَا (المومنون ۲۳: ۴۹) فَقَالُوْا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (المومن ۴۰:
۲۴) قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ○ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ○ قَالُوْا
اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ (الشعراء ۲۶: ۳۶) وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ○ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ○ (الاعراف
۷: ۱۱۲) قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ
مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى○ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى○ فَتَوَلّٰى
فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى (طٰہٰ ۲۰: ۵۷، ۶۰) قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ (یونس ۱۰: ۷۹) فَجُمِعَ
السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ○ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ
○ (الشعراء ۲۶: ۴۰) فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ○ قَالَ نَعَمْ
وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ○ (الشعراء ۲۶: ۴۱، ۴۲) فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى○ قَالُوْا اِنْ هٰذٰنِ
لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى○ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا
صَفًّا○ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (طٰہٰ ۲۰: ۶۴) قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى
(طٰہٰ ۲۰: ۶۵) وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ○ قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ
وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ○ (الاعراف ۷: ۱۱۶) فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ
○ (الشعراء ۲۶: ۴۴) فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى○ (طٰہٰ ۲۰: ۶۶) فَلَمَّآ اَلْقَوْا
قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ (یونس ۱۰: ۸۱) فَاَوْجَسَ فِىْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى○ قُلْنَا لَا تَخَفْ
اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (طٰہٰ ۲۰: ۶۸) وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ (الاعراف ۷
: ۱۱۷) فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ (الشعراء ۲۶: ۴۵) مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ
سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ ۲۰: ۶۹) فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ
وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ○ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ○ (الاعراف ۷: ۱۲۰) سُجَّدًا (طٰہٰ ۲۰: ۷۰) قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ○ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ○ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ
لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۲۳) اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ
اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى○ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ ۲۰: ۷۲) وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ
اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ○ (الاعراف ۷: ۱۲۶) وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ
فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ

Marfat.com

ایَۃٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ ○ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ
ایٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۳۳)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ ایٰتُنَا مُبْصِرَۃً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ وَجَحَدُوْا بِهَا (النمل ۲۷ : ۱۳) وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ
ایٰتِنَا کُلَّهَا فَکَذَّبَ وَاَبٰی (طٰہٰ ۲۰ : ۵۶) فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ○ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَۃُ
الدَّارِ (القصص ۲۸ : ۳۷) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَکُوْنَ لَکُمَا الْکِبْرِیَآءُ فِی
الْاَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَکُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ○ (یونس ۱۰ : ۷۸) قَالَ فِرْعَوْنُ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ
فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَی الطِّیْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ (القصص ۲۸ : ۳۸) ابْنِ لِیْ (المومن ۴۰ : ۳۶) صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ
اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی (القصص ۲۸ : ۳۸) لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ○ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ (المومن ۴۰ : ۳۷) وَاِنِّیْ
لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ○ (القصص ۲۸ : ۳۸) وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ ○ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ
اَمِیْنٌ ○ وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ○ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ ○ (الدخان ۴۴ : ۲۰، ۲۱) فَلَمَّا
جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ وَمَا کَیْدُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا
فِیْ ضَلٰلٍ ○ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ
الْفَسَادَ ○ (المومن ۴۰ : ۲۶) وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ
وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ اِنَّ
اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ یٰقَوْمِ لَکُمُ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ظٰهِرِیْنَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ یَّنْصُرُنَا مِنْ بَاْسِ اللّٰهِ
اِنْ جَآءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ (المومن ۴۰ : ۲۹) وَقَالَ الَّذِیْٓ
اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ○ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ
یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ○ وَیٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ○ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ
وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ (المومن ۴۰ : ۳۳) وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ
شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِهٖ حَتّٰٓی اِذَا هَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا (المومن ۴۰ : ۳۵) وَقَالَ فِرْعَوْنُ
یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ○ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ کَاذِبًا
ط وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیْلِ وَمَا کَیْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِیْ تَبَابٍ ○ (المومن ۴۰ : ۳۷) اِنَّ
قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْهِمْ وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْکُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَۃِ اُولِی الْقُوَّۃِ اِذْ قَالَ
لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ ○ وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ ———
——— وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْمُفْسِدِیْنَ ○ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ

Marfat.com

مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ـــــــ
قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ
الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ
بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَ
يْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (القصص ۲۸: ۸۲)

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ○ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ○ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ
الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○ (الزخرف ۴۳: ۵۳) وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰى
اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ○ (الاعراف ۷: ۱۳۴، ۱۳۵)

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا
لَمُهْتَدُوْنَ ○ (الزخرف ۴۳: ۴۹) قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ
○ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یونس ۱۰: ۸۹) قَالَ مُوْسٰى
لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ قَالُوْا
اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ
فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۲۹) وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى
الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى (طٰہٰ ۲۰: ۷۷) فَاَسْرِ بِعِبَادِىْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا
اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ○ (الدخان ۴۴: ۲۴) اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ
○ (الشعراء ۲۶: ۶۳) وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ○ (البقرہ ۲: ۵۰)
فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ○ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ○ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ
سَيَهْدِيْنِ ○ (الشعراء ۲۶: ۶۲) فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا
هَدٰى (طٰہٰ ۲۰: ۷۹) وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ○ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ○ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○ (الشعرا
۲۶: ۶۴) فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ○ (الاعراف ۷ :
۱۳۶) فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ (القصص ۲۸: ۴۰) فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ
وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (بنی

Marfat.com

اسرائیل ۱۷: ۱۰۴) وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا
ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (البقرہ ۲: ۵۷) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى○ (طٰہٰ ۲۰: ۸۱) وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ
عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا وَأَوْحَيْنَا إِلٰى مُوْسٰى إِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ أَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ
(الاعراف ۷: ۱۶۰) فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ○ (البقرہ ۲: ۶۰) وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى
بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ (البقرہ ۲: ۶۱) وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ
يَّعْكُفُوْنَ عَلٰى أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ○ إِنَّ هٰؤُلَاءِ
مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۳۹) وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ
شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ○ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ○ (البقرہ ۲: ۵۹)
يَظْلِمُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۶۰) وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ
وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا
فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ○ قَالَ يٰمُوْسٰى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ
وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ○ (الاعراف ۷: ۱۴۴) وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى
اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ ۲: ۵۵) وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا (الاعراف ۷: ۱۵۵) فَأَخَذَتْكُمُ
الصّٰعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ○ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (البقرہ ۲: ۵۶) فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ (الاعراف ۷: ۱۵۵) وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (البقرہ ۲: ۶۳) وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهٗ
ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْا أَنَّهٗ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (الاعراف ۷: ۱۷۱) وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هُمْ
أُولَآءِ عَلٰى أَثَرِيْ وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (طٰہٰ ۲۰: ۸۴) وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ
مِيْقَاتُ رَبِّهٖ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوْسٰى لِأَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ○
(الاعراف ۷: ۱۴۲) وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (الاعراف ۷: ۱۴۸) قَالَ
فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (طٰہٰ ۲۰: ۸۵) فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا
هٰذَا إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا○ وَلَقَدْ قَالَ
لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْا أَمْرِيْ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ

Marfat.com

عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (طٰهٰ ۲۰:۹۱) فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا (طٰهٰ ۲۰:۸۶) قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ (البقرہ ۲:۵۴) اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الاعراف ۷:۱۵۲) قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ (طٰهٰ ۲۰:۸۶) قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (الاعراف ۷:۱۵۰) اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ (طٰهٰ ۲۰:۹۴) قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ (طٰهٰ ۲۰:۸۷) قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا (طٰهٰ ۲۰:۹۷) وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ (الاعراف ۷:۱۵۴) ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ○ (الانعام ۶:۱۵۴) وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا○ (المائدہ ۵:۱۲) اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْئٰنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ○ (البقرہ ۲:۶۷:۷۱)

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ○ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ○ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ○ (المائدہ ۵:۲۶)

Marfat.com

ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے کچھ صحیح واقعات ان لوگوں کے لئے پڑھ کر سناتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں یہ واقعہ ہے کہ فرعون نے اللہ کی زمین میں بہت سر اٹھایا۔ اور اس کے رہنے والوں میں پھوٹ ڈال کر گروہ در گروہ کر دیا۔ ان میں سے ایک جماعت کو اس قدر کمزور رکھتا اور ابھرنے نہ دیتا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرتا اور ان کی لڑکیوں کے اعراض و ناموس کو برباد کرتا وہ بلاشبہ زمین کے بڑے مفسدوں میں سے بڑا ہی مفسد تھا۔ اس نے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ ان کے بیٹوں کو مار ڈالتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تاکہ وہ ان کی لونڈیاں بن کر رہیں۔ اس میں ان کے رب کی طرف سے گویا ان پر بڑی ہی آزمائش تھی۔

پھر ہمارا فیصلہ یہ ہوا کہ جو قوم ملک میں سب سے زیادہ کمزور سمجھی گئی ہے اس پر احسان کریں اور اس قوم کے لوگوں کو سرداری و ریاست بخشیں اور سلطنت کا وارث بنائیں ان کی حکومت ملک میں قائم کرا دیں۔ فرعون' ہامان اور حکمران قوم کو جس کمزور قوم کی طرف سے بغاوت کا کھٹکا لگا رہتا تھا اور جس کے لئے وہ انہیں کمزور رکھتا تھا۔ وہی ان کے سامنے لائیں۔ دیکھو ہم نے موسیٰؑ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ موسیٰؑ کو دودھ پلاتی رہے اور جب اس کے مارے جانے کا خوف ہو تو اس کو ایک صندوق میں رکھ دے پھر اس کو ڈال دے' پھینک دے دریا میں۔ پھر دریا اس کو کنارے پر ڈال دے گا' اور اس طریقہ سے اس کو اٹھا لے گا دشمن میرا اور دشمن اس کا یعنی موسیٰ کا۔ اور اے موسیٰؑ کی ماں! تو مت ڈر اور مت غمگین ہو۔ ہم تیرے موسیٰؑ کو پھر تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اس کو رسولوں میں بنائیں گے۔ پھر جب موسیٰؑ کی ماں نے اس کو دریا میں ڈال دیا تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھا لیا۔ موسیٰؑ کی بہن دور سے اس کو دیکھ رہی تھی اور فرعون والے اس کو نہیں پہچانتے تھے۔

فرعون کی بی بی نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو مت مار شاید اس سے ہم کو نفع ہو اور ہم اس کو بیٹا بنالیں اور ہم نے پہلے ہی دودھ پلانے والیوں کے دودھ اس پر حرام کر رکھے تھے۔ اب موسیٰؑ کی بہن نے کہا کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کو پرورش کر دیں اور وہ اس کے لئے خیر خواہ بھی ہوں اس طرح ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ آزردہ خاطر نہ ہو' اور جب موسیٰؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچ گیا اور شباب کامل ہوگیا تو ایک روز وہ شہر میں آیا جب کہ لوگ خواب غفلت میں تھے اس نے دیکھا دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں ان میں ایک آدمی موسیٰ کی قوم سے تھا اور دوسرا فرعون کے گروہ کا۔ موسیٰؑ کو دیکھ کر اس قومی آدمی نے فریاد کی۔ موسیٰؑ نے فرعون کی پارٹی کے آدمی کو ایک گھونسا مارا اور وہ اس گھونسا سے مر گیا۔ اب موسیٰؑ خوفزدہ ہو کر شہر میں چھپنے لگا ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اتفاق سے پھر وہی پہلا موقع پیش آگیا اور جس نے کل اس سے مدد طلب کی تھی اس نے آج پھر فریاد کی۔ اس کی بات سن کر موسیٰؑ نے کہا کہ یار تو تو بڑا ہی گمراہ آدمی ہے۔ یہ

Marfat.com

کہتے ہوئے موسیٰؑ آگے بڑھا تاکہ وہ اپنے اور اس کے دشمن کو پکڑ لے تو موسیٰؑ کی قوم کا آدمی ہی بول پڑا اور کہنے لگا کیوں موسیٰ جس طرح تو نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا اسی طرح آج مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو۔ کوئی زیادہ دیر نہ لگی تھی کہ دور سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ! ارکان دولت آپ کے قتل کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں اب تم فوراً یہاں سے کسی طرح نکل جاؤ میں آپ کی خیر خواہی میں آیا ہوں۔ موسیٰؑ شہر سے خوفزدہ ہو کر نکلے اور اپنے مالک حقیقی سے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے ظالموں کے پنجے سے نجات دے۔

موسیٰ نے اپنے اس نوجوان ساتھی سے کہا کہ میں تو یہاں ٹھہرنے ہی کا نہیں! یہاں تک کہ میں دو پانیوں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں۔ اس طرح وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ وہ دو پانیوں کے جمع ہونے کی جگہ پہنچ گئے اس جگہ وہ اپنی مچھلی رکھ کر بھول گئے اور مچھلی نے خشک جگہ سے ہوتے دریا میں فوراً راستہ بنا لیا۔ اور آگے بڑھے تو موسیٰؑ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ ہم نے تو آج بڑی مصیبت اٹھائی یہ سن کر جوان نے عرض کی کہ آپ کو معلوم ہے جب ایک پتھر سے تکیہ لگا کر بیٹھے تھے میں تو مچھلی کا ذکر کرنا ہی بھول گیا کہ وہ کس طرح دوڑ کر دریا میں گھس گئی۔ موسیٰؑ نے کہا کہ وہاں تک ہی تو ہم کو آنا چاہئے تھا پھر وہ دونوں وہاں سے الٹے قدموں پھر گئے۔ واپس وہاں پہنچے تو ان کی ملاقات میرے ایک اور بندہ سے ہو گئی وہ بندہ ایسا تھا کہ ہم نے اس کو بہت کچھ سکھا دیا ہوا تھا۔ موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ کیا میں بھی تمہارے ساتھ ہو لوں تاکہ آپ کی معیت میں رہ کر کچھ سیکھ لوں اس نے کہا کہ اے موسیٰ! تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے کیونکہ آپ میرے پروگرام سے واقف نہیں۔ موسیٰؑ نے کہا میں انشاء اللہ صبر و تحمل سے رہوں گا اور تمہارے پروگرام میں بھی مخل نہیں ہوں گا۔ اس نے کہا کہ ہاں! اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کچھ الجھاؤ پیدا نہ کرنا یہاں تک کہ جو بات آپ کو کھٹکے گی میں خود ہی اس کی وضاحت کر دوں گا۔ اس عہد و پیمان کے بعد وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ایک کشتی پر سوار ہو گئے لیکن سوار ہوتے ہی اس بندہ نے کشتی میں شگاف کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ کیا تم اہل کشتی کو ڈبونا چاہتے ہو۔ اس بندے نے کہا کہ میں نے آپ کو پہلے ہی کہا تھا کہ تم میرے پروگرام کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰؑ نے فوراً معذرت کر لی اور آئندہ محتاط رہنے کا کہا۔ اس طرح وہ دونوں ایک ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی لیکن اس جوان کو دیکھتے ہی اس اللہ کے بندے نے اسے قتل کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی موسیٰؑ پھر بول پڑے کہ واہ! تم نے ایک بے خطا آدمی کو قتل کر دیا۔ دیکھو تم نے یہ کیسا کام کیا؟ اس اللہ کے بندے نے کہا کہ میں نے تو آپ کو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ میں اب بالکل محتاط رہوں گا اور آئندہ بالکل سوال نہیں کروں گا لیکن اگر آئندہ بھی مجھ سے رہا نہ گیا تو آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گا یا یہ کہ مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ اب میں پھر معذرت خواہ ہوں۔ اس طرح وہ دونوں پھر چل پڑے یہاں تک کہ ایک گاؤں کے لوگوں کے پاس اس وقت پہنچے جب کھانے کا وقت

Marfat.com

تھا لیکن گاؤں والوں نے ان کی کوئی مہمان نوازی نہ کی تاہم انہوں نے ایک دیوار وہاں دیکھی کہ وہ دھڑام سے گر جانے والی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھی کے حکم سے ساتھ مل کر دیوار کو دوبارہ چن دیا لیکن موسیٰؑ بول ہی پڑے کہ اگر دیوار پر کوئی مزدوری ہی لے لیتے تو ہمارا کام بھی چل جاتا۔ اس اللہ کے بندے نے کہا۔ اب آپ کے کہنے کے مطابق فراق وقت آگیا یہاں سے میرا اور آپ کا راستہ الگ الگ ہوگیا۔ ہاں! سن لو جن کاموں پر آپ خاموش نہ رہ سکے تھے وہ اس طرح ہیں کہ وہ کشتی جو میں نے عیب دار کی تھی وہ چند مساکین کی تھی جو اس پر اپنا اور بال بچے کا پیٹ پالتے تھے لیکن ان سے پرے ایک بادشاہ تھا جو لوگوں کی کشتیاں بیگار میں پکڑ رہا تھا۔ وہ اگر عیب دار نہ ہوتی تو چھین کر لے جاتا اور وہ بچارے روزی سے محروم رہتے۔ اور وہ نوجوان اشتہاری مجرم تھا۔ اور اس کے والدین نیک لوگ تھے وہ اپنی سرکشی میں ان کو بھی شریک کر لیتا لہٰذا اس کا قتل واجب تھا اور ہم اس کے والدین کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اس سے بہتر اولاد اللہ ان کو عطا کرے جو ان کی بھی فرمانبردار ہو۔ رہی وہ دیوار تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کے لئے ایک خاص پونجی بھی محفوظ تھی۔ تیرے رب کا ارادہ تھا کہ ان کی جوانی تک یہ دیوار قائم رہے تاکہ دیوار کے نیچے کا خزانہ ان کے کام آسکے اس لئے میں نے اس کو تیری مدد سے مضبوط کر دیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کام میں نے اپنے حکم سے نہیں کئے بلکہ یہ اللہ کی خاص رحمت سے ہی پایہ تکمیل کو پہنچے۔ یہ اصل حقیقت ہے ان کاموں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے اور یہاں سے علیحدہ ہو کر موسیٰؑ نے مدین کی طرف منہ کیا تو ان کی زبان پر اللہ سے سیدھی راہ اختیار کرنے کی دعا تھی اور جب مدین شہر کے پانی پر پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو اپنے ریوڑ کو پانی پر جمع کرتے دیکھا اور ساتھ ہی دو نوجوان عورتوں کو الگ تھلگ کھڑے دیکھا تو موسیٰ بولے کہ تمہارے یہاں اس طرح کھڑے ہونے کا کیا سبب ہے؟ دونوں لڑکیوں نے جواب دیا کہ ہمارا ریوڑ بھی ہے اور جب یہ سب لوگ اپنے اپنے ریوڑ کو پانی پلا چکیں گے تو بچا ہوا پانی ہمارا ریوڑ بھی پی لے گا چونکہ ہمارا والد بوڑھا ہے اس لئے یہ کام ہم ہی کو کرنا پڑتا ہے۔ یہ سن کر موسیٰؑ آگے بڑھے اور ان کے ریوڑ کو پہلے پانی پلا دیا اور ان کو فارغ کر کے سایہ میں آکھڑے ہوئے اور بے ساختہ زبان پر جاری تھا کہ اے میرے رب! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔ کچھ دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک شرم و حیا سے چلتی ہوئی ان کے سامنے آکھڑی ہوئی اور کہنے لگی کہ اے اللہ کے بندے! ہمارا والد تجھ کو طلب کرتا ہے۔ تاکہ تجھے پانی پلانے کی اجرت دے۔ اس طرح موسیٰ شعیب کے پاس مدین میں پہنچ گئے اور ان کو اپنے سارے واقعات کہہ سنائے۔ شعیب نے پوری حوصلہ افزائی کی اور کہا مت ڈر تو نے اب ظالموں سے نجات پائی۔ اتنے میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک بولی اے ابو! اس کو مزدوری پر رکھ لیجئے وہ نہایت ہی اس کام کے لئے موزوں ہے کیونکہ وہ نہایت ہی امین ہے۔ شعیبؑ نے موسیٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک تیرے نکاح میں دے دوں۔ اس شرط پر کہ تو آٹھ سال تک میرا کام کاج کرے اور اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیری رضا ہوگی میں اپنی طرف سے تجھ

Marfat.com

پر کوئی سختی نہیں چاہتا تم انشاء اللہ مجھے بھلے لوگوں میں ہی پاؤ گے۔ موسیٰؑ بولے کہ آپ کے اور میرے درمیان یہ طے ہوگیا کہ ان دونوں مدتوں میں سے جو میں پوری کر سکا۔ لیکن ازیں بعد میری ذمہ داری نہ ہوگی اور ہمارے اس معاہدے پر اللہ نگہبان ہے۔ اے موسیٰ! پھر تو کئی برس تک مدین میں رہا اور ماشاء اللہ معاہدہ پر پورا اترا۔ جب موسیٰؑ نے مقررہ مدت پوری کر دی اور اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر چلا تو طور کے دامن میں آگ نظر آئی۔ بیوی بچوں سے کہا کہ تم لوگ یہاں ٹھہرو میں آگ کا پتہ لگاؤں اور کوئی انگارہ ساتھ لے آؤں یا کوئی راہ کی خبر لے آؤں کہ ہم صحیح سمت جا رہے ہیں یا نہیں یا کوئی چنگاری ہی وہاں سے اٹھا لاؤں تاکہ تم یہاں بیٹھ کر آگ سلگا کر تاپ سکو اور ممکن ہے کہ کوئی آگ کے پاس راہ بتانے والا بھی موجود ہو پس موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے پاس آیا تو جنگل کے دائیں کنارے اور پہاڑ کی بھی دائیں طرف سے اس مبارک جگہ ہی سے بلکہ یوں سمجھو کہ ایک درخت میں سے کسی نے آواز دی کہ جو آگ میں ہے اور اس کے اردگرد ہے اس کو اس کے رب کی طرف سے برکت دی گئی اور یہ کہ اللہ پاک ہے اور تمام جہانوں کا وہ پالنے والا ہے اے موسیٰؑ! بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں جو سب پر غالب ہے اور بڑی ہی حکمت والا۔ میں ہی اللہ ہوں! تمام عالموں کا پالنے والا' میں ہی تیرا رب ہوں تو اسی جگہ جوتیاں اتار دے بلاشبہ تو ایک پاک جنگل میں ہے۔ اے موسیٰ! یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰؑ نے عرض کی کہ یہ میری لاٹھی ہے اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنے ریوڑ پر پتے بھی جھاڑتا ہوں اور میرے دوسرے کاموں میں بھی کام آتی ہے۔ آواز آئی موسیٰ! لاٹھی کو پھینک دے۔ جب موسیٰ نے لاٹھی کو دیکھا تو وہ سانپ کی طرح حرکت کر رہی تھی۔ وہ ڈرا اور پیٹھ پھیر کر بھاگا۔ آواز آئی اے موسیٰ! آگے بڑھ! اس کو پکڑ لے اور مت ڈر وہ جیسی تھی ویسی ہی ہم نے کر دی ہے۔ اب اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا دے تیرا ہاتھ بے عیب سفید نکلے گا بطور ایک دوسری نشانی کے۔ دیکھ جو ڈر تجھ کو محسوس ہوا ہے اس سے اپنے آپ کو دونوں بازو ملا کر تھام لے۔ اور یہ دونوں نشانیاں ہیں تیرے رب کی نشانیوں میں سے جو تجھ کو نو نشانیاں دی گئی ہیں اور فرعون اور اس کے اعوان و انصار کے پاس ان نشانیوں کو لے کر جا بلاشبہ وہ ایک بدکار قوم ہے۔

اور موسیٰ اپنے رب کے حضور پسندیدہ تھا۔ پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور اعلانیہ غلبہ کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو اندھیرے میں سے روشنی میں نکال لائے۔

جاؤ ظالم قوم کے پاس جو فرعون کی قوم کہلاتی ہے۔ اے موسیٰ! جا فرعون کے پاس کہ وہ ایک نہایت ہی سرکش ہے موسیٰؑ نے کہا اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے اے میرے رب! مجھ سے ان کا ایک آدمی قتل ہوگیا تھا۔ میں نے ان کا ایک قصور کیا یعنی مجھ سے قصور سرزد ہوا تھا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں؟ اور میرے سینہ میں دم گھٹ جاتا ہے اور میری زبان ہے کہ بول نہیں سکتی۔ اے میرے

Marfat.com

رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام مجھ پر آسان فرما دے۔ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے بھائی کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے میرے کنبہ میں میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے اور یہ کہ ہارون کو میرے ساتھ بھیج اور اس کو یعنی ہارون کو میرے ساتھ بطور مددگار کے روانہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ! میں تیرے بازو کو تیرے بھائی سے مضبوط کر دوں گا اور تم دونوں کو غلبہ دوں گا اللہ نے فرمایا اے موسیٰؑ! جو تو نے طلب کیا وہ تجھے عطا کر دیا اے موسیٰ! جا تو اور تیرا بھائی ہارون! میری نشانیاں لے جاؤ اور میری نصیحت میں سستی مت کرو۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو چکا ہے۔ فرمایا وہ تم کو ہرگز نہ مار سکیں گے۔ تم دونوں میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری سنتا ہوں اور دیکھو فرعون کے پاس جاؤ اس سے کہو کہ ہم دونوں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہیں ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ فرما اور یاد رکھو کہ اس سے نرم لہجہ میں بات کرو شاید نصیحت کو مان لے اور ڈر جائے۔ دونوں بولے' اللہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی زیادتی نہ کر دے یا سرکشی کا انداز اختیار نہ کرے۔ اللہ نے فرمایا ڈرو مت! میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری بات سنوں گا اور تم کو دیکھتا رہوں گا۔ موسیٰؑ اس کے پاس گئے اور کہا کیا تجھ کو کچھ اللہ کا خوف بھی ہے؟ تاکہ میں تجھ کو تیرے رب کی راہ بتاؤں؟ فرمایا کہ دونوں اس کو کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں اور بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو عذاب میں مبتلا نہ رکھ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانیاں بھی لائے ہیں۔ فرعون بولا! کہ اے موسیٰؑ! تمہارا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو وجود بخشا اور فطری ہدایت عطا کی فرعون بولا! کہ اچھا پھر پہلے لوگوں کا کیا ہوگا؟ موسیٰؑ نے کہا کہ ان کو میرا رب بھول نہیں گیا' فرعون کہنے لگا' اچھا تمام جہانوں کا رب کون ہے؟ موسیٰؑ نے کہا جو آسمانوں' زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا رب ہے اگر تم یقین لاؤ۔ اب فرعون نے اپنے حواریوں کو مخاطب کیا اور پوچھا کہ کیا سن رہے ہو جو موسیٰ کہہ رہا ہے۔ موسیٰ پھر بولے' کہنے لگے ہمارا رب وہی ہے جو تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادوں کا رب ہے۔ فرعون نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے پھر کہا بلاشبہ تمہارا رسول جو تمہارے پاس رسالت لے کر آیا ہے وہ دیوانہ معلوم ہوتا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو مشرق و مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو نے اے موسیٰ! میرے سوا کوئی اور رب ٹھہرایا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔ پھر موسیٰؑ کو یہ بھی کہا کہ کیا ہم نے تیری پرورش نہیں کی جب کہ تو ایک بچہ تھا۔ کیا تو نے اپنی عمر کے کتنے سال ہم میں بسر نہیں کیے پھر تو نے وہ کام کیا جو کیا یعنی ایک آدمی کو قتل کیا اور بے شک تو ناشکروں میں سے ہے۔ موسیٰؑ نے کہا ہاں! وہ مجھ سے ہوا جو ہوا لیکن عمداً نہیں غلطی سے ہوا۔ پھر میں تم سے ڈرا اور بھاگ گیا' پھر ایک وقت کے بعد اللہ نے مجھے حکم دیا اور مجھے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کیا۔ رہی یہ بھلائی جس کا احسان تو نے مجھ پر رکھا ہے یہ اس لئے ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو آج سے نہیں مدت سے غلام بنا رکھا ہے

Marfat.com

فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ میں تو تجھے سحر زدہ خیال کرتا ہوں۔
موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس وقت بھی جبکہ میں ایک بڑی نشانی تجھ کو دکھا دوں۔ فرعون نے کہا کہ ہاں! جو نشانی تو لایا ہے ذرا دکھا تو سہی اگر تو سچا ہے اس کے مطالبہ پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینک دی کہ اچانک وہ سانپ تھی اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ گویا ایک چمکتی چیز تھی دیکھنے والوں کے لئے۔ موسیٰؑ نے کہا۔ اے فرعون! میں تمام جہانوں کے رب کا بھیجا ہوا ہوں۔ مجھ پر حق ہے کہ میں اللہ پر سوائے حق کے کچھ اور نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یہ روشن دلائل لایا ہوں تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے تاکہ ہم یہاں سے ہجرت کر جائیں۔ لیکن فرعون اور اس کے لشکروں نے بغیر حق کے دنیا میں تکبر کیا اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کے باعث سمجھا کہ وہ ہمارے پاس لوٹنے والا نہیں' انہوں نے تکبر کیا اور وہ ایک حد سے تجاوز کرنے والی قوم تھی۔ دنیا میں جرم کرنا ہی ان کا شیوہ تھا وہ کہنے لگے کہ ان دو شخصوں کے لئے ہم ایمان لے آئیں جو ہماری طرح ہیں اور یہ کہ ان کی قوم بھی ہماری غلام ہے۔ پھر انہوں نے مزید ظلم شروع کر دیا۔ پس ان دونوں بھائیوں کو کھلا جھوٹا کہنا شروع کر دیا اور کہا کہ یہ لوگ جھوٹے جادوگر ہیں پھر فرعون نے اپنے درباریوں اور حواریوں سے کہا کہ یہ بڑا جادو جاننے والے ہیں۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تم کو اپنے جادو سے تمہاری سرزمین سے نکال دیں بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ بولے کہ اس کو اور اس کے بھائی کو چھوڑو اور مختلف شہروں سے جادوگروں کو اکٹھا کرنے کے لئے اپنے کارندے بھیج دے تاکہ وہ بڑے بڑے جادوگروں کو بلا کر تیرے پاس اکٹھا کریں۔ فرعون نے موسیٰؑ سے کہا کہ کیا تو ہمیں ہمارے ملک سے نکالنے کے لئے آیا ہے۔ تاکہ اپنے جادو کے بل یہ کام کر دے ہم تیرے سے زیادہ سحر جاننے والے لائیں گے پس کسی میدان میں اپنا جادو دکھانے کے لئے کوئی دن مقرر کر' جس کے برخلاف نہ ہم کریں اور نہ تو۔ موسیٰؑ نے کہا کہ جشن خاص کا دن ہمارے تمہارے درمیان طے ہو گیا پس دن چڑھے ہی وہاں پہنچ جائیں۔ فرعون وہاں سے پھرا تو اپنے جادوگروں کو اکٹھا کر لایا۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے بھی جادوگروں کو لانے کے لئے اعلان کر دیا۔ وہ سب جادوگر اکٹھا کرنے میں مصروف کار ہوئے کہ انہوں نے مقررہ دن تک سب کو وہاں اکٹھا کر لیا اور سب لوگوں کو وہاں اکٹھا کرنے کا انتظام بھی کیا۔ تاکہ جب ہمارے جادوگر غالب آئیں تو ہم ان کا ساتھ دیں۔ جادوگر جب فرعون کے پاس اکٹھے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہم غالب ہوں تو ہمارا انعام کیا ہو گا؟ فرعون نے کہا تم سب اسی وقت ہمارے مقربین میں سے ہو جاؤ گے یعنی بادشاہ کا مقرب ہونا ہی بڑا انعام ہے۔

پھر ان کے کام میں کچھ جھگڑا ہوا اور انہوں نے اپنے مشورہ میں کچھ چھپایا اور پھر کہنے لگے کہ بلاشبہ یہ دونوں ہی جادوگر ہیں۔ اپنے جادو کے زور سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ملک سے تم کو نکال دیں اور تمہارے نہایت ہی عمدہ مذہب کو کھو دینا چاہتے ہیں پھر اپنے جادوگروں کو اکٹھا کر کے کہا کہ سب اکٹھے ہو کر چلو اور آج کے دن جو غالب ہو گا وہی کامیاب ہو گا۔ فرعون کے جادوگروں نے موسیٰؑ سے کہا کہ یا تو پہلے ڈال یا ہم پہلے ڈال

Marfat.com

دیں۔ موسیٰؑ نے کہا کہ تم ہی ڈالو پھر جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں میں خوب اثر دکھایا اور لوگوں کو خوب ڈرایا۔ اس لئے کہ وہ بہت بڑا جادو لے کر میدان میں اترے تھے۔ جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی آج غالب ہو کر رہیں گے۔ اس وقت تو موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں بھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں چلتی ہوئی لگنے لگیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ جو تم نے کیا یہ تو جادو ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو یقیناً باطل کر دے گا لیکن تاہم موسیٰؑ دل ہی دل میں ڈر گئے ہماری طرف سے کہا گیا کہ اے موسیٰ! خوف مت کھا بلاشبہ تو ہی اپنے دلائل کی بنا پر اس میدان میں کامیاب ہو کر جانے والا ہے۔

اس وقت ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ اے موسیٰ! اب تم بھی اپنی لاٹھی ڈالو۔ موسیٰؑ نے لاٹھی ڈالی ہی تھی کہ ان کا سارا بنا بنایا کھیل وہ اس طرح نگل گئی کہ گویا یہاں کچھ بنایا گیا ہی نہ تھا۔ انہوں نے تو جادوگروں کا سا مکر کیا تھا اور ظاہر ہی ہے کہ حق کے سامنے جادو کب کامیاب ہوتا ہے؟ پس حق ثابت ہو گیا اور جو انہوں نے گھڑا تھا وہ سب کا سب باطل ہو گیا پھر وہ وہاں ہار کر ذلت سے لوٹ گئے اور فرعون کے جادوگر اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے سجدہ کرنے لگے۔ سجدہ کیا اور زبان سے بول بول کر کہنے لگے کہ ہم پروردگار عالمین پر دل سے ایمان لائے۔ جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے سنا تو فوراً بولا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے بلاشبہ یہ تمہارا مکر ہے جو تم سب نے مل کر کیا ہے تاکہ اس شہر کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال بھگاؤ۔ سو جلد ہی تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ بلاشبہ یہ موسیٰ تمہارا ہی ایک بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا تھا۔ پس عنقریب میں تمہارا ہاتھ ایک طرف کے اور تمہارے پاؤں دوسری طرف کے کاٹوں گا اور تم کو کھجوروں کے تنوں پر سولی لٹکایا جائے گا اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون عذاب دینے میں سخت ہے اور کس کا عذاب زیادہ پائیدار ہے۔ وہ بولے جو کچھ علانیہ ہمارے سامنے ہوا ہے ان پر اور اس ذات پر جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو ہم ترجیح نہیں دے سکتے جو تو کرنا چاہتا ہے کر' ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہم نے اپنے رب کی نشانیاں دیکھ لیں اور ہمارے دل مان گئے۔ اے ہمارے رب جب ہم پر یہ مصیبتیں آئیں تو ہم کو صبر عطا فرما اور ہم کو فرمانبرداری ہی میں موت دے۔ پھر ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور پھلوں کے نقصان کے عذاب میں ڈال دیا کہ شاید وہ سیدھے ہو جائیں پھر جب ان کو فراخی دی جاتی تو وہ کہتے کہ یہ تو ہماری وجہ سے ہے اور جب ان پر کسی آفت کی سختی پڑتی تو موسیٰ اور اس کے لوگوں کی نحوست بتلاتے تھے۔ حالانکہ اصل بات یہ تھی کہ جو نحوست تھی وہ اللہ ہی کی طرف سے تھی لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اور فرعون والے موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ جو نشانیاں بھی تم لاؤ گے تاکہ ہم پر ان سے جادو کرو تو بھی ہم ماننے والے نہیں ہیں پھر ہم نے ان پر طوفان' ٹڈی دل' جوئیں' مینڈک اور خون وقفہ وقفہ سے مختلف طرح کی نشانیاں اتاریں لیکن اس کے باوجود انہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار قوم تھی۔

پھر جب ان کے پاس ہماری نشانیاں آئیں تو ان کو دیکھ کر بولے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے' ان کا انکار کیا پھر

Marfat.com

بھی ہم نے فرعون کو بہت سی آیات دکھائیں لیکن اس نے ہر نشانی کو جھٹلا دیا۔ اور اس کا مذاق کیا اور کھلا کھلا انکار کر دیا اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آیا تو بولے کہ یہ تو بجز ہتھکنڈے بنانے کے کچھ بھی نہیں، ہم نے اپنے پہلے بزرگوں سے ایسی بات کبھی نہیں سنی تھی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس ہدایت لے کر آیا اور کس کے لئے آخرت کی کامیابی کی کلید ہے۔ فرعون والے بولے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم کو اس بات سے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا تھا تو اس سے ہم کو ہٹا دے اور تمہارے لئے زمین کی بزرگی ہو جائے، یاد رکھو کہ ہم کبھی یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اب فرعون نے درباریوں کو جمع کر کے پوچھا کہ اے درباریو! میں تو اپنے سوا تمہارا خدا کوئی تسلیم نہیں کرتا۔ اے ہامان! میرے لئے مٹی کی اینٹیں آگ میں پکا اور ایک اونچا محل میرے لئے تیار کر تاکہ میں موسیٰ کے رب کے پاس پہنچ سکوں۔ حالانکہ میں تو اس کو جھوٹا نہیں جھوٹوں کا پیر سمجھتا ہوں۔ اس محل پر چڑھ کر میں موسیٰ کے رب کی اطلاع پا نا یعنی موسیٰ کے رب کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ اس لئے کہ میرے خیال میں تو موسیٰ کے بیان میں کوئی صداقت نہیں ہے اور فرعون کے پاس اور اس کی قوم کے پاس ایک بزرگ رسول آیا یعنی موسیٰ علیہ السلام اس نے آکر یہی کہا کہ ان اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کر دو بلاشبہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا امانت دار پیغمبر ہوں۔ اور تم اپنے اللہ سے سرکشی مت کرو۔ میں یقیناً تمہارے سامنے کھلی کھلی نشانیاں لایا ہوں۔ بیشک میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس بات کی کہ تم مجھے سنگسار کرو اگر تم مجھ کو نہیں مانتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے پاس سے حق بات لے کر آیا تو وہ بولے کہ ان کے بیٹوں کو مار ڈالو جو اس پر ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو حالانکہ کافروں کی مکاری بجز گمراہی کے اور کچھ بھی نہیں اور فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو پکار لے مجھے خوف ہے کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا اور ملک میں فساد بپا کرے گا۔

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مسلمان شخص نے جو اپنا ایمان ابھی چھپاتا تھا کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالو گے جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لایا ہے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو تم کو بعض وہ مصیبتیں پہنچ جائیں گی جن کا وہ وعدہ کرتا ہے، ہرگز اللہ اس شخص کو جو حد سے تجاوز کرنے والا دروغ گو ہو کبھی ہدایت نہیں کرتا۔ اے میری قوم آج کے دن تمہارے لئے بادشاہت ہے تم دنیا پر غالب ہو پھر وہ اللہ کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے کون ہم کو مدد دے گا یہ سن کر فرعون بولا کہ میں تم کو بجز اس کے جو میں دیکھتا یا سمجھتا ہوں اور کچھ نہیں سمجھاتا اور نہ میں تم کو راہ راست کے سوا کچھ بتاتا ہوں اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم کو بھی دوسری قوموں کی طرح روز بد نہ دیکھنا پڑے، اور تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد دوسروں کا ہوا اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا ہے اے قوم! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر

Marfat.com

چیخ و پکار کا دن نہ آجائے جس دن کہ تم پیٹھ دے کر بھاگو گے۔ اس دن تم کو کوئی بھی اللہ کی گرفت سے بچانے والا نہ ہوگا اور جسے اللہ اپنے قانون کے مطابق گمراہ کر دے اسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا بھی نہیں ہوتا۔ بلاشبہ قبل اس کے یوسف بھی تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا مگر تم ہمیشہ اس کے لائے ہوئے دلائل میں بھی شک ہی کرتے رہے یہاں تک کہ وہ وفات پا گیا تو تم نے کہا کہ اب اس کے بعد اللہ کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور پھر فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنا' تاکہ میں ان راستوں پر پہنچ سکوں جو راستے آسمانوں تک پہنچانے والے ہیں تاکہ میں موسیٰ کے رب کی طرف جھانک سکوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں اس طرح فرعون کے لئے اس کی بد عملی مزین کر دی گئی۔ اور اسے سیدھی راہ سے روک دیا گیا۔ اور فرعون کی چال ہی تباہ و برباد ہونے والی تھی۔ بلاشبہ قارون موسیٰ ؑ کی قوم سے تھا پھر وہ ان پر ظلم و زیادتی کرنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ ان کی کنجیاں طاقتور آدمیوں کی ایک جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔ ایک دن قارون کی قوم نے اس سے کہا تو اترا مت بلاشبہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی تلاش کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور لوگوں پر احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے' اور زمین پر فساد نہ پھیلا اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔ قارون نے جواب دیا۔ مجھ کو یہ سب کچھ اسی علم کی وجہ سے ملا ہے۔ جو مجھ کو حاصل ہے کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ اس سے پہلے گزشتہ قوموں میں سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے زیادہ اور مال جمع کرنے میں اس سے بڑھ کر تھے۔ اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق پوچھا نہیں جاتا چنانچہ ایک دن وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ کے ساتھ نکلا۔ تو ان لوگوں نے جو دنیوی زندگی کے طالب تھے حسرت سے کہا کہ کاش ہمارے پاس بھی وہ ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ کیسا بڑا نصیب والا ہے مگر جو لوگ صاحب علم و سعادت تھے انہوں نے کہا کہ یہ کونسی چیز ہے جس کے لئے حسرت کر رہے ہو؟ افسوس تم پر' اصل نعمت تو اللہ کا وہ بدلہ ہے جو صالحین کو ان کے اعمال کا ملتا ہے اور اللہ کے مومن و صالح بندوں کے لئے وہی سب سے بڑی چیز ہے آخر کار ہم نے اس کو اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر نہ تو کوئی ایسا گروہ تھا جو اس کی مدد کرتا اور اللہ کے اس قانون کی گرفت سے اس کو بچا لیتا اور نہ ہی وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔ اب وہی لوگ جو کل اس کے ہم مرتبہ ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے اے افسوس' اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے قانون کے مطابق اس کا رزق فراخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کی روزی اپنے قانون کے مطابق تنگ کر دیتا ہے اگر ہم پر اللہ احسان نہ کرتا تو ہم کو بھی دھنسا دیتا۔ افسوس واقعی بات یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پاتے۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور میرے نیچے یہ نہریں جاری ہیں کیا تم کو نظر نہیں آتا؟ بلکہ میں اس سے بہتر ہوں جو حقیر ہے اور وہ صاف طور پر کلام بھی نہیں کر سکتا کیونکہ نہ اس کی طرف سونے کے کنگن ڈالے گئے یا اس کے جلو میں فرشتے جمع ہو کر آئے۔

Marfat.com

اور جب ان پر عذاب کی سختی واقع ہوئی تو کہنے لگے اے موسیٰ! تیرے رب نے تجھ سے جو عہد کیا ہے تو اس کی بنا پر ہمارے لئے دعا کر' اگر تیری دعا سے عذاب ٹل گیا تو ضرور ہم تیرے معتقد ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دیں گے کہ وہ تیرے ساتھ چلے جائیں لیکن پھر جب ایسا ہوا کہ ہم نے ایک خاص وقت تک کے لئے کہ انہیں اس وقت تک پہنچنا تھا عذاب ٹال دیا تو دیکھو انہوں نے کیا کیا؟ کہ اچانک اپنی بات سے پھر گئے۔

اور ہم نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا تاکہ وہ باز آجائیں اور ہر بار وہ کہتے ہیں کہ اے جادوگر! تو اپنے رب کے اس عہد کی بنا پر جو اس نے تم سے کر رکھا ہے ہمارے لئے دعا کر کہ ہم ضرور راہ راست پر آجائیں گے۔ اور موسیٰؑ نے دعا مانگی اے اللہ! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں تو اے اللہ! یہ اس لئے ہے کہ تیری راہ سے لوگوں کو بھٹکائیں! اے اللہ! ان کی دولت کو زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت یقین نہ کریں گے جب تک عذاب دردناک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اللہ نے فرمایا میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی تو اب تم جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو میرا طریق کار نہیں جانتے اور موسیٰؑ نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور جمے رہو بلاشبہ زمین اللہ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے قانون کے مطابق اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام انہیں کے لئے جو متقی ہوں گے۔ انہوں نے کہا تمہارے آنے سے پہلے بھی تم ستائے گئے اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں موسیٰؑ نے کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے۔ اور تمہیں ملک میں اس کا جانشین بنائے پھر وہ دیکھے کہ اب تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟ اور پھر ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی تھی کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جا پھر سمندر میں ان کے گزرنے کے لئے خشکی کی راہ نکال لے نہ تو تعاقب کرنے والوں کا اندیشہ ہوگا اور نہ اور کوئی خطرہ۔ اے موسیٰ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جا تمہارا تعاقب کیا جائے گا اور دریا کو ساکن چھوڑ دو اور نکل بھاگو فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب جائے گا۔ اور اپنا عصا سمندر پر مار پس وہ پھٹ جائے گا اور ہر ایک ٹکڑا مد کے بعد اس کا بڑے پہاڑ کی مانند ہوگا اور پھر ہم نے سمندر کا پانی اس طرح الگ الگ کر دیا کہ تم بچ نکلے مگر فرعون کا گروہ غرق ہوگیا اور تم یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ لوگ ان کے تعاقب میں چل نکلے پھر جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا تو موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰؑ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ تو میرا رب ہے۔ فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا پس پانی کا ریلا جیسا کچھ ان پر چھانے والا تھا چھا گیا۔ اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ گم کر دی اور انہیں سیدھی راہ نہیں دکھائی تھی اور ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور اس طرح دوسرے فریق کو ہم نے اسی جگہ غرق کر دیا۔

Marfat.com

پھر ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ہم نے ان کو سمندر میں ڈبو دیا ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ قانون مکافات سے غافل تھے۔ پھر ہم نے فرعون کو پکڑا اور اس کے لشکر کو اور ان کو ہم نے سمندر میں ڈال دیا۔ یہ اس لئے کہ فرعون چاہتا تھا کہ ان کو زمین سے نکال دے پھر ہم نے اس کو ڈبو دیا اور ان سب کو بھی جو اس کے ساتھ تھے اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہا کہ رہو اس زمین میں۔ پھر جب آئے گا آخرت کا وعدہ' تو ہم تم کو لائیں گے تاکہ ان سے مل لو۔ ہم نے تمہارے سروں پر ابر کا سایہ پھیلا دیا اور من و سلویٰ کی غذا فراہم کر دی اللہ نے تمہاری غذا کے لئے جو اچھی چیزیں مقرر کر دی ہیں انہیں بافراغت کھاتے رہو کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کرو پھر تم نے ہمارا کیا بگاڑا؟ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل کیا تاکہ تم پاکیزہ رزق کھاؤ اور زیادتی مت کرو کہ میرا غصہ تم پر نازل ہوگا اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا وہ ہلاک ہوگیا اور جدا کر دیئے ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ گروہ الگ الگ اور ہم نے موسیٰ پر وحی کی جب کہ اس کی قوم نے پانی طلب کیا کہ چل اپنی لاٹھی کے سہارے اس چٹان پر اس سے بہتے ہیں یعنی پھوٹ نکلے ہیں بارہ چشمے اور ان میں ہر ایک گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اور زمین پر مفسد ہو کر نافرمانی مت کرو اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰؑ! ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے پس تو اپنے رب سے مانگ کہ ہمارے لئے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے یعنی ترکاری' ککڑی اور گیہوں' مسور' پیاز اور لہسن۔ موسیٰؑ نے کہا کہ تم بدلنا چاہتے ہو اعلیٰ کو ادنیٰ سے اگر ایسا ہی ہے تو تم کسی شہر میں اترو' وہاں تم کو وہ سب کچھ ملے گا جو تم کو مطلوب ہے۔ اور ہمارے حکم سے بنی اسرائیل سمندر پار اتر گئے وہاں ان کا گذر ایک گروہ پر ہوا کہ وہ اپنے بتوں پر مجاور بنا بیٹھا تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا کہ ان لوگوں کے لئے ہے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ تم بلاشبہ ایک جاہل گروہ ہو یہ لوگ جس طریقہ پر چل رہے ہیں وہ تو تباہ ہونے والا طریقہ ہے اور جو عمل انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ یک قلم باطل ہے۔ اور پھر جب ایک شہر کی آبادی تمہارے سامنے تھی ہم نے کہا کہ اس آبادی میں داخل ہو جاؤ او کھاؤ اور پیو' آرام و چین کی زندگی بسر کرو لیکن جب شہر میں داخل ہونے لگو تو تمہارے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہوں اور تمہاری زبانوں پر کلمہ استغفار جاری ہو اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے گا وہ نیک کردار انسانوں کے اعمال میں برکت دیتا ہے اور ان کے اجر میں اضافہ ہوتا ہے اور پھر تم نے جن کی راہ ظلم و شرارت کی راہ تھی اللہ کی بتائی ہوئی بات ایک دوسری بات سے بدل ڈالی نتیجہ کیا نکلا؟ کہ ظلم و شرارت کرنے والوں پر ہم نے آسمانوں سے عذاب نازل کیا اور یہ گویا ان کی نافرمانی کی سزا تھی کیونکہ وہ ظالم تھے اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آیا اور اس کے رب نے اس سے بات کی تو موسیٰؑ نے کہا کہ اے رب! مجھے اپنی زیارت کرا دے جواب ملا کہ تو مجھے دیکھ نہیں سکے گا ہاں! تو اس پہاڑ کو دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا لیکن جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گرا پھر جب اس کو ہوش آیا

Marfat.com

تو کہنے لگا۔ کہ تو پاک ہے اے اللہ! میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں اللہ نے کہا اے موسیٰ! میں نے تجھ کو باقی لوگوں پر چن لیا اپنی رسالت اور ہم کلامی کے لئے' پھر جو میں تجھ کو دیتا ہوں اس کو لے کر شکر کرنے والوں میں ہو جا۔ اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تو علانیہ ہم کو اللہ نہ دکھا دے۔ اور موسیٰؑ نے ہمارے پاس حاضر ہونے کے لئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چھانٹے پھر تم کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور یہ سب کچھ تم دیکھتے تھے پھر ہم نے تمہارے بیہوش ہو جانے کے بعد اٹھایا کہ ہوش میں آؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو پھر جب ان کو ایک کپکپاہٹ نے پکڑا تو موسیٰؑ نے کہا اے رب! اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی ان کو اور مجھ کو بھی مار ڈالتا اور جب ہم نے تم سے ایک عہد لیا جبکہ تم پر پہاڑ کو بلند کیا ہوا تھا کہ اس عہد کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو شاید کہ تم بچ سکو اور جب ہم نے ان پر اس پہاڑ کو بلند کیا گویا وہ سائبان تھا یعنی ان کے سروں پر' اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ ان پر گرا کہ گرا۔ مضبوطی سے پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے پھر وہ وقت کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ آپ نے اتنی جلدی کیوں کی اپنی قوم سے نکلنے کی؟ کہا کہ وہ میرے پیچھے ہیں اور میں تیرے پاس جلدی آیا ہوں تاکہ اے اللہ! تو مجھ سے راضی ہو جائے اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پھر اس کو مزید دس سے پورا کیا اس طرح موسیٰ کے رب کی مقررہ معیاد پوری ہوگئی یعنی چالیس رات کی اور ایسا ہوا کہ موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم میں خلافت کا کام سرانجام دے اور ان کی اصلاح کر اور مفسدین کی پیروی مت کر۔ پھر قوم موسیٰؑ نے اس کی غیر حاضری میں زیور سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا۔ جس میں سے آواز نکلتی تھی اللہ نے موسیٰ سے کہا کہ ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمایا اور وہ فیل ہوگئی اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا اس طرح کہ سامری نے ان کے لئے بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں سے آواز نکلتی تھی وہ بولے کہ یہ ہمارا رب ہے اور موسیٰ کا بھی' موسیٰ تو بھول گیا ہے کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نفع و نقصان ہی کا مالک ہے اور ہارون نے تو ان کو پہلے ہی سے کہا تھا کہ اے قوم! تم اس کے سبب فتنہ میں ڈالے گئے ہو اور بلاشبہ تمہارا رب رحم کرنے والا ہے۔ میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو انہوں نے کہا کہ ہم تو اسی پر بیٹھیں گے جب تک کہ موسیٰ لوٹ کر نہ آئے۔

پھر موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف لوٹ آیا غصہ میں بھرا ہوا' افسوس کرتا ہوا۔ پھر موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے یہ بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا اب توبہ کرو' اپنے رب کے سامنے اور گوسالہ پرستی کے بدلے اپنی جانوں کو قتل کرو۔ اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے تمہارے رب کے ہاں۔ بلاشبہ جن لوگوں نے بچھڑا بنایا قریب ہے کہ ان کے رب کا غصہ ان تک پہنچے گا اور اس دنیا کی زندگی میں بھی وہ ذلیل ہوں گے۔ موسیٰ نے کہا اے میری قوم! کیا تم سے اللہ نے وعدہ نہیں کیا تھا ایک نہایت ہی اچھا وعدہ کیا تم پر کوئی لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟ تم نے چاہا کہ تم پر اللہ کا غصہ اور غضب نازل ہو؟ تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ بہت ہی برا کیا

Marfat.com

تم نے میرے بعد' کیا جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے اور پھینک دیا الواح توریت کو اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ لئے اور کھینچا اپنی طرف۔ اس نے کہا کہ اے میری ماں کے بیٹے! ان لوگوں نے مجھے کمزور جانا تھا اور مجھ کو مار ڈالنا چاہتے تھے آپ میرے دشمنوں کو مت خوش کریں۔ اور مجھے ان ظالموں کے ساتھ مت شمار فرما۔ مجھے یہ بھی خوف تھا کہ تو کہے گا کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی۔ اور انتظار نہ کیا میری بات کا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے اختیار سے تیرے وعدہ کے خلاف نہیں کیا بلکہ ہم قوم کے زیور کا بوجھ اٹھا رہے تھے پھر ہم نے اس کو پھینک دیا اور اس طرح سامری نے ایک بچھڑے کی مورت بنائی۔ پھر موسیٰؑ نے کہا کہ اے سامری! تیرا کیا حال ہے اس نے جواب دیا میں نے وہ بات دیکھ لی جو اوروں نے نہیں دیکھی اس لئے رسول کی پیروی میں یہی کچھ حصہ لیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ پس میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سمجھائی۔ موسیٰ نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر جا زندگی میں تیرے لئے یہ ہونا ہے کہ کہے میں اچھوت ہوں اور آخرت میں ایک وعدہ ایسا ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں اور دیکھ تیرے بنائے ہوئے معبود کے ساتھ کیا ہوتا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ گیا تھا ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور پھر راکھ سمندر میں بہا دی جائے گی۔ پھر جب موسیٰ کا غصہ تھما تو اس نے الواح کو اٹھا لیا اور اس میں ان کے لئے ہدایت اور رحمت تھی جو ڈرتے ہیں۔ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو لوگ نیکی کرنے والے ہیں ان پر نعمت پوری کرنے کو اور ہر ایک چیز کی تفصیل بتانے کو اور ہدایت اور رحمت کرنے کو' کہ شاید وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لے آئیں اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا اور ان میں سے بارہ سردار کھڑے کئے اور اللہ نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور تم ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر اور تم مدد کرتے رہو گے ان کی اور تم قرض دیتے رہو گے اللہ کو قرض اچھا۔ جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو۔ تم نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ہمارے ساتھ مسخری کرتے ہو۔ موسیٰؑ نے کہا نعوذ باللہ اگر میں جاہلوں کا ساتھ اختیار کروں یہ سن کر وہ بولے کہ تم اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ کھول کر بیان کر دے کس طرح کا جانور ذبح کرنا چاہئے؟ موسیٰؑ نے کہا اللہ کا حکم یہ ہے کہ ایسی گائے ہو کہ نہ تو بالکل بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچھیا درمیان عمر کی ہو اور اب چاہئے کہ اس کی تعمیل کرو وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ بتائے اس کا رنگ کیسا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ اس کا رنگ پیلا ہو۔ اور خوب گہرا پیلا ہو ایسا کہ دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جائے وہ کہنے لگے کہ ابھی ہمارے لئے جانور کی پہچان مشکل ہے۔ اپنے رب سے کہو کہ وہ بتلائے کہ جانور کیسا ہونا چاہئے انشاء اللہ ہم ضرور پتا لگا لیں گے اس پر موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ ایسی گائے ہو جو نہ تو کبھی ہل میں جوتی گئی ہو اور نہ آبپاشی کے لئے کام میں لائی گئی ہو۔ پوری طرح صحیح سالم اور داغ دھبے سے پاک و صاف ہو۔ اس طرح جب وہ لاجواب ہو گئے تو کہنے لگے ہاں! اب تم نے ٹھیک ٹھیک بات بتا دی اور جانور ذبح کر دیا گیا اگرچہ اس پر وہ آمادہ نظر نہیں آتے تھے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! مقدس سرزمین میں جسے اللہ نے

Marfat.com

لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ
لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا
وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۷۱﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا

ع ۸ / ۹

اور نہ ہی کبھی آبپاشی کا کام اس سے لیا گیا ہو' پوری طرح صحیح سالم اور داغ دھبے سے بھی پاک ہو پھر وہ عاجز ہو کر بولے کہ ہاں! اب تم نے ٹھیک بات بتا دی چنانچہ انہوں نے گائے ذبح کی اگرچہ ایسا کرنے پر وہ دل سے آمادہ نہ تھے۔ ا۷

اور[۱۴۷] پھر وہ واقعہ یاد کرو جب تم نے ایک جان ہلاک کر دی تھی اور اس کی نسبت

تمہارے لئے لکھ دیا ہے داخل ہو جاؤ اور الٹے پاؤں پیچھے کی طرف نہ ہٹو کہ نقصان و تباہی میں پڑ جاؤ گے۔ لوگوں نے کہا اے موسیٰ! اس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی زبردست ہیں جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم اس زمین میں قدم رکھنے والے نہیں۔ ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم داخل ہو جائیں گے۔ اس پر دو آدمیوں نے کہا جو اللہ سے ڈرنے والے تھے کہ اللہ نے ان کو ایمان کی نعمت عطا فرمائی تھی لوگوں سے کہا کہ تم ہمت کر کے ان لوگوں پر جا پڑو اور دروازے میں سے جا داخل ہو اگر تم داخل ہو گئے تو پھر غلبہ تمہارے ہی لیے ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو تو چاہئے کہ اللہ پر بھروسہ کرو۔ وہ بولے اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ موجود ہیں ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں تم خود چلے جاؤ اور تمہارا اللہ بھی تمہارے ساتھ چلا جائے تو ہم یہاں بیٹھے رہیں گے۔ تم دونوں وہاں لڑتے رہنا۔ موسیٰ نے کہا اے میرے اللہ! میں اپنی جان کے سوا اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا پس تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں فیصلہ فرما دے حکم الٰہی ہوا کہ اب چالیس برس تک وہ سرزمین ان پر حرام کر دی گئی۔ یہ اسی بیابان میں سرگرداں رہیں گے۔ سو تم اے موسیٰ! نافرمان لوگوں کی حالت پر غمگین نہ ہو وہ اپنی بدعملیوں سے اس محرومی کے مستحق ہوئے۔

بنی اسرائیل کے ایک واقعہ قتل کا قضیہ

۱۴۷: اس واقعہ کا پہلے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ ختم ہو چکا' یہ الگ واقعہ ہے جیسے پیچھے سے بنی اسرائیل کے بہت سے واقعات بیان ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جس طرح فرعون کے

Marfat.com

ظلم و ستم سے نجات دلانے کا واقعہ۔ سمندر سے بخیریت پار گزرنے کا واقعہ۔ موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کا واقعہ۔ بنی اسرائیل کا پانی طلب کرنے کا واقعہ۔ شہر میں داخل ہونے سے انکار کرنے کا واقعہ۔ بچھڑے کی پرستش کا واقعہ۔ گائے کے ذبح کرنے کا واقعہ اور اسی طرح ایک مقتول کے قاتل معلوم کرنے کا واقعہ۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہوگیا اور قاتل معلوم نہ تھا۔ مقتول کے ورثاء کا مطالبہ تھا کہ قاتل کا پتہ چلے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اس واقعہ کا پتہ چلنا چاہئے اور خصوصاً مقتول کے ورثاء نے یہ اپیل کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ سب لوگ موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ قاتل بھی انہیں میں ہوگا اگر یہ تدبیر کی جائے تو قاتل ظاہر ہو جائے گا۔ ان کو کہا گیا کہ آپ کے لئے لازم ہے کہ مقتول کے بعض اعضاء بعض سے لگائے جائیں تو قاتل معلوم ہو جائے گا کیونکہ جو لوگ قاتل نہیں ہیں وہ بسبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے مگر اصل قاتل بہ سبب خوف اپنے جرم کے جو ازروئے فطرت انسانی کے دل میں اور وہ بھی بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں اس قسم کی باتوں سے ہوتا ہے' ایسا نہیں کریں گے اور اس وقت دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے گا اور اس طرح وہی نشانیاں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہیں لوگوں کو دکھا دے گا۔ اس قسم کے واقعات سے اس زمانہ میں بھی بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں بلکہ خفیہ محکموں کے ہاں اس قسم کی بیسیوں مثالیں آج بھی موجود ہیں یہ ایک مکمل علم قرار پا گیا ہے جس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے اور ایسے ایسے پوشیدہ واقعات روز روشن کی طرح واضح دکھا دیئے جاتے ہیں ہوتا یہی ہے کہ وہ بسبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلاخوف بہ تقویت اپنی بے جرمی کے کرتے ہیں نہیں کر سکتے۔ پس یہ ایک تدبیر قاتل کے معلوم کرنے کی تھی اور اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھا اس کو کہتے ہیں کہ "چور کی داڑھی میں تنکا"

لیکن ہمارے مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ گائے کے ذبح کرنے اور ایک شخص کے قتل ہو جانے کا ایک ہی قصہ ہے اور پچھلی آیتوں میں جو بیان ہوا ہے وہ باعتبار وقوع کے مقدم ہے اور قصہ یوں قرار دیا ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک شخص کو قتل کیا تھا اس کا قاتل معلوم کرنے کے لئے اللہ نے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ اس مذبوح گائے کے اعضا سے مقتول کو مارو۔ ان کے مارنے سے مقتول زندہ ہوگیا اور اس نے اپنے قاتل کو بتا دیا۔

آپ غور کریں کہ اس طرح کی تفسیر کرنے کے لئے کیا کچھ اپنے پاس سے ان لوگوں کو بنانا یا لگانا پڑا۔ سب سے پہلے تو ایک قصہ گھڑا جس کا کوئی ذکر نہ قرآن کریم میں تھا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ ہی تورات میں جو یہودیوں کی پچھلی تمام حرکتوں کو ایک ایک کر کے بیان کرتی آ رہی ہے۔ وہ قصہ اس طرح بنایا گیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مالدار تھا اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بوڑھا مرتا ہی نہیں تو اس نے ورثہ کی دھن میں یہ سوچا کہ اسے کیوں

Marfat.com

نہ مار ڈالوں؟ تاکہ اس لڑکی سے نکاح بھی کر لوں اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس خیال پر وہ پختہ ہوگیا اور ایک دن موقع پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ایسے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آکر ان لوگوں سے بالکل الگ تھلگ ایک شہر میں رہتے تھے شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے اس چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آکر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا۔ پھر ہائی دھائی مچائی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ اور ان قلعہ والوں پر تہمت رکھی ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا۔ لیکن یہ شخص ان کے سر ہوگیا۔ یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا یہ لوگ عاجز آکر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ اے موسیٰ! یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اللہ نے وحی کی کہ ایک گائے ذبح کر لو اس کے بعد وہ واقعہ پیش آیا جو پہلے لکھا گیا۔

یہ پوری کہانی اپنے پاس سے بنائی گئی حالانکہ اس کا ذکر تک موجود نہیں قرآن کریم' حدیث رسول ﷺ اور تورات کے کسی مجموعہ میں۔ لیکن چونکہ اس وقت ہر مکتبہ فکر کی تفسیر میں موجود ہے لہٰذا اس گھڑی ہوئی بات کا انکار بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ کسی صحیح واقعہ کا۔

دوسری بات یہ ہوئی کہ پچھلی آیتوں کو مقدم کرنے اور مقدم کو موخر کرنے کا اور پھر دونوں الگ الگ واقعات کو ایک کرنے کا تکلف خواہ مخواہ برداشت کیا گیا جس کا اشارہ تک بھی قرآن کریم کے کسی لفظ یا حدیث صحیح میں نہیں تھا۔

تیسری بات یہ کہ "کَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى" کے معنی جب ہی مربوط ہوتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ جملہ مقدر تسلیم کیا جائے۔ کہ "فَاَحْيَاهُ اللّٰهُ" کہ اس مقتول کو اللہ نے زندہ کیا اس نے قاتل کا پتہ بتایا۔ یہ عبارت اپنی طرف سے بغیر کسی وجہ کے لگانی پڑی جو بغیر کسی اشارہ صریح کے اس کا مقدر ماننا قرآن کریم پر اضافہ کرنا ہے۔

چوتھی یہ بات کہ "کَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى" سے مراد احیاء اموات جو بروز بعث و نشر ہوگا۔ اس جگہ اس بحث کا حال بیان کیا گیا مانا جائے جس کا کوئی یہاں امکان نہیں ہے کیونکہ اس مباحثہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ قیامت کو بعث و نشر ہوگا یہ ایک الگ مسئلہ ہے لیکن یہاں اس کا کوئی تعلق؟ اور بعث و نشر کا موضوع خواہ مخواہ چھیڑنے کا کوئی مطلب؟ جس کا نہ تو یہاں کوئی انکار ہے اور نہ ہی ان آیات سے پہلے یا بعد کوئی ایسا تذکرہ موجود ہے۔

بالکل سیدھا اور صاف مطلب جو ان آیات کریمات میں بیان کیا گیا ہے جس میں نہ آیتوں کی ترتیب

Marfat.com

فَادّٰرَءۡتُمۡ فِیۡهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخۡرِجٌ مَّا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ۷۲

فَقُلۡنَا اضۡرِبُوۡهُ بِبَعۡضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحۡىِ اللّٰهُ الۡمَوۡتٰى

تم آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ جس حقیقت کو تم چھپاتے تھے اللہ اس کو آشکارا کردینے والا تھا۔ ۷۲

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے حکم دیا کہ اس[۱۴۸] مقتول کو اسی کے بعض اعضا سے مارو (اس طرح قاتل کی شخصیت معلوم ہو جائے گی) اسی طرح اللہ زندہ کردے گا مرے ہوؤں کو

الٹنے کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی جملہ بغیر کسی نقل و سند کے اپنی طرف سے بڑھانے کی کوئی ضرورت و حاجت ہے۔ اور جو بالکل صاف صاف قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اس کو چھوڑ کر وہم پرستی کے شوق میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

حکمت الٰہی کی کرشمہ سازی

۱۴۸ ہاں : "اضربوہ" میں ضمیر مذکر کی ہے اور "بعضہا" میں ضمیر مونث کی' اور دونوں کا مرجع ہم نے مقتول ٹھہرایا ہے یہ کیوں ہے؟ سو جن لوگوں نے اس سے گائے کا کوئی حصہ مقتول کے کسی حصہ سے مارنے کا لکھا ہے ان کے لئے بھی یہ مشکل ایسی ہی ہے جو اس کا حل ہے وہی حل اس کا بھی ہوگا۔ کیونکہ "نفس" بھی مونث ہے اور گائے بھی مونث ہی بیان کی گئی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت مل جاتی ہیں یہ صرف ایک ذہنی اختراع ہے اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور قرآن مجید کے قاری کو ان بحثوں میں جن کا کوئی سر پیر نہ ہو' الجھنا ہی نہیں چاہیے۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ :

"كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا" (۱۷ : ۱۴) "اَلسَّاعَةُ تَكُوۡنُ قَرِيۡبًا" (۳۳ : ۶۳) لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ (۴۲ : ۱۷) اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ" "وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرًا۔ (۶۶ : ۴) "وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا" "اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيۡدٌ" (۵۰ : ۱۷) ان سب جگہوں پر اس طرح نہیں کہا گیا اور نہ ہی کوئی اعتراض منقول ہے کہ یہاں "حَسِيۡبَةً" "قَرِيۡبَةً" "ظُهَرَآءَ" "رُفَقَاءَ" اور "قَعِيۡدَانِ" ہونا چاہیے۔ اسی طرح اس جگہ بھی "اضربوہ" کی ضمیر مذکر پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ "نفس" کی طرف یعنی جو مقتول ہے اس کی طرف نہیں پھرے گی۔ کیوں نہیں؟

Marfat.com

پھر "کَذٰلِکَ یُحْیِی اللّٰہُ الْمَوْتٰی" سے جو اس جگہ مراد ہے وہ بالکل واضح اور عیاں ہے اس سے خواہ مخواہ روز قیامت کے بعث و نشر سے کیا واسطہ ہے جب ضرورت اس جگہ ایک مقتول کے قاتل کی ہے جو اس وقت باعث نزاع ہے۔ جس کا یہ مفہوم یہاں بالکل صاف ہے کہ "نامعلوم قاتل معلوم ہوگیا" یعنی "اس طرح اللہ نے نامعلوم قاتل کو معلوم کرا دیا" یہ معنی بالکل وہی ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں جہاں فرمایا "وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ" یعنی تم معدوم' غیر موجود یا نامعلوم تھے پس تم کو عدم سے وجود عطا کیا "معلوم کرایا" "زندہ کیا" اور پھر اس کی وضاحت اس طرح بھی ہوگئی کہ "ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۝" کہ ہر انسان پر ایک ایسا وقت تھا کہ وہ زمانہ میں کوئی ذکر کی گئی شے نہیں تھا" کتنی صاف بات ہے کہ "تمہارا کسی کو معلوم نہیں تھا اور نہ ہی تم خود جانتے تھے" بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے تم کو انسان کی صورت عطا فرما کر اس دنیا میں موجود ہو جانے کا حکم دیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین نے اس مذبوح گائے کے بعض حصے کو اس مقتول کے بعض حصے سے مارنے کا واقعہ لکھ دیا' ایسا کیوں ہوا؟ زیادہ گہرائی میں اتر کر دیکھنے والوں کی نگاہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس واقعہ کی اصل نوعیت بدل دو لہٰذا انہوں نے اس کی اصل نوعیت بدلوا دی اور اس طرح سے اپنا مطلب سیدھا کر لیا لیکن مسلم قوم کے مفسرین نہ سمجھ سکے کہ ہم کیا لکھ رہے ہیں؟

اس طرح تو گویا اس گائے کی بزرگی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ دیکھو ہم نے جو گائے کی پرستش کی اور گائے کو ماتا کا خطاب دیا اور اس کو متبرک جانا تو وہ بالکل صحیح نکلا کہ گائے کا ٹکڑا مقتول سے مس ہونا تھا کہ مقتول زندہ ہوگیا جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ گائے فی الواقعہ ایک متبرک جانور ہے جو قابل پرستش ہے تب ہی تو اس کے صرف چھونے سے زندگی واپس لوٹ آئی۔ قوم مسلم کے علمائے کرام کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس سادگی سے یہود کی چالاکی کا شکار ہوگئے۔ فافہم و تتدبر۔

قرآن کریم کی عبارت پر پھر غور کرو قرآن کریم نے فرمایا کہ "وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ" اس آیت میں مُخْرِجٌ تھا جس کے مقابلہ اللہ نے یُحْیِ اللّٰہُ" فرمایا اور اس جگہ تَکْتُمُوْنَ تھا جس کے مقابلہ میں اللہ نے "مَوْتٰی" کا لفظ فرمایا۔ جس سے پوری وضاحت ہوگئی کہ "یُحْیِی اللّٰہُ" سے ظاہر ہونا قاتل کا اور "مَوْتٰی" سے نامعلوم یا غیر ظاہر ہونا قاتل کا مراد ہے نہ کہ مقتول کا زندہ ہونا۔

سبحان اللہ! کہ اللہ اپنی قدرت اور اپنی حکمت کو انہی باتوں میں جو انسان روز مرہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں ظاہر کرتا ہے مگر انسان کا خیال اس پر قناعت نہیں کرتا اور دور از کار باتوں کو پسند کرتا ہے۔ افسوس کہ انسانی زندگی کے لئے کتنی رہنمائیاں تھیں جو صرف ایک واقعہ سے عیاں ہوتی تھیں اور کتنے وہ علوم ہیں جن کی بنیاد صرف اور صرف یہ واقعہ ہو سکتا تھا لیکن دوستوں نے ایسا اعجازی رنگ اس میں بھرا کہ وہ گویا ایک واقعہ تھا جو ہوگیا اور اب ہمارے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ واعظانہ رنگ کی چاشنی پائیں او سر دھن کر رہ جائیں یا کسی

Marfat.com

وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ
قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ
قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ
الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ

اور اللہ اپنی نشانیاں تم کو دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو۔ ۷۳

پھر تم وہ لوگ ہو کہ تمہارے دل سخت [۱۴۹] پڑ گئے ایسے سخت گویا پتھر کی چٹانیں ہیں بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت کیونکہ پتھروں میں سے تو بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں اور پتھروں میں ایسی چٹانیں بھی ہیں جو شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں اور ان میں سے پانی اپنی راہ نکال لیتا ہے اور پھر انہی میں

مردہ کو بخشوانے کے لئے اس کی تلاوت کا ثواب جمع کریں۔

اس واقعہ قتل سے کوئی خاص اور اہم قومی قتل بھی مراد ہو سکتا ہے جیسے انبیاء کرام کے قتل کی بیماری بنی اسرائیل میں موجود تھی جس کا ذکر بھی اوپر کی آیات کریمات میں آچکا۔ لہٰذا کوئی مفسر اگر اس کی تحقیق میں کسی نبی کے قتل کی نشاندہی کر سکیں تو وہ بھی صحیح ہو سکتی ہے اور اس سے بھی ان سب حقیقتوں کی وضاحت ہو سکتی ہے جو اس واقعہ کے اندر پوشیدہ ہیں۔ اللھم زد فزد

راز افشا کرنے والے کے ساتھ دشمنی مزید بڑھ جاتی ہے

۱۴۹ بنی اسرائیل کے بعض لوگ جس چیز کو چھپا بیٹھے تھے وہ کب چاہتے تھے کہ ہمارا چھپا ہوا راز افشاء ہو لیکن وحی الٰہی نے اس کا جب پردہ چاک کر دیا اور قاتل تدبیر الٰہی سے ظاہر ہو گیا تو اب قاتل اور قاتل کے تمام ساتھی موسیٰ علیہ السلام سے بگڑ گئے اور انہوں نے بجائے اس کے جب حق کھل کر سامنے آگیا تھا۔ اس کو دل سے قبول کر کے قاتل کو سزا دے کر اس قضیہ کے حل ہو جانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتے وہ اندر ہی اندر موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے ان کی اس حالت کا بیان اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ

Marfat.com

"تم عجیب لوگ ہو کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہارے دل مزید سخت ہوگئے ایسے جیسے پتھر گویا تمہارے دل' دل نہیں رہے پتھر کے ٹکڑے ہوگئے نہیں بلکہ اس سے بھی سخت۔ اس لئے کہ جو چیز تمہاری نرمی کا باعث ہونا چاہئے تھی وہ تمہاری سختی کا باعث ہوگئی۔" جو چیز اس فتنہ اور فساد کے خاتمہ کے لئے ظاہر کی گئی جو بنی اسرائیل کے درمیان کھڑا ہوگیا تھا لیکن اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ فتنہ دبانا نہیں بلکہ پھیلانا چاہتے تھے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو قاتل اور اس کی پارٹی کی اصل حقیقت واضح فرما دی اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کے دل کی ڈھارس بھی بندھا دی کہ یہ لوگ اگر پتھر دل ہو چکے ہیں تو ہوا کریں آپ اپنا فرض تبلیغ جاری رکھیں اس لئے کہ جس طرح پتھروں میں سے بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے چشمے جاری ہوتے ہیں بالکل اسی طرح ان پتھر دلوں ہی میں سے قانون الٰہی کے مطابق آپ کے جاں نثار بھی پیدا ہو جائیں گے "جب تک سانس تب تک آس" کے محاورہ کے مطابق آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ انہی ڈاکوؤں' رہزنوں اور قزاقوں کے اندر ہی رہنما اور ان فتنوں کے دبانے والے اور اس بھڑکتی آگ کو بجھانے والے بھی موجود ہوں گے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی اس گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہدایات فرمائی ہے کہ دیکھو تم ایسا نہ کرنا۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ (الحدید ۵۷: ۱۶) "کیا مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور جو حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی یعنی بنی اسرائیل پھر ان پر ایک طویل مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہوگئے اور اب کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔"

جب یہود کی قساوت قلب کا ذکر ہوا تو اس سے بھی پوری قوم مراد نہ تھی بلکہ یہودی قوم میں وہ گروہ مراد تھا جو یہودیت اختیار کر کے من حیث القوم تو یہودی تھے لیکن قساوت قلب کا مرتکب ایک خاص گروہ تھا۔ اس طرح اس حوالہ کی آیت میں بھی جو سورۃ الحدید کی آیت ہے' میں مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد مسلمانوں کا خاص گروہ ہے جو ایمان کا اقرار کر کے رسول اللہ ﷺ کے ماننے والوں میں شامل ہوگیا تھا اور اس کے باوجود اسلام کے درد سے اس کا دل خالی تھا۔ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ کفر کی تمام طاقتیں اسلام کو مٹانے پر تلی ہوئی ہیں چاروں طرف سے انہوں نے اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت پر نرغہ کر رکھا تھا۔ عرب کی سرزمین میں جگہ جگہ مسلمان تختہ مشق ستم بنائے جا رہے تھے۔ ملک کے گوشے گوشے سے مظلوم مسلمان سخت بے سروسامانی کی حالت میں پناہ لینے کے لئے مدینے کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے' مخلص مسلمانوں کی کمر ان مظلوموں کو سہارا دیتے دیتے ٹوٹی جا رہی تھی اور دشمنوں کے مقابلے میں بھی یہی مخلص مومن سربکف تھے مگر

Marfat.com

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۗ وَمَا
اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۞ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ

ایسی چٹانیں بھی ہیں جو خوف الٰہی [۱۵۰] سے لرز کر گر پڑتی ہیں افسوس ہے ان دلوں پر جن کے سامنے پتھر کی سختی اور چٹانوں کا جماؤ بھی ماند پڑ جائے اور یاد رکھو کہ قانون الٰہی تمہارے کرتوتوں کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ ۷۴

اے مسلمانو! کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری بات آسانی سے مان جائیں

یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان کا دعویٰ کرنے والا یہ گروہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ اس پر ان لوگوں کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم کیسے ایمان والے ہو؟ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر سن کر تمہارے دل پگھلیں اور اس کے دین کے لئے تمہارے دلوں میں ایثار قربانی اور سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو؟ کیا ایمان والے ایسے ہی ہوتے ہیں؟ کہ اللہ کے نام پر انہیں پکارا جائے اور وہ اپنی جگہ سے ہلیں تک نہیں؟ یعنی یہود و نصاریٰ تو اپنے انبیاء کرام ؑ کے سینکڑوں برس بعد اس بے حسی اور روح کی مردنی اور اخلاقی پستی میں مبتلا نظر آ رہے ہیں کیا تم اتنے گئے گزرے ہو کہ ابھی رسول تمہارے سامنے موجود ہیں۔ اللہ کی کتاب کا نزول جاری ہے۔ تمہیں ایمان لائے ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تو ابھی سے تمہارا یہ حال ہو رہا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ یہود و نصاریٰ کی اس دلی کیفیت کا حال زیادہ خطرناک ہے یا تمہارا۔ اور اگر آج فی زمانا اس کا مطالعہ اس گہری نظر سے کیا جائے تو حالت کیا دکھائی دے گی؟

پتھر اور خوف الٰہی کی مثال

۱۵۰ قرآن کریم کا بیان کتنا دلنشین اور اثر انداز ہے کہ قاری ذرا مفہوم سمجھتا ہو تو گویا آج بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم براہ راست آج ہی ان کے سینہ پر اتر رہا ہے جس کی حلاوت دل محسوس کرتا ہے چنانچہ بیان الٰہی ہماری زبان میں اس طرح جاری تھا کہ "تم اہل کتاب کے ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جن کے دل حق بات کو دیکھ کر ایسے سخت ہوگئے" گویا وہ پتھر ہوگئے یعنی ان پر حق بات کا کوئی اثر ہی نہ ہوا پھر فرمایا کہ پتھر کیا وہ تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگئے کیونکہ پتھروں میں سے تو ایسے پتھر بھی ہوتے ہیں جن سے مشیت الٰہی کے مطابق نہریں بہنے لگتی ہیں اور بعض پتھر پھٹ بھی جایا کرتے ہیں اور ان سے پانی نکلنا شروع ہو جاتا ہے جس کو

Marfat.com

تمہاری آنکھیں مشاہدہ کرتی رہتی ہیں۔ ذرا پہاڑی علاقوں کی سیر کر کے تو دیکھو اور بعض پتھر خوف الٰہی سے گر بھی پڑتے ہیں یعنی پتھر کی چٹان اس طرح لڑھک پڑتی ہے گویا وہ خوف کھا کر بھاگ رہی ہے کہ اس کے پیچھے کوئی لگا ہے لیکن تم عجیب انسان ہو کہ تمہارے دلوں پر اللہ کے نبی کے وعظ و بیان کا بھی کوئی اثر نہیں دیکھا گیا کہ وہ پند و نصیحت سن کر نرم نہیں ہوئے بلکہ مزید سخت ہو گئے۔

بس خشیت الٰہی کا ذکر آیا تو ہمارے ہاں بحث شروع ہو گئی کہ پتھر بھی ادراک اور سمجھ رکھتے ہیں اور جو شخص پتھر کو صاحب ارادہ نہ مانے گویا وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے حقیقت میں قرآن کی نص قطعی کا انکار کر دیا۔ پھر اس بحث نے اتنا طول پکڑا کہ اس پر اسلام کے کتنے فرقے بن گئے جنہوں نے ایک دوسرے پر کفر کی مشین کھول دی اور جس کی گرج آج تک ہمارے کان سنتے آ رہے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے اصل بیان مقصود سے ہم کوسوں دور نکل گئے۔ حالانکہ قرآن کریم نے اس مضمون کو مختلف انداز میں بیان فرما کر ہمارے ذہنوں اور فکروں کی صلاحیتوں کو جلا دینے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ اس سے دلوں پر زنگ چڑھنے شروع ہو گئے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ : تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۴۴) "ساتوں آسمان اور زمین اور ان کی تمام مخلوق خواہ ان کے اندر ہے یا ان کے درمیان اور ہر ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو کیونکہ نہ تو وہ صاحب ارادہ ہیں اور نہ ہی صاحب زبان وہ جو تسبیح کریں بزبان قال کریں گے اور تم اس کو بگوش سن سکو گے۔ نہیں ان سب کی تسبیح تو بزبان حال ہے جو صرف عقل اور فکر ہی سے سمجھی جا سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ تم تو صاحب عقل و فکر ہو اس لئے ان کی بزبان حال تسبیح اپنی عقل و فکر سے سمجھ لو۔"

اسی طرح آپ غور و فکر کریں گے تو معلوم ہو تا جائے گا کہ قرآن نے بیسیوں جگہ اس طرح کے الفاظ بیان فرمائے ہیں جن کے لفظی معنوں پر ہی نہیں بلکہ ان کے اصل مضمون پر نظر رکھنی چاہئے۔ دیکھو موسیٰؑ اور خضر والی دیوار کا ذکر فرمایا تو ارشاد ہوا کہ "یرید ان ینقض" کہ وہ دیوار چاہتی تھی کہ میں گروں یعنی اس کی کیفیت اور ظاہر حالت کا عنقریب نتیجہ یہ نکلتا ہوا محسوس ہوتا تھا کہ بس اب یہ گری کہ گری۔ فاقامہ تو ان دونوں نے مل کر اس کو ایسا مرمت کر دیا کہ وہ اپنی جگہ قائم ہو گئی یعنی گرنے سے محفوظ ہو گئی اور ایک مقررہ وقت تک اس کی میعاد مزید بڑھ گئی۔ اسی طرح جب پہاڑوں پر زلزلے آتے ہیں اور پتھر گرتے ہیں تو ان کے گرنے کی حالت ایسی ہوتی ہے جس میں خشیۃ اللہ کا رنگ نظر آتا ہے اور اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ ایسے اوقات میں انسانوں کے دلوں پر بھی خشیۃ اللہ غالب آجاتی ہے پس جو حالت پتھروں کے گرنے سے انسانوں کے دلوں پر طاری ہوتی ہے اس کو پتھروں کی طرف منسوب کر دیا گیا' اس لئے کہ ہر زبان کا ادب اس کی بھی اجازت دیتا ہے۔ بہرحال اس میں کوئی ایسی مشکل چیز نہ تھی بلکہ بالکل سادہ اور دلنشین بیان تھا جس کو ثقیل اور

Marfat.com

يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ

گے حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ بھی ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے اور اس کا مطلب بھی سمجھتا ہے لیکن پھر بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف[۱۵۱] کر لینے کا عادی ہے۔ ۷۵

مشکل بنا دیا گیا خواہ دلوں کی ٹیڑھ جس کو قرآن کریم کی زبان میں "زیغ" کے نام سے بیان فرمایا گیا ہے' سے ایسا ہوا یا بالکل سادگی کا یہ نتیجہ تھا لیکن اس طرح سے جو بحث چھڑی وہ ہر حال میں کوئی مفید نہ تھی اور نہ ہے اس لئے قرآن کریم کو اس کے اصل مفہوم تک ہی رہنے دینا مناسب ہے۔

جو کتاب اللہ میں تحریف کرنے سے باز نہیں آئے تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو؟

۱۵۱ علماء کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یعنی یہودیت' عیسائیت یا اسلام سے ان کا اصل فرض تو یہ ہے کہ جس قدر صحیح تعلیم ان کے پاس ہے بغیر ردوبدل اور کمی و اضافہ لوگوں کے سامنے پیش کر دیں۔ یہود کے علماء اس بات سے واقف تھے کہ سرزمین حجاز میں نبی آخر الزمان کی بعثت ہوگی۔ انہیں اوس و خزرج کے مقابلہ میں جب کبھی شکست ہوتی تو ہمیشہ انہیں ڈراتے کہ وہ وقت بھی قریب ہے جب ہم اس نبی کے ساتھ مل کر تمہیں فنا کر دیں گے چنانچہ یہی تادیبی کلمات اوس و خزرج کے اسلام کا باعث بنے لیکن جس وقت آپ کی بعثت ہوئی تو چونکہ آپؐ بنی اسرائیل میں نہیں پیدا ہوئے تھے انکار کر بیٹھے اور جس قدر پیش گوئیاں نبی کریم ﷺ کے متعلق ان کی کتابوں میں تھیں ان کو لفظاً و معناً" بدلنا شروع کر دیا۔

قرآن کریم نے تحریف کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ لفظ و معنی دونوں پر مشتمل ہے۔ کتاب مقدس میں تحریف لفظی اور معنوی کا ہونا اس درجہ مسلم اور متفق علیہ امر ہے کہ اب اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ خود عیسائی محققین تسلیم کرتے ہیں کہ لفظی اور معنوی دونوں تحریفیں عمل میں آئی ہیں۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے اہل کتاب کی اس خرابی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدہ ۵ : ۱۳) "یہ لوگ اللہ کی کتاب میں باتوں کو ان کی اصل جگہ سے پھیر دیتے تھے یعنی کلام اللہ میں تحریف کرتے تھے۔ جس بات کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اس سے کچھ بھی فائدہ اٹھانا ان کے حصے میں نہ آیا اسے بالکل فراموش کر بیٹھے اور تم ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی خیانت پر اطلاع پاتے رہو گے۔"

Marfat.com

يَعْلَمُونَ ۞ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم

یہ ایسے[۱۵۲] لوگ ہیں کہ جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنے آپ کو ایمان والوں سے ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں "جو کچھ تمہیں اللہ نے علم دیا ہے وہ ان لوگوں یعنی مسلمانوں پر کیوں ظاہر کرتے ہو؟

صرف اسی قدر نہیں کہ قرآن کریم نے ان کی اس حرکت کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی نشاندہی نہیں کی۔ نہ ہی ان کی بہت سی ایسی اخلاق سوز حرکات کا واضح الفاظ میں بیان کیا ہے تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ صرف مخالفت کی بنا پر ایسا کہہ دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ "ان کو کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو اور یہ تمہارا خرچ کیا ہوا مال تم کو اضعاف مضاعفہ کر کے واپس کیا جائے گا یعنی اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ (الحدید ۵۷ : ۱۱) انہوں نے اس کو اس طرح بدلا کہ کہنے لگے: قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ (آل عمران ۳ : ۱۸۱) "اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔" آپ غور کریں کہ کیا خوبی تھی اللہ کے اس کلام میں کہ "اللہ کو قرض دو" لیکن انہوں نے اس کو کیا بنا دیا کہ کلام کی ساری خوبی ختم ہو کر رہ گئی بلکہ صرف اس کی خوبی ہی نہ جاتی رہی ایک ٹھٹھہ یا مذاق بن گیا۔ ان کی زندگی کی بیسیوں مثالیں قرآن کریم میں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آتا رہے گا۔

مختصر یہ کہ اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کا اثر یہ ہوا کہ ایک حصہ کتاب کا بالکل ہی چھوڑ دیا اور جس پر عمل کرنے کا ارادہ ہوا اس میں اپنی مطلب پرستی کے لئے بے جا تاویلات شروع کر دیں اور اس طرح عملاً گویا تمام کتاب بیکار ہوگئی۔

اس جگہ قرآن کریم کے اعجاز کا ذکر بھی مفید ہوگا وہ اس طرح کہ قرآن کریم تحریف لفظی سے تو محفوظ رہا گویا یہی قرآن کریم کا اعجاز تھا مگر معنوی تحریف سے وہ بھی نہ بچ سکا۔ قرآن کریم پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک شخص خالی الذہن ہو کر اس میں درس و فکر کرے اور شارع علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھے پھر دیکھے کہ قرآن کریم کن عقائد و یقینیات کی تعلیم دیتا ہے اور کن اخلاق و اعمال پر زیادہ زور دیتا ہے مگر اب حالت یہ ہے کہ آئے دنوں نئے نئے عقائد گھڑے جاتے ہیں پھر ان کی تائید کتاب اللہ سے تلاش کی جاتی ہے اور اس طرح اپنی رکیک تاویلات کا اس کو نشانہ بنایا جاتا ہے اسی کو تحریف معنوی کہتے ہیں جس کا ذکر یحرفون الکلم عن

Marfat.com

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ

اس لئے کہ وہ تمہارے خلاف تمہارے رب کے ہاں اس سے دلیل پکڑیں کیا تم اتنے

مواضعہ میں ہوا ہے۔ ایک حنفی اٹھتا ہے اور قرآن کریم کو فقہ حنفی کے مطابق کر دکھاتا ہے۔ ایک شافعی کا کام یہی ہے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت مذہب شافعی کی تائید کرتی دکھا دے۔ اسی طرح ہر مکتبہ فکر کے علماء کا کام صرف یہی ہے کہ وہ ثابت کر دکھائیں کہ قرآن کریم ان کی گروہ بندی کی تائید کر رہا ہے بلکہ اس کے نازل ہونے کا مقصد وحید ہی یہ ہے کہ وہ ہمارے مکتب فکر کی ترجمانی کرے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حق چھپانے کے عادی ہو چکے ہیں

۱۵۲ نفاق کا مرض ایسا ہے کہ وہ جس گروہ میں بھی ہو گا وہ چکنی چپڑی باتیں کرنے کے عادی ضرور ہوں گے اور ظاہر ہے چکنی چپڑی باتیں وہی ہو سکتی ہیں جو اندر اور باہر سے ایک طرح کی نہ ہوں۔ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ ہی کو چکنی چپڑی کہا جاتا ہے۔ اس وصف کو بیان کرنے کے لئے محاورہ استعمال ہوتا ہے کہ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" منافقین یہود کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ مسلمانوں پر اپنا اخلاص و ایمان ظاہر کرنے کے لئے کبھی کبھی ان پیش گوئیوں کو بیان کر دیا کرتے تھے جن میں نبی ﷺ کا ذکر ہوتا۔ اس طرح کی باتیں کر کے وہ مسلمانوں کو اپنی ہمدردیاں جتلاتے تھے کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں تاکہ مسلمانوں کی اندرونی حالت سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ لیکن ان مجلسوں سے اٹھ کر جب وہ اپنے احبار' رہبان اور سیاسین کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان مجلسوں میں وہ اپنی چکنی باتوں کا ذکر بھی کرتے تو وہ ان کو تنبیہہ کرتے کہ ان امور کی اطلاع مسلمانوں کو کس لئے دیتے ہو۔ یہی چیزیں تو تمہارے رب کے ہاں ہمارے لئے باعث الزام بن جائیں گی اور ہم اللہ کے روبرو ملزم قرار دیئے جائیں گے لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے تھے کہ ان کے چھپانے سے ہوتا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے وہ یقیناً وحی و الہام کے ذریعے پیغمبر اسلام کو ان پیش گوئیوں کی اطلاع دے دے گا چنانچہ ابھی آپ مکہ ہی میں تھے کہ ناموس الٰہی نے آپ کو مثیل موسیٰ قرار دے دیا۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ:

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ○ (المزمل ۷۳ : ۱۵) "ہم نے تمہاری جانب ایک رسول بھیجا تمہارے سامنے حق کی شہادت دینے والا جس طرح فرعون کی جانب ہم نے ایک رسول بھیجا تھا۔"

ان کے حق چھپانے کا طریقہ کیا تھا؟

۱۵۳ "عند ربکم" تمہارے رب کے ہاں کا مطلب اکثر تو یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے

Marfat.com

رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ

عقل کے کورے ہو؟''۷۶

کیا یہود۱۵۴ نہیں جانتے کہ اللہ کے علم سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں؟ وہ جو کچھ

دن یعنی آخرت میں تمہیں دلیل سے قائل کرلیں گے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں بلکہ درست معنی یا اس مضمون کے ساتھ زیادہ لگتے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اس دنیا میں تم پر حجت قوی قائم کردیں گے اس لئے کہ اللہ کے سامنے حجت قائم کرنے کے لئے کسی ایسے ظاہری سہارے کی ضرورت ہی کیا ہوگی وہاں تو کشف حقائق قانون الٰہی کے مطابق از خود ہو کر رہے گا۔ اس لئے قرین قیاس اور عقل کی بات یہی ہے کہ اس جگہ احتجاج بکتاب اللہ کو عنداللہ سے تعبیر کیا ہے کہ مسلمانوں کو تمہاری باتوں سے رہنمائی حاصل ہوگی اور وہ تمہاری کتاب یعنی تورات کا مطالعہ کرکے اپنے رسول کی پیش گوئیاں جو ہماری تورات کے اندر موجود ہیں نکال کر ہمارے منہ پر بطور شہادت پیش کریں گے۔ کہ رسول کریم ﷺ کی رسالت کا کیسے انکار کرسکتے ہو۔ تمہاری کتاب تورات میں ہمارے رسول کی یہ یہ پیش گوئیاں آج بھی موجود ہیں اور پھر جب وہ ان کو وہاں سے نکال کر تمہارے سامنے پیش کردیں گے تو پھر تم کیا جواب دے سکو گے کہ تمہاری ہی بتائی ہوئی باتوں نے تمہارا منہ بند کردیا۔ گویا یہی ان کی علمیت کا تقاضا تھا کہ حق کو خود بھی چھپائیں اور دوسروں کو بھی حق چھپانے کے دلائل مہیا کریں تاکہ وہ بھی حق کو ظاہر نہ ہونے دیں۔

علماء یہود کی مثال

۱۵۴ علمائے یہود کی مثال اس پرندہ کی سی ہے جس کو خوراک حاصل کرنے کے لالچ نے ایک باریک دانہ تو دکھا دیا لیکن وہ اتنے بڑے جال کو نہ دیکھ سکا پھر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ ایک دانہ کے لالچ میں جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ دیکھو کتنی موٹی سی بات ہے کہ اللہ کے لئے ایسے امور کی اطلاع اپنے رسول کو دے دینا مشکل ہی کیا تھا لیکن کور مغز یہود اس امکان ہی کی طرف اپنا ذہن نہیں لے جاتے تھے کہ اس مدعی نبوت یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ واقعی کچھ ہے یہ مرض صرف اس وقت کے یہود میں نہ تھا بلکہ آج بھی موجود ہے کہ غیر مسلم قومیں اس امکان کی طرف ذہن نہیں لے جاتیں کہ قرآن کریم انسانی تصنیف کی بجائے اللہ کی کتاب ہونے کے دعویٰ میں نہایت ہی سچی کتاب ہے اور مسلمان اللہ کی کتاب تو مانتے ہیں لیکن صرف ثواب و آخرت کے لئے اس کی تلاوت کرتے ہیں لیکن دنیوی زندگی کے لئے ایک قانون الٰہی کی کتاب کے طور پر' انہوں نے بھی شاید دل سے تسلیم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج من حیث القوم وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہیں۔ اللہ سمجھ کی توفیق عطا فرمادے۔

Marfat.com

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۞ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۞

چھپاتے ہیں اسے بھی اللہ جانتا ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی اس کے سامنے ہے۔ اور پھر اس قوم یہود میں وہ لوگ بھی ہیں جو نرے ان پڑھ ہیں[155] اور کتاب الٰہی کو اپنی آرزوؤں اور ولولوں کے سوا کچھ نہیں جانتے اور محض وہموں گمانوں میں مگن ہیں۔ ۷۷، ۷۸

ان پڑھ اور جاہل ہونا کیا ہے؟

۱۵۵ مسلمانوں کو خیال تھا کہ اگر عالم ہمارا ساتھ نہیں دیتے تو شاید جاہل ہی اس طرف رخ کریں اور تکثیر سواد ہی کا فائدہ حاصل ہو' ایسے لوگوں سے کسی طرح کی توقع رکھنا عبث و بیکار ہے یہ عوام کالانعام نہ پڑھے نہ لکھے۔ باپ دادا کی لکیر کے فقیر۔ اپنے دل کی گھڑی ہوئی آرزوؤں اور خوش کن روایتوں اور سنی سنائی باتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تورات پڑھتے ہیں مگر مفہوم و مطلب سے کوئی غرض نہیں۔ صرف الفاظ پر قناعت کرتے ہیں اور طوطے کی طرح رٹ لیتے ہیں اور باوجود اس کے یقین رکھتے ہیں کہ جنت میں داخل ہوں گے ان کے ذہن و دماغ میں کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ معنی سمجھے بغیر کتاب الٰہی کس کام آسکتی ہے۔

"اَمَانِیَّ" اُمْنِیَّۃٌ کی جمع ہے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ یہ لوگ محض اپنی آرزوؤں کو پالتے رہتے ہیں جنہیں واقعیت اور حقیقت سے اصلاً تعلق نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹی روایتوں' بے ثبوت و بے سند باتوں میں الجھے رہتے ہیں جو کچھ علمائے سوء سے سن لیا اس کو تقلیداً اور عقیدۃً تسلیم کر لیا اور پھر جو تسلیم کر بیٹھے اس کے خلاف ہزار دلائل ہوں ان کو خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں دیں گے۔

گویا لکھنا پڑھنا جانتے نہیں مگر خواہشات بڑی بڑی ہیں اپنے علماء سوء سے جو کچھ سن رکھا ہے اس کو مایہ ناز و سرمایہ آخرت تصور کرتے ہیں ان کی آرزو ہائے باطلہ پر دھیان دیں کہ

الف ۔ جنت میں یہودی اور نصرانی کے سوا دوسرا کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ لن یدخل الجنتہ الا من کان ھودا او نصاریٰ (۲ : ۱۱۱)

ب ۔ اگر بہ فرض محال ہم میں سے یعنی یہود میں سے کوئی جہنم کی طرف گیا بھی تو صرف چند روز کے

Marfat.com

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ
يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا

پس افسوس[۱۵۶] ان پر کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی مرضی سے احکام لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں

لئے۔ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً (۲ : ۸۰)

اس طرح کے خیالات فاسدہ ہیں جو ان کو خوش رکھتے ہیں حالانکہ جنت میں جانے کا قاعدہ یہ ہے کہ صرف اور صرف ایک اللہ کی غلامی کی جائے اور قلب سلیم لے کر اس کے حضور میں حاضر ہو اس لئے کہ وہاں مال و دولت اور حسب و نسب کام نہیں آئیں گے۔ يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ۝ اِلَّا مَنۡ اَتَى اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ ۝ (۲۶ : ۸۸ ، ۸۹) اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ (۲ : ۱۱۲) "ہاں! نجات کی راہ کھلی ہے مگر وہ خاص کسی گروہ بندی کے لئے نہیں وہ تو ایمان و عمل کی راہ ہے جس کسی نے بھی اپنے رب کے سامنے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو وہ اپنے رب سے اپنا اجر ضرور پائے گا نہ اس کے لئے کسی قسم کا کھٹکا ہے اور نہ ہی کسی طرح کی غمگینی۔"

ہر تحریف اور ہر تصحیف موجب لعنت ہے

۱۵۶ قرآن کریم کے معیار صداقت و دیانت سے ہر تحریف و تصحیف موجب لعنت اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت ہے لیکن جو لوگ صرف آرزوؤں اور خواہشوں کی پیروی کرنے والے ہوں وہ اسے کیونکر معیار تسلیم کرلیں گے وہ تو اس معیار ہی سے ناواقف و ناآشنا ہیں۔ بلکہ اکثر اہل کتاب کے ہاں تو بھلائی کے لئے ہر برائی درست ہے اور "خدا کی سچائی" اور "خداوند کے جلال" کے اظہار کے لئے ہر جھوٹ جائز ہے آج دنیا میں مسیحیت کے نام سے جو "تثلیثی" شرک پھیلا ہوا ہے اس کے بانی پولوس صاحب اسرائیلی ہی تھے ان کا یہ مقولہ آج تک انجیل میں لکھا ہوا چلا آرہا ہے کہ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گناہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔" (رومیوں ۳ : ۷)۔

ان لوگوں کے علماء میں دستور تھا کہ کتاب الٰہی یعنی تورات کی آیات کے ساتھ اپنے تفسیری نوٹ اور حواشی بھی لکھ لیا کرتے تھے اور تحریر اس طرح کرتے کہ آیات اور ان جملوں میں کسی قسم کا فرق و امتیاز نہ رکھتے

Marfat.com

قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ

تاکہ اس کے بدلے میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کرلیں۔ پس افسوس اس پر جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں اور افسوس اس پر جو کچھ وہ اس ذریعہ سے کماتے ہیں۔ ۷۹

یہود[۱۵۸] کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں کبھی چھونے والی نہیں۔ اگر ہم آگ میں

تھے۔ بعد میں آنے والے ان میں تمیز ہی نہ کرسکے ازیں بعد عوام میں سے کوئی جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو یہ ان حواشی کو دیکھ کر جواب دے دیتے اور کہتے کہ یہ خدا ہی کا حکم ہے حالانکہ وہ ان کی اپنی خواہشات اور ابلیسی الہامات کا آئینہ ہوتا تھا۔ یہ شیطنت صرف اس لئے کی جاتی تھی کہ رؤسائے قوم خوش ہوں اور ان کے ہاں ان کو قدر و منزلت نصیب ہو۔ دولت ہاتھ آئے اور ہر جگہ آؤ بھگت ہو۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے: "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" اگر دنیا کے تمام خزائن بھی ہاتھ لگ جائیں اور ایک شخص کے قبضہ میں آجائیں تو بھی اس کی خواہشات کو پورا نہ کرسکیں گے کیونکہ آرزوؤں کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جائے گا۔ "ویل" کا لفظ قرآن کریم میں تین معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

الف۔ اگر گناہوں کی حالت ابتدائی ہے تو "ویل" کے معنی افسوس کے ہوں گے اور ایک شریف انسان کے لئے اتنا بھی بہت ہوتا ہے۔

ب۔ درمیانی حالت میں اس کا مفہوم تباہی و بربادی' جس کو قرآن کریم کی دوسری زبان میں لعنت بھی کہا جاتا ہے۔

ج۔ اور "ویل" کی آخری حالت میں اس سے دوزخ مراد لی جائے گی۔

اور اپنی اپنی جگہ پر یہ تینوں معنی یہاں مراد لئے جائیں گے اور "مِمَّا يَكْسِبُوْنَ" سے کیا مراد ہے؟ یعنی وہ کیا چیز ہے جو اپنی ان حرکتوں سے حاصل کرتے رہے ہیں؟ دو جوابات ممکن ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے گناہوں کا ذخیرہ مراد ہے یعنی وہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے اپنے معاصی کا انبار بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو مال و نفع وہ اپنی غرض مندانہ تحریف اور بقول خود "دروغ مصلحت آمیز" سے حاصل کرتے تھے وہ یہاں مراد ہے۔ زیر نظر آیت میں یہ حالت تو یہود کی بیان کی جا رہی ہے

Marfat.com

لیکن مسلمانوں کو بھی اپنا تجزیہ تو کر کے دیکھنا چاہئے کہ کیا ہماری حالت بھی دن بدن وہی تو نہیں ہو رہی جو کبھی یہود کی ہوا کرتی تھی؟ اگر ایسا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جو چیز ان کے حق میں بری تھی وہ ہمارے حق میں بری نہ ہو۔

یہود کے خوش کن عقائد میں ایک عقیدہ نجات

۱۵۷ یہود کے خود تراشیدہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہودی کہلانے والا خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو وہ کبھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ ہاں مجرموں کے لئے جو عذاب ہے وہ بھی چند روز کا عذاب ہے پھر چند روز کے متعلق بھی ان کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض سات روز کہتے ہیں اور بعض کا عقیدہ چالیس روز کا ہے اور گیارہ ماہ یا ایک سال سے زیادہ تو کسی کے عقیدہ میں بھی نہیں ہے۔ یہود سے پوچھا جا رہا ہے کہ یہ عقیدہ جو تم نے بنا رکھا ہے کہ "ہم کو دوزخ کا عذاب نہیں چھوئے گا" اس کی کوئی دلیل بھی آپ کے پاس ہے یا خالی عقیدہ کے نام سے ایسے ہی تم نے مشہور کر رکھا ہے۔ اس کی سند کا مطالبہ ظاہر ہے کہ تورات ہی سے کیا جا سکتا تھا اور اس کی دلیل طلب کی گئی لیکن کوئی دلیل ہوتی تو وہ پیش کرتے۔ عجب اتفاق ہے کہ آج بھی جب بد عقیدوں سے اس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کی دلیل کتاب و سنت سے بتا دو تو وہ جز بز ہونے لگتے ہیں اور کہتے ہیں تو صرف یہ' کیا آج تک سارے غلط ہی تھے؟ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا ہے آج اس کو کیا وحی اتری ہے؟ حالانکہ یہ سب سوال ہیں جواب نہیں' ان سے سوال کیا جاتا ہے لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دیں سوال پر سوال کئے جاتے ہیں۔ اس طرح گویا ان کے اوسان خطا ہوگئے ہیں۔ اسی طرح کے عقائد مسلمانوں میں بھی راسخ ہو چکے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ جس نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے عشق میں دو آنسو بہا لئے وہ ایسے گروہ میں داخل ہوگیا جو صرف جنت کا مستحق ہی نہیں بلکہ جنت داخل کرنے والوں کا سرٹیفکیٹ جن کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی کہتا ہے جو شخص شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلہ میں داخل ہو گیا وہ دوزخ میں کبھی نہیں جائے گا۔ دیکھو فلاں دھوبی صرف شیخ عبدالقادرؒ کے کپڑے دھوتا تھا وہ مر گیا منکر و نکیر اس کے پاس آئے اور پوچھا کہ "من ربک" تیرا رب کون ہے جواب ملتا ہے "میں نہیں جانتا" لیکن اس سے دوسرا سوال کیا جاتا ہے "مادینک" تیرا دین کیا ہے؟ جواب ملتا ہے کہ "میں نہیں جانتا" اس سے پوچھا جاتا ہے کہ "من نبیک" تیرا نبی کون ہے؟ وہ ایک ہی جواب جانتا ہے کہ "میں نہیں جانتا" پھر اس سے اصرار کیا جاتا ہے کہ آخر تو بلا کیا ہے؟ جواب ملتا ہے کہ میں عبدالقادرؒ کا دھوبی ہوں۔ انجام کار فرشتے واپس جا کر رب کریم سے پوچھتے ہیں کہ اے اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ اللہ فرماتا ہے۔ دیکھو جان کی امان مل گئی ہے آپ بخیریت واپس آگئے ہیں۔ اگر وہ روحوں والا تھیلا آپ سے چھین لیتا تو مجھے سب کو دوبارہ دنیا میں بھیجنا پڑتا۔ اب دوبارہ اس کے پاس نہ جانا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اس طرح کے خیالات فاسدہ یہودیوں اور عیسائیوں ہی سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور مسلمانوں نے

Marfat.com

اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ

ڈالے بھی گئے تو صرف چند گنتی کے دنوں کے لئے ڈالے جائیں گے۔ اے پیغمبر اسلام! ان سے کہیے یہ بات تم کیسے کہتے ہو؟ کیا تم نے اللہ سے نجات کا کوئی پٹہ لکھا لیا ہے؟ کہ اب وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔ یا پھر تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی صحیح علم نہیں ہے۔ ۸۰

ہاں[۱۵۸] یاد رکھو! جس کسی نے بھی اپنے کاموں سے برائی کمائی اور اس کے گناہوں

ان کو حرز جاں بنا لیا ہے اسلام ایسے نظریات کا ہرگز ہرگز حامل نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم نے تو واضح اعلان فرما دیا ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا خواہ وہ کوئی ہو۔ بلکہ قرآن مجید نے تو وضاحت فرما دی کہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہونا یا کسی ولی کی طرف منسوب ہونا نجات کا باعث نہیں ہو سکتا۔ نجات کے لئے عمل صالح اور ایمان باللہ کی ضرورت ہے تمہیں معلوم ہے کہ نوح جیسے جلیل القدر نبی نے اپنے بیٹے کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو وہاں سے سخت ڈانٹ ملی فرمایا گیا۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (۱۱ : ۴۶) تم کو یاد ہو گا کہ نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کو صرف اس لئے جہنم بھیج دیا گیا کہ انہوں نے عمل صالح کو اپنے پاؤں سے ٹھکرا دیا اور پیغمبروں کی رشتہ داری کے گھمنڈ میں مغرور ہو گئیں تم اس کو بھی نہیں بھولے ہو گے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کوہ صفا پر قبائل کو جمع کر کے ان کے سامنے دعوت حق پیش کی تھی تو اس خطبہ کے آخری الفاظ کیا تھے؟ "کہ اے فاطمہ محمد کی بیٹی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالے اس لئے کہ میں تیرے نفع و ضرر کا ذرہ برابر بھی مالک نہیں ہوں۔ پھر یہ کس درجہ جہل و نادانی ہے کہ بزرگوں کے نام لیوا ہونے کی بنا پر نجات کے دعویدار بنتے ہیں اور دل ہیں کہ ایمان کی دولت سے بالکل خالی ہیں۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی بات کہہ دیتا ہے کہ ایسا ہو گا تو گویا یہ

Marfat.com

اس کا قولی وعدہ ہوگیا اب ایسا نہیں ہو سکتا کہ ویسا نہ ہو جیسا کہ اس نے ہونے کا کہا ہے لہٰذا اس مضمون کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ "اللہ وعدہ خلافی کرتا ہے اور نہ ہی وعدہ خلافی ہونے دیتا ہے" یعنی اس کے کہے ہوئے پر کوئی دوسرا خواہ وہ کوئی ہو حاوی نہیں ہو سکتا۔ کاش کہ آج مسلمان بھی یہ بات سمجھ جاتے۔

برائی کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوتا

۱۵۸ اس آیت نے واضح کر دیا کہ انسان جب ہمہ تن ہی بدی کے پیچھے لگ جاتا ہے تو چاروں طرف سے بدیاں اس کو گھیر لیتی ہیں پھر اس کے لئے نکلنے کا راستہ نہیں رہتا۔ اس طرح ہدایت و رشد کے تمام راستے اس پر بند ہو جاتے ہیں پھر یہ شخص بد اخلاقی کی آگ سے کبھی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا اور بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کی نجات کا ذمہ نہیں لے سکتی اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص بدی کے مقابلہ میں کوشش کرتا ہے وہ بدیوں میں یوں گھرتا نہیں بلکہ انجام کار ایک روز بدی پر غالب آجاتا ہے۔ بدی کی کشش اگرچہ بہت سخت معلوم ہوتی ہے مگر دراصل وہ ایک کمزور چیز ہے اور اس کے مقابلہ میں نیکی کی قوت بہت ہی زبردست ہے اور فطرت الٰہی بھی نیکی کی معاون و مددگار ہے اس لئے نیکی اور بدی میں جب مقابلہ ہوگا تو یقیناً نیکی غالب آئے گی۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ دنیا میں کوئی دنیوی عمل بغیر نتیجہ کے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں عمل ہوا نتیجہ بھی نکلے گا اور جہاں نتیجہ نکلا یقیناً عمل بھی ہوا ہے۔ پھر اسی طرح اچھے عمل کا نتیجہ ہمیشہ اچھا ہی ہوگا اور برے عمل کا نتیجہ بھی برابر ہی ہونا ضروری ہے۔ اگر کہیں اس کے خلاف نظر آئے یعنی برے عمل کا نتیجہ اچھا یا اچھے عمل کا نتیجہ برا' تو سمجھ لو کہ یہ اس عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ اس عمل کا نتیجہ ابھی باقی ہے جو اپنے وقت پر ضرور نکلے گا۔

آؤ قرآن کریم کو پڑھو اس طرح کہ اس کی سمجھ بھی آجائے ارشاد الٰہی ہے : فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال ۹۹ : ۷'۸) "جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہے وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"

اور فیصلے کا اعلان بھی کر دیا گیا کہ : فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ (القارعۃ ۱۰۱ : ۶'۱۱) "پھر جس کے نیک اعمال کا وزن زیادہ ہوگا وہ دل پسند عیش و راحت میں ہوگا اور جس کے نیک اعمال کا وزن کم نکلے گا تو اس کا ٹھکانہ بھی جہنم ہونا ضروری ہے۔ اور آپ کو ابھی کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے؟ وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے' جو اس کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔"

چلتے چلتے رسول اللہ ﷺ کا پیغام بھی سنتے چلو آپ نے فرمایا: انما ھی اعمالکم ترد علیکم فمن وجد خیرا فلیحمد اللّٰہ ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا بنفسہ۔ "یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جن کا احتساب تم سے کیا جا رہا ہے اگر حسن ثواب ملا تو اللہ کا شکر ادا کرو ورنہ تم خود ہی ملامت کے قابل ہو۔"

Marfat.com

خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

نے اسے گھیرے میں لے لیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے یعنی ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا۔ ۸۱

اور[۱۵۹] جو کوئی بھی ایمان لایا اور اس کے کام بھی اچھے ہوئے تو وہ جنتی گروہ میں سے ہے یعنی ہمیشہ جنت میں رہنے والا۔ ۸۲

اور[۱۶۰] پھر اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ اللہ[۱۶۱]

اچھائی کا نتیجہ کبھی بھی برا نہیں ہو سکتا

۱۵۹ جو چیزیں لازم و ملزوم ہوں۔ وہاں ایک کے وجود کا اقرار دوسرے کے وجود کا خود بخود اقرار ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں ایک کے وجود کا انکار ہوا تو دوسرے کے وجود کا خود بخود انکار ہو جاتا ہے۔ عمل و نتیجہ لازم و ملزوم ہیں اسی لئے یہ اصول قرآن کریم نے بھی قائم رکھا ہے۔ اسی طرح ان دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون بیان فرما دیا گیا کہ یاد رکھو نجات کا نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں جو کوئی اپنے مقصد و اختیار سے بدعقیدگی اور بدکرداری کی راہ پر چلے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو کوئی اپنے قصد و اختیار سے ایمان و عمل صالح کی روش کا انتخاب کرے گا اس کی منزل جنت ہے۔

ہاں! اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ عمل صالح اپنی جگہ پر نہایت اہم اور ضروری ہے لیکن ایمان اس سے بھی اہم تر ہے اور بغیر ایمان کے عمل صالح وہ نتیجہ نہیں دیتا جو ایمان کے ساتھ دیتا ہے اس کو ایک مثال سے سمجھ لو تاکہ بات جلد ذہن نشین ہو جائے۔ ایمان ایک بیج ہے عمل اس بیج کے لئے بمنزلہ زمین ہے۔ زمین کارآمد یعنی قابل کاشت بھی ہوتی ہے اور ناکارہ یعنی ناقابل کاشت بھی۔ اچھا عمل کارآمد زمین ہے اور برا عمل ناکارہ زمین۔ اب زمین کتنی ہی کارآمد کیوں نہ ہو بیج ڈالنا تو نہایت ضروری ہے اور بغیر بیج ڈالے زمین کی اچھائی اور برائی کس کام کی؟ زمین اچھی ہو اور اس میں اچھا بیج بھی بو دیا جائے تو سبحان اللہ! کیا کہنے۔

Marfat.com

ایک کے ستر یا سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن اگر بیج عمدہ نہ بھی ہو اور زمین کار آمد ہوئی تو ایک کے دس تو ماشاء اللہ ہو ہی جائیں گے لیکن خدا نہ کرے کہ اگر زمین بھی ناکارہ ہوئی اور بیج بھی بیکار ڈال دیا تو کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

احکام الٰہی ہی عہد و پیمان ہیں

۱۶۰ ف اب تک اہل کتاب خصوصاً یہود کی غلط کاریاں ذکر کی گئیں اور علماء یہود کے امراض پر اصولی بحث کی' ان کے عقائد باطلہ کی تردید فرمائی۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت رب قدوس سے جو عہد و پیمان کیا تھا اس کا کیا حشر ہوا اور بتایا کہ یہ عہد و پیمان اصل میں کیا ہیں؟ عہد جب اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے تو محاورہ توریت میں حکم کے معنوں میں آتا ہے چنانچہ تورات میں ہے کہ "اور اس نے اپنا عہد تمہارے آگے بیان کیا جس پر عمل کرنے کا حکم بھی اس نے تمہیں دیا یعنی دس احکام۔" (استثناء ۴ : ۱۳) جس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ عہد لینے کا مطلب حکم دینے کا ہے چونکہ اس آیت میں کچھ احکام دیئے گئے ہیں جن کا ذکر ہے لہٰذا ان ہی کو عہد و پیمان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا عہد

۱۶۱ ف زیر نظر آیت میں جو احکامات اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دیئے تھے ان میں سے پہلا حکم یا جو عہد بنی اسرائیل سے لئے تھے ان کا پہلا عہد یہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی غلامی نہ کریں۔ اپنی ضروریات زندگی میں اس سے طالب اعانت ہوں اور سب سے باغی بن کر اس ایک کی اطاعت کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیں تاکہ سب قوموں کے سامنے سربلند ہوں۔ گویا پہلا عہد اثباتِ توحید اور ممانعتِ شرک ہی کا تھا۔ آج بھی تورات میں یہ حکم اسی طرح موجود ہے یہاں بطور نمونہ ایک دو جگہ کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا' تو ان کے آگے' اپنے تیئں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر' کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔" (خروج ۲۰ : ۳' ۵)

"میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر' نہ ان کی بندگی کر۔" (استثناء ۵ : ۷' ۸)

"سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔" (استثناء ۶ : ۴)

"تم اور معبودوں کی قوموں کے معبودوں میں سے جو تمہارے آس پاس ہیں پیروی نہ کرو کیونکہ خداوند تیرا خدا جو تمہارے درمیان ہے غیور خدا ہے' نہ ہو کہ خداوند تیرے خدا کے قہر کی آگ تجھ پر بھڑکے اور

Marfat.com

بَنِیٓ اِسۡرَآءِیۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ

کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا' ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا' عزیزوں ۱۶۳' قریبی رشتہ

تمہیں روئے زمین سے فنا کر دے۔ (استثناء ۶: ۱۴'۱۵)

اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لئے جتنا زور قرآن کریم کے صفحات میں دیا گیا ہے اتنا دوسری کتب آسمانی میں نہ سہی تاہم کتب آسمانی میں تحریف ہونے کے باوجود ایسے احکام مل جاتے ہیں جن میں توحید کا درس آج بھی پایا جاتا ہے۔

والدین کی فرمانبرداری کا عہد

۱۶۲ ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کے بعد شان ربوبیت میں والدین ہی ہوتے ہیں جو عاصی و نافرمان اولاد پر بھی احسان کرنے سے جی نہیں چراتے اور اپنی اولاد کے لئے ہر کمال کے آرزومند رہتے ہیں اس لئے اللہ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ کے ساتھ بر و احسان کا حکم دیا ہے چنانچہ توریت میں بھی ہے کہ "تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تاکہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہووے۔" (خروج ۲۰: ۱۲)

"اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا ہے۔" (استثناء ۵: ۱۶)

قرآن کریم نے جگہ جگہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک پر بہت زور دیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ۝ وَاخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۳)

"اور تمہارے رب نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں تو ان کی کسی بات پر اف نہ کرو اور نہ جھڑکنے لگو اور ان کے ساتھ بات چیت ادب و عزت کے ساتھ کرو ان کے سامنے محبت اور مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار! جس طرح انہوں نے مجھے صغر سنی میں پالا پوسا ہے اور بڑا کیا ہے تو اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما۔"

عزیز رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کا عہد

۱۶۳ عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا یہ بھی دراصل ماں باپ کی محبت کا ایک جز ہوتا ہے اور وہ صلہ رحمی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ یتامیٰ اور مساکین کی نصرت و اعانت پر بھی اسلام

Marfat.com

اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ط ثُمَّ

داروں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا' یتیموں' مسکینوں کی خبرگیری کرنا اور تمام انسانوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ نماز [164] قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا۔ لیکن تم اے [165] قوم یہود! ایک تھوڑی تعداد

نے بہت زور دیا ہے اور اس کا عہد بنی اسرائیل سے بھی لیا گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی تورات کے صفحات میں اس عہد الٰہی کے نشانات موجود ہیں۔

"اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کیجئو بلکہ اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو اور کسی کام میں جو وہ چاہے بہ قدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجئو۔" (استثناء ۱۵: ۸'۹)

"اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں آئیں اور کھائیں اور سیر ہو جاویں۔ (استثناء ۱۴: ۲۹)

"مسکین زمین پر سے کبھی جاتے نہ رہیں گے اس لئے یہ کہہ کہ میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ (استثناء ۱۵: ۱۱)

اور اسی طرح تمام انسانوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک کی ہدایت کی گئی ہے اگرچہ وہ حسب و نسب کے رشتہ میں نہ آئیں تاہم انسانیت کا رشتہ تو ان سے بھی قائم ہے اس لئے حکم دیا جا رہا ہے کہ سب لوگوں سے بھلی بات کہنا بھی ضروری ہے ہر ایک انسان سے بات چیت اور گفتگو میں اچھی طرح پیش آتے رہنا سہل ترین اور ادنیٰ فریضہ انسانیت ہے۔ اس لئے یہ حکم عام ہے یعنی خوش خلقی کے ساتھ ہی سب انسانوں سے پیش آتے رہنا چاہئے۔ توریت موجودہ میں جتنے بھی حسن سلوک کے احکام ملتے ہیں ان کا دائرہ محدود ہے لیکن قرآن کریم میں ان احکامات کو بھی بار بار اور بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

عبادت الٰہی میں مصروف رہنے کا عہد

[164] صلوٰۃ' اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ یہ سب مخصوص اسلامی اصطلاحیں ہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ بنی اسرائیل کو بھی اسی طرح پانچ وقت کی نماز اپنی ساری شرطوں کے ساتھ اور اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینے کا حکم تھا۔ بلکہ یہ سب احکام ان کو مخصوص ہیئتوں اور متعین قیود کے ساتھ ملے تھے ہاں! ان کو جو احکام ملے تھے' اپنی عبادات کے متعلق اگرچہ ان کی مخصوص زبان ہے اور ان کے حالات و ماحول کے مطابق اللہ کی

Marfat.com

تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ۞ ۸۳
وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا
تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ
تَشۡهَدُوۡنَ ۞ ۸۴ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ

کے سوا سب الٹی چال ہی چلے اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم حق سے منہ موڑ لینے والے ہو۔ ۸۳

پھر[۱۶۵] وہ وقت بھی یاد کرو جب تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا خون مت بہاؤ اور اپنے لوگوں کو جلاوطن مت کرو۔ تم اس اقرار کی خود گواہی بھی دیتے ہو۔ ۸۴

پھر تم وہ لوگ ہو کہ ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کرتے ہو اور ایک فریق

راہ میں خرچ کرنے اور دعا و عبادت کی تاکید ابھی بھی توریت میں مختلف عنوانات سے موجود ہے جس کی ایک دو شہادتیں قلم بند کردی جاتی ہیں ملاحظہ فرمالیں۔

"چاہئے کہ تم خداوند اپنے خدا کی پیروی کرو اور اس سے ڈرو اور اس کے احکام کو حفظ کرو اور اس کی بات مانو' تم اسی کی بندگی کرو۔ اور اسی سے لپٹے رہو۔" (الاستثناء ۱۳ : ۴) حکم زکوٰۃ کے لیے (خروج ۲۳ : ۱۰ اور احبار ۲۵ : ۱) ملاحظہ کریں۔

بنی اسرائیل نے ان وعدوں کو پورا نہ کیا

۱۶۵ بنی اسرائیل نے ان وعدوں میں سے کسی کو پورا نہ کیا یا ان احکامات میں سے کسی ایک حکم کو بھی بجا نہ لاسکے۔ کسی سے آج اعراض کیا تو کسی سے کل منہ پھیر گئے۔ چنانچہ اس کی گواہیاں بھی ان کے اپنے گھر کی موجود ہیں۔ ذرا تورات ہی کو ملاحظہ فرمائیں۔

"وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد ہی پھر گئے۔" (خروج ۳۲ : ۸)

Marfat.com

"میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ یہ ایک گردن کش قوم ہے۔" (خروج ۳۲: ۹)

"بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو۔" (خروج ۳۳: ۵)

اسی طرح خون ریزی کی ممانعت توریت مروجہ میں بھی متعدد جگہ ملتی ہے مثلاً یہ کہ:

"تو خون مت کر۔" (خروج ۲۰: ۱۳)

"بے گناہ کا لہو تیری زمین پر جسے خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ بہایا نہ جائے کہ خون تجھ پر ہو۔" (استثناء ۱۹: ۱۰)

یعنی ان احکامات کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف لفظوں میں کیا جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا چلا آرہا ہے اور تمہیں اس سے انکار کی مجال نہیں ہے جیسے تورات میں ہے کہ: "وہ بولے کہ یہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے اور تابع رہیں گے۔" (خروج ۲۴: ۷)

بنی اسرائیل کے عہد و پیمان میں درج ذیل تین باتیں بھی تھیں

۱۶۶ علاوہ ان وعدوں کے جن کا اوپر ذکر کیا گیا تین باتیں اور بھی ان وعدوں میں شامل تھیں اور بنی اسرائیل نے ان تینوں باتوں کا بھی اقرار کیا تھا مگر ان کو بھی حسب سابق پورا نہ کر سکے۔

ان میں سے ایک عہد یہ تھا کہ خانہ جنگی کر کے باہم خون ریزی نہ کرنا کہ اس سے تمہاری اجتماعی قوت کو نقصان پہنچے گا' اور اس سے حیات قومی فنا ہوگی۔ دوسرا عہد یہ تھا کہ اپنے لوگوں کو ترک وطن پر مجبور نہ کرنا کہ ادھر تو تمہاری جماعت روز بروز کم ہوتی جائے گی اور دوسری طرف وہ جلا وطنی کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے تنگ آکر تمہارے دشمنوں سے سازش کر لیں گے اور اس طرح غیروں کو تم پر حملہ کرنے اور تمہیں غلام بنانے میں آسانیاں پیدا کر دیں گے۔ تیسرا عہد یہ تھا کہ اپنی قوم میں سے کسی کو گرفتار ہوتا دیکھو تو فدیہ دے کر اسے چھڑا لینا۔

ان لوگوں نے پہلے دو احکام کی تو پرواہ نہ کی مگر تیسرے کے لئے خوب اہتمام کرتے تھے ان کو یہ بات کہی جا رہی ہے کہ تم بھی عجیب لوگ ہو کہ بعض کتاب کو مانتے ہو اور بعض کے ماننے سے انکار کر دیتے ہو' جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہاری مرضی کی بات ہے جس کو چاہو مانو جس کا چاہو انکار کر دو۔

واقعہ اس طرح ہے کہ مدینہ میں اوس و خزرج کی دو قومیں بستی تھیں جن کی ہمیشہ آپس میں جنگ رہتی تھی۔ شہر کے اطراف میں یہودیوں کے بھی دو قبیلے آباد تھے بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان میں سے اوس اور بنو قریظہ باہم ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ ایسے ہی خزرج اور بنو نضیر آپس میں معاہد تھے جب کبھی اوس اور خزرج میں جنگ ہوتی ان قبائل کو بھی بوجہ دوستی اور حلافت کے ان کی مدد کرنا پڑتی پھر جنگ کے نتائج میں جہاں اوس اور خزرج بے خانماں برباد ہوتے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر بھی اس مصیبت سے محفوظ نہ رہ سکتے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ بنو نضیر کے اخراج میں بنو قریظہ کا دخل ہوتا تھا اور بنو قریظہ کی جلا وطنی میں بنو نضیر

Marfat.com

حصہ دار ہوتے تھے۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ جب ایک جماعت میں سے کوئی امیر ہو جاتا تھا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال سے راضی کر کے قیدی کو رہا کرا دیتی۔ اگر کوئی ان کی اس حرکت پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ امیر کا رہا کرنا ہمارا مذہبی فرض ہے اور جب لوگ یہ کہتے کہ قتل و اخراج میں تم نے کیوں دشمنوں کی مدد کی تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ دوستوں کا ساتھ نہ دینا عار اور ننگ کی بات ہے۔

اس بیہودہ حرکت پر ان کو کہا گیا کہ مرض بھی برابر پیدا کرتے رہیں اور علاج بھی جاری رکھیں یہ کہاں کی دانشمندی ہے اس طرح سے مرض کبھی نہیں زائل ہوا کرتا پس ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا میں ذلیل کر دیئے جائیں اور کبھی انہیں عزت نصیب نہ ہو۔ چنانچہ بنو نضیر کو رسول اللہ ﷺ نے ملک شام کی طرف جلا وطن کر دیا بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کیا اور عورتوں‘ بچوں کو لونڈی غلام بنایا۔ سچ ہے ایسے لوگوں کی سزا میں نہ تو کسی قسم کی تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ کوئی ان کی طرفداری کر سکتا ہے۔ آخرت کا عذاب اس کے سوا ہے جو یقیناً ان کی بد اعتدالیوں کے نتیجے کے طور پر بھگتنا لازم ہے۔

اس جگہ یہود کا قصہ بیان کر کے توجہ مسلمانوں کو دلائی جا رہی ہے مگر وقت آنے پر وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلے اور جو نقشہ یہاں کھینچا ہے وہ دراصل پیش گوئی کے رنگ میں مسلمانوں کا نقشہ ہے ایک طرف تو ہمدردی کا اظہار اس قدر ہے کہ جنگوں میں دنیا کے ایک حصہ میں مسلمان زخمی ہو جائیں تو دوسرے حصہ دنیا میں چندہ جمع ہوتا ہے ان کی ہمدردی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ایک ملک دوسرے اسلامی ملک کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے۔ کبھی دوسروں سے مل کر کبھی خود بخود۔ ایک طرف خود مسلمان عیسائیوں سے مل کر‘ کبھی یہودیوں سے مل کر ایک اسلامی حکومت کو تباہ کرتے ہیں اور دوسری طرف ایک مسلمان حکومت کے قیام کے لئے اپیلیں اور مظاہرے کرتے ہیں۔

یہود کا قصہ بیان کر کے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ حالات کچھ بھی ہوں۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر کے ان کے خون کی ہولی کھیلنا اور ان کا ملک چھیننا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان دکھ نہ اٹھائیں۔ ہاتھ سے دکھ دینا‘ ان کو قتل کرنا‘ ان کے مال لوٹنا‘ ان کے ملک چھیننا اور زبان سے ان کی عزت پر حملہ کرنا‘ گالیاں دینا‘ کافر کہنا شیوہ بنا لینا آج غور کرو کہ کیا مسلمانوں میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟

پچھلے پچاس برس میں جو حالات دنیا کی تاریخ میں لکھے گئے کیا مسلمان ان دونوں جرموں کے مرتکب نظر نہیں آتے؟ عیسائی غداروں نے اسلامی ممالک کو تہس نہس کر کے پہلے اپنے قبضہ میں کیا اور پھر ان کو آزادی کے نام سے مختلف ممالک میں تقسیم کر دیا اور ان کو آزاد کرنے کے انعام میں ان کے گلے میں یہ دونوں لعنت کے طوق ڈال کر۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا آرام کرنے کے لئے ایک کونہ میں بیٹھ گئے۔ اب ان اسلامی حکومتوں کو اس طرح دست و گریبان کر دیا ہے کہ یہ خود ہی ایک دوسرے کو مارتے اور مرتے رہیں۔ عیسائی شاطر آرام سے

Marfat.com

وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ
عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ
تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ
بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَن

دوسرے فریق کے خلاف ظلم و معصیت سے جتھا بندی کر کے اسے اسکے وطن سے نکال باہر کرتا ہے لیکن پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تمہارے جلا وطن کئے ہوئے آدمی دشمنوں کے ہاتھوں قیدی ہو کر تمہارے سامنے آتے ہیں تو تم فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کے گھروں اور بستیوں سے جلا وطن کرنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم بعض کتاب کو مانتے ہو اور بعض حصے سے انکاری ہو؟ پھر بتلاؤ تم میں سے جن لوگوں کے کاموں کا

بیٹھ کر ان کی اس کشتی کا تماشا دیکھتے ہیں پھر جس کو چاہتے ہیں کامیاب اور جس کو چاہتے ہیں ناکام قرار دے کر دوبارہ کشتی کے لئے تیار کرتے ہیں۔ مسلمان ہیں کہ ان کی سمجھ میں اب یہود کی طرح کچھ آتا ہی نہیں کہ ہم کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں؟ اب وہ وقت ہے کہ علماء اور مشائخ کو یہ فکر نہیں کہ کافروں کو مسلمان بنائیں یا اسلام پر جو حملے ہو رہے ہیں ان کا جواب دیں ان کا کام اب صرف یہ ہے کہ جہاں تک ان کے بس میں ہے وہ مسلمانوں کو کافر بنائیں اور اس طرح مسلمانوں کو اگر سیاسی امن میسر ہو تو مذہبی گروہ بندی کی لعنت میں ان کو پھنسا کر دن بدن کمزور سے کمزور تر کرتے چلے جائیں۔

اس وقت مسلمانوں کی جتنی مملکتیں ہیں ان میں انتشار' بدامنی' لڑائی جھگڑا' ڈاکہ زنی' قتل و غارت' گروہ بندی' فرقہ پرستی' فتویٰ بازی اور شور و غوغا ہے۔ ان تمام حکومتوں کی اندرونی حالت ہے تو ازحد خراب ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات ہیں تو ان کا پوری طرح سے ستیاناس ہے کسی کو کسی پر اعتماد نہیں۔

يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ○

آیت ۸۴ اور ۸۵ کا ترجمہ ایک بار پھر پڑھو اور سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ ایمانداری سے

Marfat.com

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

یہ حال ہے انہیں پاداش عمل میں اسکے سوا کیا مل سکتا ہے کہ دنیا میں ذلت و رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب! یاد رکھو اللہ کا قانون جزا تمہارے کاموں کی طرف سے بالکل غافل نہیں ہے۔ ۸۵

یقیناً [۱۶۷] یہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی برباد کر کے دنیا کی زندگی کی

بتاؤ کہ اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک فقرہ ایسا نہیں جو ہماری اس وقت کی حالت پر فٹ ہوتا چلا جائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو تم ہی بتاؤ کہ یہود کی داستان غم ہے یا ہماری حالت زار کا نقشہ۔ جو قوم اپنی کتاب کو وحی الٰہی کہے اور پھر کتاب کے کسی حصہ پر عمل کرے اور کسی حصہ سے بے نیاز ہو جائے اس کے لئے ذلت و رسوائی کے سوا اس دنیا میں کچھ ہے؟ اگر نہیں تو اس وقت دنیا میں ہماری حالت کیا ہے؟ کیا روز بروز یہود مسلمان اور مسلمان یہود تو نہیں ہو رہے؟ اعمال کے لحاظ سے؟ کردار کے لحاظ سے؟ اخلاق کے لحاظ سے؟ عادات و اطوار کے لحاظ سے؟

دنیا کی خاطر آخرت کو برباد کیا لیکن دنیا بھی ہاتھ نہ آئی

۱۶۷: آخرت کا تصور خالصتاً اسلامی تصور ہے اس لئے کہ اسلام نے بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور دونوں کے لئے الگ اصول و قواعد بیان کئے ہیں اور مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ دنیا کے اندر رہ کر دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت کو بھی سنوارنا ہے اور دنیا کا کوئی ایسا فائدہ جو آخرت کو برباد کر دے اس کو حاصل کرنے سے باز رہنا ہے اور آخرت کا کوئی فائدہ جو دنیا کا نقصان برداشت کرنے سے حاصل ہوتا ہے خوشی سے دنیا کا نقصان برداشت کرنا ہے یہ تصور جس کو اسلام نے نشوونما دی اس کو قوم بنی اسرائیل نے بالکل بھلا دیا تھا۔ گویا ان کی قومی زندگی میں یہ نیست و نابود ہو چکا تھا اسلام نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔

زیر نظر آیت میں یہود کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم وہ لوگ ہو جنہوں نے دنیا کی خاطر آخرت کو

Marfat.com

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۸۶ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا

آسائش خرید کی ہے لیکن وہ یاد رکھ لیں کہ نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی' نہ کہیں سے وہ مدد حاصل کر سکیں گے۔ ۸۶

اور غور کرو ہم نے پہلے موسیٰؑ کو کتاب دی پھر موسیٰؑ کے بعد ہدایت کا سلسلہ پے [۱۶۸]

برباد کیا تھا تم نے آخرت کو فی الواقعہ برباد کر لیا لیکن دنیا کو تم حاصل نہ کر سکے۔ جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ دنیا میں تم خائب و خاسر ہوتے اور یہی ہوا کہ دنیا کی ناکامی بھی تمہارا مقدر بن گئی۔ اور تم ایسے نامراد ہوئے کہ "پیاز بھی کھا گئے اور جوتے بھی" اور کسی قوم کی بدبختی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے لیکن ڈھیٹ قوموں کو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ ڈھیٹ کہتے ہی اس کو ہیں جس کی لغت میں شرم نام کی کوئی چیز موجود نہ ہو۔ فرمایا جا رہا ہے اچھا! دنیا کی ناکامیوں کا منہ دیکھ لیا ہے تو اب آخرت کے عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ اور یاد رکھو کہ آخرت میں بھی تمہارا کوئی مدد و معاون نہیں ہوگا۔ تمہارے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کی یاد دہانی

۱۶۸ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پیچھے گزر چکا آپ کا حسب و نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام چند واسطوں سے یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکابد تھا۔ یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام اسرائیل تھا اور وہ یوسف علیہ السلام کے والد ماجد تھے۔ مشیت ایزدی کے مطابق جب یوسف علیہ السلام تخت مصر تک پہنچ گئے تو انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب اور اپنے بھائیوں کو مصر ہی کے قریب ایک نئی بستی آباد کر کے اس میں لا بسایا چونکہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے لہٰذا اس طرح بنی اسرائیل بارہ قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت بنی اسرائیل فرعون وقت کے زیر عتاب تھے۔ وہ اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ دے چکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ اور تمام اہل خاندان سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچہ کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں؟ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھنے کی ترکیب والدۂ موسیٰ کے دل میں القاء کی اور اس ترکیب سے موسیٰ علیہ السلام کی صرف جان ہی کیا بچی کہ فرعون کے محلات میں پرورش پانے لگے۔

Marfat.com

بچپن ہی میں آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ میرا تعلق قوم بنی اسرائیل سے ہے اور فرعون گویا میری قوم کے لوگوں پر ظلم و ستم ڈھا رہا ہے۔ آپ کی جوانی کے دنوں ہی میں وہ واقعہ قتل ہوا اگرچہ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا لیکن مشیت ایزدی کا فیصلہ تھا کہ اب موسیٰ کو مصر سے بخیریت نکال لے چلنا ہے فرعون کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر جیل ڈالنے کا فیصلہ ہو چکا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام خود ہی مصر چھوڑ گئے۔

چلتے چلاتے مدین پہنچے اور وہاں اللہ نے ٹھہرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اس طرح مشیت ایزدی نے ناز و نعمت سے پرورش کرانے کے بعد جوانی کے عالم میں ایک ریوڑ کا چرواہا بنا دیا اور اس طرح قانون الٰہی نے ایک ریوڑ کے راعی کو انسانوں بلکہ یوں کہیں کہ بنی اسرائیل کے گلہ کا راعی بنانے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ نبوت عطا کرنے کا وقت قریب آیا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام عیال دار تھے اور اہل و عیال کو لے کر اپنے وطن مصر کو واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں ایک رات آگ دکھا کر اللہ تعالیٰ نے اپنے قریب بلا لیا۔ آگ لینے کی غرض سے آگ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ وحی الٰہی نے اپنی طرف متوجہ کر لیا اس طرح نبوت سے فیض یاب ہوئے اور اپنے وطن مصر پہنچ کر فرعون کو مخاطب کیا۔ مصر میں اس وقت فرعون کی "انا ربکم الاعلیٰ" کی صدا بلند تھی آپ نے فرعون کو بتایا کہ تیری یہ صدا جھوٹ ہے رب تو نہیں بلکہ رب تیرا' میرا اور سب کا ایک ہی ہے اور وہ وہی ہے جس نے مجھے' تجھے اور سب کو پیدا کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو اس صدا کو نہیں روک سکتا تو بنی اسرائیل کو یہاں سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ فرعون نے یہ بات نہ مانی۔ ایک مدت تک موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دلائل نبوت سے سمجھاتے رہے لیکن فرعون اور اس کے حواریوں نے بات نہ مانی۔ انجام کار فرعون کی اجازت کے بغیر اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ پروگرام بنا کر رات کے وقت پروگرام کے مطابق مصر کو چھوڑ کر نکل گئے۔ جب فرعون کو معلوم ہوا تو اس نے اعوان و انصار کے ساتھ تعاقب کیا لیکن موسیٰ السلام حکم الٰہی کے مطابق سمندر پار کر گئے۔ اور فرعون اور اس کے اعوان و انصار سب غرق ہو گئے۔

موسیٰ علیہ السلام ایک مدت تک قوم کی تربیت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا مرتبہ عطا فرمایا قوم کی ہدایت و راہنمائی کے لئے کتاب یعنی تورات نازل فرمائی لیکن قوم ایک مدت تک غلامی میں رہ رہ کر آزاد قوموں کی سی صلاحیت بالکل ضائع کر چکی تھی انہوں نے زبان سے اقرار تو کر لیا تھا لیکن عملاً موسیٰ علیہ السلام کو پریشان ہی رکھا۔ ہر بات میں ٹانگ اڑائی۔ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ اولوالعزم پیغمبر تھے اس لئے ہر قسم کی ایذا رسانی اور مخالفت کے باوجود صبر کے ساتھ ان کی اصلاح میں مشغول و منہمک رہے کہ داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آ گیا۔ تورات اور کتب تاریخ کے مطابق موسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال کی عمر گزارنے کے بعد دار فانی سے رخصت ہوئے۔ لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً اڑھائی سو سے چار سو سال تک کا عرصہ ہے۔

Marfat.com

مِنۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ ۖ وَ اٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ

درپے۱۶۹ رسولوں کو بھیج کر جاری رکھا بالآخر مریم کے بیٹے۱۷۰ عیسیٰؑ کو سچائی کی۱۷۱ روشن نشانیاں

موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام کا پے در پے آنا

۱۶۹ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء کرامؑ کا متواتر اور بکثرت آتے رہنا تاریخ کا ایک مشہور اور مسلم واقعہ ہے۔ حضرت یوشع بن نون، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ناموں سے کون واقف نہیں؟ یہ سب انبیاء موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے ہیں۔ ان انبیاء کرام کے تذکار اس بات کے شاہد ہیں کہ بنی اسرائیل نے ہر نبی کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے بنی اسرائیل کو سینکڑوں سالوں کی غلامی سے نجات دلائی اور فرعون جیسے ظالم و فاسق بادشاہ کے ظلم و فسق سے بچایا اور موقع بہ موقع آیات و بینات دکھائے اس کی داستانیں آپ پڑھ چکے ہیں۔ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے ساتھ جو جو زیادتیاں انہوں نے کیں ان کا تذکرہ بھی جابجا قرآن مجید میں موجود ہے اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ دونوں باپ بیٹے کو جس طریقے سے قتل کیا گیا ان کی داستانیں آج بھی صفحہ قرطاس میں محفوظ ہیں جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شاخ یعقوب کے آخری نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام

۱۷۰ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔ سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے بعد صرف نبوت محمدی ﷺ ہوئی جس کا تعلق بنی اسمٰعیل سے ہے۔ ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے وہی عیسیٰ علیہ السلام کا آبائی وطن تھا۔ ولادت باسعادت بیت المقدس کے علاقہ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ اہل خانہ کے ساتھ بیت المقدس سے نکل کر اپنے اصلی وطن قصبہ ناصرہ کی طرف جا رہی تھیں خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا۔ جناب یوسف لکڑی کی صنعت سے خوب واقف تھے اسی لئے یوسف نجار کے نام سے مشہور تھے۔ شام اس وقت رومی مملکت کا ایک نیم خود مختار صوبہ تھا۔ اس وقت والی شام ہیرودوس تھا۔ مسیحی تقویم میں تین سال کی غلطی شروع ہی سے چلی آرہی ہے اس لئے آپ کا سال ولادت وہ نہیں ہے جس سے مسیحی تقویم شروع ہوتی ہے بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے۔ آپ کی ولادت کا مہینہ بھی دسمبر نہیں جیسے ایک عرصہ سے مشہور چلا آرہا ہے اور آج بھی عیسائی قوم ۲۵ / دسمبر ہی کو آپ کی ولادت کا دن سمجھتی ہے۔ آپ کی ولادت اگست کے مہینہ میں ہوئی جو اس علاقے میں بھی نہایت گرمی کا مہینہ ہے۔ قرآن کریم اور انجیل مقدس دونوں کی شہادت اس سلسلہ میں موجود ہے لیکن کوئی قوم جب من حیث القوم کوئی نظریہ اپنا لیتی ہے تو اس کو چھوڑنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتی۔ ایک نہیں، ہزار

Marfat.com

دلیل موجود ہو تو وہ سب بیکار ہے۔

آپ کی والدہ محترمہ سیدہ مریم اس زمانہ کی تمام عورتوں پر فضیلت رکھتی تھیں۔ آپ نہایت پاکباز اور پاکدامن بی بی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح سیدہ مریم کو الہام و القا کی قوت وہبی سے نوازا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے مردوں پر بھی فوقیت رکھتی تھیں ان پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا۔ مریم بنت عمران بن ماشان قوم بنی اسرائیل کے ایک بڑے معزز خاندان سے تھیں۔

مسیح علیہ السلام کا سال پیدائش موجودہ تقویم کے لحاظ سے ۳ عیسوی کہنا چاہئے لیکن اس طرح کی قومی غلطیوں کو اگر غلطی تسلیم بھی کر لیا جائے تو اصلاح کبھی نہیں ہوتی اس لئے غلط العام کو صحیح کہہ دیا جاتا ہے۔ سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی طرح سیدنا مسیح علیہ السلام کو بھی کم عمری میں نبوت عطا کر دی گئی لیکن کم عمری سے مراد دودھ پیتا بچہ یا کھیل کود کا زمانہ نہیں بلکہ ۲۵، ۲۷ سال کا نوجوان مراد ہے۔ چونکہ دوسرے انبیاء کرام کو نبوت ملنے کا زمانہ چالیس سال گزر جانے کے بعد متصور ہوتا ہے اس نسبت سے کم عمری کہا گیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام تیس سے چالیس سال کی عمر کے درمیان دار فانی سے دارالبقاء کی طرف اٹھا لئے گئے تھے۔ ابن مریم کے لفظ میں اشارہ ہے کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ عظمت کے باوجود محض بشر ہی تھے جو ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جیسے دوسری عورتوں کے بطن سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اللہ، ابن اللہ یا مثیل اللہ نہیں تھے جیسا کہ عیسائیوں نے سمجھا یا بیان کیا ہے۔ اسلام کے نزدیک اللہ وہ ذات ہے کہ لَا ضِدَّلَهٗ وَلَا نِدَّلَهٗ. لَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ ۔

وہ سچائی کی روشن نشانیاں کیا تھیں؟

۱۷۱ بینات صفت ہے اور جہاں صرف لفظ بینات ہے وہاں اس کا موصوف جس کی وہ صفت ہے مقدر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے کلام پر غور و فکر کو موصوف مقدر کو قرار دینا چاہئے۔ کلام الٰہی میں ہمیشہ "بینات" کا موصوف "آیات" کا لفظ آیا ہے جیسا کہ اس سورہ بقرہ میں نبی کریم ﷺ کی نسبت فرمایا ہے "وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيَاتٍۭ بَيِّنَاتٍ" اس لئے جو معنی آیات کے ہیں وہی معنی صرف "بینات" کے بھی ہیں کیونکہ آیات اس کا موصوف وہاں مقدر ہے اور جو مراد لفظ آیات سے ہے وہی مراد لفظ "بینات" سے ہے مع اس صفت کے جس پر لفظ بینات دلالت کرتا ہے۔

آیۃ کے معنی لغت میں علامت یعنی نشانی کے ہیں اور علامت ہمیشہ اس پر جس کی وہ نشانی ہے دلالت کرتی ہے پس آیت کے معنی دلالت کرنے والے کے ہوئے جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے بھی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھا ہے "انا لاٰیۃ ھی الدلالۃ" اور یہ قرآن کریم کے فقرے، اللہ کی وحدانیت اور انبیاء کی نبوت اور احکام شریعت پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم کے فقرہ کو بھی آیت کہتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر معالم التنزیل میں "وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰيَاتٍۭ بَيِّنَاتٍ" کی تفسیر میں لکھا ہے "واضحات مفصلات بالحلال والحرام

Marfat.com

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ

دیں اور اس کو روح القدس[۱۷۲] کی تائید سے ممتاز کیا لیکن ان میں سے ہر داعی کی دعوت کی

والحدود والاحکام" یعنی حلال و حرام اور حدود احکام کا مفصل بیان "آیات بینات" ہے۔ اور فقرات قرآن کریم پر اس لئے کہ وہ احکام پر دلالت کرتے ہیں۔ آیات کا اطلاق ہوا تو آیات سے خود احکام الٰہی بھی جو اس شخص کے وجود اور عظمت و جلال اور قدرت و سطوت و اختیار پر دلالت کرتے ہیں۔ جس نے وہ احکام صادر کئے ہیں' مراد لئے جاسکتے ہیں۔ درحقیقت آیات کے لفظ سے قرآن کریم کی آیتیں یا احکام جو اللہ نے ان آیتوں میں نازل فرمائے ہیں' مراد لینا ایک ہی بات ہے۔

قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال کبھی تو اللہ کی جانب سے ہوا جیسا کہ اس آیت میں "وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ" اور کبھی بطور قول کفار یا اہل کتاب کے ہوا ہے جیسا کہ اس آیت میں "وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ" پس جہاں قرآن کریم میں اس لفظ یعنی "آیت" "آیات" "بینات" یا "آیات بینات" کا استعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اس سے ہمیشہ وہ احکام یا نصائح اور مواعظ مراد ہیں جو اللہ نے بذریعہ اپنے کلام یا وحی کے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں۔ ان احکام و مواعظ میں سے بعض خفی ہیں جن کی حکمت بہ تامل و تدقیق نظر سمجھ میں آتی ہے اور بعض ایسے ہیں جو نہایت صاف واضح اور بدیہی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کبھی صرف "آیات" سے اور کبھی "آیات بینات" سے اور کبھی زیادہ تر بدیہی ہونے کے سبب سے صرف "بینات" سے ان کو تعبیر کیا ہے۔

قرآن کریم میں رسول کے رسول ہونے کے دلائل و احکام کو "بینات" کہا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں بھی فرمایا کہ : وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ اور تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام بھی روشن دلائل لے کر آئے۔ بلکہ سب رسولوں کو وہ دلائل دے کر بھیجا گیا جیسے ارشاد ہوا کہ قُلْ قَدْ جَآءَکُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ "اے پیغمبر اسلام! آپ کہہ دیجئے میرے سے پہلے بھی تمہارے پاس روشن دلائل لے کر رسول آئے۔"

عیسیٰ علیہ السلام جو آیات بینات یعنی روشن دلائل لے کر آئے تھے قرآن کریم میں ان کو کہیں استعارات میں اور کہیں تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس سے مراد وہ دلائل و برہان اور معجزات ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرے انبیاء کی طرح عطا کئے گئے تھے۔ ان کی تفصیل موقع پر آئے گی۔

روح القدس کی تائید کا مطلب کیا ہے؟

۱۷۲ روح القدس اسلامی اصطلاح میں مشہور و ممتاز و مقرب فرشتہ یعنی ملکوتی قوت ہے جس کو جبرئیل

Marfat.com

رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤى اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ‌ ۚ فَفَرِيۡقًا

تم نے مخالفت کی کیا تمہارا شیوہ ہی یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا کوئی رسول ایسی دعوت لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہشوں کے خلاف تھی تو تم اس کے مقابلے میں سرکشی

کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور مسیحی اصطلاح میں روح القدس "تثلیث مقدس" کے اقنوم ثالث کو کہتے ہیں لیکن اس اصطلاح کا تعلق اسلامی اصطلاح سے کسی قسم کا بھی نہیں۔ اس کا ذکر اس لئے کر دیا گیا ہے کہ بعض اوقات اصطلاح کے مشترک ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں یہاں کوئی اس طرح کی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ اس سے مفہوم یہ نکلتا ہے کہ مسیح علیہ السلام اپنی بشریت کی بناء پر اعانت خداوندی کے محتاج تھے اس لئے اللہ نے ان کی روح القدس سے اعانت فرمائی جیسا کہ وہ اکثر انبیاء کرام کی فرماتا رہا ہے اور اب بھی اپنے نیک بندوں کی اعانت فرماتا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ جو چیز مسیح علیہ السلام کی عجز اور کمزوری پر دلالت کرتی ہے اس کو عیسائیوں نے طاقت اور قدرت سمجھ لیا اور انہوں نے یہ ناکام کوشش کی کہ قرآن کریم میں بھی مسیح کی شخصیت کو ماوراء انسانیت سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی سمجھ کا نقص ہے قرآن کریم نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کو ایک اللہ کا بندہ اور رسول ہونے سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا اور بیان کیا۔

کلام الٰہی کو بھی روح کہا گیا ہے وہ اس لئے کہ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جو لوگوں کو حیات یعنی زندگی بخشتی ہے بلکہ وہی حقیقی زندگی کا سرچشمہ ہے کیونکہ اس سے کفر کو موت آتی ہے اور اسلام کو زندگی ملتی ہے۔ قرآن کریم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ "وایدھم بروح منه" کہ اللہ نے اپنی روح کے ساتھ ان کی تائید فرمائی۔ یعنی ان کو تقویت دے کر ان کی کمزوری دور کر دی۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت کے لئے ایک خاص موقعہ پر روح القدس کے مدد کرنے کی دعا فرمائی ایک دفعہ حضرت حسان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ حسان! تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے۔ اے اللہ! تو حسان کی تائید روح القدس سے فرما۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہاں! خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسان! تم ان مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ قرآن کریم میں اس "روح القدس" کو "روح الامین" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ حسانؓ سے آپؐ نے فرمایا تھا کہ "وروح القدس معک" اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ مختصر یہ کہ اس فقرہ سے سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشری کمزوری کا اظہار تو ہوتا ہے نہ معلوم مافوق الفطرت انسانی اس کو کس طرح سمجھ لیا گیا ایسے ہی مواقع کے لئے کہا گیا ہے کہ ع

Marfat.com

كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيقٗا تَقۡتُلُونَ ۝٨٧ وَقَالُواْ قُلُوبُنَا غُلۡفُۢۚ بَل

کرتے رہے اور پھر کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔ ۸۷

اور یہ لوگ کیسے بیباک ہیں؟ کہتے ہیں ہمارے[۱۷۴] دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔

چلتی کا نام گاڑی رکھیں اور بنے دودھ کو کھویا

ہوائے نفس کی پیروی سراسر گمراہی ہے

۱۷۳ پیغمبر کی اتباع و اطاعت سے عار محسوس کرنا ہر دور میں موجود رہا ہے کیونکہ انسان اپنا قاضی و حاکم اپنے نفس ہی کو بنانا پسند کرتا ہے جو بات اس کی خواہش کے خلاف ہوئی وہ اس کو کبھی پسند نہ آئی جو احکام اسے اپنی خواہشات یا اپنی محدود ناقص اور جذبات زدہ عقل کے منافی نظر آئے جھٹ اس کا انکار کر دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کر دیتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے گروہ یہود! تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ یہ تکبر کی کارستانی ہے۔ یہ اکڑنا اور اترانا اسی کا فعل ہے تم خود ہی غور کرو کہ کیا تکبر انسان کے لئے کوئی اچھی چیز ہے؟ غور کرو کہ اس تکبر نے تم سے کیا کچھ کرایا ہے یاد ہے آپ کو؟ بعض انبیاء کرام کو جھٹلانا اور بعض کو قتل ہی کر دینا دونوں چالاکیاں اسی کی ہیں اور ان دونوں جرموں کو تم عملی جامہ پہنا چکے ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ تم اس کی سزا بھی بھگت چکے ہو ذرا تاریخ پر اپنی نظر دوڑا کر تو دیکھو۔ ذرا عربی جملہ پر غور کرو فرمایا فَفَرِيقًا كَذَّبۡتُمۡ وَ فَرِيقًا تَقۡتُلُونَ (۲ : ۸۷) "ایک فرقے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقے کو قتل کرتے ہو" یعنی جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ استعمال کیا لیکن قتل میں مستقبل کا۔ گویا صاف بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازشیں اب بھی تم کر رہے ہو۔ کیا اعجاز قرآنی ہے ظاہراً کچھ کہا بھی نہیں اور سب کچھ کہہ بھی دیا۔ سبحان اللہ!

بنی اسرائیل کی اندھی تقلید

۱۷۴ ان لوگوں نے امانت کے ادا کرنے میں ہمیشہ خیانت سے کام لیا ہے' وہ سر سے لے کر پاؤں تک گندگیوں اور نجاستوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ "غلف" اغلف کی جمع ہے اس سے مراد وہ چیز لی جاتی ہے جو پردہ کے اندر ہو' اسی اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو قرآن کریم کی تعلیم سے بے نیاز خیال کرتے ہیں اور غرور و تکبر کی بناء پر اس سے روگردانی اختیار کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات بینات ان کے قلوب و اذہان پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ غلف بضم اللام غلاف کی جمع ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ ہمارے دل خزینہ دار علم و حکمت ہیں ہم آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کر سکتے۔ گویا ان کا یہ کہنا علمی خیانت ہے اور جان بوجھ کر از راہ تکبر علم کو علم کہنے کے لئے تیار نہیں اور جو کچھ ان

Marfat.com

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَلَمَّا
جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ان پر انکار حق کے تعصب کی پھٹکار ہے۔ اسی لئے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ دعوت حق سنیں اور قبول کریں۔ ۸۸

چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لئے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے تو باوجود

کے پاس اہواء و خواہشات ہیں اسی کو علم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ایک جگہ قرآن کہتا ہے کہ :

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۞

(المومن ۴۰ : ۸۳) "جب ان کے رسول واضح دلائل لے کر ان کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے علم پر ناز کیا اور اسی عذاب کے پھیر میں آگئے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔"

جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ مذہبی امام و پیشوا ہیں' ان کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کا اولین فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ ہر وقت حق بات ماننے کو تیار رہیں اور اس کو اسی طرح لبیک کہیں جیسے بھوکا کھانے کو اور پیاسا پانی کو لینے کے لئے لپکتا ہے مگر ان بدبختوں کی حالت یہ ہے ایسی صحیح تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں جو دنیا و آخرت کی ترقی کا ذمہ لیتی ہے اور تمسخر و استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ان مضامین سے کیا تعلق' گویا دوسرے الفاظ میں ان کا فیصلہ یہ ہے کہ جس جگہ آج ہیں اس سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھیں گے۔ پھر جس قوم و گروہ نے خود ہی ترقی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو اور اپنے پاؤں میں اندھی تقلید کی بوجھل زنجیریں ڈال لی ہوں۔ ان سے اب کیا توقع ہو سکتی ہے۔

وہ تنزل و انحطاط کو پسند کرتے ہیں پس اس جمود و تقلید کی بنا پر جس کا سبب وحید وہ کفر و عصیان ہے جس کا انہوں نے پہلے ہی ارتکاب کر لیا ہے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار نازل ہو چکی ہے۔ ان کے دل حق باطل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور اللہ کی رحمت گویا ان سے روٹھ گئی۔

یہ بات تو یہود کی چلی تھی اور ابھی جاری ہے لیکن اب مسلمانوں کو اپنی حالت پر بھی خیال دوڑانا چاہئے کہ ہم بھی اس وقت اس کورانہ تقلید کا شکار نہیں ہو رہے؟ کیا ہم نے تحقیق و اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کر لیا؟ کتاب و سنت سے بعد و ہجر اختیار نہیں کیا؟ کیا فقہ کی چند کتابوں میں مذہب کو مقید کر کے اصلی سرچشمہ حیات

Marfat.com

وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۖۚ فَلَمَّا

اس کے کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں اس کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے

لیکن جب وہی جانی پہچانی ہوئی ہدایت سامنے آگئی تو صاف انکار کر گئے۔ پس ان لوگوں

سے دور نہیں جا پڑے؟ اس کو غیر ضروری خیال کرنے لگ گئے اور اس طرح ارشاد الٰہی "فَنَبَذُوۡهُ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ" کے مرتکب نہیں ہو چکے؟ کیوں نہیں تو پھر اس الحاد فی العمل کا نتیجہ ہے کہ غیروں کے محکوم بن گئے ہیں اور اس وقت لعنتی زندگی پر قانع ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔

قرآن کریم کی تصدیق ان پر لازم آتی تھی لیکن تصدیق کی بجائے انکار کر دیا

۱۷۵ جو مخرج کتاب مقدس یعنی تورات کا تھا وہی قرآن کریم کا بھی مخرج تھا یہی وجہ تھی قرآن کریم نے آتے ہی تورات کو کتاب ہدایت اور نور قرار دیا۔ کس قدر دیانت و امانت کی بات ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو بار بار چیلنج پر چیلنج کیا کہ اگر تم آج بھی تورات کے مطابق زندگی گزارنا شروع کر لو اور تورات کی تعلیم کو دل سے قبول کر لو تو تم میرا انکار کر ہی نہیں سکتے۔ تمہارا انکار کرنا میرا کیا بگاڑے گا؟ جو بگڑے گا وہ سب تمہارا ہی بگڑے گا کیونکہ میرا انکار کر کے گویا تم نے اپنی کتاب کا انکار کیا۔ میں کیا ہوں؟ اپنے سے پہلے کی آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق کرنے والا۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ میرے سچے ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہی یہ ہے کہ میں سچ ہوں اور سچائی کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں کیوں آیا؟ صرف اس لئے کہ تم کو بتا دوں' تم جھوٹے ہو اس لئے کہ جھوٹ بولتے ہو۔ بلاشبہ تمہارے پاس سچائی ہے لیکن تم نے اس کو چھپا دیا ہے اس پر پردے ڈال دیئے ہیں حق و باطل کے ملانے کے تم مرتکب ہو چکے ہو۔ حق لانے والوں کی تم تکذیب کر چکے ہو' میں تمہاری ہی سچائی کی تصدیق کرنے کے لئے آیا ہوں۔

اے بنی اسرائیل! دیکھو وہ پہلی پیش گوئیوں کو سچ کر دینے والی کتاب آگئی۔ پھر ان کو بار بار یاد دلایا ہے کہ تم وہی قوم ہو جو دعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ نبی آئے تاکہ ہماری ذلت کے دن ختم ہوں۔ محاورہ ہے کہ "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔"

جس مثیل موسیٰ کی تم کو انتظار تھی وہ آگیا۔

۱۷۶ بنی اسرائیل کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ جس مثیل موسیٰ کی خبر ہماری کتاب تورات میں دی گئی ہے ابھی تک وہ دنیا میں ظاہر نہیں ہوا تورات میں یہ بات بطور پیش گوئی موجود تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے

Marfat.com

گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو' اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے خواب میں مجمع کے دن مانگا اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ میں پھر دیکھوں' تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا' میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔" (کتاب استثناء ۱۵ تا ۱۹)

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا ظہور مکہ مبارکہ میں ہوگا اور اس کا مقام ہجرت مدینہ منورہ قرار پائے گا۔ اسی لئے انہوں نے بنو نضیر' بنو قریظہ اور بنو قینقاع کو اطراف مدینہ میں آباد کر دیا تھا ان کی اوس و خزرج سے ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی۔ ان کی کوشش یہ رہتی کہ جس طرح ممکن ہو اس کا نام و نشان مٹا دیں جب کبھی انہیں شکست ہوتی تو وہ والہانہ اور مضطربانہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے خداوند! نبی آخر الزمان کو بھیج کہ ہماری مصیبتوں اور تکلیفوں کے دن ختم ہوں اور کفار پر غلبہ حاصل کریں چنانچہ یہی باتیں انصار کے مسلمان ہونے کا باعث بنیں۔ گویا یہودی اپنی تمام کامیابیاں اور کامرانیاں اس وجود اقدس کے ساتھ وابستہ یقین کرتے تھے کیونکہ انہیں وعدہ دیا گیا تھا کہ :

"اگر تو کوشش کر کے خداوند اپنے خدا کی آواز سنے....... تو خداوند تیرا تجھے زمین کی قوموں کی بہ نسبت سرفراز کرے گا یہ ساری برکتیں تجھ پر آئیں گی اور تجھے پہنچیں گی۔" (کتاب استثناء ۲۸ : ۱'۲)

آگے چل کر فرمایا گیا:

"اگر تو خداوند اپنے خدا کے حکموں کو حفظ کرے گا اور اسی کی راہوں پر چلے گا تو خداوند تجھ کو اپنے لئے پاک قوم بنائے گا جیسا کہ اس نے تجھ سے قسم کی ہے اور زمین کے سارے فرقے دیکھیں گے کہ تو خداوند کے نام سے کہلایا' سو وہ تجھ سے ڈرتے رہیں گے۔ (کتاب استثناء ۲۸ : ۹' ۱۰)

اسی لئے قرآن کریم نے ان سے بار بار مطالبہ کیا کہ اس رسول پر ایمان لے آؤ کہ تمہاری پیش گوئیوں کی تصدیق ہو' مگر کورانہ تقلید' قومی روایات' اور سب سے بڑھ کر تعصب و ہٹ دھرمی کی بنا پر صاف انکار کر بیٹھے۔ حالانکہ جس طرح انہیں اپنی اولاد کے شناخت کرنے میں کبھی دھوکا نہ ہوا ایسے ہی وہ آپؐ کو بھی پہچانتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ :

یَعۡرِفُونَهٗ كَمَا یَعۡرِفُونَ اَبۡنَآءَهُمۡ "وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں۔" کیونکہ وہ جانتے تھے کہ

الف ۔ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی نے کتاب استثناء کی پیش گوئی کے مطابق مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا' حالانکہ اس دوران میں ان کے پاس برابر نبی آتے رہے تھے۔

ب ۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چھ سو برس تک بنی اسرائیل میں ایک بھی نبی نہ آیا۔

Marfat.com

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

الْكٰفِرِيْنَ ۸۹ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا

بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى

کے لئے جو جان بوجھ کر کفر کی راہ اختیار کریں اللہ کی لعنت کے سوا کیا ہے؟ ۸۹

افسوس! کیا ہی بری قیمت ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کا سودا چکایا!

انہوں[۱۷۷] نے اللہ کی نازل کردہ سچائی سے انکار کیا اور صرف اس لئے انکار کیا کہ وہ جس

ج۔ وہ مانتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کی مانند جس نبی کی بعثت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔

د۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ اب نبوت ہمارے خاندان سے منتقل ہو کر اسمٰعیل کے گھرانے میں چلی جائے گی۔

جب وہ ان تمام حقائق ثابتہ کے باوجود نہیں مانتے تو ان پر اللہ کی لعنت ہو اور وہ اس کی خیر و برکت سے دور ہوں جب سب کچھ جاننے کے باوجود کوئی انجان بن جائے تو اسے اور کیا کہا جائے گا بس وہی کہا گیا جو کہنے کا حق تھا۔

انکار کا سبب دراصل ان کی سرکشی تھی

۱۷۷ ان کے انکار کا باعث یہ نہیں تھا کہ وہ سچائی کو پہچان نہ سکتے تھے بلکہ انکار کا اصل سبب ان کی سرکشی اور ان میں سے بعض کی توقعات کے خلاف دعویٰ نبوت تھا۔ کیونکہ ان میں سے بعض لوگوں کی توقعات یہ تھیں کہ وہ نبی ان کی قوم میں سے ہوگا' ان کے غلط عقائد اور بے جا توہمات کی تائید کرے گا۔ اور اس کا مذہب ان کی خواہشات و مالوفات کے مطابق ہوگا۔ مگر جب دیکھا کہ وہ نبی اسمٰعیل کے خاندان میں پیدا ہوا ہے' ان کے تمام عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ کی مخالفت کرتا ہے تو ان کے بغض و حسد کی کوئی حد نہ رہی۔

گویا باوجود شناخت کرنے کے ان کے انکار کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انہیں چھوڑ کر دوسری قوم کو اپنے فضل و کرم کے لئے کیوں مخصوص کر لیا گیا۔ پس وہ دوہرے غضب کے مستحق ہوئے ایک عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی بنا پر اور دوسرے نبی رحمت خاتم المرسلین ﷺ کے نہ ماننے کی وجہ سے۔ قرآن کہتا ہے کہ

Marfat.com

مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ‌ؕ

کسی پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کر دیتا ہے یعنی ان کی نسل و جماعت کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی بد عملیوں کی وجہ سے پہلے ہی ذلیل و خوار ہو چکے ہیں پھر اللہ کا غضب بھی ایک بعد ایک ان کے حصے میں آیا اور قانون الٰہی یہی ہے کہ

ایسے کافروں کو اس دنیا میں محکومی کی ذلیل زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ یہ حال تو قوم یہود کا تھا کہ ان کے انکار حق کا باعث کوئی دلیل نہیں تھی۔ بلکہ سراسر سرکشی اور عدوان تھا مقام غور ہے کہ آج کل فی زمانا قوم مسلم کی حالت کیا ہے؟

صاف اور سچی بات یہ ہے کہ یہی حال آج کل علمائے سوء اور ارباب عمائم و زمائم کا ہے کہ کتاب و سنت کی تصریحات کا انکار صرف اس بنا پر کر دیں گے کہ ان کی مزعومہ تفاسیر جلالیں' بیضاوی' ابن کثیر' فتح البیان' خازن' کشاف اور مدارک میں نہیں ہے' یا ان کی گراں قدر کتب فقہ' قدوری' کنز' شامی' درمختار' رد المختار' قاضی خاں' ہدایہ اور عالمگیری میں نہیں۔ جمود اور تقلید اعمیٰ نے ان کے دل و دماغ کو معطل کر دیا ہے۔ مذہبی گروہ بندی اور فرقہ پرستی نے ان کے سوچنے اور غور کرنے کی قوت کو سلب کر دیا ہے۔ کسی عربی مدرسہ میں قرآن کریم کی تعلیم نہیں ہوتی جلالین' بیضاوی اور مدارک پڑھائی جاتی ہے۔ مگر قرآن کریم پڑھنا اور چیز ہے اور زید و بکر کے اقاویل میں غور و فکر کرنا اور بات ہے۔ بخاری و مسلم کی جگہ کنز و قدوری' یوسف زلیخا' درس نظامی میں داخل ہیں سارا غور و فکر زوائد پر صرف کیا جاتا ہے بخاری و مسلم کا دورہ بطور درود و وظیفہ رکھا گیا ہے وہ بھی بہت ہی کم۔

ہدایہ پڑھائیں گے اور علامہ زیلعی کی تخریج کو دیکھیں گے ان کی تحریر پڑھیں گے کہ صاحب ہدایہ متعدد جگہ موضوع احادیث سے اپنے مذہب کو ثابت کرتے ہیں لیکن دماغی قوتیں اس قدر بیکار ہو چکی ہیں کہ سب کچھ پڑھنے کے باوجود مذہب حنفیہ حق اور سواد اعظم زندہ باد کے نعرے لگائے جائیں گے۔ افسوس کہ کتاب و سنت سے دوری اختیار کر کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہوئے حکومت و سرفرازی کے لئے دوسروں کو چن لیا گیا یہ چیلوں اور کووں کی طرح لڑائی میں مبتلا ہوگئے۔ قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا (الانعام ۶ : ۶۵)

"اے پیغمبر اسلام! کہہ دو کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے کوئی عذاب اٹھا دے یا ایسا کرے کہ تم گروہ گروہ ہو کر آپس میں لڑ پڑو۔"

Marfat.com

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ

انکار حق کرنے والوں کے لئے ہمیشہ رسوا کرنے والا عذاب ہی ہوتا ہے۔ ۹۰

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ تو

کہتے ہیں ہم تو صرف وہی بات مانیں گے جو ہم پر اتری ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے

وائے حسرتا! آج ہماری حالت اتنی دگرگوں ہوگئی کہ عذاب کی ان حالتوں میں سے ایک نہیں بلکہ سب کی سب ہم مسلط کر دی گئیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

ایک سچائی کا انکار سب سچائیوں کا انکار ہے کاش کہ تم سمجھ جاؤ

۱۷۸ یعنی جب ان سے قرآن کریم اور نبی خاتم المرسلین ﷺ پر ایمان لانے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنا کفایت کرتا ہے ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم اس بات میں جھوٹے ہو کیونکہ قرآن کریم تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور خود ان کی کتابوں یعنی تورات و انجیل میں بھی نبی کریم ﷺ کی تصدیق موجود ہے پھر تم ہی بتاؤ کہ تم نے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کا انکار کر کے تورات و انجیل کی تصدیق کی ہے یا تکذیب۔ عقل کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس طرح سے انہوں نے گویا اپنی ہی کتابوں کی تکذیب کی ہے اور حق کو تسلیم نہ کرنے میں تو پہلے ہی وہ بہت ماہر ہیں کیونکہ چور بھی اور چتر بھی۔ جب کوئی شخص ارادہ کر لے کہ میں نے ایک بات کو تسلیم نہیں کرنا وہ سو بار حق ہو اس کی بلا سے' کیونکہ اس نے تو نہ ماننے کی سوگند کھائی ہے اور اس میں وہ بہت پکا ہے۔ اس طرح جب ان پر حجت قائم ہوگئی اور وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلے تو ان کو مزید کہا جا رہا ہے کہ اچھا تورات و انجیل پر تو تمہارا ایمان ہے کیونکہ یہ بات تو تم کہہ چکے ہو پھر پہلے انبیاء کرام کو تم نے قتل کیوں کیا؟ آخر اس کی دلیل کیا ہے؟ کیونکہ وہ تو کوئی نئی تعلیم کی کتاب بھی نہیں لائے تھے بلکہ تم کو تورات و انجیل ہی کی تعلیم دیتے تھے لیکن ان کے پاس اس کا بھی نہ کوئی جواب تھا اور نہ ہی انہوں نے کوئی جواب دیا پس معلوم ہوا کہ پابندی تورات و انجیل کا دعویٰ کرنا سرے سے غلط ہے اور حقیقت یہی ہے کہ وہ ہمیشہ سے کتاب الٰہی کے منکر رہے اور کاش کہ! وہ سمجھتے ہوتے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ
تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۹۱
وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ
بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۹۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا

اس سے انہیں انکار ہے حالانکہ وہ اللہ کا سچا کلام ہے جو ان کی کتاب تورات کی بھی تصدیق کرتا ہوا نازل ہوا ہے اے پیغمبر اسلام تم ان سے کہو اچھا اگر واقعی تم ایماندار ہو تو پھر تم نے پچھلے وقتوں میں اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا؟ ۹۱

اور [۱۷۹] پھر ان سے پوچھو کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ موسیٰؑ سچائی کی روشن دلیلوں کے ساتھ تمہارے پاس آیا؟ پھر جب تم سے بحکم الٰہی الگ ہوا تو تم بچھڑے کے پیچھے پڑ گئے اور لگے شرک کرنے جو سب ظلموں سے بڑا ظلم ہے۔ ۹۲

اور [۱۸۰] پھر جب ایسا ہوا تھا کہ کوہ طور کی بلند و بالا چوٹیوں کے نیچے تم سے پختہ عہد

کیا موسیٰ علیہ السلام بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے تھے؟

۱۷۹ کہتے ہیں کہ جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچا دینا ضروری ہوتا ہے اب ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا موسیٰ علیہ السلام بھی تمہارے پاس روشن دلائل لائے تھے یا نہیں؟ اگر لائے تھے تو تم نے ان کو مان لیا تھا؟ کیا تم وہ لوگ یعنی انہی لوگوں کی اولاد نہیں ہو کہ موسیٰ علیہ السلام ہی وہ نبی تھے جنہوں نے تم کو فرعون جیسے ظالم حکمران سے نجات دلائی اور وہ ذرا تم سے ہٹے تو تم نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اگر ایمان کے یہی کارنامے ہیں اور ایسی ہی غلط کاریوں اور بیہودہ حرکتوں کا حکم دیتا ہے تو پھر کیا اس سے بدترین کوئی اور ایمان بھی ہو سکتا ہے؟ ضمیر فروشی کرو، دولت کو اپنا امام بناؤ اور روپیہ کے آگے سر بسجود ہو جاؤ اس پر بھی مومن ہی رہو تو کیا خوب ایمان ہے۔

Marfat.com

فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۗ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا

لیا تھا کہ جو کتاب (توراۃ) تم کو دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور اس کے

تم وہی نہیں ہو جن سے طور کے نیچے عہد لیا گیا تھا؟

۱۸۰ اپنے گریبان میں ذرا جھانک کر تو دیکھو تم وہی لوگ ہو کہ تورات کے پابند رہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ کوہ طور کے نیچے عہد و پیان کر کے تم پھر گئے تھے۔ تمہارا جب بس چلتا تو انبیاء کرامؑ تک کو تم قتل کر دیتے تھے۔ تم نے موسیٰ علیہ السلام سے پابندی تورات کا عہد کیا مگر اعمال حیات سے ثابت کر دیا کہ اس کتاب کو اپنی زندگی کا دستو العمل نہیں بناؤ گے۔ اس انکار اور ہٹ دھرمی کا اصل سبب کیا تھا؟ یہی نا کہ کفر و باطل نے تمہارے دلوں میں مال و دولت کی محبت پیدا کر دی تھی۔ تم نے اس مال و دولت کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا اور تمہارے دلوں نے کفر کو اس طرح قبول کر لیا تھا جیسے کپڑا رنگ کو جذب کر لیتا ہے۔

تم سے کہا گیا تھا کہ تورات ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ یعنی زندگی کا دستور العمل سمجھو اور اسی کی ہدایات کے مطابق عمل کرو۔ تم نے بزبان حال یہ کہا اور ثابت کر دیا کہ ہاں! ہم نے سن لیا نہیں بلکہ خوب سنا لیکن ہمارے دل اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے "عصینا" یعنی ہم نے نہیں مانا زبان سے بھی کہا ہو۔ کیونکہ قومی زندگی میں ایسا کہنا لازم نہیں آتا اور نہ ہی قومیں ایسا کہتی ہیں ہاں! بزبان حال یعنی عمل سے انکار کیا جاتا ہے اور اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور کفر کی یہ حالت بزبان قال کفر کرنے سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے کیونکہ وہ کفر بھی کرتے ہیں اور پھر مانتے بھی نہیں اور اسلام کی زبان میں یہی چیز نفاق سے تعبیر کی جاتی ہے۔ امام راغب نے اس کی مثال اس طرح دی ہے کہ امتلا الحوض و قال قطنی یعنی حوض بھر گیا اور اس نے کہا کہ اب میری بس ہے۔

لیکن یہود ایسی ذلیل اور چھوٹ قوم تھی کہ اگر انہوں نے زبان قال بھی کہہ دیا ہو تو ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ ان کی سرکشیوں اور گستاخیوں کا حال تم پیچھے سے پڑھتے چلے آرہے ہو کہ وہ ناحق کہنے میں کس قدر ان جھک اور بے شرم ہو چکے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ "اے موسیٰ! جا تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑتے رہو ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے۔" "ہاں! وہ خود اپنی بستی چھوڑ جائیں تو ہم وہاں داخل ہو سکتے ہیں لیکن ان سے جہاد کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں" اور ان کی اس ڈھٹائی کا ذکر کہیں کہیں تورات میں اب بھی موجود ہے ایک جگہ تحریر ہے کہ

"خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ بھلی راہ کہاں ہے اس میں چلو کہ تم اپنے جیون میں آرام پاؤ گے۔ پر انہوں نے کہا کہ ہم اس میں نہ چلیں گے اور میں نے

Marfat.com

سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِهِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُکُمۡ بِهٖۤ اِيۡمَانُكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾

حکموں پر کاربند ہو تو تم نے بزبان حال اقرار کیا اور دل سے تسلیم ہی نہ کیا کیونکہ تمہارے دلوں میں تو بچھڑے[۱۸۱] کی پوجا رچ بس گئی تھی۔ اے پیغمبر اسلام! ان سے برملا کہئے کہ تم اپنے جس ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اگر وہ یہی ایمان ہے تو افسوس ہے اس ایمان پر کیا ہی بری راہ ہے جس پر تم کو تمہارا ایمان لئے جا رہا ہے۔ ۹۳

تمہارے اوپر نگہبان بھی ٹھہرائے اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو' پر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے۔"
(یرمیاہ ۶: ۱۶' ۱۷)

گائے کی محبت تھی کہ وہ تمہارے دلوں کے اندر رچ بس گئی تھی

۱۸۱ گائے کے مقدس ہونے کا خیال قوم اسرائیل میں مدت تک قائم رہا بلکہ موقع بہ موقع ان سے ایسی حرکات ہوتی رہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک مدت تک بنی اسرائیل کے خون میں اس کی محبت جوش مارتی رہی۔ (انسائیکلو پیڈیا ج ۹ ص ۴۰۲)

"اُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ" مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں رچ گئی تھی جیسے پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے مشروب سے یہ استعارہ شدید محبت کے موقع پر اہل عرب کی زبان میں آج بھی عام ہے۔ یا یہ استعارہ رنگ کی صورت میں بیان کیا جاتا ہے کیونکہ وہ کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ "اگر تم مومن ہو۔" یہ گویا حجت الزامی ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ قرآن کریم کا کہنا حقیقتاً یہ ہے کہ دعویٰ تو تمہارا یہ ہے کہ ہم صاحب توحید و ایمان ہیں اور عمل یہ کہ گوسالہ کی تقدیس میں لگے ہوئے ہیں کیا اسی کو ایمان کہتے ہیں؟ آج قوم مسلم کی حالت پر ذرا غور کرو کہ کوئی فرق نظر آتا ہے؟ ہمارے ہاں بھی کیا کچھ نہیں؟ وہم پرستی ہے۔ قبر پرستی ہے۔ پیر پرستی ہے اور پھر سب سے بڑھ کر خواہش پرستی ہے اور ایمان کا دعویٰ' عشق رسول کا دعویٰ' محبان علی کا دعویٰ' محبت چار یار کا دعویٰ' کیا ان سب دعووں کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا؟

❋ ❋ ❋

Marfat.com

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ

یہ کتنے ۱۸۲ منہ زور ہیں کہ نجات کو اپنا نسبی حق سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر اسلام! ان سے کہئے کہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے نزدیک صرف تمہارے ہی لئے ہے دوسرے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں تو آؤ موت ۱۸۳ کی آرزو کرو یعنی مباہلہ کے لئے تیار ہو جاؤ اگر تم اس اعتقاد میں سچے ہو۔ ۹۴

بنی اسرائیل اپنی ساری بد اعتدالیوں کے باوجود آخرت کی کامیابی بھی اپنا حق سمجھتے تھے

۱۸۲ آیت ۹۳ تک بنی اسرائیل کی دنیاوی زندگی' ان کے روزمرہ کے کارناموں اور ان کے عقائد اور اخلاق پر بحث ہوئی۔ اب بیان ہوتا ہے کہ باوجود ان ناشائستہ حرکتوں کے اپنی نجات کے متعلق انہوں نے کیا کیا منصوبے باندھ رکھے تھے اور پھر صرف خالی منصوبے ہی نہیں تھے بلکہ اس بنیادی عقیدہ کا ابتدائی خاکہ تورات کے اندر انہوں نے داخل کر دیا تھا چنانچہ تورات میں ہے کہ

"تم خداوند اپنے خدا کے لئے مقدس قوم ہو اور خداوند نے تجھ کو چن لیا' تاکہ سب قوموں کی بہ نسبت جو زمین پر ہیں تو اس کے لئے ایک خاص قوم ہو۔" (استثناء ۱۴ : ۲)

"تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔" (استثناء ۱۴ : ۱)

رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ترقی کر کے اس درجہ تک پہنچ گیا کہ یہود اپنے سوا کسی اور کو جنت کا مستحق ہی نہ سمجھتے تھے اور نجات اخروی کو اپنا مخصوص حق سمجھنے لگے تھے۔ اپنے کو اللہ کا محبوب اور اس کا لاڈلا اور چہیتا فرزند قرار دینے لگے تھے' اور خیال یہ جما لیا تھا کہ خداوند کا جو معاملہ ہماری قوم و نسل کے ساتھ ایک ناقابل تبدیل طور پر ہے وہ دنیا جہاں میں کسی اور کے ساتھ نہیں۔

اندازہ کیجئے کہ دولت کو امام بنانا تورات کی دعوت پر "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" کہنا اور انبیاء کرام کو قتل کرنا اور اس کے ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھنا کہ "لن یدخل الجنته الا من کان هوداً او نصاری" (البقرہ ۲ : ۱۰۹) کہ جنت کے داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ یہودی بنو یا عیسائی ورنہ جنت میں تم داخل ہو ہی نہیں سکتے۔ اور یہ بات بھی انہوں نے محض اس لئے کہی ہے کہ ان کو مسلمانوں کا مقابلہ ہے اس لئے وہ نصاریٰ کو ساتھ ملا رہے ہیں ورنہ وہ نصاریٰ کو کیوں ساتھ ملاتے اس لئے کہ جب تک اسلام کا مقابلہ ان کو درپیش نہ تھا وہ برملا کہتے تھے کہ

Marfat.com

وَلَنۡ يَّتَمَنَّوۡهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ

اے پیغمبر اسلام! تم دیکھ لو گے کہ یہ لوگ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جس کا ذخیرہ [۱۸۴] یہ جمع کر چکے ہیں کبھی ایسا کرنے والے نہیں اور اللہ ظلم کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا

"عیسائیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے" اور علاوہ ازیں بھی وہ بہت کچھ کہتے تھے۔

دعوت مباہلہ کا چیلنج

۱۸۳ ان کے اس دعویٰ سے جو معلوم ہوتا ہے وہ اللہ کے محبوب اور برگزیدہ ہیں باوجود اس کے کہ ان کے اعمال ان کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہیں تاہم اے پیغمبر اسلام! ان کو کہو کہ اگر وہ اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہیں تو اللہ کے نام پر مرنے کے لئے تیار ہو جائیں جس کو اپنے محبوب کی طلب ہوگی آخر وہ اپنے محبوب کے پاس جانے سے کیوں ہچکچائے گا۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ (الجمعہ ۶۲ : ۶) "اے پیغمبر اسلام! یہود سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے صرف تم ہی اللہ کے بندے اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو تو ضرور ایسا کرو گے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ○ (الجمعہ ۶۲ : ۷) "اور یہ اللہ اور اس کی صداقت کا جھوٹا دم بھرنے والے کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں کیونکہ انہوں نے ایسے کام کئے ہیں جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں۔"

ان یہود کو رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر دے لیکن ساتھ ہی چیلنج بھی کر دیا کہ یہود اس کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے اور وقت نے یہ بات ثابت کر دی کہ فی الواقعہ یہود تیار نہ ہوئے گویا یہ زندہ جاوید معجزہ ثابت ہو گیا اور آج بھی تاریخ اس بات کی شاہد و گواہ ہے۔

آخر انہوں نے اس چیلنج کو کیوں قبول نہ کیا؟

۱۸۴ اب قابل غور بات یہ ہے کہ آخر وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کیوں نہ آئے؟ ظاہر ہے کہ یہ صرف اور صرف اس لئے کہ وہ دل سے نبی کریم ﷺ کو اور قرآن کریم کو سچا جانتے تھے ان کے دلوں میں کھٹکا تھا کہ اگر ہم نے یہ چیلنج قبول کر لیا۔ اور مقابلہ میں نکل آئے تو یقیناً ہلاک ہو جائیں گے وہ جانتے تھے کہ اگر ہمارے پاس سچائی کی کوئی دلیل ہوتی تو ہم دلیل پیش کرتے۔ جب ہم دلیل پیش نہ کر سکے اور اپنے دعووں

Marfat.com

سے بھی باز نہ آئے تب ہی رسول اللہ ﷺ نے دعوت مباہلہ دی اور یہ وہ آخری حد ہے جس پر پہنچ کر جھوٹا کبھی واپس نہیں آسکتا لہٰذا ان کو اپنی موت آنکھوں سے نظر آگئی۔ اور وہ دانت دکھا کر رہ گئے۔

اللہ تعالیٰ کو تو ان ظالموں کی حقیقت کا پہلے ہی علم تھا مگر عام لوگوں میں اپنی محبت الٰہی کا راگ الاپتے تھے۔ اب اس مطالبہ کی بنا پر ان کی قلعی کھل گئی اور کسی شخص کو ان کے ظاہری تقدس سے دھوکا نہ ہوگا۔

جو لوگ مذہبی جذبات کو پاؤں تلے روند کر دنیا میں رہنا چاہتے ہیں وہ ہرگز قابل عزت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو نہایت باریک بین نظر سے دیکھ رہا ہے ان کو ضرور ذلیل کر کے غیروں کا محکوم بنا دے گا۔

اب تجزیہ کر کے دیکھو کہ ان آیات کریمات میں علمائے یہود کی حسب ذیل خرابیاں ذکر کی گئیں۔

الف۔ اپنی کتاب یعنی تورات پر عمل کرنے کے دعویدار ہیں مگر ان کا یہ دعویٰ سراسر غلط اور دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔

ب۔ ان کا نصب العین اور مقصد حیات مال و دولت جمع کرنا ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ج۔ اللہ کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں مگر اس کے لئے کوئی قربانی کرنے کے لئے تیار نہیں خالی شیخی بھگارتے ہیں۔

د۔ مذہبی جذبات کو پامال کر کے زندہ رہنا چاہتے ہیں جو انسانیت کے ہی خلاف ہے۔

آج اسی ترتیب سے اگر آپ امت مسلمہ کے علماء کے حالات کی تفتیش کریں تو یہ تمام خرابیاں ان میں نظر آئیں گی۔

۱۔ دعویٰ تو اسلام کا ہوتا ہے مگر عملاً وہ اپنے بزرگوں اور پیروں اور ان کے غیر مستند اقوال کو مذہب بنائے بیٹھے ہیں۔ ایک شخص کی تمام زندگی گناہوں میں بسر ہوتی ہے مرتے وقت اس کے ورثاء ایک قرآن بخش دیتے ہیں اور یہ بدبخت عالم ہی ہیں جو کہتے ہیں کہ اس کے تمام گناہ معاف ہوگئے۔ ایک آدمی سال بھر نماز ادا نہیں کرتا اور جمعۃ الوداع کے روز وہ دو رکعت قضائے عمری کی نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کی تمام نمازیں معاف ہو جاتی ہیں۔

۲۔ شادی اور موت کے وقت جن رسوم کو جائز قرار دیا جاتا ہے وہ سب کی سب مسلمانوں نے عجم سے مستعار لی ہیں اور صرف روپیہ کمانے کی خاطر ان کو مذہبی رنگ دے دیا ہے۔

۳۔ اگر اللہ سے محبت ہوتی تو وہ اپنی زندگیوں کو اشاعت اسلام اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے وقف کر دیتے اور مذہب کو کم از کم ایک دکانداری اور کاروبار نہ بنا لیتے۔ گویا آج قوم مسلم کے علماء الا ماشاء اللہ علمائے یہود کے بھی کان کاٹ گئے ہیں۔ اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ یہود تو انہی بد اعتدالیوں اور مذہبی خرافات کی بنا پر اللہ کی لعنت کے مستحق ہوں اور مسلمانوں کے لئے ساری راہیں کشادہ رہیں۔ علمائے زمانہ کا حال حالیؒ کی نظر میں

Marfat.com

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ

ہے۔ ۹۵

اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ تم دیکھو گے کہ زندگی کے سب سے زیادہ حریص[185]

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پر لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اس کو بتاتے کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں چشم بد دور ہیں آپ دین کے
نمونہ ہیں خلق رسولؐ امین کے

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے حدیثوں پہ چلنے میں دین کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے ہر اک رائے قرآن کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی

نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبیؐ سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زمان میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آ کے پاکستان میں
ہمیشہ سے اسلام تھا جس سے نازاں
وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلماں

اہل کتاب کہلا کر مشرکوں سے بھی گئے گزرے ہیں

۱۸۵ یہود کی حالت بڑی عجیب ہے کہ نام کے لحاظ سے تو یہ اہل کتاب ہیں اور عمل کے لحاظ سے

Marfat.com

مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ ۹۶ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ

ع ۱۱ / ۱۲

یہی لوگ ہیں مشرکوں سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ایک ایک آدمی کا دل یہ حسرت رکھتا ہے کہ کاش! ایک ہزار برس تک تو جیتا رہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عمر کی درازی انہیں عذاب آخرت سے نجات نہیں دلا سکتی کیونکہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ کی نظروں سے وہ چھپا ہوا نہیں ہے۔ ۹۶

اے پیغمبر اسلام! جبرئیلؑ[۱۸۶] سے دشمنی رکھنے والوں سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کا کلام

مشرکوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں مشرکین کی حالت تو یہ ہے کہ قوم اور وطن کے لئے اپنی جانیں تک لڑا دیتے ہیں' عزت اور شہرت و ناموری کی خاطر ہر چیز قربان کر دیتے ہیں مگر یہ لوگ اہل علم اور اہل کتاب ہونے کے باوجود اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کر سکتے اور مدت ہائے دراز تک دنیا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اگر ایک جاہل آدمی ایسا کرے تو اس کو معذور قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ایک تعلیم یافتہ انسان کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ وہ تعلیمات صادقہ پر اپنے آپ کو قربان نہ کر سکے۔

مطلب یہ ہے کہ مشرکین تو سرے سے اخروی نعمتوں کے لذت شناس ہی نہیں وہ اگر ادھر سے غیر ملتفت ہو کر اپنا مرکز توجہ اور محور زندگی اس مادی زندگی کو بنائے رکھیں تو کچھ ایسا حسرت انگیز نہیں غضب تو یہود ڈھا رہے ہیں جو اپنے اپنے آسمانی صحیفوں اور پیغمبرانہ ہدایتوں کے باوجود مشرکوں سے بڑھ کر دنیا سے لپٹے ہوئے ہیں اور ایک عجیب بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ تطویل عمر کے عجب عجب نظریئے آج یورپ میں قائم ہو رہے ہیں اور طرح طرح کی تدبیریں اور نسخے اس کے لئے ایجاد ہو رہے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ پیش پیش یہودی ڈاکٹر اور اہل سائنس ہیں۔ اور یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ بالفرض اس قدر تطویل حاصل ہو بھی گئی تو آخر نتیجہ کیا ہو گا؟ خاتمہ تو ہر حال میں ایک نہ ایک روز طویل سے طویل زندگی کا بھی ضرور ہو گا اور پھر مواخذہ آخری کا سامان' ایسی لایعنی اور لغو تمناؤں کے پھیر میں پڑے رہنے کا آخر فائدہ؟ گویا ان کی جتنی دوڑ دھوپ بڑھ

Marfat.com

عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى

ہے جو جبرئیلؑ نے اس کے حکم سے تمہارے دل پر اتارا ہے اور یہ اس کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے اللہ کی طرف سے نازل ہو چکا ہے اس میں عام انسانوں کے لئے

رہی ہے اس کا جو نتیجہ بھی نکلے گا وہ انہی کے حق میں برا ہوگا۔

جبریل دشمنی سے جبریل کا کیا نقصان ہوگا؟

۱۸۶ یہودی کفر و ضلالت کے انتہائی مراتب پر پہنچ چکے ہیں ان کی ایک ایک غلطی واضح کر دی گئی اور بالآخر انہوں نے پابندی تورات کا دعویٰ کیا مگر جھوٹے ثابت ہوئے اور انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ بغیر کسی جدید وحی و الہام کے ان کی اصلاح نہ ہوگی اور ان کے اپنے انبیاء کرام کی یہ ہدایت بھی معلوم تھی کہ ایک رسول آنے والا ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ دریافت کرنا چاہا کہ آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس وحی لانے والا فرشتہ جبرئیل ہے۔ جبرئیل کا نام سنتے ہی وہ کہنے لگے کہ وہ تو ہمارا قومی دشمن ہے اس لئے کہ جب کبھی بھی ہم پر کوئی بلا نازل ہوئی اسی کے ذریعے سے ہوئی۔ اگر کوئی دوسرا فرشتہ وحی لاتا تو ہم آپؐ کو نبی تسلیم کر لیتے ان کو جواباً کہا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے نازل ہوتا ہے اور اس تعلیم سے تمہاری کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ وحی بذات خود ارباب ایمان و اخلاص کے لئے ہدایت کی بشارت ہے۔ تمہارا حق تو یہ تھا کہ تم اس وحی کو بحث موضوع بناتے' اس کو دیکھتے' پڑھتے' سنتے۔ اس کی ہدایات پر غور و فکر کرتے۔ اس کے اوامر و نواہی پر نظر کرتے۔ لیکن تم نے وحی لانے والے کو بحث موضوع بنا لیا۔ کیا وہ کوئی مرئی شے ہے۔ وہ تو طاقت و قوت الٰہی کا ایک نام ہے اور پھر یہ نام بھی ہمارا تجویز کردہ نہیں بلکہ تمہاری آسمانی کتاب میں بھی اس کا نام موجود ہے تم نے ایک فرضی کہانی جبریل دشمنی کی گھڑی ہے اور اس کو اپنے عقیدہ کا جز بنا لیا ہے۔ تمہیں جبرئیل سے عداوت آخر کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس نے تمہیں منصب نبوت سے محروم کر دیا ہے اور بنی اسمٰعیل کو مکالمہ الٰہی کے لئے منتخب کیا ہے اس لحاظ سے تمہاری دشمنی تو دراصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور آپؐ ہی کی دشمنی کے اظہار کے لئے تم نے یہ ایک نئی گھڑنت گھڑی ہے کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے۔ اگر کسی اور فرشتہ کا نام لیا جاتا تو ضرور ہم اس وحی کو مان لیتے گویا حقیقت تسلیم نہ کرنے کے لئے جو بہانے تم آج تک تراشتے آئے ہو اس کے لئے ایک نیا بہانہ تم نے تراش لیا ہے اور اس طرح کے بہانوں سے تم اسلام یا بانی اسلام کا کوئی نقصان نہیں کرو گے بلکہ ان سے نقصان ہوگا تو تمہارا اپنا ہی ہوگا۔ جبرائیل کسی لیڈر' چوہدری' سیاستدان یا مذہبی راہنما کا نام نہیں ہے کہ تمہاری قومی دشمنی سے اس کا کوئی نقصان ہوگا۔ یاد رکھو کہ تمہارے

Marfat.com

وَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۹۷ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ
وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ ۝۹۸
وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکْفُرُ بِھَآ اِلَّا

ہدایت اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں بشارت ہے۔ ۹۷
جو[۱۸۷] کوئی بھی اپنی جہالت کے باعث اللہ کا اسکے فرشتوں اور رسولوں کا خصوصاً جبرئیل
اور میکائیل کا دشمن ہے تو یقیناً اللہ بھی ایسے منکرین حق کا دوست نہیں ہو سکتا۔ ۹۸
اے پیغمبر اسلام! ہم نے تم پر سچائی کی[۱۸۸] روشن دلیلیں نازل کی ہیں جن سے کوئی

دوٹوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک طاقت و قوت کا نام ہے جس کے ذمہ انسانیت کی بھلائی کا کام ہے سو اس کا انکار کر کے تم اس کا کوئی نقصان نہیں کرو گے؟

تصوراتی دنیا میں کھو جانے والے ہمیشہ اپنا ہی نقصان کیا کرتے ہیں

۱۸۷ جس طرح قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک سچائی کا انکار گویا ساری سچائیوں کے انکار کے برابر ہے اسی طرح کسی ایک سچائی کا اقرار تب ہی اقرار ہو گا جب ساری سچائیوں کا اقرار کیا جائے۔ نظریاتی طور پر جبرئیل ہو' میکائیل ہو یا اللہ تعالیٰ کے دوسرے فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ یا اللہ تعالیٰ کی لم یلد ولم یولد ذات جو ان تمام طاقتوں اور قوتوں کی خالق حقیقی ہے۔ جس شخص نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا تو گویا اس نے سب کا انکار کر دیا۔ اس طرح سے یہ بات واضح کر دی کہ جبرئیل سے دشمنی کا دعویٰ کرنے والے گویا اللہ کے دشمن ہیں جبرئیل کے دشمن ہی میکائیل کے دشمن ہیں اور تمام رسولوں کے دشمن ہیں۔ اس آیت میں جبرئیل کے ساتھ میکائیل کا نام بھی لیا گیا کیوں؟ اس لئے کہ وہ لوگ میکائیل نام کے فرشتہ کو اپنا دوست خیال کرتے تھے جیسا کہ ان کے ہاں نقل ہے کہ "اور اس وقت میکائیل وہ بڑا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لئے کھڑا ہے۔" (دانی ایل ۱۲:۱)

ان سے کہا جا رہا ہے کہ اب اس سے بھی دوستی کی توقع نہ رکھو کیونکہ وہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دے گا اور تمہارے فرضی تصور کا وہ کوئی پابند نہیں ہے بلکہ ان سب کا کام اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور اس طرح کی تصوراتی دنیا میں کھو جانے والے ہمیشہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

Marfat.com

حقیقت اس میں ہے کہ تعلیم کے اصول دیکھئے اس کے نتائج پر نظر ڈالئے۔ سچائی معلوم کرنے کا صحیح طریق یہی ہے اس تعلیم پر عمل کر کے دیکھو اس کے نتائج تم کو معلوم ہو جائیں گے۔ البتہ بد اخلاق تو سوائے انکار کے اور کچھ نہیں جانتے۔

سچائی کی روشنی کو جھٹلانے والا کفر کا اندھا ہی ہو سکتا ہے

۱۸۸ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی سچائی ہے جس کی سچائی سے زیادہ روشن سورج کی روشنی بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس نے جو بیان دیا ہے بغیر دلیل کے نہیں دیا۔ اس طرح اس کا وجود باجود دلیل و روشنی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جس طرح سورج کے لئے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا وجود خود ہی اس کی دلیل ہے بالکل اسی طرح قرآن کریم کی مثال ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو خود اندھا ہو اس کو سورج کی روشنی کب نظر آئے گی؟ جس طرح سورج کا انکار کرنے والا وہی ہو سکتا جو اندھا ہو اس طرح قرآن کریم کی روشنی سے بھی وہی انکار کر سکتا ہے جس کو کفر نے اندھا کر دیا ہو۔ اور جس طرح سورج کا انکار کرنے والا انکار کر کے سورج کا کوئی نقصان نہیں کرتا بلکہ اپنے اندھا ہونے کا ثبوت دیتا ہے اس طرح قرآن کریم کی روشنی کا انکار کرنے والا قرآن کا کچھ نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی ذات کے کفر کا اقرار کرتا ہے۔

یہود جو اپنے پیغمبروں کے معجزات کی روایتوں کے خوب عادی ہو چکے تھے اور ہر وقت انہیں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے؟ نبی ہے تو کوئی نشانی تو دکھلائے؟ جواب مل رہا ہے کہ تم ایک نشانی کہتے ہو' ہم تو انہیں متعدد نشانات دے چکے ہیں اور وہ بھی کوئی دقیق اور خفی نہیں بلکہ نمایاں او روشن' سب کو نظر آجانے والے' تم تو صرف کہانیاں سناتے ہو کہ دیکھو آدمؑ کی بائیں پسلی سے حوا پیدا ہو گئی تھیں' ابراہیم علیہ السلام نے آگ کو جنت کر دکھایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تھی تو اژدھا بن گیا تھا۔ مسیحؑ نے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیا تھا اور بھی جو کچھ تم کہتے ہو ہمیں سب معلوم ہے لیکن پھر پوچھتے ہیں یہ سب کام انبیاء کرامؑ کے وقت میں ہی ہوئے تھے یا آج بھی ان کی دلیل موجود ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے نشانات اس وقت بھی موجود تھے آج بھی ہیں اور رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بلایا وہ میدان میں اترا جو کچھ اس سے بن پڑا وہ سب لوگوں کے سامنے لے کر حاضر ہو گیا۔ پھر میدان میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ دیکھنے والے لوگ بھی ڈرے اور موسیٰؑ بھی خوف کھا گئے پھر حکم الٰہی نازل ہوا کہ موسیٰؑ ڈرو نہیں تم بھی اپنی دلیل پھینک کر دیکھو موسیٰؑ نے بحکم الٰہی اپنی دلیل پھینک دی جو فرعون اور فرعون والوں کی ساری دلیلوں کو چٹ کر گئی۔ ذرا غور کرو کہ یہ لاٹھی کتنی دیر سانپ رہی۔ ایک منٹ یا دس۔ آدھا گھنٹہ یا پورا گھنٹہ۔ بالآخر موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ ہاتھ بڑھا اور آنکھ کھول کر دیکھ کہ تیری لاٹھی تو لاٹھی ہی ہے وہ اژدھا کہاں گیا۔ اب یہ کیا ہے ایک داستان ہی تو ہے کہ تم اس کو بیان کرتے کرتے تھکتے ہی نہیں۔ آؤ اب ہمارے پیغمبر کی پھینکی ہوئی لاٹھی بھی دیکھو اور اس کا بنا ہوا اژدھا بھی۔

Marfat.com

”اور دیکھو اگر تم کو اس کلام کی سچائی میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا۔ تو تم اس کی سی ایک سورۃ بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا جن جن کو تم نے اپنا حمایتی سمجھ رکھا ہے ان سب کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لاؤ۔“ اگر تم ایسا نہ کر سکو اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تم ایسا کبھی نہ کر سکو گے تو اس آگ کے عذاب سے ڈرو جو لکڑی کی جگہ انسانوں اور پتھر سے سلگتی ہے اور منکرین حق کے لئے وہ تیار ہے۔“

ایک جگہ ارشاد ہوا!

”اے پیغمبر اسلام! یہودیوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام بندوں میں سے صرف تم ہی اللہ کے ولی اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں بصورت مباہلہ موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو تو ضرور ایسا کرو گے۔ اے لوگو! اچھی طرح سن لو کہ یہودی لوگ اللہ کی صداقت کا جھوٹا دم بھرنے والے ہیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں کیونکہ انہوں نے ایسے کام کئے ہیں جو انہیں موت کے تصور سے ڈراتے ہیں۔“

اس طرح کے بیسیوں چیلنج قرآن کریم کے صفحات میں موجود ہیں جو غیر مسلم قوموں کو اس وقت دیئے گئے جب نبی رحمت ﷺ دنیا میں تشریف فرما تھے لیکن آپ کے اٹھا لئے جانے کے بعد بھی چیلنج بدستور قائم رہے اور آج بھی قائم ہیں اور رہتی دنیا تک قائم رہیں گے گویا یہ لاٹھی ایک دو گھنٹہ کے لئے سانپ نہ بنائی گئی بلکہ یہ ایسا اژدھا بنا دیا گیا جس نے قوموں کی قومیں کھا لیں اور رہتی دنیا تک کھاتا رہے گا جو سامنے آیا وہ ہضم ہو گیا اور جو سامنے آئے گا انشاء اللہ یقیناً کھایا جائے گا۔ اس کی دونوں حیثیات بیک وقت قائم رہیں اور آج بھی قائم ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ اور رسولوں کے ماننے والوں کے لئے لاٹھی کا کام دیا اور دے رہا ہے اور دیتا رہے گا اور مخالفین کے لئے اژدہا تھا' ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

موت کی تمنا کی دو ہی صورتیں اسلام میں جائز رکھی گئی ہیں اسلام نے ان دونوں ہی صورتوں میں غیر مسلموں کو چیلنج دیا تھا اور دونوں ہی صورتوں میں اسلام کا پلہ بھاری رہا اور انشاء اللہ بھاری رہے گا۔ ایک صورت اسلام کی صداقت کے دلائل پیش کرنے کی ہے کہ ان لوگوں کو عقل و فکر کے ساتھ اسلام کی صداقت کے دلائل پیش کرو لیکن یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ جب دلائل کو تسلیم ہی نہ کریں اور دلائل کا جواب دلائل کے ساتھ پیش بھی نہ کریں بلکہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ڈٹے بھی رہیں دم دبائیں اور دانت پیسیں یا دانت دکھائیں تو دنیا کو سچائی دکھانے کے لئے ان کو مباہلہ کی دعوت دو اور یاد رکھو کہ یہ کبھی تمہاری اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے۔ اگر قبول کر لیا تو گویا انہوں نے موت کو ماسی کہہ دیا۔ اب فکر نہ کرو یہ ایسے گڑھے میں گریں گے کہ دوبارہ کبھی نکل ہی نہ سکیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دلائل کا دلائل سے جواب بھی نہ دیں اور شرارتوں سے باز بھی نہ آئیں تو ان کو جہاد کی دعوت دے دو اور اعلان جنگ کر دو۔ اب بھی دو ہی صورتیں ظاہر

Marfat.com

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ

انکار نہیں کر سکتا مگر وہی جو اپنے فسق کے باعث خود راست بازی کے دائرے سے نکل چکا ہو۔ ۹۹

کتنے عہدوں[۱۸۹] کا پیچھے ذکر گزر چکا ہے۔ جب کبھی ان لوگوں نے اتباع حق کا کوئی عہد کیا تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور ہی اسے پس پشت ڈال دیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں میں بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہے جن کے دل ایمان کی دولت سے خالی ہیں[۱۹۰]۔ ۱۰۰

دیکھو جب ایسا ہوا کہ اللہ کا ایک رسول[۱۹۱] اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو پہلے

ہوں گی یا مقابلہ نہیں کریں گے اور بھاگ جائیں گے اور اگر مقابلہ کے لئے ذرا بھی کھڑے ہوئے تو ان کو تمہارے ہاتھوں وہ عذاب دیا جائے گا کہ ان کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اور یہ گھر کے رہیں گے نہ گھاٹ کے۔

یہود کی اس سرکشی کا بیان کہ "وہ وعدہ ہی کیا جو ایفا ہو گیا۔"

۱۸۹ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ غداری، عہد شکنی، نافرمانی اور سرکشی کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ تورات کے صفحے، انجیل کے اوراق اور قدیم مورخین یہود کے دفتر کے دفتر سب اس سرگذشت سے لبریز ہیں اور یہاں اشارہ ان کی اس قومی خصوصیت کی طرف ہے کہ عہد کرنا اور توڑنا ان کو ورثہ میں ملا ہے یہ گویا ان کو کبھی محسوس بھی نہیں ہوتا کہ عہد کرنا اور توڑ دینا کوئی جرم کی بات ہے۔ جرم تو وہ ہوتا ہے کہ کم از کم کرنے والا بھی اس کو جرم سمجھے اور پھر کرے۔ ان کی حالت تو ایسی ہو چکی ہے کہ انہوں نے اس جرم کو کبھی جرم خیال ہی نہیں کیا۔ یعنی ایفائے عہد تو الگ رہا ان میں سے بہت سے لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ سرے سے اس کے قائل ہی نہیں کبھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا تھا اور "لَا یُؤْمِنُوْنَ" کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی کتابوں اور صحیفوں پر کب ایمان رکھتے ہیں جس کی واضح دلیل یہ

Marfat.com

ہے کہ آخری نبی ﷺ کی تصدیق کرنے کا عہد تو ان کی اپنی کتاب میں موجود ہے اور پھر جب وہ اس کی پروانہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان کا ایمان اپنی کتاب پر بھی مطلق نہیں ہے۔

کیا ایمان نام کی کوئی چیز بھی ان کے ہاں تسلیم ہے؟

۱۹۰ مثل مشہور ہے کہ "جو ماں کا نہیں وہ خالہ کا کب ہوگا" جن کے متعلق یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان کا ایمان اپنی کتاب پر نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنی کتاب کو تسلیم کرنے کا رواجاً ایک ڈھونگ رچایا ہے کہ جس قوم سے وہ وابستہ ہیں وہ قوم اس کو روایتاً مانتی چلی آ رہی ہے۔ اس ناطہ سے ان کو بھی یہ بات کہنا پڑتی ہے ورنہ ان کے نزدیک ایسی ساری باتیں ہی ڈھکوسلے ہیں تو پھر ایسے لوگوں سے آپ کیا امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ آپ کی کتاب یعنی قرآن کریم کو اللہ کی کتاب اور آپ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اللہ کا نبی مان لیں گے گویا ان کے ہاں ایمان نام کی کوئی چیز تسلیم ہی نہیں ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو مجھے کہہ لینے دیں کہ اس وقت مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو رواجاً اسلام اسلام کا نام لیتے ہیں اور ان کی کثرت اوپر کی سوسائٹی میں زیادہ ہے۔ وہ یہ رٹ محض اس لئے لگاتے ہیں کہ اس ملک کی کثیر آبادی کا یہ مذہب ہے اور اس کا اگر وہ نام لینا ہی چھوڑ دیں تو وہ اس ملک میں ایک دن حکومت نہیں کر سکتے اور حکومت سے وہ نکلنا نہیں چاہتے گویا یہ ان کی ایک مجبوری ہے کہ مسلمانوں کے سے نام رکھیں ملک کے کاغذات میں اندراج کراتے وقت اسلام کا خانہ پر کریں ختنہ کریں اور اہل قبلہ میں داخل ہو جائیں حلال حرام کی تمیز کئے بغیر مال اکٹھا کریں۔ غریب عوام کو دبانے کے لئے دن رات کوشاں رہیں ایسی ایسی سکیمیں بنائیں کہ غریب روز بروز غریب اور امیر روز بروز امیر ہوتا جائے لیکن غریبوں کی ہمدردی کے بیانات اخبارات میں دیتے رہیں غریب اگر گروہ بندیوں میں تقسیم ہیں تو ہوا کریں۔ اگر شرک کے گڑھے میں گرتے ہوں تو گرا کریں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوں تو ہوا کریں۔ کیونکہ ان ساری باتوں میں ان کا فائدہ ہے۔ ملک میں امن ہو تو آخر کیوں؟ لوگ آپس میں صلح و آشتی سے رہیں تو کیوں؟ غریب اگر سکھ کا سانس لیں تو کیوں؟ سب لوگ اگر مل جل کر اسلامی زندگی گزاریں تو کیوں؟ یہ ساری باتیں ان کے سراسر نقصان کی ہیں آج وہ وقت نہیں ہے کہ جو ہم کہتے ہیں شاید وہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ اچھا اور کوئی سمجھے نہ سمجھے قوم کے سیاسی لیڈر اور مذہبی راہنما اور آخرت کے ٹھیکہ دار سب سمجھتے ہیں۔ لیکن ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس نے ہدایت پانے کا جو قانون بنا دیا ہے اسی کے مطابق ہدایت دیتا ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اے اللہ! ان رہنمایان اسلام کی رہنمائی فرما اور ان کو سیدھی راہ پر چلا تاکہ اس ملک کے عوام بھی سکھ کا سانس لے سکیں۔ آمین

جب ان کے پاس رسول آیا "رسول" سے مراد کون سا رسول ہے؟

۱۹۱ یہود سے کہا جاتا ہے کہ کتاب پر عمل کرنا تمہارا مقصد نہیں، تمہاری قومی خصوصیت ہے عہد کرنا

Marfat.com

عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِيۡقٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ
اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا

سے ان کے پاس موجود تھی یعنی توراۃ تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے جو کتاب الٰہی رکھتا تھا کتاب الٰہی کو اس طرح پیٹھ پیچھے[۱۹۲] ڈال دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں۔ ۱۰۱

اور توڑ دینا۔ تمہارے پاس مختلف اوقات میں تورات کی تصدیق کرنے والے رسول آتے رہے مگر تم نے ان کی کوئی پروا نہ کی۔ اب تم نے مسلمانوں پر الزام رکھنے کے لئے یہ دریافت کیا کہ وحی لانے والا کون ہے؟ تمہارا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ صداقت ظاہر ہونے کے بعد اس کو مان لیں گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قوم اپنی تمام دنیاوی عزتوں کو اپنی نالائقی سے کھو بیٹھتی ہے تو اس وقت یہ کہنا شروع کر دیتی ہے کہ مذہب کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف روحانیت کی تعلیم دیتا ہے اور آخرت کی کامیابی کا ذمہ لیتا ہے۔ مذہبی لوگ دنیا کی حکومت و سرفرازی اور عزت و رفعت سے محروم رہتے ہیں اس لئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے۔ کہ یہی جہاد اکبر ہے اور اسی پر نجات کا دارومدار ہے۔

یاد رکھو' کسی نبی کی تعلیم صرف روحانیت تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ دین اور دنیا' مذہب اور سیاست' روحانیت و مادیت دونوں کی جامع ہوتی تھی۔

اب یہود کو بتایا جا رہا ہے کہ نئے نبی جو آئے ہیں یہ تمہاری کتاب اور اس کے دین کو مٹانے کے لئے نہیں۔ یہ تو عین اسے تازگی بخشنے' اسے حیات تازہ دینے کے لئے آئے ہیں۔ ہاں! زندوں کو زندہ کرنا ہی انبیاء کرام کا کام ہے جو زندہ ہونے کے باوجود مرچکے ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کی زندگی جسمانی ہوتی ہے اور موت روحانی۔ یہ رسول کون ہیں؟ یہ کس پیغمبر کے آنے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو انبیاء کا سلسلہ جاری ساری رہا اس لئے یہاں کوئی نبی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں اور لئے گئے ہیں تاہم مخصوص طور پر کچھ لوگوں نے یہاں مسیح علیہ السلام کی آمد کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن ہماری رائے میں ترجیح اس پہلو کو ہے کہ اس رسول سے وہ رسول مراد لیا جائے جو موعود ہے اور ظاہر ہے کہ وہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جس کی آمد کی اطلاع سب نبی دیتے آئے حتیٰ کہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ان کے آنے کی خبر دلائی گئی اور یہ سب کو معلوم ہے کہ صیغہ نکرہ جس طرح تعمیم کے لئے آتا ہے عظمت و تکریم کے لئے بھی آتا ہے اور وہی یہاں مقصود ہے اور اگر آپ نے یہ بات یاد رکھی تو اور بھی بہت جگہوں پر آپ کی رہنمائی کرے گی۔

Marfat.com

يَعْلَمُونَ ۝ ١٠١ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالنے کی ایک مثال یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان اعمال و احکام کی پیروی کی جنہیں شیاطین[۱۹۳] سلیمان کے عہد سلطنت کی طرف منسوب کر کے پڑھا پڑھایا کرتے تھے حالانکہ سلیمانؑ کبھی کسی ایسے کفر کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔ دراصل یہ

پیٹھ پیچھے پھینکنے کا مطلب بچے بھی سمجھتے ہیں لیکن یہاں علماء نہ سمجھیں تو ہم کیا کریں؟

۱۹۲ کتاب کو وراء ظہور پھینکنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انہوں نے کتاب کی طرف پیٹھ کرنا شروع کر دی بلکہ یہ ایک محاورہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے بے التفاتی برتنی شروع کر دی اور اس کی عملی مخالفت کرنے لگے۔ یہود کی بے التفاتی اور بے تعلقی قرآن کریم سے تو ظاہر ہی ہے کہ جس سے مخالفت ہو اس کے ساتھ بے التفاتی اور بے رغبتی ہوتی ہی ہے جب وہ پیغمبر اسلام کو اللہ کا رسول ہی تسلیم نہیں کرتے تو وہ قرآن کریم سے بے رغبتی کیوں نہیں کریں گے اس جگہ کتاب سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ توراۃ ہے بیان کیا جا رہا ہے کہ یہود کا غضب یہ تھا کہ وہ قرآن کریم اور صاحب قرآن سے مخالف کی دھن میں خود اپنی کتاب آسمانی کی طرف سے بھی بے پروا اور بے تعلق ہوگئے تھے کہ آخر تورات میں بھی تو نبی آخر الزمان کی بابت پیش گوئیاں' ان کی علامتیں اور ان پر ایمان لانے کی تاکید درج تھی۔ لیکن انہوں نے اس کی کیا عزت کی بلکہ انہوں نے ان ساری باتوں کو وراء ظہور کر دیا اور ان کی کوئی پروا نہ کی اور آج اگر قوم مسلم کے کردار و اخلاق پر نظر کی جائے تو ان پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اپنی کتاب قرآن کریم کی طرف پیٹھ کرنے کو تو برا جانتے ہیں اور جاہل سے جاہل بھی اس کی طرف ظاہری پیٹھ کرنے سے پرہیز کرتا ہے لیکن حقیقت میں انہوں نے کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کی طرف پیٹھ کر دی ہوئی ہے اور وہ اس کی طرف منہ کرتے نظر بھی نہیں آتے۔ جب قانون ملک سے لے کر چھوٹے چھوٹے رسم و رواج تک ہر ایک چیز میں قرآن کریم کی مخالفت جاری ہے تو پیٹھ کرنے سے اور کیا مراد ہو سکتی ہے؟ فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اس انداز سے کتاب اللہ کی طرف پیٹھ کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے وہ کتاب اللہ کو کتاب اللہ سمجھتے ہی نہیں۔ کانھم لا یعلمون۔

یہود کے کتاب اللہ چھوڑنے کی ایک واضح دلیل

۱۹۳ یہود کے کتاب اللہ کو وراء ظہور پھینکنے کی ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ یعنی تورات

Marfat.com

کو چھوڑ کر شیاطین انس کی پیروی شروع کر دی تھی۔ مذہبی لوگوں کی عزت و حرمت کا اصل سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب الٰہی کے محافظ اور اس کی تعلیمات کے ناشر ہوتے ہیں لیکن جس وقت وہ اس فرض جلیل کو ترک کر دیتے ہیں تو ان کی عزت بھی جاتی رہتی ہے اور وہ "خیر البریۃ" کی بجائے "شر البریہ" بن جاتے ہیں۔ ان کی پہلی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ باوجود اس بد عملی اور بد کرداری کے لوگ ان کا احترام کریں۔ نذریں اور ہدیئے ان کے سامنے پیش ہوں اور عوام الناس انہیں اپنا امام و پیشوا تسلیم کریں چونکہ ان کے پاس صحیح تعلیم نہیں ہوتی اور اخلاق فاضلہ سے دور ہوتے ہیں اس لئے خدع و فریب اور حیلہ سازی سے کام لے کر اپنی عزت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان آیات میں علماء یہود کی اس قسم کی شرارتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے اور صرف نبی ہی نہیں بلکہ بادشاہ وقت بھی تھے قرآن کریم میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ذکر کئی مقامات پر کیا گیا لیکن سورۂ نمل میں ان کو عطا کردہ "آیات بینات" کی تفصیل بھی موجود ہے لیکن بنی اسرائیل نے ان کی ذات اقدس کی طرف صدہا فرضی کہانیاں اور مافوق الفطرت عجائب و غرائب منسوب کئے ہیں جس طرح مسلمانوں میں امیر حمزہ ایک فرضی ہیرو کی نسبت سے حیرت انگیز واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ سلاطین کی پہلی کتاب میں سلیمان کی طرف کفر اور معبودان باطل کی پرستش بھی منسوب کی گئی ہے لیکن اس کا اصل حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نقل کفر کفر نباشد۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ

"اس کی سات سو جوروئیں اور بیگمات تھیں اور تین سو حرمین (یعنی لونڈیاں) اور اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو پھیرا کیونکہ ایسا ہوا کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا اور اس کی جوروؤں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا...... اور سلیمان نے خداوند کی نظر میں بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی اپنے باپ دادوں کی طرح نہ کی...... سو ازبس کہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے جو اسے دوبارہ دکھائی دیا برگشتہ ہوا' اس لئے خداوند سلیمان پر غضب ناک ہوا۔"

(سلاطین ۱۱: ۳' ۴' ۵' ۶' ۹)

اس بیان سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ یہودنا مسعود نے اپنی کتاب کے اندر بھی ردوبدل کیا اور تورات کی عبارات کو بدلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اس طرح انہوں نے فسق و فجور کی راہ اختیار کی۔ حضرت سلیمانؑ کی حکومت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے اور ان تمام باتوں کو سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے۔ قرآن کریم نے اس جلیل القدر پیغمبر کی معصومیت اور طہارت کا اعلان کیا اور بتا دیا کہ اللہ کا پیغمبر کبھی کفر و مشرکانہ رسوم کا مرتکب نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تمام تر شرارت یہودیوں کی ہے جو ایک پیکر قدوسیت اور مجسمہ پاکبازی کو کافر بناتے ہیں اور اس طرح اعلان کرتے ہیں کہ عہد عتیق میں لفظی و معنوی تحریف ہوئی ہے۔ صحائف آسمانی میں سے قرآن کریم صرف ان امور کی تصدیق کرتا ہے جو حقیقت میں ایسے ہی ہیں اور جہاں غلطی ہوتی ہے فوراً اس

Marfat.com

سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور سچائی کا اعلان کر دیتا ہے۔
بابل عہد قدیم کا ایک نہایت ہی بارونق اور شاندار شہر تھا کسی زمانہ میں وہ تہذیب و شائستگی کا مرکز تھا اس کی جائے وقوع دریائے فرات کے کنارے تھی۔ عراق عرب کا دارالسلطنت ہونا اس کی شہرت و عظمت کا اور زیادہ باعث بن گیا۔ اس کے کھنڈرات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم الشان شہر تمدن و حضارت کا گھر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی فصیل ۵۵ میل لمبی، ۳۴ فٹ بلند اور ۸۵ فٹ چوڑی تھی جس وقت بخت نصر نے یہودیوں کو تباہ کیا ہے یہ شہر اپنے انتہائی عروج پر تھا۔
یہودی قید ہو کر بابل میں آباد ہوگئے۔ اب ان کے لئے حکومت کی جگہ غلامی، عزت کی جگہ ذلت اور تخت سلطنت کی جگہ غربت و مسکنت تھی۔ اللہ کا وعدہ ان کے حق میں پورا ہوا: وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ.... مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷: ۴، ۵)
"اور دیکھو ہم نے کتاب یعنی تورات میں بنی اسرائیل کو اس فیصلہ کی خبر دے دی تھی کہ تم ضرور ملک میں دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور بڑی سخت درجہ کی سرکشی کرو گے پھر جب ان دو وقتوں میں سے پہلا وقت آگیا تو اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے بھیج دیئے جو بڑے ہی خوفناک تھے پس وہ تمہاری آبادیوں کے اندر پھیل گئے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔"
قرآن کریم نے اکثر تاریخی حقائق کی طرح ان کی تفصیلات میں گئے بغیر یہاں بھی صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے یہود کا یہ شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی قائم تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی نسل و یہود خصلت پروفیسر مارگولیس جس کی اسلام دشمی ضرب المثل بنی ہوئی ہے۔ اپنی انگریزی سیرت رسول میں معاصر یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے "یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بغیر میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے۔" (ص ۱۸۹)
شیاطین سے مراد شیاطین انس ہیں یعنی وہ سرکش و خبیث انسان جو حضرت سلیمانؑ کے خلاف بغاوت میں پیش پیش تھے اور آپ پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے اور سحر و کہانت کے بھی ماہر تھے یعنی دربار سلیمانی کے باغی سردار و سرغنہ جن کا مفصل ذکر عہد عتیق کے بعض صحیفوں میں ملتا ہے۔
سیدنا سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام (۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م) اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیغمبر گذرے ہیں۔ اور اپنے والد ماجد ہی کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑے تاجدار تھے۔ شام و فلسطین کے علاوہ آپ کے حدود حکومت مشرق کی سمت میں عراق کے دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں سرحد مصر تک وسیع تھے۔ آپ کی سلطنت کی عظمت و شوکت پر دوست و دشمن سب کا اتفاق ہے۔ اسلام میں اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی و اخلاقی مرتبہ یعنی نبوت و رسالت کے ساتھ جس طرح فقر و مسکنت جمع ہو سکتے ہیں اسی طرح دولت و

Marfat.com

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا

انہی شیطانوں کا کفر تھا کہ لوگوں کو جادوگری سکھلاتے تھے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت[۱۹۴] ماروت پر اسی طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی دراصل یہ ان لوگوں کی من گھڑت داستان ہے جسے وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ "وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھاتے تھے کہ دیکھو ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ لیکن اس کے باوجود لوگ ان سے ایسے ایسے اعمال و

امارت، حکومت و سیاست بھی اسلام کا رب و الٰہ، غریبوں، امیروں، ناداروں اور زرداروں سب کا یکساں ہے۔ آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح ان یہود کے آباؤ و اجداد عہد سلیمانی میں شیطانی مشغلوں یعنی سحر و کہانت میں لگے رہے اسی طرح آج بھی بجائے نبی کی ہدایتوں پر چلنے کے انہیں سفلی مشغلوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے تو کبھی کفر نہیں کیا۔ اس سے یہ بات واضح کر دی کہ سحر و جادو کیا ہے؟ فرمایا کہ کفر کے سوا کچھ بھی نہیں بلکہ کفر سے بھی بڑھ کر ہے اور جب یہ کہا جائے کہ یہ بات کفر سے بھی بڑھ کر ہے تو اس کا صاف صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ کفر بھی ہے اور شرانگیزی بھی۔ جس طرح کافر صرف کافر ہی نہ ہو بلکہ شرانگیز بھی ہو تو اس کی سزا قتل ہے اسی طرح جادوگر کی سزا بھی اسلام میں قتل ہے کیونکہ ہر جادوگر کافر بھی ہوتا ہے اور شرانگیز بھی۔

ہاروت و ماروت فرضی شخصیتیں ہیں فرشتے نہیں

۱۹۴ "وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ" میں ما نافیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود کا یہ کہنا کہ جادو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا ہے اور فرشتوں ہی نے ہمیں یہ سکھایا ہے اس لئے یہ بھی صحائف آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدس ہے۔ یہود کا یہ کہنا سراسر باطل اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ فرشتوں پر ہرگز کوئی جادو نازل نہیں کیا گیا۔ اور یہ پوری کہانی ہی گویا فرضی ہے جو یہود کے علماء نے اپنے پاس

Marfat.com

مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا

اقوال سیکھتے جن کے ذریعے[۱۹۵] شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے" حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے الا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے حکم[۱۹۶] سے کسی کو کوئی نقصان پہنچنے والا ہو اور نقصان پہنچ جائے "تو یہ اپنے فعل کی طرف منسوب کر لیں۔" یہ لوگ کتاب الٰہی کو چھوڑ کر ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو انہیں سراسر نقصان

سے گھڑی ہے جس کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں "وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھلاتے تھے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھاتے تھے کہ دیکھو ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو؟ لیکن ان کے اس طرح کہنے کے باوجود لوگ ان سے ایسے ایسے اعمال و اقوال سیکھتے ہیں جن کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیتے۔" یہ صرف کہانی اس لئے گھڑی گئی کہ فرشتوں کی پوزیشن بھی صاف رہے اور ان کے نظریہ پر بھی زد نہ آئے اس کو کہتے ہیں کہ "سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" اس طرح کے بیان سے ان کا اصل مطلب یہ تھا کہ فرشتوں کی بزرگی بھی قائم رہے اور ہمارا کام بھی بن جائے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ "چپڑی اور دو دو نہیں ہو سکتیں" دراصل بات وہی ہے کہ یہود جب بابل میں آباد ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کر رہنے والے دو فرشتوں ہاروت و ماروت کے فرضی ناموں کی بہت قدرومنزلت کرتے ہیں تو انہوں نے غلط اور دور از کار روایات کا انبار لگا دیا جن کو کوئی سلیم الفطرت انسان قبول نہیں کر سکتا انہوں نے اپنی عادت کے مطابق نئے نئے شعبدے بنا کر ہاروت و ماروت کے ذمے لگائے اور اس طرح لوگوں کو متاثر کر کے اپنا الو سیدھا کیا ان کا خیال تھا کہ اس طرح شاید ہماری کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ بحال ہو جائے گی۔ بنی اسرائیل کے علماء کاہل تو پہلے ہی تھے کیونکہ مفت کی روٹیاں کھا کھا کر کام کرنے کی صلاحیت سلب کر چکے تھے اور چاہتے تھے کہ بغیر کام کئے لوگ ان کی تعریف کریں اس لئے انہوں نے ان شعبدوں کو اوڑھنا بچھونا بنایا اور اس طرح "ہم خرما و ہم صواب" کے محاورہ کے مصداق ہوئے۔

افسوں گری کا مشغلہ کرنے والوں کا اصلی نشانہ کیا تھا؟

۱۹۵ سحر و جادو کا جو منتر ان میں بہت مقبولیت حاصل کر چکا تھا وہ تھا جس سے میاں بیوی میں ناچاقی پیدا

Marfat.com

يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ ۛ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوْا

پہنچانے والی ہیں انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو کوئی جادوگری کا خریدار ہوتا ہے اس کے لئے آخرت[۱۹۷] کی برکتوں میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ پس افسوس ان کی اس خرید و فروخت پر! کیا ہی بری جنس ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کی نجات فروخت کر دی!

ہو تاکہ یہ اس پر ڈورے ڈال کر اپنے عشق کے جال میں پھانس لیں اس طرح وہ حرام کاری کا بازار گرم رکھتے۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز بھی ملاحظہ ہو کہ ان کے کردار کے چہرہ پر جس بدنما داغ کی نشاندہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے چودہ سو سال پہلے قرآن نے کی اس کو آج وہ خود اپنی تحقیق کے آئینہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا کی یہ عبارت پڑھیے "سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اس نقش کی تھی جو عشق و محبت کے لئے دیا جاتا تھا خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لئے لکھا جاتا تھا۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۶، ص ۲۵۵)

سحر کا اثر اذن الٰہی چہ معنی دارد؟

۱۹۶ اس حکم الٰہی میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ سحر اور اس پر مرتب ہونے والے آثار کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے سبب و مسبب کا۔ ظاہر ہے کہ سبب تب ہی موثر ہوتا ہے جب اذن الٰہی ہو اور اگر اذن الٰہی نہ ہو تو سبب معطل ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ سحر کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر بھی غالب ہو اور اگر وہ نہ چاہے تب بھی جادو کا اثر ہو کر رہے۔ ہر قسم کا اختیار رکھنے والی تو وہ ذات ہے جس کے اذن و اجازت پر ہر چیز کے وجود و عدم کا دارومدار ہے سحر پر بھی اگر آثار مرتب ہوتے ہیں تو خود بخود نہیں بلکہ اذن الٰہی کے ملنے کے بعد۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سحر کفر ہے تو اس پر آثار مرتب ہونے کا اللہ تعالیٰ اذن ہی کیوں دیتا ہے؟ حقیقت میں تو یہ سوال ہی صحیح نہیں ہے بہرحال ہم بحث کو لمبا کرنا نہیں چاہتے۔ یاد رہے کہ اس کے لئے ایک چیز ہمیشہ مدنظر رہنا ضروری ہے وہ یہ کہ اللہ کے ارادہ و مشیت اور اس کے حکم و رضا میں بڑا فرق ہے۔ وہ کسی بری چیز کا حکم نہیں دیتا اور نہ ہی اس کے کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ ہاں! تکوینی قانون کے باعث ان اشیاء سے اس کی مشیت متعلق ہوتی رہتی ہے اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ کسی سوئے ہوئے بے گناہ کا سر قلم کر دو لیکن اس کے اذن کے بغیر نہ سر کٹتا ہے نہ موت آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام اور اللہ کے نیک

Marfat.com

بندوں کو اذیت دینا اور انہیں قتل کرنا اسی کی مشیت سے وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن اس نے نہ کبھی اس کا حکم دیا ہے نہ وہ ایسے جرائم سے خوش ہوتا ہے۔ اس اذن و مشیت میں وہ مصلحتیں اور اسرار ہوتے ہیں جن کو زبان قلم بیان کرنے سے قاصر ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس قادر مطلق نے جو قانون قدرت بنائے ہیں ان کے خلاف ممکن نہیں اور وہ ایسا رب ہے کہ اپنے قانون کا نہ خلاف کرتا ہے اور نہ ہی ہونے دیتا ہے اور یہی اس کے قادر ہونے کی اصل دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے حق نے یہاں باذن اللہ کے معنی تقدیر الٰہی اور قضا و قدر کے لئے ہیں۔

سحر کیا ہے ؟ کفر ہے۔ حرام کاری ہے۔ مکرو فریب ہے۔

۱۹۷ سحر کا اصلی معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا گویا جب ساحر جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آتی ہے تو گویا اس نے یعنی سحر کرنے والے نے اس شے کی حقیقت کو اس طرح دکھایا کہ وہ بالکل بدل گئی یا مختلف نظر آنے لگی۔ آپ نے کبھی دیکھا ہو گا کہ مداری کیا کرتا ہے؟ کبھی ایک چیز کو دو تین چار بنا دیتا ہے کبھی کوئی چیز موجود دکھائی نہیں دیتی اور پھر وہاں دکھائی دینے لگتی ہے۔ کبھی روپے اور پیسے اور انگوٹھیاں بنتی نظر آتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا فی الحقیقت وہ ایک چیز دو تین چار بنا لیتا ہے ہرگز نہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا نظر آتا ہے اس کو سب لوگ سحر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ خود بھی ان چیزوں کو جادو ہی کے نام سے بلاتا ہے اور یاد کرتا ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی صرف وہ اپنے ہاتھ کی صفائی دکھاتا ہے ایک کام و فعل کو اس انداز میں کرتا ہے کہ وہ کرتا کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتا ہے۔ کبھی آپ نے شعلہ جوالہ پر نظر کی ہو گی ایک باریک چھڑی کے ایک سرا کو آگ لگا کر چھڑی کو دونوں ہاتھوں میں گھما کر دیکھا ہو گا کہ خصوصاً رات کے اندھیرے میں آپ کو نظر آئے گا گویا ایک آگ کا دائرہ قائم ہو گیا ہے۔ کیا فی الواقع وہاں کوئی دائرہ موجود ہوتا ہے؟ نہیں۔ پھر دکھائی کیوں دیتا ہے؟ اس لئے کہ اس چھڑی کو گھمانے سے دائرہ قائم ہو جاتا ہے۔ بس اس سے سمجھ لو کہ دائرہ بھی نہیں ہوتا اور نظر بھی آتا ہے سحر یہی ہے کہ ہوتا بھی کچھ نہیں لیکن کچھ ہوتا نظر بھی آتا ہے۔ انسان کے اندر ہر چیز کی صلاحیت موجود ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس کے خمیر میں ایسی قوتیں ودیعت کر دی گئی ہیں جو اس طرح موجود ہوتی ہیں کہ نظر تو نہیں آتیں لیکن ان کے اثر ہی سے ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ہر انسان کے اندر قوت وہمہ موجود ہے۔ اسی قوت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انسان دنیا میں ترقی کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے جو نئی نئی ایجاد ہوتی ہیں سب اسی قوت کے زیر اثر ہیں پھر ہر انسان میں یہ قوت تو موجود ہوتی ہے لیکن کسی نے اس سے کام لے کر ایک چیز کو ایجاد کیا اور کسی کی وہ قوت بیدار ہی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ کوئی نئی ایجاد دیکھتا ہے تو تعجب کرتا ہے مگر اس کا اس طرح ہونا اس کی سمجھ میں نہیں آتا جو موجد ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کس طرح ایجاد ہوئی ہے لیکن جس کو معلوم نہیں وہ حیران و ششدر رہ رہ کر اپنے حال میں اس کا ہونا معلوم کر لیتا ہے۔ اور بار بار اس طرح ہونے سے اس کا تعجب اگرچہ جاتا رہتا ہے لیکن

Marfat.com

دراصل اس کو اس کے ہونے کی تفہیم اب بھی نہیں ہوتی۔

جادوگر اپنے مکر و فریب اور دھوکہ سے دوسروں کی قوت وہمہ کو تسخیر کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر جس کی قوت وہمہ جتنی کمزور ہوگی اتنا ہی اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور اپنے مکر و فریب اور کفر و دھوکہ دہی کو "کالا علم" "جادو" اور "سحر" کے نام سے تعبیر کرتا ہے اسی طرح کبھی اس کا نام "سحر سلیمانی" "نقش سلیمانی" "بنگال کا جادو" "کالا علم" "جنات کا علم" اور کبھی "جنات کی پکڑ" اور "سایہ" جیسے ناموں سے معروف کیا جاتا ہے۔ علمائے یہود نامسعود اپنے کفر و فسق کے باعث اس میں مبتلا تھے لیکن بدقسمتی سے آج یہی حال ہمارے عالموں، صوفیوں اور قاریوں کا ہے یہود کی پیروی میں انہوں نے بھی اپنی کتاب قرآن کریم کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا ہے اور اب تعویذوں اور گنڈوں پر زور ہے۔ یہی ان کی آمدنی کے ذرائع ہیں اور انہیں سے اپنی عزت و منزلت جہلاء کے دلوں میں قائم کئے ہوئے ہیں بعض ارباب علم و فضل نے تو تمام قرآن کریم ہی کو تعویذات کا مجموعہ بنا دیا ہے اور اعمال قرآنی کے نام سے کتابیں شائع کر کے اپنے زعم باطل میں تحقیقات کا جدید باب مفتوح کر دیا ہے۔ پھر جن مولویوں، صوفیوں، پیروں اور قاریوں کا ذریعہ معاش صرف تعویذات رہ گئے ہیں وہ اللہ کے نام پر کہاں اپنے آپ کو قربان کر سکتے ہیں وہ تو دنیا میں کاہلی اور سستی کے نمونے ہیں۔ کاش وہ اس فریب خوردہ زندگی کو ترک کر کے تبلیغ دعوت اسلام اور قرآن کو اپنا مقصد حیات بناتے۔ ان پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت کہ انہوں نے یہود کی نقالی میں دین اسلام کو برباد کرنے کی کوشش کی اللہ نے ان کی آخرت برباد کی اور دنیا میں بھی وہ اللہ کے نیک بندوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ٹھہرے۔

زیر نظر آیت کی تفسیر میں ہاروت و ماروت کو فرشتے قرار دے کر جس طرح سحر و جادو کی تعلیم کا ذمہ دار ان کو ٹھہرایا گیا ہے اور جس طرح ان کو بے حیائی اور بدکاری کا مرتکب قرار دیا گیا ہے وہ سب فرضی قصہ ہے جس کا تعلق یہودیت سے ہے اسلام ایسے نظریات سے بالکل پاک ہے۔ ہاں! مفسرین اسلام میں سے جن لوگوں نے ایسی واہی تباہی کی روایات کو اپنی تفسیروں میں جگہ دی ہے ان کا مقصد دراصل اسرائیلیات سے روشناس کرانا ہے اور کچھ نہیں۔ ہم بھی یہاں مشتے از خروارے کچھ تحریر کرتے ہیں تاکہ قارئین کو سحر و جادو کی اصلیت معلوم ہو جائے اور وہ ایسی چیزوں کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں بلکہ نکال پھینکنے کی کوشش کریں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

سحر یا جادو اسلام کی نظر میں

نہ صرف مشرقی دنیا میں بلکہ مغربی دنیا میں بھی جادو کا عقیدہ مدت تک باقی رہا اور ہنوز موجود ہے کسی نے اس سے انکار نہیں کیا بلکہ یورپ بالخصوص لندن میں تو وہ داخل قانون ہوگیا تھا۔ اس جادو کے عقیدہ نے بے گناہوں پر ظلم کئے ہیں، گھروں کو برباد کیا ہے اور قوموں کی قومیں اس ظالم عقیدہ کی لپیٹ میں آکر صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہیں تورات و انجیل کے صفحات نے اس کی کہیں تردید نہیں کی اور اگر کی تھی تو ان علماء سوء نے

Marfat.com

اس کو بدل دیا ہے کیونکہ آج ان کتب آسمانی میں اس کی تردید نظر نہیں آتی۔ مگر پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس وہمی علم کی بلکہ اس شخص کی جو جادو جاننے کا معترف ہو سخت تضحیک کی ہے اور اس کو صرف حقیر ہی نہیں بلکہ کافر و فاسق جانا ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر سحر یعنی جادو کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر ان مقامات کو غور سے پڑھنے والا آج بھی سمجھ سکتا ہے کہ درحقیقت جادو کوئی چیز نہیں اور جو لوگ اس وہمی علم پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ مرتبہ انسانیت سے بھی خارج ہیں قرآن کریم میں ایسے لوگوں پر افسوس کیا گیا ہے جو جادو اور اس کے وہمی اثرات کو مانتے ہیں اور ہر ایسی شے کو جو ان کی سمجھ میں نہ آئے جادو کے نام سے تعبیر کرتے ہیں قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ کفار ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور قرآن کریم کو جادو سے تعبیر کرتے تھے۔ ایسے لوگ ازلی گمراہ تھے جو جادو کی ایک ہستی قائم کر کے انتخاب کائنات کی نسبت یہ ہرزہ درائی کرتے تھے۔ ہم قرآن کریم کی ان آیتوں پر جن میں جادو کا بیان ہے مضمون کے اخیر حصہ میں بیان کریں گے اور ان کی حقیقت بتائیں گے۔ پہلے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے علماء کرام کا سحر کی نسبت کیا خیال ہے اور وہ اسے کیا سمجھتے ہیں؟ ہمیں معلوم ہے کہ جادو کو برحق سمجھنا بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے ہمارے عقائد میں بھی داخل ہوگیا ہے تاہم ہمیں اس کی گہری تحقیق کرنی چاہئے اور بتانا چاہئے کہ قرآن کریم اس کی نسبت کیا رائے دیتا ہے اور علمائے وقت کیا فرماتے ہیں؟

سحر کی ابتداء اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جن شیاطین اور آدمی مل جل کر رہتے تھے۔ شیاطین یا جنوں نے حضرت سلیمان کی امت کو ارواح خبیثہ کی پرستش کے طریقے اور ان پر قبضہ پانے کے قاعدے بتانے شروع کئے۔ اس تعلیم سے اللہ کی پرستش میں فرق آنے لگا جب سلیمان کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ کل طرق اور قواعد ارواح پرستی کو تم ایک کتاب میں قلم بند کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور ان اسماء کی ایک کتاب بن کر تیار ہوگئی۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کتاب کو اپنی کرسی کے نیچے جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے دفن کردیا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ پھر ارواح پرستی کا علم مٹ گیا۔ جب تک سلیمانؑ زندہ رہے یہی کیفیت رہی۔ مگر جب آپ کی وفات ہوگئی اور آپ کا وزیر آصف بن برخیا بھی رحلت کر گیا تو جنوں اور شیطانوں نے عجیب چالاکی کی یعنی لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ سلیمان نے جادو کے زور سے یہ کل حکومت کی تھی اور اسی سحر کی وجہ سے وحشی جن شیاطین سب ان کے مطیع ہوگئے تھے وہ ان جادوؤں کی کتاب کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر گئے ہیں اگر وہاں سے کھود کر نکال لی جائے تو تمام جادو باسانی آسکتے ہیں اور ہر شخص سلیمان کی طرح تمام عالم کی مخلوق پر قبضہ رکھ سکتا ہے۔ شیاطین اور اجنہ کے اس اغوا میں آکے لوگوں نے کرسی کے پایہ والے مقام کو کھود ڈالا اور اس میں سے وہ کتاب نکال لی اور جو جادو کے اسم اس میں تحریر تھے سب پڑھنے شروع کردیئے۔ ان سے عجائب و غرائب چیزوں کا ظہور ہوا۔ الہامی کتابوں کو لوگوں نے

Marfat.com

مطلق دیکھنا چھوڑ دیا۔ اور ہر شخص سحر کی کتاب ازبر کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ ان کی تمام ہمت افسوں گری اور جادو ٹونے میں صرف ہونے لگی۔ تمام وہ خیالات جو حضرت سلیمانؑ خدا پرستی کی بابت ان میں رائج کر گئے تھے۔ بتدریج نسیا منسیا ہوگئے۔ ہر قسم کے افسوں ان کے معبود بن گئے۔ اور وہ ان ہی فاسد خیالات کی پرستش کرنے لگے۔ جب اجنہ اور شیاطین نے دیکھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت پوری گمراہ ہوگئی اور اب وہ بھولے سے بھی رب ذوالجلال کا نام نہیں لیتی وہ رفتہ رفتہ گم ہونے شروع ہوئے اور آخیر لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ اس وجہ سے یہودیوں کے دین کو بہت سخت صدمہ پہنچا۔ کتاب اللہ سے اعراض کرنے سے ان کے روحانی امراض بڑھنے لگے۔ بتوں اور ارواح خبیثہ اور اسلاف شیاطین کے ورد نے انہیں دین و دنیا کا نہ رکھا۔ وہ ان روحوں اور بتوں پر نذریں اور قربانیاں چڑھانے لگے اور ان کی پرستش کرنے لگے یہی گویا کفر کی پہلی سیڑھی تھی۔ دوسرا کفران کا یہ تھا وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سوء ظن کرنے لگے اور انہیں یقین ہوگیا کہ حضرت سلیمانؑ بھی بت پرستی کرتے تھے اور ان کا پختہ عقیدہ ہوگیا کہ حضرت سلیمانؑ بہت بڑے جادوگر تھے۔ یہ ان کے کفر کا دوسرا درجہ تھا۔

ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہتے تھے کہ محمد کو دیکھو کہ وہ صادقوں کے ساتھ کاذب کو بھی ملاتا ہے حالانکہ سلیمان بت پرست اور جادوگر تھا اسے یہ معصوم پیغمبروں کی فہرست میں رکھتا ہے۔ وہ ایسا جادوگر تھا کہ اپنے جادو کے زور سے ہوا کا گھوڑا بنا کے اس پر سوار ہوتا تھا۔ جب یہودیوں نے اس طرح کا شور غل مچایا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فوراً اس کی تردید فرما دی اور فرمایا کہ "وما کفر سلیمان" یعنی سلیمان نے ہرگز کبھی کفر نہیں کیا۔" اگر کوئی پیغمبر ایسا کرے تو وہ بھی کفر سے نہیں بچ سکتا۔ بھلا معصوم پیغمبروں کو سحر و افسوں گری اور بتوں پر نذر قربانی چڑھانے سے کیا تعلق؟ چونکہ یہودیوں نے حضرت سلیمانؑ کی ذات پر بہتان عظیم اٹھایا تھا۔ اس لئے وہ کافر مطلق ہوگئے اور ان کے کفر میں ذرا برابر بھی شبہ نہ رہا۔ وہ اسی وجہ سے سحر کی تعلیم کرنے لگے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ "ویعلمون الناس السحر" یعنی وہ لوگوں کو اعمال سحر کی تعلیم کرتے تھے ان کے افتراء اور دروغ سے لوگوں نے دھوکا کھا کے جادو اور افسوں گری میں اپنے کو متوجہ کر لیا۔ عام طور پر پورا یقین ہوگیا تھا کہ درحقیقت سحر بذات خود کوئی بری چیز نہیں کیونکہ جب پیغمبروں نے اس سے چشم پوشی نہی کی بلکہ اپنی کامیابی کا اسے بہت بڑا آلہ بنایا پھر اس کا سیکھنا کسی طرح بھی برا نہیں ہو سکتا۔ وہ جادو کے سیکھنے میں بتوں کی تعظیم کرتے تھے۔ جو رب العزت کے شایان شان تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان ارواح خبیثہ کو غیب دانی میں بہت بڑی دسترس حاصل ہے۔ وہ مشکل کشائی میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ اگر انہیں مسخر کر لیا جائے تو دین و دنیا کی ہر چیز باسانی حاصل ہو سکتی ہے۔

علمائے اسلام تحریر فرماتے ہیں کہ اس قسم کا سحر جس میں غیر اللہ کی قربانی کی جائے۔ ارواح کو عالم غیب اور مشکل کشا سمجھ جائے یا بتوں کو سجدہ کیا جائے یہ بہت بڑا کفر ہے اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہے اور

Marfat.com

اس پر فتوئ ارتداد جاری کیا جائے ساتھ ہی اس کو توبہ کی بھی مہلت دی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد ہے تو اسے تین دن کی مہلت دینی چاہئے تاکہ وہ توبہ کرے اور ایسے قول و فعل پر لعنت کرے اور اگر تین دن تک وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دینا چاہئے اور اس کا جنازہ نہ کرنا چاہئے اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہ کیا جائے نہ مسلمان اس کو ہاتھ لگائیں اور اگر کوئی عورت ہے اور اس نے ایسا کیا ہے تو امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ مرد کی طرح تین دن کی مہلت اس کو بھی دینی چاہئے اگر تین دن میں وہ باز آگئی اور اس نے توبہ کرلی تو خیر' نہ توبہ کی تو اسے بھی قتل کر دینا چاہئے اور جو مرد کے جنازے کے ساتھ سلوک ہوا ہے وہی اس کے ساتھ بھی ہونا چاہئے مگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اسے قید کر دینا چاہئے تاآنکہ وہ توبہ کرلے۔

سحر و جادو کی کہانیاں اور داستانیں لمبی ہیں کہ ان کا بیان کرنا بیکار بھی ہے اور ناجائز بھی۔ مورخین کے بیان کے مطابق اس پر کئی دور آئے ہیں جن ادوار میں اس کو بہت ترقی ہوئی ہے مثلاً نمرود کے زمانہ میں جو بابل کا بادشاہ تھا اس شعبدہ بازی نے بہت ترقی کی ان لوگوں نے چھ طلسم بنائے تھے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شیاطین جن و انس نے اس میں بہت کچھ اضافے کئے اور سب سے مشہور دور وہ آیا جو ہاروت و ماروت کا دور شمار کیا جاتا ہے۔

قصہ ہاروت و ماروت

اس قصہ کی جتنی روایات ہیں سب غیر معتبر اور واہی تباہی کی ہیں جن کا کوئی سر پیر نہیں ہے اس جگہ اس کا ذکر کرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ آج بھی بدقسمتی سے ہاروت و ماروت کو فرشتے بتایا جاتا اور پھر ان کے جادو کی داستانیں بیان کی جاتی ہیں جن سے عوام کا ذہن پختہ ہوتا ہے اور اس طرح بدطینت اور خبیث قسم کے لوگ اپنی خباثت سے لوگوں کو متاثر کر کے اپنی دکانداری کو خوب چمکائے بیٹھے ہیں۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کی اصلاح ہو۔ اس قصہ کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے اور وہ دونوں ہی زبردست قسم کے جادوگر تھے ان کی عدیم المثال جادوگری اور اس کی بے نظیر قوت کا بیان کچھ اس طرح ہے کہ ایک عورت قبیلہ دومتہ الجندل میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپؐ کی تلاش میں آئی اور کہنے لگی کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتاؤ میں کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں جب اس کو بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو وفات پاگئے تو وہ بہت پریشانی ہوئی اور افسوس کیا آخر کار اس سے پوچھا گیا کہ تجھ کو کیا پوچھنا ہے تو بیان کیا کہ میرا خاوند مجھ سے بہت بدسلوکی کیا کرتا تھا اور کم بخت نے صلح کی طرف میل نہ کی میں اس جان کندنی میں ہر وقت سولی پر رہتی تھی کہ ایک دن ایک بڑھیا میرے مکان پر آئی میں نے اپنی مصیبت اس سے بھی دہرائی اور اپنا افسوس ناک حال کہا اس نے جواب دیا کہ بیٹی یہ کوئی بڑی بات نہیں' جو کچھ میں کہوں اگر تو کرے تو تیرا شوہر تیرا غلام بن جائے گا اگر تو بیٹھتے جوتی اور اٹھتے لات مارے گی تو وہ اف تک نہیں کرے گا میں نے جواب دیا کہ میری جان سخت عذاب میں ہے بڑی بی' میرا خاوند میرا مطیع ہو جائے گا۔ تو جو

Marfat.com

کچھ تم بتاؤ گی میں کرنے کو تیار ہوں۔ مختصر یہ کہ جب اخیر شب ہوئی تو وہ بڑھیا میرے پاس آئی اور اپنے ساتھ دو کالے کتے لائی ایک کتے پر آپ سوار ہوئی اور دوسرے پر مجھے سوار کیا۔ ہم دونوں روانہ ہوئیں ادھر گھر سے نکلے تھے ادھر شہر بابل میں پہنچ گئے۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں دو مرد الٹے لٹکے ہوئے ہیں انہوں نے میری صورت دیکھتے ہی کہا کہ تو یہاں کیوں آئی؟ بڑھیا کے اشارہ سے میں نے جواب دیا کہ جادو سیکھنے آئی ہوں۔

وہ دونوں بیک زبان بولے کہ جادو کفر ہے اور جو اسے سیکھتا ہے کافر ہو جاتا ہے جا اپنے گھر جا اور اپنا کام کر میں نے کہا کہ میں تو بغیر جادو سیکھے یہاں سے نہیں جاؤں گی بلکہ یہیں مروں گی وہ جوں جوں مجھے منع کرتے تھے میں اسی قدر اصرار کرتی رہی۔ جب بہت کچھ اصرار ہو چکا اور میں نے بہت الحاح و زاری کر لی تو انہوں نے مجھے کہا کہ اٹھ اور اس تنور کے قریب جا کر اس پر پیشاب کر دے۔ جب میں اس تنور کے پاس پہنچی تو مجھے بہت خوف آیا اور میں وہاں سے بغیر پیشاب کئے واپس آ گئی اور ان سے کہا کہ میں پیشاب کر آئی انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے وہاں کیا دیکھا تھا؟ میں نے انکار کیا تو انہوں نے کہا کہ تو جھوٹ بولتی ہے تو نے پیشاب نہیں کیا۔ بس اب بھی تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے چلی جا تاکہ تو کافر نہ ہو جائے میں نے پھر جانے سے انکار کیا انہوں نے کہا کہ تو نہیں مانتی ضد کرتی ہے تو جا ذرا اس تنور میں پیشاب کر آ میں پھر دل کو مضبوط کر کے گئی پھر خوف و ہراس طاری ہوا بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور دل گھبرانے لگا میں اسی طرح واپس آئی انہوں نے مجھ سے کہا کہ تو واپس چلی جا اور کفر مت کر لیکن میں نے بھی دوبارہ اور سہ بارہ ایسے ہی واپس گھر لوٹ آنے سے انکار کیا۔ لیکن جب تیسری بار وہاں پہنچی تو ہمت کر کے میں نے وہاں پیشاب کر ہی دیا۔ پیشاب کرتے ہی میں نے ایک گھوڑ سوار کو وہاں سے نکلتے دیکھا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا۔ سر پر خود فولادی' بدن میں زرہ اور سینہ پر چار آئینہ لگائے ہوئے اس سج دھج سے نکلا کہ میرا دل دہل گیا وہ تنور سے نکلتے ہی آسمان کی طرف اڑتا چلا گیا اور میری نظر سے غائب ہو گیا۔ میں ان کے پاس گئی اور سوار کا حال بیان کیا انہوں نے کہا کہ اب تو سچ کہتی ہے وہ سوار تیرا ایمان تھا جو تجھ سے نکل کر آسمان پر چلا گیا۔ بس اب تو جادو کے فن میں کامل ہو گئی۔ میں نے اپنی رفیقہ بڑھیا سے کہا کہ میں تو جادو سیکھنے آئی تھی لیکن ابھی تک تو کچھ بھی نہیں سیکھا اور واپس چلی جاؤں تو آنے کا فائدہ؟ اس بڑھیا نے کہا تیرا خیال غلط ہے تو نے ہر چیز سیکھ لی اب جو تو چاہے گی وہ ہو گا۔ میں نے کہا میں کیونکر یقین کروں؟ اس نے کہا کہ تو ایک دانہ گیہوں کا زمین میں ڈال او رکہہ کہ اے دانے اگ آ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا وہ دانہ فوراً اگ آیا۔ میں نے کہا بڑا ہو تو وہ بڑا ہو گیا میں نے کہا خوشہ لا وہ خوشہ لے آیا۔ میں نے کہا خشک ہو جا وہ خشک ہو گیا جب میں نے ہر طرح آزما لیا اور میں پوری اتری تو اب ایمان کے خیال سے میری آنکھیں کھلیں۔ میں سخت نادم ہوئی اور مجھے ایمان جانے کا بہت افسوس ہوا۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لئے آئی تھی کہ میرے درد دل کا کچھ علاج ہو اور میرا گیا ہوا ایمان واپس آجائے۔

Marfat.com

مجھ سے پوچھا گیا کہ تو نے اس کے بعد کسی کو اپنے جادو سے تکلیف دی ہے میں نے حلفاً بیان کیا کہ میں نے اج تک کسی کو کوئی دکھ نہیں دیا اور نہ ہی دوبارہ اپنا جادو کسی پر آزما کر دیکھا ہے۔ مجھے مختلف صحابہ کے پاس بھیجا گیا مگر کسی صحابی نے مجھے اس کا کوئی علاج نہ بتایا۔ آخر کار مجھے عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جانے کا کہا گیا انہوں نے بھی ساری داستان سنی اور میری اپیل پر غور کیا اور کہنے لگے کہ اب یہ بتا کہ تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے۔ میں نے کہا ہاں! فرمایا جا ان کی خدمت میں لگ جا تیرا ایمان واپس لوٹ آئے گا۔

اور ہاروت و ماروت کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کے اعمال بد نے آسمانوں پر پرواز کی تو فرشتوں میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال شروع ہوئی اور انہوں نے بنی آدم کی سخت تحقیر کی اور صرف توہین آمیز کلمات ہی نہیں کہے بلکہ ان پر لعن طعن کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ تم بنی آدم پر اس قدر لعن طعن کیوں کرتے ہو اور ان پر کیوں اس قدر خفا ہو چونکہ ہم نے ان میں غضب اور خواہش نفسانی کو ملا دیا ہے اس لئے ان سے یہ افعال سرزد ہوتے ہیں اگر میں تمہیں بھی زمین میں نازل کروں اور تم میں بھی غضب اور خواہش نفسانی کی ترکیب کر دوں تو تم سے بھی ایسے ہی گناہ سرزد ہونے لگیں فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار! اگر ہماری سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کی آمیزش بھی ہو جائے۔ جب بھی ہم کبھی ایسے کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے گروہ میں سے دو فرشتوں کو منتخب کر لو تاکہ انہیں زمین پر بھیجا جائے اور پھر تم پر حقیقت کھل جائے گی۔ فرشتوں نے اپنے گروہ پر نظر دوڑائی تو ہاروت و ماروت سے بہت عبادت گزار اور ہر وقت تسبیح و بندگی میں غرق کسی کو نہ پایا۔ اخیر سب نے متفق ہو کر ان دو فرشتوں کو منتخب کیا اور اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت میں غضب و خواہش نفسانی کا مادہ ملا دیا اور دنیا میں انہیں بھیجا تاکہ وہ لوگوں پر جا کے حکومت کریں اور انہیں آپس میں لڑنے جھگڑنے نہ دیں۔ قتل و غارت کو موقوف کر دیں اور عدل و انصاف کی چاشنی ان کو چکھائیں۔ فرائض عبودیت کی پوری پوری تعلیم کریں اور ساتھ ہی یہ بھی رعایت کی گئی کہ وہ دن بھر تو اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی کرتے رہیں اور شام کو آسمان پر اڑ کر چلے آئیں۔ اس کے لئے انہیں اسم اعظم سکھا دیا گیا کہ ادھر انہوں نے اسم اعظم پڑھا اور وہ آسمان پر اڑ کر چلے گئے۔

مہینہ بھر تو وہ یوں ہی آتے جاتے رہے اور انہوں نے ربانی فرائض کی حسب خواہش انجام دہی کی۔ ان کی شہرت بھی شہر میں بہت ہو گئی کہ دو شخص آسمان سے اترتے ہیں اور فلاں موضع میں رہتے ہیں نہایت نیک دل ہیں جو کچھ کہتے ہیں ہو جاتا ہے اور جو بات بتاتے ہیں وہ بالکل ٹھیک اسی طرح ہو جاتی ہے اور مقدمات و خصومات کا فیصلہ بھی بالکل صحیح اور حق کے مطابق کرتے ہیں۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ایک عورت زہرہ نامی ان کے پاس آئی۔ یہ عورت جس قدر خوبصورت تھی اس قدر عمدہ لباس بھی پہنے ہوئے تھی۔ اس کا خاوند اس پر

Marfat.com

بہت زیادتی کرتا تھا۔ اس نے ان دونوں فرشتوں سے داد خواہی کی یہ عورت ایرانی تھی۔ اس نے آکر ان سے کہا کہ مجھے اسم اعظم سیکھنے کا شوق ہے اور اسی لئے میں آپ صاحبوں کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اگر مجھے اسم اعظم آجائے گا تو اس مصیبت سے رہائی پانے کی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ ہاروت و ماروت نے جوں ہی اس کی صورت پر نظر کی دل ہاتھ سے دے بیٹھے اور اس پر فریفتہ ہوگئے تمام وعدے وعید جو اپنے خالق سے کئے تھے دل سے محو ہوگئے ان کی بالکل یہی کیفیت ہوگئی۔ ؎

نہ تنہا در دہش بازم دل و دیں
خدائے جان شیریں جان شیریں

ہوش و حواس درست نہ رہے محبت کی آگ دل میں بھڑکی اور اسی بے خودی میں وصل کی درخواست کی۔ اس عورت نے کہا یہ ہونا ایک محال امر ہے کیونکہ میرے اور تمہارے مذہب میں فرق ہے۔ میرا شوہر بہت بڑا باغیرت ہے اگر اسے اشارۃً بھی یہ معلوم ہوگیا کہ میرا اور آپ کا کوئی تعلق ہے تو وہ مجھے قتل کر دے گا۔ ہاں! اس کی ایک ترکیب ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اول تو تم میرے معبود کو سجدہ کرو۔ پھر میرے خاوند کو قتل کر ڈالو تو میں تمہاری ہو جاؤں گی۔ یہ سنتے ہی ہاروت و ماروت نے کہا معاذ اللہ! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ سوائے اللہ کے ہم کسی کو سجدہ کریں اور اس طرح بلاوجہ کسی شخص کو قتل کریں۔ ہم سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ توبہ توبہ ان باتوں کا ہمارے سامنے نام بھی نہ لیجیو۔ زہرہ یہ سن کر اٹھ بیٹھی اور چلتے چلتے یہ کہہ گئی کہ اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر میرا وصل بھی ممکن نہیں۔ ہاروت و ماروت نے انکار کرنے سے تو کر دیا مگر ان کے دل مین محبت کی آگ بھڑک چکی تھی اور اس کی لپیٹیں زیادہ ہوتی جاتی تھیں۔ ان کی زہرہ کے چلے جانے سے بالکل یہی حالت ہوگئی تھی۔ ؎

زدیدہ رفتی و مردم ہماں نفس فریاد — کہ بے تو مردم وانگاہ چنیں بہ آسانی
کسے کہ تشنہ لب ناز تست می داند — کہ موج آب حیات است چین پیشانی
نشست غمزۂ اسلام دشمنت کہ دو روز — محبت تو کنم جمع با مسلمانی

جب بیتابی و پریشانی بڑھی تو دوسرے دن زہرہ کو پیغام بھیجا کہ ہم آج تیرے ہاں مہمان رہنا چاہتے ہیں۔ اگر تو قبول کرے گی تو ہماری اس میں بہت شرف افزائی ہے۔ زہرہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ بسرو چشم تشریف لایئے آپ ہی کا گھر ہے۔ غرض یہ دونوں وقت مقررہ پر وہاں پہنچے۔ زہرہ نے پہلے ہی سے مکان کی آراستگی کر رکھی تھی۔ خود بھی خوب بن سنور کر آراستہ ہوگئی تھی۔ شراب کے شیشے بھی تیار تھے کہ ہاروت و ماروت پہنچے زہرہ نے بڑی خاطر کی اس کی زبان حال سے یہ بے ساختہ نکل رہا تھا ؎

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے

Marfat.com

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلے سے بھی زیادہ اس کا حسن و جمال ان کے دل میں کھب گیا اور ایک غیر معمولی جوش اٹھا جس سے ان کی خواہش وصل کا اظہار ہوگیا۔ زہرہ نے کہا سنو! صاحب بات یہ ہے کہ اگر آپ میرا وصل چاہتے ہیں تو میں چار شرطیں پیش کرتی ہوں ان میں سے کسی ایک پر اگر آپ عمل کرلیں گے تو میں آپ کی ہو جاؤں گی۔ ہاروت و ماروت نے پرجوش اور پرشوق لہجہ میں دریافت کیا "سرت گردیم و قربانت شویم" فرمایئے۔ اس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میرے بت کو سجدہ کرو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میرے خاوند کو مار ڈالو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو میرے ہاتھ سے جام شراب پی لو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو مجھے اسم اعظم سکھا دو۔ یہ چاروں شرطیں پیش کر دی ہیں اب آپ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس شرط پر آپ آسانی سے عمل در آمد کر سکیں کرلیں میں حاضر ہوں۔ ہاروت و ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ سجدہ کرنا اللہ کے سوا دوسرے کو کفر ہے قتل کرنا بھی جرم عظیم ہے جو کبھی معاف نہیں ہو سکتا۔ اسم اعظم بھی نہیں بتا سکتے کیونکہ اللہ کا گویا راز ہے۔ ہاں! شراب پی لینا کچھ بڑا بھاری گناہ نہیں ہے۔ باہم اس امر کا فیصلہ کر کے انہوں نے شراب پی اور پی بھی اس قدر کہ بدمست ہوگئے۔ اس بدمستی میں زہرہ کے بت کو سجدہ بھی کیا۔ اس کے خاوند کو قتل بھی کیا اور اسے اسم اعظم بھی بتا دیا بعض روایتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ جونہی زہرہ کو اسم اعظم کی تعلیم ہوئی اس کی روح نے آسمان کی طرف صعود کیا اور اللہ کے حکم سے وہ روح سیارہ زہرہ کی روح کے ساتھ مل گئی جو اب تک آسمان پر چمکتی ہے ادھر جب ہاروت و ماروت کو ہوش آیا تو اپنے کو اسم اعظم اور تجلیات ربانیہ سے خالی پایا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے
گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

خالق ارض و سماء نے فوراً فرشتوں کی طرف خطاب کر کے ہاروت و ماروت کے حال کی طرف ان کی توجہ دلائی' اور ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں فرشتے باوجودیکہ میری تجلیات سے منور تھے اور شب بھر انہیں آسمان پر رکھا جاتا تھا تاکہ میرے نور کے قریب رہیں۔ دیکھو تو کہ اس عنایت پر بھی یہ کیسی شرمناک معصیت میں گرفتار ہوئے۔

بیچارے بنی آدم کو یہ تجلیات اور حضوری کہاں اگر وہ گرفتار معصیت ہوں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے فرشتوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اہل زمین کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْمَلَآئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ۔

اب ہاروت و ماروت کی حالت سخت پشیمانی میں زبوں ترین ہوتی گئی۔ اخیر وہ حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی پوری کیفیت بیان کی اور کہا کہ آپ ہماری شفاعت اللہ تعالیٰ کے پاس کریں تاکہ ہمارا قصور معاف ہو اور ہم اپنے اصلی جائے قیام پر چلے جائیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا ٹھہرو جمعہ آنے دو میں تمہاری بات رب العرش کے حضور عرض کروں گا۔ دوسرے دن ہفتہ کو یہ دونوں حضرت ادریس

Marfat.com

کے پاس آئے انہوں نے کہا میں نے تمہاری سفارش کی تھی قبول نہیں ہوئی۔ اب کے جمعہ کو پھر دریافت کروں گا۔ چنانچہ دوسرے جمعہ کو دریافت کیا گیا تو یہ جواب ملا کہ ہاروت و ماروت سے دریافت کیا جائے کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا اگر وہ دنیا کا عذاب چاہیں تو انہیں دنیا کا عذاب دیا جائے اور جو آخرت کا عذاب چاہیں تو آخرت کا ہو حضرت ادریس علیہ السلام نے یہی فرمادیا۔ ہاروت و ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ عذاب دنیا فانی ہے اور عذاب آخرت باقی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم عذاب دنیا کو اختیار کریں۔ مشورہ کے بعد انہوں نے اپنی مرضی ظاہر کردی کہ ہم عذاب دنیا چاہتے ہیں۔ حضرت ادریسؑ نے بارگاہ عالی میں یہی عرض کردیا۔ فوراً فرشتوں کو حکم ہوا کہ لوہے کی آتشیں زنجیریں لے کے جاؤ اور ان کا بند بند جکڑ کر کوئیں میں اوندھا لٹکا دو۔ اور اس کنوئیں میں تیز آگ برابر بھڑکتی رہے اور باری باری ایک فرشتہ ہروقت موجود رہے جو آتشیں کوڑوں سے شب و روز انہیں مارتا رہے جب تک قیامت نہ ہو ان کی یہی کیفیت رہے اور ان پر یہی عذاب ہوتا رہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک فرشتہ کوڑے بازی سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر نیا فرشتہ آتا ہے اور جو فرشتہ ایک بار ہو جاتا ہے دوبارہ نہیں آتا۔ پیاس کے مارے ان کے منہ میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔ اور زبان تالو خشک ہوا جاتا ہے جب ان پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے پاس پانی لے جاتے ہیں۔ جب وہ پانی کے لئے منہ کھولتے ہیں تو پانی علیحدہ کرلیا جاتا ہے۔

ہاروت و ماروت کے قصہ کو ہمارے بعض علماء نے بالکل صحیح تسلیم کرلیا اور وہ دعویٰ کرتے ہیں اخبار و آثار میں یہ قصہ مرفوعاً بیان ہوا ہے جو تواتر کی حد تک پہنچا ہوا ہے پھر اسے نہ ماننے اور یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن امام فخر الدین رازی اور دوسرے بہت سے مفسرین نے اس کی تکذیب کی ہے۔ ہم نے وہ روایتیں جو ہاروت و ماروت وغیرہ کی نسبت آئی ہیں عمداً قلم انداز کردی ہیں کیونکہ انہیں ایک ہی جگہ جمع کرنے سے بے مزا طول ہو جاتا ورنہ بیان تو اتنا طویل ہے کہ جس کی حدود پایاں ہی نہیں اور اس قصہ کے موید اصحاب نے وہ وہ دلائل اس کی صحت میں پیش کئے ہیں گویا یہ قصہ یقینی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں اور پھر کچھ ایسے ربط کے ساتھ بحث کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس قصہ کو ایک اہم اور ضروری خیال کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ زہرہ کی روح زہرہ سیارہ کی روح کے ساتھ بالکل مل چکی ہے اور پھر اس کی تصدیق میں چند روایتیں بھی بہم پہنچائی ہیں جن میں سے صرف ایک ہدیہ ناظرین ہے تاکہ نمونہ قائم رہے۔

زبیر ابن بکار ابن مردویہ دیلمی حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مسخ شدہ صورتیں کتنی ہیں تو آپؐ نے فرمایا تیرہ ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ہاتھی۔ ریچھ۔ سور۔ بندر۔ مار ماہی۔ سوسمار۔ طوطا۔ بچھو۔ عموص۔ مکڑی۔ خرگوش۔ سہیل۔ زہرہ۔ میں نے عرض کیا' یارسول اللہ! ان کے مسخ ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا! ہاتھی پہلے آدمی تھا مگر

Marfat.com

اسے خلاف وضع فطری انعال کا بہت شوق تھا اور اس کی تمام عمر لواطت اور اسی قسم کے انعال شنیعہ میں گزری اخیر وہ ہاتھی بنا دیا گیا۔ ریچھ مخنث تھا جو مثل عورتوں کے اپنے کو آراستہ کیا کرتا تھا۔ سور نصاریٰ کی ایک جماعت تھی جس نے مائدہ کی نازل شدہ نعمت سے کفران کیا تھا۔ بندر یہودی تھے کہ شنبہ کے دن انہوں نے مچھلی کا شکار کیا۔ مار ماہی دیوث شخص تھا کہ اپنی بیوی اور غیر مردوں میں دلالی کرتا تھا۔ سوسمار ایک بادیہ نشین دہقان تھا کہ حاجیوں کے قافلہ کو لوٹا کرتا تھا۔ طوطا وہ شخص تھا جو درخت سے میوے چرایا کرتا تھا۔ بچھو ایک زبان دراز شخص تھا اور جس کی زبان درازی سے کسی کو پناہ نہ تھی۔ عموص چغل خور شخص تھا کہ اپنی چغل خوری کی وجہ سے اپنے دوستوں میں لڑائی کرا دیتا تھا۔ مکڑی ایک عورت تھی جس نے اپنے خاوند پر جادو کر کے اسے قتل کرا دیا تھا۔ خرگوش بھی ایک عورت تھی کہ ایام کے بعد غسل طہارت نہ کرتی تھی۔ سہیل یمن میں ایک چوکیدار تھا جو لوگوں سے جبراً چیزیں چھین لیا کرتا تھا۔ زہرہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھی جس نے اپنے حسن و جمال سے ہاروت و ماروت کو اپنا مفتون بنا لیا تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر

بہت سی روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا اور اس کا گونہ اثر بھی آپؐ پر ہوا تھا مگر یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آپؐ پر اس کا اثر ہوا تھا اس سلسلہ میں بہت سی روایات اس طرح کی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اور جو صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے وہ اس طرح ہے کہ یہود نے جادو کیا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو انہوں نے شور و غوغا شروع کر دیا کہ ہم نے جادو کیا ہے بس ابھی اس کا نتیجہ ظاہر ہونے ہی والا ہے۔ وحی الٰہی نے آپؐ کو اطلاع دی کہ یہود نے جو کچھ کیا ہے۔ ان پر واضح کر دو کہ ہم پر اس کا نہ تو کوئی اثر ہوا اور نہ ہی ہو گا تم جو کچھ مزید بھی چاہتے ہو کر لو۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کنوئیں کی اطلاع دی کہ لبید نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کنویں میں رکھا گیا پھر اس کو نکلوا کر لوگوں کو دکھا کر دوبارہ وہاں رکھوا دیا تاکہ وہ سمجھ لے ہم پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا۔

بہت دکھ ہوتا ہے جب مسلمانوں ہی کے منہ سے ایسی بیوقوفی کی باتیں سننے میں آتی ہیں اور خصوصاً زمرہ علماء میں سے یہ بات سن کر تو ہم کانپ جاتے ہیں اور نہایت ہی تعجب ہوتا ہے کہ کس غلط فہمی سے مسلمانوں اور خصوصاً علماء نے خود ذات اقدس و اطہر سے بھی جادو کے معاملہ میں درگزر نہیں کی اور جادو کا اثر ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کس ذات اقدس کو نشانہ بنایا۔ ہم زور دار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں اور ہمارا چیلنج ہے کہ کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو نے اثر دکھایا۔ بلکہ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ جادو نام کی کوئی چیز سوائے اس کے نہیں کہ وہ ایک طریقہ سے دوسرے انسان کی قوت وہمہ کو تسخیر کرنا ہے جس میں صرف اور صرف وہم پرستی ہے اور انسان دراصل اپنی ہی قوت وہمہ کی کمزوری کے باعث متاثر ہو جاتا ہے لیکن اگر ان ساری باتوں پر یقین بھی کر لیا جائے کہ جادو ہے اور جو کچھ ان

Marfat.com

واہی تباہی کی روایات میں بیان ہوا وہ سب صحیح ہے' نہیں بلکہ تھوڑی دیر کے لئے ہم مان لیں کہ تمام دنیا جادوگروں سے بھری ہوئی ہے اور ان میں سے ایک ایک جادوگر ایسا ہے جو آسانی سے آسمان میں چھید کر سکتا ہے اور پھر سب مل کر قوت لگائیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کریں ممکن ہی نہیں تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا خفیف سا اثر بھی ہوتا۔ خاکم بدہن اگر ہم یہ تسلیم کرلیں ذرا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر ہوا۔ افسوس اس شخص پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسا یقین رکھے جو ذات پاک عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی ہو' جس کی پیدائش ہی سے روح القدس ہم قرین رہے۔ جس کا ایک ایک لفظ بہت بڑا زبردست قانون کا حکم رکھتا ہو اس پر ناپاک روحوں کی قوت کچھ بھی نہیں چل سکتی۔ اس کی نگاہوں میں وہ تاثیر تھی کہ وہ ایک نظر سے صد ہزار جادوؤں کو توڑ سکتا تھا۔ نگاہ کیا اس کا مقدس نام ہزاروں سحروں کے قلعوں کو تسخیر کے لئے کافی تھا اور ہے اب بھی اس مقدس نام میں بہت بڑی قوت باقی ہے اور اب بھی اس میں زندہ روح نبوت موجود ہے۔ ہم اسے قیامت تک تسلیم نہیں کر سکتے کہ ناپاک روحوں کی قوت اس پر غلبہ پا سکے۔ جس کی نسبت یہ یقین کرنا ہمارا ایمان ہے ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جو کچھ ہمارے علماء نے جادو کی نسبت لکھا ہے اس میں سے ہزارواں حصہ بھی صحیح نہیں لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس کو صحیح مان بھی لیں تو اس سے کیا استنباط ہوتا ہے اور جادو کیا شے ہوئی؟ جس نے صرف گزشتہ عبارت کو بغور پڑھا ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ جادو کے معنی غیر اللہ کی پرستش کرنے کے ہیں اور غیر اللہ سے مدد چاہنے بلکہ انہیں بھی قادر مطلق سمجھنے کے ہیں جو سراسر کفر اور شرک ہے نہیں بلکہ فساد فی الارض بھی ہے جس کی سزا اسلام میں قتل ہے۔ فقہائے اسلام نے ایسے مسلمان کو جو جادو کرتا ہے اور جادوگر معروف ہے وہ مرد ہو یا عورت' اس کی سزا قتل ہی مقرر کی ہے جادو کے زور سے قتل کر ڈالنے کے یہی معنی ہیں کہ اسے اللہ واحد کی پرستش سے باز رکھ کر سورج' چاند' درخت' پہاڑ' پتھر' لکڑی اور پتھر کی پرستش سے لگا دیا گیا گویا اسے جان سے مار ڈالا۔ جو شخص جادو کو تسلیم کرتا ہے گویا اس نے کفر و شرک کو درست تسلیم کر لیا۔ پھر وہ مسلمان کیسے رہ گیا؟

قرآن کریم ہی ہمارا فیصلہ کرنے والا ہے اس سے ہم اپنے دعویٰ کی تصدیق لا سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں سحر کا ذکر آیا ہے وہاں اس کی حقارت اور تضحیک کی گئی ہے اور سحر کی گفتگو ہمیشہ کافروں کی زبان سے بیان کی گئی ہے جہاں فرمایا ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ قرآن تو نرا جادو ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ محمد تو جادوگر ہے۔ ذرا غور کرو کہ اس کے کیا معنی ہوئے یعنی کفار کی یہ ساری باتیں ناقابل تسلیم اور محض لغو ہیں۔ کہیں یہ نہیں فرمایا کہ جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے۔ جیسا کہ ہمارے عقائد کی کتابوں میں لکھا گیا ہے ایک جگہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے ﴿وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝﴾ "اے

Marfat.com

پیغمبر اسلام! اگر تم ان سے کہو کہ مرنے کے بعد تم دوبارہ زندہ اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ منکر ہیں اسے سن کر ضرور کہیں گے کہ یہ صریح جادوگروں کی سی باتیں ہیں۔" (ہود ۱۱ : ۷)

یہاں اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کا بیان فرمایا ہے اور اس جگہ جادوگر کے معنی فریبی اور مکار کے پائے جاتے ہیں۔ منکرین قیامت نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو کہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے محض دھوکا خیال کیا ہے اور انہیں اس کا یقین نہیں آیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بھی یہی بیان کیا کہ جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں حق کو ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں ہے۔

آج بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کوئی شہر اور قریہ ایسا نہیں ملتا ہے جہاں ایسے افسوں گر اور شعبدہ باز موجود نہ ہوں لیکن اس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے کہ ان افسوں گروں اور شعبدہ بازوں کو مداری اور نٹ کہنے کی بجائے پیر جی، شاہ جی، قاری جی، حافظ جی، صوفی جی کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ پھر ان میں وہ بھی ہیں جو عقیدہ کے لحاظ سے بڑے موحد۔ بڑے متقی۔ بڑے عالم۔ دیوبندی اور اہل حدیث فکر کے لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے عقیدت مندوں، مقتدیوں، مریدوں اور اٹھنے بیٹھنے والوں کو یہی باور کراتے ہیں کہ جادو حق ہے۔ جادو کیا جاتا ہے۔ جادو کرنا، جادو کا اثر اتارنا۔ جادو سے امراض کا دور کرنا۔ گم شدہ چیزیں معلوم کرنا۔ کاروبار چلانا اور دشمنوں کا کاروبار بند کرانا۔ میاں بیوی میں جدائی کرانا۔ میاں بیوی میں محبت و پیار پیدا کرنا۔ کسی کو اقتدار میں لانا یا نکالنا، یہ سب صحیح ہے اور ہم یہ سب کام کر سکتے ہیں۔ ان لوگوں نے اتنی فرضی کہانیاں اور جھوٹی داستانیں بنا رکھی ہیں کہ وہ ان کو بیان کرتے کرتے نہیں تھکتے۔ ایسی ایسی چالیں چلتے ہیں کہ بڑے بڑے سمجھدار لوگ ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ یہ سب شیاطین ہیں۔ ان میں سے ہر ایک خواہ وہ کسی فکر کا بھی ہو پکا کافر ہے۔ دھوکا باز ہے۔ فریبی اور مکار ہے۔

اللہ گواہ ہے کہ اسلام ان خیالات باطلہ اور اوہام ناقصہ سے بالکل پاک ہے اس کے تمام اصول قوانین قدرت کے مطابق ہیں اور اس سے اسے باقی کل ادیان پر شرف حاصل ہے۔ اس نے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کا بھی اللہ ہی پر بھروسہ کرنا تعلیم کیا ہے۔ علمائے کرام معصوم نہیں تھے کہ ان کی ہر رائے قابل تسلیم ہو اور اس میں خطا کا احتمال نہ ہو۔ وہ خود ہی قرآن کریم میں یہ فرماتا ہے کہ کوئی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر جسے اللہ چاہے اور پھر اس کے مقابل میں جادو کو ایک ایسا قوی تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کی طاقت معاذ اللہ، اللہ سے بھی بڑھا دی ہے۔ یہ خیالات باطلہ مصریوں، کلدانیوں، یونانیوں اور ایرانیوں کے تھے۔ جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو انہوں نے اپنے قدیم خیالات کی تائید میں قرآن کریم کی آیتوں سے کھینچ تان کر مطلب نکال لیا۔ ہم پر فرض نہیں ہے کہ ہم ان وہمی روایتوں اور علمائے کرام کے اقوال کو کتاب و سنت کی طرح بلاچون و چرا مان لیں۔ ہمیں اللہ نے فہم سلیم عطا کی ہے جس سے ہمیں سمجھنا چاہئے کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا؟ اندھی تقلید اندھوں ہی کا کام ہے بینا آدمی کبھی اندھی تقلید نہیں کر سکتا۔ یہ علماء علماء کہاں ہیں؟ بے وقوفوں اور سفیہوں کا ٹولہ ہے۔ حالی اپنے وقت میں

Marfat.com

يَعْلَمُونَ ۞ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ

کاش وہ اس حقیقت کی خبر رکھتے۔ ۱۰۲

اگر یہ[198] لوگ احکام الٰہی پر ایمان لاتے اور نیک عمل کی راہ اختیار کرتے تو ان کے

انہی کا ماتم کرتا گیا۔ ؎

بہت لوگ بن کر ہوا خواہ امت سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت
سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیل دولت
یہ ٹھہرے ہیں اسلام کے راہنما اب
لقب ان کا ہے وارث انبیاء اب

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر کہ تھے انؐ کے اسلاف مقبول داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

اے ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام! تو ان بیہودہ خیالات سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ تیری بزرگی' تیرا جلال' تیرا نور ان اوہام کی تاریکی کو کبھی کا صاف کر چکا ہے۔ جو تیرے مقدس اصول کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں' ان کی عقل کا قصور ہے۔ ان کی غلطی سے تجھ میں ذرا بھی نقصان نہیں آسکتا۔ تیرا واجب الاحترام اور مقدس بانی عالمین کی رحمت ہے۔ اس نے نئے سرے سے اس ان دیکھے اللہ مطلق کی پرستش سکھائی۔ جس کی قدرت کے ہاتھ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور جس کی عقل کاملہ ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ اے سر دفتر پیغمبران! تیرا جلال ابد تک قائم ہو۔ تو نے دنیا کو ہلاکت سے نجات دی۔ تجھ میں ان اوہام اور وساوس باطلہ کا نام و نشان کیوں ہو۔ تو ہر ایک الزام سے پاک ہے۔ تیری عظمت مسلم ہے۔ یہ تیری صداقت اور من اللہ ہونے کی شہادت ہے کہ آج تیرا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے اور تجھ میں وہی زندہ روح ہنوز باقی ہے جو ابتدائے ظہور سے تجھ میں ودیعت کی گئی تھی۔ تیری روان خس و خاشاک کو بہا کر لے جا رہی ہے جو تیرے رستہ میں حائل ہونا چاہتے ہیں۔ تو اللہ کا برگزیدہ ہے اور تیری برگزیدگی مسلم ہے۔ جب کہ تیرا بانی انبیائے سابقین کا سچا محسن ہے اسی طرح تو بھی ادیان سابقہ کا مصلح ہے جو تیری عظمت کو نظر انداز کرتے ہیں کرنے دے۔ دیکھ وہ کب تک تجھ سے چشم پوشی کرتے ہیں؟ ہم پر اپنا پورا نور چمکا اور ہمیں اپنے جلال میں لے لے۔ آمین ثم آمین۔

Marfat.com

اللّٰہِ خَیۡرٌ ؕ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ۞ ۱۰۳ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا

لئے اللہ کے ہاں بہت ہی بہتر اجر تھا۔ کاش وہ سمجھ بوجھ سے کام لیتے۔ ۱۰۳

اے مسلمانو! پیغمبر اسلام کو متوجہ کرنے کے لئے "راعنا" ۱۹۹ کا لفظ استعمال نہ کرو

انسانیت سے عاری لوگوں کی حالت پر بھی اظہار افسوس کی ہدایت

۱۹۸ رحمت الٰہی کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کا نظارہ دیکھو کہ انسانیت سے عاری لوگوں کی حالت پر بھی اظہار افسوس کیا جا رہا ہے۔ فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو ہدایت کرتا ہے لیکن وہ اس کی دی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور اپنے کیے کے نتیجے میں جب اس کو کوئی دکھ یا تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ ہدایت کرنے والا آدمی اس کے حال سے خوش ہوتا ہے اور بڑے فخریہ انداز میں کہتا ہے کہ دیکھو میں نے کہا تھا کہ یہ کام مت کرو لیکن وہ باز نہیں آیا۔ اب چکھے نا اپنے کیے کا مزا۔ میں تو کہوں گا اس کے ساتھ ابھی یہ اور یہ بھی ہونا چاہئے تاکہ اس کو سمجھ آجائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے فرمان پر غور کرو جب ہدایات الٰہی کے خلاف کرنے والا اپنے منطقی نتیجہ کو پہنچ جاتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ کاش! یہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ کاش! یہ لوگ ایمان لاتے اور اس طرح برباد نہ ہوتے۔ کاش! یہ لوگ نیک عملی کی راہ اختیار کرتے تو اس نتیجہ سے دوچار نہ ہوتے۔ گنہ گار بلکہ سرکش' نافرمان اور غدار بندوں کے حق میں بھی اس قدر تاسف اس مالک حقیقی کا حصہ ہے۔ کیا حد ہے اس کی شفقت اور کرم بے حساب کی۔ سبحان اللہ۔

مشتبہ الفاظ کے استعمال کی ممانعت

۱۹۹ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و تذکیر میں مصروف ہوتے اور مسلمانوں کو آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو فطرت انسانی کے مطابق وہ عرض کرتے کہ اس بات کی ذرا مزید وضاحت فرما دیجئے اور ایسے مواقع پر "راعنا" کا لفظ استعمال کرتے۔ یہ مراعات سے ہے یعنی ہماری رعایت کیجئے۔ اور اس بات کو دوبارہ فرما دیجئے۔ مگر یہودیوں کے نزدیک یہ لفظ سبّ و شتم کے موقعہ پر بولا جاتا تھا اور اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ "اسمع لا سمعت" سن اللہ تجھے سننے کا موقع ہی نہ دے۔ بعض کے نزدیک ان کے خیال میں یہ لفظ "رعونۃ" سے مشتق ہے جس کے معنی احمق اور بے وقوف کے ہیں۔ جن مجالس میں یہود بھی ہوتے وہ اس لفظ کو شرارتاً ادا کرتے گویا ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک کا مشغلہ ہاتھ آجاتا اور اپنی مجلسوں میں کہتے کہ ہم تو رسول کے ساتھ استہزاء خفیہ خفیہ کیا کرتے تھے لیکن مسلمانوں نے تو علی الاعلان کہنا شروع کر دیا ہے اور اس طرح ایک موضوع ان کے ہاتھ آجاتا جس سے خوب استہزاء اور مذاق اڑاتے۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے ان کی اس شرارت کے متعلق اس طرح بیان دیا ہے کہ وَرَاعِنَا لَیًّا بِاَلۡسِنَتِہِمۡ وَ طَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ (النساء ۴ :

Marfat.com

۴۸) کہ راعنا کے الفاظ کہتے وقت وہ اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر یعنی عین کو ذرا کھینچ کر اور لمبا کر کے پڑھتے اور یہ کام ازراہ طعن کرتے تھے جس کا ایک مطلب یہ بھی پیدا ہو تا کہ "اے ہمارے چرواہے" "گڈریئے" اس لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو ہدایت فرما دی کہ ایسا لفظ جو ذو معنی استعمال کیا جا سکتا ہے بلکہ کچھ لوگ استعمال کر رہے ہیں تو تم اس لفظ کو بالکل ترک کر دو اور یہود کو بتا دو کہ انہوں نے یہ لفظ استعمال کیا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ انہوں نے ازراہ تضحیک یہ لفظ استعمال کیا ہے جس کا نتیجہ ان کو بھگتنا ہو گا۔ گویا یہود کے الفاظ و محاورات سے بھی اب نفرت کرنے کا حکم مل چکا ہے اور یہ ایسا وقت آچکا ہے کہ ان سے قولاً' عملاً اور اعتقاداً اجتناب کیا جائے۔ پھر یہ کہ اگر تمہاری سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اور تم اسی مفہوم کو ادا کرنا چاہو تو تم "انظرنا" کے الفاظ استعمال کر لیا کرو اور مزید ہدایت فرما دی کہ جب پیغمبر بات کریں تو خوب دل لگا کر بات کو سنو اور سمجھنے کی پوری کوشش کرو اور اس کے باوجود دوبارہ بات دہرانا چاہو تو "انظرنا" کہو تاکہ یہود کی دریدہ دہنی اور گستاخی کے الفاظ تمہاری زبان سے نہ نکلیں۔ جس سے مسلمانوں کے لئے ہدایت نکل آئی کہ مشتبہ اور ذو معنی بات مت کیا کرو بلکہ صاف ستھری اور حکمت کی بات زبان سے نکالو اس طرح کی ہدایات قرآن کریم نے وقتاً فوقتاً" مسلمانوں کو دیں اور ہر مقام پر ان کی رہنمائی فرمائی چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ۝ "اے ایمان والو! دیکھو ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے زبان سے کہا تھا کہ "ہم نے سنا" اور واقعہ یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے۔" جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ سنی ہوئی بات کو ان سنی کر دیتے تھے۔ یعنی سننے کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے۔

ایک جگہ ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (المائدہ ۵ : ۴۱)

"اے پیغمبر اسلام! اس گروہ میں سے جس نے زبان سے کہا کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل مومن نہیں ہوئے اور اس گروہ میں سے جو یہودی ہے جو لوگ کفر میں تیز گام ہوئے تو ان کی حالت تم کو غمگین نہ کرے یہ لوگ جھوٹ کے لئے کان لگانے والے ہیں اور اس لئے کان لگانے والے ہیں کہ ایک دوسرے گروہ تک جو تمہارے پاس نہیں آیا خبریں پہنچائیں یہ کلموں کو باوجودیکہ ان کا صحیح محل ثابت ہو چکا ہے صحیح محل سے پھیر دیتے ہیں۔"

"یہ لوگ جھوٹ کے لئے کان لگاتے ہیں۔" اس کے دو مطلب ہیں' ایک یہ کہ یہ لوگ چونکہ خواہشات کے بندے ہیں اس لئے سچائی سے ان کو کوئی دلچسپی نہیں جھوٹ ہی انہیں پسند آتا ہے اور اس کو یہ جی لگا کر سنتے ہیں کیونکہ ان کے نفس کی پیاس اس سے بجھتی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور

Marfat.com

رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا

بلکہ "انظرنا" کا لفظ بولو یعنی ہماری طرف التفات کرو اور پھر جو کچھ پیغمبر اسلام کہیں اسے جی لگا کر سنو اور اس کی اطاعت کرو یاد رکھو ان منکرین حق کو ان کے عمل کے نتیجہ میں دردناک عذاب ملنے والا ہے۔ ۱۰۴

اہل کتاب[۲] میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے اور مشرک دونوں

مسلمانوں کی مجلسوں میں یہ جھوٹ کی غرض سے آکر بیٹھتے ہیں تاکہ یہاں جو کچھ دیکھیں اور جو باتیں سنیں ان کو الٹے معنی پہنا کر یا ان کے ساتھ اپنی طرف سے غلط باتوں کی آمیزش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے لوگوں میں پھیلائیں۔

"بات کو صحیح محل سے پھیرتے ہیں" اس کے بھی دو ہی مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ جاسوس بن کر آتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مجلسوں میں اس لئے گشت لگاتے پھرتے ہیں کہ کوئی راز کی بات کان میں پڑے تو اسے آپ کے دشمنوں تک پہنچائیں۔ دوسرے یہ کہ جھوٹے الزامات عائد کرنے اور افتراء پردازیاں کرنے کے لئے مواد فراہم کرتے پھرتے ہیں تاکہ ان لوگوں میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلائیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے براہ راست تعلقات پیدا کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔

ایک جگہ ان کی حرکتوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿﴾ (المجادلہ ۵۸ : ۸) "اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ان الفاظ سے سلام کرتے ہیں جن الفاظ سے اللہ نے آپ پر سلام نہیں بھیجا اور اپنی مجلسوں میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ داخل ہوں گے سو وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔"

مطلب یہ کہ یہود و نصاریٰ اپنے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول نہ ہونے کی دلیل سمجھتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ رسول ہوتے تو جس وقت ہم انہیں اس طریقہ سے سلام کرتے اسی وقت ہم پر عذاب آجاتا۔ اب چونکہ کوئی عذاب نہیں آتا حالانکہ ہم شب و روز یہ حرکت کرتے رہتے ہیں لہٰذا یہ رسول

Marfat.com

نہیں ہیں۔

اسلام دشمنی میں یہود و نصاریٰ اور مشرک سب ہم خیال ہیں

۲۰۰ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے مکالمہ و مخاطبت کے لئے چن لے اور اس طرح وہ ترقی کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جائیں بلکہ ان کی انتہائی خواہش یہ تھی کہ جس طرح بھی ہو مسلمان کہلانے والوں کو دنیوی ترقی سے روک دیں۔ انہیں سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے اور دائمی طور پر یہ لوگ ہمارے غلام رہیں۔ حالانکہ شریعت کے نازل کرنے میں کبھی اس امر کا خیال نہیں کیا جاتا کہ ایک قوم جو حد درجہ کی نالائق ہو اور کتاب الٰہی سے دوری اختیار کر چکی ہو۔ فسق و فجور میں ڈوبی ہوئی ہو۔ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کو ترک کر چکی ہو پھر بھی اس کو اپنی رحمت کے لئے مخصوص کرے؟ اس کے فضل عظیم کی ایک ہی قوم اجارہ دار نہیں بن سکتی بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے اپنے قانون کے مطابق اپنے کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

اس آیت میں مشرکین کا نام لیا گیا ہے اس لئے کہ یہ بھی اپنے آپ کو ملت ابراہیم کا متبع سمجھتے تھے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ختنہ۔ اللہ کے نام پر جانوروں کو ذبح کرنا۔ اشہر حرام میں لڑائی نہ کرنا تمام کام بطور رسم ان میں موجود تھے جس طرح آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی بطور رسم ہی رہ گئے ہیں ان کو قرآن کریم کا نزول اس لئے ناگوار تھا کہ اب عرب کی سیادت اور حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں یعنی ان کمزور لوگوں میں آجائے گی جن کو وہ رذیل و ارذل سمجھتے تھے اور وہ تمام دنیا کی حکومت حاصل کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی حکومت چھن جائے ضرور وہ دوسروں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرے گی۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا کی کوئی قوم ان کی دوست نہیں بن سکتی بلکہ ان کے مقابلہ میں تمام کفار و مشرکین اور اہل کتاب ایک ہو جایا کریں گے۔ اس لئے کفر دراصل ملت واحدہ ہو گیا۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو بار بار یہ بتایا ہے کہ تم سب کو ایک جسم و جان کی طرح مل کر رہنا چاہئے۔ اتحاد و تنظیم کو ایمان کا حصہ سمجھنا چاہئے۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب معبودان باطل کی عبادت ترک کر کے صرف ایک اللہ کی عبادت پر جمع ہو جائیں۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ تمام انبیاء کرام کے بعد آنے والے نبی پر اس طرح ایمان لائیں کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور جو بھی اور جہاں بھی دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا ہوگا اور اس کو جھوٹا کہنا پڑے گا۔ وہ کتنے سچ بولے کبھی سچا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے ایک ایسا جھوٹ بول دیا جو اس کے سارے سچوں کو کھا گیا۔ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ ہم قبلہ ہوں اور بیت اللہ کے سوا ان کا کوئی قبلہ نہ ہو، وہی ان کا مرکز ہو اور اس کے سوا کوئی ان کا مرکز نہ ہو۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندہ مسلمانوں میں سے ایک کو اپنا پیشوا سمجھیں اس کو امیر المومنین، خلیفہ وقت یا جس نام سے بھی اس کو بلالیں اجازت ہے لیکن اس ایک کی موجودگی میں جب بھی کوئی دوسرا بغاوت کر کے اس عہدہ پر

Marfat.com

فائز ہونے کی کوشش کرے اس کو قتل کر دیں خواہ وہ کوئی ہو اور کسی جگہ ہو۔ مسلمانوں کے لئے لازم و ضروری ہے کہ وہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی چن لیں جو جماعت اس خلیفہ وقت' امیرالمومنین یا جس نام سے بھی اس کو بلایا جاتا ہو اس کا اسلام کے مطابق محاسبہ کرتے رہیں اگر کوئی کمزوری دیکھیں تو وہ اس کو آگاہ کریں۔ اگر اسلام کے اصولوں میں سے وہ کسی اصول کی خلاف ورزی کرے تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں۔ اگر وہ اس کوشش میں ناکام ہوں تو اس کو معزول کر کے نئے آدمی کا انتخاب کریں اور ہر حال میں وہ صرف اور صرف ایک ہی جماعت سے وابستہ رہیں مختلف جماعتیں نہ بنائیں۔ جو شخص بھی کوئی دوسری جماعت بنائے وہ اسلام کے قانون کے مطابق مشرک ہے اور صرف مشرک ہی نہیں ہے فساد فی الارض کی اس نے گویا بنیاد رکھی ہے لہٰذا اس کو فوراً قید کر لیا جائے۔ اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ اس کو سرعام قتل کر دیا جائے۔

کاش کہ کوئی مسلمان ایسا پیدا ہو جو مسلمانوں کو مسلمان بنا دے۔ کاش کہ پیشوایان زمانہ سب مل کر کسی ایک کو اپنا پیشوا بنا لیں اور باقی سب اس کے ماتحت ہو جائیں۔ اسی چیز کا نام اجماع اسلام ہے جو تلاش کرنے سے بھی کہیں دستیاب نہیں۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے ساتھ ہی یہ دنیا سے ناپید ہو گیا۔ اور اب جو کچھ ہے وہ صرف نام ہی نام ہے مرے ہوؤں کا نام لینے سے وہ زندہ نہیں ہو جائے گا۔ یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ نے اسلام کا گلا گھونٹ دیا اور قوم مسلم میں کفر کی روح پھونک دی۔ اسلام کا دیا گل کر دیا اور کفر کا دیا جلا کر ان پر روشنی کر دی اور ہماری آنکھوں پر ایسا جادو کیا کہ کوئی آنکھ دیکھ ہی نہ سکی کہ یہ روشنی اسلام کے دیا کی ہے یا کفر کے دیا کی۔

قرآن کریم ہمیں کہتا رہا اور اب بھی کہہ رہا ہے سب کے سب کفار' مشرکین اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تمہارے مقابلہ میں ایک ہیں کیوں؟ اس لیے کہ وہ تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کے دوست ہیں ان سب کی خواہش اور سب کی چاہت ایک ہے ان سب کا نظریہ ایک ہے وہ ہر ممکن چاہتے ہیں کہ تم نہ ہو کیونکہ یہی ان کی دوستی کی بنیاد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (الانفال ۸ : ۷۳)

اور دیکھو جن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ راہ کفر میں ایک دوسرے کے مددگار و دوست ہیں اگر تم ایسا نہیں کرو گے یعنی تم بھی سب مل کر ایک نہیں ہو جاؤ گے جس کا تمہیں بار بار حکم دیا جا رہا ہے تو یاد رکھو کہ ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گے اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

اللہ کے لئے غور کرو اور دیکھو سب کفار اسلام کے مقابلہ میں مل کر ایک ہوئے کہ نہیں؟ مسلمانوں کو ایک ہونے کی ہدایت دی گئی تھی کیا وہ ایک رہے؟ بالکل نہیں۔ اچھا! اس وقت فتنہ بپا ہوا ہے یا نہیں؟ ہوا ہے۔ کیا پوری دنیا شر اور فساد کے لپیٹ میں نہیں؟ پوری دنیا شر و فساد کی لپیٹ میں ہے۔ پھر غور کرو کہ اس سارے بگاڑ کا سبب کون ہے؟ آؤ قرآن کریم کو دیکھو:

Marfat.com

"یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم انکے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا یعنی قرآن کریم۔ تم نے انکی خواہشات کی پیروی کی۔ تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہوگا۔" (البقرہ ۲ : ۱۲۰)

کیا ہم نے یہود و نصاریٰ کو کہا کہ ہمیں تمہاری جمہوریت کی ضرورت نہیں ہمارے پاس اسلام کی دی ہوئی راہ موجود ہے؟ کیا ہم نے قرآن کریم کی ہدایت کو وراء ظہور پھینک کر ان کی خواہشات کو نہیں اپنایا؟ کیا اس وقت ہم اللہ کے قانون کی پکڑ میں پکڑے ہوئے نہیں ہیں؟...... غور کرو گے تم دیکھو گے کہ تینوں ہی سوالوں کا جواب ایک ہے۔ قرآن کریم پڑھو۔

"وہ تم سے ہمیشہ لڑے ہی جائیں گے جب تک انکے دم میں دم ہے اور یہ لڑائی انکی اس وقت تک جاری رہیگی جب تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں جس کو اسلام کہتے ہیں اور تم بھی اچھی طرح کان کھول کر سن لو جو شخص بھی تم میں سے پھرے گا اور حالت کفر ہی میں مرے گا۔ ہمارے ہاں اسکے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور ایسے سب لوگوں کو انجام کار ہم اپنے قانون کے مطابق جہنم رسید کر دیں گے۔" (البقرہ ۲ : ۲۱۷)

"مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں! اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ تم ان کے شر سے بچنے کے لئے اپنا بچاؤ کرنا چاہو تو کر لو' لیکن اس وقت بھی یہ بات نہ بھولو کہ اللہ بھی تمہیں اپنے قانون کے مطابق مواخذہ سے ڈراتا ہے اور ایسا نہ ہو کہ ان سے بچنے کے لئے اللہ کے قانون کی زد میں آجاؤ۔ اس لئے کہ انجام کار تم کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے۔" (آل عمران ۳ : ۲۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کو دوست مت بناؤ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے' جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں۔" (الممتحنہ ۶۰ : ۱۳)

"اے ایمان والو! ایسا نہ کرو کہ اپنے لوگوں کے سوا کسی دوسرے کو اپنا ہم راز اور معتمد بناؤ۔ ان لوگوں کا یعنی یہود و نصاریٰ کا حال یہ ہے کہ وہ تمہارے خلاف فتنہ انگیزی میں کمی کرنے والے نہیں جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انہیں اچھی لگتی ہے۔ ان کی دشمنی تو ان کی باتوں ہی سے ظاہر ہے لیکن جو کچھ دلوں میں چھپا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو ہم نے فہم و بصیرت کی نشانیاں تم پر واضح کر دی ہیں۔ دیکھو! تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی رکھتے ہو لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دوست نہیں رکھتے۔ تم اللہ کی کتاب پر ایمان رکھنے والے ہو جتنی کتابیں بھی نازل ہوئی ہیں انکی عزت کرتے ہو لیکن انکی حالت بالکل مختلف ہے کہ وہ جب کبھی تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لانے والے ہیں لیکن جب الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوش غضب میں اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔" (آل عمران ۳ : ۱۱۹)

Marfat.com

الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَ
اللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ

فریق نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر و برکت یعنی وحی الٰہی نازل ہو
لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے چن لیتا ہے اور وہ بہت بڑا فضل رکھنے والا ہے۔

۱۰۵

ہم احکام میں سے جو بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا

ہائے اللہ! مسلمانوں نے ان آیات کریمات بلکہ آیات بینات کی بے حرمتی کی۔ ان کا احترام ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ علمائے وقت نے ان کی تاویلات شروع کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہوا تمام بلاد و امصار اسلامی یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لئے۔ پھر انہوں نے بڑی چالاکیوں' فریب کاریوں اور مکاریوں سے مسلمانوں کو اپنا بنایا اور پھر انہیں کے بلاد و امصار کو اپنے سمجھ کر انہیں مشروط طور پر واپس کرنا شروع کر دیا۔ اب بظاہر صورت یہ ہوگئی کہ مسلمانوں کے ممالک مسلمانوں کو واپس کر دیئے گئے۔ حاشا اللہ بالکل نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی حالت یہ ہوگئی کہ ع

تاکس نہ گوید من دیگرم تو دیگری

اے ارض مقدس! تیرے رب کی قسم یہ صحیح ہے کہ ہم اپنے گناہوں کی پاداش میں پکڑے گئے لیکن تیرا درد آج بھی ہمارے سینوں میں موجود ہے وہ وقت دور نہیں جب ان سب چیرہ دستیوں کے باوجود تیرے جانثار تیرے پر قربان ہو کر زمانے کو دکھا دیں گے کہ ع

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ناسخ و منسوخ کیا ہے؟ کیا قرآن کریم کی آیات منسوخ ہیں؟

۲۰۱ "ہم احکام میں سے جو بدل دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں۔" اس آیت کو ناسخ و منسوخ کے مسئلہ میں بنیاد قرار دیا گیا ہے اور پھر قرآن کریم ہی کی آیات کو ناسخ اور منسوخ بتایا گیا اور اس بحث کو اتنا طول دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی سات سو آیات کریمات کو منسوخ

Marfat.com

قرار دیا گیا ہے۔ پھر اپنے اپنے مذاق کے مطابق کسی نے اس کی تعداد کو کم کرنا شروع کر دیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ پانچ سو آیات منسوخ ہیں اور کسی نے یہ نتیجہ نکالا کہ صرف پانچ آیات منسوخ ہیں۔

سب سے پہلے غور طلب امر سیاق و سباق آیت ہے یہ تو ظاہر ہے اور جس طرح پیچھے سے آپ پڑھتے آ رہے ہیں کہ یہود کو یہ اعتراض تھا کہ یہ وحی بنی اسرائیل میں نازل ہونا چاہئے تھی یہ بنی اسمٰعیل میں کیسے نازل ہوگئی۔ لہٰذا چونکہ وحی بنی اسمٰعیل میں نازل ہوئی تھی اس لئے انہوں نے حق ناحق دیکھے بغیر اس کا انکار کر دیا اور نہ صرف انکار ہی کیا بلکہ وہ جس پر وحی نازل ہوئی اس کے اور وحی لانے والے کے خلاف ہوگئے اور ہر طرح کی شرارتیں اور منصوبے کرنے لگے۔ چونکہ درمیان میں ان شرارتوں' منصوبوں کا ذکر آگیا اس لئے بات لمبی ہوگئی اور اس طرح ان کی ایک شرارت کا ذکر اور پھر اس کا جواب دینے کے بعد اصل مضمون کی طرف متوجہ کرنے کے لئے یہاں ایک اشارہ کر دیا اور فرمایا کہ اصل اعتراض ان کو یہ ہے کہ تم پر یہ خیر و رحمت کیوں نازل ہوئی کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے کسی نبی پر نازل ہوتی تو حضرت موسیٰؑ کی شریعت منسوخ نہ ہوتی۔ اگرچہ یہ بھی ان کا اپنا گمان تھا جس طرح دنیا داروں کی سوچ ہوتی ہے بالکل اسی طرح یہ ان کی عامیانہ سوچ تھی تاہم انہوں نے اپنے دل میں یہ بطور یقین بات جما لی کہ اب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے سے جو بنی اسمٰعیل میں سے ہے یہ بھی ضرور ہوا کہ موسیٰؑ کی شریعت منسوخ ہو اور پھر جب ان کی اپنی خواہشات و اہواء کے خلاف حکم آیا تو انہوں نے اس کو اس بات پر محمول کیا' اس میں اصل جواب تو ان کے اس اعتراض کا دیا گیا ہے کہ شریعت موسوی کے جو احکام منسوخ ہوگئے ہیں اس کی دلیل تو تمہارے ذمہ ہے کہ کیا یہ احکام موسوی شریعت کے تھے یا تمہارے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے جو تم نے شریعت موسوی کے ذمہ لگا دیئے اس کے لئے یہ بیان دیا گیا ہے کہ ہم نے احکام میں سے جو بدل دیئے ہیں ان سے بہتر وہاں یعنی شریعت محمدی میں بتائے گئے ہیں یا کم از کم اس جیسے تو ہوں گے ذرا غور کر کے ان کو دیکھو تو سہی گویا ان کی توجہ اصل مضمون کی طرف پھرائی گئی ہے جس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ تھا کہ وہ احکام جو شریعت موسوی کے طور پر ان میں معروف تھے اور ان میں ردوبدل ناگزیر تھا کیونکہ انہوں نے بہت کچھ اس میں تحریف کر لی ہوئی تھی۔ اور بہت کچھ انہوں نے حق و باطل کو ملا دیا ہوا تھا چونکہ ان کی ان کارستانیوں کا ذکر پیچھے کیا جا چکا تھا اب ان کو کہا جا رہا ہے کہ جو بدلا گیا ہے اس کو بھی دیکھو اور جس کے ساتھ بدلا ہے اس پر بھی غور کرو پھر بتاؤ کہ اس میں بہتر کون ہے۔ بجائے غور و فکر کرنے کے اپنے اندھے پن کا ثبوت کیوں دے رہے ہو؟

لیکن افسوس کہ مفسرین نے آیت کے لفظ سے قرآن کریم کی آیات مراد لے کر ایک طرح کا الٹا مفہوم بیان کر دیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ انہی یہود کی کارستانی ہو جس کو سادگی سے ہمارے مفسرین سمجھ ہی نہ سکے ہوں حالانکہ آیت کے لفظ سے یہ ضروری نہیں تھا کہ قرآن کریم کی آیت مراد لی جاتی بلکہ اکثر استعمال اس کا سابقہ شرائع پر ہوا جیسے ارشاد فرمایا کہ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ یعنی جب بھی تمہارے پاس

Marfat.com

رسول آئے اور انہوں نے میری آیات کو تم سے بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے علاوہ پہلی کتابوں کے احکام پر بھی آیات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ پس سیاق و سباق مضمون بتاتا تھا کہ یہاں جن احکام کے نسخ کا ذکر ہے۔ وہ احکام شریعت سابقہ کے ہیں نہ کہ قرآن کریم کے۔ اور شریعت سابقہ میں سے بھی وہ احکام جو انہوں نے خود وضع کر کے شریعت موسوی میں شامل کر لئے ہیں۔ اور اس کی بیسیوں مثالیں قرآن کریم کے صفحات میں موجود ہیں اور اس وقت یہود و نصاریٰ کی پیروی میں اہل اسلام کے علماء سوء نے بھی بہت کچھ شریعت محمدی میں تبدیلی کر لی ہے اگرچہ قرآن کریم کے معجزہ کے مطابق وہ قرآن کریم کے اندر تو کوئی کمی بیشی نہیں کر سکے اور نہ ہی کوئی کر سکتا تھا اور نہ ہی کر سکتا ہے البتہ مفہوم میں اب بھی بہت کچھ کیا گیا ہے بلکہ شریعت اسلامی کا پورا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا گیا ہے۔ بیسیوں چیزیں جو مسلمان بطور رواج کر رہے ہیں اگرچہ علماء سوء ان کی سند کا جواز بھی پیش کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہتے ہیں تاہم رواج سمجھ کر کرنے والے یہ بات ثابت نہیں کر سکتے یہ شریعت میں کیسے داخل ہو گئی۔

لیکن افسوس کہ اکثر مفسرین نے اسے نسخ آیات قرآنی پر لگایا ہے اب یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا نسخ آیات قرآنی سے مراد کونسی آیات کا نسخ ہے۔ اگر تو اس سے مراد کسی ایسی آیت کا نسخ ہے جو قرآن کریم میں موجود نہیں تو اس سے کچھ بحث کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ قرآن کریم کے باہر کے احکام پر اسلام میں آیت کا لفظ استعمال ہی نہیں۔ لیکن اس سے مراد کوئی ایسی آیات ہیں جیسا کہ عام مفسرین کا خیال ہے جو قرآن کریم کے اندر موجود ہیں تو اس قسم کے نسخ پر سب سے پہلا سوال یہ ہو گا کہ ان آیات پر جو نبی کریم ﷺ کے حکم سے قرآن کریم میں لکھی گئی ہیں کس نے منسوخ کیا ہے۔ اگر کسی آیت کے متعلق جو پہلے کسی سورت میں نبی کریم ﷺ نے لکھوائی ہے اور بعد میں خود ہی نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں آیت جو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھائی گئی تھی وہ اب منسوخ سمجھی جائے تو بحث ختم ہو جاتی ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ وہ آیت منسوخ مانیں لیکن خود نبی کریم ﷺ نے جب کبھی کسی آیت کو منسوخ نہ فرمایا ہو تو پھر ہم یہ کیسے مان سکتے ہیں کہ دنیا میں کسی شخص کو یہ اختیار ہے خواہ وہ صحابی ہو' تابعی ہو' امام ہو یا مفسر ہو کر وہ قرآن کریم کی کسی آیت کو جو نبی کریم ﷺ نے خود قرآن کریم کے اندر لکھوائی ہو منسوخ قرار دے۔ ہمارے نزدیک نبی ﷺ کے بعد کسی شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی آیت کو منسوخ قرار دے۔

اب جب ہم تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نسخ آیات کی ان ساری روایات میں جو کتب احادیث یا کتب تفاسیر میں موجود ہیں ایک بھی روایت ایسی نہیں جو نبی ﷺ تک پہنچتی ہو یا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ نبی کریم ﷺ نے فلاں آیت کو فلاں آیت سے منسوخ فرمایا تھا۔ اور کسی دوسرے شخص کا قول نسخ آیات کے متعلق سند نہیں بنایا جا سکتا اور خود نبی کریم ﷺ کا کوئی ارشاد نہیں کہ فلاں آیت منسوخ ہے تو ایک مرحلہ اس سوال کا اس جگہ طے ہو جاتا ہے کہ ہمارے پاس واقعی کوئی سند ایسی نہیں جس کی بناء پر قرآن کریم کی ان آیات

Marfat.com

میں سے کسی آیت کو جو قرآن کریم میں موجود ہیں منسوخ قرار دیا۔
دور نہ جائیں بلکہ حق تسلیم کرنے کے لئے ہوتا ہے تسلیم کریں کہ نسخ پر کسی صحیح سند کے نہ ہونے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ بعض لوگوں نے سات سو آیات کو منسوخ قرار دیا تو بعض نے عندالتحقیق صرف پانچ آیتوں کو منسوخ کہا۔ اب ساری امت کی اجماعی شہادت اس بات پر موجود ہے کہ جو کچھ قرآن کریم میں موجود ہے یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کے لکھوایا اور بتایا ہوا ہے اور پورے قرآن کریم کو "ہدی للناس" فرمایا ہے۔ حالانکہ اگر اس کے بعض حصے جو بعض کے نزدیک سات سو آیات تک پہنچ جاتے ہیں ناقابل عمل ہوتے تو اس کو کھول کر یہ بتانا چاہئے تھا۔ پھر ایک طرف پورے قرآن کریم کو قابل عمل ماننے کی شہادت' امت کی اجماعی شہادت' کتاب اللہ کی شہادت اور نبی کریم ﷺ کی اپنی شہادت ہے۔ دوسری طرف اس کے کسی حصہ کو ناقابل عمل ماننے کے لئے ان ساری شہادتوں میں ایک بھی میسر نہیں' پھر ہم کو کس کی بات ماننی چاہئے آیا ان کی جو سات سو آیات منسوخ قرار دیتے ہیں یا ان کی جو پانچ آیتوں کو منسوخ کہتے ہیں۔ یہ اختلاف اور اس قدر اختلاف خود بتا رہا ہے کہ دراصل کسی شخص کے ہاتھ میں کوئی شہادت اس امر پر موجود نہیں کہ کوئی آیت قرآن کریم کی واقعی منسوخ ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ کم از کم پانچ آیتوں پر تو اتفاق ہے تو ہم کہیں گے کہ جس تحقیق کی رو سے ۶۹۵ منسوخ سمجھی گئی آیات قابل عمل قرار دی گئی ہیں کیا وہ تحقیق ایک قدم اور آگے اٹھانے میں کیوں مجبور ہے؟ اور اس کو کیا مانع ہے؟ کیوں ممکن نہیں کہ وہ پانچ بھی درحقیقت منسوخ نہ ہوں؟ آخر ممکن نہ ہونے کا کیا مطلب؟ ہم زور دے کر کہہ سکتے ہیں کہ ایک آیت بھی جو قرآن کریم کے اندر نبی کریم ﷺ نے لکھائی ہو منسوخ نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود نبی کریم ﷺ اس کو منسوخ قرار دینے والے نہ ہوں۔ اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک آیت کو بھی ناقابل عمل یا منسوخ قرار نہیں دیا۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝

اب دیکھنا یہ ہے کہ آخر یہ ناسخ و منسوخ کا جھگڑا کیوں پیش آیا؟ محض اس لئے کہ بعض لوگوں نے بعض آیات کو دوسری آیات کے خلاف سمجھا۔ پس یہاں یہ سمجھ نہ آیا کہ فلاں دو آیات میں کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے جھٹ ایک آیت کو منسوخ قرار دے دیا مثلاً یوں کہہ دیا کہ عفو و درگزر کا حکم جہاں جہاں نبی کریم ﷺ کو دیا گیا تھا وہ قتال کے حکم کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ حالانکہ یہ کس قدر غلط بحث ہے۔ عفو و درگزر کے احکام پر تو قتال کے اندر بھی نبی کریم ﷺ عمل کرتے رہے اور مسلمانوں کو عمل کرنے کی ہدایات دیتے رہے۔ کیا فتح مکہ میں جو عفو و درگزر سے کام لیا گیا اس کی نظیر دنیا میں اور کہیں مل سکتی ہے؟ پھر یہ کس قدر جرات ہے کہ کہہ دیا جائے کہ عفو اور درگزر کے احکام منسوخ ہو گئے تھے۔ تو کیا نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ قرآن کے خلاف کرتے تھے۔ قتال کا حکم اپنی جگہ ان ضروریات کے لحاظ سے تھا جو پیش آئیں اور عفو کا حکم اپنی جگہ' اس کو نسخ کس قاعدہ سے کہا جا سکتا ہے؟

Marfat.com

قرآن کریم نے فرمایا کہ نماز ادا کرنے سے پہلے وضو کر لیا کرو' پھر فرمایا کہ پانی نہ ملے تو تیمم کر لیا کرو۔ وضو کا حکم اپنی جگہ ہے تیمم کا حکم اپنی جگہ۔ اس طرح قتال کا حکم اپنی جگہ ہے اور عفو و درگزر کا اپنی جگہ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نے سات سو آیات کو منسوخ کہہ دیا جہاں جہاں تطبیق نہ ہو سکی بجائے اس کے کہ وہ تطبیق دینے کی کوشش کرتے فوراً ایک کو منسوخ کہہ دیا۔ حالانکہ اکثر حالتوں میں یہ بھی شہادت موجود نہیں کہ آیا جسے منسوخ کہا جاتا ہے کیا وہ پہلے نازل ہوئی تھی۔ ذرا غور کرو کہ قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ "اگر قرآن کریم اللہ کے سوا کہیں اور سے آیا ہوتا تو تم اس میں بہت اختلاف پاتے" جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ چونکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے لہٰذا اس میں اختلاف ممکن ہی نہیں ہے۔ اختلاف تو تب ہوتا جب غیر اللہ کی طرف سے ہوتا۔

افسوس کہ ناسخ منسوخ کے مسئلہ میں اس ارشاد الٰہی کو بھی بھلا کر اختلاف پہلے قائم کیا گیا اور پھر اس کو نسخ آیات سے حل کیا گیا جو دراصل اختلاف کے مان لینے کے مترادف ہے کیونکہ مخالف تو یہی کہے گا کہ اختلاف تو تم خود مانتے ہو تو پھر اس کا جواب کیا ہے؟ حالانکہ قرآن کریم کی آیات میں نسخ کا دعویٰ ایسا ہے جس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت جو اسی نسخ کے مضمون پر پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ○ (النحل ۱۶ : ۱۰۱) اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم تو بس اپنے جی سے گھڑ لیا کرتے ہو حالانکہ ان میں اکثروں کو یہ معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے مکہ میں کسی حکم کے منسوخ کئے جانے کا ذکر بھی روایات میں نہیں ملتا۔ کیونکہ تفصیلی احکام تو دراصل نازل ہی مدینہ میں ہوئے۔ بس اس آیت سے نسخ کا استدلال کرنا اور پھر نسخ بھی ان آیات کا جو قرآن کریم کے اندر موجود ہیں غلط ہی نہیں بلکہ سراسر زیادتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی حکومتوں اور اداروں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف بات ہے لیکن انسانوں کے احکام میں نسخ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو حکم کو بدل دیا۔ کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آگے آنے والے واقعات و حالات کا اندازہ نہ تھا جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا یہ دونوں صورتیں احکام الٰہی میں نہیں ہو سکتیں اور اگر کوئی شخص ایسا نسخ قرآن کریم کی آیات میں تسلیم کرتا ہے تو اس کی یہ سوچ قرآن کریم کے بالکل منافی ہے اور اس آیت سے تو کسی طرح یہ استدلال ہو ہی نہیں سکتا ہے اس لئے کہ اس میں تو ملتوں اور قوموں کے عروج و زوال پر بحث کی گئی ہے اور قوموں کا مٹنا اور پیدا ہونا کون نہیں جانتا یا کون ہے جو انکار کرتا ہے؟

Marfat.com

مِنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ ۝۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

اس جیسا حکم نازل کر دیتے ہیں یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے ہر ایک چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہوا ہے۔ ۱۰۶

یاد رکھو یقیناً اللہ ہی کے لئے آسمان و زمین کی سلطانی ہے اور اس کے سوا کوئی

آیت زیر بحث میں "ننسھا" کے لفظ میں بھی ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنے انبیاء کی تعلیم میں اپنی طرف سے اضافہ کر لیے تھے اور اس کے باوجود وہ اپنے اضافہ کو بھی بھول گئے۔ ورنہ قرآن کریم کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک طرف تو وحی الٰہی نازل ہو رہی تھی اور دوسری طرف کچھ ایسی آیات بھی تھیں جو نبی کریم ﷺ نعوذ باللہ ساتھ بھولتے بھی جاتے تھے۔ اور پھر نہ صرف آپ اکیلے ہی بھول جاتے تھے بلکہ وہ حافظ قرآن صحابی جن کا کام ہی قرآن کریم کو حفظ کرنا تھا وہ بھی ساتھ ہی بھول گئے اور پھر چونکہ ہر ایک آیت لکھوا دی جاتی تھی وہ تحریریں بھی کس طرح ساتھ ہی محو ہو جاتی تھیں۔ حاشاء اللہ ہرگز نہیں۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم کی آیات کریمات کے اندر نسخ کا عقیدہ ان معنوں میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں بالکل غلط ہے۔ صحابہ کرام کے متعلق جو بعض روایات میں ایسے الفاظ آگئے ہیں ان سے اس سے زیادہ کچھ مطلب معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ایک حکم کو جس میں کسی دوسرے کی تفصیل ہو جاتی تھی ایک رنگ میں اس کا نسخ کہہ دیتے تھے جیسے مثلاً پانی مل جانے سے تیمم کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حکم درحقیقت قابل عمل نہیں رہا بلکہ اس کی منشاء یہ ہے کہ ایک حکم بعض شرائط کے تحت دیا جاتا ہے جب تک وہ شرائط اور حالات پیدا نہ ہوں اس وقت تک اس حکم پر عمل نہیں ہو سکتا اور اس طرح کے بیسیوں احکامات ہیں جیسے قصر نماز ہے' تیمم' سفر میں روزہ' بیماری کی حالت میں روزہ کا حکم' زکوٰۃ کے استعمال کرنے اور نہ کرنے کا حکم ہے۔ یعنی ایک ایسا وقت آسکتا ہے ایک آدمی کے لیے زکوٰۃ حلال تھی اور حرام ہوگئی یا حرام تھی مگر حلال ہوگئی۔ وصیت ہے۔ سفارش ہے اگر ان پر نسخ کا لفظ اطلاق کرتا ہے تو اس سے آخر وہ کون ہے جو انکار کرتا ہے؟ یا کون ہے جو انکار کرے گا؟

Marfat.com

الْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۰۷ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ

نہیں جو تمہارا کارساز اور مددگار ہو۔ ۱۰۷

کیا تم چاہتے[۲۰۳] ہو کہ اپنے رسول سے بھی ویسے ہی سوالات کرو جیسے اب سے پہلے

نبوت عطائی یا وہبی چیز تھی کسبی نہیں کیا تم کو اتنی واضح بات بھی معلوم نہیں؟

۲۰۲ یہود کو اس بات کا قلق تھا کہ نبوت بنی اسمٰعیل کو کیوں مل گئی؟ اور بنی اسرائیل کو کیوں نہ ملی؟ بتایا جا رہا ہے کہ نبوت نہ تو کسبی چیز تھی اور نہ ہی خاندانی کہ جب ایک خاندان میں نبوت آئی تو دوسرے خاندان میں نہیں آسکتی تھی کیوں؟ کیا یہ کسی کی وراثت ہے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیز ہے اور جس کو وہ اپنے قانون کے مطابق چاہتا تھا عطا کر دیا کرتا تھا۔ جب اس نے چاہا نبوت کا پروگرام شروع کر دیا اور جب اس نے چاہا' نبوت جیسی رحمت کو بند کر دیا اور اعلان کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم المرسلین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کسی آنے والے نبی کا اقرار ایمانیات میں داخل تھا اسی طرح اب نبوت کا انقطاع یعنی خاتمہ بھی ایمانیات میں داخل ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ بادشاہ حقیقی تو میں ہوں یعنی اللہ تو میں ہی اپنے قانون کے مطابق اس کا استحقاق رکھتا ہوں کہ کارسازی اور مددگاری کروں اور میرے سوا کون ہے جو کسی کی مدد کر سکتا ہے یا کوئی کارساز ہو سکتا ہے؟ کیا تم اتنی واضح بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے؟

یہود کی اس شرارت کا بیان کہ وہ مسلمانوں کو بے جا سوالات پر اکساتے تھے

۲۰۳ اس آیت میں یہود کی اس شرارت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ سے بے جا سوالات پر برانگیختہ کرتے تھے اس طرح مسلمانو کے دلوں میں خلجان پیدا کرتے رہتے تھے۔ جس طرح مسلمانوں نے یہودیوں سے قبلہ پر اعتراض سنے تو ان کے دلوں میں بھی خلجان پیدا ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ انہیں جواب دیا گیا کہ جب تم نے شارع علیہ السلام کو اللہ کا رسول تسلیم کر لیا اب اس کے احکام و اوامر میں شبہ کی گنجائش کیسے رہ گئی؟ جو شبہات تمہارے دل میں پیدا ہو گئے ہیں یا پیدا کئے گئے ہیں ان کی اصل غرض تو یہ ہے کہ تمہارے ایمان و اسلام میں خرابی آجائے اور بنیادی اصول غلط نظر آنے لگیں۔ کثرت سے سوال کرنا اور سمجھ سوچ کر سوال نہ کرنا پھر سوال سے سوال نکالتے ہی چلے جانا پھر فلسفیانہ موشگافیاں اور دور ازکار مباحث لاکھڑے کرنا تو یہود کا کام ہے اور ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ کس طرح

Marfat.com

انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سوالات سے تنگ کر دیا تھا پھر ان سوال و جواب کا کوئی نتیجہ بھی نکلا؟ الا یہ کہ ان کا اپنا حلقہ ہی تنگ ہو تا گیا۔ یاد رکھو کہ ایسے سوالات کرنا مسلمانوں کی شان سے بعید ہے۔

ویسے بھی جن لوگوں میں کام کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور وہ نوع انسانی کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انہیں فرضی سوالات کا بہت ہی کم موقع ملتا ہے کیونکہ انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی ہی سے فرصت نہیں ہوتی کہ ایسے فرضی سوالوں کی طرف ان کا دماغ متوجہ ہو۔ البتہ بیکار لوگ برابر سوال کرتے رہتے ہیں اور یہ دیکھا گیا ہے کہ زیادہ باتیں کرنے والے اور فرضی سوالات اٹھانے والے ہمیشہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اعمال میں کوتاہ ہوتے ہیں ان کے اعمال کی قلت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی قلت عمل کی عادت اور بد عملی کو کثرت کلام میں چھپانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور وہ دراصل اس مصرع کے مصداق ہوتے ہیں کہ ع

جب تک سوکھے پتے ہیں آوارہ' میں آوارہ ہوں

چنانچہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ان فرضی سوالوں سے بچنے اور فضول و بیکار سوال کرنے سے منع فرمایا ارشاد الٰہی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ○ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ○ (المائدہ ۵:۱۰۲)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو' جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں لیکن اگر تم اس وقت پوچھو گے جب کہ قرآن کریم نازل ہو رہا ہے تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی اب تک جو کچھ تم نے کیا وہ سب اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور وہ درگزر کرنے والا اور بہت ہی بردبار ہے تم سے پہلے ایک گروہ یعنی یہود نے ایسے سوالات کئے تھے پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔"

سوال انہوں نے کئے تھے جو بالکل لایعنی اور بغیر کسی مقصد کے تھے لیکن تاہم جواب ان کو دیا گیا چونکہ جواب ان کی مزاج کے خلاف تھا وہ بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ بگڑتے ہی چلے گئے اور آج بھی اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ خود لوگوں کو ان فرضی سوالوں اور بال کی کھال اتارنے والوں کو سمجھاتے رہے۔ آپؐ نے فرمایا: "مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ہو گئی۔" مثلاً ایک آدمی پوچھتا ہے یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ ہر آدمی جانتا ہے کہ باپ ہمیشہ وہی ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کی ماں کا نکاح ہوا تھا اور نکاح کے بعد عرف عام کی مدت کے بعد جو بچہ پیدا ہوا تو وہی اس بچہ کا باپ ہے یہ اسلام کا عرف ہے اور حقیقت حال کو اللہ کے سپرد کرنا پڑتا ہے لیکن علم الٰہی تو ہر چیز کو محیط ہے اگر پوچھنے والے کو کوئی ایسا جواب دیا جائے جو حقیقت پر مبنی اور عرف عام کے خلاف ہو تو بتاؤ اس سوال کے پوچھنے والے کی رسوائی کا

Marfat.com

مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝۱۰۸ وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ
لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

موسیٰؑ سے کئے جا چکے ہیں یعنی کیا تم وہی کچھ کرنا چاہتے ہو جو بنی اسرائیل کر چکے ہیں؟ یاد رکھو[۲۰۴] جو کوئی بھی ایمان کی نعمت پا کر اسے کفر سے بدل دے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا اور فلاح و کامیابی کی منزل اس پر گم ہو گئی۔! ۱۰۸

یہ بات بھی یاد رکھو کہ اہل کتاب میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو چاہتے ہیں تمہیں ایمان[۲۰۵] کے بعد پھر کفر میں لوٹا دیں اگرچہ ان پر سچائی ظاہر ہو چکی ہے

ذمہ دار کون ہوا؟ ع

نہ چھیڑتے تم ہم کو نہ تمہاری یہ رسوائیاں ہوتیں

بے جا سوالات بھی کفر تک پہنچنے کا سبب ہو سکتے ہیں

۲۰۴ اسلام کی ہدایت عام یہ ہے کہ اصول اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جہاں تک ہو سکے عمل کا دائرہ وسیع کیا جائے اور بات سے بات نکالنے کی عادت کو ترک کر دیا جائے کیونکہ اسلام ایمان کے بعد عمل صالح کا تقاضا کرتا ہے اور دور از کار باتوں سے منع کرتا ہے اسلام کہتا ہے کہ "کن یدا ولا تکن لسانا" کہ زبان کی بجائے دست عمل بننے کی کوشش کر۔ جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے سیاق کلام سے واضح ہے کہ یہاں بھی اصل ذکر تو یہود ہی کا ہے اور وہی زیادہ سے زیادہ سوال اٹھانے کے عادی ہیں اور وہ اب بھی اپنی عادت سے باز نہیں آتے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کے ایک نبی کے صحیفہ کا اقتباس یہاں تحریر کر دیا جائے۔

"سنو اے آسمانو! اور کان لگا اے زمین! کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا پھر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے۔ آہ' خطار کار گروہ۔ ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ انہوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے خدا ہی کو حقیر جانا' اس سے بالکل پھر گئے۔"

Marfat.com

(یسیعاہ ا : ۴ تا ۷)

اس چھیڑ چھاڑ سے یہود کی اصل غرض کیا ہے؟

۲۰۵ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور تعلقات قائم رکھنے کی غرض و غایت ان کی یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریقہ سے مسلمانوں کو دین حق سے منحرف کر دیں ان کو بغض و عداوت مسلمانوں سے کیوں ہے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ بنی اسمٰعیل پر وحی کیوں نازل ہوئی۔ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اب زمانہ کی ضروریات اس بات کی مقتضی ہیں کہ قرآن کریم کا نزول ہو۔ کیونکہ تورات و زبور اور انجیل میں سے کسی ایک کو بھی انہوں نے اس کی اصل حالت پر نہیں رہنے دیا۔ اس لئے اب ان میں سے کوئی کتاب بھی انسانوں کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔

جب ایک علامہ آدمی قانون کا اتباع چھوڑ دیتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی راہ حق سے منحرف ہو جائیں ورنہ اس پر اعتراض ہوں گے۔ یہی حال یہود کا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو تو "ورآء ظہور" کر دیا اور اب مسلمانوں میں بھی یہی بے عملی کا مرض پیدا کرنے کی فکر میں ہیں اس لئے اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا اصلی مقصد تو اسلام سے الگ کرنا ہے تو ان کے غصہ و انتقام کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کی عزیز ترین متاع حیات پر حملہ ہو رہا ہے۔ اب انہیں سمجھا دیا گیا کہ ابھی بدلہ لینے کا وقت نہیں آیا۔ اس وقت درگزر سے کام لینا مناسب ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ جہاد فی سبیل اللہ کے احکام نافذ کرے چنانچہ جب مسلمان اس کے لئے تیار ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (الحج ۲۲ : ۳۹، ۴۰)

"جن مومنوں کے خلاف ظالموں نے جنگ شروع کر رکھی ہے اب انہیں بھی اس کے جواب میں جنگ کی رخصت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور دیکھو اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔ یاد رکھو جو شخص بھی اللہ کی سچائی کی حمایت کرے گا ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے کچھ شک نہیں کہ وہ یقیناً قوت رکھنے والا اور سب ہی پر غالب ہے۔"

اب وہ وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کو گویا معاندین و مخالفین کے ساتھ جنگ آزما ہونے کے لئے تیار کیا جا

Marfat.com

اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا

لیکن پھر بھی اس حسد کی وجہ سے جس کی جلن ان کے اندر ہے پسند نہیں کرتے کہ تم راہ حق میں ثابت قدم رہو پس چاہئے کہ عفو و درگزر[۲۰۶] سے کام لیتے ہوئے ان کے عزائم

رہا ہے اور اس کی پہلی بنیاد یہ رکھی ہے کہ یہود اور دوسرے مخالفین کی چالاکیوں کو واضح کر کے ان کا دو ٹوک جواب دینا شروع کیا ہے تاکہ مسلمانوں کی وہ جھجک دور ہو جائے جو ایک مدت سے ان کی زیادتیوں کو برداشت کر کر کے ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے۔ اسی طرح یہود کی ایک چالاکی کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ :

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ (آل عمران ۳ : ۷۲)

”اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبی کے ماننے والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کر دو' شاید اس ترکیب سے یہ لوگ اپنے ایمان سے پھر جائیں۔“

گویا یہ ان چالوں میں سے ایک چال تھی جو اطراف مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کے لیڈر اور مذہبی پیشوا اسلام کی دعوت کو کمزور کرنے کے لئے چلتے رہتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو بددل کرنے اور نبی کریم ﷺ سے عامہ خلائق کو بدگمان کرنے کے لئے خفیہ طور پر آدمیوں کو تیار کر کے بھیجنا شروع کیا تاکہ پہلے علانیہ اسلام قبول کریں پھر مرتد ہو جائیں اور ارتداد کے بعد جگہ جگہ لوگوں میں یہ مشہور کرتے پھریں کہ ہم نے اسلام میں اور مسلمانوں میں اور ان کے پیغمبر میں یہ اور یہ خرابیاں دیکھی ہیں تب ہی تو ہم ان سے الگ ہو گئے ہیں۔

اسلام' اہل اسلام کو بھڑکا کر نہیں بلکہ سمجھا کر کام پر لگاتا ہے

۲۰۶ جب اہل کتاب اور دوسرے مخالفین اسلام نے اسلام کے خلاف ہر طرح کی چالیں شروع کر دیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان کی ہر چال کو ننگا کرنا شروع کر دیا اور کھول کھول کر بتانا شروع کیا کہ یہ لوگ اسلام کی مخالفت میں اس طرح کے انداز اس اور اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی ان چالوں کو دیکھ کر مسلمانوں کا دل کھولتا تھا اور یہ فطری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت جاری ہوتی ہے کہ عفو و درگزر سے کام لو۔ بھڑک کر نہیں سمجھ سوچ کر کام کرنے کی عادت کو اپناؤ۔ تمہارے قدم اکھاڑنے کے لئے وہ جو بداعتدالیاں کرتے ہیں تم ان کی ساری بداعتدالیوں کو خاک میں ملا دو' وہ کس طرح؟ اس طرح کہ تم پتھر کی چٹان پر کھڑے ہو' ریت کے ٹیلے پر نہیں۔ وہ ایسی بداعتدالیاں کر کے کے تھک جائیں لیکن تم اعتدال کی راہ سے ایک انچ بھی نہ سرکو۔ تمہاری پرواز اتنی اونچی ہو کہ ان کی نظریں خیرہ ہو جائیں۔

Marfat.com

حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱۰۹
وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ

کو مٹی میں دبا دو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو جائے کیونکہ اللہ نے ہر ایک چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔ ۱۰۹

اور نماز قائم کرو‘ زکوٰۃ ادا کرو‘ یاد رکھو جو کچھ بھی تم اپنے[۲۰۷] لئے نیکی کی پونجی پہلے

دیکھو تم کو پختہ کرنے کے لئے دو باتوں کا حکم دیا جاتا ہے ایک ”عفو“ ہے اور دوسرا ”صفح“ ان دونوں ہتھیاروں کو دل کھول کر استعمال کرو۔ ان کے استعمال سے تمہاری قوت بڑھے گی اور اچھی طرح سمجھ لو کہ ”عفو“ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حرکات کو اس وقت اپنے دل سے اس طرح فراموش کر دو کہ باوجود زور دینے کے پھر بھی یاد نہ آئیں اور ”صفح“ کا منشا یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف توجہ تک نہ دو کیونکہ جب ان باتوں کی یاد تمہارے دل میں تازہ ہوگی تو فوراً بھڑک اٹھو گے اس لئے عفو سے کام لو اور آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جاؤ اور وہ وقت وہ ہے جب تم کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت ہوگی لیکن یاد رکھو کہ جہاد سے قبل جہاد کی اہمیت سمجھو۔ افسوس کہ ان آیات کو منسوخ قرار دیا گیا جن میں عفو و درگزر کا ذکر آیا اور کہا گیا کہ جہاد کی فرضیت نے ان آیات کو منسوخ کر دیا۔ وائے حسرتا! یہ کیسی بات کہہ دی ان آیات کا منشا کیا تھا اور ان کو کیا بنا دیا گیا؟

یہ فرصت کا وقت ہے اس کو غنیمت جانو اور لڑائی یعنی جہاد کے لئے جن ابتدائی امور اور اخلاق و جذبات کی ضرورت ہوتی ہے ان کی مشق ان ایام میں کر لو‘ نماز‘ زکوٰۃ‘ روزہ‘ حج ابتدائی تعلیم کے قائم مقام ہیں جب تک ان میں کمال نہ پیدا ہوگا۔ جہاد میں کامیابی کی کوئی صورت نہیں۔

ارکان اسلام کے اندر ہی غلبہ اسلام ہے ارکان کو سمجھ کر ادا کرنے کی عادت بنا لو

۲۰۷ نماز قائم کرنا‘ زکوٰۃ ادا کرنا اور صالح اعمال بجا لانا ہی ایسے اعمال ہیں جن کا نتیجہ غلبہ اسلام ہے پس اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر نماز و زکوٰۃ کی مشق کرو اور یقین جانو کہ یہ محنت کبھی ضائع جانے والی نہیں بشرطیکہ تم نماز قائم کرو‘ ٹکریں نہ مارو‘ تم زکوٰۃ ادا کرو‘ تاوان نہ سمجھو۔ نیک اعمال کرو اس لئے نہیں کہ تم سے نیکی کی گئی ہے بلکہ اس لئے کہ تمہارے اندر صرف نیکی ہی نیکی ہے۔ اور تمہارے اندر کی برائی اپنی جگہ خالی کر گئی ہے جس میں تم نے نیکی بھر لی ہے اور برائی کو باہر پھینک دیا ہے اور اب برائی کے لئے تمہارے اندر کوئی جگہ ہی خالی نہیں ابھی وقت ہے جس قدر مشقت برداشت کرو گے میدان جنگ میں اتنا ہی فائدہ ہوگا تم میں

Marfat.com

جوش و ولولہ عزم ثبات قدم اور استقلال و استقامت کے جذبات حقہ پیدا ہوں گے اور ایثار و قربانی کی بنا پر کفار و مخالفین کے مقابلہ میں کامیاب ہو جاؤ گے کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ میں یہی اخلاق کام آتے ہیں۔ تعداد اور سامان حرب کی کثرت کچھ بھی اس کے مقابلہ میں مفید نہیں ہوتی۔ دیکھو قرآن کریم کو کھولو اور پڑھو:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝ (البقرہ ۲ : ۲۴۹)

"بارہا ایسا ہوا کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اللہ تمہارا ایک ایک کام نہایت ہی گہری نظر سے دیکھ رہا ہے اس کی مصلحت چاہتی ہے کہ ابھی جہاد کا حکم نافذ کرنے میں تاخیر ہو۔

قرآن کریم نے صدہا مقامات پر نماز کو مسلمانوں کا اولین فرض قرار دیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝ (البقرہ ۲ : ۴۳) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔" ایک جگہ فرمایا:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝ (البقرہ ۲ : ۲۳۸) "اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو اور خصوصاً اپنی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو۔" ایک جگہ حکم ہوا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝ (النساء ۴ : ۱۰۳) "نماز ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔" ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ (الروم ۳۰ : ۳۱) "نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔" ایک جگہ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ ۲ : ۱۵۳) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! صبر اور نماز سے مدد لو۔" ایک جگہ فرمایا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۝ (المزمل ۷۳ : ۸) "اپنے رب کا ذکر کرو اور سب کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف اسی کے ہو جاؤ۔" ایک جگہ فرمایا گیا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (طہٰ ۲۰ : ۱۴) "اور میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کر۔" ایک جگہ فرمایا:

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝ (المومنون ۲۳ : ۲) جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں۔" ایک جگہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۝ (المومنون ۲۳ : ۹) وہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔" ایک جگہ فرمایا:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ (النور ۲۴ : ۳۷)

Marfat.com

"ایسے لوگ جنہیں کوئی دھندا نماز کے اہتمام سے غافل نہیں کرتا اور نہ سوداگری کا کاروبار۔" ایک جگہ فرمایا:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○ (الذاریات ۵۱ : ۱۷' ۱۸) "وہ لوگ رات کو کم ہی سویا کرتے تھے اور بوقت سحر استغفار کیا کرتے تھے۔"

یہ چند آیات بطور اشارہ درج کی ہیں ان کی تشریح ان کے مقام پر آئے گی۔ علاوہ ازیں کثرت سے آیات مل سکتی ہیں جن میں نماز کی تاکید کی گئی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس تاکید کو اس طرح بیان فرمایا آپؐ کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن مسعود قال سالت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای الاعمال احب الی اللّٰہ تعالٰی قال الصلٰوۃ لوقتھا "ابن مسعود کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اعمال انسانی میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے آپؐ نے فرمایا نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔"

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ "بین العبد و بین الکفر ترک الصلٰوۃ" بندہ اور کفر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا ترک کر دینا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہوا: مروا اولادکم بالصلٰوۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع---- سات سال عمر کی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دو' دس سال کے ہونے کے باوجود نماز ادا نہ کریں تو ان کو سزا دو اور اپنے پاس مت سونے دو۔

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایرون شیئا من الاعمال ترکہ کفرغیر الصلٰوۃ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ صرف ترک صلٰوۃ ہی کو کفر سے تعبیر کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو حسب ذیل حکم بھجوایا: ان اھم امورکم عندی الصلٰوۃ من حفظھا وحافظ علیھا حفظ دینہ ومن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع۔ "تمہارے جس قدر اعمال و امور ملکی ہیں ان میں میرے نزدیک اہم اور اعظم ترین نماز ہے جس نے اس کی نگرانی کی اس نے اپنے دین کو بچا لیا اور جس نے اس معمولی مشقت کو برداشت نہ کیا اس سے اب کیا توقع ہو سکتی ہے اور کسی بڑے ملکی کام میں اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔"

اسی طرح زکوٰۃ کے لئے بھی قرآن کریم میں مختلف آیات نازل کی گئیں۔ مومنین کی شان میں یہ بیان اسی طرح فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ○ (المومنون ۲۳ : ۴) جو لوگ زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں۔" ایک جگہ انبیاء کو حکم ہوا:

وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا

Marfat.com

لَنَا عٰبِدِیۡنَ ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۷۳) گروہ انبیاءؑ کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا ہم نے انہیں انسانوں کی پیشوائی دی تھی۔ ہمارے حکم کے مطابق وہ راہ دکھاتے تھے ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہر طرح کی بھلائی کے کام سرانجام دیں نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور وہ سب ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے۔"

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کرام کے مقابلہ میں صغر سنی ۲۶ ' ۲۸ سال کی عمر ہی میں نبوت سے نوازا اور ان سے اعلان کرا دیا کہ : وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ۝ (مریم ۱۹ : ۳۲) "اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ ہوں یہی میرا شعار ہو۔"

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی تعلیم کے اصول اساسی میں نماز کا یہ مقام تھا فرمایا : وَکَانَ یَاۡمُرُ اَہۡلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ (مریم ۱۹ : ۵۵) "وہ اپنے سب لوگوں کو گھر والے ہوں یا جاننے والے سب کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا۔"

قرآن کریم میں جہاں کہیں زکوٰۃ کا لفظ آتا ہے وہاں ہر جگہ اس سے اصطلاحی زکوٰۃ مراد نہیں بلکہ زیادہ جگہوں پر اس کا مفہوم وسیع ہے یعنی اللہ کے نام پر خرچ کرنا اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا خصوصاً مکی آیات کریمات میں تو اصطلاحی زکوٰۃ مراد لی ہی نہیں جاسکتی۔ کیونکہ اصطلاحی زکوٰۃ کا قانون مدینہ طیبہ میں آکر مرتب ہوا تھا اور حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بناتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی۔

ان اللہ قد فرض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاء ھم فترد علی فقرائھم---- اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے کہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔

اور تاریخ کا یہ اہم فیصلہ سنہری الفاظ میں لکھے جانے کے قابل تھا جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے متعلق فرمایا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں سے باقاعدہ جنگ کی اور فرمایا :

واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یودونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلھم علیٰ منعھا۔ "اللہ کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا اس لئے کہ یہ مال کا حق ہے' واللہ اگر یہ بکری کا ایک بچہ بھی مجھے نہ دیں گے جب کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے۔ تو ان کے نہ دینے پر ان سے ضرور لڑوں گا۔"

نماز اور زکوٰۃ دونوں کو مسلمانوں پر فرض کیا گیا اور یہ وہ وقت تھا جب کہ جہاد کے لئے ابھی ایک آیت بھی نازل نہ ہوئی تھی یہ ترتیب نزولی خود اس امر کی شاہد ہے کہ شریعت کی نظر میں نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج بالکل شروع یعنی ابتدائی دور سے فرض ہیں اور جوں جوں اسلام ترقی کرتا گیا ان کی اہمیت بڑھتی گئی اور ان کی اصطلاحی صورت اگرچہ بعد میں متعین ہوئی جو اس کی ایک اعلیٰ ترین تعلیم اور انتہائی اسلامی ڈگری تسلیم کی گئی اور جس کا نزول ایک مدت کے بعد ہوا پھر اسی طرح ان اعمال میں پختگی آجانے کے بعد اور ان کی اصطلاحی

Marfat.com

صورت مکمل ہو جانے کے بعد اسلام کے سب سے بہتر عمل جہاد کی طرف رغبت دلائی جانے لگی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ :

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ○ (الصف ۶۱ : ۴)

اللہ ان ہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس استقلال سے صف بستہ لڑتے ہیں گویا وہ ایک دیوار ہیں جس کے اندر سیسہ پگھلا کر بھر دیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ جو اعمال اسلامی جن کا ذکر اوپر گزر چکا خوب پابند تھے اور اس حکم کے متلاشی تھے کہ اب انہیں وہ کام بتایا جائے جو احب الاعمال الی اللہ ہو یعنی سب اعمال میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو چنانچہ سورۃ الصف میں ترغیب دلائی گئی تھی اور سورۃ توبہ میں صاف صاف کہہ دیا کہ :

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ (التوبہ ۹ : ۱۹) "کیا تم لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔"

اندازہ کیجئے کہ قریش مکہ کو بیت اللہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا غرور تھا ان کو بتایا جا رہا ہے کہ یاد رکھو جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے تو اس طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سعادت کا ذریعہ سمجھنے لگتی ہے۔ بدقسمتی سے آج کل بھی مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ کسی بزرگ کی سجادہ نشینی، کسی مزار کی مجاوری، کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا جو اثر و رسوخ رکھتا ہے وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن و متقی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک صالح و متقی انسان کو کوئی نہیں پوچھے گا لیکن ایک فاسق و فاجر، مجاور یا متولی درگاہ کی ہزاروں آدم قدم بوسی کریں گے۔

یہاں اس گمراہی کا ازالہ کیا ہے فرمایا جا رہا ہے کہ اصل نیکی یہ نہیں ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی جائے یا بیت اللہ میں روشنی کر دی اصل نیکی تو اس کی نیکی ہے جو ایمان لایا اور جس نے اعمال حسنہ انجام دیئے اور اللہ کی راہ میں جان جیسی متاع عزیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

سورۃ توبہ کی ان آیات نے واضح کر دیا کہ اللہ کے نزدیک بزرگی و فضیلت کا معیار کیا ہے؟ فرمایا سب سے بڑا درجہ انہی کا ہے جنہوں نے سچائی کی راہ میں ہر طرح کی قربانیاں کیں اور ایمان و عمل کی آزمائش میں پورے اترے۔ تمہارے گھڑے ہوئے تقدس و بزرگی کے مناصب اور رواجی بڑائیاں اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آج کل مسلمانوں کی مذہبی ذہنیت کس درجہ اسلام سے دور ہو گئی ہے جاہلیت عرب کی طرح وہ بھی رواجی نیکیوں کو حقیقی اسلامی نیکیوں پر ترجیح دینے لگے ہیں۔ اگر ایک فاسق و فاجر امیر محرم میں سبیل لگا دیتا ہے یا ربیع الاول میں دھوم دھام سے مولود کی مجلس کرا دیتا ہے یا کسی مسجد اور درگاہ

Marfat.com

میں بجلی کی روشنی کرا دیتا ہے تو تمام مسلمان اس کی تعریف کا غلغلہ مچا دیتے ہیں اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان و عمل اور ایثار فی سبیل اللہ کا کیا حال ہے یاد رکھنا چاہئے کہ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک نیکی کا معیار صرف ایمان و عمل اور ایمان و عمل کی راہ میں ایثار یعنی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

نماز جو اب تک جہاد اکبر سمجھی جاتی تھی قرآن کریم کی نظر میں جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں اپنے ابتدائی مقام کی طرف لوٹا دی گئی اور اس میں قصر کرنے کی صورت اختیار کرنے کا حکم نازل ہو گیا۔ قصر تین صورتوں میں ممکن تھی اور تینوں ہی میں اس کو قصر کر دیا گیا یعنی قصر جماعت' قصر رکعات اور قصر اوقات۔

پہلی صورت یعنی قصر جماعت کو اس سورۃ یعنی نساء نے صاف کر دیا اور فرمایا گیا کہ :

"اے پیغمبر اسلام! جب تم مسلمانوں میں موجود ہو اور جنگ ہو رہی ہو اور تم ان کے لئے نماز قائم کرو تو چاہئے کہ فوج کا ایک حصہ مقتدی ہو کر تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے اور چاہئے کہ اپنے ہتھیار لئے رہے پھر جب وہ سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ جائے اور دوسرا حصہ جو نماز میں شریک نہ تھا تمہارے ساتھ شریک ہو جائے اور چاہئے کہ پوری طرح ہوشیاری رکھے اور اپنے ہتھیار بھی پہنے رکھے۔" (النساء ۴ : ۱۰۲)

دوسری صورت یعنی قصر رکعات کے متعلق یہ حکم ہوا کہ چار کی جگہ سفر میں دو ہی پڑھ لیا کرو۔

"اور جب تم سفر میں نکلو اور تمہیں اندیشہ ہو کر کافر تمہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے اگر نماز میں سے کچھ کم کر دو یعنی قصر کرو' بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں وہ جب موقعہ پائیں گے تم پر حملہ کر دیں گے۔"

یعنی سفر کی حالت میں قصر کرنے اور جنگ کی حالت میں خاص طریقہ پر نماز ادا کرنے کا حکم ہے جسے "صلوٰۃ خوف" کہتے ہیں۔ نماز کی قصر کا حکم جنگ ہی کی وجہ سے دیا گیا تھا لیکن پھر ہر طرح کے سفر کے لئے عام ہو گیا۔ سنت رسول اللہ ﷺ اور تعامل سے معلوم ہو چکا ہے کہ قصر سے مقصود چار کی جگہ دو رکعت پڑھنا ہے۔ اگر نماز چار رکعت سے کم کی ہے تو اس میں قصر نہیں۔

تیسری صورت یعنی قصر اوقات کا مسئلہ تو نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ جمع صوری ہو سکتی ہے' اور عند الضرورۃ "جمع بین الصلوتین" یعنی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو اکٹھا کر کے بھی پڑھا جا سکتا ہے یعنی "ظہرین" اور "عشائین" کے نام سے بھی جمع کیا جا سکتا ہے۔ تمام دن سفر کرتے کرتے ایک شخص دوپہر کو ضرور قیام کرے گا پس ظہر و عصر کو ملا کر پڑھ لے۔ رات کو کسی نہ کسی جگہ آرام کرے گا اس وقت مغرب و عشاء ادا کر لے بلکہ غزوۂ خندق میں آپ نے چار نمازیں ایک ہی وقت میں ادا کیں۔

جہاد کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : حرس لیلة فی سبیل الله افضل من الف لیلة یقام لیلها ویصام نهارها۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک رات کی چوکیداری ہزار شب کی ایسی عبادت سے بہتر ہے کہ تمام راتوں میں قیام ہو اور دن کو روزہ ہو' ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ رباط یوم فی سبیل الله خیر من الدنیا

Marfat.com

وما علیها اللہ کی راہ میں جہاد کی ایک روز چوکیداری کرنا دنیا اور اس کے تمام سامانوں سے بہتر ہے۔

حقیقت تو یہی تھی جو اوپر بیان کی گئی مگر بدبختانہ ہم نے جہاد فی سبیل اللہ کو بالکل فراموش کر دیا اور اس سے بھی زیادہ بدبختی یہ ہوئی کہ اب جہاد جہاد نہ رہا بلکہ بازی گروں کا تماشا بنا دیا گیا۔ ایک ہی ملک کے باشندے مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو کر الگ الگ قیادتوں میں بٹ گئے اور یہ تفریق اسلام کی نہیں بلکہ کفر کی تفریق تھی اس لئے کہ اسلام نے تفریق کو کفر قرار دیا تھا۔ پھر ہر قائد نے اپنی مرضی کے مطابق جہاد کے لشکر تیار کرنا شروع کر دیئے اور ہر قائد نے رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات اور قرآن کریم کی ان ہدایات کو اپنے گروہی جہاد کے لئے استعمال کیا۔ جس نے اپنے ملک اور ممالک غیر سے روپیہ اکٹھا کر کے خوب گل شرے اڑائے اور جہاد جیسے اہم رکن اسلامی کی خوب تضحیک کی۔ افسوس کہ پہلے ان مذہبی اجارہ داروں نے نماز' روزہ اور زکوٰۃ جیسے اہم ارکان اسلامی کی تصویروں کو بگاڑا اور اب جہاد جیسی اہم عبادت کو پیٹ کا دھندا بنا لیا۔

نماز اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کی گئی تھی کہ جنگی خدمت تمام مسلمانوں پر بیک وقت لازم ہو۔ بیک وقت ایک لشکر جرار تیار ہو جس کے اندر قربانی اور امیر کی اطاعت کا جذبہ صادقہ راسخ ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سب کا اصل امیر صرف ایک ہو اور ان کی اندرونی گروہی تقسیم بالکل نابود ہو کر رہ جائے۔ جس طرح ان سب کا اللہ ایک ہے کتاب ایک ہے ضروری ہے کہ ان کا امام بھی ایک ہو۔ اس کو امیر کہیں' امیر المومنین کے نام سے یاد کریں یا خلیفتہ اللہ کے لقب سے پکاریں۔ بہرحال وہ ایک اور صرف ایک ہو۔ تاکہ یہ سب مل کر ایک ہو جائیں اور ایک جسم و جان کی طرح ہو کر میدان جنگ میں اتریں۔ جب تک ایسا تھا جہاد تھا۔ جب سے ایسا نہ رہا جہاد نہ رہا۔ جب تک ایسا نہیں ہو گا جہاد نہیں کہلا سکتا۔

زکوٰۃ کا منشا یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت ہو کہ جب کبھی خلافت اسلامی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو ہر مسلمان اپنی تمام جائیداد خلافت کی نذر کر دے اور ایک کوڑی بھی اپنے پاس نہ رکھے۔ یاد رکھو کہ بات خلافت اسلامی کی ہو رہی ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کے اماموں اور پیشواؤں کی نہیں۔ ان پیشہ ور دکانداروں کی نہیں۔ ان فتنہ پرداز مفتیوں اور پیروں کی نہیں' ان بازی گر قاضیوں اور پیٹ کے اسیروں کی نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مال طلب کرتے ہیں۔ ابوبکرؓ کے اسوۂ حسنہ کو دیکھو جس نے اللہ کی راہ میں تمام گھربار لٹا دیا۔ رسول اللہ ﷺ دریافت کرتے ہیں کہ اے ابوبکرؓ بال بچوں کے لئے کیا رکھا؟ جواب ملتا ہے۔ "ابقیت لهم الله ورسوله" ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول بس ہے۔" کسی نے سچ کہا ہے:

آنکس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند؟ فرزند و عیال و خانماں راچہ کند؟
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخش؟ دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند؟

****

Marfat.com

مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ

سے اکٹھی کر لو گے اللہ کے پاس اسی کے نتائج و ثمرات موجود پاؤ گے تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ۱۱۰

کتنے نادان[۲۰۸] ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی آدمی داخل نہیں ہو سکتا

کیا جنت حاصل کرنے کے لئے کسی گروہ کا قلادہ پہننا ضروری ہے؟

۲۰۸ جنت کا تصور چونکہ ہر مذہبی تحریک کی جان رہا ہے اور اب بھی ہے۔ جب سے انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا اسی وقت اس کو جنت سے روشناس کرا دیا گیا۔ پھر انسان کا رخ جس طرف بھی پھرا' اس کا یہ تصور کبھی ماند نہیں پڑا۔ یہود و نصاریٰ دونوں نے دین کی اصل حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر ایک قومیت بنا لی تھی۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک اپنی ہی قوم کے جنتی اور مقبول ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے دوزخی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کی جہالت و گمراہی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں قومیں جنت میں جانے کے اصل سبب سے غافل ہیں۔ محض مذہب کے نام کی قومیت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب یہود ہو' نصاریٰ ہو یا اسلام' ان سب کی اصلی روح دو چیزیں ہیں۔

ایک یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا عقیدہ و مذہب سمجھے۔ چاہے یہ کسی مذہب میں حاصل ہو۔ حقیقت دین و ملت کو فراموش کر کے یا پس پشت ڈال کر یہودیت' یا نصرانیت کو اپنا معتقد بنا لینا دین و ملت سے ناواقفیت اور گمراہی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لئے صرف یہ بات کافی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے دل سے اللہ کی فرمانبرداری کا قصد تو درست کر لے مگر اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کے طریقے اپنے ذہن و خیال کے مطابق گھڑ لے حالانکہ یہ ضروری ہے کہ عبادت و اطاعت اور امتثال امر کے طریقے بھی وہی اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے بتائے اور متعین کئے ہوں۔

پہلی بات "بلی من اسلم" کے ذریعے اور دوسری بات "وھو محسن" کے ذریعے واضح کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نجات اخروی اور دخول جنت کے لئے صرف قصد اطاعت کافی نہیں بلکہ حسن عمل بھی ضروری ہے اور حسن عمل کا مقصد وہی تعلیم و طریقہ ہے جو قرآن کریم اور سنت خیر الانام ﷺ کے مطابق ہو۔

Marfat.com

هُودًا اَوْ نَصٰرٰی تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

جب تک کہ وہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔ اے پیغمبر اسلام! یہ ان لوگوں کی امنگیں[۲۰۹] اور آرزوئیں ہیں نہ کہ حقیقت حال۔ تم ان سے برملا کہو کہ اگر تم اپنے زعم میں سچے ہو تو

جو شخص ان بنیادی اصولوں میں سے کسی بھی اصول کو چھوڑ دے خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی یا مسلمان اور پھر محض نام کی قومیت کے زعم میں اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکہ دار سمجھ لے تو یہ صرف اس کی خود فریبی ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اللہ کے نزدیک کوئی بھی ان ناموں کا سہارا لے کر قریب نہیں ہو سکتا نہ مقبول بن سکتا ہے جب تک اس میں ایمان و عمل صالح کی روح موجود نہ ہو۔ پھر اصول ایمان تو ادلنے بدلنے والی چیز نہیں تھی نہ وہ پہلے بدلے اور نہ اب بدلے گئے۔ لہٰذا وہ اصول ہر شریعت کے زمانے میں مشترک و یکساں رہے ہیں البتہ عمل صالحہ و مقبول کی شکل و صورت کچھ ادلتی بدلتی رہی ہے۔ تورات کے زمانہ میں عمل صالحہ وہ سمجھا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تعلیم کے مطابق تھا انجیل کے دور میں عمل صلح یقیناً وہی تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی تعلیم کے مطابق تھا۔ اور اب قرآن کریم کے زمانے میں وہی عمل صالح کہے جانے کے قابل ہے جو نبی کریم ﷺ کے فرمان اور ان کی لائی ہوئی کتاب کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔ ہاں! اب قیامت تک اس کی صورت یہی رہے گی وہ کبھی نہیں ادلے بدلے گی کیونکہ رسالت و نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اور اس راہ کے سوا کسی اور راہ سے آنے والا عمل صالح نہیں ہو سکتا۔

جنت کا مدار کسی کی آرزوں پر نہیں

۲۰۹ یہود کی صدا یہ تھی کہ یہودیوں کے سوا کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا اور عیسائیت کی صدا یہ تھی کہ جنت کے داخلہ کے لئے عیسائی ہونا ضروری ہے اور پھر یہ کہ عیسائی اس کو کہا جائے گا جو کفارہ کا مذہب اختیار کرے گا۔ ان دونوں گروہوں کے اس قول کو ”امانی“ یعنی آرزو یا دعویٰ باطل قرار دیا۔ لیکن کسی زور سے نہیں صرف کہہ دینے سے بھی نہیں بلکہ ان دونوں سے ان کے دعویٰ پر دلیل طلب کی۔ دلیل وہ پیش نہ کر سکے ان کو کہا گیا۔ کہ اسلام جس سچائی کا نام ہے اس میں تو کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے قبول نہیں ہوتا۔ اسلام جو دعویٰ کرتا ہے اس پر دلیل پیش کرتا ہے اور اسی طرح کوئی بھی دوسرا جب اسلام کے مقابلہ میں اپنی سچائی بیان کرتا ہے تو وہ اس سے اس سچائی کی دلیل طلب کرتا ہے۔ تم دونوں جنت کے دعویٰ دار ہو لیکن قومیت کے سہارے سے اسلام پوچھتا ہے کہ اس کی دلیل تمہارے پاس کیا ہے؟ یعنی توریت نے کہاں یہ بتایا ہے کہ نجات یہودیت کے لئے خاص ہے۔ اور اسی طرح وہ عیسائیوں سے کہتا ہے کہ انجیل میں کہاں یہ عقیدہ تحریر ہے کہ

Marfat.com

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ثابت کرو اور بتاؤ کہ تمہارے اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟!!!

ہاں! بلاشک و شبہ جس کسی نے بھی اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہوا تو وہ اپنے رب سے اپنا اجر ضرور پائے گا۔[۲۱۰] نہ تو اس کے لئے کسی طرح کا کھٹکا

نجات کے لئے عیسائی ہونا لازم ہے۔ اور عیسائی کی نشانی یہ کہاں ہے کہ وہ کفارہ کو تسلیم کرے؟ یہ دونوں مذاہب جب اس کا کوئی جواب نہ دے سکے تو "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کے طور پر انہوں نے کہہ دیا کہ یہ بات جو تم کرتے ہو یہ تو سراسر عقل کی ہے اور مذہب میں تو عقل کو دخل ہی نہیں ہے تم جو بات کرتے ہو عقل کے سہارے کرتے ہو اور جو عقل کے سہارے پر بات کرے مذہب اس کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام اگر عقل کا سہارا لیتا ہے تو ہم اسلام کو کوئی مذہب ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے مذہب صرف دو ہی ہیں یہودیت یا عیسائیت جو عقل کے سہارے سے آزاد ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ مذہب دعویٰ کا نام نہیں بلکہ طریق عمل کا نام ہے اور جنت میں وہی داخل ہوگا جو اس طریق عمل کو اختیار کرتا ہے جو جنت تک پہنچانے والی ہے۔ اس طرح اسلام نے ایک مسلمان کو تو یہ سمجھایا کہ نرا دعویٰ اسلام بھی جنت تک نہیں پہنچاتا جب تک وہ اس طریق پر چلنے کے لئے پورا زور نہ لگائے۔ جو اسلام نے بتایا ہے اور دوسرے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ وہ طریق عمل جو اللہ تک پہنچاتا ہے وہ تم میں باقی نہیں رہا لہٰذا تمہارا مذہبی دعویٰ ہی سراسر باطل ہے لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں نے بھی وہی نظریہ قبول کر لیا جو قبل ازیں یہودیت اور عیسائیت قبول کر چکی تھی کہ مذہب عقل سے آزاد ہے۔ حاشاء للہ یہ دعویٰ اسلام نے کبھی نہیں کیا؟ اگر کیا ہے تو وہ کہاں ہے؟ علمائے اسلام کو کیا ہوا وہ کہاں سے بہک گئے کہ انہوں نے بھی وہ دعویٰ کر دیا جس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں! انہوں نے یہودیت و عیسائیت کا نام اسلام کیوں رکھ لیا؟

ایمان و عمل صالح ہی جنت کی ضمانت ہے

۲۱۰ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا۔ (النساء ۴ : ۱۲۲)

Marfat.com

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ
النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ
الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ

ہے نہ کسی طرح کی غمگینی۔ ۱۱۲

یہودی تو کہا کرتے تھے کہ عیسائیوں کا دین کچھ نہیں اور عیسائی بھی کہتے تھے کہ یہودیوں کے پاس کیا دھرا ہے؟ اب یہ دونوں اکٹھے کیسے ہو گئے؟ اللہ کی کتاب بھی دونوں

ذرا غور کرو اور دیکھو کہ شیطان کا سارا کاروبار ہی وعدوں اور امیدوں کے بل پر چلتا ہے لیکن آپ بتا سکے ہیں کہ شیطان کا وعدہ کبھی سچا بھی ہوا؟ اور اگر کسی جھوٹے نے کبھی سچ بھی بولا تو کیا جھوٹ چھپانے کے لئے نہیں بولا؟ وہ انسانوں کو انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر جب کسی غلط راستے کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو آگے اس کے ایک سبز باغ پیش کر دیتا ہے کسی کو انفرادی لطف و لذت اور کامیابیوں کی امید کسی کو قومی سربلندیوں کی توقع، کسی کو نوع انسانی کی فلاح و بہبود کا یقین، کسی کو صداقت تک پہنچ جانے کا اطمینان۔ کسی کو یہ بھروسہ کہ نہ خدا ہے نہ آخرت، بس مر کر مٹی ہو جانا ہے کسی کو یہ تسلی کہ آخرت ہے بھی تو وہاں کی گرفت سے فلاں کے طفیل اور فلاں کے صدقے میں بچ نکلو گے۔ غرض جو جس وعدے اور جس توقع سے فریب کھا سکتا ہے اس کے سامنے وہی پیش کرتا ہے اور پھانس لیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ:

"انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔ اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔" (النساء ۴ : ۱۲۳، ۱۲۴)

یہودیوں کی ایمانی حالت تو یہ ہے کہ نہ راہ حق اختیار کرتے ہیں اور نہ کسی کو راہ حق اختیار کرنے دیتے ہیں اور باوجود ان حرکتوں کے وہ سمجھتے ہیں کہ نجات کے حقدار بھی صرف وہی ہیں۔ عجیب عقیدہ ہے ان کا کہ "چور بھی اور چتر بھی" یہ چالاکیاں ان کو کیسے کام دیں گی۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ دخول جنت کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ وہ یکسر اطاعت و فرمانبرداری بن جائیں۔ ان کا اٹھنا اور بیٹھنا، سونا اور جاگنا، کھانا اور پینا، چلنا اور

Marfat.com

پھرنا' جینا اور مرنا سب اسی کے لئے ہو۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے کہ :

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ○ (الانعام ۶ : ۱۶۳)

"بلاشبہ میری نماز' میرا حج' میرا جینا' میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔"

یہود و نصاریٰ کیا ہیں اور کیا کہتے ہیں؟

۲۱۱ جب نصاریٰ نجران کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو علماء و احبار یہود بھی ان سے ملنے کے لئے آئے۔ باہمی گفتگو ہوتی رہی اور باتوں ہی باتوں میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں نہایت ہی گستاخانہ الفاظ استعمال کئے اور ان کو کہا کہ نصاریٰ بالکل غلط راستہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ادھر عیسائیوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا اور ان کا انکار بھی دراصل مخالف کارروائی کے طور پر تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ سب کے سب یہودی ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں گروہ تورات پر ایمان بھی رکھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کی نبوت کا اعلان ہے ایک دوسرے کو گمراہ کہنا اور راہ حق پر نہ سمجھنا اس لئے ہے کہ ان میں سے کوئی فریق اقوام و ملل کے بدلنے اور منسوخ ہونے کا قائل نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں قومیں جہالت کی باتیں کر رہی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی جنت کا ٹھیکہ دار نہیں ہے غلط فہمی کا سبب اصلی یہ ہے کہ انہوں نے مذہب و ملت کی اصل روح یعنی عقائد و اعمال اور نظریات کو چھوڑ کر نسلی یا وطنی بنیاد پر کسی قوم کو یہودی ٹھہرا لیا اور کسی قوم کو نصرانی سمجھ لیا ہے۔

جو یہود کی نسل سے ہو یا یہود کے شہر میں بستا ہو یا مردم شماری میں اپنے آپ کو یہودی بتاتا ہو اس کو یہود سمجھ لیا گیا۔ اسی طرح نصرانیوں کی تشخیص و تعین کی گئی حالانکہ اصول ایمان کو توڑ کر اور اعمال صالح سے منہ موڑ کر نہ کوئی یہودی' یہودی رہتا ہے نہ نصرانی' نصرانی۔

قرآن کریم میں اختلاف اور اس فیصلہ کا ذکر مسلمانوں کو سنانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ کہیں وہ بھی اس قسم کی غلطی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ہم تو پشتی مسلمان ہیں۔ ہر دفتر اور رجسٹر میں ہمارا نام مسلمانوں کے خانے میں درج ہے اور زبان سے بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہیں اس لئے جنت کے اور ان تمام انعامی وعدوں کے ہم ہی مستحق ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ذریعے مسلمانوں سے کئے گئے تھے۔

اس فیصلہ سے ان پر واضح ہو جانا چاہئے کہ کوئی شخص نہ محض دعویٰ سے حقیقی مسلمان بنتا ہے نہ کہیں مسلمان نام درج کرانے یا مسلمان صلب سے یا ان کے شہر میں پیدائش ہونے کی وجہ سے بلکہ مسلمان ہونے کے

Marfat.com

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ

پڑھتے ہیں اور ٹھیک ایسی ہی بات وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو علم نہیں[۲۱۲] رکھتے یعنی مشرکین

لئے اول اسلام ضروری ہے اور اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینے اور سونپ دینے کے۔ دوسرے احسان عمل یعنی سنت کے مطابق عمل کو درست کرنا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی لڑائی سے مشرکین نے کیا فائدہ اٹھایا؟

۲۱۲ اور دیکھو کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تو ایسے دعوے کرتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش آیا اور اس طرح سے یہ لوگ بھی جو کہ محض بے علم ہیں ان اہل کتاب ہی کا سا قول دہرانے لگے مثل ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اہل کتاب کی دیکھا دیکھی مشرکین بھی یہ بات کہنے لگے کہ ان یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سب کا دین بے بنیاد ہے حق پر بس ہم ہی ہیں ان سب کو کہا جاتا ہے کہ یہاں تم سب کے سب اپنی اپنی ہانک لو۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا یعنی قیامت کے دن ان تمام مقدمات کا جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں داخل کر دیا جائے گا عملی فیصلے کی قید اس لئے لگائی گئی کہ قولی اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے جس کو یہ لوگ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس طرح اہل کتاب کی اس لڑائی سے مشرکین کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ بھی بول اٹھے اور انہوں نے وہ سب کچھ اہل کتاب کو کہہ دیا جو اہل کتاب ان ان پڑھوں کو کہا کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں بنانا اور قوموں کے بننے اور بگڑنے کے قانون الٰہی کو تسلیم نہ کرنا تعلیم یافتہ جماعت کی شان سے بالکل بعید ہے۔ یہ جاہلوں کی باتیں ہیں جو ارتقاء و تنزل اقوام کے اصول و ضوابط سے واقف نہیں ہوتے۔ اس جھگڑے کے طے کرنے کی بہترین صورت یہ تھی کہ گھر میں بیٹھ کر غور و فکر کرتے اس وقت انہیں معلوم ہو جاتا کہ دنیا میں قوموں کا بگڑنا اور بننا اسی اصول پر قائم ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے جب یہ لوگ اس طرح فیصلہ کرنے کے لئے تیار نہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلام کی راہ ترقی میں رکاوٹیں پیدا کرنا ان کی زندگی کا اصل مقصد ہے اور صرف اسی ایک غرض کی خاطر سوالات کا سلسلہ جاری ہے۔ پس جب حق کی تلاش نہیں تو ان جھگڑوں کے طے ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ ان سب کا فیصلہ قیامت پر اٹھا رکھئے۔ کہ وہی احکم الحاکمین حقیقت اصلیہ کو واضح کرے گا۔

Marfat.com

بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ۞ ۱۱۳

عرب' اچھا قیامت کے روز اللہ انکے درمیان فیصلہ کردے گا جس بات میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔[۲۱۳] ۱۱۳

مسلمانوں نے بھی وہی کیا جو دوسری قومیں کرتی آرہی تھیں۔

۲۱۳ غور کرو کہ قرآن کریم کی تنبیہات کے باوجود بہت سے مسلمان اس یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار ہوگئے کہ اللہ و رسول اور آخرت و قیامت سے بالکل غافل رہ کر اپنا نسلی مسلمان ہونا مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھنے لگے اور قرآن و حدیث میں جو وعدے فلاح دنیا و آخرت کے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں اپنے آپ کو مستحق سمجھ کر ان کے پورے ہونے کا انتظار کرنے لگے اور جب وہ پورے ہوتے نظر نہیں آئے تو قرآن و حدیث کے وعدوں میں شک کرنے لگے۔ اس کو نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم نے محض نسلی مسلمانوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا جب تک وہ اپنے تمام ارادوں میں اللہ کے قانون کے پابند نہ ہوں یہی خلاصہ ہے آیت مذکور کا یعنی بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۝ دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی حق یہ ہے کہ جو اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اجر محفوظ ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

آج کل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب و آفات کا شکار ہیں اور دن بدن ہوتے ہی چلے جارہے ہیں اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان تمام آفات و مصائب کا سبب ہمارا اسلام ہے لیکن مذکورہ تحریر سے واضح ہوگیا کہ اس کا اصل سبب ہمارا اسلام نہیں ترک اسلام ہے کہ ہم نے اسلام کا صرف نام باقی رکھا ہے' نہ اس کے عقائد ہمارے اندر ہیں' نہ اخلاق' نہ اعمال گویا۔

ع وضع میں ہم نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اسلام اور مسلم کے لئے کئے ہوئے وعدوں اور انعاموں کا ہم انتظار کریں۔

ہاں! یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم کچھ بھی سہی نام تو اسلام کا لیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام لیوا تو ہیں اور جو کفار کھلے طور پر اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں' اسلام کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے وہ تو آج دنیا میں ہر طرح کی ترقی کر رہے ہیں۔ بڑی بڑی حکومتوں کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ دنیا کی

Marfat.com

صنعتوں اور تجارتوں کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں اگر ہماری بدعملی کی ہمیں یہ سزا مل رہی ہے کہ ہم ہر جگہ پامال و پریشان ہیں تو کفار و فجار کو اس سے زیادہ سزا ملنی چاہئے لیکن اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو یہ شبہ خود بخود رفع ہو جائے گا۔

اول تو اس لئے کہ دوست و دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا۔ دوست کو قدم قدم اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے۔ اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات پر سزا دی جاتی ہے لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا۔ اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعتہ" پکڑ لیا جاتا ہے۔ مسلمان جب تک ایمان و اسلام کا نام لیتا ہے۔ اللہ کی عظمت و محبت کا دم بھرتا ہے وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے۔ اس کے برے اعمال کی سزا عموماً دنیا ہی میں دے دی جاتی ہے تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے۔ بخلاف کافر کے اس پر باغیوں اور دشمنوں کا قانون جاری ہے۔ دنیا کی ہلکی ہلکی سزاؤں سے ان کا بار عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا ان کو یک لخت عذاب میں پکڑا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے کہ "دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔"

دوسری اہم بات مسلمانوں کے تنزل اور پریشانی اور کفار کی ترقی و آرام کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کا جداگانہ خاصہ رکھا ہے۔ ایک عمل سے دوسرے عمل کے خواص حاصل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً تجارت کا خاصہ یہ ہے کہ مال میں زیادتی ہو۔ دوا کا خاصہ ہے بدن صحت مند ہو۔ اب اگر کوئی شخص تجارت میں تو دن رات لگا رہے بیماری اور اس کے علاج کی طرف توجہ نہ دے تو محض تجارت کا خاصہ یعنی مال کی زیادتی حاصل نہیں کر سکتا؟ کفار کی دنیوی ترقی اور مال و دولت کی فراوانی ان کے کفر کا نتیجہ نہیں جیسے مسلمان کا افلاس اور عیش و پریشانی اسلام کا نتیجہ نہیں بلکہ کفار نے جب آخرت کی فکر چھوڑ دی اور پوری طرح دنیا کے مال و دولت اور عیش و آرام کی فکر میں لگ گئے۔ تجارت' زراعت اور حکومت و سیاست کے مفید راستوں کو اختیار کیا۔ مضر طریقوں سے بچے تو دنیا میں ترقی حاصل کر لی۔ اگر وہ بھی ہماری طرح صرف اپنے اپنے مذہب کا نام لے کر بیٹھ جاتے اور دنیوی ترقی کے لئے اس کے اصول کے مطابق جدوجہد نہ کرتے تو ان کا کفران کو مال و دولت یا حکومت کا مالک نہ بنا دیتا پھر ہم یہ کیسے سمجھ لیں کہ ہمارا اسلام اور وہ بھی صرف نام کا ہماری ساری فتوحات کے دروازے کھول دے گا؟ اسلام و ایمان اگر بالکل صحیح اصول پر بھی ہو تو اس کا اصلی خاصہ اور نتیجہ نجات آخرت اور جنت کی دائمی راحت ہے۔ دنیا میں مال و دولت کی فراوانی عیش و آرام کی وسعت اس کے نتیجہ میں حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے لئے اس کے مناسب جدوجہد نہ کی جائے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جہاں کہیں اور جب کوئی مسلمان تجارت و صنعت' حکومت و سیاست کے اصول صحیحہ کو سیکھ کر ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے تو وہ بھی دنیوی ثمرات و نتائج سے محروم نہیں رہتا جو کسی کافر کو حاصل ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ

اور غور کرو' اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا کون ہے جو اللہ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد کو روکے اور ان کی ویرانی میں کوشاں ہو؟ جن لوگوں کے ظلم کا یہ

اس سے واضح ہوا کہ دنیا میں ہمارا افلاس و احتیاج اور مصائب و آفات ہمارے اسلام کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طرف اسلامی اخلاق و اعمال چھوڑنے کا اور دوسری طرف ان تمام کاموں سے منہ موڑنے کا نتیجہ ہے جن کے عمل میں لانے سے مال و دولت میں زیادتی ہوا کرتی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں جب یورپ والوں کے ساتھ اختلاط کا اتفاق پیش آیا تو ہم نے ان سے صرف ان کا کفر اور آخرت سے غفلت اور بے حیائی اور بداخلاقی سب سیکھ لی لیکن ان کے وہ اعمال نہ سیکھے جن کی وجہ سے وہ دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ جس مقصد کے لئے کھڑے ہوں اس کے پیچھے ان تھک کوشش، معاملہ کی سچائی' بات کی سچائی اور دنیا میں اثر او رسوخ حاصل کرنے کے نئے نئے طریقے جو درحقیقت اسلام ہی کی اصلی تعلیمات ہیں۔ ہم نے ان کو دیکھ کر بھی اس کی نقل اتارنے کی کوشش نہ کی تو یہ قصور ہمارے اسلام کا ہے یا ہمارا اپنا قصور ہے۔

الغرض قرآن کریم کی ان آیات نے واضح کر دیا کہ محض نسلی طور پر اسلام کا نام رکھ لینا کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا سکتا جب تک ایمان اور عمل صالح کو مکمل طور پر اختیار نہ کیا جائے۔

دین اسلام میں صرف ایک ہی مرکز کا ہونا ضروری ہے

۲۱۴ جس طرح دنیا میں ہر قوم کی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ایک مرکز ہو اسی طرح اسلام نے بھی اپنے ماننے والوں کے لئے ایک مرکز ضروری قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ تمام افراد ملت اس کے ساتھ وابستہ ہوں ہر شخص کو اس کے ساتھ پیوستگی اور مواصلت ہو۔ یہ ایک ایسا قاعدہ کلیہ ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ ہزاروں لاکھوں نجوم و کواکب' ستارے اور سیارے ہیں مگر سب کا تعلق سورج کے ساتھ ہے ایک درخت کی صدہا ٹہنیاں اور شاخیں ہیں مگر سب کا رزق جڑ سے آتا ہے۔ ہر دریا اور نہر کے لئے کوئی نہ کوئی چشمہ و مرکز ہے اسی قاعدے کے مطابق ضروری تھا کہ امت مسلمہ کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک مرکزی درسگاہ ہوتی جس کی شاخیں تمام دنیا میں پھیل جاتیں جو ان تمام متفرق و منتشر اجزاء کے

Marfat.com

يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

حال ہے وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ اللہ کی عبادت گاہوں میں وہ قدم رکھیں بجز اس حالت کے کہ وہ ڈرے، سہمے ہوئے ہوں۔ یاد رکھو[۲۱۵] ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی

لئے اتحاد کا مرکزی نقطہ ہوتی جو سب کے لیے جڑ کا کام دیتی جس کے سرچشمہ سے تمام عالم اسلامی کے دریا اور نہریں سیراب ہوتیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے وادی غیر ذی زرع یعنی مکہ مکرمہ کو منتخب کیا گیا۔ وہ سب سے اعلیٰ تعلیم گاہ قرار پائی اور دنیا بھر کی تمام مساجد کو اس کے ساتھ ملحق کر دیا گیا کہ سب درسگاہوں کی نگران کار و محافظ ہو۔ جب مختلف اسلامی شہروں کے مسلمان اپنی اپنی تعلیم گاہوں سے فارغ ہوں تو ایک مرتبہ اس مرکزی درس گاہ میں بھی ضرور حاضر ہوں۔

یہودیوں نے نسخ قبلہ پر اعتراض کیا کہ بیت اللہ قبلہ نہ بنے لیکن دراصل ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں لامرکزیت کی اشاعت جاری رہے اور وہ ایک مرکز سے وابستہ نہ ہو سکیں ان کی قوتیں منتشر ہو جائیں۔ ان کی متحدہ طاقت فنا ہو جائے۔ ان کا کوئی تعلیمی مرکز نہ رہے اور جب مرکز نہ ہو گا تو دنیا بھر کی مسجدیں خود بخود ذکر الٰہی سے خالی ہو جائیں گی۔ کوئی قوت ان کی نگران کار نہ ہوگی۔ ان کا نظام قائم نہ رہ سکے گا۔ پھر ان سے بڑھ کر بھی کوئی دوسرا شخص ظالم ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو مسجد یعنی عبادت گاہ میں قدم رکھتے ہوئے ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر عذاب نہ نازل ہو جائے۔ آخر میں ان کا انجام بتا دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے اور یہ گویا ایک قسم کی تحدی تھی یعنی چیلنج اور وہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح قرآن کریم نے اعلان کیا تھا اور اسی کو اسلام میں معجزہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

افسوس کہ آج عالم اسلام نے اس مرکزی حیثیت کو ختم کر دیا بیت اللہ صرف رسومات حج کے لئے رہ گیا اور افادیت مرکزیت اور حج کو بالکل بھلا دیا گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مکہ مکرمہ عالم اسلامی کے لئے مرکز کا کام دیتا۔ تمام دنیا کے لئے اس جگہ سے ہدایات جاری ہوتیں۔ مسلمانوں کے سارے ممالک کا امیر المومنین یہیں ہوتا سارے ممالک کی حیثیت اسلامی صوبہ جات کی سی ہوتی۔ پوری دنیائے اسلامی کا امیر اس جگہ سے کنٹرول کرتا۔ ہر ملک کا حکمران اسی جگہ سے منتخب کر کے بھیجا جاتا۔ ہر اسلامی ملک کی اندرونی و بیرونی خرابیوں کا ازالہ اسی جگہ سے کیا جاتا۔ تمام ممالک اسلامی کی نظریں اسی مرکز کے ساتھ وابستہ ہو جاتیں۔ ہر کمی کو یہاں سے پورا کیا جاتا اور ہر مرض کا علاج اسی مرکز میں کیا جاتا ہر اسلامی مملکت کی ضروریات اسی مرکز سے پوری ہوتیں اور ہر اسلامی ملک اس مرکز کے سامنے جوابدہ ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج ہماری حالت یہ نہ ہوتی۔ ایک ہزار سال کی تاریخ گواہ ہے کہ ہم کتنے بھی کمزور ہوئے لیکن جب تک ہمارا مرکز ایک رہا دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ جب سے ہمارا

Marfat.com

مرکز ویران ہوا اور پھر مرکز کی مرکزیت ختم کر کے رکھ دی گئی ہم ذلیل و خوار ہو گئے۔

قومی مرکز کی بے حرمتی قوم کی موت کے مرادف ہے جو گویا دنیاوی رسوائی ہے

۲۱۵ یہود کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ قومی طور پر کئی بار مرچکے ہیں اور اب نزول اسلام کے بعد بھی ان کی موت یقینی ہے۔ زمانہ اسلام سے پہلے جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تو روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی خاطر عراق کے مجوسی بادشاہ بخت نصر کے ساتھ مل کر اپنے بادشاہ طیطوس کی سرکردگی میں شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کو قتل و غارت کیا اور تورات کے نسخے جلا دیئے۔ بیت المقدس میں نجاسات اور خنزیر ڈال دیئے اس کی عمارت کو خراب و ویران کر دیا اور بنی اسرائیل کی شان و شوکت کو پامال کر کے ختم کر دیا نبی کریم ﷺ کے وقت تک بیت المقدس اسی طرح ویران و منہدم پڑا تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب شام و عراق فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کرایا گیا۔ زمانہ دراز تک پورا شام و بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا پھر ایک عرصہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر قبضہ رہا۔ تاآنکہ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے پھر اس کو فتح کیا۔

رومی' نصاریٰ کی اس گستاخانہ حرکت پر کہ تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب و ویران کیا۔ اس کی بے حرمتی کی۔ اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے رسول کریم ﷺ کو واقعہ حدیبیہ کے وقت مسجد حرام میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روک دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریرؒ نے پہلی روایت کو اور ابن کثیر نے دوسری کو ترجیح دی ہے۔

بہرحال شان نزول کچھ ہو۔ مفسرین پہلے واقعہ کو ترجیح دیں یا دوسرے کو' بہرحال اس کا حکم عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت سے خاص بیت المقدس کا نام لینے کی بجائے "مساجد اللہ" فرمایا گیا ہے لہٰذا تمام مساجد پر اس کا حکم عام ہے اور مفہوم آیت یہ ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران ہو تو وہ یقیناً بہت بڑا ظالم ہے۔

بدقسمتی سے آج مسلمانوں کی گروہ بندی کی لعنت نے ان کو یہود و نصاریٰ سے بھی چند قدم آگے لا کھڑا کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی مسجدوں کو برباد کرنے پر تل گئے ہیں۔ مسجدیں گویا اللہ کی یاد کے لئے نہیں تعمیر کی گئیں بلکہ اپنی اپنی فرقہ بندی کی پختگی کے لئے تعمیر ہوئی ہیں اور ایسا وقت آیا کہ بعض مسجدوں کے دروازوں پر لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ "اس مسجد میں کوئی وہابی' نجدی اور دیوبندی داخل نہیں ہو سکتا۔" سب لوگوں نے اپنی اپنی پہچان کے لئے مسجدوں کو گھات گاہ بنا لیا ہے۔ اس آیت میں مسجد کی ویرانی اور بربادی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب سے ممانعت کر دی گئی۔ پیش گوئی کے طور پر کہہ دیا گیا کہ جو شخص بھی مسجد کی ویرانی اور بربادی کی کوئی صورت کرے گا وہ یقیناً دنیا میں بھی رسوا ہو گا اور آخرت بھی اس کی برباد ہو گی۔

Marfat.com

وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۱۴ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ
وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ

رسوائی ہے کہ کب اس سے دوچار ہوں اور آخرت میں بھی ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے۔ ۱۱۴

اور ۲۱۶ دیکھو مشرق ہو یا مغرب ساری دنیا اللہ ہی کے لئے ہے جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رخ کر لو اللہ تمہارے سامنے ہے۔ وہ کسی سمت میں پابند نہیں بلاشبہ اس کی

سمت کا مقرر کرنا انتظامی امور سے متعلق ہے اللہ ہر سمت سے پاک ہے

۲۱۶ ایک مذہبی جماعت ہونے کے باوجود بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بیت المقدس ہی میں محدود کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف اسی طرف رخ کرنے سے انوار و تجلیات الہیہ کا نزول ہو سکتا ہے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ اس کے لئے تو مشرق و مغرب سب برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس جگہ کچھ لوگ جمع ہو کر اس کے ذکر میں مصروف ہوں گے اس کی رحمت فوراً ان کی طرف متوجہ ہوگی کیونکہ اللہ کی رحمت کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اور وہی جانتا ہے کہ اس کا صحیح محل نزول کون سا ہے۔

اس آیت میں رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے اگرچہ آپ کو مکہ اور بیت اللہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور مدینہ پہنچ کر ابتدائی زمانہ میں سولہ سترہ ماہ تک آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اب بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ملا ہے لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں نہ آپ غمگین ہوں کیونکہ اللہ کی ذات پاک کسی خاص سمت میں نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں کعبہ کو قبلہ نماز بنائیں یا بیت المقدس کو' دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ امر الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے۔

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد ہست

اس لئے جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل گیا تو اب کعبہ کی طرف فضیلت گویا لوٹا دی گئی کیونکہ بندہ کو جو اجر ملنے والا ہے وہ کسی سمت کی وجہ سے نہیں' بلکہ تعمیل حکم کی وجہ سے ملے گا۔ چند مہینوں کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کر اور اس کے بعد کعبہ کو قبلہ تسلیم کر کے گویا آپ نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ

Marfat.com

کسی خاص سمت یا مکان کو قبلہ قرار دینا اس وجہ سے نہیں کہ معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ اس مکان یا اس سمت میں ہے دوسری جگہ میں نہیں بلکہ اللہ تو ہر جگہ اور ہر سمت میں یکساں توجہ کے ساتھ موجود ہے۔ کسی خاص سمت کو قبلہ عالم قرار دینا' دوسری حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی توجہ کسی خاص سمت یا جگہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب عمل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ہر شخص کو اختیار دے دیا جائے کہ جس طرح چاہے رخ کر کے نماز پڑھے دوسرے یہ کہ سب کے لئے کوئی خاص سمت و جہت معین کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ایک طرح کا تشتت و افتراق کا منظر سامنے آجائے گا۔ کہ دس آدمی نماز پڑھ رہے ہیں اور ہر ایک کا رخ الگ الگ ہے گویا کہ ہر ایک کا قبلہ جدا جدا ہے اور دوسری صورت میں تنظیم و اتحاد کا عملی سبق ملتا ہے۔ ان حکمتوں کی بنا پر سارے عالم کا قبلہ ایک ہی چیز کو بنانا زیادہ مناسب ہے۔ اب وہ بیت المقدس ہو یا کعبہ دونوں ہی مقدس و متبرک مقامات ہیں۔ ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب احکامات آتے ہیں۔ ہم نے کبھی بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم نہیں دیا تھا لیکن یہود نے اس کو قبلہ بنا لیا اور رسول اللہ ﷺ اہل کتاب ہونے کے ناطے سے ان کے قرار دیئے گئے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور کچھ عرصہ کے بعد اللہ نے اپنی خاص مصلحت کے تحت اہل اسلام کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا تاکہ قومی یکجہتی قائم ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ کی دلی خواہش کا احترام بھی پورا ہو۔

قانون الٰہی کی گہرائیوں کو ہر کوئی نہ سمجھ سکے یہ دوسری بات ہے لیکن کوئی نہ کوئی حکمت اس میں ضرور پنہاں ہوتی ہے لوگوں نے تو سمت نماز مقرر ہو جانے کے بعد اس آیت کو منسوخ مان لیا کہ اب اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے حالانکہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے اگر یہ آیت موجود نہ ہوتی تو اور حکم آیت موجود نہ ہوتا تو اہل اسلام کو کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ جہاں قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرنا ممکن نہیں رہتا وہاں کیا کیا جاتا۔ ریل' پانی کا جہاز' ہوائی جہاز اور نہ معلوم ابھی کون کون سی سواریاں آئیں گی۔ جس میں ایک سمت منہ رکھنا ممکن ہی نہیں وہاں نماز ادا کرنے کا وقت آجاتا تو ایک مسلمان کیا کرتا؟ اس آیت نے ان ساری کلفتوں اور پریشانیوں کا حل پیش کر دیا کہ جس طرف بھی تمہارا منہ ہوگا اس سمت میں اللہ موجود ہے زیادہ وہم مت کرو۔ بس نماز ادا کرو اگر سمت بدلتی ہے تو بدلنے دو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم ہی نہ ہو اور سمت مقرر کرنا بھی دشوار ہو یعنی اس کے بس کا روگ نہ ہو۔ اور کوئی بتلانے والا بھی موجود نہ ہو تو وہاں بھی یہی حکم ہے کہ اپنے خیال سے جس طرف کو سمت بنالے گا کہ قبلہ اس طرف ہے اگر قبلہ اس طرف نہ بھی ہوگا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اللہ کا نام لے اور نماز کو ادا کر لے اگر نماز ادا کر لینے کے بعد کسی وجہ سے معلوم ہو جائے کہ میری سمت صحیح نہ تھی تو بھی نماز درست ہو جائے گی صرف اس وجہ سے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے کہ **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ**۔

بعض لوگوں نے اس آیت کے یہ معنی بھی لئے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کے غلبہ و اقتدار کی پیش گوئی

Marfat.com

عَلِيۡمٌ ۞ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ لَّهٗ مَا

قدرت نہایت ہی وسیع ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۱۱۵

ان اہل کتاب یعنی عیسائیوں کا قول[۲۱۷] ہے کہ اللہ نے مسیح کو اولاد یعنی بیٹا بنایا ہے۔

ہے کہ وہ جس طرف بھی رخ کریں گے فتح و نصرت ان کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ دنیا کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں پھیل کر رہیں گے اور مشرق و مغرب پر انہی کا قبضہ ہوگا۔ اللہ کی وسعت کو کون پا سکتا ہے۔ کبھی یہ مطلب بھی صحیح اور درست تھا لیکن آج ہماری بدقسمتی اور نااہلی کے باعث وہ وقت نہیں رہا۔ ہاں! اللہ ہمیں اپنی حالت کے درست کرنے کی توفیق عطا فرما دے اور وہ وقت دوبارہ لوٹ آئے تو ناممکن بھی نہیں کہ وسعت آیت اس مضمون پر بھی حاوی ہو جائے۔

اللہ کی اولاد بنانے والوں کا اصل موقف کیا ہے؟

۲۱۷ کوئی قوم جب کوئی نظریہ قائم کر کے اپنے عقائد میں داخل کر لیتی ہے وہ اس کو چھوڑنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتی۔ اس نظریہ کی غلطی ثابت کرو تو وہ غلط ثابت کرنے والوں کو ہزار بار غلط کہیں گے۔ مرنے مارنے پر تل جائیں گے لیکن اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ دیکھو یہود نے عزیرؑ کو ابن اللہ کہا تو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تسلیم کر لیا۔ ان کی دیکھا دیکھی مشرکین مکہ نے ملائکہ کو اللہ کی لڑکیاں قرار دے دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ان تمام تعلقات اور قیود سے پاک ہے اور زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی مملوک ہے۔

بنی اسرائیل نے اپنے علماء و مشائخ کے لئے ابن اللہ کا لفظ استعمال کیا تھا لیکن ان کے ہاں جب یہ عقیدہ گھڑا گیا تو اس کے معنی "محبوب الٰہی" کے ہونے لگے مگر جب عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف یونانیوں کو اپنے مذہب کی جانب بلانے کی کوشش کی تو ان کے عقول عشرہ کے مسئلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور یونانیوں کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کے لئے 'عقل اول کی روح ان میں حلول کر گئی ہے' کا عقیدہ بنا لیا۔ اس لئے اگر پہلے احبار یہود مجازی طور پر ابناء اللہ کہے جاتے تھے تو عیسیٰ علیہ السلام حقیقی معنی کے اعتبار سے ابن اللہ بنا دیئے گئے۔

سوال یہ ہے کہ آخر ان سب قوموں کو اللہ کی اولاد قرار دینے کی کیا ضرورت پڑی؟ اس کی اصل وجہ جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول و نبی کے ذریعے قوموں کو ایمان باللہ اور عمل صالح کی طرف دعوت دی لیکن متضاد قوتوں کے اس مجموعے یعنی انسان نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ اللہ پر ایمان لانے کے لئے اللہ کو دیکھیں کہ وہ کیسا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ دکھائی دینے والی کوئی چیز نہیں ہے تو پھر انہوں نے اللہ کو پانے

Marfat.com

کے لئے کوئی جسم تلاش کیا خواہ وہ انسان کا ہو یا کسی حیوان کا یا درخت کا' مطلب یہ ہے کہ کوئی دیکھی جانے والی چیز ضرور ہو۔ اس نظریہ نے ترقی کی تو اس کی کئی شکلیں بنالی گئیں جن کی تشریح اپنے مقام پر آئے گی۔ مختصر یہ کہ ان ہی نظریوں میں سے ایک نظریہ اولاد کا بھی ہے کیونکہ انسان نے جب دیکھا انسان خواہ کوئی ہو۔ وہ اپنی اولاد کی طرف ضرور جھک پڑتا ہے لہذا انہوں نے اپنی قومی و مذہبی شخصیتوں کو اللہ کی اولاد تصور کر لیا کیونکہ وہ اعمال صالح بجالانے سے قاصر تھے اور جنت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے انہوں نے اپنے تصور میں کسی نہ کسی کو اللہ کا بیٹا تصور کر کے اپنا سفارشی' نجات دہندہ بنالیا اور آہستہ آہستہ ذہن میں یہ بات پختہ کر لی کہ جس طرح بیٹا ضد کر کے باپ سے منوا لیتا ہے یہ ہمارے سفارشی بھی' جن کو ہم نے اللہ کے بیٹے اور محبوب تصور کر لیا ہے اللہ سے ہماری سفارش کر کے ہمارے گناہوں کو بخشوالیں گے اور ہمیں جنت مل جائے گی۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب نے اس طرح کے عقیدے گھڑے تھے جن کی وضاحت قرآنی صفحات میں موجود ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ جن لوگوں پر قرآن کریم جیسی بین و روشن کتاب نازل کی گئی انہوں نے بھی ان اقوام کی پیروی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آج مسلم قوم بھی انہیں آرزوؤں اور خواہشوں پر انحصار کرتے ہوئے بے راہ رو ہو چکی ہے اور دن بدن اسی اندھے کنوئیں میں گرتی جا رہی ہے ہمارے ہاں ابن یا ولد و اولاد کے الفاظ اللہ کی نسبت نہیں بولے گئے ان کی جگہ نئے الفاظ نے لے لی۔ اہل اللہ' اولیاء اللہ' ولی اللہ' حبیب اللہ' مختار کل جیسے الفاظ کے ساتھ وہی نظریات و عقائد وابستہ کر دیئے جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب نے ابن اللہ' ولد اللہ' اتخاذ ولد کے ساتھ وابستہ کئے ہوئے تھے۔

حالانکہ قرآن کریم پکار پکار کر کہتا ہے کہ :

"اے پیغمبر اسلام! ان لوگوں کو متنبہ کر دیجئے جنھوں نے ایسی سخت بات منہ سے نکالی اور کہا کہ اللہ بھی اولاد رکھتا ہے اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں' نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی علم تھا۔ کیسی سخت بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے یہ کچھ نہیں کہتے مگر سرتاسر جھوٹ کہتے ہیں۔" (الکہف ۱۸ : ۴)

"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو؟ جبکہ کوئی اس کی بیوی نہیں اور ولد بغیر والدہ کے ممکن نہیں جس طرح ولد بغیر والد کے ممکن نہیں ہے۔ اس نے تمام چیزیں پیدا کیں اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔" (الانعام ۶ : ۱۰۱)

"انہوں نے بغیر اس کے کہ علم کی روشنی اپنے سامنے رکھتے ہوں اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لی ہیں۔ اللہ ہی کے لئے پاکیزگی ہے اس کی ذات تو ان تمام باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔" (الانعام ۶ : ۱۰۰)

ذرا غور کرو کہ مشرکین عرب کے مشرکانہ عقائد کو کس طرح روکا ہے۔ یہ لوگ جنوں کی نسبت طرح طرح کے توہم پرستانہ خیالات رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ جس انسان کو چاہیں مافوق الفطرت طریقہ پر نقصان

Marfat.com

پہنچا دیں۔ جسے چاہیں عجیب عجیب طاقتیں دے دیں نیز ان کا خیال تھا کہ پاک روحیں یعنی فرشتے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور وہ کارخانہ عالم میں طرح طرح کے تصرفات کر سکتے ہیں۔" پھر غور کرو کہ کیا آج مسلمان بھی ان نظریات کے حامل نظر نہیں آتے جو مشرکین مکہ کے تھے؟"

"اے پیغمبر اسلام! تم کہہ دو اگر اللہ کے ساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراً صاحب تخت ہستی تک مقابلہ کی راہ نکال لیتے ان ساری باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اس کی ذات پاک اور بلند ہے اتنی بلند کہ اس کی کوئی حد نہیں۔" (بنی اسرائیل ۱۷: ۴۳)

"آسمانوں میں جو کوئی ہے اور زمین میں جو کوئی ہے سب کے سب اس کے لئے ہیں۔ جو فرشتے اس کے حضور ہیں وہ گھمنڈ میں آکر اس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے اور نہ ہی کبھی تھکتے ہیں۔ وہ رات دن اس کی پاکیزگی کے ترانوں میں نغمہ سرائی کرتے ہیں اور کبھی نہیں تھمتے۔ کیا ان لوگوں نے زمین سے ایسے معبود بنا لئے ہیں جو مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں؟ اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو کبھی نظام قائم نہ رہتا اور وہ یقیناً بگڑ کے برباد ہو جاتے۔ پس اللہ ہی کے لئے جہانبانی کا کام ہے جو تخت کا مالک ہے اسی کے لئے پاکیزگی ہے اور وہ ان ساری باتوں سے پاک ہے جو وہ اللہ کی نسبت بیان کرتے ہیں۔" (الانبیاء ۲۱: ۱۹، ۲۳)

"نہ تو اللہ نے کسی ہستی کو اپنا بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہو سکتا ہے اگر ہوتا تو ہر معبود اپنی ہی مخلوق کی فکر میں رہتا اور ایک معبود، دوسرے معبود پر چڑھ دوڑتا۔ اللہ کی ذات ان ساری باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔" (المومنون ۲۳: ۹۱)

"اگر اللہ کسی کو اپنی اولاد قرار دینا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا۔ وہ کسی کو بیٹا قرار دینے سے پاک ہے وہ اللہ اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس پر کوئی بھی غالب آنے والا نہیں ہے۔" (الزمر ۳۹: ۴)

"اور ان لوگوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن نے اپنا بیٹا بنا رکھا ہے۔ بڑی ہی سخت بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین کا سینہ شق ہو جائے اور پہاڑ جنبش میں آکر گر پڑیں کہ یہ لوگ اللہ کے لئے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ اللہ کی یہ شان کب ہو سکتی ہے کہ اپنے لئے وہ ایک بیٹا بنائے۔ آسمان و زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کے لئے ہے کہ اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے حاضر ہے اس نے انہیں گھیر رکھا ہے اور اپنے علم میں ایک ایک کی ہستی گن رکھی ہے۔ قیامت کے روز سب اسی کے حضور تن تنہا آکھڑے ہوں گے اور کوئی ان کا حامی و مددگار نہیں ہو گا۔" (مریم ۱۹: ۸۸، ۹۳)

"اور دیکھو انہوں نے کہا کہ خدائے رحمٰن نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے پاکیزگی ہو اسی کے لئے۔ بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں وہ اس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے وہ اس کے حکم پر سرتاسر کاربند رہتے ہیں۔" (الانبیاء ۲۱: ۲۶، ۲۷)

Marfat.com

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ

حالانکہ اللہ کی ذات اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے اور زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا تو ہے اور سب کے سب اسی کے فرمان کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔[۲۱۸] ۱۱۶

سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا۔ مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے ایسا زیب نہیں دیتا تھا اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بناتا ہے۔ حالانکہ میں اولاد سے پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ سے زیادہ کوئی نہیں ہے۔ لوگ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دے۔ پھر فرمایا ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے اس کی غلامی کی اقراری ہے۔ اس کے لئے اخلاص کرنے والی ہے۔ اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں عبادت گزار ہے۔ وہ جو چاہے سو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا تو ہے

۲۱۸ فرمایا کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں پھر آخر وہ کسی کو بیٹا کیوں بنائے گا؟ یعنی یہ کہہ کر ابنیت کی تردید فرما دی۔ کہ اللہ تو سب کا خالق ہے اور سب کا مالک ہے اور سب ہی اس کے فرمان میں بندھے ہوئے ہیں کیا کوئی اولاد کا خالق بھی ہوتا ہے؟ صحیح بات یہی ہے کہ باپ بیٹے کا خالق نہیں ہوتا اور نہ ہی بیٹے کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی بیٹا باپ کا کامل فرمانبردار ہو سکتا ہے پھر جب اللہ اور اس کی مخلوق میں باپ اور بیٹے کے تعلق سے بڑھ کر ایک تعلق موجود ہے تو پھر وہ بیٹا کیسے بنائے گا۔ ارشاد فرمایا:

"آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے وہ تم سے ضرور اس کا حساب لے گا اور پھر یہ اسی کے ہاتھ ہے کہ جسے چاہے بخش دے' جسے چاہے عذاب دے وہ ہر بات پر قادر ہے۔" (البقرہ ۲ : ۲۸۴)

"آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اس کی

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا

وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی[219] میٹریل کے بنانے والا ہے وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس وہ[220] حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور جیسا اس نے حکم دیا ہو بالکل ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہے۔ ۱۱۷

اور[221] جو لوگ علم نہیں رکھتے یعنی مشرکین عرب وہ کہتے ہیں ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ

قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔" (المائدہ ۵ : ۱۲۰)

"آسمان و زمین میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ ہی کا ہے بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے اور سب اچھی تعریفوں کا مالک بھی وہی ہے۔" (لقمان ۳۱ : ۲۷)

"آسمان و زمین کے خزانے کی کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں تو یہی لوگ دراصل خسارہ اٹھانے والے ہیں۔" (الزمر ۳۹ : ۶۳، ۶۴)

"جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور وہی سب سے برتر اور عظمت والا ہے۔" (الشوریٰ ۴۲ : ۴)

"آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں جمع کر کے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے بلاشبہ وہ بڑے علم والا اور بڑی قدرت والا ہے۔" (الشوریٰ ۴۲ : ۵۰، ۵۱)

بغیر کسی مادہ کے پیدا کرنے والا ہی "اللہ" ہے

۲۱۹ بدیع وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو نہ کسی مال مسالہ کا۔ نہ مکان و مقام کا پابند ہو اور نہ ہی زمان و وقت سے مقید ہو۔ نہ کسی چیز کا محتاج ہو نہ کسی نمونہ و نقشہ کا نہ استاد کا۔ اصلی اور حقیقی معنوں میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت اور شرکت کے وجود میں لانے والا۔ بدیع کا لفظ دراصل ان مشرک قوموں کے رد میں ہے جو اللہ کو محض صانع کی حیثیت دیتے ہیں اور روح یا مادہ دونوں کو کسی نہ کسی درجہ میں اس کا شریک و سہیم رکھتے ہیں۔ گویا مادہ پہلے سے موجود ہے وہ قدیم اور غیر حادث ہے۔ یا روح بھی اس کے ساتھ

Marfat.com

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ

اللہ ہم سے براہ راست بات چیت کرے یا اپنی کوئی نشانی ہمارے پاس بھیج دے تو جیسی

ساتھ قدیم و غیر حادث ہے اب اللہ نے صرف اتنا کیا کہ ایک اعلیٰ درجہ کے کیمسٹ کی طرح ان میں باہمی ترکیب و ترتیب سے نئی نئی صورتیں نمودار کر دیں۔

ابداع کا لفظ ان سارے مشرکانہ تخیلات کی تردید کے لئے کافی ہے۔ تقدیم ذاتی کے علاوہ تقدیم زمانی بھی تمام صفات کمال کی طرح اس کی ذات کے لئے ثابت ہے۔ وہ سب پر "زمانۃ" بھی مقدم ہے ایک زمانہ تھا کہ صرف وہ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا اور یقیناً وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ صرف وہی ہوگا اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔

اللہ کے کلمہ "کن" کا صحیح مطلب کیا ہے؟

۲۲۰ یعنی عدم محض سے وجود میں آجا۔ نیست سے ہست ہو جا۔ "یقول" کہتا ہے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آپ کی طرح یہ دو حرفی لفظ "کن" بولتا ہے لفظ و حروف تو خود ہی حادث ہیں اور نہ حق تعالیٰ کا تلفظ زبان، ہونٹ یا اعصاب کا محتاج ہے۔ بندوں کی سمجھ کے لائق آخر اس کے سوا قریب سے قریب تر پیرایہ بیان اور اسلوب اور کیا اختیار کیا جائے۔

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرق من و تمثیل من!

مقصود صرف اسی قدر ہے کہ ادھر حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا ادھر معاً اور بلاتوسط و توقف اس کا ظہور عملاً ہوگیا۔

علم نہ رکھنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

۲۲۱ اس سے مراد مشرکین مکہ ہی ہو سکتے ہیں اور یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ نے محمد (ﷺ) سے جو بات کی ہے اور اس کو نبی بنایا ہے کیا وہ ہم سے بات نہیں کر سکتا؟ حالانکہ ان کے انکار کا اصلی باعث یہ نہیں ہے کہ اللہ نے ان سے بات کیوں نہیں کی بلکہ جو کچھ ان کے اندر ہے اس کو چھپا کر یہ ایسا سوال کر رہے ہیں ان کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب کسی آبادی میں کوئی داعی حق کھڑا ہوتا تھا تو وہاں کے سردار محسوس کرتے تھے کہ اگر دعوت حق کامیاب ہوگئی تو ان کے ظالمانہ اختیارات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لئے انہیں ایک طرح کی ذاتی دشمنی اور کد ہو جاتی تھی وہ طرح طرح کی مکاریاں کرتے تھے تاکہ لوگ دعوت حق قبول نہ کریں۔

لیکن اگر ان سے اہل کتاب ہی مراد لئے جائیں، تو لئے جا سکتے ہیں کیونکہ جو بات انہوں نے کی ہے وہ اہل علم کی سی نہیں بلکہ جاہلوں کی سی ہے اور ایسی جہالت کی باتیں کہنے والے اگرچہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں بہرحال جاہل ہی ہوں گے۔ جب قوی دلائل کثرت سے قائم کر دیئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جا رہے تھے تو یہ

Marfat.com

قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ

بات آج یہ کہہ [۲۲۲] رہے ہیں ٹھیک ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اس نظریہ [۲۲۳] میں پہلوں اور پچھلوں سب کے دل ایک ہی طرح کے ہوئے یہ خواہ مخواہ ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ماننے

جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی اور اللہ نے بھی ان کو جاہل ہی کہا ہے۔

ہر دور میں گمراہوں کی گمراہی ایک ہی جیسی رہی ہے

۲۲۲ ان کی یہ فرمائشیں کوئی انوکھی اور ان کا یہ مطالبہ کوئی نرالا نہیں۔ جاہلوں نے ہر دور اور ہر ملک میں اس قسم کی فرمائشیں پیش کی ہیں۔ رسالت محمدیؐ سے حضرات انبیاء میں قریب ترین زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا گزرا ہے آپ عرب میں نہیں شام میں تھے۔ آپ سے بھی تعلیمات اور اصل پیام کو چھوڑ کر تقاضے انہی آسمانی نشانوں کے ہوتے تھے۔ چنانچہ انجیل میں ہے کہ:

"فریسیوں اور صدوقیوں نے پاس آکر آزمانے کے لئے اس سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی آسمانی نشانی دکھا۔" (متی ۱۶:۱)

یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ کو لا کر دکھانے کی فرمائش ہونے لگی چنانچہ انجیل میں ہے کہ:

"فلپس نے اس سے کہا کہ اے خداوند ہمیں باپ کو دکھا بس ہمیں کافی ہے۔" (یوحنا ۱۴:۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کیونکہ ان سے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو آمنے سامنے دکھا۔ ایک جگہ بیان فرمایا کہ جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ فرمایا کہ ان کے اور ان کے دل یکساں ہیں۔ بعض ایک ہی جیسے ہیں اس لئے کہ ہر دور میں گمراہوں کی گمراہی ایک ہی جیسی رہی ہے۔ فرمایا کہ پہلوں نے بھی اپنے رسولوں کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا اور یہ لوگ بھی آپ کو اے پیغمبر اسلام! یہی کچھ کہتے ہیں یعنی جادوگر اور دیوانہ۔

سب کے دل ایک جیسے ہونے کا مطلب ایک ہی جیسے سوالات کرنا ہے

۲۲۳ یعنی اگلوں اور پچھلوں کے قلب بے بصیرتی اور ناحق شناسی میں بالکل ایک ہی جیسے ہیں کیوں؟ اس لئے انہوں نے ایک ہی طرح کے سوالات کئے ہیں انجیل میں ان کی گمراہی کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ:

"اس زمانہ کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یونس کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔" (متی ۱۶:۴)

Marfat.com

لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا

والے ہیں کتنی ہی نشانیاں[224] نمایاں کر دی ہیں جن کو دیکھ کر وہ مان رہے ہیں۔ ۱۱۸

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے کہ ایمان و عمل کی برکتوں کی بشارت دو اور انکار حق کے نتائج[225] سے متنبہ کر

"اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو' جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں سے کس کو تم نے نہیں ستایا؟" (اعمال ۵۱ : ۵۲)

مطالبہ ایک نشان کا تھا لیکن ان کو نشان پر نشان دکھایا گیا جو بے اثر ثابت ہوا

۲۲۴ ان کا مطالبہ ایک نشان کا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا او تاتینا ایۃ۔ جواب ملا کہ یہاں تو نشان پر نشان "قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ" پیش کئے جا چکے ہیں اور پھر سب نشانات سے قطع نظر دو نشانات یعنی معجزے تو بالکل بین و نمایاں تھے اور ان دونوں کے اندر بیسیوں نشانیاں بھی موجود تھیں لیکن کیا ان لوگوں نے ان کو مان لیا۔ ان کے مطالبہ کا جواب دیئے جانے کے باوجود وہ اپنا مطالبہ دہرائے جانے کے عادی ہیں تو ایسے لوگوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑا جائے تو اور کیا کیا جائے؟

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا سچائی' امانت' پاکبازی اور عقل و فہم کے لحاظ سے بے نظیر ہونا۔ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک جز کا بجائے خود معجزہ و نشان ہونا۔

یعنی دوسری نشانیوں کا کیا ذکر سب سے نمایاں ترین نشانی تو محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی شخصیت ہے۔ آپؐ کے نبوت سے پہلے کے حالات اور اس قوم اور ملک کے حالات جس میں آپؐ پیدا ہوئے اور پھر خصوصاً وہ حالات جن میں آپؐ نے پرورش پائی اور چالیس سال زندگی بسر کی اور پھر وہ عظیم الشان کارنامہ جو نبی ہونے کے بعد آپؐ نے انجام دیا یہ سب کچھ ایک ایسی روشن نشانی ہے جس کے بعد کسی اور نشانی کی حاجت نہیں رہتی۔

۲۔ قرآن کریم کا لفظی و معنوی' ظاہری و باطنی' تعلیمی و ادبی اعتبار سے بے مثل ہونا۔ یہ سب نشانات ان سے کچھ چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے انہیں بالکل واضح و آشکارا کر رکھا ہے۔ ان میں سے ایک چیز بھی چھپی ہوئی نہیں' "قد بینا" "قد" کی تاکید نے "بینا" کی صراحت کو اور زیادہ زور دار بنا دیا ہے اور اس کے اظہار کے لئے اردو ترجمہ "کھول کھول" کیا جا سکتا ہے لیکن یہ کھلے ہوئے نشانات بھی انہی لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کے قلب جہل و عناد کی گندگی اور شک و ارتیاب کی آلودگی سے پاک ہیں۔ شواہد و دلائل مادی قسم کے ہوں یا معنوی بہرحال ان سے نفع حاصل کرنے کے لئے دیدۂ بصیرت و چشم بینا ضروری ہے آنکھ رکھنے والوں کے

Marfat.com

لئے پیغمبر کی کتاب زندگی کی ایک ایک سطر معجزہ ہے عارف رومی نے اسی حقیقت کی ترجمانی اپنے خاص انداز میں کی ہے۔

در دل ہر کس کہ از دانش مزاست روے و آواز پیمبر معجزہ است

لیکن یہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو یقین کی طلب اور پیاس اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔

بعثت کی ضرورت

۲۲۵ ممکن تھا کہ اہل کتاب کی کج بحثیوں اور جاہلانہ باتوں سے رسول اللہ تنگ دل ہوتے جیسے کئی جگہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعر۲۶ : ۳) "اے پیغمبر اسلام۔ آپ شاید اس غم میں اپنی جان کھو بیٹھیں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔"

اس لئے آپؐ کے اطمینان قلب کے لئے یہاں ارشاد فرمایا کہ ہم نے تم کو خواہ مخواہ رسول بنا کر نہیں بھیجا بلکہ پوری دنیا کے حالات و واقعات کا مکمل تقاضا تھا کہ اب وہ خاتم الانبیاء تشریف لائے جس کے بعد رسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہونے والا ہے۔ اس جگہ ذرا تفصیل سے دیکھ لو کہ وہ حالات و واقعات کیا تھے؟

الف ۔ بنی اسرائیل کو زمانہ ہوا ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام سے قبل ہی غضب الٰہی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان کو انبیاء کرام کی زبان سے سانپ اور سانپ کے بچے کہا جاتا تھا۔ مسیح علیہ السلام کو انہوں نے اس قدر تنگ کیا کہ ان کو ان پر لعنت بھیجنا پڑی جس نے یہودیوں کو اور زیادہ مسخ کر دیا۔ اب ان میں انسانیت کا ذرہ برابر بھی شائبہ باقی نہ رہا۔ ہمسایہ قوموں کی صحبت اور یکجائی سے ان میں بت پرستی بھی آ گئی۔

ب ۔ یورپ قرون مظلمہ میں سے گزر رہا تھا۔ وہاں چاروں طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں۔ ناتھمبر لینڈ' مڈ لینڈ' کون ٹیز' نار فوک' سو فوک اور سا سیکس اضلاع انگلستان میں ووڈن بت کی پوجا ہوتی تھی۔

فرانس' ہرن ہلڈ' سگ برٹ' فرے دی' گوٹن دی اور مل ہیرک کے نصف پر انسانوں کی حکومت تھی۔ جب کہ پادریوں کے ایماء سے بہت سی بیہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے دریائے الب پر جنگ کرتا رہتا تھا اور یہ لڑائی ۷۸۲ء کے بعد دیر تک جاری رہی جب کہ ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت ہی بے رحمی سے شہرورڈن میں قتل کئے گئے۔ ہنگری ان دنوں بے انتہا وحشی و بربری اقوام کے قبضہ میں تھا جس کو ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔

ج ۔ ایران میں مشرکیہ کا زور تھا۔ جنہوں نے زر۔ زن اور زمین کو وقف عام کر دینے سے اخلاق انسانی اور نوعی ارتقاء کا ستیاناس کر دیا تھا۔ اخلاق نام کی کوئی چیز وہاں موجود نہ رہی تھی۔

Marfat.com

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ

دو' جو لوگ دوزخی گروہ میں شامل ہوگئے آپ ان کیلئے عنداللہ جواب دہ نہیں ہوں گے۔ ۱۱۹

اور یہ[۲۲۶] بات بھی ایک حقیقت ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ سے خوش ہونے والے

د ۔ ہندوستان میں پرانوں کا زمانہ تھا۔ بام مارگی فرقہ اس سرزمین پر قابو یافتہ تھا جو اپنے گندے اور ناپاک اصولوں کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ مندروں میں عورتوں اور مردوں کی برہنہ تصاویر بنا رکھی تھیں۔ انہی کی پرستش ہوتی تھی۔ عبادت خانوں کے در و دیوار پر ایسی ایسی تصاویر آویزاں تھیں جن کو ایک لمحے کے لئے بھی کوئی شریف اور مہذب انسان دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا۔ کیر انسانی کا ادب و احترام ہوتا تھا اور اس کی تصاویر یعنی مجسمے بنا کر مندروں میں رکھے جاتے تھے جو عورتوں کی مشکل کشائی کے کام آتے تھے۔

ہ ۔ چین کے رہنے والے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت تصور کر کے خدا سے منہ موڑ چکے تھے۔ ہر کام کے جدا جدا بت مقرر تھے کوئی بارش کا ہے تو کوئی امن کا ہے اور کوئی جنگ کا۔ عام خیال یہ ہے کہ کنفیوشس نے آکر چین کی اصلاح کی ہے مگر اس وقت تک ابھی اس کا ظہور نہ ہوا تھا۔

و ۔ مصر میں عیسائیت کا دور دورہ تھا۔ مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ابنیت کے متعلق نت نئے عقیدے بنتے تھے۔ جن کی وجہ سے ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا۔ باہمی خون ریزی ہوتی اور اگر موقع بن پڑتا تو آگ میں بھی جلا دیتے تھے۔

ز ۔ عرب میں خود سری تھی۔ اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرتے۔ جوا اور شراب کا عام دستور تھا۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ پتھر' درخت' چاند' سورج' پہاڑ اور دریا ان کے معبود تھے۔ انسانی حقوق کا کوئی ضابطہ نہیں تھا۔ اسی لئے قتل انسانی' رہزنی' حبس بے جا' ناجائز تصرف' بیجا مداخلت کے مرتکب ہوتے تھے۔

پس عین ضرورت کے مطابق جو قانون الٰہی میں طے تھا آپ کی بعثت ہوئی اس لئے آپ اپنا فرض برابر ادا کرتے رہیں۔ جو لوگ راہ حق اختیار کریں ان کی ہمتوں کو اور زیادہ بڑھاتے رہیں اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی ان کو بشارت دیتے رہیں لیکن جو آپ کی مخالفت کریں ان کی کمر ہمت کو توڑتے رہیئے اور ان کو عذاب الیم کی خبر دیجئے۔ اور وہ لوگ جو ضدی اور ہٹ دھرمی قسم کے ہیں ان کو راہ راست پر لے آنا آپ کے ذمہ نہیں ہے اس لئے کہ آپ نصیحت کرنے والے تو ہیں لیکن ان پر داروغہ نہیں لگائے گئے۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ (۸۸ : ۲۱' ۲۲) ان کی ناپاک اور ملحدانہ زندگی کے متعلق تم سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا۔

Marfat.com

یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی خوش نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ آپ ان کی بات مان لیں

۲۲۶ یہاں بالکل صاف صاف فرما دیا کہ اے پیغمبر اسلام اور پیغمبر کے ساتھیو! یہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ، کبھی آپ سے خوش نہیں ہو سکتے یعنی ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی ناراضگی دور نہیں ہو سکتی کیونکہ اسلام کی عداوت و دشمنی ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ انہوں نے ایک رب کو رب مان لیا ہے اور ظاہر ہے کہ نہ مسلمان رب کو رب ماننے سے باز آسکتے ہیں اور نہ ہی وہ مخالفت چھوڑ سکتے ہیں۔ اسی معصیت کی طرف درج ذیل آیت میں اشارہ ہے:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (البروج ۸۵ : ۸) اور ان کی دشمنی مسلمانوں سے محض اس بنا پر تھی کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست اور ستودہ صفات ہے۔ اور اس کو کہا جاتا ہے۔ ع حیا تک ذنب لا یقاس بہ ذنب

البتہ مسلمان اگر اپنے قرآن کریم کو ترک کر دیں اور ان کی اطاعت قبول کر لیں تو پھر وہ ان کے ساتھ ہیں۔ لیکن ان کو یقین ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں کیونکہ قرآن کریم اہل کتاب کی اطاعت کو کفر سے تعبیر کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ (آل عمران ۳ : ۹۹، ۱۰۰)

"مسلمانو! اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں پر کاربند ہو گئے تو یاد رکھو کہ نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ وہ تمہیں راہ حق سے پھرا دیں گے۔ اور ایمان کے بعد پھر کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اب پھر کفر کی راہ اختیار کرو۔ جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ کی آیتیں تمہیں سنائی جا رہی ہیں اور اس کے رسول تم میں موجود ہیں اور یاد رکھو کہ جو کوئی مضبوطی کے ساتھ اللہ کا ہو رہا تو بلاشبہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی۔"

دوسری قوم کی اطاعت کی ضرورت تو اس وقت محسوس ہوا کرتی ہے جب کسی قوم کے پاس قانون نہ ہو لیکن مسلمانوں کے پاس قانون بھی ہے اور شرح قانون بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدس قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے اس کے باوجود پھر یہود و نصاریٰ کی فرمانبرداری کریں تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کی رحمت سے دور جا پڑے ہیں۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

وَلَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا۝ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۷۵) "اور اگر راہ حق میں ہم نے تجھے جما نہ دیا ہوتا تو ضرور ان کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر ہی بیٹھتا اور اس صورت میں ضرور ایسا ہوتا کہ ہم تجھے زندگی کا بھی دوہرا عذاب

Marfat.com

چکھاتے اور موت کا بھی اور پھر تجھے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔"

فرمایا اے پیغمبر اسلام! اگر وحی الٰہی کی روشنی تیری راہنمائی کے لئے موجود نہ ہوتی تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا کہ تو اس بے لاگ ثبات اور اتنی پختگی کے ساتھ اپنی راہ پر چلتا رہتا۔ کام کی دشواریاں ضرور تجھے مغلوب کر لیتیں اور لوگوں کی بار بار اپیلیں ضرور تجھے تھکا دیتیں۔ طاقتور افراد کی منتیں اور التجائیں ضرور تجھے متوجہ کر لیتیں طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامن گیر ہو جاتیں۔ لغزشیں' ٹھوکریں' قدم قدم پر نمودار ہوتیں۔ لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی۔ کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا۔ یہ وحی الٰہی کی راہنمائی ہے اور وحی الٰہی کی راہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آ سکتی۔

داعئ حق کے لئے بڑا ہی نازک مقام ہے وہ جب کسی کا دل مائل ہوتا دیکھتا ہے تو اس کے گوشہ دل میں بھی نرمی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا جی تو چاہتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو حق کو قبول کر لیا جائے لیکن شرارتی ذہن اس نازک وقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوئی ایسی بات لگاوٹ کی کہہ دیتے ہیں کہ داعی کا بھی دل مائل ہو جاتا ہے لیکن ذرا ڈھیل ہوئی تو قدم پھسل گیا۔ پھر جس کی دعوت' دعوت الٰہی ہو وہ خود اس کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ایسے ذہنوں کی نبوت کے مقابلہ میں نہ چل سکی۔ یہاں بھی اس کا ذکر ہے اگرچہ مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں لیکن آپؐ کے توسط سے امت کے ہر داعئ حق کو سمجھانا مقصود ہے۔ خطاب نبی معصوم سے ہو رہا ہے کہ اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا۔۔۔۔۔۔۔ لیکن ثابت قدم کیسے نہ رکھا ہوتا۔ یہ ثابت قدمی تو فرع ہے' معصومیت کی اور معصومیت لازمہ نبوت ہے۔ نبی' اور کفر کی طرف جھکاؤ ممکن ہی نہیں! تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں! بطور تلقین بات کی جا رہی ہے اور اس کا انداز بھی بڑا پیارا ہے۔ فرمایا اگر یہ جھکاؤ ہوتا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جھکاؤ نہیں ہوا۔ وہ کیسے ہوتا کہ ہماری ثابت قدمی کی زنجیر عصمت نے اتنا بھی ملنے کا موقع کب دیا؟ یہاں تفہیم کرائی گئی کہ توفیق خیر حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اسی کی طرف منسوب کرنا چاہئے کیونکہ یہ کمال انسانی اللہ کی عطا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تمام تر زندگی اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہمیشہ نصرت و یاوری کی اور کبھی ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا آپؐ نے یہود و نصاریٰ کی اتباع کا خیال بھی نہیں فرمایا' آیت کے معنی دو طریقہ سے ہو سکتے ہیں:

الف۔ رسول اللہ ﷺ کی معرفت تمام امت مسلمہ سے خطاب کیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اہل کتاب کا اتباع کیا۔ تو نتیجہ تمہارے حق میں صحیح نہیں نکلے گا گویا ایک قسم کی تلقین کی جا رہی ہے وہ بھی افراد ملت کو۔

ب۔ غیر ممکن اور محال کو فرض کیا گیا ہے اور اس طرح فرض کرنے میں ایک قسم کی مزید پختگی کا پہلو پنہاں ہوتا ہے۔ اور یہ انداز بہت پیارا اور محبت سے لبریز ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء ۲۱: ۲۲) "اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا تو وہ یقیناً بگڑ کر برباد ہو

Marfat.com

الْيَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ
هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۱۲۰ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ

وقف منزل

نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ وہ تو صرف اسی حالت میں خوش ہو سکتے ہیں کہ تم ان کی جماعتوں کے پیرو ہو جاؤ اور تم ایسا کر نہیں سکتے۔ پس تم ان سے واضح طور پر کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت کی راہ تو وہی ہے جو اصل راہ ہے اور اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی جبکہ تمہارے پاس علم و یقین کی روشنی بھی آچکی ہے تو یہ ہدایات الٰہی سے منہ موڑنا ہوگا اور اگر ایسا ہوا تو اللہ کی دوستی اور مددگاری سے تم یکسر محروم ہو جاؤ گے۔ ۱۲۰

۱۲۱ اہل کتاب[۲۲۷] ہی میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کتاب الٰہی کی تلاوت سمجھ بوجھ کر

جاتے۔"

لہذا اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ اہل کتاب کا اتباع کر سکتے تھے سخت غلطی کا مرتکب ہونا ہے ایسی آیات کا مطلب بیان کرتے وقت احتیاط لازم ہے۔

اسلام دین الٰہی ہونے کا نشان

۲۲۷ اسلام ہی وہ دین ہے جو ہر سچائی اور صداقت کی تہ دل سے تصدیق کرتا ہے۔ مخالف سے مخالف میں بھی اگر کوئی خوبی کی بات پائی جائے تو اس کو کھلے دل تسلیم کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی میں کس کو شک ہے؟ لیکن انہی معاندین میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو قومی لحاظ سے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن کتاب الٰہی کی تہ دل سے عزت و احترام اور سچے دل سے تعظیم کرتے ہیں۔ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں تحریف و تغیر کو راہ نہیں دیتے اور یہ سب کچھ اس اعتراف حقیقت میں آگیا کہ وہ حق تلاوت ادا کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اپنی مذہبی کتاب تورات کی تلاوت کریں گے تو وہ قرآن

Marfat.com

تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۲۱ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ

ع ۱۴ ۱۵

کرتے ہیں تو وہی ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور جو کوئی انکار کرتا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے تباہی و نامرادی لازم ہو چکی ہے۔ ۱۲۱

اے[۲۲۸] بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمہیں سرفراز کیا تھا

کریم اور نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے پر خود بخود مجبور ہوں گے کیونکہ ان کی کتاب تورات میں آخری رسولؐ اور اس کی تعلیم دونوں کا ذکر بتفصیل موجود ہے اور جن لوگوں نے پیغمبر اسلام اور قرآن کریم کی تصدیق نہیں کی گویا انہوں نے اپنی ہی مذہبی کتاب تورات کی تعلیم اور اس کے احکام سے روگردانی کی ہے اور ان کا کتاب الٰہی کو تسلیم کرنے کا دعویٰ ریت کے ٹیلے پر عمارت بنانے کے مرادف ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر بات اس طرح ہے تو اس میں خسارہ و نقصان کس کا ہے؟

اجمال اور تفصیل اجمال کے بعد دوبارہ اجمال کی حکمت

۲۲۸ آیت نمبر ۱۲۲ اس سے پہلے آیت ۴۰، اور آیت نمبر ۴۷ میں دوبار ذکر کی جا چکی ہے۔ اور تیسری بار پھر ذکر کی گئی ہے اور اس طرح آیت ۱۲۳ بھی اس سے پہلے آیت ۴۸ میں بیان کی جا چکی ہے۔ ان دونوں آیات کی تفصیل کے لئے حاشیہ نمبر ۸۸ تا ۹۱ اور ۱۰۱ تا ۱۰۳ نمبر ملاحظہ ہوں۔ آیت ۴۰ اور ۴۷ میں جو اجمال تھا اس کی تفصیل آیت ۴۸ سے ۱۲۱ تک کی گئی اور بنی اسرائیل کے متعلق جن خاص خاص مضامین کا بیان کرنا مقصود تھا وہ پورا ہوا۔ پھر اس تفصیل کے بعد مجمل طور پر دوبارہ ان کے انعامات الٰہی کو ذکر کیا جاتا ہے۔ محاورات میں یہ طرز بلیغ بھی اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے کہ مفصل اور مطول بات کرنے سے پہلے ایک مجمل عنوان سے اس کی تقریر کر دی جائے۔ جس کا قدر مشترک تمام تفاصیل کے سمجھنے میں معین و مددگار ہو اور آخر میں بطور خلاصہ اور نتیجہ تفصیل اس مجمل عنوان کا پھر اعادہ کر دیا جائے مثلاً یہ کہا جائے کہ تکبر بڑی مضر خصلت ہے۔ اس میں ایک ضرر یہ، دوسرا یہ، تیسرا یہ، اسی طرح آٹھ دس یا دس بیس مضرتیں گنوا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرض تکبر بڑی ہی مضر خصلت ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ انسان دراصل مجموعہ اضداد ہے۔ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو یقیناً کوئی نہ کوئی خوبی بھی اس میں ضرور ہوگی اور یہ بات من حیث الافراد بھی ہے اور من حیث الجماعت بھی۔ جہاں ان کو الزامی

Marfat.com

الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ۱۲۲ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا
هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۱۲۳ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

اور میں نے تمہیں اقوام عالم میں برگزیدگی عطا کی تھی۔ ۱۲۲

اور دیکھو اس دن سے ڈرو جو یقیناً آنے والا ہے اس دن نہ تو کوئی جان دوسری جان کے کام آئے گی' نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا' نہ کسی کی سعی و سفارش چل سکے گی اور نہ ہی مجرموں کو کہیں سے مدد ملے گی۔ ۱۲۳

اور وہ[۲۲۹] وقت یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تھا اور وہ

جوابدیئے گئے وہاں اب تحقیقی اعتبار سے بھی گفتگو کی جاتی ہے اس طرح سے ان کی قومی دیانت' خاندانی بزرگی اور احتساب اعمال کو پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ جھوٹ بولنے سے پرہیز کریں اور صحیح صحیح جواب دیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا ذکر

۲۲۹ اس آیت میں اللہ نے اپنے پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات اور ان میں ان کی کامیابی پھر اس کے انعام و صلہ کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر جب انعام کی خوشخبری سن کر حضرت خلیل اللہ نے ازراہ پیار و محبت اپنی اولاد کے لئے اس انعام کی درخواست کی تو انعام پانے کا ایک خاص ضابطہ ارشاد فرمایا جس میں سیدنا خلیل اللہ کی درخواست کی منظوری مشروط طور میں دی گئی کہ یہ انعام خاص آپ کی ذریت کو بھی ملے گا لیکن جو لوگ آپ کی ذریت میں سے نافرمان اور ظالم ہوں گے وہ یہ انعام نہ پا سکیں گے۔

اس جگہ چند باتیں غور طلب ہیں۔

۱۔ امتحان کسی شخص کی قابلیت معلوم کرنے کے لئے لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ اس سے کسی شخص کا حال مخفی نہیں پھر اس امتحان کا کیا مقصد تھا؟

Marfat.com

۲۔ امتحان کس کس بات میں لیا گیا؟

۳۔ کامیابی کس صورت اور کس نوعیت کی رہی؟

۴۔ انعام کیا دیا گیا اور اس انعام کی کیا حیثیت تھی؟

۵۔ انعام کے لئے جو ضابطہ مقرر کیا گیا اس کی تفصیل کیا ہے؟

پہلی بات کہ امتحان کا مقصد کیا تھا؟ اس آیت کے اندر ایک لفظ "ربہ" نے اس کا جواب فراہم کر دیا اور اتنا صاف اور ستھرا جواب دیا کہ اس سے بہتر جواب ہو ہی نہیں سکتا اور قرآن کریم کا کمال اور اعجاز ہے کہ وہ ایسے الفاظ بیان فرما دیتا ہے کہ دریا کوزے میں بند ہو جاتا ہے۔ اس لفظ میں بتا دیا کہ اس امتحان کا ممتحن خود اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور رب کا لفظ لا کر اشارہ فرما دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ امتحان کسی نامعلوم قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ اس کا منشاء خود ابراہیم علیہ السلام کی تربیت ہے کہ ان آزمائشوں کے ذریعے اپنے خلیل کی تربیت کر کے اس کے درجات و مقامات کو بلند سے بلند تر اور بلند ترین کیا جائے۔ جس سے ابراہیم علیہ السلام کی شان جلالت کو اور نمایاں کر دیا جائے۔

دوسری بات کے متعلق قرآن کریم میں "کلمات" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کلمات سے مراد تیس خصلتیں ہیں کہ وہ سب اسلام کے شرائع ہیں اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پورا فرمایا۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے ان آزمائشوں میں پورے اترنے کو "وابراھیم الذی وفی" کے الفاظ سے خود ہی اس کی وضاحت فرما دی ہے اب ان تیس خصلتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو قرآن کریم کے مختلف مقامات میں بیان فرمایا گیا ہے جس میں سے دس سورہ التوبہ میں اور دس سورہ المومنون میں اور دس سورہ الاحزاب میں بیان کی گئی ہیں۔

چنانچہ سورہ التوبہ میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ (التوبہ ۹ : ۱۱۱، ۱۱۲)

"بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور مال بھی اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت کی جاودانی زندگی ہوگی وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا تورات انجیل اور قرآن تینوں کتابوں میں اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہو؟ مسلمانو اپنے اس سودے پر جو اللہ سے تم نے چکایا ہے خوش ہو جاؤ اور یہی ہے جو

Marfat.com

بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے۔

کہ وہ اپنی لغزشوں سے توبہ کرنے والے' عبادت میں سرگرم رہنے والے' اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے والے' سیرو سیاحت کرنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے' برائی سے روکنے والے' اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے۔ اے پیغمبر اسلام! ایسے مومنوں کو خوشخبری دے دو۔"

اس میں مومنوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ وہی ہیں جو اس سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں پورے کر دکھائے اور وہ ان سب کے سب میں پاس نکلے اب یہی اوصاف سچے مومنوں کے لئے ٹھہرائے گئے کہ ملت ابراہیمی کے ساتھ وابستگی کے لئے ضروری ہے کہ ان اوصاف میں انسان پورا اترے اور زیادہ نہیں تو ان اوصاف کے چھینٹے تو اپنے اوپر پڑنے دے یہ وہ دس اوصاف ہیں جو سورۃ التوبہ میں بیان ہوئے ہم چاہتے ہیں کہ ذرا ان کی تفصیل بیان ہو جائے تاکہ قارئین زیادہ سے زیادہ ان سے مستفید ہو سکیں۔

ایمان کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو گویا ان کے ایمان کا معاملہ یوں سمجھو' کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جان بھی اور مال بھی۔ اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی بلکہ وہ اللہ اور اس کی سچائی کی ہوگئی۔

بندگان تو کہ در عشق خداوندانند دو جہاں رابہ تمنائے تو بفروختہ اند

یعنی ان کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ جہاد کے لئے کمربستہ رہتے ہیں اس طرح وہ مرنے اور مارنے کے خوف سے کبھی ہراساں نہیں ہوتے پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کیا ہوا؟ فرمایا یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں۔ یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ اور عشاق حق میں طے پا گیا۔ اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹا سکتا ہے۔

سبحان اللہ! چونکہ مقصود اللہ سے لطف و کرم کا اظہار تھا اس لئے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بیچنے والے کی طرف سے۔ یعنی یہ نہیں کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ فرمایا کہ اللہ نے مومنوں سے خرید لی۔ گویا معاملہ کا طالب وہ تھا حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ پاک ہے اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کسی کا نہ تھا۔

جان دی پر دی ہوئی اس کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

"اَلتَّائِبُوْنَ" یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم ہوتے ہیں۔

"اَلْعَابِدُوْنَ" وہ جو اپنے اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیاز مندیاں صرف اور صرف اسی کے لئے ہوتی ہیں اور پھر اس جگہ عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے اور عام بھی۔

Marfat.com

خاص یہ کہ خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادت جو دین حق نے قرار دے دی ہے اسے پورے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے۔ عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے اور پھر وہ جو کچھ بھی سنے' جو کچھ بھی کہے جو کچھ بھی کرے سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو۔

"اَلْحَامِدُوْنَ" وہ جو اپنے فکر سے اور اپنے قول سے اللہ کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں فکر سے حمد و ستائش یہ ہوئی کہ بحکم "یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آل عمران ۳ : ۱۹۱) آسمان و زمین کی خلقت میں غور کرنا اور ان تمام کارفرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کی محمودیت و جمال پر دلالت کرتی ہیں۔ قول سے حمد و ستائش اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے کیونکہ جس ہستی کی محمودیت دل و دماغ میں بس جائے گی ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اسی کی حمد و ثنا کے ترانے نکلنے لگیں۔

"اَلسَّآئِحُوْنَ" وہ جو راہ حق میں سیر و سیاحت کرتے ہیں یعنی بحکم الٰہی قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (آل عمران ۳ : ۱۳۷) زمین میں عبرت و نظر کے لئے گردش کرتے ہیں۔ علم کی ڈھونڈ میں نکلتے ہیں۔ راہ حق میں جدوجہد کرتے ہیں ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں۔ حج کی خاطر خشکی اور تری کی مسافتیں طے کرتے ہیں۔

"اَلرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ" وہ جو اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں اور رکوع و سجود سے کبھی نہیں تھکتے۔ یہ رکوع و سجود کی حالت جسم پر بھی طاری ہوتی ہے اور قلب پر بھی اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے اور والہانہ انداز میں دیر دیر تک رکوع میں جھکے اور سجدے میں گرے رہتے ہیں گویا یہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو چکے ہیں اور ان کی دنیوی احتیاجات ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔

"اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں یعنی صرف اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دنیا میں حق و عدالت کے نشر و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

"اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ" یہ آخری وصف اور مقام ہوا جو اس جگہ بیان کئے گئے ہیں یعنی وہ جو حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اللہ نے انسان کے لئے ٹھہرا دی ہیں قرآن کریم کی اصطلاح یہ ہے کہ وہ تمام حقوق و واجبات خواہ افراد کی زندگی سے متعلق ہوں یا جماعت سے' وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی یہ حدیں جو مقرر کر دی گئی ہیں ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن و سعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جانا ہے۔

یہ اوصاف جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی قابل غور ہیں گویا یہ نفس انسانی کے تزکیہ و ترقی کے الگ الگ درجات ہیں یا طبقات جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمان میں پیش آتے ہیں۔

جب کوئی انسان راستی و ہدایت کی راہ میں قدم اٹھائے گا تو قدرتی طور پر پہلا مقام زندگی ہی کا اس کے پیش نظر رہے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ زندگی کا تعلق صرف اسی دنیا سے نہیں بلکہ یہاں سے منتقل ہو کر زندگی

Marfat.com

کے مقام پر پہنچنا ہے۔ پھر جو اس راہ میں اس سے لغزشیں ہوں گی اس کے لئے اس کے پاس توبہ و انابت ہی کی راہ پہلی اور آخری ہے یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے خواہ وہ کفر کی ہوں خواہ نفاق کی خواہ معاصی و زلات کی۔ باز آئے گا اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کرے گا اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا اور یہی توبہ کی حقیقت ہے پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی و نیاز مندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے پس یہ تیسری منزل ہوئی یا تیسرا طبقہ سلوک ایمان کا چونکہ عبادت گزاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر و ذکر کا مقام حاصل ہو جائے اور ملکوت السموات والارض کے مشاہدہ و معرفت کا دروازہ کھل جائے اس لے چوتھی منزل تحمید و تسبیح کی منزل ہوئی یعنی اللہ کی حمد و ثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران ۳ : ۱۹۱) پھر پچھلی منزلیں اگر مکمل درجہ میں طے ہوئی ہیں تو ممکن نہیں کہ مومن صادق کو گھر میں چین سے بیٹھنے دیں ضروری ہے کہ وطن و مکان کی الفت کی زنجیریں ٹوٹیں اور سیر و سیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں۔

ان منازل سے جو کارواں عمل گزر گیا اس نے گویا اصلاح نفس کی مسافت طے کر لی اب اس سے اگلی منزل الراکعون الساجدون کی ہوئی یعنی بندگی و نیاز مندی میں پورے ہوگئے اور اللہ کے سامنے سرنیاز ہمیشہ کے لئے جھک گیا اب "اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" کا مقام انہیں حاصل ہو جائے گا یعنی اپنی تعلیم و تربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لئے معلم و مربی ہو جائیں گے اور پھر آخری منزل کے ساتھ ڈانڈے مل گئے وہ اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ کا مقام ہے یہاں پہنچ کر ان کے تمام اعمال حدود الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔

اب ان دس امتحانی سوالوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا ذکر سورۃ المومنوں میں ہے چنانچہ ارشاد باری ہے :

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○ (المومنون ۲۳ : ۱ تا ۱۱)

"بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہی ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں۔ نکمی باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ ہاں اپنی بیویوں سے زناشوئی کا علاقہ رکھتے ہیں یا ان سے جو ان کی ملکیت میں آگئیں اور انہوں نے ان سے نکاح کر لیا اور اب ان سے علاقہ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں اور جو کوئی

Marfat.com

علاوہ ازیں دوسری صورت نکالے تو ایسی صورتیں نکالنے والے وہی ہیں جو حد سے باہر ہو جانے والے ہیں اور جن کا حال یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنا ورثہ پانے والے ہیں یہ فردوس کی زندگی میراث میں پائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں بسنے والے ہیں۔''

یہ دس اوصاف بھی انہیں اوصاف میں سے ہیں جن کے متعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش ہوئی اور آپ اس آزمائش میں سے بھی مکمل طور پر پاس ہوئے اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کو پیغمبر اسلام ﷺ نے اس چھوٹی سی جماعت پر نافذ فرمایا جو مکہ مکرمہ میں تشکیل پا چکی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک چھوٹی سی جماعت مکہ میں پیدا ہو گئی تھی اور دعوت حق کے فیضان نے اس کے خصائص اسلامی آشکارا کر دیئے تھے یہ گویا ان مریضوں کی پہلی جماعت تھی جو اس شفاخانہ سے تندرست ہو کر نکلی تھی اب طبیب ان کی طرف اشارہ کر کے گویا کہہ سکتا تھا کہ جسے میری طبابت میں شک ہو وہ انہیں دیکھ لے جس طبیب کے نسخہ شفا سے ایسے تندرست اور صحت مند لوگ موجود ہوں وہ طبیب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیسا؟

یعنی یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی و عملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہور دلیل بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی سورتوں میں جا بجا اس کے اعمال و خصائص کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔ اس سورت کی ابتداء اس مرقع سے ہوتی ہے۔ غور کرو کہ اس مرقع کے اصلی نقش و نگار کیا کیا ہیں؟ خصوصیت کے ساتھ یہاں جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں گویا قرآن کریم کے نزدیک ایمان و عمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی ہیں۔ جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ زندگی ایک مومن کی زندگی نہیں سمجھی جا سکتی۔

صحیح اور سچا ایمان لانے کے بعد نماز کی محافظت اور اس کو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا ''خشوع و خضوع'' کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ تم کسی باہیبت و جلال مقام میں کھڑے ہو جاؤ تو تمہارے ذہن و جسم پر کیسی حالت طاری ہو جائے گی۔ پس ایسی ہی حالت کو عربی زبان میں ''خشوع'' کی حالت کہتے ہیں۔

ہر اس بات سے دور رہنا جو نکمی ہو صرف انہی باتوں کا اشغال رکھنا جو دین و دنیا میں نافع ہوں۔ اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لئے خرچ کرنا' اور زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا' امانت دار ہونا' اپنے عہدوں کو پورا کرنا یہ سب اوصاف ایسے ہیں جن سے انسان کی انسانیت کامل ہوتی ہے۔

اتحاد تناسل کا جائز طریقہ ایک اور صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے ازدواج کا طریقہ وہ لوگ صرف یہی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسری راہ وہ نہیں اختیار کرتے خواہ وہ کسی نوعیت یا کسی شکل کی ہو۔ یعنی وہ زناشوئی کا علاقہ بجز منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے۔ ان کی بیویاں ایسی ہوں جو آزاد سوسائٹی کے افراد سے ہوں یا لونڈیاں ہوں اور ان سے انہوں نے نکاح کر لیا ہو۔ یہ وضاحت اس لئے کرنا پڑی

Marfat.com

کہ بدقسمتی سے ہمارے علماء نے صرف ملک یمین میں ہونے ہی کو نکاح کے قائم مقام سمجھ لیا۔ العیاذ باللہ۔ کہاں نکاح اور کہاں ملک یمین۔ چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں اس لئے اس طرح ذکر کرنا ناگزیر تھا۔ رہی یہ بات کہ خود قرآن کریم نے رسم غلامی کے بارے میں کیا حکم دیا؟ اور کس طرح اسے مٹانا چاہا؟ تو اس کا جواب آپ کو سورہ محمد میں ملے گا۔ انشاء اللہ

اب سورۃ الاحزاب میں بیان کئے گئے دس اوصاف کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے ان تیس اوصاف کی تعداد پوری ہو جائے گی جو احادیث کی رو سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام میں موجود تھے جن میں آپ کو آزمایا گیا تھا اور آپ اس آزمائش میں پورے اترے تھے چنانچہ ارشاد باری ہے :

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ وَالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ (الاحزاب ۳۳ : ۳۵)

”بلاشبہ جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں۔ جو مرد اور عورتیں مومن ہیں۔ جو مرد اور عورتیں مطیع فرمان ہیں۔ جو مرد اور عورتیں راست باز ہیں۔ جو مرد اور عورتیں صابر ہیں۔ جو مرد اور عورتیں اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ جو مرد اور عورتیں صدقہ دینے والے ہیں۔ جو مرد اور عورتیں روزہ رکھنے والے ہیں۔ جو مرد اور عورتیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور جو مرد اور عورتیں اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔“

سورہ الاحزاب کے پچھلے رکوع میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کو ہدایات دی گئی تھیں اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ وہ سب ہدایا مسلم سوسائٹی کے لئے ضروری ہیں لہٰذا ایک مسلم معاشرہ کو اپنے کردار کی اصلاح انہی ہدایات کے مطابق کرنی چاہیے۔

۱۔ جن لوگوں نے اسلام کو اپنے لئے ضابطہ حیات کی حیثیت سے قبول کیا ہے اور یہ طے کر لیا ہے کہ اب وہ اس کی پیروی میں زندگی بسر کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں جن کے اندر اسلام کے دیئے ہوئے طریق فکر اور طرز زندگی کے خلاف کسی قسم کی مزاحمت باقی نہیں رہی ہے بلکہ وہ اس کی اطاعت اور اتباع کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔

۲۔ جن کی یہ اطاعت محض ظاہری نہیں ہے اور نہ ہی بادل نخواستہ ہے بلکہ سارے دل سے وہ اسلام کی راہنمائی کو حق مانتے ہیں ان کا ایمان یہی ہے کہ فکر و عمل کا جو راستہ قرآن کریم اور محمد رسول اللہ ﷺ نے دکھایا ہے وہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے اور اس کی پیروی میں ہماری فلاح ہے جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے غلط کہہ دیا ہے ان کی اپنی رائے بھی یہی ہے کہ وہ یقیناً غلط ہے اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے حق کہا ہے ان کا اپنا دل و دماغ بھی اسے برحق ہی یقین کرتا ہے ان کے نفس اور ذہن کی حالت یہ نہیں ہے کہ قرآن

Marfat.com

اور سنت سے جو حکم ثابت ہو اسے وہ نامناسب سمجھتے ہوں اور اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہیں کہ کس طرح اسے بدل کر اپنی رائے کے مطابق یا دنیا کے چلتے ہوئے طریقوں کے مطابق ڈھال بھی دیا جائے اور یہ الزام بھی اپنے سرنہ لیا جائے کہ ہم نے یہ حکم خداوندی یا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ترمیم کر ڈالی ہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ ایمان کی صحیح کیفیت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا (صحیح مسلم) کہ وہ شخص ایمان کا لذت شناس ہوگیا جو اس بات پر راضی ہوگیا کہ اللہ ہی اس کا رب ہے اور اسلام ہی اس کا دین ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے رسول ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں آپؐ کا فرمان اس طرح ہے:

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (شرح السنہ) تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہش نفسی اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں۔

تیسری صفت یہ کہ وہ محض مان کر رہ جانے والے بھی نہیں ہیں بلکہ عملاً اطاعت کرنے والے ہیں ان کی یہ حالت نہیں کہ ایمانداری کے ساتھ حق تو اسی چیز کو مانیں جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے مگر عملاً اس کی خلاف ورزی کریں اور اپنی مخلصانہ رائے میں تو ان سب کاموں کو برا ہی سمجھتے رہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے مگر اپنی عملی زندگی میں ارتکاب انہی کا کرتے چلے جائیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ اپنی گفتار میں بھی سچے ہیں اور اپنے معاملات میں بھی کھرے ہیں۔ جھوٹ‘ فریب‘ بدنیتی‘ دغا بازی اور کمینہ پن ان کی زندگی میں نہیں پائی جاتی۔ ان کی زبان وہی بولتی ہے جسے ان کا ضمیر صحیح جانتا ہے۔ وہ کام وہی کرتے ہیں جو ایمانداری کے ساتھ ان کے نزدیک راستی و صداقت کے مطابق ہوتا ہے اور جس سے بھی وہ کوئی معاملہ کرتے ہیں دیانت کے ساتھ کرتے ہیں۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلنے اور اللہ کے دین کو قائم کرنے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں۔ جو خطرات بھی درپیش ہوں جو تکالیف بھی اٹھانی پڑیں اور جن نقصانات سے بھی دوچار ہونا پڑے ان کا پوری ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ کوئی خوف‘ کوئی لالچ اور خواہشات نفس کا کوئی تقاضا ان کو سیدھی راہ سے ہٹا دینے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ تکبر اور استکبار اور غرور نفس سے خالی ہیں وہ اس حقیقت کا پورا شعور و احساس رکھتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور بندگی سے بالاتر ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے اس لئے ان کے دل اور جسم دونوں ہی اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ ان پر اللہ کا ڈر غالب رہتا ہے ان سے کبھی وہ رویہ ظاہر نہیں ہوتا جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا اور اللہ سے بے خوف لوگوں سے ظاہر ہوا کرتا ہے۔ ترتیب کلام کو ملحوظ رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس عام خدا ترسانہ رویہ کے ساتھ خاص طور پر "خشوع" سے مراد نماز ہے کیونکہ اس کے بعد

Marfat.com

ہی صدقے اور روزے کا ذکر ہے۔

ساتویں صفت ان کی یہ ہے کہ وہ صرف فرضی زکوٰۃ ادا کرنے پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ عام خیرات بھی اکثر اوقات میں کرتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں کھلے دل سے اپنے مال صرف کرتے ہیں اللہ کے بندوں کی مدد کرنے میں اپنی حد استطاعت تک وہ کوئی دریغ نہیں کرتے کوئی یتیم' کوئی بیمار' کوئی مصیبت زدہ' کوئی ضعیف و معذور' کوئی غریب و محتاج آدمی ان کی بستیوں میں دستگیری سے محروم نہیں رہتا اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لئے ضرورت پیش آجائے تو اس پر اپنے مال لٹا دینے میں وہ کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔

آٹھویں صفت ان کی یہ ہے کہ فرض روزوں کے ساتھ نوافل روزوں کی بھی خواہش رکھتے ہیں ایک مہینے میں تین روزے یعنی ایام بیض کے دنوں میں روزے رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں تاکہ فرض کے ساتھ سنت کی مٹھاس سے بھی وہ محروم نہ رہیں۔ نیز روزہ رکھوانے اور کھلوانے میں بھی اہتمام کرتے ہیں لیکن ان کا یہ سارا معاملہ اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے جس میں دکھاوے کا نام بھی نہیں ہوتا۔

نویں صفت ان کی یہ ہے کہ زنا تو زنا وہ عوارض زنا کے قریب تک نہیں جاتے اس طرح وہ ہر طرح کی عریانی' زبانی ہو یا جسمانی' اس سے پرہیز کرتے ہیں وہ ان رواجات کے قریب بھی نہیں جاتے جو ان کو عریانی کی طرف لے جائیں' وہ ہر اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جس میں برہنگی اور عریانی کی بو آئے وہ سمجھتے ہیں کہ عریانی صرف اس چیز کا نام نہیں کہ آدمی لباس کے بغیر ننگا ہو جائے بلکہ ایسا لباس پہننا بھی برہنگی ہی ہے جو اتنا رقیق ہو کہ جسم اس میں سے جھلکتا ہو یا اتنا چست ہو کہ جسم کی ساخت اور اس کے نشیب و فراز سب اس میں سے نمایاں نظر آتے ہوں۔

دسواں وصف ان کا یہ ہے کہ وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی طرح اللہ کا نام آتا رہے۔ یہ کیفیت آدمی پر اس وقت تک طاری نہیں ہوتی جب تک اس کے دل میں اللہ کا خیال بس کر نہ رہ گیا ہو۔ انسان کے شعور سے گزر کر اس کے تحت الشعور اور لاشعور میں جب یہ خیال گہرا اتر جاتا ہے تب ہی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کام اور جو بات بھی وہ کرے گا اس میں اللہ کا نام ضرور آئے گا اور یہ معاملہ تصنع یا بناوٹ سے نہیں ہوتا بلکہ ان کے دلوں میں وہ راسخ ہو جاتا ہے ایسا آدمی جب کھائے گا تو بسم اللہ کہہ کر کھائے گا اور کھانے سے فارغ ہو کر الحمدللہ کہے گا۔ سوئے گا تو اللہ کو یاد کرے گا اور اٹھے گا تو اللہ ہی کا نام لیتے ہوئے۔ بات چیت میں بار بار اس کی زبان سے بسم اللہ' الحمد للہ' انشاء اللہ' ماشاء اللہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات نکلتے رہیں گے لیکن یہ سب کلمات کہتے وقت وہ جانتا ہوگا کہ ان کلمات کو زبان سے ادا کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اپنے ہر کام میں فوقیت دینا چاہتا ہے جو کسی دوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔

Marfat.com

وہ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے مدد مانگے گا اور غیر اللہ سے اجتناب کرے گا۔ ہر نعمت ملنے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرے گا اور یقین جانے گا کہ اس نعمت کے عطا کرنے والا ایک اور صرف ایک ہی ہے اور وہی میرا رب ہے وہ ہر وقت آنے پر اس کی رحمت کا طلبگار ہوگا۔ ہر مشکل میں اس سے رجوع کرے گا۔ ہر برائی کا موقع سامنے آنے پر اس سے ڈرے گا اور کوئی قصور بھی سرزد ہو جانے پر اس سے معافی طلب کرے گا۔ ہر حاجت پیش آنے پر اس سے دعا مانگے گا۔ غرض اٹھتے بیٹھتے اور دنیا کے سارے کام کاج کرتے ہوئے اس کا وظیفہ اللہ ہی کا ذکر ہوگا یہ چیز دراصل اسلامی زندگی کی جان ہے۔ بشرطیکہ زبان اور عمل سے ایک ہو' ایسا نہ ہو کہ بغل میں چھری اور منہ میں رام رام۔ دوسری جتنی بھی عبادات ہیں ان کے لئے کوئی وقت ہوتا ہے جب وہ ادا کی جاتی ہیں اور انہیں ادا کر چکنے کے بعد آدمی فارغ ہو جاتا ہے لیکن یہ وہ عبادت ہے جو ہر وقت جاری رہتی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا مستقل رشتہ اللہ اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں بھی جان اسی چیز سے پڑتی ہے کہ آدمی کا دل محض ان خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت اللہ کی طرف راغب اور اس کی زبان ہر وقت اس کے ذکر سے تر رہے۔ یہ حالت انسان کی ہو تو اس کی زندگی میں عبادات اور دینی کام ٹھیک اسی طرح پروان چڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں جس طرح ایک پودا ٹھیک اپنے مزاج کے مطابق آب و ہوا میں لگا ہوا ہو۔ اس کے برعکس جو زندگی اس دائمی ذکر اللہ سے خالی ہو اس میں محض مخصوص اوقات میں یا مخصوص مواقع پر ادا کی جانے والی عبادات اور دینی خدمات کی مثال اس پودے کی سی ہے جو اپنے مزاج سے مختلف آب و ہوا میں لگایا گیا ہو اور محض باغبان کی خاص خبرگیری کی وجہ سے پل رہا ہو۔

یہاں تک تیس کلمات یا خصائل بیان کی گئیں لیکن بغور مطالعہ کرنے والے سمجھیں گے کہ اس میں بہت سی باتیں تو وہ ہیں جو دو بار یا تین بار اس میں آگئیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بلحاظ الفاظ ایسا ہوا بھی ہے تو مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے جس سے یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ کوئی بات دوبارہ یا سہ بارہ آگئی تاہم صحیح احادیث میں اور بھی بہت سی خصائل ایسی ہیں جن کی نسبت سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی سے کی جاتی ہے اور انہی کے توسط سے اب ملت ابراہیمی کے ہر فرد کے لئے وہ لازمی قرار دی جاتی ہے بعض ان میں فرض' سنت اور مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ تاہم ایک حدیث مزید یہاں درج کی جاتی ہے تاکہ ان خصائل کو بھی ساتھ شامل کر لیا جائے تاکہ دوبارہ یا سہ بارہ آنے والی باتوں یا کلمات کی جگہ ان کو رکھا جا سکے۔

طاؤس نے کہا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مزید دس چیزوں سے آزمایا تھا کہ وہ بھی فطرت انسانی کے مقتضی ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق سر میں ہے اور پانچ باقی بدن سے متعلق ہیں جو چیزیں سر سے متعلق ہیں وہ پانچ چیزیں درج ذیل ہیں:

مونچھیں کتروانا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' مسواک کرنا اور سر میں مانگ نکالنا۔ اور جو پانچ بدن کے متعلق ہیں وہ یہ ہیں: ناخن تراشنا' بغل کے بال اکھاڑنا' زیر ناف بالوں کا مونڈنا' ختنہ کرنا اور پانی سے استنجا کرنا۔

الجزء ۱

Marfat.com

علاوہ ازیں بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش میں بہت کچھ بیان کیا گیا ہے لیکن احادیث کی روشنی میں ان کو ان خصائل میں شمار نہیں کیا گیا۔ اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے واقعات بہت دلچسپ اور نہایت ہی نصائح سے لبریز ہیں لیکن انشاء اللہ ان کو ان کے مقامات پر بیان کیا جائے گا۔ البتہ اس آیت کی تفسیر کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک خاکہ یہاں بھی دیا جا رہا ہے تاکہ قارئین اس کی روشنی میں ان مقامات کا مطالعہ کریں اور پھر دیکھیں کہ اس ابوالانبیاء کی تاریخ میں اسلامی زندگی کے لئے کون سی وہ بات ہے جو بیان نہیں کر دی گئی؟ اگر اس میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے تو پھر مسلمانوں ہی کا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو ملت ابراہیم قرار دیں اور جھوم جھوم کر پڑھیں : اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ اس امتحان میں کامیابی کس صورت اور نوعیت کی رہی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں ان کو مسند کامیابی عطا فرمائی اور اعلان فرما دیا کہ "وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى" کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پورا کر دکھایا۔

چوتھا سوال یہ تھا ابراہیم علیہ السلام کو انعام کیا دیا گیا؟

اس کا جواب اس آیت کے اندر آچکا ہے جب فرمایا کہ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ ۲ : ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں آپ کو لوگوں کا امام اور پیشوا بناتا ہوں۔

تورات میں بھی یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے :

"اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہوگا ادیان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا۔ اور ان کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کر دوں گا اور دنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔" (پیدائش ۲۰ : ۱'۲)

یہ دینی سرداری اور امامت پورے ایک عالم کی آج تک آپ کے حصے میں چلی آرہی ہے اور اسلام کے علاوہ بھی جو مذاہب توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت و نصرانیت وہ آپ کی امامت پر متفق و متحد ہیں ایک نامور فرنگی فاضل بیسویں صدی کے ثلث اول کے ختم پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے۔

"ابراہیم کی ہستی کسی بدوی سردار کی نہ تھی کہ وہ لوٹ مار کرتے' اور ملک گیری کرتے رہتے۔ ان کی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے وہ حقیقتہ" مورث اعلیٰ کسی نسل کے نہیں۔ بانی و امام وہ مذہبی تحریک کے تھے محمدؐ کی طرح جو ان کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے وہ ساری قوموں اور قبیلوں کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے' اور تورات کے حسب روایت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے۔" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد اول ص ۶۰ طبع

Marfat.com

(چہارم)

ذرا غور کرو کہ اوپر کی عبارت میں جو یہ الفاظ بیان کئے گئے ہیں "محمدؐ کی طرح" انہیں ایک بار پھر پڑھو کہ اہل یورپ کی زبان سے اللہ کے حبیب ﷺ اور اللہ کے خلیل علیہ السلام کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف بس اللہ ہی کی شان ہے۔ آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امامت کے جو معنی بیان ہوئے ہیں اس کے لحاظ سے امامت کے اعلیٰ مرتبہ پر انبیاء کرام ہی فائز ہوتے ہیں اور ان کے بعد خلفائے راشدین ہیں اور خلفائے اسلام جو خصوصاً محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد ہوتے رہے اور آج بھی مسلمانوں کے لئے ایک خلیفہ وقت ضرور ہونا چاہئے خواہ اس کا کوئی نام رکھا جائے یعنی اسلامی نام و منصب خلافت یا کوئی نیا نام تاہم ہر زمانہ میں ایک ایسی شخصیت کا ہونا ضروریات دینی بلکہ دین کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے اسی سے عالم اسلامی کی مرکزیت قائم رہ سکتی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے اس عہدہ اسلامی کو ختم کیا ہے دنیا میں ذلیل و خوار ہی ہوئے اور آج کی خواری کا بھی اصل سبب یہی ہے لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی سوچ کو کیا ہوگیا' انہوں نے اپنے دل بہلانے کی خاطر یہ تاویل کی کہ ہمارا امام قرآن کریم ہے ہمارا امام صرف ایک یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ہمارا امام بیت اللہ ہے وغیرہ لیکن یہ سب تاویلیں دل کا بہلاوا ہیں اور اسی طرح کے دعوے فریب خوردہ قومیں کرتی رہتی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اصل بات یہی ہے کہ ہر زمانہ میں پورے عالم اسلامی کے لئے ایک امام کا ہونا نہایت ضروری ہے اس کا نام حالات زمانہ کے مطابق آپ کچھ بھی رکھیں اور اگر وہ امام' امیر المومنین' خلیفہ وقت خطہ عرب ہی کا حکمران تسلیم کرلیا جائے تو دنیا دیکھے کہ اسلام کی ترقی کے لئے یہ منصب کتنا ضروری ہے۔

اس آیت سے ایک طرف تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اس کامیابی کے صلہ میں امامت خلق اور پیشوائی کا انعام دیا گیا۔ دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوا کہ خلق خدا کے امام و مقتداء اور پیشوا بننے کے لئے جو امتحان درکار ہے وہ ایسا امتحان نہیں جس میں چند مسائل کی فنی تحقیق اور علمی موشگافیوں کو کامیابی کا اعلیٰ درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اس عہدے کے حاصل کرنے کے لئے ان تیس اخلاقی اور عملی صفات میں کامل اور مکمل ہونا شرط ہے جن کا ذکر ابھی بحوالہ آیات کریمات آچکا ہے اور حدیث کی زبان مبارک سے بھی دس خصائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

انسان کی فطرۃ اولیٰ تو محض نیکی میں ہے اس میں بدی کی مطلق آمیزش نہیں مگر اس کی ثانوی تخلیق میں خیر و شر دونوں کو ودیعت کیا گیا ہے اگر ایک شخص کا قلب سلیم ہے اور خارجی اثرات ضلالت سے اس کے آئینہ کو گرد آلود نہیں کیا گیا تو وہ ضرور اپنے خالق کے آگے جھکے گا اور جو چیزیں اس کے تزکیہ نفس اور طہارت و پاکیزگی میں خلل انداز ہوں گی ان کو دور کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس طہارت کے پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ان خصائل فطرت کا اپنے آپ کو عادی بنا لیا جائے۔

Marfat.com

اگر ایک شخص چالیس روز تک ان خصائل فطرت کو جو حدیث کی زبان میں پیش کی گئی ہیں ترک کر دے تو اسے معلوم ہو گا کہ اس کے ارادہ میں ضعف' اس کے عزم میں کمزوری اور اس کی طبیعت میں کدورت پیدا ہو گئی ہے خیالات میں پراگندگی اور افکار میں تشتت معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس رواج کے بانی ہیں۔ قوم میں ایک خاص کیرکٹر پیدا کرنا ان کا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ جو چیزیں ہمارے بدن میں کدورت پیدا کرنے والی ہیں ان کو فوراً کاٹ دیا جائے تاکہ آہستہ آہستہ طبیعت اس درجہ پر آجائے کہ صحیح فرض معلوم ہونے پر انسان اپنی زندگی بھی قربان کر سکے۔ طہارت کے یہ اصول اساس اس قدر آسان ہیں کہ عام انسانوں میں ان کی اشاعت نہایت سہولت کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کو عام کر دیا اور ہر شخص ان کا عادی بن گیا تاکہ مجددین ملت اور دعاۃ اسلام کی تعلیم کو لوگ قبول کرنے کو تیار ہوں اور ان کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہو سکتی ہیں وہ ایک حد تک دور ہو جائیں۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ اس انعام کے لئے جو ضابطہ الٰہی مقرر کیا گیا اس کی تفصیل کیا ہے؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ امامت و پیشوائی ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی خلافت ارضی ہے یعنی جس مقصد کے لئے دراصل انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کی وضاحت اس طرح فرما دی کہ یہ خلافت ایسے شخص کو نہیں دی جا سکتی جو اللہ تعالیٰ کا باغی اور نافرمان ہو۔ اس لئے مسلمانوں پر لازم اور ضروری ہے کہ اپنے اختیار سے اپنا نمائندہ یا امیر کسی ایسے شخص کو مقرر نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کا باغی یا نافرمان ہو۔ اور اس عہدہ پر جب ایک شخص فائز ہو جائے اور دوسرا کوئی شخص اس عہدہ کی خواہش پر اٹھ کھڑا ہو تو اس پر قدرت پانے کے بعد فوراً اور بلاحیل و حجت اس کو قتل کر دیں خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو۔

اس وقت عالم اسلام اور خصوصاً پاک و ہند میں جو امامت کی شکل و صورت بنا دی گئی ہے یہ سراسر غیر اسلامی ہے جس کی دین اسلام میں کوئی گنجائش نہیں تھی کہ ایک آدمی اٹھتا ہے وہ ایک مسئلہ کو یا چند مسائل کو خوب ہوا دیتا ہے یہاں تک کہ دین کا سارا دارومدار اسی مسئلہ یا ان مسائل پر قائم کرتا ہے جو لوگ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں ان کو اپنی چرب زبانی اور سبقت لسانی سے بلیک میل کر کے ایک نئی جماعت کی داغ بیل ڈال کر حکومت سے رجسٹریشن کروا لیتا ہے اور خود کو اس جماعت کا امیر قرار دے کر رسول اللہ ﷺ کے ان جماعتی ارشادات کو اپنی جماعت اور اپنی ذات پر فٹ کر کے باقی سب خارج از اسلام قرار دے لیتا ہے اور اس پر اتنا تشدد کرتا ہے کہ وہ دوسرے سب لوگوں سے مقاطع کرنے کی ہدایات دیتا ہے کہتا ہے کہ ہماری دوسروں کے ساتھ مل کر نماز نہیں ہوتی' دوسروں کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا' دوسروں کے ساتھ میل جول حرام ہے ان لوگوں نے عالم اسلام کی وحدت کو جس طرح ختم کیا ہے اور دین اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اتنا کوئی یہودی اور عیسائی بھی نہیں پہنچا سکا اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے کہ ان سب لوگوں کو توبہ کی تلقین کا پروانہ جاری کرے اور ایک قلیل مدت کے اندر ان کو راہ راست پر آنے کی تلقین کرے اور اس مدت کے اندر جو لوگ توبہ نہ کریں اور ان

Marfat.com

فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ
مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ان میں پورا اترا تھا۔ جب ایسا ہوا تو اللہ نے فرمایا۔ اے ابراہیم! میں تجھے انسانوں کے لئے امام بناتا ہوں۔ پھر ابراہیمؑ نے عرض کیا اے اللہ! جو لوگ میری نسل سے ہوں گے ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ اس کو جواب دیا گیا کہ جو ظلم و معصیت[۲۳۰] کی راہ اختیار کریں گے ان کے لئے میرے اس عہد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ۱۲۴

عہدوں سے دستبردار نہ ہوں تو ان سب کو قتل کرا دیا جائے۔ اس لئے کہ دعوت اسلامی اتنی اہم چیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں افراد کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ افراد سینکڑوں میں ہوں یا ہزاروں میں۔ یہ سب لوگ اسلام کے باغی ہیں جو تشتت اسلام کے مرتکب ہوئے ہیں۔

خلافت ارضی کا عہد بھی نافرمانوں کے لئے نہیں ہے

۲۳۰ مطلب یہ ہے کہ برکت و فضل کا سلسلہ تمہاری نسل میں بھی ضرور رہے گا لیکن اس کا استحقاق محض ارث، نسب اور نسل کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل صالح بھی حاصل کرنا ہوگا۔ گویا دعائے ابراہیمی اولاد صالح کے حق میں قبول ہوئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ آپ کی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہوں گے کچھ صالح و مطیع اور کچھ ظالم و نافرمان۔ صالحین کو امامت کی بشارت مل گئی اور ظالم اس سے محروم کر دیئے گئے دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کی مزید وضاحت فرما دی ہے کہ ایک ہے امامت و امارت کی صلاحیت اور ایک ہے اللہ کی رضا۔ اور اللہ کا قانون امارت۔ ایک صالح انسان میں جب امامت و امارت کی صلاحیت ہوگی پھر وہ اس عہدہ پر فائز ہوگا گویا اس کے اللہ کے عہد کے مطابق اور اس کی رضامندی کے ساتھ یہ عہدہ اس کو مل گیا۔

لیکن اگر ظالم اور فاسق انسان میں جب امامت و امارت کی صلاحیت ہوگی اور وہ اس عہدہ پر فائز ہو جائے گا تو یہ اللہ کی رضا اور مرضی سے اس عہدہ پر فائز نہیں ہوا بلکہ اللہ کے اس قانون امارت کے مطابق اس عہدہ پر براجمان ہوا ہے جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ دنیا کی پیشوائی کے لئے اگر اللہ کی رضا اور مرضی بھی شامل ہوئی تو گویا یہ شخص کامیاب و کامران ہوا اس کی دنیا بھی صحیح ہوگئی اور ماشاء اللہ آخرت بھی اگر فقط اس میں صلاحیتیں تھیں اور ان صلاحیتوں کے بل پر وہ پیشوا ہوگیا تو گویا قانون امامت کے مطابق اس کو اس وقت

Marfat.com

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے اجتماع اور[۲۳۱] پناہ کی جگہ بنایا

امامت ضرور مل گئی لیکن رضا الٰہی اس کے شامل حال نہ ہوئی۔ لہٰذا دنیا میں جو اس کو ملا وہ فقط دنیا ہی تک محدود ہے آخرت میں کوئی صلہ نہیں ہوگا۔ جس کی کامیابی کا تعلق صرف اس دنیا تک محدود ہے جو آج نہیں تو کل ختم ہو جائے گی۔

دنیا کی قدیم عبادت گاہ بیت اللہ ہی ہے

۲۳۱ یوں تو پوری دنیا میں سب سے پہلے جو عبادت گاہ تعمیر کی گئی وہ بیت اللہ ہی ہے قرآن و حدیث اور تاریخ سب کی شہادتیں اس پر موجود ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام منہدم شدہ بیت اللہ کے معمار ہیں نہ کہ موجد تعمیر' تاہم ابراہیم علیہ السلام کے دور میں بھی سرزمین عرب میں بیت اللہ کے سوا کوئی عبادت گاہ نہ تھی۔ یمن' حضرت موت۔ خلیج فارس کے کناروں' شام کے جنگلوں اور حیرو عراق عرب سے لوگ ہر سال یہاں جمع ہو کر فریضہ حج ادا کیا کرتے تھے۔ مورخین اس کی قدامت کی کوئی تاریخ متعین نہیں کر سکتے۔ نقش انسانی کے ساتھ ہی یعنی معابد اس کا نقش بنایا گیا۔ یہودی اور عیسائی متفق ہیں کہ بیت المقدس کی بنیاد اسحٰق علیہ السلام نے ڈالی اور سلیمان علیہ السلام نے اس کی تکمیل کی اس لئے کعبہ کی تعمیر ثانی بھی یا یوں کہنا چاہئے کہ تعمیر ابراہیمی بھی یروشلم سے پہلے کی تسلیم ہے اور مسیح علیہ السلام سے تو تقریباً ساڑھے انیس صد سال پیشتر کی ہے۔

ہندوستان کی تہذیب کا اولین دور جو وید کا ابتدائی زمانہ ہے مسیح علیہ السلام سے چودہ سو سے دو ہزار سال پیشتر کا تھا۔ اس دور میں یہاں کوئی مندر نہ تھا پس معلوم ہوا کہ عبادت الٰہی کے لئے دنیا میں جو اولین گھر تعمیر ہوا وہ بیت اللہ ہی تھا قرآن کریم نے بھی اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ‌ۚ (آل عمران ۳ : ۹۶) دنیا میں سب سے پہلی عبادت گاہ اور زیارت گاہ جو لوگوں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائی وہ کعبہ ہے جو مکہ شہر میں ہے۔ کعبہ کو خیر و برکت دی گئی اور سارے جہان والوں کے لئے اس کو ہدایت کا مرکز بنایا گیا۔

مثابتہ"۔ مشتق ہے ثاب یثوب سے جس کے معنی بار بار رجوع کرنے کے ہیں گویا ابراہیم علیہ السلام نے جس گھر کو تعمیر کیا ہے وہ زیارت گاہ خلائق ہوگا لوگوں کا جی چاہے گا کہ وہ بار بار حاضری دیں کتنی سچی بات ہے کب کہی گئی؟ لیکن اب تک اس حقیقت میں کوئی فرق آیا؟ دنیا کے ہر گوشہ سے زخمی دل یہاں آکر شفا کا مرہم پائیں گے۔ مضطر روحوں کو اس کی آغوش میں آرام نصیب ہوگا۔ گناہ کی کثافتوں سے آلودہ جسم اس جگہ آکر اپنی

Marfat.com

مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ

اور لوگوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیم[۲۳۲] کو نماز کی جگہ مقرر کرو اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا[۲۳۳] تھا کہ ہمارے نام پر جو گھر بنایا گیا ہے اسے طواف کرنے والوں، عبادت کے لئے ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک و صاف کرو اور شرک کی

گندگیوں اور ناپاکیوں کو دھوئیں گے۔ اس روشنی کی طرف سب پروانے دوڑیں گے اور اسی آشیانہ کی جانب تمام پرند اڑیں گے۔ اس فریضہ حج کو نہ تو کوئی دنیاوی طاقت روک سکتی ہے اور نہ ہی یہ گھر کبھی برباد ہوگا۔ سبحان اللہ!

پھر یہی نہیں بلکہ وہ امن کا گھر ہوگا حرمًا امنًا یجبی الیہ ثمرت کل شئی۔ (القصص ۲۸ : ۵۷) کیا ہم نے ان کے لئے مکہ کو پرامن بنا کر ان کے لئے جائے قیام نہیں بنایا؟ جہاں ہر طرف سے پھلوں کا رزق کھچا چلا آرہا ہے۔"

عرب کے لوگ باوجود اپنی وحشت و بربریت کے حرم کے اندر نہ تو کسی کا خون بہاتے تھے اور نہ ہی کسی سے جنگ کرتے تھے تاریخ کا مشہور ترین واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک عیسائی بادشاہ ابرہہ والی یمن نے اس پر حملہ کیا اور بحکم الٰہی خود ہی برباد ہوگیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے سال ہوا۔ امن والا گھر اس لئے بنایا گیا کہ لوگ اس جگہ آئیں اور امن و اطمینان قلب کے ساتھ اللہ کو یاد کر سکیں۔

مقام ابراہیمؑ کی حقیقت و اصلیت

۲۳۲ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں جس جگہ عبادت الٰہی میں مصروف ہونا چاہتے وہاں ایک لمبا بن گھڑا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے جیسے اب بھی میدان میں مسلمان نماز پڑھتے وقت اپنی چھڑی یا کوئی چیز سامنے گاڑ لیتے ہیں یا رکھ لیتے ہیں جسے سترہ کہتے ہیں۔ مقام ابراہیم ایک مشہور و معروف جگہ ہے جس کی نشاندی اب بھی مطاف میں کر دی گئی ہے جس کی حیثیت اسلامی یہی ہے جس کے دیکھنے سے آج بھی اس کا نقشہ آنکھوں میں آجائے گا۔ اور اس کی یاد تازہ ہو جائے گی اور بار بار بیت اللہ کی زیارت کرنے سے وہی جذبات پیدا ہوں گے جو کائنات خلقت اور اس کے فرزند جلیل سیدنا اسمٰعیل میں تھے اس لئے حکم ہوا کہ مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بناؤ تاکہ اس جگہ قدم رکھتے ہی تمام واقعات ذہاب الی اللہ یاد

Marfat.com

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

گندگیوں[۲۳۴] سے آلودہ نہ ہونے دو۔ ۱۲۵

اور وہ[۲۳۵] وقت بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیمؑ نے اللہ سے دعا مانگی تھی کہ "اے

آجائیں۔ ہر شخص اسلام کی خاطر اپنی جان' اپنا مال اور وطن و دیار اور شعوب و قبائل کو قربان کرنے کو تیار ہو۔ ان قربانیوں نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا کا امام و پیشوا بنا دیا پس تم بھی ان چیزوں کی مشق کر کے اللہ سے اپنی حاجات و ضروریات طلب کرو۔

تعمیر بیت اللہ کا اصل مقصد

۲۳۴ یہ گھر اس لئے بنایا گیا تھا کہ خدائے واحد کی غلامی کرنے کے لئے یہاں آئیں اور اپنے محبوب حقیقی سے قرب و وصال کی فکر کریں اور اس فطرت انسانی کے اظہار کے لئے صرف اور صرف یہی ایک جگہ ہو۔ یہ امت واحد ہرجائی نہ ہو جائے۔ جب ہم کو یہ معلوم ہے کہ دنیا کے تمام کام اس الٰہ حقیقی کے اختیار و ارادہ سے انجام پاتے ہیں ہر قسم کی احتیاج' سلب و عطا اور نفع و ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے ہر قسم کا کمال اور حسن و خوبی اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کے سوا اس عالم کا اور کوئی مربی و محسن نہیں تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسے اللہ کی اطاعت سے سرمو انحراف جائز نہ ہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اس کی خدمت گزاری میں انسان مصروف رہے۔ اس کا ہر دم دھیان رکھے اس کی محبت میں اپنے آپ کو دیوانہ بنائے جئے تو اسی کی خاطر اور مرے تو اس کا کلمہ پڑھتا مرے۔

پس اگر اس اللہ کو محبوب حقیقی خیال کرتے ہو تو اس سے وابستہ ہونے اور اتحاد و یگانگی کی فکر میں ہر ایک ماسوی اللہ سے بیزار ہو کر کھانا پینا اور لذت جماع کو ترک کر دینا اس کی تجلی گاہ کی طرف سادہ اور ایک جیسا لباس پہن کر پابرہنہ' سر برہنہ' لبیک لبیک کہنا والہانہ و مجنونانہ دوڑنا اور وہاں پہنچ کر کبھی شوق و وجد میں اس تجلی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے پھرنا' کبھی دشمن انسانیت کے خاص مقام پر سنگ باری کرنا کبھی جان و مال سے فدا ہونے کو تیار رہنا' وقت آنے پر اپنی جان کی قربانی پیش کرنے کے جذبہ سے سرشار ہو کر بطور علامت جانوروں کی قربانی کرنا اور کلمہ حق کی عظمت اور خدائے واحد کی محبت و پرستش کے لئے جمع ہونا ہی حج کہلاتا ہے۔ گویا اللہ کے خوف اور اس کی تلاش و جستجو نے ان لوگوں کے اندر ایک آتش کدہ محبت مشتعل کر دیا ہے اور اس کا دھواں والہانہ صداؤں اور بے قرارانہ فریادوں کی صورت میں ان کی زبانوں سے اٹھ رہا ہے اور وہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔ اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا

Marfat.com

شریک لک۔

شرک و بت پرستی کی ناپاکی سب ناپاکیوں سے بڑی اور بری ہے

۲۲۴ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی شامل کر لیا گیا ہے یعنی "تم دونوں پاک کرو" اور اقامت توحید میں برابر کے شریک بنائے جا رہے ہیں اور ایک حکمت یہ بھی مخفی رکھی گئی ہے تطہیر کی ذمہ داری تو ہر فرد مسلم پر عائد ہوتی ہے لیکن یہاں دونوں کو مخاطب کیا گیا ہے تاکہ یہ بات اسی صیغہ "تثنیہ" سے سمجھ لی جائے کہ ہر زمانہ میں اس لحاظ سے انسانوں کی تقسیم دو ہی طرح ممکن ہے کہ کوئی متبوع و مقتدا ہوگا اور کوئی تابع و مقتدی۔ لہٰذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں ہر متبوع و مقتدا آ گیا اور تابع و مقتدی کی حیثیت ثانوی یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کی شخصیت سے ہوگی کیونکہ اس وقت باپ بیٹے کی یہی صورت تھی کہ ابراہیم علیہ السلام متبوع اور اسماعیل علیہ السلام تابع تھے۔ اور "خوب اچھی طرح پاک کرو" کا مطلب یہ ہوا کہ شرک کی گندگی اس کے قریب بھی نہ آنے پائے یعنی بیت اللہ کے گرد طواف کرنے والا کسی اور مقام کے گرد کبھی بھی زندگی میں نہ گھومے بیت اللہ کو اسلام کا مرکز سمجھ کر حاضر ہونے والا کسی دوسرے مرکز میں کبھی اس غرض کے لئے نہیں جائے گا اور یہ بھی کہ یہاں آنے والوں کو اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ غیر اللہ کا تصور کبھی زندگی میں قریب بھی نہ آنے دیں جس سے تصور شیخ اور اسی طرح دوسرے تصورات سے ان کا ذہن بالکل پاک و صاف رہیں اور اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ "بیتی" میں جو نسبت ہے اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کا اللہ کوئی مرئی اور مجسم دیوی دیوتا نہیں جو اسے بیٹھنے اٹھنے یا رہنے سہنے کے لئے کسی گھر یا مکان کی ضرورت ہے اس لئے "میرے گھر" سے مراد "میرے رہنے کا گھر نہیں" بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گھر جو میری یاد و عبادت کے لیے مخصوص و نامزد ہو چکا ہے اضافت سے مقصود محض اظہار شرف و عظمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہر مسجد کو "اللہ کا گھر" کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب ہر کوئی سمجھتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جو مسلمانوں کی عبادت کے لئے مخصوص ہے۔

اس طرح کوئی مسلمان بیت اللہ کی عبادت نہیں کرتا اور نہ ہی کسی دوسرے مقام یا کسی دوسری چیز کی عبادت یہاں مقصود ہے یہ صرف اسلامی یکجہتی کی علامت ہے اور ایک نظم و نسق کے قیام کے لئے ایک جہت مقرر کر دی گئی ہے۔ اس طرح بیت اللہ کے ایک کونے میں حجر اسود رکھا گیا ہے تو وہ گویا علامت ہے بیت اللہ کا طواف شروع کرنے کی کہ آپ جہاں سے بھی بیت اللہ کے طواف کے لئے مطاف میں داخل ہو گئے لیکن آپ کا چکر حجر اسود ہی سے شروع ہوگا اور اس طرح ہر چکر کے پورا ہونے کی علامت حجر اسود کو بوسہ دینے یا استیلام کرنے سے ظاہر کی گئی ہے علاوہ ازیں اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

Marfat.com

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات اور پہلی طلب

۲۳۵ فطرت انسانی کے تقاضے بھی بڑے عجیب ہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی آباد کاری کا مسئلہ درپیش ہے اور حکم یہی ہے کہ اس جگہ اپنی اولاد میں سے ایک کو ٹھہرانا ضروری ہے اور یہ وادی بھی غیر ذی زرع ہے اس کے پیش نظر آپ کی زبان سے جو دعا نکلتی ہے اس میں دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

۱۔ اے اللہ! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنا دے اور یہ ایک قسم کا جنگل ہے اس کو آباد شہر بنا دے گویا ایک طرف اللہ کا حکم ہے اور دوسری طرف اولاد جیسی پیاری چیز کو جدا کرنے کا معاملہ' اس دعا میں کیا درد ہوگا وہی جان سکتا ہے جس کو یہ معاملہ درپیش ہے۔

۲۔ اے اللہ! اس شہر کے رہنے والوں کو رزق نوازش کر خصوصاً ان لوگوں کو جو تیرے فرمانبردار بندے ہیں چنانچہ جو لوگ مکہ مبارکہ جاتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ اس کی سرزمین پیداوار سے خالی ہے اور وہاں زراعت کا نام و نشان تک موجود نہیں مگر باوجود اس کے بازاروں میں سرسبز اور تروتازہ میوے اور ہر طرح کی ترکاریاں نہایت ہی ارزاں قیمت پر مل جاتی ہیں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس سے پہلے بھی ایک دعا کی تھی کہ اے اللہ! میری اولاد کو بھی امامت و پیشوائیت عطا فرما' حکم ہوا تھا کہ تیری اولاد کو یہ سب کچھ ملے گا لیکن وہ لوگ جو ظالم ہوئے ان کا حق نہیں ہے کہ یہ نعمت وہ پائیں۔ اس جگہ خود ابراہیمؑ ارشاد فرماتے ہیں اے اللہ اس جگہ کے رہنے والوں کو رزق دے وہ جو تیرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اے ابراہیمؑ یہاں کے مسلمان تو مسلمان ہیں' ان کافروں کو بھی وافر رزق ملے گا اور یہاں کے سروسامان سے وہ بھی فائدہ اٹھائیں گے اور آخر کار ایک وقت ضرور ایسا آئے گا کہ ان کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا اور یہاں ایک کافر بھی دکھائی نہیں دے گا۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے بالکل ایسا ہی ہوا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ قرآن کریم نے یہ اعلان کر دیا کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (التوبہ ۹ : ۲۸) "مسجد حرام کی حدود صرف توحید کی پاکیزگی کے لئے مخصوص ہیں۔ اب آئندہ کوئی غیر مسلم اس کے قریب بھی نہ آنے پائے۔" یعنی نہ صرف یہ کہ وہاں غیر مسلم نہ رہیں بلکہ کسی حال میں داخل بھی نہ ہوں۔ مرض الموت میں نبی کریم ﷺ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ ان میں سے ایک یہ تھی اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب کہ جزیرۃ العرب سے مشرکین کو نکال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

چونکہ مسلمانوں کا دین اسلام ایک عالمگیر دین تھا اس لئے اس کی ارضی وسعت و پھیلاؤ کے لئے عبادت کدہ ابراہیمی کو کعبۃ اللہ' اس کی سرزمین حجاز اور اس کا ملک جزیرۂ عرب دائمی مرکز قرار پایا۔ پس ضروری ہوا کہ اس تمام سرزمین کو غیروں کے عنصر سے پاک و صاف کر دیا جائے۔ اور صرف خدائے واحد کے ماننے والے اس جگہ کو آباد کر سکیں۔

Marfat.com

بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ
مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۲۶ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ

میرے رب! اس جگہ کو امن و امان کا ایک آباد شہر بنا دے اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کے یہاں کے بسنے والوں میں جو لوگ تجھ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں ان کے رزق کے لئے ہر طرح کی پیداوار مہیا فرما دے" اس پر ارشاد الٰہی ہوا تھا کہ جو کوئی کفر کا شیوہ اختیار کرے گا سو اسے بھی ہم سروسامان رزق سے یہ فائدہ اٹھانے دیں گے۔ البتہ ان کا یہ فائدہ (۲۳۶) اٹھانا بہت تھوڑا ہو گا۔ کیونکہ بالآخر ان کو چار و ناچار دوزخ میں جانا ہے اور کیا ہی وہ برا ٹھکانہ ہے۔ ۱۲۶

اور پھر خیال کرو وہ وقت کیسا وقت تھا جب ابراہیمؑ بیت اللہ (۲۳۷) کی بنیادیں اٹھا رہا تھا

آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کا فائدہ' فائدہ قلیل ہے

۲۳۶ ایک مطلب تو اوپر بیان کیا گیا لیکن اس سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ "تھوڑا فائدہ" سے مراد اس جگہ دنیوی زندگی ہو کیونکہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں قلیل ہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ جو فضل خداوندی اہل ایمان اور اہل ہدایت کے ساتھ مخصوص ہے اور جس سے اہل ضلالت و کفر محروم رہیں گے اس کا تعلق نفع آخرت سے ہے۔ رہے اس دنیوی زندگی کے انعامات اور منافع غذا اور مسکن وغیرہ تو ان سے محروم کافروں اور منکروں تک کو نہ کیا جائے گا کہ یہ قانون ربوبیت کے عین مطابق ہے۔ دوزخ جیسی جگہ میں کوئی شخص خوشی سے تو جائے گا نہیں ہر ایک شخص جو مستحق دوزخ ہو گا کھینچ گھسیٹ کر ہی لے جایا جائے گا۔ قرآن کریم نے یہاں جو اس کی تصریح کر دی ہے وہ جہنم کی ہولناکی کا نقش واضح کرنے کے لئے ہے۔

Marfat.com

مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

اور اس کا بیٹا اسمٰعیل بھی اس کے ساتھ شریک کار تھا ان کے ہاتھ پتھر چن رہے تھے اور دل و زبان پر یہ دعا جاری تھی کہ "اے ہمارے رب! ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول[۲۳۸]

کعبہ کی تعمیر ابراہیمی تعمیر اول نہیں تھی

۲۳۷ رفع کا لفظ ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بنیادیں اول بار رکھی نہیں جا رہی تھیں وہ تو حضرت آدم اپنے عہد میں رکھ گئے تھے۔ عمارت کے منہدم ہو جانے کے بعد اب انہیں از سر نو اٹھایا جا رہا تھا اور بلند کیا جا رہا تھا اہل کتاب کو اور خصوصاً مسیحوں کو بیت اللہ سے جو ضد ہے اس کی قدامت سے جو کد ہے اس کے پہلا گھر ہونے سے بالکل ظاہر ہے وہ ہر امکانی کوشش اپنے قلم سے اس کی مخالفت میں کر چکے ہیں لیکن حقیقت اس کے باوجود حقیقت ہی ہے۔ آفتاب کے وجود سے پھر وہ بھی روز روشن میں آخر انکار کہاں تک کیا جا سکتا ہے؟ جارج سیل اپنے ترجمہ قرآن میں تحریر کرتا ہے کہ مکہ جسے بکہ بھی کہا گیا ہے اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے مقام اجتماع عظیم کے ہیں یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے اور بعض کی رائے میں توریت کے شہر میسا سے یہی مراد ہے۔" اور بارسوتھ اسمتھ لکھتے ہیں:

"بنا کعبہ کا سلسلہ حسب روایات ابراہیم و اسمٰعیل تک پہنچتا ہے بلکہ شیث اور آدم تک اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ قبیلہ نے تعمیر کیا ہے۔" (ص ۱۶۶) اور مسیحوں میں سب سے بڑھ کر شہادت سر ولیم میور کے قلم سے ہے وہ کہتے ہیں کہ "مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننا پڑتی ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے ملک عرب کا مرکز چلا آتا ہے جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مسلم ہو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلتی آتی ہے۔" (لائف آف محمد، مقدمہ ص ۱۰۲، ۱۰۳)

کعبہ کی پہلی تعمیر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام سے بہت پہلے کی تھی لیکن اس کے منہدم ہو جانے کی وجہ سے ان دونوں بزرگوں نے تعمیر کیا پھر منہدم ہوا تو بنو جرہم، بنو عمالقہ، قصی اور قریش نے بھی اپنے اپنے وقت میں اس کی تجدید کی۔ تجدید عمارت کی ضرورت کیوں پیش آتی رہی؟ ظاہر ہے کہ مرور زمانہ کے اثرات یا سیلاب کے صدموں کی بنا پر اس کی ضرورت پیش آتی رہی۔ اس میں اعجاز یہ ہے کہ پانچ ہزار سال تک جب سے تاریخ روشنی میں آئی ہے کسی غیر قوم نے قبضہ کر کے اس کو نہیں گرایا اور یہ ایسا شرف ہے جو دنیا کے کسی عبادت خانہ کو حاصل نہیں ہوا۔ جس وقت یہ پیغمبران جلیل یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی اساس و بنیاد کو بلند کر رہے تھے تو ان کی زبان پر یہ

Marfat.com

السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝۱۲۷ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَکَ وَمِنۡ

ہو' بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔" ۱۲۷
اے ہمارے رب! ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم سچے مسلم ہو جائیں اور ہماری
نسل میں۲۳۹ سے بھی ایک ایسی امت پیدا فرما دے جو تیرے احکام کی فرمانبردار ہو۔ اے

دعائیہ کلمات جاری تھے۔ اے اللہ! جس مقصد کے لئے ہم اس گھر کی تعمیر کر رہے ہیں اس کو ضرور پورا کیجئو' تو ہماری دعاؤں کو سنتا اور نیتوں کو جانتا ہے' شہرت و ناموری کی آرزو نہیں بلکہ منشا یہ ہے کہ اے اللہ! تیری توحید کا مرکز بنا دیا جائے۔

مثل ہے کہ ہاتھ کار میں' دل یار میں

۲۳۸ دنیا کے باسیوں کو دعا کا طریقہ سمجھایا جا رہا ہے کہ آؤ اس رب جلیل کو پکارنے کا طریقہ سیکھو۔ دنیا کی تاریخ اٹھاؤ اور پڑھو اور آج بھی اس کا مشاہدہ کر کے دیکھو کہ مزدور جب کام کرتے ہیں تو اپنی تھکاوٹ کو کس طرح دور کرتے ہیں؟ کام بھی کرتے ہیں اور کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ یہاں اللہ کا گھر تعمیر کیا جا رہا ہے' باپ معمار ہے اور بیٹا مزدوری کر رہا ہے۔ ان کو اس کام پر کسی نے نہیں لگایا مگر اپنے شوق نے۔ ان کو مزدوری کون دے گا؟ کوئی دنیا کا انسان نہیں بلکہ ان کی تو صدا ہے "ان اجری الا علی اللہ" اللہ کے گھر کے یہ معمار و مزدور بھی اللہ کے گھر کی دیواریں اٹھاتے وقت خاموش نہ تھے۔ یہ اپنی تکان دور کرتے ہیں تو زبان سے ایک مناجات بیان ہو رہی ہے "رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ" اے ہمارے رب! ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو۔ بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔" دعا کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ پوری لگن سے اللہ کی رضا کے لئے ساری ہمت لگاؤ۔ عمل صالح میں پورا زور لگا دو لیکن ساری کوششوں کے باوجود صرف اپنے عمل ہی پر انحصار نہ کر بیٹھو بلکہ اللہ کا شکر ادا کرو اور اس سے مزید مغفرت طلب کرو اور مغفرت طلب کرتے وقت اپنی کمزوریوں کو مد نظر رکھو۔ فقہائے اسلام نے اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ ہر عمل صالح کے بعد دعا کرنا مستحب ہے لہٰذا دعا کرنا مت بھولو۔

بارگاہ رب ذوالجلال میں امت مسلمہ کے لئے دعا

۲۳۹ بارگاہ رب ذوالجلال سے مانگتے وقت انکساری و عاجزی لازمی و ضروری ہے۔ دیکھو! دونوں باپ بیٹا مسلمان تو پہلے ہی سے تھے جب دعا کر رہے تھے لیکن کہتے یہی ہیں کہ اے اللہ! ہماری فرمانبرداری میں مزید ترقی فرما اور ہماری نسل سے بھی ایک فرمانبردار امتِ پیدا فرما یعنی امت مسلمہ۔ دعا کی قبولیت کا اندازہ اسی سے لگا

Marfat.com

ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۲۸ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ

اللہ! ہمیں ہماری عبادت کے صحیح طور طریقے بتلا دے اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والی ہے، جسکی رحیمانہ درگزر کی کوئی انتہا نہیں۔ ۱۲۸

''اے ہمارے رب! ایسا کر کہ اُس[۲۴۰] بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول[۲۴۱] پیدا

لو کہ وہ امت آج تک اسی نام سے مشہور چلی آ رہی ہے۔ دوست دشمن سب کی زبان پر ''امت مسلمہ'' کے الفاظ جاری ہیں دونوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اے اللہ!

ہماری اولاد میں ایک ایسی جماعت ہمیشہ رہے جو تیرے احکام کی پیروی اور اتباع کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی بنائے اور چونکہ وہ الگ تھلگ ہوگی اگر اس کے پاس کوئی قانون نہ ہوا تو راہ حق سے بھٹک جائے گی اس لئے تو اس کو دائمی اور ابدی قانون نوازش کر اور اگر قانون ملنے کے باوجود اس سے کوئی غلطی سرزد ہو تو ان کے ساتھ لطف و نوازش سے پیش آ۔ پھر یہ دعائیہ کلمات صاف بتا رہے ہیں کہ جس امت مسلمہ کی تخلیق کے لئے درخواست کی جا رہی ہے وہ وہی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بعد اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہو کیونکہ دعا میں دونوں بزرگ شامل ہیں اور ایک کو دوسرے کی اولاد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اور اولاد میں اسماعیل علیہ السلام ہیں اور ان کی اولاد جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امت مسلمہ کا تعلق اسمٰعیل علیہ السلام ہی کی اولاد سے ہے اور وہ وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی امت ہے کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی ہیں جو اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ہیں اور پھر اسی مضمون کی مزید وضاحت آنے والی آیت کر رہی ہے۔

رسول عربی ﷺ کے حق میں دعائے مخصوص

۲۴۰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا ابھی جاری ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ امت مسلمہ سے مراد اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہی میں ہے اب ''منہم'' کی قید نے مزید وضاحت کر دی کہ اس سے مراد نسل اسماعیل علیہ السلام ہی ہے۔ لفظ ھم کا مرجع امت مسلمہ کو بھی سمجھا گیا ہے اور ذریۃ کو بھی اور ماحصل دونوں کا ایک ہی ہے یعنی نسل اسمٰعیل، اور یہ بات تاریخ سے اپنی جگہ ثابت ہے کہ نسل اسمٰعیل قوم عرب ہی میں رہ گئی تھی اس لئے لازمی تھا کہ یہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہو۔ پھر ''رسولا'' جو صیغہ

Marfat.com

واحد اور پھر اعراب کی تنوین گویا اشارہ قریب بلکہ بالکل ہی قریب پہنچ گیا کہ وہ رسول ایک ہی ہو گا متعدد نہ ہوں گے۔ یہود کا دعویٰ ہے اور نصاریٰ بھی انہی کا ساتھ دیتے ہیں کہ نبوت و رسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی یہ نیا پیغمبر بنی اسمٰعیل میں کیسے پیدا ہو گیا؟ لیکن ان کی اپنی ہی کتاب تورات باوجود تحریفات کے اب تک شہادت دیتی ہے کہ اس نبی سے مراد بنی اسمٰعیل ہی میں سے نبی کا ہونا ہے کیونکہ ایک جگہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرنا۔" (استثناء ۱۸ : ۱۵)

قطع نظر اس کے کہ بنی اسرائیل میں تو ایک نبی نہیں اللہ جانے کتنے ہی انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پیدا ہوتے رہے خود "تیرے بھائیوں ہی میں سے" کی تصریح بتا رہی ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان کے بھائی یعنی ہم جد بنی اسمٰعیل ہیں اگر خبر بنی اسرائیل میں نبی کی دینا ہوتی تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی۔ یہ الفاظ تو صرف مخاطبین کی وحشت دور کرنے اور ان میں جذبہ انس محبت پیدا کرنے کے لئے ہیں کہ اے ہم قومو! جب وہ نبی آئے تو اس کی اطاعت کرنا وہ بھی تمہارا غیر نہیں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہو گا۔ پھر تورات میں بھی بعینہ یہ مضمون براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے ادا کیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ:

"خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا میں ان کے لئے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔" (استثناء ۱۸ : ۱۸)

ٹھہریں اور غور کریں کہ کیا کہا جا رہا ہے؟ "اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" لفظی کلام الٰہی ہونے کا مصداق بجز قرآن کریم کے ساری آسمانی کتابوں میں اور ہے ہی کون؟ لفظی کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کسی دوسری کتاب کا ہے؟ اچھا اس کو بھی رہنے دیں اور دیکھیں کہ کہا گیا "تجھ سا" یعنی موسیٰ علیہ السلام کا سا۔ مثیل موسیٰ ہونے کا مصداق تاریخ کی دنیا میں بجز محمد رسول اللہ ﷺ کے اور کون ہے؟ کیا اس کا کوئی جواب ہے؟ مطلق نہیں۔ پھر یہی پیشگوئی موسیٰ نبی کی زبان سے نکلی ہوئی نصاریٰ کی انجیل میں بھی موجود ہے' اس کو کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ چنانچہ انجیل میں ہے کہ:

"موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے گا تم اس کی سننا۔" (اعمال ۳ : ۲۲)

منصب رسالت پر فائز ہونے والے رسول کے فرائض

۲۴۱ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی دعا کا اختتام ان الفاظ پر ہو رہا ہے کہ "اے ہمارے رب! ان بنی اسماعیل میں ایک رسول بھیج جو حسب ذیل فرائض انجام دے۔

Marfat.com

الف - تیری آیات ان کو پڑھ کر سنائے تاکہ لوگ ان کا مفہوم و مطلب سمجھ لیں اور جو لوگ عربی نہ جانتے ہوں وہ ترجمہ کے ذریعہ واقفیت بہم پہنچائیں۔ یتلوا علیھم ایتک

ب - تلاوت کے بعد جس قدر شکوک و شبہات پیدا ہوں ان کو دور کرنا کیونکہ جب تک اعتراضات کو دور نہ کیا جائے گا قانون کی طرف توجہ نہ ہوگی اور یہ کتاب کی تعلیم دینے ہی سے ممکن ہے۔ ویعلمھم الکتب

ج - تعلیم حکمت کچھ لوگوں نے حکمت سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت لی ہے اور اس کی تائید میں مقدام کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ نے تین بار نہایت زور دے کر فرمایا۔ الا وانی اوتیت الکتاب و مثلہ خبردار میں کتاب اللہ کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا ہوں۔ بلاشبہ حکمت سے مراد سنت صحیحہ ہے لیکن قرآن کریم کی تصریحات نے اس سنت رسول ﷺ میں مزید وسعت پیدا کر دی ہے جس سے مقام سنت اور حقیقت سنت کا تعین بھی کر دیا گیا ہے کہ حکمت سے مراد علم اور دانائی کی باتیں ہیں اور ظاہر ہے کہ علم اور دانائی میں پیغمبر و رسول سے کون بڑھ سکتا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کی نسبت فرمایا ہے۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ (یوسف ۱۲ : ۲۲) "پھر جب ایسا ہوا کہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے کارفرمائی کی قوت اور علم کی فراوانی بخش دی" اور عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ارشاد فرمایا کہ "وَیُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" (آل عمران ۳ : ۴۸) "اللہ نے اس کو کتاب و حکمت کا علم سکھایا۔" اور لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا اور کہا: وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا (الانبیاء ۲۱ : ۷۴) اور لوط علیہ السلام کو بھی ہم نے احکام حق دینے کا منصب اور نبوت کا علم عطا فرمایا۔" اور زیر نظر سورہ بقرہ میں حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا چنانچہ ارشاد ہوا کہ : وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا (البقرہ ۲ : ۲۶۹) وہ جس کو چاہتا ہے حکمت دے دیتا ہے اور جس کسی کو حکمت مل گئی تو یقین جانو اس نے بڑی ہی بھلائی پالی۔"

اس طرح کی صدہا آیات کریمات بتاتی ہیں کہ حکمت سے مراد علم اور دانائی کی باتیں ہیں۔ بلاشبہ ہر نبی کے دور میں نبی سے بڑھ کو کوئی علم و حکمت جاننے والا نہیں ہوتا تھا لیکن اللہ کے قانون کے مطابق نبوت کا معاملہ تو ختم ہوگیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا تاہم علم و دانائی کا باب بند نہیں ہوا۔ اور نہ ہی قیامت تک ہوگا۔ ہاں! حکمت و دانائی کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن تک صرف ارباب فہم و فراست ہی کی دسترس ہو سکتی ہے اور قرآن کریم کے علوم قیامت تک کھلے رہیں گے ان پر کوئی شخص بین نہیں لگا سکتا جو سمجھ لیا گیا وہ بس ہے اور اب مزید قرآن کریم سے کچھ نہیں سیکھا جا سکتا۔ جو پیغمبر اسلام نے بیان فرمایا وہ بھی حکمت و دانائی سے باہر نہ تھا' نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔

اس سے واضح ہوگیا کہ جوں جوں زمانہ ترقی کرے گا اور نئے نئے علوم کھلتے جائیں گے وہ سب قرآن کریم کی تصدیق کریں گے وہ کبھی قرآن کریم سے متصادم نہ ہوں گے اور نہ ہی قرآن کریم ان سے متصادم ہوگا دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کو ایسے اصول و کلیہ پر حل کرنا کہ دنیا کے تمام

Marfat.com

رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾
وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرٰهٖمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ

ع ۸ ۱۵ ۱۶

ہو جو انہی میں سے ہو جو یہاں کے بسنے والے ہیں وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو
سنائے' کتاب و حکمت اور عقل کی باتوں کی تعلیم دے جو انکے دلوں کی اصلاح کر دے۔
اے ہمارے رب! یقیناً تیری ہی ذات ہے جو حکمت والی ہے اور سب پر غالب ہے۔"
۱۲۹ یہ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے اور ان لوگوں کے سوا جنہوں نے اپنے آپ کو جہالت اور
نادانی کے حوالے کر دیا ہے کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقہ[۲۴۲] سے منہ پھیر سکتا ہے؟ اور

مذاہب دلیل کے ساتھ اس کا انکار نہ کر سکیں اور اس کی عالمگیر دعوت کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیں۔

ابن وہب کہتے ہیں کہ قلت لمالک ما الحکمة قال المعرفته بالدین والفقه فیه والاتباع له "میں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ حکمت کسے کہتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ دین کی معرفت' اس میں درس و فہم اور اس کے اتباع کا نام حکمت ہے اور احکام دین کا معلوم کرنا بھی حکمت ہے حق و باطل میں تمیز کرنا اور حقائق اشیاء کی معرفت بھی اسی قبیل سے ہیں۔"

د۔ انسان کی سعادت و نیک بختی کے لئے تعلیم محض بیکار ہے جب تک اس کے زندہ نمونے بھی انسانوں کے سامنے دکھائی نہ دیں۔ انسانی طبیعت منفعل اور اثر پذیر واقع ہوئی ہے۔ محض تعلیم کی ساعت وہ اثر نہیں پیدا کر سکتی جو انسانی نمونہ عمل کا کرتا ہے۔ پس نبی گویا اس نمونہ کو پیش کرتا ہے اور اپنی صحبت و ہم نشینی سے لوگوں کو پاک و مزکی بناتا ہے اور جب نبوت ختم ہو چکی علمائے حق پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ جہاں تک اس کو نباہ رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ انا دعوۃ ابی ابراھیم کہ میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں نبی بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ مختصر یہ کہ انجام کار یہ دعائیں قبول ہو کر رہیں۔ اس رسول عربی نے آیات تلاوت بھی کیں اور نہ صرف عرب کے لوگوں کو پاک بنایا بلکہ وہ تو

Marfat.com

دوسروں کے پاک ہونے کا ذریعہ بنے جن کو آپ نے تعلیم دی وہی دنیا کے رہبر اور معلم بن گئے اور قیصرو کسریٰ کے خزانوں کی چابیاں ان کے ہاتھ آگئیں۔

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوان گہہ کسریٰ میں شکار

ملت ابراہیمی سے منہ موڑنے والا کبھی عقلمند نہیں ہو سکتا

۲۴۲ مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ پیچھے آپ نے پڑھا ہے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ملت ابراہیمی تو عین دین فطرت ہے اس کی تعلیمات عین طبع سلیم کی ترجمان ہیں ظاہر ہے کہ پھر اس سے کنارہ کشی تو صرف وہی اختیار کر سکتا ہے جس کی فطرت ہی سلیم نہ رہی ہو بلکہ مسخ ہو چکی ہو۔ اس مقدمہ کی تصدیق انسان جب چاہے اعتقاد سے نہیں آزمائش سے کرے۔ اسلام نے جماعت یعنی سوسائٹی کا جو نظام قائم کیا ہے وہی بہترین نظام جماعتی ہے ہر فرد کے لئے جو ضابطہ و عمل بنا دیا ہے وہی بہترین ضابطہ شخصی ہے عقل و جذبات، فرد و جماعت دل و دماغ، جسم و روح، حریت و اطاعت اور حیات انسانی کے متضاد و متناقض عنصروں کی جتنی باہمی رعایت شریعت اسلامی نے ملحوظ رکھی ہے دنیا کے کسی قانون میں کہیں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ دعائے ابراہیمی ختم ہوئی اب بیان ملت ابراہیمی کا شروع ہو رہا ہے کہ یہ تو وہی دین توحید ہے جس کی دعوت آج فقط اسلام دے رہا ہے اور جسے تم سب باوجود اپنے مشترک بزرگ ابراہیم کی پیروی کے دعویٰ کو چھوڑے بیٹھے ہو۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ اس نے اپنے دین اسلام ہونے کی نسبت نہ حق تعالیٰ کی جانب کی اور نہ ہی رسول وقت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب بلکہ اپنی نسبت صرف ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی جانب کی۔ پھر بلاغت قرآنی کا اندازہ لگائیں کہ یہاں مخاطب اصلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب ہیں اور یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مقدس پیشوا مانتی ہیں۔ اس اسلوب بیان کو اختیار کر کے گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ قرآن کریم تمہیں کسی نئے دین کی طرف دعوت نہیں دے رہا بلکہ تمہارے ہی بزرگ و محترم پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہی کے دین کی طرف تمہیں بلا رہا ہے۔ حسن تبلیغ کا پیرایہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا؟ کہ ابراہیم علیہ السلام کو بزرگ و محترم ماننے والے ہی دعوت ابراہیمی سے منہ موڑ کر دوسری طرف چل دیتے ہوں تو ان کے لئے اور کیا طریقہ کیا جا سکتا تھا۔ جس طرح آج بدقسمتی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا دم بھرنے والے اور اپنے آپ کو غلامان مصطفیٰ، عاشقان رسول اور محبان رسول کے ناموں سے یاد کرنے والے محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم سے انحراف کر چکے ہیں۔ نام لیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا اور کام کرتے ہیں تو اپنی اہواء و خواہشات کے۔ کبھی آپ کو دیکھنے کا اتفاق ہو تو یہود و نصاریٰ کے نوشتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اس وقت بھی موجود تھے اور آج بھی ہیں لیکن کام ان کے بھی آپ کے سامنے ہیں چنانچہ تورات میں ہے کہ:

Marfat.com

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں بھی اسے برگزیدہ کر کے چن لیا اور آخرت میں بھی اس کی جگہ نیک انسانوں کے زمرے میں ہو گی۔[۲۴۳] ۱۳۰

اور وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب ابراہیمؑ کے رب نے اسے حکم دیا تھا کہ

"اپنے باپ ابراہیم پر اور سرہ پر جو تمہیں جنی نگاہ کرو کہ جب میں نے اسے بلایا وہ اکیلا تھا پھر اس کو برکت دی اور اس کو بہت بنایا۔" (یسعیاہ ۵۱ : ۲)

"اے ابراہیم تو مت ڈر میں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اجر ہوں۔" (پیدائش ۱۵ : ۱)

"اور وہ خدا پر ایمان لایا اور یہ (ابراہیم) اس کے لئے صداقت محسوب ہوا۔" (پیدائش ۱۵ : ۶)

اور مسیحیوں کی انجیل میں آج بھی لکھا ہے کہ :

"ابراہیم خدا پر ایمان لایا اور یہ کہ اس کے لئے راست بازی گنا گیا بس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں۔" (رومیوں ۴۰ : ۳)

ابراہیم علیہ السلام کے لئے آخرت میں بھی درجات عالیہ مقرر ہیں

۲۴۳ یہ ابراہیم علیہ السلام کے دنیاوی شرف و بزرگی کا ذکر تھا آخرت کا معاملہ جو ابھی سامنے نہیں اس میں بھی ابراہیم علیہ السلام کا مقام قرآن کریم کی اس آیت نے واضح کر دیا کہ جس طرح اللہ نے ان کو دنیا میں عزت و فضیلت عطا فرمائی اسی طرح آخرت میں بھی ان کے درجات بہت بلند ہیں۔

اس جگہ ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک پیغمبر جلیل القدر کے شایان شان یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت و سلسلہ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار بنانے میں اٹھا نہ رکھی اس لئے قرآن کریم جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے اکثر ان حضرات کی اخلاقی و روحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے اور اسی طرح انبیاء برحق کی نصرت و حمایت کا فرض تورات و انجیل کی عائد کی ہوئی فرد جرم کے مقابلہ میں ادا کرتا جاتا ہے۔ اہل کتاب نبی اور نبوت کو کیا سمجھتے ہیں؟ یہ کہ نبی وہ ہے وہ کاہنوں، جوتشیوں کی طرح غیب کی خبریں دے سکے اور اس سے ان کو کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اس کے اخلاق کا کیا عالم تھا۔ اس کے روحانی کمالات کس درجہ کے تھے اس کی تعلیمات کیا تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام تو اکثر انبیاء

Marfat.com

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۳۱ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ
يَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا

فرمانبردار ہو جا۔ وہ پکار اٹھا تھا کہ میں اس کے حکموں کا فرمانبردار ہوگیا جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ ۱۳۱

اور پھر اسی طریقہ کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اور اس کے پوتے یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو وصیت ۲۴۴ کی تھی، انہوں نے کہا تھا کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے اس

کرام کے ابوالاباء ہیں۔ آپ کی عصمت کے تحفظ کا تو قرآن کریم نے اور بھی زیادہ اہتمام کر رکھا ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے آج اہل اسلام کی اکثریت نے بھی یہود و نصاریٰ کی پیروی میں انبیاء کرام کی عصمت کا قرآن کریم کی رہنمائی کے باوجود بہت کم خیال رکھا اور زیادہ تر باتیں تورات و انجیل سے اٹھا کر قرآن کریم کی تفسیر میں داخل کر دیں اس جگہ صرف اشارہ کیا جا رہا ہے تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی۔

ابراہیم علیہ السلام کی وصیت اپنے بیٹوں کے نام

۲۴۴ عربی کا لفظ "وصیة" اردو کے لفظ وصیت سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے اس لئے کہ بستر مرگ کی خواہشوں اور مرنے والوں کی آخری ہدایتوں تک محدود نہیں، ہر حکم اور ہر ہدایت پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بنیه سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں سے ہے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے اگرچہ قرآن کریم نے دو ہی کا ذکر کیا ہے اور باقی کا ذکر نہیں کیا۔ آپ کے صاحبزادوں کی تفصیل اس طرح ہے کہ ا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہاجرہ مصری شہزادی کے بطن سے۔ ۲۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت سارہ عراقی کے بطن سے اور ۳۔ زمران۔ ۴۔ یقسان۔ ۵۔ مدان۔ ۶۔ مدیان۔ ۷۔ اسیاق اور ۸۔ سوخ حضرت قطورا کے بطن سے تھے اور ان سب کا ذکر تورات پیدائش ۲۵: ۱، ۳ میں موجود ہے۔

آیت ۱۲۴ سے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع ہوا تھا اور آیت ۱۳۲ پر ختم ہو رہا ہے اور قرآن کریم میں بہت جگہوں پر آپ کا ذکر ہوگا ہم چاہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ اس جگہ پر دے دیا جائے تاکہ قارئین کرام اس پر نگاہ رکھیں اور تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

Marfat.com

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک خاکہ قرآن کریم کی نظر میں

قرآن کریم کے مخاطب اول اہل عرب تھے انبیاء کرام میں سے جو شخصیتیں ان کے لئے معلوم و معروف تھیں قرآن کریم ان کے نام ان کے سامنے بے تکلف لے آتا ہے اور کسی تعارف کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور ابراہیم علیہ السلام تو وہ بزرگ تھے جن کو مشرکین عرب کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی خوب جانتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام وہی ہیں جو اسلامی عقیدہ کے علاوہ یہودی و نصارانی عقیدہ میں بھی ایک بڑے جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں تورات کی روایت کے مطابق آپ کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس پشتوں کا فرق ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام کی گیارہویں پشت میں تھے۔ آپ ۲۱۶۰ ق م میں پیدا ہوئے آپ کا آبائی وطن ملک بابل کلدانیہ جس کا انگریزی تلفظ کالڈیا ہے۔ جدید جغرافیہ میں اس ملک کو عراق کہتے ہیں جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس وقت اس کو اور کہتے تھے۔

آپ کے والد کا نام تارح اور تورات کی زبان میں تارخ اور قرآن کریم کی زبان میں آذر ہے۔ اور اکثر کتابوں میں تارح اسم علم اور آذر اسم وصفی کہا جاتا ہے قرآن کریم میں آپ کا اسم گرامی ''ابراہیم'' ۶۴ بار آیا ہے اور اس کی ۲۵ سورتوں میں آپ کی زندگی کے واقعات میں سے کوئی نہ کوئی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

آپ کی قوم بت پرست تھی آپ کے والد نجاری کا پیشہ کرتے تھے اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کے لئے لکڑی کے بت بناتے اور فروخت کیا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے حق کی بصیرت رکھتے تھے اور فطرتی طور پر ان کو یقین تھا کہ بت نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ ہی نفع و نقصان کا ان سے کوئی واسطہ ہے اور نہ لکڑی کے کھلونوں اور ان کے درمیان کوئی فرق ہے۔ وہ صبح و شام اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتیوں کو میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا اور گھڑتا رہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا ہے اور پھر خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں؟ یا خدا کے مثیل و ہمسر کہے جا سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز خود ان کے اپنے گھر میں قائم ہے اور آذر کی بت سازی و بت پرستی قوم کے لئے مرجع و محور بنی ہوئی ہے اس لئے فطرت کا تقاضا ہے کہ دعوت حق اور پیغام صداقت کے ادائے فرض کی ابتداء گھر ہی سے ہونی چاہئے اس لئے آپ نے سب سے پہلے اپنے والد آذر ہی کو مخاطب کیا اور فرمایا اے باپ! خدا پرستی اور معرفت الٰہی کے لئے جو راستہ تو نے اختیار کیا ہے اور جس کو تو آباء و اجداد کا قدیم راستہ بتلاتا ہے یہ گمراہی اور باطل پرستی کی راہ ہے اور صراط مستقیم اور راہ حق صرف وہی ہے جس کی دعوت میں دے رہا ہوں۔ اے ابو! توحید ہی سرچشمہ نجات ہے نہ کہ تیرے ہاتھ کے بنائے ہوئے ان بتوں کی پرستش و عبادت۔ اس راہ کو چھوڑ دے اور توحید حق کی راہ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار

Marfat.com

کرتا کہ تجھ کو اللہ کی رضا اور دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو۔

مگر افسوس کہ آذر پر ابراہیم علیہ السلام کی اس پند و نصیحت کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ قبول حق کی بجائے آذر نے بیٹے کو دھمکانا شروع کر دیا کہنے لگا کہ اے ابراہیم! اگر تو بتوں کی برائی سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو سنگسار کر دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ معاملہ اب حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور ایک جانب اگر باپ کے احترام کا مسئلہ ہے تو دوسری جگہ اداء فرض' حمایت حق اور اطاعت امر الٰہی کا سوال ہے تو انہوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان تھا۔

باپ اور بیٹے کے درمیان جب اتفاق کی صورت نہ بنی اور آذر نے کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر سے جدائی اختیار کر لی اور اپنی دعوت حق اور پیغام رسالت کو وسیع کر دیا اور اب صرف آذر ہی مخاطب نہ رہا بلکہ پوری قوم کو مخاطب بنا لیا مگر قوم اپنے باپ دادا کے دین کو کب چھوڑنے والی تھی اس نے ابراہیم علیہ السلام کی ایک نہ سنی اور دعوت حق کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونگے' اندھے اور بہرے بن گئے۔

گویا قوم کی حالت یہ تھی کہ ان کے کان موجود تھے مگر حق کی آواز کے لئے بہرے تھے۔ پتلیاں آنکھوں کے حلقوں میں زندہ انسانوں کی آنکھوں کی طرح حرکت کرتی تھیں مگر حق کی بصارت سے محروم تھیں۔ زبان بولتی ضرور تھی لیکن کلمہ حق کے اعتبار سے گنگ تھی ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ○ (الاعراف ۷: ۱۷۹) "ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے وہ عقل و حواس کا استعمال کھو کر چوپایوں کی طرح ہو گئے بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔"

اس جگہ بھی انسان کی دماغی شقاوت کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب بڑے بوڑھوں کے تقلیدی اثرات سے یا ہوائے نفس کے غلبہ سے یا ذاتی طمع و لالچ سے وہ اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل و حواس کی ساری روشنیاں اس کے لئے بیکار ہو جاتی ہیں اور یہی حالت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی تھی۔

سورۃ الشعراء کی آیات کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام نے زیادہ زور دے کر قوم کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی قسم کا بھی نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ ان باتوں کے جھگڑے میں ہم نہیں پڑتے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں لہٰذا ہم بھی وہی کر رہے ہیں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی فرمانے لگے میں تو تمہارے ان سب بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں یعنی میں ان سے بے خوف و خطر ہو کر ان

Marfat.com

سے اعلان جنگ کرتا ہوں کہ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔
ہاں! میں تو صرف اس ہستی کو اپنا مالک سمجھتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راہ راست دکھائی چنانچہ فرمایا کہ:

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ○ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ○ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ○ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ○ وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ○ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ○ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○ (الشعراء ۲۶: ۷۸، ۸۹)

”وہ اللہ جس نے مجھے پیدا کیا اور پھر ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ وہ کہ میں بھوکا ہوتا ہوں تو کھلاتا ہے اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ہے اور وہ کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو اپنی رحمت سے شفا دیتا ہے اور وہ جو موت کے بعد حیات بخشے گا اور جس کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ کاموں کا بدلہ ملنے کے دن میری خطائیں بخش دے گا۔ اے اللہ! مجھے حکم دیا ہے تو صلحاء کا زمرہ بھی عطا فرما دے اور آنے والی نسلوں میں میری دائمی سچائی قائم رکھ اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے کر دے اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیو جس دن کہ سب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ وہ آخری روز عدالت جب کہ نہ تو مال و دولت کام دیں گے نہ اہل و عیال کام آئیں گے۔ ہاں! وہ ضرور کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں قلب سلیم ہے۔“

یہ دلنشین وعظ بھی آذر اور قوم آذر نے قبول نہ کیا کیونکہ ان کے دل قبول حق کے لئے نرم نہ ہوئے اور ان کا انکار اور جمود حد سے گزرتا ہی گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرستی کے ساتھ ساتھ کواکب پرستی بھی کرتی تھی اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انسانوں کی موت و حیات۔ ان کا رزق۔ ان کا نفع و نقصان۔ خشک سالی اور قحط سالی۔ فتح و ظفر اور شکست و ہزیمت غرض تمام کارخانہ عالم کا نظم و نسق، کواکب اور ان کی حرکات کی تاثیر پر چل رہا ہے اور یہ تاثیر ان کے ذاتی اوصاف میں سے ہے اس لئے کہ ان کی خوشنودی ضروری ہے اور یہ ان کی پرستش کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح ان کو ان کے سفلی معبودان باطل کی حقیقت واشگاف کر کے راہ حق کی طرف دعوت دی اسی طرح ضروری سمجھا کہ ان کے علوی معبودان باطل کی بے ثباتی اور فنا کے منظر کو پیش کر کے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیں کہ تمہارا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ ان چمکتے ہوئے ستاروں، چاند اور سورج کو خدائی طاقت حاصل ہے۔ ہرگز نہیں یہ خیال خام اور باطل عقیدہ ہے مگر یہ باطل پرست جب کہ اپنے خود ساختہ اصنام سے اس قدر خائف تھے کہ ان کو برا کہنے والے کے لئے ہر آن یہ تصور کرتے تھے کہ وہ ان کے غضب میں آکر تباہ و برباد ہو جائے گا تو ایسے اوہام پرستوں کے دلوں میں بلند ستاروں کی پرستش کے خلاف

Marfat.com

جذبہ پیدا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا اس لئے مجدد انبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دماغوں کے مناسب ایک عجیب و دلچسپ پیرائیہ بیان یوں اختیار کیا۔

ابراہیم علیہ السلام کے قلب سلیم پر خدا پرستی کی صداقت کھول دی گئی۔ اللہ نے ان پر اپنی بادشاہت اور کارفرمائی کے جلوے کچھ اس طرح روشن کر دیئے کہ جہل و غفلت کا کوئی پردہ بھی ان کی معرفت میں حائل نہ ہو سکا یہ حقیقت جب ان پر کھل گئی تو علم و بصیرت کی کونسی حجت تھی جس نے ان کی رہنمائی نہ کی؟ قرآن کریم نے ایک ایسے پیرائیہ بیان میں جو اس کی عجیب و غریب بلاغت کا مظہر ہے یہاں اس کا مرقع ہمارے سامنے کھینچ دیا ہے۔

آپ کی قوم چونکہ اجرام سماویہ کی پرستش میں مبتلا تھی اور آپ کے شہراور میں زہرہ' چاند اور سورج کے مندر تھے جہاں صبح و شام ان کی پرستش کے لئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے آپ ان کو اکثر وعظ فرماتے ایک روز جب شام ہوئی تو زہرہ نمودار ہوئی اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردہ شب سے جھانکنے لگی۔ آپ نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کرتے ہوئے کہا کیا یہ چمکتا ہوا ستارہ میرا رب ہے؟ اور اس لئے اس کی مورتی کی پوجا کی جاتی ہے لیکن جب کچھ دیر کے بعد وہ ڈوب گئی' فرمایا کہ جو ہستیاں ڈوب جانے والی اور چھپ جانے والی ہیں میں ان کا پرستار کیسے ہو سکتا ہوں؟ کیونکہ جو ہستی اپنے طلوع و غروب میں کسی ٹھہرائے ہوئے قاعدہ و حکم کی پابند ہوئی تو وہ گویا پروردہ ہوئی اور پروردہ ہستی پروردگار نہیں ہو سکتی۔

پھر پردۂ ظلمت چاک ہوا اور چاند چمکتا ہوا نکل آیا وہ بولے کیا یہ میرا پروردگار ہے؟ اور وہ بھی نہ ٹک سکا دیکھو وہ بھی غروب ہوا۔ اچھا اب صبح نمودار ہوئی اور مہرجہاں تاباں درخشاں ہوگیا۔ یہ تو سب سے بڑا ہے کہ شاید اس سے بڑا اجرام سماویہ میں اور کوئی نہیں کیا یہ میرا پروردگار ہوگا؟ یہ تو ہے ہی بہت ہی بڑا لیکن دیکھو یہ بھی تو کسی کے حکم میں بندھا ہوا ہے پھر اس کی روشنی کو بھی قرار نہیں۔ پہلے بڑھنے لگی پھر ڈھلنے لگی یہاں تک کہ آہستہ آہستہ بالکل چھپ گئی۔

ابراہیم علیہ السلام نے اب زور دے کر فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی پروردگار نہیں ہو سکتا کیونکہ سب زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ہم مختار نہیں بلکہ مجبور محض ہیں حاکم نہیں محکوم ہیں ہم سے بھی ایک بالاتر ہستی ہے جس نے ہمیں اپنے حکموں اور قاعدوں کے آگے جھکا رکھا ہے پس وہ جو ان سب کا بنانے والا اور سب سے بالاتر ہے میں تو صرف اسی کا ہو رہا ہوں اور میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں۔ پھر جب ان کی قوم نے ردوکد کی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھے اپنے معبودان باطل سے ڈراتے ہو۔ دیکھو اس طرح ہم دو فریق ہوگئے ہیں ایک میں ہوں کہ انہیں نہیں مانتا جن کے ماننے کے لئے کوئی دلیل اور روشنی موجود نہیں۔ ایک تم ہو کہ ان سب کی پرستاری کرتے ہو جن کی پرستاری کے لئے کوئی دلیل اور کوئی روشنی موجود نہیں۔ بتلاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کی راہ امن کی راہ ہوئی۔

Marfat.com

یہ حقیقت ہے کہ پرستش اسی کی کرنی چاہئے جس کی پرستش کے لئے علم و بصیرت کی شہادت موجود ہو اور بنیاد اس معاملے کی علم و حقیقت ہے نہ کہ رسم و تقلید' یہ وہ حجت بالغہ ہے جو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر کھول دی تھی اور یہی بنیادی صداقت ہے جس سے خدا پرستی کی راہ کی تمام روشنیاں ظہور میں آئیں۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل سورۃ الانعام آیت ۷۴ سے ۸۴ تک بیان کی گئی ہے۔

مشیت ایزدی نے آپ کو دنیا والوں کی ہدایت کے لئے چن لیا تھا۔ پس بعثت سے سرفراز ہو کر سب سے پہلے اپنے والد کو سمجھایا پھر سارے پجاریوں اور مجاوروں کو مخاطب کیا پھر انہوں نے پوری قوم کی طرف توجہ فرمائی۔ قرآن کریم اس کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوا:

"اور اس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کے درجہ کے مطابق سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی اور ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے۔ جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا۔ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا انہیں کی پوجا کرتے تھے۔ ابراہیم نے کہا یقین کرو تم خود بھی اور تمہارے باپ داد بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کیا تو ہم سے سچ کہہ رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا نہیں میں کہتا ہوں آسمان اور زمین کا پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا وہی تمہارا بھی پروردگار ہے۔ میں اس حقیقت پر تمہارے سامنے گواہ ہوں اور دیکھو ابراہیمؑ نے کہا خدا کی قسم میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم سب پیٹھ پھیر کر چل دو گے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس نے بتوں کو توڑ تاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ انہوں نے جب اپنے معبودوں کو دیکھا تو کہا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے بھی کی ہو وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ کچھ آدمیوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا اور اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں۔ لوگوں نے کہا اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ تاکہ سب گواہ رہیں۔

"ان لوگوں نے ابراہیمؑ سے کہا چونکہ وہ اسے بلا لائے تھے کہ اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بلکہ یوں سمجھو' اس بت نے کی جو ان میں سب سے بڑا ہے اگر بت بول سکتے ہیں تو تم ان سے پوچھ کیوں نہیں لیتے؟ تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے انہوں نے کہا اس میں شک نہیں ناانصافی کی بات تو ہم ہی سے ہوگئی۔ پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ شرم کے مارے ان کے سر جھکے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ تو اچھی طرح جانتا ہے یہ بت بات نہیں کیا کرتے۔ ابراہیمؑ نے کہا پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح کا نفع پہنچائیں نہ نقصان؟ تمہاری حالت کتنی ناقابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم عقل سے

Marfat.com

بالکل کورے ہو گئے؟ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں۔ مگر ہمارا حکم ہوا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی۔ اور دیکھو انہوں نے چاہا تھا ابراہیمؑ کے ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا۔ "یعنی ان کی چال کو ناکام بنا دیا۔" (الانبیاء ۲۱: ۵۱ تا ۷۰)

یہ طریقہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی قوم کے تمام لوگوں کو مع اپنے والد بزرگوار یہ کھلا ہوا چیلنج دے دیا۔" تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ "یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لئے سودمند نہیں اور تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوئے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و نصرت رکھتی ہیں تو اچھا خود اپنی آنکھوں سے دیکھو لو نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ جونہی تم آج اپنے بڑے میلہ میں گئے میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و نصرت ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے آپ کو بچالیں یا میرے ہی ہاتھ پاؤں شل کر دیں۔

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس قدر ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے دل میں نہ اتر سکے تو پھر اقسام فکر میں سے صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے اور کوئی ایسی بات کر کے دکھائی جائے جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا قلع قمع ہو جائے۔ مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے تم ہزار اسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں۔ اب ایک دانش مند آدمی کیا کرے گا؟ یہی کرے کہ اب وہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا وہ بچے کو دکھا کر اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا اور پھر نکال کر بچے کو دکھائے گا کہ دیکھو اس نے کاٹا ہے یا نہیں۔ یہ ایک مشاہدہ بچہ کے اندر جس درجہ یقین پیدا کر دے گا وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی حال عقول فاسدہ کا بھی ہے تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے لیکن تم انہیں مشاہدہ کے ذریعے عاجز کر سکتے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا انہوں نے کہا جس حقیقت کو تم عقل و فکر سے نہیں پا سکے میں تمہارے مشاہدہ میں لا کر خود تمہای زبانوں سے اگلوا لوں گا۔ تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت و تصرف ہے اچھا میں ان پر ہاتھ اٹھاتا ہوں اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار و تصرف ہے تو یہ اپنے سارے کرتب لے کر نمودار ہو جائیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں۔

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی اس لئے قابل التفات نہیں سمجھا وہ سمجھے کہ یہ ایک مجنونانہ بڑ ہے بھلا کون ہے جو ان قادر و توانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرات کر سکتا ہے؟ اور اگر کرے تو اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے؟

لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے تھے اور ظاہر ہے کہ نبی اپنا

Marfat.com

کوئی فیصلہ خود اپنی مرضی سے نہیں کرتا بلکہ وہ تو اللہ کے فیصلے کا اعلان کرتا ہے جب اعلان کروا دیا تو اسے کر کے دکھا دینا تھا جونہی معبد خالی ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اٹھے اور ایک ایک کر کے تمام بت توڑ دیئے صرف بڑے بت یعنی "شمس" کو چھوڑ دیا۔ اس میں مصلحت کیا تھی؟ مصلحت وہی تھی جس کا اعلان پہلے کرا دیا گیا تھا کہ "لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ" اگر وہ باقی رہے گا تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں۔ یعنی یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی اور خود یہ بھی کہ وہ تو ان کے لئے رب الارباب تھا۔ کیا کر سکا یعنی کچھ نہ کر سکا۔ اب اسی سے دوسروں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے۔

جب لوگ واپس آئے انہوں نے دیکھا جو بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آتی تھی وہ ہوگئی اور سچ مچ ابراہیم علیہ السلام نے سارے بت پاش پاش کر دیئے تو غور کرو کہ ان کے دل و دماغ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہیئے؟ پہلے حیرت چھائی ہوگی کہ کیا تھا اور کیا ہوگیا؟ کیا یہ مورتیاں اس طرح توڑی پھوڑی جا سکتی تھیں؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری باتیں سامنے آگئی ہوں گی۔ یہ تو کتنے سالوں کا جھگڑا چلا ہوا تھا۔ فیصلہ ہونے پر آیا تو کس طرح ہوگیا۔ ان کو صاف نظر آگیا کہ اس بارے میں سچا وہی نکلا ہم جھوٹے ہوگئے۔ پھر اپنی شکست کے خیال نے غم و غصہ کی شکل اختیار کر لی۔ فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہوتا ہے خصوصاً جب شکست بھی ذلت و ندامت کی شکست ہو۔

اب پجاریوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ معاملہ کی برائی عوام سے پوشیدہ رکھی جائے اگر انہیں معلوم ہوگیا کہ ابراہیمؑ نے پہلے چیلنج دے دیا تھا اور پھر کر کے دکھا دیا تو ان کے عقیدے متزلزل ہوں گے پس دکھاوے کے لئے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا گویا ابراہیمؑ کے چیلنج کی انہیں خبر ہی نہیں۔ ایک دوسرے کو پوچھنے لگے یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے بھی کی ہے وہ بڑا ہی مجرم ہے۔ وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا اس پر بعض دکھاوے کے لئے بول اٹھے سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ہمارے سننے میں آیا ہے کہ ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا غالباً اس نے کیا ہوگا اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں۔ غور کرو، کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف داؤ کھیلنے کی دھمکی دی تھی بلکہ صرف یہ کہہ کر "کہ ان کے بارے میں کچھ کہتا تھا" چپ ہوگیا۔ دراصل کوشش یہ ہے کہ یہ معاملہ عوام سے چھپایا جائے جو اس حادثہ عظیم کی خبر سن کر وہاں جمع ہوگئے تھے اور جس کا پتہ فَأْتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ سے لگتا ہے۔ یعنی پجاریوں نے کہا کہ ابراہیمؑ کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ بہرحال ابراہیمؑ بلائے گئے۔ وہ اب تمام مجمع کے سامنے کھڑے ہیں۔ مجمع میں پجاری اور عوام دونوں ہیں۔ پجاریوں کو سب کچھ معلوم ہے اور عوام کو تفصیلات معلوم نہیں۔

اب وہ وقت آگیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا اس کا نتیجہ آشکارا ہو جائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا وہ خود انہی کے مونہوں سے اگلوائی جائے اور

Marfat.com

دیکھو کیسے صاف اور قدرتی طریقہ سے ابراہیم علیہ السلام اپنی اس عملی اور وقوعی حجت کی کامیابی کا اعتراف کرتے ہیں؟ پجاریوں نے دکھاوے کے لئے بے خبر بن کر پوچھا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ اب اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے جواب میں کہتے کہ میں تو تمہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کروں گا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ تو انہیں پھر ردوکد کا موقع مل جاتا مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کر دیتے کہ تم نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا اور اس طرح اصل مسئلہ کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال و جواب شروع ہو جاتا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں حجت الزامی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ردوکد کے سارے دروازے بند ہوگئے اور حقیقت آشکارا ہوگئی۔ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ بلکہ اس سب سے بڑے بت "شمس" نے کیا ہے جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار صدائیں تمہیں سنائی دیتی ہیں یہ ابھی زندہ سلامت موجود ہے اگر فی الحقیقت مورتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اس مورتی سے پوچھ لو مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں اور نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے۔ ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے۔ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ "انفسھم" یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی چونکہ اب ابراہیم علیہ السلام کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگ چکا تھا اس لئے انہیں آپس میں اس بات کا اقرار کرنا پڑا۔ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ بلاشبہ حق سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے۔ بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات ابراہیم علیہ السلام ان سے کہلوانی چاہتے تھے وہ سر جھکا کر دبی زبان کہہ دیں لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہو ہی چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کرو کیا معنی رکھتا ہے؟ تب ابراہیم علیہ السلام نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر ندائے حق بلند کر دی اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ جب ان مورتیوں کے بولنے اور مشکل کشا ہونے کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو تو پھر اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ افسوس ہے تمہارے لئے تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش میں گھر گئے ہو؟ کیا تم اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟

اب غور کرو اس تمام سرگذشت میں کونسی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟ بتوں کو انہوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کر اسے چھپانا چاہتے تھے۔ انہوں نے تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا تھا اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا۔ پھر جو بات اس طرح

Marfat.com

صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور اعلانیہ کی گئی ہو اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی؟ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لئے اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہو سکتا کیونکہ فعل کا تو وہ پہلے اعلان کر چکے تھے اور خود پوچھنے والوں کا ایک ایک فرد جانتا تھا کہ یہ ابراہیم ہی کا کیا دھرا ہے بات بالکل صاف ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی جو ہر زبان اور ہر ماحول میں استعمال کی جاتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

یوں سمجھو کہ آپ کا بیٹا ماشاء اللہ جوان ہو رہا ہے نویں دسویں کا طالبعلم ہے آپ اس کو روزانہ سمجھاتے ہیں کہ محنت کرو اور خوب محنت کرو رات کو جلدی سوؤ اور صبح سویرے اٹھو۔ نہاؤ' دھوؤ' نماز ادا کیا کرو' قرآن کریم پڑھا کرو اور وقت پر سکول جایا کرو۔ لیکن برخودار ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بھی صحیح طریقے سے نہیں کرتا۔ آپ سمجھا سمجھا کر جب تنگ پڑتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں کہ دیکھو بھائی محنت بالکل نہ کرنا۔ بس ساری رات لڈو کھیلا کرو۔ نو بجے اٹھے اور خوب کھایا پیا۔ نماز قرآن کی آخر ضرورت ہی کیا ہے اور نہ ہی نہانا دھونا کوئی اچھا فعل ہے کتابیں پکڑیں اور سارا دن بسوں پر سفر کیا۔ یہ بہت اچھا مشغلہ ہے۔

ایمانداری سے کہئے کہ یہ جو کچھ آپ نے فرمایا آپ کا دل یہی چاہتا ہے کہ بیٹا ساری رات جاگے' دس بجے تک سوئے' نماز و قرآن کے قریب نہ جائے اگر آپ کا ارادہ یہ نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بتاؤ کہ یہ سب کچھ آپ نے جھوٹ بولا ہے؟ اگر جھوٹ بھی نہیں بولا تو آخر اس کلام سے آپ کا مطلب کیا ہے جو مطلب ہے آپ کو بھی معلوم ہے اور آپ کے بیٹے کو بھی اور ہر سننے والا بھی یہی سمجھتا ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اور کوئی نہیں کہتا کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے تو ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد کو جھوٹ کیوں کہتے ہو یہ تو مخاطب کی تفہیم کا ایک طریقہ ہے جو سب لوگ جانتے اور سمجھتے ہیں۔

یہ بات تو ضمناً آگئی تھی جس کی تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی اب آیئے اصل مضمون کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نصیحت و موعظت کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ تمام قوم اپنے باطل عقیدہ سے تائب ہو کر ملت ابراہیمی اختیار کر لیتی اور کج روی چھوڑ کر راہ مستقیم پر گامزن ہو جاتی لیکن دلوں کی کجی' نفوس کی سرکشی' متمردانہ ذہنیت اور باطنی خباثت دناءت نے اس جانب نہ آنے دیا اور اس کے برعکس ان سب نے ابراہیم علیہ السلام کی عداوت و دشمنی کا نعرہ بلند کر دیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر دیوتاؤں کی خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو اس گستاخی اور مجرمانہ حرکت پر سخت سزا دو اور آگ میں جلا ڈالو تاکہ اس کی تبلیغ و دعوت کا قصہ ہی پاک ہو جائے۔ یہ بات ان کو کیسے سوجھی؟ دراصل کلدانیوں میں یہ سزا سیاسی لیڈروں اور مذہبی مخالفین کے لئے دی جانا ثابت ہے اور اس پر تاریخی شہادتیں موجود ہیں ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں کی نگاہ میں ان دونوں باتوں کے مجرم تھے۔ اس لئے ان کا خیال اس طرف جانا کوئی ان ہونی بات نہیں تھی۔

ابھی اسی طرح کے مشورے ہو ہی رہے تھے اور ویسے ابراہیم علیہ السلام ایک سیاسی اور مذہبی گھرانے کے

Marfat.com

چشم و چراغ تھے اتنی جلدی ایسی سزا دینا اتنا آسان نہیں تھا۔ ہوتے ہوتے بادشاہ وقت تک یہ باتیں پہنچ گئیں۔ اس زمانہ میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ اپنے آپ کو اپنی قوم کا رب اور مالک جانتے تھے اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح ان کو اپنا خدا اور معبود مانتی تھی اور ان کی بالکل اسی طرح پرستش کرتی تھی جس طرح دوسرے دیوتاؤں کی بلکہ ان سے بھی زیادہ پاس و ادب کے ساتھ پیش آتی تھی۔ اس لئے کہ وہ صاحب عقل و شعور بھی ہوتا تھا اور مالک تخت و تاج بھی۔

نمرود کو جب یہ معلوم ہوا تو آپے سے باہر ہوگیا اور سوچنے لگا کہ اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ و دعوت کی سرگرمیاں اگر اسی طرح جاری رہیں تو یہ میری ربوبیت' ملوکیت اور الوہیت سے بھی سب رعایا کو برگشتہ کر دے گا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ میری یہ سلطنت بھی زوال میں آجائے گی۔ اس لئے اسی قصہ کا ابتدا ہی میں خاتمہ کر دینا بہتر ہے۔ یہ سوچ کر اس نے حکم دیا کہ ابراہیم ؑ کو ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ ابراہیم علیہ السلام جب نمرود کے دربار میں پہنچے تو نمرود نے گفتگو شروع کی اور ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تو باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لئے کرتا ہے اور مجھے رب ماننے سے تجھے کیوں انکار ہے؟

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ واحد کا پرستار ہوں اس کے علاوہ کسی کو اس کا شریک نہیں مانتا' ساری کائنات اور تمام عالم اس کی مخلوق ہے اور وہی ان سب کا خالق و مالک ہے۔ تو بھی اسی طرح ایک انسان ہے جس طرح ہم سب انسان ہیں پھر تو کس طرح رب یا الٰہ ہو سکتا ہے اور کس طرح یہ گونگے بہرے لکڑی اور پتھر کے بت خدا ہو سکتے ہیں؟ اگرچہ یہ بت بذاتہ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ تو نیک لوگوں اور بزرگوں کی فرضی شکلیں اور تصویریں بنائی گئی ہیں تاہم جن لوگوں کی یہ شکلیں یا تصویریں ہیں وہ بیشک نیک اور ولی اللہ بھی ہوں تو بھی وہ معبود تو نہیں بنائے جا سکتے؟ دیکھو اور خیال کرو کہ میں صحیح راہ پر ہوں اور تم سب غلط راہ پر ہو اسی لئے میں تبلیغ حق کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں اور تمہارے باپ دادا کے خود ساختہ مذہب کو میں کیسے اختیار کر سکتا ہوں؟

نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر کہ جس سے میں بھی یہ سمجھوں کہ تیرا رب میں نہیں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ربی الذی یحیی و یمیت میرا رب تو وہ ہے جو مخلوقات کو مارتا اور جلاتا ہے۔ نمرود نے جواب دیا انا احی وامیت میں تو خود ہی زندہ ہوا ہوں اور خود مروں گا۔ پھر تیرے رب کی یہ خصوصیت مجھ پر تو نہیں چل سکی اور نہ ہی کسی اور پر چل سکتی ہے یہ تو تیرا اپنا خیال ہے جو تو کہہ رہا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ نمرود یا تو موت و حیات کی اصل حقیقت سے ناآشنا ہے یا جمہور اور رعایا کو مغالطہ دینا چاہتا ہے تاکہ وہ اس فرق کو نہ سمجھ سکیں۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں جو اس بادشاہ وقت نے کی ہے بلکہ یہ باتیں کہنے والے ہر زمانے میں کہتے رہے ہیں اور آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم ہی میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّکُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ (الاحقاف ۴۶ : ۱۷) "اور جس شخص اپنے والدین سے کہا تف ہے تمہارے لئے کیا مجھے خبر دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد دوبارہ قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں۔" اور کوئی بھی واپس نہیں آیا۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ :

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ○ (المومنون ۲۳ : ۳۷) "زندگی تو بس یہی زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں یہیں مرتے ہیں، یہیں جیتے ہیں ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر بھی جی اٹھیں۔"

تاہم سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت و حیات کے دقیق فلسفہ پر بحث شروع کر دی تو نمرود کا مقصد پورا ہو جائے گا اور وہ عوام کو مغالطہ میں ڈال کر اصل معاملہ کو الجھا دے گا اور اس طرح میرا نیک مقصد پورا نہ ہو سکے گا اور تبلیغ حق کے سلسلہ میں سر محفل نمرود کو لاجواب کرنے کا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے گا کیونکہ بحث و مباحثہ اور مناظرہ میرا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دماغ و قلب میں خدائے واحد کا یقین پیدا کرنا میرا مقصد وحید ہے اس لئے انہوں نے اس دلیل کو نظرانداز کر کے سمجھانے کا ایک دوسرا پیرایہ اختیار کیا اور ایسی دلیل پیش کی جس کا صبح و شام ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا اور بغیر کسی منطقی دلیل کے روز و شب زندگی میں اس سے دوچار ہوتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس ہستی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے۔ پس اگر تو بھی اس طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا۔ یہ سن کر نمرود مبہوت اور لاجواب سا ہو گیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے نمرود پر اللہ کی حجت پوری ہوئی۔

نمرود اس دلیل سے مبہوت کیوں ہوا؟ اور اس کے پاس اس کے مقابلہ میں مغالطہ کی گنجائش کیوں نہ رہی؟ یہ اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا حاصل یہ تھا کہ میں ایک ایسی ہستی کو اللہ مانتا ہوں جس کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس کا سارا نظام اسی نے بنایا ہے اور اسی نے اس پورے نظام کو اپنے قانون حکمت سے ایسا مسخر کر دیا ہے کہ اس کی کوئی شے نہ وقت مقررہ سے پہلے اپنی جگہ سے ہٹ سکتی ہے اور نہ ادھر ادھر ہو سکتی ہے۔ تم اس پورے نظام میں سے آفتاب ہی کو دیکھو لو عالم ارضی اس سے کس قدر فائدہ حاصل کرتا ہے بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے طلوع و غروب کا بھی ایک نظام مقرر کر دیا ہے۔ بس اگر آفتاب لاکھ بار بھی چاہے کہ وہ اس نظام سے باہر ہو جائے تو وہ اس سے باہر ہونے پر قادر نہیں کیونکہ اس کی باگ بھی اللہ واحد کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس کو بے شک یہ قدرت ہے کہ جو چاہے کر گزرے لیکن وہ کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور جس کے لئے جو قانون مقرر کر دیا ہے۔ مزید دیکھنا مطلوب ہو تو

Marfat.com

اس تفسیر کی اسی جلد میں حاشیہ نمبر ۴۴۳ سے ۴۴۶ تک ملاحظہ کریں۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد بزرگوار کو اسلام کی تلقین کی، پیغام حق سنایا اور راہ مستقیم دکھائی۔ اس کے بعد عوام اور جمہور کے سامنے اس دعوت کو عام کیا اور سب کو امر حق تسلیم کرانے کے لئے فطرت کے بہترین اصول و دلائل کو پیش فرمایا اور نرمی، شیریں کلامی مگر مضبوط و محکم اور روشن حجت و دلیل کے ساتھ ان پر حق کو واضح کیا اور سب سے آخر میں بادشاہ وقت نمرود سے مناظرہ کیا اور اس پر روشن کر دیا کہ ربوبیت و الوہیت کا حق تو صرف اور صرف اللہ واحد ہی کے لئے سزاوار ہے اور بڑے سے بڑے شہنشاہ کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کی ہمسری کا دعویٰ کرے کیونکہ وہ اور کل دنیا اسی کی مخلوق ہے اور وجود و عدم کی قید و بند میں گرفتار مگر اس کے باوجود کہ بادشاہ آزر اور عوام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے لاجواب تھے اور دلوں میں قائل بلکہ بتوں کے واقعہ میں تو زبان سے بھی اقرار کرنا پڑا کہ ابراہیم جو کچھ کہتا ہے وہی حق ہے اور صحیح و درست تاہم ان میں سے کسی نے راہ مستقیم کو اختیار نہ کیا اور قبول حق سے منحرف ہی رہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس اپنی ندامت و ذلت سے متاثر ہو کر بہت زیادہ غیظ و غضب میں آگئے اور بادشاہ سے رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور اپنے باپ دادا کے مذہب کی مخالفت میں ابراہیم کو دھکتی ہوئی آگ میں جلا دینا چاہئے کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ انہوں نے فیصلہ یہ کیا کہ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (الانبیاء ۲۱ : ۶۸) "انہوں نے آپس میں کہا اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں مل کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں۔" دوسری جگہ فرمایا کہ:

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِى الْجَحِيْمِ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۹۷) "قوم کے لوگوں نے کہا ابراہیم کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو دھکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔" پھر خود ہی قرآن کریم نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۶۷) "ہمارا حکم ہوا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی اور دیکھو انہوں نے چاہا تھا کہ ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا۔" اور دوسری جگہ فرمایا کہ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ۝ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ۹۸) "انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک برائی کا ارادہ کیا مگر ہم نے انہیں نیچا دکھا۔"

اس مرحلہ پر پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام کی جدوجہد کا معاملہ ختم ہوگیا اور اب دلائل و براہین کی قوت کے مقابلہ میں مادی طاقت و سطوت نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ باپ اس کا دشمن، جمہور اس کے مخالف اور بادشاہ وقت اس کے درپے آزار۔ ایک ہستی اور چہار جانب سے مخالفت کی آواز۔ دشمنی کے نعرے اور نفرت و حقارت کے

Marfat.com

ساتھ سخت انتقام اور خوفناک سزا کے ارادے ایسے وقت میں اس کی مدد کون کرے اور اس کی حمایت کا سامان کس طرح مہیا ہو؟

مگر ابراہیم علیہ السلام کو نہ اس کی پروا تھی اور نہ اس کا خوف وہ اسی طرح بے خوف و خطر اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے نیاز اعلان حق میں سرشار اور دعوت اللہ و ہدایت میں مشغول تھے البتہ ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم' دنیوی اسباب ناپید اور حمایت و نصرت کے ظاہری اسباب مفقود ہو چکے تھے ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت بھی ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا تھا۔ اس نے اپنے جلیل القدر پیغمبر قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور رہنما کو بے یارومددگار نہ رہنے دیا اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اسی کو کہتے ہیں کہ ع

دشمن اگر قویست نگہباں قوی تراست

ذرا ایک قدم پھر پیچھے آؤ اور دیکھو کہ جب ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستی کی مذمت کے سلسلہ میں اپنے باپ آزر سے مناظرہ ہو گیا تھا اور آزر نے زچ ہو کر یہ کہا تھا:

اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا (مریم ۱۹: ۴۶) "باپ نے ابراہیم کی باتیں سن کر کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ کہ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔"

تو اس سخت گیر اور دل آزار گفتگو کے موقعہ پر بھی اس نے پدری رشتہ کی بزرگی کا احترام کیا اور جواب میں فرمایا تو صرف یہ فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا (مریم ۱۹: ۴۷) "ابراہیم نے کہا اچھا میرا سلام قبول ہو میں الگ ہو جاتا ہوں اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ اب میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔"

اس ہستی سے یہ کیسے توقع ہو سکتی کہ وہ اپنے باپ آزر کو بے وقوف' پیر فرتوت اور اس قسم کے تحقیر آمیز الفاظ کے ساتھ خطاب کرے؟ اس میں کتنے اسباق ہیں قوم مسلم کے نوجوانوں کے لئے جن کے والدین بوڑھے بھی ہیں بد عقیدہ اور ضدی بھی۔ کتنے اسباق ہیں اس امت مسلمہ کے علماء کے لئے جو موحد نوجوانوں کو اپنے مشرک والدین سے متنفر کرنے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ کتنے اسباق ہیں سیاسی لیڈروں اور مذہبی قائدین کے لئے کہ اگر مخالف سے مخالف آدمی کو بھی خطاب کرنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ جو اسلام نے سکھایا ہے۔

غور کرو سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کے لئے کس درجہ مضطرب اور بے چین تھے اور دلائل و براہین کی وہ کونسی صورت ہو سکتی ہے جو انہوں نے حق کے آشکارا کرنے میں صرف نہ کر دی ہو؟ سب

Marfat.com

سے پہلے اپنے باپ آذر کو سمجھایا پھر عوام کے سامنے حق کی روشنی کو پیش کیا اور آخر میں نمرود سے مناظرہ کر کے اس کے سامنے بھی احقاق حق کو بہتر سے بہتر اسلوب کے ساتھ ادا کیا اور ہر لحہ یہی سب کو تلقین کی کہ اللہ واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں اور اصنام پرستی اور کواکب پرستی کا نتیجہ خسران اور ذلت کے سوائے دوسرا نہیں ہے اس لئے شرک سے باز آنا چاہئے اور ملت حنفیہ ہی کو صراط مستقیم سمجھنا چاہئے جس کی اساس و بنیاد صرف توحید الٰہی پر قائم ہے۔

مگر بدبخت قوم نے کچھ نہ سنا اور کسی طرح رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا اور ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا اور ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا اور تمام قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ناطقہ بند کرنے کا فیصلہ کر لیا اور گویا دہکتی آگ میں ڈال دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق اس کے دشمنوں کے ارادوں کو ذلیل و رسوا کر کے حضرت ابراہیم کے حق میں جیسی کیسی بھی وہ آگ تھی اس کو "بَرْدًا وَّسَلَامًا" بنا دیا تو اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ارادہ کیا کہ دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں اور اس عزم کے ساتھ فدان آرام یا اور سے ہجرت کا ارادہ کر لیا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ "اور ابراہیمؑ نے کہا میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف قریب ہے کہ وہ میری رہنمائی کرے گا۔"

یعنی اب مجھے کسی ایسی بستی یا آبادی میں ہجرت کر کے چلا جانا چاہئے جہاں اللہ کی آواز گوش ہوش سے سنی جائے اور وہی جگہ ہو سکتی ہے جس کی طرف اللہ میری راہنمائی فرمائے۔ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے۔ یہ جگہ نہیں تو اور جگہ سہی میرا کام تو پیغام پہنچانا ہے اللہ اپنے دین کی اشاعت کا سامان خود پیدا کر دے گا۔

مختصر یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور قوم سے جدا ہو کر بحکم الٰہی فرات کے غربی کنارے کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جو کلدانیین کے نام سے مشہور تھی یہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہم سفر رہے پھر کچھ دنوں کے بعد حران یا حاران کی جانب روانہ ہوگئے اور وہاں اللہ کے دین کی تبلیغ شروع کر دی اور برابر اپنے والد بزرگوار کے لئے بارگاہ الٰہی میں استغفار کرتے رہے اور اس کی ہدایت کے لئے دعا مانگتے رہے۔

ابراہیم علیہ السلام اس طرح تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے اور فلسطین کے غربی اطراف میں کچھ عرصہ سکونت پذیر رہے یہ علاقہ اس وقت کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا اور پھر وہاں سے نابلس چلے گئے کچھ دیر وہاں رہے اور پھر نابلس سے چل کر مصر پہنچے یہ وہ زمانہ تھا کہ مصر کی حکومت ایسے خاندان کے ہاتھ میں تھی جو سامی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا نسبی سلسلہ وابستہ تھا۔ یہاں پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام اور فرعون مصر کے درمیان ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس کو یقین ہوگیا کہ ابراہیم اور اس

Marfat.com

کا خاندان اللہ کا مقبول اور برگزیدہ خاندان ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہؓ کا بہت اعزاز کیا اور ان کو ہر قسم کے مال و منال سے نوازا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتہ کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی ان کی زوجیت میں دے دیا جو اس زمانہ کے رسم و رواج کے اعتبار سے پہلی اور بڑی بی بی کی خدمت گزار قرار پائیں۔ چنانچہ اس تاریخی قیاس کی سب سے بڑی شہادت خود یہود کے یہاں بھی موجود ہے۔

"سفر الیشا جو یہودیوں کی ایک معتبر تاریخ ہے' میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کے زمانہ میں مصر کا بادشاہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم وطن تھا۔" (ارض القرآن جلد ۲ ص ۴۱)

اس طرح یہود کی معتبر روایات سے یہ مسئلہ بھی صاف اور روشن ہو جاتا ہے کہ حضرت ہاجرہ شاہ مصر یعنی فرعون کی بیٹی تھیں۔ لونڈی اور باندی نہیں تھیں۔ اس لئے بنی اسرائیل کا یہ طعن کہ بنی اسمٰعیل ہم سے کم تر ہیں کہ وہ لونڈی سے ہیں اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہؓ سے صحیح نہیں ہے اور واقعہ اور تاریخ دونوں ہی کے خلاف ہے اور جس طرح تورات کے دوسرے مضامین میں تحریف کی گئی ہے اس طرح اس واقعہ میں بھی تحریف کی گئی ہے اور واقعہ کی تمام تفصیلات کو حذف کر کے "لونڈی" کا لفظ باقی رہنے دیا گیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام مصر سے جب نکلے تو آپ کے ساتھ سارہ' ہاجرہ اور لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی اور بہت سے مال و دولت اور خدام ساتھ تھے جو بادشاہ مصر نے عطا کئے تھے۔ وہاں سے نکل کر دوبارہ ابراہیم علیہ السلام اسی مسکن کی طرف آئے جو ان کے لئے دارالہجرت کا مقام قرار پایا تھا اور قادیش اور شور کا بیابان تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں ایک کنواں کھودا اور باغات لگائے اور مدت تک یہاں آباد رہے۔ اور یہاں آکر لوط علیہ السلام وادی اردن کی طرف چلے گئے اور بستی سدوم کو اپنا رہائشی مقام بنایا۔ پھر ایک وقت آیا کہ لوط علیہ السلام کو یہاں سے ہجرت کر کے نکل جانے کا حکم ہوا اور اس بستی کو عذاب الٰہی کے ساتھ غرق اور تباہ و برباد کر دیا۔

اس وقت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد سے محروم تھے اور ہاجرہ کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دارالہجرت میں سکونت اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اولاد کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کے گھر کا مالک ایک خانہ زاد الیعزر دمشقی تھا۔ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزند کے لئے دعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا کو قبولیت بخشی اور ان کو ان الفاظ میں تسلی دی۔

"ابرام نے کہا اے خداوند ذرا تو مجھ کو کیا دے گا میں تو بے اولاد جاتا ہوں اور میرے گھر کا مختار الیعزر ہے پھر ابراہم نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہو گا۔ تب خداوند کا کلام اس پر اترا اور اس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہو گا وہی تیرا وارث ہو گا۔"

Marfat.com

(پیدائش ۱۵: ۲، ۴)

اور یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھوٹی بی بی حضرت ہاجرہ حاملہ ہوئیں۔

"اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔" (پیدائش ۱۶: ۴)

"پھر خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی اور خداوند کے فرشتے نے اسے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تو ایک بیٹے کو جنے گی اس کا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا اور وہ وحشی بدوی آدمی ہوگا۔ اس کا ہاتھ سب کے اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے ساتھ بودوباش کرے گا۔" (پیدائش ۱۶: ۷، ۱۲)

حضرت ہاجرہ جس مقام پر فرشتہ سے ہم کلام ہوئیں اس جگہ ایک کنواں تھا۔ ہاجرہ نے یادگار کے طور پر اس کا نام "زندہ نظر آنے والا کنواں" رکھا تھوڑے عرصہ کے بعد ہاجرہ کے بیٹا پیدا ہوا اور فرشتہ کی بشارت کے مطابق اس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔" چنانچہ تورات میں آج بھی موجود ہے کہ۔

"اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے اس بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا اور جب ابرام کے لئے ہاجرہ سے اسمٰعیل پیدا ہوا تو ابرام چھیاسی برس کا تھا۔" (پیدائش ۱۶: ۱۵، ۱۶)

ابراہیم علیہ السلام نے اس بیٹے کی بشارت سن کر بہت خوشی منائی اور اس کی جگہ یہ دعا مانگی:

"ابرام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔" (پیدائش ۱۷: ۱۸)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا یہ جواب دیا:

"اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش ۱۷: ۲۰)

ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ کے بطن سے سیدنا اسمٰعیل جیسے بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تھی اور پھر اپنے وقت پر بحکم الٰہی اسمٰعیل تولد ہو چکے تھے کہ مشیت ایزدی نے سیدہ سارہ کو بھی بیٹے کی خوشخبری سے مالامال کردیا اور اس واقعہ کا ذکر سورہ ہود میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ: "یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے ہاں خوشخبری لے کر آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تم پر سلامتی ہو ابراہیم علیہ السلام نے کہا "تم پر سلامتی ہو۔" پھر ابراہیم نے دیر نہ کی ایک بھنا ہوا بچھڑا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ کھاؤ۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو ان سے بدگمان ہوا اور جی میں ڈر بھی محسوس کیا کہ یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا خوف نہ کر ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی بی بی خیمہ میں کھڑی سن رہی تھیں وہ ہنس پڑیں۔ پس ہم نے اسے اسحاق پیدا ہونے کی خوشخبری دی اور یہ بھی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کا ظہور ہوگا۔ یہ سن کر وہ بولی! افسوس مجھ پر! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرے اولاد ہو جائے حالانکہ میں تو بڑھیا ہوگئی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب

Marfat.com

بات ہے!

انہوں نے کہا کہ کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تجھ پر ہوں۔ اے اہل خانہ ابراہیم علیہ السلام! اس کے فضل و کرم سے یہ بات کوئی بعید نہیں بلاشبہ اس کی ذات ہے جس کی سب اچھی تعریفیں بیان کی جاتی ہے۔ اور وہی ہے جس کے لئے ہر طرح کر بڑائی ہے۔"

یہاں ابراہیم علیہ السلام کو سارہ کے بطن سے بیٹا پیدا ہونے کی خبر دی گئی اور اس کی زندگی بھی اسمٰعیل کی طرح رجسٹرڈ کر دی کہ جب تک اسحاق کے ہاں یعقوب پیدا نہ ہو جائے اسحٰق کا زندہ رہنا ضروری ہے اور وہی ہوا جس کا اعلان کیا گیا تھا۔

قرآن کریم۔ حدیث اور آثار کی روشنی میں یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ سارہ کے بطن سے یعقوب علیہ السلام اور ہاجرہ کے بطن سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی قطورا نام کی بھی تھی جس کی اولاد بنو قطوار کے نام سے معروف ہوئی۔ یہ بھی واضح ہے کہ سارہ اور قطورا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دو چچوں کی بیٹیاں تھیں اور قطورا کے ہاں چھ لڑکے پیدا ہوئے تھے اس طرح ابراہیم علیہ السلام کے کل آٹھ بچے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی اولادوں میں کون سب سے بڑا ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سب سے بڑے ہیں اور خصوصاً یہ کہ اسحاق علیہ السلام سے بڑے ہیں لیکن یہ ایسا بیان نہیں ہے جس پر جرح نہ کی جا سکتی ہو۔ اس کے دلائل موجود ہے کہ اسحٰق علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام سے بڑے تھے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ بنو سارہ میں انبیاء علیہم السلام بہت آئے لیکن بنو قطورا میں بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور بنو ہاجرہ میں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد ایک اور صرف ایک ہی نبی یعنی خاتم المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام جو ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور بڑی امیدوں اور امنگوں کے بعد۔ آپ کی پیدائش کی کتنی خوشی ہوگی؟ اس سے پوچھو جو اسی پچاسی سال کی عمر تک بے اولاد رہ چکا ہے۔ ادھر اسمٰعیل پیدا ہوا اور ناز و نعمت بڑھنے لگا ادھر بوڑھے باپ کو کچھ اور ہی اشارات ہونے لگے۔ یہ کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ایک طرف یہ پیش گوئی ہے جو تورات کے صفحات میں درج ہے کہ

"اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سن لی۔ دیکھو میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا۔ اس کو بہت بڑھاؤں گا اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس کو بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش ۱۷: ۲۰)

ایک طرف قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ابراہیم دعا مانگتے ہیں۔

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصٰفٰت ۳۷: ۱۰۰) "اے میرے رب مجھ کو کوئی سعادت مند لڑکا عطا فرما۔"

ابراہیم علیہ السلام کو جواب ملتا ہے۔

Marfat.com

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ (الصفت ۳۷: ۱۰۱) ”اے ابراہیم! ہم نے آپ کو ایک حلیم لڑکے کی خوشخبری دے دی۔“

انجام کار باپ یعنی ابراہیم علیہ السلام ایک روز بیٹے اسمٰعیل کو مخاطب ہوتے ہیں کہا:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ (الصفت ۳۷: ۱۰۲، ۱۰۵)

”جب اسمٰعیلؑ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تو انہوں نے ایک دن اسمٰعیل سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے گویا تمہیں راہ حق میں ذبح کر رہا ہوں میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تم اس پر غور کرو کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ بیٹے نے بلا تامل کہا اس خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی جانب سے ایک اشارہ ہے پس آپ حکم الٰہی کو پورا کیجئے۔ مجھے آپ انشاء اللہ صبر کرنے والوں اور ثابت قدموں میں پائیں گے۔ جب باپ اور بیٹا دونوں اللہ کے آگے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو کنپٹی کے بل لٹایا تو اس وقت ہم نے آواز دی اے ابراہیم! بس کرو تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

اس طرح ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ اسمٰعیل ذبح ہونے کے لئے تیار ہوگئے اور باپ نے بیٹے کی قربانی دے دی اور اپنے پاس سے دور لے جا کر بسانے کا مصمم ارادہ کر لیا اور یہی خواب کی دراصل تعبیر تھی۔ اسی طرح قانون الٰہی کی حکمت پوری ہوئی اور اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق جو برکت دینے کا اور بڑھانے کا وعدہ الٰہی تھا آج ہی اس کی تکمیل ہونا شروع ہوگئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی اولاد میں سے سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو بیت اللہ کے قریب لا بسایا چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○ (ابراہیم ۱۴: ۳۷، ۴۱)

”اے ہم سب کے پروردگار تو دیکھ رہا ہے کہ ایک ایسے مقام میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسا دی ہے اور اے اللہ! اے ہمارے رب! اس لئے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لئے زمین کی پیداوار سے

Marfat.com

سامان رزق مہیا کر دے تاکہ تیرے شکر گزار ہوں۔ اے ہمارے رب! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو۔ ساری ستائشیں اور سب ہی اچھی تعریفیں تیرے لئے ہیں جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسماعیل اور اسحٰق دو فرزند عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا رب اپنے بندوں کی دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔ اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں نماز قائم کروں اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے۔ اے ہمارے رب! میری یہ دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور ان سب کو جو ایمان لائے اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔"

ایک مدت تک سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اپنے باپ آذر کے لئے خصوصی دعا مانگتے رہے۔ ہجرت کر آنے کے بعد بھی ابراہیم علیہ السلام نے یقیناً اپنے اصل وطن سے اپنے تعلقات منقطع نہیں کئے۔ اپنے لوگوں کو وقتاً فوقتاً حالات معلوم کرنے کے لئے حاران بھیجتے رہے لیکن والد بزرگوار کے حق میں مشیت ایزدی نے دعا کی قبولیت نہیں رکھی تھی اور والد گرامی کا بضد رہنا بھی قانون الٰہی میں تھا۔ جب کوئی چارہ کار نہ رہا تو اب ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہوگئی۔

آخر کار سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو وحی الٰہی نے مطلع کیا کہ آذر ایمان لانے والا نہیں ہے بلکہ وہ انہی اشخاص میں سے ہے جنہوں نے اپنی نیک استعداد کو فنا کر کے خود کو اس کے مصداق بنا لیا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (بقرہ) "اللہ نے اپنے قانون کے مطابق ان کے دلوں اور کانوں پر مہر ثبت کر دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔" اس اطلاع کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے صاف اعلان کر دیا کہ جو امید موہوم میں نے لگا رکھی تھی وہ اب ختم ہوگئی۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (التوبۃ ۹ : ۱۱۴) اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے بخشش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا۔ لیکن جب اس پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کی سچائی کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہوگیا۔ بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی دردمند بڑا ہی بردبار انسان تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے والد اور اپنی قوم کو تبلیغ کرنے میں گزر گیا اور انجام کار اپنا ملک اور خاندان اور مال و متاع سب کو خیرباد کہنا پڑا مہاجر ہو کر وطن عزیز سے نکل کھڑے ہوئے تھے لیکن اب اللہ نے دنیا کی ہر چیز عطا فرما دی تھی اور اس وقت ابراہیم زمین حجاز کے اندر قیام پذیر ہیں اور اللہ کے گھر یعنی بیت اللہ کے قریب اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو بحکم الٰہی آباد کر چکے ہیں اور پھر دست بدعا ہیں۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم ۱۴ : ۳۵) "اور وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے دعا مانگی تھی کہ اے میرے رب! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دیجیو اور مجھے اور میری نسل کو اس

Marfat.com

بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔"

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (ابراہیم ۱۴ : ۳۶) "اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہ حق سے بھٹکا دیا ہے تو جو میرے پیچھے چلا وہ میرا ہوا جس نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں اور تو بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔"

اب ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ آپ کو جو برکت دینے کا وعدہ تھا وہ پورا ہونا شروع ہوگیا۔ آپ کی اولاد اور اولاد در اولاد کو نینوا کے کناروں سے لے کر سرزمین حجاز تک پھیلا دیا گیا ہے اور مزید ان کو پھیلتے ہی جانا ہے آپ ان کے لئے جو اس وقت موجود ہیں لیکن تیرے ہیں اور ان کے لئے جو قیامت تک تیرے کہلواتے رہیں گے ان سب کے لئے ایک مرکز تعمیر کر دے اور ان کو ہر طرف سے اس مرکز پر اکٹھے ہونے کے لئے پروانہ ہدایت جاری کر دیجئے۔ قرآن کریم میں ہے:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ (الحج ۲۲ : ۲۷)

"اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرا یہ گھر ان کے لئے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں۔ عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں۔ رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو مشقت سفر سے تھکی ہوئی ہوں گی وہ اس لئے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ حاضر ہوں۔"

گویا ان آیات میں واضح کیا گیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عبادت گاہ کی بنیاد رکھی تو کیا مقاصد ان کے پیش نظر تھے اور وحی الٰہی نے کس راہ کی تلقین کی تھی؟ اور پھر حج کا اعلان کیا گیا تو اس کے بنیادی اعمال و مقاصد کیا کیا تھے؟ اور کس طرح وحی الٰہی نے اس کی راہنمائی کی تھی؟ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ

الف ۔ توحید کا اعتقاد۔ ب۔ عبادت گزاران حق کے لئے عبادت خانہ کی تطہیر۔ ج۔ حج کا اجتماع تاکہ اس کے گوناگوں منافع سے لوگ مستفید ہوں اور معین ایام میں ذکر الٰہی کا ولولہ تازہ ہوتا رہے۔ د۔ جو لوگ اس موقع پر جمع ہوں جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لئے غذا کا اہتمام ہو۔

انجام کار یاد رہے کہ جس مرکز عبادت کا قیام اول دن سے ان فوائد و مقاصد کے لئے ہوا ہے ہر دور میں ان مقاصد و فوائد کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اس میں اسلام اور قوم مسلم کی فلاح و بہود کا راز ہے جو صحیح معنوں میں ملت ابراہیم ہے۔

Marfat.com

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۱۳۲ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ

دین حنیف کی راہ پسند فرمائی ہے تو دیکھو دنیا سے نہ جانا مگر اسی حالت میں کہ تم مسلمان ہو یعنی سچے فرمانبردار۔ ۱۳۲

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے سرہانے موت آکھڑی ہوئی تھی اور اسنے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا کہ ''میرے[۲۴۵] بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا تھا ''اس اللہ واحد کی جس کی تو نے عبادت کی ہے اور تیرے آباء ابراہیمؑ ، اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ نے کی ہے اور ہم بھی اسی کے حکموں کے

یعقوب علیہ السلام کا استفسار بیٹوں سے کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

۲۴۵ اسلام کی تعلیم تو وہی ہے جو اوپر ذکر کر دی گئی مگر یہودی کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب وصیت فرمائی تھی کہ یہودیت کے پابند رہنا یہی وصیت سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہے اس کا جواب ان کو دیا جا رہا ہے کہ ان کی وصیت تو یہی تھی کہ خدائے واحد کی عبادت و غلامی کرنا اور ان کی اولاد نے بھی یہی اقرار کیا تھا لیکن تم جو یہ تسلیم نہیں کرتے اگر تم یہ کہنے میں سچے ہو جو تم کہہ رہے ہو یہ تو بتاؤ کہ ان کی وفات کے وقت کون شخص موجود تھا جس پر تمہاری روایت کی انتہا ہوتی ہے۔ یعنی تم جو واہیات خرافات حضرت یعقوب کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اس وقت وجود ہی کہاں تھا؟ نہ آپ خود اس وقت موجود تھے اور نہ ہی اس بات کا کوئی گواہ تم پیش کرتے ہو اور جو بات کہتے ہو وہ ایسی ہے جس کو کم از کم نبی نہیں کہہ سکتا کیونکہ کسی نبی نے فرقہ وارانہ تعلیم کبھی نہیں دی پھر تم ان واقعات کو کس بناء پر جھٹلاتے ہو جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں۔

Marfat.com

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَ

فرمانبردار رہیں گے[۲۴۶]۔" ۱۳۳

بہرحال یہ ایک امت[۲۴۷] تھی جو گزر چکی اس کے لئے وہ تھا جو اس نے اپنے عمل سے کمایا۔ تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے تم سے کچھ اس کی پوچھ کچھ نہیں ہوگی کہ ان لوگوں کے اعمال کیسے[۲۴۸] تھے۔ ۱۳۴

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ سارے انبیاء کی آواز ایک ہی جیسی تھی

۲۴۶ سارے انبیاء کی صدائے حقیقی تو ایک ہی جیسی تھی اسلئے کہ وہ سب کے سب ہم مشرب تھے۔ اگر موجودہ تورات کے اوراق اس اہم اور ضروری تذکرہ سے خاموش ہیں تو احبار یہود کا یہ قول تو آج بھی موجود ہے کہ "یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیئے تھے ا۔ بت پرستی نہ کرنا۔ ۲۔ خدا کی بے حرمتی نہ کرنا۔ ۳۔ میرے جنازے کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے۔" (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۷ ص ۲۴)

روایات و حکایات کی جو دوسری کتابیں ہیں ان میں صراحت اس سے بھی بڑھ کر ہے "یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا "سن اے اسرائیل اے ہمارے باپ! ہمارا خداوند وہی خدا ہے جس طرح تیرا دلی ایمان ایک خدا پر ہے اسی طرح ہم سب کا دلی ایمان ایک خدا پر ہے (کنزبرگ کے قصص یہود ج ۲ ص ۱۴۱) ابائک سیدنا اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے چچا یعنی تایا تھے۔ فرزند یعقوب نے کمال سعادت مندی سے ان کا شمار بھی آبائے یعقوب میں کیا جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے چچا حضرت عباس کے لئے یہی لفظ اب آیا ہے "هذا بقية ابائى" یعنی میرے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔ اسحٰق یہ نام پہلی بار قرآن کریم میں آیا ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحب زادے ہیں جو حضرت سارہؓ کے بطن سے تھے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہیں یا اسحاق علیہ السلام سال ولادت غالباً ۲۰۶۰ ق م اور سال وفات ۱۸۸۰ ق م۔ عمر شریف بحوالہ توراۃ ۱۸۰ سال یہ بھی تحریر ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی۔ آپ کے بستر مرگ کا منظر قصص الیہود میں اس طرح دکھایا گیا ہے "جب اسحاق نے دیکھا کہ ان کا وقت

Marfat.com

موعود آپہنچا تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلوایا اور کہا کہ میں تمہیں خدائے تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس کی صفات علی، عظیم، قیوم اور عزیز ہیں اور جو آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے کہ تم خوف اسی کا رکھنا اور عبادت اس کی کرنا جلد اول ص ۴۱۶۔

دنیا سے رخصت ہونے والے انبیاء سب ایک ہی جماعت تھے

۲۴۷ یہاں بات انہی انبیاء کرام کی ہے جو اجداد یہود ہیں جن کا شمار جماعت انبیاء میں ہے۔ یہود سے کہا جا رہا ہے کہ آبائی مفاخرت، نسلی عظمت، پیمبر زادگی کے نشہ میں کیوں چور ہو اور ایسا کہنے میں ایک بڑا سبق آج کل کے پیرزادوں، رسمی مشائخ زادوں اور بہت سے بدعتی فرقوں کے لئے موجود ہے کہ بلا سعی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اٹھانے کی جڑ ہی اسلام نے گویا کاٹ دی ہے۔ اسلام کی ہدایت کی وجہ سے آج یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن قرآن کریم نے جب اس حقیقت کا علان کیا ہے اس وقت بہت ہی اہم اور ایک نادر سی بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسئولیت کی تعلیم اسلام کے خصوصیات امتیازی میں سے ہے ورنہ مشرک تو مشرک یہود اہل توحید تک اس سفاہت میں مبتلا ہوگئے تھے کہ ذاتی عمل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ مقبولان الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبت نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گھڑا ہوا مسئلہ "معصومیت متوارث" سب کو معلوم ہے یعنی جو معصیت ابوالبشر سے ہوگئی تھی وہ ہر نسل آدم میں متوارث منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہود نے اس کے مقابل ایک عقیدہ "نجات متوارث" کا وضع کر لیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ "خدا تعالیٰ اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بہ طور اپنے افضال کے باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے۔" (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۱۳ ص ۴۴۷) توریت مروجہ میں بھی ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے "میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ ان کی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کنبہ رکھنے والے ہیں لیتا ہوں۔" (استثناء ۵ : ۹) بس اس تنکے کی اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا کہ ہر نسل کا انتقال ثواب اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہے گا اور پھر اولاد ابراہیم کو تو کوئی ڈر ہی نہیں۔ "بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملے گا اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا" (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۶ ص ۶۰) "افراد یہود کی امیدیں سب اسلاف کے تقویٰ پر قائم ہوگئی تھیں یعنی اس پر کہ ہم ابراہیم کی اولاد ہیں۔" (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۳ ص ۱۹۴ طبع یازدہم)

تم اپنے اعمال کے جواب دہ ہو نہ کہ دوسروں کے

۲۴۸ قرآن کریم یہود کو مخاطب کر کے گویا کہہ رہا ہے کہ اچھا تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ انہوں نے ایسا کہا تھا تو تمہیں کیا؟ ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہے۔ اپنے لئے تم خود راہ نجات تلاش کرو اور دیکھو یہ تعلیم صحیح ہے یا نہیں۔

Marfat.com

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۳۵ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

یہودیوں نے کہا' یہودی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ نے کہا نصرانی ہو جاؤ' ہدایت پاؤ گے۔ لیکن تم کہو نہیں' اس کی راہ تو وہی "حنیفی" راہ ہے[۲۴۹] جو ابراہیمؑ کی راہ تھی یعنی تمام انسانی طریقوں سے منہ موڑنا اور صرف اللہ کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرنا ہی ابراہیمؑ کا طریقہ ہے کیونکہ یقیناً وہ شرک کرنے والوں سے نہ تھا۔ ۱۳۵

مسلمانو! تم صاف[۲۵۰] کہو' ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' قرآن پر

ملت ابراہیمی اور اسلام دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں

۲۴۹ ان کا دعویٰ کیا ہے؟ کہ نجات کے لئے ضروری ہے کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تب ہی ہدایت یافتہ ہو سکتے ہو۔ یہ اتحاد تم کو کب نصیب ہوا؟ یہود تو کہتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ نصاریٰ کا کوئی دین و مذہب نہیں اور نصاریٰ بھی صدا بلند کئے ہوئے تھے کہ یہود کا کوئی دین و مذہب نہیں۔ اب دونوں متحد کیسے ہوگئے؟ یہ سبق ان کو اسلام ہی نے سکھایا اور اسلام ہی پر یہ دونوں پل پڑے۔ اپنے وعدے کے ثبوت میں نہ تو ان کے پاس نقل صحیح ہے اور نہ مشاہدہ پیش کر سکتے ہیں مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ ہدایت اور رہنمائی صرف یہودی یا نصرانی ہونے سے مل سکتی ہے۔ اس کا صحیح جواب تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی راستہ بھی نیکی کی طرف نہیں لے جاتا دونوں ہی گروہ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں ایک نے مسیح کا انکار کیا ہے اور تفریط میں مبتلا ہوئے دوسرے نے مسیح کے ماننے میں حد درجہ کا غلو کیا کہ مسیح کو اللہ۔ اللہ کا بیٹا اور اللہ کا جزء تسلیم کر لیا اور اس طرح وہ افراط کے مرتکب ہوگئے بس ہدایت نہ تو افراط میں ہے اور نہ تفریط میں بلکہ وہ راہ اعتدال میں ہے اور وہ راہ اعتدال ملت ابراہیمی ہی میں ممکن ہے جو ایک طرفہ تھا اور یہ یہودیت اور نصرانیت تو اس کے بعد کی اختراع ہے۔ کیا تم ہدایت کے لئے ملت ابراہیم کو کافی نہیں سمجھتے؟ جب کہ ابراہیم کو تم بھی ابوالانبیاء بنی اسرائیل تسلیم کرتے ہو۔ آخر ابراہیم کی ملت نجات کے لئے کیوں کافی نہ رہی؟ آؤ یہودیت و نصرانیت کے دعوے چھوڑ کر ملت ابراہیمی پر اتفاق کر لو ہم تم کو ثابت کر دیں گے کہ ملت ابراہیم اور اسلام دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ دوسرا نام اس لئے رکھا گیا کہ تم نے ملت ابراہیمی کو ملت واحدہ نہ رہنے دیا۔

Marfat.com

ایمان میں مثالی نمونہ ہی اگر دیکھنا ہے تو بانی اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کا ایمان ہی ہو سکتا ہے

۲۵۰ ایمان کی حقیقت تو کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوتی ہی رہی ہے اور آئندہ قرآن کریم کے صفحات میں بھی ہوگی لیکن غور کرو کہ اس آیت میں ایک ایسا اجمال ہے جو تمام تفصیلات اور تشریحات پر حاوی ہے کیونکہ "امنتم" کے مخاطب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام ہیں۔ اس آیت میں ان کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دے کر حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک مقبول و معتبر صرف اس طرح کا ایمان ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے اختیار فرمایا جو ایمان اس سے سرمو مختلف ہو وہ اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ ملت ابراہیمی کہلا سکتا ہے۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ جتنی چیزوں پر یہ لوگ ایمان لائے ان میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو۔ اور جس طرح اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اس میں کوئی فرق نہ آئے کہ وہ نفاق میں داخل ہے اور اللہ کی ذات و صفات' فرشتے اور انبیاء و رسل' آسمانی کتابیں اور ان کی تعلیمات کے متعلق جو ایمان و اعتقاد رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا ہے اللہ کے نزدیک وہی مقبول ہے اس کے سوا یعنی اس کے خلاف اس میں کوئی تاویل کرنا یا کوئی دوسرے معنی مراد لینا اللہ کے نزدیک مردود ہے۔ فرشتوں اور انبیاء و رسل کے لئے جو مقام رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل سے واضح ہوا اس سے ان کو گھٹانا یا بڑھانا ایمان کے منافی ہے۔

اس وضاحت سے ان تمام باطل فرقوں کے ایمان کا خلل واضح ہوگیا جو ایمان کے دعویدار ہیں مگر حقیقت ایمان سے بے بہرہ ہیں کیونکہ زبانی دعویٰ ایمان کا تو ہر کوئی کرتا آیا ہے اور کرتا ہے یہاں تک کہ بت پرست مشرکین بھی کرتے تھے اور موجودہ مشرک بھی کرتے ہیں اور اس طرح یہود و نصاریٰ بھی اور ہر زمانے میں زندیق ملحد بھی مگر چونکہ ان کا ایمان بتفصیل اس طرح کا نہیں تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اس لئے وہ اللہ کے نزدیک مردود و نامقبول ہوا۔

یاد رکھو کہ فرشتہ اور رسول کی عظمت و محبت میں اعتدال مطلوب ہے افراط و تفریط گمراہی تھی ہے اور رہے گی۔ اسی طرح نبی و رسول کی اختراعی قسمیں' ظلی' بروزی اور لغوی ختم نبوت کے بعد سب کی سب گمراہی ہے۔ اور ایمان آخرت کی تاویلات باطلہ سب کی سب مردود ہیں۔ ان سب چیزوں کی تفصیل اسلام میں کر دی گئی ہے۔

سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ ہمارا اللہ پر ایمان ہے قرآن کریم پر ایمان ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا لیکن وہ تمام تعلیمات بھی ہم مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام' اسماعیل علیہ السلام' اسحاق علیہ السلام' یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اترتی رہیں اس طرح ان کتابوں پر بھی جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھیں بلکہ ہم تو ان تمام تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کے دوسرے نبیوں کو بھی دی گئی تھیں معلوم یہ کیسے؟ ایسے ہی کہ ہم ایک دوسرے سے بالکل اصولوں میں جدا نہیں کرتے بلکہ وہ سب ایک ذات کی

Marfat.com

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى
وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ

ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے ان تمام تعلیموں پر ایمان لائے ہیں جو ابراہیمؑ کو، اسمٰعیلؑ کو، اسحٰقؑ کو، یعقوبؑ کو اور اولاد یعقوبؑ کو دی گئیں نیز ان کتابوں پر جو موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو دی گئی تھیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان تمام تعلیموں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو دنیا کے دوسرے نبیوں کو ان کے رب سے ملی ہیں۔ ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسروں سے جدا نہیں کرتے بلکہ سب تعلیموں کو ایک ہی جیسی تعلیم تسلیم کرتے ہیں اور ہم صرف اور صرف اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ ۱۳۶

پس اگر یہ [۲۵۱] لوگ بھی ایمان کی راہ اختیار کرلیں بالکل اسی طرح جس طرح تم نے

طرف سے بھیجے گئے تھے اور اصولی طور پر ان سب کی تعلیمات بھی ایک ہی تھیں اور سب ہی کی تعلیمات کا نچوڑ یہ تھا کہ اے انسانو! تم سب مل کر ایک اللہ کے پرستار ہو جاؤ اور اس کی فرمانبرداری کا سب دم بھرو۔

پھر سن لو کہ سچے مسلمان کبھی یہ نہیں کہتے کہ "نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ" اور وہ کبھی یہ نہیں کہتے کہ "نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ" ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر نبی پر ایمان لاتا ہے۔ صداقت کی آواز دنیا کے کسی گوشہ سے بلند ہو مسلمان اس کو لبیک کہتا ہے۔ مسلمان کا دین عالمگیر دین ہے اور ہر سچائی اس کے دامن میں جگہ پکڑنے والی ہے اور اس حقیقت کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ "كلمة الحكمة ضالة المومن فحيث وجدها فهو احق بها" حکمت و دانائی کی بات مسلمان کی گم شدہ متاع ہے۔ جہاں دیکھے اس پر قبضہ کرلے کہ وہی اس کا وارث ہے۔ اگر اب بھی وہ اس تعلیم صحیح کے آگے گردنیں خم نہ کریں تو معلوم ہوگیا کہ ان کا اصلی مقصد اسلام کی عداوت اور مخالفت ہے اس کے سوا

Marfat.com

امَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ
فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۱۳۷ ۞ صِبْغَةَ

اختیار کی ہے تو سارے جھگڑے ختم ہوگئے کیونکہ انہوں نے بھی ہدایت پالی اور اگر اس سے روگردانی کریں تو پھر سمجھ لو کہ ان کی راہ ہٹ دھرمی کی راہ ہے پس ان سے قطع نظر کرلو اور اپنے کام میں سرگرم رہو وہ وقت دور نہیں جب اللہ کی مدد تمہیں ان کی مخالفتوں ۲۵۲ سے بے پروا کردے گی وہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۱۳۷

کچھ نہیں۔ وہ دراصل مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کے آرزو مند ہیں اور ان کی قومیت متحدہ کو فنا کرنے کے درپے ہیں اور یہی فکر ان کو ہر وقت دامن گیر ہے۔

پھر اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی طرف منہ کر کے کہا جاتا ہے

۲۵۱ "یہ لوگ" سے مراد وہی منکر و کافر و اہل کتاب ہیں جن کا سلسلہ اوپر سے چلا آرہا ہے گویا مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان لوگوں کے متعلق کہا جارہا ہے بلکہ ان کو بشارت دی جارہی ہے کہ اتنی ضد و عناد کے باوجود اگر اب بھی وہ ایمان لے آئیں تو ان کا پچھلا کفر و عناد ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ "فان" سے اشارہ اس طرف ہے کہ اب جب کہ تعلیمات اسلامی کا مغز ان پر پوری طرح واضح ہو گیا ہے یعنی اگر اتنی واضح ہدایت پہنچ جانے کے بعد اگر اب بھی ایمان نہ لائیں جو اب انہیں جو مخالفت ہے وہ مخالفت ہی کی غرض سے ضد اور عداوت ہی کی بنا پر ہے اس لئے نہیں کہ حق کے واضح ہونے میں کوئی چیز مخفی ہے یا کوئی ابہام باقی رہ گیا ہے۔ اب جو وہ دین کو نہیں سمجھتے تو محض اس لئے کہ وہ سمجھنا نہیں چاہتے جس سے یہ بات ثابت ہوگئی وہ ہٹ دھرم ہیں اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج؟

مخالفوں کی مخالفت کی پروا نہ کرنا ہی اللہ کی حفاظت میں آنا ہے

۲۵۲ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ آپؐ ان مخالفوں کی زیادہ فکر نہ کریں ہم خود ان سے نمٹ لیں گے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" کہ آپؐ اے پیغمبر اسلام مخالفین کی اتنی زیادہ فکر نہ کریں اللہ ان سے آپ کی حفاظت خود فرمائے گا۔ اس طرح کے ارشادات کا اصل مطلب یہی ہے کہ آپ ان مخالفوں کی مخالفت کی پروا نہ کریں اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا الجھاؤ کریں کیونکہ

Marfat.com

اللّٰہِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبۡغَۃً ۫ وَّنَحۡنُ لَہٗ

ہدایت الٰہی۲۵۳ کسی رنگ کی محتاج نہیں یاد رکھو اللہ کا رنگ دینا یہی ہے اور تم ہی بتاؤ اللہ سے بہتر اور کس کا رنگ دینا ہو سکتا ہے؟ اور ہم سب اسی کی بندگی کرنے والے

یہ الجھاؤ ہی کے لئے تو سب کچھ کر رہے ہیں۔ آپ ان کی جہالت کی وجہ سے مشتعل نہ ہوں اپنے منہ دھیان اپنا کام کرتے جائیں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ جب آپ نے ایسا کیا تو گویا آپ نے اللہ پر کامل بھروسہ کر لیا اور جو شخص بھی اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کا حامی و ناصر ہو جاتا ہے۔ آپ تو اس کے رسول ہیں اور یہ رسالت کا منصب اس نے خود تم کو عطا کیا ہے وہ آپ کی حفاظت کیوں نہیں کرے گا؟

نصاریٰ کی ایک رسم اصطباغ کا رد

۲۵۳ نصاریٰ کی رسومات مذہبی میں سے ایک رسم "اصطباغ" تھی جو اس طرح ادا کی جاتی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوتا اس کو ساتویں روز ایک رنگین پانی میں نہلاتے تھے اور اس نہلانے کو بچہ کی طہارت اور مذہب نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے اس آیت نے بتلا دیا کہ یہ رنگ تو پانی کے ساتھ دھل کر ختم ہو گیا اور اس کے بعد اس کا کوئی اثر نہ رہا اصل رنگ تو دین کا رنگ ہے ایمان کا رنگ ہے جس سے ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور یہ رنگ تاہین حیات باقی رہتا ہے۔ اس رسم اصطباغ کو انجیل کی زبان میں "بپتسمہ" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

دوسرے دین و ایمان کو رنگ فرما کر اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مومن کے ایمان کی علامت اس کے چہرہ بشرہ سے اور تمام حرکات و سکنات، معلومات و عادات میں ظاہر ہونا چاہئے۔

ذرا غور کرو کہ اسلام نے اپنا عقیدہ پیش کرتے وقت کمال درجہ کی بے تعصبی اور فراخدلی کا اظہار کیا مگر یہودی اب بھی یہی کہتے ہیں کہ مذہبی رنگ پیدا ہی نہیں ہو سکتا جب تک ایک شخص یہودی یا نصرانی نہ بن جائے۔ حالانکہ رنگ دینے اور دین اختیار کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔

الف۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقتوں کا اقرار کرے یہی اللہ کا رنگ اور دین ہے صرف اسی تعلیم پر کاربند ہو کر ہم میں یہ جذبہ صادقہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی انسان کے آگے ہماری گردن نہ جھکے اور تمام انسانوں سے باغی ہو کر ایک اللہ کی حکومت کو مان لیں۔

Marfat.com

عٰبِدُوْنَ ۝۱۳۸ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۳۹

ہیں۔ ۱۳۸

اے پیغمبر اسلام! تم ان سے[۲۵۴] کہو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب وہی ہے۔ ہاں ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، تمہارے لئے تمہارے اعمال اور ہمارا طریقہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم صرف اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔ ۱۳۹

ب ۔ دوسرا رنگ انسانوں کا خود تجویز کردہ ہے جس کو قبول کرنے کے بعد انسان توحید سے نکل جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس تعلیم سے فطری جذبات کی تربیت ہوتی ہے وہی بہترین مذہب اور ہم اسی خدائے واحد کے پرستار ہیں یہ کس قدر جہالت کا سوال ہے کہ اللہ کا رنگ کس قسم کا ہوگا؟ تعلیم یافتہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس قسم کی باتیں کرے ایسے لوگوں سے تو جس قدر پرہیز رہ سکے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔

اہل کتاب سے کہا جا رہا ہے کہ جھگڑا چھوڑ دو کیونکہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے

۲۵۴ اے اہل کتاب جب ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف پروردگار کے تعین میں نہیں تو اول تو اس کی توحید پر قائم رہنا چاہئے اور تثلیث فی التوحید یا توحید فی التثلیث اور اللہ کے فرزند و بروز و مظہر وغیرہ قسم کے خرافات سے بالکل بچنا چاہئے دوسرے جب اس کی صفات کمالیہ پر ایمان ہے تو اپنی حکمت و ربوبیت کے تقاضا سے جس نسل کے جس فرد کو بھی چاہے نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دے وہ ہر طرح کا مالک و مختار ہے پھر اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کسی خاص نسل کا اجارہ نہیں اس لئے کہ اس وقت بھی نبوت جاری تھی اب جب نبوت کو ختم کر دیا گیا اب کہیں سے بھی کوئی دعویٰ کرے وہ کاذب ہی ہوگا۔ رہے اعمال تو ہمارے اور تمہارے اعمال کے فرق کا اثر آخرت میں تو تمہیں بھی نظر آجائے گا آج جتنا چاہو اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر لو۔ لیکن یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ ہم تو صرف اور صرف اسی یعنی اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

****

Marfat.com

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

یا پھر تمہارا یعنی یہود و نصاریٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ یعقوب

اے اہل کتاب ذرا عقل کے ناخن لو کیا کہہ رہے ہو؟

۲۵۵ کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب علیہم السلام سب کے سب یہودی یا نصرانی تھے؟ اس جواب کو سمجھنے کے لئے دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

ایک یہ کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں۔ "یہودیت" اپنے اسی نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم و قواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی اور "عیسائیت" جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعے کا نام ہے وہ حضرت مسیح کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے۔ اب سوال یہ خودبخود پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے برسرہدایت ہونے کا مدار یہودیت یا نصرانیت اختیار کرنے ہی پر ہے تو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء اور نیک لوگ جو ان مذہبوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے پیدا ہوئے تھے اور جن کو خود یہودی اور عیسائی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں وہ آخر کس چیز سے ہدایت پاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ "یہودیت" اور "عیسائیت" نہ تھی۔ لہٰذا یہ بات خود بخود واضح ہوگئی کہ انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا انحصار ان مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے ہیں بلکہ دراصل اس کا مدار اس عالمگیر صراط مستقیم کے اختیار کرنے پر ہے جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ یہود و نصاریٰ کی اپنی مقدس کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اللہ کے سوا دوسرے کی پرستش، تقدیس، بندگی اور اطاعت کے قائل نہ تھے اور ان کا مشن ہی یہ تھا کہ خدائی صفات و خصوصیات میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ لہٰذا یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہودیت اور نصرانیت دونوں اس راہ راست سے منحرف ہوگئی ہیں جس پر حضرت ابراہیمؑ چلتے تھے کیونکہ ان دونوں میں شرک کی آمیزش ہوگئی ہے۔ اس مضمون کو قرآن کریم نے دوسری جگہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ (آل عمران ۳ : ۶۵) ----- "اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں ہم سے کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیم کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے؟"

یعنی تمہاری یہ یہودیت اور نصرانیت بہرحال تورات اور انجیل کے نزول کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کے نزول سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔ اب ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات باسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جس مذہب پر تھے وہ بہرحال یہودیت یا نصرانیت تو نہ تھا، پھر اگر حضرت ابراہیم

Marfat.com

وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۴۰

اور اولاد یعقوب بھی یہودی اور نصرانی تھے؟ اے پیغمبر اسلام! ان سے پوچھو کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ زیادہ جاننے والا ہے؟ پھر تم ہی بتلاؤ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جس کے پاس اللہ کی گواہی[۲۵۶] موجود ہو اور وہ اسے چھپائے؟ یاد رکھو جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے۔[۲۵۷] ۱۴۰

راہ راست پر تھے اور نجات یافتہ تھے تو لامحالہ اس سے لازم آتا ہے کہ آدمی کا راہ راست پر ہونا اور نجات پانا یہودیت اور نصرانیت کی پیروی پر موقوف نہیں ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ

مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۝ (ال عمران ۳ : ۶۷) "ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔"

حنیف دراصل کہتے ہیں اس کو جو ہر طرف سے رخ پھیر کر ایک خاص راستہ پر چلے اور دوسرے راستہ کی طرف کبھی دھیان ہی نہ دے اور اس کو ہماری زبان میں یکسوئی کہتے ہیں۔

اللہ کی شہادت یہ ہے کہ یہ سب توحید خالص کے پیرو تھے

۲۵۶ نزول قرآن کے وقت یہود میں بڑے عالم و فاضل موجود تھے ان سب کو چیلنج دے کر ایک امی کی زبان سے کہلایا جا رہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ موڑ کر، صداقتوں کا گلا گھونٹ کر جو کچھ بھی کہے جاؤ کہے جاؤ۔ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے مبلغ ہوئے ہیں اور آج بھی یورپ کے بڑے بڑے ماہرین تاریخ اور محققین اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کے متعلق کہہ رہے ہیں وہ اس قرآنی متن کی شرح اور اسی امی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے۔

اللہ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے

۲۵۷ یاد رکھو اپنے بنائے ہوئے ڈھکوسلوں پر مطمئن اور بے فکر نہ ہو جاؤ وہاں تو رتی رتی کی خبر موجود ہے اور ویسا ہی معاملہ پیش آئے گا جیسا کہ یہ تمہارے اعمال ہوں گے۔ وہاں بزرگوں کے ساتھ نسلی و نسبی

Marfat.com

تِلۡكَ أُمَّةٞ قَدۡ خَلَتۡۖ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُم مَّا كَسَبۡتُمۡۖ وَلَا تُسۡـَٔلُونَ عَمَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ ۝١٤١ ع۱۶

ہاں! یہ ایک امت^{۲۵۸} تھی جو گزر چکی اس کے لئے وہ تھا جو اس نے اپنے اعمال سے کمایا۔ تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم اپنے عمل سے کماؤ گے۔ تم سے کچھ اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوگی کہ ان کے اعمال کیسے تھے۔ ۱۴۱

انتساب ہرگز ہرگز کام نہ دے گا۔ منکروں کے ضمیر کو بیدار کرنے کے لئے اس سے بہتر اور موثر کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ کے عالم الغیب ہونے کا استحضار ذہن کے سامنے بار بار ہوتا رہے اور قرآن کریم یہی کراتا رہتا ہے۔

ہاں اکابرین یہود ایک امت تھے

۲۵۸ "تلک امۃ" سے مراد قوم اسرائیل کے اکابر اسلاف خصوصاً اجداد ثلاثہ ابراہیم' اسحاق اور یعقوب علیہم السلام جن کی اولاد ہونے پر بنی اسرائیل کو سب سے زیادہ فخر ہے ان سب کا گویا نام لے کر بنی اسرائیل کو کہا جا رہا ہے کہ یاد رکھو ان کے اعمال صالح سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا اور نہ تمہارے کفر اور اعمال سیئہ سے انہیں کوئی ضرر ہوگا اور آج جو تم نے اپنی کتابوں میں لکھ لیا ہے وہ ان بزرگوں پر اترے ہوئے کلام میں ہرگز نہیں پایا جاتا یہ تمہاری تحریف ہے۔ جس میں تم کو بڑی مہارت ہے۔ "جس طرح انگور کی زندہ و شاداب بیل ایک بے جان ستون کے سہارے بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے اسی طرح زندہ یہودی اپنے مرحوم مورثوں اور بزرگوں کے بل بوتے پر پروان چڑھتا رہتا ہے اور تینوں اجداد اسرائیل نیز دوسرے صالحین و اخیار نے اعمال صالحہ کا جو انبار عظیم لگا دیا ہے اس سے ان کی اولاد کو مجموعاً و منفرداً حصہ ملتا رہتا ہے اور اس طرح کسی فرد میں خواہ کتنی ہی کمزوریاں ہوں اس کی نجات یقینی ہے۔" قرآن کریم اس "متوارث نجات" پر برابر ضرب شدید لگاتا جاتا ہے۔

لیکن تم نے جو عقیدے گھڑے ہیں گھڑتے رہو امت مسلمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے مخلص ہے۔ اور اسی "اخلاص" کے معنی میں حضرت سعید بن جبیر نے بتلایا تھا کہ اخلاص یہ ہے کہ انسان اپنے دین میں مخلص ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور اپنے عمل خالص اللہ کے لئے کرے لوگوں کے دکھانے یا ان کی مدح و شکر کی طرف نظر نہ کرے۔

****

Marfat.com

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

جو لوگ عقل و ۲۵۹ بصیرت سے محرم ہیں وہ کہیں گے مسلمان جس قبلہ کی طرف

جو شخص سوچ سمجھ کر بات نہ کرے وہی بے وقوف ہوتا ہے

۲۵۹ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اقوام عالم کی امامت ملی تھی انہوں نے مکہ میں عبادت گاہ تعمیر کی اور امت مسلمہ کے ظہور کی الہامی دعا مانگی اور مشیت الٰہی میں اسی کے ظہور کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا جب وہ وقت آیا تو پیغمبر اسلام سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا اور ان کی تعلیم و تزکیہ سے موعودہ امت پیدا ہوگئی۔ اس امت کو "نیک ترین امت" ہونے کا نصب العین عطا کیا گیا اور اقوام عالم کی تعلیم اس کے سپرد کی گئی ضروری تھا کہ اس کی روحانی ہدایت کا ایک مرکز بھی ہوتا۔ یہ مرکز قدرتی طور پر عبادت گاہ کعبہ ہی ہو سکتا تھا چنانچہ تحویل قبلہ نے اس کی مرکزیت کا اعلان کر دیا۔ یہی حقیقت قبلہ کے تقرر میں پوشیدہ تھی اور اب سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ سے یہی بیان شروع ہوتا ہے۔ پیروانِ دعوت قرآنی مخاطب ہیں اور انہیں بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم کے عمل حق نے جو بیج بویا تھا وہ بار آور ہوگیا اور وہ جو "نیک ترین امت" کی پیشین گوئی تھی وہ تم ہی ہو۔

تورات کی شہادت پیش کی گئی۔ کتاب پیدائش کے واقعات بیان کئے گئے اور سب کو معلوم ہوگیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو یہودیت و نصرانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے بیت اللہ کی تعمیر کی کہ قبلہ عام بن جائے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ملت ابراہیمی کا پابند ہوگا اس کا قبلہ بیت اللہ ہی ہونا چاہئے لیکن باوجود ان حقائق ثانیہ کے احمق یہی کہتے ہیں کہ یہ لوگ بیت المقدس کو چھوڑ کر بیت اللہ کی جانب کیوں پھر گئے یہ اعتراض ان کی سفاہت اور بے عقلی کا نتیجہ ہے۔

بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا رسول اللہ ﷺ نے بھی قیام مکہ کے زمانہ میں اسی رخ پر نماز جاری رکھی بلکہ جب مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی جب بھی اس قبلہ کو برقرار رکھا۔ بیت المقدس مدینہ سے سمت شمال میں واقعہ ہے۔ آپ کا دل بار بار چاہتا تھا کہ اپنے جد بزرگوار سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کو قبلہ بنالیں۔ لیکن حکم الٰہی اس سلسلہ میں خاموش تھا۔ آخر ورود مدینہ کے سولہویں مہینے کے بعد تحویل قبلہ کا حکم ملا۔ اب نماز بجائے بیت المقدس کے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی جائے اور اس حکم کی معاً تعمیل ہوئی۔ خانہ کعبہ مدینہ سے ٹھیک جنوب میں واقع ہے اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رخ دفعتہً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا اس کی منسوخی کا اعلان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہود کو بہت ناگوار گزرا۔ وہ یوں بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنا دشمن اور اپنے دین کا بیخ کن سمجھنے لگے

Marfat.com

الَّتِیْ کَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ

رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے کیا بات ہوئی کہ ان کا رخ اس طرف سے پھر گیا؟ اے پیغمبر اسلام! تم کہو مشرق ہو یا مغرب[۲۶۰] سب اللہ ہی کے لئے ہے کیونکہ وہ کسی خاص مقام

تھے تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اس سلسلہ کی ایک کڑی سمجھے اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے۔ ان کے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بد دینوں میں سے ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کسی مقام یا جہت میں پابند نہیں ہے

۲۶۰؎ اللہ تعالیٰ کی توجہ تو مغرب و مشرق اور شمال و جنوب کی طرف یکساں ہے وہ کسی جہت میں پابند نہیں ہے۔ ہاں جس قدر مرکز اعلیٰ ترین ہوگا اس کے نتائج بھی نہایت ہی شان دار ہوں گے اس لئے امت مسلمہ کو بہترین مرکز نوازش کیا گیا کہ وہی اس عزت و کرامت کی مستحق تھی اور ایک عالمگیر مذہب کے لئے یہی موزوں و مناسب تھا کہ توحید الٰہی کا پہلا گھر آخری نبی کا قبلہ ہو۔ قبلہ کے لفظی معنی ہیں سمت توجہ یعنی جس طرف رخ کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ مومن کا رخ عبادت میں صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی طرف ہوتا ہے اور اسی کی ذات پاک مشرق و مغرب شمال و جنوب کی قیدوں اور سمتوں سے بالاتر ہے وہ کسی خاص سمت میں نہیں۔ اس کا اثر طبعی خاص طور پر یہ ہوتا تھا کہ کوئی عبادت کرنے والا کسی خاص رخ کا پابند نہ ہوتا جس کا جس طرف جی چاہتا نماز میں اپنا رخ اس طرف کرلیتا اور ایک ہی آدمی کسی وقت ایک طرف اور کسی وقت کسی طرف رخ کرتا تو وہ بھی بے جا نہ ہوتا۔

اب ایک دوسری حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہوئی کہ تمام عبادت گزاروں کا رخ ایک ہی طرف ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ عبادت کی مختلف قسمیں ہیں بعض انفرادی ہیں اور بعض اجتماعی ذکر اللہ اور روزہ وغیرہ انفرادی عبادات ہیں جن کو خلوت میں اور اخفاء کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور نماز اور حج اجتماعی عبادات ہیں جن کو جماعت اور اجتماع اور اعلان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ ان میں عبادت کے ساتھ مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کے آداب کا بتلانا اور سکھانا بھی پیش نظر ہے اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ اجتماعی نظام کا سب سے بڑا بنیادی اصول افراد کثیرہ کی وحدت اور یک جہتی ہے۔ یہ وحدت حقیقی جتنی زیادہ قوی ہوگی اتنا ہی اجتماعی نظام مستحکم اور مضبوط ہوگا۔ انفرادیت اور تشتت اجتماعی نظام کے لئے سم قاتل ہے بعض نقطہ وحدت متعین کرنے میں ہر قرن ہر زمانہ کے لوگوں کی مختلف راہیں رہی ہیں۔ کسی قوم نے نسل در نسل کو نقطہ وحدت قرار دیا ہے کسی نے وطن اور جغرافیائی خصوصیات کو کسی نے رنگ کو اور کسی نے زبان کو اور کسی نے ہم خیال ہونے کو۔

آپ جتنا غور و فکر کرتے جائیں گے آپ پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ان سب وحدتوں

Marfat.com

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۱۴۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ

یا طرف میں محدود نہیں ہے لہٰذا وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ ۱۴۲
اور جس طرح[۲۶۱] بیت اللہ کو ہم نے قبلہ قرار دیا اسی طرح ہم نے تمہیں نیک ترین

سے نہایت ہی اہم چیز سمت قبلہ کی وحدت ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر سمت و جہت سے بالاتر ہے۔ اس کے لئے تو شش جہت یکساں ہیں لیکن نماز میں اجتماعی صورت اور وحدت پیدا کرنے کے لئے تمام دنیا کے انسانوں کا رخ کسی ایک ہی جہت و سمت کی طرف ہونا ایک بہترین اور آسان دور بے قیمت وحدت کا ذریعہ ہے جس پر سارے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے انسان آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں۔ اب وہ ایک سمت و جہت کونسی ہو جس کی طرف ساری دنیا کا رخ پھیرا جائے۔ اس کا فیصلہ اگر انسانوں پر چھوڑا جائے تو بھی ایک سب سے بڑی بناء اختلاف و نزاع بن جاتی ہے اس لئے ضروری تھا کہ اس کا تعین خود حضرت حق سبحانہ کی طرف سے ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا تو ملائیکہ کے ذریعے بیت اللہ کعبہ کی بنیاد پہلے ہی رکھ دی گئی تھی۔ حضرت آدم اور اولاد آدم کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ اور خانہ کعبہ بنایا گیا۔ مرور زمانہ اس کی حالت پر اثر انداز ہوا اور یہ منہدم ہوا لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے جد انبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے اس کی بنیاد دوبارہ رکھوا دی اور پھر سنت اللہ کے مطابق اس پر زمانہ کے اثرات غالب آئے تو اس جہت کو چھوڑ کر نئی نئی جہتیں مقرر ہوتی رہیں ان ادوار میں سے ایک دور بیت المقدس کے قبلہ بنانے پر بھی گزر چکا لیکن مشیت ایزدی نے اپنے فیصلہ کے مطابق جو خاص وقت مقرر کر رکھا تھا اسی وقت قبلہ کو دوبارہ قبلہ بنایا جائے گا وہ وقت آگیا اور جس شخصیت پر نبوت کو ختم کرنا لازم رکھا گیا تھا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت اس پر قبلہ اول کی سمت کو دوبارہ مقرر کرا دیا لیکن اس دفعہ اس کی صورت وہ مقرر کر دی گئی کہ اب یہ تا حین حیات سمت بدلی نہ جا سکے گی۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس حقیقت کو اسی طرح بیان فرمایا کہ :

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے جو برکت اور ہدایت والا ہے تمام جہان والوں کے لئے۔

بہترین قبلہ بیت اللہ ہے اور بہترین امت امت مسلمہ ہے

۲۶۱: جس طرح تمہیں بہترین مرکز نوازش کیا گیا ہے ایسا ہی ہم نے تم کو بہترین امت امت عادلہ پیدا کیا ہے جس میں یکسر خیر و برکت ہی ہے تاکہ تم تمام دنیا کے لئے راہ اعتدال و توسط میں نمونہ ہو۔ ہر قوم و ملت تمہاری نگرانی میں راہ مستقیم حاصل کرے کہ طریق استقامت صرف تمہارے ہی پاس ہے اور تمہارے لئے

Marfat.com

رسول اللہ کی ذات اقدس نمونہ ہو "وسط" کے معنی عدول ہی کے آتے ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک اس کے معنی درمیان کے ہیں یعنی غلو اور تقصیر کے درمیان اسلام کی تعلیم ہے۔ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں غلو کیا اور یہودیوں نے تحریف و تبدیل سے کام لیا لیکن قرآن کریم اس افراط و تفریط سے پاک راہ اعتدال اختیار کئے ہوئے ہے۔

پھر یہ نگرانی اس جگہ دنیا ہی میں ختم نہ ہوگی بلکہ قیامت کے روز بھی تمہیں بطور شہید اور گواہ کے کام دینا پڑے گا چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز جب تمام قومیں میدان محشر میں موجود ہوں گی اللہ تعالیٰ انبیاء کرام سے سوال کرے گا کہ کیا تم نے تبلیغ حق و صداقت کا فرض ادا کیا تو سب اثبات میں جواب دیں گے مگر ان کی امتیں انکار کریں گی اس پر امت مسلمہ شہادت دے گی کہ بیشک ان پیغمبران جلیل نے اپنا فرض ادا کیا۔ آیت کے اس حصہ میں دو چیزیں بیان کی گئیں۔

۱۔ مسلمان دنیا کے امام و پیشوا ہیں اور ان کی زندگی دوسروں کے لئے نمونہ ہوگی۔ ہر نیکی کو قائم کرنے والے اور ہر برائی سے منہ موڑنے والے اور ہر برائی کے دور کرنے والے یہی ہوں گے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۳ : ۱۱۰)

"مسلمانو! تم تمام امتوں میں "بہتر امت ہو جو لوگوں کی ارشاد و اصلاح کے لئے ظہور میں آئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہو۔"

۲۔ قیامت کے روز ان لوگوں کو بطور گواہ کے پیش کیا جائے گا اس دعوے کے ثبوت میں کہ ہر نبی نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ان دو چیزوں کو پیش نظر رکھ کر ہر مسلم کا مقصد حیات خود بخود معلوم ہو جاتا ہے اور وہ یہی ہے کہ قرآن کریم کو اپنے ہاتھ میں لے لے اور اس کی نشر و اشاعت میں سرکھپ کوشش کرے۔ دنیا کا ایک ایک کونہ چھان مارے اور کوئی امت ایسی نہ رہ جائے جس میں اس نے اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو اگر ایسا نہ کرے تو قیامت کے روز شہادت دینے کے قابل نہ ہوگا۔ اور يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا سے محروم ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت اس صورت میں ہی میسر ہو سکتی ہے جب کہ وہ اس فرض کو ادا کرے۔

لیکن مسلمانوں کی موجودہ حالت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ عوام تو ایک طرف تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں۔ آہ۔ وہ کتاب جو دنیا کی ہدایت و رہنمائی اور عالمگیر امن و سلامتی کے لئے آئی تھی اس کی طرف سے بے اعتنائی اختیار کی جا رہی ہے۔

اے فرزندان اسلام! وائے عزیزان ملت! ایسا نہ ہو کہ آج تم اس فرض اہم و اقدم سے اجتناب کرو اور کل جب کہ تمام اقوام عالم ایک میدان میں جمع ہوں گی سب کے سامنے تمہیں ذلیل و رسوا ہونا پڑے اور خود رسول بھی تمہاری نسبت یہ شکایت کرے کہ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا "اے میرے رب!

Marfat.com

اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ

امت ہونے کا درجہ عطا کر دیا تاکہ تم تمام انسانوں کے لئے گواہی دینے والے ہو اور تمہارے لئے اللہ کا رسول گواہی دینے والا ہو۔ اور یہ[۲۶۲] جو اتنے دنوں تک ہم نے تمہیں اس قبلہ پر رہنے دیا جس کی طرف تم رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہ اس لئے تھا کہ

افسوس ہے کہ میری امت نے قرآن کی ہدایتوں اور تعلیمات پر عمل نہ کیا اور اس قرآن کریم سے انہوں نے اپنا رشتہ توڑ لیا۔" پس ابھی وقت ہے خواب غفلت سے بیدار ہو اور کتاب الٰہی کو ہاتھ میں لے کر اپنے فرض کو ادا کرو نہیں معلوم کہ کل کیا ہونے والا ہے کہ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ کس کا چہرہ سفید ہوگا اور کس کا سیاہ!

بیت المقدس کو عارضی قبلہ کیوں رہنے دیا گیا؟

۲۶۲ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس مسئلہ کے متعلق کوئی حکم موجود نہ ہوتا اس میں اہل کتاب کی اتباع کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ نماز تو آغاز نبوت ہی میں پڑھی جا رہی تھی مگر قبلہ کے متعلق کوئی صاف حکم موجود نہ تھا اس لئے آپ مکہ مبارکہ میں بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اس طرح بیت اللہ کی جانب بھی پشت نہ ہوتی تھی۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت المقدس ہی قبلہ رہا مگر ہجرت کے دوسرے سال تقریباً ۱۶ ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدل دیا اور اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کو مسلمانوں کا قبلہ گاہ بنا دیا جسے مکعب شکل ہونے کی وجہ سے کعبہ اور صرف عبادت الٰہی کے لئے بنائے جانے کا سبب بیت اللہ اور عظمت و حرمت کی بنا پر مسجد الحرام کہا جاتا تھا۔ بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنائے رکھنے کے اسباب حسب ذیل تھے۔

۱۔ جب تک آپ مکہ مکرمہ میں رہے بیت المقدس قبلہ رہا کیونکہ مشرکین مکہ بیت المقدس کے احترام کے قائل نہ تھے اور کعبہ کو تو انہوں نے خود ہی اپنا بڑا معبد بنا رکھا تھا لیکن ابھی تک انہوں نے بت بھی وہاں رکھے ہوئے تھے۔ اس لئے شرک چھوڑ دینے اور اسلام قبول کرنے کی بین علامت مکہ مکرمہ میں یہ رہی کہ مسلمان ہونے والا بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔

۲۔ مدینہ میں زیادہ تر یہودی اور عیسائی آباد تھے ان کے نزدیک بیت اللہ کی کوئی عزت نہ تھی۔ وہ صرف

Marfat.com

كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ
يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى
الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ

تاکہ معلوم یعنی واضح ہو جائے کہ کون لوگ اللہ کے رسول کی پیروی میں سچے ہیں اور کون لوگ ہیں جو الٹے پاؤں پھر جانے والے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہدایت یافتہ لوگوں کے سوا اور سب کیلئے اس معاملہ میں بڑی ہی سخت آزمائش تھی۔ بہرحال اس آزمائش میں پورے اترنے والے لوگ یقین کر لیں' ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تمہارا ایمان[۲۶۳] رائیگاں جانے دے۔ وہ تو انسانوں کیلئے سرتاسر شفقت و رحمت رکھنے والا ہے۔
۱۴۳ اے پیغمبر اسلام! ہم دیکھ رہے[۲۶۴] ہیں کہ تمہارا چہرہ آسمان کی طرف بار بار اٹھ جاتا

بیت المقدس ہی کو انوار و تجلیات الٰہیہ کا محیط یقین کرتے تھے اس لئے مدینہ میں اسلام قبول کرنے کی نشانی یا علامت یہ قرار پائی کہ بیت اللہ کی جانب نماز پڑھیں۔

۳۔ دنیا معلوم کر لے کہ عرب نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع اس لئے نہیں کیا کہ آپ ان کے آبائی قبلہ کو اپنا سجدہ گاہ بنا رہے ہیں بلکہ وہ آپ کی دعوت کو حق و صدق پر مبنی خیال کرتے ہیں اور اس لئے جس طرف آپ کا ارشاد ہوتا ہے فوراً اپنے آپ کو پھیر لیتے ہیں۔ اگرچہ ایک قوم کے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ وہ کسی کی خاطر اپنے آبائی قبلہ کو ترک کر دے مگر چونکہ حق ان پر واضح ہو چکا تھا اس لئے وہ ہر ایک بات کے لئے تیار ہو گئے۔

۴۔ جس قدر منافقین ہیں اور اپنے ایمان کو چھپاتے پھرتے ہیں الگ ہو جائیں تاکہ آئندہ صرف راسخ الایمان ہی میدان عمل میں نکلیں۔

Marfat.com

وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ

ہے تو یقین کرو ہم عنقریب تمہارا رخ ایک ایسے قبلہ کی طرف پھرا دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے اب اس کے ظہور کا وقت آچکا ہے لہٰذا چاہئے کہ تم اپنا رخ

بیت المقدس کو قبلہ بنا کر پڑھی گئی نمازیں صحیح اور درست ہیں

۲۶۳ یہاں اگر ایمان سے مراد اس کے معروف معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوا کہ تحویل قبلہ پر جو بعض بے وقوف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ دین سے منحرف ہوگئے اور ان کا ایمان ہی ضائع ہوگیا اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے بے وقوف لوگوں کی آواز پر کان نہ دھریں۔

اور بعض روایات و احادیث میں اور اقوال سلف میں اس جگہ ایمان کی تفسیر نماز سے کی گئی ہے اور معنی یہ کئے گئے ہیں کہ جو نمازیں سابقہ قبلہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضائع کرنے والا نہیں۔ وہ تو صحیح و مقبول ہو چکیں تحویل قبلہ کے حکم کا پچھلی نمازوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

صحیح بخاری میں بروایت ابن عازبؓ اور ترمذی میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا قبلہ بیت اللہ کو بنایا گیا تو لوگوں نے سوال کیا کہ جو مسلمان اس عرصہ میں انتقال کر گئے جب کہ نماز بیت المقدس کی طرف ہوا کرتی تھی اور بیت اللہ کی طرف نماز پڑھنا ان کو نصیب نہیں ہوا ان کا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں نماز کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ ان کی نمازیں سب صحیح و مقبول ہو چکی ہیں۔ ان کے معاملہ میں تحویل قبلہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ وہی چاہتے تھے جو رضائے الٰہی ہوتی

۲۶۴ رسول اللہ ﷺ کو جذبہ دین کے ماتحت اس کا یقین تھا کہ اب جب کہ امامت بنی اسرائیل سے چھن چکی ہے تو ان کا قبلہ بھی قبلہ امت نہیں رہ سکتا' تحویل قبلہ کا حکم اب آکر رہے گا۔ اور وحی الٰہی کے انتظار میں آپؐ کی نظر بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی۔ اس جگہ اسی کیفیت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ بیشک کسی جہت کا پابند اور کسی مکان میں محدود نہیں تاہم تجلیات خاصہ کو قرآن کریم میں آسمان کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ گویا آپؐ کو کہا جا رہا ہے کہ آپؐ حیران و مضطر کیوں ہوتے ہیں ہم نے خوب دیکھ لیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کی خواہش کیا ہے؟ ''یقین جانو ہم عنقریب تمہارا رخ ایک ایسے قبلہ کی طرف پھرا دینے والے ہیں جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔'' یہ وعدہ ہے تحویل قبلہ کا۔ یہاں بجائے براہ راست یہ ارشاد فرمانے کے کہ ہم کعبہ کی طرف آپ کو پھیر دیں گے ارشاد یہ ہوا کہ ہم اسے آپؐ کا قبلہ قرار دے دیں گے جسے آپ خود قبلہ

Marfat.com

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا

مسجد حرام[۲۶۵] کی طرف پھیر لو اور جہاں کہیں بھی تم اور تمہارے ساتھی ہوں ضروری ہے

بنانا چاہتے ہیں۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی کمال رفعت مراتب اور کمال درجہ کی قبولیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیا ٹھکانا ہے اس بلندی مرتبہ کا کہ اللہ تعالیٰ خود طالب رضائے بندہ ہو جائے۔ اس سے آگے کوئی مرتبہ رفعت تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ اقبالؒ نے بھی اس مقام کی تشریح کی ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

المسجد الحرام بیت اللہ کا نام ہے

۲۶۵ مسجد حرام یعنی عزت و حرمت والی مسجد جس سے مراد مکہ مکرمہ کی وہ مسجد ہے جس کے اندر خانہ کعبہ واقع ہے یعنی باہر کے برآمدوں سے نیچے اتر کر جو مکان بنا ہوا ہے بس وہی مسجد حرام بھی ہے۔ اور خانہ کعبہ بہت ہی مختصر سی عمارت کا نام ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ مسجد حرام ساری دنیا کا قبلہ ہے اور خانہ کعبہ قبلہ ہے اس مسجد کا۔ مسجد حرام یا حرم شریف کی موجودہ عمارت کا نقش اول خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ کا ہے بعد کے خلفاء و سلاطین برابر اس میں اضافہ کرتے رہے۔ خصوصاً ترک سلاطین۔ موجودہ ہیئت سلطان سلیم ثانی متوفی ۱۵۷۷ کے عہد سے تقریباً قائم ہے صحن کی وسعت تقریباً ۶۰۰ فٹ ہے۔ "شطر" سے مراد ہے مسجد حرام کی سمت یا اس کے رخ پر نہ کہ عین اس کے مقابل کہ اس کی تعمیل دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ وسعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کفایت کرتا ہے کہ "مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے" اور "جنوب و شمال کے درمیان قبلہ ہے" جس سے سمت کی ساری بحثیں ختم ہو جاتی ہیں جو دور جدید سے پہلے اٹھائی گئی تھیں اور جو اس وقت دور جدید میں لگائی جاتی ہیں۔ کبھی کوئی اٹھتا ہے کہ دیکھو تمہاری مسجد کا قبلہ صحیح نہیں یہ سمت یہاں سے اتنے زاویہ پر ہوگی تو قبلہ درست ہوگا۔ ان ساری تحقیقات پر حدیث رسول ﷺ نے پانی پھیر دیا۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ ایک قوم کے لئے نظامی صورت ہے جس میں اتنی وسعت ہونی ہی چاہئے تھی اور اس وسعت کو انسان کا تنگ ذہن سما نہیں سکتا۔

خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دے دیا گیا مگر کعبہ کے اندر تو ابھی بت بھرے ہوئے تھے لہٰذا یقینی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں یہ خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ اس آلائش سے یہ مرکز توحید کب اور کس طرح پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دے دی کہ ہم تم ہی کو اس قبلہ کا متولی بنائیں گے یعنی مسلمانوں کو اور تم یقیناً اس بیت اللہ کو ان آلائشوں سے پاک و صاف کر دیں گے۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ حکم آئے ہوئے ابھی چند ہی سال گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو ان بتوں سے پاک و صاف کرا دیا اور اب رہتی دنیا تک اس کو

Marfat.com

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ
أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝۱۴۴ وَ

کہ اپنے رخ اسی کی طرف ہی پھیرا کرو۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو آپؐ سے پہلے کتاب دی گئی ہے وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے رب کی طرف سے ایک امر حق[۲۶۶] ہے اور جیسے کچھ ان کے اعمال ہیں اللہ ان سے بھی غافل نہیں ہے۔ ۱۴۴

اپنی خاص امان میں لے لیا۔

اہل کتاب بھی جانتے تھے کہ بیت اللہ ہی مستقل قبلہ ہے

۲۶۶ اہل کتاب پر رسول اللہ ﷺ کی صداقت پوری طرح کھل چکی تھی۔ پیش گوئیاں ان کی کتاب میں موجود تھیں جن کے پورا ہونے کا انہیں ابھی تک انتظار تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ وعدہ تھا یہی وجہ تھی آپ کو عرب میں لا کر بسایا گیا یہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا اصل میں ذبیح ہونا تھا۔ تعجب ہے کہ ساری امت مسلمہ جانتی ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام ہی ذبیح ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ اسمٰعیل ذبح نہ ہوئے تھے اگر وہ ذبح کرنے کے لئے لائے بھی گئے ہوں اور ابراہیم علیہ السلام ذبح کرنے کے لئے تیار بھی ہوئے ہوں تاہم ذبح نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سب ان کو ذبیح کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پھر اس میں کیا شک رہ گیا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا دراصل یہی تھا کہ وہ اپنے والد سے جدا کر کے اپنے وطن سے اٹھا کر دور دراز علاقہ عرب میں بسائے گئے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی ہدایت و حکم کے مطابق کیا گیا۔ باپ نے اپنے بیٹے کو حکم الٰہی کے مطابق اپنے سے جدا کرنا اور بیٹے نے حکم الٰہی کو تسلیم کر کے باپ اور ملک سے جدا ہونا تسلیم کر لیا۔ یہ بات نہ اس وقت کسی سے پوشیدہ تھی اور نہ ہی اب ہے۔ اور اہل کتاب بھی کتاب الٰہی کے حوالے سے یہ سب کچھ جانتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں جو موعود نبی کے حق میں مانگی گئی تھیں آج بھی تورات میں موجود ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا موعود نبی آیا تو ضروری تھا کہ اس کا قبلہ بھی وہی کعبہ ہوتا جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ موعود نبی عرب میں آئے گا بلکہ یہودیوں کا عرب کے علاقہ میں کثرت سے آکر آباد رہنے کی اصل وجہ ہی یہ تھی کہ وہ اس انتظار میں تھے کہ وہ آنے والا نبی عرب کے علاقہ میں آئے گا۔

Marfat.com

لَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ

اے پیغمبر اسلام! اگر تم اہل کتاب کے سامنے دنیا جہان کی ساری دلیلیں بھی پیش کر دو تب بھی وہ تمہارے قبلہ کی پیروی[۲۶۷] کرنے والے نہیں۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ اب حکم الٰہی آجانے کے بعد تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے لگو اور نہ خود وہی ایک قبلہ پر

ان پیش گوئیوں کا ذکر آج تک ان کی کتاب توریت میں موجود ہے چنانچہ (یسعیاہ ۲۱: ۱۳) میں ان الفاظ کے بعد "عرب کی بابت الہامی کلام" رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی صاف پیش گوئی ہے۔

یہود کے ہاں اس قدر روشن نشان آپؐ کی صداقت کے موجود تھے کہ ان کے دل اس صداقت کا انکار نہ کر سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو حسد کی آگ کھا گئی اور نسلی تقویٰ نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس حقیقت کا انکار کر دیں جس کو وہ اس طرح جانتے ہیں جس طرح ہر انسان اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ انہوں نے صداقت کے سارے نشانات کا انکار کیا تو محض اس لئے کہ وہ موعود نبی بنی اسمٰعیل میں کیوں پیدا ہو گیا۔ وہ تو عرب میں آباد ہی اس لئے ہوئے تھے تاکہ عرب کی پیش گوئی بھی پوری ہو وہ موعود نبی ہم بنی اسرائیل میں سے پیدا بھی ہو۔

اہل کتاب دلائل کے ماننے والے ہوتے تو ان کے پاس بھی موجود تھے

۲۶۷ پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کے لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب کے بغض و حسد کی یہ حالت ہے کہ اگر آپؐ ان کے سامنے تمام دلائل پیش کر دیں جس سے ثابت ہو کہ بیت اللہ ہی قبلہ اصل ہے پھر بھی وہ بیت اللہ کو قبلہ نہیں مانیں گے۔ اور چونکہ آپؐ کو بہترین مرکز نوازش کیا گیا ہے اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ اس ادنیٰ ترین قبلہ کی طرف متوجہ ہوں۔ ہم نے پوری دنیا کو بیت اللہ قبلہ بنا کر دکھا دیا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ اسلامی سیلاب کے سامنے سب خس و خاشاک کی طرح بہتے چلے جائیں گے۔ بیت اللہ شریف مشرکین مکہ کی تولیت سے نکال کر اسلام کی تولیت میں دے دیا جائے گا۔ پھر مزید یہ دلیل ان کو بتائی کہ خود اہل کتاب کو دیکھو ایک ہی تورات پر سب کا ایمان ہے لیکن قبلہ میں سب مختلف ہیں وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی اتباع نہیں کرتے سامریوں کا قبلہ اور ہے اور یہودیوں کا دوسرا یعنی بیت المقدس پہلے بھی پوری امت اسرائیل کا قبلہ نہیں ہے۔ اسرائیل ہی میں سے عیسائی بھی ہیں اور ان کا رخ بیت المقدس کی بجائے مشرق کی جانب ہوتا ہے۔ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ

Marfat.com

قِبۡلَةَ بَعۡضٍؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا
جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۱۴۵ اَلَّذِيۡنَ

متفق ہیں ان میں سے ہر ایک گروہ دوسرے گروہ کا قبلہ ماننے والا نہیں اور یاد رکھو اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی جب کہ تمہیں اس بارے میں علم بھی حاصل ہو چکا ہے تو تم یقیناً نافرمانی کرنے والوں میں شمار ہونے لگو گے[۲۶۸]۔ ۱۴۵

اور یہ[۲۶۹] بھی حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے آپ سے پہلے کتاب دی ہے ان

آج چالیس کروڑ نفوس کا قبلہ بیت اللہ شریف ہی ہے۔

نہ ماننے والوں کے لئے کوئی دلیل بھی دلیل نہیں ہوتی

۲۶۸ اللہ کے قانون میں رو رعایت کی کوئی گنجائش نہیں خواہ وہ کوئی ہو یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی نہیں اور نفس فطرت بشری کے لحاظ سے گناہوں کی صلاحیت ان میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ دوسری بات ہے کہ توفیق الٰہی ان کا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے ساتھ قائم رکھتی ہے اور انہیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔

اور یہ تفہیم کرنا بھی مقصود تھا کہ بحث و نظر وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی دلیل کو مان لینے والا ہو نہ ماننے والوں کے لئے بھی کبھی کوئی دلیل دلیل ہوتی ہے؟ یعنی اس کا فیصلہ نہ تو اس طرح ہو سکتا ہے کہ دلیل سے انہیں مطمئن کر دیا جائے کیونکہ یہ تعصب و ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں اور کسی دلیل سے بھی اس قبلہ کو چھوڑ نہیں سکتے جسے یہ اپنی گروہ بندی کے تعصبات کی بنا پر پکڑے ہوئے ہیں۔ اور نہ اس کا فیصلہ اس طرح ممکن ہے کہ تم ان کے قبلہ کو اختیار کر لو کیونکہ ان سب کا کوئی ایک قبلہ ہی نہیں۔ جس پر یہ سارے متفق ہوں اور اسے اختیار کر لینے سے قبلہ کا جھگڑا چک جائے مختلف گروہوں کے مختلف قبلے ہیں پھر ایک کا قبلہ اختیار کر کے بس ایک ہی گروہ کو راضی کر سکو گے دوسروں کا جھگڑا بدستور قائم رہے گا۔ اور سب سے بڑی اور آخری بات یہ ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے تمہارا یہ کام ہے ہی نہیں کہ تم لوگوں کو راضی کرتے پھرو ان سے لین دین کے اصول پر مصالحت کر لو۔ تمہارا کام تو یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے سب سے بے پروا ہو کر صرف اس پر سختی کے ساتھ قائم ہو جاؤ۔ اس سے ہٹ کر کسی کو راضی کرنے کی کوشش کرو گے تو اللہ ناراض ہو جائے گا پھر کیا آپ اللہ کو ناراض کر سکتے ہیں؟

Marfat.com

اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ۱۴۶ اَلْحَقُّ مِنْ

وقف منزل

پر حقیقت حال پوشیدہ نہیں ہے وہ آپ کو اس طرح جان پہچان گئے ہیں جس طرح ہر آدمی اپنی اولاد کو جانتا پہچانتا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر سچائی کو چھپاتا ہے۔ ۱۴۶

یقین کرو ۲۷۰ تحویل قبلہ کا معاملہ تمہارے رب کی طرف سے ایک امر حق ہے، پس

اہل کتاب آپ کو اور آپ کے قبلہ کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے ہر انسان اپنی اولاد کو

۲۶۹ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو بحیثیت رسول پہچاننے کی تشبیہ اپنے بیٹوں کو پہچاننے کے ساتھ دی گئی ہے کہ یہ لوگ جس طرح اپنے بیٹوں کو پوری طرح پہچانتے ہیں ان میں کبھی اشتباہ نہیں ہوتا کہ یہ بچہ میرا ہے یا میرا نہیں اس طرح تورات و انجیل میں جو رسول اللہ ﷺ کی بشارت اور آپؐ کی واضح علامات و نشانات کا ذکر آیا ہے اس کے ذریعے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو بھی یقینی طور پر جانتے، پہچانتے ہیں۔ ان کا انکار محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹوں کے شناخت کرنے میں غلطی نہیں کر سکتا بالکل اسی طرح یہ بھی آپ کے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب کو خوب معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قبلہ بیت اللہ ہی ہو سکتا ہے مگر بددیانتی کی وجہ سے اس کو مخفی رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح فرمایا کہ:

"کسانیکہ دادہ ایم ایشاں راکتاب می شناسند وے را یعنی حقیقت استقبال کعبہ را چنانکہ می شناسند فرسنداں خویش را۔"

پس مسلمانوں کا دائمی قبلہ یہی ہونا چاہئے اس لئے دل میں کبھی کوئی شک نہ پیدا ہونے پائے۔ لیکن پہلا بیان زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ رسول کے حق ہونے کی شناخت سے قبلہ کی شناخت خود بخود ہو جاتی ہے۔ تاہم دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بات میں فرق ضرور ہو جاتا ہے لیکن اصول میں کوئی فرق نہیں پڑتا اندریں وجہ دونوں ہی باتیں مراد لی جا سکتی ہیں۔

Marfat.com

رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝١٤٧ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ

دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں سے ہو جاؤ۔ ۱۴۷

اور غور کرو ہر گروہ کیلئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ عبادت میں رخ پھیر لیتا

حق ہمیشہ اپنی دلیل آپ ہوتا ہے

۲۷۰ کسی بات کا حق ہونا ہی اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ حق کے معنی ہی قائم و ثابت رہنے کے ہیں اور جو بات قائم و ثابت رہنے والی ہے اس کے لئے اس کے قیام و ثبات سے بڑھ کر اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے؟

امت مسلمہ کا قبلہ ہی امت مسلمہ کا مرکز ہے

۲۷۱ اب تک بنی اسرائیل کو الزامی و تحقیقی جواب دیا گیا اور تحویل قبلہ کی بعض مصلحتوں پر روشنی ڈال گئی۔ اب بیان کیا جاتا ہے کہ تمام امت مسلمہ کے لئے ایک ہی قبلہ مقرر کرنے سے اصلی مقصد کیا ہے اور کونسی غرض و غایت پیش نظر ہے۔

بیت اللہ کا قبلہ بنانا اس لئے ہے کہ ایک عالمگیر اخوت قائم کر کے اس کے لئے تمام عالم میں ایک مرکز بنا دے کہ وحدت مقصد کے ساتھ وحدت مرکز ہونا ضروری ہے پس مسلمانوں کی ہر جماعت کا فرض ہے کہ وہ جس طرف بھی جائے اور جدھر کا سفر کرے نماز پڑھتے وقت اس بیت اللہ کی جانب رخ کرے جب مرکز ایک ہی ہے تو ہم میں سے ہر ایک اس امر کی سعی و کوشش کرے کہ خیر و صلاح' نیکی و پاکدامنی' طہارت و پاکیزگی اور ایثار و محبت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور سابق القدم رہے۔ سبقت کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں میں پیش پیش رہنے کی کوشش کریں اور دوسری شکل یہ ہے کہ جس مرکز پر امت مسلمہ کے تمام فرزندان جلیل جمع ہوں ان کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ہر ایک سے آگے رہنے کا جنون دامن گیر ہو اور حقیقت میں اعلیٰ ترین عزت و کرامت کا وہی مستحق ہو گا جو اس میدان مسابقت میں سب کا امام و پیشوا بن جائے مرکز کی وحدت ہم میں اس قدر جوش و ولولہ' عزم و استقلال' صبر و استقامت پیدا کر دے گی کہ ایک ایک مسلمان تمام دنیا سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو جائے گا اور وہ یقین کرے گا کہ صرف وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو اعمال و اخلاق میں ہم سے بہترین بن جائے گا پھر کسی کو ہم سے یارائے دم زدن نہ ہو گا۔

مرکز قائم کرنے کا یہی مقصد ہے کہ جب ہر ایک مسلم کو حج بیت اللہ کے لئے جانا ضروری ہے او وہاں دنیا کے بہترین مسلمان جمع ہوں گے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنے اندر اس قدر طہارت و پاکیزگی پیدا کر لیں کہ ان کے سامنے ذلیل و رسوا نہ ہوں اگر ایک مرکز نہ ہوتا تو اس قدر جوش و ولولہ نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ وہاں اس جگہ پر

Marfat.com

مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُونُوا يَاْتِ بِكُمُ
اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۴۸ وَمِنْ
حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ
وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۹

ہے پس نیکیوں کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تم سب کو پالے گا یقیناً اللہ نے ہر چیز کیلئے ایک اندازہ مقرر کردیا ہوا ہے۔ ۱۴۸

اے پیغمبر اسلام! آپ کہیں[۲۷۲] سے بھی نکلو یا جہاں کہیں بھی ہو لیکن رخ انور اسی کی طرف پھیر لو جس طرف مسجد حرام واقع ہے۔ اور یقین کرو یہ معاملہ آپکے رب کی طرف سے ایک امر حق ہے اور جانتے رہو کہ اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ ۱۴۹

دنیا کے ہر گوشہ سے مسلمانوں کا جمع کرنا سو یہ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ ضرور سب کو یہاں لا کر چھوڑے گا' تمہارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ جہاں کہیں سے تم نکلو تمہارا رخ اسی جانب ہو اور باقی تمام مسلمان بھی اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اگر تم اس مرکز کا احترام کرو گے تو ضرور دنیا و آخرت میں سرفراز ہو گے۔

بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی تاکید مزید

۲۷۲: اس آیت میں مزید تاکید کے طور پر رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ وہ ہمیشہ اس کو اپنا قبلہ بنائیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی مسلمان کو قبلہ بدلنے اور رسول کے طرز عمل سے استدلال کرنے کا خیال نہ پیدا ہو بلکہ اب اس میں کبھی تبدیلی نہ ہوگی ورنہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ مسلمانوں کا کوئی اصول بھی قابل اعتماد نہیں ہے ظالم و بدکار سو وہ تو اپنی کٹ حجتیوں سے کبھی باز نہ آئیں

Marfat.com

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اور یاد رکھو تم کہیں سے بھی نکلو اور جہاں کہیں بھی ہو چاہئے کہ عبادت نماز میں اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف کیا کرو خواہ کسی جگہ اور کسی سمت میں ہو اور یہ اس لئے ۲۷۳

گے۔ عیسائی اب تک یہی کہتے ہیں کہ عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کی خاطر بیت اللہ قبلہ بنایا گیا حالانکہ ابراہیمی عہد انہیں خوب یاد ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جس شخص نے صدہا سال کی بت پرستی کو فنا کر دیا جو اس قوم کے نزدیک بے انتہا عزیز و محبوب اور لازمہ قومیت تھی وہ اپنی قوم کو خوش کرنے کے لئے ایسا کس طرح کر سکتا ہے۔

پس آئندہ کے لئے قاعدہ مقرر ہو گیا کہ بیت اللہ ہی دنیا بھر کے مسلمانوں کا مرکز رہے گا۔ جب یہ لوگ دوسری اقوام میں تبلیغ و دعوت کے لئے جائیں تو ان کی خاطر اپنے قبلہ اور دوسرے اصول اسامی کو ترک نہ کر دیں۔ تم لوگوں کو اعلیٰ ترین مرکز دیا گیا اس لئے اس کے حقوق ادا کرنے میں میرے سوا اور کسی انسان کا خوف تمہارے دل میں نہ آنے پائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم پر انعام نعمت کروں گا۔ خلافت ارضی نوازش ہوگی اور چونکہ یہ تعلیم عین فطرت انسانی کے مطابق ہے اس لئے بہت جلد ترقی کر جاؤ گے۔ دوسری قوموں کو اگر اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کے کسب حصول میں صدہا سال صرف کرنے پڑے ہیں تو تم اس تعلیم کی بدولت چند ہی سال میں ان نیکیوں کے مالک بن جاؤ گے اور دنیا آخرت کی تمام کامیابیاں تمہیں مل جائیں گی۔

تکرار الفاظ کی حکمت ظاہری

۲۷۳ "تم کہیں سے بھی نکلو اور جہاں کہیں بھی ہو چاہئے کہ عبادت نماز میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیرو۔" تین دفعہ دہرایا گیا ہے۔ یہ تین دفعہ لانا تین مختلف غرضوں کے لئے ہے۔ پہلی مرتبہ تو اس اطمینان کے لئے کہا تھا کہ اب خانہ کعبہ بت پرستوں کے قبضہ میں نہ رہے گا گویا بطور پیش گوئی بیان فرمایا ہے کہ ہم تم کو اس کا متولی بنا دیں گے اس لئے تم اپنا منہ بے شک ادھر پھیر دو دوسری دفعہ یہ بتایا کہ ایک قبلہ پر قائم رہنے سے اصل غرض یک جہتی پیدا کرنا ہے چونکہ تم سب ایک ملت ہو تمہارا ایک ہی مرکز بھی ہونا ضروری ہے اور اس کا اعلان ہم تورات و انجیل میں کر چکے ہیں پھر تیسری بار فرمایا کہ جہاں سے نکلو اس کی طرف منہ پھیر لو اور اصل غرض کو حاصل کرنے کی کوشش کرو وہ یہ ہے کہ لوگوں کو تمہارے خلاف کوئی دلیل نہ رہے یعنی درحقیقت یہ ان پر ایک اتمام حجت ہے اگر خانہ کعبہ کو بیت اللہ نہ مقرر کیا جاتا تو یہ اعتراض ہوتا تھا کہ جب دعائے ابراہیمی کا موعود نبی آ گیا تو اس کا قبلہ بھی وہی گھر چاہئے جہاں حضرت اسمٰعیل کو بطور نشان چھوڑا گیا تھا

Marfat.com

الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا

يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۤ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۰ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا

بھی ضروری ہے تاکہ تمہارے خلاف لوگوں کے پاس کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ وہ لوگ جو حق سے تجاوز کر گئے ہیں ان کی مخالفت تو ہر حال میں جاری رہے گی ان سے مت خوف کھاؤ ڈرو تو صرف مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں جس کے نتیجہ میں تم سیدھی راہ پر لگ جاؤ۔ ۱۵۰

اسی[۲۷۴] طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تم میں سے ایک شخص کو اپنی رسالت کے لئے

چنانچہ اس آیت میں وضاحت کر دی کہ اگر یہ قبلہ قبلہ نہ بنایا جاتا پھر بھی تمہیں اعتراض کا حق تھا اور جب اس کو قبلہ بنایا جا رہا ہے تو بھی تم اعتراض کر رہے ہو پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا یہ تمہاری ہٹ دھرمی نہیں؟ آخر میں فرما دیا کہ یہ لوگ تو سراسر بکواس ہیں وہ جو کرتے اور کہتے ہیں ان کو کرنے اور کہنے دو۔ تم ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرو میں اپنی نعمت تم پر ضرور پوری کروں گا اور بیت اللہ کا قبلہ مقرر کرنا بھی اہل اسلام کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کاش کہ مسلمان اس نعمت کی قدر کرتے اور دنیا پر یہ ثابت کر دیتے کہ ہم مسلمانوں کا قبلہ ہی مرکز ہے اور وہ صرف اور صرف ایک ہے اور مرکزیت اس غرض کے لئے ہوتی ہے کہ سارے قومی مسائل کا حل مرکز کے اندر رہ کر کیا جائے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج اہل اسلام کی قسمتوں کے فیصلے دیار غیر میں ہوتے ہیں۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔

اہل اسلام کے لئے ساری نعمتوں سے بڑی نعمت رسول عربی ہیں

۲۷۴ اب اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری ہی جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عادتوں

تفسیر عبد الماجد[ی] ۱۷

Marfat.com

اور نفسی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور ظلمت و کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن کریم اور حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ بستہ راز ہم پر کھولتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے۔ پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں مدتوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر عرصہ ہوا کہ بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا۔ دنیا کی زبردست ہستیوں کے استاد بن گئے۔ وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے۔ دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور ﷺ کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (آل عمران ۳ : ۱۶۴) "بلاشبہ یہ اللہ کا مومنوں پر بڑا ہی احسان تھا کہ اس نے ایک رسول ان میں بھیج دیا جو انہی میں سے ہے وہ اللہ کی آیتیں سناتا ہے۔ ہر طرح کی برائیوں سے انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک بڑا زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی اس نعمت کے بدلے کفر کیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالا۔ یہاں نعمت اللہ سے مراد خود محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے اس زیر نظر آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا ہے کہ جس طرح میں نے یہ احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔

تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول سے پہلے عرب خانہ جنگی اور خونریزی میں مبتلا تھے۔ نظام صالح اور قومیت متحدہ سے بہت دور جا پڑے تھے اب ان کو ایسی تعلیم دی گئی جس نے ان شتربانوں کو جہاں باں بنا دیا اور رسول امی ﷺ کی گود میں تاجداران عالم نے پرورش پائی۔ تحویل قبلہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا اب اس کا اختتام ہو رہا ہے۔ اہل کتاب کے اعتراضات کے جواب اگرچہ دیئے گئے تاہم ان کی کتابوں کی طرف ایک بار پھر مراجعت کرتے ہیں اور پھر آگے بڑھیں گے۔

اہل کتاب اپنے آئینہ 'کتاب میں

اہل کتاب خوب جانتے تھے کہ جو مسجد آخر میں قبلہ قرار پائے گی وہ درجہ میں بھی پہلی مسجد سے برتر ہوگی دیکھئے ان بیانات میں مکہ کی کس طرح تعریف کی گئی۔

۱۔ "سمندر کی فراوانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اونٹوں کی قطاریں اور مدیان و عیفا کی سانڈھنیاں آ کے تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب جو سبا کے ہیں آویں گے وہ سونا اور لوبان لاویں گے اور خداوند کی تعریفوں کی بشارتیں سناویں گے۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع

Marfat.com

ہوں گی نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔" (یسعیاہ ۶' ۵' ۶' ۷)

مدیان' عیفا' سبا' قیدار اور نبیط پانچوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے یا پوتے ہیں جو عرب میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ ان کی نسل کے قبائل رسول اللہ ﷺ کے دین میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی ان سب نے مل کر صرف ایک مذبح منیٰ پر اپنی قربانیاں پیش کی تھیں۔ قوموں کے نام۔ منیٰ کا پتہ۔ عرب کے قبائل کا مسلمان ہونا۔ حجۃ الوداع میں سب کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا یہ تمام کے تمام تاریخی واقعات بتا رہے ہیں کہ شوکت کا گھر دراصل بیت الحرام ہی ہے۔

۲۔ حجی نبی کی کتاب میں ہے:

"اس پچھلے گھر کا جلال پہلے گھر کے جلال سے زیادہ ہوگا۔ رب الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا' رب الافواج فرماتا ہے۔" (حجی ۲: ۹)

۳۔ مکاشفات یوحنا میں ہے کہ:

"جو غالب آئے ہیں اسے اپنے خدا کے مقدس میں ایک ستون بناؤں گا' وہ پھر کبھی باہر نہ نکلے گا اور میں اپنے خدا کا نام اور اپنے خدا کے شہر یعنی اس نئے یروشلم کا نام جو میرے خدا کے پاس سے آسمان سے اترنے والا ہے اور اپنا نیا نام اس پر لکھوں گا جس کے کان ہوں وہ سنے کہ روح کلیساؤں سے کیا کہتا ہے۔" (مکاشفات یوحنا ۴: ۱۲' ۱۳)

عارف یوحنا نے اپنے مکاشفہ میں دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔ نیا یروشلم نیا نام نئے یروشلم سے مراد کعبہ ہے آسمان سے اترنے کے یہ معنی ہیں کہ کعبہ کو قبلہ بنانے کے لئے آسمان سے حکم نازل ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (البقرہ ۲: ۱۴۴)

صلح حدیبیہ کے وقت عہد نامہ میں اسم رحمٰن لکھا گیا تو سہیل سفیر کفار نے کہا واما الرحمٰن فو اللہ ما نعرفه اللہ کی قسم ہم نہیں جانتے رحمٰن کون ہے۔ قرآن کریم میں آیا ہے وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (الانبیاء ۲۱: ۳۶) ان کا حال یہ ہے کہ خدائے رحمٰن کے ذکر سے یک قلم منکر ہیں۔

اور ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ (الفرقان ۲۵: ۶۰) "اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کیا ہوتا ہے؟"

بس یہی وہ نام تھا جس سے اہل عرب باوجود اہل زبان ہونے کے ناواقف تھے۔ قرآن کریم ہی نے آخر انہیں روشناس کرایا۔

۴۔ زبور میں داؤد علیہ السلام یوں مدح و ستائش کرتے ہیں:

"مبارک ہیں وہ جو تیرے گھر میں بستے ہیں وہ سدا تیری ستائش کریں گے مبارک وہ انسان جس میں قوت

Marfat.com

تجھ سے ہے۔ ان کے دل میں تیری راہیں ہیں وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے۔ پہلی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی۔" (زبور ۸۴ : ۴، ۵، ۶)

ان آیات سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں :

الف ۔ یہ خدا کا ایک گھر ہے۔ وہاں کے باشندے مبارک ہیں اور وہ ہمیشہ خدا کی تقدیس اور بزرگی بیان کرتے رہیں گے۔

ب ۔ ان لوگوں کی قوت و شوکت کا سبب خود اللہ تعالیٰ ہوگا۔

ج ۔ بکا ایک ایسا نام ہے جو معرفہ معلوم ہوتا ہے اور اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔

د ۔ وادی بکا میں سے گزرتے وقت ایک کنواں بنائیں گے۔

اب ذرا مزید یہ غور کرو بات بالکل صاف ہو جائے گی کہ بسنے والوں سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ جس وادی کا نام بکا زبور میں ہے اس کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ وہی ہے جو بکا میں ہے۔ کنواں وہی ہے جس کو آب زمزم کے نام سے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کے جد اعلیٰ ہیں ان شاندار قوموں کے پدر بزرگوار کی مسجد کو قبلہ قرار دینا گویا تینوں قوموں کا اتحاد نسبی و جسمانی کی یاد دلا کر اتحاد روحانی کے لئے دعوت دینا اور متحد بن جانے کا پیغام سنا دینا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اس کی پرستش کرتے ہیں اور یہ پرانی بت پرستی اب تک ان میں قائم ہے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ عبادت کرنے کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے اولاً جس چیز کی پرستش کی جائے اس کی عظمت سے دل بھرپور ہو اس کے جلال و کبریائی سے جسم انسانی پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہوں اور یکسر توجہ بن کر اس کے حضور میں کھڑا ہو۔ ثانیاً اس کی حمد و ستائش کے گیت زبان سے گائے جائیں اور تیسرے یہ کہ اپنی آرزو بر آنے کی اس سے درخواست ہو لیکن ان میں سے کوئی بات بھی توجہ الی القبلہ سے نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ نماز کے تمام اجزاء میں خدائے قدوس کی طرف توجہ ہوتی ہے اس کی پاکیزگی بیان کی جاتی ہے اور اس کے آگے دست سوال دراز ہوتا ہے۔ مسلمان تو ایک طرف خود مشرکین بھی اس گھر کو نہیں پوجتے تھے بلکہ وہ ان بتوں کی پرستش کرتے تھے جو اس کے اندر رکھے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بتوں کو پاش پاش کر کے ایک اللہ کی عبادت کے لئے اس کو خاص کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حجر اسود کو بوسہ دینا بھی بت پرستی کی بقایا میں سے ہے۔ اس اعتراض کا جواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سن لینا چاہئے۔ انک حجر لا تضر ولا تنفع تو ایک پتھر ہے کسی کے نفع و نقصان سے تمہیں کوئی سروکار نہیں۔ پھر یہ پتھر صرف اس لئے ہے کہ طواف کی ابتداء اور انتہا معلوم کرنے کا

Marfat.com

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۱۵۱ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ

چن لیا۔ وہ ہماری آیتیں تمہیں سناتا ہے، تمہارے دلوں کو صاف کرتا ہے، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ باتیں سکھلاتا ہے جن سے تم یکسر ناآشنا تھے۔ ۱۵۱

۲۷۵ پس اب میری یاد میں لگے رہو میں بھی تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوں یعنی

کام دے۔ ہمیں زبور میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ملتے ہیں:

"وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہوگیا۔ یہ خداوند سے ہوا جو ہماری نظروں میں عجب ہے۔" (زبور ۱۸ و ۲۲، ۲۳) دانیال میں ہے کہ "جیسا کہ تو نے دیکھا کہ وہ پتھر بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ اس کو پہاڑ سے کاٹ نکالے آپ سے آپ نکلا۔" (دانیال ۲ : ۵۴) انجیل میں انگوری باغ کے ٹھیکیداروں کی تمثیل میں یوں فرمایا کہ: "انہوں نے اس سے کہا ان برے آدمیوں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکیدار باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اس کو پھل دیں۔ یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس کبھی نہیں پڑھا جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہ کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔ اس لئے تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔" (متی ۲۱ : ۴۱ : ۴۴)

پس حجر اسود وہی نشان ہے جس کا ذکر کتاب مقدس کی ان آیات میں آیا ہے۔ قبلہ کی بحث نے دراصل اس بات کو واضح کر دیا کہ ابراہیمی دعا نبی امی کے لئے تھی یہودیوں نے اپنے قوائے عملیہ کو بیکار کر دیا۔ دعوۃ و تبلیغ کے فرض کو چھوڑ بیٹھے کتاب الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوئے اس لئے اب خود بخود زمین و آسمان سے ندا بلند ہونے لگی کہ دعوت ابراہیم کا مصداق ظاہر ہو کیونکہ دنیا تباہی و بربادی کے گڑھے میں جا رہی ہے۔ چھ صدی تک یہ زمین الہام الٰہی سے محروم رہی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے ایک جدید قومیت کی بنیاد ڈالنے کے لئے وہ تعلیم دی جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آتا ہے۔

Marfat.com

امت مسلمہ کو ذکر الٰہی کی ہدایت اور اس کے ثمرات

۲۷۵ ذکر کرنے کے اصل معنی یاد کرنے کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے۔ زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر اس لئے کہا جاتا ہے کہ زبان ترجمان قلب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔ مولانا رومی نے اسی کے متعلق فرمایا ہے ؎

برزبان تسبیح در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دار واثر

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص زبان سے ذکر و تسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو اور ذکر میں نہ لگے تو وہ بھی فائدے سے خالی نہیں کیونکہ اور کچھ بھی نہیں تو ایک عضو یعنی زبان تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف ہے یہ مصروفیت ہی ممکن ہے کہ اس کے لئے اصل ذکر کا سبب بن جائے۔ ذکر ہر حالت میں اللہ کو یاد رکھنا ہے تاکہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں جو بلیٰ کہا تھا وہ فراموش نہ ہونے پائے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی حقیقت طاری ہو اور اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سے حلاوت اندوز ہو۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کا جذبہ پیدا ہوا اور اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس کے ہر رگ و ریشے میں جاری ساری ہو۔ جس طرح دنیا میں ہر قوم کے لئے مرکز ہونا ضروری ہے۔ نجوم و کواکب کا تعلق سورج کے ساتھ ہے۔ درخت کی مختلف شاخیں جڑ سے متعلق ہیں ایسے ہی نوع انسانی اپنے مرکز حقیقی سے وابستہ ہو کہ وہی سرچشمہ حیات ہے اور وہی ہماری ضروریات زندگی کو پورا کرنے والا۔ جھکے تو اسی کے آگے۔ عاجزی و فروتنی ہو تو اسی کی خاطر اور مانگو تو اسی سے مانگو یقیناً وہی دے گا۔ پھر ذکر کے بعد شکر ہے۔

شکر یہ ہے کہ جو کچھ اس نے دیا ہے اس کو صحیح موقع و محل پر صرف کرنا شکر ہے ارشاد الٰہی ہے کہ وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ اگر اس کا بے جا خرچ کیا تو یہ کفر ہے سیدنا سلیمان علیہ السلام نے کہا:

ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ (النمل ۲۷ : ۴۰) "یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور بزرگی والا ہے۔"

لوط علیہ السلام پر نعمتوں کے نزول کا سبب شکر قرار دیا فرمایا : نَجَّیْنٰھُمْ بِسَحَرٍ ○ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا کَذٰلِکَ نَجْزِیْ مَنْ شَکَرَ "ہم نے ان کو اخیر شب میں اپنے فضل سے بچا کر نکال لیا ہم شکر گزار کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔" چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز کو صحیح موقع و محل پر صرف کرتے تھے اس لئے ہم نے ان کو عذاب سے

Marfat.com

وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۵۳﴾

میری مدد و نصرت بھی تمہارے ساتھ ہے اور دیکھو میری نعمتوں کی قدر کرو۔ ایسا نہ کرو کہ کفران نعمت میں مبتلا ہو جاؤ۔ ۱۵۲

اے مسلمانو! صبر[۲۷۶] اور نماز کی قوتوں سے سہارا پکڑو' یقین کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! ۱۵۳

نجات دی۔ معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کا ثمرہ عذاب سے نجات ہے اور یہی سب کامیابیوں میں سے بڑی کامیابی ہے۔

اللہ کا شکر ادا کرنے کے اہم ذرائع میں سے نماز اور صبر ہیں

۲۷۶ غم و اندوہ کے ہلکا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ صبر اور نماز ہے۔ امت مسلمہ کو بتایا جا رہا ہے کہ ہر مقصد کے حصول میں تکلیفوں اور مصیبتوں کا پیش آنا لازمی ہے تمام دنیا سے شرک و بت پرستی کو دور کرنا اس کے گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ میں توحید کی نشر و اشاعت اور اقوام عالم پر برتری کا حصول بے انتہاء قربانیوں کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے اپنے مقصد حیات پر مرنے کے لئے تیار رہنا اور مصائب و موانع کی بنا پر اپنے نصب العین کو نہ چھوڑنا صبر ہے۔ سورہ آل عمران کے آخر میں خلافت ارضی کی شرط اسی صبر کو قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ (آل عمران ۳ : ۲۰۰)
"مسلمانو اگر کامیابی حاصل کرنی چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔"

ایک جگہ صبر کو اعلیٰ ترین اخلاقی قوتوں میں شمار کیا ارشاد فرمایا:
وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (ال عمران ۳ : ۱۸۶) "اور اگر تم نے صبر کیا یعنی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے اور تقویٰ کا شیوہ اختیار کیا یعنی احکام حق کی نافرمانی سے بچے رہے تو بلاشبہ بڑے کاموں کی راہ میں بڑے ہی عزم و ہمت کی بات ہوگی۔"

ایک جگہ صبر کو اولوالعزم پیغمبروں کے کاموں میں شامل فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف ۴۶ : ۳۵) "پس اے پیغمبر اسلام! جس طرح

Marfat.com

دوسرے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا آپ بھی صبر کرتے رہئے۔"

قرآن کریم ہر صابر مسلمان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ دس کافروں پر بھاری ہو اِنۡ یَّکُنۡ مِّنۡکُمۡ عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ یَغۡلِبُوۡا مِائَتَیۡنِ (الانفال ۸ : ۶۵) "اے مسلمانو! اگر تم بیس آدمی بھی مشکلوں کو جھیل جانے والے نکل آئے تو یقین کرو دو سو دشمنوں پر غالب ہو کر رہو گے۔"

پھر جنگ میں کامیابی کے مختلف اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا "وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ وَاصۡبِرُوۡا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (الانفال ۸ : ۴۶) "اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ جائے گی اور جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں پیش آئیں تم صبر کرو اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔"

لڑائی کے موقع پر اسی صبر و استقامت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے فرمایا رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرہ ۲ : ۲۵۰) "اے ہمارے رب! ہم پر صبر کے جام انڈیل دے کہ عزم و ثبات سے سیراب ہو جائیں اور ہمارے قدم میدان جنگ میں جما دے کہ کسی حال میں بھی پیچھے نہ ہٹیں اور پھر اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ منکرین حق کے گروہ پر متحد ہو جائیں۔"

اسی صبر پر پیشوائی عالم نوازش کی گئی وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا وَکَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ (السجدہ ۳۲ : ۲۴) "اور ہم نے بنی اسرائیل میں سے ایسے پیشوا پیدا کئے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کئے رہے۔"

اسی صبر کی خاطر بنی اسرائیل ہر قسم کی خیر و برکت کے نزول کا باعث بنے رہے فرمایا وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ بِمَا صَبَرُوۡا (الاعراف ۷ : ۱۳۷) "اے پیغمبر اسلام! تیرے رب کا فرمان پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ وہ ہمت و ثبات کے ساتھ جمے رہے تھے۔"

اسی صبر کی وجہ سے بہترین جزاء صابرین ہی کو ملے گی فرمایا : وَلَنَجۡزِیَنَّ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (النحل ۱۶ : ۹۶) "جن لوگوں نے صبر کیا اور زندگی کی عارضی مشکلیں جھیل گئے ہم ضرور انہیں ان کا اجر عطا فرمائیں گے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہو گا۔"

صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے ہر چیز عطا کی جائے گی فرمایا : اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ (الزمر ۳۹ : ۱۰) "صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔"

اسی صبر و استقامت پر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں کی اعانت و مدد کرنے کا وعدہ دیا چنانچہ فرمایا کہ : اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَیَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ (آل عمران ۳ : ۱۲۵) "اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور پھر ایسا ہو کہ دشمن بھی یکدم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔"

Marfat.com

اس آیت نے تو صبر کے معنی بالکل ہی واضح کر دیئے فرمایا : وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ۝ (ال عمران ۳ : ۱۴۶) ”اور دیکھو کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں پیش آئیں بے ہمت ہوگئے ہوں اور نہ ایسا ہوا کہ وہ کمزور پڑ گئے ہوں یا کبھی انہوں نے عجز و بے چارگی کا اظہار کیا ہو۔ اور اللہ ان ہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو مشکلوں' مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے ہوں۔“

دوسرا جز اس نسخہ کا نماز ہے جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر اعظم ہے صبر کی جو تفسیر اوپر بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ درحقیقت نماز اور تمام عبادات صبر ہی کے جزئیات ہیں مگر نماز کو جداگانہ بیان اس لئے کر دیا کہ تمام عبادت میں سے نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ ہے۔ نماز کو انسان کی تمام حاجات کے پورا کرنے اور تمام آفتوں' مصیبتوں سے نجات دلانے میں ایک خاص تاثیر بھی ہے گو اس کی وجہ اور سبب معلوم نہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نماز کو نماز کی طرح آداب اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھا جائے۔ ہماری جو نمازیں غیر موثر نظر آتی ہیں اس کا سبب ہمارا قصور ہے کہ نماز کے آداب اور خشوع و خضوع میں کوتاہی ہوتی ہے اور خصوصاً نماز کے مفہوم تک کو ہم نہیں سمجھ پائے۔ پھر نماز میں اصلی چیز اور مغز دعا ہے بلکہ نماز دعا ہی دعا ہے۔ دعا کیا ہے؟

دعا اصل میں اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طلبگار رہنا ہے دیکھو آدم علیہ السلام مدتوں پریشان ہوتے رہے تاآنکہ انہوں نے دعا کی اور مصیبت سے نجات مل گئی حکم الٰہی بھی یہی ہے کہ اُدۡعُوۡنِىۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَـكُمۡ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

مومنین کے خصائص بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اصۡرِفۡ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (الفرقان ۲۵ : ۶۵) ”اور وہ لوگ جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دے اس کا عذاب تو ہمیشہ کی تباہی ہے۔“

زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّهُمۡ كَانُوۡا يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَيَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوۡا لَـنَا خٰشِعِيۡنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۹۰) ”یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں سرگرم عمل تھے ہمارے فضل سے امید لگائے ہوئے ڈرتے ہوئے دعائیں مانگتے تھے اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے۔“

گناہوں کی مغفرت صرف دعا کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ۝ (آل عمران ۳ : ۱۳۵) اور وہ لوگ کہ جب کبھی ان سے کوئی سخت برائی کی بات ہو جاتی

Marfat.com

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ وہ مردے ہیں۔ ۲۷۷

ہے یا اپنی جانوں کو آلودہ معصیت ہو کر مصیبت میں ڈال دیتے ہیں تو فوراً اللہ کی یاد ان میں جاگ اٹھتی ہے یعنی اپنے ضمیر کی ملامت محسوس کرنے لگتے ہیں پس وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اس پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کا بخشنے والا ہے؟"

قرآن کریم میں نماز و دعا کا ذکر بہت ہے جن آیات میں اس کا ذکر کیا گیا ہے ان سب کا نقل کرنا بہت دشوار ہے مشتے از خروارے ذکر کیا گیا ہے اور احادیث میں بھی اس کی بڑی تفصیل آئی ہے ایک دو حوالے درج کئے جاتے ہیں تاکہ اس روشنی کا بھی ذکر آجائے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الدعا ھو العبادۃ کہ دعا ہی اصل عبادت ہے ایک روایت میں ہے کہ الدعا مخ العبادۃ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ لیس شئی اکرم علی اللہ من الدعاء دعا سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک اور کوئی چیز بزرگ و برتر نہیں ہے۔ بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیا ہے کہ ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفراً تمہارا پروردگار باحیا ہے جب ایک بندہ اس کے حضور میں ہاتھ پھیلاتا ہے تو خالی واپس کرتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔

شہید کی موت کبھی موت نہیں ہوتی بلکہ وہی تو اصل حیات ہے

۲۷۷ اب ان آیات میں ان مواقع کا ذکر کیا جاتا ہے جہاں صبر کے بغیر چارہ نہیں اور جو ہر راہ رو حق کے لئے ضروری و ناگزیر ہیں کہ بغیر ان تکالیف و مصائب کے اچھے اور برے میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے اکثر مقامات پر جہاں لڑائیوں کا فلسفہ بیان کیا ہے وہاں بار بار اس حقیقت کبریٰ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جنگ صرف اس لئے ہوئی اور ان مصیبتوں کا نزول اس بنا پر ہوا کہ منافق اور مومن میں تمیز ہو جائے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران ۳ : ۱۴۱) "یہ اس لئے ضروری تھا کہ اس بات کی آزمائش ہو جائے کہ کون سچا ایمان رکھنے والا ہے کون نہیں ہے اور اس لئے کہ تم میں سے ایک گروہ کو شاہد حال بنا دے یعنی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ احکام حق کی نافرمانی سے کیسے کچھ نتیجے پیش آسکتے ہیں اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

Marfat.com

دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ (ال عمران ۳ : ۱۵۴) اللہ کو منظور تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں چھپا ہوا ہے اس کے لئے تمہیں آزمائش میں ڈالے اور جو کدورتیں تمہارے دلوں میں پیدا ہوگئی تھیں انہیں پاک و صاف کر دے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے جو انسان کے دل میں پوشیدہ ہوتا ہے!"

اصل بات یہ ہے کہ قوموں کی زندگی شہداء کے خون اور گوشت سے وابستہ ہوتی ہے۔ کھیتی کے لئے پانی اور سورج کی حرارت کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی آزادی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے لئے گردنیں نہ کٹیں' ہزاروں انسانوں کا خون نہ بہے۔ قوموں کی کھیتی کو خون سے سینچا جاتا ہے۔ جب تک کسی قوم کے بہترین افراد قتل نہ ہوں اس میں کبھی جوش و ولولہ و انتقام نہیں پیدا ہوتا۔ اس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے اور فرمایا جب قوم کی قوم میں جذبہ ایثار و فدویت پیدا ہو جائے گا اور بچہ بچہ یکسر جوش و انتقام بن جائے گا تو کس کو ہمت ہوگی اس سے مقابلہ کرنے کی؟ یہی وہ حیات قومی ہے جو شہداء کے خون بہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی لعنت یہ ہے کہ ایک قوم پر غیروں کو مسلط کر دیا جائے اس لئے فرمایا کہ جو لوگ ہماری راہ میں اپنی جانیں دیں گے ان کی قوم کبھی غیروں کی غلام و محکوم نہیں بن سکتی بلکہ وہ ابدی زندگی کی وارث بن جاتی ہے۔ مگر یہ زندگی عظیم الشان قربانی کے بعد شروع ہوتی ہے ؎

دور حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتداء ہماری تری انتہاء کے بعد

سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آیا مرنے ہی کے لئے آیا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ضروری اور لازمی ہے لیکن دوبارہ زندگی میں کس کو معلوم ہے کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی؟ ظاہر ہے کہ اگر جنتی ہے تو اس کی زندگی کامیاب زندگی ہے اور اگر خدانخواستہ دوزخی ہے تو وہ ناکام زندگی ہوئی۔ شہید کے لئے یہ فیصلہ ہے کہ اس کی زندگی ہمیشہ کامیاب ہی ہے یعنی شہید کو گویا جنت کا سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے لہٰذا اس کی زندگی کامیاب زندگی ہوئی جو موت کے بعد شروع ہوگی۔ اب مرنا تو سب کو ہے لیکن ایک مرنا کامیاب زندگی کا مرنا ہوا اور دوسرے کا ناکام زندگی کا مرنا۔ پھر خود ہی سمجھ لو کہ جو کامیاب زندگی کا مرنا ہوگا وہ مرنا کیوں مرنا ہوگا؟ اور یہی بات اس جگہ سمجھائی گئی ہے۔ بے وقوف ہیں وہ لوگ جو اب اسی زندگی کو جو کامیابی کی زندگی ہے اس ناکامی کی زندگی کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس طرح لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنے پیٹ کے لئے ایندھن مہیا کرتے رہتے ہیں۔ ایک شہید اس دنیا سے اس طرح رخصت ہو جاتا ہے جس طرح عام مرنے والا آدمی شہید کی شہادت کے بعد اس پر تمام وہ احکام لازم ہو جائیں گے جو ہر مرنے والے پر ہوتے ہیں اور اس کی زندگی کا معاملہ آخرت کی زندگی سے متعلق ہے نہ کہ اس دنیوی زندگی سے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لو کہ آپ نے ایک

Marfat.com

جانور قربانی کی خاطر خریدا اور عیدالاضحیٰ کے روز اس کو ذبح کر کے اس کی بوٹی بوٹی کر دی اور کئی حصوں میں تقسیم کر کے کھا گئے۔ آپ سے کوئی کہے کہ وہ جانور جو آپ نے خریدا تھا وہ مرگیا؟ آپ ضرور کہیں گے نہیں نہیں مرا نہیں بلکہ وہ تو قربانی دے دیا گیا۔ آپ غور کریں کہ وہ جانور مرا ہے یا زندہ ہے ظاہر ہے کہ وہ مرگیا لیکن وہ عام موت نہیں مرا بلکہ ایک خاص موت مرا جس کو قربان ہونا کہتے ہیں گویا جس مقصد کے لئے وہ خریدا گیا تھا وہ پورا ہوگیا اس لئے ہم نہیں کہتے کہ وہ مرگیا حالانکہ وہ زندہ بھی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح شہید بھی کامیاب موت مرا اس لئے اس کو مرگیا نہیں کہتے بلکہ شہید ہوگیا کہتے ہیں۔ اللہ سمجھ کی توفیق دے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ (آل عمران ۳ : ۱۶۹ تا ۱۷۱) "اور اے پیغمبر اسلام! جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا کہ وہ مرگئے نہیں وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے حضور اپنی روزی پا رہے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے۔ اس سے خوش حال ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے ملے نہیں ان کے لئے خوش ہو رہے ہیں کہ نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا کھٹکا ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی۔ اور اللہ کی نعمت اور فضل کے عطیوں سے مسرور ہیں نیز اس بات سے کہ انہوں نے دیکھ لیا اللہ ایمان رکھنے والوں کا اجر کبھی اکارت نہیں کرتا۔"

یہی وہ قتال فی سبیل اللہ ہے جس کی نسبت قرآن کریم اعلان کرتا ہے کہ اس راہ میں مرنے کے بعد تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی نیکی نہیں جس کے لئے اس قسم کا وعدہ کیا گیا ہو۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (الصف ۶۱ : ۱۱، ۱۲) "اللہ اور اس کے رسول پر کامل ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و دولت اور اپنی جانوں سے جہاد کرو یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے بشرطیکہ تم وقت کی مصیبت کو سمجھو اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تمہارے قصوروں سے درگزر کرے گا۔"

حدیث میں آتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آنے کی آرزو شہید فی سبیل اللہ کے سوا اور کوئی نہیں کرتا ما من احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا ولہ ما فی الارض من شئی الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامۃ۔ شہید چاہتا ہے کہ دنیا میں آئے اور راہ حق و حریت میں بارہا قتل ہو اور یہ خواہش اس عزت و کرامت نے پیدا کی جو مرنے کے بعد اسے میسر آئی اس لئے کہ اس کی راہ میں جان دینے کی لذت و سعادت ایک ہی مرتبہ میں ختم نہ ہو جائے۔

Marfat.com

اَحۡیَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ۝۱۵۴ وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ

نہیں، وہ تو زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔ ۱۵۴

اور[۲۷۸] یاد رکھو یہ ضرور ہونا ہے کہ ہم تمہارا امتحان لیں، خطرات کا خوف، بھوک کی

ایک حدیث میں ہے کہ مامن میت یموت الا ختم عملہ الا من مات مرابطا فی سبیل اللہ فانہ ینمولہ عملہ الی یوم القیمۃ وامن من فتنۃ القبر--- کوئی ایسی مدت نہیں جس کے ساتھ اعمال کا سلسلہ بھی ختم نہ ہوتا ہو سوائے اس شخص کے جو جہاد کی راہ میں دشمن کے حملے کا انتظار کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا۔ پس اس کا عمل ایسا ہے جو مرنے کے بعد بھی قیامت تک بڑھتا رہے گا۔

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسنات جاریہ تین ہیں اولاد صالح، علم نافع اور اوقاف و تعمیرات۔ خیر یہ گزشتہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد کا ہر کام بھی اس قسم میں داخل ہے کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے بعد کے زمانے اور آنے والی نسلوں کی حفاظت و سعادت کے لئے اپنا وجود قربان کر دیا جائے۔ پس کوئی عمل نہیں جو اس سے زیادہ سچی اور بے لاگ انسانی خدمت اور نوعی حفاظت کے جذبات رکھتا ہو اور اس لئے ضروری ہوا کہ اس کا اجر بھی وقتی نہ ہو بلکہ دائمی ہو۔ عمل کا اجر تو نتائج پر موقوف ہے جب نتائج بعد کے زمانوں اور نسلوں کو ملیں گے تو صاحب عمل کا اجر بھی فوراً کیوں منقطع ہو جائے؟

اسی چیز کی طرف آیت زیر بحث نے اشارہ کیا کہ جب حق پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی راہ میں قربان ہونے والے پر موت طاری ہو اس کے اعمال حسنہ کے ثمرات و نتائج میں کسی قسم کا انقطاع نہیں ہوتا۔

انسان کی زندگی میں آزمائشیں اور بھی ہیں

۲۷۸ موت تو سب سے بڑی مصیبت ہے جو انسان کو بالکلیہ دنیا اور اس کی ہر چیز سے الگ کر دیتی ہے۔ اب ان چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بظاہر اس کا مقابلہ تو نہیں کر سکتیں مگر ان کا تسلسل اور برابر رہنا مصیبت اور تکلیف میں موت سے بھی بڑھ جاتا ہے اور اکثر لوگ ایسے موقعوں پر کمزوری اور بزدلی کا اظہار کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی تفصیل خود فرما دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَــُٔـوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا

Marfat.com

الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی وہ آزمائشیں ہیں جو تمہیں پیش آئیں گی۔ پھر جو صبر کرنے والے ہیں یعنی ان حالات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں انہیں

یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ○ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ○ (التوبہ ۹: ۱۲۰، ۱۲۱)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا دفاع میں ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ ہی یہ بات لائق تھی کہ اسی کی جان کی پروا نہ کر کے محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں اس لئے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو مصیبت بھی پیش آتی وہ ان کے لئے ایک نیک عمل شمار کی جاتی ہر پیاس جو وہ جھیلتے، ہر محنت جو وہ اٹھاتے ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے ہر "قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لئے غیظ و غضب کا باعث ہوتا اور ہر وہ چیز جو وہ دشمنوں سے پاتے یہ سب کچھ ان کے لئے عمل نیک ثابت ہوتا کیونکہ اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اور اسی طرح اللہ کی راہ میں وہ کوئی خرچ نہیں کرتے تھوڑا ہو یا زیادہ اور کوئی میدان طے نہیں کرتے مگر یہ کہ اس کی نیکی ان کے نام لکھی جاتی ہے تاکہ اللہ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔

الخوف۔ خوف کا لفظ جامع ہے جان، مال، عزت ہر چیز سے متعلق اندیشہ و ہراس اُس کے اندر آگیا۔

الجوع۔ بھوک کا امتحان یہ ہے کہ کسی حاجت کے باوجود ہر مال حرام سے بچے نہ روزے سے ہچکچائے نہ فقر و فاقہ سے ڈرے۔

اموال۔ رشوت۔ سود۔ خیانت۔ بیع فاسد ہر غیر شرعی معاملات سے دستبردار ہو جائے اور جو مال نقصانات قانون تکوینی کے طور پر واقع ہوں چوری ہو جائے۔ آگ لگ جائے یا اسی طرح کی کوئی دوسری مصیبت آجائے تو صبر سے کام لے۔

الانفس ۔موت۔ بیماری۔ جہاد وغیرہ کے حادثوں میں صبر سے کام لے۔

الثمرات۔ اولاد بھی ہے اور تجارت و زراعت وغیرہ کے منافع بھی۔ ہر قسم کی نیک نامی اور ناموری کے موقع بھی اس میں شامل ہیں اور باغات اجناس کے ثمرات سب اس میں داخل ہیں۔

رہا صبر تو جان لینا چاہئے کہ صبر کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بندہ بالکل بے حس ہو جائے اور غم کو غم

Marfat.com

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ

بشارت دے دو کیونکہ وہ بشارت کے قابل ہیں۔ ۱۵۵

یہ وہی[۲۷۹] لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے تو ان کی زبان حال

محسوس ہی نہ کرے۔ اس کا نام صبر نہیں بے حسی ہے۔ صبر یہ ہے کہ انتہائی غمناک و درد انگیز واقعہ پر بندہ عقل کو نفس پر غالب رکھے زبان کو شکوہ اور ناشکری سے نہ آلودہ ہونے دے اور نظر مسبب الاسباب پر اس کی مصلحت و حکمت پر اس کی شفقت و رحمت پر رکھے ۔

غم میں بھی قانون فطرت سے میں کچھ بدظن نہیں ۔ یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دوست ہے دشمن نہیں!

آزمائش کی گھڑیوں میں اللہ کو یاد رکھنا صبر ہے

۲۷۹ مصیبة کے لغوی معنی افتاد کے ہیں اور حدیث میں اس کی حقیقت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کل شی و سام المؤمن فھو مصیبة یعنی جو شے بھی مسلمان کو ناگوار گزرے بس وہی اس کے حق میں مصیبت ہے گویا اس کا اطلاق نہایت وسیع اور عام ہے اور اس کے تحت میں چھوٹا بڑا ہر ناخوشگوار واقعہ تکوینی آگیا۔ بیماری ہو' مالی نقصان ہو' دوستوں' عزیزوں کی مفارقت کا صدمہ ہو۔ موت کا غم ہو اولاد اور خصوصاً نرینہ اولاد نہ ہو۔ توہین و بے عزتی ہو۔ زبان سے اس آیت کی تلاوت کا دستور بحمداللہ اب بھی اکثر مسلمان گھروں میں پایا جاتا ہے لیکن تحصیل صبر کے لئے محض زبانی اعادہ ہرگز کافی نہیں ہوتا قلب کے سامنے بھی استحضار پوری طرح ہونا چاہئے۔

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ○ (البقرہ ۲ : ۲۱۴) "پھر کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض ایمان کا دعویٰ کر کے تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم کو وہ آزمائشیں پیش ہی نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہیں۔ ہر طرح کی سختیاں اور محنتیں انہیں پیش آئیں۔ شدتوں اور ہولناکیوں سے ان کے دل دہل گئے یہاں تک کہ اللہ کا رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اٹھے۔ عام لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ اے نصرت الٰہی تیرا وقت کب آئے گا؟ اور اللہ کے رسول نے اللہ تعالیٰ سے پیغام پا کر جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی نصرت بالکل قریب ہے۔

اور ایک مقام پر اس طرح ارشاد فرمایا:

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ○ (العنکبوت ۲۹ : ۱' ۳) الم۔ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان

Marfat.com

مُّصِيبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶ اُولٰٓئِكَ
عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ

اور قال کی صدا یہ ہوتی ہے کہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" یعنی ہماری زندگی اور موت' رنج وغم' سود وزیاں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اللہ کے لئے اور ہم سب کو بالاخر مرنا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ۱۵۶

سو[۲۸۰] یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کے الطاف و کرم ہیں جن پر اس کی رحمت اترتی ہے اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ ۱۵۷

بلاشبہ[۲۸۱] صفا اور مروہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی رحمت و حکمت کی نشانیوں میں سے

سے ایمانداری اور راست بازی کا دعویٰ کریں گے تو بغیر آزمائے چھوڑ دیئے جائیں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں اللہ نے انہیں بھی آزمائش میں ڈالا تھا اور یہ ضروری ہے بس عنقریب اللہ ان لوگوں کو ظاہر کر کے رہے گا جو اپنے دعویٰ صداقت میں سچے ہیں اور انہیں بھی جو اپنے اندر جھوٹ کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔

پھر جو لوگ ان مصائب و تکالیف سے پریشان خاطر نہیں ہوتے بلکہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے الفاظ ان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں اور ان کے دل اس کے اثر کو قبول کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو فتح و کامرانی کے مستحق ہیں اور جو بزبان حال کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ؎

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اب غور کرو کہ وبشر الصبرین کے الفاظ کس درجہ حقیقت صبر کو ظاہر کرنے والے ہیں کہ ان مصیبتوں کو برداشت کرتے ہیں مگر راہ حق میں دعوت الی الخیر کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور انجام کار یہی لوگ رحمت عامہ اور خاصہ کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

Marfat.com

رضائے الٰہی پر راضی رہنے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہوگئے

۲۸۰ جب کوئی فرد و جماعت جان لے کہ سب کچھ اللہ کی ملک ہے ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی اور اپنی کوئی شے ہی نہیں نہ بیوی نہ بچے نہ مال نہ جائیداد اور نہ وطن نہ خاندان اور نہ جسم نہ جان! ع

جو کچھ ہے سب خدا کا' وہم گماں ہمارا

انسان کے سارے رنج و غم اور درد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی محبوب چیزوں کو اپنی سمجھتا ہے لیکن جب ذہن اس عام مغالطہ سے خالی ہوگیا اور کوئی بھی شے ہو وہ سرے سے اپنی ہی نہ رہی تو اب گلہ و شکوہ رنج و ملال کا موقع ہی کیا؟ دوسری بات یہ ہے کہ بڑے بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں رہ جانے والے کوئی بھی نہیں عنقریب انہیں چھوڑ چھاڑ کر مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بیباک ہو جائیں گے ہر کھوئی ہوئی چیز حاصل ہو کر رہے گی یہ تینوں نظریئے جس کے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا۔

اوپر کی آیت میں صابرین کے حق میں جس خوشخبری کا ذکر تھا یہ سب اس کا بیان آرہا ہے عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ یعنی یہ لوگ عنایت خاصہ کے مستحق ہوں گے۔ ہر شخص اپنے اپنے درجہ کے متناسب "و رحمتہ" اور یہی لوگ رحمت عام کے بھی مستحق قرار پائیں گے "ھم المھتدین" دنیا میں ان کی رسائی اس حقیقت تک ہو چکی تھی کہ کوئی چیز بھی اپنی نہیں یہاں تک کہ خود ان کے جسم و جان نفس و روح کا مالک بھی حق تعالیٰ ہی ہے چنانچہ یہ جب اس کے پاس پہنچیں گے تو سب ہی کچھ پالیں گے۔ جس نے اللہ کی رحمت خاصہ کو پالیا اس سے دنیا اور آخرت کی کون سی نعمت بچی جو اس کو حاصل نہ ہوئی؟

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جو بیت اللہ کے بالکل قریب ہیں

۲۸۱ ہر تعلیم کی کامیابی کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ نصاب تعلیم، معلم اور تعلیم گاہ تینوں ہی چیزیں جتنی معیاری ہوں گی تعلیم اتنی ہی صحیح ہوگی۔ اسلام نے ان تینوں ضرورتوں کو بہترین طریقہ سے پورا کیا غور کیجئے کہ :

۱۔ نصاب تعلیم بہترین ہو کہ اس سے قوم کے بچوں میں حس و بیداری پیدا ہوگی' جوش و ولولہ عمل سے قوم زندہ ہو جائے گی اور جذبہ قومیت و وطنیت ہر شخص میں نظر آئے گا۔ اسلام نے قرآن کریم کو نصاب تعلیم تجویز کیا فرمایا: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حم السجدہ ۴۱ : ۴۲) یہ ایسا نصاب تعلیم ہے کہ نہ تو اس کے آگے باطل جم سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے اسے جگہ مل سکتی ہے وہ خدائے حکیم و مجید کا اتارا ہوا ہے پھر باطل کا یہاں کیسے گزر ہو؟ اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے فرمایا: حسبنا کتاب اللہ۔

۲۔ معلم کا وجود اس تعلیم کا بہترین نمونہ ہو کہ تعلیم محض بالکل بے کار ہے جب تک اس کے ساتھ

Marfat.com

انسانی نمونہ عمل نہ ہو چنانچہ اسلام کے معلم رسول اللہ ﷺ ہیں یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ آپ خود اس تعلیم کے اکمل ترین نمونہ ہیں فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳ : ۲۱) "بے شک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے پیروی اور اتباع کا ایک بہترین نمونہ ہے۔" یہی وجہ ہے کہ انک لعلی خلق عظیم کی تفسیر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کان خلقه القرآن رسول اللہ ﷺ کا خلق قرآن کریم ہے۔

۳۔ تعلیم گاہ ایسی ہو جس کی روایات شاندار ہوں اور جس کی تربیت نے بہترین افراد امت پیدا کئے ہوں۔ اسلام کی درسگاہ حریت یہی بیت اللہ ہے جس میں آنے کی ہر مسلمان کو دعوت دی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

تہذیب اخلاق کے باب میں جن جذبات صحیحہ کی تعلیم دی گئی ان کی تربیت و تکمیل کے لئے فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کر لیا کرو یعنی صفا اور مروہ کے درمیان سعی ایک مفید عمل ہے کہ کثرت کار اور والہانہ مشق کی بنا پر ہر وقت ابراہیم علیہ السلام اور اسمعیل علیہ السلام کے مقامات اور تعمیر بیت اللہ کے اعمال یاد آتے رہیں گے اور بتدریج وہی اخلاق و جذبات جڑ پکڑیں گے جو ان دونوں بزرگوں کے اندر موجود تھے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی بنا اس لئے ڈالی تھی کہ اس جگہ مجاہدین فی سبیل اللہ تیار ہوں جو پوری دنیا اسلام کے غازی ہوں۔ اس لئے سپاہیانہ زندگی کے لوازمات کی تکمیل بھی اس جگہ ہو سکتی ہے آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ جس جگہ سورہ بقرہ میں احکام حج بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ جہاد کے فرائض کا بھی تذکرہ ہے اگر قرآن کریم کی آیات کریمات باہم دگر مربوط و مسلسل ہیں تو وہاں اس کے سوا اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے کہ حج اور جہاد کا آپس میں کوئی نہایت ہی گہرا تعلق ہے۔

جو لوگ اس کا بار بار طواف کر کے اپنے جذبات صحیحہ کی تکمیل کریں گے اللہ تعالیٰ ان امتیازات کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ صحیح موقع پر ان سے کام لے لے گا وہ موقع کون سا ہوگا اس کو اللہ کے سوا دوسرا نہیں جانتا۔ جب میدان جنگ میں مسلمانوں اور کافروں کی صفیں آراستہ ہوں گی کامیابی کے لئے صبرو استقامت اور عزم و استقلال کی ضرورت ہوگی اس وقت مسلمان دعا کریں گے رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ ۲ : ۲۵۰) "اے اللہ! اے ہمارے رب! صبر کے جام ہم پر انڈیل دے کہ عزم و ثبات سے سیراب ہو جائیں اور ہمارے قدم میدان جنگ میں جما دے اور پھر ایسا کر کہ منکرین حق کے گروہ پر ہم فتح مند ہو جائیں۔" اس وقت ان جذبات صحیحہ سے کام لیا جائے گا۔ صفا اور مروہ بیت اللہ کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑنا سعی یا طواف صفا و مروہ کہلاتا ہے۔ کبھی تو وہ دونوں فی الواقعہ پہاڑیاں تھیں لیکن اس وقت محض چٹان کی سی معمولی بلندیاں رہ گئی ہیں صفا حرم شریف کی داہنی جانب اور مروہ بائیں جانب ہے دونوں کے درمیان فاصلہ ۴۹۳ قدم کے قریب ہے۔ صفا کے معنی صاف پتھر یا چٹان کے ہیں اور مروہ کے معنی سفید

Marfat.com

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ

ہیں۔ پس جو شخص ۲۸۲ حج یا عمرہ کی نیت سے اس گھر کا یعنی بیت اللہ کا قصد کرے تو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان طواف یعنی سعی کرے اور جو

نرم پتھر کے۔ شعائر اللہ یعنی قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں یا علامتیں یعنی مناسک حج میں سے ہیں۔

حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے جو فرض ہے اور عمرہ سنت ہے

۲۸۲ ذوالحجہ کی مقررہ تاریخوں میں بیت اللہ کی جو زیارت مع احکام زیارت کی جاتی ہے اس کو حج کہتے ہیں اور ان تاریخوں کے سوا دوسرے دنوں میں جو زیارت کی جاتی ہے وہ عمرہ کہلاتی ہے اور دونوں کے احکامات کی تفصیل آگے آئے گی۔ مختصر یہ کہ حج عبادات اسلامی کا چوتھا رکن ہے یعنی چوتھا فریضہ۔ امت کے ہر فرد پر خواہ وہ دنیا کے کسی علاقہ کا باشندہ ہو بہ شرط استطاعت و صحت و امن راہ اور زاد راہ کے عمر میں ایک بار فرض ہے گویا دنیائے اسلام کی بین الاقوامی سالانہ کانفرنس۔ حج میں جو چیزیں فرض ہیں وہ تین ہیں۔ ۱۔ احرام یعنی حدود حرم میں داخلہ سے پہلے عام لباس اتار کر احرام باندھنا۔ ۲۔ میدان عرفات میں ۹/ ذی الحجہ کو حاضری جس کو اصطلاح میں وقوف کہتے ہیں۔ ۳۔ طواف زیارۃ یعنی وقوف کے بعد خانہ کعبہ کا طواف۔ حج میں سنت موکدہ چار چیزیں ہیں ۱۔ نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی شب مزدلفہ میں قیام۔ ۲۔ صفا و مروہ کے درمیان آمدورفت جس کا اصطلاحی نام سعی ہے۔ ۳۔ مزدلفہ میں قیام کے بعد منیٰ میں کنکریاں پھینکنا جس کا اصطلاحی نام رمی جمرات ہے۔ ۴۔ طواف کعبہ یہ فرض طواف کے علاوہ ہے اور طواف صدر کہلاتا ہے۔ قربانی کرنا۔ سر کے بال اتروانا۔ غسل کرنا بھی بعض اوقات سنت موکدہ اور بعض اوقات غیر موکدہ ہے۔ عمرہ کا دوسرا نام حج صغیر ہے اس میں حج کی طرح مہینہ اور تاریخ کی قید نہیں ہے اور نہ ہی وقوف عرفات ہے اور نہ قیام مزدلفہ ہے اور نہ ہی منیٰ میں جانا یا قربانی کرنا۔ یہ پورے سال میں ان مخصوص دنوں کے علاوہ ہر وقت ہو سکتا ہے۔ عمرہ کی نیت سے احرام حدود حرم سے پہلے باندھ کر حرم میں داخل ہونا طواف کعبہ اور سعی بین الصفاء والمروہ کے بعد بال کٹوا دینا عمرہ کہلاتا ہے۔ اور اب احرام کھول دیا جائے گا فقط۔

ایک جگہ ارشاد الٰہی اس طرح ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (المائدہ ۵ : ۲) ”مسلمانو! شعائر اللہ کی یعنی خدا پرستی کی مقرر کی ہوئی نشانیوں اور آداب اسلامی کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ ان مہینوں کی بے حرمتی کرو جو حرمت کے مہینے ہیں اور نہ حج کی قربانی کی نہ ان جانوروں کی جن کی گردنوں میں بطور علامت کے پٹے ڈال دیئے ہیں نیز ان لوگوں کی بھی

Marfat.com

يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝١٥٨ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ

کوئی خوشدلی کے ساتھ نیکی کا کوئی کام کرتا ہے تو اللہ ہر عمل کی اس کی منزلت کے مطابق قدر کرنے والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۱۵۸

جن لوگوں کا شیوہ یہ[۲۸۳] ہے کہ وہ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو سچائی کی روشنیوں اور

بے حرمتی نہ کرو یعنی ان کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالو اور انہیں کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ جو بیت حرام یعنی کعبہ کا قصد کرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا فضل اور اس کی خوشنودی ڈھونڈتے ہیں۔"

احکام حق کو چھپانے والے اللہ کی لعنت کے سزاوار ہوتے ہیں

۲۸۳ کتاب اللہ کی تعلیم و تذکیر ایک مقدس جماعتی فریضہ ہے جو لوگ دنیا کے خوف یا طمع سے حق کو چھپاتے ہیں وہی دراصل بد اخلاق ہیں۔ اچھے اخلاق وہی ہیں جن کو ہر مذہب و ملت میں اچھے ہی تسلیم کیا جاتا ہے کتاب الٰہی میں ان کے بیان کرنے سے مقصد یہی ہے کہ ان کی نشر و اشاعت ہو اور لوگ ان سے فائدہ حاصل کریں مگر جو بدبخت ان کی تبلیغ و دعوت سے گریز کرتے ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو جنگل میں پانی کے ایک شیریں چشمہ پر قابض ہے مگر نہ تو انسانوں کی تشنہ لبی کو دور کرتا ہے اور نہ کسی جانور کو اپنی پیاس بجھانے دیتا ہے ایسے شخص پر زمین و آسمان کی ہر چیز لعنت کرے گی۔ یہی حال ان ارباب علم کا ہوگا جو اپنے علم کو چھپاتے ہیں حالانکہ ان سے وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جائیں گے۔

علمائے یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علم کی اشاعت کرنے کی بجائے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقہ میں مقید کر رکھا تھا اور عامہ خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دیتے تھے۔ پھر جب عام جہالت کی وجہ سے ان کے اندر گمراہیاں پھیلیں تو علماء نے نہ صرف یہ کہ اصلاح کی کوئی کوشش کی بلکہ وہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لئے ہر اس ضلالت و بدعت کو جس کا رواج عام ہوگیا تھا اپنے قول و عمل سے یا اپنے سکوت سے الٹی سند جواز عطا کرنے لگے۔ اس سے بچنے کی تاکید مسلمانوں کو کی جا رہی ہے لیکن افسوس کہ آج علمائے اسلام بھی اس گمراہی میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں رہا کہ جو سزا یہود کو دی گئی تھی اسی سزا میں آج وہ بھی مبتلا ہو چکے ہیں؟

ایک دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

Marfat.com

وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ

رہنمائیوں میں سے ہم نے نازل کی ہیں، باوجودیکہ ہم نے انہیں کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تو یقین کرو، ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنتیں بھی ان کے حصے میں آتی ہیں۔ ۱۵۹

مگر ہاں[۲۸۴]! جن لوگوں نے اس گناہ سے توبہ کرلی اور اپنی بگڑی حالت از سر نو سنوار

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ○ (ال عمران ۳ : ۱۸۷) "اور اہل کتاب کو وہ وعدہ بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا اور انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہوگا۔ مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔"

یہاں جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ذکر جگہ جگہ بائبل میں آتا ہے خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کی آخری تقریر جو نقل کی گئی ہے اس میں تو وہ بار بار بنی اسرائیل سے عہد لیتے ہیں کہ "جو احکام میں نے تم کو پہنچائے ہیں انہیں اپنے دل پر نقش کرنا اپنی آئندہ نسلوں کو سکھانا۔ گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اٹھتے ہر وقت ان کا چرچا کرنا اپنے گھر کی چوکھٹوں پر اور اپنے پھاٹکوں پر ان کو لکھ لینا۔" (استثناء ۶ : ۴، ۹)

پھر انہوں نے اپنی آخری وصیت میں تاکید کی کہ "فلسطین کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد پہلا کام یہ کرنا کہ کوہ عیبال پر بڑے بڑے پتھر نصب کر کے تورات کے احکام ان پر کندہ کروا دینا۔" (استثناء ۲۷ : ۲، ۴)

بنی لاوی کو توراۃ کا ایک نسخہ دے کر ہدایت فرمائی کہ "ہر ساتویں برس عید خیام کے موقع پر قوم کے مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو جگہ جگہ جمع کر کے یہ پوری کتاب لفظ بہ لفظ ان کو سناتے رہنا۔"

فساد کی اصلاح کریں جو چھپایا ہے ظاہر کر دیں تو یہ ان کی توبہ ہوگی

۲۸۴ توبہ کرنے سے مراد ہے باز آنا۔ نادم ہونا اور عزم و ارادہ کو ترک کر کے فساد کی اصلاح کر لینا اپنی آسمانی کتابوں کے ان مضامین کو جنہیں وہ اب تک چھپاتے رہے تھے ظاہر کر دینا یعنی وہ پیش گوئیاں جو رسول عربی ﷺ کے متعلق ان کی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں اور وہ جان بوجھ کر ان کو چھپائے ہوئے ہیں ان کو ظاہر

Marfat.com

اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ

لی اور ان کو چھپانے کی بجائے بیان کرنے کا شیوہ اختیار کر لیا تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی توبہ ہم قبول کر لیتے ہیں اور ہم بڑے ہی درگزر کرنے والے اور رحمت سے بخش دینے والے ہیں۔ ۱۶۰

بلاشبہ جن لوگوں[۲۸۵] نے راہ حق سے انکار کیا اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے'

کر دیں تو یقیناً تلافی ہو جائے گی۔ اور یہ تائبین لعنت الٰہی کی زد سے نکل جائیں گے بلکہ رحمت و مغفرت الٰہی کے ماتحت بھی آجائیں گے۔ توبہ اور قبول توبہ کا بیان قرآن کریم میں بار بار آتا رہتا ہے۔ اس جگہ توبہ کے ساتھ قید اصلاح اور تبیین کی لگی ہوئی ہے یعنی جو فساد پھیلایا تھا اس کی اصلاح اور جو چھپایا تھا اس کا اظہار۔ مطلب یہ ہے کہ جن گناہوں سے صرف حقوق اللہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے مثلاً نماز' روزہ کا ترک اس کے لئے محض توبہ و استغفار کافی ہے کہ اس کا تعلق صفات رحمانیت سے ہے لیکن جن گناہوں سے بندوں کی حق تلفی لازم آتی ہے مثلاً قتل' چوری' رشوت' بدامنی' سود خوری عقائد باطلہ کا اعلان ان کے لیے ضروری ہے کہ ہر متعین معصیت کے ضرر کا عملی تدارک بھی بقدر امکان کر لے جب توبہ قبول ہوگی کہ یہاں واسطہ حق تعالیٰ کی صفت عدل سے ہے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لے تو اس کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ توبہ توبہ کرنے سے توبہ نہیں ہوتی بلکہ توبہ نام ہے غلط کاموں کے چھوڑ دینے کا۔ فساد کو اصلاح سے بدل دینے کا۔ برائی کو اچھائی سے تبدیل کرنے کا۔

قرآن کریم کا بار بار توبہ پر زور دینا ایک طرف ان گمراہ قوموں کے مقابلہ میں ہے جو سمجھتے ہیں کہ قانون مکافات عمل جس کو ہندی زبان میں "کرم" کہتے ہیں ہر حال اور ہر صورت میں اپنا عمل کر کے رہتا ہے اور کوئی الٰہی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی اور دوسری طرف ان گمراہ قوموں کے مقابلہ میں جو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صفت رحیمی کا اظہار پوری طرح کر ہی نہیں سکتا اور اس کی صفت عدل کے تقاضا کو پورا کرنے اور گناہ گاروں کو معافی دلانے کے لئے کسی کفارہ کا وجود لازمی ہے جس طرح مسیحیوں کے لئے ان کے عقیدہ میں عیسیٰ علیہ السلام کفارہ ہوئے۔

Marfat.com

اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۱۶۱
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

تو یہ وہی لوگ ہوں گے جن پر اللہ کی' اس کے فرشتوں کی اور انسانوں کی' سب کی لعنت ہوئی۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہنے والے ہیں۔ ۱۶۱

یقیناً نہ تو انکے عذاب میں کبھی کمی کی جائیگی اور نہ ہی انہیں مہلت ملے گی۔ ۱۶۲

کفر پر قائم رہنے والوں کے لئے اللہ اور اس کی تمام مخلوق کی لعنت ہے

۲۸۵ کفر پر قائم رہنے کا مطلب واضح ہے کہ وہ کفر پر قائم رہتے ہوئے مرگئے اور اس دارالعمل سے انتقال کر کے وہ دار الجزاء کی طرف منتقل ہوگئے۔ جب تک کوئی شخص زندہ ہے وہ کتنا گناہ گار ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں سوائے اس کے کہ کسی کو متعین کر کے کہا جائے جیسے یہ کہا کہ جھوٹے پر لعنت یا یہ کہنا کہ چور پر لعنت اور مومن کے لئے لعنت تو اس کے قتل کرنے کے مترادف ہے یعنی اتنا گناہ اور ظلم ہے جتنا کسی کو ناحق قتل کرنا بلکہ زندگی میں تو کافر متعین تک بھی لعنت کی اجازت نہیں۔ " وماتوا " کی قید نے خود مسئلہ صاف کر دیا کہ یہاں جن پر لعنت آئی ہے ان کی موت ہی کفر پر ہو چکی تھی اور اصل مدار ختم اعمال یا وفات پر ہے۔ اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے جو اپنے کسی بھائی کو لغزش میں مبتلا دیکھ کر جھٹ اس پر لعنت بھیجنے لگتے ہیں اور خصوصاً یہ عورتوں کی عادت میں تو راسخ ہی ہو چکی ہے۔ لعنت کیا ہے؟ اللہ کی رحمت سے دوری کا نام اصل میں لعنت ہے شیطان کا لعنتی ہونا عام لوگوں میں معروف ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیا گیا ہے یعنی اس پر کبھی بھی اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی اور نہ ہی رحمت نازل ہونے کا کوئی امکان ہے اس طرح جو لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے مستحق ہوگئے گویا وہ اللہ کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ دور کر دیئے گئے اور دوسرے لفظوں میں وہ اللہ کی لعنت کے مستحق ہوگئے۔ اور جو شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہوا اس پر گویا فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہوگئی۔

ابدی محروموں کے لئے نہ تخفیف ہوگی اور نہ ہی مہلت دی جائے گی

۲۸۶ تخفیف کا تعلق بعد عذاب سے ہے اور مہلت کا تعلق قبل عذاب سے۔ یعنی جن لوگوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہنے کا فیصلہ ہوگیا وہ ابدی طور پر رحمت الٰہی سے محروم ہوگئے ایسے محروموں کے لئے نہ تو عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی یعنی دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ان کے لئے

Marfat.com

تخفیف نہیں ہوگی اور نہ ہی عذاب میں داخل ہونے سے پہلے کوئی مہلت انہیں ملے گی۔

آیات مذکورہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیات بینات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا بڑا جرم ہے۔ اتنا بڑا جرم کہ اس پر اللہ اور اس کی تمام مخلوق کی لعنت برستی ہے جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس علم کے اظہار اور پھیلانے کی ضرورت ہے اس کا چھپانا حرام ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

من سئل عن علم یعلمه فکتمه الجمه الله یوم القیامة بلجام من النار (رواہ ابوداؤد و عمرو بن عاص اخرجه ابن ماجه) یعنی جو شخص دین کے کسی حکم کا علم رکھتا ہے اور اس سے وہ حکم دریافت کیا جائے اگر وہ اس کو چھپائے گا تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائے گا۔

بات تو بالکل واضح ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو عالم یا فقیہ نہ ہوں علماء و فقہاء نے اس آیت سے جو مسائل نکالے ہیں ان کو بھی ذرا سن لو اور یاد رکھو کہ علماء و فقہاء کن کو کہا جاتا ہے؟

۱۔ حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ اس کے سوا کوئی دوسرا آدمی مسئلہ کا بیان کرنے والا وہاں موجود نہ ہو اگر دوسرے علماء موجود ہوں تو گنجائش ہے کہ یہ کہہ دے کہ دوسرے علماء سے دریافت کر لو۔

۲۔ جس کو خود صحیح علم نہیں اس کو مسائل و احکام بتانے کی جرات نہیں کرنا چاہئے۔

۳۔ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ علم کو چھپانے کی یہ سخت وعید انہیں علوم مسائل کے متعلق ہے جو قرآن و سنت میں واضح بیان کئے گئے ہیں اور جن کے ظاہر کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ وہ باریک اور دقیق مسائل جو عوام نہ سمجھ سکیں بلکہ خطرہ ہو کہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ایسے مسائل و احکام کا عوام کے سامنے بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے اور وہ کتمان علم کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ آیت مذکورہ میں لفظ "من البینات والھدی" سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے ایسے ہی مسائل کے متعلق عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اگر تم عوام کو ایسی احادیث سناؤ گے جن کو وہ پوری طرح نہ سمجھ سکیں تو ان کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے۔

اس طرح صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا عام لوگوں کے سامنے صرف اتنے ہی علم کا اظہار کرو جس کو ان کی عقل و فہم برداشت کر سکے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں۔ کیونکہ جو بات ان کی سمجھ سے باہر ہوگی ان کے دلوں میں اس سے شبہات و خدشات پیدا ہوں گے اور ممکن ہے کہ اس سے انکار کر بیٹھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عالم کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ مخاطب کے حالات کا اندازہ لگا کر کلام کرے جس شخص کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس کے سامنے ایسے مسائل بیان ہی نہ کرے اس لئے حضرات فقہاء بہت سے مسائل کے بیان کے بعد لکھ دیتے ہیں ھذا مما یعرف ولا یعرف یعنی یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اہل

Marfat.com

يَنظُرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ
الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

ع ۱۹ / ۱۱ / ۳

اور دیکھو[۲۸۷] تم سب کا معبود ایک اور صرف ایک ہی معبود ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر صرف اسی کی ایک ذات رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخشش سے تمام کائنات ہستی کو فیض یاب کرنے والی۔ ۱۶۳

بلاشبہ آسمان و[۲۸۸] زمین کے پیدا کرنے میں، اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے

علم کو خود تو سمجھ لینا چاہئے مگر عوام میں پھیلانا نہیں چاہئے۔

معلوم ہوگیا ہوگا کہ جن باتوں کو علماء بیان نہیں کرتے وہ کیوں بیان نہیں کرتے؟ اور پھر بیان کرنے والوں کو وہ جاہل اور ان پڑھ کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں؟ وہ اسلامی درس گاہوں میں مخصوص علوم کیوں پڑھاتے ہیں؟ وہ جدید علوم کو علوم کیوں نہیں سمجھتے؟ وہ ان علوم پر الحاد اور کفر کے فتوے کیوں لگاتے ہیں؟ وہ ہر ایجاد سے فائدہ حاصل کرنے کے باوجود موجد پر کفر کی ضرب کیوں لگاتے ہیں؟ وہ اپنی مخصوص مجلسوں میں جو بیان کرتے ہیں وہ عوام کی مجالس میں بیان کرنے سے کیوں گریزاں ہیں؟

پوری کائنات اور انسانیت کا معبود حقیقی ایک ہی ہے

۲۸۷ یہاں خطاب ساری نوع انسانی سے ہے۔ نفس وجود باری تعالیٰ تو مشرکین عرب کو بھی تسلیم تھا اور آج بھی ساری مشرک قوموں کو تسلیم ہے۔ لیکن مشرکین عرب ہوں یا عجم ہندوستانی ہوں یا پاکستانی علاوہ خدائے اعظم و برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا یا داتا تسلیم کرتے ہیں بلکہ مشرکین قدیم و جدید اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں کے یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی دیوتاؤں اور داتاؤں کے وجود کے قائل تھے۔ ان کی طاقت و قوت کے قائل تھے۔ ان کی خدائی کے قائل تھے بس غیر قوموں کے معبودوں کی عبادت سے منکر تھے اور اس کی توجیہ یہ کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ دشمن کا دیوتا یا داتا بھی دشمن ہی ہوگا! قرآن کریم نے آکر اس عقیدے پر ضرب لگائی اور دعوے سے بار بار اعلان کیا کہ قابل پرستش و ناقابل پرستش ہونا کیسا؟ کسی دوسرے دیوتا یا داتا کا وجود ہی سرے سے نہیں۔ نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا نہ ملکی کا اور نہ غیر ملکی کا اور اللہ کے ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے۔ یعنی اللہ وہ ذات ہے جو مظہر ہے کامل

Marfat.com

رحمانیت کا بھی اور رحیمیت کا بھی دونوں صفتیں اسی کی ذات پر ختم ہیں کوئی اس کا شریک نہ اس صفت میں ہے نہ اس صفت میں یعنی نہ رحمانیت میں ہے نہ رحیمیت میں۔

یگانگت الٰہی کی نشانیاں

۲۸۸ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ غور کرو انسان کی صدہا ضرورتیں ہیں جو زمین و آسمان کی پیدائش اور اختلاف لیل و نہار سے پوری ہوتی ہیں۔ پانی کے شیریں چشمے جنگلوں اور پہاڑوں میں تشنہ لبوں کی سیرابی کا باعث ہوتے ہیں۔ درختوں کی ٹہنیاں میووں کے بوجھ سے جھکی جاتی ہیں ان چیزوں کی پیداوار میں انسانی کوشش کو دخل نہیں بلکہ قدرت خود بخود مہیا کر رہی ہے اور موسم کے تغیر و تبدل نے ان کے پورا کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد الٰہی اس طرح ہے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ۝ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۝ (النحل ۱۶: ۱۰، ۱۲)

"وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے درختوں کے جنگل پیدا ہو جاتے ہیں اور تم اپنے مویشی ان میں چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لئے ہر طرح کے غلوں کی کھیتیاں بھی پیدا کرتا ہے نیز زیتون، کھجور، انگور اور ہر طرح کے پھل یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔ اور دیکھ اس نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند مسخر کر دیئے کہ تمہاری کار برایوں کے لئے کام کر رہے ہیں اور اسی طرح ستارے بھی اس کے حکم سے تمہارے لئے مسخر ہو گئے ہیں یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

پھر جہازوں اور کشتیوں کے لئے بحری تجارت کے راستے کھلے ہیں جن کے ذریعے سے دریاؤں اور سمندروں میں تجارت کر کے اللہ کا فضل تلاش کرتے ہو۔ زمین جب امساک باراں کی بنا پر مردہ ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا ہے اور مردہ زمین کو زندگی بخش دیتا ہے۔ زمین کی زندگی سے مراد یہ ہے کہ لوگ اس میں کاشتکاری کر سکیں اور وہ زراعت کے قابل بن جائے گویا اس آیت میں بتا دیا کہ زراعت اور کھیتی باڑی بھی رزق کمانے کا ایک ذریعہ ہے۔

دیکھو جانور کثرت سے زمین میں پھیلائے گئے ہیں ان میں تمہارے یعنی انسانوں کے کتنے فائدے ہیں جن میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ جانور یعنی چارپائے تمہارے لئے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو تم بڑی ہی مشقت میں مبتلا ہو جاتے۔ تمہارے لئے کتنے فائدے اور بھی ہیں اور ان میں سے ایسے جانور بھی ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور ایسے بھی ہیں جن جانوروں کی تجارت سے فائدہ اٹھاتے ہو۔

Marfat.com

ہواؤں کا تغیر و تبدل خود ایک حقیقت کی طرف راہنمائی کرتا ہے مگر ارباب عقل و خرد ہی اس کی جانب توجہ کر سکتے ہیں۔ آج ہم اپنے گرد و پیش نگاہ دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا ہوا سے کیا کیا کام لے رہی ہے اور علوم و معارف کے ذریعہ اس کو کس طرح اپنے تابع فرمان بنا لیا ہے۔

آسمان و زمین کے درمیان جس قدر بادل نظر آتے ہیں وہ سب کے سب انسانوں کے مطیع و فرمانبردار ہیں کہ صاحبان دانش و بینش اٹھیں اور ان سے قوت برقی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ دیکھ اس پانی سے غیروں نے تمہارے لئے برقی رو فراہم کر دی یہ طاقت و قوت اس میں یعنی پانی میں رکھنے والا کون تھا؟ اور جس دماغ سے کام لے کر یہ کارنامہ دکھایا گیا وہ کس نے ترتیب دیا؟ اس کا بنانے والا اور کھوپڑی میں رکھنے والا کون ہے؟ اس تانبے لوہے اور جست جیسی دھاتوں کا بنانے والا کون ہے؟

اللہ نے انسانوں میں ضروریات پیدا کیں اس کے ساتھ ساتھ اسباب و وسائل بھی بہم پہنچا دیئے پھر ان سے فائدہ حاصل کرنے ان کو اپنی ضروریات میں لانے کے لئے عقل نوازش کی دولت کمانے کے ان قدرتی ذریعوں کو چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہونا عقل والوں کا کام نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نشانیوں کا ذکر بڑا تفصیل کے ساتھ جگہ جگہ کیا ہے چونکہ انہی آیات پر غور و فکر کرنے سے اللہ کی الوہیت و ربوبیت اور دوسری صفات کی نشاندہی ہوتی ہے اور ان ہی سے اللہ کی پہچان کی جا سکتی ہے اس ان دیکھے اللہ کو ماننے کے لئے کائنات ہی میں غور و فکر لازم ہے اور قرآن کریم نے یہی راستہ انسانی تفہیم کے لئے اختیار فرمایا ہے اس لئے جی چاہتا ہے کہ کچھ جگہوں کی نشاندہی کر دی جائے تاکہ قارئین کا ایمان تازہ ہو اور ارباب عقل و فکر ان میں تدبر کر سکیں۔ پھر مزید سہولت کے لئے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے متن قرآن کریم کے لئے مطلوبہ جگہوں کو نکال کر پڑھیں اور غور و فکر کریں۔

"تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام یعنی ادوار میں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوئے پیدا کیا اور پھر اپنی حکومت و جلال کے تخت پر متمکن ہو گیا۔ اس نے رات اور دن کی تبدیلی کا ایسا نظام ٹھہرا دیا ہے کہ رات کی اندھیری دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دن کے پیچھے لپکی چلی آ رہی ہے اور دیکھو سورج، چاند، ستارے سب اس کے حکم کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ یاد رکھو اس کے لئے پیدا کرنا ہے اور اسی کے لئے حکم دینا۔ سو کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی جو تمام جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ لوگو! اپنے پروردگار سے دعائیں مانگو آہ و زاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدگی میں بھی اور یاد رکھو کہ وہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

اور دیکھو ملک کی درستگی کے بعد اس میں خرابی نہ پھیلاؤ۔ اپنی خطاؤں سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت سے امیدیں رکھتے ہوئے اس کے حضور دعائیں کرو یقیناً اللہ کی رحمت ان سے نزدیک ہے جو نیک کردار ہیں۔ پھر دیکھو یہ اس کی کارفرمائی ہے کہ باران رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے کہ مینہ برسنے کی خوشخبری پہنچا

Marfat.com

دیں پھر جب وہ بوجھل بادل لے اڑتی ہیں تو انہیں کسی مردہ زمین کی بستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ پھر ان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں تاکہ تم قدرت الٰہی کی کرشمہ سازیوں میں غور و فکر کرو۔

اور دیکھو اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے لیکن جو زمین نکمی ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ کوئی نکمی چیز پیدا ہو جائے۔ اس طرح ہم حکمت و عبرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لئے دہراتے ہیں جو شکر کرنے والے ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں کے قدر شناس ہیں۔" (الاعراف ۷ : ۵۴، ۵۸)

"توحید الوہیت" یعنی اللہ کے سوا کوئی ہستی اس کی مستحق نہیں کہ معبود بنائی جائے "توحید ربوبیت" یعنی کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش کرنے والی ہستی صرف اللہ ہی کی ہستی ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے یعنی جب خالق و رب اس کے سوا کوئی نہیں تو معبود بھی اس کے سوا اور کسی کو نہیں بنانا چاہیے۔

پھر "توحید الوہیت" کی تلقین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ "خلق" اور "امر" دونوں اللہ ہی کی ذات سے ہیں یعنی وہی کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے حکم اور قدرت سے اس کا انتظام بھی ہو رہا ہے یہ بات نہیں ہے کہ تدبیر و انتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ہیں جیسا کہ مشرکین کا خیال ہے۔

"تخت پر متمکن ہوگیا" یعنی اللہ کی بادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہوگئی کیونکہ وہی خالق ہے اور وہی مدبر ہے۔ تمام عالم ہستی اسی کے تخت جلال کے آگے جھکی ہوئی ہے چنانچہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ"

فرمایا اے پیغمبر اسلام! قرآن کریم کی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں دل تنگ نہیں ہونا چاہئے پھر فرمایا کہ یاد رکھو اللہ کی رحمت نیک کرداروں سے دور نہیں۔

دیکھو جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمین زندہ ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے یہی حال ہدایت وحی کا ہے اور اس کے انقلاب کا کہ پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوتی ہیں پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہی وہ زندگی ہے جو انبیاء حکم الٰہی سے مردہ انسانوں میں پھونکنے کے لئے آتے ہیں چنانچہ ہوائیں چلنا شروع ہوگئی ہیں اب باران رحمت کی برکتوں کے ظہور کا انتظار کرو۔ لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اس کی استعداد ہو۔ شور زمین پر کتنی ہی بارش ہو سرسبز نہ ہوگی اور گندگی کے ڈھیر سے یہی بارش بدبو کے سوا کچھ اضافہ نہ کرے گی۔ اسی طرح قرآن کریم کی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہوں گی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے۔ جنہوں نے یہ استعداد کھو دی ان کے حصہ میں محرومی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا اور جن کے دلوں کی زمین

Marfat.com

بھی ناپاک ہو چکی ہے وہ کفر و طغیان میں اور بھی زیادہ بڑھ جائیں گے۔
ایک جگہ ارشاد فرمایا
"وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھہرا دیا تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں وہ اپنی قدرت و حکمت کی دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے۔
بلاشبہ اس بات میں کہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آتی ہے اور بلاشبہ ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کی ہیں ان لوگوں کے لئے قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں جو متقی و پرہیزگار ہیں۔" (یونس ۱۵ : ۵، ۶)

ایک عقل و فکر والے انسان کے لئے تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے۔ سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چاند کو دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اس سے تم مہینے کا حساب کرتے ہو اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ہو اور صرف اس لئے ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ غور کرو کہ اس طرح کے تمام مواعظ کا خاتمہ ہمیشہ اسی قسم کے جملوں پر ہوتا ہے کہ **لقوم یعلمون۔ لقوم یعقلون** کیونکہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو علم و بصیرت سے محروم نہ ہو۔

افسوس کہ وہ لوگ جو علماء کے نام سے موسوم کئے جاتے ہیں وہی آج یہ سبق دے رہے ہیں کہ اسلام کی باتیں عقل کے ساتھ نہیں سمجھی جاتیں؟ اسلام میں عقل کو دخل نہیں ہے؟ جب اسلام کہتا کہ میں سراسر عقل و فکر ہوں۔
ایک جگہ ارشاد فرمایا:
"وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی خشکی اور تری میں سیر و گردش کا سامان کر دیا ہے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو جہاز موافق ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں مسافر خوش ہوتے ہیں کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہو جاتے ہیں اور ہر طرح سے موجیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں بس ان میں گھر گئے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو اس وقت انہیں اللہ کے سوا کوئی ہستی یاد نہیں آتی وہ دین کے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں اے اللہ! اگر اس حالت سے ہمیں نجات دے دے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے۔ پھر دیکھو جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک اپنا عہد و پیمان بھول جاتے ہیں اور ناحق ملک میں سرکشی و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے۔ یہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے فائدے ہیں سو اٹھا لو پھر تمہیں

Marfat.com

ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی۔

دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چارپایوں کے لئے غذا کا کام دیتی ہیں اس سے شاداب ہو کر پھلی پھولیں اور باہم دگر مل گئیں پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنے سبزی اور لالی کے سارے زیور پہن لئے اور لہلہاتے ہوئے خوشنما ہوگئی اور زمین کے مالک سمجھے اب فصل ہمارے قابو میں آگئی ہے تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہوگیا اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دی گویا ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان ہی نہ تھا! اس طرح ہم حقیقت کی دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔" (یونس ۱۰ : ۲۲' ۲۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

"یہ اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا جس کی آبیاری سے طرح طرح کی پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں جہاز تمہارے لئے مسخر کر دیئے کہ اس کے حکم سے یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے تحت سمندر میں چلنے لگیں نیز دریا بھی تمہارے لیے مسخر کر دیئے اور اس طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دیئے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے۔ غرض کہ تمہیں اپنی زندگی کے لیے جو کچھ مطلوب تھا سب اس نے عطا فرما دیا اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف 'بڑا ہی ناشکرا ہے۔" (ابراہیم ۱۴ : ۳۲' ۳۳)

وہ فرماتا ہے کہ اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو اور زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا ہو اور کارخانہ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تمہارے لئے افادہ و فیضان نہ رکھتا ہو۔ حتیٰ کہ معلوم ہوتا ہے دنیا کی ہر چیز صرف اس لئے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت و نفع رسانی کا ذریعہ ہو پھر کیا ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادہ کے ظہور میں آگیا ہو اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اور اگر ایک ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اسی کی ذات ہے یا ان کی جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ہیں؟

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"اے پیغمبر اسلام! انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی کا معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی یعنی خوب پھلی اور پھولی پھر کیا

Marfat.com

ہوا؟ ہوا یہ کہ سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا اور ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں اور کونسی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ اپنے قانون کے مطابق قادر نہیں؟"

فرمایا کہ دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی سبزیوں اور لالیوں سے زمین کا گوشہ گوشہ بہشت زار ہو جاتا ہے جس طرح نگاہ اٹھاؤ پھولوں کا حسن و جمال ہے یا دانوں اور پھلوں کا فیضان۔ فرمایا لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جن کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور بخشش و فیضان کا کارخانہ تھا اچانک کس عالم میں نظر آنے لگتا ہے؟ اللہ نے فرمایا "ھشیمًا تذروہ الریاح" بھوسے کے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کر منتشر کر دیتے ہیں! نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں۔ بہت کام دیں گے تو چولہے میں جلنے کے لئے ڈال دیئے جائیں گے یا ان کو اکٹھا کر کے ڈھیر لگا کر ان پر دیا سلائی سلگا دی جائے گی اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو پاؤں تلے روندے جائیں گے اور وہ ایک جگہ ٹھہر نہیں سکیں گے کیونکہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔

ایک جگہ فرمایا۔

"کیا تم نے یہ منظر نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور سوکھی زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ یقین کرو اللہ بڑا ہی لطف کرنے والا ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے وہی ہے جو بے نیاز ہے اور ہر طرح کی ستائشوں کا سزاوار ہے۔ کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں؟ جہاز کو دیکھو کس طرح وہ اس کے حکم سے سمندر میں تیرتا چلا جاتا ہے؟ پھر کس طرح اس نے آسمان کو یعنی فضاء سماوی کے اجرام کو تھامے رکھا کہ زمین پر گریں نہیں اور گریں تو اس کے حکم سے؟ بلاشبہ اللہ انسان کے لئے بڑا ہی شفقت رکھنے والا اور بڑی ہی رحمت والا ہے۔ اور دیکھو وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ موت طاری کرتا ہے پھر دوبارہ زندہ کرے گا دراصل انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔" (الحج ۲۲ : ۶۴، ۶۶)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں پھر ہوائیں بادل کو حرکت میں لاتی ہیں پھر وہ اللہ جس طرح چاہتا ہے انہیں فضا میں پھیلا دیتا ہے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں میں سے مینہ نکل رہا ہے پھر جن لوگوں کو بارش کی یہ برکت پہنچتی ہے تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں گو وہ لوگ اس بارش سے پہلے مایوس ہو رہے تھے۔ پس رحمت الٰہی کی نشانیوں کو دیکھو کہ وہ زمین کو موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشتا ہے بیشک وہ موت کو زندگی سے بدل دینے والا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔" (الروم ۳۰ : ۴۹، ۵۰)

اس پہلی آیت میں رسولوں کو بھیجنے کا تذکرہ تھا اور یہاں بارش بھیجنے کا اس میں گویا اشارہ ہے کہ رسول کی

Marfat.com

آمد بھی انسان کی اخلاقی و روحانی زندگی کے لئے ویسی ہی رحمت ہے جیسے اس کی مادی و معاشی زندگی کے لئے بارش کی آمد! بارش سے اگر زمین زندہ ہوتی ہے اور لوگوں کی مادی زندگی میں انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے تو رسول کی آمد سے بھی انسانوں کے دلوں کی کھیتیاں سرسبز ہو جاتی ہیں اس سے نبوت کی ضرورت پر استدلال ہے کہ جس نے تمہاری جسمانی ضروریات کا بندوبست کیا ہے اس کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری روحانی اصلاح کا بھی بندوبست کرے۔

دنیا میں صرف یہی نہیں کہ پانی موجود ہے بلکہ ایک خاص نظام و ترتیب سے موجود ہے۔ کیوں یہ سب کچھ ایسا ہی ہوا؟ کیوں ایسا نہ ہوا کہ پانی موجود ہوتا مگر اس انتظام اور ترتیب سے نہ ہوتا؟ قرآن کریم کہتا ہے اس لئے کہ کائنات ہستی میں ربوبیت کار فرما ہے اور ربوبیت کا مقتضاء یہی ہے کہ پانی اس ترتیب سے بنے اور اسی ترتیب و مقدار سے تقسیم ہو۔ یہ رحمت و حکمت تھی جس نے پانی پیدا کیا اور یہ ربوبیت ہے جو اسے اس طرح کام میں لائی کہ پرورش اور رکھوالی کی تمام ضرورتیں پوری ہوگئیں۔"

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے :

"وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر ہم بادل کو کسی خشک علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ مری پڑی زمین کو جلا اٹھاتے ہیں اس طرح لوگوں کا جی اٹھنا ہوگا۔ جو لوگ عزت کے بھوکے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمام عزت بخشیاں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں تمہارے اعمال صالحہ اس کی درگاہ تک پہنچتے ہیں اور وہی نیک عمل کرنے والوں کے درجے بلند کرتا ہے۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا گھر خود ہی نابود ہو جائے گا۔ اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں جوڑا جوڑا بنایا۔ کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ وضع حمل کرتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر ملتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر یہ سب کچھ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ بلاشبہ یہ سب کام اللہ پر بالکل آسان ہیں اور وہ دونوں دریا کیفیت میں مساوی نہیں ہیں۔ ایک میٹھا پیاس بجھانے والا پینے میں خوشگوار ہے اور ایک کھاری کڑوا ہے ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زینت کا وہ سامان نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو اور اے مخاطب تم پانی میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ اس کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اسی کے شکر گزار بنو۔

رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے کہ ان میں ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اس کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے اور اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن بھی لیں تو اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور حقیقت حال کی صحیح خبر تمہیں اللہ خبیر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔" (فاطر ۳۵ : ۹ تا ۱۴)

Marfat.com

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”اس اللہ نے آسمانوں یعنی اجرام سماویہ کو پیدا کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں اور زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر یعنی اٹھا کر ہلتی ہی نہ رہے اور اس میں ہر قسم کے حیوانات پھیلا دیئے اور ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس میں ہر قسم کی عمدہ عمدہ چیزیں اگائیں۔ یہ سب چیزیں تو اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اب مجھے یہ تو دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا پیدا کیا؟ دراصل یہ ظالم صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔“ (لقمٰن ۳۱ : ۱۰‘ ۱۱)

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

”یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے پھر وہ اپنے تخت پر نمودار ہوا یعنی مخلوقات میں اس کے احکام جاری ہوگئے اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی معیاد تک اپنی اپنی راہ پر چلا جا رہا ہے وہی اس تمام کارخانہ خلقت کا انتظام کر رہا ہے اور اپنی قدرت و حکمت کی نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ ایک دن اپنے پروردگار سے ملنا ہے۔

اور دیکھو وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اس میں پہاڑ بنا دیئے‘ نہریں جاری کر دیں اور ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے دو دو قسموں کے اگا دیئے اس نے رات اور دن کے بتدریج ظاہر ہونے کا ایسا قاعدہ بنا دیا کہ دن کی روشنی کو رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی ہے یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔ اور دیکھو زمین میں طرح طرح کے ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ان میں انگور کے باغ ہیں غلہ کی کھیتیاں‘ کھجور کے درخت ہیں جو باہم ملتے جلتے ہیں اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں‘ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر بعض پھلوں کو بعض پر مزہ میں برتری دے دیتے ہیں یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔“ (الرعد ۱۳ : ۲‘ ۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”وہ پروردگار جس نے تمہارے لئے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی۔ نقل و حرکت کے لئے اس میں راہیں نکال دیں۔ آسمان سے پانی برسایا اس کی آب پاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کر دیئے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ اسی بات میں عقل والوں کے لئے کیسی کھلی نشانیاں ہیں؟ اس نے اس زمین سے تمہیں پیدا کیا اس میں لوٹاتا ہے اور پھر اس سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے۔ (طٰہٰ ۲۰ : ۵۳‘ ۵۵)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ان کو اس زبردست اور کمال علم کے مالک نے پیدا کیا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں

Marfat.com

تمہارے لئے راستے بنا دیئے تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو اور جس نے آسمانوں سے ایک خاص اندازے کے ساتھ پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح تم بھی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کئے اور کشتی اور جانور تمہارے لئے پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر سیدھے سوار ہو جاؤ اور پھر اپنے اللہ کے احسان یاد کرو اور کہو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے مخلوقات کو مسخر کر دیا اور ہم اپنی قوت سے انہیں مسخر نہ کر سکے۔" (الزخرف ۴۳ : ۹، ۱۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اور دیکھو اسی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر یکایک تم بشر ہو کہ زمین میں پھیلتے جا رہے ہو۔ اور اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیئے یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس میں حکمت الٰہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ اور حکمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی آسمانوں اور زمین کی خلقت ہے اور طرح طرح کے رنگوں اور بولیوں کا پیدا ہونا ہے فی الحقیقت اس میں بڑی ہی نشانیاں ہیں ارباب علم و حکمت کے لئے۔

اور اللہ کی آیات میں تمہارا رات کو سونا اور دن میں اللہ کے احسان تلاش کرنا ہے بلاشبہ اس میں سننے والوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں اور دیکھو قدرت و حکمت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ وہ بجلی کی کڑک اور چمک نمودار کرتا ہے اور اس سے تم پر خوف اور امید دونوں حالتیں طاری ہوتی ہیں اور آسمان سے پانی برساتا ہے اور پانی کی تاثیر سے زمین مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھتی ہے بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے جو عقل و بینش رکھتے ہیں حکمت الٰہی کی بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں پھر جونہی کہ وہ تم کو زمین سے پکار کر بلائے گا تم سب اچانک زمین سے نکل پڑو گے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب کے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں۔

وہی ہے جو ابتداء مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لئے آسان تر ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کی صفت سب سے بالاتر ہے اور وہ زبردست اور کامل حکمت والا ہے۔" (الروم ۳۰ : ۲۰، ۲۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اور دیکھو یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان میں برج بنا دیئے یعنی روشن کواکب پیدا کر دیئے۔ اور اسے دیکھنے والوں کے لئے خوشنما کر دیا نیز ہر پھٹکارے ہوئے شیطان سے اس کی حفاظت کر دی۔ سوائے اس کے کوئی

Marfat.com

سن گن لینا چاہے تو پھر ایک چمکتا ہوا شعلہ ہے جو اس کا تعاقب کرتا ہے۔ اور دیکھو ہم نے زمین کی سطح پھیلا دی اور اس میں پہاڑ گاڑ دیئے نیز جتنی چیزیں اس میں اگائیں سب وزن کی ہوئی اگائیں' اور تمہارے لئے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لئے بھی کر دیا جن کے لئے تم روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو۔

اور دیکھو کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں مگر ہم انہیں ایک ٹھہرائے ہوئے اندازہ کے مطابق ہی بھیجتے ہیں اور دیکھو ہم نے ہوائیں چلائیں کہ پانی کے ذروں سے بار دار تھیں پھر آسمان سے پانی برسا دیا اور وہ تمہارے پینے کے کام آیا اور تم نے اسے ذخیرہ کر کے نہیں رکھا۔ اور یہ ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبضہ میں سب کی کمائی آتی ہے۔ اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کو بھی جانا جو تم میں پہلے آنے والے تھے اور انہیں بھی جو پیچھے آنے والے ہیں۔ اے پیغمبر اسلام! یہ تیرا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو قیامت کے دن اپنے سامنے جمع کرے گا وہ حکمت والا علم والا ہے۔'' (الحجر ۱۵: ۱۶' ۲۵)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ اللہ ہی ہے جو ابر کی چادروں کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر انہیں ''آپس میں جوڑ دیتا ہے پھر انہیں اس طرح کر دیتا ہے کہ ایک تہہ پر دوسری تہہ چڑھ جاتی ہے اور سب مل جل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے پانی کے قطرے نکل رہے ہیں اور مینہ کا سماں بندھ گیا ہے۔ اس طرح آسمان سے ٹھنڈک کے پہاڑ اتارتا ہے یعنی برف گرتی ہے اور پہاڑوں کی طرح اس کے تودے جم جاتے ہیں پھر جس کو چاہتا ہے اس کا اثر پہنچا دیتا ہے جس کسی سے چاہتا ہے اسے ہٹا دیتا ہے اور اس عالم میں بجلی کی چمک کا یہ حال ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بس اب آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جائیں گی مگر وہ رات اور دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے اس لئے کوئی حالت بھی یہاں یکساں نہیں رہتی۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے جو صاحب بصیرت ہیں۔

اور پھر دیکھو یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ اس نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں کچھ ایسے ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں کچھ ایسے ہیں کہ دو پاؤں سے چلتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو چارپاؤں سے چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔'' (النور ۲۴: ۴۳' ۴۵)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر تم یقین کیوں نہیں کرتے؟ بھلا تم نے یہ کبھی سوچا ہے کہ جو نطفہ تم رحم میں ٹپکاتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا ۔ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری مانند کوئی اور مخلوق یہاں لا بسائیں اور تمہیں کسی ایسے جہان میں پیدا کریں جسے تم نہیں جانتے۔ اور بلاشبہ تم نے اپنی پہلی پیدائش کو جان لیا ہے پھر تم کیوں

Marfat.com

نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اچھا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ جو کچھ کاشتکاری کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم صرف یہ کہنے کے لئے رہ جاؤ کہ افسوس ہمیں تو اس نقصان کا تاوان دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے تمام فائدوں سے محروم ہوگئے۔ اچھا تم نے کبھی یہ بات دیکھی کہ جو پانی تمہارے پینے میں آتا ہے اسے کون برساتا ہے؟ کیا تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر کیا اس نعمت کے لئے ضروری نہیں کہ تم شکر گزار ہو؟ اچھا تم نے کبھی یہ بات بھی دیکھی کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو تو اس کے لئے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم پیدا کر رہے ہیں؟ ہم نے اسے یادگار اور مسافروں کے لئے فائدہ بخش بنایا ہے۔" (الواقعہ ۵۶ : ۵۷ تا ۷۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارا رب کس طرح سائے کو پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک ہی حالت پر ٹھہرائے رکھتا پھر ہم نے اس سائے پر سورج کو علامت بنا دیا ہے۔ پھر ہم اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں۔ اور اللہ وہ ہے جس نے رات کو تمہارے لئے بمنزلہ لباس اور نیند کو راحت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا اور وہی ہے جو اپنی رحمت یعنی بارش کے آگے آگے بشارت دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہی ہے جو آسمان سے پاک پانی اتارتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ایک علاقے کو زندگی بخشے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو اس سے سیراب کرتا ہے۔ اور ہم ہی ہیں جو اس بارش کو لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں۔ پھر بھی اکثر لوگ کفر اور ناسپاسی کے سوا دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار ہی کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ سوائے پیغمبر اسلام! آپ ان کافروں کا کہنا نہ مانئے اور اس قرآن کریم کے ذریعہ ان کا سخت مقابلہ کیجئے۔ اور وہی قادر مطلق ہے جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملایا ایک کا پانی شیریں و خوش ذائقہ اور ایک کا کھاری و کڑوا پھر دونوں کے درمیان ایک ایسی حد فاصل اور روک رکھ دی کہ دونوں باوجود ملنے کے الگ الگ رہتے ہیں اور وہی حکیم و قدیر ہے جس نے پانی یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو رشتہ پیدائشی کے ذریعہ سے نسب اور مہر کا رشتہ رکھنے والا بنا دیا اور تیرا رب قدرت والا ہے۔" (الفرقان ۲۵ : ۴۵، ۵۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس نے رات اور دن کے اختلاف و ظہور کا ایسا انتظام کر دیا کہ رات دن پر لپٹی جاتی ہے اور دن رات پر لپٹا آتا ہے اور سورج اور چاند دونوں کو اس کی قدرت نے مسخر کر رکھا ہے اور سب اپنے مقررہ وقت تک کے لئے گردش کر رہے ہیں۔ آگاہ رہو کہ وہ زبردست اور بڑا بخشنے والا ہے۔ اس نے تم کو اکیلی جان سے پیدا کیا پھر اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا اور اس نے تمہارے لئے مویشیوں میں آٹھ نر اور مادہ پیدا کئے۔ وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین

Marfat.com

تاریک پردوں میں ایک شکل کے بعد دوسری شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے اس کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو پھر تم کہاں سے کہاں پھرائے جا رہے ہو۔" (الزمر ۳۹ : ۵'۶)

ایک جگہ فرمایا:

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر زمین میں اس کے چشمے رواں ہوگئے پھر اس پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں پھر ان کی نشوونما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہوگئیں پھر اس ترقی کے بعد زوال طاری ہوا اور تم دیکھتے ہو کہ ان پر زردی چھا جاتی ہے پھر وہ خشک ہو کر چورہ چورہ ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ دانش مندوں کے لئے اس صورت حال میں بڑی ہی عبرت ہے۔" (الزمر ۳۹ : ۲۱)

ان آیات پر غور کرو اور دیکھو کہ ان میں قانون قدرت کی طرف اشارہ کیا ہے جو سب ہی یکساں جاری و ساری ہے یعنی بارش سے کھیتی کا اگنا اور مختلف مدارج طے کرنے کے بعد اس کا فنا ہو جانا۔ اس میں عقل مندوں کے لئے نصیحت ہے۔ اور فرمایا کہ دیکھو گے تو خود انسان کی بھی یہی حالت تم کو نظر آئے گی کہ پہلے بچہ ہوتا ہے پھر جوان ہوتا ہے پھر پختہ ہو کر بوڑھا ہو جاتا ہے اور انجام کار دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور یہی حال دنیا کا ہے اس کی سب زینتیں عارضی اور چند روزہ ہیں اور آخر کار اس کی ہر چیز کو فنا ہے اس کے ہر کمال کو انحطاط ہے اور ہر عروج کو زوال ہے۔

نظام ربوبیت کی یہ یکسانی اور ہم آہنگی ہر وجود اور ہر گوشے میں نظر آتی ہے۔ انسان کا بچہ درخت کا پودا تمہاری نظر میں کتنی ہی بے جوڑ چیزیں ہیں لیکن اگر ان کے نشوونما کا کھوج لگاؤ گے تو دیکھ لو گے کہ قانون پرورش کی یکسانی نے دونوں کو ایک ہی رشتے میں منسلک کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ہر وجود اپنے سن کمال تک پہنچ جاتا ہے اور جب سن کمال تک پہنچ گیا تو از سر نو ضعف و انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے پھر اس دور کا خاتمہ بھی سب کے لئے ایک طرح کا ہے۔ کسی دائرے میں اسے مر جانا کہتے ہیں اور کسی میں مرجھا جانا اور کسی میں پامال ہو جانا۔

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے:

"کیا تم اس سے منکر ہو جس نے زمین دو دن یعنی دو ادوار میں بنائی اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک اور ہم پایہ بناتے ہو یہی اللہ ہے جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ اور اس نے اس زمین میں کتنے بھاری پہاڑ رکھے اوپر سے اور اس میں برکتیں رکھ دیں زمین پر رہنے والوں کے لئے۔ اس میں سب مانگنے والوں کے لئے ٹھیک انداز سے خوراک کے سامان مہیا کر دیئے اور یہ سب کام چار دن میں ہوگئے پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں ہو رہا تھا سو اس سے اور زمین سے کہا کہ وجود میں آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے تو انہوں نے بزبان حال پکار کر کہا ہم آگئے' فرمانبردار بن کر۔ تو اس نے دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حال حکم بھی وحی کر دیا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا یہ سب

Marfat.com

کچھ ایک زبردست ہر چیز کو خوب جاننے والی ہستی کا مقرر کردہ نظام ہے۔" (حم السجدہ ۴۱ : ۹ ' ۱۲)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"جو لوگ منکر ہیں کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان و زمین دونوں اپنی ابتدائی خلقت میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کیں؟ پھر کیا یہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے؟ اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنا دیئے کہ ایک طرف کو ان کے ساتھ جھک نہ پڑے اور ہم نے ان میں یعنی پہاڑوں میں ایسے درے بنا دیئے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پالیں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک چھت کی طرح بنا دیا ہر طرح کے نقص اور خرابی سے محفوظ مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں۔

اور دیکھو وہی ہے جس نے رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا اور سورج اور چاند بنائے یہ تمام ستارے اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں اور اے پیغمبر اسلام! ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی اور نہ ہی تیرے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ہے پھر اگر تجھے مرنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ہر ایک جان کے لئے موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں زندگی کی اچھی بری حالتوں کی آزمائش میں ڈالتے ہیں تاکہ تمہارے لئے یعنی تمہارے سعی و طلب کے لئے آزمائشیں ہوں اور پھر بالآخر تم سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔" (الانبیاء ۲۱ : ۳۰ ' ۳۵)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

"پاکیزی اور بزرگی ہے اس ذات کے لئے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں۔ ان کے لئے ایک اور نشانی رات ہے اس پر سے ہم دن کو اتار لیتے ہیں تو وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور دیکھو سورج کے لئے جو قرار گاہ ٹھہرا دی گئی ہے وہ اس پر چلتا ہے اور یہ عزیز و علیم اللہ کی اس کے لئے تقدیر ہے اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ آخر میں وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح رہ جاتا ہے۔ نہ تو آفتاب کے اختیار میں ہے کہ چاند کو جالے اور نہ ہی رات کے بس میں ہے کہ دن سے پہلے ظاہر ہو جائے اور تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے دائروں کے اندر پھر رہے ہیں۔ اور ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا اور ہم نے اس جیسی اور کشتیاں بھی پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ کسی اور طرح بچائے جا سکیں مگر یہ ہماری رحمت ہے جو انہیں پار لگاتی ہے اور ایک وقت معین تک ان کی زندگی سے متمتع ہونے کا موقع دیتا ہے۔" (یٰسین ۳۶ : ۳۶ ' ۴۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہاری کار برایوں کے لئے سمندر میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم سیر و سیاحت کے ذریعے اس کا فضل تلاش کرو بلاشبہ وہ تم پر بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے۔ اور جب کبھی ایسا ہوتا

Marfat.com

ہے کہ تم سمندر میں ہوتے ہو اور مصیبت آلگتی ہے تو اس وقت تم سے تمام ہستیاں کھوئی جاتی ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو۔ صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے اور خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے گردن موڑ لیتے ہو حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

پھر کیا تمہیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی گوشے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھیاں بھیج دے اور تم اس حال میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ یا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے ہو کہ اللہ تمہیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے اور تمہاری ناشکری کی پاداش میں تمہیں غرق کر دے اور پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لئے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو؟ اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لئے مہیا کر دیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دے دی پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہئے! (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۶، ۷۰)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

”وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا۔ پھر اس آبپاشی سے خوش نما باغ اگائے حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت لگاتے کیا ان کاموں کا کرنے والا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ افسوس ان لوگوں کی سمجھ پر حقیقت حال خواہ کتنی ہی ظاہر ہو مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کا شیوہ ہی کج روی ہے۔

اچھا بتاؤ وہ کون ہے جس نے زمین کو زندگی و معیشت کا ٹھکانہ بنا دیا اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں۔ اس کی درستگی کے کے لئے پہاڑ بلند کر دیئے اور دو دریاؤں میں ایسی دیوار حائل کر دی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ محدود رہتے ہیں کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ افسوس کتنی واضح بات ہے مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔ اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اسے پکارنے لگتے ہیں اور وہ ان کے درد دکھ کو ٹال دیتا ہے؟ افسوس تمہاری غفلت پر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو۔

اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلا دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ ہرگز نہیں اللہ کی ذات اس ساجھے سے پاک و منزہ ہے جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں ٹھہرا رہے ہیں۔ اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اسے دہراتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے کارخانہ ہائے رزق سے تمہیں روزی دے رہا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ اے پیغمبر اسلام! ان سے کہو اگر تم اپنے رویئے میں سچے ہو اور انسانی عقل و بصیرت کی اس عالمگیر شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اپنی دلیل پیش کرو۔“ (النمل ۲۷: ۶۰، ۶۴)

Marfat.com

الَّيۡلِ وَ النَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا
يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ
فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ
دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ
السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝ ۱۶۴ وَمِنَ
النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ

رہنے میں اور جہازوں میں جو انسانوں کی کار براریوں کے لئے سمندر میں چلتے رہتے ہیں اور برسات میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے کہ اس سے زمین مرنے کے بعد پھر جی اٹھتی ہے اور اس بات میں کہ ہر قسم کے جانور زمین کے پھیلاؤ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہواؤں کے پھرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان اپنی مقررہ جگہ کے اندر بندھے ہوئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت کی بڑی ہی نشانیاں ہیں۔ ۱۶۴

اور انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو اس کا ہم پلہ بنا[۲۸۹] لیتے ہیں وہ انہیں اسی طرح چاہنے[۲۹۰] لگتے ہیں جیسی چاہت اللہ ہی کے

کون ہیں وہ جو اللہ کا شریک اور ہم پلہ بناتے ہیں؟

۲۸۹ انسان کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ ان خزائن قدرت میں غور کرتا۔ ان سے کام لیتا اور اپنی ضروریات پوری کرتا اگر بالفرض رزق کمانے میں کوئی دقت محسوس ہوتی تو اسے برداشت کرتا مگر بعض بدبختوں کی یہ کیفیت

Marfat.com

ہوتی ہے کہ اللہ سے علیحدہ ہو کر غیروں سے اپنا رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ دوسروں کو اپنا رازق اور مربی خیال کرنے لگ جاتے ہیں ان کی غلامی و محکومی کو اپنے لئے باعث عزت سمجھتے ہیں۔ ان کے آگے خاک مذلت چاٹتے ہیں اور اس طرح اپنی تمام عمر صرف کر دیتے ہیں۔ مگر ایک مسلمان کی شان اس سے کہیں زیادہ رفیع و بلند ہے۔ اس کی گردن اللہ کے سوا اور کسی کے آگے نہیں جھک سکتی بلکہ اسے جس قدر تکلیف ہوگی اس کے عشق خداوندی میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔

ارباب ایمان اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ انجام کار یہی صحیح تعلیم کام آئے گی اور دنیا اور آخرت میں صرف اس شخص کو آرام نصیب ہو سکتا ہے جو اس قانون کا پابند ہو' یہی وجہ ہے کہ وہ تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کر لیتے ہیں مگر غیر اللہ کے آگے ان کی گردن نہیں جھکتی۔ البتہ جو لوگ مشرکانہ رسوم کے پابند ہیں راہ حق میں ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے مگر ایک وقت ایسا آئے گا جب وہ تمام قوتیں بیکار ثابت ہوں گی جن پر انہوں نے اعتماد کیا تھا اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ ان قوتوں پر اعتماد کرنا سخت غلط کاری تھی مگر اب یہ ندامت کس کام آئے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کا شریک اور ہم پلہ بناتے ہیں وہ خود انسانیت سے عاری ہیں کیونکہ انسان تب ہی انسان ہے جب عقل و فکر سے کام لے اور جب کوئی عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دے وہ انسان اگرچہ شکل و صورت سے انسان دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں وہ انسان نہیں رہتا۔ قرآن کریم نے اس شرک کو تمام برائیوں کی جڑ اور تمام بے وقوفیوں کی ماں قرار دیا ہے۔ اور فرمایا کہ ایک کا ہو کر رہنے اور کئی کا ہو کر رہنے میں جو فرق ہے کیا تم کو وہ بھی معلوم نہیں؟

چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۝ (الانعام ۶ : ۱۳۶)

"اور دیکھو جو کچھ خدا نے کھیتی اور مویشی میں سے پیدا کیا ہے اس میں سے ایک حصہ یہ اپنے زعم باطل میں خدا کے لئے ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے اور ایک حصہ اپنے پیروں اور بزرگوں کے لئے ٹھہرا کر کہتے ہیں یہ ان کے لئے ہے جنہیں ہم نے اللہ کا شریک کار ٹھہرایا ہے پس جو کچھ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں یعنی پیروں اور بزرگوں کے لئے ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا یعنی اس میں سے اللہ کے لئے خرچ نہیں کر سکتے لیکن جو کچھ اللہ کے لئے ہے وہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے یعنی اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حصے میں سے پیروں اور بزرگوں کے لئے خرچ ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔" (الانعام ۶ : ۱۳۶)

ایک جگہ فرمایا:

Marfat.com

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ یَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰی مَوْلٰىهُ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (النحل ۱۶: ۷۵، ۷۶)

”اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے اس پر غور کرو۔ ایک غلام ہے کسی دوسرے آدمی کی ملک۔ وہ خود کسی بات کی قدر نہیں رکھتا اور ایک دوسرا آدمی ہے یعنی خود مختار ہم نے اسے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ ظاہر و پوشیدہ جس طرح چاہتا ہے اسے خرچ کرتا ہے اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری ستائش اللہ کے لئے ہے مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں جانتے!

اور دیکھو اللہ نے ایک اور مثال بیان فرمائی دو آدمی ہیں ایک گونگا ہے کسی بات کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اپنے آقا پر ہی بوجھ ہے وہ جہاں کہیں بھیجے کوئی خوبی کی بات اس سے بن نہ آئے اور دوسرا ایسا ہے کہ دوسروں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے اور خود بھی عدل اور راستی کے سیدھے راستے پر ہے کیا پہلا آدمی اور یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟“ (النحل ۱۶: ۷۵، ۷۶)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (الزمر ۳۹: ۲۹)

”اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کی ملکیت میں چند لوگ شریک ہیں اور وہ ایک دوسرے کے مخالف اور کج خلق ہیں اور دوسرا شخص پورے کا پورا ایک ہی شخص کا غلام ہے کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟ الحمد للہ! مگر اکثر جانتے نہیں۔“

ایک جگہ فرمایا:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ○ (النحل ۱۶: ۷۱) ”اور دیکھو اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بہ اعتبار رزق کے برتری دی ہے۔ پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیردستوں میں لوٹا دیں حالانکہ سب اس میں برابر کے حق دار ہیں پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟“

ایک جگہ فرمایا:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (الروم ۳۰: ۲۸) ”وہ تمہارے

Marfat.com

لئے خود تمہاری ذات سے ہی ایک مثال بیان کرتا ہے کہ کیا اس مال و متاع میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے تمہارے غلام تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہیں؟ اور تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟ ہم اس طرح توحید کے دلائل ان لوگوں کے سامنے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔" (الروم ۳۰ : ۲۸)

اس جگہ گویا بتایا جا رہا ہے کہ مشرکین ایک طرف تو زمین و آسمان اور سب چیزوں کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور پھر اس کی مخلوق میں سے اس کے شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔ ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تو ان کے اس رویہ کی تمثیل بیان فرمائی ہے جس کا منشا یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں تمہارے غلام تو شریک نہیں قرار پا سکتے تو پھر اللہ کی پیدا کی ہوئی کائنات میں اللہ کی پیدا کردہ مخلوق کیسے شریک بن سکتی ہے؟

جو محبت خالص اللہ کے لئے ہے وہ دوسروں کے لئے حرام ہے

۲۹۰ مشاہدہ ہے کہ آج بھی مسیحیوں کو محبت اور تعلق خاطر خدا سے کہیں زیادہ "خدا کے بیٹے" اور پھر "روح القدس" اور "مقدس کنواری" سے ہے اور ہندوؤں کی محبت اور تعلق خاطر اپنے ایشور اور پرماتما سے کہیں زیادہ "درگا مائی" "لکشمی مائی" "اگنی دیوتا" وغیرہ دیویوں اور دیوتاؤں کے ساتھ اور رشیوں، منیوں، سادھوؤں کے ساتھ ہے اور مسلمانوں کی باری آئی تو انہوں نے مرشدوں، پیروں اور ولیوں کو وہ مقام دے دیا جو اللہ کے لئے خاص تھا "کحب اللّٰه" کے لفظ نے بات بالکل صاف کر دی کہ غیر اللہ سے نفسی محبت ممنوع نہیں ہے بلکہ ماں باپ، بھائی، بہن، بیٹے، بیٹی، عزیزوں، دوستوں اور رفیقوں سے تو محبت درجہ طبعی میں رکھ ہی دی گئی ہے ائمہ شریعت و طریقت سے بھی محبت رکھنا مستحب ہے البتہ جو محبت حرام ہے وہ محبوب کو درجہ ربوبیت پر جا پہنچانے والی محبت ہے۔ "یا علی" "یا حسین" "یا خواجہ" "یا غوث اعظم" "یاوارث" کے نعرے لگانے والے ذرا اپنے دلوں کو ٹٹول کر دیکھیں کہ محبت کا کتنا حصہ اللہ کے لئے باقی رہ گیا اور کتنا دوسروں کی نظر ہو چکا؟ اسی بات کو قرآن کریم نے دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا:

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (الزمر ۳۹ : ۴۵) "اور جب خدائے واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو جن لوگوں کو حیات اخروی پر کامل یقین نہیں تو ان کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یکایک ان میں خوشی پیدا ہو جاتی ہے۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ۝ (المومن ۴۰ : ۱۲) "یہ سزا تمہیں اس لئے مل رہی ہے کہ جب صرف تنہا اللہ کا نام لیا جاتا تھا تو تم کفر کرتے تھے اور اگر

Marfat.com

کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ وَلَوْ یَرَی

لئے خاص ہے حالانکہ جو لوگ اللہ پر[۲۹۱] ایمان لاتے ہیں ان کے دلوں میں تو سب سے

اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے۔ بس اب فیصلہ اللہ ہی کا ہے جو سب سے بلند اور بڑا ہے۔"

ایک جگہ فرمایا:

وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ نُفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۴۶)

"اور جب تو اے پیغمبر اسلام! قرآن کریم میں تن تنہا صرف اپنے پروردگار ہی کا ذکر کرتا ہے اور یہ لوگ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ذکر نہیں پاتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتے ہیں نفرت میں بھرے ہوئے۔"

فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ زبان سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت کا اعتراف کرتے ہیں مگر اکیلے اللہ کی حمد و ثناء پر خوش نہیں ہوتے جب تک کہ دوسرے پیروں، فقیروں اور داتاؤں کی کرامات کا ذکر نہ کیا جائے۔ آج کل بھی خالص توحید کا وعظ کہنے والے کو منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے اور واعظ بھی سامعین کو خوش کرنے کے لئے ادھر ادھر کی گپیں ہانکنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ قرآن کریم کا درس دیں گے تو بھی ذائقہ تبدیل کرنے کے لئے اچار چٹنی ساتھ رکھنا ضروری خیال کریں گے۔

ایمان والوں پر اللہ کی محبت سب محبتوں سے غالب ہوتی ہے

۲۹۱ فرمایا جا رہا ہے کہ ایمانداروں کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں یعنی ان کے دل میں جو اللہ کی محبت ہوتی ہے وہ سب محبتوں پر غالب رہتی ہے کیونکہ ان کے دل عظمت الٰہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے جو خالص اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی دوسرے سے کبھی التجا کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کی طرف جھکتے ہیں اور نہ ہی اس پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مومن کی محبت عقلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی تمام دوسری محبتوں پر غالب رہتی ہے۔ آیت نے ضمناً اس مسئلہ کو بھی واضح کر دیا کہ مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اصلاً انس و محبت ہی کا ہوتا ہے۔

Marfat.com

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۝۱۶۵ اِذْ تَبَرَّاَ

زیادہ محبت اللہ ہی کی ہوتی ہے جو بات ان ظالموں[۲۹۲] یعنی مشرکوں کو اس وقت سوجھے گی جب وہ عذاب کی لپیٹ میں ہوں گے۔ کاش! وہ اس وقت سوجھتی تاکہ وہ سودمند ہوتی۔ اس دن یہ دیکھیں گے کہ ہر طرح کی قوت تو بس اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کا عذاب تو بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ ۱۶۵

اور جب[۲۹۳] ایسا ہو گا کہ وہ جن کی پیروی کی جاتی تھی یعنی جھوٹے پیشوا اپنے پیرووں

شرک سے بڑا کوئی ظلم اور مشرک سے بڑا کوئی ظالم نہیں

۲۹۲؎ فرمایا قرآن کریم اللہ کا وہ پیغام ہے مشرکین کو جو اپنی جانوں پر بوجہ اپنے شرک کے ظلم کرنے والے ہیں اللہ کے عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ عذاب کو دیکھ لیتے تو یقین ہو جاتا کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرما ہیں اور اس کے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں جیسے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "اس دن نہ تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے اور نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے۔" اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہرگز نہ اڑتے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۳۹) "اگر یہ منکر اس گھڑی کا حال معلوم کر لیں جب آتش عذاب بھڑکے گی اور اس کے شعلے نہ تو اپنے آگے سے ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے اور نہ کہیں سے مدد پا سکیں گے تو شاید اس شوخی و شرارت سے ظہور نتائج کا مطالبہ نہ کرتے۔"

وہ وقت یاد کرو جب پیشوا اپنے پیرووں سے بیزار ہوں گے

۲۹۳؎ فرمایا وہ دن ایسا دن ہے کہ جن جن کو ان لوگوں نے اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے۔ فرشتے کہیں گے کہ اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اے اللہ تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا ولی ہے یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے تھے انہی پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی طرح جنات

Marfat.com

الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝۱۶۶ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

یعنی مریدین سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے کیونکہ عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور ان کے رشتوں اور وسیلوں کا تمام سلسلہ ٹوٹ جائے گا۔ ۱۶۶

یہ[۲۹۴] وہ وقت ہوگا کہ جب وہ لوگ جنہوں نے انکی پیروی کی تھی یعنی مریدین پکار

بھی ان سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت سے انکار کریں گے ایک جگہ فرمایا:

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ (مریم ۱۹: ۸۱، ۸۲) "اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کے مددگار ہوں لیکن ہرگز ایسا ہونے والا نہیں وہ قیامت کے دن ان کی بندگی سے صاف انکار کریں گے بلکہ الٹے ان کے مخالف ہوں گے۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ "تم نے اللہ کے سوا اپنے بزرگوں کے بنائے ہوئے بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔"

اور ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے "یہ ظالم رب کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار بن جاتے وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تم کو اللہ کی عبادت سے روکا۔ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں' تمہارے کفریہ احکام تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں پھانس دیا۔ اب سب کو اندرونی ندامت ہوگی اور ان کی گردنوں میں ان کے اعمال کے طوق ہوں گے۔"

اور ایک جگہ ہے کہ "اس دن شیطان بھی کہے گا کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا اور میں نے تمہیں جو سبز باغ دکھا رکھا تھا وہ محض دھوکا تھا تم پر میرا کوئی زور نہ تھا مگر میں نے تمہیں کہا تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ میں تمہارے اگلے شرک کا انکاری ہوں۔ جان لو کہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

Marfat.com

مریدین کی حسرت کہ کاش ایک بار ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے

۲۹۴ فرمایا پھر وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی اور نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی۔ دوستیاں کٹ جائیں گی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ بلادلیل باتیں ماننے والے اور بے وجہ اعتقاد رکھنے والے اور پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت و یاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں پھر جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ ان کی طرف التفات کریں گے نہ ان کی بات مانیں گے نہ انہیں شریک خدا سمجھیں گے بلکہ اللہ وحدہ کی خالص عبادت کریں گے۔ فرمایا لوٹایا تو جا نہیں سکتا کیونکہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے اور اللہ اپنے قانون کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ لیکن بالفرض ان کو لوٹا بھی دیا جائے تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے رہے لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت اس طرح دکھائے گا ان پر حسرت و افسوس ہے یعنی اعمال جو نیک تھے وہ تو ویسے ہی ضائع ہوگئے کیونکہ ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں۔ ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تودہ ہوتا ہے اور آخر میں یہ فرما دیا کہ اب یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں کیونکہ مشرکین کے لئے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور یہاں سے نجات کی اب کوئی صورت نہیں۔

مختصر یہ کہ دنیا کی زندگی میں بھی بارہا تجربہ ہوتا ہے کہ ایک جھوٹے انسان کی تقلید آنکھیں بند کر کے شروع کی جاتی ہے۔ حکومت کے آگے اندھا دھند سجدہ کیا جاتا ہے مگر عین وقت پر آکر ان میں سے کوئی چیز بھی کام نہیں آتی۔ ہر ایک اپنی براءت و پاک دامنی کا اظہار کرتا ہے اور وہ شخص بے یار و مددگار رہ جاتا ہے' یہ تو دنیا کا حال ہے۔ قیامت کی کیفیت اس سے زیادہ درد انگیز ہے جن لوگوں کو آج خدا بنایا جا رہا ہے ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کی جاتی ہے مرنے کے بعد ان کی قبروں کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور انہیں سجدہ گاہ بنا لیا جاتا ہے وہ اس روز صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے ان سے اپنی عبادت کے لئے کبھی نہیں کہا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی قیامت کے روز سوال ہو گا کہ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اپنا معبود بنا لو تو وہ جواب دیں گے میرے اللہ! میں نے تو ان کو وہی کہا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو وہی میرا اور تمہارا رب ہے یہ مضمون سورہ المائدہ کی آیت ایک سو سترہ میں بیان کیا گیا۔

یہ تو ایک پیغمبر معصوم کا حال تھا اب ان معبودان باطل کی کیفیت بھی ملاحظہ ہو "جس روز اللہ کافروں کو اور ان معبودوں کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اپنے حضور میں جمع کرے گا پھر پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی رستے سے بھٹک گئے تھے ان کے معبود عرض کریں گے کہ تو پاک ہے ہم کو یہ بات کسی طرح زیبا ہی نہ تھی کہ تیرے سوا اپنے لئے دوسرے کارساز بناتے بلکہ بات یہ تھی کہ تو نے

Marfat.com

ان کے بڑوں کو آسودگیاں دیں یہاں تک کہ تیری یاد بھلا بیٹھے اور یہ آپ ہی ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ یہ مضمون سورہ الفرقان کی آیت ۱۸، ۱۹ میں بیان کیا گیا۔

جب ان مشرکین کے اسباب شفاعت ناکام ثابت ہوں گے تو غصہ و انتقام کے مارے دنیا میں دوبارہ جانے کی کوشش کریں گے یعنی آرزو کریں گے کہ اے اللہ! ایک بار دنیا میں لوٹا دے کہ ان معبودان باطل سے ہم بھی اپنی علیحدگی کا اظہار حقیقتاً کر سکیں مگر ان کی یہ آرزو بے سود ہوگی۔

قرآن کریم نے اس مسئلہ کی اتنی وضاحت کی ہے کہ اگر اس کا احصا کیا جائے تو شاید ممکن ہی نہ ہو۔ تاہم معین مقامات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں پڑھتے جائیں اور غور کرتے جائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ○ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ○ (العنکبوت ۲۹ : ۱۲، ۱۳) ”اور کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریق پر چلو اور تمہارے گناہ ہم اٹھائیں گے حالانکہ یہ کافر ان کے گناہوں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں ہیں یہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جو افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے رہے ہیں قیامت کے دن ان سب کی باز پرس کی جائے گی۔“

ایک جگہ فرمایا گیا:

”اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے اتاری ہے؟ تو کہتے ہیں کچھ نہیں محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔ فرمایا ان کے اس کہنے کا نتیجہ کیا ہے؟ یہ کہ قیامت کے دن پورا پورا اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ جنہیں اس طرح کی باتیں کہہ کہہ کر یہ بغیر علم و روشنی کے گمراہ کر رہے ہیں تو دیکھو کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں۔“ (النحل ۱۶: ۲۴، ۲۵)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

”اور دیکھو اس دن کیا ہوگا جب اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا اور فرمائے گا اے گروہ جن! تم نے تو انسانوں میں سے ایک بڑی تعداد اپنی وسوسہ اندازیوں سے اپنے ساتھ لے لی اور انسانوں میں سے جو لوگ ان کے ساتھی رہے ہیں وہ اعتراف حقیت پر مجبور ہو کر کہیں گے اے پروردگار! دنیا میں ہم ایک دوسرے سے گمراہی و شقاوت کے کاموں میں فائدہ اٹھاتے رہے یعنی گمراہ انسانوں نے شیطانوں کا ہاتھ بٹایا اور شیطانوں نے انسانوں کا اور بالآخر میعاد کی اس منزل تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے ٹھہرا دی تھی اب ہماری قسمتوں کا فیصلہ تیرے ہاتھ ہے۔ اللہ فرمائے گا تمہار ٹھکانہ آتش دوزخ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ بجز ان کے جنہیں ہم نجات دینا چاہیں۔

Marfat.com

اے پیغمبر اسلام! بلاشبہ تمہارا پروردگار اپنے کاموں میں حکمت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے اور دیکھو اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ان کی اسی کمائی کی وجہ سے جو وہ اپنی بد عملیوں سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔" (الانعام ۶ : ۱۲۸، ۱۲۹)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"کفار کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن کریم کو نہیں مانیں گے اور نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو تسلیم کریں گے کاش! آپ اس وقت ان کا حال دیکھیں جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے کر دیئے جائیں گے ان میں سے ایک دوسرے پر بات کو ٹالتا ہوگا۔ جو لوگ دنیا میں کمزور بنا دیئے گئے وہ بڑے بننے والے لوگوں سے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً مومن ہوتے۔ یہ بڑے بننے والے کمزوروں کو جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آچکی تھی؟ نہیں بلکہ تم خود ہی مجرم تھے! کمزور لوگ بڑے بننے والوں سے کہیں گے نہیں بلکہ تمہاری شب و روز کی فریب کاری نے ہمیں روکا تھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرائیں اور جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں جو کفر کرتے رہے طوق ڈالیں گے اور ان کو بس وہی سزا دی جائے گی جو وہ عمل کرتے رہے ہیں۔" (سبا ۳۴ : ۳۱، ۳۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ حکم ہوگا کہ گھیر لاؤ سب ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کو بھی جن کی یہ لوگ اللہ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے پھر ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ اور انہیں ٹھہراؤ کہ ان سے پوچھا جائے گا۔ کیا ہوگیا تمہیں اب تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ وہ سب اس دن سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کریں گے۔ ماتحت لوگ سرداروں سے کہیں گے تم ہم پر سیدھے رخ سے چڑھ آئے تھے۔ وہ کہیں گے نہیں بلکہ تم خود ہی مومن نہ تھے۔ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا۔ بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔ آخر ہم سب پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہوگیا کہ ہم عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا اور ہم خود بھی گمراہ تھے۔ اس طرح وہ سب اس روز عذاب میں شریک ہوں گے۔" (الصفت ۳۷ : ۲۲، ۳۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"اور جس دن کہ اللہ ان کافروں کو پکار کر فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ میرے شریک ہیں جن پر اللہ کے عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا۔ ہم نے انہیں اس طرح گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے۔ ہم آپ کے روبرو برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے۔ اور کہا جائے گا تم لوگ اپنے شرکاء کو

Marfat.com

مدد کے لئے پکارو چنانچہ وہ پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہ دیں گے کاش! یہ ہدایت پانے والے ہوتے۔“
(القصص ۲۸ : ۶۲، ۶۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”اور دیکھو وہ دن جب اللہ فرمائے گا جن ہستیوں کو تم سمجھتے تھے میرے ساتھ شریک ہیں اب انہیں بلاؤ وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے ہم نے ان دونوں کے درمیان آڑ کر دی ہے ایک دوسرے کی سننے والے نہیں۔ اور مجرم دیکھیں گے کہ آگ بھڑک رہی ہے اور سمجھ جائیں گے اس میں انہیں گرنا ہے۔ وہ کوئی گریز کی راہ نہ پائیں گے اور دیکھو ہم نے اس قرآن کریم میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر طرح کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کر دیں مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔“ (الکھف ۱۸ : ۵۲، ۵۴)

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے :

”جن لوگوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں جب قیامت کے دن اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔ اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب لوٹائیں گے نہیں تم تو سراسر جھوٹے ہو۔ اور اس دن سب کے سب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیں گے وہ ساری افترا پردازیاں ان سے کھوئی جائیں گی جو دنیا میں کیا کرتے تھے۔“ (النحل ۱۶ : ۸۵، ۸۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”پھر اس کے بعد قیامت کا دن پیش آنے والا ہے جب وہ انہیں رسوائی میں ڈالے گا اور پوچھے گا بتلاؤ۔ آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے میرا شریک بنایا تھا۔ اور جن کے بارے میں تم اہل حق سے لڑا کرتے تھے؟ اس وقت وہ لوگ جنہیں حقیقت کا علم دیا گیا تھا پکار اٹھیں گے بے شک آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لئے ہے۔ ان کافروں کے لئے کہ فرشتوں نے جب ان کی روحیں قبض کی تھیں تو اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں ظلم کر رہے تھے۔

تب وہ اطاعت کا اظہار کریں گے اور کہیں گے ہم نے تو اپنی دانست میں کوئی برائی کی بات نہیں کی تھی لیکن اہل علم جواب دیں گے ہاں! تم نے ضرور کی اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ پس اب تمہارے لئے یہی حکم ہے کہ جہنم کے دروازوں میں گروہ گروہ ہو کر داخل ہو جاؤ تمہیں ہمیشہ کیلئے اسی میں رہنا ہے۔ تو دیکھو حق کے مقابلہ میں گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہوگا۔“ (النحل ۱۶ : ۲۷، ۲۹)

ایک جگہ فرمایا گیا :

”اور دیکھو قیامت کے روز سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ پس ناتوانوں نے سرکشوں سے کہا

Marfat.com

کہ ہم دنیا میں تمہارے پیچھے چلنے والے تھے پھر کیا آج تم ایسا کرتے ہو کہ اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ کر دو؟ انہوں نے کہا اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمہیں کوئی راہ دکھاتے ہم تو خود ہی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں خواہ جھیل لیں خواہ روئیں' پیٹیں ہمارے لئے دونوں حالتیں برابر ہوگئیں۔ ہمارے لئے آج کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ اور دیکھو جب فیصلہ ہو چکا تو شیطان بولا بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ اور وہ پورا ہو کر رہا۔ اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا مگر اسے پورا نہ کیا۔ مجھے تم پر کسی طرح کا تسلط نہ تھا کہ تم میری پیروی پر مجبور ہوگئے تھے جو کچھ پیش آیا وہ صرف یہ ہے کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا۔ پس اب مجھے ملامت نہ کرو۔ آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں' نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو تم نے اب سے پہلے دنیا میں جو مجھے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا تھا کہ اسکے احکام کی طرح میرے حکموں کی بھی اطاعت کرنے لگے تھے تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ بلاشبہ ظلم کرنے والوں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔"
(ابراھیم ۱۴: ۲۱' ۲۲)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اس پر حکم الٰہی ہو گا انسانوں اور جنوں کی امتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں تم بھی آتش دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ جب کبھی ایسا ہو گا کہ ایک امت دوزخ میں داخل ہو تو وہ اپنی طرح کی دوسری امت پر لعنت بھیجے گی۔ پھر جب سب اکٹھی ہو جائیں گی تو پچھلی امت پہلی امت کی نسبت کہے گی۔ اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی جن کی تقلید میں ہم گمراہ ہوئے تو انہیں آتش دوزخ کا دوگنا عذاب دیجئو۔ اللہ فرمائے گا تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں۔

یہ سن کر پہلی امت پچھلی امت سے کہے گی۔ دیکھو تمہیں عذاب کی کمی میں ہم پر کوئی بزرگی نہ ہوئی تو جیسی کچھ کمائی کر چکے ہو اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھو۔ جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو یاد رکھو ان کے لئے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں۔ ان کا جنت میں داخل ہونا ایسا ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا۔ اس طرح ہم مجرموں کو ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں یعنی ایسا ہی ہم نے قانون جزاء ٹھہرا دیا ہے۔" (الاعراف ۷: ۳۸' ۳۹)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے وہ اس وقت کہیں گے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی سو انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا اے ہمارے پروردگار ان کو دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔" (الاحزاب ۳۳: ۶۶' ۶۸)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ ان کا کام تمام کیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی کسی وقت ان سے ہلکا کیا جائے گا ہم ہر ناسپاس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور منکرین آخرت دوزخ میں چلاتے رہیں گے کہ اے اللہ! ہم کو جہنم سے نکال کہ صالح اعمال بجا لائیں۔ وہ نہیں جنہیں پہلے صالح اعمال سمجھ کر کرتے تھے بلکہ وہ جو فی الحقیقت صالح ہیں۔ ان کو جواب ملے گا کیا ہم نے تمہیں دنیا میں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر کسی کا سوچنا منظور ہوتا تو وہ اس میں سوچ لیتا اور علاوہ ازیں تمہارے پاس ڈرانے والے بھی آئے سو اب تمہاری سزا یہی ہے کہ اپنے کئے کا بدلہ چکھتے رہو اب ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“ (فاطر ۳۵ : ۳۶‘ ۳۷)

ایک جگہ ارشاد ہوا

”پھر کیا یہ لوگ اس بات کے انتظار میں ہیں کہ فساد و بدعملی کے جس نتیجہ کی اس میں خبر دی گئی ہے اس کا مطلب وقوع میں آجائے؟ جان لیں جس دن اس کا مطلب وقوع میں آئے گا اس دن وہ لوگ کہ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے نامرادی و حسرت کے ساتھ بول اٹھیں گے بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر ہمارے پاس سچائی کا پیام لے کر آئے تھے مگر افسوس کہ ہم نے انہیں جھٹلایا کاش! شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ہو جو آج ہماری شفاعت کرے! یا کاش ایسا ہی ہو کہ ہم پھر دنیا میں لوٹا دیئے جائیں اور جیسے کچھ کام کرتے رہے ہیں اس کے برخلاف نیک کام انجام دیں۔ بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی میں ڈالا اور دنیا میں جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب آج ان سے کھوئی گئیں۔“ (الاعراف ۷ : ۵۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

”اور دوزخ گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔ اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ معبود اور گمراہ لوگ اور شیطان کے لشکر سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے اپنے معبودوں سے کہیں گے اللہ کی قسم بیشک ہم صریح گمراہی میں تھے۔ جب کہ ہم تم کو رب العالمین کے مساوی درجہ دیا کرتے تھے۔ اور ہم کو بس ان بڑے مجرموں نے گمراہ کر ڈالا۔ سو اب نہ تو کوئی ہمارا سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔ کاش ہمیں ایک بار دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جاتا تو ہم بھی ایمان والوں سے ہو جاتے۔“ (الشعراء ۲۶ : ۹۱‘ ۱۰۲)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

”اے انسان! تو تعجب کرے گا اگر انہیں اس حالت میں دیکھے جب یہ آتش دوزخ کے کنارے کھڑے ہوں گے اس وقت کہیں گے اے کاش! ایسا ہو کہ ہم پھر دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ان میں سے ہو جائیں جو ایمان والے ہیں! لیکن ان کی یہ حسرت بھی سچے دل کی حسرت نہ

Marfat.com

ہوگی بلکہ اس لئے ہوگی کہ جو کچھ یہ پہلے چھپایا کرتے تھے یعنی دل کا روگ اس کا بدلہ ان پر نمودار ہوگیا اور اس سے بچنے کے لئے اظہار ندامت کرنے لگے۔ اگر یہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں تو پھر زندگی کی غفلتوں میں سرشار ہو کر اسی بات میں پڑ جائیں جس سے انہیں روکا گیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ اظہار ندامت میں جھوٹے ہوں گے۔" (الانعام ۶ : ۲۸)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"آگ کے شعلوں کی لپٹ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی۔ وہ ان میں منہ بگاڑے پڑے ہوں گے۔ کیا ایسا نہیں ہو چکا ہے کہ میری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں؟ اور تم انہیں جھٹلاتے رہتے تھے؟ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! دراصل ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہمارا گروہ گمراہوں کا گروہ تھا۔ اب ہمیں اس حالت سے نکال دے۔ اگر ہم پھر ایسی گمراہی میں پڑیں تو بلاشبہ نافرمان ہوئے۔ اللہ فرمائے گا جہنم میں جاؤ اور زبان مت کھولو۔" (المومنون ۲۳ : ۱۰۴، ۱۰۵)

ایک جگہ فرمایا:

"پھر اللہ فرمائے گا دیکھو بالآخر تم ہمارے حضور اکیلی جان آگئے جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا گیا تھا اور جو کچھ سازوسامان تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ آج ہم تمہارے ساتھ ان ہستیوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تم نے شفاعت کا وسیلہ سمجھا تھا اور جن کی نسبت تمہارا زعم تھا کہ تمہارے کاموں میں وہ خدا کے شریک ہیں تمہارے اعتماد باطل کے سارے رشتے ٹوٹ گئے جو کچھ تم زعم رکھتے تھے سب کے سب تم سے کھوئے گئے۔" (الانعام ۶ : ۹۴)

ایک جگہ فرمایا:

اور وہ کافر کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو وہ جن اور انسان دکھایئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ہم ان کو پاؤں تلے روند ڈالیں گے تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔ (حم السجدہ ۴۱ : ۲۹)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اے وہ لوگو! کہ اپنے پروردگار کی نافرمانیوں میں ڈوبے ہوئے ہو اسکی طرف رجوع کرو اور اسکے حکم کے آگے اپنی گردن جھکا دو قبل اس کے کہ تم پر آخری عذاب نازل ہو اور کسی طرف سے تمہیں مدد نہ ملے۔ اور اللہ کی طرف سے جو بہترین احکام و مواعظ بھیجے گئے ہیں انکی پیروی کرو اور اس وقت سے پہلے جب کہ یکایک تم کو آخری ناکامیوں اور نامرادیوں کا عذاب آگھیرے گا اور تم بالکل بے خبر ہوگے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس وقت حسرت و ندامت کے ساتھ وقت فرصت کو یاد کرو اور تم میں سے کوئی کہے آہ! آہ! صد حسرت و افسوس میری اس کوتاہی پر جو میں نے اپنے رب کے احکام کی تقدیس کرنے میں کی۔ اے افسوس! کہ مجھے حکم الٰہی سنایا جاتا تھا مگر میں تمسخر کرتا تھا۔ یا کہے کہ اگر خدا میری ہدایت فرماتا تو میں آج پرہیزگاروں میں سے ہوتا حالانکہ اسی

Marfat.com

لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّاؕ كَذٰلِكَ
يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْؕ وَمَا هُمْ
بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۞۱۶۷ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى

ع ۲۰

اٹھیں گے کہ کاش ہم کو ایک دفعہ پھر دنیا میں لوٹنے کی مہلت مل جائے تو ہم ان سے یعنی جھوٹے پیشواؤں سے اسی طرح بیزاری ظاہر کر دیں جس طرح یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں سو دیکھو اسی طرح اللہ ان لوگوں کو انکے اعمال کی حقیقت دکھلا دے گا کہ سرتاسر حسرت و پشیمانی کا منظر ہوگا اور وہ آگ کے عذاب سے چھٹکارا پانے والے نہیں ہوں گے۔ ۱۶۷

اے ۲۹۵ افراد نسل انسانی! زمین میں جس قدر حلال اور پاکیزہ چیزیں مہیا کر دی گئی

اتمام حجت کیلئے آج ہدایت کی صدائے دعوت بلند کی جا رہی ہے یا پھر جب وہ آنے والا عذاب آموجود ہو تو اسے دیکھ کر حسرت سے کہے کہ اے کاش! مجھے گئی ہوئی مہلت اور گزرا ہوا وقت دوبارہ مل جاتا تو میں بھی نیک بن کر نیکوں میں شامل ہو جاتا۔ لیکن اس وقت صدائے الٰہی اٹھے گی کہ ہاں! میں نے تو اپنا حکم بھیجا تھا اور اپنی نشانیاں تجھے دکھلائی تھیں پر تو نے ان کو جھٹلایا اور انکے آگے جھکنے کی جگہ مغرور ہوگیا۔ میرے احکام سے انکار کرنے والوں میں تو بھی تھا۔ اب تیرے لیے حسرت و نامرادی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔" (الزمر ۳۹ : ۵۴ تا ۵۹)

مسلمانوں کو حلال و طیب چیزیں کھانے کی ہدایت

۲۹۵ مسلمانوں کو خلافت ارضی حاصل کرنا ہے اس لئے انہیں صرف ان چیزوں کا استعمال کرنا چاہئے جن کی طہارت و پاکیزگی کا انہیں یقین ہو جن کو ناجائز ذرائع سے حاصل نہ کیا گیا ہو اور جن اشیاء کی قانون الٰہی نے اجازت دے دی ہو۔ اس مقصد عظیم کے کسب و حصول کے لئے ضرورت ہوگی بہترین دل و دماغ کی اور یہ ترو تازگی نہیں پیدا ہو سکتی جب تک عمدہ سے عمدہ پاکیزہ چیزیں استعمال میں نہ ہوں پس دنیا کی ہر اچھی چیز ایک مسلمان ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ کھائے اور حکومت کے لئے تیار ہو۔ البتہ ان چیزوں سے پرہیز لازم ہے جو

Marfat.com

الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ

ہیں یعنی تمہاری غذا بنائی گئی ہیں شوق سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ۱۶۸

وہ تو تمہیں بری اور قبیح باتوں ہی کے لئے حکم دے گا اور اسی بات پر اکسائے گا ۲۹۶

روحانی و جسمانی صحت کے لئے مضر ہوں جن سے جذبات خبیثہ اور اخلاق فاسقہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو جن سے ارادوں میں ضعف و کمزوری آجائے۔ یہ خصوصیت صرف اور صرف نبی کی تعلیم کو حاصل ہے کہ اس سے انسانی ارادہ میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص ؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ نبی کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمہ حلال کا التزام کر لو خود بخود مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔ یہ ہے اسلام میں اکل حلال کی اہمیت۔

اور شیطان ہمیشہ بے حیائی اور بد خلقی کی تعلیم دیتا ہے جس کا انتہائی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نبی کی تعلیم سے نفرت ہو جاتی ہے رسول اللہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے قانون بنایا جاتا ہے اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہو گا

۲۹۶ "انما" کلمہ حصر ہے جس کے صاف صاف معنی یہ ہوئے کہ شیطان سے ہمیشہ شیطنت ہی کا ظہور ہو گا کسی نیکی کے صدور کا اس سے امکان ہی کب ہے؟ شعبی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا حضرت مسروق کے علم میں جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک بھیڑ ذبح کر دے یہ نذر خطوت الشیطن سے ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ ایک دن بکری کا کھر پکا ہوا نمک لگا کر کھا رہے تھے ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو اور اس طرح ہر کفر و بدعت کی بات شیطنت ہی ہو گی۔ اور شیطان کا کام ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال انسانوں سے کراتا ہی رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

Marfat.com

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ (النحل ۱۶ : ۱۱۶) ”اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبانوں پر جھوٹی بات آجائے۔ بے دھڑک نکال دیا کرو اور اپنے جی سے ٹھہرا کر حکم لگا دو یہ چیز حلال ہے یہ چیز حرام ہے۔ اس طرح حکم لگانا اللہ پر افترا پردازی کرنا ہے اور یاد رکھو جو لوگ اللہ پر افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں۔“ (النحل ۱۶ : ۱۱۶)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المائدہ ۵ : ۱۰۳) ”بحیرہ“ اور ”سائبہ“ اور ”وصیلہ“ اور ”حام“ میں سے کوئی چیز بھی اللہ نے نہیں ٹھہرائی ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ اللہ پر جھوٹ کہہ کر افتراء کرتے ہیں اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔“

مشرکین عرب بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے اور انہیں مقدس سمجھتے اور طرح طرح کے توہم پرستانہ عقائد ان سے وابستہ ہوگئے تھے چنانچہ اس جگہ ان جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔

”بحیرۃ“ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کے کان علامت کے لئے شق کر دیئے گئے ہوں اور بتوں کی نیاز میں چھوڑ دی گئی ہو۔ یہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جس سے پانچ بچے پیدا ہو جاتے تھے۔

”سائبہ“ اس اونٹنی کو کہتے تھے جسے دیوتاؤں کے نام پر چھوڑ دیا ہو نہ تو کوئی اس پر سوار ہو سکتا تھا۔ نہ اس کے بال کاٹ سکتا تھا۔ نہ اس کا دودھ اپنے کام میں لا سکتا تھا۔

”وصیلہ“ اس بکری کو کہتے تھے جس کے پہلوٹھے کے اوپر تلے دو بچے مادہ ہوتے تھے اور وہ اسے متبرک سمجھتے تھے اس لئے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔

”حام“ اس اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو گئے ہوں اسے بھی چھوڑ دیتے تھے اور سمجھتے تھے اسے ذبح کرنا یا کام میں لانا جائز نہیں۔

فرمایا یہ سب خرافات اور توہم پرستی ہے اللہ نے ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ٹھہرایا ہے یعنی کسی کو بھی حرام نہیں کیا یہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے حلت و حرمت کا مسئلہ نکالا ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِىْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

Marfat.com

وَاَنۡ تَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۶۹ وَاِذَا قِيۡلَ

کہ اللہ کے نام سے جھوٹی باتیں کہو جن کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں۔ ۱۶۹

مُهۡتَدِيۡنَ۝ (الانعام ۶ : ۱۳۸، ۱۳۹) "اور کہتے ہیں یہ کھیت اور چارپائے ممنوع ہیں انہیں اس آدمی کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا ہے جسے ہم اپنے خیال کے مطابق کھلانا چاہیں یعنی جن بزرگوں کی نیاز کر دیں صرف ان کے مجاور کھا سکتے ہیں اور دوسرے کے لئے جائز نہیں اور اس طرح کچھ جانور ہیں کہ ان کے خیال میں ان کی پیٹھ پر سوار ہونا یا سامان لادنا حرام ہے اور کچھ جانور ایسے ہیں کہ ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے کیونکہ اللہ پر افتراء کر کے انہوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے سو جیسی کچھ یہ افترا پردازیاں کرتے رہتے تھے قریب ہے کہ اللہ انہیں اس کی سزا دے۔

اور کہتے ہیں ان جانوروں کے پیٹ سے جو زندہ بچہ نکلے وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے حلال ہے ہماری عورتوں کے لئے حلال نہیں اور اگر مردہ ہو تو پھر اس کے کھانے میں مرد و عورت سب شریک ہیں کیسی جہالت کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں قریب ہے کہ اللہ انہیں ان کی ان بے اصل تقسیموں کی سزا دے جو اپنے جی سے انہوں نے گھڑ لی ہے بلاشبہ وہ حکمت والا اور جاننے والا ہے۔ اور یقیناً وہ تباہ و برباد ہوئے جنہوں نے جہالت سے اپنی اولاد اپنے ہاتھوں مار ڈالی اور جو کچھ اللہ نے ان کے لئے روزی پیدا کی ہے اسے اللہ پر افتراء پردازی کر کے حرام ٹھہرایا بلاشبہ وہ گمراہ ہوئے اور بلاشبہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے نہ تھے۔ (الانعام ۶ : ۱۳۸، ۱۴۰)

بے دلیل بات کبھی سچی نہیں ہوتی

۲۹۷ علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت ہو جی ہے مطلب یہ ہوا کہ اپنے پاس سے گھڑی ہوئی باتیں جن کی دلیل کتاب و سنت میں نہ ہو۔ پس اس وعید کے تحت صرف کفر ہی نہیں آتا بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہیں اور قرآن کریم نے اس کی بڑی تفصیل کی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ۚ فَهَلۡ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ۝ (النحل ۱۶ : ۳۵)

"اور مشرکوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم یا ہمارے باپ دادا کے سوا دوسری ہستیوں کی پوجا کرتے اور نہ ایسا ہوتا کہ بغیر اس کے حکم کے کسی چیز کو اپنے جی سے حرام ٹھہرا لیتے۔ ایسی ہی روش ان لوگوں کی بھی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں پھر بتلاؤ پیغمبروں کے ذمے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صاف صاف پیام حق پہنچا دیں؟"

Marfat.com

ایک جگہ فرمایا

”جن لوگوں نے شرک کا ڈھنگ اختیار کیا ہے وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ کسی چیز کو اپنی رائے سے حرام ٹھہراتے سو دیکھو اس طرح ان لوگوں نے بھی سچائی کو جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں یہاں تک کہ بالآخر ہمارے عذاب کا مزہ چکھنا پڑا اے پیغمبر اسلام! تم کہو کیا تمہارے پاس اس بارے میں کوئی علم کی روشنی ہے جسے ہمارے سامنے پیش کر سکتے ہو؟ اگر ہے تو پیش کرو۔ اصل یہ ہے کہ تم پیروی نہیں کر رہے مگر محض وہم و اٹکل کی اور تم اپنی باتوں میں اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ بے سوچ سمجھے باتیں بنانے والے ہو۔ اے پیغمبر اسلام! تم کہہ دو اللہ ہی کے لئے پہنچی ہوئی اور پکی دلیل ہے جو اس نے سمجھ بوجھ رکھنے والوں پر واضح کر دی ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دکھا دیتا کیونکہ اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا۔

اے پیغمبر اسلام! ان سے کہو کہ اپنے حکم دینے والوں کو بلاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے سچ مچ کو یہ چیز حرام کر دی ہے پھر اگر بالفرض ان کے جھوٹے گواہ اس کی گواہی بھی دے دیں جب بھی تم ان کے ساتھ ہو کر اس کا اعتراف نہ کرو کیونکہ یہ حقیقت کے صریح خلاف ہے تم ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دوسری ہستیوں کو اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔“ (الانعام ۶ : ۱۴۸، ۱۵۰)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”اور دیکھو اللہ وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے جیسے انگور کی بیلیں اور بغیر اس کے جیسے تناور درخت اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن کے پھل مختلف قسموں کے ہوتے ہیں نیز زیتون اور انار کے درخت صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور ایک دوسرے سے الگ الگ سو اللہ کی اس پیداوار کے پھل شوق سے کھاؤ جب اس میں پھل لگ جائیں اور چاہئے کہ جس دن فصل کاٹو تو اس کا حق یعنی زکوٰۃ بھی دے دیا کرو اور اسراف نہ کرو اللہ انہیں دوست نہیں رکھتا ہے جو اسراف کرنے والے ہیں اور دیکھو اس اللہ نے تمہارے لئے چارپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کر دیئے جیسے اونٹ اور گھوڑا اور کچھ زمین سے لگے ہوئے سو جو کچھ اللہ نے تمہاری روزی کے لئے پیدا کر دیا ہے اسے بلا تامل کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ بلاشبہ تمہارا آشکارا دشمن ہے۔ چارپایوں میں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے آٹھ قسمیں پیدا کی ہیں۔ بھیڑ میں سے دو قسم یعنی نر و مادہ اور بکری میں سے دو قسم نر و مادہ اے پیغمبر اسلام! ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے ان میں سے کس جانور کو حرام کیا ہے؟ دونوں قسموں کے نروں کو یا مادہ کو یا پھر اس بچے کو جسے دونوں قسم کی مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہے؟ اگر تم سچے ہو تو مجھے علم کے ساتھ اس کا جواب دو یعنی اس کی کوئی اصل اور سند پیش کرو۔

Marfat.com

لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو ہدایت نازل کی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں' ہاں! ہم تو اس طریقے پر چلیں گے جس پر اپنے بڑے بوڑھوں کو ۲۹۸

اور دیکھو اسی طرح اونٹ میں سے دو قسمیں ہیں اور گائے میں سے دو قسمیں یعنی نر و مادہ تم ان سے پوچھو کیا ان میں سے نر کو حرام کر دیا ہے یا مادہ کو یا اس کو جو ان دونوں کی مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوتی ہے؟ پھر تم جو بغیر کسی علم و بنیاد کے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کہہ رہے ہو تو کیا تم اس وقت اللہ کے پاس حاضر تھے جب اس نے تمہیں اس بارے میں حکم دیا تھا؟ پھر بتلاؤ اس آدمی سے زیادہ ظلم کرنے والا کون ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ پر افتراء پردازی کرے اور اس کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ ہو؟ بلاشبہ اللہ ان لوگوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا جو ظلم کرنے والے ہیں۔" (الانعام ۶ : ۱۴۱' ۱۴۴)

اللہ کی راہ کے بجائے باپ دادوں کی راہ پر چلنے والے

۲۹۸ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ کرنے کا کام تو یہ ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کے قانون کی اتباع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی رسم کو کبھی نہ چھوڑیں گے۔ اگر ان کی تقلید نہ کی تو خاندان بھر میں ناک کٹ جائے گی۔ حالانکہ اگر ذرا غور سے کام لیتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان رسموں میں نہ تو عقل و دانائی کی کوئی بات ہے اور نہ ان سے کسی شخص کو رشد و ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔ جب وہ خود ہی فہم و تدبر سے محروم تھے تو دوسروں کو ان کی تقلید سے کیا نفع مل سکتا ہے جو لوگ تعلیم قرآن کریم سے اعراض کر کے ان رسوم کی پابندی کا دم بھرتے ہیں وہ ان جانوروں کی طرح ہیں جن کو ایک شخص پیچھے سے آواز دے رہا ہو اور یہ سوائے آواز کے اور کچھ نہ سمجھیں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

"نعق" اس آواز کو کہتے ہیں جس سے چرواہا بکریوں کو بلاتا ہے۔ یہاں ناعق تو خود نبی کریم ﷺ ہیں اور تمام کفار جانور ہیں جو آپ کی آواز سننے کے باوجود اس میں غور سے کام نہیں لیتے۔ قرآن کریم ان کی صداؤں کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭاِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (ھود ۱۱ : ۸۷) "کیا تیری یہ نمازیں جو تو اپنے اللہ کے لئے پڑھتا ہے تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہمیں آکر کہے کہ ان معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تمہارے باپ داد پوجتے رہے ہیں یا یہ کہ تمہیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہو کرو؟ بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو؟"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

Marfat.com

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا

يَهْتَدُوْنَ ۝ ۱۷۰ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ

چلتے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے، اگر تمہارے بڑے بوڑھے عقل سے کورے

اور ہدایت سے محروم رہے ہوں تو تم بھی عقل و ہدایت سے انکار کردو گے؟ ۱۷۰

اور [۲۹۹] حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے ان کی مثال ایسی

"انہوں نے کہا کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہم صرف ایک ہی اللہ کے پجاری ہو جائیں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں؟ اگر تم سچے ہو تو وہ بات لا دکھاؤ جس کا ہمیں خوف دلا رہے ہو؟" (الاعراف ۷ : ۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ عقل و بصیرت کی اس بات کی طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے نیز اللہ کے رسول ﷺ کی طرف رجوع ہو تو کہتے ہیں ہمارے لئے تو وہی طریقہ بس کرتا ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے ان سے پوچھو کہ اگر ان کے باپ دادا جانتے بوجھتے نہ ہوں اور سیدھے رستے پر بھی نہ ہوں تو کیا پھر بھی وہ انہی کی اندھی تقلید کرتے رہیں گے۔" (المائدہ ۵ : ۱۰۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اور جب اس قسم کے لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے۔ کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ ان کو شیطان بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف ہی دعوت کیوں نہ دے رہا ہو۔" (لقمٰن ۳۱ : ۲۱)

جن لوگوں نے اندھی تقلید کی زنجیریں اپنے پاؤں میں ڈال رکھی ہیں جو دنیا کو ان پابندیوں سے آزاد کرنے آئے تھے مگر اب خود ان اغلال و سلاسل کو پہنے ہوئے ہیں جن کے نزدیک فقہ کی چند جزئیات وحی و الہام سے بڑھ کر ہیں۔ جو صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے اماموں کے اقوال کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کے نزدیک بیضاوی و جلالین اور دوسرے مفسرین کے اقوال کو یاد رکھنا ہی سب سے بڑی قرآن دانی اور تفقہ فی الدین ہے۔ جو صرف فقہا و مشائخ کے جزئیات ہی سے استدلال کرنا اپنے لئے مایہ ناز و سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں وہ ان آیات میں غور و فکر کریں اور خالی الذہن ہو کر کریں انشاء اللہ بہت نفع ہو گا۔

Marfat.com

کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کی مثال قرآن کریم میں

۲۹۹؎ ذکر داعی حق کی دعوت حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت دعوت کے رویہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے کہ رسول ہے کہ ان کو پکارتا ہے اور وہ بھی اس کی پکار کو سن رہے ہیں لیکن اس جانور کی طرح جس کے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آ رہے ہیں باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا۔ بس یہی معاملہ یہ منکرین بھی دعوت حق کے ساتھ کر رہے ہیں کہ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں لیکن اس کے معنی اور مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے گویا وہ بہرے ہیں لیکن آواز حق کی طرف سے۔ گونگے ہیں کہ اقرار حق کے لئے ان کی زبان بالکل نہیں کھلتی۔ اندھے ہیں کہ اپنے نفع و نقصان کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ تورات میں بھی موجود ہے :

”وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ ان کی آنکھیں لیپی گئیں سو وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں۔“ (یسعیاہ ۴۴ : ۱۸)

قرآن کریم نے ان کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے جو تعریف آیات کی صورت میں قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

”کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ ان کے پاس دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے۔ کان ہوتے اور سنتے اور پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں جو سروں میں ہیں دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں :“ (الحج ۲۲ : ۴۶)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”اور کتنے ہی جن اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کے کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ چارپایوں کی طرح ہو گئے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔“ (الاعراف ۷ : ۱۷۹)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”آخر اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک بھی ان کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کے پکارنے میں بالکل بے خبر ہیں۔ جب سب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے۔“ (الاحقاف ۴۶ : ۵، ۶)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

”اور وہ لوگ اللہ کی یگانگت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ بڑا ہی سخت اور اٹل ہے۔ اس کو پکارنا سچا پکارنا ہے جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں۔ وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے۔ ان کی مثال

Marfat.com

ایسی ہے جیسے ایک آدمی پیاس کی شدت میں دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ بس اس طرح کرنے سے پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا۔ حالانکہ اس طرح وہ اس کے منہ میں کبھی پہنچنے والا نہیں اور یقین کرو کہ منکرین حق کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹیڑھے رستوں میں بھٹکتے پھرنا ہے۔" (الرعد ۱۳: ۱۳' ۱۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:

"یہ لوگ اللہ کے ساتھ کن ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں؟ ایسوں کو جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود کسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان میں نہ تو اپنی کی طاقت ہے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ نہ اس کی کہ خود اپنی ذات ہی کو مدد پہنچائیں۔ اگر تم سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے قدم نہ اٹھا سکیں اور تم انہیں پکارو یا چپ رہو دونوں حالتوں کا نتیجہ تمہارے لئے یکساں ہو۔

نادانو! تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں (عباد امثالکم) اگر تم اپنے اس وہم میں سچے ہو تو اپنی احتیاجوں میں پکارو تمہاری پکار کا جواب دیں۔

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں؟ ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں؟ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں؟ اے پیغمبر اسلام! ان لوگوں سے کہو کہ اگر وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو انہیں پکار لو پھر میرے خلاف مخفی تدبیریں کر ڈالو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو پھر دیکھو کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ میرا کارساز تو بس اللہ ہے جس نے یہ کتاب یعنی قرآن کریم نازل فرمایا اور وہی ہے جو نیک انسانوں کی کارسازی کرتا ہے۔" (الاعراف ۷: ۱۹۱ تا ۱۹۶)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اس اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ ذرہ بھر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور اگر سن بھی لیں تو اس کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور وہ قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے اور حقیقت حال کی صحیح خبر تمہیں خدائے خبیر کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔"

(فاطر ۳۵: ۱۳' ۱۴)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"جس روز اللہ سب انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کہ یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے تیری ذات پاک ہے ہمارا کارساز تو ہے نہ کہ یہ لوگ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان کی اکثریت انہی پر ایمان رکھتی تھی۔ پس آج تم میں سے کوئی نہ کسی کو فائدہ پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان کا اور ہم ظالموں سے کہہ دیں گے کہ اسی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔" (سباء ۳۴: ۴۱' ۴۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"یہ لوگ نہ تو زمین میں اللہ کو عاجز کر دینے والے تھے۔ نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز تھا۔ انہیں دوگنا

Marfat.com

يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہے جیسے ایک چرواہا چارپایوں کے پیچھے چیختا چلاتا ہے اور چارپائے کبھی بھی نہیں سنتے مگر صرف بلانے اور پکارنے کی صدائیں۔ وہ بہرے ‘گونگے ’ اندھے ہو کر رہ گئے پس کبھی سوچنے سمجھنے والے نہیں۔ ۱۷۱

مسلمانو! نمبر۳۰۰ اگر تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہو تو وہ تمام پاکیزہ چیزیں بے

عذاب ہوگا کیونکہ ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ایسی تھی کہ نہ تو حق بات سن سکتے تھے اور نہ ہی حقیقت کی روشنی پر نظر تھی۔ یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانیں تباہی میں ڈالیں اور زندگی میں جو کچھ حق کے خلاف افترا پردازیاں کرتے رہے وہ سب آخرت میں ان سے کھوئی گئیں۔" (ھود ۱۱: ۲۰'۲۱)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اور دیکھو جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ان سب کو اپنے حضور اکٹھا کریں گے اور پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شریک کیا ہے کہیں گے تم اور وہ سب جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا اپنی جگہ سے نہ ہلو۔ اور پھر ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے سے انہیں الگ الگ کر دیں گے تب وہ ہستیاں جنہیں اللہ کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے کہیں گی۔ یہ بات تو نہ تھی کہ تم ہماری پرستش کرتے تھے۔ آج کے دن ہم میں اور تم میں اللہ کی گواہی بس کرتی ہے وہ جانتا ہے کہ تمہاری پرستاریوں سے ہم یک قلم بے خبر تھے۔ بس اس دن ہر آدمی جانچ لے گا کہ جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اس کی حقیقت کیا تھی۔ سب اللہ کے حضور کہ ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور حقیقت کے خلاف جس قدر افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں سب ان سے کھوئی جائیں گی۔" (یونس ۱۰: ۲۸'۳۰)

مسلمانوں کو حلال و طیب کھانے کی ہدایت

نمبر۳۰۰ آیات مذکورہ میں جیسے حرام کھانے کی ممانعت کی گئی ہے اسی طرح حلال و طیب چیزوں کے کھانے اور اس پر اللہ کا شکر گزار ہونے کی ترغیب بھی ہے کیونکہ جس طرح حرام کھانے سے اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ عبادت کا ذوق جاتا رہتا ہے۔ دعا قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح حلال کھانے سے ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ دلی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ اخلاق رذیلہ سے نفرت اور اخلاق فاضلہ کی

Marfat.com

كُلُوا مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝١٧٢ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ

کھٹکے کھاؤ جو اللہ نے تمہاری غذا کے لئے مہیا کر دی ہیں اور اسی کی نعمتیں کام میں لا کر اسی کی بخششوں کے شکر گزار ہو جاؤ۔ ۱۷۲

اور اللہ نے جو چیزیں (۳۰۱) تم پر حرام کر دی ہیں وہ یہ ہیں کہ مردار جانور، حیوانات کا

رغبت پیدا ہوتی ہے۔ عبادت میں دل لگتا ہے۔ گناہ سے دل گھبراتا ہے۔ دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے سب رسولوں کو خصوصاً ہدایت فرمائی ہے کہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا صَٰلِحًا اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو اس میں بھی اشارہ ہے کہ نیک عمل کرنے میں رزق حلال کو بڑا دخل ہے۔

ایک مسلمان جس نے اپنی ہر چیز خداوند قدوس کے نام پر قربان کر دی ہو۔ لذت طعام و شرب ہی کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنا سکتا۔ بلکہ وہ بہترین چیزیں کھائے اور اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا اور کسی کے آگے اس کی گردن نہ جھکے۔ پاکیزہ چیزیں تو بہت کثرت سے ہیں اس لئے صرف ان اشیاء کو بیان کر دیا جاتا ہے جن کا استعمال ممنوع و ناجائز ہے۔ اور فرمایا کہ جن چارپایوں کا گوشت عام طور پر کھایا جاتا ہے وہ سب حلال ہیں مگر چار چیزیں۔

جن چار چیزوں سے روکا گیا ہے وہ کون کونسی ہیں؟

۳۰۱ جن جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت ہے ان جانوروں میں سے اگر کوئی بغیر ذبح کئے مر گیا تو اس کا گوشت حرام ہوگا اور اس کو اردو زبان میں مردار کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ مردار حرام ہے۔ یہ قید جو لگائی گئی کہ "جن جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت ہے" کا مطلب ہے کہ کچھ جانور ایسے بھی ہیں جو بغیر ذبح کئے کھائے جا سکتے ہیں جیسے مچھلی اور ٹڈی۔ اور انہی اقسام میں سے اور چیزیں بھی ہیں جن کو دوسرے ناموں سے پکارا جاتا ہے جیسے جھینگا وغیرہ اصل اس کی یہ ہے کہ ان کا تعلق ان جانوروں سے ہے جن میں بہنے والا خون موجود نہیں۔ اسی خون کو جسم سے نکالنا ضروری ہے جس کی شناخت یہ ہے کہ یہ خون بہہ کر نکلتا ہے۔ ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ یا سات لڑائیاں لڑیں اور ان ایام میں ہم ٹڈی کھاتے رہے۔ مردار کی حرمت پر یہود و نصاریٰ بھی متفق ہیں اگرچہ کھانے کو وہ اب کھا جاتے ہوں چنانچہ آج بھی

Marfat.com

تورات کے اندر موجود ہے۔

"اور جو کوئی کسی حیوان کو جو از خود مر گیا ہو یا اسے درندے نے پھاڑا ہو کھائے تو وہ شخص خواہ وہ تمہارے دیس کا ہو خواہ پردیس کا وہ اپنے کپڑے دھولے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے تب وہ پاک ہوگا۔" (احبار ۱۷: ۵)

ہر قسم کا خون حرام ہے لیکن شارع علیہ السلام نے جگر اور تلی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ویسے قرآن کریم نے جس خون کو حرام قرار دیا ہے اس کی خود ہی دوسری جگہ تشریح فرما دی ہے کہ اس سے وہ خون مراد ہے جو بہنے والا ہے۔ اور تلی اور جگر تو بہنے والے خون ہی نہیں ہیں۔ اس کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے :

"اور تم کسی پرندے اور چرندے کا کچھ لہو اپنے سب مکانوں میں نہ کھائیو اور جو انسان کسی خون میں سے کھائے گا وہ اپنی قوم سے کٹ جائے گا۔" (احبار ۷: ۲۶، ۲۷)

تیسری چیز قرآن کریم نے "لحم الخنزیر" بتائی ہے۔ اگرچہ صراحت کے ساتھ حرمت لحم خنزیر ہی کی آئی ہے لیکن فقہاء امت کا اجماع ہے کہ سور کا صرف گوشت ہی نہیں بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال سب ہی حرام ہیں۔ اور لحم کی تصریح تو اس لئے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہے اور جب گوشت کہہ دیا تو باقی چیزیں اس کی تابعیت میں خود بخود آگئیں۔ اس کے متعلق تورات میں بھی ہے کہ :

"سور کا گوشت اور سور کا کھر اس کے دو حصے ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہوا ہے لیکن وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔" (احبار ۱۱: ۱۷)

اور چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ جانور کبھی حلال نہ ہوگا جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے یا اس کے لئے نامزد کیا گیا ہو اور اس حرمت میں صرف جانور ہی داخل نہیں ہیں بلکہ ہر نذر و نیاز جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر کی جائے خواہ وہ کسی کے نام پر کی جائے، خواہ کوئی کرنے والا ہو یہ سارا مفہوم "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں پایا جاتا ہے۔ بطور بھینٹ کوئی جانور ذبح کیا جائے تو اگرچہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو مگر وہ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہو کر حرام ہو جائے گا درمختار میں ہے کہ اجمع العلماء لو ان مسلم ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتدا و ذبيحة ذبيحة مرتد۔ جمہور علماء کی رائے ہے کہ اگر ایک مسلمان غیر اللہ کے تقرب کی خاطر جانور ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جائے گا۔

مسلم شریف میں ہے لعن الله من ذبح لغير الله اس شخص پر اللہ کی لعنت جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی سے دریافت کیا گیا کہ "گاؤ یا بز یا مرغ بنام کدام شہید یا ولی ذبح نماید چہ حکم است؟" انہوں نے فرمایا "ذبح کہ آں جانور بنام غیر خداوند خواہ پیغمبر باشد خواہ ولی خواہ شہید خواہ غیر انسان حرام است و اگر قصد تقرب بنام اینها ذبح کردہ باشد بہیچ آن جانور ہم حرام و مردار می شود و ذبح کنندہ مرتد می شود، توبہ ازیں فعل منع لازم است۔"

Marfat.com

یہ تو علماء اسلام کا بیان ہے اگرچہ انہوں نے بھی یہ بات کتاب و سنت سے براہ راست سمجھی ہے۔ اس لئے ہم کو چاہئے قرآن کریم سے پوچھیں کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی مزید وضاحت کرتا ہے یا نہیں چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ○ (المائدہ ۵ : ۸۷، ۸۸)

"مسلمانو! اللہ نے جو اچھی چیزیں تم پر حلال کر دی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور روک ٹوک میں حد سے نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزر جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ نے تم کو رزق دے رکھا ہے اس میں سے اچھی اور حلال چیزیں بلا تامل کھاؤ اور اللہ کی نافرمانی کے نتائج بد سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"اے پیغمبر اسلام! تم کہہ دو جو وحی مجھ پر کی گئی ہے میں اس میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا کہ کھانے والے پر اس کا کھانا حرام ہو بجز اس کے کہ مردار ہو۔ یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ گندگی ہیں یا پھر جو چیز گناہ کا موجب ہے کہ غیر اللہ کا نام اس پر پکارا گیا تو بلاشبہ وہ بھی حرام ہے اور اگر کوئی آدمی حلال چیز نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور مقصود اس کا نافرمانی نہ ہو اور نہ ہی حد ضرورت سے گزر جانا اور وہ جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں سے کچھ کھالے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار بھی ہے بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اور یہودیوں پر جو ہم نے ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان کی چربی بھی حرام کر دی تھی مگر وہ چربی نہیں جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں میں ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی سزا دی تھی یہ بات نہیں کہ یہ چیزیں فی نفسہ حرام ہوں اور بلاشبہ ہم یہ بیان کرنے میں بالکل سچے ہیں۔" (الانعام ۶ : ۱۴۵، ۱۴۶)

ایک جگہ ارشاد الٰہی اس طرح ہے:

"اللہ کا رسول یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پسندیدہ چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اس بوجھ سے ان کو نجات دلاتا ہے جن کے نیچے وہ ایک عرصہ سے دبے ہوئے تھے۔ ان پھندوں سے ان کو نکالتا ہے جن میں گرفتار تھے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کی مخالفت کے لئے وہ روک ہوئے راہ حق میں اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے پیچھے ہو لئے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں۔" (الاعراف ۷ : ۱۵۷)

ایک جگہ ارشاد ہوا:

Marfat.com

"پس چاہئے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اسے شوق سے کھاؤ۔ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور ساتھ ہی چاہئے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بجا لاؤ۔ اگر فی الحقیقت تم صرف اسی کے پجاری ہو۔ جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ مردار جانور' لہو' سور کا گوشت اور وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے لئے پکارا جائے۔ پھر جو کوئی حلال غذا نہ ملنے کی وجہ سے ناچار ہو جائے اور نہ تو حکم الٰہی سے سرتابی کرنے والا ہو نہ حد سے تجاوز کر جانے والا اور وہ اگر جان بچانے کے لئے کھا لے تو اللہ بخشنے والا رحمت کرنے والا ہے۔"

اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آجائے بے دھڑک نکال دیا کرو اور اپنے جی ہی سے حکم لگا کر کہو کہ یہ چیز حلال اور یہ چیز حرام ہے۔ اسی طرح حکم لگانا اللہ پر افتراء پردازی کرنا ہے اور یاد رکھو جو لوگ اللہ پر افتراء پردرازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں۔" (النحل ۱۶ : ۱۱۴' ۱۱۷)

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"مسلمانو! تم پر یہ چیزیں حرام کر دی گئیں۔ مردار۔ خون۔ سور کا گوشت اور وہ چیز جو غیر اللہ کے نام پر پکاری جائے وہ جانور جو گلا گھونٹ کو مارا گیا ہو۔ چوٹ لگا کر مارا ہوا۔ جو بلندی سے گر کر مر جائے۔ وہ جو کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے وہ جسے درندہ پھاڑ کھائے۔ مگر ہاں وہ حرام نہیں ہے جسے تم اس کے مرنے سے پہلے ذبح کر لو۔ اور وہ جانور جو کسی تھان پر چڑھا کر ذبح کیا جائے۔ اور یہ بات بھی کہ کسی جانور کا گوشت یا کوئی اور چیز بطور جوئے کے تیروں کے پانسوں سے آپس میں تقسیم کرو جیسا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے یہ نہایت ہی گندی بات ہے۔ مسلمانو! جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی وہ آج تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔ پس ان سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو اور میرے حکم کی تعمیل کرو آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔" (المائدہ ۵ : ۳)

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

"پس گمراہوں کے وہم و گمان کی پیروی نہ کرو اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے بلا تامل کھاؤ اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور تمہارے لئے کون سی بات روکنے والی ہے کہ جس جانور پر ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام لیا گیا ہے اسے نہ کھاؤ حالانکہ جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے اللہ نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ہاں مجبوری کی حالت تمہیں جو کچھ کھلا دے وہ اس سے مستثنیٰ ہے اور بہت سے لوگ ہیں جو بغیر علم کے محض اپنی نفسانی خواہشوں سے طرح طرح کی باتیں نکال کر لوگوں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ اے پیغمبر اسلام! یقین جانو کہ تمہارا رب انہیں اچھی طرح جانتا ہے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

اور دیکھو ظاہری گناہ ہو یا چھپا ہوا گناہ ہر حال میں گناہ کی باتیں ترک کرو جو لوگ گناہ کماتے ہیں وہ انسانوں کی نگاہ سے کتنا ہی چھپ کر کریں لیکن جو کچھ کرتے رہے ہیں لازمی ہے کہ بدلہ پائیں گے۔ اور جس

Marfat.com

وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝۱۷۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

خون' سور کا گوشت اور سب چیزیں جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کے نام پر پکاری جائیں۔ ہاں! اگر ایسی حالت پیش آجائے کہ ایک آدمی کو حلال غذا میسر نہ آئے اور وہ بحالت مجبوری کھالے وہ شریعت کی پابندیوں سے نکل نہ جانا چاہتا ہو اور اتنی ہی مقدار استعمال کرے جس سے زندگی کی رمق باقی رہے تو یہ اس کی مجبوری ہے اور مجبور آدمی کے لئے کوئی گناہ نہیں ہوگا بلاشبہ اللہ بخش دینے والا اور تمہارے لئے رحمت رکھنے والا ہے۔ ۱۷۳

جو لوگ ۳۰۲ ان احکام کو جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں چھپاتے ہیں اور

جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ اس میں سے کھانا البتہ نافرمانی کی بات ہوگی اور دیکھو شیطان تو اپنے ساتھیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ تم سے کج بحثی کریں اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو پھر سمجھ رکھو تم بھی شرک کرنے والے ہوئے۔" (الانعام ۶ : ۱۱۸' ۱۲۱)

حقیقت یہ ہے کہ انسان بالطبع آزاد پیدا کیا گیا ہے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا اور نذر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنی آزادی دوسرے کی خاطر بیچ رہا ہے۔ حالانکہ یہ حق صرف اللہ کے لئے مخصوص تھا۔ اللہ تعالیٰ غیور ہے وہ کبھی اس بات کو پسند نہیں کر سکتا کہ اس کا بندہ کسی اور سے بھی تعلق بندگی رکھے۔ اسی لئے کوئی مسلمان ایسے جانور کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ آج کل پیروں اور بزرگوں کے لئے جس قدر منتیں مانی جاتی ہیں سب اسی حرمت میں داخل ہیں۔ اضطراری حالت میں ان چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے مگر اس میں دو شرطیں لازم کر دی گئیں ہیں۔ انسان خود اس کی خواہش اور آرزو نہ کرے۔ قانون توڑنا اس کا مقصد نہ ہو اور کھاتے وقت اپنی ضرورت سے تجاوز نہ کرے ایسی صورت میں اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور یہ اس کی رحمت ہے کہ گناہ کی چیز سے اضطراری حالت میں گناہ اٹھا لیا اور اللہ سے بڑھ کر کون انسان سے پیار کرنے والا ہے۔

Marfat.com

الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٧٤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اس کے بدلے دنیا کے حقیر فائدے خریدتے ہیں تو یقین کرو یہی وہ لوگ ہیں جو آگ کے انگاروں سے اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز یہ اللہ کے خطاب سے محروم رہیں گے۔ وہ انہیں معاف کر کے گناہوں سے ہرگز پاک نہیں کرے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب میں مبتلا ہونا ضروری ہو گیا ہے۔ ۱۷۴

اللہ کے نازل کردہ احکامات کو چھپانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے

۳۰۲؎ یہود کی طرف اشارہ ہے جو اپنے ہاں کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے اور اس اخفاء و کتمان سے ان کا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ "ثمنا" "قلیلا" سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ اس سے مراد محض دنیوی معاوضہ ہے کیونکہ دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو ہمیشہ قلیل ہی ہو گا۔ یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی الٰہی ان کی معصیت اکل حرام سے بھی کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اس لئے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی۔

قیامت کے دن اللہ کا ان سے کلام نہ کرنا طریق عتاب ہو گا۔ قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو ان کی انتہائی خوش قسمتی ہو گی اور اس سے محرومی ان کی انتہائی بد نصیبی۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ ان بنیادی اصول و عقائد کو تمام دنیا میں پھیلا دیں تاکہ لوگ خانگی زندگی میں قدم رکھتے ہی صراط مستقیم پر چلنے لگیں اور شرک و بدعت سے پرہیز کریں لیکن فی زمانہ اکثر علماء و مشائخ ان تعلیمات صالحہ کی نشر و اشاعت نہیں کرتے اور مذہبی پیشوا ہو کر ان حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایسا کر کے اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ کبھی بھی اس بداخلاقی کے نتائج فاسدہ سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ ایسے علماء کو بھی کبھی اللہ سے شرف ہم کلامی نصیب نہ ہو گا اور نہ ہی ان کے نیک کام ان کی غلطیوں کا کفارہ بن سکیں گے۔ عذاب کی یہ سختی صرف اس لئے ہے کہ کتاب تو عین ضرورت کے مطابق نازل کی گئی مگر انہوں نے اس کی شرح و تفسیر میں اختلافات پیدا کر دیئے اور اب کوئی شخص اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ایسا کرنے میں وہ بھی راہ حق و

Marfat.com

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ

یہی لوگ ہیں[٣٠٣] جنہوں نے گویا ہدایت بیچ کر گمراہی خرید لی اور مغفرت کے بدلے عذاب کا سودا کیا۔ یعنی برائی کی راہ میں ان کا کیا ہی حوصلہ ہے؟ اور جہنم کی آگ کے لئے ان کی برداشت کیسی سخت برداشت ہے۔ ١٧٥

یہ اس لئے[٣٠٤] ہوا ہے کہ اللہ نے کتاب یعنی توراۃ سچائی کے ساتھ نازل کر دی تھی

صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب حاصل کرنے والے یہی لوگ ہیں

٣٠٣ ہدایت کے بدلے گمراہی کا تعلق تو اس دنیوی زندگی سے ہے اور "ما" کلمہ تعجب ہے کہ اپنی ان حرکتوں کے ہولناک ثمرے اور دہشت ناک نتیجے معلوم ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی یہ شوخ چشمی! اور عذاب جو مغفرت کے بدلے میں ہوا اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے یعنی لازمی نتیجہ عدم ایمان کا یہ ہو گا کہ آخرت میں مغفرت کے بدلے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ دوسری جگہ اس کے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ:

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۞ وہ کہیں گے کہ ہم تو خود ہی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں خواہ جھیل لیں خواہ روئیں پیٹیں ہمارے لئے دونوں حالتیں برابر ہو گئیں۔ ہمارے لئے آج کسی طرح کا چھٹکارا نہیں۔

کتاب الٰہی کے نزول کے بعد تفرقہ بازی ہدایت نہیں گمراہی ہے

٣٠٤ اللہ کا کلام تو سراسر سچائی ہی سچائی ہے پھر نزول کتاب کے بعد بھی یعنی سچائی نازل ہو جانے کے بعد پھر اختلاف اور الگ الگ راہوں کا اختیار کرنا خواہ مخواہ اپنے اغراض کے لئے اپنی آسمانی کتاب میں جھگڑے نکال کھڑے کرنا گمراہی ہی گمراہی ہے اس لئے کہ سچ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے پھر سچ میں اختلاف کیوں کر ہو گا۔ تعلیمات الٰہی میں کمال وضوح کی بنا پر اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔

"فی شقاق بعید" یعنی بھٹک کر حق و صداقت سے بہت ہی دور جا پڑے ہیں۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ یہ غفلت ان میں اس سے پیدا ہو گئی ہے کہ اللہ کے سچے کلام میں انہوں نے ازراہ نفسانیت خواہ مخواہ

Marfat.com

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۱۷۶ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اور کچھ لوگوں نے کتاب الٰہی کے نازل ہو جانے کے بعد بھی الگ الگ راہیں اختیار کی ہیں تو وہ تفرقہ و مخالفت کی دور دراز راہوں میں کھوئے گئے ہیں۔ ۱۷۶

نیکی اور[۳۰۵] بھلائی صرف یہی نہیں ہے کہ تم نے خاص عبادت میں اپنا منہ مشرق کی

اختلاف کیا اور اس لئے اور زیادہ بھٹک گئے۔ آج مسلم قوم کو خود اپنا تجزیہ کرنا چاہئے صرف علماء پر انحصار نہ رکھنا چاہئے۔ وہ کونسی جگہ ہے جہاں سے اختلاف کی آواز نہیں آتی۔ اور وہ کون سا مقام ہے جہاں فرقہ بندی اور گروہ بندی کی صدائے بازگشت سنائی نہیں دیتی۔ کہاں سے عقل و فکر کی دعوت کی آواز اٹھتی ہے؟

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو شخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے وہ جو مال بھی وصول کرے گا وہ اگرچہ فی نفسہ حلال ہو تاہم وہ حلال مال بھی اس کے لئے حرام ہے۔ گویا وہ اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھر رہا ہے کیونکہ اس عمل کا انجام یہی ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے اگرچہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہ ہوتا ہو۔ مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں اس کے سامنے آجائے گا۔

نیکی اور بھلائی کی پہچان کہ وہ کیا ہے؟

۳۰۵ ظہور اسلام سے قبل دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ سمت پرستی ہوتی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، دیویوں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہوگئی تھی اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت مثلاً مشرق مقدس ہے اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے۔ قرآن کریم یہاں شرک کی اس خاص صورت کی تردید کر رہا ہے اور ارشاد کر رہا ہے کہ کسی جہت میں کیا تقدس رکھا ہوا ہے؟ اور کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں ہے۔ اور خصوصاً طاعت (البر) سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلام نے ظاہر ہے کہ نماز کے لئے کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کی ہے۔ اس نے تو صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے اسے قبلہ توجہ ٹھہرایا ہے خواہ وہ کسی سمت میں پڑ جائے۔ نہ کسی سمت یا طرف کی اس میں خصوصیت ہے اور نہ ہی بیت اللہ کی پرستش کے لئے اس کی طرف منہ کیا جاتا ہے جو شخص قبلہ کی

Marfat.com

پرستش کے لئے ایسا کرے گا وہ مشرک ہی ہوگا اور اس کے مشرک ہونے میں کیا شبہ رہ جائے گا۔ کوئی مسلمان بھی بیت اللہ کی پرستش کا قائل نہیں ہے قبلہ کو ایک جہت یا طرف مقرر کرنا خالصتہ" انتظامی معاملہ ہے جو گویا قومی یک جہتی کی علامت ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

چنانچہ آپ مشاہدہ کر کے کبھی دیکھیں تو حقیقت آپ پر بالکل واضح ہو جائے گی کہ کعبہ مصر' طرابلس و حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے۔ ہند و پاک' افغانستان اور چین سے مغرب میں شام و فلسطین اور مدینہ سے جنوب میں۔ یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں۔ اس لحاظ سے آپ خود غور کریں کہ کسی سمت کی کیا خصوصیت رہی؟ علاوہ ازیں جو کچھ ہے اور جہاں کہیں بھی ہے وہ سب جہالت ہی جہالت ہے دین اسلام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قطب ستارہ کا احترام۔ بغداد کا احترام وغیرہ کہ ان کی طرف ٹانگیں نہ ہوں۔ ان کی طرف قضائے حاجت میں رخ نہ ہو اور اسی طرح کی دوسری باتیں سب جہالت کی رسوم ہیں۔

سورہ بقرہ کے شروع میں صرف ذکر' شکر' صبر اور دعا پر زور دیا گیا تھا کہ انفرادی طور پر تہذیب و شائستگی کے لئے یہی صفات حسنہ کافی تھیں۔ جب ترقی کر کے ایک قدم آگے رکھا تو فرائض میں بھی گویا اضافہ ہوگیا اس کو اس طرح سمجھ لو کہ ابتدائی جماعتوں میں کتابیں کم ہوتی ہیں اور طالب علم پر بھی ذمہ داری کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ ثانوی تعلیم کے لئے کسی درس گاہ میں داخل ہوگا تو اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جائیں گی۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلاں کے لئے تو صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لینا یکجہتی کی علامت کے طور پر کافی تھا مگر اب صرف اس پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا بلکہ فرائض میں اضافہ ہو جائے گا لیکن تہذیب اخلاق کے لئے جن امور کو ضروری قرار دیا گیا تھا وہ اب بھی بدستور ثابت و قائم رہیں گے۔

اب کہا جا رہا ہے کہ تم اپنے اندر خرچ کرنے کی عادت پیدا کرو اور مال و دولت کی محبت پر غالب آؤ۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا "ای الصدقة اعظم درجة" اجر و ثواب کے اعتبار سے بہترین صدقہ کس قسم کا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا "ان تصدق وانت صحیح و شحیح تخشی الفقر و تامل الغنی ولا تمهل حتی اذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا ولفلان کذا وقد کان فلان۔" ایسے وقت میں تو صدقہ کرے کہ تندرست و توانا ہو۔ مال کی محبت دل میں اور فقر کا اندیشہ دماغ میں ہو۔ اگر جان کنی کے وقت خیرات کرنی شروع کی تو اس کا کچھ فائدہ نہیں یعنی مرتے وقت یہ کہے کہ یہ فلاں کو دے دینا یہ فلاں کو دے دینا۔ اس لئے کہ اس وقت وہ خود فلاں ہونے والا ہے۔ اور جب یہ فلاں ہوگا تو مال خود بخود تقسیم ہو جائے گا۔

مال کی تقسیم کرنے کی ترغیب کے بعد ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان صدقات و خیرات کے مستحق سب سے پہلے تمہارے عزیز و رشتہ دار ہیں کہ حمیت و عصبیت قومی کی وجہ سے وہ تمہارے دست و بازو بن جائیں گے۔ جہاں تمہارا پسینہ گرے گا وہ اپنا خون بہانے کو تیار ہو جائیں گے۔ قرآن کریم نے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی ہے فرمایا "وات ذا القربی حقه" دیکھو جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں ان کا حق

Marfat.com

ادا کرو (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶)

"علی حبہ" فرما کر مزید یہ اطلاع کر دی کہ اپنے مال کو خرچ کرتے وقت اصل مدعا اللہ کی رضا ہونی چاہئے جب مال اللہ کی محبت میں خرچ کیا جائے گا تو یہی اس کی رضا ہے۔ گویا بتا دیا کہ صرف مال فی نفسہ ہرگز محمود و مطلوب نہیں مطلوب و مقصود صرف، صرف وہ مال ہے جو اللہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کی طلب کے لئے اور اللہ ہی کے دین کے فروغ کے لئے ہو۔ دوسرے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ صرف مال مال کی محبت کے باوجود ہو یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے لفظ قریب مال کو قرار دیا گیا ہے۔ اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی کہ مال و زر کی محبت اور قدر اس کے دل میں ہے۔ خواہشیں اس کی زندہ ہیں۔ اپنی ذات پر، اپنے محبوبات پر اور مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے اپنی ذاتی خواہشات کو دبا دیتا ہے اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ عمل اس پر کرے گا جو حکم ربانی ہے اور خرچ وہیں کرے گا جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔

غور کرو کہ مصارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دے دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آگیا ہے۔ مالی اعانت سب سے پہلے عزیزوں، غریبوں کی کرنا چاہئے یہ نہ ہو کہ ایک بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن کو جھونپڑی بھی نصیب نہیں۔ چچا کے پاس کاریں اور ہوائی جہاز ہوں اور بھتیجے کو تانگہ کا کرایہ بھی میسر نہ آئے۔ ہر زر دار کو سب سے پہلے خبر گیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبیوں کی کرنا چاہئے اور اس کے بعد نمبر محلہ، بستی اور شہر کے یتیم بچوں، بچیوں کا آتا ہے جن کا کوئی والی وارث یا سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔

فرمایا کہ ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق بھی ہیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا: فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (الروم ۳۰: ۳۸)

"سو اے مخاطب! تو قرابت داروں کا حق ادا کیا کر۔ اور مسکین و مسافر کا بھی یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو رضائے الٰہی کے طلب گار ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

حدیث شریف میں اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ دیکھو مسکین کو خیرات دینا صرف صدقہ ہی ہے مگر ایک رشتہ دار کو خیرات دینے میں دو حیثیتوں سے ثواب ملے گا جو یقیناً دوہرا ہی ہوگا ایک صدقے کے اعتبار سے اور دوسرا صلہ رحمی کی بنا پر۔

"یتمٰی" وہ ہیں جن کا کوئی نگران کار نہیں۔ اگر ان کی تعلیم و تربیت کا خیال نہ کیا گیا تو ناتربیت یافتہ کی کثرت قوم کو برباد کر دے گی اور ان کی تھوڑی سی مدد نہایت ہی مفید نتائج پیدا کرے گی سورۃ الضحیٰ میں ارشاد فرمایا "اما الیتیم فلا تقھر" یعنی یتیم کو مت ڈانٹ ڈپٹ۔ مبلغین اور دعوت حق دینے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی قوم کے یتامیٰ کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ تھوڑی سی تربیت بے انتہا مفید ثابت

Marfat.com

ہوگی۔ ادھر لڑائیوں کی وجہ سے جس قدر یتامی ہوں گے قوم کے لئے بار دوش ثابت ہونے کی بجائے بہترین افراد بن جائیں گے۔ ان اسرار و مصالح کی بنا پر حامل نبوت نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والے اس طرح اکٹھے ہوں گے جیسے یہ میری دو انگلیاں آپ اکٹھی دیکھ رہے ہو۔ اور یہ کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں جدا جدا نہیں ہو سکتیں کہ نیچے سے ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اسی طرح وہ بھی میرے سے الگ نہیں ہوں گے۔

ان کے علاوہ مساکین' مسافر اور سائل ہیں۔ مسکین سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی حاجت دوسروں کے پاس نہ لے جاتا ہو اور اس کے ظاہری حالات فقر و تنگ دستی کا اظہار کرتے ہیں جس کو ہماری زبان میں سفید پوش کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ بلکہ دیکھنے والوں کو اس کے دولت مند ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ :

لیس المسکین الذی تردہ تمرۃ والتمرتان واللقمۃ واللقمتان ولکن المسکین الذی لا یجد غنی یغنیہ ولا یفطن لہ فیتصدق علیہ ---- مسکین وہ نہیں ہے جو در بدر بھیک مانگتا پھرتا ہے بلکہ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس اتنا سامان نہیں کہ اپنی ضروریات پوری کر سکے اور نہ لوگوں کو اس کی خبر ہے کہ صدقات و خیرات ہی کا مستحق سمجھا جائے۔

مساکین کے بعد درجہ بدرجہ غیر امت کے عام مفلسوں' محتاجوں اور پھر ان مسافروں' راہ گیروں کا آتا ہے جو زاد راہ سے محروم ہیں اور اپنے ضروری سفروں سے بھی محروم رہ جاتے ہیں پھر فرمایا کہ گردنوں کے آزاد کرنے میں بھی روپیہ صرف کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ عام مفسرین نے اس کے معنی صرف غلاموں کے آزاد کرنے تک محدود کر دیئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا مطلب عام ہے اور اس کی عمومیت میں نہ صرف غلام ہیں بلکہ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو قرض لے کر سود در سود میں مبتلا ہیں پھر اس سے بھی بڑھ کر اس کا اعلیٰ ترین مفہوم یہ ہے کہ ایک مسلمان جب شہید علی الناس کی فضیلت کبریٰ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ دنیا کی ہر غلام و محکوم قوم کو آزاد کر کے اس کو حق آزادی نوازش کرے اور یہ حق صرف مسلمان ہی کو پہنچتا ہے۔ اسی کو سورہ بلد میں مشکل ترین گھاٹی سے تعبیر کیا گیا ہے "فک رقبۃ (۹۰ : ۱۳) اور پھر اس سے سیاسی آزادی ہی مراد نہیں بلکہ تمدنی' اخلاقی' عمرانی' اجتماعی اور علمی سب افراد غلامی اس میں شامل ہیں اور سب کو آزاد کرنا فرزندان اسلام کا فرض ہے۔

پھر فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ اوروں کو تیار کرتے کرتے اپنے آپ کو بھول جاؤ اور روپیہ خرچ کرنے پر قناعت کر بیٹھو بلکہ خود بھی نماز اور زکوٰۃ کے پابند رہو تاکہ جانی و مالی قربانی کی مشق ہوتی رہے۔ اس کے ساتھ پابندی عہد ضروری ہے ورنہ دوسروں کو تمہارے عہد و پیمان پر اعتماد نہ ہو گا۔ قرآن کریم نے ایفائے عہد پر بے انتہا زور دیا ہے ایک جگہ فرمایا گیا : وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون ۲۳ : ۸) وہ لوگ کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کو پاس رکھتے ہیں۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

Marfat.com

قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ

طرف یا مغرب کی طرف کر لیا۔ نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر اور اللہ کے تمام فرستادوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیتے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اپنی بات کے پکے ہوتے ہیں جب قول و قرار کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں، تنگی و مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں صبر کرنے والے اور

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷ : ۳۴) اور اپنا عہد پورا کیا کرو عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی۔ فرمایا مصیبت اور تنگ دستی میں کہ اصل تعلق مالی پریشانی سے ہے۔ بیماری کی تکلیفوں میں جن کا تعلق جسمانی آزار ہے اور جنگ کے وقت دشمنان دین کے مقابلہ میں ثبات و صبر کے ظاہر کرنے اور جوہر سیرت و مردانگی کی چمک دکھانے کے یہ تین مواقع ایک مومن کے لئے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کی ہر آیت بجائے خود معظم، محترم اور واجب العمل ہے لیکن اس آیت کے باب میں تو حدیث نبوی ﷺ میں یہاں تک صراحت موجود ہے کہ من عمل بهذه الاية فقد استكمل الايمان یعنی جس

Marfat.com

الْبَأْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ

سیدھی راہ میں ثابت قدم ہوتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہوئے اور یہی ہیں جو صحیح معنوں میں برائیوں سے بچنے والے ہیں۔ ۱۷۷

اے مسلمانو! جو لوگ قتل کر دیئے جائیں ان کے لئے تمہیں قصاص یعنی بدلہ

نے اس آیت پر عمل کر لیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا اور محققین نے کہا ہے کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اس کے اندر دین و شریعت کے سولہ احکامات آگئے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے بیان ہوتی رہے گی۔

قانون فوجداری کی شق اول کا ذکر

۳۰۶ قصاص کے اصل معنی ہیں "تتبع الدم بالقود" یعنی خون کا پیچھا کرنا اس طرح پر کہ قاتل کو قتل کیا جائے۔ اور ایک حدیث کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ "من قتل عمدا فھو قود" یعنی جس شخص نے عمداً قتل کیا اس شخص کو مقتول کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔ پس قصاص فی القتلی یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہے اسے قتل کیا جائے۔ اب قصاص کا مطلب سمجھ میں آجانے کے بعد پوری آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔

زیر نظر آیت میں مقتول کے بارے میں قصاص کا حکم دیا ہے یعنی قاتل کو قتل کر دیا جائے اور اس کا ذکر اس جگہ اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں اپنے دکھ دینے والوں اور قتل کرنے والوں سے بدلہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب یعنی قرآن کریم میں قاتل کے لئے قتل کی سزا ہی کو ضروری قرار دیا ہے اور یہی سزا فوجداری کی پہلی سزا ہے جس سے قتل و غارت کا دنیا سے صفایا کیا جا سکتا ہے۔ اصل اس کی یوں سمجھنی چاہیئے کہ انسان بحیثیت کوئی ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی جان کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے اور کوئی انسان بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو کسی دوسری جان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھے۔ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ اس سزا کو دنیا سے اٹھانے کے لئے جتنی کوششیں کی گئیں ہیں سب ناکام ہوئی ہیں کیوں؟ اس لئے کہ جب قاتل کو یہ علم ہو کہ کسی انسان کو قتل کرنے کے بعد بھی وہ زندہ رہ سکتا ہے تو اس کا دل بڑھ جاتا ہے اور وہ کسی کو قتل کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جب اس کو یقین ہو کہ میں کسی کو قتل کر لینے کے بعد کسی صورت بھی زندہ نہیں بچ سکتا تو وہ کسی طریقہ سے بھی قتل کرنے پر

Marfat.com

آمادہ نہیں کیا جا سکتا اگر یہ ناممکن نہیں تو بہرحال بہت ہی مشکل ہے۔ اس آیت نے یہ بتا دیا کہ قتل میں قصاص تمدن و تہذیب کی ضروریات میں سے ہے۔

اور اس آیت نے یہ بات بھی ثابت کر دی کہ اسلام اپنے پیروؤں سے دنیوی سربلندی ہی کی توقع رکھتا ہے اور اسے بطور ایک مسلمہ کے فرض کئے رہتا ہے کہ امت مسلمہ ہی دراصل دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا ایک عرصہ تک مسلسل کافروں کے تسلط اقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضات اولیٰ میں گویا داخل نہیں ہے کیونکہ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی دفعات کا نفاذ نظام حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی امت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔ گویا قصاص قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم و مہذب و منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ امت کا ایک قانونی اور اجتماعی حق ہے اور اس کے اجراء کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی ہے۔ قصاص ہر فرد دوسرے فرد سے ازخود نہیں لے سکتا اس لئے مومنین سے خطاب اجتماعی حیثیت سے ہے انفرادی حیثیت سے نہیں۔ قتل عمد کی سزا دنیا کی ہر مہذب قوم میں موجود ہے۔

زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ طاقت ور قومیں کمزوروں سے حقیقی قصاص لے کر بھی راضی نہ ہوتی تھیں اور نہ ہی قصاص دینے والے شرافت اور دیانت کا خیال رکھتے تھے۔ اگر ایک آزاد اور شریف آدمی کو غلام مار ڈالتا تو وہ اس کی جگہ شریف آدمی کو قتل کرنے کی کوشش کرتے۔ قاتل اگر عورت ہوتی تو پھر بھی عورت کے قتل پر قناعت نہ کرتے بلکہ اس کا سلسلہ دراز تر ہو جاتا۔ اسلام نے آکر اس قسم کی تفریق کو بالکل مٹا دیا اور فرمایا کہ مساوات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

قرآن کریم کا دستور یہ ہے کہ وہ ایک قانون کلی بیان کر دیتا ہے اور عام طور پر جزئیات کو ذکر نہیں کرتا۔ مگر بعض اوقات قانون آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا اس لئے اس کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے محض ضروری مسائل کا قانون ذکر کر دیتا ہے کہ کسی قسم کا اخفا باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس جگہ بھی مقتولین کے بارے میں مساوات کا قانون ذکر کر کے اس کی بعض اصولی جزئیات کو بیان کر دیا کہ قاتل آزاد ہے تو اس سے قصاص لیا جائے۔ غلام نے قتل کیا تو وہی سزا کا مستحق ہے اور اگر قاتل عورت ہے تو وہی عقوبت کی مستوجب ہوگی۔

عرب تو ایک ناخواندہ اور جاہل قوم تھی لیکن تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے کا خون ایک کالے کے خون سے زیادہ قیمت رکھتا ہے اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں جس کی زندہ شہادت عراقی اور کویتی صانع میں فرنگیوں نے قائم کر دکھائی تھی۔ اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹایا اور اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی امت کے ہر فرد کی یکساں قابل احترام ہے اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو یا غلام ہو کوئی ہو جس کا جو قاتل ہوگا وہی سزا پائے گا۔ شیطانی حکومتیں ہر دور میں اپنی شیطنت کا مظاہرہ کرتی رہتی ہیں اور اسلام کے اساسی اصولوں کو مٹانے کے لئے ہر ممکن کوشش ان کی جاری رہتی تھی اور اب بھی جاری ہے۔ غور

Marfat.com

فِی الْقَتْلٰی ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی
بِالْاُنْثٰی ؕ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ
بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ

لینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اگر آزاد آدمی نے آزاد آدمی کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں وہی قتل کیا جائے گا۔ اگر غلام قاتل ہے تو وہی غلام قتل کیا جائے گا۔ عورت نے قتل کیا ہے تو وہی عورت ہی قتل کی جائے گی اور ہاں! اگر ایسا ہو کہ کسی قاتل کو مقتول کے ورثاء سے جیسے مقتول کے بھائی سے معافی مل جائے تو مقتول کے وارث کے لئے دستور کے مطابق مطالبہ ہے اور قاتل کے لئے خوش معاملگی کے ساتھ ادا کر دینا ہے اور خیال رکھو یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سختیوں کا کم کر دینا اس کی رحمت کا

کریں کہ شاہ فیصل شہید جیسا مبارک انسان انہی ریشہ دوانیوں کی نذر ہوگیا ایک شیطانی حکومت نے ایک سازش کے تحت ایک ادنیٰ سے فرد سے اگرچہ وہ شاہی خاندان ہی کا تھا شاہ فیصل کو قتل کروا دیا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ یہ شخص چونکہ شاہ فیصل شہید کے مقابلہ کا نہیں ہے اس سے قتل کروا کر شاہی خاندان میں بدامنی پھیلا دیں گے اور اسی مقتول کے بدلہ میں قاتل جو نہایت ادنیٰ حیثیت رکھتا ہے اس پر اکتفا نہ کر کے ایک اسلامی اصول کی بیخ کنی کرا دیں گے۔ اور اس طرح دو باتوں میں ایک تو لازمی ہوگی یا شاہی خاندان میں بدامنی اور جنگ و قتال یا مقتول کے عوض میں صرف قاتل کے قتل کے اصول کی خلاف ورزی لیکن اللہ نے ان شیطانوں کی سازش کو ناکام بنوا دیا اور امت مسلمہ نے ایک بار ان کی اس سازش کو سبوتاژ کر دیا جب کہ قاتل کو مقتول شاہ فیصل کے قصاص میں پوری دنیا کو دکھاتے ہوئے قتل کر دیا۔

شریعت موسوی کی جو تصریحات اس باب میں درج ہیں وہ قابل ملاحظہ ہیں۔ ”اور وہ جو انسان کو مار ڈالے گا وہ مار ڈالا جائے گا۔“ (احبار ۲۴ : ۱۷) اور ”جو انسان کو مار ڈالے جان سے مارا جائے۔“ (احبار ۲۴ : ۲۱) اور ”توڑنے کے بدلہ توڑنا۔ آنکھ کے بدلہ میں آنکھ، دانت کے بدلہ میں دانت، جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے۔“ (احبار ۲۴ : ۲۰)

Marfat.com

رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

فیضان ہے۔ اب اس کے یعنی معاملہ[۳۰۷] طے ہو جانے کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو یقین

اگر مقتول کے ورثا دیت پر راضی ہو جائیں تو خون بہا ادا کر دیا جائے

۳۰۷ قانون تو وہی تھا جو اوپر بیان کر دیا گیا مگر بعض اوقات مقتول کے وارث اس مقدمہ کو قابل معافی خیال کرتے ہیں یا اس جرم کو اتنا خفیف سمجھتے ہیں کہ بجائے قصاص کے صرف فدیہ پر راضی ہو جاتے ہیں تو اسلام اس وقت نرمی کرنے پر تیار ہے۔ قاتل کو خون بہا ادا کرنا ہوگا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ فدیہ وصول کرتے وقت سختی سے کام نہ لیا جائے اور قاتل کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریفانہ طور پر تمام رقم ادا کر دے' نہ تو مقدار میں کمی کرے اور نہ خواہ مخواہ ٹالتا رہے۔

قرآن کریم کی بلاغت پر نظر کریں کہ "من اخیہ" یعنی مقتول کے فریق کی طرف سے یا مدعی و مستغیث کی طرف سے یہ لفظ ادا کرنا سیاق کلام میں سر دھننے کے قابل ہے کہ شدید ہیجان جذبات انتقام و اشتعال پزیری کا موقع قتل سے بڑھ کر اور کون سا ہو سکتا ہے اس انتہائی حساس موقع پر بھی یہ لفظ بول کر بتا دیا کہ قاتل باوجود سنگین جرم کے اخوت اسلامی سے خارج نہیں ہو جاتا۔ مقتول کا ولی و وارث قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے۔

دوسرا لفظ "شی" بھی قابل غور ہے کہ سزائے واجب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے نہ کہ تمام تر معاف کر دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ مقتول کے عزیز اور وارث اگر قاتل کو سزائے قتل نہ دینا چاہیں بلکہ اسے ہلکی کوئی سزا دے کر یا خون بہا کی پوری رقم میں سے کچھ حصہ اسے معاف کر کے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوں۔

مشرک قوموں میں قتل تمام تر ایک جرم قانون فوجداری کا تھا۔ قانون دیوانی سے اسے کوئی علاقہ ہی نہ تھا۔ اور فرنگی قانون بھی چونکہ تمام تر رومن لا پر مبنی ہے اس لئے اس میں بھی قتل محض ایک فوجداری کا جرم ہے۔ شریعت اسلامی کی نظر فطرت بشری کی گہرائیوں اور مصالح اجتماعی کی باریکیوں پر اس سے کہیں زائد ہے اس نے اپنے اصول قانون میں یہ بات رکھی کہ قتل جس طرح فوجداری کا جرم ہے دیوانی کا بھی ہے اس جرم سے محض اسٹیٹ یعنی حکومت اور ہیئت اجتماعیہ ہی کے ایک قانون کے خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ یہ فرد پر بھی اس کی شخصی حیثیت میں ایک حملہ ہے گویا یہ جرم ایک پبلک حیثیت رکھتا ہے اور ایک پرائیویٹ اور جب اس کی یہ دوگونہ حیثیت ہے تو مقتول کے وارثوں یا خون کے مدعیوں کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ چاہیں تو مجرم کو پوری سزا حکومت سے دلائیں اور چاہیں تو خود مالی معاوضہ لے کر انتہائی سزا سے دستبردار ہو جائیں۔ اسی مالی معاوضہ کو اصطلاح شریعت میں دیت یا خون بہا کہتے ہیں اور اس میں گھٹ بڑھ برابر ہو سکتی ہے۔ دیت کا لفظ خود قرآن

Marfat.com

اَلِیْمٌ ۞ ۱۷۸ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

کرو کہ وہ اپنے رب کے ہاں دردناک عذاب کا سزاوار ہے۔ ۱۸۷

اور اے ارباب عقل و دانش! [۳۰۸] اس قصاص کے حکم میں فی الحقیقت تمہارے لئے

کریم میں آگے آرہا ہے۔ آج بھی انٹرنیشنل قانون میں یہ بالکل جائز ہے کہ جب ایک حکومت ملک کی رعایا کا خون دوسرے ملک یعنی حکومت کے باشندوں کے ہاتھ سے ہو جائے تو غیر ملک میں فوجداری کا مقدمہ چلانے میں دقتیں اور دشواریاں محسوس ہوں تو بجائے فوجداری استغاثہ اور اس کی پیروی کے صرف "ہرجانہ" کی رقم پر کفایت کرلی جائے تو یہ "ہرجانہ" اسی خون بہا کے لئے ایک خوش نما اور جدید اصطلاح ہے۔

خون بہا سے فائدہ یہ ہوگا کہ مقتول کے ورثا کو جس قدر نقصان پہنچا ہے اس کی ایک حد تک تلافی ہو جائے گی اور وہ فقرو تنگدستی سے بچ جائیں گے پھر فرمایا کہ اگر اس قدر رعایت کے بعد بھی کسی نے ظلم و عدوان سے کام لیا قتل کا جھوٹا دعویٰ کر دیا یا معاف کرنے کے بعد دوبارہ خون کا مطالبہ کیا تو اس سے قانونی مواخذہ ہوگا اور حکومت مداخلت کرے گی۔

دیکھو ایک مسلمان کی ترقی کا راز اسی مساوات میں پوشیدہ ہے جو قوم سپاہیانہ زندگی کی خوگر ہو جسے دنیا کی امامت و پیشوائی کے لئے منتخب کیا گیا ہو جو دنیا اور آخرت میں اعمال و اخلاق کے اعتبار سے فضیلت و برتری کے لئے چن لی گئی ہو۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کے تمام افراد کو برابر کے حقوق نہ دیئے جائیں کہ ہر ادنیٰ ترین مسلمان انتہائی ترقی کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی غرض سے بہترین اخلاق و اعمال کی عادت ڈال سکے۔ جب تمام افراد ملت میں یہ جوش و ولولہ عمل پیدا ہو جائے گا تو کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

قصاص کیا ہے یہ گویا زندگی ہے لیکن عقل والوں کے لئے

۳۰۸ قانون قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے اور ہیئت اجتماعی کے نظم و قیام راستی کا بہترین ضامن و کفیل کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا برابری کے اصول پر تحفظ ہو جائے یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھا ڈھا کر رہیں۔ امت کے مختلف طبقوں میں ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان و دل جمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے اور جب اس قانون پر عمل درآمد ایک عرصے تک رہے گا اس قانون کی روح امت میں سرایت کر جائے گی تو ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائے گا اور آئین پسندی باہم صلح و سازگاری۔ خدمت و معاونت جزو زندگی بن جائے گا اور امت دیکھتے ہی

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ

زندگی ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ تم برائیوں سے بچو۔ ۱۷۹

اے مسلمانو! یہ بات [۳۰۹] بھی تم پر فرض کردی گئی ہے کہ جب تم میں سے کوئی آدمی محسوس کرے کہ اس کے مرنے کی گھڑی آگئی اور وہ اپنے بعد مال و متاع میں سے کچھ

دیکھتے امت صالحین و ابرار اور امت عادلہ کہلانے کی مصداق بن جائے گی۔ پھر غور کرو کہ اگر دنیا میں قتل کی سزا قتل نہ ہوتی تو کسی قوم کے لئے بھی امن کی زندگی نہ ہوتی۔ جن قوموں نے قتل میں قصاص کو اڑانے کی کوشش کی ہے ان میں قتل کے واقعات اس قدر بڑھے ہیں کہ مجبوراً ان کو اس سزا کی طرف مراجعت کرنا ہی پڑی ہے کاش کہ اس ملک یعنی ملک پاکستان میں صحیح اسلامی قانون نافذ ہو جاتا۔ دیت یا خون بہا کا تعین مقدار تو اس کو حکومت اسلامی وقت کی نزاکت کے مطابق کمی بیشی کے ساتھ نافذ کر سکتی ہے اگرچہ صدور اول میں اس کی مقدار سو اونٹ تھی۔

وصیت کرنے کا حکم منسوخ نہ ہونے کی دلیل

۳۰۹ علمائے اسلام نے جن آیتوں کے احکام کو منسوخ بتایا ہے ان آیتوں میں یہ آیت بھی شامل ہے اور تعجب ہے کہ جن پانچ آیتوں کو شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے منسوخ تسلیم فرمایا ہے ان میں سے پہلی آیت بھی یہی ہے۔ ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ چونکہ سورہ نساء میں وارثوں کے حصے معین کر دیئے گئے ہیں اس لئے وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا اور آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء ۴: ۱۱) کو ناسخ قرار دیتے ہیں اور حدیث "لا وصیة لوارث" یعنی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے اس نسخ کو اور زیادہ واضح کرتی ہے۔ لیکن ہماری سمجھ کے مطابق یہ آیت منسوخ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی کوئی دوسری آیت منسوخ ہے۔ بلکہ یہ آیت اب بھی واجب العمل ہے اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن کریم نے جس موقع پر وارثوں کے حصے معین کئے ہیں وہاں "مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ" کے الفاظ بھی ساتھ ساتھ آتے جاتے ہیں دیکھئے کہ بھائیوں کے ہوتے ہوئے جب ماں کا چھٹا حصہ مقرر کیا تو یہ شرط لگا دی کہ ان حصوں کے مطابق تقسیم اسی وقت ہوگی جب وصیت پر عمل ہو چکا ہوگا اگر مرنے والے نے کوئی وصیت کی ہے تو اور دوسری بات یہ کہ اس کا کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔ مثلاً فرمایا:

Marfat.com

فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ (النساء ۴ : ۱۱) ”یعنی اگر ماں باپ کے علاوہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ میت نے جو کچھ وصیت کر دی ہو یا جو کچھ اس پر قرض رہ گیا ہو اس کی تعمیل اور ادائیگی کے بعد یہ حصے تقسیم ہوں گے۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ : فَاِنۡ کَانَ لَہُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ (النساء ۴ : ۱۲) ”اور اگر ان عورتوں کے لئے کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے یعنی خاوند کے لئے چوتھائی حصہ ہوگا لیکن تقسیم اس کے بعد ہوگی کہ جو کچھ وہ وصیت کر گئی ہوں اور جو کچھ ان پر قرض ہو جب اس کی ادائیگی ہو جائے۔“

سورہ نساء میں جہاں وارثوں کے حصے متعین کئے گئے ہیں وہاں ہی ہر بار یہ بات بھی ساتھ ساتھ دہرائی گئی ہے اور بہ تکرار اس کو بیان کیا گیا ہے یعنی ان تمام آیات میں حصص بیان کئے گئے ہیں مگر ہر آیت کے آخر میں ”من بعد وصیۃ“ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وصیت جائز قرار دی گئی ہے اور اس کو منسوخ نہیں سمجھا گیا۔

۲۔ پھر نزول کے اعتبار سے سورہ مائدہ سب سورتوں کے آخر میں نازل کی گئی ہے اس میں ارشاد الٰہی ہے کہ : یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا شَہَادَۃُ بَیۡنِکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ حِیۡنَ الۡوَصِیَّۃِ اثۡنٰنِ ذَوَا عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ اَوۡ اٰخَرٰنِ مِنۡ غَیۡرِکُمۡ (المائدہ ۵ : ۱۰۶) مسلمانو! جب تم میں کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو اور وہ وصیت کرنے لگے تو وصیت کے وقت گواہی کے لئے تم میں سے دو آدمی معتبر گواہ ہونا چاہئیں اگر ایسا ہو کہ تم سفر میں ہو اور تم کو مسلمان گواہ نہ میسر ہو سکیں تو غیر مسلم بھی گواہ بنائے جا سکتے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورہ بقرہ کے حکم وصیت کو سورہ مائدہ میں بدستور قائم رکھا گیا۔

۳۔ بخاری نے کتاب الوصایا میں سعد بن ابی وقاص سے روایت کیا ہے کہ وہ قیام مکہ کے دوران بیمار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور رسول اللہ ﷺ اس امر کو ناپسند فرماتے تھے کہ ایک مسلمان مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد پھر اسی جگہ یعنی مکہ میں مر جائے۔ آپ نے سعد کے حق میں دعا کی تو سعد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر جاؤں یعنی اللہ کی راہ میں صرف کر دوں۔

اس طرح سعد بار بار آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کہ اپنا تمام مال و متاع اللہ کی راہ میں صرف کر دوں مگر آپؐ روکتے ہیں تا آنکہ تہائی مال کی وصیت کی اجازت مل جاتی ہے۔ اس کی وجہ نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ وارثوں کو غریب و تنگ دست چھوڑنے سے دولت مند رہنے دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس حدیث میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ مکہ مبارکہ ہجرت کے آٹھویں سال فتح ہوا ہے۔

۲۔ سورہ بقرہ کی آیت زیر بحث اور نساء کی آیت توریث ۸ ہجری سے قبل نازل ہو چکی تھیں۔

Marfat.com

الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ

چھوڑ جانے والا ہو تو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے کوئی اچھی وصیت کر جائے جو متقی انسان ہیں ان کے لئے تو ایسا کرنا اور بھی ضروری ہے۔ ۱۸۰

پھر جو[۳۱۰] شخص ایسا کرے کہ کسی آدمی کی وصیت سننے کے بعد اس میں ردو بدل کر

۳۔ فتح مکہ تک وصیت والی آیت پر مسلمان برابر عمل کرتے تھے۔ کوئی شخص بھی اس کو منسوخ تسلیم نہ کرتا تھا کیونکہ اگر یہ آیت اس وقت منسوخ ہوگئی ہوتی تو سب سے پہلے خود حامل نبوت سعد کو وصیت کرنے سے روکتے کہ جب آیت وصیت منسوخ ہو چکی ہے تو تمہیں وصیت کرنے کا کیا حق ہے؟ مگر آپؐ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ آپ کا امر یہ ہے کہ ثلث میں وصیت کرو کیونکہ اگر تمام مال فی سبیل اللہ خرچ کر دیا تو عزیز رشتہ دار بھوکے رہیں گے یعنی ورثاء کو کچھ نہیں ملے گا۔

پس ان تمام باتوں سے معلوم ہوگیا کہ زمانہ رسالت میں یہ آیت منسوخ نہ تھی اور تمام صحابہ کرام اس کو قابل عمل خیال کرتے تھے البتہ اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب شریعت نے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں تو پھر یہاں والدین اور رشتہ داروں کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ سو عرض یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ والدین اور رشتہ داروں کو شریعت کے مطابق حصہ مل گیا مگر وہ ان کے لئے بالکل کافی نہیں ہے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے کوئی کام بھی نہیں کر سکتے تو اس صورت میں اگر مرنے والا ان میں سے کسی کے لئے وصیت کر جائے تو شریعت اس کو پسند کرتی ہے یا بعض اوقات یہ لوگ وارث نہیں بن سکتے مثلاً وہ کافر ہیں تو ایسی حالت میں بھی ان کے لئے وصیت کر جانا شرعی نظر سے پسندیدہ ہے اور بعض اوقات کسی قریبی کو بالکل دوسرے قریبی محروم کر دیتے ہیں اور وصیت اس خلا کو پر کر سکتی جیسے اولاد کی موجودگی میں پوتے پوتیاں وغیرہ چنانچہ ابن عباس، حسن، مسروق، طاؤس، ضحاک اور مسلم بن یسار کا یہی بیان ہے۔

وصیت میں تغیر و تبدل جائز نہیں بشرطیکہ وصیت شرعی ہو

۳۱۰ ارباب تقویٰ کے لئے یہی مناسب ہے کہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کا خیال رکھیں۔ کوئی شخص وصیت میں تغیر و تبدل کرنے کا مجاز نہیں البتہ اگر وصیت کرنے والے نے کسی کی حق تلفی کی ہو اور جائز وارثوں کو محروم کر دیا ہو تو یہ وصیت شرعی نہ ہوئی لہٰذا حاکم وقت اس میں مناسب تبدیلی کرنے کا حق رکھتا ہے اگر بدلنے میں حکومت سے نادانستہ غلطی ہوگئی تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دے گا پس اگر وصیت خلاف مصلحت ہے تو اس میں جائز تبدیلی کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۸۱ فَمَنْ خَافَ مِنْ
مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ
عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

دے تو اس کے گناہ کی ذمہ داری اسی کے سر ہو گی جس نے ردوبدل کیا ہے۔ یقین جانو اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۱۸۱

اور[۳۱۱] اگر کسی شخص کو وصیت کرنے والے سے بے جا رعایت کرنے یا کسی معصیت کا اندیشہ ہو اور وہ ان میں مصالحت کرا دے تو ایسا کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے۔ ۱۸۲

اے مسلمانو! جس[۳۱۲] طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں' روزہ فرض کر

وصیت کرنے والا اگر وصیت خلاف اصول کر دے تو اصلاح جائز ہے

۳۱۱ "خاف" خوف عربی زبان میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہاں بھی یہی معنی مراد ہیں یعنی وصیت کا گواہ اس بات کا علم رکھتا ہو اور اس کو معلوم ہو جائے کہ وصیت کرنے والا گناہ کی وصیت کر رہا ہے اور وہ اس وقت اس کی اصلاح کرا لے تو یہ بھی صحیح ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور وصیت اگر بے ضابطہ ہے یا خلاف قاعدہ شرعی ہے اور کوئی شخص وارثوں کے درمیان وقوع نزاع یا احتمال نزاع ہی دیکھ کر مضمون وصیت میں ایسی ترمیم کر دے جس سے حق تلفیوں کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں بھی باہم مصالحت ہو جائے تو بھی گناہ کی بات نہیں بلکہ اصلاح کا معاملہ ہے۔

روزہ کی فرضیت کا اعلان

۳۱۲ "صیام" جمع ہے صوم کی۔ روزہ اصطلاح شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے

Marfat.com

غروب آفتاب تک اپنے کو کھانے۔ پینے اور عمل زوجیت سے روکے رکھے۔ ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ رمضان کے علاوہ روزہ رکھنا نفلی عبادت ہے۔ ایک مہینے میں تین روزے رکھنا بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ انہی روزوں کو ایام بیض کے روزے کہا جاتا ہے یعنی ۱۴' ۱۵' ۱۶ چاند کی تاریخوں میں روزہ رکھنا۔ بعض احادیث میں سوموار اور بعض میں جمعرات اور جمعہ کے روز کا روزہ بھی بتایا گیا ہے۔ روزہ کی حالت میں غیبت' فحش کلامی' فسق و فجور اور بدزبانی وغیرہ جیسے تمام گناہوں سے بچنے کی سخت تاکید آئی ہے۔ جھوٹ اور غیبت سے تو روزہ کا اجر ضائع ہو جانا ثابت ہے۔ جدید و قدیم سب طبیب اس بات پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج ہے اور جسم انسانی کے لئے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبط نفسی کی روح جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے اس کے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے۔

روزہ کسی نہ کسی صورت میں تو دنیا کی ہر قوم اور مذہب میں پایا جاتا ہے۔ "من قبلکم" سے قرآن کریم کی مراد اہل کتاب ہی ہیں۔ چنانچہ روزہ شریعت موسوی کا ایک اہم اور معروف جزو ہے۔ مذاہب عالم سے اتنی گہری واقفیت کہ صاف صاف ان میں روزہ کے جزو مذہب ہونے کی خبر دے دی۔ اس ترقی پذیر زمانہ سے صدیوں پہلے عرب جیسے دور افتادہ اور دنیا کے ہر ملک سے بے تعلق جزیرہ نما میں ایک امی کے لئے کسی طرح ممکن نہیں بجز وحی الٰہی کے توسط کے اور یہ بھی ایک بڑی دلیل ہے نبی کریم ﷺ کے نبی ہونے کی۔ اور آج دنیا کی تاریخ اس بات کو حق تسلیم کرتی ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے دنیا کی ہر قوم میں روزہ رکھنے کا دستور تھا بلکہ اب بھی ہے۔ عاشورہ کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون کے پنجہ قہر و استبداد سے نجات ملی تو یہودیوں نے اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا۔ عیسائیوں میں روزہ رکھنے کا قانون تھا مگر انہوں نے کفارہ کی آڑ پکڑی اور تمام اعمال صالح سے الگ ہو گئے۔ روزوں کے مقدس کتاب میں حسب ذیل آیات ملاحظہ کے قابل ہیں:

"چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کار اسے بھوک لگی۔" (متی ۴ : ۲)

اور ایک جگہ اس طرح ہے کہ:

"اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ انہیں روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔" (متی ۶ : ۱۷' ۱۸)

انجیل میں ہے کہ:

"اور انہوں نے اس سے کہا کہ یوحنا کے شاگرد اکثر روزہ رکھتے اور دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اس طرح فریسیوں کے بھی مگر تیرے شاگرد کھاتے پیتے ہیں۔ یسوع نے ان سے کہا کیا تم باراتیوں سے جب تک دولہا ان

Marfat.com

اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ۱۸۳ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

دیا گیا تھا' اسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم میں پرہیزگاری پیدا ہو۔ ۱۸۳

یہ روزے ۳۱۳ چند گنے ہوئے دن ہیں یعنی ۲۹ یا ۳۰ دن۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار

کے ساتھ رہے روزہ رکھوا سکتے ہو؟ مگر وہ دن آئیں گے اور جب دولہا ان سے جدا کیا جائے گا تب ان دنوں میں وہ روزہ رکھیں گے۔" "لوقا ۵: ۳۳' ۳۴' ۳۵)

روزہ تعمیل ارشاد خداوندی میں تزکیہ نفس' تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اشخاص کے انفرادی اور امت کے اجتماعی ہر دو نقطہ نظر سے۔ پھر اسلامی روزہ کی اصل غرض بھی قرآن کریم نے واضح فرما دی کہ وہ صرف اور صرف تقویٰ کی عادت ڈالنا ہے اور افراد امت کو متقی بنانا ہے۔ تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہو جاتی ہے اور مادی لذتوں سے لطف و انبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے جسم کی مکمل تضمیر اور تطہیر ہو جاتی ہے۔ خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کر لینے سے عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت و استعداد انسان میں پوری طرح ہو کر رہتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں میں علانیہ ثابت ہوتی ہے۔ اور پھر مشرک قوموں کے ناقص اور ادھورے اور برائے نام روزوں کا تو ذکر ہی کیا خود مسیحی اور یہودی روزوں کی حقیقت بس اتنی ہے کہ یا تو وہ کسی بلا کو دفع کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں یا کسی فوری اور مخصوص روحانی کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے۔ یہود کی قاموس اعظم جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے "قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا اور یا جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبول الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا۔" (ج ۵ ص ۳۴۷)

چند گنتی کے دنوں کا روزہ فرض ہے یعنی ۲۹ یا ۳۰ دن کا

۳۱۳ اسلام میں روزہ نام ہے اپنے قصد و ارادہ سے ایک مدت معین کے لئے اپنے جائز اور طبعی خواہشوں کی تکمیل سے دستبرداری کا اور اس سے ایک طرف طبی اور جسمانی اور دوسری طرح روحانی اور اخلاقی جو فائدے حاصل ہوتے ہیں فرد اور امت دونوں کو اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ فرض روزوں کی ایک متعین

Marfat.com

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

ہو یا کوئی سفر درپیش ہو تو اس کے لئے اجازت ہے کہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر روزے کے دنوں کی گنتی پوری کرلے اور جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کے لئے روزہ رکھنا ناقابل برداشت[۳۱۴] ہو تو اس کے لئے روزے کے بدلے ایک مسکین کا کھانا کھلا دینا ہے۔

تعداد ہے جیسا کہ ڈسپلن یعنی تنظیم یا باقاعدگی کا اقتضاء ہے۔ یہ نہیں جب جس کا جی چاہے جتنے دنوں کے لئے روزے رکھ سکے رکھ لے۔ وحدت امت کے لحاظ سے لازمی تھا کہ ایک متعین زمانہ' متعین حدود کے ساتھ ساری امت کے لئے مقرر ہو۔ ضمناً یہ پہلو بھی نکل آیا کہ ان فرضی روزوں کی تعداد کچھ بہت بڑی نہیں۔ یہ نہیں کہ سال سال بھر روزے رکھتے ہی جاؤ۔ چھ مہینے اور تین مہینے بھی نہیں بلکہ کل ۲۹ یا ۳۰ دن۔

پھر روزہ کے دن وہ دن ہیں کہ غریب لوگوں کی حالت سے امرا عملی طور پر باخبر ہوتے ہیں۔ شکم پروں اور فاقہ مستوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دینے سے قوم میں مساوات کے اصول کو ترقی ہوتی ہے۔ قوائے ملکیہ میں قوت اور حیوانی خواہشوں میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ خدا ترسی کی طاقت انسان کے اندر محکم و استوار ہوتی ہے۔ دیکھو گرمی کا موسم ہے' سخت پیاس لگ رہی ہے تنہا مکان میں ٹھنڈا پانی رکھا ہے مگر نہیں پیتا۔ روزہ دار کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے بھوک کی وجہ سے جسم میں ضعف بھی محسوس کرتا ہے کھانا موجود ہے' دیکھنے والا کوئی نہیں مگر نہیں کھاتا۔ دل پسند بیوی بھی ہے محبت کے جذبات دونوں میں موجزن ہیں لیکن وہ اس سے احتراز کرتا ہے اس لئے کہ اللہ کے حکم کی عزت و حرمت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اب کوئی دوسری قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔ اور جب اس نے اللہ کے حکم سے جائز و حلال اور پاکیزہ خواہشات کو چھوڑنے کا اپنے آپ کو عادی بنا لیا ہے تو حرام' ناجائز اور مکروہ عادتوں کے چھوڑنے میں اسے کوئی دقت محسوس نہ ہوگی۔ یہی وہ اخلاقی پاکیزگی ہے جس کا روزہ دار کے اندر پیدا کر دینا شرع کا مقصود اصلی ہے۔ پھر یہ تیس انتیس دنوں کی گنتی پوری کر لینے سے انسان اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کر لیتا ہے کہ اگر اس پر ذرا غور کرلے گا تو اس کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہو جائے گا۔

مسافر' بیمار اور جن کے لئے روزہ رکھنا ناقابل برداشت ہو وہ کیا کریں؟

۳۱۴ انسان کی حالت ہمیشہ ایک جیسی نہیں ہوتی۔ رمضان کا مہینہ ایک متعین مہینہ ہے لیکن سفر و

Marfat.com

مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ ۱۸۴ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے کچھ زیادہ کرے تو یہ اس کے لئے مزید اجر کا موجب ہوگا لیکن اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو تو سمجھ لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ ۱۸۴
یہ رمضان[۳۱۵] کا مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ وہ انسانوں کے

بیماری انسان کی مجبوری ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ رمضان المبارک میں کوئی دنیوی یا شرعی سفر درپیش آجائے پھر کیا کرے؟ ان مخصوص دنوں میں کسی بیماری نے آدبایا تو پھر؟ فرمایا اگر کوئی ایسی مجبوری لاحق ہو کہ سفر پر جانا پڑے اور روزہ رکھنا مشکل ہو یا بیماری کی حالت میں دوا وغیرہ استعمال کرنا ہے تو دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں روزہ افطار کیا جا سکتا ہے اور جتنے دن سفر میں رہے یا بیمار ہو اتنے روزے سفر کے بعد جب حضر میں ہوگا یا بیماری دور ہو جائے گی اور صحت مند ہوگا تو ان دنوں کی گنتی پوری کرلے یعنی جتنے روزے ضائع ہوئے ہیں اتنے دن روزہ رکھ لے۔

اور جو لوگ اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں یا ایسے بیمار ہیں کہ صحت مند ہونے کی توقع نہ ہے تو وہ کیا کریں؟ فرمایا وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ ہاں جو شخص ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے بجائے دو تین چار کو کھلا سکے تو یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے اور نیکی کا کام جتنا بھی کیا جا سکے وہ کر ہی لینا چاہئے اور ویسے بھی ہاتھ کا دیا کبھی ضائع نہیں ہوتا جب تک دینے والا خود اس کو ضائع نہ کر دے تاہم اگر کچھ بھی برداشت ہے تو روزہ رکھ لینا ہی مفید ہے اور خصوصاً انجام اس کا بخیر ہے۔ لیکن اس آیت کی وسعت نے ساری دشواریوں اور تنگیوں کو یک قلم دور کر دیا اور مسافروں، بیماروں، دودھ پلانے والیوں اور حاملہ عورتوں کے لئے سہولت پیدا کر دی اور جدید دور میں جو نئی نئی بیماریاں اور صورتیں پیدا ہو رہی ہیں سب کا ازالہ کر دیا۔ اس آیت کی وسعت کو مٹانے کے لئے جو جو راہیں اختیار کی گئیں وہ سب کی سب اختراعی اور مصنوعی ہیں روزہ کا حکم جاری کرتے ہی اختصار کے ساتھ ساری چیزوں کا مختصراً اشارہ کر دیا گیا اور پھر ان کی تفصیل کرنا شروع کی۔

****

Marfat.com

رمضان المبارک کی فضیلت اور نزول قرآن کریم

۳۱۵؎ جس ماہ مقدس میں تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں مذہبی تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ وہ یہی رمضان کا مہینہ ہے۔ اس مبارک ماہ میں قرآن کریم کا نزول ہوا جس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

الف۔ نوع انسانی کے لئے سرچشمہ رشد و ہدایت ہے۔

ب۔ ہدایت و راہنمائی کے وہ اصول و ضوابط جو نظر و فکر کے محتاج ہیں قرآن کریم نے ان سب کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ وہ بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں اور ہر شخص آسانی سے ان کو سمجھ لیتا ہے۔

ج۔ جو لوگ اس کتاب لاریب کے درس و مطالعہ میں مصروف ہوں ان کی قوت فیصلہ اور زیادہ زبردست ہو جاتی ہے۔ حق و باطل میں تمیز کرنے لگ جاتے ہیں۔ علماء سوء اور جاہل صوفیوں کے دھوکے میں وہ کبھی نہیں پھنستے۔

یہی ماہ مقدس قرآن کریم کے نزول کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر ۹۷:۱) "بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔"

اور ایک جگہ فرمایا : اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ○ (الدخان ۴۴ : ۳، ۴) "ہم نے اس قرآن کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے بلاشبہ ہم لوگوں کو آگاہ کرنے والے تھے اور یہ وہ رات ہے جس میں ہر محکم کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔"

"لیلۃ مبارکۃ" وہی رات ہے جو "لیلۃ القدر" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور جب یہ دونوں نام ایک ہی رات کے ہیں وہ رات لیلۃ القدر ہے اور "لیلۃ القدر" کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی کا نام "لیلۃ القدر" ہے مختصر یہ کہ رمضان المبارک کی رات جس کو "لیلۃ القدر" کہا جاتا ہے اس میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا۔

"القرآن" قرء سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ چونکہ پڑھنے میں حروف اور کلمات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے اس لئے قرء کے معنی پڑھنے کے بھی ہوئے۔ قرآن اس پاک کتاب کا نام اس لئے رکھا گیا کہ اس کے اندر تمام الٰہی کتابوں کی تعلیم جمع کر دی گئی ہے۔ کتاب مقدس یعنی تورات اناجیل اور زبور تینوں کتابوں کی ہدایت اس میں اکٹھی کر دی گئیں اور اگر قرء بمعنی تلاوت یعنی پڑھنے سے لیا جاتا تو بھی یہ نام گویا اعجازی نام قرآن کریم کا "قرآن" ہوا کیونکہ قرآن کریم کے برابر دنیا میں کوئی کتاب نہیں جو پڑھی جاتی ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب۔

یہود کو کتاب مقدس پر یہ ناز ہے کہ اس کے برابر اشاعت ہونے والی کوئی کتاب نہیں۔ اول تو یہ بات

Marfat.com

بھی صحیح نہیں ہے کہ بائیبل کی اشاعت قرآن کریم سے زیادہ ہو پھر اشاعت کو وہ تلف کر دیتے ہوں دوسری بات ہے لیکن قرآن کریم تلاوت کئے جانے کے لحاظ سے بائیبل سے کئی بار زیادہ تلاوت کیا جاتا ہے اور پھر جو حفظ کئے جانے کا معاملہ ہے تو وہ پوری دنیا گواہی دے گی کہ قرآن کریم کے علاوہ یہ شرف کسی کتاب کو بھی حاصل نہیں ہے۔

اب حکم یہ ہو رہا ہے کہ اس مبارک ماہ میں جو شخص بھی زندہ ہے اور اپنے گھر میں موجود ہے ضرور روزہ رکھے تاکہ ان مسرت کے دنوں کا اظہار ہو جن میں قرآن کریم نازل ہوا۔ ایک طالب علم کا فرض تو یہی ہے کہ وہ باقاعدہ اپنی تعلیم گاہ میں حاضر ہو لیکن اگر کسی ضرورت سے نہ پہنچ سکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر رہ کر بھی اپنا سبق تیار کرے تاکہ باقی طالب علموں کے ساتھ درس و تدریس میں شریک ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ تم کو کسی تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا اس لئے اس نے سفر اور بیماری کی حالت میں رخصت عنایت کی ہے لیکن اس کمی کو دوسرے دنوں میں پورا کرنا ضروری ہوگا۔

اگر غور سے کام لو تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو جائے گی کہ تمہاری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے اس سے بہتر کوئی دوسرا قانون نہیں ہو سکتا۔ تم اس پر عمل کر کے دائمی زندگی حاصل کر لو گے۔ اس تکلیف کو برداشت کرنے سے تمہارے لئے صدہا سہولتوں اور آسانیوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ پس اس کو تکلیف کون کہے گا جس کا نتیجہ فضیلت علی العالمین اور خلاف ارضی ہو۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جو صرف تمہارے لئے مخصوص کر دی گئی ہے اور اس پر تم جس قدر بھی اس کی تمجید و تقدیس بیان کرو کم ہے۔

اس قانون پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم میں عمل قوت پیدا ہو جائے گی۔ تمہاری مخفی قوتیں منصۂ شہود پر جلوہ افروز ہوں گی۔ جوش اور ولولہ عمل پیدا ہوگا۔ قرآن کریم کو اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا بھر میں اس کی نشر و اشاعت کرو گے تو کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی تمہاری راہ میں مزاحم نہ ہوگی۔ دن کو روزہ اور رات کو قیام ذرا سچے دل کے ساتھ کر کے تو دیکھو اس کی پوشیدہ حکمتیں تم پر خود بخود واضح ہو جائیں گی۔ یاد رکھو کہ بہت سی باتیں اور بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کا پریکٹیکل کر نہ لیا جائے ان کی حقیقت کھل کر سامنے نہیں آتی کیونکہ دراصل وہ چیز الفاظ میں بیان کی ہی نہیں جا سکتی۔ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے محض اس شوق کی خاطر بیان کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا اس کے کرنے پر آمادہ ہو اور کر کے دیکھنے سے جو معلوم ہوتا ہے وہ سن لینے سے کبھی معلوم نہیں ہوتا۔

ممکن ہے دن بھر روزہ رکھنے اور اپنے کام کاج میں مصروف رہنے کے باعث قرآن کریم کی تلاوت نہ ہو سکے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے رات معین کر دی کہ جب کھانے پینے سے طبیعت سیر ہوگئی۔ دن بھر میں جس قدر قوتیں مضمحل ہوئی تھیں وہ دوبارہ ایندھن ملنے سے واپس لوٹ آئی ہوں گی اور رات کو اطمینان کے ساتھ قرآن کریم پڑھ سکو گے یا سن سکو گے لہٰذا رات کے وقت نوافل میں کھڑے ہو کر پوری دلجمعی کے ساتھ قرآن

Marfat.com

وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۖ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا

لئے رہنما ہے کیونکہ ہدایت کی روشن صداقتیں رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے پس جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو چاہئے کہ اس میں روزہ رکھے۔ ہاں جو کوئی بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو اس کیلئے یہ حکم ہے کہ دوسرے دنوں میں رہ گئے روزوں کی گنتی پوری کرلے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی و تنگی نہیں چاہتا

کو پڑھو اور اگر خود یاد نہیں ہے تو حفاظ سے سن لو۔ اور راتوں کو خوب زندہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی زندگی نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ: جو شخص رمضان المبارک کی راتوں کو قیام کرے اس طرح کہ اس کا ایمان کامل ہو اور وہ اپنا احتساب بھی کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کر دے گا جو اس سے پہلے اس سے سرزد ہوگئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ رمضان کے ایام میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دورہ کیا کرتے تھے اور اپنی وفات کے سال میں آپؐ نے یہ دور دوبار کیا۔ جس کا مطلب یہ معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں جس شخص نے ایک مرتبہ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھ لیا یا سن کر سمجھ لیا تو گویا اس نے نصاب پورا کرلیا۔ صرف یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کوئی کتاب پڑھی جاتی ہے یا کوئی بات سنی جاتی ہے تو اس کا فائدہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس کی ہدایت کے مطابق عمل بھی کیا جائے اور جس سے اس نے روکا ہے اس سے رک جایا جائے۔

اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کے تین اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ ان کو نگاہ میں رکھنا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ قرآن کریم کو سمجھنے میں آسانی ہو اول یہ کہ وہ ہدایت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں ہدایت کے واضح دلائل بھی موجود ہیں۔ اور تیسرے یہ کہ وہ فرقان ہے یعنی حق و باطل میں امتیاز بھی پیدا کرنے والا ہے۔

Marfat.com

هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

اور یہ اس لئے ہے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اس لئے بھی کہ اللہ نے تم پر سعادت کی راہ کھول دی ہے۔ تم اس کیلئے بڑائی کا اعلان کرو نیز اس لئے کہ اس کی شکر گزاری میں سرگرم عمل رہو۔ ۱۸۵

اور اے پیغمبر اسلام[۳۱۶]! جب میرا کوئی بندہ میری نسبت تم سے دریافت کرے کہ رب تک رسائی کیسے ہے؟ تو اسے کہہ دو کہ میں تو اس کے پاس ہوں وہ جب پکارتا ہے

اب ظاہر ہے کہ قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے والے یا قرآن کریم کو سن کر سمجھنے والے کے لئے لازم ہے کہ ان تینوں باتوں کو اپنے ذہن میں جگہ دے اور ان کو خوب حاصل کرنے کی کوشش و محنت کرے تاکہ وہ انعامات الٰہی کا مستحق ہو سکے۔ وہ تین چیزیں اس طرح بھی بیان کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ قرآن کریم سے راہنمائی حاصل کرنا۔ ۲۔ ہدایت کی روشن صداقتوں کو قبول کرنا اور ۳۔ حق و باطل میں فرق ہو جانے کے بعد حق کو قبول کر کے عمل کرنا اور باطل کے قریب بھی نہ جانا۔

اللہ "بندے" کے اتنا قریب ہے کہ "بندہ" اتنا اپنے قریب بھی نہیں

۳۱۶ اسلام سے پہلے کی قوموں نے بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار تو کیا لیکن ذات باری کو انسان سے معنوی لحاظ سے بھی اس قدر دور رکھا کہ گویا انسان اللہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا جب تک مادی شکل و صورت وہ اختیار نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان نے اپنے اللہ کو پانے کے لئے واسطوں اور وسیلوں کی شکل اختیار کی پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق کسی نے بت اور مورتیاں بنائیں اور کسی نے سورج' چاند اور ستاروں کی شکل میں اپنے اللہ کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اسلام نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا کہ یاد رکھو اللہ ظاہری شکل و صورت میں نظر آئے یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اللہ نہ کوئی مادی شے ہے اور نہ ہی وہ نظر آسکتا ہے بلکہ جو اللہ کو نظر سے دیکھنا چاہئے وہ سب سے زیادہ ظالم ہے کہ ایک ناممکن ہی نہیں بلکہ ممتنع چیز کو ممکن کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو کبھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ کو کوئی ظاہری آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی اور ایسی کوئی شکل و صورت تصور کرنا جس میں اللہ نظر آئے یہی شرک کرنا ہے۔ اللہ کو صرف معنوی شکل ہی میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس کے لئے

Marfat.com

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۱۸۶

تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور اسے قبول بھی کرتا ہوں۔ پس ان کو چاہئے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ حصول مقصد میں کامیاب و کامران ہوں۔

۱۸۶

دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ انسان اپنے ہی اندر سے دیکھ سکتا ہے بلکہ اس دیکھنے کے لئے تو ظاہری آنکھ کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ظاہری آنکھ سے تو اللہ دیکھا جا ہی نہیں سکتا۔ اور معنوی لحاظ سے اللہ انسان کے اتنا قریب ہے کہ اتنا قریب انسان اپنی ذات کے بھی نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ قرب مادی یا مکانی تو مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اور پھر یہ کہ حق تعالیٰ کا یہ قرب اپنے بندوں سے تو ہمیشہ ہی رہتا ہے لیکن ماہ رمضان میں یہ قرب اور مخصوص صورت اختیار کرلیتا ہے اور یہ وہ قرب ہے جس کو تعلق خاص کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ کا قرب نصیب ہونے سے مراد ہے کہ اللہ سے تعلق خاص قائم ہو جائے۔

آپ بھی غور کریں کہ بندہ کی تسکین اور تسلی کا کس قدر سامان اس آیت کے اندر موجود ہے۔ ہمیں اپنے اللہ کو ڈھونڈنے کہیں اور نہیں جانا ہے وہ تو ہم سے قریب ہے کہ ہم سے متصل ہی ہے۔ گویا اللہ اور بندے کے درمیان کوئی فاصلہ موجود ہی نہیں ہے اور نہ ہی فاصلہ ہو سکتا ہے۔ مزید غور کریں کہ آیت کے اندر متکلم کی ساری ضمیریں آیت میں بجائے جمع کے واحد ہیں یعنی عنی' انی' اجیب' دعان' دونوں صیغوں کا عمومی فرق ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کیونکہ صیغہ جمع اکثر قدرت' عظمت اور قوت کا مظہر اور واحد اس کے برعکس التفات اور اختصاص و توجہ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ پھر یہاں توجہ اور التفات ہی کی طرف اشارہ بھی ہونا چاہئے۔ آیت کے الفاظ سے دعا کی ترغیب بھی نکل آئی اور اشارہ اس جانب بھی ہوگیا کہ دعا بندہ کا کوئی سراسر خود غرضانہ اور دنیوی عمل نہیں بلکہ عین عبادت اور موجب تقرب الٰہی ہے۔ اور ایک حدیث مبارک میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے یعنی دعا کی توفیق ہو جاتی ہے اس کے لئے گویا رحمت ہی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہوتا ہے : وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ "اور یقیناً انسان کو ہم نے پیدا کیا ہے اس کے دل میں پیدا ہونے والے وساوس تک کو ہم جانتے ہیں اور ہم اس کی گردن رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔"

اور ایک جگہ ارشاد ہوا کہ :

فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ○ وَأَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ○ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ○ (الواقعہ ۵۶ : ۸۳' ۸۵) "سو جب جان حلقوم تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس مرنے

Marfat.com

والے کے تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتے۔"

دین اسلام کی روح حقیقی یہی ہے کہ انسان سب سے کٹ کر صرف ایک اللہ کا ہو رہے۔ اس سے اپنی ہر مراد مانگے اور اسی کے آگے دست سوال دراز کرے۔ اس کی زندگی و موت اور اس کا اقدام ادبار یعنی آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا اس کی عبادت اور قربانی سب اسی کے لئے ہو۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (الانعام ۶ : ۱۶۳، ۱۶۴) "اے پیغمبر اسلام! کہہ دو میری نماز، میراج، میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلموں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔"

ایام رمضان میں روزوں کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ چونکہ ان ایام میں قرب الٰہی کی راہیں کھل جاتی ہیں اس لئے تم خدائے واحد سے دعا کرو کیونکہ بہت نور والی رات ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا اور یہ نہایت ہی برکت والی رات ہے جس میں قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص ہے کہ وہی سب سے بڑھ کر سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ایک حدیث شریف کا مضمون اس طرح ہے کہ "ہر شب کے آخری ثلث میں الٰہ العالمین آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر اعلان کرتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ اس کی دعا کو استجابت بخشوں سوال کرنے والا ہے کہ اس کی نوازش کروں اور طلب مغفرت کے لئے کوئی مضطرب روح ہے کہ اس کو تسکین دوں۔

تمام مذاہب و ادیان کی اصل اساس یہی دعا ہے ہر ملک اور ہر زمانہ کے نیک لوگوں اور راست باز انسانوں نے اپنے مقاصد مہم محض اس دعا کی بدولت حاصل کئے ہیں۔ جب تمام ظاہری اسباب و وسائل ناکام رہے تو اس وقت بھی دعا نے گرہ کشائی کی اور ان کی تمام تکالیف و مصائب دور ہوگئیں۔ انبیائے کرام کی کامیابی کا راز بھی اس دعا ہی میں پنہاں تھا۔ اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "الدعاء مخ العبادة" دعا حاصل عبادت ہے اور عصارۂ بندگی ہے اور ایک جگہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ "الدعا هو العبادة" دعا ہی دراصل عبادت ہے مگر اس کے متعلق حسب ذیل امور کا پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

الف ۔ دنیا میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہم اسباب و وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اٹھانا چاہئے۔ دعا بھی ان میں سے ایک سبب ہے۔ اس کی بدولت بعض ایسے آسان و سہل تر ذریعوں کی اطلاع ہو جاتی ہے جو اب تک ہم پر مخفی تھے۔

ب ۔ ہم اللہ تعالیٰ کو حاکم علی الاطلاق تسلیم کر کے دعا مانگتے ہیں اس لئے ضروری نہیں کہ ہر دعا قبول ہو کیونکہ بالکل ممکن ہے کہ اس دعا کی قبولیت ہمارے حق میں مضر ہو۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ (الانعام ۶ : ۴۱) "نہیں۔ بلکہ اس کو پکارو اور اگر

Marfat.com

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ

تمہارے[۳۱۷] لئے یہ بات جائز کر دی گئی ہے کہ روزہ کے دنوں میں رات کے وقت اپنی ازدواجی زندگی کی خواہش خاص کی تکمیل چاہیں تو بیشک تکمیل کریں کیونکہ تم ان

چاہے گا تو تمہاری مصیبت دور فرما دے گا۔"

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ "جب تک ایک شخص کسی گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتا ہے جو مانگتا ہے اس کو دیتا ہے یا اس سے کسی برائی کو روک دیتا ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس درجہ باحیاء اور کریم ہے کہ وہ کسی دعا کرنے والے کو خالی ہاتھوں واپس نہیں کرنا چاہتا مگر قبولیت دعا کے لئے شرط یہ ہے کہ قلب غافل اور دل بے پروا نہ ہو۔"

ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ سے پورے یقین و ایمان کے ساتھ دعا مانگو! وہ یقیناً اس کو قبول فرمائے گا اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بے دلی اور بے رغبتی سے مانگی گئی دعاؤں کو کبھی قبول نہیں فرماتا۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "دعا مانگنے والے کو مانگتے ہی رہنا چاہئے اور یہ نہ کہنا چاہئے کہ میری تو دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔" اس لئے کہ دعا کو قبول کرنے والا جانتا ہے کہ یہ دعا اس کے حق میں اچھی ہے یا نہیں؟

ج ۔ بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا غلط ہے کہ دعا کا کوئی فائدہ نہیں۔ دیکھو! ہم حالت مرض میں دوا استعمال کرتے ہیں بسا اوقات دوا مفید نہیں ہوتی مگر علاج ترک نہیں کرتے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ دعا قبول نہ ہونے پر اس کو ترک کر دیا جائے۔ بلکہ ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ ہے کہ جو شخص اللہ سے دعا نہیں مانگتا اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔ (ترمذی' عن ابی ہریرۃؓ)

د ۔ اگر ہم کسی کو بتانا چاہیں کہ کھیتی کس طرح ہوتی ہے؟ اور پودے کس طرح پھل دیتے ہیں؟ تو اس کو مخصوص موسم ہی میں دکھائیں گے اسی طرح دعا کے بھی آداب و مراسم اور خاص مواقع ہیں جن میں اس کو شرف اجابت بخشا جاتا ہے۔ گزشتہ ذکر میں بھی بعض شرطوں کا تذکرہ کیا گیا تھا اس ذیل میں ایک اور حدیث بھی سن لیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : من سره ان يستجيب الله له عند الشدائد والكرب فليكثر الدعاء فى الرخاء "جو شخص تکالیف و مصائب کے وقت اجابت دعا کا آرزو مند ہے وہ فراخی و فارغ البالی کے ایام میں بھی خوب دعا کرے۔"

اس آیت کے آخری ٹکڑے نے یہ بات واضح کر دی کہ ہمارے قانون کی کامل فرمانبرداری کرو گے تو دعا

Marfat.com

ضرور قبول ہو کر رہے گی۔ پس اگر واقعی میری طلب رکھتے ہیں تو چاہیے کہ میری پکار کا جواب دیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ حصول مقصد میں کامیاب ہوں۔ فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون○

رمضان کی راتوں میں فرصت کے اوقات ہوں تو ازدواجی تعلق کی ممانعت نہیں

۳۱۷ روزہ کے دو مقاصد کا تذکرہ گزشتہ آیات میں کیا گیا ہے اب تیسرے مقصد یعنی قانون کی پابندی پر بحث کی جاتی ہے کہ جو قانون صحیح اس کو دیا جائے بلا چون و چرا اس پر عمل کرنے کو تیار ہو تاکہ بدنظمی نہ ہونے پائے۔ اس جذبہ کی تربیت اور تکمیل حسب ذیل احکام سے کی جائے گی۔

اگر روزوں میں مشکل احکام کی پابندی کا اپنے آپ کو عادی بنا لیا تو پھر خواہ کیسا ہی سخت سے سخت اور وقت طلب قانون دیا جائے کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ مسلمانوں کو دنیا بھر میں حق و صداقت کی نشر و اشاعت کرنا ہے۔ ہر قوم ان کی مخالفت کرے گی اور ان کو مٹا دینے کی فکر میں رہے گی ان مخالفین و معاندین کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے خود مسلمانوں کو بھی تیار رہنا ہوگا۔ اس جنگی جذبہ کو بھڑکانے اور تیز کرنے کے لئے وافر کھانے پینے کی ضرورت ہوگی تاکہ تنومند اور صحت مند نوجوان بنیں اور فطری چیز ہے کہ جب قوت پیدا ہوتی ہے تو ہر قوت کا مصرف اپنا اپنا ہوتا ہے۔ قوت پیدا ہونے کے ساتھ ہی نکاح کی بھی ضرورت طبعی پیش آئے گی اگر یہود و نصاریٰ کی طرح اس قوت کو دبایا گیا تو وہی خرابیاں پیدا ہوں گی جو یہود و نصاریٰ میں پیدا ہوئیں۔ کیا مسلمان بھی رہبانیت اختیار کریں گے؟ فرمایا ہرگز نہیں' ماہ رمضان میں شب کے وقت اگر فرصت کے اوقات ہوں تو تم اپنی بیویوں کے پاس جا سکتے ہو اس سے ایک تو تمہارے اخلاق پر برا اثر نہ پڑے گا اور دوسرے اپنی ظاہری وجاہت اور زینت کو محفوظ رکھ سکو گے۔

جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کا اتباع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ نزول رمضان سے قبل مدینہ میں آپؐ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے نصاریٰ کا روزہ آٹھ پہر کا ہوتا تھا یا نصاریٰ نے مسلمانوں کو ضرور کہا ہوگا کہ ان کا روزہ آٹھ پہر کا ہوتا ہے۔ مسلمان بھی ان کی دیکھا دیکھی صلوٰۃ عشا تک کھا پی لیتے تھے اس کے بعد روزہ گویا شروع ہو جاتا یا کم از کم ازواجی فعل کو ممنوع خیال کرتے تھے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ تھا۔

جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو اس وقت بھی ان کا وہی دستور رہا جو پہلے نفلی روزوں میں اپنا لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات مشکل ضرور تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر نظر رحمت فرمائی اور مسلمانوں کو پوری وضاحت سے فرما دیا کہ دیکھو رات کا کھانا پینا اور اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہے اور اس فعل فطری کا منشاء یہ ہے کہ اولاد پیدا ہو تاکہ مسلمانوں کی جماعت میں ترقی ہو اور ساتھ ہی تمہارے مقاصد حیات کی بھی تکمیل ہو جائے۔

Marfat.com

لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا

کے راز داں[۳۱۸] ہو اور وہ تمہاری راز داں ہیں اللہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تم اپنے اندر ایک بات کا خیال رکھ کر پھر اس کی بجا آوری میں خیانت کر رہے ہو۔ پس اس نے تمہاری ندامت و شرمندگی قبول کر لی اور جو تم کو غلطی محسوس ہوئی معاف فرما دی اور اب تم بلا روک ٹوک ازدواجی زندگی کی خواہش پوری کرنا چاہتے ہو تو کرو اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا[۳۱۹] ہے اس کے خواہش مند ہو اور حلال و طیب چیزیں کھاؤ پیو

ازدواجی زندگی کے لیے "لباس" کے الفاظ کی خوبی

۳۱۸ ظاہر ہے کہ لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ سکتا۔ یعنی دونوں کا ایک دوسرے سے تعلق ہی کچھ اس قسم کا ہے کہ جب ایک دوسرے کے زوج ہوگئے تو دونوں کے درمیان اب پردہ کیا رہ گیا؟ اس کو دراصل پوشیدہ راز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ دونوں کے درمیان ایک ایسا راز ہے جو کسی دوسرے قریب سے قریب تر رشتہ میں بھی نہیں۔

ازدواجی زندگی کا اصل مقصد اسلام کی نظر میں

۳۱۹ ازدواجی زندگی کا اصل راز یا اصل مقصد صرف شہوت پرستی نہیں بلکہ نیک اولاد کی خواہش ہے۔ اسلام کے نزدیک نیک اولاد کی خواہش انسان کا اصل مقصد ہونا چاہئے اور ازالہ شہوت تو ہو ہی جائے گا۔ اس خواہش میں بہت سی چیزیں پوشیدہ ہیں اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کا کوئی فعل بے کار نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر فعل کا کوئی مقصد اور مدعا ہونا ضروری ہے۔ اور پھر جتنا مقصد بلند ہوگا اتنی ہی اس کی خواہش یا چاہت اچھی ہوگی۔ اب اللہ نے اس ازدواجی فعل کے نتیجہ میں صرف ازالہ خواہش ہی نہیں رکھا بلکہ اولاد جیسی عزیز اور پیاری چیز بھی اس فعل کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اولاد کی تلاش اور خواہش کے لئے جب ازدواجی وظیفہ ادا ہوگا تو یہ ایک بلند مقصد ہے ازالہ خواہش کے مقابلہ میں۔

Marfat.com

وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ

یہاں تک کہ صبح کی سفیدی[۳۲۰] کالی دھاری سے نمایاں ہو جائے یعنی فجر طلوع ہونے تک پھر اس وقت سے لے کر رات آنے تک یعنی سورج غروب ہونے تک روزے کا وقت پورا کرنا چاہئے۔ ہاں! اگر تم مسجد[۳۲۱] میں اعتکاف کر رہے ہو تو اس حالت میں ازدواجی

روزہ کی حدود کا اعلان الٰہی

۳۲۰ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ کھانے پینے اور ازدواجی تعلق سے کس وقت تک انسان کو رکنا چاہئے "خیط الابیض" کے معنی تو سفید دھاگہ ہیں لیکن اس جگہ مراد صبح کی سفید دھاری ہے جس کو صبح کی سپیدی یا صبح صادق کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دن کی سفیدی رات کی سیاہی سے الگ ہو جائے یعنی دونوں میں امتیاز کی لکیر ظاہر ہو جائے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے سیاہ اور سفید دھاگا پاس رکھ کر وقت کا اندازہ لگانا چاہا کہ جب سفید دھاگے اور سیاہ میں امتیاز ہوگا تو گویا وہ سمجھے کہ اب روزہ کا وقت شروع ہوگیا۔ لیکن یہ بات سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا انما ذلک بیاض النھار وسواد الیل۔ پس حدود روزہ متعین ہوگئیں کہ ابتدائی وقت روزہ کا وہ ہے جسے ہماری زبان میں صبح صادق یا پو پھٹنا کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے اور انتہائی وقت "اتموا الصیام الی الیل" رات کے شروع ہو جانے تک ہے۔ اور رات غروب آفتاب سے شروع ہو جاتی ہے اس لئے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ کا وقت متعین ہوگیا جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لوگ ستاروں کے نکلنے یا رات کی سیاہی آنے کا انتظار کرتے ہیں وہ دراصل "لیل" کے اصل معنوں سے ناواقف ہیں یا صرف فرقہ بندی کو ہوا دینے کے لئے ضد یا ہٹ دھری سے کام لیتے ہیں۔

تاہم یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس طرح حدود وقت متعین کرنے میں ایک وسعت موجود ہے لہٰذا ایک دو منٹ دیر ہو جانے سے کوئی قیامت بپا نہیں ہو جاتی اور جان بوجھ کر اگر کسی طرف سے لیٹ نہ کیا جائے تو وقت کی رفتار بتاتی ہے کہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سے اضافے کر لئے ہیں جو کسی حال میں

Marfat.com

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ

زندگی کی خاص خواہش پوری کرنے کی ممانعت ہے۔ یاد رکھو یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ۳۲۲

درست نہیں اور خواہ مخواہ کی موشگافیاں کبھی امت کے لئے نفع مند نہیں ہو سکتیں۔

حالت اعتکاف میں مزید پابندیوں کی اطلاع

۳۲۱ اعتکاف کی حالت ایک خاص حالت ہے جس میں کچھ مزید پابندیوں کی اطلاع دی جا رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہوئی کہ معتکف کا مسجد میں رہنا ضروری ہے اور مخصوص حوائج و ضروریات کے علاوہ مسجد سے باہر نکلنا مناسب نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ معتکف کے لئے روزہ ضروری ہوا۔ روزہ گیا تو اعتکاف بھی گیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب معتکف ہو تو ازدواجی تعلقات کی ان دنوں میں ممانعت ہوگئی۔

اعتکاف "عکوف" سے ہے جس کے معنی الاقبال علی الشئی و ملازمۃ علی سبیل التعظم لہ۔ یعنی کسی چیز کی طرف متوجہ ہونا یا جھکنا اور اس کے ساتھ لگ جانا یا اس پر ٹھہر جانا اور اعتکاف اصلاح شریعت میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں مسجد کے اندر ٹھہرنے کا نام ہے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے آخری رمضان المبارک میں بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔

عورتوں کا اعتکاف

رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آپؐ کی ازواج مطہرات کا اعتکاف مسجد میں ثابت ہے علاوہ مسجد کے عورتوں کے گھر میں اعتکاف بیٹھنے کی کوئی روایت کتب احادیث میں کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی ازواج مطہرات کا اعتکاف مسجد میں ثابت ہے۔ تاہم فقہاء اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے اور اس کا حل یہ نکالا ہے کہ گھر ہی کے کسی گوشہ میں ہونا چاہئے جسے نماز و عبادت کے لئے مخصوص کر لیا جائے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی مثلاً ہدایہ' شرح وقایہ اور درمختار وغیرہ۔

حدود اللہ کے قریب جانا مناسب نہیں

۳۲۲ یہ نہیں فرمایا کہ ان حدود سے تجاوز نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ جانا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس مقام سے معصیت کی حد شروع ہوتی ہے عین اسی مقام پر یعنی اس کے آخری کناروں پر گھومتے رہنا آدمی کے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہوگا۔ سلامتی اس میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور ہی رہے تاکہ بھولے سے بھی قدم اس کے پار نہ چلا جائے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ

Marfat.com

اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

ہیں پس ان سے دور دور رہنا چاہئے۔ اللہ اسی طرح اپنے احکام واضح کر دیتا ہے تا کہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں۔ ۱۸۷

اور ۳۲۳ دیکھو ایسا نہ ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھاؤ اور

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لکل ملک حمی وان حمی اللّٰہ محارمہ فمن وقع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔ "حمی" عربی زبان میں اس چراگاہ کو کہتے ہیں جسے کوئی رئیس یا بادشاہ پبلک کے لئے ممنوع کر دیتا ہے۔ اس استعارے کا استعمال کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ : ہر بادشاہ کی ایک حمی ہوتی ہے اور اللہ کی حمی اس کی وہ حدود ہیں جن سے اس نے حرام و حلال اور طاعت و معصیت کا فرق قائم کیا ہے۔ جو جانور حمی کے قریب ہی چرتا ہے ہو سکتا ہے کہ ایک روز وہ حمی کے اندر داخل ہو جائے۔" افسوس ہے کہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ ہمیشہ اجازت کی آخری حدوں تک ہی جانے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور بہت سے علماء و مشائخ بھی اسی غرض کے لئے یہ سندیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جواز کی آخری حدیں انہیں بتایا کرتے ہیں کہ وہ اس باریک امتیاز ہی پر گھومتے رہیں جہاں طاعت و معصیت کے درمیان محض بال برابر فاصلہ رہ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بکثرت لوگ معصیت اور معصیت سے بڑھ کر ضلالت میں مبتلا ہو رہے ہیں جو کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ چاہئے کہ وہ "لا تقربوہا" کے الفاظ کو ہر وقت نگاہ میں رکھیں اور اپنا رویہ خود ہی بدل دیں جو ایک خوبی کی بات ہے۔

ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ

۳۲۳ قانون بنانے کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ جھگڑے کثرت سے ہوں۔ عدالت کو مداخلت کا موقع ملے اور حکومت کی جانب فیصلے لے جانے کے لئے لوگ مجبور ہوں۔ اس سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ فریب کا دروازہ کھل جائے، کذب آفرینی میں ترقی ہو اور جھوٹے مقدمات سے عدالت کو فرصت ہی نہ ملے غیر اسلامی قانون خواہ کہیں نافذ ہو اور کسی نے بنایا ہو حقیقت اس کے بنانے سے یہی ہے مشاہدہ کرنے کے لئے دور نہ جاؤ خود اپنے ملک کے اندر دیکھ لو عدلیہ کا کاروبار کیا ہے اور انتظامیہ کیا کر رہی ہے؟

دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں میں جھگڑے کم ہوں۔ اس کے لئے بہترین صورت یہ ہے کہ پہلے قوم کے اندر صحیح کیرکٹر پیدا کیا جائے۔ ہر شخص اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور احتساب عمل کا

Marfat.com

خوف دل میں ہو۔ اس صورت میں ہر معاملہ کا فیصلہ ان کی دیانت اور امانت پر چھوڑ دیا جائے۔ حکومت کو صرف خاص خاص حالتوں میں مداخلت کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ قرآن کریم یہی چاہتا ہے اور اس کا قانون یہی مقصد عظمیٰ پیش نظر رکھتا ہے۔ اور اس گئے گزرے دور میں بھی اچھی طرح دیکھ لو کہ جہاں قرآن کریم کا قانون نافذ ہے وہاں جھگڑے اور دوسرے تمام قضیے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں قرآن کریم کے قانون کی کوئی یا کسی حد تک صورت باقی ہے تو وہ صرف سعودیہ ہی ہے اور پوری دنیا کے مقابلہ میں آج بھی جرائم اور دوسرے ہر قسم کے جھگڑے دوسری دنیا کے مقابلہ میں وہیں کم ہیں۔

اس آیت میں قرآن کریم نے دراصل تمام ان مباحث اور فقہی مسائل کو بیان کر دیا' جو کتب فقہ کے صدہا اوراق میں بھی نہ سما سکے۔ قرآن کریم نے روزوں کو فرض کیا کہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ حلال چیزوں کو ترک کرنے کی اپنے اندر عادت پیدا کریں تاکہ آئندہ ناجائز طریق سے حاصل کیا ہوا مال ان کے نزدیک حرام ہو اور اس سے پرہیز کریں۔

"لا تاکلوا" اکل سے ہے اور اکل یہاں لفظی معنی میں نہیں یعنی اس سے صرف کھانا مراد نہیں بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا مراد ہے۔ اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر بولتے ہیں کہ فلاں صاحب روپیہ کھا گئے۔ انہوں نے مکان تک کھا لیا۔ گھر کا جتنا زیور اور زمینیں وغیرہ تھیں سب ہضم کر گئے۔ اس طرح محاورہ کی صورت میں دو مختصر لفظوں میں تقویٰ مال کی ساری تعلیم آگئی۔ ہر خیانت سے احتیاط کی تاکید اور ہر قسم کی امانت و دیانت کا حکم۔ پھر اکل باطل کی تمام صورتوں سے پرہیز جس میں قمار' غصب' حق تلفی' کم تولنا' کم ماپنا' لوگوں کی اشیاء میں کھوٹ ملانا سب داخل ہو گئے۔ وہ مال جو مالک سے بغیر اس کی خوشدلی کے حاصل کیا جائے یا مالک اگر خوشدلی سے دے رہا ہو لیکن خود شریعت نے اس مد کو ناجائز قرار دیا ہو۔

"اموالکم" خطاب تمام مسلمانوں سے ہے اور حکم کے مخاطب تمام افراد امت ہیں جس کا اصل مفہوم "اپنا مال" سے نہیں بلکہ "ایک دوسرے کا مال" سے ظاہر ہو گا۔

"بینکم" کے دائرہ کی وسعت میں ساری نسل آدم آگئی اور صرف مسلمانوں کے مال تک حکم کو محدود نہ رکھا۔ مسلم یا کافر کسی کا بھی مال دغا' فریب اور ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہ رہا صرف کافر حربی کے مال پر تصرف و تسلط جائز ہے وہ بھی جنگ کی حالت میں یعنی جب اعلان جنگ ہو چکا ہو اور وہ بھی خاص خاص قیود کے ساتھ۔ رشوت' جعلسازی اور خیانت کافر حربی کے معاملات میں بھی درست نہیں ہے۔

دنیا کی کوئی عدالت بہتر سے بہتر ہو اور کوئی حاکم عادل سے عادل ہو بہرحال دنیوی فیصلے علم غیب کی بنا پر نہیں روئداد مقدمہ ہی کی بناء پر صادر ہوں گے۔ اور پھر ان میں غلطی' لغزش' ناانصافی' دھوکے کا احتمال ہر وقت ہے۔ آیت اسی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ جو حق ہے وہ عند اللہ حق ہی رہے گا اور جو ناحق ہے وہ اللہ کے ہاں ناحق ہی میں شمار ہو گا اگرچہ حکام کا فیصلہ اس کے برعکس ہی ہو۔ قاضی کے فیصلے حق کو ناحق اور ناحق کو

Marfat.com

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۱۸۸ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَ

ع ۲۳

نہ ایسا ہو کہ مال و دولت کو حاکموں کے دلوں تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ تاکہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ ناحق حاصل کرلو اور تم جانتے ہو کہ حقیقت حال کیا ہے۔ ۱۸۸

اے[۳۲۴] پیغمبر اسلام! لوگ تم سے مہینوں کی چاند رات کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے کہہ دو یہ انسانوں کے لئے وقت کا حساب ہے اور اسی سے حج کے مہینے کا

حق نہیں بنا سکتے۔ اصل شے انسان کی توجہ و لحاظ کے قابل خود اس کا ضمیر اور تقویٰ ہے۔ حدیث میں اس مضمون کی صراحت بہت زور کے ساتھ آچکی ہے اور مفسرین نے بھی اس کو خوب صاف کر دیا ہے۔ بلکہ جو لوگ اپنی چرب زبانی سے، سخن سازی سے، اپنے "اثر" و "پیروی" سے جھوٹے مقدمات جیت جائیں انہیں اور زیادہ ڈرنا چاہئے کہ ان پر علاوہ دوسرے جرائم کے فریق ثانی کی حق تلفی کا ایک مزید جرم حاکم عدالت کو فریب میں مبتلا کرنے کا بھی عائد ہوتا ہے۔

"تدلوا بھا" تدلوا۔ ادلاء کے معنی کنوئیں میں ڈول ڈالنے اور پھر مجازاً کسی چیز کو کہیں پہنچانے یا اسے ذریعہ یا وسیلہ بنانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ مال کو حاکم تک پہنچا کر اپنی رسائی اور اثر و رسوخ پیدا کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور رشوت وغیرہ مالی تحفہ و تحائف سے حاکم پر اثر نہ ڈالو۔ اسلامی حکومت قائم ہونا اور اسلام کے سارے قانون دیوانی و فوجداری کا نافذ کرنا تو خیر بڑی چیز ہے قرآن کریم کی صرف اس آیت پر اگر آج عمل در آمد ہو جائے تو جھوٹے وعدوں، جعلی دستاویزوں، جھوٹی گواہیوں، جھوٹے حلف ناموں، اہل کاروں اور عہدہ داروں کی رشوتوں کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حکام کی خدمات میں نذرانوں اور شاندار دعوتوں کا وجود کہیں باقی نہ رہ جائے۔

"بالاثم" گناہ کا لفظ عام ہے۔ ہر قسم کی معصیتیں جو عدالتی کارروائیوں اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں کام میں لائی جاتی ہیں اس کے تحت آجاتی ہیں اور فریقا کے معنی اس جگہ پارٹی یا گروہ کے نہیں بلکہ حصہ یا جزو کے ہیں۔ یعنی مال کا ایک حصہ یا ایک جزو۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے حجرہ کے دروازہ کے قریب لوگوں کو جھگڑتے سنا، تو

Marfat.com

آپؐ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا "میرے پاس مقدمہ آتا ہے' مدعی اپنی چرب زبانی سے دعویٰ ثابت کر دیتا ہے' حالانکہ حق دوسری جانب ہوتا ہے۔ میں اس بیان کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ نافذ کر دیتا ہوں۔ مگر وہ یہ سمجھ لے کہ ایک مسلمان کا مال ناجائز طریق سے لینا آگ کو لینا ہے "فانما ھی قطعة من النار" اب وہ آزاد ہے اسے قبول کرے یا چھوڑ دے۔

چلتے چلتے ایمانداری کے ساتھ ذرا غور کر لو کہ ان آیات کو اگر مرنے والوں کے سرہانے بیٹھ کر پڑھا جائے یا تیسرے اور ساتویں کی رسموں پر ان کو مذہبی مجالس یا سیاسی مجالس کی زینت یا برکت کے لئے تلاوت کیا جائے یا عدالتوں میں ان کے قطعات لکھوا کر آویزاں کئے جائیں آخر ان ساری چیزوں کا کوئی فائدہ؟ جبکہ زندہ لوگوں نے ان آیات کی روشنی میں اپنے آپ کو درست نہ کیا تو پھر جھوم جھوم کر پڑھنے کا اجر کیا؟

قمری حساب کی افادیت

۳۲۴ شرعی مسائل ہوں یا دنیوی معاملات ان کا حساب کتاب کن مہینوں کے مطابق بہتر یا آسان ہے۔ شمسی یا قمری؟ جواب یہ کہ شمسی حساب میں بڑی دقتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر طلوع و غروب کے لحاظ سے اس میں معمولی سا تغیر ہوتا ہے تو عام نظریں اس کو محسوس نہیں کر سکتیں۔ اس کے لئے اعلیٰ ترین محاسبوں کی ضرورت ہے۔ جنتریوں اور کیلنڈروں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اور ایسے دیہات و قصبات بکثرت ملیں گے جہاں کے لوگ تہذیب و تمدن کے نام سے ناآشنائے محض ہیں۔ وہاں عمدہ ترین حساب دانوں کا ملنا تکلیف سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے واسطے قمری حساب ہی مناسب ہے۔ ان کا مذہب یعنی دین اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور تمام عالم کی طرف اس کا روئے سخن ہے چاند کی شکلوں میں جلد جلد تغیر ہوتا رہتا ہے۔ ہر طرح کا انسان وہ تعلیم یافتہ ہو یا جاہل اس فرق کو دیکھ کر اوقات معین کر سکتا ہے۔ وہی تغیرات ضبط اوقات کا کام دیں گے۔ چنانچہ امت مسلمہ کے موسس اول سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قمری حساب کے مطابق حج کے ایام مقرر کئے ہیں۔

اگر حساب شمسی ہوتا تو اس میں یہ بھی ایک تکلیف رہتی کہ رمضان و حج کے جو اوقات مقرر ہو جاتے وہی رہتے ان میں موسم کے لحاظ سے تغیر و تبدل نہ ہو سکتا۔ اگر ایک قوم اس دوام کی وجہ سے آرام میں ہوتی تو دوسری کو ہمیشہ مصیبت برداشت کرنا پڑتی۔ اب قمری حساب کے بموجب سال بھر کے مختلف موسموں میں ان فرائض کو ادا کرنے کا موقع ملتا ہے اور ہر قوم ان سے بہرہ اندوز سعادت ہوتی رہتی ہے۔

بات کوئی ہو رہی ہو اور مخاطب خواہ کون ہو قرآن کریم کا کمال یہ ہے کہ وہ بات کرتے وقت ایسا انداز اختیار کرتا ہے کہ اس کی ہر بات سے توحید کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ لہٰذا اس کا ایک ایک فقرہ توحید کے اعلان اور شرک کی تردید میں ہے۔ دنیا میں مشرک قومیں کثرت سے قمر پرستی میں مبتلا رہی ہیں اور بعض ہلال پرستی میں بھی۔ نئے چاند کو دیوتا مان کر اس کی پوجا کثرت سے کی گئی ہے اور بڑھتے چاند کو مبارک اور اترتے چاند کو

Marfat.com

منحوس سمجھنے کا رواج تو آج نہ معلوم کتنے مسلمان گھرانوں میں بھی موجود ہے اور ہندوستان سے شائع شدہ جنتری کو چاہے آج اٹھا کر دیکھ لو اس کے کتنے خانے اس سے بھرے ہوئے نظر آئیں گے کہ فلاں تاریخ فلاں کام کے لئے سعد اور فلاں تاریخ نحس ہے۔ قرآن کریم نے عروج و زوال قمری یہ غایت بتا کر کہ وہ انسان کے کام آنے والی چیز ہے۔ ہلال پرستی اور اس کے ماتحت سارے خرافات کی جڑ ہی کاٹ دی!

احمق انسان تُو چاند کی کیا پوجا کرے گا چاند تو خود تیری خدمت کے لئے ہے۔ اور یہی حال سورج اور ستاروں کا ہے۔ اس میں لوگوں کے لئے اوقات ہیں یعنی ان کے معاملات دنیوی میں بھی اور حسابات شرعی میں بھی سنہ قمری میں دنوں، تاریخوں، مہینوں کا حساب چاند کے عروج و زوال سے ہوتے رہنا تو ظاہر ہی ہے اگر اس کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو اس میں بہت کچھ پوشیدہ ہے لیکن فی زمانا چونکہ اس کا رواج بالکل متروک ہو گیا ہے اس لئے ہمارے لئے اس میں آسانی نظر نہیں آتی اور غور کرنا۔ سوچنا اور ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنا اس کے حسن و قبح پر نظر رکھنا بحث کر کے اس کی افادیت اجاگر کرنا بدقسمتی سے یہ ہماری قوم پر اس وقت گویا ممنوع ہو چکا ہے۔

اس قدرتی جنتری پر غور کرو جو آسمان پر نمودار ہو کر دنیا بھر کے لوگوں کو بیک وقت ان کی تاریخوں کا حساب بتاتی رہتی ہے۔ حج کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا گیا کہ عرب کی مذہبی، تمدنی اور معاشی زندگی میں اس کی اہمیت سب سے بڑھ کر تھی۔ سال کے چار مہینے حج و عمرہ سے وابستہ تھے۔ ان مہینوں میں ویسے ہی لڑائیاں بند رہتی تھیں۔ راستے محفوظ ہوتے تھے اور امن کی وجہ سے کاروبار زندگی فروغ پاتے تھے۔

اس مضمون کو ایک اور جگہ بھی قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ (یونس ۱۰ : ۵) "وہی ہے جس نے چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھہرا دیا تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔"

ارشاد ہوتا کہ چاند کی طرف دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اسی سے تم مہینے کا حساب کرتے ہو اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔ غور کرو کہ اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی مصلحت و غرض کے ہو؟ اور صرف اس لئے ہو کہ کھائے، پئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ اندازہ کرو تفہیم کرانے کا کیا پیارا انداز ہے۔

پھر قرآن کریم میں تعصب نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ عربوں کی سادگی کے پیش نظر ان کو چاند کی افادیت اور اس پر حساب و کتاب کا انحصار کرنے کی ترغیب کے باوجود شمسی حساب کو بھی برا نہیں جانا اور نہ ہی اس کی کوئی تردید فرمائی بلکہ ایک جگہ سورج کو بھی اس افادیت کے لئے بتایا گیا چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ (بنی اسرائیل ۱۵ : ۱۲) "اور دیکھو ہم نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ دو

Marfat.com

لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰىۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

تعین ہوتا ہے اور یاد رکھو کہ یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے کہ اپنے گھروں[۳۲۵] میں دروازے چھوڑ کر پچھواڑے سے داخل ہو۔ نیکی تو اس کے لئے جس نے اپنے اندر تقویٰ اختیار کیا یعنی پرہیزگاری کی راہ اختیار کی پس ان اوہام کو چھوڑ کر گھروں میں آؤ تو دروازے کی

نشانیاں ہوگئیں۔ سو رات کی نشانی دھیمی کر دی اور دن کی نشانی روشن کر دی کہ تم اپنے پروردگار کا فضل ڈھونڈو نیز برسوں کی گنتی اور حساب بھی معلوم کر لو۔"

زمانہ جاہلیت کی ایک رسم کی تردید

۳۲۵ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ احرام حج باندھنے کے بعد حاجی کا گھر میں جانا ممنوع خیال کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی جس سے گھر جانا ضروری ہو جاتا تو اس کے لئے مکان کی پشت کی جانب سے نقب لگا کر اندر آتے اور اس کو باعث ثواب سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لغو اور مہمل حرکت ہے اس کو تم نے کہاں سے حاصل کر لیا؟ بہتر تو یہ تھا کہ تم محرمات الٰہیہ سے پرہیز کرتے اللہ کا ڈر دل میں رکھتے اور پھر اگر تم دروازہ میں سے اپنی ضرورت کے لئے گھر کے اندر جاتے تو گناہ کی بات کیا ہوتی؟

اس آیت میں نہ صرف اس رسم کی تردید کی گئی ہے بلکہ ان کے تمام اوہام پر یہ کہہ کر ضرب لگائی گئی ہے کہ نیکی دراصل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے۔ ان بے معنی رسموں کا نیکی سے کیا واسطہ ہوا؟ یہ تو گویا باپ دادا کی اندھی تقلید ہے جس کا انسان کی سعادت سے کوئی تعلق نہیں اگر کوئی تعلق ہو سکتا ہے تو اس کی بدبختی اور ہلاکت ہی کا ہو سکتا ہے۔

یہ نیکی نہیں بلکہ ایک طرح کی بدعت ہوئی اور بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو فرض و واجب کی طرح ضروری سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس آیت سے ایسا کرنے کی ممانعت واضح طور پر ثابت ہوگئی جس سے ہزاروں اعمال کا حکم معلوم ہوگیا۔ اور کتنی ہی اسی طرح کی بدعات اور بدشگونیاں جو ہماری بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر آج بھی موجود ہیں اور علماء سوء ہیں جو ان کے جائز کرنے کی سندیں تلاش کر کے قوم کو ان پر مزید پختہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں کو ان بدشگونیوں اور اس طرح کی آبائی رسومات سے

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ

راہ سے ہی آؤ۔ ہاں! اللہ کی نافرمانی سے بچو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔ ۱۸۹

اور ۳۲۶ یاد رکھو جو لوگ تم سے لڑائی لڑ رہے ہیں چاہئے اللہ کی راہ میں تم بھی ان

نکال کر ہدایت کی دعوت دی اور قوم کو ان اوہام سے نکال کر جہاد جیسے اہم فرض منصبی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔

جہاد فی سبیل اللہ کا حکم عام

۳۲۶ پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ ہجرت مدینہ سے پہلے کفار کے ساتھ جہاد و قتال ممنوع تھا۔ مکہ مکرمہ کی تمام آیات قرآنی میں مسلمانوں کو کفار کی ایذاؤں پر صبر اور عفو و درگزر ہی کی تلقین تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلے اسی آیت کریمہ میں قتال کفار سے جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس آیت میں حکم یہ ہے کہ مسلمان صرف ان کفار سے قتال کریں جو ان کے مقابلہ پر قتال کے لئے آئیں یعنی میدان جنگ میں۔

حقیقت اس کی یہ ہے کہ تمام دنیا مسلمانوں کی جولانگاہ ہے کرۂ ارض میں اس وقت صرف اور صرف ایک نبی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت جاری ہے۔ اب کسی نبی کا آنا ممکن نہیں رہا کیونکہ ختم نبوت کا اعلان ہو چکا ہے۔ اب اس صفحہ زمین کی ہدایت کے لئے امت مسلمہ ہی کی ذمہ داری ہے اور مسلمانوں ہی کو کرۂ ارض کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی نشر و اشاعت کرنا ہے تاکہ "خیر امۃ اخرجت للناس" کے مصداق حقیقی بن جائیں مگر جس وقت حق و صداقت کی دعوت کے لئے وہ نکلیں گے تو دوسری قومیں ضرور ان کی راہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کریں گی کیونکہ ہر ایک قوم میں اپنی زندگی کا عشق اور بقا کی محبت رکھی گئی ہے۔ تنازع للبقاء کا قانون کائنات ارضی کی ہر چیز میں موجود ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے کا بیشک سب کو حق ہے لیکن عقل و فکر کی بات کو سننا اور پھر عقل و فکر ہی سے اس کا جواب دینا یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن اس فطرت سے انسان اکثر گریز کرتا ہے۔ اسلام کی دعوت عام تو عقل و فکر ہی کی دعوت ہے لیکن اس دعوت کے جواب میں دوسری قومیں عقل و فکر سے کام نہیں لیتیں اور بزور بازو اس دعوت کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں تو ملت اسلامیہ پر بھی واجب ہے کہ ان کے اس زور کا جواب پوری طاقت و قوت کے ساتھ دے جس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی جہاد۔

جنگ دونوں طرف سے ہوگی بلکہ اسلام ہمیشہ مدافعتی لڑائی ہی لڑتا ہے کبھی پہل نہیں کرتا لیکن اسلام کی یہ تمام تر جنگ صرف کلمہ حق کی بلندی اور نفاذ کے لئے اور جھوٹ کو ختم کر کے اس کی جگہ سچ کو نافذ کرنے کے لئے ہوگی۔ نہ تو حمیت قومی اس کا سبب ہوگا اور نہ شہرت و ناموری کی بنا پر اس قدر خونریزی جائز رکھی

Marfat.com

جائے گی بلکہ جو کچھ ہو گا فتنہ کو مٹانے کے لئے تاکہ دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔ پھر اسلام نے کوئی کام آج تک بے اصولا نہیں بتایا ہر ایک کام کے لئے اصول و ضوابط مقرر کئے۔ مسلمان کہلانے والے بے اصولے ہو جائیں یہ دوسری بات ہے۔ اسلام نے اس نازک موقع پر پہنچ کر بھی جس میں زندگی و موت کا سوال ہے اصولوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا فرمایا کہ صرف ان لوگوں سے یہ جنگ لڑی جائے گی جو تمہارے مقابلہ کے لئے میدان جنگ میں نکلیں گے جس سے مراد اصل یہ ہے کہ عورتیں' بچے' بوڑھے اور مذہبی عبادت میں مصروف لوگ یعنی راہب و پادری' اپاہج اور معذور بلکہ سب لوگ جو کفار کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں ہے ہاں یہ اپنے لڑنے والے کفار کی مدد کریں تو یہ گویا ان کے ساتھ شریک سمجھے جائیں گے۔ کیونکہ ارشاد الٰہی خود ان ساری باتوں کی وضاحت کر رہا ہے فرمایا "الذین یقاتلونکم" یعنی وہ لوگ جو تم سے لڑائی لڑتے ہیں۔

پھر یہ اصول جہاد کا حکم دیتے ہی ساتھ بیان کر دیا کچھ مدت بھی اس کا انتظار نہیں کیا اور اب تک یہ اصول اسلام کا جاری و ساری ہے خود رسول اللہ ﷺ کی ہدایات جو مجاہدین اسلام کو بوقت جہاد کیں ان میں اس حکم کی واضح تشریحات موجود ہیں چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک حدیث میں ہے :

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان "یعنی رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔"

ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ بعض لوگ غنیمت کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔ بعض کا مطمع نظر شہرت و ناموری ہوتا ہے۔ کسی کا مقصد عزت و وقار ہوتا ہے۔ ان میں سے فی سبیل اللہ کون سی بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "فی سبیل اللہ" اس شخص کی جنگ کو کہا جائے گا جو صرف کلمۃ اللہ کی بلندی یعنی دین الٰہی کی خاطر لڑا؟ اسی طرح ایک شخص نے آپؐ سے پوچھا کہ ایک شخص "جہاد فی سبیل اللہ" میں شریک ہوتا ہے مگر دنیا کی عزت و کرامات اور جاہ و حشمت کا طالب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو ذرہ برابر بھی اجر نہ ملے گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ انہوں نے قوم اور وطن کو توحید خالص کے لئے قربان کیا تو پیشوائی عالم کے لئے چن لئے گئے۔ پس یہ تمام واقعات ثابت کرتے ہیں کہ جہاد کی اصل غرض و غایت صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہونا چاہئے اور جنگ صرف ان لوگوں سے ہو جن سے مخالفت کا اندیشہ ہے جو اسلام کو تباہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حکومت اسلامی کا فرض ہے فوراً قتل کر دے۔ اگر انہیں مہلت دی اور وہ اس درمیان آلات حرب سے مسلح ہو گئے تو کامیابی کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ البتہ ان لوگوں سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں جو فطرۃ" جنگ کرنے سے عاجز ہیں ان میں لڑنے کی استعداد و قابلیت ہی

Marfat.com

يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾
وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ

کے ساتھ لڑو۔ ہاں! کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہئے اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو کسی حال میں بھی زیادتی کرنے والے ہوں۔ ۱۹۰

کفار میں سے جن لوگوں نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کیا ہے انہیں[۳۴۷] جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور جس جگہ[۳۴۸] سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی انہیں ناکوں چنے

نہیں اور نہ وہ کسی قسم کی تیاری کر سکتے ہیں پھر فرمایا کہ اگر ان سے بھی جنگ شروع کر دو گے تو یہ تمہاری زیادتی تصور ہوگی اور ہماری برکتوں کا سلسلہ تمہارے لئے بند ہو جائے گا۔

اسلام کا حکم جہاد آنے سے پہلے بھی قومیں اس صفحہ ہستی میں موجود تھیں اور باہم جنگ و قتال بھی جاری تھا لیکن سب قوموں میں اس بات کا رواج تھا کہ جب جنگ جاری ہو گئی عورتوں' بچوں اور بوڑھوں سب کے سب کو تہ تیغ کر دیا جاتا بلکہ جانوروں تک کو مار ڈالا جاتا تھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اکثر اوقات کھیت' باغات اور گھروں کا تمام مال و متاع آگ کی نذر کر دیا جاتا یہ صرف اور صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ عین انتہائی جوش و غضب کے موقع پر بھی اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور بار بار تقویٰ و طہارت اور عفو و درگزر کی تعلیم دیتا ہے۔ فتح مکہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا داخلہ بیت المقدس اور علاوہ ازیں بیسیوں امثال و نظائر اس کے موجود ہیں۔

جنگ جاری کرنے والوں کو اب جہاں پاؤ قتل کرو یہاں تک کہ وہ جنگ سے باز آجائیں

۳۴۷: ایسے مخالفین اور معاندین اسلام کو جو ہر وقت تمہارے فنا کرنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں۔ جہاں پاؤ قتل کر دو کیونکہ ان کو چھوڑ دینا اور مخالفت کا موقع دینا ہرگز قرین عقل و انصاف نہیں ہے۔ جب وہ تمہارے قتل کے لئے ہر مناسب موقع کی تلاش میں رہتے ہیں تو تم انہیں آخر کیوں چھوڑو گے؟ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً (التوبہ ۹ : ۱۰) "کسی مومن کے لئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں' نہ عہد و قرار کا یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔"

اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم

Marfat.com

بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبہ ۹ : ۱۳) "اے مسلمانو! کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیان کی قسمیں توڑ ڈالیں۔ جنہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے بنائے اور پھر تمہارے خلاف لڑائی میں بھی پہل انہی کی طرف سے ہوئی۔"

بیت اللہ الجلیل کے اصل وارث مسلمان تھے۔ اس لئے کہ یہی ابراہیمی ملت کے پابند تھے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے کہ : اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ال عمران ۳ : ۶۸) "فی الحقیقت ابراہیم علیہ السلام سے نزدیک تر لوگ تو وہ تھے جو اس کے قدم بقدم چلے نیز اللہ تعالیٰ کا یہ نبی ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں۔"

مشرکین کی جسارت کا اندازہ لگاؤ

۳۲۸ قرآن کریم کہتا ہے کہ ان مشرکین کی جسارت کا ذرا اندازہ لگاؤ کہ یہ کس قدر بڑھ چکے ہیں کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا محاورہ انہوں نے اپنا رکھا ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے اصل وارث ہیں ان ہی کو ابراہیم علیہ السلام کے گھر سے نکال دیا ہے۔ غور تو کرو کہ کفار نے ان کو یعنی مسلمانوں کو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دیا اور خود اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ اب مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ اس مرکز اسلامی سے ان کو الگ کر دیں اور اس مرکز کو ان سے خالی کرا لیں اور واپس لے لیں۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ صرف بیت اللہ پر قبضہ کر کے ان کا فرض ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ اب شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا" ان کا طغرائے امتیاز ہے اور "خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" ان کی خصوصیت کبریٰ ہے۔

اس دنیا میں جس قدر انبیاء کرام آئے ہیں ان سب کے وارث اصلی اب مسلمان ہی ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں۔ ان رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کے لئے مرکز قائم کئے مگر کچھ مدت کے بعد ناخلف ان پر قابض ہوگئے۔ اس لئے بیت اللہ کو اب اپنے قبضہ میں لینے کے بعد ان کا دوسرا فرض یہ ہوگا کہ دنیا بھر میں جس قدر بھی مذہبی مراکز ہیں ان پر قبضہ کر لیں تاکہ حکمتہ اللہ بلند ہو اور صحیح معنوں میں وہ "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" کے مصداق بن سکیں۔

یہاں ایک بات اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر یاد بھی رکھیں کہ "واقتلوا ھم" سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قتال و جہاد فریضہ انفرادی نہیں بلکہ امام کی معیت میں ہے۔ لشکر کا وجود و وجوب بہ طور عبارۃ النص کے نکلا اور امام کا بہ طور اقتضاء النص کے کہ لشکر کا انتظام و اجتماع بغیر ایک امام کے ممکن نہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو آج امت مسلمہ بالکل بھول چکی ہے جس کے نتیجہ میں مسلمان خود ہی ایک جماعت نہیں رہے بلکہ مختلف جماعتوں اور گروہوں تقسیم ہوگئے اور یہ چیز بذاتہ شرک ہے۔ جب تک مسلمان مل کر ایک امیر کو منتخب نہیں کرتے اس وقت تک جہاد کوئی جہاد نہیں بلکہ اس کو جہاد کے نام سے موسوم کرنا اسلام کے ماتھے پر

Marfat.com

أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ

چھوا ؤیعنی لڑ کر نکال باہر کرو کیونکہ فتنہ ۳۲۹ کا قائم رہنا قتل و خون ریزی سے بڑھ کر ہے لیکن

ایک داغ کے مترادف ہے جس نے اسلام کی تصویر کو بگاڑ کر بالکل اسلامی نہیں رہنے دیا۔ اس وقت جو صورت حال اس ملک پاکستان کے اندر ہے کہ ایک جماعت مسلمہ کئی جماعتوں میں تقسیم ہوگئی پھر ایک ایک تقسیم شدہ جماعت کے کئی کئی گروہ بن گئے اور ہر گروہ نے ایک دوسرے پر تلوار سونت لی اس طرح ایک لڑائی اپنے گھر کے اندر جاری ہے اور ملک کے باہر بھی بالکل اس طرح کی لڑائی کو جہاد کے نام سے جاری رکھا ہوا ہے۔ اور اسی طرح ایک ایک جماعت کے کئی کئی سرغنوں نے اپنی اپنی جماعتوں اور اپنے اپنے گروہوں کے نام سے صرف اپنے اپنے پیٹ کی خاطر جہاد کا نام بدنام کر رکھا ہے دراصل اسلامی نکتہ نظر کے مطابق یہ سب ایک نہ ہوں تو واجب القتل ٹھہریں گے۔ اور اس سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کے کھلے اور واضح ارشادات موجود ہیں کہ ایک کی موجودگی میں جب کوئی دوسرا خلافت و امارت کی کوشش کرے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ کم از کم فقہ حنفیہ کی بار بار رٹ لگانے والوں کو پہلے اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے والی اللہ المشتکی۔

فتنہ کا قائم رہنا خونریزی سے بھی بڑھ کر جرم ہے

۳۲۹ مشرکوں کی شرارت جسے اس جگہ فتنہ سے موسوم کیا گیا ہے وہی تو اصل جڑ تھی اور اخراج و قتل وغیرہ اس کی سزائیں تو محض فروع ہیں۔ "الفتنۃ" سے مراد شرک یا اس کی ترغیب و تحریص اور اہل توحید کی تخویف ہے۔ کفر اور ترغیب کفر کو فتنہ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ نظام کفر آخر دنیا کو فتنہ و فساد، کشت و خونریزی اور غدر و بدامنی ہی کی طرف لے جاتا ہے۔

پھر "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" یعنی فتنہ اتنی بری شے ہے کہ حرم میں قتل و خون سے بھی اپنی برائی میں بڑھا ہوا ہے کیونکہ اس مرکز توحید و ایمان میں شرک، اشاعت شرک و تبلیغ شرک کا فتنہ بپا کر رکھا ہے۔ اور یہ معنی بھی درست و صحیح ہیں کہ مکہ والوں کی یہ مسلسل و غیر منقطع تعدیاں اور مظالم قتل سے بھی کہیں زیادہ سخت و ناقابل برداشت ہیں۔

کہا جا رہا ہے کہ جنگ کوئی اچھی چیز نہیں بلکہ ایک ناگزیر حالت ہے لیکن فتنے کا قائم رہنا بذاتہ برائی ہے پس مجبوری ہے کہ فتنے کے ازالہ کے لئے جنگ کی حالت گوارا کر لی جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اس وقت خصوصاً قریش مکہ کا فتنہ کیا تھا؟ وہ یہ تھا کہ وہ جبر و قہر سے لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے حق نہ سمجھیں یعنی دین و اعتقاد کی آزادی مفقود ہوگئی تھی قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ برائی جنگ سے بھی زیادہ سخت اور نازک ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کا انسداد کیا جائے اور اس کے انسداد کے لئے جنگ کو

Marfat.com

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ

یاد رکھو جب ۳۳۰ تک وہ خود مسجد حرام کی حدود میں تم سے لڑائی نہ کریں تم بھی اس جگہ ان سے لڑائی نہ کرو۔ ہاں! اگر ایسا ہو کہ انہوں نے اس مقام پر تم سے لڑائی شروع کردی تو

قبول کرلیا جائے۔

جب کبھی انفرادی و اجتماعی اغراض کا تصادم ہو تو ہمیشہ انفرادی فوائد کو قومی مقاصد پر قربان کیا جاتا ہے۔ کل مصلحت کے مقابلہ میں جزئی مصلحت کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اگر ایک انسان یا چند انسانوں کا قتل ہونا ملک کے حق میں مفید ثابت ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ پس قتل و قتال اس قدر مذموم نہیں جتنا فتنہ و فساد اور یہ فتنہ بغیر قتال کے فرو نہیں ہو سکتا۔

مسجد حرام کی حدود میں لڑائی جائز نہیں لیکن مجبوری اور شے ہے

۳۳۰ مسجد حرام یعنی بیت اللہ بلکہ اس سے مراد دیوار حرم ہے گویا حرم میں لڑائی کی ابتداء کرنا جائز نہیں کہ کرۂ ارضی میں صرف یہی ایک مقام ہے جس کو امن و سلامتی کا گھر بنایا گیا ہے "وَجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ" البتہ اگر کفار کی طرف سے جنگ کی ابتداء ہو جائے تو اس وقت مسلمانوں کو بھی مجبوراً تلوار ہاتھ میں لینا پڑے گی اور پھر یہ استثناء باقی نہ رہے گا۔

حرم مکہ میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی شکار کرنا جائز نہیں لیکن اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال جائز ہے۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوگئی کی ابتداء جہاد و قتال کی ممانعت صرف مسجد حرام کے اندر یا باہر آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے اسی طرح اعلان جنگ کے ساتھ ابتدائی طور پر بھی درست ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ

گزشتہ آیات سے دو باتیں ثابت ہوگئیں کہ دین اسلام میں امت مسلمہ کا ایک امیر ہے اور مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔

۱۔ کوئی جگہ قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ سوائے حرم مکہ کے لیکن اگر فریق کفار وہاں لڑائی شروع کردے تو مدافعانہ طور پر ان سے قتال کی اجازت ہے۔

۲۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو جہاد سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔ جو لوگ بیت اللہ میں گوشہ گیر ہیں، ذکر

Marfat.com

الٰہی ان کا مقصد وحید ہے اور شب و روز اسی کی عبادت میں مصروف ہیں۔ تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق ان کے پیش نظر ہو وہ بھی عند الضرورۃ جنگ کی شرکت سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے کیونکہ جب خود بیت اللہ ہی میں جنگ شروع ہو جائے گی تو کون ان کی اعانت کے لئے آئے گا بلکہ انہیں خود ہی اس کے لئے تیاری کرنا پڑے گی۔ ایسے وقت میں تسبیح و تہلیل پر ہی اکتفا نہ کرنا ہوگا بلکہ جہاد میں شرکت ضروری ہوگی۔ باقی واقعات کو چھوڑ کر تم خود لسان الٰہی کی غیر مشتبہ آواز ہی پر غور کرو تو بات سمجھ میں آجائے گی فرمایا گیا:

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝ (التوبہ ۹ : ۱۹) ”کیا تم لوگوں نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظلم کرنے والوں پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا۔“

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری سے کسی مسلمان کو مفر نہیں ہے۔ ہاں! جب مخالفین اپنی شرارتوں سے باز آجائیں اسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنا ترک کر دیں اور قرآن کریم کی فنا سامانی کے لئے خفیہ تیاریاں کرنی چھوڑ دیں تو پھر جنگ کی ضرورت نہیں۔ قتل و قتال کا فتویٰ اس صورت میں دیا گیا ہے جب کہ اسلام کے بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی دوسری جگہ حکم قتال اور جواز جنگ کی اصل علت بیان فرما دی:

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (۴۷ : ۴) ”یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے۔“ یعنی دنیا میں عالمگیر صلح و امن قائم ہو جائے۔ ساری دنیا ایک قوم اور تمام نوع انسانی ایک گھرانے کی طرح زندگی بسر کرے۔

ذرا غور کر لو کہ قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا غرور تھا اور جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے تو اس طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سعادت کا ذریعہ سمجھنے لگتی ہے۔ چنانچہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کہ کسی بزرگ کی سجادہ نشینی، کسی مزار کی مجاوری، کسی زیارت گاہ کا متولی ہونا جو اثر و رسوخ رکھتا ہے وہ بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر مومن و متقی کو بھی حاصل نہیں؟ کیوں یہی گمراہی پھیلی ہوئی ہے دیکھو ایک صالح و متقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا لیکن ایک فاسق و فاجر مجاور یا متولی درگاہ کی ہزاروں آدمی قدم بوسی کریں گے۔ سورہ توبہ کی آیت انیس میں اس گمراہی کا ازالہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اصل نیکی یہ نہیں کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی جائے یا خانہ کعبہ میں روشنی کر دی جائے بلکہ اصلی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا اور جس نے اعمال حسنہ انجام دیئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

****

Marfat.com

قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ‌ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۱۹۱ فَاِنِ
انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۹۲ وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا
تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ‌ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا

تمہارے لئے اس مقام پر لڑنا ضروری ہو جائے گا۔ منکرین حق کا یہی بدلہ ہے۔ ۱۹۱
لیکن پھر بھی۳۳۱ جب وہ لڑائی سے باز آگئے تو پھر اللہ کی بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔
بلاشبہ وہ رحمت سے بخش دینے والا ہے۔ ۱۹۲
اور۳۳۲ ان سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ
ہی کے لئے ہو جائے' پھر اگر ایسا ہو کہ یہ لوگ لڑائی سے باز آجائیں تو تم بھی ہاتھ

کفار اپنی روش چھوڑ دیں تو اللہ معاف کر دے گا

۳۳۱ تم جس اللہ پر ایمان لائے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گناہ گار کو بھی وہ معاف کر دیتا ہے جب وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے۔ یہی صفت تم بھی اپنے اندر پیدا کرو تخلقوا باخلاق اللہ۔

تمہاری لڑائی انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لئے ہو جب تک کوئی گروہ راہ خدا میں مزاحم رہے بس اسی وقت تک اس سے تمہاری لڑائی بھی رہے اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو تمہارا ہاتھ بھی پھر اس پر نہ اٹھے۔

فتنہ کے خاتمہ تک جنگ جاری رہے گی' فتنہ ختم ہو گا تو اللہ کا دین جاری ہو گا

۳۳۲ "ان سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے" فتنہ کیا ہے؟ فتنہ یہ ہے کہ اللہ کے دین کو انہوں نے اللہ کا نہیں رہنے دیا۔ اگر اللہ کے دین کو وہ اللہ ہی کا رہنے دیتے تو آخر لڑائی ہی کیوں لڑتے؟ مسلمانوں کو جو دکھ دیا جاتا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب صرف ان کا مسلمان ہونا ہے اور مشرکین گویا جنگ اس لئے لڑ رہے ہیں کہ یہ مسلمان مسلمان کیوں ہیں؟ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی ان مشرکوں سے جنگ لڑو یہاں تک کہ مسلمانوں کو دین اسلام کی وجہ سے دکھ نہ دیا جائے۔ آگے فرمایا "ویکون

Marfat.com

الدین للّٰہ" اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی جب دین کے لئے کوئی دکھ دینے والا نہ ہو تو دین اللہ کا ہو گا۔ یعنی اسلام کے نزدیک جنگ کی غرض مذہبی آزادی کا قائم کرنا ہے اور یہی معنی لا اکراہ فی الدین کے ہیں یعنی دین میں کوئی جبر نہ رہے۔

"دین اللہ کے لئے ہو" کا مطلب جو یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام ہی اسلام ملک میں ہو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھو جہاں تک کہ ملک میں اسلام ہی اسلام ہو جائے تو پھر ان آیات کا کیا بنے گا جن سے کفار سے صلح کر لینے کا حکم ہے اور خود نبی کریم ﷺ نے کفار سے صلح کی اور اس وقت تک جنگ جاری نہیں رکھی جب تک اسلام ہی اسلام ہو جائے۔

حدیبیہ کے میدان میں نبی کریم ﷺ نے کفار کی پیش کردہ شرائط پر صلح کی یہاں تک کہ جو کافروں میں سے مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آئے ان کو بھی واپس کر دینا منظور فرمایا۔ پھر اہل مکہ کو حالت کفر پر چھوڑ کر معاف کر دیا اور اس طرح کی سینکڑوں مثالیں اسلام میں موجود ہیں۔ آپ ذرا غور کریں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے۔ یہود کے اور نصاریٰ کے وفد آتے رہے حالانکہ اس وقت مشرکین مشرک ہی تھے وہ مسلمان نہیں ہوگئے تھے۔ اس طرح یہود یہود ہی تھے اور نصاریٰ بھی نصاریٰ ہی تھے۔ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی عرب میں یہود و نصاریٰ موجود تھے۔ اسلام ہی اسلام نہ ہو چکا تھا۔

دراصل دیکھنے میں تو یہ الفاظ کہ "سارے کا سارا اسلام ہی ہو جائے" بڑے اچھے محسوس ہوتے ہیں لیکن اس میں دین کے لئے جبر بالکل صاف صاف نظر آتا ہے جو اسلام کا مطمع نظر بالکل نہیں تھا۔ اسلام نے جبر کو کبھی پسند نہیں کیا۔ اور جب تک جبر رہے دین اللہ کا دین نہیں کہلا سکتا۔ یہاں جو لڑائی لڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ اس لئے کہ مشرکین نے اللہ کے دین کو اللہ کا نہیں رہنے دیا تھا اگر وہ دین کو اللہ کا رہنے دیتے تو مسلمانوں سے جنگ کیوں کرتے؟

فرمایا کہ "اگر یہ لوگ لڑائی سے باز آجائیں تو تم بھی ہاتھ روک لو۔" باز آجانے سے مراد کافروں کا اپنے کفر و شرک سے باز آجانا نہیں بلکہ فتنہ سے باز آجانا ہے۔ کافر' مشرک' دہریئے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنا جو عقیدہ رکھنا چاہتا ہے رکھے اور جس کی چاہے عبادت کرے یا کسی کی بھی نہ کرے۔ اس گمراہی سے اس کو نکالنے کے لئے ہم اسے فہمائش اور نصیحت کریں گے۔ اس کے باطل عقائد کا رد کریں گے اپنے عقیدے کی خوبی بیان کریں گے مگر اس وجہ سے اور پھر صرف اسی وجہ سے اس سے لڑیں گے نہیں۔ لیکن اس کو بھی یہ ہرگز حق نہیں کہ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کی بجائے اپنے باطل قوانین جاری کرے اور اللہ کے بندوں کو غیر اللہ کا بندہ بنائے۔ کیونکہ یہی وہ فتنہ ہے اور اس فتنے کو رفع کرنے کے لئے حسب موقع اور حسب امکان تبلیغ سے کام لیا جائے گا اور پھر تبلیغ میں وہ رکاوٹ ہوں گے تو شمشیر سے بھی کام لیا جائے گا اور مومن اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کفار اپنے اس فتنے سے باز نہ آجائیں اور پھر یہ فرمایا کہ "اگر وہ باز آجائیں تو تم

Marfat.com

بھی ہاتھ روک لو مگر انہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں۔" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب نظام حق قائم ہو جائے تو عام لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا لیکن ایسے لوگوں کو سزا دینے میں اہل حق بالکل حق بجانب ہوں گے کہ جنہوں نے اپنے دور اقتدار میں نظام حق کا راستہ روکنے کے لئے ظلم و ستم کی حد کر دی ہو اگرچہ اس معاملے میں بھی عفو و درگزر سے کام لینا ہی صالحین کو زیب دیتا ہے تاہم فتح یاب ہونے کے بعد اگر وہ دیکھیں ان کے جرائم کی فہرست بہت زیادہ طویل ہے تو ان کو سزا دینا بھی جائز ہے اور اس اجازت سے خود نبی کریم ﷺ نے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن معیط اور نضر بن حارث کو قتل کرا دیا گیا وہ اسی اجازت سے تھا۔

"یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ" کا مطلب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"اتاه رجلان فی فتنة ابن الزبیر فقالا ان الناس ضعفوا وانت ابن عمر و صاحب النبی صلی اللہ علیه وسلم فما یمنعک ان تخرج فقال یمنعنی ان اللہ حرم دم اخی فقالا الم یقل اللہ فقاتلوهم حتی لا تکون فتنة فقال قاتلنا حتی لم تکن فتنة وکان الدین لله وانتم تریدون ان تقاتلوا حتی تکون فتنة ویکون الدین لغیر اللہ (بخاری) عبداللہ بن زبیر کے فتنہ میں دو شخص ابن عمر کے پاس آئے اور کہا کہ لوگوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ آپ عمرؓ کے صاحبزادے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے صحابی ہیں کیوں نہیں نکلتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے یہ بات منع کرتی ہے کہ اللہ نے میرے بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کیا اللہ کا یہ حکم نہیں "فَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ" ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے جنگ کی یہاں تک کہ فتنہ فرو ہوگیا اور دین صرف اللہ کا ہوگیا اور تم اس لئے جنگ کرتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو اور دین غیر اللہ کے لئے ہو جائے۔

انہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فتنہ کے متعلق یہ بھی بیان فرمایا کہ:

"کان الاسلام قلیلا وکان الرجل یفتتن فی دینه اما قتلوه واما یعذبوه حتی کثر الاسلام فلم تکن فتنة" یعنی جب اسلام کمزور و ناتواں تھا تو دشمنان دین و ملت مسلمانوں کو فنا کرنے کی فکر میں رہتے تھے مگر جب اسے حکومت و سلطنت نوازش کی گئی اور اسے تمکین فی الارض حاصل ہوگئی تو اب کسی مخالف میں اتنی ہمت نہ رہی کہ فرزندان اسلام کو نیچا دکھا سکے اور ان کی راہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کر سکے گویا سرزمین عرب میں اسلام کو غلبہ و اقتدار حاصل ہوگیا اور اس کے دشمن ذلیل و رسوا ہوگئے۔

ان دونوں روایات کے ملانے سے اس آیت کے معنی خود بخود صاف ہو جاتے ہیں کہ تم برابر جنگ کرتے رہو تاآنکہ فتنہ و فساد کے اجزاء عناصر محو و باطل ہو جائیں کلمتہ اللہ اور قانون الٰہی بلند و برتر ہو کسی شخص کو خدائی قانون کی خلاف ورزی کی طاقت نہ ہو اور اگر کوئی شخص اس کی توہین کرے تو حکومت اس کو فوراً سزا دے۔ اسلام اس امر کا آرزو مند ہے کہ قانون الٰہی عام ہو جائے جملہ مذاہب امن و اطمینان سے اس کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ مذہبی مقامات گرجے، عبادت گاہیں اور مسجدیں بدکار لوگوں کی دست برد سے محفوظ رہیں۔ مذہبی

Marfat.com

عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۱۹۳ ۞ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ

روک لو مگر انہی لوگوں کے مقابلہ میں جو ظلم کرنے والے ہیں۔ ۱۹۳

اگر حرمت[۳۳۳] کے مہینوں کی رعایت کی جائے تو تمہاری طرف سے بھی رعایت ہونی

آزادی ہو۔ اسلام کی راہ ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کرے خود آپس میں لڑنے نہ پائیں۔ جب کبھی ان میں سے کوئی اسلام کی یا قانون اسلام کی علی الاعلان توہین کرے تو اس سے مواخذہ کیا جائے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس سے دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے ورنہ فتنہ ہمیشہ سر اٹھاتا رہے گا اور لوگ کبھی چین سے زندگی بسر نہ کریں گے۔ اگر یہ لوگ اسلام کی مخالفت سے باز آجائیں اور اس کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ جس وقت مسلمانوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان کے شکوک و شبہات کو دور کر دیا تو وہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۲۔ اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں مگر اس کی مخالفت نہ کرنے کا بھی عہد کرتے ہیں۔ اور سوائے توحید کے ماتحت رہنا پسند کرتے ہیں تو شوق سے رہیں مگر انہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی ان کو اسلام کی مخالفت سے باز نہ رکھ سکے اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں اور برابر اسلام کی تباہی کے لئے تدبیریں سوچتے رہیں تو پھر ان کی سزا قتل ہوگی اور انہیں کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

حرمت کے مہینوں کا احترام ضروری ہے

۳۳۳ "اشہر حرم" جن میں جنگ کرنے کی ممانعت ہے چار ہیں۔ رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ ان مہینوں کا احترام زمانہ جاہلیت میں کیا جاتا تھا۔ جنگ بند کر دی جاتی۔ راستے کھل جاتے اور تجارت شروع ہو جاتی۔ مسلمانوں کو اب بھی یہی حکم ہے کہ ان مہینوں میں جنگ نہ کریں لیکن اگر کفار کی طرف سے ابتداء ہو جائے تو ان کو جواب دینا مسلمانوں کا اولین فرض ہے۔ جب ایک فریق نے پابندی نہیں کی تو دوسرا فریق مجبور ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد تو بس اس پر ہے کہ دوسرا فریق بھی اس کی حرمت ملحوظ رکھے اور اگر یہ نہیں تو پھر کسی مہینہ کی حرمت کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ چیز تو محض عوض معاوضہ کی دو طرفین کے تعامل پر مبنی ہے۔

یہاں اشارہ ذی قعدہ ۷ ہجری کی جانب ہے۔ رسول اللہ ﷺ بہ قصد عمرہ اس وقت صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے لیکن مشرکین مکہ آمادۂ قتال ہو گئے تھے صرف آمادہ ہی نہیں بلکہ تیر اندازی اور سنگ اندازی شروع کر دی تھی عرب جاہلیت اپنی جہالت، شقاوت جنگ جوئی کے لئے بدنام اور بالکل بجا طور پر بدنام

Marfat.com

تھے لیکن اس کے باوجود سال میں صرف دو تہائی لڑتے تھے اور باقی ۱/۳ حصہ امن و آشتی ہی کے مشغلہ میں گزار دیتے تھے۔

”جو تم سے ان حرمتوں کی رعایت کرے تم بھی ان سے حرمتوں کی رعایت ملحوظ رکھو۔“ قصاص کے لفظی معنی تو بدلہ کے ہیں جیسے پہلے گزر چکا خواہ وہ معاوضہ قولی ہو، عملی ہو یا جسمانی اور اس جگہ عمل مراد ہے یعنی جیسا تمہارے فریق مقابل نے تمہارے ساتھ کیا ہے تم بھی اس کے ساتھ کرو۔ یہاں کافروں پر تعریض ہے کہ خود تو ان مقدس مہینوں کا ذرا پاس و لحاظ نہیں کرتے اپنی کسی حرکت سے بھی باز نہیں آتے اور مسلمانوں سے توقع یہ رکھتے ہیں کہ وہ ان کے سارے ظلم اور زیادتیوں پر اس لئے خاموش رہیں گے کہ یہ مقدس مہینے ہیں۔

”تم بھی زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی۔“ یعنی اگر فریق مقابل قتال شروع کر دے تو تم بھی جوابی کارروائی کرو کیونکہ اگر تم خاموش رہے تو وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے یہ میدان جنگ ہے یہاں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہوگا۔ اور ان کو چھیڑ خانی کا مزہ چکھانا ہوگا۔ یہاں مسلمانوں کی اسی جوابی کارروائی کو محض مجازاً اور محاورۂ زبان کے اعتبار سے اعتداء فرما دیا گیا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ زیادتی کے جواب میں کی گئی کارروائی بہ طور سزا ہوئی ہے اس پر حقیقتہً ”زیادتی کا اطلاق ہو، کیونکر سکتا ہے؟ محض لفظی تطابیق کی بنا پر یہاں سزائے اعتداء کو خود اعتداء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ بس یہ محاورۃً ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ عام بول چال میں اس طرح بولا جاتا ہے۔

”اللہ سے ڈرتے رہو۔“ یہ اسلام ہی کا معجزانہ کمال ہے کہ ایک طرف تو قتال اور انتقام کی اجازت پوری پوری دی اور دوسری طرف آخر میں پھر یہ بھی یاد دلا دیا کہ دیکھنا حدود سے تجاوز کسی حال میں بھی نہ ہو۔ جوش میں ہوش کو نہ ضائع کر دینا بلکہ قابو رکھنا یہ نہ ہو کہ الٹی زیادتی تم اپنی طرف سے حالت انتقام میں کرنے لگو۔ خوف الٰہی اور باز پرس کا خیال ہر وقت ذہن میں رکھنا۔ جو کچھ بھی ہو، شدید اشتعال کے موقع پر بھی ہیجان نفس کے ماتحت نہیں خشیت الٰہی کے ماتحت ہو۔

سبحان اللہ! اس حکیمانہ امتزاج کی نظیر دنیا کے کس قانون، کس آئین، کس نظام کے اندر ملے گی؟ ممکن نہیں یہ اسلام ہی کا کمال ہے کہ عین حالت جنگ میں بھی عقل و فکر کی دعوت کو نہیں بھولا۔

دیکھو ابھی ابھی انتقام میں بھی اہل ایمان پر تقویٰ کی زبردست قید عائد کی جا چکی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام سے کہیں پست ہمت نہ ہو جانا اور یوں نہ خیال کرنے لگنا کہ ”حدود و قیود“ عائد کر کے پرزور مقابلہ سے روکا جا رہا ہے اور ان کے بعد دل کے حوصلے پوری طرح کیونکر نکل سکیں گے؟ یہ بات نہیں ہے بلکہ قانون الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی فتح و نصرت رحمت و عنایت شامل حال انہی لوگوں کے رہتی ہے جو اس کی خشیت و عظمت اپنے دل میں رکھتے ہیں اور متقی ہوتے ہیں۔ گویا تقویٰ کی تاکید عین نصرت و ہمت افزائی کے لئے ہے ضعف و کمزوری پیدا کرنے کے لئے نہیں۔

Marfat.com

الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ

چاہیے اگر نہ کی جائے تو تمہاری طرف سے بھی رعایت نہ ہونی چاہیے۔ حرمت کے معاملہ میں بھی مساوات ہے' پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو چاہیے کہ جس طرح کا معاملہ اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ویسا ہی تم بھی اس کے ساتھ کرو۔ ہاں! اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات نہ بھولو کہ اللہ انہی لوگوں کا ساتھی ہے جو اپنے تمام کاموں میں متقی و پرہیزگار ہوں۔ ۱۹۴

اور اللہ کی راہ میں[۳۳۴] مال خرچ کرو ایسا نہ کرو کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو

متقیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کی آخر نوعیت کیا ہوتی ہے؟ جتنا غور و فکر کر لو فیصلہ یہی ہوگا کہ اللہ کی معیت بلحاظ اس کی نصرت و اعانت حفظ علم وغیرہ کے ہوتی ہے نہ کہ کسی جسمانی یا مادی اعتبار سے۔

کسی قوم پر اللہ کا سب سے بڑا فضل اور انعام یہ ہوتا ہے کہ اس کے ارادہ میں جزم و استحکام پیدا ہو جائے وہ بلند ہمت ہو۔ عزم و استقلال پورا ہو۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو مضبوط رکھیں۔ اللہ کے قانون کی عزت و حرمت ان کے پیش نظر رہے۔ ایسے لوگوں کی ہر موقع پر دستگیری کی جائے گی۔

جہاد میں مال کی بھی ضرورت ہوگی وقت آنے پر دریغ نہ کرنا

۳۳۴: جہاد فی سبیل اللہ کے لئے قدم قدم پر روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ اگر ہر ایک مسلمان لڑنے کے لئے تیار ہوگیا اور حکومت کے پاس روپیہ نہ ہوا تو سخت دقتیں پیدا ہوں گی۔ سامان حرب کی خریداری نہ ہو سکے گی پھر علاوہ ازیں سلطنت کے اور سینکڑوں کام ہیں جو روپیہ کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ خصوصاً ایسے وقت میں تو روپیہ کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے جب کہ دشمنوں نے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی ٹھان لی ہو اس لئے اب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

اسلام میں جس طرح محض جان دے دینا مطلوب و مقصود نہیں بلکہ وہ جان دینا مطلوب و مقصود ہے جو

Marfat.com

اللہ کی راہ میں ہو۔ اللہ کے دین کی بڑائی کے لئے ہو اور اللہ کے بتائے ہوئے حکم اور طریقہ کے مطابق ہو۔ اس طرح مطلق صرف مال کی ہرگز کوئی وقعت و قدر نہیں۔ قدر صرف اس مال کی ہے جو باطل کی راہ میں نہیں' حق کی راہ میں ہو۔ ہوائے نفس کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہو۔ یہاں اشارہ خاص جہاد و قتال کی جانب ہے لیکن فی سبیل اللہ کے الفاظ عام ہیں۔ ہر دینی خدمت میں مالی امداد اس کے تحت میں آجاتی ہے۔

قرآن کریم میں جب صیغہ جمع حاضر آتا ہے تو کبھی تو افراد مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی جماعت کیونکہ جماعت بھی ایک لحاظ سے جمع ہے۔ یہاں اصل مخاطبت امت سے بہ حیثیت مجموعی ہے اور بیان یہ حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد امت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل سے کام لیا تو نتیجہ لازمی طور پر ساری امت کی تباہی و بربادی اور ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

"اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو" یعنی اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یہاں مراد یہ ہے کہ امت کی ضرورت کے موقع پر بخل کر کے امت کو بربادی میں نہ ڈالو۔ یہی معنی ابن عباس۔ ابو ایوب انصاری۔ حذیفہ صحابہ سے اور حسن و قتادہ و عکرمہ و عطا تابعین سے مروی ہیں اور محدث جلیل امام بخاریؒ نے بھی یہی معنی اختیار کئے ہیں۔

جہاد ترک کر دینا تباہی و بربادی ہے اور صرف روپیہ دے کر اپنی جان چھڑا لینا بھی کافی نہیں۔ بلکہ روپیہ دینے کے ساتھ ساتھ خود جنگ کی تیاری اور جہاد میں شرکت ضروری ہے۔ ایسے موقع پر جبن اور بخل سے کام لینا اپنے آپ کو ضعف و کمزور اور مخالف کو قوی و طاقتور بناتا ہے۔ بس جان اور مال دونوں کو حاضر کرو "وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ" کا حکم یاد رکھو اور جو قانون تم کو دیا گیا ہے نیک نیتی سے اس کی پابندی کرو۔ اللہ تمہاری نصرت و دستگیری کرے گا۔ البتہ جن لوگوں کی نیت صالح نہیں ہوتی اور صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے قانون پر عمل کرتے ہیں اللہ کے نزدیک ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔

"محسنین" احسان کا لفظ حسن سے نکلا ہے جس کے معنی کسی کام کو خوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں۔ عمل کا ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی کے سپرد جو خدمت ہو اسے کر دے' انجام دے دے۔ اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے خوبی کے ساتھ کرے۔ اپنی پوری قابلیت اور اپنے تمام وسائل اس میں صرف کر دے اور دل و جان سے اس کی تکمیل کی کوشش کرے۔ پہلا درجہ محض طاعت کا درجہ ہے جس کے لئے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہو جاتا ہے اور دوسرا درجہ احسان کا ہے جس کے لئے محبت اور گہرا قلبی لگاؤ درکار ہوتا ہے۔ اور یہ ہر عمل میں دونوں درجات موجود رہتے ہیں اور احسان کا درجہ ہر عمل میں نہایت خوبی کا درجہ ہے۔

جہاد کا بیان جاری تھا اچانک حج کا ذکر کیوں؟

جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل بیان کرتے کرتے درمیان میں قرآن کریم نے حج و عمرہ کا تذکرہ شروع کر

Marfat.com

دیا اور کچھ دور تک اس کا ذکر چلا گیا اس سے فارغ ہوتے ہی پھر جہاد فی سبیل اللہ کی طرف توجہ پھرائی گئی۔ اگر ماقبل و مابعد میں درس و فکر سے کام لیا جائے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ قتال فی سبیل اللہ اور حج بیت اللہ میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا ربط و تعلق ہے مگر اس ربط کو معلوم کرنے سے پہلے تمام اعمال اسلامی پر ایک سرسری نظر ڈال لیجئے۔

نماز ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم کر دی گئی کہ جنگی خدمت ہر فرزند اسلام کے لئے ادا کرنا ضروری ہے۔ بیک وقت ایک لشکر جرار تیار ہو جس کے اندر قربانی کا جذبہ صادقہ۔ اپنے امیر کی اطاعت راسخ ہو اور جو ہر قسم کی مصیبت و تکلیف برداشت کر سکے۔

زکوٰۃ اپنی آمدنی کا ایک قلیل حصہ فقراء و مساکین اور دوسرے مصارف مذکور میں دے تاکہ ایک طرف تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت ہو تاکہ جب خلافت اسلامی کو اس کی دولت کی ضرورت ہو تو اپنی تمام جائیداد راہ حق میں لٹا سکے اور ایک کوڑی بھی اپنے پاس نہ رکھے اور دوسری جانب ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی و رحم پیار و شفقت اور محبت پیدا ہو جو ایک جذبہ فطری ہے بخل و امساک کے عیوب سے پاک رہے اور قوم بھیک مانگنے سے بچ جائے۔

رمضان کے روزوں سے غرض یہ تھی کہ مسلمان اپنے اندر بھوک' پیاس اور دوسری جسمانی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی عادت پیدا کریں اور اگر کبھی انہیں مخالفین و معاندین اسلام کے مقابلہ میں مصائب و شدائد کا سامنا ہو تو ہمت نہ ہار دیں۔

ایک فوج کے لئے جن امتیازات و خصائص کی ضرورت ہے اور جن کے بغیر کوئی لشکر کامیاب نہیں ہو سکتا وہ تو یہی ہیں۔ عام مسلمانوں نے ان کی پابندی کر لی مگر ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ ان میں کتنوں نے صرف ظاہری صورت کی پرستش کی اور حقیقت سے بالکل غافل رہے اور وہ کتنے ہیں جو مشکل سے مشکل کام میں بھی ہاتھ ڈال سکتے ہیں اور ہر کٹھن منزل میں قدم رکھنے کے قابل ہیں۔ اس لئے کام شروع کرنے سے قبل ان کا امتحان ضروری ہے وہ امتحان یہی فریضہ حج ہے تاکہ مضبوط اور توانا سپاہیوں کا انتخاب ہو سکے۔

اسلام کا ایک پیغام محبت ہے جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتا' بیگانوں کو اپنا اور آشناؤں کو صدیق و حمیم بنا دیتا ہے۔ اہل محلہ میں محبت و یگانگت پیدا کرنے کے لئے پنج گانہ نمازوں کے وقت محلہ کی مسجد میں جمع ہونا واجب کیا گیا شہر والوں کے تعلقات کو محکم و استوار کرنے کے لئے ہفتہ میں ایک مرتبہ مسجد جامع میں نماز جمعہ ادا کرنا ضروری ٹھہرایا گیا۔ اہل شہر اور قرب و جوار کے دیہات کے رہنے والوں میں تعارف اور شناسائی کو پیدا کرنے کے لئے سال میں دو بار عید کی نماز قائم کی گئی اور آخر کار عالم اسلامی میں رابطہ' دین و مذہب مضبوط تر کرنے کی خاطر مختلف قوموں' مختلف نسلوں' مختلف زبانوں' مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے رہنے والوں پر عمر بھر میں ایک دفعہ حج بیت اللہ فرض کیا گیا کہ دین واحد کی وحدت میں سب کے سب شامل ہو سکیں۔

Marfat.com

حج اور جہاد کی مناسبت

اب حج کے احکام ملاحظہ ہوں دیکھو کہ ان کو جنگ کے ساتھ کس قدر شدید مناسبت ہے :

۱۔ تمام حاجیوں کو سادہ بن سلا لباس پہننا پڑتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایک ہی رسول۔ ایک ہی قرآن کریم اور ایک ہی قبلہ پر ایمان رکھنے والے۔ ایک ہی صورت۔ ایک ہی لباس اور ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور ایک ہی نغمہ اور ورد ان کی زبانوں پر ہو۔ چشم ظاہر بیں کو ان اتحاد ظاہری اور معنوی رکھنے والوں کے اندر کوئی ظاہری اختلاف محسوس نہ ہو۔ یہ اللہ کا لشکر ہے۔ یہ سب کے سب اسلامی فوج کے سپاہی ہیں اور فوج میں یونیفارم ہونا ضروری ہے۔

۲۔ ان لوگوں کو ایک خاص قانون کی پابندی کرنا پڑتی ہے' سر منڈانا' ناخن کتروانا' شکار کرنا اور عورتوں سے تعلق خاص پیدا کرنا ممنوع ہے۔ اگر کوئی شخص ان کا مرتکب ہو تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا کہ حاکم علی الاطلاق کی اطاعت راسخ ہو اور اس کے احکام ہماری مصلحتوں کے خواہ کیسے ہی مخالف ہوں مگر ہماری گردنیں ان کے آگے جھک جائیں۔

۳۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ حج کسے کہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ عرفات میں جانے کا نام حج ہے۔ جو شخص تمام ارکان حج ادا کرے اور میدان عرفات میں حاضر نہ ہو تو اس کا حج نہ ہوگا۔ گویا جس طرح آج تم خدائے واحد کی غلامی کا اظہار کرنے کے لئے اس میدان میں آئے ہو آئندہ جب کبھی مسلمانوں کے خلیفہ کو کسی میدان جنگ میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اجتماع کی ضرورت ہو تو اس طرح عزیز و قریب' وطن و دیار' اور مال و جائیداد کو چھوڑ کر حاضر ہو جانا۔ اس میدان کی حاضری ایک طرح کی فوجی نمائش ہوگی کہ کس قدر لوگ جنگ کے لئے تیار ہوتے ہیں۔

۴۔ ہر حاجی کے لئے ضروری ہے کہ جب حج کو روانہ ہو تو اپنا زاد راہ لے کر جائے تاکہ دوسروں کے لئے بار دوش نہ بن جائے۔ ایسے ہی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاد کی تیاری میں مصروف رہے اور ہر قسم کا ضروری سامان حرب اپنے پاس رکھے۔

۵۔ ارکان حج سے فارغ ہو کر اپنی طاقت کے مطابق جانور ذبح کرے تاکہ معلوم ہو کہ ہم خود بھی رب ذوالجلال کے نام پر قربان ہونے کو تیار ہیں "لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" یاد رکھو کہ اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہے یعنی تمہارے دل کی نیکی۔

۶۔ حج میں تین چیزوں کی ممانعت ہے۔

الف ۔ بے حیائی کی باتیں اور ناشائستہ کلام۔

Marfat.com

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَ
اَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۹۵ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ

ہلاکت میں ڈال دو یعنی جہاد کی طرف سے غفلت نہ کرو' نیکی اختیار کرو! یقیناً اللہ کی
محبت انہی لوگوں کے لئے خاص ہے جو نیکی کرنے والے ہیں۔ ۱۹۵
اور دیکھو[۳۳۵] حج اور عمرہ کی جب نیت کرلی جائے تو اسے اللہ کی رضا کے لئے ادا کرنا

ب۔ ناشائستہ باتوں سے اپنے بھائیوں کو مخاطب کرنا۔

ج۔ لڑنا جھگڑنا اس میں تعلیم دی کہ جب مسلمانوں کا لشکر ایک جگہ پر جمع ہو تو اسے ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ تاکہ آپس میں اختلاف و منازعت نہ ہونے پائے۔

۷۔ ایک مرکز پر اجتماع سے مقصد یہ تھا کہ ان میں عالمگیر اتحاد و اشتراک پیدا ہو۔ شوکت اسلام کا اظہار ہو۔ بحری اور بری سفر کے جویا۔ صنادید عالم کے متلاشی۔ عالمان طبقات الارض۔ واقفان علم الالسنہ اور محققین تاریخ اقوام و جغرافیہ عالم اپنی علمی تحقیقات کو فروغ دیں۔

۸۔ جب فرزندان اسلام ان تکالیف و شدائد کو برداشت کرلیں گے تو کوئی قوم ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ وہی حزب اللہ ہوگی جس کی فلاح و کامرانی کا وعدہ لسان الٰہی نے بار بار دیا ہے۔ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝

۹۔ حج اگر مقصد اصلی ہو اور پھر تجارت بھی کرلے تو جائز ہے ایسے ہی جہاد فی سبیل اللہ میں قانون الٰہی کی بلندی و برتری تو اصلی مقصد ہو اس کے بعد اگر مال غنیمت بھی مل جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

۱۰۔ حج کے بعد دو قسم کے آدمی فوراً ممتاز ہو جائیں گے ایک وہ جن کے سامنے دنیا اور اس کی ملذوفات ہیں۔ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرہ ۲ : ۲۰۰) اور پھر دیکھ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ اے اللہ! ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے بس آخرت کی زندگی میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور دوسرے وہ جو دنیا اور آخرت دونوں کے طالب ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ ۲ : ۲۰۱) اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچالے۔ اور یاد رکھو کہ یہی

Marfat.com

وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

چاہئے اور اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ تم راہ میں گھر جاؤ[۳۳۶] تو پھر ایک جانور کی قربانی کر

دوسری جماعت جنگ میں کام کرنے کے قابل ہوگی۔

رضائے الٰہی کے حصول کے لئے حج ادا کرنا

۳۳۵ مسلمانوں کو مضبوط اور طاقتور سپاہی بنانے کے لئے حج و عمرہ کا حکم دیا جاتا ہے۔ بس رضائے الٰہی کے حصول کے لئے حج کرو۔ حج کے مقامات یہ ہیں۔ ۱۔ بیت اللہ جس کا طواف کیا جاتا ہے۔ ۲۔ صفا اور مروہ کی پہاڑیاں جو بیت اللہ الجلیل کے بالکل قریب ہی واقع ہے۔ ۳۔ شہر سے مشرق کی جانب تین میل کے فاصلہ پر منیٰ ہے۔ ۴۔ مزدلفہ جو منیٰ سے آگے بڑھ کر تین میل کے فاصلے پر ہی واقع ہے۔ ۵۔ عرفات۔ مزدلفہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر آگے عرفات کا میدان ہے۔ عمرہ میں صرف بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور صفا و مروہ کے درمیان چلا جاتا ہے جس کو سعی کہتے ہیں۔ فریضہ حج تین طریقہ پر ادا کیا جاتا ہے۔

۱۔ افراد۔ ایام حج میں صرف حج ہی کی نیت سے احرام باندھ کر حج ادا کیا جاتا ہے۔

۲۔ تمتع۔ حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے تمام ارکان پورے کر کے احرام کھول دے اور پھر اس سال یعنی قیام حج میں حج بھی کرے۔ تمتع کے معنی فائدہ اٹھانے کے ہیں۔ ایک شخص عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیتا ہے اور اپنے وقت پر حج کر لیتا ہے۔ اس درمیانی وقت میں وہ ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے جو احرام کی حالت میں ناجائز تھیں۔ گویا عمرہ کی وجہ سے حج کے لئے تمتع کرتا ہے۔ اس لئے اس کو متمتع کہا جاتا ہے۔

۳۔ قران۔ حج کے مہینوں میں حج اور عمرہ دونوں کو یک جا ادا کرنا اور دونوں کے لئے احرام باندھنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موسم حج میں عمرہ کا احرام باندھے مگر اس کا احرام کھولنے سے قبل حج بھی ساتھ ہی کر لے۔

چونکہ حج و عمرہ کا مقصد اصلی فوجی تربیت کی تکمیل ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسلمان دو جداگانہ سفر کریں۔ ایک حج کے لئے اور دوسرا عمرہ کے لئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ عمرہ کے ایام میں مکہ مبارکہ کے تمام ضروری حالات و مقامات سے واقفیت ہو جائے گی اس لئے حج کے موقع پر اس امر کے لئے آسانی پیدا ہو جائے گی کہ امت مسلمہ کے بہترین دل و دماغ سے تبادلہ افکار و خیالات کرے۔ ان کی صحبت و ہم نشینی سے فیض یاب ہو اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے نشو و ارتقاء اور حیات اجتماعی پر غور کرے۔

راستہ میں رک جانے کی اگر کوئی صورت پیش آجائے تو کیا کرے؟

۳۳۶ ہاں! اگر کوئی شخص راہ کی بدامنی یا بیماری کی وجہ سے روک دیا گیا یا رک گیا اور حج و عمرہ کے

Marfat.com

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ
فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ

دینی چاہئے جیسا کچھ بھی کہ میسر آئے۔ اور اس وقت تک سر کے بال نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے یعنی قربانی کا جانور ذبح نہ ہو جائے۔ ہاں! اگر کوئی شخص بیمار[۳۳۷] ہو یا اسے سر کی کسی تکلیف کی وجہ سے مجبوری ہو تو چاہئے کہ فدیہ دے دے اور فدیہ[۳۳۸] یہ ہے کہ روزہ رکھے یا صدقہ دے یعنی جانور کی قربانی کرے۔ اور پھر

لئے نہ جا سکا تو اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کا جانور وہاں بھیج دے یا کسی معتبر شخص سے کہہ دے کہ قربانی کے روز میری طرف سے بھی وہاں ایک جانور ذبح کر دینا اور جب اسے گمان غالب ہو کہ میرا جانور ذبح ہو گیا ہو گا تو احرام کھول دے۔ اس سے قبل سر منڈانے یا بال کتروانے اور احرام کھولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں اس کو رکنا پڑا وہیں وہ جانور اس وقت ذبح کر دے جب اس کو یقین ہو جائے کہ اب بیت اللہ پہنچنا ممکن نہیں ہے اور قربانی کے بعد احرام کھول دے اور سر منڈا دے اور پھر جب عذر دور ہو جائے تو حج و عمرہ ادا کرے۔ یعنی آئندہ سال یا جب موقع بن سکے۔

بیماری کے سبب اگر قربانی سے قبل حجامت بنوانا ضروری ہو تو کیا کرے؟

۳۳۷ حالت احرام میں اگر حجامت بنوانے کی ضرورت شدید ہو جیسے سر درد یا جوؤں نے تنگ کر لیا ہو یا جسم کے کسی دوسرے حصے سے بال مونڈ لئے ہوں تو اس کے لئے جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

وہ جرمانہ کیا ہے؟

۳۳۸ فرمایا اس جرمانہ کی تین صورتیں ہیں اور ان تینوں میں سے جو پسند ہو یا جس کا کرنا آسان ہو کر لو اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ تین دن کے روزے رکھنا۔

۲۔ چھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کی مقدار کے مطابق الگ الگ گیہوں یا کوئی غلہ جو تم استعمال کرتے ہو دے دینا جس کی مقدار تقریباً ۲.۶۰۰ کلوگرام ہے۔ غلہ دو یا اتنے غلہ کی رقم۔

Marfat.com

أَمِنتُمْ وقفة فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا
اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ
أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ

جب تم امن کی حالت میں ہو اور کوئی شخص چاہے کہ تمتع[۳۳۹] حج کرے تو اس کے لئے بھی جانور کی قربانی ہے جیسی کچھ میسر آئے۔ البتہ جس شخص کو قربانی میسر نہ آئے تو اسے چاہئے کہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے سات روزے واپسی پر یہ دس کی پوری

۳۔ اونٹ۔ گائے یا بکری ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دے۔

یہ روزے اسی وقت شروع کر کے پورے کر دے یا کچھ عرصہ کے بعد یعنی گھر واپس لوٹ کر اس طرح صدقہ وہیں ادا کرے یا وقت کے بعد جتنا جلدی ممکن ہو۔ اور قربانی کے متعلق بہتر تو یہی ہے کہ وہیں قربانی کی جگہ پر جانور ذبح کر دے لیکن کسی وجہ سے یہ بھی اس وقت ممکن نہ ہو تو جب میسر آئے کر دے۔

راستہ کھل جائے یا عذر دور ہو جائے تو پھر حج کرے

۳۳۹ جب دشمن کا خوف دامن گیر نہ ہو۔ بیماری وغیرہ کا عذر جاتا رہے۔ چاروں طرف امن و امان قائم ہو جائے۔ حالات درست ہو جائیں اور پھر حج تمتع ادا کرے تو اسے ایام حج میں حرم کے اندر یعنی عرفات سے واپس آکر منیٰ میں جمرہ عقبیٰ پر رمی کرنے کے بعد ایک جانور ذبح کرنا ہے خواہ وہ اونٹ' گائے ہو یا بکری۔ جو توفیق ہو یا جو میسر آئے۔ لیکن اگر اس قربانی کی توفیق نہ ہو یعنی نہ جانور پاس ہو اور نہ ہی اس کی قیمت کہ وقت پر خرید کر ذبح کر لے تو اس کے عوض میں دس روزے رکھنے پڑیں گے۔ تین تو وہیں حج کے دنوں میں اور باقی سات جب تم واپس گھر پہنچ جاؤ یا اگر وہاں زیادہ قیام ہے تو جب تم حج سے فارغ ہو کر اپنی قیام گاہ میں آجاؤ۔

"ذلک" یہ حج تمتع کا فائدہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو دور دراز کے رہنے والے ہوں یعنی میقات کی حدود کے اندر ان کے گھر نہ ہوں میقات کے اندر رہنے والوں کو صرف حج افراد ہی کی اجازت ہوگی۔ میقات سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونا پڑتا ہے خواہ یہ احرام عمرہ کی نیت سے ہو یا حج کی نیت سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ مکہ کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس طرح مستثنیٰ صرف مکہ والے ہی ہوں گے۔ "ذلک" کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قربانی میسر نہ آنے کی صورت میں جو دس روزے بتائے

Marfat.com

كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۱۹۶ ۞ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ

ع ۲۴ / ۸

گنتی ہو جائے گی۔ ہاں! یاد رہے کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جس کا گھربار مکہ مکرمہ میں نہ ہو اور دیکھو ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچو اور یقین کرو کہ وہ یعنی اللہ سزا دینے میں بہت ہی سخت[۳۴۰] ہے۔ ۱۹۶

حج کی تیاری[۳۴۱] کے مہینے سب کو معلوم ہیں پس جس کسی نے ان مہینوں میں حج کرنا

گئے ہیں یہ سہولت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مکہ کے رہنے والے نہ ہوں یا جن کے گھر میقات کے اندر واقع نہ ہوں اور مکہ کے رہنے والوں یا میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے یہ سہولت نہیں بلکہ ان کو قربانی ہی کرنا پڑے گی کیونکہ وہ جانور لا بھی سکتے ہیں اور اس کی رقم کا بندوبست بھی کر سکتے ہیں تاکہ وہ وہیں سے خرید لیں۔

قانون الٰہی کی پابندی کرو

۳۴۰ یہ اعلیٰ ترین قانون ہے اس کی پابندی کرو۔ تمہاری حیات قومی کا دارومدار اس پر ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہوں۔ ان میں اتحاد و یگانگت پیدا ہو۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں اور وہ جسم واحد بن جائیں۔ اگر تم نے اس اتحاد و یگانگت اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کو ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ تمہاری وحدت و جمعیت جاتی رہے گی اور اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے تم پر غیروں کو مسلط کر دیا جائے گا۔

غور کرو کہ آج مسلمانوں نے ان ساری چیزوں کی پابندی کی؟ اگر نہیں کی تو نتیجہ کیا رہا؟ وہی جو حکم الٰہی میں طے پا گیا تھا یعنی تم کو سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

حج معلوم مہینوں میں ہے

۳۴۱ حج کے تین مہینے مقرر ہیں شوال' ذی قعدہ اور ذی الحج کے دس بارہ دن یعنی عشرہ اول سے دو دن زائد۔ پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ جو کوئی حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اس پر لازم آتا ہے کہ اس کے

Marfat.com

احکام پورے ادا کرے۔ ظاہر ہے کہ عمرہ کے لئے تو کوئی تاریخ اور مہینہ مقرر نہیں پورا سال پڑا ہے جب چاہے ادا کرے لیکن حج کے لئے مہینے اور اس کے افعال و اعمال کے لئے خاص تاریخیں مقرر ہیں اور اوقات متعین ہیں۔ اس لئے اب بتایا جا رہا ہے کہ حج کا معاملہ عمرہ کی طرح نہیں ہے۔ اس کے لئے کچھ مہینے مقرر ہیں جس کا مطلب احادیث میں واضح ہے کہ ان مہینوں کے علاوہ اگر کوئی حج کی نیت سے احرام باندھ لے تو وہ محرم نہیں ہوگا اور اس کا احرام، احرام حج نہیں ہو سکتا؟ اور عمرہ کے لئے کوئی مہینہ تاریخ یا وقت مقرر نہیں۔ حالت احرام میں کچھ چیزوں کی ممانعت ہے اور اسی ممانعت کی وجہ سے اس کو احرام کہتے ہیں اور یہ تین چیزیں ہیں جن سے سختی کے ساتھ پرہیز لازم ہے اور وہ تین چیزیں رفث، فسوق اور جدال ہیں۔

"رفث" کیا ہے؟ یہ ایک جامع لفظ ہے جس میں بیوی سے جنسی تعلق اور اس کے سب مقدمات مراد لئے جاتے ہیں یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ کھلی گفتگو بھی داخل ہے اور محرم کو حالت احرام میں یہ سب چیزیں منع و حرام ہیں۔ عام عورتوں سے تمام لغو اور فضول باتیں جو حج کے دنوں کے علاوہ بھی ناجائز ہیں ان کی ممانعت میں اور سختی آگئی اور اپنی بیوی سے بے حجاب باتیں اگرچہ ان دنوں سے پہلے جائز تھیں لیکن اب یعنی احرام میں وہ بھی حرام ہوگئیں۔

"فسوق" کیا ہے؟ فسوق کے لفظی معنی خروج کے ہیں اصطلاح قرآنی میں عدول حکمی اور نافرمانی کو فسوق کہا جاتا ہے جو اپنے عام معنی کے اعتبار سے تمام گناہوں کو شامل ہے۔ بیشک گناہ کے ہر کام سے بچنا ہی چاہئے کیونکہ کوئی گناہ بھی اچھا نہیں ہوتا بلکہ ہر گناہ برا ہی ہوتا ہے تاہم یہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فسوق سے مراد محظورات احرام لی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ذکر مخصوص حج کا ہو رہا ہے اور اس نسبت سے وہی احکام جو حالت احرام میں ممنوع و ناجائز ہیں اس سے مراد لینا زیادہ صحیح ہیں کیونکہ عام گناہوں کی ممانعت احرام کے ساتھ خاص نہیں وہ ہر حال میں حرام و ناجائز ہیں۔

وہ چیزیں جو دراصل گناہ نہیں لیکن احرام کی وجہ سے ناجائز و حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ چھ چیزیں ہیں۔ پہلی چیز تو وہی جو رفث میں آگئی اس کو ذہن میں رکھو اور دوسری چیز بری جانوروں کا شکار کرنا ہے، کسی شکاری کو شکار کا بتانا یا شکار میں کسی طرح سے اس کی مدد کرنا۔ یہاں تک کہ اشارہ کنایہ بھی منع ہے۔ تیسری چیز بال یا ناخن کا کٹوانا یا خود کاٹنا کسی آلہ کی مدد سے یا منہ وغیرہ سے۔ چوتھی چیز ہے خوشبو کا استعمال کرنا جس میں ہر طرح کا رنگ اور مہندی بھی شامل ہے اور یہ چاروں چیزیں مردوں اور عورتوں کے لئے حرام و ممنوع ہیں۔ دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں گویا پانچویں چیز سلے ہوئے کپڑے پہننا اور چھٹی چیز سر اور چہرے کو ڈھانپنا اگرچہ عورت کے لئے بھی چہرے کو ڈھانپنا درست نہیں۔

چونکہ رفث کی بعض حالتیں ایسی بھی ہیں جن میں حج بالکل باطل ہو جاتا ہے اور جن سے جرمانہ بھی پڑتا ہے اور حج کی قضا بھی لازم آتی ہے اس لئے رفث الگ کر کے بھی بیان کر دیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان چیزوں کی

Marfat.com

الْحَجِّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ

اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو وہ یاد رکھے کہ حج کی حالت میں نہ تو عورتوں کی طرف رغبت کرنا ہے نہ گناہ کی کوئی بات کرنی ہے اور نہ لڑائی جھگڑے کے قریب جانا ہے اور تم نیک اعمال میں سے جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے پس حج کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے سروسامان[۳۴۲] کی تیاری بھی کرو یاد رکھو کہ سب سے بہتر سروسامان تقویٰ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

گنتی فقہاء نے کی ہے اور پھر ان کو فسوق میں شامل کیا ہے تاکہ عام لوگوں کو سمجھنے میں سہولت رہے۔ البتہ یہ چیزیں وہی ہیں جن کی احادیث میں ممانعت موجود ہے۔

جدال کیا ہے؟ جدال کے اصلی معنی تو ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش کے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں سخت قسم کے جھگڑے کو جدال کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایک لمبا سفر درپیش ہے۔ پوری دنیا کے انسانوں سے واسطہ ہے۔ انسانی حوائج و ضروریات سب کے ساتھ ہیں پھر ہر آدمی کے اپنے اپنے معمولات زندگی ہیں۔ عادات و طبائع کا فرق ہے۔ فطرت انسانی یہ بھی ہے کہ اپنی عادت کے خلاف کوئی بات دیکھتا ہے تو الجھتا ہے۔ ان ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جدال کے معنی پر غور و فکر کرو اور بعض اوقات مذہبی بحث و مباحثہ بھی انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں ان سب چیزوں سے صرف ایک لفظ جدال کا استعمال کر کے روک دیا گیا۔

فرمایا "نیک کاموں میں سے جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں" "وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ" حج کیا ہے؟ گویا نیکیوں کا موسم آگیا ہے اور بڑھ چڑھ کر نیکیاں کر لو۔ اتنے بڑے اجتماع میں کئی لوگ اپنی جگہ بھول جاتے ہیں ہمت کرو اور ان کو اصل مقام تک پہنچا دو۔ کوئی پیاسا ہے تو پانی پلا دو کسی کو کھانے کی ضرورت ہے تو پوری کر دو۔ کسی نے کوئی الٹی سیدھی کہہ دی ہے تو برداشت کر لو۔ آپ کے پاس سواری ہے اور گنجائش ہے تو کسی کو شریک کر لو۔ ہر آدمی کو ضروریات زندگی کی چیزوں کی ضرورت ہے لیکن زبان نہیں آتی وہ خریدنے سے معذور ہے اس کو ضرورت کی چیز خرید دو۔ ساتھیوں کے آرام کا خیال رکھو۔ اپنے بے آرام ہونے کی پرواہ نہ کرو۔ زیادہ وقت حرم کے اندر اور ذکر و فکر میں گزارو۔ اور جہاں تک ہو سکتا ہے دوسروں کے کام آؤ۔

Marfat.com

خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ ۱۹۷ لَیْسَ

و پرہیزگاری کا ہے اور اے ارباب[۳۴۳] عقل و دانش! اللہ سے ڈرتے رہو کہ یہی دراصل پرہیزگاری ہے۔ ۱۹۷

حج کرنا چاہتے ہو تو زاد راہ کا خود بندوبست کرو

۳۴۲ "حج کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے سروسامان کی تیاری بھی کرو۔" دراصل اس میں ان لوگوں کی اصلاح ہے جو حج و عمرہ کے لئے بے سروسامانی کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ پھر راستہ میں بھیک مانگنا پڑتی ہے چنانچہ مانگتے ہیں۔ خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے حکم دیا جا رہا ہے کہ سفر حج کے لئے ضروریات سفر ساتھ لینا چاہیے یہ توکل کے منافی نہیں بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اسباب و وسائل کو اپنی طاقت و مقدور کے مطابق حاصل کرو اور محفوظ رکھو تاکہ عند الضرورت کام آئیں توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ یہ سراسر جہالت ہے۔

اس ہدایت کی قدر اس وقت ہوگی جب جاہلی قوموں کے زائرین کی ذہنیت پر نظر ہو۔ خصوصاً جاہلیت عرب کی تاریخ پر۔ عرب جاہلیت میں یہ مرض زیادہ ہی پھیلا ہوا تھا بلکہ بعض گروہوں کو تو یہاں تک غلو تھا کہ احرام باندھنے کے بعد جو کچھ پیسہ پائی ان کے پاس ہوتا اس کو بھی پھینک دیتے۔ اسلام ایسے دستور کو جو جھوٹی اور نمائشی روحانیت پر مبنی تھا اور ایک طرف شخصی غیرت اور خودداری کے بھی خلاف تھا اور دوسری معاشیات اجتماعی پر ایک خواہ مخواہ کا بار تھا کیسے روادار ہو سکتا تھا اور اسے کیونکر باقی رہنے دیتا لہٰذا اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہر شخص جو حج بیت اللہ کرنا چاہتا ہے اپنا زاد راہ لے کر جائے دوسروں کے لئے بار دوش نہ ہو۔ یمن کے لوگوں کا دستور تھا کہ سفر خرچ لئے بغیر گھروں سے حج کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ وہاں جا کر بھیک مانگتے، چوریاں کرتے اور دوسروں کا مال غصب کرنے کی فکر میں رہتے۔ بظاہر ان کا مقصد صبر و توکل پیدا کرنا تھا مگر تقویٰ و طہارت حاصل کرنے کا یہ طریق کس نے بتایا؟ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان اپنا زاد راہ ہمراہ لے کر نکلے اس طرح ایک تو سوال کرنے سے بچ جائے گا دوسرے صدہا گناہوں سے محفوظ رہے گا۔

اللہ کے حکم کے مطابق کام کرنا ہی عقلمندی ہے

۳۴۳ ارباب عقل و خرد تو وہی ہیں جو اللہ کے حکم کے مطابق اپنے اوقات صرف کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر ہر وقت اللہ کے نام پر قربان ہونے کا خیال رہتا ہے مگر جو لوگ ظاہر طور پر دنیا سے علیحدگی اختیار کر

Marfat.com

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ

اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس میں تمہارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر تم اپنے رب ۳۴۴؎ کے فضل کی تلاش میں رہو یعنی کاروبار تجارت بھی کر سکتے ہو۔ پس جب عرفات ۳۴۵؎ سے دعائے حج کے بعد لوٹو تو مشعر الحرام یعنی مزدلفہ میں ٹھہر کر اللہ کا ذکر کرو اور یہ ذکر

کے بھیک مانگنا شروع کر دیتے ہیں انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

جب مسلمان حج کے زمانہ میں ان خصلتوں کے عادی بن جائیں گے تو انہیں زمانہ جنگ میں شریفانہ طور پر رہنا آسان ہو جائے گا اور یہ ایک خصوصی امتیاز ہوگا اسلامی لشکر کا کہ اس میں فسق و فجور اور تمام فواحش منہیات کا ارتکاب نہیں ہوتا جب کہ دوسری قوموں کے لشکر ہر قسم کی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

حج اور فضل اللہ کی تلاش

۳۴۴؎ اسلام جس طرح فلاح اخروی کا ضامن ہے فلاح دنیوی کا بھی داعی ہے اور اس کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل صاف صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ وضو' نماز' نماز باجماعت' روزہ' زکوٰۃ سب سے روح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ دنیوی' مادی' جسمانی' معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہے ہیں۔ حج کا منزل در منزل سفر' بری و بحری ایک طویل سفر ہے اور امت کے مختلف طبقوں کا دنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع ایک خشک عبادت اور محض اللہ ہی کے لئے نہیں۔ فرد و ملت دونوں ہی کے لئے یعنی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کئے جا سکتے ہیں اور کئے جانے چاہئیں۔

"فضلا" سب کا اتفاق ہے کہ فضل سے یہاں مراد مال اور نفع تجارت ہے۔ لوگوں کا غلو اس باب میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جو تاجر مال تجارت لے کر منیٰ اور مکہ کے بازاروں میں جاتے یا جو اونٹ والے اپنے اونٹ مزدلفہ' عرفات و منیٰ کے لئے لے جاتے سمجھا جاتا تھا کہ ان کا حج ہی نہیں ہوتا کہ جہاں تجارت آگئی وہاں عبادت کا وجود کہاں باقی رہا۔ قرآن کریم نے اس مغالطہ عامہ الورود کی تردید کر دی البتہ یہ ضروری ہے کہ تجارت حقیقی غرض نہ بن جائے۔

"فضل" فضل کے معنی رزق کے ہیں چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

Marfat.com

الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

کرنا اسی طرح ہو جس طرح تم کو اس ذکر کا طریقہ ۳۴۶ بتلایا گیا ہے اگرچہ قبل ازیں تم بھی

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲ : ۱۰) "پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا : يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل ۷۳ : ۲۰) اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ تلاش معاش و تجارت کے سلسلے میں سیر و سیاحت کرتے ہوں گے۔"

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا : "فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (آل عمران ۳ : ۱۷۴) "پھر ایسا ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل سے شاد کام واپس آگئے۔"

میدان عرفات میں وقوف کرنے کے بعد واپس الی المنیٰ

۳۴۵ ۹/ ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں تمام حاجیوں کو قیام کرنا پڑتا ہے اس قیام کو وقوف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ قیام سورج کے ڈھلنے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک لازم و ضروری ہے۔ دنیا بھر کے لوگوں کی کانفرنس جن میں مذہبی اور سیاسی راہنما باہمی مشورہ کر کے چند امور کا فیصلہ کرتے ہیں جو تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ناگزیر اور ضروری ہوں۔ امیر حج ایک خطبہ دیتا ہے اس میں ان امور کا اعلان کیا جاتا ہے جو اجتماعی حیثیت سے دنیائے اسلام کے واسطے مفید و نافع ہوں اور بتایا جاتا ہے کہ سال نو میں فرزندان اسلام کا نیا پروگرام کیا ہوگا۔ جو شخص اس روز عرفات کے میدان میں موجود نہ ہوگا وہ ان تعلیمات سے محروم رہے گا اور حج سے جو اصل غرض تھی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے شارع علیہ السلام سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ "حج کی تکمیل میدان عرفات میں ہوتی ہے۔"

عرفات کو جاتے وقت بھی میدان مزدلفہ سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میدان مزدلفہ میں ایک خاص مقام ہے جس کا نام "مشعر الحرام" ہے اور پھر جب میدان عرفات سے فراغت ہوگی تو واپسی کے وقت دسویں رات کو مزدلفہ کے میدان میں ٹھہرنا ہوگا یہاں ٹھہر کر سب سے پہلے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جائے گی اور یہ نماز باجماعت ایک ساتھ ہوگی۔ اس خاص مقام مشعر الحرام میں یا جہاں رک گئے یعنی میدان مزدلفہ میں اللہ کا ذکر بھی کرنا ہوگا۔ اس اللہ کے ذکر سے مراد پہلے تو نماز ہے جو مغرب و عشاء کی ملا کر یہاں ادا کی گئی ہے اور ذکر و اذکار بھی مراد ہو سکتے ہیں اور مخصوص وظائف بھی۔ دنیا کے لوگوں کو دراصل بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے کہ مسلمان جب اجتماع کرتے ہیں تو اس میں بھی اجتماعی عبادت ہی میں مصروف ہوتے ہیں دوسرے لوگوں کی طرح رات کو رنگ رلیاں نہیں مناتے۔ جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی و آتش بازی کے لئے نہیں۔ خواب

Marfat.com

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۱۹۸ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ

انہی لوگوں میں سے تھے جو راہ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ ۱۹۸

پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ جس جگہ پہنچ کر لوگ انبوہ در انبوہ لوٹتے ہیں تم

غفلت میں پڑے رہنے کے لئے نہیں۔ فخریہ قصیدوں اور شعر و شاعری میں صرف کرنے کے لئے نہیں ذکر و عبادت الٰہی کے لئے ہے۔

دین اسلام میں آجانے کے بعد جس چیز کا خطرہ سب سے بڑھ کر ہے وہ کیا ہے؟

۳۴۶ الحاد و انکار سے بچ کر دین اسلام کے دائرہ میں آجانے کے بعد پھر جو خطرہ اہل اسلام کو شیطان کے ہاتھوں لاحق ہوتا ہے وہ بدعات و محدثات کا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی خطرہ نہیں۔ انسان اپنے دل سے طرح طرح کے طریقے عبادت و ذکر الٰہی کے ایجاد کرتا رہتا ہے اور انہیں آہستہ آہستہ مذہب یعنی دین میں داخل کرتا رہتا ہے حالانکہ دین خصوصاً دین اسلام تو صرف وہ ہے جو شارع علیہ السلام سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پہنچایا یا اپنے اجتہاد سے بتایا۔ یہاں اگر ایک طرف اس کی تاکید ہے کہ برابر یاد الٰہی میں لگے رہو تو دوسری طرف اس کی بھی صراحت فرما دی گئی ہے کہ اس یاد کا طریقہ اپنا ایجاد کردہ طریقہ نہ ہو بلکہ اللہ اور اس کے رسول ہی کا بتایا ہوا طریقہ ہو۔ حکم ذکر کی تکرار تاکید کے لئے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں ہی میں اسلام ہے۔ وضو' نماز' نماز باجماعت' روزہ' زکوٰۃ اور حج ارکان اسلام ہیں ان میں ہر رکن کو ادا کرتے وقت یہ بات دل میں ضرور رکھنا چاہئے کہ ان کی ادائیگی انہی طریقوں پر ہو جن طریقوں پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ادا کیا۔ جب یہ بات دل میں بیٹھ جائے گی تو انسان اس طرف توجہ کر کے ان طریقوں کو سیکھنے کی کوشش کرے گا پھر ان طریقوں کے سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خود محنت کر کے تلاش کر کے علماء سے مدد لے کر کتاب و سنت سے تلاش کرے اور ان اصل مقامات کو پڑھے یا کسی سے پڑھا کر سنے اور ہر ممکن اپنی تسلی کرے صرف سنی سنائی باتوں پر نہ بیٹھ جائے کہ ہمارے فلاں مولانا' فلاں شاہ صاحب' فلاں پیر صاحب کا فرمان ہے۔ پھر جو بات سمجھ میں نہ آئے کسی صاحب علم سے سمجھنے کی ہمت کرے۔ یہ علم جاری رکھنے ہی سے بدعات سے بچا جا سکتا ہے۔

دیکھو زیر نظر آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ کا ذکر کرو اور یہ ذکر کرنا اسی طرح ہو جس طرح اس ذکر کا طریقہ تمہیں بتایا گیا ہے" وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ

Marfat.com

اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۱۹۹ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ

بھی وہیں[۳۴۷] سے لوٹو اور اللہ سے اپنے گناہوں[۳۴۸] کی بخشش طلب کرو۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کی خطائیں بخشنے والا اور وافر رحمت رکھنے والا ہے۔ ۱۹۹

پھر جب تم حج کے تمام ارکان پورے کر چکو تو چاہئے کہ جس طرح پہلے اپنے[۳۴۹] آباؤ

حج کا مقصد تفریق مٹانا ہے ڈالنا نہیں

۳۴۷ زمانہ جاہلیت میں قریش بیت اللہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حمس کہتے تھے۔ زمانہ حج میں عام لوگ عرفات کے میدان میں جا کر قیام کرتے جس کو وقوف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر قریش مزدلفہ ہی تک جاتے کیونکہ وہ حرم کی حدود کے اندر ہے اور عرفات اس سے باہر۔ انہیں خیال تھا کہ حدود حرم سے باہر جانا ان کی شرافت' وجاہت اور عزت کے خلاف ہے اور عوام الناس سے ملنا اور ان میں گھل مل جانا تقدس مذہبی کے منافی ہے۔ قرآن کریم نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ دو غلطیوں کو دور کیا جن میں دنیا ہمیشہ مبتلا رہی اور آج بھی باوجود تمدن و تہذیب میں انتہائی ترقی حاصل ہو جانے کے اس کا قدم اسی جگہ ہے اور اپنے مقام سے ایک انچ بھی نہیں ہلا۔

۱۔ اللہ کے نزدیک قومی امتیازات و خصائص کوئی چیز نہیں بلکہ اس کی نظر میں سب یکساں ہیں۔ وہاں اگر کسی چیز کی پرسش ہے تو وہ تقویٰ و ورع ہی کی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" "بلاشبہ تم میں بزرگی والا وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔" اس لئے نسل انسانی میں حقیقی مساوات ہونا ضروری ہے اور یہ ممکن نہیں جب تک تمام امتیازات قومی مٹا نہ دیئے جائیں۔

۲۔ قوموں کی تباہی و بربادی کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام الناس میں تعلقات و روابط قائم نہ رہیں اور ایک دوسرے سے ملنا ترک کر دیں بہترین دل و دماغ کو دست و بازو کی تلاش و جستجو رہتی ہے۔ جب عام لوگوں سے میل جول نہ رہے گا تو اعوان و انصار کا فقدان ان کی فنا سامانی کا باعث بن جائے گا۔ عوام الناس کو قدم قدم پر راہنما اور مصلح کی ضرورت رہتی ہے جب انہیں راہ حق و حریت بتانے والا کوئی نہ رہے گا تو روز بروز ضلالت و گمراہی میں بڑھتے جائیں گے تاآنکہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق و امتیاز ظاہر صورت کے علاوہ باقی نہ رہے گا۔

Marfat.com

میدان عرفات میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو

۳۴۸؎ ”اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔“ صحیح حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں یوم عرفہ سے زیادہ بندے آگ سے آزاد کئے جاتے ہوں۔ حج کا بیان جہاں سے شروع ہوا ہے دیکھتے آیئے تزکیہ قلب کا قدم قدم پر کس درجہ اہتمام ہے۔ حرم شریف نہیں، حدود حرم بھی ابھی منزلوں فاصلے پر ہیں کہ ساری عمر کا مالوف و مانوس لباس جسم سے اتر گیا اور اب نہ سر پر ٹوپی ہے نہ عمامہ اور جسم پر نہ شیروانی ہے نہ کوٹ، نہ عبا اور نہ قمیص، شاہ و گدا، رئیس و رعایا، حکام و عوام سب کے سب دو دو چادروں میں ملبوس! پھر احرام پہنتے ہی جو چیزیں حرام تھیں ان کا تو ذکر ہی کیا جو ہمیشہ حلال تھیں اور فی نفسہ جائز تھیں ایک خاصی طویل مدت کے لئے بالکل ممنوع ہو گئیں۔ کتنی ہی مرغوبات و مالوفات سے اس دوران میں دستبرداری کرنا پڑی۔ پھر یہ سب بھی کافی نہیں گھڑی گھڑی لبیک لبیک کہتے رہو۔ اللہ کے حضور اپنی حاضری بولتے رہو۔ مسلسل ذکر الٰہی کرتے رہو اور اب یہ حکم مل رہا ہے کہ خطاؤں کو، گناہوں کو سیہ کاریاں کو یاد کر کر کے اپنے اللہ سے معافی چاہتے رہو۔ --------- اتنے پاکیزہ، ایسے ستھرے، اس قدر اصلاحی اجتماع سے دنیا جہاں کے میلوں ٹھیلوں، بت پرستانہ، وہم پرستانہ، ہوس پرستانہ، میلوں تہواروں کو کوئی بھی مناسبت ہے؟ ع

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانہ کو!

کیا صریح ظلم وہ اہل قلم خود اپنی بصارت و بصیرت پر کرتے ہیں جو اسلام کو دوسرے ادیان و مذاہب کی سطح پر سمجھے ہوئے ہیں۔ ”غفور“ آیت کے آخر میں یاد دلا دیا کہ تمہارے رب کی صفت ”غفر“ بہت بڑی ہے۔ اس سے مغفرت طلب کر کے دیکھ لو۔ طالبین مغفرت کی مغفرت وہ کیوں نہ کرے گا؟ رحیم اور ساتھ ہی اس کی صفت رحمت بھی تو بے پایاں ہے طالبان مغفرت کے ساتھ وہ رحمت کا معاملہ بھلا کیوں نہ کرے گا؟

مناسک حج کی تکمیل کے بعد خالص اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاؤ

۳۴۹؎ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ کے میدان میں تین دن تک مجالس و مجامع منعقد کرتے اور ان میں اپنے باپ دادوں کے مفاخر و فضائل بیان کرتے۔ قرآن کریم نے اس بیہودہ رسم کی اصلاح کی اور حکم دیا کہ اس کی جگہ پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے جو خود بڑا ہے اور دوسروں کو بڑائی بخشتا ہے۔ باپ دادوں کی بزرگی بیان کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہو گا بلکہ الٹا نقصان ہو گا۔

باپ دادوں کا ذکر وہی لوگ کرتے ہیں جو شریف اور خاندانی ہوں۔ جن کا ماضی مشہور آفاق ہو۔ جن میں درخشندگی اور تابناکی کے سوا کچھ نہ ہو اور جنہوں نے جواں مردی و شجاعت، فیاضی و سخاوت اور مہماں نوازی و صلہ رحمی کے عظائم امور انجام دیئے ہوں۔ ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی نہ کوئی حیثیت ہوتی ہے اور نہ وہ اپنے

Marfat.com

بزرگوں پر کسی قسم کا فخر کر سکتے ہیں۔ پس اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ ہر مسلمان کا یہ اولین فرض ہونا چاہئے کہ جس وقت تبلیغ و دعوت اسلام کے لئے میدان میں قدم رکھے تو اس کا روئے سخن شریف اور خاندانی لوگوں کی طرف ہو۔ ان کو وہ مذہب کی طرف متوجہ کر دے۔ ان میں اعلیٰ ترین اخلاق اور شریفانہ جذبات پہلے سے موجود ہوتے ہیں صرف راستہ دکھانا باقی رہتا ہے۔ گویا بارود تو تیار ہے شتابہ دکھانے کی دیر ہے خود بخود بھڑک اٹھے گا۔ جب ان لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی جائے گی تو ان کے لئے وہ سونے پر سہاگہ کا کام دے گی اور وہ ماشاءاللہ بہترین خدمات مذہبی انجام دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ "الناس معادن کمعادن الذھب والفضة" لوگ بھی سونے اور چاندی کی کانوں کی مانند ہیں۔ سونے کی کان سے سونا ہی نکلے گا اور چاندی کی کان سے چاندی۔ یہی حال خاندان اور قبیلوں کا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد مبارک اس طرح ہے "خیارکم فی الجاھلیة خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا" جو شخص زمانہ جاہلیت میں اچھا تھا۔ اس کی اچھائی اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی رہے گی بلکہ جس وقت وہ قرآن کریم میں درس و فکر کرے گا تو اس کی شرافت کو چار چاند لگ جائیں گے۔

چلتے چلتے اس پر ذرا مزید غور کر لو کہ اس وقت بھی ملک کے طول و عرض میں بے شمار عربی مدراس مصروف تعلیم ہیں مگر جو لوگ وہاں سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں بہت ہی قلیل تعداد کے سوا عام طور پر ملک و ملت کے لئے عضو معطل ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ عربی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہی لوگ آتے ہیں جو بیکار اور معذور ہوں۔ گھر کا کام کاج نہ کر سکیں یا ادنیٰ خاندانوں کے ہوں' فہم و فراست سے کورے اور بلید الذہن ہوں۔

اور اس کے برعکس جب انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قوم کا بہترین ذخیرہ یہاں تعلیم حاصل کر رہا ہے خاندانی روایات اور ظاہری وجاہت کے اعتبار سے وہ کسی سے کم نہیں ہوتے۔ ایک دوسرے سے اعلیٰ اور عقل و دانائی میں کامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تحریکات قومی میں یہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں لیکن مذہب سے بعد و ہجر' ان کے محاسن و فضائل کے آئینہ کو گرد آلود اور مکدر کر دیتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ میں بہترین جذبات ہوتے ہیں۔ مذہبی جوش' محبت وطن اور خدمت اسلام میں وہ کسی سے پیچھے نہیں ہوتے۔ مگر ان کی اکثر کوشش بے موقع صرف ہوتی ہے۔ اس غلط کاری کو دور کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے صرف قرآن کریم کی تعلیم کو عام کر دیا جائے اور مذہبی منافرت کو ختم کیا جائے ان کو آزادی کے ساتھ سوچنے سمجھنے اور عقل و فکر سے کام لینے کی دعوت دی جائے۔ ان کو باور کرایا جائے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور کائنات کا سارا انتظام صرف اور صرف اسی کا کام ہے جس کو آج کل تم اپنی زبان میں سائنس کہتے ہو۔ پھر اللہ کا کلام اللہ کے کام کے کبھی خلاف نہیں ہو سکتا جس کا

Marfat.com

اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ
اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝۲۰۰ وَ

اجداد کی بڑائیوں کا ذکر کیا کرتے تھے اب اسی طرح اللہ کا ذکر کیا کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ تمام اعمال حج سے اصل مقصود یہی ہے اور پھر غور کرو کچھ لوگ تو[۳۵۰] ایسے ہیں جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے پس آخرت کی زندگی میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ ۲۰۰

نتیجہ یہ ہے کہ سائنس اور قرآن بالکل متضاد نہیں یہ تم کو کس نے باور کرا دیا۔ آؤ قرآن کریم کو اس نہج پر مطالعہ کر کے دیکھو تمہارے سارے شکوک ہوا ہو جائیں گے۔ تو انشاء اللہ تمام خرابیاں دور ہو جائیں گی پھر مذہبی رنگ میں یہ لوگ جس قدر جوش و ولولہ کے ساتھ کام کریں گے دوسرے لوگ ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکیں گے۔

صرف دنیا کا طالب ہمیشہ آخرت سے محروم رہتا ہے

۳۵۰ تعلیم حاصل کر لی مذہبی اعمال کے پابند بن گئے مگر مقاصد و اغراض کے اعتبار سے جس قدر باہمی فرق مراتب ہوتا ہے اس کا ظہور نہ ہوا۔ بعض لوگ محض دکھاوے کی غرض سے ان تمام تکالیف کو برداشت کر رہے تھے اور بعض کے پیش نظر مقاصد عالیہ اور مصالح شرعیہ تھے۔ اس امتحان گاہ میں آتے ہی دونوں جماعتوں میں فرق و امتیاز ہوگیا اور ایک کی صف دوسرے سے جدا ہوگئی۔ منافقین پکار پکار کر اپنے کفر و نفاق باطنی اور الحاد فی العمل کا اظہار کر رہے تھے اور مومنین قانتین کا خلوص و ایثار اپنا رنگ الگ دکھا رہا تھا اور یہ تفریق اس لئے ضروری تھی کہ حج سے فارغ ہوتے ہی جہاد فی سبیل اللہ کا حکم پھر دیا جائے گا جو حج سے پہلے بھی دیا جا چکا ہے۔ اگر ارباب علم و عمل اور نااہل لوگوں میں علیحدگی نہ کی جائے تو میدان جنگ میں شدائد تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بس مناسب یہی تھا کہ ان کو پہلے ہی سے جدا کر دیا جائے۔

منافقین کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ببانگ دہل کہہ رہے تھے کہ "ربنا اتنا فی الدنیا" ان کے سامنے دنیا ہی دنیا تھی۔ اس کا عیش و آرام قدر و منزلت اور عزت و احترام تھا۔ شہرت و ناموری ان کی غایت الغایات تھی۔ نہ تو اعمال صالح اور نہ اخلاق فاضلہ ان کے پیش نظر تھے اور نہ انہیں اپنی اصلاح و درستی کا خیال تھا اس لئے وہ دنیا ہی میں اپنی کوششوں کے تمام ثمرات اور نتائج حاصل کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ وہ یہی غرض لے کر اسلام کی

Marfat.com

مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى

تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں[۳۵۱]

طرف گامزن ہوئے تھے اور یہی دراصل ان کا مطمع نظر تھا۔ جب وہ ان کو حاصل ہو گیا تو گویا ان کے نظریہ کی تکمیل ہو گئی اس سے آگے ان کی طلب ہی کیا تھی؟ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۝ (الاحقاف ۴۶ : ۲۰)

"اور جس روز کفار آگ پر حاضر کئے جائیں گے ان سے کہا جائے گا تم دنیوی زندگی میں اپنے حصہ کی نعمتیں حاصل کر چکے اور خوب فائدہ اٹھا چکے تمہاری طلب بھی یہیں تک تھی۔ سو آج تم کو اس تکبر کے باعث جو تم ناحق دنیا میں کیا کرتے تھے ذلیل کرنے والے عذاب کی سزا دی جائے گی۔"

حقیقی بھلائی وہی ہے جو دنیا و آخرت کیلئے ہو

۳۵۱ ہاں! ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو اپنے جذبہ نوع پرستی کی وجہ سے تمام دنیا کی فلاح و بہبود کا اپنے آپ کو ذمہ دار گردانتا ہے۔ جس کی اعلیٰ ترین غرض یہی ہے کہ ہر انسان صرف اللہ واحد کا غلام ہو جائے باقی سب کی غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں اور کرۂ ارض عدل و انصاف سے معمور ہو جائے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام دنیا و آخرت پر حاوی ہیں اس لئے اس کی دعا یہی تھی کہ "ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۝" (اے ہمارے رب! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا لے۔)

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ۝ (آل عمران ۳ : ۱۴۵) "اور جو شخص آخرت کے ثواب پر نظر رکھتا ہے اسے آخرت کا ثواب ملے گا ہم نعمت حق کے شکر گزاروں کو ان کے نیک عمل کا اجر ضرور دیں گے۔"

"کچھ لوگ ایسے بھی ہیں" یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہل ایمان کی جانب ہے۔ مومنین کی دعائیں، مناجاتیں اور آرزوئیں دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں دنیا میں "حسنہ" توفیق خیر ہوئی اور آخرت میں حسنہ ثمرۂ خیر۔ فرمایا الٰہی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر سے ادیان و ملل کے صحیفے بالکل خالی ہیں۔ پیارے رسول اللہ ﷺ اس دعا کی کثرت رکھتے تھے (بخاری و مسلم عن انسؓ)

مال، اولاد، صحت، اطمینان وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیل خیر میں معین ہو سکتی ہیں خواہ بظاہر کیسی ہو دنیوی

Marfat.com

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا

بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا لے۔ ۲۰۱

سو یقین کرو ایسے[۳۵۲] ہی لوگ ہیں جنہیں ان کے عمل کے مطابق دنیا و آخرت کی فلاح میں حصہ ملنا ہے اور اللہ اعمال کی جانچ میں سست رفتار نہیں ہے۔ ۲۰۲

اور مادی ہوں سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں البتہ خود دنیا ہرگز مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔ آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ "اتنا" کا مفعول صرف حسنہ ہے یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جا رہی ہے وہ حسنہ یا بہتری ہے۔ "فی الدنیا وفی الاخرۃ" ظرف یا محل ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے۔ دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید یہ کہ دنیا میں ہمیں اعمال خیر عنایت ہوں اور آخرت میں ہمیں ثمرات خیر۔

دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہنے والے ہی لوگ مفید ہو سکتے ہیں

۳۵۲ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دونوں جہانوں میں حصہ مل کر رہے گا اور جو گمراہ لوگوں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے۔ پس کام کرنے کے لئے یہی لوگ زیادہ مفید و نافع ثابت ہوئے اور پہلے گروہ کو فوراً الگ کر دیا گیا تاکہ اس کی صحبت و ہم نشینی دوسروں پر برا اثر نہ ڈالے۔

"سَرِيْعُ الْحِسَابِ" اس جیسے قدرت کاملہ کے مالک کو حساب کرنے یا بندوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے میں دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں یا دونوں قسم کے لوگوں کی طلب و سعی کا ذکر جگہ جگہ قرآن کریم میں کیا ہے ایک دو جگہ کی نشاندہی مزید کر دی جاتی ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ (الشوریٰ ۴۲ : ۲۰) "جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہش مند ہو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی کو بڑھا دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو ہم اس میں سے اسے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس

Marfat.com

اللّٰہَ فِیۡۤ اَیَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ

یاد رکھو کہ حج کے دن گنتی کے دن ہیں تم اللہ کی یاد میں مشغول رہو' جو شخص واپسی میں جلدی کرے اور دو ہی دن بعد روانہ ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں اور جو

کا کچھ حصہ نہیں ہے۔"

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتَہَا نُوَفِّ اِلَیۡہِمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فِیۡہَا وَہُمۡ فِیۡہَا لَا یُبۡخَسُوۡنَ ○ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَیۡسَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۫ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوۡا فِیۡہَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ○ (ہود ۱۱ : ۱۵' ۱۶)

"جو کوئی صرف دنیا کی زندگی اور اس کی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے تو ہم اپنے قانون کے مطابق اس کو اس کی کوشش و عمل کے نتائج یہاں پورے پورے دے دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کے ساتھ کمی کی جائے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کی زندگی میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ جو کچھ انہوں نے یہاں بنایا ہے سب اکارت جائے گا اور جو کچھ وہ کرتے رہے وہ سب نابود ہونے والا ہے۔"

ایک جگہ فرمایا:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِیۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَہٗ جَہَنَّمَ ۚ یَصۡلٰىہَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ○ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ کَانَ سَعۡیُہُمۡ مَّشۡکُوۡرًا ○ کُلًّا نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ وَہٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحۡظُوۡرًا ○ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَلَلۡاٰخِرَۃُ اَکۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَکۡبَرُ تَفۡضِیۡلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۱۸' ۲۱) "جو کوئی فوری فائدہ چاہتا ہے تو جس کسی کو ہم اپنے قانون کے مطابق دینا چاہیں اور جتنا دینا چاہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں۔ پھر آخر کار اس کے لئے جہنم بنا دی ہے اس میں داخل ہوگا' بدحال ٹھکرایا ہوا۔ لیکن جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور اس کے لئے جیسی کچھ کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش کی نیز ایمان بھی رکھتا ہے تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری کی بخشائشوں سے مدد دیتے ہیں ان کو بھی کہ صرف دنیا ہی کے ہو کر رہ گئے اور ان کو بھی کہ آخرت کے طالب ہوئے اور اے پیغمبر اسلام! تیرے رب کی بخشش عام کسی پر بند نہیں۔"

"دیکھو ہم نے کس طرح بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دے دی اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے سب سے بڑھ کر ہیں اور سب سے برتر۔"

Marfat.com

إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾ وَمِنَ

کوئی تاخیر کرے تو وہ تاخیر بھی کر سکتا ہے لیکن یہ جلدی اور تاخیر کی رخصت اسی کے لئے ہے جس میں تقویٰ و پرہیزگاری بھی ہو' پس ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ بات نہ بھولو کہ تم سب کو اسی کے حضور جمع ہونا ہے۔ ۲۰۳

حج کے دنوں کی مشغولیت صرف اللہ کی یاد ہے

۳۵۳ فریضہ حج کے قریباً تمام ضروری احکام آگئے اب ایک بات کو بیان کرنا باقی ہے کہ نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات سے بعد از وقت مغرب یعنی سورج غروب ہونے کے بعد نکلے تھے منیٰ میں واپس آکر جمرہ عقبیٰ پر رمی کر کے قربانی کی گئی تھی قربانی ہو چکنے کے بعد حجامت اور غسل کر کے طواف افاضہ کے لئے بیت اللہ میں حاضری دی تھی طواف و سعی کے بعد دوبار میدان منیٰ میں لوٹ گئے تھے کوئی دسویں شام تک فارغ ہو گیا کوئی گیارہویں روز واپس منیٰ پہنچ پایا۔ اب تم کو منیٰ میں قیام کرنا ہے ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحج کو ان دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے ان دنوں کا مخصوص ذکر تو تینوں جمرات پر کنکریاں پھینکنا ہے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کا بلند کرنا ہے یعنی اللہ اکبر کہنا ہے۔ لیکن ان دنوں میں یعنی گیارہ اور بارہ تاریخ کو کنکریاں بعد از دوپہر پھینکی جانی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص ۱۲/ ذی الحجہ ہی کو واپس آنا چاہے تو آسکتا ہے اور اگر وہاں تیرہویں تاریخ کی صبح ہو گئی یعنی منیٰ میں تو پھر تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا ہوں گی اور اس روز تیرہویں کو بعد دوپہر کی شرط نہ رہی اب سورج طلوع ہونے کے بعد کسی وقت بھی کنکریاں پھینک سکتا ہے۔ منیٰ میں دو دن کا قیام ہو یا تین دن کا اس میں کوئی بات گناہ کی نہیں البتہ ان دنوں میں نمازیں جمع کر کے پڑھنی ہوں گی یعنی ظہر و عصر کو ملا کر اور مغرب و عشاء کو ملا کر۔ ان دنوں میں اللہ کا ذکر' قرآن کریم کی تلاوت' درس و وعظ میں مصروف رہنا ہی بہتر ہے۔

ایک بات مزید یاد رکھو اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ جس طرح آج اللہ کے حکم سے اس میدان میں اپنا اپنا زاد راہ لے کر آگئے ہو اور آئندہ بھی اگر امیر وقت امیر المومنین یا صدر مملکت یعنی مملکت اسلامی کے سربراہ کی اجازت یا معرفت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے میدان جنگ میں آنے کی ضرورت پیش آئے تو لازماً آنا پڑے گا تاکہ اللہ کا قانون بلند و برتر ہو اور دنیا میں فساد نہ ہونے پائے اس وقت تمہارا فرض ہو گا یعنی جب تم کو حکم ملے گا تو اپنا اپنا سامان جنگ لے کر یا حکومت کی طرف سے جو فراہم کردہ ہو گا اس کو لے کر میدان حرب

Marfat.com

میں حاضر ہونا ضروری ہوگا۔

ارکان اسلامی کا ایک اہم رکن حج ہے

ذوالحجہ جو اسلامی مہینوں سے سال کا آخری مہینہ ہے اس کی مقررہ تاریخوں میں کعبے کی زیارت اس کے مخصوص طریقوں کے ساتھ جو کی جاتی ہے اس کا نام "حج" ہے اور ان تاریخوں کے علاوہ کسی زمانے میں بھی جو زیارت کی جائے اس کو عمرہ کہا جاتا ہے۔

عمر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے جبکہ سفر خرچ موجود ہو۔ اور ایک بار عمرہ کرنا سنت ہے۔ ایک ہی سفر میں حج و عمرہ دونوں بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔

حج و عمرہ کے مبارک سفر میں اپنی حلال و طیب کمائی خرچ کریں اور ناپاک و حرام کمائی سے ہمیشہ پرہیز کریں۔ روانگی سے قبل ہی بارگاہ ایزدی کی طرف جھک جائیں اور پہلے سے زیادہ عبادات میں حصہ لیں۔ نماز نفل بھی باقاعدگی کے ساتھ ادا کریں۔ صدقہ و خیرات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اگر زندگی میں کسی سے زیادتی کی ہے تو اس سے معافی طلب کرلیں۔ کسی کا کوئی قرض وغیرہ دینا ہو تو اس کو ادا کرلیں۔ اگر آپ اہل خانہ کے کفیل ہیں تو ان کے اخراجات کا بندوبست بھی ضرور کریں۔ اور اپنے مصارف سفر بھی اپنی ہی کمائی سے ادا کریں۔ کیونکہ حج فرض ہی تب ہوتا ہے جب زاد راہ موجود ہو چنانچہ ارشاد الٰہی بھی ہے کہ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج بیت اللہ تب ہی فرض ہے جیسا کہ اس کے پاس زادہ راہ بھی موجود ہو۔

حج عبادات اسلامی میں سے ایک عبادت ہے۔ اس لئے عبادت اسلامی کو بھی اس طریقہ کے مطابق ادا کرنا چاہئے جو طریقہ عبادت حج کا رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے۔ یاد رہے کہ جو عمل سنت رسولؐ کے مطابق نہ ہو وہ مقبول نہیں ہوتا لہٰذا اس میں پوری احتیاط کریں کہ حج کے مناسک اسی طرح ادا کئے جائیں جس طرح نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ (محمد ۴۷ : ۳۳) "اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری بجالاتے رہو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"

بات واضح ہوگئی کہ جو عمل رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپؐ کے طریقہ کے مطابق نہ ہو وہ گویا ضائع ہوگیا۔ احادیث پاک میں بھی اس کی بڑی تاکید آئی ہے کہ جو عمل بھی کرو اور جو درود و وظیفہ بھی زبان سے ادا کرو وہ وہی ہونا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ نے بتایا اور سمجھایا ہو۔

مزید یاد رکھیں کہ شرک ایک ایسی چیز ہے جس سے تمام نیک اعمال بھی ضبط ہو جاتے ہیں اور کسی نیک سے نیک کام کا بھی کوئی اجر و ثواب باقی نہیں رہتا۔ جب یہ اعمال بجالانے والا شرک کرتا ہے۔ لہٰذا اس بیماری

Marfat.com

سے ضرور بچنے کی کوشش کریں چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ اگر نیک لوگ بھی شرک کے مرتکب ہوں تو ان کے اعمال ضبط ہو جاتے ہیں۔ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام ٦ : ٨٨) ”اگر یہ سارے نیک لوگ بھی شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت جاتا۔“ یعنی کوئی نیک عمل بھی باقی نہ رہتا۔

حج بیت اللہ کے لئے جاتے وقت بالکل سادہ طریقہ کے ساتھ عازم سفر ہونا چاہیے کسی طرح کا شوروغوغا اور دعوتوں کا لمبا چوڑا پروگرام نہیں کرنا چاہیے اور اپنے مالک حقیقی کی طرف زیادہ سے زیادہ رغبت ہونا چاہیے۔

روانگی کے وقت وضو کر کے بڑے خلوص کے ساتھ اپنے گھر میں دو رکعت نوافل پڑھنے چاہئیں پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ کافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے۔ سلام کے بعد آیت الکرسی اور سورہ ”ایلاف“ ایک ایک بار پڑھ لیں اور یہ دعا بھی اگر یاد ہو تو پڑھیں۔ یاد رہے کہ یہ دعائیں یاد نہ ہوں تو ان کے مضمون پر بار بار نظر کر کے ذہن نشین کر لیں اور اپنے اپنے وقت پر اپنی ہی زبان میں اس مضمون کو پیش نظر رکھ کر اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کریں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ صَاحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِى الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَمِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَمِنْ سُوْءِ الْمَنْظَرِ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ (صحیح مسلم)

”اے اللہ! دراصل تو ہی ہمارا رفیق سفر ہے اور تو ہی ہمارے گھر والوں کی خبر گیری کرنے والا ہے۔ اے اللہ! میں اس سفر کی تکلیفوں سے تیری پناہ میں رہنا چاہتا ہوں اور بری طرح سے لوٹنے سے بھی اور نفع کے بعد نقصان سے بھی اور مظلوم کی بددعا سے بھی اور اہل و عیال اور مال و دولت کی بری حالت دیکھنے سے بھی۔

گھر سے رخصت ہوتے وقت اپنے اہل و عیال کے لئے خلوص نیت کے ساتھ یہ دعا پڑھے۔

اَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَا يُضَيِّعُ وَدَائِعَهٗ (حصن حصین) ”اے گھر والو! میں تمہیں اپنے مالک حقیقی کے سپرد کرتا ہوں جو اپنی امانتوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔“

جب گھر کے دروازہ سے باہر قدم رکھے تو اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مشکوۃ المصابیح) ”میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ ہی کے سہارے چلا ہوں۔ اللہ کی مدد کے بغیر نہ میں گناہ سے بچ سکتا ہوں اور نہ ہی نیکی ادا کر سکتا ہوں۔“

حج و عمرہ پر جانے والے کے لئے اس کو رخصت کرنے والے جب وہ ان سے رخصت ہو کر بیٹھ چکے تو یہ دعا کریں۔ اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ (مشکوۃ المصابیح) ”اے اللہ! اس عازم حج کے لئے مسافت کی دوری کم فرما دے اور اس اللہ کے بندے پر سفر آسان کر دے۔“

سوار ہوتے وقت جب بھی وہ کسی سواری پر سوار ہونے لگے خواہ وہ تانگہ ہو یا موٹر۔ بس ہو یا ریل۔ ہوائی جہاز ہو یا بحری جہاز تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

Marfat.com

لَمُنْقَلِبُوْنَ۝ (صحیح مسلم) "اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ورنہ ہم اس کو اپنے کنٹرول میں نہیں لا سکتے تھے اور ہم بالآخر اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔" اب راستہ میں جہاں کہیں قیام کرے۔ ٹھہر جائے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (صحیح مسلم) "پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کے پورے کلمات کے ساتھ اس کی مخلوق کے شر سے۔"

حج و عمرہ کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے مگر جب وہ میقات پر پہنچے۔ یا میقات کے محاذ پر یعنی میقات کے برابر کسی جگہ پر ہم اہل ہند و پاک کے لئے جو میقات کا مقام مقرر ہے اس کا نام "یلملم" ہے۔ بحری جہاز سے جانے والے جب اس میقات کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کو سائرن بجا کر اطلاع دی جاتی ہے لہٰذا وہیں نہا دھو کر احرام باندھ لیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں چونکہ وہ میقات یا اس کے محاذ سے فوراً گزر جاتے ہیں اور انسانی دسترس سے یہ بات باہر ہے کہ وہ میقات یا اس کے محاذ کا خیال رکھ سکے لہٰذا جہاں سے وہ سوار ہو گا "ایئرپورٹ" پر انتظامات کئے گئے ہوتے ہیں وہاں غسل و وضو کر کے احرام باندھے۔ مردوں کے احرام میں صرف دو چادریں ہوتی ہیں جو سلی ہوئی بھی نہ ہوں تو بہتر ہے اور سفید رنگ ہوں لیکن رنگ دار کی بھی ممانعت نہیں ہے۔ ایک کمر میں تہ بند کی طرح باندھ لے اور دوسری سارے بدن پر اوڑھ لے۔ سر ننگا رہنے دے۔ عورت قمیض شلوار اور ایک رومال یا چھوٹا دوپٹہ سر پر باندھ لے لیکن منہ پر نقاب نہ ڈالے اور نظریں سب لوگ نیچی رکھیں مرد ہوں یا عورتیں۔

محرم کے لئے یہ پابندیاں ہیں خوب اچھی طرح یاد کر لو۔ مرد سلے کپڑے نہ پہنیں جو عام لباس میں پہنے جاتے ہیں۔ اور احرام باندھ لینے کے بعد خوشبو استعمال نہ کریں جب تک محرم ہیں۔ بالوں کو کنگھی وغیرہ نہ کریں۔ ناخن نہ کاٹیں۔ حجامت نہ بنوائیں اور جسم کے کسی حصہ سے بھی بال نہ کاٹیں اور نہ مونڈیں۔ عورت مرد یعنی میاں بیوی بوس و کنار نہ ہوں۔ حرم میں پہنچ کر گھاس اور سبزی وغیرہ نہ کاٹیں۔ شکار نہ کھیلیں اور نہ ہی شکار میں کسی قسم کی مدد کریں۔ ازدواجی تعلق قائم نہ کریں۔ یہ وہ پابندیاں ہیں کہ ان میں سے کوئی پابندی نہ کی تو ایک قربانی کا جانور بطور فدیہ ادا کرنا ضروری ہو گا۔

محرم حالت احرام میں اگر غسل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے سرمہ لگا سکتا ہے' شیشہ دیکھ سکتا ہے اور سر اور بدن کو آہستہ آہستہ کھجلا سکتا ہے اس طرح کہ بال نہ ٹوٹنے پائیں لیکن احتیاط بہتر ہے۔ موذی جانور جیسے دیوانہ کتا' چوہا' سانپ' بچھو' چیل' کوا اگر تنگ کریں تو مارے جا سکتے ہیں۔ وہ جانور جو شکار نہ کیا گیا ہو بکری' مرغابی وغیرہ ذبح کر کے کھا سکتا ہے۔ اگر غیر محرم نے شکار کیا ہو جب کہ محرم نے کسی طرح کی مدد نہ کی ہو تب بھی وہ کھا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ حج کی تین اقسام ہیں یعنی تین طریقوں سے حج ادا کیا جاتا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور جس قسم کا حج کرنا چاہیں اس طرح کی پابندیوں کا خیال رکھیں۔ وہ تین اقسام یہ ہیں۔

Marfat.com

۱۔ حج افراد ۲۔ حج قران ۳۔ حج تمتع

۱۔ افراد یہ ہے کہ جب احرام باندھیں گے خواہ میقات یا محاذ میقات سے جیسے بحری جہاز سے یا خشکی کے راستے سفر کرنے والے اور خواہ اپنے ایئرپورٹ پر احرام باندھنے والے جو ہوائی جہاز کے راستے سے عازم حج ہیں وہ حج افراد کی نیت سے احرام باندھیں اور مکہ پہنچ کر باب ابی شیبہ سے بیت اللہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کریں اور صفا و مروہ کی سعی کریں لیکن اس کے بعد احرام برابر باندھ رکھیں ۹/ ذی الحجہ عرفات میں گزار کر جب ۱۰/ ذی الحجہ کو واپس منیٰ آئیں تو قربانی کر کے احرام کھولیں۔ اتنے وقت تک برابر احرام باندھے رہیں خواہ اس میں کتنے دن لگ گئے۔ اور احرام کی ساری پابندیوں کا بدستور خیال رکھیں۔

۲۔ حج قران۔ قران کی صورت یہ ہے کہ میقات محاذ میقات یا ایئرپورٹ پر پہنچ کر حج و عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھیں اور بیت اللہ پہنچ کر عمرہ ادا کریں یعنی طواف بیت اللہ اور سعی صفا و مروہ کر کے دس ذی الحجہ تک محرم رہیں۔ ۹/ ذی الحجہ کو عرفات اور دس کو باقی لوگوں کے ساتھ احرام کھول دیں۔

۳۔ حج تمتع۔ یہ اس طرح کہ میقات یا محاذ میقات پر پہنچ کر یا ایئرپورٹ پر فقط عمرہ کی نیت سے احرام باندھیں اور حج کی نیت نہ کریں اور بیت اللہ حاضر ہو کر طواف و سعی کریں اور احرام کھول دیں۔ حجامت بنوائیں' بال کترائیں' خوشبو استعمال کریں اور حلال ہو جائیں یعنی احرام کھول دیں اور پھر آٹھویں ذی الحجہ کو غسل کر کے حج کی نیت سے احرام باندھ لیں اور حج ادا کریں۔ حج کی ان تینوں اقسام میں سے حج تمتع آسان ہے اور دور دراز سے سفر کر کے جانے والوں کو یہی زیادہ بہتر بھی ہے۔

جب احرام باندھ لیں خواہ وہ اپنے میقات یا محاذ میقات سے اور خواہ اپنے ایئرپورٹ پر احرام باندھ لینے کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا ہے اور نماز کے سلام پھیرنے کے بعد تلبیہ پکار پکار کر کہنا سنت ہے۔ اور یہ حج مبرور کی نشانی ہے لہٰذا تلبیہ پکار کر کہنا سنت ہے اور تلبیہ کے معنی لبیک کہنا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کہے :

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ. لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ. اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (صحیح مسلم) "میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بیشک اچھی تعریف تیرے ہی لئے ہے اور سب نعمتیں تیری ہی عطا کردہ ہیں اور ملک بھی تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔" محرم جب تک حالت احرام میں ہے وہ تلبیہ پکارتا رہے گا لگاتار نہیں۔ بلکہ وقفہ وقفہ سے کبھی کبھی۔ ایک' دو' تین بار کہہ لیا۔ جب مکہ مکرمہ پہنچ جائیں تو سنت یہ ہے کہ باب بنی شیبہ سے بیت اللہ میں داخل ہوں لیکن اگر دوسرے دروازے سے بھی داخل ہو گئے تو حج و عمرہ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور کعبہ کو دیکھیں تو یہ دعا پڑھ لیں۔

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّ تَعْظِيْمًا وَّ تَكْرِيْمًا (نیل الاوطار) "اے اللہ! اس گھر کی عزت و

Marfat.com

بزرگی میں اضافہ فرمادے۔"

جب بیت اللہ میں داخل ہونے لگے تو وہی دعا پڑھے جو عام طور پر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ (صحیح مسلم) "اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔"

مسجد الحرام میں داخل ہو کر سب سے پہلے طواف کرنا شروع کرے اس طواف کو طواف القدوم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی کے پہلے تین چکروں میں رمل کرے یعنی کندھے ہلا کر قدم چھوٹے اور تیز تیز اور باقاعدگی کے ساتھ چلیں طواف اس طرح کریں کہ حجر اسود کے قریب جا کر اس کو بوسہ دیں اگر ممکن نہ ہو تو استیلام کریں۔ یعنی ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہیں اور یہاں سے اپنا چکر شروع کریں اور اسی جگہ پر پہنچ کر ایک چکر آپ کا مکمل ہو جائے گا۔

اس طرح سات چکر لگانا ایک طواف کہلاتا ہے۔ سو پہلے چار چکر رمل کرنے کے بعد پھر تین چکر دلکی چال چلنا ہے لیکن یہ مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ ہر چکر پر حجر اسود کو بوسہ دینا ہے تاکہ ایک چکر کی علامت مکمل ہو جائے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکیں تو استیلام کر لیں جس کا طریقہ پیچھے بتایا گیا ہے۔ پورے طواف کے دوران یعنی سات چکروں میں درج ذیل دعا پڑھتے رہیں۔ اور جب بھی طواف کا موقع ملے اور جب بھی طواف بیت اللہ کریں تو یہ دعا پڑھتے رہیں۔ بیشک آہستہ آہستہ پڑھیں لیکن چاہیں تو زبان سے بھی باآواز بلند بول کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دعا یہ ہے :

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (ابن ماجہ) "پاک ہے اللہ! اور سب اچھی تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اللہ بہت ہی بڑا ہے۔ اور اللہ کی مدد کے بغیر نہ ہم گناہوں سے بچ سکتے ہیں اور نہ ہی نیکی کر سکتے ہیں۔"

بیت اللہ کی عمارت کے جنوب مغربی کونے کو رکن یمانی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے دوران اس کو بھی چھوا ہے آپ کو بھی اگر بیت اللہ کے قریب جگہ مل جائے تو طواف کے دوران ہر چکر میں اس کونے کے پاس سے گزرتے ہوئے چھو سکتے ہیں لیکن نہ تو اس کو چوما جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا استیلام ہے۔ استیلام یا بوسہ علامت ہے ایک چکر پورا کرنے کی اور وہ یعنی چکر حجر اسود یا اس کے محاذ پر ہی پورا ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کو بوسہ نہ دیا جائے ہاں! چھونے کی اجازت ہے۔ اس کو چھوتے وقت یا اس کے قریب سے گزرتے وقت یہ دعا بھی پڑھ لیا کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ○ (ابن ماجہ) "اے اللہ! میں تجھ سے معافی طلب کرتا ہوں اور دنیا و آخرت میں

Marfat.com

عافیت کا طلب گار ہوں اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

سات چکر پورے کرنے کے بعد ایک طواف مکمل ہوگیا۔ جب طواف پورا ہوگیا تو اب مقام ابراہیم کے پاس جائیں جو بیت اللہ کے دروازے کے چار پانچ قدم پیچھے ہٹ کر ایک طرف بالکل حطیم کی دیوار کے بھی پیچھے ہٹ کر ہے۔ اس جگہ یا اس کے بالمقابل مزید پیچھے جہاں جگہ مل سکے دو رکعت نماز ادا کریں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد "سورہ الکفرون" اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد "سورہ اخلاص" پڑھیں اور سلام کے بعد پورے خلوص کے ساتھ اپنی حاجت و ضروریات اللہ سے طلب کریں۔ دعا کا یہ موقع آپ کو روز روز میسر نہیں ہوگا یہ مقام ابراہیم ہے جو دنیا میں صرف ایک جگہ پر یعنی بیت اللہ میں ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے کہ

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى "مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ اور وہاں نماز ادا کرو۔"

بعد از دعا یہاں سے اٹھیں اور سیدھے زمزم کے کنوئیں کے پاس سے گزرتے ہوئے صفا پہاڑی کی طرف چلیں۔ اب پہاڑی کی پوری شکل تو وہاں موجود نہیں البتہ نشانات اب بھی موجود ہیں۔ اور جب بالکل قریب جائیں تو یہ قرآن کریم کی آیت کا ٹکڑا تلاوت کریں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ "بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں۔"

اس پہاڑی کے نشان تک یعنی اس کے اوپر تک چلے جائیں اور اللہ اکبر کہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا یہ پہاڑی صفا کے نام سے معروف ہے اس کے اوپر کھڑے ہو کر قبلہ رخ ہو جائیں یعنی بیت اللہ کی عمارت کی طرف رخ کر لیں اور اس پر کھڑے کھڑے یہ دعا پڑھیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (صحیح مسلم) "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور سب تعریف اسی کے لئے ہے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری پوری مدد کی اور تنہا اس نے سارے جتھوں کو شکست دی۔"

صفا پہاڑی کے اوپر یعنی اس کے نشان پر یہ دعا پڑھیں آرام سے پڑھ کر صفا سے اتریں اور مروہ کی طرف چلنا شروع کریں صفا و مروہ دونوں پہاڑیاں تھیں لیکن اب صرف نشان موجود ہیں اور دونوں کے درمیان چلنے کے راستے میں آنے والوں کا الگ اور جانے والوں کا الگ اور ان دونوں پہاڑیوں کے نشانات کے تقریباً درمیان میں دونوں طرف یعنی آنے والے راستے پر بھی اور جانے والے راستے پر بھی ستون بنے ہیں ان کو "سبز ستون" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ان ستونوں پر نشان لگا کر وضاحت کر دی گئی ہے ان دونوں ستونوں کا درمیانی

Marfat.com

راستہ جو اگرچہ چند ہی قدم ہے دوڑ کر طے کریں گے اگر دوڑ سکتے ہیں ورنہ کچھ تیز چال چلیں جتنا جلدی کر سکتے ہیں یہ کافی ہے اور پھر معمول چال کے ساتھ چلتے ہوئے مروہ پہاڑی کے اوپر کے نشان پر چلے جائیں اور اتنا اوپر کہیں وہاں جتنا اوپر جا سکتے ہیں جائیں یہاں تک کہ بیت اللہ کی عمارت یعنی کعبہ دکھائی دینے لگے۔ اس جگہ بھی قبلہ رخ کھڑے ہو کر اوپر والی دعا جو صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر پڑھی تھی پڑھیں۔

یاد رکھیں یہ صفا سے مروہ تک آنے کو ایک پھیرے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے گویا آپ کا صفا سے مروہ تک آ کر ایک پھیرا مکمل ہو گیا۔ اور اس طرح آپ نے سات پھیرے مکمل کرنے ہیں اور صفا سے مروہ کو جاتے وقت اور مروہ سے صفا کی طرف آتے وقت درمیانی راستہ میں چلتے وقت یہ دعا پڑھتے رہیں۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ (حصن حصین) "اے میرے رب! میرے گناہ معاف فرما دے بے شبہ تو بڑی ہی عزت والا ہے اور بڑی ہی بزرگی والا ہے۔"

مروہ سے صفا کی طرف بھی چلتے ہوئے یہ دعا پڑھتے رہیں گے اور جب صفا کے اوپر چڑھ جائیں گے تو پھر قبلہ رخ ہو کر وہی دعا پڑھیں گے جو صفا پر اور پھر مروہ پر پڑھی جاتی ہے۔ اور اس طرح سات پھیرے پورے کرتے ہیں اور آپ کا ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو جائے گا۔

یعنی صفا سے مروہ تک ایک پھیرا مروہ سے صفا پر دو پھر صفا سے مروہ تک تین پھر مروہ سے صفا پر چار پھر صفا سے مروہ پر پانچ اور مروہ سے صفا پر چھ اور صفا سے مروہ پر سات۔ اس طرح آپ چار بار صفا پر جائیں اور چار بار ہی مروہ پر اور مروہ پر چوتھی بار جا کر سات پھیرے پورے کر کے مروہ پر وہ مخصوص دعا مانگ کر اب مروہ ہی سے باہر چلے جائیں۔

اب ماشاء اللہ آپ کا عمرہ مکمل ہو گیا اگر آپ تمتع کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ نے ابھی تک حج کی نیت نہ کی تھی کیونکہ تمتع کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے عمرہ کیا اور پھر حج کے دنوں میں حج کریں گے۔ اس لئے اب مروہ سے نکل کر حجامت بنوائیں اور احرام کھول دیں عورتیں بھی اپنے بالوں میں سے پور تقریباً ایک لٹ بالوں کی کاٹ دیں۔ اب جہاں آپ کا قیام ہے وہاں اپنی قیام گاہ پر جائیں اور معمول کے مطابق زندگی کے دن گزاریں نمازیں حرم میں پہنچ کر ادا کریں اور جتنی بار ہو سکے طواف کرتے رہیں۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ طواف بیت اللہ یعنی کعبہ کے ارد گرد سات چکر پورے کرنے کو طواف کہتے ہیں۔ ہر طواف کے بعد دو رکعت مقام ابراہیم پر ادا کرتے رہیں۔

لیکن اگر حج قران ہے تو عمرہ کرنے کے بعد احرام نہیں کھولیں گے اور باقی روز جتنے بھی باقی ہیں وہ احرام کی پابندیوں کے ساتھ گزارنے ہوں گے۔ اگرچہ آج کل تقریباً قران بہت ہی کم ہوتا ہے اور افراد والے پہلے ہی مخصوص ذی الحجہ کو پہنچتے ہیں اور صرف حج میں شامل ہوتے ہیں۔

اگر دن زیادہ ہیں اور تمتع آپ کر رہے ہیں تو ان دنوں میں مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں کچھ نمازیں ادا کرنے

Marfat.com

کے لئے چاہیں تو چلے جائیں یہ حج کا حصہ تو نہیں لیکن مسجد نبوی میں ایک نماز ادا کرنے والے کو نبی کریم ﷺ نے پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کی بشارت سنائی ہے اس وقت سے فائدہ اٹھائیں اور مدینہ چلے جائیں۔ مدینہ طیبہ پہنچتے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوں بشرطیکہ مسجد اس وقت کھلی ہو۔ وہاں دو رکعت نماز ادا کریں۔ یہ وہ مسجد ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی تعمیر فرمایا تھا اس میں ایک مقام "ریاض الجنتہ" کے نام سے معروف ہے اور اصحاب صفہ کا مقام صفہ بھی ہے۔ یہاں جگہ مل جائے تو سبحان اللہ کیا کہنے۔ جب تک مدینہ طیبہ میں رہو نماز باجماعت مسجد نبوی کے اندر ہی پڑھنے کی کوشش کرو۔ قرآن کریم کی تلاوت کرو وعظ و درس میں شامل ہوتے رہو۔ اللہ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔

مسجد نبوی ﷺ کے بالکل ملحق روضہ اطہر کے اندر رحمتہ للعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر ہے۔ درود و سلام کے لئے وہاں حاضری دو بڑے درد و سوز کے ساتھ اپنے دل ہی دل میں بزبان حال کمال ادب و احترام سے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" جو روزانہ اپنی نمازوں کے ہر تشہد میں پڑھتے ہو پڑھو۔ اور اس کے ساتھ پورا درود شریف "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ" الخ بار بار پڑھتے رہو۔ دل میں خیال کرو کہ یہ مقام کیا ہے؟ اور اس دنیا میں آخر کار مخلوق کا انجام کیا ہے؟ ہر مخلوق کے لئے موت کا جام کتنا ضروری ہے؟

یہ قبر اطہر رحمت للعالمین، خاتم الانبیاء، سید المرسلین، اکرم الاولین والاخرین، سید الثقلین، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، والی بطحا، حبیب خدا، اشرف الانبیاء، شافع روز جزا محمد رسول اللہ ﷺ کے مخلوق ہونے کی کتنی بڑی دلیل ہے۔

اس قبر اطہر کا مقام کونسا ہے؟ یہ حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ ہی تو ہے۔ اور اس کے اندر آپؐ کے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ہی بالکل ملحق سیدنا عمر فاروق کی قبریں ہیں جو قیامت تک اس بات کا ثبوت مہیا کرتی رہیں گی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جتنے یہ دونوں یار نبی کریم ﷺ کے قریب تھے اتنا اور کوئی نہ تھا۔ اس جگہ یہ دعا پڑھنا بھی بہت ضروری ہے جو زیارات قبور کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ (صحیح مسلم)

مدینہ منورہ سے واپس آنے لگو تو مسجد نبوی ﷺ میں دو رکعت نماز ادا کر کے رو رو کر دعائیں مانگ کر وہاں سے رخصت ہو۔

کچھ وقت وہاں گزارنے کے بعد دوبارہ بیت اللہ یعنی مکہ مکرمہ آجائیں اور راستہ میں ذی الحلیفہ کے مقام سے عمرہ کا احرام باندھ کر ایک بار پھر عمرہ کی سعادت حاصل کرنا چاہیں تو کرلیں اس لحاظ سے یہ سفر مزید فائدہ مند

Marfat.com

ثابت ہوگا۔

تمتع کی صورت میں اب آپ ساتویں ذی الحجہ تک احرام میں نہیں بلکہ عام لباس میں ملبوس ہیں اور ظاہر ہے کہ احرام کی پابندیاں بھی آپ پر نہیں ہیں۔ اب آٹھویں ذی الحجہ کو بعد از نماز فجر وضو اور غسل کریں اور حج کا احرام باندھ لیں آپ جس جگہ پر ہیں بالکل اسی جگہ سے احرام باندھ سکتے ہیں۔ یہاں سے احرام باندھ کر منیٰ کو نکل جائیں اور منیٰ میں پہنچ کر جہاں آپ کی جگہ موجود ہے وہاں قیام کریں۔ اور ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر ادا کریں۔ نماز باجماعت پڑھیں مسجد خیف قریب ہے اگر جگہ وہاں مل سکے تو وہاں ورنہ جماعت کرا لیں یعنی اپنے خیموں میں اس طرح رات منیٰ میں گزر گئی اور ۹/ ذی الحجہ کی صبح کی نماز مسجد خیف میں یا اپنے مقام پر باجماعت ادا کریں۔ جب آفتاب نکل آئے اور دھوپ نظر آنے لگے یا اتنا وقت ہو جائے تو اس روز یعنی ۹/ ذی الحجہ کو منیٰ سے نکل کر میدان عرفات کی طرف جائیں اور عرفات میں دوپہر کے بعد داخل ہوں۔ یہاں مسجد نمرہ میں حج کا خطبہ ہوگا حج کی نماز ادا ہوگی اور اس طرح مغرب کی نماز کے وقت تک یعنی سورج غروب ہونے تک آپ کو عرفات کے میدان میں رہنا ضروری ہے اور یہ سارا وقت دعا و استغفار میں گزارنا ہوگا۔

سورج کے غروب ہوتے ہی بغیر نماز ادا کئے عرفات کو چھوڑ دینا ہے۔ اور عرفات سے نکل کر آگے میدان مزدلفہ آئے گا اس کو نشانات لگا کر واضح کر دیا گیا ہے۔ جب مناسب جگہ قیام کی مل جائے تو رک کر باجماعت مغرب اور عشاء کو ادا کرنا ہے دونوں کو جمع کر کے ادا کیا جائے گا۔ پھر صبح کی نماز تک قیام مزدلفہ میں رہے گا۔ دسویں ذی الحجہ مزدلفہ صبح کی نماز صبح صادق ہوتے ہی ادا کر کے وہاں سے چل دینا ہے اور اس مزدلفہ کے میدان سے ستر کنکریاں بھی اٹھا لینا ہے جو جمرات پر پھینکی جائیں گی یا میدان محصر سے لے لینا یہ آپکی سہولت پر ہے اس میدان میں یعنی میدان مزدلفہ میں ایک مقام ہے جس کا نام ''مشعر الحرام'' ہے اسکے قریب جگہ مل جائے تو بہتر ورنہ مزدلفہ کے اندر ہی جہاں جگہ مل سکے۔ یہ ''مشعر الحرام'' کے مقام کی دعا پڑھ لیں۔ اور بار بار پڑھیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (صحیح مسلم)

سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہی مزدلفہ سے منی کی طرف روانہ ہو جائیں۔ مزدلفہ کے بعد وادی محصر آئے گی اسی جگہ سے نکل کر میدان منی میں داخل ہونا ہے۔ منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے سیدھے جمرہ عقبیٰ پر آؤ اور وہاں ان کنکریوں میں سے سات کنکریاں ''اللہ اکبر'' کہہ کر باری باری مارو۔ یاد رکھو کہ ساتوں کو اگر ایک بار پھینک دیا تو گویا ایک ہی کنکری پھینکی۔ لہٰذا ساتوں کنکریوں کو الگ الگ تکبیر بول کر پھینکو۔ اور وہاں سے واپس آکر قربان گاہ کی طرف جاؤ۔ قربانی کا جانور ذبح کرو۔ ذبیحہ کے بعد اپنے مقام پر واپس آجاؤ حجامت بنواؤ، غسل کرو اور احرام کھول دو اور اپنے معمول کے کپڑے پہن کر اگر ہو سکے تو ظہر کی نماز یعنی دسویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز بیت اللہ میں ادا کرو۔ بعد از نماز طواف افاضہ میں مصروف ہو جاؤ۔ آج بہت ہی رش ہے میدان حشر کا سماں ہے۔ گڑگڑانا ہے۔ آہیں ہی آہیں ہیں۔ طواف افاضہ کے بعد یہاں سے واپس منیٰ کی طرف چل دیں اور رات

Marfat.com

میدان منیٰ کے اندر ہی گزاریں۔ جہاں بھی ادا کر سکیں نماز باجماعت ہی ادا کرنے کی کوشش کریں۔

گیارہ ذی الحجہ کو نماز فجر مسجد خیف میں باجماعت ادا کریں اگر جگہ نہ مل سکے تو اپنے خیمہ میں جماعت کرا لیں اور اپنے مقام پر ہی ذکر و فکر میں محو رہیں۔ جب سورج ڈھل جائے تو اکیس کنکریاں لے کر جمرہ اولیٰ پر آئیں اور "اللہ اکبر" کہہ کر باری باری یعنی یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں پھر جمرہ وسطیٰ پر آکر سات کنکریاں ماریں اور اس کے بعد جمرہ عقبیٰ پر آکر بدستور سات کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد سارا دن آرام کریں۔ نماز کا وقت ہو تو نماز ادا کریں۔

پھر بارہ ذی الحجہ کو دوپہر تک اپنے خیمہ میں رہیں اور بعد از دوپہر اکیس کنکریاں لے کر چلیں اور گیارہ ذی الحجہ کی طرح جمرہ اولیٰ سے شروع کر کے سات سات کنکریاں مارتے رہیں۔

اگر آج یعنی بارہ ذی الحجہ ہی کو واپس مکہ جانے کا پروگرام ہے تو آنے والے روز کی بھی کنکریاں آج ہی پھینک دیں اور فارغ ہو کر مکہ مکرمہ آجائیں اگر وہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو بارہ ذی الحجہ کو دوسرے روز کی کنکریاں نہ ماریں واپس اپنے خیمہ پر چلے جائیں۔ تیرہ ذی الحجہ کو پھر پہلے دنوں کی طرح کنکریاں پھینک کر واپس چلے جائیں۔

گویا میدان منیٰ سے بارہ ذی الحجہ کو بھی واپس جایا جا سکتا ہے اور تیرہ ذی الحجہ کو بھی۔ چونکہ اکثر لوگ اس پروگرام کو پورا کرتے کرتے لیٹ ہو ہی جاتے ہیں بلکہ عرفات سے واپسی پر ہی لیٹ ہونا شروع ہو کر پورے ایک دن کے کام لیٹ بھی ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک دن کی گنجائش پہلے ہی روز سے رکھ دی ہے تاکہ لوگ اطمینان کے ساتھ ارکان حج ادا کر سکیں۔

منیٰ سے واپس آکر اپنے پروگرام کے مطابق واپسی کا انتظام کریں۔ جتنا وقت وہاں مل جائے غنیمت ہے۔ زیادہ تر بیت اللہ میں رہیں ملتزم سے لپٹ لیں۔ حطیم میں داخل ہوں نوافل بھی پڑھیں۔ طواف کریں۔ پورے حج کے دنوں میں کسی کو دکھ اور تکلیف نہ دیں دوسروں کے لئے آسانی پیدا کریں۔ اچھا سلوک کریں۔ کسی کو حاجت و ضرورت ہو تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے قافلہ والوں کو سہولت پہنچائیں۔ اور آتی دفعہ "طواف الوداع" کر کے دعائیں مانگ کر الوداع ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج مبارک کرے۔ آمین ثم آمین۔

حج کی دعائیں اور اذکار

عرفات کے حدود ریگ زار میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر باوضو یہ دعائیں مانگیں جب تھک جائیں۔ تو بیٹھ کر پڑھیں۔ حضرت شافع روز جزاء ﷺ کی زبان کے موتی جو ان دعاؤں کی صورت میں ہیں۔

ا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (ترمذی)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے۔ اور تعریف اسی

Marfat.com

کیلئے ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

۲۔ اَللّٰهُمَّ لَکَ الْحَمْدُ كَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَيْكَ مَاٰبِیْ وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَجِیْءُ بِهِ الرِّيْحُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْءُ بِهِ الرِّيْحُ ○ (ابن خزیمہ)

"اے اللہ! سب تعریف تیرے ہی لئے ہے جس طرح تو کہتا ہے اور بہتر اس سے جو ہم کہتے ہیں۔ اے اللہ! تیرے ہی لئے ہے نماز میری اور قربانی میری' اور جینا میرا' اور مرنا میرا' اور تیری طرف ہے رجوع کرنا میرا۔ اور تیرے ہی لئے ہے اے رب میرے میراث میری' اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور سینوں کے وسوسوں سے اور کام کی پریشانی سے' اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی اس چیز کی جو لاتی ہے اس کو ہوا۔ اور پناہ پکڑتا ہوں تیری اس چیز کی بدی سے کہ لاتی ہے اس کو ہوا۔"

۳۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَيَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِی النَّهَارِ وَشَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيَاحُ (حصن حصین)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور تعریف اسی کے لئے ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! کر میرے دل میں روشنی۔ اور میرے کان میں روشنی۔ اور میری آنکھ میں روشنی۔ اے اللہ! تو میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور تیری پناہ مانگتا ہوں سینہ کے وسوسوں سے اور کام کی پریشانی سے اور قبر کے فتنے سے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس چیز کی برائی سے جو رات میں داخل ہوتی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو دن میں داخل ہوتی ہے۔ اور اس چیز کی برائی سے کہ چلاتی ہیں اس کو ہوائیں۔"

۴۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اِنَّمَا الْخَيْرُ خَيْرُ الْاٰخِرَةِ (طبرانی)

"حاضر ہوں اے میرے اللہ حاضر ہوں سوائے اس کے نہیں کہ بھلائی تو صرف آخرت کی ہے۔"

۵۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا۔ (طبرانی)

"اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کے لئے تعریف ہے' اللہ بہت بڑا ہے' اور اللہ ہی کے لئے تعریف ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کے لئے تعریف ہے' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے' اور اسی کیلئے تعریف ہے' اے اللہ تو اس حج کو قبول فرما اور گناہوں کو بخش دے۔"

۶۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ وَتَرٰی مَكَانِیْ وَتَسْمَعُ كَلَامِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِيَتِیْ وَلَا يَخْفٰی عَلَيْكَ شَیْءٌ

Marfat.com

مِنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ اَسْئَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَآءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَدُعَآءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَیْنَاہُ وَنَحِلَ لَکَ جَسَدُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَآئِکَ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا۔ یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ یَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ آمِیْن

(طبرانی)

الٰہی تو (میرا حال) جانتا ہے۔ اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے کلام کو سنتا ہے اور جانتا ہے میرے باطن کو اور میرے ظاہر کو اور میرے کاموں میں سے کچھ بھی تجھ پر پوشیدہ نہیں اور میں ہوں تکلیف والا' محتاج فریاد کرنے والا' پناہ مانگنے والا' خوف کھانے والا' ڈرنے والا' اقرار کرنے والا' ماننے والا اپنے گناہوں کا' تجھ سے مانگتا ہوں مسکینوں کا سا مانگنا۔ اور گڑگڑاتا ہوں تیری طرف گڑگڑانا گنہگار رسوا کا۔ اور پکارتا ہوں تجھ کو پکارنا خوفزدہ اندھے کا' اور پکارنا اس شخص کا کہ جھک گئی ہو تیرے آگے گردن اس کی' اور بہہ نکلیں تیرے لئے آنکھیں اس کی' اور لاغر ہوا تیرے لئے جسم اس کا اور خاک آلودہ ہوئی تیرے لئے ناک اس کی' الٰہی نہ کر تو مجھے اپنی دعا سے بے نصیب اور ہو جا مجھ پر نرمی کرنے والا مہربان۔ اے سب مانگے ہوؤں سے بہتر' اے سب دینے والوں سے اچھے' اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان۔ اور تعریفیں سب اللہ کو ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا۔ الٰہی! قبول کر۔"

۷۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا بِالْھُدٰی وَزَیِّنَّا بِالتَّقْوٰی وَاغْفِرْلَنَا فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُکَ رِزْقًا حَلٰلًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَمَرْتَنِیْ بِالدُّعَآءِ وَلَکَ الْاِجَابَۃُ وَاِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ وَلَا تَنْکُثُ عَھْدَکَ اَللّٰھُمَّ مَا اَحْبَبْتَ مِنْ خَیْرٍ فَحَبِّبْہُ اِلَیْنَا وَیَسِّرْہُ لَنَا وَمَا کَرِھْتَ مِنْ شَرٍّ فَکَرِّھْہُ اِلَیْنَا وَجَنِّبْنَاہُ وَلَا تَنْزِعْ مِنَّا الْاِسْلَامَ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا ○ (طبرانی)

الٰہی راستہ دکھا ہم کو ساتھ ہدایت کے اور زینت دے ہم کو ساتھ پرہیزگاری کے اور بخش دے ہم کو آخرت اور دنیا میں' اے اللہ! میں تجھ سے حلال پاکیزہ' برکت دینے والی روزی مانگتا ہوں۔ اے اللہ! تو نے مجھ کو دعا مانگنے کا حکم دیا۔ (میں نے دعا مانگی) اور تیرا کام ہے قبول کرنا۔ اور تحقیق تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور نہ عہد توڑتا ہے' اے اللہ! جو بھلائی (ہمارے لئے) تو نے پسند کی پس محبت دے اس کی ہم کو اور آسان کر اس کو ہم پر' اور جو برائی تو نے ناپسند کی پس ناپسند دکھا وہ ہم کو اور بچا ہم کو اس سے' اور نہ چھین لے ہم سے اسلام ہمیں ہدایت دینے کے بعد۔"

۸۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْٓءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْٓءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ○

(صحیح بخاری)

Marfat.com

"اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ اور میں حتی الوسع تیرے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں۔ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل کی برائی سے اقرار کرتا ہوں اپنے گناہ کا۔ پس بخش دے مجھ کو' کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں ہے۔"

۹۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَھْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ (بخاری)

اے اللہ بخش دے مجھ کو خطا میری اور نادانی میری اور اپنے کام میں اسراف میرا اور وہ گناہ جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' اے اللہ بخش میرے گناہ کو قصداً کئے ہیں اور ہنسی سے کئے ہیں اور چوک کر کئے ہیں اور جان کر کئے ہیں' اور یہ سب کچھ مجھ میں موجود ہے۔ اے اللہ بخش میرے لئے وہ گناہ کہ پہلے کئے میں نے اور پیچھے کئے میں نے۔ اور جو پوشیدہ کئے میں نے اور جو ظاہر کئے میں نے اور وہ جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' تو ہی (نیکیوں میں) آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی (برائیوں میں) پیچھے ہٹانے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

۱۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْکَ مِنْھَا لَا اَرْجِعُ اِلَیْھَا اَبَدًا (حاکم)

"اے اللہ میں گناہوں سے تیرے آگے ایسی توبہ کرتا ہوں۔ کہ پھر کبھی ان کی طرف نہ لوٹوں گا۔"

۱۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (ترمذی)

"اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے۔ عفو کو دوست رکھتا ہے۔ پھر میرے گناہ معاف کر دے۔"

۱۲۔ اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ۔ (حاکم)

"اے اللہ تیری بخشش میرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے اور مجھے تیری رحمت سے بہت امید ہے بہ نسبت اپنے عمل کے۔"

۱۳۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ (حصن حصین)

"میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' (اور) جو زندہ اور سب چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے اور اس کے آگے توبہ کرتا ہوں۔"

۱۴۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ ○ (ترمذی)

"اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے تیری محبت اور محبت اس کی جو تجھ سے محبت رکھے اور کام جو پہنچائے مجھ کو تیری محبت تک۔"

۱۵۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی (صحیح مسلم)

"اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت اور پرہیزگاری اور پارسائی اور غنا۔"

۱۶۔ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ۔ (ابوداؤد)

Marfat.com

"اے اللہ میرے عیبوں کو ڈھانک' اور مجھے ڈر سے بے خوف کر۔"

۱۷۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَجِیْرُکَ مِنَ النَّارِ۔ (ترمذی)

"اے اللہ! میں آگ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"

۱۸۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَھْلِیْ وَمَالِیْ۔ (مستدرک)

"اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے معافی اور سلامتی اپنے دین میں اور اپنی دنیا میں اور اپنے گھر والوں میں اور اپنے مال میں۔"

۱۹۔ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ۔ (ترمذی)

"اے اللہ میرے دل میں ڈال دے میرے فائدے کی بات۔ اور بچا مجھ کو میرے نفس کی برائی سے۔"

۲۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُّنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَآءِ وَالْاَدْوَآءِ۔ (ترمذی)

"اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ناپسندیدہ عادتوں سے اور برے کاموں۔ اور بری خواہشوں اور بیماریوں سے۔"

۲۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَآءِ وَدَرْکِ الشِّقَآءِ وَسُوْٓءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَآءِ (صحیح بخاری)

"اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری بلاؤں کی سختی سے اور پہنچنے بدبختی سے' اور برے فیصلے سے اور دشمنوں کی ہنسی سے۔"

۲۲۔ اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔ (ترمذی)

"اے اللہ مجھ کو حلال عطا کر کے حرام سے بچا۔ اور اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔"

۲۳۔ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ ○ (صحیح مسلم)

"اے اللہ سنوار دے میرے لئے دین میرا جو بچاؤ ہے میرے کام کا اور سنوار دے میرے لئے دنیا میری کہ جس میں گزران ہے میری اور سنوار دے میرے لئے آخرت میری کہ جس میں مجھے پھر جانا ہے اور کر تو زندگی کو زیادہ میرے لئے بیچ ہر بھلائی کے اور کر تو موت کو راحت میرے لئے ہر ایک برائی سے۔"

۲۴۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ (صحیح مسلم)

"اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیری اپنے کرتوتوں کی برائی سے اور ناکردہ گناہوں کی برائی سے۔"

۲۵۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَفُجَآءَۃِ نِقْمَتِکَ وَجَمِیْعِ سَخَطِکَ (صحیح مسلم)

Marfat.com

"اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے تیری نعمت کے جانے سے اور تیری دی ہوئی عافیت کے بدلنے اور تیرے عذاب ناگہانی کے آنے اور تیرے ہر غضب سے۔"

۲۶۔ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَ عَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَارْزُقْنِیْ عِلْمًا تَنْفَعُنِیْ بِہٖ ○ (حسن حصین)

"اے اللہ نفع دے مجھ کو ساتھ اس کے جو تو نے مجھے سکھایا اور سکھا مجھ کو وہ بات جو نفع دے مجھ کو اور نصیب کر مجھے وہ علم جس کے ساتھ نفع دے تو مجھ کو۔"

۲۷۔ اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاخْلُفْ عَلٰی کُلِّ غَائِبَۃٍ لِّیْ بِخَیْرٍ ○ (حصن حصین)

"اے اللہ قناعت دے مجھ کو اپنے دیئے ہوئے پر اور میرے لئے اس میں برکت دے' اور حفاظت کر میری ہر غائب چیز پر ساتھ بھلائی کے۔"

۲۸۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ (ترمذی)

"اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔"

۲۹۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (ترمذی)

"اے اللہ ہم مانگتے ہیں تجھ سے بھلائی اس چیز کی کہ مانگی تجھ سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پناہ مانگتے ہیں ہم ساتھ تیرے اس چیز کی برائی سے کہ پناہ مانگی اس سے تیرے نبی محمد ﷺ نے اور تو ہی ہے جس سے مدد مانگی جائے اور تو ہی منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے اور نہیں ہے گناہوں سے پھرنا اور نہ طاقت عبادت کی سوا اللہ کی مدد کے۔"

۳۰۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَ غَلَبَۃِ الرِّجَالِ (صحیح بخاری)

"اے اللہ تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں تیری' فکر اور غم اور عاجزی اور کاہلی اور بخل اور نامردی اور قرض کے بوجھ اور لوگوں کی زیادتی سے۔"

۳۱۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَّا یُسْمَعُ (حص حصین)

"اے اللہ تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے اس علم سے کہ نہ نفع دے اور اس دل سے کہ نہ ڈرے اور اس نفس سے جو نہ سیر ہو اور اس دعا سے جو نہ قبول ہو۔"

۳۲۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ فِتْنَۃِ النَّارِ وَ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ شَرِّ فِتْنَۃِ الْغِنٰی وَ شَرِّ فِتْنَۃِ الْفَقْرِ وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِیْ

Marfat.com

مِنَ الْخَطَایَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (حصن حصین)

"اے اللہ تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے آگ کے عذاب سے اور آگ کے فتنے سے اور قبر کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے اور دولت مندی کے فتنے کی برائی سے اور محتاجی کے فتنے کی برائی سے' اور کانے دجال کے فتنے کے شر سے' اے اللہ! دھو گناہ میرے برف کے پانی اور اولوں سے اور پاک کر دل میرا گناہوں سے' جیسے پاک کیا جاتا ہے کپڑا سفید میل سے۔ اور دوری ڈال درمیان میرے اور درمیان میرے گناہوں کے۔ جیسے دوری کی تو نے درمیان مشرق اور مغروب کے۔"

۳۳۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ (ابوداؤد)

"اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیری رضا کے تیرے غضب سے۔ اور ساتھ تیرے عفو کے تیرے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں تیری' تیرے غضب سے' میں تیری پوری تعریف نہیں کر سکتا۔ تو نے جیسی اپنی تعریف فرمائی ہے ویسا ہی ہے۔"

۳۴۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرْصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَیِّئِ الْاَسْقَامِ۔ (نسائی)

"اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ تیرے برص اور کوڑھ۔ اور دیوانہ پن سے۔ اور تمام بری بیماریوں سے۔"

۳۵۔ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ (موطا مالک)

"اے اللہ! ہمارا انجام اچھا کر دے جتنے کام ہیں سب کاموں میں اور ہم کو دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچا۔"

۳۶۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ فِیْ عَيْنِیْ صَغِيْرًا فِیْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا ○ (حصن حصین)

"اے اللہ مجھے بہت صبر کرنے والا بنا دے اور بہت شکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری آنکھوں میں چھوٹا اور لوگوں کی آنکھوں میں بڑا بنا دے۔"

۳۷۔ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰى نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ (ابوداؤد)

"اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے میرے نفس پر ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سونپ دے۔ اور میرے لئے میرا سارا حال درست فرما دے۔ تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں۔"

Marfat.com

۳۸۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ بِکَ اَحُوْلُ وَبِکَ اَصُوْلُ وَبِکَ اُقَاتِلُ (ابوداؤد' ترمذی)

"اے اللہ! تو ہی میرا بازو ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے۔ تیری قوت سے حیلہ کرتا ہوں اور تیری ہی قوت سے حملہ کرتا ہوں اور تیری قوت سے تیری راہ میں لڑتا ہوں۔"

۳۹۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدْرِ (مشکوۃ المصابیح)

"اے اللہ! میں تجھ سے بدن کی تندرستی طلب کرتا ہوں اور حرام سے بچنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اور امانت' حسن خلق اور تری رضا پر راضی ہونے کی درخواست کرتا ہوں۔"

۴۰۔ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ (ترمذی)

"اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے۔ زندگی بخشنے اور قائم رکھنے والے مخلوق کے ساتھ تیری رحمت کی فریاد رسی چاہتا ہوں۔"

ناخواندہ حجاج کرام کے لئے تحفہ

چالیس مذکورہ دعائیں جو میدان عرفات میں پڑھنے کے لئے تحریر کی گئی ہیں اگر ان پڑھ حاجی حضرات ان کے پڑھنے سے معذور ہوں تو وہ غم نہ کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کئے گئے تھے آپؐ نے ایسے لوگوں کے لئے بالکل مختصر دعائیں ارشاد فرمائیں۔ ذرا خیال کر کے ایک ایک دو دو لفظ یاد کر لیں اور کثرت کے ساتھ پڑھیں اور ان کا ترجمہ سن کر مفہوم یاد کر لیں۔ پانچ دعائیں تحریر ہیں جو پورے حج کے لئے کفایت کرتی ہیں۔

۱۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (ترمذی)

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی صرف اسی کو سزاوار ہے۔ سب اچھی تعریفوں کے لائق صرف اسی کی ذات ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔"

۲۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (القرآن)

"اے اللہ! تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پاک ہے۔ بلاشبہ میں ہی اپنے اوپر زیادتیاں کرنے والا ہوں۔"

۳۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (القرآن)

"اے ہمارے رب! ہم کو اس دنیا میں نیکی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی اور بہتری عطا فرما اور ہم کو عذاب آگ سے نجات عطا فرما دے۔"

۴۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (القرآن)

"اے ہمارے رب! ہم نے خود ہی اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں۔ اور اگر تو ہم کو معاف نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم مسلسل گھاٹے میں رہیں گے۔"

Marfat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

اور[۳۵۴] بعض آدمی ایسے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بارے میں ان کی باتیں تمہیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی ضمیر کی پاکیزگی پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ فی

۵۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ (مشکوۃ)

"اے اللہ! میں، تیری بخشش کا طلب گار ہوں۔ اس ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق ہی نہیں ہے اور میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

میدان عرفات میں پانچ چھ گھنٹے وقت مل ہی جاتا ہے ان اوقات کو غنیمت جان کر ان ادعیہ کو بار بار دہراتے رہیں۔ ایک دعا کے لئے ایک گھنٹہ وقت نکال لیں اور گن گن کر پڑھنے کی ضرورت نہیں اس بے حساب بخشش رکھنے والے کے ہاں اپنے گناہوں کو پیش کر کے معافی طلب کرنے کی ضرورت ہے اور وہ دلوں کے رازوں تک سے واقف ہے اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے ان گنت بار پڑھ کر ان گنت گناہوں کی معافی طلب کرلو شاید یہ وقت دوبارہ زندگی میں ہاتھ نہ آئے۔ اب حج کا بیان ختم ہو چکا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کی تلقین دوبارہ شروع ہوگئی اور معاشرے میں دوہری پوزیشن کے لوگوں کا کردار واضح کیا جاتا ہے۔

دوہری پوزیشن کے لوگوں کا حال بھی عجیب ہوتا ہے

۳۵۴ دوہری پوزیشن کے لوگ کون ہیں؟ وہی جن کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ اور۔ شریعت اسلام نے کچھ اعمال ہر مسلم پر لازم کر دیئے ہیں تاکہ ان کی پابندی سے اخلاق فاضلہ اور جذبات صادقہ پیدا ہوں۔ لیکن جو لوگ ان اعمال شرعیہ کے مقاصد کو فراموش کر دیتے ہیں ان کی محنت رائیگاں جاتی ہے گزشتہ آیات میں بھی دو قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا گیا تھا اور اب بھی ان ہی کے خصائص و امتیازات پر اور روشنی ڈالی جا رہی ہے تاکہ اہل و نااہل میں تمیز رہ جائے اور وہ حسب ذیل ہیں۔

وہ لوگ ایسے ہیں کہ دنیاوی امور میں نہایت ہی دوربینی اور حزم و احتیاط کا اظہار کرتے ہیں۔ مصلحت اندیشی اور عاقبت بینی کے پیکر مجسم نظر آتے ہیں۔ حب قومی' جوش ملی اور ولولہ دین ان کے فقرے فقرے سے ٹپکتا ہے۔ خدا کا دین اسلام اور سرفروشی ملت ان کا دعویٰ ہوتا ہے۔

عام مجمع میں یہ لوگ قسمیں کھا کھا کر اپنے مذہبی جوش کا اعلان کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ان کے اعمال حیات ہی ان کی پردہ دری کر دیتے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ :

چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

Marfat.com

عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى
فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ

الحقیقت دشمنی اور خصومت میں بڑے ہی سخت ہوتے ہیں۔ ۲۰۴

جب[۳۵۵] انہیں حکومت مل جاتی ہے تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اسی لئے ہوتی ہیں تاکہ خرابی پھیلائیں اور انسان کی زراعت اور محنت کے نتیجوں کو اور اس کی نسل کو ہلاک کردیں حالانکہ اللہ یہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ ویرانی و خرابی پھیلائی جائے۔ ۲۰۵

اور جب[۳۵۶] ان لوگوں سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو ان کا گھمنڈ ان کو مزید گناہ پر

پھر جب ان کی غداری اور ملت فروشی کا اظہار ہوتا ہے اور لوگ ان سے احتساب کرتے ہیں تو اپنی غلط کاری تسلیم کرنے کے بجائے جھگڑے پر اتر آتے ہیں اور ان کا جھگڑے پر اترنا معمولی نہیں ہوتا اس کو کہتے ہیں کہ چور بھی اور چتر بھی ان کی اسی حالت کو قرآن کریم نے "اَلَدُّ الْخِصَامُ" فرمایا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان ہی خصوصیات کا حامل ایک آدمی جس کا تعلق قبیلہ ثقیف سے تھا بڑا خوش منظر و خوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتا خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان و اسلام کے بیان کرتا۔ بات بات پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا لیکن جب مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی عملی شرارتوں میں لگ جاتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت اس طرح کا صرف یہ ایک ہی آدمی تھا یا بعد زمانہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہوا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ہاں! اس آیت سے البتہ یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ورنہ آپؐ تو اس کی ان باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپؐ اسے منافق پہچان گئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ اس کی گفتگو سے لطف اندوز ہی کیوں ہوتے؟

ان منافقین کو اگر حکومت مل جائے تو کیا ہوتا ہے؟

۳۵۵ فرمایا کہ اس قسم کے بدبخت جب مسلمانوں سے الگ ہوتے ہیں تو ملک میں فتنہ و فساد کی آگ

Marfat.com

اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئۡسَ
الۡمِهَادُ ۝۲۰۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ

اکساتا ہے پس جن لوگوں کی یہ عادت ہو چکی ہے انہیں تو جہنم ہی کفایت کرے گا
حالانکہ جہنم کا ٹھکانا تو نہایت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ۲۰۶

پھر کچھ[۳۵۷] لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی خوشنودی کی طلب میں اپنی جانیں تک بیچ

بھڑکاتے ہیں۔ ہنگامہ آرائی ان کا کام ہوتا ہے پھر جب ان کو ملکی کاموں میں دسترس بھی حاصل ہو جاتی ہے تو یہ طرح طرح کے گل کھلاتے ہیں۔ ہنگامہ آرائی تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ یہ ایسی چاشنی لگاتے ہیں کہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ اچھا بھلا ماحول تکدر کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ایسی چالیں چلتے ہیں کہ قوم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس سے ان کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ ایسی حالت پیدا ہوگی تو لوگ ان کی طرف متوجہ ہوں گے۔ پھر ان کو آگ بھڑکانا آتی ہے تو یہ ٹھنڈا کرنے کے گر بھی جانتے ہیں۔ جو کچھ ان کو جلانا تھا جلوا لیا اور پھر جو کچھ ان کو اس سے حاصل کرنا تھا کر لیا جب ان کا مطلب مل گیا تو دوبارہ حالات کو بدلنے میں ان کو زیادہ دیر نہیں لگتی۔

نصیحت ان کو ایسے لگتی ہے جیسے زخم پر نمک

۳۵۶: قرآن کریم کہتا ہے کہ درحقیقت یہ لوگ ذبح کرنے کے قابل ہیں۔ ان کو دنیا و آخرت میں ہرگز ہرگز عزت نصیب نہ ہوگی پھر جب ان کو ان کی غلط کاریوں پر متنبہ کیا جاتا ہے اور ان سے اس بات کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کے صحیح مقاصد سامنے رکھو ورنہ مسند امامت سے یعنی اقتدار کی کرسی سے الگ ہو جاؤ تو گھبرا کر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اپنا طریق عمل بدل دیا اور قوم کی متفقہ آواز کے آگے اپنی گردن جھکا دی تو دنیا بھر میں ذلت و رسوائی ہوگی۔ اس لئے عزت اس میں ہے کہ مستبدانہ کارروائی کریں تاکہ کوئی بازپرس نہ کر سکے فرمایا کہ اس قسم کے بدکار دوزخ کا ایندھن بنیں گے اور کبھی ان کا نام روشن نہ ہوگا جس کے لئے انہوں نے یہ ساری کارروائیاں کیں۔

آیت نمبر ۲۰۴ سے آیت نمبر ۲۰۶ تک یعنی وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ سے وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ کے مضمون پر ایک بار پھر بغور نظر ڈالیں قرآن کریم کہتا ہے کہ :

ایک شخص کی دنیوی زندگی بظاہر کتنی ہی خوشنما ہو اور وہ اپنی نیک دلی کا کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن ان

Marfat.com

باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اصل کسوٹی یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ طاقت و اختیار پا کر اپنے ابنائے جنس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟

حرث و نسل کی تباہی انسانی طاقت و غرور کا بہت بڑا فساد ہے۔ دنیوی طاقت کے متوالوں سے جب کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو تو ان کا گھمنڈ انہیں اور زیادہ ظلم و معصیت پر آمادہ کر دیتا ہے۔ پس جن لوگوں کا حال ایسا ہو تو وہ کبھی ظلم و فساد سے باز آنے والے نہیں انہیں تو جہنم ہی کفایت کرے گا۔

طالبان رضائے الٰہی کا حال کیسا ہے؟

۳۵۷ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضاجوئی کے لئے اپنی جان دے دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی ہی شفقت رکھتا ہے حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنوں میں قوم کے راہنما یہ لوگ ہیں جو اعمال کی صورت کے ساتھ مقاصد کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ خداوند قدوس کی رضاطلبی ان کی غایت الغایات ہوتی ہے۔ اگر آج انہیں مدینہ میں جمع کیا گیا ہے تو کل خلیفہ اسلام کے حکم پر فلسطین بھی جا سکتے ہیں اور وہاں سے ان کو اگر چین کا حکم ملتا ہے تو وہ اڑ کر پہنچنے میں کبھی دیر لگانے والے نہیں۔ قربانی کا جذبہ کامل طور سے ان میں پیدا ہو چکا ہے۔ اللہ اپنی رحمت سے ان کی کوششوں کو ضائع نہیں کرے گا۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا :

فَلْیُقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ یُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ○ (النساء ۴ : ۷۴) ”سو دیکھو جو لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں انہیں چاہئے کہ ایسے لوگوں کی چال نہ چلیں اور اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے تو خواہ وہ قتل ہو جائے خواہ وہ غالب آئے ہر حال میں ہم اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔“

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (التوبۃ ۹ : ۱۱۱)

”بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور ان کا مال بھی اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت کی جاودانی زندگی ہو وہ کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمے ہو چکا یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا تورات' انجیل اور قرآن تینوں کتابوں میں یکساں طور پر اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو؟ پس مسلمانو! اپنے سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی

Marfat.com

مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوۡا

ڈالتے ہیں اور اللہ بھی اپنے ایسے بندوں کیلئے سرتاسر شفقت و مہربانی رکھنے والا ہے۔

۲۰۷ اے مسلمانو! [۳۵۸] ساری باتوں میں پوری طرح فی الحقیقت مسلم ہو جاؤ اور دیکھو

فیروز مندی ہے۔"

اس آیت کریمہ نے حب ایمانی کی حقیقت کو کیسے لفظوں میں واضح کر دیا۔ فرمایا جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھو کہ انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ دیا' جان بھی اور مال بھی۔ اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی اللہ اور اس کی سچائی کی ہوگئی۔ اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں۔

یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاق حق میں طے پاگیا۔ اب نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹائے گا۔ اور چونکہ مقصود اس تلمیح سے اللہ کا لطف و کرم کا اظہار تھا اس لئے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بیچنے والے کی طرف سے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی بلکہ کہا کہ اللہ نے مومنوں سے خرید لی۔ گویا معاملہ کا طالب وہ تھا۔ حالانکہ اللہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے منزہ ہے اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟

پورے پورے مسلم بن جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو

۳۵۸ جس طرح اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ تم نے احکام حج ادا کئے ہیں ایسے ہی تم میں سے ہر شخص جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو اور آئندہ تمہیں جو حکم دیا جائے اس کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کرو۔ اسلام یہی نہیں کہ نماز' روزہ ادا کر دیا اور مطمئن ہوگئے بلکہ تمام احکام کو پورا کرنا اور اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الانعام ۶ : ۱۶۲) کی حقیقت کو اپنے اوپر طاری کر لینا اسلام ہے۔ اس کے وجود سے دنیا میں ہر نیکی کا قیام ہو اور برائی دور ہو' عیش پرستی اور آرام طلبی شیطان کی تعلیم ہے اور تباہی و بربادی کا پیش خیمہ اس کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ تم مسلمان اللہ کی راہ میں قربان ہونے سے پرہیز کرو۔ مگر تمہیں ان باتوں کا خیال نہ کرنا چاہئے تمہاری حیات قومی اور اجتماعی زندگی کے لئے بہترین قانون نوازش کیا گیا ہے

Marfat.com

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۲۰۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۲۰۹ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ

شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ۲۰۸

پھر اگر[۳۵۹] ایسا ہو کہ تمہارے قدم ڈگمگا گئے باوجود اس کے کہ ہدایت کی روشن دلیلیں تمہارے سامنے آچکی ہیں تو یاد رکھو، اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ ۲۰۹

پھر یہ[۳۶۰] لوگ کس بات کے انتظار میں ہیں؟ کیا اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ ان

جس کا ایک مرتبہ تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ تم شتربانی سے جہانبانی تک پہنچ گئے۔ اس حقیقت صادقہ کے بعد اگر تم نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا یعنی اس کی تعلیم پر عمل نہ کیا تو اللہ اپنے غلبہ و اقتدار سے کام لے کر تمہیں فنا کر دے گا اور یہی اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

اگر تم نے پرواہ نہ کی تو سمجھ لو کہ اللہ تو پہلے ہی بے پرواہ ہے

۳۵۹ "البینات" سے مراد کھلے ہوئے احکام ہیں جن میں کسی قسم کا اخفا یا ابہام نہ ہو۔ مثلاً عقیدۂ توحید و رسالت۔ حکم نماز اور حکم جہاد اور ہر وہ چیز اس میں داخل ہے جو دین اسلام کی حقانیت یا قانون اسلام کی صداقت پر روشن دلیل کا کام دے سکے۔ یہ بینات ان نو مسلم یہود کے پاس بھی پہنچ چکے تھے اور انہیں کوئی وجہ اب قدم پیچھے ہٹانے یا لڑکھڑانے کی نہیں رہی تھی۔

زللتم۔ زلت کے لفظی معنی پھسل جانے کے ہیں جو بے اختیاری میں ہوتا ہے۔ یہ لفظ استعمال کر کے گویا ڈرایا گیا ہے کہ قصداً اور دانستہ مخالفت تو پھر بڑی چیز ہے غلطی یا بے خیالی سے بہک جانے میں بھی گرفت کا احتمال ہے اور وہ ذات یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ جو کچھ چاہے وہ سزا دے سکتا ہے۔ اگرچہ وہ حکمت والا ہے کہ وقت مناسب ہی پر سزا دیتا ہے۔ اس لئے تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم بے پرواہ نہ بنو کیونکہ بے پروا صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے۔

اعلیٰ ترین قانون تمہارے پاس ہے لیکن عمل کا انحصار تو تم پر ہے

۳۶۰ قرآن کریم کا اعلیٰ ترین قانون تمہارے پاس ہے۔ اس پر عمل کر کے نتائج بھی سامنے آگئے۔

Marfat.com

اللّٰہُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَقُضِیَ الۡاَمۡرُؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۲۱۰ سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰہُمۡ

کے سامنے نمودار ہو جائے' بادل ان پر سایہ کئے ہوں' فرشتے ان کے سامنے صف باندھے کھڑے ہوں اور جو کچھ ہونا ہے وہ ہو چکے؟ یاد رکھو کہ یہ بات دنیا میں تو ہونے والی نہیں اور تمام کاموں کا انجام بالآخر اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ ۲۱۰

بنی اسرائیل[۳۶۱] سے پوچھو' ہم نے انہیں کتنی روشن نشانیاں دی تھیں؟ اور جو کوئی

اب کیوں نہیں' اس پر عمل کرتے اور کس انتظار میں ہو؟ کیا یہ چاہتے ہو کہ اللہ خود نزول اجلال کرے۔ ملائکہ اول اجنحتہ کا لشکر جرار اس کے جلو میں ہو۔ اور بایں شان و شوکت تم سے آکر کہے کہ یہ حکم میرا ہے اسے مانو اور اس پر عمل کرو۔ تمہارے لئے اتنا بس کرتا ہے کہ نبی عربی نے اس قانون کی تبلیغ کر دی۔ عمل کرنا تمہارا فرض ہے اور اگر باوجود ان دلائل واضح کے تمہیں یقین نہیں تو انتظار کرو اللہ کا عذاب آکر تمہاری بیخ کنی کر دے گا۔ عذاب کے فرشتے تمہیں نیست و نابود کر دیں گے اور دنیا سے تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔ جب تمہیں صاف صاف کہہ دیا کہ تمہاری زندگی کا راز جہاد فی سبیل اللہ میں پوشیدہ ہے اس لئے اس کے بعد کس دلیل و برہان کی ضرورت ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے باید ازوے رخ متاب

جہاد سے منہ موڑو گے تو فنا ہو جاؤ گے اور یہ بات ہو کر رہے گی' کیونکہ زمین و آسمان کے تمام امور کا نظم و نسق خود اللہ ہی کرتا ہے۔

اللہ کا قانون مکافات بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے

۳۶۱ اگر تمہیں کسی قسم کا شک و اشتباہ ہو کہ یہ قانون کس طرح ایک قوم کے لئے زندگی بخش ہو سکتا ہے اور محض جہاد فی سبیل اللہ پر کیسے حیات قومی کا انحصار ہے تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو۔ ان کو توراۃ دی گئی کہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں ترقی کر سکیں اور جہاد فی سبیل اللہ ان پر فرض کیا گیا۔ جب تک وہ ان دونوں کے پابند رہے خلافت ارضی ان کے پاس تھی اور جہاں انہوں نے ان سے بعد و ہجر اختیار کیا۔ فنا ہو گئے۔ ان کے تنزل و انحطاط کے اعظم ترین اسباب یہی دو تھے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے :

الف ۔ کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ۔ نَبَذَ فَرِیۡقٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ

Marfat.com

مِنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ ۲۱۱ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ

اللہ کی نعمت پا کر پھر اسے بدل ڈالے تو یاد رکھو کہ اللہ کا قانون مکافات بھی سزا دینے میں بہت ہی سخت ہے۔ ۲۱۱

منکرین[۳۶۲] حق یعنی کفار کی نگاہوں میں تو صرف دنیا کی زندگی ہی سمائی ہوئی ہے وہ ایمان والوں کی ہنسی اڑاتے ہیں حالانکہ جو لوگ پرہیزگار ہیں قیامت کے روز وہی ان

كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (البقرہ ۲ : ۱۰۱) "ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔"

ب۔ جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ بیٹھے جیسے ارشاد فرمایا : فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (البقرہ ۲ :) "جب ان کو یعنی یہود کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑھ کر بنی اسرائیل کے لئے اور کون سی نعمتیں ہو سکتی تھیں مگر انہوں نے قدر نہ کی۔ ایسے ہی تم مسلمانوں کو دو چیزیں نوازش کی گئی ہیں : ایک قرآن کریم اور دوسرے جہاد فی سبیل اللہ چنانچہ قرآن کریم کے بارے میں ارشاد ہوا :

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم السجدہ ۴۱ : ۴۲) "نہ تو اس کے آگے باطل جم سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے اسے جگہ مل سکتی ہے۔" اور جہاد کے متعلق فرمایا : وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (الحج ۲۲ : ۷۸) "اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو اس کی راہ میں جان لڑانے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو۔"

فرمایا کہ اگر تم بھی ان کو چھوڑ بیٹھے تو تمہیں سخت عذاب دیا جائے گا اور تم پر فنا طاری ہو جائے گی اور فی الواقعہ وہی ہوا جو قرآن کریم نے فرمایا تھا۔

کفار کی نگاہوں میں دنیا کی زندگی ہی زندگی ہے

۳۶۲ جو لوگ مذہب کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جب ان کے سامنے صحیح تعلیم پیش کی

Marfat.com

اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۲۱۲ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف

منکرین کے مقابلہ میں بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے اور پھر یہ منکرین حق نہیں جانتے کہ اللہ اپنے قانون کے مطابق جسے چاہتا ہے اپنے بے حساب رزق سے مالا مال کر دیتا ہے۔

۲۱۳ ابتداء میں ایسا تھا کہ لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے بلکہ ایک [۳۶۳]

جاتی ہے تو اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے سامنے صرف یہی چند روزہ عیش و نشاط زندگی ہے۔ اگر یہ اس پر قناعت کرتے تو بھی ایک بات تھی مگر وہ ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرتے ہیں اور ان پر آوازے کستے ہیں حالانکہ قیامت کے روز فرزندان اسلام ہی مدارج عالیہ کے مالک ہوں گے کیونکہ وہ اخلاق فاضلہ کے طالب ہیں دولت کی انہیں پرواہ نہیں۔

مجاہدین فی سبیل اللہ کا اولین فرض یہ ہوگا کہ ان کفار کو اتنا ذلیل و رسوا کریں کہ آئندہ انہیں سر اٹھانے کا موقع نہ ملے اور ہمیشہ کے لئے غلامانہ زندگی بسر کریں اس لئے کہ اگر انہیں کھلے بندوں چھوڑ دیا تو قانون کا احترام جاتا رہے گا۔ کسی شخص کے دل میں اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا نہ ہوگا۔ آنے والی نسلوں کے لئے صحیح راہ گم ہو جائے گی اور بہت جلد یہ دستور العمل مٹ جائے گا۔

جب ارباب اخلاق و اعمال قیامت میں مناسب جلیلہ پر فائز ہوں گے تو ضروری ہے کہ دنیا میں بھی وہ اعلیٰ ترین زندگی بسر کریں تاکہ ارادۂ خداوندی پورا ہو کر رہے۔ جس وقت بھی مسلمان اس فرض جلیل کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور بالفرض نہ تو سامان حرب ہوگا اور نہ جنگ کرنے کے لئے سپاہی، اللہ ضرور ان کی دستگیری کرے گا۔ ان کو کامیاب کر کے تمسخر کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ ضرورت ہے آگے بڑھنے کی۔ جب عزم صمیم، مستقل ارادہ، استقلال و ثبات قدم اور توکل و اعتماد علی اللہ ہے تو کامیابی قطعی و یقینی ہے۔

ایک وقت تھا کہ سب انسان ایک ہی جماعت تھے اور کوئی گروہ بندی نہ تھی

۳۶۳ دین کی اس اصل عظیم کا اعلان کہ ابتداء میں تمام انسان ایک ہی قوم و جماعت تھے اور فطری زندگی کی سادگی پر قانع تھے پھر ایسا ہوا کہ نسل انسانی کی کثرت و وسعت سے طرح طرح کے تفرقے پیدا ہو گئے اور تفرقے کا نتیجہ ظلم و فساد کی صورت میں ظاہر ہوا تب وحی الٰہی نمودار ہوئی اور یکے بعد دیگرے اللہ کے رسول مبعوث ہوتے رہے۔ ہر رسول کی دعوت کا مقصد ایک ہی تھا یعنی خدا پرستی اور نیک عملی کی تلقین اور

Marfat.com

تفرقہ و اختلاف کی جگہ وحدت و اجتماع کا قیام۔ کتاب اللہ ہمیشہ اس لئے نازل ہوئی تاکہ دین کے تفرقہ و اختلاف میں فیصلہ کرنے والی ہو اور لوگوں کو وحدت دین کی اصل پر متحد کر دے۔

تفرقہ و اختلاف کی علت باہمی کیا ہے؟ یاد رہے کہ عصیان ہے یعنی آپس کی ضد اور اتباع حق کی جگہ خود پرستی اور سرکشی۔ اس محل میں اس ذکر کی مناسبت یہ ہے کہ پیروان اسلام کو دعوت استقامت دیتے ہوئے پہلے بنی اسرائیل کے حالات سے استشہاد کیا تھا۔ اب واضح کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل ہی پر صرف موقوف نہیں تمام پچھلی جماعتوں کا یہی حال رہا ہے پس قیام حق کے لئے صرف تعلیم حق کی ضرورت نہیں کہ وہ تو اول روز سے ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہی ہے بلکہ حق پر ثابت رہنے کی ضرورت ہے۔

یہ زیر نظر آیت کا ماحصل تھا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ اس آیت کے پہلے جملہ میں ارشاد ہوا ہے "كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً" امة عربی لغت کے اعتبار ایسی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں کسی وجہ سے رابطہ و اتحاد اور وحدت قائم ہو خواہ یہ وحدت نظریات و عقائد کی ہو یا ایک زمانہ میں یا کسی ایک خطہ ملک میں جمع ہونے کی یا کسی دوسرے علاقہ یعنی نسب' زبان' رنگ وغیرہ کی۔ مفہوم اس جملہ کا یہ ہے کہ کسی زمانہ میں تمام انسان باہم متفق و متحد ایک جماعت تھے۔ اس میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ اس جگہ وحدت سے کس قسم کی وحدت مراد ہے دوسرے یہ کہ وحدت کس زمانہ میں تھی۔

امر اول کا فیصلہ تو اس آیت کے آخری جملہ نے خود کر دیا جس میں اس وحدت کے بعد اختلاف واقع ہونے کا اور مختلف راہوں میں حق متعین کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے کا ذکر ہے کیونکہ یہ اختلاف جس میں فیصلہ کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجی گئی تھیں ظاہر ہے کہ وہ نسب یا زبان یا رنگ یا وطن اور زمانہ کا اختلاف نہ تھا۔ بلکہ نظریات اور عقائد و خیالات کا اختلاف تھا۔ اس کے مقابلہ سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں وحدت سے بھی وحدت فکر و خیال اور وحدت عقیدہ و مسلک مراد ہے۔

تو اب مفہوم آیت اس طرح ہوگیا کہ ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ تمام افراد انسانی صرف ایک ہی عقیدہ و خیال اور ایک ہی مذہب و مسلک رکھتے تھے۔ وہ عقیدہ و مسلک کیا تھا؟ اس میں پھر دو احتمال ہیں ایک یہ کہ سب عقیدۂ توحید و ایمان پر متفق تھے دوسرے یہ کہ سب کفر و ضلال پر متحد تھے۔ مفسرین کرام نے دونوں طرح کی تفسیر کی ہے تاہم جمہور مفسرین کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مراد عقائد صحیحہ توحید و ایمان پر سب کا متحد ہونا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے :

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا ..... فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ○ (یونس ۱۰ : ۱۸) "اور ابتدا میں انسانوں کی ایک ہی امت تھی پھر الگ الگ ہوگئے اور اگر تمہارے پروردگار کی جانب سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا۔"

Marfat.com

ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ :

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ (الانبیاء ۲۱ : ۹۲) ''تم سب کی امت فی الحقیقۃ ایک ہی امت ہے اور میں ہی تم سب کا پروردگار ہوں۔ پس چاہئے کہ میری ہی بندگی کرو۔''

پھر ایک جگہ ارشاد ہوا :

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ (المومنون ۲۳ : ۵۲) ''اور دیکھو یہ تمہاری امت دراصل ایک ہی امت ہے اور تم سب کا پروردگار میں ہوں پس انکار و بدعملی کے نتائج سے ڈرتے رہو۔''

ان تمام آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وحدت سے عقیدہ و مسلک کی وحدت اور دین حق توحید و ایمان کا متحد ہونا مراد ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ دین حق اسلام و ایمان پر تمام انسانوں کا اتفاق و اتحاد کس زمانہ میں واقعہ ہے اور یہ وحدت کہاں تک قائم رہی؟ مفسرین صحابہ میں سے حضرت ابی بن کعب اور ابن زید نے فرمایا کہ یہ واقعہ عالم ازل کا ہے جب تمام انسانوں کی ارواح کو پیدا کر کے ان سب سے سوال کیا گیا تھا ''الست بربکم'' یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں اور سب نے بلا استثناء یہ جواب دیا تھا کہ بلاشبہ آپ ہمارے رب اور پروردگار ہیں! اس وقت تمام افراد انسانی ایک ہی عقیدہ پر قائم تھے جن کا نام ایمان و اسلام ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ وحدت عقیدہ کا واقعہ اس وقت کا ہے جب آدم علیہ السلام مع اپنی زوجہ کے دنیا میں تشریف لائے اور ان کے ہاں اولاد ہوتی رہی وہ سب اسی وحدت عقیدہ پر قائم رہے۔ بعض نے کہا کہ یہ وحدت عقیدہ حضرت ادریس علیہ السلام تک قائم رہی اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ وحدت عقیدہ سیدنا نوح علیہ السلام تک رہی اور حقیقت ان سب کی ایک ہی ہے کہ جب تک زندگی فطری سادگی پر قائم رہی یہ زمانہ کتنا عرصہ قائم رہا قرآن کریم نے اس کی مدت مقرر نہیں کی اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ مقصود کلام یہ ہے کہ جب تک اختلاف نہ ہوا انبیاء کرام کے مبعوث کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی اور جب اختلاف پیدا ہوا اور پھر وہ کافی حد تک بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لئے انسانوں کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس اختلاف کو ختم کرائیں جو وحی الٰہی نہ ہونے کے سبب شروع ہوگیا تھا۔ کیونکہ انبیاء کرام اور کتابوں کو بھیجنے کی علت لوگوں کا اختلاف ہے اور جب تک اختلاف نہ تھا نبوت ظاہر نہ ہوئی جب اختلاف شروع ہوا تو انبیاء اور کتابیں بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔

پھر فرمایا کہ انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کے کھلے ہوئے فیصلوں کے بعد بھی یہ دنیا دو ہی گروہوں میں تقسیم رہی کچھ لوگوں نے ان ہدایات واضح کو قبول نہ کیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ قبول نہ کرنے والے اول وہی لوگ ہوئے جن کے لیے انبیاء کرام اور آیات الٰہی بھیجی گئی تھیں پھر اس تعجب پر مزید تعجب یہ ہوا کہ ان آسمانی کتابوں میں کوئی اشتباہ یا التباس کی گنجائش نہ تھی کہ ان لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے یا غلط فہمی کا شکار ہو

Marfat.com

جائیں بلکہ حقیقت یہ تھی کہ جاننے بوجھنے کے باوجود ان لوگوں نے محض ضد اور ہٹ دھرمی سے انکار کیا۔

زیر نظر آیت سے تین باتیں واضح ہوئیں

پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت سے انبیاء کرام اور کتابیں دنیا میں بھیجیں یہ سب اس واسطے تھیں کہ یہ لوگ جو دین حق کی ملت واحدہ کو چھوڑ کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں پھر ان کو اسی ملت واحدہ پر قائم کر دیں۔ انبیاء کا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا کہ جب لوگ اس راہ حق سے پھسلے تو ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں پھر کبھی بہکے تو دوسرا نبی اللہ نے اسی راہ حق پر قائم کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار۔ جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز مقرر ہوئی۔ پھر جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق بتلا دی اور اب آخر میں ایک ایسا جامع نسخہ تجویز فرمایا جو ساری بیماریوں سے بچانے میں اس وقت تک کے لئے کامیاب ثابت ہو جب تک اس عالم کو باقی رکھنا منظور ہو۔ یہ مکمل اور جامع نسخہ ایک جامع اصول علاج ہے پچھلے نسخوں کے قائم مقام اور آئندہ سے بے نیاز کرنے والا ہو اور وہ نسخہ جامع اسلام ہے جس کے لئے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم بھیجے گئے اور پچھلی کتابوں میں تحریف ہو کر جو پچھلے انبیاء کی تعلیم ضائع اور گم ہو جانے کا سلسلہ اوپر سے چلا آیا تھا جس کے سبب نئے نبی اور نئی کتاب کی ضرورت پیش آتی تھی اس کا یہ انتظام فرما دیا گیا کہ قرآن کریم کی تحریف سے محفوظ رہنے کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لے لیا اور قرآن کریم کی تعلیمات کو قیامت تک ان کی اصلی صورت میں قائم اور باقی رکھنے کے لئے اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ میں تاقیام قیامت ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرما لیا جو ہمیشہ حق پر قائم رہ کر کتاب و سنت کی صحیح تعلیم مسلمانوں میں شائع کرتی رہے گی اور کسی کی مخالفت اور عداوت ان پر اثر انداز نہ ہوگی۔ اس لئے اس کے بعد دروازۂ نبوت اور وحی کا بند ہو جانا ناگزیر امر تھا آخر ختم نبوت کا اعلان کر دیا گیا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مذہب کی بنا پر قومیت کی تقسیم مسلم و غیر مسلم کا دو قومی نظریہ عین منشاء قرآنی کے مطابق ہے اور آیت فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّ مِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ اس پر شاہد ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام میں اس دو قومی نظریے کی اصل بنیاد درحقیقت صحیح متحدہ قومیت پیدا کرنے پر ہے جو ابتدا آفرینش میں قائم تھی۔ جس کی بنیاد وطنیت پر تھی بلکہ عقیدۂ حق اور دین حق کی پیروی پر تھی۔ ارشاد قرآنی "كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً" نے بتلایا کہ ابتدائے عالم میں اعتقاد صحیح اور دین حق کی پیروی کے اعتبار سے ایک صحیح اور حقیقی وحدت قومی قائم تھی بعد میں لوگوں نے اختلاف پیدا کئے۔ انبیاء نے لوگوں کو اس اصلی وحدت کی طرف بلایا۔ جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اس متحدہ قوت سے ٹکرا گئے اور جداگانہ قوم قرار دیئے گئے۔

تیسری بات اسی آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ ازل سے سنت الٰہی یہی جاری ہے کہ بڑے لوگ ہر نبی کے

Marfat.com

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ
مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۲۱۳ اَمْ

ہی قوم و جماعت تھے۔ پس اللہ نے نبیوں کو مبعوث کیا وہ بشارت دیتے اور متنبہ کرتے یعنی ڈراتے تھے نیز ان کے ساتھ کتاب الٰہی نازل کی گئی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے۔ ان میں وہ فیصلہ کر دینے والی ہو اور یہ جو لوگ باہم دگر مختلف ہوئے تو اس لئے نہیں ہوئے کہ وہ ہدایت سے محروم اور حقیقت سے بے خبر تھے' نہیں! وحی الٰہی کے واضح احکام ان کے سامنے تھے مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت سے اختلاف کرنے لگے تھے بالآخر اللہ نے ایمان لانے والوں کو وہ حقیقت دکھا دی جس میں لوگ مختلف ہو گئے تھے اور اللہ اپنے قانون کے مطابق جسے چاہتا ہے دین کی سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے۔ ۲۱۳

خلاف اور ہر کتاب الٰہی سے اختلاف کو پسند کرتے رہے اور ان کے مقابلہ و مخالفت میں پورا زور خرچ کرنے کے لئے آمادہ رہے ہیں تو اب اہل ایمان کو ان کی بدسلوکی اور فساد سے تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ جس طرح کفار نے اپنے بڑوں کا طریقہ کفر و عناد اور انبیاء کی مخالفت کا اختیار کیا اسی طرح مومنین صالحین کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے بزرگوں کا یعنی انبیاء کرام کا وظیفہ اختیار کریں کہ ان لوگوں کی ایذاؤں اور مخالفتوں پر صبر کریں اور حکمت و

Marfat.com

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ

وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

تعجب[۳۶۴] ہے کہ تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض ایمانی دعویٰ سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تم کو وہ آزمائشیں تو پیش ہی نہیں آئیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہیں۔ ہر طرح کی سختیاں اور محنتیں انہیں پیش آئیں' شدتوں اور ہولناکیوں سے ان کے دل دہل گئے یہاں تک کہ اللہ کا رسول[۳۶۵] اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اٹھے۔ عام لوگوں نے کہا اے نصرت الٰہی تیرا وقت کب آئے گا؟ لیکن رسولوں

موعظت اور نرمی کے ساتھ ان کو دین حق کی طرف بلاتے رہیں اور شاید اس مناسبت سے اگلی آیت میں مسلمانوں کو مصائب و آفات کے تحمل اور صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

صرف ایمانی دعویٰ سے جنت نہیں ملتی یہاں لوہے کے چنے چبانا ہی پڑتے ہیں

۳۶۴ تم دنیا کے اختلاف مٹانے کے لئے آئے ہو اور تمہیں خلافت ارضی کے لئے چن لیا گیا ہے مگر کیا اس بہشت زار ارضی میں بغیر کسی محنت و تکلیف کے داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی ان مشکلات و موانع کی ابتداء نہیں ہوئی جو انبیاء و رسل کو راہ حق و صدق میں پیش آتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان ارباب صدق و صفا کو چاروں طرف سے مصیبتوں نے گھیر لیا۔ غنیم کی فوجیں محاصرہ کئے ہوئے تھیں قدم قدم پر دشمن کا خوف دامن گیر تھا۔ جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ سامان خوراک کے تمام ذرائع و وسائل مسدود تھے۔ بھوک اور پیاس کے مارے تڑپ رہے تھے۔ یہ تو بیرونی تکلیفوں کی حکایت تھی۔ ادھر گھر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ پریشانی و اضطراب کی وجہ سے کم ہمتوں میں بزدلی اور نامرادی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور ان میں باہمی منازعت شروع ہو گئی۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے کی وجہ سے سب کے سب مبتلائے مصیبت ہو گئے مگر باوجود ان روح فرسا حالات اور الم ناک حوادث کے رسول علیہ السلام اور اس کے اعوان و انصار اپنے فرائض کے ادا کرنے میں برابر مصروف رہے۔

Marfat.com

وہ مقام جس پر رسالت کا منصب رسول کو عام انسانوں سے جدا کر دیتا ہے

۳۶۵ جب ان کی تمام سعی و کوشش ختم ہوگئی اور انہوں نے کام کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ادھر خارجی اعانت کی بھی کوئی توقع نہ رہی تو اس وقت رسول کے اعوان و انصار نہایت ہی الحاح و تضرع کے ساتھ پکار اٹھے کہ خدایا تیری مدد کب آئے گی؟ اس وقت انبیاء و رسل جو گویا عزم و ایمان کے پہاڑ تھے نے فوراً جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی نصرت تم سے دور نہیں۔ بس آئی کہ آئی۔ گویا یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر رسالت کا منصب رسول کو عام انسانوں سے جدا کر دیتا ہے۔

یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ کی بابت اعراب القرآن میں ہے کہ وفی هذا الكلام اجمال و تفصيله ان اتباع الرسول قالوا متى نصر الله فقال الرسول الا ان نصر الله قريب اس کلام میں اجمال ہے اور تفصیل اس کی اس طرح کہ رسول کے اعوان و انصار نے کہا "اللہ کی مدد کب آئے گی؟" جس کے جواب میں رسول علیہ السلام نے کہا "خبردار! اللہ تعالیٰ کی نصرت بالکل قریب ہے۔" فکر کی کوئی بات نہیں۔

اور فتح الباری ص ۲۲۱ پارہ ۱۹ میں ہے کہ الجملة الاولى وهى متى نصر الله؟ مقول الذين امنوا معه والجملته الاخيرة وهى الا ان نصر الله قريب مقول الرسول و قدم الرسول فى الذكر لشرفه و هذا اولى یعنی متى نصر الله مسلمانوں یعنی رسول کے اعوان و انصار کا مقولہ ہے جو تنگی کے وقت ان کی زبان پر بحیثیت انسان آیا ہے اور اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ان کے رسول کا مقولہ ہے کہ کوئی فکر کی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد بالکل قریب ہے اور رسالت کی یہی شان ہے۔

اس طرح کے مقامات قرآن کریم میں اور بھی ہیں جن کا ذکر ان کے مقام پر آئے گا اور بالکل اس طرح کی ایک آیت کریمہ سورہ یوسف میں بھی بیان کی گئی ہے حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا (یوسف ۱۲ : ۱۱۰) اس کا مطلب یہی ہے کہ رسول اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہوئے یہاں تک کہ ان کو یقین ہوگیا کہ اب یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور انہوں نے ہٹ دھرمی سے یہ بھی خیال کیا کہ رسول کا بھی کوئی وعدہ وعید پورا نہ ہوا یعنی نہ ہم ایمان لائے اور نہ ہی رسول کا موعود عذاب آیا۔ بس پھر کیا ہوا فوراً ہمارا وعدہ وعید پورا ہوگیا اور ہماری مدد رسولوں کے پاس پہنچ گئی اور ظالموں کا تہس نہس ہوگیا۔

چنانچہ فتح الباری ص ۲۲۱ پارہ ۱۹ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ترجمہ بھی اسی طرح منقول ہے ايئس الرسل من ايمان قومهم وظن قومهم ان الرسول كذبوا تفصیل انشاء اللہ موقع پر آئے گی۔

دوبارہ آیت ۲۱۴ کی طرف مراجعت

آیت زیر نظر میں اللہ تعالیٰ نے دو اصول بیان فرمائے ہیں جن کو ذہن نشین کرنا نہایت ضروری ہے۔ پہلا

Marfat.com

مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ۲۱۴ ۞ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ

نے اللہ کے حکم سے جواب دیا کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی نصرت تم سے دور نہیں ہے۔ ۲۱۴

اے پیغمبر اسلام! تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ خیرات کے لئے خرچ کریں ۳۶۶ھ

اصول یہ ہے کہ :

راہ حق میں تکالیف کا آنا سنت اللہ ہے جو نہایت ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی جس کی تفصیل دوسری جگہ بھی موجود ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ (العنکبوت ۲۹ : ۲،۳) "کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ زبان سے ایمانداری اور راستبازی کا دعویٰ کریں گے اور بغیر آزمائے چھوڑ دیئے جائیں گے؟ حالانکہ جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں اللہ نے انہیں بھی آزمائش میں ڈالا تھا اور یہ ناگزیر ہے پس عن قریب اللہ ان لوگوں کو ظاہر کر کے رہے گا جو اپنے دعویٰ صداقت میں سچے ہیں اور انہیں بھی جو اپنے اندر جھوٹ کے سوا کچھ نہیں رکھتے؟"

دوسرا اصول یہ بتایا ہے اور اس کی حقیقت واضح کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس وقت نازل ہوا کرتی ہے؟ فرمایا کہ جب تک ایک شخص اپنی تمام قوتوں کو اس کی راہ میں وقف نہ کر دے مدد نہ آئے گی۔ چنانچہ سورہ آل عمران کے آخر میں گناہوں کے کفارہ کی نسبت فرمایا کہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ راہ حق میں ہر چیز قربان کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوا :

فَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ (آل عمران ۳ : ۱۹۵) "پھر دیکھو جن لوگوں نے راہ حق میں ہجرت کی' اپنے گھروں سے نکالے گئے' میری راہ میں ستائے گئے اور پھر راہ حق میں لڑے اور قتل ہوئے تو ان کے یہ اعمال کبھی رائیگاں جانے والے نہیں یقینی ہے کہ میں ان کی خطائیں محو کر دوں۔"

پس اب بھی فرزندان اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض دعا کے بھروسہ پر قناعت نہ کر بیٹھیں بلکہ زور بازو سے بھی کام لیں لوگوں کے جھوٹے وعدوں پر نہ جائیں۔ اپنی قوت کا اظہار کریں اس لئے کہ دنیا میں اسی قوم نے دائمی زندگی حاصل کی ہے جس نے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لیا ہے اور قدرت بھی اسی کو زندہ رکھتی ہے جو اصلح و امثل ہو۔

کیا آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ روپیہ کا مصرف کیا ہے؟

۳۶۶ھ خیرات کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس غلطی کا ازالہ بھی کیا جا رہا ہے کہ لوگ

Marfat.com

سمجھتے ہیں کہ خیرات صرف غیروں ہی کو دی جا سکتی ہے۔ اپنوں اور عزیزوں کی مدد کرنا خیرات نہیں ہے۔ یہ خیرات کے مصارف بتاتے ہوئے واضح کر دیا گیا کہ اس کا اولین مصرف تمہارے عزیز و اقارب ہیں بشرطیکہ وہ محتاج ہوں۔

زیر نظر آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا استفتاء یعنی سوال ان الفاظ میں نقل فرمایا گیا ہے یَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ؟ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ اور پھر یہی سوال دو آیات چھوڑ کر پھر دہرایا گیا ہے کہ وَیَسْئَلُوْنَکَ مَا ذَا یُنْفِقُوْنَ؟ لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب زیر نظر آیت میں کچھ اور دیا گیا ہے اور دو آیتوں کے بعد آنے والے سوال کا جواب کچھ اور آخر کیوں؟

احادیث میں آتا ہے کہ کچھ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ "ما ننفق من اموالنا واین نضعھا؟" یعنی ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ اور کہاں خرچ کرنے کا سوال اس وجہ سے تھا کہ لوگوں میں معروف تھا کہ اپنوں اور عزیزوں کی مدد کرنا خیرات کرنا نہیں ہے۔ گویا سوال ایک ہی تھا جس کے دو جزء تھے کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔

دوسری آیت کے متعلق بھی احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ جب قرآن کریم میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں تو کچھ لوگوں نے اس کی وضاحت چاہی کہ کیا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں؟ جس کا گویا صرف ایک ہی مطلب ہے کہ کیا خرچ کریں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جب ان دونوں سوالوں کی نوعیت مختلف تھی تو جواب بھی مختلف ہونا چاہیئے تھا پہلے سوال میں کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کرنے کا سوال تھا اور دوسرے میں صرف کیا خرچ کریں کا سوال تھا۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ جواب میں اس کی وضاحت بھی مل جاتی ہے کہ پہلے سوال میں سوال کرنے والوں کا دراصل مطلب ہی جز دو کے متعلق تھا یعنی یہ کہ وہ کہاں خرچ کریں کیونکہ اس کا جواب پوری وضاحت سے دیا گیا اور پہلے جز یعنی کیا خرچ کریں کے جواب کو صرف ضمنی طور پر بیان فرمایا۔ اب دونوں اجزاء کے متعلق قرآن کریم کے الفاظ پر غور فرمائیں بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

سوال کرنے والوں کے سوال کا جز دوم کہ کہاں خرچ کریں زیادہ اہمیت رکھتا تھا لہٰذا اس کا پہلے جواب ارشاد فرمایا مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ یعنی جو کچھ بھی تم کو اللہ کے لئے خرچ کرنا ہے اس کے زیادہ مستحق ماں باپ اور رشتہ دار، بے باپ کے بچے، مساکین اور مسافر ہیں۔

اور سوال کا پہلا جز یعنی کیا خرچ کریں اتنا ضروری نہیں تھا لہٰذا اس کا جواب بعد میں بھی دیا اور مختصر بھی کہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔ یعنی تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے۔

الغرض پہلی آیت میں سوال کرنے والوں کے پیش نظر زیادہ اہمیت اس سوال کی تھی کہ جو مال خرچ کریں

Marfat.com

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۖ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

تو کیا خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جو کچھ بھی تم اپنے مال میں سے نکال سکتے ہو نکالو تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں' عزیز و اقارب ہیں' بے باپ بچے ہیں' مسکین ہیں' مصیبت کے مارے مسافر ہیں اور یاد رکھو جو کچھ بھی تم بھلائی کے کاموں میں سے کرتے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا وہ تو سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲۱۵

اس کا مصرف کیا ہو؟ کہاں خرچ کریں؟ اس لئے اس کے جواب میں اہمیت کے ساتھ مصارف بیان فرمائے گئے اور کیا کریں کا جواب ضمنی طور پر دے دینا کافی سمجھا گیا اور بعد والی آیت میں سوال صرف اتنا ہی تھا کہ ہم کیا چیز اور کیا مال یا کتنا مال خرچ کریں۔ اس کا جواب ارشاد فرمایا قل العفو یعنی آپؐ جواب دے دیں کہ جو کچھ اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ سب کا سب خرچ کیا کریں اور دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنے کے لئے گویا یہ ہدایت مشترک ہے۔ البتہ اتنا مزید سمجھ لینا ضروری ہے کہ :

دونوں آیتیں زکوٰۃ فرض کے متعلق نہیں ہیں کیونکہ زکوٰۃ فرض کے لئے نصاب مال بھی مقرر ہے اور مقدار خرچ بھی متعین ہے ان دونوں آیتوں میں نہ کسی نصاب مال کی قید ہے نہ خرچ کرنے کی مقدار واضح ہے۔ دوسرا یہ کہ صدقات نافلہ کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی کہ فرض تو بہرحال فرض ہے اس کی ادائیگی کے بعد بھی مال خرچ کرنے کے حقوق باقی رہتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ والدین اور رشتہ داروں اور غرباء و مساکین اور بے باپ بچوں پر خرچ کرنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے اور صاحب مال کو صرف زکوٰۃ ادا کر دینا فرضیت کے ازالہ کے لئے ہی کافی ہو سکتا ہے ذمہ داریاں اس کے سوا بھی اس پر عائد ہوتی ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خویش و اقارب پر خرچ کیا ہوا مال جو ان کی جائز ضروریات کے لئے خرچ کیا جائے جب اللہ کا حکم سمجھ کر خرچ کیا جائے تو وہ باعث اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں کہ ہم خرما و ہم صواب

احادیث میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے کہ عام لوگوں پر مال خرچ کرنے سے جتنا اجر و ثواب ملتا ہے

Marfat.com

عَلِيمٌ ۞ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰٓ

لڑائی کا تمہیں ۳۶۷ حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار گزرتا ہے لیکن بہت ممکن ہے

اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے سے اس کا اجر و ثواب دوگنا ملتا ہے ایک خرچ کرنے کا دوسرے قرابت داروں کی قرابت کے سبب سے اجر و ثواب ہوگا۔

اس سے اس بات کی وضاحت بھی ہوگئی کہ اگر ایک مسلم کے مال و جان کی ضرورت اسلام کو ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ پورے کا پورا مال مع اپنی جان کے اسلام کی خاطر صرف کر دینے کی ہمت کرے اور یقیناً اس کی یہ ہمت رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس کے تمام غموں اور دکھوں کا مداوا ہوگی اور کس طرح ہوگی؟ جس طرح اللہ چاہے گا یہ اس کا وہ راز ہے جو انسانی عقل و فکر سے دور ہے اور قانون الٰہی میں جو طے ہے اس کا ہونا لازم و ضروری ہے۔

جنگ تم پر فرض کی گئی ہے اسکی حقیقت سمجھ میں آئے گی تو ناگواری ختم ہو جائے گی

۳۶۷ جنگ؟ آخر کیوں؟ اس لئے کہ تم زندہ رہو گے اور تمہاری قوم کو دائمی زندگی نصیب ہوگی۔ اور تمہاری انفرادی و اجتماعی حیات کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ جنگ کی حالت کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو تمہارے لئے خوشگوار ہو لیکن یاد رکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اس دنیا میں کتنی ہی خوش گواریاں ہیں جو ناگواریوں سے پیدا ہوتی ہیں اور کتنی ہی خوشگوار باتیں ہیں جن کا نتیجہ ناگوار ہوتا ہے۔

جنگ "برائی" ہے لیکن انسانی طاقت کا ظلم و فساد اس سے بھی بڑھ کر برائی ہے۔ پس جب ایسی حالت پیش آجائے کہ ظلم کا ازالہ اور کسی طرح ممکن نہ ہو تو جنگ کے سوا چارہ نہیں۔

قوموں کی موت اور زندگی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ جس قوم کا جسم زندہ ہو لیکن روح مردہ ہو تو وہ قوم کبھی زندہ قوم نہیں کہلاتی قومی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی روح بھی زندہ ہو۔

دیکھو جب نبی کریم ﷺ اس دنیا میں مبعوث ہوئے تو جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ من حیث الجسم زندہ تھی لیکن من حیث الروح مردہ ہو چکی تھی قرآن کریم نے جو دعوت دی اس میں ارشاد فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال ۸ : ۲۴) "مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں روحانی موت کی حالت سے نکال کر زندہ کر دے۔"

ٹھہرو! جلدی نہ گزر جاؤ' ان الفاظ پر غور کرو نہیں پھر غور کرو یہ وہی بات ہے جو قرآن کریم کے صفحات میں بار بار نمایاں کی گئی ہے اس کی دعوت سراسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے جو انسان اپنے حواس و عقل سے کام

Marfat.com

اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡــًٔا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا

شَيۡــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۲۱۶

يَسۡـــَٔلُوۡنَكَ عَنِ الشَّهۡرِ الۡحَـرَامِ قِتَالٍ فِيۡهِ‌ؕ قُلۡ قِتَالٌ

کہ ایک بات کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک بات تمہیں اچھی لگتی ہے اور اس میں تمہارے لئے برائی ہو کیونکہ حقیقت حال اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ ۲۱۶

اے ۳۶۸ پیغمبر اسلام! لوگ تم سے پوچھتے ہیں جو مہینہ حرمت یعنی ادب کا سمجھا جاتا

نہیں لیتا وہ اس کے نزدیک انسان ہی نہیں بدترین چارپایہ ہے نیز وہ فکر و عمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے اس کا سرچشمہ یہی عقل و حواس کا تعطل ہے۔

اب حوالہ کی آیت پر نظر کرو فرمایا جا رہا ہے کہ پیغمبر اسلام کی دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے انبعاث و قیام کی دعوت ہے غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہوگا؟ عرب کے ساربانوں میں ابوبکر و عمر و عثمان و علی' سیدہ عائشہ' خالد' ابن وقاص اور ابن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگ پیدا کر دیئے اور پچاس سال کے اندر کرۂ ارض کی سب سے بڑی مہذب و اشرف قوم وہی عرب کے وحشی تھے۔

کیا وہ حرمت کے مہینوں کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں؟

۳۶۸ جیسا کہ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ قمری سال کے چار مہینے محرم' رجب' ذی قعدہ اور ذی الحجہ عرب جاہلیت میں متبرک خیال کئے جاتے تھے اور پھر اسلام نے بھی ان کا احترام کیا۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا لیکن ان چار مہینوں میں جنگ بند رہتی تھی۔ اس جگہ حرمت کے مہینے سے مراد دراصل رجب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲ھ میں ایک بار سفر میں بعض صحابہ کا مقابلہ مشرکین سے ہوگیا اور ایک مشرک مقاتلہ میں جان سے مارا گیا واقعہ کی تاریخ صحابہ کے خیال میں ۳۰/ جمادی الثانی تھی لیکن بعد کو علم ہوا کہ چاند ۲۹ کا ہوگیا تھا جیسا کہ اکثر قمری مہینوں میں آج بھی ہو جاتا ہے۔ اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین مکہ نے سہو و غلطی کی اس رائی کو

Marfat.com

فِيهِ كَبِيرٌ ۚ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ

ہے اس میں لڑائی لڑنا کیسا ہے؟ ان سے کہہ دو اس میں لڑائی لڑنا بہت ہی بری بات ہے مگر کسی انسان کو اللہ کی راہ[۳۶۹] سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام میں کسی کو نہ جانے دینا یہاں تک کہ وہاں کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی

پہاڑ بنایا اور طعن و اعتراض کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں رہا۔

فقہاء و مفسرین میں ایک بہت بڑی بحث اس سلسلہ میں موجود ہے کہ آیا حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کافر اس زمانہ میں قتال شروع کر دیں تو مسلمانوں کی حیات کی حفاظت کے لئے دفاعی و جوابی قتال تو بہرحال جائز ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے بھی ابتداء جائز ہے یا نہیں؟

اکثر مفسرین چاروں امام اور جمہور فقہاء اس کے قائل ہیں کہ یہ حرمت قطعی طور پر کالعدم ہو چکی ہے اور اب جہاد ان مہینوں میں بھی جائز ہے لیکن اس کے باوجود اختلاف بھی موجود ہے کیونکہ اکابر ہی کی ایک جماعت اگرچہ وہ قلیل ہی سہی اس بات کو قطعی جانتی ہے کہ ان مہینوں میں جنگ کی ممانعت کا حکم دائمی اور قطعی ہے بلکہ عطاؒ تابعی تو اس کے مقابلہ میں پہلی رائے کو سخت غلط جانتے تھے۔

مہینوں کی حرمت پر بحث کرنے والوں کو انسانیت سوز کاموں کا بھی خیال چاہئے

۳۶۹ تعجب ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا ان پر ظلم و ستم توڑنا' اللہ سے کفر اختیار کرنا اللہ کے دین و شریعت کو نہ قبول کرنے اور اللہ کا شریک دوسروں کو ٹھہرانے کا عین کفر ہونا ظاہر ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مومنین کو ہر طرح سے تنگ و پریشان کر کے مسجد حرام سے نکال دینا اور وہاں ان کا داخلہ بند کر دینا یعنی جو صحیح معنوں میں مسجد الحرام کے اہل ہیں اور اس کے حقوق کو ادا کرنے والے ہیں۔ انہی کو روک دینا ان کے نزدیک کوئی برائی نہیں۔

گویا کافروں کے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں سے وہ گناہ عمداً زمانہ حرمت میں قتل کرنے کا عمل صادر ہی نہیں ہوا دوسری بات یہ کہ بالفرض صادر ہوتا بھی تو تمہارے ایسے شدید اور سنگین جرائم سے اس کا کیا مقابلہ؟ گویا ان کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا محسوس ہوتا ہے لیکن اپنی آنکھ کے شہیر کا احساس

Marfat.com

أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى

زیادہ برائی ہے اور فتنہ[۳۷۰] یعنی ظلم و فساد قتل سے بھی بڑھ کر برائی ہے یاد رکھو یہ لوگ تم سے برابر لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بن پڑے تو تمہیں تمہارے دین سے

تک نہیں۔

فتنہ پردازوں کو آخر اپنا فتنہ کیوں نظر نہیں آتا

۳۷۰ "الفتنة" سے مراد جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے وہ شدید مزاحمتیں اور رکاوٹیں ہیں جو معاندین نے دین حق کی راہ میں پیدا کر رکھی تھیں ----- اس دین کی راہ میں جس کا مقصد ہی دنیا کو راہ امن دکھانا اور تمام زحمتوں اور کلفتوں سے نجات دلانا ہے۔ اکبر کے معنی یہاں اشد کے ہیں من القتل یعنی اس خاص واقعہ قتل سے جو اتفاقی ہو گیا تھا اور یعنی ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو اگرچہ صحابہ اس کو ۳۰/ جمادی الثانی خیال کرتے تھے۔

یہاں مقصد ارشاد یہ ہے کہ دین حق کی راہ میں جو لوگ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو اس طرف آنے سے طرح طرح کی سازشوں' تدبیروں' ترکیبوں سے روکتے ہیں وہ حقیقتہ" دنیا کے امن و عدل اور عافیت سے محروم کر دینا چاہتے ہیں اور اس لئے وہ حقیقت میں نوع و نسل انسانی کے مجرم ہیں۔ اسلامی جہاد کی تو غایت ہی دنیا سے ہر قسم کی خودغرضیوں اور فریب کاریوں' ظلم و جور اور بدامنی کو دور کرنا ہے۔ جو احمق اس کو اور عام دنیوی حکومتوں کے قتل و قتال کو یکساں سمجھ رہے ہیں وہ دراصل جراح کے نشتر اور ڈاکو کے خنجر کو ایک سطح پر رکھ رہے ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں بتا دیا کہ مخالفین اسلام ہمیشہ بغض و عداوت کا اظہار کرتے رہیں گے اور ان کی برابر یہ کوشش رہے گی کہ تم کو دین حق سے برگشتہ کر دیں۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا پڑے گا۔ پس معلوم ہو گیا کہ جنگ ہمیشہ رہے گی یعنی کسی وقت بھی چھڑ سکتی ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "الجهاد ماض الى يوم القيمة"

قرآن کریم میں دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ جنگ ختم ہونے کا وقت یہ ہے کہ "حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا" (محمد ۴۷ : ۴) یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے۔ یعنی جب تک جنگ کرنے والی ظالم و حریص قوتیں باقی ہیں عالمگیر صلح و امن کے حصول کی کوئی توقع نہیں اس لئے پہلے ان قوموں کو پامال کر دو۔ ایک جگہ فرمایا ہے "حَتّٰى اِذَا اَثْخَنْتُمُوْهُمْ" یعنی یہاں تک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہو جائیں۔ قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائے گا مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہو گا۔ پس جب تک دنیا جنگ اور بواعث جنگ سے باز نہ

Marfat.com

يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ

برگشتہ کر دیں اور پھر تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے ۳۷۱ اور اسی حالت

آئے گی مسلمانوں کو بھی جنگ کرنی پڑے گی۔ جنگ صرف اسی وقت ختم ہوگی جب تمام دنیا اسلام کی دعوت امن و آخرت کو جاری رہنے دے گی اور اس کی حقانیت کو بزور دبانا چھوڑ دے گی۔

کیا مرتد کی سزا قتل ہے یا کچھ اور؟

۳۷۱ "وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ" تم میں سے جو شخص اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے یعنی پھر جائے اور اسی حالت میں مرجائے تو وہ گویا جہنم واصل ہوگیا اور دنیا میں ارتداد سے پہلے جو کچھ اس نے اچھے اعمال کئے تھے وہ بھی ضائع ہوئے ان کے اجر سے بھی وہ محروم ہوگیا حبط اعمال کا اثر آخرت میں تو یوں ہی ظاہر ہوگا کہ یہ بدنصیب مرتد اپنے آپ کو ہر ساعت کے اجر اور ہر عبادت کے ثواب سے محروم پائے گا۔ اور دنیا میں اس کا اثر اس طرح ظاہر ہوگا کہ نہ تو مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہا۔ نہ مسلمان کی میراث سے اس کا حصہ مل سکا اور یہ دنیوی سزا بھی اس کو زندہ درگور کر دے گی۔

رہی یہ بات کہ مرتد کی سزا قتل ہے؟ تو حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم میں ایسی کوئی واضح دلیل اس کے قتل کی نہیں۔ پھر اس کو ارتداد کی سزا کیا ملی؟ اس کا ذکر اوپر بیان ہو چکا۔ کیا "حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" کی سزا کوئی سزا نہیں؟ حالانکہ یہ اتنی بڑی سزا ہے کہ اس کے مقابلہ میں سزائے قتل بھی ہیچ ہے۔

انہی مرتدین کا ذکر دوسری جگہ اس طرح فرمایا : اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا (النساء ۴ : ۱۳۷) "وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے ہی گئے تو اللہ ہرگز ان کو معاف نہیں کرے گا اور نہ کبھی ان کو راہ راست دکھائے گا غور کریں کہ کتنی جسارت ان لوگوں نے کی گویا انہوں نے دین کو محض ایک غیر سنجیدہ تفریح سمجھا ہے۔ ایک کھلونا ہے جس سے وہ اپنے تخیلات یا اپنی خواہشات کے مطابق کھیلتے رہتے ہیں۔ جب فضائے دماغی میں ایک لہر اٹھی مسلمان ہوگئے جب دوسری لہر اٹھی تو کافر بن گئے یا جب فائدہ مسلمان بن جانے میں نظر آیا تو مسلمان ہوگئے جب منفعت نے دوسری طرف سے جلوہ دکھایا تو اس کی پوجا کرنے کے لئے بے تکلف اس طرف چلے گئے۔ فرمایا ایسے لوگوں کے لئے اللہ کے پاس نہ مغفرت ہے' نہ ہدایت اور یہ جو فرمایا کہ وہ "اپنے کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے۔" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص محض کافر ہو جانے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کے بعد دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرے۔ اسلام کے ساتھ خفیہ سازشیں اور علانیہ تدبیریں شروع کر دے اور اپنی ساری قوت اس سعی و جہد میں صرف کرنے لگے کہ کفر کا بول بالا ہو اور

Marfat.com

مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

برگشتگی میں دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ایسے ہی لوگ ہیں جن کا گروہ دوزخی گروہ ہے'

اس کے مقابلہ میں اللہ کے دین کا جھنڈا سرنگوں ہو جائے۔ یہ کفر میں مزید ترقی اور ایک جرم پر پے درپے جرائم کا اضافہ ہے جس کا وبال بھی مجرد کفر سے لازماً زیادہ ہونا چاہئے۔ لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اسلام نے اس سے زندگی کا حق نہیں چھینا۔ کفر میں بڑھ جانے کی اس کو سزا سنا دی کہ اگر یہ کفر پر قائم رہتے ہوئے مرگئے تو ان کو اللہ نہ معاف فرمائے گا اور ہدایت کا وقت انہوں نے ویسے ہی ضائع کر دیا کیونکہ ان کی ہدایت کی امید تو اب باقی ہی نہ رہی۔

دراصل شریعت یہود میں ارتداد ہی نہیں بلکہ ترغیب ارتداد کی بھی سزا قتل و سنگساری ہے چنانچہ توریت میں ہے :

"اگر تیرا بھائی جو تیری ماں کا بیٹا ہے یا تیرا ہی بیٹا ہے یا تیری بیٹی یا تیری ہمکنار جورو یا تیرا دوست جو تجھے جان کے برابر عزیز ہے تجھے پوشیدہ میں پھسلا دے اور کہے کہ آج غیر معبودوں کی بندگی کریں جن سے تو اور تیرے باپ دادے واقف نہیں تھے........ تو تو اس سے موافق نہ ہونا اور اس کی بات نہ سننا۔ تو اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا تو اس کی رعایت نہ کرنا۔ تو اسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اسے ضرور قتل کرنا۔ اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ بڑھے اور بعد اس کے قوم کے ہاتھ۔ اور تو اسے سنگسار کرنا تاکہ وہ مرجائے۔" (استثناء ۱۳ : ۶' ۱۰)

اور نصرانیوں کے ہاں بھی "دانستہ ارتداد ناقابل تلافی گناہ ہے قتل اور زناکاری کے درجہ کا۔" (انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ج ۶ ص ۶۲۳)

چنانچہ انگلستان میں ایک چھوٹے پادری نے جب تیرھویں صدی مسیحی میں ایک یہودن سے شادی کے پھیر میں دین نصرانیت کو ترک کر دیا تھا تو اسے آکسفورڈ میں ۱۷/ اپریل ۱۲۳۲ء کو جلا دیا گیا (حوالہ بالا ص ۶۲۴)

رہا قرآن کریم کا معاملہ تو اس نے زیر نظر آیت میں بھی یہ فرمایا کہ "فیمت وھو کافر" اسی حالت کفر ہی میں اس کی موت آجائے گویا یہ فقرہ بڑھا کر یہ ترغیب دے دی کہ اگر خدانخواستہ کوئی مرتد ہو ہی گیا تو اسے بھی موقع ایذا سے پھر اپنے دین کی طرف واپس آجانے کا باقی ہے۔ اگر مرتد ہوتے ہی قتل کر دیا جائے تو اس کو یہ موقع ہی کب ملے گا؟ مزید تفصیل کسی دوسرے مقام پر ہوگی۔ جن مرتدین کو اسلام میں قتل کیا گیا ان کے ذمہ

Marfat.com

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ ۲۱۷

جو لوگ[۳۷۲] ایمان لائے اور پھر راہ ایمان میں ثابت قدم رہے اور جن لوگوں نے وطن سے بے وطن ہونے کی سختیاں برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امیدواری کرنے کے صحیح مستحق ہیں اور جو کوئی اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو تو اللہ بھی رحمت سے بخش دینے والا ہے۔ ۲۱۸

اے پیغمبر اسلام! تم سے لوگ شراب[۳۷۳] اور جوئے[۳۷۴] کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔

ارتداد کے بعد قتل و بغاوت کے مزید جرم بھی ثابت ہوئے تھے۔

ایمان لانے کے بعد ایمان پر ثابت قدمی بہت بڑا کمال ہے

ف۳۷۲ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور پھر راہ ایمان میں ثابت قدم بھی رہے اور انہوں نے وطن سے بے وطن ہونے کی سختیاں برداشت کیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے بھی سرگرم رہے تو ایسے ہی لوگ تو اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔" گویا اس آیت میں بشارت و تسلی ہے ان مومنین کے لئے جن کے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل یکم رجب کو بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے ہوگیا تھا۔ جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ فرمایا کہ اللہ اپنی صفت "غفور" کے تقاضا کی وجہ سے ان کے اس سہو و خطا کو معاف کر دے گا۔ اور وہ "رحیم" بھی ہے اپنی اس صفت رحیمیت کے تقاضہ سے ان کو اجر بھی مرحمت فرمائے گا۔

حرمت شراب اور اس کے متعلقہ احکام

ف۳۷۳ ابتدائے اسلام میں عام رسومات جاہلیت کی طرح شراب خوری بھی عام تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ میں بھی شراب اور قمار یعنی جوا کھیلنے کا رواج عام تھا۔ عام لوگ تو ان دونوں چیزوں کے صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے۔ ان کے اندر جو بہت سے مفاسد اور

Marfat.com

خرابیاں ہیں ان کی طرف ان کی نظر ہی نہ تھی۔ لیکن سنت اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ کے لوگوں میں کچھ عقل و فکر والے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں۔ کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو وہ اس خواہش کے پاس نہیں جاتے۔ اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کا مقام تو بہت ہی بلند تھا کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپؐ کی طبیعت پہلے ہی اس سے نفرت کرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے شراب حرام نہ ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد چند صحابہ کرامؓ کو اس کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا حضرت عمر فاروق، معاذ بن جبل اور چند انصار صحابہ اس احساس کی بناء پر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی ان سے برباد ہوتا ہے۔ ان کے متعلق آپؐ کا کیا ارشاد ہے اس سوال کے جواب میں آیت زیر نظر نازل ہوئی۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔

اس آیت میں بتایا گیا کہ شراب اور جوئے میں اگرچہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں لیکن ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل و ہوش زائل ہو جاتا ہے جو تمام کمالات اور شرف انسانی کا اصل الاصول ہے کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے۔ جب وہی درست نہ رہی تو ہر برے کام کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔

زیر نظر آیت میں صاف طور پر شراب کو حرام تو نہیں کہا گیا مگر اس کی خرابیاں اور مفاسد ضرور بیان کر دیئے گئے کہ شراب کی وجہ سے انسان بہت سے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے گویا اس کے ترک کرنے کے لئے ایک قسم کا مشورہ دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ کرامؓ تو اس مشورہ یا اشارہ ہی کو قبول کر کے اسی وقت شراب کو چھوڑ بیٹھے تھے اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس آیت نے شراب کو حرام تو نہیں کیا بلکہ مفاسد دین کا سبب بننے کی وجہ سے اس کو سبب گناہ قرار دیا۔ ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ وہ مفاسد واقع نہ ہوں تو پھر شراب میں کوئی حرج نہیں اس لئے وہ پیتے رہے یہاں تک کہ ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام میں سے چند اپنے دوستوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی۔ اس حال میں نماز کا وقت آگیا سب نماز کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن تلاوت صحیح نہ کی جا سکی۔ اس پر شراب سے روکنے کے لئے دوسرا قدم اٹھایا گیا اور اس آیت کا نزول ہوا يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ”یعنی اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ نشہ فرو ہونے کے بعد نماز پڑھو۔“

اس میں خاص اوقات صلوۃ کے اندر شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اتنی سختی روا نہ

Marfat.com

رکھی گئی۔ اگرچہ بہت سے لوگ اس حکم کے آنے کے بعد اس سے نفرت کرنے لگے اور بعض نے مطلقاً اس ام الامراض مرض سے توبہ کرلی لیکن چونکہ واضح حکم حرمت کا نہ تھا اس لئے کبھی کبھار کوئی واقعہ ایسا بھی پیش آجاتا جو نہایت اخلاق سوز ہوتا۔ قانون الٰہی میں یہ ڈھیل کیوں رکھی گئی؟ اس میں بڑی حکمتیں ہیں اور امت کے لئے بے شمار اسباق موجود ہیں جن کے بیان کا یہ موقع نہیں۔ ان دونوں آیتوں کے بعد تیسری آیت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ یہ دو آیتیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ○ (المائدہ ۵ : ۹۰، ۹۱) ”مسلمانو! بلاشبہ شراب اور جوا معبودان باطل کے نشان ہیں اور پانسے شیطانی کاموں کی گندگی ہے تو ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے باز رکھے یعنی ان دونوں چیزوں میں پڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے پھر بتاؤ ایسی برائیوں سے بھی تم باز رہنے والے ہو یا نہیں؟ اس آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں ایک شراب دوسرے قمار بازی اور تیسرے وہ مقامات جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا اللہ کے سوا کسی اور نام پر قربانی کرنے اور نذر و نیاز چڑھانے کے لئے مخصوص کئے گئے ہوں اور چوتھے' پانسے موخر الذکر دو چیزوں کی تشریح تو وقت پر آئے گی لیکن شراب اور قمار کا ذکر زیر نظر آیت سے ہے جس کی یہاں تشریح کی جا رہی ہے اس کا مختصر ذکر یہاں کیا جائے گا۔

شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں دو حکم پہلے آچکے تھے۔ اب اس آخری حکم نے نہ صرف ممانعت کی بلکہ شراب کو دوسری چیزوں کے ساتھ مکمل طور پر حرام قرار دے دیا۔ احادیث میں آتا ہے کہ اس آخری حکم کے نازل ہونے سے قبل نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے۔ بعید نہیں کہ اس کا قطعی حکم آجائے لہٰذا جن جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہو وہ اسے جلد گھروں سے نکال دیں اس کے بعد جلد ہی یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے اعلان کرایا کہ اب جن کے پاس شراب ہے وہ نہ تو اسے پی سکتا ہے اور نہ ہی بیچ سکتا ہے بلکہ وہ اسے ضائع کر دے۔ چنانچہ اس حکم کا ملنا تھا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔ بعض لوگوں نے آپؐ سے پوچھا کہ ہم یہودیوں کو تحفہ میں کیوں نہ دے دیں؟ آپؐ نے فرمایا ”جس نے اس کو حرام کیا ہے اس نے اس کو بطور تحفہ دینے سے بھی منع فرما دیا ہے۔“ بعض نے یہ بھی پوچھا کہ ہم اس کو سرکے میں کیوں نہ تبدیل کرلیں؟ آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ نہیں۔ بس اسے بہا دو ایک صاحب نے باصرار دریافت کیا کہ دوا کے طور پر تو استعمال کی اجازت ہے؟ فرمایا نہیں' وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے۔ ایک اور صاحب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں محنت بھی کرنا پڑتی ہے۔ ہم لوگ شراب سے تکان دور کرتے ہیں اور سردی کا مقابلہ

Marfat.com

کرتے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے؟ انہوں نے عرض کی ہاں! فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔ انہوں نے عرض کی مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے فرمایا ان سے جنگ کی جائے گی اگر وہ نہیں مانیں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لعن اللہ الخمر وشاربھا و ساقیھا وبائعھا ومبتاعھا وعاصرھا و معتصرھا و حاملھا والمحمولتہ الیہ۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر۔ پلانے والے پر۔ بیچنے والے پر۔ خریدنے والے پر۔ کشید کرنے والے پر۔ کشید کرانے والے پر۔ اٹھا کر لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لئے وہ اٹھا کر لے جائی گئی ہو اور اس کے ہبہ کرنے والے پر۔ (نسائی۔ جامع ترمذی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس دستر خوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ ابتداء" آپؐ نے ان برتنوں تک کے استعمال کو منع فرما دیا تھا جن میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہوگیا تب آپؐ نے برتنوں پر سے یہ قید اٹھائی۔

"خمر" کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اور مجازاً گیہوں' جو' کشمش' کھجور اور شہد کی شرابوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ مگر نبی کریم ﷺ نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر عام کر دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہوں۔ چنانچہ حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ "کل مسکر خمر و کل مسکر حرام" ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور نشہ آور چیز حرام ہے۔ "کل شراب اسکر فھو حرام" ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے حرام ہے۔ "وانا انھی عن کل مسکر" اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ "الخمر ماخا مر العقل" خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول بھی بیان فرمایا کہ "ما اسکر کثیرہ فقلیلتہ حرام" جس چیز کی کثیر تعداد نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے اور "ما اسکر الفرق منہ فمل الکف منہ حرام" جس چیز کا ایک پورا قرابہ نشہ پیدا کرتا ہو اس کا ایک چلو پینا بھی حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں شراب پینے والے کو اس جرم میں جب گرفتار کر کے لایا جاتا تھا۔ لات' مکے اور کوڑے وغیرہ مارے جاتے تھے اور اس طرح چالیس ضربیں اس کو دی جاتی تھیں۔ سیدنا عمر فاروق کے زمانہ میں بھی ابتداء" ۴۰ کوڑوں ہی کی سزا رہی پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے ۸۰ کوڑے سزا مقرر کی اور بعد کے زمانوں میں ان دونوں سزاؤں میں سے ایک کبھی ۸۰ اور کبھی ۴۰ کوڑے دی جاتی رہی۔ جس کا یہ صاف مطلب لگتا ہے کہ یہ سزا ان سزاؤں میں سے ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اسلامی حکومت کی ذمہ داری پر چھوڑی ہیں کہ وہ جو سزا وقت کے حالات کے مطابق

Marfat.com

چاہیں متعین کرلیں۔ جرم زیادہ ہو گا تو سزا سخت کی جا سکتی ہے تاکہ اس مرض کا قلع قمع ہو سکے۔

میسر یعنی جوا کیا ہے؟

۴۳۷ میسر مصدر ہے اصل لغت میں اس کے معنی تقسیم کرنے کے ہیں اور یاسر تقسیم کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ جاہلیت عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے جن میں سے ایک قسم یہ بھی تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے اور بعض بالکل محروم رہ جاتے تھے۔ محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی اور گوشت سب کا سب فقراء ہی میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور وہ لوگ خود استعمال نہ کرتے تھے۔

اس خاص جوئے میں چونکہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت بھی تھی اس لئے اس کھیل کو باعث فخر سمجھتے تھے ان کے خیال میں یہ ایک قسم کی تفریح بھی ہوگئی اور فقراء کا بھلا بھی۔ جو شخص اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس خیال کرتے تھے گویا یہ ان کا قومی مشغلہ تھا۔

اس لفظ میں جس چیز کو حرام کیا گیا اس کی تین بڑی قسمیں آج بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں اور آیت کا حکم ان تینوں پر حاوی ہے۔

۱۔ مشرکانہ فال گیری۔ جس میں کسی دیوی یا دیوتا سے قسمت کا فیصلہ پوچھا جاتا ہے یا غیب کی خبر دریافت کی جاتی ہے یا باہمی نزاعات کا تصفیہ کرایا جاتا ہے۔ مشرکین مکہ نے اس غرض کے لئے کعبہ کے اندر ہبل دیوتا کے بت کو مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان میں سات تیر رکھے تھے جن پر مختلف الفاظ اور فقرے کندہ تھے۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہو یا کھوئی ہوئی چیز کا پتہ پوچھنا ہو یا خون کے مقدمہ کا فیصلہ مطلوب ہو غرض کوئی کام بھی ہو اس کے لئے ہبل کے پاس پہنچ جاتے اس کا نذرانہ پیش کرتے اور ہبل سے دعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملہ کا فیصلہ کر دے۔ پھر پانسہ دار ان تیروں سے فال نکالتا تھا اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر لکھے ہوئے لفظ کو ہبل کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح کی فال گیری کی شکلیں آج بھی موجود ہیں صرف الفاظ کا الٹ پھیر کر لیا گیا ہے۔

۲۔ توہم پرستانہ فال گیری جس میں زندگی کے معاملات کا فیصلہ عقل و فکر سے کرنے کی بجائے کسی وہمی و خیالی چیز یا کسی اتفاقی شے کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ یا قسمت کا حال ایسے ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن کا وسیلہ علم غیب ہونا کسی علمی طریق سے ثابت نہیں ہے۔ رمل، نجوم، جفر، مختلف قسم کے شگون، پنچھتر اور فال گیری کے لئے بے شمار طریقے اس قسم میں داخل ہیں۔

۳۔ جوئے کی قسم کے وہ سارے کھیل اور کام جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار حقوق اور خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کے بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ لاٹری میں اتفاقاً فلاں شخص کا نام نکل آیا ہے لہٰذا ہزارہا آدمیوں کی جیب سے نکلا ہوا روپیہ اس ایک شخص کی جیب میں چلا جائے۔ یا یہ کہ علمی

Marfat.com

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا

ان سے کہہ دو ان دونوں چیزوں میں نقصان بہت ہے اور انسان کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا[۳۷۵]

حیثیت سے تو ایک معمہ کے بہت سے حل صحیح ہیں مگر انعام وہ شخص پائے گا جن کا حل کسی معقول کوشش کی بنا پر نہیں بلکہ محض اتفاق سے اس حل کے مطابق نکل آیا ہو یہ جو صاحب معمہ کے صندوق میں بند ہے۔

ان تینوں اقسام کو حرام قرار دینے کے بعد قرعہ اندازی کی صرف وہ سادہ صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو مثلاً ایک چیز پر دو آدمیوں کا حق ہر حیثیت سے بالکل برابر ہے اور فیصلہ کرنے والے کے لئے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے اور خود ان دونوں میں سے بھی کوئی اپنا حق خود چھوڑنے کے لئے تیار نہیں مثلاً ایک گائے کو دو آدمیوں میں برابر تقسیم ہونا ہے ظاہر ہے کہ اب گائے کی قیمت پڑے گی اور ایک کو قیمت اور دوسرے کو گائے ملے گی اب دونوں کا خیال ہے کہ گائے ہم کو ملے پھر کیا ہو گا کہ گائے کی قیمت مقرر کر دی گئی اور اس تقسیم کے لئے قرعہ اندازی ہوگئی کہ گائے کون لے گا اور رقم کون قرعہ اندازی میں جس کو قیمت ملے گی وہ قیمت لے لے گا اور دوسرا گائے رکھ لے گا۔

قمار یعنی جوئے میں ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ دفعتہ" بہت سے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ لکھ پتی آدمی فقیر ہو جاتا ہے جس سے صرف یہی شخص متاثر نہیں ہوتا جس نے جرم قمار کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس کا پورا گھرانہ اور خاندان مصیبت میں پڑ جاتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو پوری قوم اس سے متاثر ہوتی ہے کیونکہ جن لوگوں نے اس کی مالی ساکھ کو دیکھ کر اس سے معاہدے اور معاملات کئے ہوئے ہیں یا قرض دیئے ہوئے ہیں وہ اب دیوالیہ ہو جائے گا تو ان سب پر اس کی بربادی کا اثر پڑنا لازمی ہے۔

قمار میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس سے انسان کی قوت عملی سست ہو کر وہمی منافع پر لگ جاتی ہے اور وہ بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ یا دماغ کی محنت سے دولت بڑھاتا رہے اس کی فکر اس بات میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ کسی طرح وہ دوسرے کی کمائی پر اپنا قبضہ جمائے۔

ضروریات سے زائد مال راہ الٰہی میں خرچ کر دینا ہی عفو ہے

۳۷۵ فرض زکوٰۃ ادا ہو جانے کے بعد باقی مال پاکیزہ ہو جاتا ہے گویا مال کی اسلامی طہارت زکوٰۃ ہی

Marfat.com

يُنفِقُونَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝٢١٩ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۗ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۗ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ

خرچ کریں؟ ان سے کہہ دو جس قدر ضروریات زندگی سے فاضل ہو۔ دیکھو اللہ اس طرح کے احکام دے کر تم پر اپنی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو! ۲۱۹

دنیا اور آخرت دونوں کی مصلحتوں میں اور اے پیغمبر اسلام! لوگ تم سے بے باپ بچوں[۳۷۲] کی نسبت پوچھتے ہیں ان سے کہہ دو جس بات میں ان کے لئے اصلاح و درستگی ہو وہی بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو بہرحال وہ تمہارے بھائی

ہے۔ اس کے بعد مال کو انسانی طبیعت کے اپنے تقاضے پر چھوڑ دیا گیا ہے اور ترغیب کے لئے یہ الفاظ استعمال فرما دیئے گئے ہیں کہ جو ضروریات سے زائد ہو وہ راہ خدا میں خرچ کر دو ہر انسان اپنی ضرورت کو خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ کسی دوسرے آدمی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے کے جائز معاملات میں مداخلت کرے۔ انسان کی ضروریات اور حاجات کتنی قسم کی ہوتی ہیں اور پھر ہر طبیعت کا اپنا تقاضا ہوتا ہے۔ گویا اس سوال نے یہ وضاحت فرما دی کہ دینے والوں کو اللہ دیتا ہے یاد رکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ ارشاد الٰہی کو ملحوظ خاطر رکھا جائے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۶۷) "اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ وہ خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔"

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷ : ۲۹) "اور دیکھو نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل ہی پھیلا دو۔ دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے اور درماندہ ہو کر رہ جاؤ۔"

فرمایا مال و دولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ کسی ایک طرف جھک نہ پڑو۔ مثلاً خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اڑا دیا اور پھر بھیک مانگتے پھرے اور جب احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کی کہ

Marfat.com

کنجوسی پر اتر آئے۔ دراصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ہے اور جتنی برائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں افراط و تفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔ بس ان باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جائے گا وہ "العفو" ہی ہوگا۔

لوگ آپؐ سے بے باپ بچوں کے متعلق پوچھتے ہیں ان کو بتا دو

۳۷۶ لڑائیوں کی کثرت کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ یتیم بہت زیادہ ہوں اس لئے ایک قانون کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر اس میں کسی مستقل ضابطہ کا بیان نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ شریعت اسلامی اس سے پہلے مسلمانوں میں صحیح کیریکٹر پیدا کر چکی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ لوگ خود فیصلہ کر لیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے ایک اصل و اساس معین کر دی کہ "الاثم ما حاک فی نفسک" گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ ایسی قوم کو قوانین و ضوابط میں جکڑنا مصلحت کے خلاف ہے بس قرآن کریم نے صرف اتنا بیان کیا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں جیسے اپنے بھائیوں کا خیال رکھو گے اور ان کی غور و پرداخت کرو گے ایسے ہی ان بے باپ بچوں کا بھی خیال رکھنا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس کے پیش نظر اصلاح ہے اور کون اس یتیم کی دولت برباد کرنے کی غرض سے اس کی دولت کو اپنے مال کے ساتھ ملا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو اس کے لئے ایک ضابطہ معین کر دیتا مگر اس نے تمہیں تکلیف میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ باوجود اس قدر سہولت اور آسانی کے تم نے اب بھی ان کے مال میں خیانت کی تو کبھی ترقی نہ کر سکو گے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا قانون نہیں ہو سکتا۔ جب جنگ میں جانے والوں کو اس امر کا یقین ہوگیا کہ اگرچہ ہم لڑائی میں مارے جائیں ہماری اولاد پر برا اثر نہیں پڑے گا کیونکہ دوسرے مسلمان ان کو اپنے بھائیوں کی طرح رکھیں گے اور بیٹوں کی مانند پرورش کریں گے۔ یہ خیال ان میں اور بھی زیادہ جوش و ولولہ پیدا کرے گا اور وہ بالکل بے فکر ہو کر میدان کارزار میں داد شجاعت حاصل کریں گے۔

اس سلسلہ میں جو ہدایات دی گئیں وہ یہ تھیں کہ سب سے پہلی شرط جائیداد یتیم کے مصالح کی رعایت ہے تو اس کو نگاہ میں رکھو اگر آسانی اس میں ہو کہ اپنا اور یتیم کا حساب ایک جگہ رکھا جائے تو یہی کیا جائے ورنہ اس کے برعکس جس میں سہولت ہو۔ سب سے بڑی ضرورت یتیم بچوں کی اصلاح کی ہے اس کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا پرورش اسی طرح کرنا کہ اس کی اصلاح ہو وہ کسی صورت بھی بگڑ نہ جائے۔ علمائے اسلام نے اس سے یہ نتیجہ بھی نکالا ہے کہ یتیم بچوں کو اگر ڈانٹ ڈپٹ تہدید و تنبیہہ تعلیم و تربیت کی ضرورت سے ہو تو وہ بالکل جائز اور درست ہے۔ اسلام نے یتیم نوازی کا وہ اہتمام کیا کہ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی اعتراف کرنا پڑا برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ نے لکھا "پیمبر کی توجہ خصوصی کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں بلکہ پیغمبر خود بھی بے باپ تھے۔ اس لئے دل سے چاہتے تھے کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں

Marfat.com

فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۲۰ ۞ وَلَا تَنْكِحُوا

ہیں اور اللہ جانتا ہے کون اصلاح کرنے والا ہے اور کون خرابی کرنے والا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تمہیں کوئی سخت پابندی عائد کر کے مشقت میں ڈال دیتا بلاشبہ وہ غلبہ و طاقت کے ساتھ حکمت رکھنے والا ہے۔ ۲۲۰

اور مشرک عورتوں[۳۷۷] سے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں' نکاح نہ کرو۔ ایک

کے ساتھ رکھیں۔" (محمڈ اینڈ محمڈ ازم ص ۲۵۱)

ایک امریکی ماہر اجتماعیات ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں کہ : "قرآن کریم کے مطالعہ سے ایک خوشگوار چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بچوں کا کس قدر خیال تھا خصوصاً ان بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہوگئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے۔" (سوشل لاز آف دی قرآن ص ۴۰' ۴۱)

قرآن کریم کی کتنی پیاری زبان ہے کہ فرمایا "وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ" اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو بہرحال وہ تمہارے بھائی ہیں۔ جب تم آپس میں بھائی بھائی ٹھہرے تو بھائی بھائی میں تکلف کیسا؟ ان کی خوراک اور ضروریات زندگی تم اپنے پاس سے پوری کر دو تو بہت بہتر اور بہت ہی اچھا اگر اتنی وسعت نہ ہے تو باقاعدہ حساب کتاب کے ساتھ ان کے مال سے بقدر ان کی ضرورت کے لیا جا سکتا ہے۔

فرمایا "دیکھو یتیموں کا مال دیانتداری کے ساتھ ان کے حوالے کر دو ایسا نہ کرو کہ ان کی اچھی چیز کو اپنی ناکارہ چیز سے بدل ڈالو اور ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا جلا کر خورد برد کر لو یقیناً ایسا کرنا بڑی ہی گناہ کی بات ہے۔" (النساء ۴ : ۲)

فرمایا "اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھو اور انہیں آزماتے رہو کہ ان کی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے؟ یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو" اور اس خیال سے کہ وہ بڑے ہو کر مطالبہ کریں گے فضول خرچی کر کے جلد جلد ان کا مال کھا پی نہ ڈالو۔" (النساء ۴ : ۵)

"یتیموں کے سرپرستوں میں سے جو مقدور والا ہو اسے چاہئے کہ ان کے مال پر اپنے خرچ کا بار ڈالنے سے پرہیز کرے جو حاجت مند ہو وہ اس میں سے بقدر اس کی ضرورت کے لے سکتا ہے مگر ٹھیک طریقہ پر اور

Marfat.com

حساب کتاب کے ساتھ۔

پھر جب ایسا ہو اکہ ان کا مال ان کے حوالے کرو تو چاہئے کہ اس پر لوگوں کو گواہ کر لو اور یہ نہ بھولو کہ محاسبہ کرنے کے لئے اللہ کا محاسبہ بس کرتا ہے۔" (النساء ۴ : ۶)

فرمایا "جو لوگ یتیموں کا مال ناانصافی سے خورد برد کر لیتے ہیں تو وہ یاد رکھیں یہ اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور قریب ہے کہ دوزخ میں جھونکے جائیں۔" (النساء ۴ : ۹)

مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت اور مشرک مردوں سے بھی

۳۷۷ لڑائیوں کی کثرت کا یہ بھی لازمی نتیجہ ہے کہ بہت بڑی تعداد میں یتامیٰ نظر آئیں اور ساتھ ہی رانڈوں کی بھی کثرت ہو۔ اگر مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام کی عورتوں سے حسن و جمال اور دولت و ثروت کی وجہ سے نکاح کرنے شروع کر دیئے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ مسلمان عورتیں برباد ہو جائیں گی۔ نگران کار نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو کر بد عملی و بدکاری کی مرتکب ہوں گی۔ ادھر جب لڑنے والوں کو یہ معلوم ہوگا کہ ان کی عورتوں کی حفظ و نگہداشت نہیں ہوتی تو وہ ہمت ہار دیں گے۔ اس لئے ہمیشہ کے واسطے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

پھر نکاح کی اصل غرض کیا ہے؟ یہی کہ عورت اور مرد میں دائمی اتحاد و اشتراک عمل پیدا ہو۔ ان کی اولاد کی اسلامی طریق پر نشوونما ہو۔ ماں باپ کے اخلاق و عقائد کا اثر اولاد پر ہوتا ہے۔ اگر ماں بے دین ہوگی تو اولاد میں الحاد و زندقہ کے امراض خبیثہ کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ جس سے اسلام کی بنیاد کھوکھلی ہو جائے گی پھر خاوند اور بیوی کے باہمی اختلاف کی بنا پر تدبیر منزل کے فرائض میں خلل واقع ہوگا اور امور خانہ داری میں کبھی نظم و نسق قائم نہ رہ سکے گا۔ ان تمام مصالح کی بنا پر مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کی گئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تنکح المراۃ لا ربع لما لھا ولحسبھا ولجمالھا ولدینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک "عورتوں سے نکاح کرنے میں لوگ مال و دولت، خاندان، حسن و جمال اور عفت و پاکدامنی کو دیکھتے ہیں تم صرف طہارت و پاکیزگی کو پیش نظر رکھو۔"

فرمایا اپنی لڑکیوں کو مشرکین و معاندین اسلام کے نکاح میں نہ دینا۔ اس مسئلہ میں تمام دنیائے اسلام کا "قاطبتہ" اتفاق ہے کہ ایک کافر و مشرک خواہ کیسا ہی صاحب اثر و نفوذ، جاہ و حشمت اور دولت و ثروت ہو مگر اس کے ساتھ کسی مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اول تو عورت عام طور پر منفعل اور اثر پذیر ثابت ہوئی ہے اس پر صحبت و ہم نشینی کا اثر ہو کر رہے گا ممکن ہے کہ وہ بتدریج اسلام چھوڑ کر کفر و ارتداد قبول کر لے۔ دوسرے اگر وہ اسلام سے منحرف نہ بھی ہوئی تو خاوند بیوی میں جنگ رہے گی اور تمام گھر میدان جنگ بنا رہے گا۔

پھر کتنے صاف الفاظ فرما دیئے کہ "مومن باندی بہتر ہے اس آزاد عورت سے اگرچہ وہ کتنی ہی آپ کو

Marfat.com

پسند کیوں نہ آئے۔" بتا دیا کہ دین کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ ہے نہ اس کے حسن و جمال کی کوئی حیثیت ہے نہ مال و دولت کے انباروں کی اور نہ حسب و نسب کی کیونکہ ان ساری چیزوں پر دین کا درجہ بھاری ہے۔ زیر نظر آیت میں چند باتیں قابل تفہیم رہ گئی ہیں۔

۱۔ پہلی قابل غور بات یہ ہے کہ مسلم و کافر کے درمیان ازدواجی تعلقات کو حرام قرار دینے کی جو وجہ قرآن کریم میں بیان فرمائی گئی ہے ان کے ساتھ ایسے تعلقات قریبہ کفرو شرک میں مبتلا ہو جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ بات تو بظاہر تمام غیر مسلموں میں مساوی ہے پھر اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کی کیا وجہ ہے۔

۲۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اہل کتاب کا اختلاف ہلکا قرار دے کر ان کی عورتوں سے نکاح مسلمان کا جائز ہوا تو اس کے برعکس مسلمان عورتوں کا نکاح بھی غیر مسلم اہل کتاب سے جائز ہو جانا چاہئے۔ مگر ذرا غور کرنے سے فرق واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کچھ فطرۃً ضعیف ہے اور پھر شوہر اس پر مال خرچ کرنے کی وجہ سے فوقیت بھی رکھتا ہے اس کے عقائد و نظریات سے عورت کا متاثر ہو جانا مستبعد نہیں اس لئے اگر مسلمان عورت غیر مسلم کتابی کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے بخلاف اس کے کہ غیر مسلم کتابی عورت سے مسلمان کے نکاح میں رہے تو اس کے خیالات کا اثر شوہر پر پڑنا اصولاً مشکل ہے کوئی بے اصول اور افراط کا شکار ہو جائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

۳۔ تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ ازدواجی تعلقات میں جو کچھ اثر ہوتا ہے وہ طرفین پر یکساں ہوتا ہے اس لئے جیسے یہ اندیشہ ہے کہ مسلمان کے عقائد غیر مسلم سے متاثر ہو جائیں اس طرح یہ بھی احتمال ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہو۔ غیر مسلم کے عقائد مسلمانوں سے متاثر ہو کر وہی اسلام قبول کرلیں تو اس کا مقتضا یہ ہے مسلم و غیر مسلم کے ازدواجی تعلقات کو ممنوع نہ کیا جائے۔

لیکن یہاں حکمت کی بات یہ ہے کہ جب کسی چیز میں ایک نفع کی امید بھی ہو اور کسی ضرر کا خطرہ بھی ہو تو عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ ضرر سے بچنے کا اہتمام نفع کی فکر سے زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے اس نفع کی امید کو نظر انداز کیا گیا کہ شاید وہ غیر مسلم متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے اہتمام اس کا کیا گیا کہ مسلمان متاثر ہو کر کفر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

۴۔ چوتھی بات قابل غور یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کر لیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اولاد ثابت النسب ہوگی لیکن روایات احادیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے نکاح کے لئے دیندار صالح عورت تلاش کرنا چاہئے تاکہ خود اس کے لئے دین میں معین و مددگار ثابت ہو اس کی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع میسر آئے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جاتا۔ دراصل مسلمان مردوں کے لئے یہ رعایت صرف دور دراز علاقوں میں جا کر جہاد

Marfat.com

الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى
يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ
وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ۲۲۱ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ

مشرک عورت تمہیں کتنی ہی پسند آئے لیکن مومن عورت اس سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ باندی ہو اور اسی طرح مشرک مرد جب تک ایمان نہ لے آئیں مومن عورتیں ان کے نکاح میں نہ دی جائیں یقیناً اللہ کا مومن بندہ اگرچہ وہ غلام ہو ایک مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ بظاہر مشرک مرد تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ آئے۔ یہ لوگ یعنی مشرک تمہیں دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اللہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ ۲۲۱

اے پیغمبر اسلام! لوگ تم سے عورتوں کے ایام[۳۷۸] ماہواری کے بارے میں دریافت

کرنے اور مہمات جہاد پر مدت تک رہنے کی وجہ سے دی گئی تھی لیکن لوگوں نے اس کا غلط استعمال شروع کر دیا پھر آج کل کے اہل کتاب ویسے بھی مشرک ہیں اگرچہ صدر اول میں ایسا نہیں تھا۔

ایام خاص میں عورتوں یعنی اپنی بیویوں سے علیحدگی کا مسئلہ

۳۷۸ اوپر کی آیات میں نکاح کے متعلق بیان تھا اب نکاح ہی کے سلسلہ میں حیض' طلاق اور عدت

Marfat.com

کے ضروری مباحث ہیں اس لئے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ حیض کے متعلق دنیا کے لوگ افراط و تفریط میں مبتلا رہے ہیں۔ یہودیوں او مجوسیوں کے نزدیک ایام حیض میں عورت کے قریب جانا اور اس سے بات چیت کرنا اس کے پاس بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا ممنوع و حرام تھا۔ عرب بھی اس وقت ان ہی کی دیکھا دیکھی اسی قانون کے پابند تھے۔ مگر نصاریٰ ان سے بخط مستقیم مخالف تھے وہ ان دنوں میں بیوی سے صحبت کرنے سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔

اسلام نے راہ توسط و اعتدال اختیار کی۔ ایام حیض میں زنا شوئی کے تعلقات مختلف امراض و مفاسد کے باعث تھے اس لئے ان کو تو حرام قرار دیا گیا کہ انسان ضرر اور نقصان سے محفوظ رہے لیکن میل جول اور اختلاط میں کوئی پابندی عائد نہ کی بلکہ اس کی اجازت دی گئی کہ اس میں کوئی بھی برائی کی بات نہیں۔

قرآن کریم انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ وہی زندگی جس میں کھانا پینا' سونا جاگنا' جنسی خواہشات کا پیدا ہونا اور ان کا ازالہ کرنا۔ بچہ کا باپ یا ماں بننا سب کچھ داخل ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ جو کچھ بھی تعلق تعمیر سیرت سے رکھتا ہے اس کی بابت ہدایات و احکام وہ لازمی طور پر دے گا۔ وہ محض "بزرگانہ ملفوظات" کا مجموعہ نہیں معاشیات' معاشرت' اخلاقیات' قانون' غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے ضروری ابواب کا ذکر ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس ہدایت نامہ کی جامعیت و کاملیت پر حرف آجاتا۔

عورتوں کی صحت اور بچوں کی پیدائش کے لئے یہ دن ضروری ہیں طب جدید اور قدیم دونوں کو مسلم ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا ناقص خون ہے جو رنگ و بو اور ترکیب میں عام خون سے الگ ہے۔ ان دنوں میں عورتوں سے الگ رہنے کا مطلب تعلق خاص پیدا نہ کرنے سے خاص ہے یعنی ان دنوں میں اپنی بیوی سے تعلق زناشوئی قائم نہ کرو لیکن دوسرے کاموں یعنی بیوی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے' ادھر ادھر آنے جانے میں کوئی برائی نہیں اور نہ ہی اس کی ممانعت ہے۔ بعض مشرک قوموں میں یہ دستور اب بھی ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کچیلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہوا تھا یہاں تک کہ عورت کے ان خاص دنوں میں اس کا پکایا ہوا کھانا بھی ناپاک سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کے ساتھ اگر کوئی چیز چھو جاتی تو وہ بھی ناپاک سمجھی جاتی تھی۔ سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ تحریر ہے کہ "جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا۔ اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک رہے...... اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے اور اس کی نجاست اس پر ہو تو وہ رات دن تک ناپاک رہے گا اور ہر ایک بستر جس پر وہ مرد سوئے گا ناپاک ہو جائے گا۔" (احبار ۱۵ : ۱۹' ۲۴) یہ احکام تو توریت کے ہیں باقی رہے فقہاء یہود تو وہ اپنے تشددات میں ان حدود سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے ہیں اور ایسی ایسی قیدیں بیچاری عورت پر عائد کر دی ہیں کہ گویا وہ عورت نہیں ہے کوئی بلا ہے۔ (ملاحظہ ہو جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۱۱ ص ۱۰۱

Marfat.com

اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ
حَتّٰى یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ
اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۝۲۲۲ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى

کرتے ہیں ان سے کہہ دو وہ اذیت کا وقت ہے پس چاہیئے کہ ان دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور جب تک وہ ان ایام سے فارغ ہو کر پاک و صاف نہ ہو لیں ان سے تعلق خاص قائم نہ کرو اور جب وہ پاک صاف ہو لیں اور تم ان کی طرف ملتفت ہو تو اللہ نے فطری طور پر جو بات جس طرح ٹھہرا دی ہے اس کے مطابق درست ہے۔ اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو برائی سے دور رہنے والے ہیں اور ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو پاکیزگی اور صفائی رکھنے والے ہیں۔ ۲۲۲

تمہاری بیویاں تمہارے لئے ایسی ہیں جیسے کاشت[۳۷۹] کی زمین پس جس طرح چاہو

نیز ہسٹنگز کی ڈکشنری آف دی بائیبل ج ۴ ص ۸۲۷۔)

ازدواجی زندگی کی ایک ضرورت افزائش نسل ہے

۳۷۹ مرد و عورت کے باہمی تعلقات و روابط میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حقیقی مقصد نسل انسانی کی زیادتی اور اس کی نشوونما ہے اس کے لئے قرآن کریم نے کھیتی کا بہترین لفظ استعمال کیا ہے جس سے ایک طرف تو یہ مقصد تھا کہ خاوند اور بیوی کے نازک تعلقات کو ایسے اشارات و کنایات میں بیان کیا جائے کہ ہر گھر میں مرد، عورت، لڑکے اور لڑکیاں، چھوٹے اور بڑے اس کتاب کو پڑھ سکیں اور کسی کو حجاب نہ پیدا ہو یہ ایک ایسا عظیم الشان معجزہ ہے جو دنیا میں قرآن کے سوا اور کسی کتاب کو حاصل نہیں اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم یہ بھی چاہتا تھا کہ ان تعلقات کی حقیقی غرض و غایت بھی بیان کر دے۔ حیض کے ایام میں امراض

Marfat.com

شِئۡتُمۡ ۫ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ

اپنی زمین میں فطری[۳۸۰] طریقہ سے کاشت کرو اور اپنے لئے مستقبل کا سروسامان بھی کر و یاد

خبیثہ اور مفاسد کا اندیشہ تھا اور ضرر و نقصان کی وجہ سے یہ غرض نہیں حاصل ہو سکتی تھی اس لئے پہلی آیت میں صحبت کی ممانعت کر دی کہ گویا ابھی زمین قابل کاشت نہیں اگر بیج ڈال دیا گیا تو اکارت جائے گا۔

پھر غور کرو کہ کھیت کا لفظ اپنے اندر کیا خوبی رکھتا ہے۔ کھیت کہتے ہی اس موضع زمین کو ہیں جس میں تخم ریزی ہوتی ہے اور اس میں ہر ضرورت کی چیز غلہ نباتات کا نشوونما ہوتا ہے۔ کھیت والے اسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر نہایت درجہ عزیز رکھتے ہیں اور اس سے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسلام نے ہم بستری کا اصل مقصد طلب اولاد ہی کو رکھا ہے گو اس کے دوسرے پہلو بھی یعنی لذت نفسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس تلمیح میں یہ اشارہ بھی کر دیا کہ کھیت صرف اتنا حصہ ہی ہے جس میں بیج کاشت ہو سکتا ہے باقی جو کچھ ہو گا وہ غیر فطری طریقہ ہے۔ جس کی ممانعت بدستور باقی ہے۔

وقت اور حالات کے مطابق بیج ڈالنا ہی فطری طریقہ کاشت ہے

۳۸۰ فرمایا کہ پاک ہونے کے بعد جب اور جس طریق پر آرزو ہو اس کے قریب جا سکتے ہو کوئی شخص اپنی کھیتی کو برباد کرنا نہیں چاہتا۔ اصل غرض پیداوار ہوتی ہے۔ کسان ایک قانون کے تحت خاص وقت میں بیج بوتا ہے ہل چلاتا ہے اس کی آبیاری کرتا ہے اور وقت آنے پر فصل کاٹ لیتا ہے ایسے ہی ایک شخص تمام ان لغو و مہمل طریقوں کو یک قلم ترک کر دے جس سے انسانی نطفہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اور شریعت کے قاعدے کے مطابق صحبت کرے تاکہ اولاد پیدا ہو۔ جو ان مقاصد کی تکمیل کرے جن کے لئے باپ کی زندگی وقف تھی۔

خداوند قدوس نے تمہیں ایک قانون نوازش کر دیا ہے۔ اس کی پابندی کا خیال رہے یہود و نصاریٰ اور مجوس و مشرکین عرب کا دستور العمل تمہیں معلوم ہے۔ مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے کہ قانون اسلام میں ان تمام تکالیف و شدائد کا سدباب کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہرگز تنگی اور مصیبت ڈالنے کا آرزو مند نہیں۔

فرمایا "اپنے حق میں آئندہ کے لئے کچھ کرتے رہو" آئندہ کے لئے کچھ بھیجنے کی چیز کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ عمل صالح ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ گویا اس کی تاکید ہے کہ عین لذات و اتنذاز کے مشغلوں کے وقت بھی اپنی عبدیت اور اپنی ذمہ داری کو بھول نہ جاؤ تمام تر لذت پرستی ہی میں غرق نہ ہو جاؤ بلکہ ہو سکے تو اپنی لذت کو بھی عین طاعت و عبادت بنا لو۔ ہر حال میں یاد رکھو کہ یہ دنیا کی رعنائیاں عارضی ہیں اور دنیا کی ساری لذتیں بھی عارضی۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو گے تو عین موقعہ لذت پر بھی قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور جس چیز کی اجازت دی جا

Marfat.com

مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۲۳ وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ

رکھو کہ اس کے حضور بھی حاضر ہونا ہے اور ان کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں بشارت ہی بشارت ہے۔ ۲۲۳

اور[۳۸۱] ایسا نہ کرو کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے یا پرہیزگاری کی راہ اختیار کرنے یا لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرا دینے کے خلاف قسمیں کھا کر اللہ کے نام کو نیکی سے

رہی ہے اس سے غلط فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔

نیک کاموں کے نہ کرنے کی قسم اٹھانا بذاتہ بری چیز ہے

۳۸۱ عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ تھا کہ اللہ کی قسم کھا کھا کر یہ کہہ بیٹھتے تھے کہ ہم فلاں اور فلاں کام نیکی کا' تقویٰ کا اور اصلاح خلق کا نہ کریں گے۔ اور جب کوئی کہتا تو یہی عذر پیش کر دیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں۔ ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی ہر صورت میں مذموم تھا چہ جائیکہ حق جل شانہ' کے اسم بزرگ اور اس کی قسم کو بجائے قرب حق کے اس کو دوری کا ذریعہ بنایا جائے۔ اسلام نے بلا ضرورت اور کثرت سے قسمیں کھاتے رہنے کو بھی ناپسند کیا ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے چہ جائیکہ کہ قصداً جھوٹی قسمیں کھائی جائیں۔

انسان کو اپنی زندگی کے لئے کوئی ضابطہ حیات بنا لینا کوئی بری بات نہیں بلکہ زندگی کے لئے قانون بنانے کی اجازت دی گئی ہے مگر اس کے اصول اساسی اور مقاصد مہمہ کبھی نظرانداز نہ ہوں اور وہ یہ ہیں۔

الف ۔ برو احسان۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

ب ۔ تقویٰ و طہارت۔ اپنے اندر اخلاق فاضلہ پیدا کرنا اور ورع و پاکیزگی سے آراستہ ہونا۔

ج ۔ اصلاح بین الناس۔ لوگوں میں اگر منازعات و مناقشات پیدا ہوں تو ان کا رفع و انسداد اور ان کو آپس میں صلح و آشتی سے رہنے کی تاکید کرنا۔

ایک مسلم زندگی کا اعظم ترین مقصد زندگی یہی ہیں اس لئے کوئی ایسا قانون یعنی ضابطہ نہ بنے جو ان کے مخالف ہو اور اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہو جائے جس کا امکان بہرحال موجود ہے تو اس ضابطہ کو منسوخ کرنا ضروری ہوگا یعنی اگر ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھالی تو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اس قسم بے جا کی خاطر قانون صحیح کو

Marfat.com

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ

بچ نکلنے کا بہانہ بنا لو' یاد رکھو اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۲۲۴

تمہاری[۳۸۲] قسموں میں جو لغو اور بے معنی قسمیں ہوں ان پر اللہ مواخذہ نہیں کرتا جو کچھ بھی پکڑ ہوگی وہ تو اسی بات پر ہوگی جو سمجھ بوجھ کر کی گئی ہو یعنی تمہارے دلوں نے کمائی ہو اور اللہ ہر حال میں بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔ ۲۲۵

جو لوگ اپنی[۳۸۳] بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا بیٹھیں تو ان کے لئے چار ماہ کی

ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اور قانون صحیح یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کرنے کے کاموں کو زندگی میں کرتے ہی رہنا چاہئے۔

لایعنی قسموں پر کوئی مواخذہ نہیں تاہم ایسی قسمیں کھانا اچھی عادت نہیں

۳۸۲ قسمیں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ ۱۔ یمین لغو جو دو طرح کی ہیں۔

الف۔ کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ زبان سے کھائی گئی۔ ب۔ قسم تو ارادہ سے کھائی گئی مگر گمان یہ تھا کہ جس بات پر قسم کھائی گئی ہے درست ہوگی۔ ان دونوں قسموں پر شریعت کوئی مواخذہ نہ کرے گی اور نہ ہی ان کا اعتبار ہوگا۔ یہی قسمیں ہیں جن کے متعلق فرمایا ہے "تمہاری قسموں میں جو لغو اور بے معنی قسمیں ہوں ان پر اللہ مواخذہ نہیں کرتا۔"

۲۔ منعقدہ قسمیں۔ آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی جائے۔ اگر اس نے قسم پر عمل کر لیا تو بہتر ورنہ ترک کرنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ الف۔ ایک غلام آزاد کرے۔ ب۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دس مساکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ ج۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو برابر تین دن کے روزے رکھے۔

۳۔ غموسی قسمیں۔ ارادۃً" ایک معاملہ کے متعلق جھوٹی قسم کھائی اس کا گناہ اس قدر اشد شدید ہے

Marfat.com

کہ محض کفارہ کافی نہیں بلکہ نہایت ہی الحاح اور تضرع کے ساتھ توبہ و انابت الی اللہ کرنی ہوگی۔ تب جا کر یہ جرم عظیم معاف ہوگا۔ یہ قسم ہمیشہ ماضی سے تعلق رکھتی ہے۔

ایلاء ایک قسم کی قسم بھی ہے اور طلاق کی ایک صورت بھی

۳۸۳ قسموں کا بیان جاری ہوا تو ان ہی قسموں کے سلسلہ میں طلاق کی ایک خاص قسم کا ذکر بھی کیا جا رہا ہے جو عرب میں ایلاء کے نام سے مشہور تھی۔ اگر مرد و عورت میں اختلاف پیدا ہو جاتا اور وہ یہ بھی نہ چاہتا کہ میری عورت کسی دوسرے کے پاس جائے تو قسم کھا لیتا کہ میں اس کے قریب نہ جاؤں گا اور اس طرح اس کو چھوڑ دیتا کہ نہ تو وہ اب خاوند والی ہوتی اور نہ دوسری جگہ نکاح ہی کر سکتی۔ ایسا کیوں کرتا؟ تاکہ اس عورت کو تکلیف ہو اور وہ مصیبت میں مبتلا رہے۔ یہ نہایت ہی بدترین رسم تھی اس لئے ضروری ہوا کہ سب سے پہلے اس غلط کاری کی اصلاح ہو۔

اگر کوئی شخص قسم کھا لے کہ وہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے گا یعنی تعلق خاص قائم نہ کرے گا تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

الف۔ کوئی مدت معین نہ کرے۔ ب۔ چار ماہ کی مدت مقرر کر دے۔

ج۔ چارہ ماہ سے زائد کی قید لگا دے۔ د۔ چار ماہ سے کم مدت کا تذکرہ کر دے۔

پہلی تین صورتوں کو شریعت کی اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں۔ ان تینوں کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر خاوند چار ماہ کے اندر اندر اپنی قسم توڑ ڈالے اور بیوی کے پاس چلا جائے تو اسے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ کفارہ کی صورت پہلے گزر چکی۔ اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر طلاق پڑ گئی۔ چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑ دی تو کفارہ ادا کر دے اور قسم پوری کر لی تو بھی نکاح باقی ہے کیونکہ یہ مدت چار ماہ سے کم تھی۔

اب شریعت مطہرہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک قاعدہ معین کر دیا کہ ایلاء کی مدت زیادہ سے زیادہ چار ماہ ہو سکتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مرد عورتوں کے حقوق بھی ادا نہ کریں اور ان کو اس طرح سے رکھیں کہ وہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکیں بلکہ خاوند کو چار ماہ غور کے لئے مل سکتے ہیں۔ اگر وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار ہے تو بہتر ورنہ علیحدگی اختیار کرنی پڑے گی کیونکہ جب موانست کی کوئی صورت نہیں اور مزید فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے تو حکومت مداخلت کر کے خاوند اور بیوی میں تفریق کر دے گی جب کہ حکومت تک یہ شکایت پہنچے گی۔

اسلام سے قبل دنیائے قدیم میں عورت کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی۔ عیسائیت کے پرستار جناب پولوس نے فرمایا ”عورت ہی کے ذریعہ گناہ دنیا میں آیا اور عورت ہی کے طفیل میں ہم کو موت دیکھنی پڑی۔“ برنارڈ

Marfat.com

انٹونی، جیروم اور گریگوئے اعظم نے نہایت بلند آہنگی سے عورت کے متعلق "شیطان کا آلہ" "شیطان کے ہتھیاروں کی جڑ" "شیطان کا دروازہ" "بچھو" "شاہراہ عصیاں" اور "زنبور کا زہر" کے الفاظ استعمال کئے۔ خود یورپ کو اس بات کا فیصلہ کئے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ عورت میں روح موجود ہے۔

یہ مختلف اقوال اس لئے درج کئے گئے ہیں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ ازمنہ قدیمہ میں عورت کی نسبت کس قسم کے خیالات تھے وہ کس قدر شکوک و شبہات کی آماجگاہ رہی ہے۔ اس کے حق احترام و حریت کو خود غرض مرد نے ہمیشہ چھیننے کی کوشش کی۔ اس لئے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ اس کے تمام حقوق کو یک قلم فراموش کر دیا جاتا۔ باوجود اس قدر ادعائے تہذیب و تمدن کے یورپ میں ابھی کل تک یہ حالت تھی کہ عورت کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی۔ جب تک وہ ناکتخدا تھی باپ کے نام سے مشہور ہوتی تھی اور جب نکاح ہو گیا تو خاوند کے نام میں اس کی شہرت فنا ہو جاتی تھی اور ان کی کل کی حالت ہماری آج کی حالت ہے کہ اب ہمارے ہاں یہ رواج ہو چکا ہے جو گویا ایک نئی تہذیب کا فیشن ہے۔ مختصر یہ کہ یہی وہ وجہ ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں ہر قوم افراط و تفریط میں مبتلا رہی ہے۔

عرب طلاق دینے میں بالکل آزاد تھے۔ ان کے نزدیک بھی عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ اپنی لڑکیوں کو زمین میں زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ طلاق کی کوئی حد نہ تھی۔ جب چاہا رجوع کر لیا اور ذرا سی ناراضی پر الگ کر دیا۔ یہودی بھی اسی بات میں عرب کے ہم آہنگ تھے۔ عیسویت کا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کی اصلاح کرے مگر اس نے طلاق کے متعلق ایسا قانون نافذ کیا کہ آج بھی دنیا اس پر عمل کرنے سے عاجز ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے۔ اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا اور کسی سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی بیوی سے نکاح کرے وہ زنا کرتا ہے۔ (متی ۵ : ۳۱، ۳۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے بڑے بڑے لارڈ اور ڈیوک جب اپنی بیویوں سے تنگ آجاتے ہیں اور ان سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہوتی تو ان پر زنا کا الزام لگاتے ہیں جس کے ثبوت میں جھوٹے گواہ پیش کرتے ہیں تب جا کر کہیں چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔

ہندوؤں نے یہ خیال کیا کہ خاوند اور بیوی کے تعلقات ایسے ہی ہیں جیسے خدا کے روابط اپنی مخلوق سے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت ہمیشہ خاوند کی غلام رہے۔ اس کی پرستش کرے۔ اس کے مرنے پر وہ بھی آگ میں جل جائے۔ دوسری شادی نہ کرے اور اس طرح کی اور پابندیاں بھی لگائی ہوئی تھیں اگرچہ ان میں سے اب "ستی" کی رسم تقریباً مٹ چکی ہے۔

قرآن کریم نے ان تمام بندشوں کو دور کر دیا اور فرمایا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ایسے ہی مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ"

Marfat.com

تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۲۶ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ

مہلت ہے پھر اگر اس مدت کے اندر اندر رجوع کرلیں تو بلاشبہ اللہ اپنی خاص رحمت سے بخش دینے والا ہے۔ ۲۲۶

لیکن اگر وہ طلاق کی ٹھان لیں یعنی رجوع نہ کریں تو طلاق دیں اور یاد رکھیں کہ [ف ۳۸۴]

(البقرہ ۲ : ۲۲۸) طلاق کے بارے میں جس قدر افراط و تفریط تھی اس کو دور کرکے راہ اعتدال معین کر دی۔ قیود و شرائط لگا دیں اور لسان نبوت نے ان مختصر مگر جامع الفاظ میں طلاق کی حقیقت پر روشنی ڈالی کہ ابغض المباحات عند اللہ الطلاق یعنی تمام حلال اور جائز اشیاء میں سے اللہ کے نزدیک مبغوض ترین چیز طلاق ہے گویا طلاق دینے میں بہت زیادہ دور اندیشی سے کام لینا پڑے گا۔

قرآن کریم نے ان وجوہ و اسباب پر زیادہ وضاحت سے گفتگو نہیں کی۔ بعض مقامات پر صرف اشاروں سے کام لیا ہے اور اس کا قطعی و آخری فیصلہ ہر ملک اور قوم کی اپنی اپنی تہذیب و شائستگی پر چھوڑ دیا ہے۔ البتہ اس نے پابندیوں کا ذکر کیا ہے کہ اس کی آزادی کو محدود کر دیا جائے۔

اگر طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو بات کو واضح کر دینا چاہئے

ف ۳۸۴ طلاق نام ہے میاں بیوی کے باہمی تعلقات کے باضابطہ اور کامل انقطاع کا۔ اسلام سے قبل دنیا میں طلاق سے متعلق عجب افراط و تفریط قائم تھی۔ افراط یہود کے ہاں تھی اور تفریط مسیحیوں کے ہاں۔ یہود کے ہاں نہ کوئی قید طلاق پر عائد تھی نہ شوہر پر اس باب میں کوئی ذمہ داری تھی۔ اس کا جب جی چاہتا وجہ بلاوجہ بس ایک طلاق نامہ لکھ کر بیوی سے چھٹکارا حاصل کرلیتا اور بیوی بھی اسی وقت دوسرا خاوند کر سکتی تھی۔ توریت کے قانون کے الفاظ یہ ہیں۔ ”اگر کوئی مرد کوئی عورت لے کر اس سے بیاہ کرے اور بعد اس کے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس میں کوئی پلید بات پائی تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کے اس کے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کر دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل گئی تو جا کے دوسرے مرد کی ہووے۔“ (استثناء ۲۴ : ۱'۲)

اس آزادی اور بے قیدی کے مقابلہ میں مسیحیوں نے یہ سختی اور تنگی اختیار کی کہ زن و شوہر میں کوئی گنجائش ہی علیحدگی کی نہ رکھی چنانچہ انجیل کے الفاظ یہ ہیں۔ ”جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے جو

Marfat.com

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۲۲۷ * وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ

اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۲۲۷

اور ۳۸۵ جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو انہیں چاہیئے کہ اذیت کے دنوں کے

کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ پہلی کے خلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس ۱۰ : ۷ '۱۲)

"میں نہیں بلکہ خداوند حکم دیتا ہے کہ بیوی شوہر سے علیحدہ نہ ہو۔" (گرنتھیوں ۷ : ۱۰) چنانچہ مسیحی آبادی کے سواد اعظم یعنی فرقہ کیتھولک کے ہاں تو طلاق مطلقاً ناجائز ہے اور بجز موت کے کوئی صورت میاں بیوی میں افتراق کی ممکن نہیں اور یہی فرقہ اسلام سے قبل موجود تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقہ ظہور اسلام سے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ ہاں! اس کے ہاں البتہ اجازت ہوئی لیکن صرف اس صورت میں کہ پہلے عدالت میں کسی ایک فریق کا ارتکاب زنا یا ظلم و جور ثابت ہو۔ اسلام نے فطرت انسانی کا بالکل صحیح اندازہ کرکے یہ حکم دیا کہ جب زوجین میں ناموافقت لاعلاج حد تک پہنچ جائے اس کی ابتدا خواہ کسی طرف سے ہوئی ہو اور تمام صورتیں موافقت پیدا کرنے کی ناکام ہوجائیں تو آخری علاج یہ ہے کہ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدہ نکاح کو فسخ کرکے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کرلیں اور اس کا اصطلاحی نام طلاق ہے اور اس انقطاعی عمل کو بھی مطلق نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس پر متعدد پابندیاں بھی عائد کردی ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

طلاق والیاں تین میعادوں تک انتظار کریں

۳۸۵ اس آیت سے طلاق کے مختلف احکام بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ جس عورت سے خاوند نے صحبت کی ہو یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو' اس کو حیض بھی آتا ہو اور وہ آزاد بھی ہو۔ اس کو جب طلاق دی جائے تو اس کو تین حیض تک انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ مدت تقریباً تین ماہ ہوتی ہے۔ اس زمانہ انتظار کو شریعت کی اصطلاح میں عدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مدت میں دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اس انتظار کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ خاوند اور بیوی میں مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔

جن عورتوں سے شوہر نے صحبت یا خلوت صحیحہ نہ کی ہو تو طلاق کی صورت میں ان کے لئے کوئی عدت نہیں۔ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی تین صورتیں ہیں :

الف۔ کسی نابالغ لڑکی سے شادی کرلی پھر اس کی بلوغت سے پہلے ہی طلاق دے دی اس کی عدت تین ماہ ہے اس لئے کہ اس کو ابھی حیض آیا ہی نہیں۔

Marfat.com

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ

تین ماہ[۳۸۶] تک اپنے آپ کو نکاح ثانی سے روکے رکھیں اور مزید یہ کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کیلئے جائز نہیں ہے کہ جو چیز اللہ نے ان کے پیٹ یعنی

ب ۔ اگر کوئی عورت بہت بوڑھی ہے کہ حیض کا خون بند ہوگیا اس کو بھی تین ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔

ج ۔ اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل کے وقت ختم ہوگی وہ اصل عدت کے دنوں سے زیادہ مدت کے بعد وضع ہو یا بہت پہلے۔

۲ ۔ اگر ان عورتوں کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے اور اعمال کی ذمہ داری محسوس کرتی ہیں تو اپنے حمل یا حیض کو مخفی نہ رکھیں کیونکہ اخفا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عدت کے شمار کرنے میں دقت پیدا ہو جائے گی۔

۳ ۔ اگر میاں بیوی اصلاح کے آرزومند ہوں تو پھر زیادہ مناسب یہی ہے کہ ان عورتوں کو پہلے خاوندوں ہی کی طرف لوٹا دیا جائے تین ماہ کی مدت میں انسان کافی غور و فکر سے کام لے سکے گا۔ الگ رہنے کی وجہ سے عارضی رنجش اور ناراضگی دور ہو جائے گی سابقہ الفت و محبت دوبارہ عود کر آئے گی۔ پہلا تعلق قائم ہوجائے گا اوراسی طرح ان تمام جلد بازیوں کا تدارک ہوجائے گا جو طلاق کے متعلق تصور کی جاسکتی ہیں۔

۴ ۔ مردوں کو توجہ دلائی کہ نکاح کی بنا پر جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر عائد ہوتے ہیں ایسے ہی ان کے حقوق تم پر ہیں۔ ان کا خیال رکھنا تمہارا فرض ہے۔ اس ایک جملہ نے درحقیقت طلاق کے ناجائز استعمال کو روک دیا اور تمام دنیا میں عورت کی قدر و منزلت قائم کر دی' جو اس سے پہلے عورت کو نصیب نہ تھی۔ البتہ جب میاں بیوی میں اختلاف رائے ہوگا تو فوقیت رکھنے کی وجہ سے میاں کی رائے کو ترجیح ضرور حاصل رہے گی۔

خاوند کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق کا خیال رکھے اس لئے کہ وہ اس کی نگرانی میں رکھی گئی ہے۔ اگر مرد اپنے فرائض میں کوتاہی سے کام لے گا تو اسے یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عزیز ہے اپنے غلبہ و اقتدار سے کام لے کر اسے ذلیل کر دے گا۔

"ثلٰثة قروء" کو تین میعادیں کیوں کہا گیا؟

۳۸۶ "اذیت کے دنوں کے تین ماہ" کہیں یا تین میعادیں ایک ہی بات ہے۔ قرء کے لفظی معنی محض ایک زمانہ معلوم یا مدت متعین کے ہیں اور اسی میعاد یا مدت سے وہ چیز مراد ہے جس کو "حیض" کہا جاتا ہے یا "عورت کی ناپاکی کے دن" یہ سب کنایہ ہیں جس سے جو بات سمجھانا مطلوب ہے وہ ہر آدمی مرد ہو یا

Marfat.com

اللّٰهُ فِىٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

رحم میں پیدا کر دی ہے اسے چھپائیں اور ان کے شوہر یعنی طلاق دینے والے اگر عدت کے اندر اندر اصلاح حال پر آمادہ ہو جائیں تو وہ انہیں اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حقدار ہیں اور عورتوں کیلئے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ انکے ساتھ اچھا سلوک کریں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ[۳۸۷] دیا گیا ہے اور یاد رکھو اللہ زبردست حکمت رکھنے والا ہے۔ ۲۲۸

عورت سمجھتا ہے۔ اختلاف اس میں یہ ہے کہ یہ "اذیت" کے دن یا "ناپاکی" کے دن تین سے آٹھ دن تک ہوتے ہیں کیا ان دنوں کے شروع ہونے سے مراد ہے یا ختم ہونے سے؟ کیونکہ اگر شروع ہونے سے مراد لی تو "ناپاکی" کے دنوں سے میعاد شروع ہوگی اور اگر ختم ہونے سے مراد لی گئی تو "پاکیزگی" کے دنوں سے مدت شروع ہوئی۔ ان دونوں باتوں میں سے درست کون سی بات ہوگی؟ فقہاء امت اور مفسرین میں یہ اختلاف تھا' ہے اور رہے گا لیکن اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اس سے آغاز بھی مراد ہو سکتا ہے اور اختتام بھی۔ معنی کے لحاظ سے دونوں مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہیں جس طرح "ناپاکی" اور "پاکیزگی" ایک دوسرے کے متضاد لیکن لغت عرب میں دونوں ہی مستعمل ہیں۔ جن لوگوں نے اس میعاد سے "پاکیزگی" مراد لی ہے ان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امام شافعیؒ ہیں اور جن لوگوں نے "ناپاکی" مراد لی ہے ان میں حضرت عمرؓ اور علیؓ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہ شامل ہیں۔ پہلے فریق نے قرء کا ترجمہ "طہر" سے کیا ہے اور دوسرے فریق نے "حیض" سے۔ دراصل جو مطلوب ہے وہ دونوں ہی طریقوں سے معلوم ہو جاتا ہے اس لئے یہ بحث لاحاصل ہے۔

Marfat.com

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ

طلاق دو مرتبہ ۳۸۸ ہے یعنی یکے بعد دیگرے پھر اس کے بعد خاوند کے لئے دو ہی

حقیقت حقیقت ہی ہے اس کو بدلنے کی ضرورت آخر کیوں؟

۳۸۷ ”مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے۔“ بس یہ وہ الفاظ ہیں جو نئی نسل کو یا جدید تعلیم یافتہ لوگوں پر بہت شاق گزرتے ہیں اور علماء نے بھی ان کی ترجمانی کر کے یا ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ”للرجال علیهن درجة“ کے بہت عجیب و غریب معانی اور مفہوم بیان کئے ہیں حالانکہ اس طرح سے حقیقت کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ ہی وہ بدلی جا سکتی ہے۔ تہذیب جدید کا دعویٰ یہ ہے کہ ”مرد و عورت ہر حیثیت سے اور ہر اعتبار سے ہم درجہ ہیں۔“ لیکن ایک دعویٰ محض کتنی ہی کثرت سے دہرایا جائے کیا دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے؟ کیا وہ بار بار دہرانے سے دلیل بن جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ قرآن کریم جاہلیت کے ایک مفروضہ کی پرزور تردید کر چکا ہے اور اس نے بڑی شدومد سے ثابت کیا ہے کہ عورت بے حقی نہیں ہے۔ وہ بھی مردوں کی طرح اپنے حقوق رکھتی ہے اب جاہلیت کے اس دعویٰ کی تردید میں بھی بے دھڑک اعلان کر رہا ہے کہ دونوں صنفوں میں مساوات مطلق اور مساوات کامل نہیں کیونکہ مردوں کے حقوق کی نوعیت اور عورتوں کے حقوق کی نوعیت میں فرق ہے۔ اور اس نوعیت کے فرق کی وجہ سے مرد کو عورت پر ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔ ہاں! یاد رہے کہ مرد عورت کے مالک نہیں۔ عورت مرد کی کنیز نہیں یا باندی نہیں۔ بلحاظ اپنی اپنی صنف کے حقوق میں دونوں ایک سطح پر ہیں تاہم مرد کو عورت پر فضیلت ضرور ہے کیونکہ مرد کی ذمہ داریاں قوی ہیں بہ نسبت عورت کی ذمہ داریوں کے۔ عورت کی کچھ ذمہ داریاں ایسی بھی ہیں کہ وہ عورت کی مجبوری ہے وہ ان کو خوشی سے سرانجام دے یا ناخوشی سے بہرحال سرانجام اسی کو دینا ہوں گی۔ مرد پر کوئی ایسی ذمہ داری نہیں جو اس کی مجبوری ہو بلکہ وہ آزادی سے اس کو سرانجام دیتا ہے۔ کیا یہ فرق کوئی فرق نہیں؟ عورت اذیت کے دنوں پر مجبور ہے اسی طرح حمل اور وضع حمل پر بھی مجبور ہے اگرچہ وہ اپنی فطرت کی وجہ سے ہے تاہم اس کو اس کی فطری کمزوری بھی تو کہا جا سکتا ہے۔ اور قرآن کریم نے اگلی آیت میں فضیلت کی تشریح بھی کر دی ہے کہ وہ فضیلت کیا ہے؟ جو مرد کو حاصل ہے۔

جدید علوم و طبعیات کے ماہرین جنہوں نے مرد و زن کی جسمانی ساخت و ترکیب و دماغی و ذہنی قویٰ اور طبعی خصوصیات کے مطالعہ و تحقیق میں عمریں بسر کر دی ہیں۔ وہ بھی آخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مرد و عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے متمم و مکمل ہیں تاہم بہ لحاظ قوت و بہ لحاظ عقل مرد ہی کو فضیلت حاصل ہے۔

Marfat.com

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر مرد کو ہر عورت پر فوقیت یا فضیلت حاصل ہے بلکہ ایسا سمجھنا یا ایسا خیال کرنا بذاتہ جہالت یا کم علمی یا کم عقلی ہوگی اور جن ممالک میں عورت نے مردوں کے برابر قانوناً حیثیت حاصل کی ہے ان میں عورت نے اپنی نسائیت کا گویا خون بہایا ہے۔

دو طلاق دینے کے بعد بھی مرد رجوع کا حق رکھتا ہے

۳۸۸ پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ "بعولتھن احق بردھن" ان کے شوہر یعنی طلاق دینے والے اگر عدت کے اندر اندر اصلاح حال پر آمادہ ہو جائیں تو وہ انہیں اپنی زوجیت میں لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔" اب اس طلاق کی مزید تفصیل کی جاتی ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ طلاق کی ایک قسم رجعی ہے جس کا اس آیت میں تذکرہ ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

ا۔ ایسی طلاق جس کے بعد عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹائی جا سکتی ہے صرف دو ہی مرتبہ ہے بشرطیکہ ادائے حقوق کا خیال ہو۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو طلاق کا وقوع نہایت ہی شاذ حالات میں ہو۔

۲۔ عرب میں دستور تھا کہ صدہا مرتبہ طلاق دینے کے بعد بھی خاوند رجوع کر سکتا تھا جس سے عورتوں کے حقوق مکمل طور پر فنا ہو جاتے تھے اسلام نے آتے ہی مرد کی اسی آزادی کو چھین لیا اور فرمایا کہ اگرچہ ایک شخص دو دفعہ طلاق دے کر رجوع کا حق رکھتا ہے مگر تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد یہ حق سلب ہو جائے گا اور اب میاں بیوی میں مکمل طور پر علیحدگی ہو جائے گی۔ دو طلاقوں کے بعد اسے اجازت دی گئی کہ :

الف۔ خاوند عدت کے اندر رجوع کر لے اس سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے اور اس کے حقوق و مراعات کا خیال رکھے۔

ب۔ ورنہ تیسری مرتبہ طلاق دے کر نیکی کے ساتھ رخصت کر دے۔

یاد رہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک تین طلاقیں نہ دی جائیں اس وقت تک طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ تین بار لکھتا ہے کہ طلاق۔ طلاق۔ طلاق یہ بات بالکل لغو ہے اور جہالت پر مبنی ہے۔

طلاق ایک بار دینے سے بھی واقع ہو جاتی ہے البتہ مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے کہ عدت کے اندر اندر اپنے الفاظ واپس لے کر بزبان حال یا بزبان قال عورت کو واپس اپنی زوجیت میں لے لے۔ لیکن اگر وہ واپس نہیں لینا چاہتا تو خاموش رہے۔ جبھی عدت کے دن گزرے عورت عقد ثانی کرنے کے لئے بالکل آزاد ہے جو مدت خاوند کو دی گئی تھی اس نے اس سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ طلاق دینے والے کو کوئی حق نہیں کہ اب بزور اس عورت کو واپس اپنی زوجیت میں لے۔ ہاں اگر عدت گزرنے کے بعد یہ دونوں پھر دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر عورت نے اس خاوند کے علاوہ کسی دوسری جگہ عقد ثانی کر

Marfat.com

لیا تو اب ان کے دوبارہ مل بیٹھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تاوقتیکہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے یا وفات نہ پا جائے۔

گویا یہی وہ فضیلت تھی جو مرد کو عورت پر دی گئی کہ ایک طلاق دینے کے بعد اس کو رجوع کا حق دیا گیا۔ لیکن ایک طلاق دینے کے بعد جب مرد نے رجوع کر لیا اور دونوں میاں بیوی کی طرح رہنے سہنے لگے پھر زندگی کے کسی موڑ پر دوبارہ خاوند نے ایک طلاق دے دی تو گویا اب یہ ایک طلاق نہ ہوئی بلکہ دوسری طلاق ہوگئی اور چونکہ دوسری طلاق کے بعد بھی مرد کو رجوع کا حق ہے اس نے عدت کے اندر اندر رجوع کر لیا تو خیر اگر مدت گزر گئی تو اب بھی اس نے رجوع کا حق ضائع کر دیا اب بزور اس عورت کو خاوند یعنی طلاق دینے والا اپنی زوجیت میں واپس نہیں لے جا سکتا۔ ہاں! عدت گزرنے کے بعد عورت رضامند ہو تو یہ دونوں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ گویا عورت اپنا عقد ثانی کرنا چاہے تو جس جگہ چاہے کر سکتی ہے خواہ اس دوسری بار طلاق دینے والے سے یا کسی دوسری جگہ۔ اگر انہوں نے دوبارہ رضامندی سے نکاح کر لیا تو پھر وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ اس طرح سے اب یہ دونوں میاں بیوی تو ہو گئے لیکن احتیاط کی بہت ضرورت ہے کہ اگر کہیں اب بھی طلاق دے دی تو گویا اب نہ مرد کو رجوع کا حق رہا اور نہ ہی عورت اگر اس سے دوبارہ نکاح کا ارادہ کرنا چاہے تو کر سکی کیونکہ تین طلاقیں مکمل ہوگئیں۔

اب بتاؤ کہ کیا ایک طلاق دینے سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ کیوں نہیں بالکل طلاق واقع ہوئی لیکن آپ یہ کہہ لیں کہ کچی طلاق ہوئی اس کے پکا ہونے کی ایک مدت یا میعاد ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا جب یہ مدت گزر گئی تو گویا طلاق پکی ہوگئی اور عورت اب آزاد ہے چاہے جہاں نکاح کرے۔ کتنی وسعت تھی اس اسلامی طلاق میں جس کی مسلمانوں نے دھجیاں اڑا دیں اور اللہ کے دین کو مذاق بنا کر خود استہزاء و مذاق بن گئے۔ سچ ہے کہ کسی کو ذلیل کرنے والا خود ذلیل ہوتا ہے اور جو کسی کے لئے کنواں کھودتا ہے خود ہی اس میں جا گرتا ہے۔

ایک صورت تو یہ تھی جو اوپر ذکر کی گئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خاوند نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا کہ ہر حال طلاق دینا ہے کیونکہ نباہ کی کوئی صورت اس کے نزدیک نہیں رہی۔ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے رازوں کو جانتے ہیں خاوند جب دیکھے کہ بیوی کے "ناپاکی" کے دن گزر گئے اور اب وہ "پاک" ہوگئی اور اس کا پختہ ارادہ طلاق کا ہے تو ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے مہینہ کے "ناپاکی" کے دن گزرنے کے بعد گویا ایک مہینے کے بعد دوبارہ طلاق دے بزبان قال یا بزبان تحریر اب دو طلاقیں ہوگئیں لیکن ابھی ایک موقع اس کے پاس مزید باقی ہے۔ عورت حسب عادت اپنے اذیت کے دنوں سے "پاک" ہوئی خاوند نے رجوع نہ کیا بلکہ تیسری بار طلاق دے دی خواہ بزبان قال یا بزبان تحریر تو اب خاوند نے گویا رجوع کا حق ضائع کر دیا اب اگر دوبارہ میاں چاہے یا بیوی چاہے یا دونوں ہی چاہیں کسی صورت بھی یہ عورت اس کی بیوی نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اور پھر وہ کسی وجہ سے طلاق دے دے یا وہ مرجائے۔ اس طرح یہ طلاق گویا تین "حیض"

Marfat.com

بِاِحۡسَانٍ ؕ وَ لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ

شَیۡئًا اِلَّاۤ اَنۡ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ

راستے رہ جاتے ہیں یا تو اچھے یعنی معروف طریقے پر روک لینا یعنی رجوع کر لینا یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا یعنی تیسری طلاق دے کر مکمل فارغ کر دینا جس کے بعد رجوع کا حق باقی نہ رہے اور مردوں کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ وہ اپنی بیویوں کو دے چکے ۳۸۹ یا دینے کا عہد کیا تھا طلاق کے وقت ان میں سے کچھ واپس لے لیں ہاں! اگر

تین "طہر" یا تین "مہینے" میں مکمل ہو گئی۔

غور کیجئے کہ اللہ، اللہ کی کتاب اور اللہ کا رسول ﷺ ایک مومن خاندان کی۔ اس کے گھر بار کی کتنی عزت و حرمت ملحوظ رکھتے ہیں اور کس طرح مرد کی فوقیت کو واضح فرماتے ہیں اور اس کی بے عزتی و بے حرمتی ان کو کسی حال میں گوارا نہیں۔ کاش! کہ آج مسلمان خود بھی اپنی اور اپنے خاندان کی عزت و حرمت کا اتنا خیال کرتا جتنا اس کے اللہ کو ہے تو آج خانگی فضیحتوں کا کوئی وجود بھی باقی نہ رہتا۔

طلاق دینے والا مطلقہ سے کوئی چیز دی ہوئی واپس لینے کا حق نہیں رکھتا

۳۸۹ اکثر انسان جب غصہ میں آکر طلاق دیتا ہے تو یہ بھی کر گزرتا ہے کہ اب تک جو کچھ بیوی کو دیا ہے اس سے واپس چھین لے عرب جاہلیت میں تو یہ دستور اور بھی زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اس ظالمانہ دستور کی نشاندہی کی جا رہی ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ جب خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ مہر وغیرہ سے ایک پائی بھی واپس لینے کا مجاز نہیں۔ قرآن کے الفاظ پر مزید غور کرو فرمایا "ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا" "مردوں کے لیے حلال نہیں کہ جو کچھ وہ اپنی بیویوں کو دے چکے یا دینے کا عہد کیا تھا طلاق کے وقت اس میں سے کچھ واپس لے لیں۔" اور اگر اب تک مہر ادا نہیں کیا تو طلاق کے وقت ایک ایک کوڑی شمار کر کے دینی ہوگی۔ یہ بھی ایک طرح کا طلاق کی آزادی کو روکنا ہے۔ جب تک اتنی مدت تک دونوں کی صحبت و یکجائی رہی اور نکاح کے وقت تو یہی عہد و پیمان ہوا تھا کہ ہمیشہ ساتھ رہیں گے اب اگر بعض اسباب کی بنا پر ناچاقی ہو گئی تو پھر بھی دیا ہوا مہر واپس نہیں لیا جا سکتا۔ پھر جب مہر واپس نہیں لیا جا سکتا جو مرد کی طرف سے دیا گیا تھا تو وہ مال و دولت جو عورت ساتھ لائی تھی اس کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ اگر حق مہر سے یا جو خاوند نے خوشی سے بیوی کو دیا تھا اس میں سے واپس لینا حلال نہیں اور یہ ایک طرح کا ظلم ہے کہ اس میں سے کچھ واپس لے تو عورت کا

Marfat.com

خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ

میاں بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ کر سکیں گے تو رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے اگر تم دیکھو کہ واقعی کوئی ایسا اندیشہ ہے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو پھر میاں بیوی میں کچھ گناہ نہیں ہوگا کہ بیوی اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے بطور معاوضے کے اپنے حق[۳۹۰] میں سے کچھ دے کر طلاق حاصل کر لے یعنی خلع کر لے۔ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں پس

ساتھ لایا ہوا سامان روکنا تو ہر حال حرام ہوگا اور صرف وہ مال ہی حرام نہ ٹھہرا بلکہ یہ ظلم عظیم ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ عام مفسرین نے تو اس سے صرف حق مہر کی رقم ہی مراد لی ہے لیکن بہت سے مفسرین اور خصوصاً ابن العربیؒ مالکی نے اس سے ہر وہ مال مراد لیا ہے جو خاوند اپنی بیوی کو دے چکا ہو پھر حسن معاشرت، حسن معیشت، حسن سلوک کی تاکید ہر صورت میں ہے کہ بیویوں کو رکھو تو بھی خوش اسلوبی کے ساتھ، رخصت کرو تو بھی ہنسی خوشی یعنی اللہ کی رضا کے مطابق۔

ہاں عورت خلع کرنا چاہے تو مہر کا کچھ حصہ یا زیادہ سے زیادہ مکمل واپس لیا جا سکتا ہے

۳۹۰ فرمایا ہاں! مہر واپس لینے کی صرف ایک صورت ہے کہ اس وقت جب کہ مرد و عورت میں اختلاف ہو اور پھر وہ اتنا بڑھ جائے یا اس انتہا کو پہنچ جائے کہ مصالحت کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ جانبین سے بذریعہ حکم فیصلہ کی کوشش کی گئی مگر وہ بھی ناکام رہی ہو۔ مرد طلاق دینے پر راضی نہیں اور عورت اس فکر میں ہے کہ جس قدر ممکن ہو اس سے نجات حاصل کرے۔ ایسی حالت میں اگر عورت خود بخود اپنے خاوند کو کچھ دینے پر راضی ہو جائے تو خاوند اس رقم کے وصول کرنے پر شریعت کے لحاظ سے گنہگار نہ ہوگا۔ اس قسم کی طلاق کو شرعی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے ان روایات سے اس مسئلہ پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ عن ابن عباس ان امراۃ ثابت بن قیس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکنی اکرہ الکفر فی الاسلام۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ وطلقہا تطلیقۃ

Marfat.com

۲۔ عن بن عباسؓ انه قال جاءت امراة ثابت بن قیس الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقالت یارسول اللّٰه انی لا اعتب علی ثابت فی دین و خلق ولکنی لا اطیقه فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فتردین علیه حدیقة قالت نعم فردت علیه وامره یطلقها۔ (بخاری الجلد ثانی ص ۷۹۴ باب الخلع وکیف الطلاق فیه)

۳۔ عن بن عباس ان زوج بریرة کان عبدا یقال له مغیث کانی انظر الیه یطوف خلفها یبکی و دموعه تسیل علی لحیته فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لعباس یا عباس الا تعجب من حب مغیث بریرة ومن بغض بریرة مغیثًا فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لو راجعتیه قالت یارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم تامرنی قال انما اشفع قالت فلا حاجة لی فیه۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۹۵ باب شفاعة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی زوج بریرة)

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت بن قیس اور حبیبہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حبیبہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طلاق چاہی آپؐ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ واپس کرنے کے لئے تیار ہو جو اس نے تم کو مہر میں دیا تھا؟ اس نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس کو بلا کر اس کی رضامندی لی اور طلاق دلوا دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ آیت جس کا بیان جاری ہے سے معلوم ہوا جس کی وضاحت حدیث نے بھی کر دی کہ جس طرح مرد کو طلاق دینے کا حق ہے ایسے ہی عورت کو بھی اپنے خاوند سے طلاق لینے کا حق ہے۔ یہ قانون اسلامی کی حدود ہیں ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے۔

عورت جب طلاق طلب کرے گی تو اس کو مہر کی رقم واپس لوٹانا ہوگی کلی طور پر یا جزوی طور پر یعنی جو صورت فریقین کے نزدیک خوش اسلوبی سے طے ہو جائے لیکن خلع دینے والے خاوند کو حق مہر سے زیادہ مال طلب کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اگر وہ زیادہ مال طلب کرے گا تو یہ حدود اللہ سے تجاوز ہوگا اگر عورت کے پاس وسعت مال ہے وہ اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہے اس وقت بھی خاوند کے لئے لینا درست نہ ہوگا۔

میاں بیوی کے درمیان کچھ ایسے راز ہوتے ہیں جن میں زیادہ گہرائی میں جانا مناسب نہیں ہے ایک حدیث میں ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپؐ نے پوچھا کہ تو طلاق کیوں طلب کرتی ہے؟ اس نے کہا یارسول اللہ قیس کے دین میں مجھے کوئی نقص معلوم نہیں ہوتا بس میں اس کو پسند نہیں کرتی اور میں نہیں چاہتی کہ اسلام میں رہتے ہوئے کفر کروں۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تیری بیوی آخر طلاق کیوں طلب کرتی ہے؟ ثابت بن قیس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ کی قسم آپ کی

Marfat.com

يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۲۹ فَاِنْ

ان سے قدم باہر نہ نکالو جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو دراصل ظلم کرنے والے ہیں۔ ۲۲۹

ذات اقدس کے بعد مجھے اپنی بیوی سب سے زیادہ عزیز اور پیاری ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس کی بی بی کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا کہ تو کیا کہتی ہے اور ثابت بن قیس کیا کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یارسول اللہ میں تو آپؐ سے ایک بات کہہ چکی ہوں اب اس کے خلاف نہ کہوں گی بیشک یہ سب سے زیادہ اپنی بیوی پر یعنی مجھ پر مہربان ہیں لیکن میرے دل کو نہیں بھاتے نہ میں ان سے خوش ہوں نہ یہ مجھ سے خوش ہیں۔ یہ روایت بخاری میں ہے۔

آپ مزید غور کریں کہ خاوند قسمیہ کہہ رہا ہے کہ مجھے میری بیوی بہت محبوب ہے لیکن بیوی اس کی تردید نہ کرتے ہوئے پھر کہتی ہے کہ وہ میرے دل کو نہیں بھاتے نہ میں ان سے خوش ہوں اور نہ وہ مجھ سے خوش ہیں۔ بس اس میں راز ہے جس کی کرید اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے بھی اس میں کوئی بحث نہیں فرمائی اور ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اس کا باغ جو انہوں نے اپنی بیوی کو مہر میں دیا تھا واپس دلوا کر معاہدہ نکاح فسخ کرا دیا۔

قرآن کریم کے معجزانہ الفاظ پر ایک بار پھر غور کریں ارشاد ہوتا ہے کہ "فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا" اگر تم دیکھو کہ واقعی کوئی ایسا اندیشہ ہے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو پھر میاں بیوی میں کچھ گناہ نہیں ہوگا کہ بیوی اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے بطور معاوضے کے اپنے حق میں سے کچھ دے کر طلاق حاصل کر لے یعنی معاہدہ نکاح فسخ کرا لے۔" اس کا شرعی نام خلع ہے۔

"اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے۔" کے الفاظ پر نظر کرو جن کو قرآن کریم کی زبان نے اس طرح بیان فرمایا کہ "اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ" مختصر یہ کہ یہ کوئی ایسا حق نہیں جو کسی ایک کے ادا کرنے سے ادا ہو جائے بلکہ یہ کوئی ایسا حق ہے جو دونوں کی رضامندی میں ہی ادا ہو سکتا ہے اس طرح کے خطرہ کو میاں بیوی ہی جان سکتے ہیں۔ ایسی صورت جب بھی اور جہاں بھی واقع ہو تو بہتر یہی ہے کہ خاوند عورت کو اس کی رضامندی کے مطابق فارغ کر دینے میں پہل کرے یہ طریقہ مستحسن ہے اور زیادہ سے زیادہ وہ بیوی کے عزیزوں کو صورت حال سے آگاہ کر دے مزید بہتر ہوگا۔ لیکن عورت اتنی مجبور ہو جائے کہ اس نہ ظاہر کرنے والی بات کو ظاہر کر دے یعنی وہ خود طلاق کا مطالبہ کر دے تو خاوند کو زیادہ دیر لگائے بغیر معاملہ کو خوش اسلوبی کے

Marfat.com

طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ

اگر ایسا ۳۹۱ ہو کہ ایک شخص نے طلاق بتہ دے دی یعنی تین مرتبہ وقفہ وقفہ سے طلاق دے چکا تو اب اس شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہ ہوگی جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح ۳۹۲ میں نہ آجائے۔ پھر اگر کہیں ایسا ہو کہ دوسرا خاوند اپنی مرضی سے خود بخود اس کو طلاق دے دے تو پہلے طلاق دینے والا ۳۹۳ مرد اور عورت از سرنو نکاح کرنا چاہیں تو ایک دوسرے کی طرف رغبت کرکے نکاح کرسکتے ہیں اس میں ان کو

ساتھ ختم کر دینا چاہئے تاکہ وہ نہ اپنی ذات پر ظلم کا باعث ہو اور نہ فریق ثانی یعنی بیوی کے لئے باعث ظلم بنے کیونکہ یہ کوئی ایسا حق نہیں جو اکیلے میاں کے ادا کرنے سے بھی ادا ہوتا رہے گا۔ فقط

طلاق مکمل کب ہوتی ہے؟

۳۹۱ تین طلاق کے بعد طلاق مکمل ہوگئی یعنی خاوند بیوی میں تفریق ہوگئی۔ اب یہ عورت اس وقت تک کے لئے اس پر حرام ہے جب تک کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح نہ کرے۔ پھر یا تو وہ مرجائے یا وہ بھی اس عورت کو طلاق دے دے اور طلاق مکمل ہو جائے ازیں بعد وہ عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف رجوع کرنا چاہے تو کرسکتی ہے بشرطیکہ پہلا خاوند اس کو دوبارہ قبول کرے تو نکاح ہوسکتا ہے۔ شریعت کے اعتبار سے تو یہی ایک صورت جواز نکاح تھی۔ مگر بعض ارباب حیل نے یہاں بھی خدع و فریب سے کام لیا بلکہ اکثر لیتے رہتے ہیں وہ حیلہ کی ایک صورت یہ پیدا کرتے ہیں کہ جب خاوند نے طلاق دے دی پھر اس کو اپنی حرکت پر ندامت ہوئی اور اس نے دوبارہ نکاح کی آرزو کی تو اس کی خاطر ایک شخص نے نکاح کرلیا اور اس کے بعد اسے طلاق دے دی تاکہ اس طرح وہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکے۔ مگر تمام عالم اسلام کے علمائے حق اس امر پر متفق ہیں کہ یہ نکاح حرام و ناجائز ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا کرنے والے پر "لعنت" یعنی اللہ کی رحمت سے دوری ارشاد فرمائی ہے۔

حلالہ نکالنے اور نکلوانے والے ملعون ہیں

۳۹۲ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم عن المحلل فقال لا الا النکاح رغبة لا نکاح دلسة ولا استهزاء بکتاب اللّٰه ثم یذوق العسیلته
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محلل کی نسبت سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا نہیں نکاح رغبت اور شوق سے ہونا ضروری ہے۔ اس میں فریب اور اللہ کی کتاب کے ساتھ استہزاء و تمسخر نہ ہو۔ نکاح میں ضروری ہے کہ خاوند اور بیوی باہم متمتع ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب کوئی میرے پاس حلالہ کرنے والا یا وہ جس کے لئے تحلیل کی گئی لایا گیا تو میں دونوں کو سنگسار کروں گا۔" اور اس طرح سلیمان بن یسار کہتے ہیں "حضرت عثمان کے پاس ایک مرد لایا گیا جس نے ایک عورت سے صرف اس لئے شادی کی تھی کہ اس کو پہلے شوہر کے لئے حلال کر دے۔ آپ نے ان دونوں میں تفریق کرا دی اور فرمایا کہ یہ صرف اس نکاح کے ذریعے اس کی طرف لوٹ سکتی ہے جس میں رغبت ہو نہ کہ فریب کاری۔" اور اس طرح کے الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے محلل اور محلل لہ کو ملعون فرمایا ہے۔
حضرت حسن بصری کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی "میری قوم میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر وہ دونوں اس بات پر نادم ہوئے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس عورت سے نکاح کر لوں اور اس کا مہر ادا کر دوں اور پھر جس طرح شوہر اپنی بی بی کے پاس جاتا ہے جاؤں اور اس کے بعد اسے طلاق دے دوں تاکہ وہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہو جائے۔" حسن بصری نے جواب دیا کہ اے نوجوان! اللہ سے ڈر اور اس کی حدود کے لئے آگ کا ایندھن نہ بن۔

پھر یہ کسی فرد واحد کی رائے نہیں کہ نکاح تحلیل حرام و ناجائز ہے بلکہ سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، عطا بن ابی رباح، ابو شعثاء جابر بن یزید۔ شعبی، قتادہ، بکر بن عبداللہ المزنی، مالک بن انس اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، سلیمان بن داؤد الہاشمی، ابو خیثمہ، زہیر بن حرب، ابو بکر بن شیبہ اور ابو اسحاق الجوزجانی جیسے اساطین امت و ائمہ اعلام اس کے عدم جواز پر متفق ہیں۔

رکاوٹ کیوں ڈالی گئی اور نتیجہ کیا رہا؟

۵۳۹۳ یہ رکاوٹ تو اس لئے پیدا کی گئی تھی کہ تیسری طلاق سوچ سمجھ کر دی جائے حلالہ کی یہ صورت تو بے حیائی، بے غیرتی اور بد اخلاقی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ ایک شخص اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیتا ہے اور وہ دوسرے مرد سے نکاح کرتی ہے مگر مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سے طلاق لے کر پھر پہلے خاوند کے پاس جائے۔ نکاح کی غرض تو یہ تھی کہ خاوند اور بیوی ہمیشہ مل کر رہیں اور کبھی ان میں افتراق نہ ہو لیکن یہ بدبخت اس مقصد اصلی کو فنا کر چکے۔ اب صرف قانون کی ظاہری صورت کے پابند بننا چاہتے ہیں بلکہ اگر موجودہ خاوند اور بیوی میں اتحاد ہو گیا تو پہلے خاوند کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان میں لڑائی کرانے کی فکر میں لگ جائے۔ ہاں! اگر اتفاق سے موافقت نہ ہو سکی طلاق تک نوبت آ گئی۔ پھر طلاق ہو ہی گئی اور عدت گزر گئی ادھر پہلے خاوند نے

Marfat.com

اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا
لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں کو توقع ہو کہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں پر قائم رہ سکیں گے اور یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لئے جو حقیقت حال کا علم رکھتے ہیں واضح کر دیتا ہے۔ ۲۳۰

اور جب ایسا ہو کہ تم اپنی عورتوں کو طلاق ۳۹۴ دے دو اور ان کی مدت عدت پوری

بھی نکاح کا شوق ظاہر کیا تو شریعت کی جانب سے مخالفت نہیں ان حدود الٰہی کو توڑنا مناسب نہیں ورنہ بے حیائی کا مرض پیدا ہو جائے گا جس کا کوئی حل باقی نہ رہے گا۔ اور قانون الٰہی کے ساتھ مذاق و استہزاء کی سزا الگ ملے گی۔

ایک یا دو طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے

۳۹۴ ظاہر ہے کہ اس طلاق سے طلاق رجعی ہی ہو سکتی جو ایک بار دی گئی ہو یا زیادہ سے زیادہ دو بار دی گئی ہو جو ابھی قطعی نہیں ہوئی اور خاوند کو رجوع کا حق ہے اور زمانہ عدت ختم ہونے پر ہو لیکن مکمل طور پر ختم نہ ہو چکا ہو۔ اس بات کی تاکید مزید کہ اگر رجوع کرنا ہو تو بہتر ورنہ دستور کے مطابق شریفانہ طور پر اس بیوی کو الگ کر دو اور یاد رہے کہ بے زبان عورت کو صرف تکلیف و مصیبت میں ڈالنے کی غرض سے گھر میں ہر وقت بند نہ رکھنا کیونکہ اس اختلاف کی صورت میں تمہیں بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ گھر میں ہر وقت جنگ رہے گی۔ عورت تمہاری عزت کا مطلق خیال نہ رکھے گی۔ تمہیں ہر وقت اس کی غلامی کرنی پڑے گی۔ وہ اپنی اولاد کو تمہاری نافرمانی کی تعلیم دے گی۔ اور اس کو بد اخلاق بنانے کی کوشش کرے گی۔ پس جو شخص اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے وہ حقیقت میں خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اور ایسا کرنا قانون الٰہی سے تمسخر و استہزاء کرنا ہے۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ اللہ کا قانون اپنے محل اصلی پر استعمال ہو۔ عورت تمہاری نگرانی میں رکھی گئی ہے۔ خانہ داری کے لئے ایک دستور العمل نوازش کیا گیا جس کے اصول اساسی تمہارے ذہن نشین کرا دیئے گئے۔ ان اعلیٰ ترین نعمتوں کی قدر یہی ہے کہ ان سے عبرت اندوز ہو کر تذکیر و موعظت پیدا کرو۔ اگر تم نے اس قانون کو بے جا طریق پر استعمال کیا اور اس میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دیں کہ حکومت بھی مواخذہ نہ کر سکے تو یاد رہے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے تمہارا دجل و فریب اس پر مخفی نہیں رہ سکتا۔

Marfat.com

أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ
بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن
يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ
هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ
الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ
اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۲۳۱ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ

ع ۱۳

ہونے کو آئے تو پھر یا تو رجوع کر کے انہیں ٹھیک طریقے سے روک لو یا تیسری طلاق دے کر ٹھیک طریقے سے جانے دو ایسا نہ کرو کہ انہیں نقصان پہنچانے کے لئے روکے رکھو تاکہ ان پر جور و ستم کرو۔ اور خوب یاد رکھو جو کوئی ایسا کرے گا تو اپنے ہاتھوں خود اپنا ہی نقصان کرے گا اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ اللہ کے حکموں کو ہنسی کھیل بنا لو۔ اللہ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو اس نے کتاب و حکمت میں سے جو کچھ نازل کیا ہے اور اس کے ذریعے تم کو نصیحت کرتا ہے اسے مت بھولو اور اللہ سے ڈرو اور یقین کرو کہ اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں۔ ۲۳۱

اور جب[۳۹۵] تم نے عورتوں کو طلاق دے دی اور وہ اپنی مدت عدت پوری کر چکیں تو

ایک طلاق یا دو طلاقوں کے بعد عدت پوری کر کے عورت نکاح ثانی کر سکتی ہے

۳۹۵ اگر عورت کو ایک یا دو طلاقیں دیں لیکن عدت کا زمانہ گزر گیا اور خاوند نے رجوع نہیں کیا تو اب وہ اپنا نکاح ثانی کرنے میں بالکل آزاد ہے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ خواہ پہلے شوہر سے کرے خواہ کسی

Marfat.com

اور شخص سے۔ دونوں صورتوں میں کوئی شخص اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ اس لئے فرمایا گیا کہ بعض اوقات خود پہلا خاوند ہی طلاق دینے کے بعد بلکہ اس کی عدت گزرنے کے بعد اس عورت کو کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے روکتا ہے کیونکہ وہ اسے ذلت خیال کرتا ہے اور کبھی اس عورت کے رشتہ دار ہی سد راہ بن جاتے ہیں۔ اس آیت میں ان دونوں فریقوں کو روک دیا گیا ہے۔ انہیں تو اپنی عزت بچانے کی فکر ہے اور یہ خیال نہیں آتا کہ اگر وہ نکاح نہ کر سکی تو ممکن ہے اس سے زیادہ خرابیوں کی مرتکب ہو۔ گویا اس آیت سے حسب ذیل مسائل واضح ہوتے ہیں جن کا ذکر کرنا بھی ضروری خیال کرتا ہوں تاکہ بات ذہن نشین ہو جائے۔

۱۔ عورت جس سے نکاح کا ارادہ کرے وہ غیر کفونہ ہو۔ مہر مثل سے کم مقرر نہ ہو۔ ورنہ عورت کے ولی کو روکنے کا حق ہوگا۔ اگر وہ نکاح کرے گی تو عدالت اسی کو فسخ کر سکے گی۔

۲۔ عورت اگر شرعی گواہوں کے بغیر نکاح کرنے لگے۔ نابالغہ بغیر ولی کے نکاح کرے یا ایسے شخص سے ازدواج کی تجویز کی گئی ہو جس سے نکاح حرام ہے تو یہ تمام صورتیں باطل ہوں گی۔

۳۔ شوہر اول سے نکاح کے جواز کی صورت اس وجہ سے نکل آئی کہ اس نے تین طلاق نہ دی تھیں بلکہ طلاق ایک یا دو ہی ہوئی تھیں لیکن عورت عدت میں رجوع نہ کرنے کی وجہ سے آزاد ہوگئی کہ چاہے جہاں نکاح کرے کر سکتی ہے۔ اب پہلے خاوند کو روکنے کا حق تو نہ رہا لیکن اگر دونوں خوش ہوں کہ وقت چل سکتا ہے تو دونوں کی رضامندی سے نکاح دوبارہ ہو سکتا ہے۔ گویا جس طرح عورت دوسرے مردوں سے نکاح کرنے کی مجاز ہے کہ جہاں چاہے نکاح کرے ایسے ہی اس سے بھی نکاح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

۴۔ اگر تین طلاقیں دی جائیں تو اب اس مرد سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ پھر وہ مر جائے یا اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو پھر ان کی رضامندی نکاح کی ہو جائے یہ دوسری بات ہے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا۔

اس آیت کا شان نزول بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت معقل بن یسارؓ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کر دی تھی کچھ مدت کے بعد اس نے طلاق دے دی اور پھر عدت بھی گزر چکی لیکن رجوع نہ کیا۔ اس کے بعد یہ شخص اپنے فعل پر پشیمان ہوا اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کر لے۔ اس کی بیوی یعنی معقل بن یسار کی بہن بھی آمادہ ہوگئی لیکن جب اس شخص نے معقل سے اس کا ذکر کیا تو چونکہ ان کو طلاق دینے پر غصہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارا اعزاز کیا کہ اپنی بہن تمہارے نکاح میں دے دی تم نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دے دی۔ اب پھر تم میرے پاس آئے ہو کہ دوبارہ نکاح کر دوں۔ خدا کی قسم اب میں تمہارے نکاح میں نہ لوٹاؤں گا۔

اس طرح ایک واقعہ جابر بن عبداللہ کی چچا زاد بہن کا پیش آیا تھا۔ ان واقعات پر آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں معقل اور جابر کے اس رویہ کو ناپسند و ناجائز قرار دیا گیا۔

Marfat.com

صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ اور دین اسلام کے سچے شیدائی تھے آیت کریمہ کے سنتے ہی جابر بن عبداللہ اور معقل بن یسار کا سارا غصہ فرو ہوگیا اور خود جا کر ان شخصوں سے اپنی اپنی بہنوں کا دوبارہ نکاح کر دیا اور اپنی اپنی قسموں کا کفارہ بھی ادا کیا۔

پھر غور کرو کہ آیت کریمہ کا دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ "ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ" یعنی ان احکام کی پابندی تمہارے لئے پاکیزگی اور صفائی کا ذریعہ ہے۔ اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ ان کی خلاف ورزی کا نتیجہ گناہوں کی غلاظت میں آلودگی اور فتنہ و فساد ہے کیونکہ عاقلہ بالغہ جو ان لڑکیوں کو مطلقاً نکاح سے روکا گیا تو ایک طرف ان پر ظلم اور ان کی حق تلفی ہے اور دوسری طرف ان کی عفت و عصمت کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ تیسرے اگر خدانخواستہ وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں تو اس کا وبال ان لوگوں پر بھی پڑے گا جنہوں نے ان کو نکاح سے روکا اور وبال آخرت سے پہلے ان کا عمل دنیا ہی میں وبال بن جائے گا۔ اور اگر مطلقاً تو نکاح سے نہ روکا مگر ان کی پسند کے خلاف دوسرے شخص سے نکاح پر مجبور کیا گیا تو اس کا نتیجہ بھی دائمی مخالفت اور فتنہ و فساد یا طلاق و خلع ہی ہوگا۔ جس کے ناگوار اثرات ظاہر ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ان کو ان کے تجویز کئے ہوئے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔ یہی تمہارے لئے پاکیزگی اور صفائی کا ذریعہ ہے۔

پھر تیسرا جملہ فرمایا کہ "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس اشارہ کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ مطلقہ عورتوں کو نکاح سے روکتے ہیں وہ اپنے نزدیک اس میں مصالح اور فوائد سوچتے ہیں مثلاً اپنی عزت و غیرت کا تخیل کہ ان کی شادی کے بدلے کچھ مالی منفعت حاصل کی جائے اس شیطانی تلبیس اور بے جا مصلحت اندیشی کے ازالہ کے لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور فائدوں سے خوب واقف ہے ان کی رعایت کر کے ہی احکام دیتا ہے اور تم چونکہ حقائق امور اور معاملات کے انجام سے بے خبر ہو اس لئے اپنے ناتمام غور و فکر اور ناقص رائے سے کبھی ایسی چیزوں کو مصلحت اور فائدہ سمجھ لیتے ہو جس میں تمہاری ہلاکت و بربادی ہے تم جس عزت و غیرت کو تھامتے پھرتے ہو اگر مطلقہ عورتیں بے قابو ہوگئیں تو سب عزت خاک میں مل جائے گی اور مالی منافع کے ناجائز تصورات ممکن ہے کہ تمہیں ایسے فتنوں اور جھگڑوں میں مبتلا کر دیں جن میں مال کے ساتھ جان کا بھی خطرہ ہو جائے۔

اس اسلوب قرآن اور اس کے مخصوص انداز بیان سے ایک دور رس اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کو دیکھنے سننے کے بعد انسان اس قانون کی پابندی صرف اس بنا پر نہیں کرتا کہ اگر خلاف کرے گا تو دنیا میں اس کو کوئی سزا مل جائے گی بلکہ دنیا کی سزا سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور آخرت کی سزا کی فکر ہوتی ہے اور اسی فکر کی بناء پر اس کا ظاہر و باطن خفیہ اور علانیہ برابر ہو جاتا ہے۔ وہ کسی ایسی جگہ میں بھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا جہاں کسی ظاہری یا خفیہ پولیس کی بھی رسائی نہ ہو کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر اور ذرہ ذرہ سے باخبر ہے یہی سبب ہے کہ قرآنی تعلیم نے جو انسانی معاشرہ تیار کیا تھا ہر مسلمان اس کی

Marfat.com

اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ
اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى
لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ ۲۳۲
وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ

اگر وہ دوبارہ ازدواجی زندگی بحال کرنے کے لئے مناسب طریقہ سے نکاح ثانی کرنا چاہیں اور دونوں فریق آپس میں رضامند ہو جائیں تو اس سے انہیں مت روکو۔ تم میں سے ہر اس انسان کو جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس حکم کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے۔ اس بات میں تمہارے لئے زیادہ برکت اور زیادہ پاکیزگی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ۲۳۲

اور ماؤں کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو کامل دو برس[۳۹۶] تک دودھ پلائیں بشرطیکہ بچہ کا

پابندی کو اپنا مقصد حیات تصور کرتا تھا۔

نظام قرآنی کا یہی امتیاز ہے کہ اس میں ایک طرف قانون کی حدود و قیود کا ذکر ہے کہ قانونی حدود و قیود اس کے لئے ایک طبعی چیز بن جاتی ہے جس کے سامنے وہ اپنے جذبات اور تمام نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ دنیا کی حکومتوں اور قوموں کی تاریخ ان میں جرم و سزا کے واقعات پر ذرا گہری نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ نرے قانون سے کبھی کسی قوم یا فرد کی اصلاح نہیں ہوئی محض پولیس اور فوج سے کبھی جرائم کا انسداد نہیں ہوا جب تک قانون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خوف و عظمت کا سکہ اس کے قلب پر نہ بیٹھے جرائم سے روکنے والی چیز دراصل خوف خدا اور خوف حساب آخرت ہے یہ نہ ہو تو کوئی شخص کسی سے جرائم کو چھڑا نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک میں بھی جرائم کثرت سے موجود ہیں۔

Marfat.com

اَرَادَ اَنۡ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الۡمَوۡلُوۡدِ لَهٗ رِزۡقُهُنَّ وَ كِسۡوَتُهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفۡسٌ

باپ بھی چاہے کہ وہ دودھ کی مدت پوری کریں۔ اور جس کا بچہ ہے اس پر لازم ہے کہ ان کے کھانے کپڑے کا مناسب انتظام کرے اور یاد رہے کہ کسی شخص پر اس کی

دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری ہے

۳۹۶ دودھ پلانا دیانۃ ماں کے ذمہ لازم و ضروری ہے۔ بلاعذر کسی ضد یا ناراضگی کے سبب ماں اگر دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی نیز یہ بھی کہ وہ دودھ پلانے پر شوہر سے کوئی اجرت و معاوضہ نہیں لے سکتی۔ اس لئے کہ یہ اس کا اپنا فرض اور ذمہ داری ہے۔

دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے۔ اس زمانہ میں خاوند اپنی حیثیت کے مطابق تمام مصارف برداشت کرے گا۔ دودھ کی مدت پورے دو سال ہے اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو بچے کا گویا یہ حق ہے کہ اس کی مدت رضاعت پوری کی جائے۔ لیکن بعض نے دودھ کی مدت ڈھائی سال تک بھی بیان کی ہے کہ اجازت ہے کہ اگر کوئی ماں اپنے بچے یا بچی کو اڑھائی سال تک دودھ پلانا چاہے تو پلا سکتی ہے لیکن جس آیت سے انہوں نے استدلال کیا ہے وہ استدلال صحیح نہیں ہے اگرچہ بچہ کی کمزوری کے باعث مدت اڑھائی سال کرنا ممکن بھی ہو۔ جس آیت سے استدلال کیا گیا ہے وہ یہ ہے فرمایا :

وَحَمۡلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (۴۶ : ۱۵) کیونکہ اس میں واضح لفظ حملہ بھی موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حمل و رضاعت دونوں کی مدت گویا تیس ماہ ہوئی اور خاص خاص حالتوں میں بچہ چھ ماہ کا بھی وضع ہو جاتا ہے اس لئے چھ ماہ تو وہ اس مدت سے نکل گئے اور باقی وہی دو سال رہ گئے۔ اڑھائی تو تب ہوئے جب اس آیت میں "حملہ" کا لفظ کم از کم نہ ہوتا۔

ہاں اس کی بھی وضاحت ہوگئی کہ اگرچہ دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے اور یہ ذمہ داری جس وقت تک بچے کی ماں' بچے کے باپ کے نکاح میں یا عدت میں ہے اس وقت تک ہے اور طلاق اور عدت پوری ہونے کے بعد نفقہ زوجیت تو ختم ہو جائے گا مگر بچہ کے دودھ پلانے کا معاوضہ دینا باپ کے ذمہ لازم ہو جائے گا اور پوری مدت لازم رہے گا۔

ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ نفقہ باپ کی حیثیت کے مطابق ہوگا وہ اگر غریب ہے تو غریبانہ اور امیر

Marfat.com

إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ
بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا
عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ
أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوٓا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا

وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے' نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے اور اگر باپ کا اسی اثناء میں انتقال ہو جائے تو بچے کے وارث پر بھی اسی طرح کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اگر ماں باپ آپس کی رضامندی[۳۹۷] اور صلاح مشورہ سے قبل از مدت دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے پر بھی ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا' اور اگر تم چاہو' اپنے بچوں کو ماں کے علاوہ کسی دوسری[۳۹۸] عورت سے

ہے تو امیرانہ لیکن اس کا فیصلہ رضامندی سے کرنا ہوگا خواہ خود ہی رضامند ہو جائیں یا بذریعہ عدالت یا پنچائیت۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ عورت اگر مال دار گھرانے کی ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق دیکھا جائے بلکہ یہ والد کی حیثیت کے مطابق فیصلہ ہوگا۔

"وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِکَ" کے الفاظ نے یہ بھی بتا دیا کہ اگر بچہ یتیم ہو جائے تو بچے کو دودھ پلانے یا پلوانے کی ذمہ داری اس شخص پر لازم ہے جو بچہ کا جائز وارث ہو۔

ماں باپ مشورہ کر کے اتفاق رائے سے بچے کو دودھ پلانے کی مدت کم کر سکتے ہیں

۳۹۷ اگر بچے کے ماں باپ دونوں آپس کی رضامندی سے چاہیں تو باہمی مشورہ سے شیر خوارگی کی مدت کو دو سال سے کم بھی کر سکتے ہیں خواہ ماں کی معذوری کے سبب یا بچے کی کسی بیماری کے سبب یا بچے کے باپ کی کسی ضرورت کے پیش نظر۔ آپس کے مشورے اور رضامندی کی شرط اس لئے لگائی کہ دودھ چھڑانے میں بچے کی مصلحت پیش نظر ہونی چاہئے اور اگر کوئی دوسری ضرورت لاحق ہو تب بھی بچے کی نگہداشت تو تب ہی ممکن ہے جب دونوں کے مشورہ سے بات طے پائے گی۔ اگر ماں دودھ پلانے کا ارادہ رکھتی ہو تو باپ اس پر

Marfat.com

سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ ۲۳۳ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ
مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ

دودھ پلواؤ تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ انہیں دودھ پلوائی کا دینا مقرر کیا تھا دستور کے مطابق ان کو دیتے رہو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظریں اسے دیکھ رہی ہیں' یعنی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۲۳۴ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو انہیں چاہئے کہ چار مہینے ۳۹۹ دس دن تک عدت وفات میں اپنے آپ کو روکے رکھیں پھر جب وہ

سختی نہ کرے اور ماں کے پیش نظر کوئی مصلحت دودھ چھڑانا ہو تو باپ بلاوجہ اس کو تنگ نہ کرے۔ آپس میں لڑائی جھگڑا کر کے بچہ کو تختہ مشق نہ بناؤ۔

ماں کے سوا دوسری عورت کا دودھ پلوانے کے شرعی احکام

۳۹۸ اگر تم چاہو اپنے بچے کو ماں کے دودھ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پلواؤ تو پلوا سکتے ہو جب کہ ان احکام کی پابندی کی جائے جو اس پر عائد ہوتے ہیں۔ یعنی اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی مصلحت سے ماں کی بجائے کسی انا کا دودھ پلواؤ تو اس میں بھی کچھ گناہ نہیں۔ شرط یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کی جو اجرت مقرر کی گئی وہ پوری پوری ادا کر دیں اور اگر اس کی مقررہ اجرت نہ دی گئی تو گناہ باپ پر ہوگا کیونکہ وہ ہی دوسری جگہ سے دودھ پلوانے کا انتظام کرے گا اور اسی پر لازم ہے۔

معلوم ہوا کہ ماں دودھ پلانے پر راضی ہے لیکن باپ یہ دیکھتا ہے کہ ماں کا دودھ اب بچے کے لئے مضر ہے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتا ہے یا اس کو کوئی نفسانی چیز مجبور کرتی ہے کہ ماں دودھ نہ پلائے تو وہ ماں کو دودھ پلانے سے روک سکتا ہے۔ پھر یہ کہ جس عورت کو اس خدمت کے لئے رکھا جائے اس سے پوری

Marfat.com

عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم

یہ مدت پوری کرلیں تو وہ جو کچھ جائز طریقے پر اپنے لئے کریں اس کے لئے تمہارے سر کوئی الزام نہیں اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔ ۲۳۴

اور جن بیوہ[۴۰۰] عورتوں سے تم نکاح کرنا چاہو تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں کہ اگر

وضاحت معاملہ تنخواہ وغیرہ طے کرلیا جائے تاکہ بعد میں کوئی بات جھگڑے کا باعث نہ ہو کیونکہ اس سے بچہ کی صحت پر بھی اثر پڑے گا اور وقت پر اجرت بہم بھی پہنچائے۔

اس سے یہ بات بھی نکل آتی ہے کہ اگر کسی عورت کا بندوبست نہ کیا جائے بلکہ کسی اور دودھ کا بندوبست کرلیا جائے جیسے بکری، گائے وغیرہ کا جس سے بچے کی صحت بحال رہے اور اس کی پرورش اچھے طریقے سے ہوتی رہے تو جائز اور درست ہے لیکن اس کے مصارف بھی باپ کے ذمہ لازم ہیں اس معاملہ مین جو قدم بھی اٹھایا جائے خوب سوچ سمجھ کر اٹھایا جائے کیونکہ بار بار دودھ تبدیل کرنے سے بچہ کی صحت متاثر ہونے کا خطرہ ضرور ہے۔

خاوند وفات پا جائے تو عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی

۳۹۹ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ طلاق والیوں کی عدت تین قروٗ، تین حیض یا تین مہینے تھی۔ اب ان عورتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کے خاوند وفات پا جائیں ان کی عدت چار مہینے دس دن ہے بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہوں۔ اگر حاملہ ہوں خواہ طلاق والیاں یا جن کے خاوند وفات پا جائیں تو پھر ان کی عدت وضع حمل ہوگی خواہ حمل عدت کے اندر وضع ہو جائے یا مدت عدت کے بعد۔ طلاق والیاں عدت کے دن اس گھر میں گزاریں جس میں ان کو طلاق ہوئی لیکن اگر ناچاقی زیادہ ہو جائے تو وہ اور بات ہے جن عورتوں کے خاوند وفات پا جائیں ان کی عدت اپنے خاوند ہی کے گھر میں پورا کرنا ضروری ہے اور خصوصاً رات کو کسی دوسرے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ زمانہ عدت میں خوشبو لگانا، بناؤ سنگھار کرنا، سرمہ، تیل، مہندی بلا ضرورت استعمال کرنا منع ہے۔ عدت پوری ہو جانے کے بعد ان کو نکاح ثانی کرنے کی اجازت ہے۔ جو چیزیں عدت کے دنوں میں منع تھیں ان کی ممانعت بھی اب باقی نہ رہی۔

مدت عدت کے اندر بات واضح ہو جائے کہ عورت حاملہ ہے خواہ وہ طلاق والی ہو یا خاوند وفات پا گیا ہو تو

Marfat.com

بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اشارے کنائے میں اپنا خیال ان تک پہنچا دو یا اپنے دل میں اس کا ارادہ پوشیدہ رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ فطری خیال تمہیں آئے گا لیکن ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ چوری چھپے نکاح کا وعدہ کر لو مگر یہ کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہی جائے تو وہ اور بات ہے۔ اور جب تک اللہ کی مقرر کردہ مدت یعنی عدت پوری نہ ہو جائے نکاح کا ارادہ پختہ نہ کرو اور یقین جانو جو کچھ تمہارے اندر پوشیدہ ہے اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے پس اس

عدت کی مدت تین ماہ سے بڑھ کر یا دوسری صورت میں چار مہینے دس دن سے بڑھ کر وضع حمل ہو جائے گی۔ مدت عدت گزرنے کے بعد عورت آزاد ہے اب اس کی مرضی ہے تو نکاح فوراً کر لے یا اگر میکے والے ہیں تو وہ ان کے پاس رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

دوران عدت عورت کو نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے

۵۰۰ عدت کے زمانہ میں صرف اشارۃً" عورت کو نکاح کا پیغام دیا جا سکتا ہے۔ عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا حرام ہے پیغام پہنچانا حرام نہیں لیکن اس بات کو دل میں بھی رکھا جا سکتا ہے تاکہ عدت ختم ہوتے ہی واضح پیغام بجھوا سکے۔ اور اشارۃً" پیغام پہنچانے میں یہ بھلائی رکھی گئی ہے کہ عورت بھی اپنے متعلق عدت کے دنوں ہی میں کوئی فیصلہ کر لے کہ اب اس کو کیا کرنا ہے لیکن عدت کے دوران کسی مرد کا عدت والی عورت سے یا عدت والی عورت کا کسی مرد سے قول و قرار کرنا جائز نہیں۔ اشارۃً" پیغام پہنچانا اور قول و قرار کرنے میں

Marfat.com

اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۲۳۵ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِیْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ ۲۳۶

سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور بہت ہی بردبار ہے۔ ۲۳۵
اور اگر بغیر[۱۴۰] اس کے کہ تم نے بیوی کو ہاتھ لگایا ہو اور اس کے لئے جو کچھ مقرر کرنا تھا۔ مقرر کیا ہو یعنی حق مہر، طلاق دے دو تو اس پر بھی تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ ایسی صورت میں بھی اسے فائدہ پہنچاؤ ایسا فائدہ جو دستور کے مطابق پہنچایا جائے۔ مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق دے، تنگ دست اپنی حالت کے مطابق، نیک کردار آدمیوں کے لئے ضروری ہے کہ ایسا کریں۔ ۲۳۶

جو فرق ہے وہ سب پر واضح ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کے دل کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے چوری چھپے عدت والی عورت سے وعدہ وعید مناسب نہیں کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد کا دروازہ کھل سکتا ہے اللہ تعالیٰ تو اصلاح پسند ہے افساد پسند نہیں۔ وعدے کرنا اور وہ بھی چھپ چھپا کر اس میں افساد کا پہلو نمایاں ہے۔

نکاح کیا لیکن مہر مقرر نہیں کیا پھر خلوت صحیحہ بھی نہ ہوئی کہ طلاق کی نوبت آ گئی؟

۱۴۰ نکاح کے وقت مہر مقرر نہ ہوا ہو تو بھی نکاح صحیح ہے لیکن ایسی عورت کو اگر صحبت اور خلوت صحیحہ سے قبل ہی طلاق دے دی تو مہر کیا ہو گا؟ مہر کچھ بھی ادا نہیں کرنا ہو گا۔ لیکن یہ تو ایک قانونی صورت ہوئی کہ کچھ ادا نہ کرنا پڑا۔ اخلاق بھی تو آخر کوئی چیز ہے؟ اخلاقی لحاظ سے ضروری ہے کہ مرد جس نے نکاح کیا تھا اپنی حیثیت کے مطابق عورت سے نیک سلوک کرے اور کچھ نہ کچھ اس کو دے دے اور نہیں تو کپڑوں کو جوڑا ہی سہی۔ اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق جو کچھ زیادہ سے زیادہ کرو گے وہ تمہارے حق میں نیکی لکھی جائے گی اور

Marfat.com

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ
فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ
يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ
تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ

اور اگر ایسا ہو[۴۰۲] کہ تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور جو کچھ مقرر کرنا تھا مقرر کر چکے ہو یعنی مہر تو ایسی صورت میں مقررہ مہر کا آدھا دینا چاہئے ہاں یہ کہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد جس کے ہاتھ میں معاہدہ نکاح ہے درگزر کرتے ہوئے پورا حق مہر ادا کر دے البتہ اگر تم مرد ہی درگزر کرو گے تو یہ زیادہ پرہیزگاری کی بات ہوگی۔ دیکھو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان اور بھلائی کرنا نہ بھولو اور یقین

تمہارے کردار کی بلندی معلوم ہو جائے گی کہ تم کتنے بلند کردار ہو۔

نکاح کیا مہر بھی مقرر ہو گیا لیکن صحبت میسر نہ آئی کہ طلاق کی نوبت آ گئی؟

۴۰۲: ایک صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت مہر معین ہو چکا تھا لیکن خاوند نے بغیر صحبت یا بغیر خلوت صحیحہ کے اس کو طلاق دے دی۔ تو اب خاوند کے ذمہ نصف مہر ادا کرنا واجب ہوگا۔ ہاں! اگر عورت خود ہی مہر لینا پسند نہیں کرتی یعنی نصف مہر جو اس کا شرعی حق تھا قبول نہیں کرتی یا چھوڑ دیتی ہے تو یہ دوسری بات ہے۔ یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ نکاح کرنے والا جس نے بغیر خلوت صحیحہ کے طلاق دی ہے وہ نصف مہر ادا کرنے کی بجائے سارا مہر ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں بلکہ یہ صورت اس سے زیادہ بہتر ہے کہ عورت اپنا حق معاف کرے مرد ہی کو معاف کر دینا چاہئے اور مکمل مہر ادا کر دینا مناسب ہے چنانچہ آخر میں ارشاد الٰہی بھی خاوند ہی کو مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تو عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے پورا مہر ادا کر دے تو یہ طہارت و تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اس سے وہ فضیلت جو مرد کو عورت پر دی گئی ہے اس کی روح بھی برقرار رہتی ہے اور یہ احسان و مروت اور ایک اچھا طرز عمل انشاء اللہ اچھے نتائج ہی پیدا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۲۳۷ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۲۳۸ فَإِنْ خِفْتُمْ

کرو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کی نظر سے مخفی نہیں ہے۔ ۲۳۷

اور اپنی نمازوں [۴۰۳] کی حفاظت میں کوشاں رہو خصوصاً ایسی نماز کی جو وسطیٰ [۴۰۴] ہے اور اللہ کے حضور اس طرح کھڑے ہو کہ ادب و نیاز میں ڈوبے ہوئے ہو۔ ۲۳۸

انسانوں کے اعمال کو بھی دیکھتا ہے اور ان کی نیتوں کو بھی خوب اچھی طرح جانتا ہے۔

"جس کے ہاتھ میں معاہدہ نکاح ہے" کے الفاظ نے یہ بات واضح کر دی کہ معاہدہ نکاح کا مالک خاوند ہے لہٰذا طلاق بھی وہی دے سکتا ہے۔ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہاں! طلاق لینے کا حق یا اختیار ہونا دوسری بات ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

مسائل طلاق جاری تھے کہ اچانک نماز کا ذکر چھیڑ دیا کیوں؟

۴۰۳ گزشتہ آیات میں نکاح و طلاق کے مسائل بیان کئے گئے ممکن تھا کہ بعض لوگ دنیاوی مسائل خیال کر کے ان کی پابندی نہ کرتے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے فوراً نماز کی محافظت کا حکم دے دیا اور بتا دیا کہ نکاح و طلاق اور نماز کے احکام میں فرق کرنا ٹھیک نہیں بلکہ جس طرح نماز کی محافظت اور اس کے اوقات و ارکان کا خیال رکھنا ضروری ہے ایسے ہی ان مسائل کا بھی لحاظ کرنا لازم و ضروری ہے جس طرح وہ دین اسلام کا ایک رکن ہے بالکل اسی طرح یہ احکام بھی دین اسلام کا حصہ ہیں۔ جس طرح ان کی ادائیگی فرائض و واجبات اور سنن کی صورت میں ہے اسی طرح ان مسائل میں بھی فرائض و واجبات اور سنن کا درجہ موجود ہے۔ یاد رہے کہ اس روح اور حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

نماز وسطیٰ کونسی نماز ہے اور اس کی خصوصاً تاکید کیوں؟

۴۰۴ اصل میں لفظ "صلوٰۃ الوسطیٰ" استعمال ہوا ہے اور "وسطیٰ" کے معنی بیچ والی چیز کے بھی ہیں اور ایسی چیز کے بھی جو اعلیٰ اور اشرف ہو۔ اس لئے صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد بیچ کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور ایسی نماز بھی جو صحیح وقت پر پورے خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ پڑھی جائے اور جس میں نماز کی تمام خوبیاں موجود ہوں پھر بعد کا فقرہ خود اس کی تشریح کر رہا ہے کہ "اللہ کے حضور اس طرح کھڑے ہو کہ ادب و نیاز میں ڈوبے ہوئے ہو۔" وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ۔

Marfat.com

فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

پھر اگر ایسا ہو کہ تمہیں دشمن کا خوف ہو اور مقررہ[۴۰۵] صورت میں نماز نہ ادا کر سکو تو پیدل ہو یا سوار جس حالت میں ہو اور جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لو۔ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو چاہئے کہ اسی طریقے سے اللہ کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں

اس نماز سے مراد بعض مفسرین نے صبح کی نماز لی ہے بعض نے ظہر کی' بعض نے مغرب اور بعض نے عشاء کی اور سب سے زیادہ اقوال نماز عصر کے حق میں ہیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس نماز یعنی نماز عصر کو صلوٰۃ وسطیٰ قرار دیا ہے لیکن جس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ صرف ایک استدلال کی حد تک ہی کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ کے ارشاد سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ صراحت اس میں موجود نہیں۔

نماز عصر مراد لینے والوں نے ایک یہ استدلال بھی قائم کیا ہے کہ "بیچ والی نماز" مراد ہے اور وہ عصر ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں یعنی فجر اور ظہر اور دوسری طرف دو نمازیں رات کی ہیں یعنی مغرب اور عشاء۔

پھر یہ بھی استدلال کیا ہے کہ اس کی تاکید دوبارہ اس لئے کی گئی ہے کہ اکثر لوگوں کے لئے یہ وقت کام کاج کی مصروفیت کا ہوتا ہے کیونکہ آگے دن غروب ہو رہا ہے اور ہر ایک کو اپنے کام کی تکمیل کے لئے بھاگ دوڑ اور جلدی ہے پھر مشاہدہ بھی ہے کہ یہی نماز ہے جو اکثر لوگ زیادہ ہی لیٹ کر کے پڑھتے ہیں حالانکہ نماز اول وقت پڑھنے کی تاکید احادیث میں روز روشن کی طرح واضح ہے۔

دشمن کا خوف دامن گیر ہو تو بھی نماز ادا کرنا ہوگی ہاں! اس کی صورت کچھ بدل جائے گی

۴۰۵ عام طریقہ نماز جو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں کے مطابق نماز باجماعت دشمن کے خوف کی وجہ سے ادا نہ کی جا سکے تو اس کی صورت بدل سکتی ہے جیسا کہ نماز خوف کے بیان میں وضاحت موجود ہے گویا اسلام کی یہ روزانہ پنج وقتہ پریڈ یا دربار الٰہی میں حاضری اس درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ وہ بالکل معاف تو عین حالت جنگ میں بھی نہیں ہوتی۔ نماز کی محافظت کا حکم بہرحال قطعی اور دائمی ہے۔ ترک نماز کی اجازت اس خطرہ کے حال میں بھی نہیں البتہ رعایت ماحول کی پوری گنجائش دوسرے موقعوں کی طرح اس محل میں بھی رکھ دی گئی ہے۔ ہاں! نماز خوف کے لئے جو رعایت رکھی گئی ہے اس سے فائدہ حالت خوف ہی میں اٹھانا چاہئے۔ جب خوف جاتا رہے اور امن ہو جائے تو اب نمازوں کو قاعدوں کے موافق ادا کرنا ہی ضروری ہے۔ وہ طریقہ نماز جو تم کو سکھایا' بتایا اور سمجھایا گیا ہے تم کو خود بخود معلوم نہیں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کو بڑے ادب و احترام

Marfat.com

عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۲۳۹ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ

مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۚ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم

سکھلایا ہے جو تمہیں پہلے معلوم نہ تھا یعنی مقررہ صورت میں نماز ادا کرو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے طریقے کے مطابق ہے۔ ۲۳۹

اور جو ۴۰۶ لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیوہ عورتیں چھوڑ جائیں

اور سکون و اطمینان سے ادا کرو کہ اب تم امن و سکون میں ہو چکے ہو۔

بیوہ عورتوں کے لئے عدت کے علاوہ بھی مزید رعایت رکھی گئی ہے

۴۰۶ ایام جاہلیت میں دستور تھا کہ جس عورت کا خاوند مرجائے وہ ایک سال تک دوسری شادی نہ کرے گویا اس کی یہ مدت عدت تھی۔ اسلام نے اس دستور کی اصلاح کی اور چار ماہ دس روز عدت کے لئے ضروری قرار دیئے گئے اور باقی کو ختم کر دیا گیا۔ ہاں! خاوند اگر مرتے وقت وصیت کر جائے کہ اس بیچاری کو عدت کے گزرتے ہی گھر سے نکال نہ دینا بلکہ ایک سال تک اس کے قیام و طعام کا بندوبست کر دینا یہ تم پر لازم ہے تو یہ اور بات ہے۔ لیکن اگر وہ خود بخود جانا چاہے اور عدت کے دن پورے کر کے نکاح ثانی کر لے یا کسی دوسری جگہ رہنا چاہے تو آپ بھی اس کو مجبور نہ کریں۔ کیونکہ یہ وصیت عورت کی خیر خواہی میں ہے۔

عام مفسرین کا خیال ہے کہ ایک سال تک گھر میں عورت کو رکھنے اور سامان دینے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اس لئے کہ اب مدت عدت ایک سال کی بجائے چار مہینے دس دن اللہ نے مقرر کر دی ہے۔ جس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے لئے ایک سال کے مصارف کی وصیت کرے اور سورہ نساء میں بیوی کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے اس لئے بھی وصیت کا حق اب منسوخ ہو گیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں یعنی مفسرین کا یہ بیان قرآن کریم کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔

ا۔ اس آیت میں وصیت کا حکم ہے اور وصیت کا حکم کسی کے حق میں بھی منسوخ نہیں جیسا کہ وصیت کی آیات کا نظم خود بتا رہا ہے۔ پھر اس آیت میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ اگر وہ ایک سال پورا نہ کریں اور چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد نکاح کر لیں تو سال بھر تک ان کو بند رکھنا اور ان کی ضروریات زندگی ادا کرنا ضروری نہیں۔ پس اس حکم وصیت ہی سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عدت اور چیز ہے اور سال تک انتظار اور چیز ہے۔

Marfat.com

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ
مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۴۰ وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ
مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۲۴۱ كَذٰلِكَ

اور وصیت کر جائیں کہ برس دن تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں! اگر وہ خود گھر چھوڑ جائیں تو جو کچھ وہ جائز طریقہ پر اپنے لئے کریں اس کے لئے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا یاد رکھو اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔ ۲۴۰

اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو تو چاہئے کہ انہیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے متقی انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازمی و ضروری ہے۔ ۲۴۱

۲۔ خورد و نوش کا جس قدر سامان دیا جائے گا اس کا وراثت سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام عورتوں کے ساتھ احسان و مروت کا آرزومند ہے اور وہ سلوک یہی ہو سکتا ہے کہ مہر کے علاوہ ایک سال تک خاوند کی وصیت کے مطابق اپنی طرف سے اس کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام کر دیا جائے۔

۳۔ بخاری نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ قال جعل اللہ تمام السنة سبعة اشهر و عشرين ليلة وصية ان شاء سكنت فى وصيتها وان شاء خرجت اس نے کہا کہ چار ماہ دس روز کے علاوہ سال کا بقیہ حصہ سات ماہ بیس روز بطور وصیت کے قرار دیئے گئے ہیں اگر عورت چاہے تو ایام وصیت میں رہے اور اگر اس کی مرضی ہو تو چلی جائے۔

ہاں زمانہ عدت میں عورت کو اُسی گھر میں رہنا چاہیئے جہاں اس کے شوہر نے وفات پائی یا عرف میں اُس کے شوہر کا گھر ہے۔ دن کے وقت وہ کسی خاص ضرورت کے لیے باہر جا سکتی ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رض کا اختلاف بھی موجود ہے

طلاق دینے کے بعد بھی عورت کے فائدہ کا خیال رکھنا پرہیزگاری ہے

۲۴۰ طلاق کا مطلب ازدواجی زندگی کا انقطاع ہے کہ اب وہ دونوں میاں بیوی نہیں رہے۔ ہر طلاق

Marfat.com

والی کی حالت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کوئی عورت ایسے حالات رکھتی ہے کہ طلاق ہو جانے کے بعد بھی اس کے پاس دن گزارنے کے لئے اثاثہ موجود ہوتا ہے لیکن کوئی ایسی بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے لئے ایک دن بھی گزارنا مشکل ہو۔ اب طلاق تو ہوگئی لیکن انسانی ہمدردی کے تحت جس نے طلاق دی ہے اس کا کوئی انتظام کر دے کہ وہ حالات کی سازگاری تک وقت گزار سکے تو یہ ایک اچھا اقدام ہے جس کا خیر مقدم کیا جائے گا اور یہ احسان اس طلاق دینے والے کا اس کی پرہیزگاری پر دال ہے کہ ازدواجی تعلق منسوخ کرنے کے باوجود اس کی انسانی ہمدری جاری ہے۔

خاوند کی وفات کے بعد تو عورت کو ایک معقول حصہ متوفی کی جائیداد سے مل جائے گا جو چوتھا یا آٹھوا ں ہوگا۔ یہ حصہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ وہ عورت مرنے والے کی بیوی تھی اگرچہ اس کی وفات سے یہ تعلق منقطع ہوگیا لیکن آخر تعلق قائم رہنے کا بھی کوئی صلہ ہونا چاہئے چنانچہ اسلام نے اس اصول کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تعلق ٹوٹ جانے کے بعد بھی ایک دوسرے کی میراث میں حصہ دار بنا دیا۔

اسی طرح طلاق نام ہے ازدواجی تعلق کے منقطع ہونے کا خاوند نے طلاق دی اور وہ تعلق منقطع ہوگیا لیکن آخر ایک عرصہ یا مدت تک جو تعلق قائم رہا اس کا کیا ہوا؟ فرمایا کہ ”جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو تو چاہئے کہ انہیں مناسب طریقہ پر فائدہ پہنچایا جائے۔“ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی انہیں مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے یہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے جو متقیوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کو پورا کریں۔

”طلاق ثلاثہ“ پر مختصر کلام

نکاح و طلاق کا بیان ختم ہو رہا ہے اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”طلاق ثلاثہ“ کے متعلق ذرا تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے تاکہ دور حاضر میں جو فریقین میں بحث و تمحیث اور حلت و حرمت کی تشریح پر نوک جھونک ہوتی رہتی ہے اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ اور علمائے اسلام نے اپنے اردگرد جو حلقہ سحر کھینچ لیا ہے اس سے باہر نکل کر بھی دیکھیں اور اسلام کے منہ پر داغ نہ بنیں بلکہ خود اپنا منہ دیکھنے کی بھی کوشش کریں۔

اسلام اپنی صداقت کی خود دلیل ہے۔ اس کی تعلیمات' عقائد اور احکام شرعیہ کی طویل فہرست سے کوئی سا عنوان لے لیجئے۔ اور اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے۔ آپ بے ساختہ کہہ اٹھیں گے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم)

مندرجہ سطور میں مجھے آپ کی خدمت میں اسلام کے نظام طلاق کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کا وجود مظلومیت کا مجسمہ تھا۔ یہ فرائض کے بارگراں کے نیچے دبی چلی جا رہی تھی۔ لیکن جہاں تک اس کے حقوق کا تعلق تھا۔ کسی کو ان کا احساس تک نہ تھا۔ طلاق کے سلسلے میں اسلام نے جو عادلانہ اصلاح کی اور اس اصلاح پر جو خوشگوار اور دور رس نتائج بر آمد ہوئے اگر انہیں پر انسان منصفانہ نگاہ

Marfat.com

ڈالے تو اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسلام کسی انسانی دماغ کی اختراع نہیں بلکہ یہ حکیم و علیم خدا کا نازل کردہ دین ہے۔ اس وقت مشرق میں ہندوستان کے نیم براعظم میں بسنے والے لوگوں کے نزدیک ایک دفعہ شادی ہو جانے کے بعد یہ رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح مسیحی دنیا میں بھی جو سارے مغرب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھی۔ یہ تعلق اتنا مقدس تھا کہ اس کو توڑنا سخت گناہ تھا۔ چنانچہ انجیل میں ہے۔ "جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔" (متی ۱۹ : ۶)

اس کے برعکس عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو ان گنت بار طلاق دے سکتا تھا چنانچہ مفسر کبیر ابن جریرؒ لکھتے ہیں۔ کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی۔ اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی۔ لا اقربک ولا تحلین منی کہ "نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا۔ اور نہ تو مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔" اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا اطلقک حتی اذا دنا اجلک راجعتک ثم اطلقک فاذا دنا اجلک راجعتک (میں تجھے طلاق دوں گا' پھر جب عدت گزرنے کے قریب ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا' پھر طلاق دوں گا اور پھر عدت گزرنے سے پہلے پہلے رجوع کر لوں گا۔ اسی طرح طلاق دیتا اور رجوع کرتا رہوں گا)۔ وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہ رسالت ماب رحمتہ للعلمین ﷺ میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگار عالم نے اپنے حبیب مکرم ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ اور عائلی قانون میں وہ تاریخی انقلابی لیکن عادلانہ اصلاح فرمائی۔ جس نے بڑے بڑے دانشمندوں کو محو حیرت کر دیا۔

اسلام کے نزدیک رشتہ ازدواج ایک مقدس رشتہ ہے۔ یہی وہ خشت اول ہے۔ جس پر تمدن و عمران کا قصر رفیع اٹھایا جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی وحدت ہے جس سے قومیں معرض وجود میں آتی ہیں۔ اس کا جتنا احترام کیا جائے اتنا کم ہے لیکن بعض اوقات حالات اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ میاں بیوی کا مل کر رہنا دونوں کے لئے شقاوت کا باعث ہوتا ہے۔ مزاجوں میں باہمی اتنا بعد ہوتا ہے۔ کہ ان کو باہم جکڑے رکھنا دونوں کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اس تعلق کو اس کے تقدس کے باوجود منقطع کرنا دونوں کے لئے بلکہ سارے معاشرہ کے لئے خیر و برکت کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی لیکن ساتھ ہی تنبیہہ بھی کر دی کہ ان ابغض الحلال عند اللہ الطلاق (طلاق حلال تو ہے لیکن اس کا استعمال اللہ کے نزدیک بہت مبغوض ہے۔) اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ طلاق دینے کا وہ حکیمانہ طریقہ سکھایا جس کے مطابق عمل کرنے سے اصلاح حال کا کوئی امکانی موقعہ ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پاتا۔ اب آپ وہ طریقہ ملاحظہ فرمائیے : ۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا

Marfat.com

اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ (البقرہ ۲ : ۲۲۹)

"طلاق یعنی جس کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے دوبار ہے۔ پھر اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو اچھے طریقے پر روک لینا یعنی رجوع کر لینا یا پھر حسن سلوک کے ساتھ الگ کر دینا۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں! اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے واجبات و حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو باہمی رضامندی سے ایسا ہو سکتا ہے۔ اگر تم دیکھو کہ واقعی اندیشہ ہے خدا کے ٹھہرائے ہوئے واجبات حقوق ادا نہ ہو سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی میں کچھ گناہ نہیں ہوگا اگر بیوی اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے بطور معاوضے کے کچھ دے دے یاد رکھو یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں پس ان سے قدم باہر نہ نکالو جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں۔ اگر ایسا ہوا کہ ایک شخص نے دو طلاقوں کے بعد رجوع نہ کیا اور تیسرے مہینے تیسری طلاق بھی دے دی تو پھر دونوں میں قطعی جدائی ہوگئی اور اب شوہر کے لئے وہ عورت جائز نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہ آجائے۔

اب ذرا تفصیلاً" وہ طریقہ جسے قرآن کریم نے بیان فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی وضاحت فرمائی وہ درج ذیل ہے۔

یاد رہے کہ طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ احسن' حسن اور بدعی۔

(۱) طلاق احسن تو اس کو کہتے ہیں کہ جب عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو خاوند اس سے مقاربت کرنے سے پہلے صرف ایک طلاق دے اور اس کے بعد اسے کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔

(۲) طلاق حسن :۔ جب عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو ایک طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو دوسری طلاق دے۔ ایک ماہ بعد جب پھر عورت ایام حیض سے فارغ ہو تو مقاربت سے پہلے مرد عورت کو تیسری طلاق دے۔ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس پر قطعی حرام ہو جائے گی۔ جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے بالکل ایسا نکاح جیسے اس نے پہلے خاوند سے بسنے کی نیت سے کیا تھا۔ اور پھر وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے۔ اس وقت تک وہ دوبارہ پہلے خاوند کے عقد میں نہیں آسکتی۔

اگر آپ طلاق کے اس طریقہ پر غور فرمائیں۔ تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ زوجیت کا رشتہ اسلام کے نزدیک کتنا اہم ہے اور اسلام اس کی سلامتی اور بقاء کا کتنا خواہاں ہے۔ خاوند کو سوچ بچار کے لئے ایک طویل

Marfat.com

وقت دیا جاتا ہے کہ تم اپنے آشیانے کو درہم برہم کرنے کا قطعی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار نہیں۔ بار بار خوب سوچ لو۔ تم اپنے ایک ایسے ساتھی کو چھوڑ رہے ہو۔ جو تمہارا جیون ساتھی ہے۔ تم اپنے بچوں کو مہرمادری سے محروم کر رہے ہو۔ تم ان سے وہ گود چھین رہے ہو جو ان کے لئے تخت طاؤس اور قصرابیض سے زیادہ عزیز ہے۔ اسلام چاہتا ہے۔ کہ اس عرصے میں ہنگامی وجوہات کے باعث جذبات میں جو تیزی' تعلقات میں جو تلخی اور مزاج میں جو برہمی پیدا ہوگئی ہے وہ فرو ہو جائے اور اپنی رفیقہ حیات سے مفارقت کا جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اس پر خوب غور کرلیں تاکہ پھرکف افسوس نہ ملتے رہیں اور اشک ندامت نہ بہاتے رہیں۔ یہ مہلت عورت کے لئے بھی بڑی قیمتی ہے۔ وہ بھی اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل پر غور کرلے۔ اور اگر زیادتی یا قصور اس کا ہے تو وہ بھی اگر اپنی اصلاح کرنا چاہے تو کرلے۔ اور اپنی وفاداری اور فرمانبرداری کا اپنے شریک حیات کو یقین دلا دے اور اس کے آئینہ دل پر کدورت کا جو غبار جم گیا ہے۔ اسے اپنی سلیقہ شعاری سے اس مدت میں دور کر دے۔ لیکن اگر اتنی مدت دراز میں بھی دونوں میں صلح نہ ہو سکے اور خاوند اپنے فیصلے پر اڑا رہے تو پھر بہتری اسی میں ہے کہ اس رشتہ کو کاٹ دیا جائے تاکہ یہ پھانسی کا پھندا بن کر دونوں کے گلے میں نہ لٹکتا رہے۔ اس کے باوجود بھی یہ ہدایت فرمائی۔ کہ طلاق حیض کے ایام میں نہ ہو۔ کیونکہ ان ایام میں طبعی منافرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور طہر میں بھی مقاربت سے پہلے طلاق دینے کی ہدایت کی تاکہ رغبت میں فتور پیدا نہ ہو جائے۔ اور یہ دونوں عوامل کہیں مفارقت کے جذبہ کو تقویت نہ پہنچائیں۔ اس طریقہ کار سے عورت نہ تو بازیچہ اطفال بنی رہتی ہے کہ آپ جب تک چاہیں اس کی قسمت کے ساتھ کھیلتے رہیں چاہے پچاس طلاقیں دے دیں اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کریں اور اسے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑے رکھیں اور نہ وہ پابندی کہ میاں بیوی لاکھ چاہیں کہ ہم جدائی اختیار کرلیں اس میں ہم دونوں کی بہتری ہے لیکن قانون کا ڈنڈا ان کے سروں پر لٹک رہا ہو اور انہیں بتا رہا ہو کہ تم مرو یا جیو اب تمہیں زندان زوجیت سے رہائی نہیں مل سکتی خواہ تمہاری تخلیقی قوتوں کا دم گھٹ جائے خواہ تمہاری تعمیری صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جائیں پریم کا جو پیالہ امرت سمجھ کر تم نے خوشی یا ناخوشی سے ہونٹوں سے لگایا تھا اب لبوں سے ہٹایا نہیں جا سکتا خواہ حالات نے اس میں زہر ہلاہل گھول دیا ہو۔

٣ - طلاق بدعی۔ یہ طلاق کی تیسری قسم ہے اور یہ اس طلاق کو کہتے ہیں جس میں مندرجہ بالا دونوں طریقوں کے خلاف طلاق دی گئی ہو۔ یعنی تین طلاقیں ایک ساتھ دے دینا۔ ایک مجلس میں طلاق' طلاق' طلاق کا لفظ بولنا یا تو تین طلاقوں سے مجھ پر حرام۔ میں نے تجھے تینوں طلاقیں دیں۔ میں نے تجھے طلاق دی۔ طلاق دی۔ طلاق دی۔ اس کو طلاق بدعی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ طلاق کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا اور سکھایا ہے اس کے خلاف طلاق دی گئی ہے۔

تمام علمائے اسلام خواہ وہ کسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں اور سارے فقہاء' خصوصاً فقہائے اربعہ اس

Marfat.com

طلاق بدعی کو حرام کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی گئی ہے۔ ہاں! اس بات میں علمائے اسلام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر اس طرح کوئی طلاق دے تو تینوں طلاق واقع ہو جاتی ہیں یا ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

علماء و فقہاء کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت حرام ہو جاتی ہے اور جب تک "حتی تنکح زوجا غیرہ" کے مطابق کسی دوسرے خاوند سے وہ نکاح نہ کرے اس کے عقد میں نہیں آسکتی اور بعض علماء و فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے باقی دونوں طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں۔ گویا طلاق کے متعلق جتنا اختلاف ہے وہ سب کا سب طلاق بدعی یا جو طلاق دینے کا طریقہ متفق علیہ حرام ہے اس کے متعلق ہے۔ طلاق دینے کا وہ طریقہ جو کتاب و سنت سے ثابت ہے اس میں پورے عالم اسلام میں سے کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

اس سے پیشتر کہ ہم اس اختلافی طریقہ طلاق کے متعلق کسی فیصلہ تک پہنچیں ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اس پر غور کریں کہ طلاق دینے کا وہ طریقہ جو سارے مکاتب فکر میں متفق علیہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ ہے وہ متروک کیوں ہوگیا؟ اس کے بحال کرنے کی صورت کیا ہے؟ الٰہی ہدایت اور سنت رسول کے خلاف کرنے والے کی بھی کوئی سزا ہونا چاہئے یا نہیں؟

اس سے فارغ ہو کر ہمیں پوری فراخ دلی' انتہائی خلوص اور للہیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر فریقین کے دلائل پر غور کرنا چاہئے اور امت کے سامنے اس اختلافی مسائل کا حل پیش کرنا چاہئے۔

ایسی صورت میں جب طلاق ناگزیر ہو تو طلاق دینے کا شرعی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ طلاق دینے کا شرعی طریقہ اول وہی ہے جس کو "احسن" کہا گیا ہے۔ جس میں یہ باتیں ضروری ہیں :

۱۔ صرف ایک طلاق دی جائے۔ زبان سے کہا جائے یا تحریر کیا جائے دونوں صورتوں میں واضح طور پر یہ کہنا چاہئے کہ میں نے "ایک طلاق دی۔" میں نے تجھے طلاق دی صرف اور صرف ایک بار طلاق دینے پر اکتفا کیا جائے۔

۲۔ طلاق دو عادل گواہوں کی موجودگی میں دی جائے۔

۳۔ حالت طہر میں طلاق دی جائے۔ یعنی ان دونوں میں جن میں عورت ماہانہ اذیت کے دنوں میں نہ ہو اور اس حالت طہر میں زناشوئی کا تعلق بھی قائم نہ کیا ہو۔

۴۔ ایک طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے دی جائے جو کہ تین ماہانہ اذیت کے دنوں تک ہے۔ ہاں! اگر بیوی حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ عورت کو ماہانہ اذیت کے دن نہ ہوتے ہوں معمر ہونے کی صورت میں' چھوٹی عمر ہونے کی صورت میں یا بیماری کی صورت میں تو مدت عدت تین ماہ ہے اور جس روز طلاق ہوئی ہے اس سے شمار کر کے تین قمری مہینے پورے ہونے کے بعد مدت عدت ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

۵۔ عدت کے اندر چونکہ رجوع کا مرد کو حق ہے اگر رجوع کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ "میں نے رجوع کیا" ہاں! رجوع کے وقت بھی دو عادل گواہوں کا ہونا ضروری یا بہتر ہے۔

۶۔ عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو مدت عدت پورے ہوتے ہی طلاق بائن ہوگئی یعنی طلاق مکمل ہوگئی اب اگر مرد رجوع چاہے تو رجوع نہیں کر سکتا۔ عورت بالکل اس کے نکاح سے فارغ ہوگئی۔ اب جہاں چاہے وہ نکاح کر سکتی ہے اس ایک طلاق دینے والے خاوند کی طرف سے کوئی مجبوری' کوئی پابندی' کوئی دباؤ' کوئی قید ہرگز ہرگز جائز و درست نہیں بلکہ صریحاً حرام اور کفر ہے۔

۷۔ مدت عدت کے بعد عورت جس طرح آزادی کے ساتھ سوچ سمجھ کر کسی بھی مرد سے نکاح کر سکتی ہے بالکل اسی طرح اس ایک طلاق دینے والے مرد سے بھی نکاح کر سکتی ہے اگر وہ دونوں پسند کریں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ طلاق دینے کا یہ طریقہ متروک کیوں ہوگیا؟ اس لئے کہ :

ا۔ دین اسلام سے اتنا بعد ہوگیا کہ سوائے اس کے کہ ہمارا نام مسلمانوں کا سا ہے اور پیدائشی طور پر مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے کی وجہ سے سارے کاغذات میں ہمارا دین یا مذہب "اسلام" لکھ دیا گیا ہے۔ جو کچھ ہم اپنے معاشرہ میں باپ دادا کو کرتے دیکھتے ہیں وہی سب کچھ ہم کرتے جا رہے ہیں۔ ہمارے لوگوں میں سے ۹۹ فیصد لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ ایک طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بلکہ اکثریت یہی جانتی ہے کہ جب تک تین طلاقیں نہ دی جائیں طلاق ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وہ پیچھا چھڑانے کے لئے طلاق' طلاق' طلاق کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یا کراتے ہیں۔

۲۔ طلاق دینے والوں میں سے ننانوے فیصد لوگ لڑائی جھگڑا کرنے کے بعد بحالت غصہ طلاق دے دیتے ہیں کبھی کسی نے سوچ سمجھ کر۔ ہر لحاظ سے جائزہ لے کر طلاق کا فیصلہ کر کے طلاق نہیں دی بلکہ طلاق یوں دی جاتی ہے جیسے غصہ میں آکر کوئی بندوق چلا کر فائر کر دے۔ طلاق گویا مرد کے پاس ایک بندوق ہے جس سے تین فائر نکال کر اس عورت کو طلاق کی موت مار دیتا ہے جس کو اس وقت وہ اپنا دشمن سمجھ رہا ہوتا ہے۔ پھر غصہ فرو ہوتے ہی جب وہ شعور میں واپس آتا ہے اور بیوی کو زندہ موجود پاتا ہے تو دست افسوس ملتا ہوا مذہبی ڈاکٹروں کے پاس جاتا ہے کہ اب میرے کیے کا کوئی علاج پھر وہ اس کو اپنے اپنے نسخہ جات بتاتے ہیں وہ حساب کتاب لگا کر جو اس کو سستا نظر آتا ہے وہ استعمال کر لیتا ہے۔ اور جو صرف اپنے گھریلو ڈاکٹر ہی سے علاج کروانے کے عادی ہیں وہ اس سے علاج کرانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۳۔ نکاح و طلاق کے لئے جو قانون بنائے گئے اور ان کا جو طریق کار بتایا گیا اس میں اسلامی اصولوں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور خصوصاً طلاق دینے اور طلاق کا فیصلہ صادر کرنے کے لئے جو کچھ ضبط تحریر ہوا اس میں سے بیشتر حصہ محض بیکار رکھا گیا۔

Marfat.com

۴۔ مرد کی طرف سے طلاق کے ایک نوٹس پر اکتفا نہ کیا گیا بلکہ اس کو مجبور کیا گیا کہ وہ دوسرے مہینہ اور تیسرے مہینہ میں بھی نوٹس طلاق دے ورنہ طلاق نافذ نہیں ہوگی۔ اس بات نے لوگوں کو مزید اس نظریہ پر پختہ کیا کہ ایک طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ایک چیز کو ترک کرانے کے لئے باقاعدہ قانون بنائے گئے۔ ان کو نافذ کیا گیا۔ اس کو ترک کرنے پر لوگوں کو مجبور کیا گیا اور پھر یہ سوال کہ یہ طریقہ متروک کیوں ہوگیا؟ متروک نہیں ہوا بلکہ بزور ترک کرایا گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر یہ طریقہ ترک نہ ہوتا تو ہمارے مذہبی ڈاکٹروں کے وہ سارے نسخہ جات بے کار ہو جاتے اور پھر آخر ان کو کون پوچھتا؟

رہا یہ سوال کہ اس کے بحال کرنے کی کیا صورت ہے؟

۱۔ حق کو حق مان لینے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ ہمارے علمائے کرام قوم کو باور کرا دیں کہ ایک طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے جتنے فوائد بیان کئے جا سکتے ہیں وہ بیان کریں۔

۲۔ قانون نافذ کرانے والے ادارے قانونی سقم کو دور کریں۔ عرائض نویسوں کے لئے بھی اس سلسلہ میں ہدایات جاری کریں کہ وہ طلاق نامہ لکھتے وقت لکھوانے والے کو باور کرائیں کہ وہ ایک طلاق کا نوٹس تحریر کرائے اور اس پر بھی عمل درآمد ہونے کی اس کو یقین دہانی کرائیں۔

بیک وقت تین طلاق دینے والا ایک حرام فعل کا مرتکب ہوا ہے اس کے لئے مناسب سزا مقرر کرنا ہی اس کا علاج ہے۔

۱۔ بیک وقت تین طلاق دینے والے کو مخاطب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

"ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم" کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے؟ جبکہ میں خود تمہارے درمیان موجود ہوں۔ دیکھ لیا جاتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فعل کے مرتکب کو جو ڈانٹ پلائی اس کا مطلب کیا ہے؟ پھر غور کر لیا جائے کہ آپؐ نے اس فعل کے مرتکب پر تینوں طلاقیں نافذ کرا دیں یا نہیں؟

۲۔ اسلامی حکومت کو حق ہے کہ جب غیر اسلامی افعال ہونے لگیں تو ان کی روک تھام کے لئے مناسب قانون بنایا جائے جو ایک مستقل قانون کی حیثیت نہیں رکھے گا اور اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم بھی کی جا سکے گی۔ اس بات کے پیش نظر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کئی ایک چیزوں کا سدباب کرنے کے لئے مختلف قانون بنائے تھے جو وقتی طور پر رائج کئے گئے اور پھر بعد میں ان میں ترمیم بھی ہوئی اور کئی ایک بالکل منسوخ بھی کئے گئے۔ ان ہی میں سے ایک طلاق کا مسئلہ بھی ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے خود بیک وقت تین طلاق دینے والے کو یہ تادیب کی کہ "کیا اللہ کی کتاب کے

Marfat.com

ساتھ کھیلا جا رہا ہے" سیدنا عمر فاروق کے پہلے دو سالوں کے بعد لوگوں میں اس طرح بیک وقت تین طلاق دینے کا غیر شرعی فعل ہونے لگا تو آپ نے یعنی سیدنا عمر فاروق نے ارشاد فرمایا۔

ان الناس قد استعجلوا فی امر کان لھم فیه اناة فلوا مضینا علیھم فامضاه علیھم (صحیح مسلم ج ا ص ۴۷۷' مسند احمد ج ا ص ۷)

وہ چیز جس میں لوگوں کے سوچنے کا بڑا موقع تھا اس میں انہوں نے بڑی جلد بازی سے کام لیا پس بہتر ہے کہ "ہم ان پر اپنا حکم نافذ کریں تو آپ نے ان پر اپنا حکم نافذ کر دیا۔"

گویا تین طلاق بیک وقت دینے والوں کے لئے یہ سزا تھی جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تجویز فرمائی کہ اس طلاق کو "طلاق مغلظہ" ماننے کا حکم فرمایا۔

یہ سزا یقیناً اس وقت سزا ہی تھی لیکن حالات زمانہ نے آج اس سزا کو سزا نہیں رہنے دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس سے حلالہ کا دروازہ کھول دیا گیا۔

ہمارا چیلنج ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ تادیبی حکم یا سزا تجویز کردہ حکم جن لوگوں پر نافذ ہوا ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی نے اس مروجہ حلالہ کی صورت کو اختیار کر کے دوبارہ نکاح کیا ہو جو آج کل یا سیدنا عمر فاروق کے ایک زمانہ بعد سے یہ وبا چل نکلی کہ تین طلاق بیک وقت دینے والوں نے کتاب اللہ کے ساتھ کیا کھیل کھیلا تھا کہ ان لوگوں نے کھیلنا شروع کر دیا جنہوں نے حلالہ کی بد رسم کو ترویج دی اور اس سے ایک حرام فعل کو حلال کر دکھایا۔ نیکی کے نام سے برائی کی اور برائی کرنے کا پیسہ بھی وصول کیا۔

اگر مرد کسی وجہ سے حالات کو زیادہ ہی ٹائٹ کرنا چاہتا ہے تو پھر اس کو حق ہے کہ وہ طلاق کا وہ طریقہ اختیار کرے جس کی کم از کم اس کے لئے گنجائش ہے یعنی ایک بار طلاق کا حق ان ساری شرائط کے ساتھ جن کا ذکر "طلاق احسن" میں کیا گیا ہے استعمال کرے۔ ایک بار ماہانہ اذیت کے دن گزارنے کے بعد دوبارہ "طلاق" کے حق کا استعمال کر لے۔

اس طرح مرد نے طلاق دینے کے حق کو دو بار استعمال کر لیا یہ اس کا آخری حق تھا اس کے بعد اس کے پاس کوئی حق باقی نہیں رہا۔ عورت بھی اس کو اچھی طرح سمجھ لے گی۔ پھر عدت کے دنوں میں وہ رجوع کرنے کا جو حق رکھتا ہے اس میں سے یہ اس کا آخری حق ہے عدت کے دنوں میں اس کو خیال نہیں آیا تو عورت آزاد ہے یعنی اس کی طلاق مکمل ہو گئی اب مرد رجوع نہیں کر سکتا۔ عورت چاہے جہاں نکاح کرے پوری آزادی کے ساتھ کر سکتی ہے۔ جس طرح عورت آزادی کے ساتھ اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لئے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اس طرح اس مرد کے ساتھ بھی اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ کتنی وسعت تھی شریعت میں جس نے ان کو دوسرا موقع بھی مل بیٹھنے کا فراہم کر دیا۔

قرآن کریم نے اس صورت حال کے پیش نظر یہ ارشاد فرمایا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ

Marfat.com

اَوْتَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ طلاق دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو اچھے طریقہ پر روک لے یا احسن سلوک سے الگ کر دے۔ اگر دوبارہ حق استعمال کر چکنے کے بعد مرد نے پھر طلاق دے دی تو فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو وہ اس شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔

ہاں! عورت نے جس کو تین طلاقیں ہو چکی تھیں کہیں دوسری جگہ نکاح کر لیا لیکن اتفاقاً خاوند وفات پا گیا یا اس نے طلاق دے دی اور پھر اس نے رجوع کا حق استعمال نہ کیا۔ مدت عدت گزر گئی اور عورت اس کے نکاح سے آزاد ہوگئی۔ اب وہ تیسرا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ چونکہ وہ نکاح کرنے میں آزاد ہے چاہے جہاں کرے اس کو دوبارہ وہی مرد پسند آگیا جس نے اس کو پہلے تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا تھا اور اس نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اب تیسرے نکاح کے لئے پھر وہ اس مرد کا انتخاب کر سکتی ہے جب کہ وہ مرد بھی نکاح کے لئے تیار ہو۔ اگر ایسی صورت واقع ہوگئی تو یہ نکاح جائز ہوگا۔

بس! یہ وہ رعایت تھی جس پر ہمارے مذہبی ڈاکٹروں نے اپنی دکان چمکائی۔ اور طلاق کا احسن طریقہ قوم سے بالکل پوشیدہ کر دیا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ لوگوں کے ذہن میں غلط بات بیٹھ گئی تھی کہ ایک طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی اس کو اس طرح ان کے ذہن میں رہنے دیا بلکہ اس کو پختہ کرنے کے لئے اس کو قانونی سہارا بھی فراہم کر دیا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ تادیبی حکم بھی ان کے سہارے کا سبب بنا اور اس طرح انہوں نے بیک وقت تین طلاق کے مسئلہ ہی کو اصل مسئلہ بنا لیا اس لئے کہ اس میں ان کا سارا فائدہ موجود تھا۔ اگر لوگ شریعت کے احکام کے مطابق چلنا شروع کر دیں تو آخر ان کو کون پوچھے گا اور یہ کس مرض کی دوا ہوں گے۔

بیک وقت تین طلاق دینے کی صورت اگر قوم سے ختم ہو جائے تو حلالہ کا کاروبار ماند پڑتا ہے بلکہ اس کا نام و نشان ہی مٹ جاتا ہے اس لئے ہمارے مذہبی راہنماؤں کی اکثریت کا اب سارا زور اس پر ختم ہو جاتا ہے کہ وہ بیک وقت تین طلاق کو تین ثابت کرتے رہیں تاکہ اندرون خانہ حلالہ کا کاروبار بند نہ ہو جائے۔

حالانکہ طلاق کا اقدام ہی ایک مبغوض و مکروہ فعل ہے اگر بہ مجبوری اس اقدام کی نوبت آجائے تو اس کے کم سے کم درجے یعنی ایک طلاق پر اکتفا کیا جانا چاہئے تھا اور اس اقدام کے بعد عدت گزرنے دیں تو عدت ختم ہوتے ہی وہی ایک طلاق رشتہ زوجیت قطع کرنے کے لئے کافی و وافی تھی اور عورت آزاد ہو کر دوسرا نکاح کر سکتی تھی اور یہی طریقہ طلاق "احسن" کہلاتا ہے۔

اس طریقہ طلاق میں یہ حکمت اور فائدہ بھی ہے کہ صریح الفاظ میں ایک طلاق دینے سے طرفین کے لئے مصالحت کی راہیں کھلی رہیں گی عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے تو صرف طلاق سے رجوع کر لینا ہی بقائے نکاح کے لئے کافی ہے اور عدت ختم ہو جانے کے بعد اگرچہ نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت آزاد ہو جائے گی مگر پھر بھی

Marfat.com

یہ گنجائش باقی رہے گی کہ اگر دونوں میں اب مصالحت ہو جائے اور باہم نکاح کرنا چاہیں تو نکاح جدید اس وقت بھی ہو سکتا ہے۔

بیک وقت تین طلاق دی جانے کی صورت میں اگر ان کو تین ہی نافذ کر دیا جائے تو یہ ساری رعایات مرد کی ختم ہو جاتی ہیں اور پھر صرف ایک صورت رعایت کی باقی رہتی ہے کہ یہ عورت کسی جگہ نکاح کرے اور پھر وہ خاوند جس سے اس دفعہ اس نے نکاح کیا ہے وہ مرجائے یا طلاق دے دے اور پھر عدت طلاق کے اندر وہ رجوع بھی نہ کرے تاآنکہ عورت بالکل آزاد ہو جائے پھر تیسرا نکاح عورت کرنا چاہتی ہے تو وہ اس سے پہلے مرد سے جس نے اس کو طلاق دی تھی کر سکتی ہے۔ اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہمارے ان مذہبی راہنماؤں نے بیک وقت تین طلاق کہنے والے کو بجائے اس کے کہ کوئی سزا تجویز کرتے انہوں نے تین طلاقیں نافذ کرنے کا فتویٰ جاری کیا اور پھر قانونی خانہ پری کرنے کے لئے نکاح ثانی کسی مرد سے وقتی طور پر کر دیا رات رکھ لینے کی اجازت فراہم کر دی اور اس طرح مذہبی دلالی کر کے دوسرے ہی روز طلاق دلوا دی اور تاریخیں ادل بدل کر کے پھر اس بیک وقت تین طلاق دینے والے کو نکاح کر دیا۔ اور اس ادلا بدلی میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کمائے اور حرام فعل کو بڑی چالاکی کے ساتھ حلال کر دکھایا۔ اس میں حرام فعل کیا تھا؟ وہی جس کا نام حلالہ رکھا گیا۔

میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونے کی صورت میں

فریقین کے درمیان کسی معاملہ میں تو تو میں میں ہوگئی۔ مرد طیش میں آگیا اور اس حالت میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی۔ اور یہ طلاق کا لفظ اس جھگڑے کے دوران اس نے بیسیوں بار بول دیا۔ گویا ان گنت بار۔ انجام کار بات رفع دفع ہوئی۔ غصہ ٹھنڈا ہوا تو مرد کو معلوم ہوا کہ میں نے تو کئی بار طلاق طلاق اور حرام حرام کا لفظ بولا ہے۔ یہ معاملہ جب علماء کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ کوئی پوچھے کہ اس نے تو بیسیوں طلاقیں دی ہیں آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ تین واقع ہوگئی ہیں تو باقی کہاں گئیں؟ ارشاد ہوتا ہے کہ باقی لغو ہوگئیں کیونکہ خاوند کو صرف تین طلاق دینے کا حق تھا اس سے زیادہ الفاظ جو اس نے بولے ہیں وہ سب خود بخود ختم ہوگئے۔

معلوم رہے کہ یہ جو فرمایا گیا کہ خاوند کو صرف تین طلاق دینے کا حق تھا زیادہ بار جو کچھ اس نے کہا وہ لغو ہوگیا۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مرد کو تین بار طلاق دینے کا حق ہے جس میں ایک بار طلاق واقع ہوگئی رہی یہ بات کہ اس نے جو طلاق کے بار بار الفاظ استعمال کئے تو وہ سب کے سب لغو ہوگئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ مرد کو دو بار طلاق رجعی دینے کا حق تھا اس نے ایک حق استعمال کر لیا۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں مرد کو طلاق دینے کا حق ہی نہ تھا اس نے اگر فی الواقع غصہ کی حالت میں یہ اقدام کیا تو اس پر کوئی جرمانہ یا سزا ہونا چاہئے تھی جس کے لئے اسلامی حکومت کو حق تھا کہ اس کی سزا یا جرمانہ تجویز کر کے قانونی طور پر نافذ کرتے تاکہ لوگ اس حرکت سے باز آتے۔

Marfat.com

ایک مجلس کی تین یا زائد طلاق کو تین شمار کرنے کی دلیل؟

قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ نہیں بلکہ اشارۃً بھی کہیں اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا کہ ایک مجلس میں مرد تین طلاق دے سکتا ہے۔ یا اگر دے دے تو نافذ ہو سکتی ہیں۔ ہاں! حدیث سے ایسا بول بولنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے "کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے والا" ارشاد فرمایا اور پھر ان تین کو تین نہیں بلکہ ایک طلاق ہونے کا حکم صادر فرمایا اور احادیث کی تمام کتب میں رسول اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں تین طلاق جو ایک مجلس میں دی گئی ہوں ایک شمار کرنے کی تصریح موجود ہے۔ یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود ایک مجلس کی تین طلاق کو تین شمار کرنے والوں نے اس آیت سے استدلال کیا جس میں دو طلاق الگ الگ دینے کا ذکر تھا۔ آیت وہی ہے جو اس سے پہلے درج کی جا چکی ہے کہ "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" الخ

اس آیت میں "مَرَّتَانِ" دو مرتبہ کا جو لفظ آیا ہے اس سے طلاق کا لفظ دہرانا یعنی عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا مراد لے لیا۔ اس بناء پر "طلاق۔ طلاق طلاق۔" یا "تین طلاقیں" کہہ دینے پر تین طلاق کا حکم لگا دیا گیا۔

حالانکہ "مَرَّتَانِ" کا مطلب لفظ طلاق کو دہرانا نہیں بلکہ دو دفعہ طلاق دینا مراد ہے مطلب یہ تھا کہ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ ہاں! تیسری مرتبہ یعنی تیسری بار ایسا واقعہ پیش آگیا تو پھر رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ زندگی کے کسی حصہ میں بھی اگر مرد نے عورت کو ایک بار طلاق دے دی اگرچہ رجوع کرنے سے عورت کو وہ گھر میں آباد کر سکتا ہے لیکن یہ دی گئی طلاق اپنی جگہ قائم رہے گی جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ شریعت نے مرد کو تین بار طلاق دینے کا حق دیا تھا جس میں دو بار طلاق دے لینے تک تو اس کو رجوع کا بھی حق تھا مگر تیسری بار طلاق دینے کے بعد اس کو رجوع کا حق نہیں رہتا۔

لہٰذا اس نے جو طلاق دی وہ قائم رہی اب مرد نے رجوع کا حق استعمال کر کے عورت کو آباد کر لیا۔ اس طرح زندگی کے کسی حصہ میں اگر دوسرا واقعہ پیش آگیا تو اب دو طلاقیں واقع ہو گئیں لیکن ابھی عدت کے اندر اندر رجوع کا حق مرد کا قائم ہے اس دفعہ بھی مرد نے اپنا رجوع کا حق استعمال کر لیا تو جائز ہے یعنی اس کی بیوی کو دو طلاقیں ہو چکی ہیں اور وہ اپنی جگہ پر قائم ہیں اور مرد نے دو بار اپنا حق استعمال کر لیا ہے اگر اس کے بعد زندگی کے کسی بھی حصہ میں مرد نے تیسری بار طلاق دے دی تو اب رجوع کر ہی نہیں سکتا کیونکہ رجوع کا حق وہ استعمال کر چکا ہے۔ لہٰذا "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ" جو اصل مطلب تھا اس کو اپنے علمی ایر پھیر سے کچھ کا کچھ کر دیا۔ اس لئے "مرتان" کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل وجوہ سے صحیح نہیں۔

اولاً لغت عرب میں "مرتان" کا مطلب مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ ہے۔ یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ' نہ کہ محض لفظی تکرار۔ اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ۔ (توبہ - ۱۲۶) "کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہر سال

Marfat.com

ایک یا دو مرتبہ انہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔"

اور دوسری جگہ فرمایا گیا

"یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (نور ۲۴: ۵۸)

اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔

اس آیت کے بعد تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں "ثلاث مرات" (تین اوقات کا) مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں' نہ کہ زمانہ واحد میں تین اوقات کا اجتماع۔ اس سے واضح ہوا کہ "مرتان" میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجتماع کی پیش کی جا سکتی ہے تو وہ اعیان کی ہوگی' نہ کہ افعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانہ واحد میں "مَرَّتَانِ" کا اجتماع ممکن نہیں۔

ثانیاً رمی جمار کی مثال ہے۔ سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے' اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی اور جمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ میں تینتیس بار سبحان اللہ کہتا ہوں تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی' نہ کہ تینتیس مرتبہ۔

ثالثاً چار قسموں کی مثال ہے جس کا حکم لعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے' اگر کوئی شخص الگ الگ چار قسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کہہ دے کہ "میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں" تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوگی' نہ کہ چار۔

(مرتان کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد۔ ج ۴' ص ۵۹)

اگر مذکورہ آیت میں مراد طلاق کا عدد ہوتا تو مرتان کی جگہ لفظ اثنتان استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرتان سے مراد لفظ طلاق کی تکرار یا عدد نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے۔ چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں :

طلقوا مرتین یعنی دفعتین۔ (تفسیر الکبیر۔ ج ۲ ص ۲۶۰)

"دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو۔"

ان الطلاق المشروع متفرق لان المرات لا تکون الا بعد تفرق بالاجماع۔ (ایضاً)

مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے' کیونکہ بالاجماع "مرات" تفرق کے بعد ہی ممکن ہے۔"

لہٰذا جب دو طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں' دو شمار نہیں ہوں گی تو تین طلاقیں جو

Marfat.com

مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں کس طرح تین شمار ہوں گی؟

پھر جس پس منظر میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اس کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا' بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں اور بار بار رجوع کیا جاتا تھا۔ اس لئے "الطلاق مرتان" کا معہود یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا' نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدد طلاقیں۔

سورۂ طلاق میں ہدایت کی گئی کہ جب طلاق دی جائے تو عدت کے لئے دی جائے :

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ (طلاق ۶۵ : ۱)

"اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لئے طلاق دو اور عدت کو شمار کرو۔"

عدت کے لئے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جبکہ عدت کا آغاز ہو سکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدت کا لحاظ نہیں کرتا' کیونکہ پہلی طلاق دیتے ہی عدت شروع ہوگئی' لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدت کا لحاظ نہیں رہا حالانکہ ہر طلاق کیلئے عدت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف یہ حکم دیا ہے کہ عدت کا لحاظ کر کے طلاق دی جائے بلکہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (بقرہ ۲ : ۲۳۱)

"جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے رخصت کرو۔"

یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے' یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے' کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص ساقط کرنے کے لئے موجود ہے تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی طلاق رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے' نہ کہ بیک وقت۔ اللہ نے الگ الگ طلاق دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے' جیسا کہ الطلاق مرتان سے ظاہر ہے۔ لہٰذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو آن واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس طرح تین واقع ہوں گی؟

ایک اور پہلو سے بھی غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایلاء (بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھانا) کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ

Marfat.com

"مطلقہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک روکے رکھیں۔"

اور اسی سیاق میں فرمایا :

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذَالِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا۔ (سورۂ بقرہ۔ ۲۲۸)

"ان کے شوہر تعلقات درست کرنے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدت کے دوران انہیں پھر اپنی زوجیت میں واپس لینے کے حقدار ہیں۔" معلوم ہوا کہ ایلاء میں بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

دوسری مثال ظہار کی ہے۔ یعنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دینا۔ زمانہ جاہلیت میں اسے طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطع تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ظہار کے بعد رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (مجادلہ ۵۸۔ ۲)

"یہ لوگ ایک منکر اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔"

ظہار کو منکر اور زور قرار دینے کے باوجود اس کا صرف کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا' یعنی ظہار کو طلاق نہیں ٹھہرایا اور جاہلیت کے اس رواج کو کہ بیوی کو ماں سے تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ابدی طور پر شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے' باطل قرار دیا۔

اب زیر بحث مسئلہ کو لیجئے۔ کیا بیک وقت تین طلاق کے الفاظ ادا کرنے پر طلاق مغلظہ کا حکم لگانا ایلاء اور ظہار سے بھی شدید قرار دینے کے مترادف نہیں ہے؟ دراں حالیکہ اس شدت کے لئے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

الغرض مجلس واحد کی تین طلاقوں کا تین واقع ہونا قرآن کی کسی نص سے ثابت نہیں ہے' کیونکہ صریح طور سے قرآن میں کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ آن واحد کی تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ رہا نصوص قرآنی کی تعبیر کا مسئلہ تو دلائل مذکورہ کی بنا پر یکجا طور پر دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک قرار دینا ہی قرآن سے زیادہ مناسبت رکھنے والی بات ہے۔

کیا مجلس واحد کی تین طلاقوں کا وقوع حدیث سے ثابت ہے

جس طرح یکجائی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے پر قرآن کی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے' اسی طرح احادیث صحیحہ کی بھی کوئی صریح نص موجود نہیں ہے۔ جن احادیث سے اس کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے بعض احادیث تو وہ ہیں جن میں یکجا طور پر تین طلاقیں دینے کی صراحت موجود نہیں ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں جن کا محل دوسرا ہے اس لئے ان سے کوئی دلیل فراہم نہیں ہوتی اور بعض احادیث یا تو مضطرب ہیں یا ضعیف اس لئے ان میں سے کوئی حدیث حجت کی حیثیت نہیں رکھتی۔ چند خاص احادیث کا جائزہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جن سے عام طور پر مجلس واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے :

وان امراة رفاعة القرظى جاء ت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله ان رفاعة طلقنى بت طلاقى و انى نكحت بعده عبدالرحمن بن الزبير القرظى واذا معه مثل الهدبة۔ قال رسول الله املك تريدين ان ترجعى الى رفاعة۔ لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقى عسيلته۔ (بخاری کتاب الطلاق)

"رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھے طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) دی اور میں نے اس کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا لیکن وہ زوجیت کے لائق نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے۔ نہیں جب تک کہ (تیرا دوسرا شوہر) تجھ سے لطف اندوز نہ ہو لے اور تو اس سے لطف اندوز نہ ہو جائے۔"

اس حدیث میں طلاق بتہ (کاٹنے والی طلاق) کا ذکر ہے، لیکن اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ تین طلاقیں یکجا طور پر دی گئی تھیں۔ البتہ صحیح مسلم کی حدیث طلاق کی نوعیت کو واضح کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

فطلقها اخر ثلاث تطليقات (مسلم کتاب الطلاق)

"اس نے اس کو تین طلاقوں کی آخری طلاق دی۔" (یعنی تین طلاقوں میں سے جو آخری طلاق رہ گئی تھی، وہ بھی دے دی۔)

اس حدیث میں جب مجلس واحد کی تین طلاقوں کی صراحت نہیں ہے تو اس سے اس کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ "اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔" (ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۶)

دوسری حدیث عویمر عجلانی کی ہے جس میں لعان کا قصہ بیان ہوا ہے :

فلما فرغا قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله ان امسكتها فطلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله صلى الله عليه وسلم (بخاری کتاب الطلاق)

"جب دونوں لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر نے کہا اگر میں اس (بیوی) کو اپنے پاس روک لوں تو جھوٹا ہوں، پھر اس نے اس کو تین طلاقیں دے دیں قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں۔"

اس حدیث کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جب عویمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیک وقت تین طلاقیں دیں اور آپؐ نے نکیر نہیں فرمائی تو مجلس واحد کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ لعان کے بعد تفریق ہو ہی جاتی ہے اور نہ رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرنے کی۔ عویمر نے جو تین طلاقیں دیں وہ محض تاکید و توثیق کے لئے

Marfat.com

تھیں' ورنہ لعان میں اس کے بغیر ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ اس لئے نبی ﷺ نے اس پر نکیر کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی ہوگی۔ چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب المغنی میں ابن قدامہ لکھتے ہیں :

واما حدیث المتلاعنین فغیر لازم لان الفرقة لم تقع بالطلاق فانها وقعت بمجرد لعانهما۔ (المغنی ج ۷ ص ۱۰۳)

رہی لعان والی حدیث تو اس سے لازم نہیں آتا کیونکہ جدائی طلاق سے نہیں ہوئی بلکہ مجرد لعان سے ہوئی۔

تاہم اگر نبی ﷺ کی تقریر سے کوئی چیز ثابت کی جا سکتی ہے تو صرف یہ کہ لعان کے بعد تین یکجائی طلاقیں دی جا سکتی ہیں۔ اس میں عموم پیدا کرنا اور جہاں رجوع کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے وہاں کے لئے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

تیسری حدیث فاطمہ بنت قیس کی ہے جو صحیح مسلم میں اس طرح بیان ہوئی ہے :

عن فاطمة بنت قیس ان ابا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فارسل الیها وکیله بشعیر فسخطة فقال والله مالک علینا من شئی فجاءت رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکرت ذالک له فقال لیس لک علیه نفقة (مسلم کتاب الطلاق)

"فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ ابو عمرو بن حفص نے انہیں طلاق بتہ (جدا کرنے والی طلاق) دی اور وہ موجود نہیں تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے وکیل کو جو (ایک غلہ ہے) دے کر ان کے پاس بھیجا۔ فاطمہ نے اس پر برہمی کا اظہار کیا تو اس نے کہا : قسم بخدا تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے۔ فاطمہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر روداد پیش کی' آپؐ نے فرمایا' تیرا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے۔"

اس حدیث میں بھی طلاق بتہ کا ذکر آیا ہے جس کو تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے' لیکن صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث دوسرے طریقوں سے بھی بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں

فطلقها اخر ثلاث تطلیقات

"اس نے اس کو تین طلاقوں میں سے آخری طلاق دی۔"

اور دوسری روایت میں اس سے زیادہ صراحت ہے :

فارسل الی امراته فاطمة بنت قیس بتطلیقة کانت بقیت من طلاقها۔ (مسلم کتاب الطلاق)

"انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق جو باقی رہ گئی تھی دے کر اپنے وکیل کو ان کے پاس بھیجا۔"

جب یہ حدیث تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں کرتی تو اس سے ان کے واقع ہونے پر استدلال کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

چوتھی حدیث حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس کو صحیح مسلم نے روایت کیا ہے اور جو بہت مشہور ہے :

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فى امر كانت لهم فيه اناة فلوا مضيناه عليهم فامضاه عليهم۔ (مسلم کتاب الطلاق)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں میں تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا جس معاملہ میں لوگوں کو غور و فکر کرنے کا موقع دیا گیا تھا اس میں وہ جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں لہٰذا ہم کیوں نہ اس کو نافذ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔"

اس حدیث کو مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں تین یکجائی طلاقوں کو نافذ کر دیا تھا اس سے اس کے ایقاع اور اس پر اجماع دونوں کا ثبوت ملتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اس حدیث سے حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ اور عہد رسالت کا تعامل بھی تو ثابت ہوتا ہے۔ پھر کس دلیل سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ حضرت عمرؓ کے فیصلہ کو مان لیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ اور عہد رسالت کے تعامل کو قبول نہ کیا جائے؟ جبکہ عہد رسالت کا تعامل بہرحال فوقیت رکھتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تین یکجائی طلاقوں کی شرعی حیثیت میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ محض تعزیراً ان کو نافذ کیا تھا اور تعزیرات کے باب میں حضرت عمرؓ کے اجتہادات معلوم ہی ہیں۔ مثلاً شراب کی دکانوں کو جلا دینا، شرابیوں کو اسی کوڑوں کی سزا مقرر کرنا اور شہربدر کرنا وغیرہ۔ صحابہ کرام نے جب دیکھا کہ حضرت عمرؓ مصالح امت کے پیش نظر تعزیراً ان کو نافذ کر رہے ہیں تو انہوں نے اس معاملہ میں آپ سے اتفاق کیا۔

یہ حدیث سنن ابی داؤد میں جس طریقہ سے بیان ہوئی ہے اس میں

اذا طلق امرات قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة۔

"جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے تین طلاقیں دیتا تو انہیں ایک شمار کیا جاتا۔"

کے الفاظ ہیں۔ لیکن امام نووی لکھتے ہیں کہ ابوداؤد کی روایت ضعیف ہے۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ج ا، ص ۴۷۸) ان تمام باتوں کے پیش نظر اس حدیث سے تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

پانچویں حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے جو صحیحین میں بیان ہوئی ہے۔

عن ابن عمر انه طلق امراته وهى حائض فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فسال عمر بن الخطاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم مره فليرا

Marfat.com

جعها ثم ليتركها حتى نهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسک بعد و ان شاء طلق قبل ان يمس فتلک العدة التى امر الله ان يطلق لها النساء۔ (مسلم کتاب الطلاق)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا' ان سے کہو کہ وہ رجوع کریں پھر اسی حالت میں بیوی کو چھوڑ دیں۔ یہاں تک کہ وہ طاہر ہو جائے پھر جب دوسرا حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو جائے تو چاہیں تو روک لیں' چاہیں تو مجامعت سے پہلے طلاق دیں۔ یہی وہ عدت ہے جس کا حکم اللہ نے عورتوں کے سلسلہ میں دیا ہے۔"

یہ حدیث صحیح ہے' لیکن اس میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں ہے' اسی لئے مسلم نے اس حدیث کو طلاق الثلاث کے باب میں نہیں بیان کیا ہے بلکہ تحریم طلاق الحائض کے باب میں بیان کیا ہے۔ البتہ بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان ایک سوال کے جواب میں موجود ہے کہ :

فاما ان طلقتها ثلاثًا فقد عصيت ربک فيما امرک به من طلاق امراتک وبانت منک (مسلم کتاب الطلاق)

"اگر تو نے تین طلاقیں دی ہیں تو اپنی بیوی کے طلاق کے معاملہ میں تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ تجھ سے جدا ہو گئی۔"

اس جواب میں تین یکجائی طلاقوں کی صراحت نہیں ہے۔ مزید برآں اس کی حیثیت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فتوے کی ہے' یعنی مرفوع حدیث کا یہ جزء نہیں ہے۔

رہا مصنف ابن ابی شیبہ' دار قطنی اور طبرانی کا مرفوعاً بیان کرنا کہ :

فقلت يا رسول الله ارايت لو طلقتها ثلاثًا اكان يحل لى ان اراجعها فقال لا' كانت تبين منک وكانت معصية

"(ابن عمرؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا یارسول اللہ! اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا' نہیں' وہ تم سے جدا ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔"

یہ اضافہ والی روایت ضعیف ہے' جیسا کہ علامہ ابن قیم نے اغاثة اللهفان میں لکھا ہے۔ اس کے ایک راوی شعیب ہیں جن کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ صحیح طریقوں سے حدیث جہاں کہیں روایت کی گئی ہے اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے تین یکجائی طلاقوں کا ایقاع ثابت نہیں ہوتا۔

چھٹی حدیث محمود بن لبید کی ہے جسے نسائی نے روایت کیا ہے۔

عن محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امراته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم حتى قام رجل وقال يا رسول الله الا

Marfat.com

اقتلہ (نسائی۔ کتاب الطلاق)

"محمود بن لبید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں یکجا طور پر دی ہیں۔ یہ سن کر آپ سخت برہم ہوئے اور فرمایا: کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے درآنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ ایک شخص آپ کی برہمی کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہا' یارسول اللہ! میں اسے قتل نہ کردوں۔"

اس میں تین طلاقوں پر آپؐ کے برہم ہونے کا ذکر ہے' لیکن ان کے ایقاع کی اس میں صراحت نہیں ہے اور آپؐ کا ارشاد "ایلعب بکتاب اللہ" (کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا۔) واضح کرتا ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا کتاب اللہ سے کھیلنا ہے۔ لہٰذا یہ بات کس طرح باور کی جاسکتی ہے کہ آپؐ اس کو موثر مان کر کتاب اللہ سے کھیلنے کی اجازت دیں گے علاوہ ازیں اس روایت کے بارے میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ فیہ انقطاع (یہ روایت منقطع ہے)۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۷) الغرض تین یکجائی طلاقوں کا واقع ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

ساتویں حدیث رکانہ کی ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

عن رکانۃ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ انی طلقت امراتی البتۃ فقال ما اردت بھا' قلت واحدۃ قال واللہ۔ قلت واللہ۔ قال فھو ما اردت۔ (ترمذی' کتاب الطلاق)

"رکانہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یارسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ (جدا کرنے والی طلاق) دی ہے آپؐ نے پوچھا' تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ میں نے کہا' ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا' اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہو۔ میں نے کہا اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا پھر اس کا حکم بھی تمہارے ارداہ کے مطابق ہی ہے۔ (یعنی چونکہ ایک طلاق کی نیت تھی اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔)

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے لکھا ہے "لا نعرفۃ الا من ھذا الوجہ" (ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے۔) اس کے ایک راوی زبیر بن سعید ہیں جن کے بارے میں علامہ ابن حجر نے تقریب التھذیب میں لکھا ہے کہ لین الحدیث ہیں۔ اسی طرح دوسرے راوی عبداللہ کے بارے میں بھی یہی بات لکھی ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے' لیکن اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ حدیث رکانہ کوئی چیز نہیں۔ امام بخاری نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور علت حدیث کو جاننے والے ائمہ نے کہا ہے کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ (اغاثۃ اللھفان ج ۱' ص ۳۱۶) اس لئے اس حدیث سے بھی مسئلہ زیر بحث میں استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ برعکس اس کے ابورکانہ کی وہ حدیث جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور جس میں ابورکانہ کے تین طلاقیں دینے اور نبی ﷺ کے مراجعت کا حکم دینے کا ذکر ہے۔

Marfat.com

فقال انی طلقت ثلاثا یا رسول اللہ' قال قد علمت راجعھا۔ (ابوداؤد۔ ابواب الطلاق)

"ابورکانہ نے کہا : میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں۔ یارسول اللہ! آپؐ نے فرمایا : میں جانتا ہوں' تم رجوع کر لو۔"

اس حدیث سے ایک طلاق واقع ہونے کی تائید ہوتی ہے' لیکن اس کی اسناد میں بعض بنی ابی رافع مذکور ہے جو راوی کے مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مشہور اور اہم احادیث کا جائزہ اوپر پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی ہیں جو یکجائی تین طلاقوں کے ایقاع کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ یہ دار قطنی وغیرہ کی حدیثیں ہیں جو درجہ اسناد' اور متن وغیرہ کے لحاظ سے ایسی نہیں ہیں کہ ان سے حجت قائم ہو سکے۔ اتنے اہم مسئلہ میں کمزور' غیر مشہور اور غیر واضح احادیث کا سہارا لے کر تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ احادیث کو قبول کرنے کے معاملہ میں اس قدر محتاط تھے کہ آپ نے فاطمہ بنت قیس کی' اس مطلقہ کے لئے جسے تین طلاقیں دی گئی ہوں' عدم نفقہ کی روایت کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے :

قال عمر انترک کتاب اللہ و سنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بقول امراۃ لا ندری لعلھا حفظت او نسیت لھا السکنی والنفقۃ قال اللہ عزوجل لا تخرجوھن من بیوتھن و لا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ (مسلم کتاب الطلاق)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا ایک عورت کے کہنے پر ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیں گے جبکہ ہم نہیں جانتے اس عورت نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ مطلقہ ثلاث کے لئے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے' ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو' اور نہ وہ خود نکلیں' الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔"

اس لئے مسئلہ زیر بحث میں جبکہ کوئی صریح حدیث موجود نہیں ہے' قرآن کے بیان پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ غیر صحیح اور غیر صریح روایتوں سے تین یکجائی طلاقوں کا وقوع شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔

کیا تین یکجائی طلاقوں کے وقوع پر اجماع ہے؟

کہا جاتا ہے کہ تین یکجائی طلاقوں کے واقع ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ امت کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اس کے بارے میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اوپر گزر چکی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں تین طلاقوں کو ایک طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی کا اجماع کس چیز پر تھا؟ رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تو اس کی جو توجیہ علامہ ابن قیم نے فرمائی ہے' اوپر مذکور ہوئی۔ یعنی یہ حکم عارضی تھا اور بطور تعزیر تھا۔ محمد حسین ہیکل نے بھی "الفاروق عمر" میں اس پر مفصل بحث کی ہے

Marfat.com

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے کتاب اللہ کی نص میں اجتہاد کیا تھا جس کی آج ہم مخالفت کرتے ہیں' کیونکہ نص قرآنی کا مقصود یہ ہے کہ طلاق بالفعل ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ دینے پر واقع ہو اور شوہر کے لئے دو دفعہ رجوع کا موقع باقی رہے۔ کیونکہ اس کے اثرات زندگی پر گہرے مرتب ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ "تجھے تین طلاقیں ہیں" تو ایک طلاق ہی واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ایک فعل ہے جسے واقع ہونا ہے' نہ کہ قول جسے زبان سے ادا کرنا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق و شام کی لونڈیوں کی کثرت ہوگئی تھی اس لئے لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دینے میں جلدی کر رہے تھے اور ان کو بیک وقت تین طلاقیں دے کر جن لونڈیوں کی طرف ان کے دل راغب ہو جاتے تھے ان کو خوش اور مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اس قسم کے اسباب کی بنا پر حضرت عمرؓ نے کلمہ واحد کی تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ موصوف آگے لکھتے ہیں :

هذا اجتهاد رای خالف عمر فيه من بعد غير واحد من الفقها و خالفه اهل عصرنا الحاضر فی طائفته من البلاد الاسلمايته ولا ضير على عمر من نالک ولا ضير منه على مخالفيه' فعمر وغيره من الصحابته لم يكونوا يفتون برايهم على سبيل الالزام ولا على انه وحده الحق بل على انه رائی ان يكن صوابًا فمن الله و ان يكن خطا فمن صاحبه فهو يستغفر الله منه۔ (الفاروق عمر محمد حسین ہیکل ج ۲ ص ۲۸۶)

"یہ حضرت عمرؓ کا اجتہاد رائے ہے جس کی مخالفت ان کے بعد متعدد فقہاء نے کی ہے اور دور حاضر میں بلاد اسلامیہ کا ایک گروہ اس کا مخالف ہے' لیکن اس سے نہ صرف حضرت عمرؓ پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ان سے اختلاف کرنے والوں پر۔ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ اپنی رائے سے جو فتویٰ دیا کرتے تھے وہ نہ بطور لزوم کے ہوتا تھا اور نہ اس طور سے ہوتا تھا کہ وہی حق ہے بلکہ ایک رائے ہے۔ اگر درست ہو تو اللہ کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہو تو صاحب رائے کی طرف سے چنانچہ آپ اس سلسلہ میں اللہ سے استغفار کرتے تھے۔"

موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے :

السنة ما سنة الله ورسوله لا تجعلوا خطا الرای سنة للامة (ایضًا)

"سنت وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے سنت قرار دیا ہے۔ رائے کی غلطی کو امت کے لئے سنت نہ بناؤ۔"

مصر کی مشہور کتاب "كتاب الفقه على المذاهب الاربعة" کا مصنف رقم طراز ہے :

ولكن الواقع انه لم يوجد اجماع۔ فقد خالفهم كثير من المسلمين۔ و مما لا شك فيه ان ابن عباس من المجتهدين الذين عليهم المعول في الدين فتقليده جائز كما ذكرنا ولا يجب تقليد عمر فيما

Marfat.com

راه لانه مجتهد و موافقة الاكثرين له لا تحتم تقليده على انه يجوز ان يكون قد فعل ذالك لتحذير الناس من ايقاع الطلاق على وجه مغائر للسنة فان السنة ان تطلق المراة فى اوقات مختلفة على الوجه الذى تقدم بيان فمن بجرا علىٰ تطليقها دفعة واحدة فقد خالف السنة و جزاء هذا ان يعامل بقوله زجر اله.

"لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پر اجماع ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ بہت سے مسلمانوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بلاشبہ مجتہدین میں سے تھے جن کے اوپر دین کے معاملہ میں پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی تقلید کرنا جائز ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ان کی رائے کے معاملہ میں تقلید کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ آپ بھی مجتہد ہی تھے۔ رہا اکثریت کا آپ سے اتفاق کرنا تو اس سے آپ کی تقلید لازم نہیں آتی۔ ممکن ہے آپ نے لوگوں کی تعزیر کی غرض سے اسے نافذ کیا ہو جبکہ لوگ خلاف سنت طریقہ پر طلاق دے رہے تھے کیونکہ سنت یہی ہے کہ عورت کو مختلف اوقات میں طلاق دی جائے۔ جس کے طریقہ کا اوپر بیان ہو چکا۔ تو جو شخص یکبارگی طلاق دینے کی جرات کرتا ہے وہ سنت کے خلاف کرتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ زجر کا معاملہ کیا جائے۔"

وبالجملة فان الذين قالوا ان الطلاق الثلاث بلفظ واحد يقع به واحدة لا ثلاث لهم وجه شديد وهو ان ذالك هو الواقع فى عهد الرسول و عهد خليفة الاعظم ابى بكر وسنتين من خلافة عمر واجتهاد عمر بعد ذالك خالفه فيه غيره فيصح تقليد المخالف كما يصح تقليد عمر والله تعالىٰ لم يكلفنا البحث عن اليقين فى الاعمال الفرعية لانه يكاد يكون مستحيلا

(کتاب الفقہ علی لمذاہب الاربعہ ج ۴، ص ۳۴۴۔ ۳۴۳)

"مختصر یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں بلفظ واحد ایک واقع ہوتی ہیں تین نہیں، ان کا کہنا معقولیت پر مبنی ہے، کیونکہ عہد رسالت، خلیفہ اعظم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو برسوں تک ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اجتہاد کیا اس کی دوسروں نے مخالفت کی، لہٰذا مخالفت کرنے والوں کی تقلید بھی اسی طرح درست ہے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی اعمال میں کرید کر یقینی صورت حال معلوم کرنے کا ہمیں مکلف نہیں بنایا ہے کیونکہ ایسا کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔"

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :

(وكذالك) اذا طلقها ثلاثًا بكلمة او كلمات فى طهر واحد فهو محرم عند جمهور العلماء وتنازعوا فيما يقع بها فقيل يقع بها الثلاث وقيل لا يقع بها الا طلقة واحدة وهذا هو الا ظهر الذى يدل عليه الكتاب والسنة كما قد بسط فى موضعه.

"اگر کوئی شخص ایک طہر میں ایک کلمہ میں یا تین کلموں میں تین طلاقیں دے تو جمہور علماء کے نزدیک

Marfat.com

حرام ہے' لیکن ان کے واقع ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ تین واقع ہوں گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک واقع ہوگی اور یہی زیادہ صحیح ہے جس پر قرآن و سنت دلالت کرتے ہیں' جیسا کہ دوسری جگہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔"

(وکذلک) الطلاق المحرم فی الحیض بعد الوطی هل یلوم؟ فیه قولان للعلماء والا ظهر انه لا یلزم النکاح المحرم والبیع المحرم و قد ثبت فی الصحیح عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر و صدراً من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة و ثبت ایضًا فی مسند احمد ان رکانة بن عبد یزید طلق امراته ثلاثًا فی مجلس واحد فقال النبی صلی الله علیه وسلم هی واحد ولم یثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم خلاف هذه السنة بل ما یخالفها اما انه ضعیف بل مرجوع واما انه صحیح لا یدل علی خلاف ذالک کما قد بسط ذالک فی موضعه والله اعلم۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۸۶)

"طلاق محرم جو مجامعت کے بعد حالت حیض میں دی جائے کیا وہ موثر ہوگی؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ نکاح حرام اور بیع حرام موثر نہیں ہے اور صحیح حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ اور مسند احمد کی حدیث سے ثابت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو مجلس واحد میں تین طلاقیں دیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سنت کے خلاف کچھ ثابت نہیں ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ مروی ہے وہ یا تو ضعیف ہونے کی وجہ سے مرجوع ہے' یا صحیح ہے لیکن اس سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم۔"

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں :

فان الله سبحنه انما شرع الطلاق مرة بعد مرة ولم یشرعه جملة واحدة اصلا۔ (اغاثته اللهفان ج ا ص ۲۸۳)

اللہ سبحانہ نے ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا مشروع فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر تین طلاقیں (بیک وقت) دینا اصل میں مشروع ہی نہیں فرمایا ہے۔"

امام رازی لکھتے ہیں :

(الاول) وهو اختیار کثیر من علماء الدین انه لوطلقها اثنین او ثلاثًا لا یقع الا الوحدة و هذا القول هو الا قیس لان النهی یدل علی اشتمال المنهی عنه علی مفسدة راجحة۔ والقول بالوقوع سعی فی ادخال تلک المفسدة فی الوجود وانه غیر جائز فوجب ان یحکم بعدم الوقوع۔ (التفسیر الکبیر ج ۲ ص

Marfat.com

(۲۶۰
"یہ قول بہت سے علماء دین کا ہے کہ اگر مرد نے دو یا تین طلاقیں دی ہوں تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے' کیونکہ کسی چیز کی ممانعت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ ممنوعہ چیز بڑے مفسدہ پر مشتمل ہے لہٰذا تطلیقات ثلاثہ کے واقع ہونے کا قول اس مفسدہ کو وجود میں لانے کے مترادف ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ عدم وقوع کا حکم لگایا جائے۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہوا کہ مجلس واحد کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع نہیں ہے' بلکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

مجلس واحد کی تین طلاقیں کن علماء فقہاء کے نزدیک ایک واقع ہوتی ہیں

اگرچہ کہ ائمہ اربعہ مجلس واحد کی تین طلاقوں کے ایقاع کے قائل ہیں' لیکن علماء و فقہاء کی ایک تعداد صرف ایک طلاق کے وقوع کی قائل ہے۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ' عکرمہ' طاؤس' ابن اسحٰق' امام رازی' امام ابن تیمیہ' علامہ ابن قیم' داؤد ظاہری وغیرہ۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں :

"اور اہل علم کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق' طلاق کے پیچھے نہیں واقع ہوتی اور ایسی صورت میں صرف ایک طلاق پڑتی ہے۔ صاحب بحر نے اس کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' امام طاؤس' امام عطاء جابر ابن یزید' ہادی' قاسم' ناصر' احمد بن عیسیٰ' عبداللہ بن عیسیٰ بن عبداللہ اور ایک روایت زید بن علی سے نقل کی ہے۔ اسی طرف متاخرین کی بھی ایک جماعت گئی ہے جس میں ابن تیمیہ' ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت شامل ہے اور ابن المنذر نے اس کو اصحاب ابن عباس' عمرو بن دینار وغیرہ سے نقل کیا ہے' اور ابن مغیث نے اسی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ نیز ابن مغیث نے اپنی کتاب "الوثائق" میں اسی کو محمد بن وضاح سے بھی نقل کیا ہے اور مشائخ قرطبہ میں سے محمد بن تقی' محمد بن عبدالسلام وغیرہ کی ایک جماعت کا بھی فتویٰ اس قول پر نقل کیا ہے۔" (الجواہر الغالیہ۔ از مولانا ابوعبیدہ اعظمی بحوالہ نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۴۵)

اہل حدیث نقطہ نظر بھی یہی ہے۔

علاوہ ازیں اثنا عشریوں کا بھی یہی مسلک ہے اور امامیہ کے یہاں تو تین یکجائی طلاقیں دینے سے طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔

حجاج بن ارطاۃ اور محمد بن مقاتل (حنفی) بھی اسی کے قائل ہیں کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں

Marfat.com

ہوتی۔ (ملاحظہ ہو شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۷۸)

تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کا اثر اسلام کے نظام طلاق پر

درحقیقت تین یکجائی طلاقوں کے وقوع کو تسلیم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ رجوع کا جو حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے' اس کو ساقط کر دیا جائے۔ پھر معاملہ یہیں پر نہیں رکتا' بلکہ اس کو تسلیم کرنے کے بعد دوسرے مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک طلاق رجعی کی بجائے ایک طلاق بائن دے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے رجوع کے حق کو خود ہی ساقط کر دے تو اس کے وقوع کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا' اور غالباً اسی لئے کچھ فقہاء کو ایک طلاق بائن کی گنجائش نکالنا پڑی ہے۔ حالانکہ قرآن و سنت کی رو سے مدخول بہا کی ایک طلاق رجعی ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح دیکھا جائے تو اسلام کا پورا نظام طلاق تقہیت اور قانونی الٹ پھیر کی زد میں آجاتا ہے جس سے شرعی احکام کی روح مجروح ہو جاتی ہے' جو عظیم مصالح معاشرتی زندگی کی تعمیر میں اسلام نے ملحوظ رکھے ہیں' وہ متاثر ہو جاتے ہیں' اعتدال باقی نہیں رہتا اور مسلمانوں کے معاشرتی ڈھانچہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے اس انداز فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔

مسلم ممالک میں ایک طلاق کا قانون

مسلم ممالک نے تطلیقات ثلاثہ کے سلسلہ میں جو قوانین بنائے ہیں ان کی حیثیت شرعی حجت کی ہرگز نہیں ہے۔ اس لئے ان قوانین کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا' تاہم یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ کن ممالک نے اس سلسلہ میں اقدامات کئے ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر یعنی بغرض معلومات اس کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے مصر نے ۱۹۲۹ میں آن واحد کی تین طلاقوں کے اصول کو ختم کر دیا اور قانون یہ بنایا کہ متعدد طلاقیں صرف ایک طلاق شمار ہوں گی اور وہ رجعی ہوگی۔

A Divorce Accomanied By A Number Expressly Or Impliedly, Shall Count Only A Single Divorced, And Such A Divorce Shall Be Revocable.

(Egyption Family Lews Of 1929. Artical 3.)

ایک وقت میں بار بار واضح طور پر یا کنایتہ " طلاق کہنے سے صرف ایک طلاق گنی جائے گی اور ایسی طلاق عدت کے اندر اندر قابل واپسی ہوگی۔ (مصری فیملی قانون ۱۹۲۹ آرٹیکل ۳)

اسی قسم کا قانون سوڈان نے ۱۹۳۵ء میں' اردن نے ۱۹۵۱ء میں' شام نے ۱۹۵۳ء میں' مراکش نے ۱۹۵۸ء میں' عراق نے ۱۹۵۹ء میں اور پاکستان نے ۱۹۶۱ء میں نافذ کیا۔

(ملاحظہ ہو طاہر محمود کی کتاب _____ (Muslim Law Reform

Marfat.com

محض تاکید کے لئے طلاق کا لفظ دہرانا

کبھی محض تاکید کے لئے طلاق کا لفظ دہرایا جاتا ہے اور حالت غصہ میں انسان کو کچھ نہیں سوجھتا اور وہ ایک بات کو کئی بار دہرا دیتا ہے۔ مثلاً خالد محمود کی کسی بات پر تکرا ہوگئی اور اس الجھاؤ میں ایک نے دوسرے کو گالی بک دی اور بکتا ہی چلا گیا۔ جو گندی بات اس کے منہ سے نکلی اس نے بیسیوں بار دہرا دی۔ جب بات رفع دفع ہوئی تو عرف عام میں یہی کہا جائے گا کہ ایک بار خالد محمود کی تکرار ہوگئی تھی اور اس کو یوں نہیں کہا جا سکتا کہ خالد محمود کی دس بار لے دے ہوئی۔ بعینہٖ مرد طلاق دیتے وقت اسی غصہ کی حالت میں انت طالق طالق طالق یا طلاق طلاق طلاق کہتا ہے۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ تو نے بار بار جو طالق طالق کا لفظ استعمال کیا یا طلاق طلاق بار بار کہا وہ کیوں کہا تو یقیناً کہے گا کہ غصے میں بس کہتا گیا۔ اس سے پوچھو کہ تو نے تین طلاق دینے کا فیصلہ کیا تھا؟ وہ یقیناً کہے گا کہ میں نے فیصلہ کر کے کوئی بات کی ہی نہیں بلکہ غصہ میں کی۔ کیا تیری نیت تین طلاق دینے کی تھی یا تاکیداً کہتا رہا ہے جواب اس سے سن لو کہ کیا کہتا ہے۔ ایسی صورت میں متعدد فقہائے اسلام ایک ہی طلاق شمار کرنے کے قائل ہیں۔ ملاحظہ کریں حنبلی مسلک کی کتاب "المغنی" (علامہ ابن قدامہ ج ۷ ص ۲۳۲) شافعی مسلک کی کتاب "منہاج الطالبین" (امام نووی ص ۱۰۷) وغیرہ۔ بالکل اس سے ملتی جلتی صورت یہ ہے کہ لوگ شرعی احکام سے ناواقفیت کی بنیاد پر تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دیتے ہیں لیکن بعد میں جب اس کا علم ہو جاتا ہے تو ایسا شخص کہتا ہے کہ میں سمجھ رہا تھا کہ تین طلاق کے الفاظ استعمال کئے بغیر طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ اس صورت حال کو واقعیت پسندانہ نقطہ نظر سے دیکھنا چاہئے اور اس کے اس بیان کے پیش نظر تین طلاقوں کو تاکید پر محمول کر کے ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگانا چاہئے۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی برائی وہ ہے جس کا نام حلالہ رکھا گیا

جس چیز کا نام حلالہ رکھا گیا ہے وہ ایسی بے غیرت چیز ہے جس کا کوئی شریف اور خوددار شخص تصور بھی نہیں کر سکتا اس لئے نکاح شرعی کا اعلان و اشتہار ہوتا ہے جس پر خوشی اور مبارک بادی کا اظہار ہوتا ہے۔ تقریبات اور ولیمہ کا اہتمام ہوتا ہے لیکن "حلالہ" کو لوگ کانوں کان چھپاتے ہیں۔ کتنی ڈھٹائی کی بات ہے جو صرف مذہبی اپچ میں برداشت کر لی جاتی ہے۔ تعجب ہے کہ 'طلاق' 'طلاق' طلاق لفظ مرد نے اپنی زبان سے ادا کیا تھا جس میں آخر عورت کا کوئی قصور۔ عورت تو اس وقت بھی مجبور محض تھی جب طلاق طلاق کا ڈنڈا برس رہا تھا۔ خدارا کچھ تو خیال کرو کہ گناہ کسی نے کیا اور سزا کسی پر پڑی؟ بے شرمو! اگر شرم نہیں آتی تو حلالہ نکالو اس مرد کا جس نے یہ فعل کیا۔ آخر اس آدم زادی نے کیا قصور کیا تھا جس کی اس کو سزا دے رہے ہو۔

کیا حلالہ نکالنا سزا نہیں؟ کیا اپنی بیوی کسی دوسرے کو ایک رات کے لئے مشروط طور پر دینے والا بے غیرت نہیں؟ کیا اندر بیٹھ کر اندر ہی اندر یہ سب کچھ طے کرنے اور کرانے والے سب مسلمان ہیں؟ عورت کے

Marfat.com

۳۱ ع ۱۵

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۲۴۲ اَلَمْ تَرَ اِلَى
الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ

اس طرح[۴۰۸] اللہ تعالیٰ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دیتا ہے تا کہ تم سوچتے سمجھتے ہوئے عقل سے کام لو۔ ۲۴۲

اے پیغمبر اسلام! کیا تم نے[۴۰۹] ان لوگوں کی سرگزشت پر غور نہیں کیا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور باوجودیکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے مگر موت

نکاح کا داعیہ اس کے دین' حسب و نسب اور مال و جمال سے ہوتا ہے کیا حلالہ کرنے والا بھی ان میں سے کسی بات کا طالب ہے؟ نکاح کرنے والا حق مہر ادا کرتا ہے۔ عورت کو گھر بسانے کے لئے ایک خلوص نیت سے عہد کرتا ہے۔ نکاح کرنے والا بارات کی شکل میں لڑکی والوں کے گھر دن مقرر کر کے پہنچتا ہے کیا حلالہ کرنے والے نے بھی حق مہر ادا کیا ہے؟ نہیں بلکہ اس نے تو ایک اچھی خاصی رقم آپ سے بطور اجرت وصول کی ہے۔

ذرا حلالہ نکالے والے سے پوچھو تو بات واضح ہو جائے گی۔

گزشتہ احکام کی تاکید مزید کا پیارا انداز

۴۰۸ فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو گزشتہ آیات میں معاشرتی زندگی کی اکائی کے متعلق تم کو مختلف احکام دیئے گئے ہیں ان احکام میں ذرا غور و فکر اور عقل و تدبر سے کام لو گے تو تمہارے لئے اجتماعی زندگی کے قانون بھی اسی سے استنباط ہو سکیں گے اور پھر ان خاص احکام میں بھی ازدواجی زندگی کے قائم کرنے اور منقطع کرنے کے مختلف طریقے اور صورتیں بیان کی گئیں ہیں جن میں کسی قسم کا ابہام نہیں بلکہ ہم نے اپنی آیتیں واضح کر دی ہیں۔ تاہم کوئی بات کتنی ہی واضح کیوں نہ ہو پیچیدگیاں پیدا کرنے والے کوئی نہ کوئی حجت نکال ہی لیتے ہیں۔ عقل والوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بات میں آسانی اور نرمی کا خیال کریں اور جس حال میں بھی ہوں عقل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ عقل ہی وہ چیز ہے جس سے قرآن کریم کی ہدایات سمجھی جا سکتی ہیں اور پھر جو بات اچھی طرح سمجھ لی جائے اس پر عمل آسان ہوتا ہے۔

سلسلہ کلام پھر جہاد کی طرف پھیرا جا رہا ہے

۴۰۹ یہاں سے سلسلہ بیان پھر اسی طرف پھرتا ہے جہاں سے نکاح و طلاق کا بیان شروع ہوا تھا یعنی

Marfat.com

جہاد کے احکام و مصالح کی طرف اور فرمایا جا رہا ہے کہ جو جماعت موت سے ڈرتی ہے وہ کبھی زندگی کی کامرانیاں حاصل نہیں کر سکتی۔ بنی اسرائیل کی ایک عبرت انگیز سرگزشت جس نے باوجود کثرت تعداد کے جہاد سے اعراض کیا تھا۔

"اَلَمْ تَرَ" عربی میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے۔ رؤیت سے ہمیشہ چشم بصارت ہی سے دیکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ وہم و تخیل اور غور و فکر اور عقل کی راہ سے بھی مطالعہ و مشاہدہ مراد ہوتا ہے اور پھر جب اس فعل کا صلہ "الیٰ" کے ساتھ آتا ہے تو مقصود کوئی نتیجہ نکالنا یا عبرت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ (راغب)

پھر یہی لفظ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ تاریخ بنی اسرائیل کا کوئی بڑا مشہور واقعہ ہے جس کی طرف قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے اور فی الحقیقت ایسا ہی ہے اور اس آیت کا لفظ "خرجوا" ہی اس واقعہ کی تعیین کرنے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ میں خروج کا ایک واقعہ ہے جس کو سب لوگ جانتے ہیں یعنی بنی اسرائیل کا خروج مصر سے جس کے ذکر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات کے اندر خروج کے نام سے باقاعدہ ایک کتاب موجود ہے۔ قرآن کریم نے وہی لفظ "خرجوا" اختیار کر کے اس مشہور و معروف واقعہ کا صاف صاف پتہ دے دیا۔ دوسری تعیین اسی آیت کے لفظ "الوف" سے ہو جاتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے اس خروج میں ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں کی تعداد تھی اور پھر یہ بات کہ یہ واقعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہی کے بنی اسرائیل کا ہے اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ دو آیتیں آگے چل کر جو اس مضمون پر مشتمل ہیں صاف صاف ذکر موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے بنی اسرائیل کا ہے۔

بنی اسرائیل قریباً چار سو سال تک مصر میں رہے جس میں زیادہ تر زمانہ وہ غلامانہ زندگی بسر کرتے رہے تاآنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پنجہ فرعون سے ان کو نجات دلوائی۔ فرعون کی قوم ان کو ہلاک کرنا چاہتی تھی اس کی ساری اسکیمیں اسی طرح کی تھیں موسیٰ علیہ السلام ان میں زندگی کی روح پھونکنا چاہتے تھے اور ان کا یہ چاہنا اللہ کے حکم سے تھا اس کی صورت یہ نکالی گئی کہ ان سب کو مصر سے نکلنے یعنی ہجرت کرنے کا حکم دیا اور حکم الٰہی کے مطابق وہ مصر سے لے کر ان کو نکل پڑے۔ فرعون کے ایک لشکر جرار نے ان کا تعاقب کیا۔ جس وقت یہودیوں نے اس عظیم الشان اجتماع کو دیکھا تو ان کے اوسان خطا ہو گئے اور ان کو اپنی جانوں کا خطرہ لاحق ہو گیا اور قرآن کریم نے ان کی اس حالت کو چار پانچ لفظوں میں بیان کر دیا جہاں فرمایا فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۝ (الشعراء ۲۶ : ۶۱) جو قوم صدیوں تک غلام و محکوم رہ چکی ہو اس کے تمام جذبات حق و حریت فناہ ہو جاتے ہیں۔ ارادہ میں ضعف و کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ جوش و ولولہ سرد پڑ جاتا ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا تھا اور حقیقت یہی ہے کہ محکومیت اور غلامی سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی بڑی لعنت نہیں ہو سکتی اس لئے ایسی قومی زندگی کو زندگی نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ قومی موت ہوتی ہے۔

Marfat.com

اس جگہ سے نکال کر موسیٰ علیہ السلام نے ان کی حمیت قومی میں جوش پیدا کرنے کے لئے فرعون کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد اس قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ۝ (المائدہ ۵ : ۲۱) ”اے میری قوم کے لوگو! مقدس سرزمین جسے اللہ نے تمہارے لے لکھ دیا ہے پورے عزم و ہمت سے اس میں داخل ہو جاؤ اور الٹے پاؤں پیچھے کی طرف نہ ہٹو کہ کامیاب ہونے کی بجائے نقصان و تباہی میں جا پڑو۔“

کیا یہ قوم زندہ ہے؟ جس کو پورے زور کے ساتھ یہ پیغام الٰہی بلکہ وعدہ الٰہی پہنچایا جا رہا ہے کہ دیکھو ارض مقدس تمہارا آبائی وطن ہے۔ اس وقت غیروں نے اس پر قبضہ کر رکھا ہے اپنے وطن کو آزاد کرنے کی کوشش کرو یقیناً تم کامیاب ہوگے مگر ان کا جوش و طنیت اس درجہ مردہ ہوگیا تھا کہ انہیں ذرہ برابر بھی احساس نہ ہوا اور بڑی ڈھٹائی سے یہ جواب دیا کہ ”اے موسیٰ اس سرزمین میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو بڑے ہی زبردست ہیں جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم اس سرزمین میں قدم رکھنے والے نہیں۔ ہاں! اگر وہ لوگ خودبخود وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائیں گے۔“ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کا اصرار بڑھا اور ان کی ہمت افزائی کے لئے بہت کچھ ان سے کہہ چکے تو انہوں نے برملا کہہ دیا کہ

یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۝ (المائدہ ۵ : ۲۴) ”اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں اگر تم کو زیادہ ہی اصرار ہے تو تم خود چلے جاؤ اور تمہارا خدا بھی تمہارے ساتھ چلا جائے ہم تو یہاں ہی رہیں گے تم دونوں وہاں لڑتے رہنا۔“

یعنی تم جاؤ اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھ کر تمہاری جنگ کا تماشہ دیکھیں گے۔ پھر ان کو اس بدبختانہ جواب کی سزا یہ ملی کہ چالیس سال تک اس ارض مقدس میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا ارشاد الٰہی ہوا فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ”اب چالیس برس تک ان پر وہ سرزمین حرام کر دی گئی اور وہ اس بیابان میں دھکے کھاتے رہے۔“ اس عرصہ میں موجودہ لوگ تباہ و ہلاک ہوگئے اور دوسری نسل نے آکر اس علاقہ کو فتح کیا اور اس طرح وہ گویا من حیث القوم زندہ ہوگئی۔

قوموں کی زندگی اور موت ہمیشہ یہی ہوا کرتی ہے کہ اگر وہ خود حاکم و فرمانبردار ہوں تو زندہ ہیں اور اگر دوسروں کے سامنے مقہور و ذلیل ہیں تو انہیں مردہ کہا جائے گا بنی اسرائیل نے ارض مقدس کو فتح کرنے سے انکار کیا اور وہ مردہ ہوگئے۔ حالانکہ اس زندگی کے لئے تو ان کو مصر سے نکالا گیا تھا۔ ایک مدت کے بعد اللہ نے ان پر اپنا فضل کیا اور آنے والی نسل کے ذریعہ سے آبائی وطن نوازش کر کے ان کو زندگی بخشی۔ قوموں اور ملتوں پر اللہ تعالیٰ اس قسم کا فضل و احسان کیا کرتا ہے مگر وہ توجہ نہیں کرتیں۔ آج مسلمان قوم کو بھی من حیث القوم اپنی موت و حیات پر خیال کرنا چاہئے کہ وہ مردہ ہیں یا زندہ؟ قومی زندگی کی وضاحت اوپر کر دی گئی اس پر

Marfat.com

الْمَوْتِ ص فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ط

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

لَا يَشْكُرُوْنَ ۲۴۳ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

کے ڈر سے بھاگ گئے تھے اللہ کا حکم ہوا کہ تم موت سے بھاگے ہو اب تمہارے لئے یہ موت ہی ہے یعنی تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے تو اب دشمن تم پر غالب ہی رہے گا پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے انہیں زندہ کر دیا یعنی عزم و ثبات کی روح ان میں پیدا ہوگئی اور وہ غالب ہوگئے یقیناً اللہ انسان کے لئے بڑا ہی فضل و بخشش رکھنے والا ہے لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو ناشکری کرنے والے ہیں۔ ۲۴۳

اور [۴۱۰] اللہ کی راہ میں لڑائی پیش آجائے یعنی جہاد کرنا پڑے تو موت سے نہ ڈرو' بے

قیاس کر کے اپنی موت و حیات کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

انسان جب کام کرنے کے لئے گھر سے باہر قدم نکالتا ہے' مخالفین و معاندین کی کثرت ہوتی ہے۔ اسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے اگر یہی خوف ترقی کر جائے تو کبھی کام کرنے کی ہمت نہ پیدا ہوگی اور دشمن سے مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اس لئے کام شروع کرنے سے قبل ہی فرما دیا کہ انفرادی اور اجتماعی حالت میں زندگی اور موت کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کو زندگی بخشتا اور مارتا ہے۔ تمہاری حیات و ممات اسی خدائے واحد کے قبضہ میں ہے۔ اگر اس نے تمہیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو کوئی انسانی طاقت تم کو فنا نہیں کر سکتی اور یہ ضروری نہیں کہ تم میدان جنگ میں جا کر مر ہی جاؤ گے بلکہ اس کا تعلق شہنشاہ اعظم اور مالک السموات والارض سے ہے۔ پس تم موت و حیات کی الجھن میں پھنس کر جہاد فی سبیل اللہ کے فرض سے رک نہ جاؤ یاد رکھو کہ جہاد موت نہیں بلکہ زندگی ہے۔

مفسرین کرام نے زیر نظر آیت کے تحت بہت کچھ لکھا ہے ہمارے علم میں ہے لیکن ہم نہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ ہی تردید کی کوئی ضرورت ہے اس لئے جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اس کی کوئی اصل کتاب و سنت میں موجود نہیں کتاب تورات میں حزقیل نبی کے مکاشفہ سے اخذ کر کے قرآن کریم کی تفسیر بنا دی گئی

Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۴ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ

خوف ہو کر لڑو اور یقین کرو اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲۴۴

کون ہے جو اللہ کو خوشدلی کے ساتھ قرض دیتا ہے[۴۱۱] تاکہ اللہ اس کا دیا ہوا دوگنا'

ہے جس کے لئے ہم پابند نہیں کہ اس کو قرآن کریم کا بیان سمجھیں۔ اشارہ صرف اس لئے کرنا پڑا کہ اس سے کوئی نئی بحث نہ شروع کر دی جائے۔

جہاد پیش آجائے تو بے خوف و خطر ہو کر لڑو

۴۱۰ اسلام کا نظریہ جہاد ملک گیری کی ہوس میں نہیں ہے بلکہ اشاعت دین الٰہی کی مزاحمت میں ہے دوسرے لفظوں میں ظلم و فساد کے مٹانے کی کوشش میں پیش آتا ہے کہ ظالم و فسادی ظلم اور فساد سے باز آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا جس کے نتیجہ میں تصادم ہو جاتا ہے کیونکہ ظلم و فساد کی راہ اللہ کی راہ نہیں ہوتی۔ اسلام کہتا ہے کہ ایک سچے مسلمان کا جو کچھ ہے وہ صرف اللہ ہی کے لئے ہے اس کی موت و حیات کا بھی وہی مالک ہے۔ پس جب موت و حیات کسی انسان کے قبضہ میں نہیں اور جہاد میں بھی مرنا یقینی نہیں تو اٹھ کھڑے ہوں کیوں؟ اللہ کا قانون بلند و برتر کرنے کے لئے جہاد و قتال کرو کہ اسلام کو غلبہ و اقتدار حاصل ہو اور ظلم و فساد کا پلہ نیچے ہو جائے۔ کرۂ ارض امن کا گہوارہ بن جائے اور چونکہ تم محض اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے جنگ کرو گے تو ضروری ہے کہ وہ تمہاری ہر دعا کو سنے اور اس کو اجابت بخشے اور تمہیں مخالفین کے مقابلہ میں کامیابی نصیب کرے۔ اس آیت کو پچھلی آیت کے ساتھ رکھ کر ذرا غور کرو تو وہ سارے پردے خود بخود پھٹ جائیں گے جو قومی زندگی پر ہمارے مفسرین نے ڈال دیئے ہیں اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ ملی و قومی حیات و ممات کیا ہے؟ اور قومیں باوجود کثرت افراد کے کس طرح مر جاتی ہیں اور جب اللہ زندگی بخشتا ہے تو پھر وہ باوجود قلت افراد کے کس طرح زندہ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اپنی قومی و ملی زندگی پر ذرا دھیان دے کر دیکھیں تو بات مزید روشن ہو جائے گی کیا اسلام نے جو زندگی ہم کو دی تھی آج وہ زندگی ہمارے اندر من حیث القوم موجود ہے؟

اللہ کو قرض دینا کیا ہے؟

۴۱۱ جان بلاشبہ بہت عزیز چیز ہے لیکن بعض اوقات مال خرچ کرنا جان سے بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ میں جس طرح جان پیش کرنا پڑتی ہے بالکل اسی طرح مال بھی خرچ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ سامان حرب خریدنا' دوسروں کو تیاری میں مدد دینا خصوصاً جن کے پاس مال نہیں ان کو مالی کمک پہنچانا بھی

Marfat.com

قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ
وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۴۵ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ

سہ گنا کر کے ادا کرے؟ اور تنگی اور کشائش کا رشتہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اسی
کے حضور تم سب کو لوٹنا ہے۔ ۲۴۵

اے پیغمبر اسلام! کیا تم نے اس واقعہ پر غور نہیں کیا جو موسیٰؑ کے بعد بنی

ضروریات جہاد میں ہے۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ خلافت اسلامی کو تمہاری دولت کی ضرورت ہو تو بغیر حیل و حجت روپیہ صرف کرو۔

میدان جنگ میں جاتے ہی تمہیں فتح و کامرانی نصیب ہوگی' اس قدر مال غنیمت ملے گا کہ سمیٹ نہ سکو گے اور جس طرح تم نے اسلام کی بقا و قیام کے لئے مال صرف کیا تھا اس سے کئی گنا زیادہ تم کو مل جائے گا' سدہا جگہوں پر ہلالی پرچم بلند ہوگا اور ہزاروں کافر و مشرک دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے۔ تم غربت و افلاس کی پروا نہ کرو کہ قبض و بسط اور تنگ دستی و کشائش اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ تمہارے پاس لاکھوں کروڑوں روپیہ ہو مگر اللہ ایسے سامان پیدا کر دے کہ تمام دولت تمہارے لئے بیکار ثابت ہو۔ اور تم ناداری و تہی دستی کی زندگی بسر کرو او یہ بھی اسی کے اختیار میں ہے کہ غربت کے ایام میں تمہیں ایسی فرحت و شادمانی نوازش کرے کہ بڑے بڑے دولت مندوں کو بھی وہ نصیب نہ ہو۔

"قَرْضًا حَسَنًا" اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد وہ رقم ہے جو دین اسلام کی کسی مد میں خرچ ہو سکے۔ اس جگہ مراد مصارف جہاد ہیں۔ اس ملی چندہ کو قرض اور پھر قرض حسنہ سے تعبیر کرنا عین محاورہ عرب کے مطابق ہے کہ اہل عرب ہر اچھے معاوضہ والے عمل کو اچھے قرض اور ہر برے معاوضہ والے عمل کو برے قرض سے تعبیر کرتے تھے۔ عرب ایک مشہور تجارت پیشہ قوم تھی قرض' بیع و شراء کے الفاظ اگر ان کی زبان کا جزو بن گئے ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہاں قرض اس کو مجازاً کہہ دیا ورنہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح قرض کا عوض ضروری دیا جاتا ہے اسی طرح تمہارے انفاق فی سبیل اللہ کا عوض بھی ضروری ملے گا اور بڑھانے کا بیان کتاب و سنت میں دوسری جگہوں پر بھی بار بار آیا ہے اور پھر یہ بات بھی صحیح ہے کہ لوگوں کی حاجت برآری کی جائے تو یہ بھی نیک کام ہے جس کو قرض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام نے اس آیت کے نزول کے بعد اللہ کی راہ میں خصوصاً جہاد میں بے دریغ روپیہ صرف

Marfat.com

اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابۡعَثۡ

اسرائیل کے سرداروں کو پیش آیا تھا؟ بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے عہد کے نبی سے درخواست[412] کی تھی کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے ہمارے لئے ایک حکمران

کیا اور ایسے ایسے ایمان افروز واقعات رونما ہوئے کہ ان کو پڑھ اور سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کس کمال کے لوگ تھے وہ؟ ایسا بھی ہوا کہ سب کا سب مال قرض الٰہی میں دینے کو تیار ہو گئے اور قبول کرنے والے یعنی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار کہنا پڑا کہ انہیں سارا نہیں آدھا نہیں تیسرا حصہ مختلف لوگوں سے مختلف حصوں کے ساتھ وصول کیا جب کہ ان کا تقاضا زیادہ خرچ کرنے کا تھا۔

تیاری مکمل ہو چکی ہے ہر ایک فرزند اسلام جہاد فی سبیل اللہ کے جوش و ولولہ سے سرفروشی کے لئے تیار ہے مگر جب تک اس عظیم الشان گروہ کے لئے کوئی امیر نہ ہو جو میدان جنگ میں لے جا کر پوری مہارت کے ساتھ ان کو لڑا سکے اس انبوہ کثیر کو حرکت نہیں دی جا سکتی اب آنے والی آیات میں امیر کی ضرورت اس کی خصائص و امتیازات اور وجوہ انتخاب پر گفتگو کی جاتی ہے۔

جہاد کے لئے انتخاب امیر کی ضرورت اور بنی اسرائیل کی اپیل

412 قوم کی تعلیم و تربیت اور ملکی انتظام دو جداگانہ فرائض ہیں اگرچہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ایک ہی وجود میں جمع کر دیتا ہے ورنہ عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔ سموئیل نبی صرف تعلیمی امور کے منتظم اعلیٰ تھے۔ ان سے بنی اسرائیل نے درخواست کی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے سپہ سالار کی ضرورت ہے جس کی امارت و سرکردگی میں ہم مخالفین سے جنگ کر سکیں۔ سموئیل کو معلوم تھا کہ یہ لوگ ابھی اس کام کے لئے تیار نہیں اس لئے انہوں نے دریافت کیا کہ عین وقت پر بھاگو گے تو نہیں؟ سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ملک پر غیروں کا قبضہ ہے ہماری اولادوں کو ہم سے جدا کر دیا گیا ہے۔ قومیت اور وطنیت دونوں فنا ہو چکے ہیں۔ اب بھی ہم لڑنے کو تیار نہ ہوں گے تو پھر اور کون سا وقت ہوگا؟ مگر انجام کار وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔

جنگ میں جانے سے قبل اس امر کی ضرورت ہے کہ فوج ہر قسم کے سامان جنگ سے مسلح ہو۔ ضرورت وقت کے مطابق فنون حرب کی مشق کر لی ہو اور لڑائی کے وقت جن وسائل اور چالبازیوں کا علم ہو ان کی مہارت فوج کو بہم پہنچا لی ہو۔ یہ لوگ اس کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ ساری باتیں انتظامی ہیں جس پر وقت اور مال دونوں خرچ ہوتے ہیں۔ ان میں تو صرف ایک عارضی اور ہنگامی جوش تھا جس نے ان کو لڑنے کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اس وقت کے نبی کا نام سموئیل تھا جس کے لئے حسب ذیل شہادت کافی ہے۔

Marfat.com

لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِن كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِن دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا

مقرر کر دو۔ نبیؑ نے کہا اگر تمہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ تم لڑنے سے انکار کر دو۔ سرداروں نے کہا' ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے نکالے جا چکے ہیں اور اپنی اولاد سے علیحدہ ہو چکے ہیں لیکن پھر دیکھو کہ جب ایسا ہوا کہ انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب

''تو بھی لوگوں نے سموئیل کی بات سننے سے انکار کیا اور کہا نہیں ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر مقرر ہوتا کہ ہم بھی اور سب گروہوں کی طرح ہوویں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہمارے لئے لڑائی لڑے۔'' (سموئیل ۸ : ۱۹' ۲۰)

''اَلْمَلَا'' یعنی اہل حل و عقد یا اہل الرائے گروہ یا جماعت۔ ''مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی'' یہ واقعہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد کا ہے جبکہ داؤد علیہ السلام جوانی کو پہنچ چکے تھے جو اس لشکر میں شامل تھے۔ سنہ مسیحی کے آغاز میں ابھی تقریباً گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی۔ کیونکہ سموئیل نبی جس کو تورات میں شموئیل بھی کہا گیا ہے (۱۱۰۰ ق م سے ۱۰۲۰ ق م) نبی ہوئے ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرائیم کے نام سے تھا بس اس علاقہ کے شہر رامہ میں یہ نبی رہتے تھے۔ ''ملک'' ''ملکا'' وہی ہے جس کو اردو میں ''رئیس'' یا ''امیر'' یا ''سپہ سالار'' کہا جاتا ہے۔ تورات کی زبان میں اس کو ''بادشاہ'' لکھا گیا۔ بنی اسرائیل میں ایک خاص عہدہ تھا جو فوج کے سردار کو دیا جاتا تھا بلکہ بنی اسرائیل ہر سردار اعلیٰ کو بادشاہ کہتے تھے۔

وہی کچھ ہوا جس کا خدشہ نبی نے ظاہر کیا تھا

سموئیل نبی نے ان کو کہا تھا کہ ''تمہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو کچھ بعید نہیں کہ تم لڑنے سے انکار کر دو۔'' لیکن جب ان کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو پھر کیا ہوا؟ وہی جس کا نبی نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ ''ایک تھوڑی سی

Marfat.com

مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ

نے پیٹھ دکھلا دی اور اللہ نافرمانوں سے بے خبر نہیں ہے۔ ۲۴۶

اور پھر ایسا ہوا کہ ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو حکمران ۴۱۳

تعداد کے سوا سب نے جنگ سے پیٹھ دکھلا دی۔" چنانچہ بنی اسرائیل کی مشہور تاریخ آثار یہود میں تحریر ہے: "ان پر دہشت طاری ہوگئی۔ وہ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ بعض نے زیر زمین غاروں میں پناہ لی اور بہت سے لوگ تو اپنا ملک چھوڑ کر دریائے یردان عبور کر گئے۔" (باب ۱۲ فصل ۶ ۔ فقرہ ۱) فرمایا انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ وہ دراصل نسلی طور پر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے اس لئے کہ نافرمان ہمیشہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور پھر کرتا ہی رہتا ہے۔

فوجی سپہ سالار یعنی کمانڈر انچیف کیسا ہونا چاہیے؟

۴۱۳ بنی اسرائیل کی درخواست پر ان کے وقت کے نبی سموئیل نے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا اور یہ تقرر اللہ کے ایک نبی سموئیل کا کیا ہوا تھا جو اس نے اللہ کے حکم سے مقرر کیا تھا۔ بنی اسرائیل کے بڑے بڑے سرداروں اور مالداروں کا خیال تھا کہ حکومت و فرمانروائی اور فوجوں کی امارت کے لئے وجہ انتخاب صرف دولت ہی ہو سکتی ہے پھر ان کو اپنی فراخی اور فارغ البالی پر ناز تھا وہ طالوت جیسے مفلس و غریب شخص کو اپنا امیر کیسے دیکھ سکتے تھے اس لئے اعتراض شروع کر دیئے۔ نبی نے کہا کہ امارت کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ علم تاکہ ملک کا نظم و نسق قائم رکھ سکے۔ بہترین طریقہ سے حکومت کرنے کے قابل ہو اور سیاسی مسائل کی پیچیدگیاں سلجھا سکے۔

۲۔ جسم کہ اس کی ظاہری شکل و صورت سے رعب و داب ٹپکتا ہو۔ لوگوں پر اس کی ہیبت طاری ہو۔ فن حرب کا ماہر ہو اور فنون جنگ سے اچھی طرح واقف ہو جو فوجوں کو نظم و تربیت کے ساتھ لڑا سکے۔

یہ دونوں کمال و اوصاف طالوت میں اعلیٰ درجہ کے ہیں اور یہی باتیں ہیں جن کی بنا پر ایک شخص امیر یا بادشاہ منتخب کیا جا سکتا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ دیکھو اللہ کا علم بہت وسیع ہے اور اس کی نظر تمام لوگوں پر ہوتی ہے وہ جس میں قابلیت و استعداد دیکھتا ہے اس کو حکومت کے لئے چن لیتا ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اپنے خاندانوں اور نسلی امتیازات کی پرستش کی ہے نسل و قوم کے بت کے آگے برابر سربسجود رہی ہے۔ اسلام نے آتے ہی ان قومی و نسلی امتیازات کو مٹا کر ہمیشہ کے لئے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کر دیا اور عمل کے قانون الٰہی پر زور دیا اس نے اپنی دعوت کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی نمرود نسل و قوم کے بت پر لگائی اور اعلان کر دیا۔

Marfat.com

إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ

مقرر کیا ہے' یہ سنتے ہی وہ بول اٹھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے ہم پر حکمرانی مل جائے حالانکہ اس سے کہیں زیادہ حکمران ہونے کے ہم خود حقدار ہیں علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ اسے مال و دولت کی وسعت حاصل نہیں' نبی نے یہ سن کر کہا کہ اللہ نے طالوت[۴۱۴] ہی کو تم پر برگزیدگی عطا فرمائی ہے اور علم کی فراوانی اور جسم کی طاقت دونوں میں اسے وسعت دی ہے وہ اپنے قانون کے مطابق جسے چاہتا ہے اپنی زمین کی حکمرانی بخش دیتا ہے اور وہ اپنی قدرت میں بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲۴۷

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۴۹ : ۱۳) ''اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا اس لئے کہ باہم پہچانے جاؤ ورنہ دراصل یہ تفریق و اشعاب کوئی ذریعہ امتیاز نہیں اور امتیاز و شرف اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔''

بلاشبہ ہر طرح کی فضیلت و بزرگی کی بنیاد صرف عمل ہے اور کوئی شے نہیں۔ قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اس لئے ہے کہ باہم دیگر پہچان اور تمیز کا ذریعہ ہو۔ سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ لیکن اسلام کی اس کوشش کے باوجود اس زہر کے اثرات بالکل ختم نہ ہوئے کیوں؟ اس لئے کہ منافقین کا گروہ ہر دور میں موجود رہا۔

Marfat.com

چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں جب سب سے آخری مہم بھیجی تو اس کی سرداری اسامہ بن زیدؓ کو دی اور زید جو اسامہ کے والد تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رہے تھے۔ اس وقت بھی بعض ظاہر بینوں پر یہ بات گراں گزری تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "لقد طعنتم فی امارۃ ابیہ وقد کان لھا اھل وان اسامۃ لھا اھل" تم وہی لوگ ہو کہ زید کی سرداری پر بھی قبل ازیں طعن کر چکے ہو حالانکہ وہ یعنی زید اس کا اہل تھا اور اب اسامہؓ سردار بنایا گیا ہے اس لئے کہ وہ بھی اس کا اہل ہے۔ "اھل" کے لفظ پر آپؐ نے زیادہ زور دیا یعنی طعن بیکار ہے کیونکہ امارت و سرداری کے معاملہ کی بنیاد صرف اہلیت و قابلیت ہے اور کچھ نہیں۔

طالوت کون تھا؟ بعض نے اس کو پسند نہیں کیا کیوں؟

۴۱۴ بنی اسرائیل کے ایک خاص قبیلہ کی طرف سے اعتراض کیا گیا تھا اور ان کے انکار کا ذکر توریت میں بھی موجود ہے :

"بنی بعال بولے کہ یہ شخص ہم کو کس طرح بچائے گا اور اس کی تحقیر کی اور اس کے لئے نذرانے نہ لائے۔" (سموئیل ۱۰ : ۲۷)

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارہ اولادوں کی نسل ہیں۔ چونکہ بنی اسرائیل نسلی بناء پر بارہ فرقوں یا قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا اور تورات میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھا۔ (اسموئیل ۹ : ۲۱)

ایک وجہ تو ان کے حقیر سمجھے جانے کی یہی ہوئی۔ نسل و خاندان کی اہمیت جب جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اسرائیلیوں کا بھی یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ نبوت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لادہ کا اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔

دوسرا اعتراض اسرائیلیوں کا یہ تھا کہ یہ مالی اعتبار سے بھی تو منصب امارت کے لئے لائق نہیں کیونکہ اس کے پاس دنیا کا مال اتنا نہیں جتنا کہ قوم کے دوسرے بڑے گھرانوں میں موجود ہے یہی ان کی پسندیدگی کا معیار تھا ان کو بتایا گیا کہ اس منصب کے لئے جو طالوت کو دیا گیا یہ معیار ہی نہیں ہے جس کا ذکر تم نے کیا ہے بلکہ اس منصب کے لئے معیار جسمانی طاقت اور ایمانی و عملی قوت ہے اور ان دونوں باتوں میں طالوت پوری قوم بنی اسرائیل میں سے وہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ قوی بھی ہے اور امین بھی۔ گویا سموئیل نے ان کو واضح الفاظ میں بتا دیا کہ ع پیمبر ہرچہ گوید دیدہ گوید

چنانچہ تورات میں ہے کہ : "اور سموئیل نے جماعت کو کہا کہ تم اسے دیکھتے ہو کہ جسے خداوند نے چن لیا کہ اس کی مانند سارے لوگوں میں ایک بھی نہیں۔" (سموئیل ۱۰ : ۲۴)

سموئیل کا دوسرا جواب یہ تھا کہ تم اپنے معیار سے بھی دیکھ لو تمہارے معیار سے سردار فوج میں دو ہی چیزیں ہونی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ اسے سپہ سالاری و ملک گیری کے فنون سے واقفیت ہونا چاہئے سو وہ طالوت

Marfat.com

لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ

پھر ان کے نبی نے کہا اس کی اہلیت کی نشانی یہ ہے کہ مقدس تابوت ۴۱۵ جو تم کو

کو حاصل ہے اور دوسرے خود اس کی جسمانی قوت و طاقت سو اس میں بھی وہ ممتاز ہے۔ تورات کی دی ہوئی تفصیلات سے ان کے حلیہ کا نقشہ ذہن میں خود کھینچ لیجئے۔

”بہت خوب جوان تھا اور بنی اسرائیل کے درمیان اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا تھا۔“ (۱۔ سموئیل ۹ : ۱۰)

”اور وہ جب کہ جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا۔“ (۱۔ سموئیل ۱۰ : ۱۳)

پھر دراز قامتی اسرائیلیوں کے ہاں کوئی معمولی صفت نہیں بڑی اہم اور ضروری صفت سرداری کے لئے تھی۔ توریت کے بعد ان کے ہاں کا مقدس ترین نوشتہ تالمود ہے اس کی تصریح ملاحظہ ہو : ”خداوند تبارک و تعالیٰ اپنی سکینت کا نزول صرف اس شخص پر کرتا ہے جو دانش مند ہو، مضبوط ہو، متمول ہو اور دراز قامت ہو۔“ (ص ۱۲۸)

قرآن کریم کی بلاغت کے قربان جایئے اس نے نام ہی ایسا رکھا جس سے بلند قامتی کی جانب پورا اشارہ ہو جائے چنانچہ اہل تحقیق کا ایک گروہ کہتا ہے کہ طالوت دراصل طولوت تھا جو طول سے مشتق ہے۔ اور تورات کا نام دراصل ”ساؤل“ ہے اور اس کو عربی میں اسی خاص نسبت سے طالوت کہہ دیا گیا جس میں وہ سارا مضمون آگیا جو تورات کے صفحات میں اس کی قدامت کے متعلق بیان ہوا۔ اس طرح قرآن کریم کا اعجاز دیکھیں کہ اس نے کچھ کہا بھی نہیں اور سب کچھ کہہ بھی دیا۔

تابوت کیا ہے؟ کہاں گیا اور کیسے واپس آیا؟

۴۱۵ ”التابوت“ کے معنی تو صندوق کے ہیں جو مشہور و معروف ہیں اسے ”توب“ سے مشتق کہا گیا ہے۔ چونکہ چیزیں یعنی کپڑے وغیرہ اس میں لوٹ لوٹ کر یعنی تہہ لگا کر رکھے جاتے ہیں اسی نسبت سے اس کو تابوت کہتے ہیں۔

”تابوت“ کے معنی دل کے بھی ہیں جس کو عربی زبان میں ”قلب“ کہتے ہیں اور مثل مشہور ہے کہ ”ما اودعت تابوتی شیئًا فقدتہ“ میں نے اپنے دل کے سپرد کبھی کوئی شے نہیں کی جسے اس نے گم کر دیا ہو۔ لغت کی تمام کتابوں میں تابوت کو دل بتایا گیا ہے جیسے لسان العرب اور مفردات امام راغب وغیرہ۔ اس جگہ ”تابوت“ دل مراد لے کر بھی معنی بیان کئے جا سکتے ہیں اور آیت قرآنی کے سارے الفاظ اس کے موید ہیں لیکن ہم اس

Marfat.com

جگہ "صندوق" ہی مراد لیں گے کیونکہ مفسرین نے یہی معنی مراد لئے ہیں اور تورات بھی ان کی تصدیق کرتی ہے۔

تابوت کیا تھا؟ گویا ایک صندوق تھا جس میں بنی اسرائیل نے کچھ قومی نشانیاں بند کر رکھی تھیں اور اس کو متبرک خیال کرتے تھے اگرچہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کوئی دی گئی چیز نہ تھی لیکن ان کے ہاں ایک "قومی نشان" ضرور سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح آج پوری دنیا میں "پرچم" ایک قومی نشان کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور ہر قوم کا ایک الگ الگ نشان ہے جس سے ملک و قوم کی شناخت ہو جاتی ہے۔

قوموں کی زندگی میں کچھ علامات ایسی ہوتی ہیں جن کا باقی رہنا قومی زندگی کی ایک علامت سمجھی جاتی ہے اگر وہ نہ رہے تو گویا ملی موت واقع ہو جانے کے مرادف خیال کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی بنی اسرائیل میں ایک تابوت تھا جو قومی زندگی کی گویا علامت سمجھا جانے لگا۔

کتاب سموئیل سے پایا جاتا ہے کہ تابوت سکینہ بمقام شیلوہ تھا جہاں عیلی بنی اسرائیل پر حاکم تھا اس کے عہد میں بنی اسرائیل اور فلسطینیوں میں بمقام "ابن عیذر" جنگ ہوئی اور بنی اسرائیل کو شکست فاش ہوئی۔ تب بنی اسرائیل نے اس "تابوت سکینہ" کو شیلوہ سے لشکر گاہ میں منگایا اور دوبارہ لڑے لیکن اس بار بھی شکست عظیم ہوئی اور عیلی حکمران کے دونوں بیٹے مارے گئے اور تابوت سکینہ کو فلسطینی چھین لے گئے۔ عیلی بھی یہ خبر سن کر اپنی کرسی پر سے گر پڑا اور مر گیا اس زمانہ میں سموئیل نبی پیدا ہو چکے تھے لیکن ابھی چھوٹے تھے یا یہ کہ وہ ابھی نبی نہیں ہوئے تھے۔

فلسطینی اس "تابوت سکینہ" کو مقام ابن عیذر سے اٹھا لے گئے اور اپنے ہاں کے ایک مقام اشدود لے گئے اور واگون بت کے مندر میں لے جا کر رکھا پھر وہاں سے مقام "گت" لے گئے اور پھر وہاں سے انہوں نے اس کو مقام عقرون جا رکھا۔ ان مختلف مقامات پر اس تابوب کو کیوں لے جایا گیا؟ وہ چیز جو بنی اسرائیل کے لئے برکت کا باعث تھی وہ ان کے لئے گویا وبال جان بن گئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو یقین تھا جہاں صندوق ہوگا وہاں ہی سب سے پہلے بنی اسرائیل حملہ آور ہوں گے وہ اس حکمت عملی کو اپناتے رہے کہ بنی اسرائیل کو اس جگہ کی نشاندہی نہ ہونے پائے۔ ایک مدت گزر گئی۔ سموئیل بنی اسرائیل کے نبی ہوئے۔ بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ہمارے لئے کوئی سپہ سالار یا امیر الجیش مقرر کیا جائے تاکہ ان کی کمان میں ہم لڑیں اور اپنا علاقہ اور تبرکات قومی یعنی "تابوت سکینہ" کو واپس لائیں۔ خصوصاً تابوت سکینہ کا دشمنوں کے ہاتھ میں چلا جانا بلاشبہ ان کو بہت رنج دیتا تھا ان کی نہایت آرزو تھی کہ یہ اس کو پھر اپنے دشمنوں سے واپس لیں گے۔

اس شکست کے تقریباً بیس برس بعد وہ اپنی گروہی اور فرقہ وارانہ حیثیت کو چھوڑ کر سموئیل نبی کے ہاں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہوئے تو ان کی وہ قوت جو عیلی کے مرنے کے بعد منتشر ہو گئی تھی دوبارہ منظم ہوئی اور اس طرح بنی اسرائیل کو اب کافی قوت مل گئی۔ اگرچہ اب بھی ان کے بعض لوگوں کو طالوت کے امیر الجیش

Marfat.com

سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ
هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ

چکے ہو وہ تمہارے پاس واپس آجائے گا اور فرشتے اسے اٹھالائیں گے اسی تابوت میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے دل جمی یعنی تسکین ہے اور جو کچھ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے گھرانے چھوڑ گئے ہیں ان کا بقیہ ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقیناً اس

ہونے پر اعتراض تھا لیکن وہ فی الوقت قومی ضرورت کے مطابق نہ چاہنے کے باوجود اکٹھے ہوئے اس طرح سے انہوں نے خاصی قوت حاصل کرلی اور ادھر فلسطینی بھی دن بدن کمزور ہوتے گئے اس لئے کہ فاتح قوم فتح حاصل کرنے کے بعد ان بد اعتدالیوں کا شکار ہو ہی جاتی ہے جن کے عوض اس کو ایک بار پھر شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بنی اسرائیل کا منظم ہو جانا اور جنگ کی تیاری کرنا ان کے لئے خوف کا باعث ہوا تو انہوں نے یعنی فلسطینیوں نے پہلا قدم یہی اٹھایا کہ بنی اسرائیل کا وہ "تابوت سکینہ" خود بخود واپس کر دیا کہ شاید اس طرح مصیبت جنگ سے حفاظت ہو جائے۔ انہوں نے جگہ بجگہ منتقل کرنے کے بعد آخر کار ایک بیل گاڑی پر لاد کر مع تحائف کے بیت الشمس کی سرحد میں جو بنی اسرائیل کا ایک شہر تھا اور فلسطین کی سرحد سے ملا ہوا تھا چھوڑ آئے اور یہ وہی وقت تھا جب کہ طالوت کے متعلق سموئیل نبی کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کا سپہ سالار اعظم ہے۔

تابوت سکینہ کا اس طرح بغیر کسی لڑائی اور بغیر کسی عہد معاہدہ کے حسن اتفاق سے واپس جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا گویا یہ طالوت امیر الجیش بنائے جانے کی پہلی نیک فال تھی جس سے ظاہر ہے کہ طالوت کے اور سموئیل نبی اور ان کے ہم خیال لوگوں کے لئے مزید تقویت کا باعث ہوئی اور اس طرح طالوت کے عہدہ کی مخالفت کی تحریک مزید دب گئی جو ان حالات کا قدرتی اور منطقی نتیجہ تھا۔ یہی وہ بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہتا ہے تو ان کی سوچ مثبت ہو جاتی ہے اور ان کے حالات سازگار ہو جاتے ہیں اور ایسے ہی حالات کے موقع پر لوگ کہتے ہیں کہ فلاں قوم اگر مٹی پر ہاتھ رکھے تو وہ سونا ہو جاتی ہے۔ پہاڑ ان کا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور دریا ان کے راستوں میں حائل نہیں ہوتے وہ عزم کے اتنے پختہ ہو جاتے ہیں کہ ان کا ایک ایک آدمی سینکڑوں پر بھاری ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ تابوت سکینہ کے اس طرح واپس آنے کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے

Marfat.com

ع ۳۲ / ۱۶

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۲۴۸ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ

واقعے میں تمہارے لئے بڑی ہی نشانی ہے۔ ۲۴۸

پھر جب ایسا ہوا کہ طالوت نے لشکر کے ساتھ کوچ کیا تو اس نے کہا دیکھو اللہ ۴۱۶

اس کو اٹھا لائے اور اس طرح اس تابوت کے واپس آجانے میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے دلجمعی یعنی تسکین قلب ہے اور اس طرح اس الٰہی مدد کا آنا اس بات کی تصدیق ہے کہ طالوت کا امیر لشکر بنایا جانا اللہ نے پسند فرمایا ہے جس میں پوری قوم کے لئے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔

طالوت کا لشکر کے ساتھ میدان جنگ کی طرف جانا اور لشکر کی آزمائش کرنا

۴۱۶ سب سے پہلے ہم کو غور کرنا چاہئے کہ جہاں طالوت و جالوت میں لڑائی ہوئی تھی وہ کونسا مقام تھا؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ فلسطینی ایک مقام کوہ غریقاہ آفس دمیم میں جمع ہوئے تھے اور بنی اسرائیل وادی ایلاہ میں۔ دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا فلسطینی اس کے بائیں کنارے پر یعنی جانب جنوب تھے اور بنی اسرائیل اس کے دائیں کنارہ پر یعنی جانب شمال تھے اور یہیں سے بنی اسرائیل نے طالوت کی کمان میں دریا کو عبور کر کے فلسطینیوں پر حملہ کیا تھا پس قرآن کریم کے ان لفظوں کی کہ "اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ" جغرافیہ اور تاریخ سے بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔ میدان جنگ میں جانے سے پہلے فوج کا جائزہ لینا جنگی اصولوں میں سے ایک اصول ہے جس سے جھوٹے اور سچے کھوٹے اور کھرے کمزور اور طاقتور میں تمیز ہو جاتی ہے۔ لڑائی میں صرف سچے، کھرے اور طاقتور جوان ہی مفید ہو سکتے ہیں۔ اعلان جنگ کے وقت چونکہ طبیعتوں میں جوش و ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ہر شخص اپنے اندر لڑنے کا شوق رکھتا ہے مگر محض شوق کبھی مفید نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ جس طرح اٹھتا ہے بالکل اسی طرح بیٹھ بھی جاتا ہے۔ یہ شوق بھی اسی وقت کام آتا ہے جب فنون حرب سے خوب اچھی طرح واقفیت ہو ورنہ بعض اوقات عین وقت پر ماند پڑ جاتا ہے۔ جو انسان تکلیفوں، مشقتوں اور مصیبتوں کے برداشت کرنے کی عادت رکھتا ہو اور سخت سے سخت خوف کے وقت بھی جس پر گھبراہٹ طاری نہ ہوتی ہو وہی میدان کارزار میں کام کر سکتا ہے اس لئے امتحان لینا ضروری تھا یہ گویا اس کی علمی شہادت ہے کہ یہ امیر الجیش اپنے علم کی بناء پر اس عہدہ کا مستحق ہے۔

پھر اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ طالوت جس کا انتخاب وقت کے نبی نے کیا ہے جنگی علوم سے واقفیت رکھتا ہے کیونکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ طالوت سے پہلے ایک سپہ سالار جدعون نامی بھی ہو گزرا ہے اس نے اپنے وقت میں مدیانیوں پر فوج کشی کی تھی تو اس نے حملہ سے پہلے یہ قرار دیا تھا کہ جو شخص اس چشمہ سے جو اس کے لشکر کے پاس تھا پانی پی لے وہ حملہ میں شریک نہ ہو، اور جو نہ پیے بلکہ صرف ہاتھ بھگو کر زبان کو تر

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ
مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ
غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا
الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

اس ندی کے پانی سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے پس یاد رکھو جس کسی نے اس ندی کا پانی پیا اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ وہ میری جماعت سے خارج ہوگا۔ میرا ساتھی وہی ہوگا جو اس پانی سے پیاس نہ بجھائے[۴۱۷]۔ ہاں! اگر کوئی آدمی مجبوراً اپنے ہاتھ سے چلو بھر لے اور پی لے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ لیکن اس حکم کے باوجود ایک تھوڑی تعداد کے سوا سب نے خوب پانی پیا۔ پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ وہ لوگ جو سچا ایمان رکھتے تھے ندی کے پار اترے تو ان لوگوں نے جنہوں نے طالوت کے حکم کی نافرمانی کی تھی کہا "ہم میں یہ طاقت نہیں کہ آج جالوت سے اور اس کی فوج سے مقابلہ کر سکیں

کر لے وہ حملہ میں شریک رہے اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ جن لوگوں کو لڑنے اور جان دینے میں تذبذب ہو وہ چھٹ جائیں اور جو لوگ خلوص نیت کے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہوں وہی حملہ میں شریک ہوں۔

بالکل یہی معاملہ گویا طالوت نے کیا جو اس سے پہلے جدعون کر چکا تھا۔ جس سے طالوت کے علوم جنگی سے خوب واقف ہونے کی شہادت ملتی ہے اور پھر یہ بھی کہ ایک طرف تو لشکر کی صفائی ہوگئی اور کھرا کھوٹا الگ الگ ہوگیا دوسری طرف خود امیر لشکر کے حوصلہ و ہمت کی بھی اچھی طرح وضاحت ہوگئی اور اس کی جسمانی طاقت کا اندازہ بھی خوب لگ گیا۔ اس لئے کہ جب لشکر کی تعداد خاصی کم ہو جائے تو امیر لشکر کی صلاحیت بھی واضح ہو جاتی ہے چنانچہ اس کی بھی وضاحت ہوگئی۔

Marfat.com

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۲۴۹ وَلَمَّا

لیکن وہ معدودے چند لوگ جو سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے پکار اٹھے کہ کتنی ہی چھوٹی[۴۱۸] جماعتیں ہیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ۲۴۹

طالوت نے سیر ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی تھی

۴۱۷ طلب کے مطابق کھایا پیا جائے تو اس کو سیر ہو کر کھانا کہا جاتا ہے جس سے ممانعت کی گئی تھی۔ طالوت ایک عظیم الشان فوج لے کر روانہ ہوئے اور سارے لشکر میں منادی کرا دی کہ راستے میں ایک دریا آرہا ہے جس سے پار گزرنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ تم کو پیاس بھی خوب لگی ہوگی یہاں سے گزرنے کا قانون یہ ہے کہ کوئی شخص یہاں سے پانی نہ پیئے اور یاد رکھو کہ جس نے اپنی طلب کے مطابق پانی پی لیا گویا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں اور جس نے طلب کے مطابق نہ پیا لیکن ایک چلو بھر کر ہونٹ تر کر لئے یا گلے کی خراش دور کر لی اس کی خیر ہے اس قدر اجازت دی جاتی ہے لیکن اس عظیم الشان لشکر میں سے معدودے چند سو آدمی ہوں گے جنہوں نے امیر لشکر کی ہدایت پر عمل کیا باقی سب ڈک ڈک کر پانی پی گئے۔

ان پانی پینے والوں نے پانی کیا پیا تھا کہ امیر لشکر کی مخالفت کر کے کمزور اور سست پڑ گئے اب ان میں اتنی طاقت بھی نہ رہی کہ اس سے آگے سفر جاری رکھ سکیں۔ پیٹ پھول گئے اور کلیجے دل کو آنے لگے طاقت جواب دے گئی اور دل ڈوبنے لگے۔ پاؤں میں چلنے کا یارا نہ رہا اور اس طرح کھرا اور کھوٹا' سچا اور جھوٹا روز روشن کی طرح واضح ہوگیا اور اس طرح مخالفت کرنے والوں کی اگرچہ کثرت تھی لیکن طالوت نے ان کے الگ ہو جانے کی ذرا پرواہ نہ کی اور اپنے معدودے چند ساتھیوں کو لے کر جالوت کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔

قوت ایمانی سب قوتوں پر غالب آجاتی ہے

۴۱۸ جب نافرمانوں کا لشکر دھرنا مار کر بیٹھ گیا اور منہ سے پکار پکار کر کہنے لگا کہ ہم میں تو اب اتنی طاقت و ہمت نہیں کہ آج جالوت اور اس کے لشکر جراجر کا مقابلہ کر سکیں تو وہ چندے معدودے آدمی قوت کا سرچشمہ بن گئے ان کی ایمانی قوت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ان کے دلوں میں اپنے مالک حقیقی کی ملاقات کا شوق بڑھ گیا اور وہ ان کے مقابلہ میں اس طرح کہنے لگے کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی بڑی جماعتوں پر حکم

Marfat.com

بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

اور پھر جب وہ میدان[۴۱۹] جنگ میں جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آئے تو انہوں نے کہا اے اللہ! ہم صبر و ثبات کے پیاسوں پر صبر کے جام انڈیل دے اور ہمارے

الٰہی سے غالب آتی رہی ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ جو اللہ کے ہو جاتے ہیں اللہ ان کا ہو جاتا ہے اور پھر جن کا اللہ ہو جائے وہ ناکام کیسے ہو سکتے ہیں؟ صبر کا بیڑا ہمیشہ پار ہوتا ہے ناؤ انہی کی ڈوبتی ہے جو بے صبرے ہوتے ہیں اور دل چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ ہم تو کبھی ہمت نہیں ہاریں گے بلکہ آگے بڑھیں گے اور جالوت کا مقابلہ ڈٹ کر کریں گے جئیں گے تو ایک کامیابی ہوگی اور مریں گے تو کامیابیاں ہوں گی۔ نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں مرنے والا مرتا ہی کب ہے؟

وہ تو پیکر صدق و اخلاص تھے جو صرف اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی ذات پر اعتماد و توکل رکھتے تھے انہیں یقین تھا کہ ہم صرف اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کو احتساب عمل کا یقین ہو وہ صرف اللہ وحدہ کی قاہرانہ قوت سے دب سکتے ہیں۔ ان کی قوت ارادی اس درجہ مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کے پائے استقلال میں تزلزل نہیں پیدا کر سکتی۔ ان کی نظر قلت و کثرت پر نہیں ہوتی بلکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر اخلاص' ولولہ عمل اور ثبات قدم ہے تو چھوٹی سی جماعت عظیم الشان لشکر پر غالب آ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو کامیابی نوازش کرتا ہے جو اپنے مقصد حیات پر فنا ہونے کو تیار ہوں۔

مشہور جرمن فوجی جنرل برن ہارڈے اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالتا ہے کہ "چند تقیدات کا لحاظ کر کے جو تعداد سے عائد ہوتی ہیں اگر موجودہ عظیم الشان فوجی نظام کا صحیح طور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کامیابی کے ضروری و صحیح عناصر روحانی و اخلاقی قوتیں ہیں۔ یقین رکھئے کہ بڑی بڑی فوجیں ایک مختصر' سرفروش مگر حسن قیادت والی فوج کے مقابلہ میں ہمیشہ عاجز و ناکام رہیں گی۔"

میدان کار زار میں جب فریقین نبرد آزماء ہوئے

۴۱۹ میدان کار زار گرم ہوگیا فدائی لشکر طالوت کی معیت میں جالوت کے ساتھ نبرد آزما ہو رہا ہے۔ میدان جنگ میں جو کچھ ہوتا ہے سب ہو رہا ہے تو طالوت کے ساتھیوں نے استقلال' صبر و استقامت کی دعا کی اور فرمایا "رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا" اے ہمارے رب! ہم صبر و ثبات کے پیاسوں پر صبر کے جام انڈیل دے اور ہمارے قدم میدان جنگ میں جما دے۔ "وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۝" اور منکرین حق کے

Marfat.com

صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ؕ۲۵۰ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ
وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ
لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

قدم میدان جنگ میں جما دے اور منکرین حق کے گروہ پر ہم کو فتح نصیب فرما۔ ۲۵۰
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ نے ان کی سعی و دعا[۴۲۰] کو قبول کیا کہ انہوں نے علم الٰہی
سے اپنے دشمنوں کو شکست دی اور داؤد کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا پھر اللہ نے داؤد کو
بادشاہی اور حکمت سے سرفراز کیا اور جو کچھ اسکو سکھانا چاہا سکھا دیا۔ اور حقیقت یہ ہے
کہ اگر اللہ ایسا نہ کرتا کہ انسانوں کے ایک گروہ کے ذریعے دوسرے گروہ کو راہ سے

گروہ پر ہم کو فتح نصیب فرما۔
غور کرو کہ اللہ کے لشکر کے سپاہیوں کو آداب جنگ کی تعلیم ہے کہ برخلاف عام دنیوی سپاہیوں کے انکا تکیہ قوت و شوکت پر نہیں بلکہ نصرت الٰہی پر ہے کہ سچے مومنوں کی نظریں اپنے سارے انتظامات اور ساری سعی و کوشش سے کہیں بڑھ کر تائید الٰہی پر رہتی ہیں۔ وہ کرتے ہیں جو کچھ کہ کر سکتے ہیں لیکن حدود کے اندر رہ کر پھر سب کچھ کر چکنے کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاتھوں سے کام کرتے ہیں اور زبانوں پر ذکر الٰہی جاری ہوتا ہے اور جب آپ غور کر کے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ اور زبان میں کبھی تضاد نہیں ہوتا۔ ہاتھ وہی کر رہے ہوتے ہیں جو زبانیں کہہ رہی ہوتی ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ ان کی دعا کس طرح قبول ہوتی ہے۔

لشکر طالوت نے لشکر جالوت کو شکست سے دوچار کر دیا

۴۲۰ طالوت کے لشکر نے جالوت والوں کو شکست دے دی۔ اللہ نے ان کی دعا کو شرف اجابت بخشا اور داؤد نے کفار کے سپہ سالار جالوت کی گردن اڑا دی چنانچہ ساؤل یعنی طالوت کے بعد داؤد کو بنی اسرائیل کی بادشاہت نوازش کی گئی اور سموئیل کے بعد وہ نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے۔ اس طرح دونوں طرح کے انتظامات آپ کے ہاتھ میں دے دیئے گئے۔

Marfat.com

الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝٢٥١ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝٢٥٢

ہٹاتا رہتا تو دنیا خراب ہو جاتی اور امن و عدل کا نام مٹ جاتا لیکن اللہ دنیا کیلئے فضل و رحمت رکھنے والا ہے۔ ۲۵۱

اے پیغمبر اسلام! یہ جو[۴۲۱] کچھ بیان کیا گیا ہے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں اور ہمارا سنایا بالکل حق ہے۔ یقیناً تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں ہم نے اپنے پیغام کے لئے خاص کر لیا ہے یعنی چن لیا ہے۔ ۲۵۲

دنیا میں اگر لڑائی کا سلسلہ بند ہو جاتا تو تمام کرۂ ارضی شر و فساد کا گھر بن جاتا مگر اللہ کو ابھی اس کا باقی رکھنا منظور ہے اس لئے کفر اور ارباب کفر کی باطل پرستانہ سعی و کوشش کو فنا کرنے کے لئے سرفروشوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ انسانوں کے مقابلہ میں انسان ہی لائے جاتے ہیں تاکہ کفار و معاندین اسلام کتے کی موت نہ مریں بلکہ دل کی بھڑاس نکال کر جہنم میں داخل ہوں۔ یہ اللہ کا محض فضل ہے کہ حق کو باقی رکھنے کے لئے ضرور ایک جماعت پیدا کر دی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی دور رس نظر پکار رہی ہے کہ میں اللہ کا کلام ہوں

۴۲۱ اس رکوع کے واقعات پر عیسائیوں نے تاریخی طور پر غلط ہونے یا گڑ بڑ کرنے کا اعتراض کیا ہے۔ گزشتہ صفحات پر آپ پڑھ چکے ہیں کہ دراصل یہ دونوں باتیں انہوں نے خود اپنی کتاب توراۃ میں بھر دیں جن کی کوئی اصل نہ تھی اور پھر جب قرآن کریم کا بیان اس پر فٹ نہ ہوا تو انہوں نے "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والا" کام کیا اپنی تحریف کو چھپانے کے لئے قرآن کریم پر اعتراض جڑ دیا مگر کیسی حقانیت قرآن کریم کی نظر آتی ہے کہ جہاں اعتراض ہوتا تھا وہیں ان باتوں کا خود ذکر کر کے فرما دیا کہ یہ جو کچھ پڑھا گیا "بالحق" ہے یعنی یہ واقعات صحیح بھی ہیں اور ایک ضرورت حقہ کے لئے بیان بھی کئے گئے ہیں اور پھر جس قدر ضرورت ان کے بیان کرنے کی تھی اسی قدر بیان بھی کئے گئے ہیں ضرورت سے تجاوز نہیں کیا گیا کیونکہ قرآن کریم کوئی قصہ کہانی کی کتاب نہیں ہے۔ ضرورت کیا تھی؟ یہ کہ مسلمانوں کو جنگ درپیش تھی وہ ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے۔ وہ تھوڑے تھے ان کو سمجھا دیا گیا کہ بہتوں پر کس طرح غالب آئیں گے۔ ان کو یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ منافق یا کچے لوگ

Marfat.com

تم سے عین جنگ کی حالت میں الگ ہو جائیں گے جب ایسا ہو تو خوب یاد رکھو کہ یہ تمہارے لئے کمزوری نہیں بلکہ قوت کا موجب ہوگا۔ اور آخر میں بتا دیا کہ جنگوں کی ضرورت اب فساد دور کرنے کے لئے ہے۔ یقیناً تم

اے پیغمبر اسلام! مرسلوں میں سے ہو یعنی آپ خود ان باتوں کو نہیں بیان کر رہے بلکہ یہ اللہ کی بتائی ہوئی باتیں ہیں اور پھر جب پہلے بھی رسولوں کو جنگ ناگزیر تھی تو اب آپؐ کی جنگوں پر ان لوگوں کو کیوں اعتراض ہے؟

"مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ" لفظ مرسلین کی معنویت قابل غور ہے۔ بتا دیا کہ انبیاء کی حیثیت اسلام میں تمامتر قاصدوں، سفیروں، بھیجے ہوؤں کی ہے اور جو مرسل یعنی بھیجا ہوا ہوتا ہے ظاہر ہے کسی کی طرف سے کسی کے پاس ہی بھیجا ہوا ہوتا ہے۔ یہ پیامبر خالق کی طرف سے مخلوق کے پاس سفیر بن کر آتے رہے۔ ان کی عظمت و بزرگی جو کچھ بھی ہے ان کے اس منصب متعارف و پیامبری سے وابستہ تھی۔ یہ خود نہ اوتار ہوتے تھے نہ دیوتا۔ نہ خدائی کے مظہر، نہ ان میں خدائی حلول کئے ہوتی تھی۔ معبودیت یا نیم معبودیت کی صلاحیت یہ ذرا سی بھی نہیں رکھتے۔ یہ انسان تھے لیکن انسانوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے بالکل اس طرح جس طرح خود انسان حیوان سے ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

قصہ طالوت پر ایک نظر

گزشتہ قصہ پر دوبارہ ایک نظر ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس سے حسب ذیل باتیں استنباط و استخراج ہوئی ہیں:

۱۔ جنگ شروع کرنے سے قبل امیر لشکر کا انتخاب ضروری ہے جس کے احکام کے مطابق عمل جہاد جاری کیا جائے۔

۲۔ امیر لشکر کے لئے دو چیزوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے:

i - جہانگیری و جہانداری کے مسائل سے خوب واقف ہو۔

ii - فنون جنگ میں پوری مہارت رکھتا ہو۔

۳۔ رائے عامہ کا احترام ضروری ہے اگر اس کے خلاف کوئی بات کی جائے تو عام لوگوں کو اطمینان دلایا جائے ورنہ کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں ہوگا۔

۴۔ امارت کے لئے دولت پر نظر نہ ہو اور صدر نشینی کے لئے مال داروں کو تلاش نہ کیا جائے۔

۵۔ جو لوگ اپنی خدمات پیش کریں ان کا امتحان لینا ضروری ہے کہ کھوٹے اور کھرے میں تمیز ہو جائے ورنہ کسی وقت بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

۶۔ صرف مقصد حیات پر مارنے مرنے والوں سے کام لیا جائے کہ یہی لوگ وہ کھرے لوگ ہیں۔

۷۔ کامیابی کے لئے امیر لشکر کی نظر صرف قلت و کثرت تعداد پر نہ ہو بلکہ خدمات حقہ اور اخلاق

Marfat.com

وقف الازم ۳ الجزء

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ

یہ ہمارے ۴۲۲ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان

فاصلہ پر ہو۔

۸۔ دیانتداری سے کام سرانجام دینے کے بعد نتائج کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے اس لئے کہ یہی توکل ہے۔

۹۔ حق و صداقت کی مدافعت اور کفر و باطل پرستی کے استیصال کے لئے سرفروشوں کا ایک گروہ ہمیشہ تیار رہنا چاہئے۔

۱۰۔ یہود و نصاریٰ اپنی اپنی حکومتیں قائم کرنے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں مسلمانوں کو اپنی خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کی سرتوڑ کوشش کرنا چاہئے اور کوشش اس وقت تک جاری رہے گی جب خالص اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔

یہ تمام قصہ اس غرض کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی حکومت قائم کی ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ پیش گوئی کی گئی ہے کہ آپؐ کو بھی مخالفین و معاندین اسلام سے جنگ کرنی پڑے گی اور انجام کار آپؐ غالب رہیں گے اور یہ کہ آپؐ کو امت مسلمہ کے بقا و قیام کے لئے سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی اس لئے آپؐ کی آئندہ ضرورت کو پیش نظر رکھ کر یہ قصہ اس وقت بیان کیا جاتا ہے اور اس قصہ میں ان تمام سیاسی امور کی تعلیم دی گئی ہے جو قیام حکومت میں پیش آئیں گے اور آپ آسانی سے ان کی بنا پر تنظیم مملکت کر سکیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی انبیائے مرسلین میں سے تھے ان کو جہانگیری و جہانداری کے علوم نوازش کئے گئے آپؐ بھی نبی و مرسل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان نوازش ہائے گوناگوں سے آپ بھی سرفراز کئے جائیں۔ گویا یہ ایک پیش گوئی بھی ہے انتظام مملکت کی تعلیم الٰہی بھی۔

گروہ انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کا بیان

۴۲۲ رسولوں کی فضیلت کا ذکر اس جگہ کس تعلق سے شروع ہوگیا؟ پچھلی آیت میں فرمایا تھا "لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ" اے پیغمبر اسلام تم رسولوں میں سے ایک ہو اور یہاں فرمایا ان رسولوں کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ تم رسولوں میں سے ایک رسول ہو اور سب پر فضیلت رکھتے ہو۔ اور یہ کوئی بات ایسی نہیں جو خلاف واقعہ ہو اس لئے کہ رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ اور یہ اشارہ یہاں اس لئے کیا کہ متعدد موقعوں پر رسول اکرم ﷺ کی فضیلت کا ذکر ہو چکا تھا مثلاً آپ کل جہانوں کی

Marfat.com

طرف مبعوث ہونے والے ہیں اور آپؐ کے سوا ایک نبی بھی ایسا نہیں آیا جو تمام جہانوں کے لئے مبعوث ہوا ہو۔ اس طرح آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم کو سب کتابوں پر فضیلت ہے۔ آپؐ سے پہلے کی شرائع کو لوگوں نے اپنی طرف سے ردوبدل کر لیا تھا آپؐ اس کے منسوخ کرنے والے ہیں نیز یہ کہ آپؐ تمام مذاہب عالم کے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والے ہیں اور دوسرے تمام انبیاء پر گواہی دینے والے ہیں۔

اس جگہ اس تذکرہ کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت دونوں دینے کا ذکر آیا تھا جو دوسرے انبیائے بنی اسرائیل پر ان کی ایک فضیلت تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کا ذکر کیا کیونکہ آپؐ کو بھی نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت ملنے والی تھی۔ ہاں! ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے یہ منشا نہیں کہ وہ دوسرا ناقص ہے نہیں' ہرگز نہیں بلکہ وہ چیز جو دو کامل انسانوں کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے یا کوئی زائد بلند مرتبہ دیا جاتا ہے وہی اس کی فضیلت ہے۔ اس سے یہ بات ضرور ملتی ہے کہ کمال انسانی کے بھی مختلف مدراج ہیں۔

ایک اور بات اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اس فضیلت کا ذکر سلسلہ موسویہ کے دو عظیم الشان انبیاء داؤد اور عیسیٰ' کے درمیان کیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے ان انبیاء میں سب سے بڑھ کر ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخلاقی اور روحانی تعلیم کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پہلوؤں سے دونوں سے بلند تر ثابت ہوئے۔ علاوہ ازیں ان دونوں نبیوں نے آں حضرت ﷺ کے متعلق جو پیش گوئیاں کی ہیں ان میں آپؐ کی آمد کو خدا کی آمد قرار دیا ہے دیکھو زبور ۱۱۰ اور متی ۲۱ : ۴۳' ۴۴ گویا باوجود اپنے اپنے کمالات ظاہری اور باطنی کے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے کمالات ظاہری و باطنی کو اس بلند مرتبہ پر پایا کہ آپؐ کی ہر دو شانوں میں خدا کی شان نظر آئی۔

نبی کریم ﷺ کی یہ فضیلت جس کا ذکر اس لطیف پیرایہ میں کلام الٰہی میں پایا جاتا ہے وہ ان احادیث کے برخلاف نہیں جن میں ایسے الفاظ آتے ہیں کہ "مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو یا یہ کہ یونس بن متی پر فضیلت نہ دو" کیونکہ وہ خاص خاص موقعہ کی باتیں ہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی میں کسی بات پر تکرار ہوگئی تو باتوں ہی باتوں میں یہودی نے کہا "قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی" مسلمان کو ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھ کر یہودی کو تھپڑ مار دیا کہ او خبیث! کیا ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں؟ یہودی نے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر شکایت کی تو اس وقت آپؐ نے اس مسلمان سے فرمایا کہ "مجھے موسیٰ پر فضیلت مت دو" اسی طرح کے اور واقعات بھی ہیں جن کے متعلق آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب آپ نے محض تواضع اور فروتنی کے طور پر فرمایا نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ پھر ایسے جھگڑے اور اختلاف کے وقت ایک دوسرے پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے اور یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ یہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم فضیلت

Marfat.com

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۚ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

میں [۴۲۳] کچھ تو ایسے تھے جن سے اللہ نے کلام کیا بعض ایسے تھے جن کے درجے [۴۲۴] بلند کئے

نہ دو یعنی اپنی طرف سے۔ کیونکہ اس میں تعصب کی بو آتی ہے۔ کیونکہ فضیلت و تکریم کا فیصلہ تم انسانوں کے بس کا کام نہیں۔ بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے وہ جسے فضیلت دے تم مان لو اس لئے کہ تمہارا کام تسلیم کرنا ہے اور ایمان لانا ہے۔

جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا

۴۲۳ اب گویا اس فضیلت دینے کی مزید تشریح فرما دی کہ "ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا" جیسا کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ ہوا۔ ورنہ ایک معنی کے لحاظ سے تو جس نبی پر بھی وحی آئی اللہ کا مکالمہ اس سے ہوگیا۔ فرمایا موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں نکلے تھے اور جہاں آگ دکھائی دی اس طرف بڑھتے گئے لیکن جو کچھ دیکھا درحقیقت وہ نہ تھا یعنی آگ نہیں تھی اور وہاں پہنچتے ہی وہ مکالمہ شروع ہوگیا جو ظاہری صورت میں تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑے تھے جو طور سینا کا مشرقی گوشہ تھا لیکن جہاں سے آواز آرہی تھی وہ دراصل دل کے اندر ہی تھا او خارج از دل کچھ بھی نہ تھا زیادہ گہرائی میں نہ جائیں یہ مقام بڑا نازک ہے صرف یہ یاد رکھیں کہ اس مکالمہ کا مقام دل ہی ہوتا ہے اور کوئی مقام نہیں ہو سکتا کیونکہ وحی الٰہی کے نزول کا مقام دل ہی ہے اور یہ سننا بھی ظاہری کان کی سماعت کا سننا نہیں بلکہ دل کے کان سے سننا ہے۔

اشارہ ہے جامع کمالات خاتم نبوت ﷺ کی طرف

۴۲۴ یہی وہ مقام ہے جس میں دراصل رسول اللہ ﷺ کی فضیلت و برتری کا اظہار کرنا تھا کہ آپؐ رحمتہ للعالمین ہیں اور آپؐ ہی کے متعلق ارشاد ہوا کہ "اُرْسِلَ اِلَى النَّاسِ كَآفَّةً بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا" آپؐ ہی وہ رسول ہیں جو تمام انسانیت کی طرف بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کئے گئے یہ مقام کسی اور نبی کو میسر نہ آیا۔ آپؐ کی تعلیم میں گزشتہ تمام صداقتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا۔ آپ کی ذات اقدس میں نوح علیہ السلام کی سی سرگرمی! ابراہیم علیہ السلام جیسی نرم دلی' یوسف علیہ السلام جیسی درگزر۔ داؤد علیہ السلام کی سی فتوحات۔ یعقوب علیہ السلام کا سارا صبر۔ عیسیٰ علیہ السلام کی سی خاکساری زکریا علیہ السلام کا سا زہد اور اسماعیل علیہ السلام کی سی سبک روحی و حلاوت کلامی موجود ہے ؎

اے کہ بر تخت سیادت ز ازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

Marfat.com

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

گئے اور مریم کے بیٹے[۴۲۵] عیسیٰؑ کو روشن دلیلیں عطا فرمائیں اور روح[۴۲۶] القدس کی تائید سے

ابن مریم کی کنیت کا اصل راز

۴۲۵: قرآن کریم کا انداز تخاطب معجزانہ ہے اس کے ایک ایک لفظ میں حکمت کے دریا بہتے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ مریم کی شخصیت وہ شخصیت ہے جس سے یہودیت کو اتنی کد اور اتنا بیر ہے کہ اس کا نام آتے ہی ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں قوموں کی زندگی میں ایسی باتیں ہوتی آئی ہیں اور ہو رہی ہیں دور نہ جاؤ کبھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نامی کسی غالی قسم کے شیعہ کے سامنے لے کر اندازہ کر لو کہ کیفیت کیا ہوتی ہے؟ آخر سیدہ عائشہؓ نے ان کا کیا قصور کیا ہے؟

دوسری طرف عیسائی ہیں کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو انسانوں کی صف سے اٹھا کر اللہ کے ساتھ بٹھا دیا اور برملا کہنے لگے کہ عیسیٰ انسان نہیں بلکہ وہ تو اللہ یا اللہ کا بیٹا اور اللہ کا ایک جز ہیں اور اس عقیدہ کی پختگی کے لئے انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" کا لقب دے دیا۔ اور اب عیسیٰ علیہ السلام کو جو بندہ و انسان کہے اس سے وہ نفرت کرنے لگے۔

اسلام ان دونوں گروہوں کی افراط و تفریط کو قبول نہیں کرتا لیکن ان کے ساتھ بحث و مناظرہ میں الجھنا بھی پسند نہیں کرتا اس نے بڑے میٹھے انداز میں سیدنا مسیح علیہ السلام کی کنیت "ابن مریم" رکھ دی۔ ان دونوں گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ کو کچھ نہ کہا لیکن وہ سب کچھ کہہ دیا جس کو وہ ایک لمحہ بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ پھر غور کرو کہ کیا کہا "ابن مریم" یعنی مریم نامی اس خاتون اول کے فرزند ارجمند کو یہود اس قدر ناپسند کرتے ہیں کہ اس کا نام نہیں لینا چاہتے عیسیٰ علیہ السلام اسی کے بیٹے ہیں اور اللہ کے برگزیدہ نبی و رسول بھی جو نہ خدا تھے نہ خدا زادہ یعنی ابن اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بایں شرف و سروری بہرحال ایک انسان اور بشری گوشت و پوست رکھنے والی عورت کے گوشت پوست رکھنے والے بیٹے تھے۔ نہ خدا تھے نہ خدا زادے الوہیت کا کوئی سا بھی جزو ان میں نہ تھا۔ انہیں خدا یا خدا کا بیٹا ٹھہرا لینا نری جہالت تھی اور ان ساری باتوں کی وضاحت کے لئے ضرورت تھی انہیں صراحت کے ساتھ "ابن مریم" کہنے کی کہ محض اس نشاندہی اور پتہ ہی سے یہودیت اور نصرانیت دونوں پر ضرب لگ جائے ورنہ نام تو اور بھی پیغمبروں کے لئے گئے ہیں کہیں ابن فلاں کر کے تعارف نہیں کروایا گیا۔ نہ ابن داؤد نہ ابن ابراہیم' نہ ابن اسحاق' نہ ابن یعقوب' نہ ابن زکریا اور نہ ابن عمران اس طرح کا تعارف صرف ابن مریمؑ ہی کے لئے مخصوص ہے کہ انہیں کے لئے الہیت اور ابن الہیت کی تردید کی ضرورت تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ کی بزرگی اور طہارت کا اعلان بھی اتنا ہی ضروری تھا۔

Marfat.com

مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

سرفراز کیا۔ اگر اللہ چاہتا[۴۲۷] تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد پیدا ہوئے وہ ہدایت کی روشن

ابن مریمؑ کی تائید روح القدس سے

۴۲۶ پوری دنیائے انسانیت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو کسی کا محتاج نہیں۔ یہودیت ہو یا نصرانیت سب کو اس کا اعتراف ہے اور اس اعتراف کے باوجود پھر ایسے نظریات رکھتے ہیں جس سے ان کے اس نظریہ کی کھلی تردید ہوتی ہے۔ مسیح علیہ السلام کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہنے والے بھی اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کی تائید مسیحؑ کو حاصل تھی۔ "اَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" کے الفاظ کہہ کر بھی اس عقیدہ کا رد کر دیا کہ مسیح نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ ہی تو ان کا مددگار ہے اور وہی قادر مطلق ہے یعنی ان الفاظ سے اس حقیقت پر روشنی پڑ گئی کہ عیسیٰ مسیحؑ بایں ہمہ کمالات و فضائل کے بہرحال انسان ہی تھے اور وہ دوسرے انسانوں کی طرح دفع ضرر اور حصول نفع دونوں کے محتاج تھے اور اللہ کریم نے جو قادر مطلق ہے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی محافظت و تقویت و رفاقت کے لئے اپنی ایک دوسری مخلوق جو لطیف اور غیر مرئی بھی ہے اس کو مقرر فرمایا کہ اس کی محافظت کرے۔ قرآن کریم اور اسلام کی اصلاح میں اس سے مراد فرشتہ اعظم جبرئیل علیہ السلام ہیں جو ملکوتی طاقتوں اور قوتوں میں سب سے بڑی طاقت و قوت ہے۔

زیر نظر آیت کے الفاظ نے بھی مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ ثابت کر دیا کہ وہ رسول برحق اور موید من اللہ تھے نہ کہ نعوذ باللہ کوئی مفتری و کذاب جس طرح یہودیت نے سمجھا اور ان کے حق میں تفریط سے کام لیا۔ اور آپ کو ایک بازی گر اور شعبدہ باز قرار دیا اور اس طرح نصاریٰ نے آپ کے حق میں افراط سے کام لیتے ہوئے حد عبدیت و عبودیت میں سے باہر نکال کیا اور اللہ یا اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔

"البینات" بینات کے تحت وہ تمام نشانیاں اور دلیلیں آگئیں جنہیں دیکھ کر ہر ایک عقل سلیم والا منصف مزاج نبوت عیسوی کا قائل ہو جائے کہ استعارات اور محاورات و ضرب الامثال میں باتیں انبیاء علیہم السلام ہی کرتے رہے تاکہ لمبی چوڑی تقاریر کرنے اور بات سے بات نکالتے جانے کے بجائے مختصر الفاظ میں اس انداز سے بات کی جائے کہ سامعین کے لئے دل نشیں ہو اور وہ اس سے عبرت و موعظت حاصل کریں۔

مشیت ایزدی میں لوگوں کے نہ جھگڑنے کا فیصلہ ہوتا تو وہ کیوں جھگڑتے؟

۴۲۷ مشیت ایزدی کا فیصلہ یہ تھا کہ انسان کو مکلف بنایا جائے اور وہ اپنے کئے کا جواب دہ ہو۔ ایک حد تک اس کو ایک کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا جائے۔ لہٰذا اس نے اپنے فیصلہ مشیت کے مطابق انسان کو تخلیق کیا اور انسان کو بنایا ہی ایسا گیا ہے کہ اس کے اندر قوائے مختلفہ جمع ہوں جن سے اس کی تمام ترقیاں پیدا

Marfat.com

الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

دلیلیں پا لینے کے بعد پھر آپس میں نہ لڑتے لیکن پیغمبروں کے بعد لوگ آپس میں مخالف[۴۲۸] ہو گئے کچھ لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی' کچھ لوگوں نے کفر کا شیوہ پسند کیا۔ اگر اللہ چاہتا[۴۲۹] تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے یعنی ان سے لڑائی کی قوت صلب کر لیتا لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یعنی کوئی اس کے کاموں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ۲۵۳

ہوتی ہیں اور قوائے مختلفہ کے غلط استعمال سے ہی جھگڑا پیدا ہوتا ہے اس لئے "لوشاء اللہ ما اقتلوا" کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو ایسا نہ بناتا اور اس کے قوائے مختلفہ نہ ہوتے مگر اس کی مشیت کا یہی فیصلہ تھا اور اس نے یہی چاہا کہ وہ دوسری مخلوق سے بڑھ کر ترقی کرے اس لئے قوائے مختلفہ اسی کے اندر رکھے اور "یفعل ما یرید" کے اس جگہ دو مفہوم ہو سکتے ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں اشارہ ہے کہ ارادہ الٰہی یہی ہے کہ انہیں قویٰ کے اچھے استعمال سے وہ نیک نتیجہ پا لیتا ہے اور برے استعمال سے برا۔ دوسرا یہ کہ ارادہ الٰہی یہی ہے کہ کل دنیا کے جھگڑوں اور اختلافوں کے فیصلے کے لئے ایک رسول کل دنیا کے لئے بھیجا جائے وہ وہی ہے جس کے متعلق دوسری جگہ ارشاد فرمایا ارسل الی الناس کافۃ بشیرا و نذیراً یعنی محمد رسول اللہ ﷺ ہی وہ رسول ہیں جو پوری انسانیت کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔

انبیاء کے بعد لوگ پھر آپس میں اختلاف کرنے لگے

۴۲۸ فطرت انسانی تو محض خیر و نیکی پر ہی پیدا کی گئی تھی مگر خارجی اثرات ضلالت اور باد صرصر کے تیز و تند جھونکوں نے جو مختلف قویٰ کی وجہ سے لازم تھے اس کے آئینہ فطرت کو گرد آلود کر دیا۔ تعلیم صحیح ان لوگوں کے پاس آئی کہ اپنی فطرت اصلیہ کو قائم رکھیں مگر ان لوگوں نے اختلاف پیدا کر کے اپنے آپ کو تباہ کر دیا دراصل بتایا جا رہا ہے کہ قوم میں فرقہ بندی قومی تباہی کے مترادف ہے اور اس فرقہ بندی میں وہی لوگ حصہ لیتے ہیں جو عموماً انبیاء کرام کی تعلیم اور خصوصاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم سے انحراف کرتے ہیں۔ یہاں اس حقیقت کو بیان کر دیا کہ چونکہ مشیت الٰہی سب کو اضطراراً ایک ہی دین پر جمع کرنے کی

Marfat.com

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ

اے مسلمانو! ہم نے مال و متاع دنیا میں سے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے[۴۳۰] اسے راہ حق میں بھی خرچ کرو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہاتھ نہ روکو قبل اس کے کہ آنے والا دن سامنے آجائے کیونکہ اس دن نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی کسی کی دوستی کام آئے گی اور نہ ایسا ہو سکے گا کہ کسی کی سعی و سفارش سے کام نکال لیا جائے

نہ تھی اس لئے حکمت کاملہ نے اس عالم کو عالم ابتلاء ہی رکھنا چاہا اس لئے خلقت کا باہم مختلف ہونا بھی ناگزیر رہا کہ اختلاف کرنے والے یہاں بھی اس کا مزہ چکھیں اور آخرت میں عذاب کی لپیٹ میں لپیٹ لئے جائیں۔

"اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے" کا مطلب کیا؟

۴۲۹ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے علم حاصل ہو جانے کے بعد جو اختلافات لوگوں کے درمیان رونما ہوئے اور پھر صرف اختلاف ہی نہیں بلکہ اختلاف سے آگے بڑھ کر لڑائیوں تک جو نوبتیں پہنچیں تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ معاذ اللہ خدا بے بس تھا اور اس کے پاس ان اختلافات اور لڑائیوں کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ نہیں، نہیں اگر وہ چاہتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ انبیاء کی دعوت سے سرتابی کر سکتا اور کفر و بغاوت کی راہ چل سکتا اور اس کی زمین میں فساد برپا کر سکتا۔ مگر اس کی مشیت یہ تھی ہی نہیں کہ انسانوں سے ارادہ و اختیار کی آزادی چھین لے اور انہیں ایک خاص روش پر چلنے کے لئے مجبور کر دے۔ اس لئے امتحان کی غرض سے انہیں زمین پر پیدا کیا تھا اس لئے اس نے ان کو اعتقاد و عمل کی راہوں میں انتخاب کی آزادی عطا کی اور انبیاء کرام کو لوگوں پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی انہیں ایمان و اطاعت کی طرف کھینچ لائیں بلکہ اس لئے بھیجا کہ دلائل اور بینات سے لوگوں کو راستی کی طرف بلانے کی کوشش کریں۔ پس جس قدر اختلافات اور لڑائیوں کے ہنگامے ہوئے وہ سب اس وجہ سے ہوئے کہ اللہ نے ان لوگوں کو ارادے کی آزادی جو عطا کی تھی اس سے کام لے کر لوگوں نے یہ مختلف راہیں اختیار کر لیں نہ اس وجہ سے کہ اللہ ان کو راستی پر چلانا چاہتا تھا مگر معاذ اللہ اسے کامیابی نہ ہوئی۔

قومی حیات حکومت سے وابستہ ہے اور حکومت کیلئے روپیہ کی ضرورت ہے

۴۳۰ "رزقنکم" میں ضمیر متکلم لا کر اور رزق کو اپنی طرف منسوب کر کے صاف بتا دیا کہ مالی دولت جو کچھ بھی بندوں کے پاس ہے خود بخود سے نہیں بلکہ اللہ ہی کا بخشا ہوا عطیہ ہے اس لئے اس کو حق حاصل ہے

Marfat.com

وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ

اور خوب سن لو جو لوگ منکر ہیں یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔ ۲۵۴

اللہ کے سوا[۴۳۱-۵] کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لئے فنا و

کہ جن کاموں میں چاہے ان میں صرف کرنے کا حکم دے دے۔ فرمایا قومی حیات وابستہ ہے حکومت و خلافت کے ساتھ جس کی بقاء استحکام کے لئے ہر وقت روپیہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے زمین میں گاڑنے اور بینکوں میں جمع کرنے کی بجائے اپنی دولت خلافت کی نذر کر دو جو سب سے زیادہ روپیہ صرف کرے گا اس کی اللہ کے ہاں بھی قدر ہوگی اور اس زندگی میں بھی وہ اچھا ہی گنا جائے گا۔ اور اگر دنیا میں اس کا کوئی اجر نہ بھی مل سکا تو آخرت میں تو بہرحال اس کی قدروقیمت بہت زیادہ ہو جائے گی اور یہی روپیہ تمہیں عذاب الیم سے نجات دلائے گا۔ جو لوگ خلافت کی مدد نہیں کرتے وہ نادانی و جہالت میں مبتلا ہیں اور اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں اگر مسلمانوں کی حکومت نہ رہے گی تو ان کو زندگی کا کیا لطف آئے گا۔

ذرا الفاظ آیت پر غور کیجئے "ظلم" ظلم کے اصلی معنی کسی شئے کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھنے کے ہیں۔ اللہ یا اس کے قانون کو نہ ماننے سے بڑھ کر کونسا ظلم انسان کا اپنے حق میں ہوگا۔ لا بیع جاہلی اور نیم جاہلی قوموں کی گمراہیاں ایک سے بڑھ کر ایک عجیب رہی ہیں۔ مشرک قومیں تو سرے سے روز جزا کی قائل ہی نہیں۔ اہل کتاب نے اس کے وقوع کو مانا تو اس میں بھی یہ میخیں لگا دیں کہ وہاں بھی دنیا کی طرح لین دین ہو سکے گا۔ کوئی کسی سے نیکیاں خریدے لے گا کوئی کسی کے ہاتھ اپنی بدیاں فروخت کر دے گا۔ قرآن کریم نے اس ساری لغو خیالی کا خاتمہ کر دیا۔ "ولا خلة" خلہ گہری اور دلی دوستی کو کہتے ہیں۔ یہاں مقصود ایسی دوستی کے نافع ہونے کا ابطال ہے جو ایمان کے بغیر کام دے سکے اور کفر کے مجرم کو نجات دلا سکے۔ اہل کتاب نے سمجھ رکھا تھا کہ یہاں کی حسبی نسبی رشتہ داریوں اور ذاتی و خانگی دوستیوں سے وہاں کام چل جائے گا۔ جب گہری اور دلی دوستی کے نافع ہونے کی نفی ہوگئی تو محض زبانی رسمی ظاہری تعلق کا لاحاصل ہونا تو اور زیادہ ظاہر ہے "ولا شفاعة" پہلی دو گمراہیاں بھی نصاریٰ میں تھیں لیکن یہ تیسری گمراہی تو مسیحیت کی خصوصیات میں سے ہے۔ مسیحیوں کا عقیدہ ہے کہ "ابن اللہ" کی حیثیت شافع مطلق کی ہے۔ انسان کے قالب میں انہوں نے اس لئے تو جنم لیا تھا کہ اپنی جان کا فدیہ سب گنہگاروں کی طرف سے دے کر اور سب کی طرف سے صلیب پر اپنے خون کا چڑھاوا چڑھا کر قیامت میں شافع مطلق کی حیثیت سے ظاہر و نمودار ہوں گے اور ان کی شفاعت سب کے حق میں نجات کا حکم

Marfat.com

اِلَّا هُوَۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی

زوال نہیں وہ "القیوم" ہے یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے اور وہ اپنے قیام کے لئے کسی کا محتاج نہیں اس کی آنکھ کے لئے نہ اونگھ ہے[۴۳۲] اور نہ دماغ کے لئے نیند۔

قطعی رکھے گی۔ آج ہمارے ہاں کے عام واعظوں اور نعت گو شاعروں نے شفاعت مصطفوی پر حد سے زیادہ زور دینا شروع کر رکھا ہے اس کا دراصل ماخوذ یہی مسیحیت ہے اسلام نہیں کیونکہ اسلام تو اس کی کھل کر تردید کر چکا ہے اور کر رہا ہے۔

اللہ ہی معبود حقیقی ہے اور اس کو کبھی فنا نہیں

۴۳۱ اللہ کے نفس وجود کے قائل تو جاہلی مذاہب بھی ہوئے ہیں البتہ وہ اس معبود اعظم جیسے ہندوؤں کی اصطلاح میں ایشور کے علاوہ تحتانی معبودوں اور دیوتاؤں کے بھی قائل رہے ہیں۔ یہ تعلیم اسلام ہی کی ہے کہ ایک اللہ کے سوا کسی اور خدا کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ تو معبود اعظم ہے باقی چھوٹے چھوٹے معبود اور بھی موجود ہیں۔

اسلام کہتا ہے کہ انسان بالطبع آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ صرف اللہ وحدہ لا شریک ہی کی ذات ہے جس کی غلامی کرنا انسان کے لئے باعث صدہا فخر و امتیاز ہے۔ وہی ایک قوت قدس ہے جو تمام زمین و آسمان میں مصروف عمل ہے۔ اصل میں ذکر حقیقی صرف اللہ کا ذکر ہوتا ہے مگر جب بدبختان نوع انسانی اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرنے لگیں تو ذکر الٰہی توحید سے بدل جاتا ہے یعنی اللہ کا اثبات اور غیر اللہ کی نفی گویا توحید کے سوا کوئی چیز مطلوب نہیں۔

دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں مادہ اور صورت سے ترکیب دی گئی ہیں۔ جس صفت الٰہی کے عکس سے صورتیں بنتی ہیں اس کو "حی" سے تعبیر کرتے ہیں اور جس پر مادوں کی انتہا ہوتی ہے اس کا نام قیوم ہے۔ "حی" جو زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتا ہے اور "قیوم" جو خود قائم ہے اور دوسروں کے قیام کا موجب ہے نظم و نسق قائم کرنے والا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ آیا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ (فاطر ۳۵ : ۴۱) "بلاشبہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں و زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ اپنے مرکز سے ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جو انہیں روک سکے۔"

گویا یہ دونوں صفاتی نام "اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" کی شرح و تفسیر ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ غزوہ بدر میں

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا

آسمان اور زمین میں[۴۳۳] جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے حکم سے ہے کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کے لئے زبان کھولے؟ جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے

رسول اللہ ﷺ نہایت ہی الحاح و تضرع کے ساتھ "یاحی یا قیوم" بار بار پڑھتے تھے کہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں اسلام زندہ و قائم رہے۔

اللہ ہی کی ذات ہے جو اونگھ سے بھی پاک ہے

۴۳۲ یہود و نصاریٰ کے عقائد میں سے یہ بھی ایک عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمان اور زمین کو بنا ڈالا اور وہ سب کچھ بھی جو ان کے درمیان ہے تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ اسلام کا خدا دائم بیدار، ہمہ خبردار، غفلت، سستی اور تھکن سب سے ماوراء ہے۔ وہ اگرچہ ہر چیز کو زندگی بخشتا ہے اور زمین و آسمان کا قیام اس کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے مگر باوجود اس کے یہ کبھی نہیں ہوتا کہ قوتوں کے اضمحلال اور ضعف و ناتوانی کی وجہ سے اس پر اونگھ طاری ہو بلکہ وہ برابر مصروف عمل رہتا ہے۔ کمزوری اور نقاہت کا نام و نشان اس میں نہیں۔ اس پر تعطل و بیکاری کا زمانہ نہیں آتا اور نہ کام کرتے کرتے اس کو آرام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بلکہ وہ اونگھ اور نیند سے پاک ہے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے

۴۳۳ یعنی ساری کائنات کی ملکیت و ماکیت صرف اسی کی ہے۔ کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں اور اس کی ملک سے مخلوق کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ خارج نہیں۔ زمین و آسمان میں جس قدر چیزیں ہیں سب پر اسی کا قبضہ ہے اور وہی ہر انسان کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اگر تم نے ایسے باجبروت بادشاہ کی مخالفت کی تو یاد رہے اس کے دربار میں کسی کو شفاعت کرنے کی جرات نہ ہوگی، مگر ہاں! جس کو وہ خود نجات دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے لئے کسی کو شفاعت کرنے کی اجازت دے دے۔ حقیقت یہ ہے کہ شفاعت کی ضرورت وہاں محسوس ہوتی ہے جس جگہ حاکم کو واقعات کا پورا علم نہ ہو اور اللہ کو تو ایک ایک ذرہ کی خبر ہے۔ اس کے علم کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔ ہاں وہ خود ہی اپنے علم کے بحر ناپیدا کنار میں سے کسی کو ایک قطرہ نوازش

Marfat.com

يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ

باہر نہیں۔ انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے دے دے۔ اس کا تخت[۴۳۴] یعنی قبضہ قدرت آسمان و زمین کے تمام پھیلاؤ پر چھایا ہوا ہے اور ان کی نگران و حفاظت میں اس کے لئے کوئی تھکاوٹ[۴۳۵]

کر دیتا ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک ہی انسان کو اتنا علم دے دے جتنا خود اس کو ہے۔

عرش الٰہی ہر ایک چیز کو محیط ہے

۴۳۴ اصل میں لفظ "کرسی" کرسی استعمال ہوا ہے جسے بالعموم حکومت و اقتدار کے لئے استعارے کے طور پر بولا جاتا ہے۔ اردو زبان میں بھی اکثر کرسی کا لفظ بول کر حاکمانہ اختیارات مراد لئے جاتے ہیں۔ اس جگہ بھی مطلب یہی ہے کہ حکومت و بادشاہت تمام آسمان و زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے دائرۂ حکومت سے نکلنے کی کوشش کرے اور وہ نکل بھی سکے دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ :

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا ۚ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○ (الرحمٰن ۵۵ : ۳۳) "اے جن و انس اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ زمین و آسمان کے مدبرات و ملکوت کے اندر سے اپنی راہ پیدا کر کے آگے نکل جاؤ تو اس کے لئے اپنی کوشش کر کے دیکھ لو لیکن یاد رکھو! کہ بغیر سلطان الٰہی کے کچھ بھی نہ کر سکو گے۔" کیوں؟ اس لئے کہ جہاں بھی جاؤ گے حکومت اسی کی ہوگی "فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ" زمین و آسمان اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ ان کی حفاظت سے نہیں تھکتا۔ اس کی ذات اقدس بہت بزرگ و برتر ہے اور انسانی فہم و ادراک سے وراء الوریٰ اور پھر وراء الورای ہے۔ اس کے سامنے کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

زمین و آسمان کی نگرانی اس کو تھکا نہیں سکتی

۴۳۵ مشرک قوموں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اتنے وسیع اور لق و دق سلسلہ موجودات کی نگرانی تنہا خدا کہاں تک کر سکتا ہے اس لئے نعوذ باللہ وہ کبھی غافل بھی ہو جاتا ہے اور یہ کاروبار سنبھالنے کے لئے اس کو ضرورت شریکوں اور مددگاروں کی بھی پڑتی ہے یہاں اسی تخیل کی تردید کی جا رہی ہے کہ اسلام کا خدا ایسا نہیں جو تھک جائے اور اس کو نگرانی کے لئے اپنی جگہ کسی کو بٹھانا پڑے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنا تعلق اللہ

Marfat.com

الْعَظِيْمُ ۞ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ

نہیں اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے۔[۴۳۶] ۲۵۵
دین[۴۳۷] کے بارے میں کسی طرح کا جبر نہیں بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے الگ اور

کے ساتھ اس قسم کا رکھے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اور اس میں کمی نہ آنے دے کیونکہ تمام تر خرابیاں اور بربادیاں اسی چشمہ توحید کو چھوڑ دینا ہے۔ تمام مذاہب و ادیان کو اس توحید کے ماننے سے انکار نہیں ہو سکتا اور یہی اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اس آیت کو اپنی حکومت کے اطراف و جوانب میں شائع کر دے اور جملہ اقوام و ملل کو اس کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرے۔

یہ آیت "آیت الکرسی" کے نام سے معروف ہے

۴۳۶ قرآن کریم کی یہی وہ آیت ہے جو "آیت الکرسی" کے نام سے معروف ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مکمل معرفت بخشی گئی ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی اس بناء پر حدیث پاک میں اس کو قرآن کریم کی سب سے افضل آیت قرار دیا گیا ہے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر کس مناسبت سے آیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے ایک مرتبہ پھر اس تقریر پر نگاہ ڈال لیجئے جو رکوع ۳۲ سے چل رہی ہے۔ پہلے مسلمانوں کو دین حق کے قیام کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے پر تیار کیا گیا اور ان کمزوریوں سے بچنے کی تاکید کی گئی جس میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے تھے۔ پھر یہ حقیقت سمجھائی گئی کہ فتح و کامرانی کا مدار تعداد اور ساز و سامان کی کثرت نہیں بلکہ ایمان و صبر اور پختگی عزم پر ہے۔ پھر جنگ کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی حکمت وابستہ ہے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی یہ کہ دنیا کا نظام برقرار رکھنے کے لئے وہ ہمیشہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے دفع کرتا رہتا ہے ورنہ اگر ایک ہی گروہ کو غلبہ و اقتدار کا دائمی پٹہ مل جاتا تو دوسروں کے لئے جینا دشوار ہو جاتا۔ پھر اس شبہ کو رفع کیا گیا ہے جو ناواقف لوگوں کے دلوں میں اکثر کھٹکتا ہے کہ اگر اللہ نے اپنے پیغمبر اختلافات کو مٹانے اور نزاعات کا سدباب کرنے ہی کے لئے بھیجے تھے اور ان کی آمد کے باوجود نہ اختلاف مٹے اور نہ نزاعات ختم ہوئے تو کیا اللہ ایسا ہی بے بس تھا کہ اس نے ان خرابیوں کو دور کرنا چاہا اور نہ کر سکا۔ اس کے جواب میں بتا دیا کہ اختلافات کو جبراً رد کر دینا اور نوع انسانی کو ایک خاص راستے پر بزور چلانا اللہ کی مشیت ہی میں نہ تھا ورنہ انسان کی کیا مجال تھی کہ اس کی مشیت کے خلاف چلتا۔ پھر ایک فقرے میں اس اصل مضمون کی طرف اشارہ کر دیا گیا جس سے تقریر کی ابتداء ہوئی تھی۔ اس کے بعد اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ

Marfat.com

انسانوں کے عقائد و نظریات اور مسالک و مذاہب خواہ کتنے ہی مختلف ہوں بہرحال حقیقت نفس الامری جس پر زمین و آسمان کا نظام قائم ہے یہ ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔ انسانوں کی غلط فہمیوں سے اس حقیقت میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں آتا مگر اللہ کا یہ منشا نہیں ہے کہ اس کے ماننے پر لوگوں کو زبردستی مجبور کیا جائے جو اسے مان لے گا وہ خود ہی فائدے میں رہے گا اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ خود ہی نقصان اٹھائے گا۔

دین میں جبرو اکراہ نہیں کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے

۴۳۷ دین کا تعلق اصلاً عقیدۂ قلب سے ہے اور قلب پر جبرو اکراہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اس لئے گویا یہاں اسی حقیقت کا اعلان ہے کہ ایمان کا تعلق اپنے ارادہ و اختیار سے ہے جبرو اضطرار پر نہیں۔ مخالفین اسلام کو جب کوئی بات اسلام میں اس بیان کے خلاف نہ ملی تو انہوں نے جزیہ کو اسلام میں جبر کی اصل سمجھ لیا اور لگے شور کرنے حالانکہ اگر ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ جزیہ کی مشروعیت عین اس کے برعکس خود اس کی دلیل ہے کہ مقصود اصلی قانون اسلام اور حکومت اسلام کو غالب رکھنا ہے نہ کہ فرداً فرداً کافر کو بہ جبر مسلمان بنانا۔ یہاں اکراہ کی نفی سے مقصود اکراہ فی نفسہ کی نفی ہے اس لئے بعض نے اس کے معنی ہی یہ لئے ہیں کہ دین میں اکراہ مت کرو۔

دنیا میں ہمیشہ یہی رہا ہے کہ جن قوموں کے پاس صداقت اور سچائی کی کوئی چیز بھی نہیں ہوتی انہوں نے دوسروں کو اپنے قبضہ میں لانے، اپنے اصول منوانے اور اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کے لئے نیزوں کے پھلوں، تلواروں کی دھاروں اور ہتھیاروں کی جھنکار سے فائدہ اٹھایا ہے اور قوت کے زور سے اپنے خیالات و افکار کی نشر و اشاعت کی ہے مگر اسلام ہی وہ سب سے پہلی آواز حق و صداقت ہے جس کو تبلیغ و دعوت کے لئے کسی طاقت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اس نے گمراہی و ضلالت اور ہدایت کو ایک دوسرے سے نمایاں کر دیا۔ سعادت و شقاوت انسانی کی راہیں واضح کر دیں کہ روشنی اور اندھیاری صاف صاف نظر آنے لگی نور و ظلمت میں فرق و امتیاز ہو گیا اور لسان الٰہی نے ہمیشہ کے لئے اعلان کر دیا کہ "لا اکراہ فی الدین" حکومت اسلامی کا کام یہ ہے کہ ہدایت و ضلالت نور و ظلمت اور اسلام و کفر میں ایسا فرق و امتیاز کر دے کہ ہر شخص سمجھ جائے اور لوگوں کی ترغیب و تحریص کے سامان فراہم کر دے اور جو لوگ اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہوں ان کی راہ سے رکاوٹوں کو دور کر دے پھر جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ان کو پوری سختی کے ساتھ اسلام پر زندگی گزارنے پر مجبور کرنا اور اسلام کے خلاف نہ کرنے دینا جبر نہیں۔ جبرو اکراہ کی نفی اسلام کے قبول کرنے کے لئے ہے کسی کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے جن لوگوں نے اسلام کو قبول کیا ہے ان کو اسلام کے قانون کا پابند بنانا اور قانون اسلامی کی خلاف ورزی نہ کرنے دینا ہرگز ہرگز جبر نہیں۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام میں نئے نئے مذاہب اور فرقوں کی کوئی گنجائش نہیں اسلام اس فرقہ بندی کو ظلم اور شرک قرار دے چکا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اسلام کو قبول کرنے کے بعد اسلام کے اندر فرقہ بندیوں میں تقسیم ہو گئے اور دن بدن

Marfat.com

ہوتے ہی جا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کا یہ مطلب ہے کہ دین کے اندر جس کا جی چاہے جو فرقہ اختیار کر لے یا کوئی نیا فرقہ بنا لے اس پر کوئی حد بندی نہیں حالانکہ یہ سراسر جہالت ہے ظلم ہے عدوان ہے دین اسلام کے ساتھ دھوکہ اور فریب ہے۔

علمائے اسلام کا فرض تو یہ تھا کہ وہ اس سلسلہ میں محتاط رہ کر حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے اور اسلامی حکومت کو یہ باور کراتے کہ اسلام کو دین مان لینے کے بعد پھر الگ الگ راہوں کا کوئی جواز نہیں۔ اسلام خود ایک قانون اور ایک واضح راستہ ہے اور وہ اپنے ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سب مل کر اس کو مضبوطی سے تھام لیں اور متفرق نہ ہوں اور پھر جو تفریق ہمارے ہاں بدقسمتی سے ہو چکی ہے اس تفریق کو مٹانے کے لئے کوئی قانون بنائیں اور یہ معلوم کریں کہ یہ تفریق کیوں ہوئی؟ پھر جس وقت یہ تفریق ہوئی اس وقت دراصل حکومت اسلامی نہ رہی تھی اور عیسائی یلغار نے کسی کو ہوش نہ آنے دی اس نے اسلامی ممالک کو اپنے قبضہ میں لے کر اس شیطنت کو پھیلایا تاکہ اسلام کا شیرازہ اس طرح بکھر جائے کہ ان کو آزادی دینے کے بعد بھی وہ کبھی ایک اسلام پر اکٹھے نہ ہو سکیں ان کی یہ شیطنت کامیاب ہو گئی۔ اسلامی ممالک آزاد ہونے لگے اور ہوتے ہی گئے لیکن آج یہ آزادی برائے نام آزادی ہے تاکہ صحیح معنوں میں آزاد ہونے کے لئے کسی کی سوچ ہی نہ رہے۔ اسلام آزاد نہیں بلکہ لوگ آزاد ہو گئے کہ جس کو چاہیں اسلام کہہ دیں اور ان پر کوئی پابندی نہیں۔ بدقسمتی سے علمائے اسلام نے اس فرقہ بندی کی لعنت کو نہایت خوشی سے قبول کر لیا کیونکہ ان کی سیادت و قیادت جو ان سے چھن گئی تھی اور واپس آنے کی ان کو کوئی امید بھی نہ رہی کیونکہ چھن جانے والی چیز کو واپس لانے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کرنا پڑتی ہے انہوں نے اپنی سیادت' قیادت کو قائم رکھنے کے لئے یہ آسان طریقہ اختیار کر لیا۔ حکومت جائے جہنم میں چاہے جو کرے اور جو آئے اس کے ساتھ جو جائے ان کی بلا سے ان کا مطلب تو حل ہے کہ وہ اپنے فرقہ کے خالصہ پروہت ہیں اور ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس فرقہ بندی کو وہ خوب ہوا دیں اور مسلمانوں کو وہ قطعاً ایک نہ ہونے دیں بلکہ ہر فرقے کی جنگ دوسرے فرقے سے جاری رکھیں ان کو فتویٰ دیں کہ فلاں بھی کافر ہے اور فلاں بھی تاکہ کافروں کی طرف سے مسلمان منہ پھیر کر اپنے بھائیوں پر ہی وار کرتے رہیں اور جس کا ہاتھ پڑے دوسرے کو فنا کر دے۔

آج آپ مذہبی رسائل کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں ان میں واضح سرخیوں کے تحت درج ہوگا کہ ہمارے گاؤں میں ماشاء اللہ اتنے آدمی دیوبندی ہو گئے' بریلوی ہو گئے' اہلحدیث ہو گئے' شیعہ ہو گئے' سنی ہو گئے۔ پھر ان کے لئے دعائیں کی جائیں گی۔ ان کو مبارکبادیں پیش کی جائیں گی اور اپنے اپنے فرقہ والے ان کی پذیرائی کریں گے ان کے جہاد کو کامیاب جہاد قرار دیں گے۔ اگر آپ مزید غور کریں تو اب ان فرقوں کے اندر جو مزید گروہ بندیاں آچکی ہیں ان گروہ بندیوں کو اختیار کرنے والے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اس چیز کا جتنا ماتم کیا جائے کم ہے اور اس کی حالت پر جتنے آنسو بہائے جائیں روا ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ کوئی ایسا بندہ اللہ پیدا فرما دے جو

Marfat.com

مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۲۵۶ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

نمایاں ہوگئی ہے۔ پھر جو شخص [۴۳۸] طاغوتی طاقتوں سے انکار کرتے ہوئے اللہ پر ایمان لائے تو بلاشبہ اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو حلقہ ٹوٹنے والا نہیں اور یاد رکھو اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے [۴۳۹]۔ ۲۵۶

اللہ ان [۴۴۰] لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ انہیں تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے مگر جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو

اس لعنت عظیم سے مسلمانوں کو نکال دے خصوصاً پاک و ہند کے مسلمانوں کو جو اس سلسلہ میں پوری دنیا کے مسلمانوں سے آگے نکل گئے ہیں۔

طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لانا ہی اصل ایمان ہے

۴۳۸ جو شخص باطل کی پیروی سے باز آگیا اور دین اسلام کو قبول کر لیا اسے یقیناً دنیا و آخرت میں ایک بڑا زبردست سہارا ہاتھ آگیا۔ طاغوت کے معنی بہت وسیع ہیں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔ جس شخص نے غیر اللہ کی عبادت کی اس نے گویا طاغوت کو الٰہ مان لیا۔ اللہ کے نیک بندوں نے تو کبھی اپنی عبادت کے لیے نہیں کہا وہ اولیاء کرام ہوں یا انبیاء علیہم السلام ہر ایک کی صدا یہی تھی کہ ”لوگو! رب کی عبادت کرو وہی ہمارا بھی معبود ہے اور تمہارا بھی۔“ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ۔ ان اللہ کے نیک بندوں میں سے بھی اگر کسی کی عبادت کی تو گویا شیطان ہی کی عبادت کی اس لئے کہ یہ شیطان ہی کی آواز پر لبیک کہا گیا۔ بندہ کا فاطر کائنات سے صحیح و نظری تعلق ہی کا نام دین اسلام ہے۔ یہی وہ زبردست سہارا ہے جس کے ہاتھ لگ جانے کے بعد زندگی کا ہر مرحلہ آسان ہو جاتا ہے اور ہر عقیدہ کامل بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر آخرت کی بھی منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اس ایک سہارے کے سوا باقی سارے سہارے ناقص، بودے اور کمزور ہیں۔ محققین نے کہا کہ ”عروۃ الوثقیٰ“ نسبت مع اللہ حاصل ہو جانے کے بعد منقطع نہیں ہوتی۔

Marfat.com

ہر چیز کا جاننے والا صرف اور صرف اللہ ہی ہے

۴۳۹ وہی ہے جو سننے والا ہے الفاظ و اقوال کا اور جاننے والا ہے احوال و اعمال کا یعنی اللہ کو ظاہر و باطن، کلی اور جزئی ہر قسم کا علم و اطلاع ہے۔ پھر جب اللہ کو معلوم ہے کہ تم نے طاغوت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے تو یقیناً وہ تمہاری ترقی کے لئے عظیم الشان میدان کھول دے گا۔

کارساز حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے

۴۴۰ فرمایا گیا کہ اہل ایمان کے بگڑے کام بنانے والی۔ آڑے وقت ان کے کام آنے والی اللہ ہی کی ذات ہے نہ کہ ابن اللہ یا کوئی دیوی دیوتا یا کوئی پیر و فقیر گویا یہ رد ہے نصاریٰ اور مشرکوں کا اور مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صرف اللہ وحدہ لا شریک کی غلامی کریں گے۔ ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی شیاطین اپنا اثر ڈالنے کی کوششیں کریں گے۔ ظلمت چاروں طرف سے گھیرے گی۔ قوانین الٰہی میں شبہات رونما ہوں گے لیکن "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کی ایک جلوہ نمائی ان تمام طواغیت کو فنا کر دے گی۔ شکوک رفع ہو جائیں گے۔ ہدایت و راہنمائی حاصل ہوگی۔ تمام رکاوٹیں حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گی۔ جب کوئی قوت حق کو دبانے کی کوشش کرے گی اس کو فوراً برباد کر دیا جائے گا اور مسلم قانت اپنے آگے نور ہی نور دیکھے گا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ ۵ : ۱۶) "اللہ کی طرف سے تمہارے پاس حق کی روشنی آچکی اور ایسی کتاب آچکی جو ایک روشن کتاب ہے۔ اللہ اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں پر جو اللہ کی خوشنودیوں کے تابع ہوں سلامتی کی راہ کھول دیتا ہے اور اپنے حکم سے انہیں تاریکیوں سے نکالتا روشنی میں لاتا اور سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔"

"ظلمت" یعنی تاریکیوں سے مراد جہالت کی تاریکیاں ہیں جن میں بھٹک کر انسان اپنی فلاح و سعادت کی راہ سے دور نکل جاتا ہے اور حقیقت کے خلاف چل کر اپنی تمام قوتوں اور کوششوں کو غلط راستوں میں صرف کرنے لگتا ہے اور "نور" سے مراد علم حق ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی اور کائنات کی حقیقت اور اپنی زندگی کے مقصد کو صاف صاف دیکھ کر علی وجہ البصیرت ایک صحیح راہ عمل پر گامزن ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی کہ "ظلمات" کو جمع اور "نور" کو واحد استعمال کیا گیا ہے جس سے واضح ہو گیا کہ سیدھا خط تو ایک ہی ہو سکتا ہے اور اسی طرح راہ راست بھی ایک ہی ہے ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی نور کا لفظ آیا ہے صیغہ واحد میں آیا ہے اور کفر و ظلمات کی قسمیں بے شمار ہیں اس لئے ظلمات کو صیغہ جمع لایا گیا۔

Marfat.com

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۵۷ ۞ اَلَمْ تَرَ

ع ۳۴/۲

ان کے مددگار سرکش[441] اور مفسد ہیں انہیں روشنی سے نکالتے اور تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جن کا گروہ پکا دوزخی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ عذاب جہنم ہی میں رہے[442] گا۔ ۲۵۷

یہاں سرکش اور مفسد لوگوں کو طاغوت کہا گیا ہے

۴۴۱ "طاغوت" اس جگہ "طواغیت" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اللہ سے منہ موڑ کر انسان ایک ہی طاغوت کے چنگل میں نہیں پھنستا بلکہ بہت سے طواغیت اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ایک طاغوت تو شیطان ہے جو اس کے سامنے نت نئی جھوٹی ترغیبات کا سدا بہار سبز باغ پیش کرتا ہے دوسرا طاغوت آدمی کا اپنا نفس ہے جو اسے جذبات و خواہشات کا غلام بنا کر زندگی کے ٹیڑھے سیدھے راستوں میں کھینچے کھینچے لئے پھرتا ہے اور بے شمار طاغوت باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں بیوی' بچے' اعزہ و اقرباء' برادری اور خاندان' دوست اور آشنا' سوسائٹی اور قوم' پیشوا اور راہنما حکومت اور حکام یہ سب اس کے لئے طاغوت ہی طاغوت ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک اس سے اپنی اغراض کی بندگی کراتا ہے اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اور کس کی ناراضی سے بچے اور کیسے بچے؟

اور جب فضا ہی ساری کی ساری ظلماتی ہو تو ظاہر ہے کہ شیطنت اور بدی کے محرکات کتنے بڑھ جاتے ہیں اور ایمان و تقویٰ کے محرکات کتنے کم ہو جاتے ہیں۔ شیطان بدی کے چہرہ پر طرح طرح کے خوشنما نقاب ڈال کر اس کے نام طرح طرح کے خوبصورت رکھ لیتا ہے اور پھر ان کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جو اہل ایمان اور اہل تقویٰ ہیں وہی نکو بن کر رہ جاتے ہیں اسی کو اکبر نے ان الفاظ میں بیان کیا ؎

کس سے میں کہوں کہ دل کی تخریب ہے یہ — مغوی کو بھی بد نہ کہئے ترغیب ہے یہ
شیطان کو رجیم کہہ دیا تھا ایک دن — ایک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

Marfat.com

اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

اے پیغمبر اسلام! کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں حجت کی تھی اور یہ حجت اس لئے کی تھی کہ اللہ نے

ایک سچے مسلم کے لئے طاغوت کا کفر کرنا ضروری ہے

۴۴۲ اللہ پر ایمان لانا اسلام ہے لیکن یہ ایمان اسی وقت مقبول ہو سکتا ہے جب طاغوت کا کفر کیا جائے۔ دنیا کے پاپولر لوگوں کی طرح جو دونوں طرف برابر برابر چلنے کے عادی ہوں ان کو قرآن کریم "لَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَلَاۤ اِلٰی هٰۤؤُلَآءِ" قرار دیتا ہے کہ وہ نہ ادھر کے رہتے ہیں اور نہ ہی ادھر کے اور دو بیڑیوں پر ٹانگ رکھنے والا ہمیشہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ دعویٰ اسلام وہی سچا ہے جو طاغوت کے کفر کے بعد ہو۔

اللہ کی رضا تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانا ہے اور شیطان کی فطرت میں روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی گہرائی میں پہنچانا تم خود ہی فیصلہ کر لو کہ دونوں کا کہا ماننے والا کبھی اپنے دعویٰ میں سچا ہو سکتا ہے؟ فرمایا پھر ایسے جھوٹوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی رسوائی ہوگی جو عذاب دوزخ کی صورت میں ان کے سامنے آئے گی اور ایسا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ قانون الٰہی ہے اور قانون خداوندی کے خلاف ہونا محال ہے۔

رئیس المواحدین سیدنا ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں

۴۴۳ انسان کبھی فسق و فجور سے باز نہیں رہ سکتا جب تک اس کو دو باتوں کا یقین نہ ہو ایک یہ کہ اللہ موجود ہے اور وہ ہمارے ہر عمل حیات کا نگران کار و محافظ ہے دوسرا یہ کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اس کے متعلق ایک روز سوال کیا جائے گا اور احتساب اعمال سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ ان دونوں باتوں کو یا تو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا گیا یا کیا گیا تو صرف رسماً" حقیقتاً نہیں۔ پیچھے دعویٰ کیا گیا تھا کہ مومن کا حامی و مددگار اللہ ہوتا ہے اور پھر جس کا حامی و مددگار اللہ ہو جائے وہ اسے تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور کافر کے مددگار و معاون طاغوت ہوتے ہیں اور وہ اسے روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہاں اسی "مومن" اور "کافر" کی وضاحت کا ایک واقعہ بطور مثال پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس کے سامنے واضح دلائل کے ساتھ حقیقت پیش کی گئی اور پھر اس حقیقت کے پیش کرنے کا ایسا انداز اختیار کیا گیا کہ وہ اس کے سامنے لاجواب بھی ہو گیا لیکن چونکہ اس نے طاغوت کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس لئے حق کھل کر واضح ہو جانے کے بعد بھی وہ روشنی کی طرف نہیں آیا بلکہ تاریکیوں ہی میں بھٹکتا رہ گیا اور اس مثال سے دونوں کردار بھی کھل کر سامنے آگئے کہ "مومن" کیا شئے ہے اور "کافر" کس بلا کا نام ہے یا یہ کہ ایمان کسے کہتے ہیں اور کفر کیا ہوتا ہے؟ چنانچہ اس مثال میں مومن کا کردار سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کردار

Marfat.com

إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِۦمُ رَبِّىَ ٱلَّذِى يُحْىِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠

اسے بادشاہت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو مخلوقات کو زندہ کرتا اور مارتا ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ میں تو خود بخود زندہ ہوا ہوں اور خود

ہے اور کافر کا کردار نمرود یعنی اس وقت کے بادشاہ کا۔

نمرود اس وقت عراق کا بادشاہ تھا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وطن اصلی بھی یہی ہے جس واقعہ کو اس جگہ ذکر کیا جا رہا ہے اس واقعہ سے بائبل بالکل خالی ہے لیکن تلمود میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے اگرچہ اس کی تفصیل کا انداز کیسا ہو کچھ ہو۔ ہاں اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ نمرود کے ہاں سلطنت کا سب سے بڑا عہدے دار یعنی چیف آف دی اسٹیٹ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کھلم کھلا شرک کی تردید شروع کر دی اور توحید کی تبلیغ اپنی آخری حد کو پہنچی اور وہ وہی وقت تھا جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بت خانہ میں داخل ہو کر ان کے بتوں کو تہس نہس کر دیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے خود ان کا مقدمہ نمرود کے دربار میں پیش کر دیا اور وہیں یہ گفتگو پیش آئی۔

ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کس بات پر تھا؟ جھگڑا اس بات پر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا رب کون ہے؟ جھگڑا کس سے تھا؟ بادشاہ وقت سے جس کا لقب نمرود تھا۔ جھگڑے کا باعث کیا تھا؟ طاقت اور حکومت کا غلط استعمال۔ عقل و فکر کا ہمیشہ سے یہ تقاضا رہا ہے اور اب بھی ہے کہ جو بات ہو وہ دلیل سے ہو لیکن طاقت اور حکومت و اقتدار نے ہمیشہ زور اور طاقت کے ذریعے بات منوانے کی کوشش کی ہے اس لئے اکثر و بیشتر جن لوگوں کے پاس عقل و فکر تھی ان کے پاس حکومت نہ تھی اور جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو گئیں یعنی حکومت اور حکمت تو وہ دور اگرچہ کتنا ہی مختصر تھا لیکن قابل دید تھا۔

نمرود حکومت کے نشہ میں ایسا سرشار تھا کہ گویا وہ بادشاہ نہیں بلکہ رب ہے

۵۴۴ نمرود کو اپنی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و جلال کی وجہ سے یہ دھوکا ہو گیا تھا کہ وہ بادشاہ ہی نہیں بلکہ اپنی سلطنت کا رب بھی ہے قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام مشرک حکومتوں کی مشترک خصوصیت یہی رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب کی حیثیت سے تو مانتی ہیں لیکن صرف اللہ ہی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور معبود تسلیم نہیں کرتیں۔ آج کے دور کی طرح اگر کسی نے ظاہری طور پر مانا بھی ہے تو عملی طور پر ضرور اس کی تردید کی ہے۔

خدائی کو مشرکین نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک فوق الفطری خدائی سلسلہ جو اسباب پر حکمران

Marfat.com

ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجات اور مشکلات میں دستگیری کے لئے رجوع کرتا۔ اس خدائی میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارواح اور فرشتوں' جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی نیک ہستیوں کو یا جن کو وہ نیک سمجھ بیٹھتے ہیں شریک ٹھہراتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔ ان کے سامنے مراسم پرستش اور کورنش بجالاتے ہیں ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔

دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی یعنی حاکیت جو قانون حیات مقرر کرنے کی مجاز اور اطاعت امر کی مستحق ہو اور جسے دنیوی معاملات میں فرمانروائی کے مطلق اختیارات حاصل ہوں۔ اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکین نے قریب قریب ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے سلب کر کے یا اس کے ساتھ شاہی خاندانوں اور مذہبی پروہتوں اور سوسائٹی کے وڈیروں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اکثر و بیشتر بادشاہ اور حکمران پارٹیاں اسی دوسرے معنوں میں خدائی کی مدعی ہوئی ہیں اور اب بھی ہو رہی ہیں اور اسے مستحکم کرنے کے لئے انہوں نے بالعموم پہلے معنی والے خداؤں کی اولاد یا محبوب اور چہیتا ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقوں نے بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک ہونے کی اکثر سازش کی ہے۔

نمرود کا دعویٰ خدائی بھی اس دوسری قسم کا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کا بالکل منکر نہ تھا۔ اس کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور کائنات کا مدبر وہ خود ہے۔ اس کا کہنا یہ نہیں تھا کہ اسباب عالم کے پورے سلسلے پر اس کی حکومت چل رہی ہے وہ علت العلل خدا ہی کو جانتا تھا لیکن سمجھتا تھا کہ انسان کا مرنا اور جینا خودبخود ہے گویا گھڑی میں جب ایک بار چابی بھر دی گئی تو اس کے بنانے والے پر کیا غور و فکر ضروری ہے۔ بس ضرورت کے مطابق چابی بھرو اور کام لو اور اس بحث میں مبتلا ہی نہ ہو کہ اس کے بنانے والا کون ہے؟ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس ملک عراق کا اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق بس میں ہی ہوں میری زبان قانون ہے۔ میرے اوپر کوئی بالاتر اقتدار نہیں کہ جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں اور اس ملک کے سارے باشندے میرے سامنے جواب دہ ہیں اور عراق کا ہر باشندہ باغی و غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے تسلیم نہ کرے یا میرے سوا کسی دوسرے کے سامنے جواب دہ ہونے کو تسلیم کرے۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب کہا کہ میں صرف ایک رب العلمین ہی کو خدا اور معبود اور رب مانتا ہوں اور اس کے سوا سب کی خدائی اور ربوبیت کا قطعی طور پر منکر ہوں تو سوال صرف یہی پیدا نہیں ہوا کہ قومی مذہب اور مذہبی معبودوں کے بارے میں ان کا یہ نیا عقیدہ کہاں تک قابل برداشت ہے بلکہ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ قومی ریاست اور اس کے مرکزی اقتدار پر اس عقیدہ کی جو زد پڑتی ہے اسے کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جرم بغاوت کے الزام میں نمرود کے سامنے پیش کئے گئے۔

ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو جواب ارشاد فرمایا کہ وہی جو سب کا زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔ یہ بات تو وہ سمجھ گیا لیکن مبحث کو خلط ملط کرنے کے لئے "اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ"

Marfat.com

اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ

ہی مروں گا یعنی میرا زندہ کرنے والا اور مارنے والا تو کوئی نہیں ہے۔ اس پر ابراہیمؑ نے کہا۔ اچھا اگر ایسا[۴۴۵] ہی ہے تو اللہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو اس کو مغرب سے طلوع کر کے دکھا۔ یہ بات سن کو وہ بادشاہ جس نے کفر کا شیوہ اختیار کر رکھا تھا ہکا بکا

یعنی میں تو خود ہی زندہ ہوا ہوں اور خود ہی مروں گا کے الفاظ کہہ کر جواب دیا جس سے گویا ایک نئی بحث کا دروازہ کھولنا چاہا اور بات سے بات نکال کر بحث کو طول دے کر کٹ حجتیاں پیدا کر کے دراصل وہ اپنا مطلب حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ ابراہیمؑ کے خلاف تالی بج جائے۔ آج بھی جب عقل و فکر کی بات کی جاتی ہے اور پھر اس کا معقول جواب نہیں بن پڑتا تو بحث کو بڑی چالاکی اور شاطرانہ انداز سے کسی دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ ایک مناظرانہ چال ہے۔ نمرود نے بھی وہی کیا جو صاحب اقتدار اور طاقت ور لوگ ہمیشہ کرتے ہیں۔

ابراہیمؑ نمرود کی مناظرانہ چال کو سمجھ گئے تو بحث کو فرد سے اٹھا کر کائنات پر جا رکھا

۴۴۵ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس کی چالاکی کو سمجھ گئے اور بڑے پیارے انداز کے ساتھ بحث کو ایک فرد سے اٹھا کر کائنات کے پورے نظام پر جا رکھا اور فرمایا کہ میرا رب تو وہی ہے جو آفتاب کو روز کے روز مشرق سے نکالتا ہے پھر تو ایک ہی دن مغرب سے نکال کر دکھا دے۔ بس یہ الفاظ سننا تھے کہ اس کی عقل ماری گئی۔ اب بحث ایک فرد کی زندگی اور موت کی نہ رہی بلکہ کائنات ارض کے پورے نظام کی طرف منتقل ہوگئی۔ تعجب ہے کہ بحث کو تو منتقل کرنا وہ بھی چاہتا تھا لیکن ایسی طرف جہاں بحث کو طول دیا جا سکے لیکن کمال ذہانت سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بحث کو منتقل کیا لیکن ایسی طرف جس سے آگے وہ کوئی بحث کر ہی نہ سکے۔ وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس صریح شکست کا تقاضا تو یہ تھا کہ فوراً ہدایت قبول کر لیتا لیکن اس کو طاغوت کی ہم نشینی حاصل تھی اس لئے اپنی ضد پر قائم رہا۔ ہدایت کے تمام اسباب فراہم ہوں پھر بھی ایک شخص ان سے کام نہ لے تو پھر اس کے لئے اور کوئی جدید سامان رہنمائی کا نہیں پیدا کیا جا سکتا کیونکہ اگر ایسا کیا جائے تو پھر بحث ختم ہونے پر کبھی نہیں آسکتی۔ مناظرہ کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ مخالف کو تھوڑی دیر کے لئے حیران کر دیا جائے اور یہاں بھی ایسا ہوگیا۔ نمرود اس کا جواب کیوں نہ دے سکا؟ عراقیوں کے اس وقت کے عقیدہ کے مطابق بادشاہ

Marfat.com

كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۲۵۸ اَوْ كَالَّذِيْ

ہو گیا اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ ظالموں پر[۴۴۶] کبھی کامیابی اور فلاح کی راہ نہیں کھولتا۔

۲۵۸ اور پھر[۴۴۷] اسی طرح اس شخص کی حالت پر بھی غور کرو جو ایک بستی پر سے گزرا تھا

وقت یعنی نمرود اوتار تھا سورج دیوتا کا اور سورج ہی کلدانیوں کے عقیدہ میں معبود اعظم تھا۔ اس کی مثال کو اور زیادہ قریب الفہم بنانے کے لئے موجد اعظم نے اس کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم سورج کے قادر و متصرف ہونے کے قائل ہو اور خود ہی اس کے اوتار بھی ہو زیادہ نہیں یہی کر دکھاؤ کہ سورج اپنے ارادہ سے عام سنت الٰہی کے خلاف ذرا اپنا رخ ہی بدل دے دوسروں پر قدرت رکھنا تو الگ رہا خود اپنے ہی اوپر اپنا ارادہ صرف کر دکھاؤ اور ارادہ بھی اتنا ہلکا کہ صرف رخ بدل دینا ہے۔ کسی خدا کی بے بسی کا منظر اور کیا پیش ہو سکتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استدلال وہی قائم رکھا صرف مخاطب کی سطحی ذہنیت کا لحاظ کر کے اس کی مثال دوسری پیش کر دی اور فرمایا کہ اچھا حیاتی و موت نہ سہی۔ کائنات طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک معمولی سا تصرف کر کے دکھا دو۔ نمرود سورج دیوتا کا اوتار تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل بھی اسی کے عقیدہ کے ابطال و تردید میں سورج ہی کو مثال میں پیش کرنا اس پر بہترین گرفت تھی اور وہ آخر اس کا جواب دے بھی کیا سکتا تھا؟

نمرود نے ہدایت کا آخری موقعہ بھی ضائع کر دیا

۴۴۶ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق کہ "فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ" کہ وہ عاجز و لاجواب ہو گیا تاہم وہ ایمان نہ لایا گویا کہ اس نے ہدایت کا آخری موقعہ بھی ضائع کر دیا اور اتنے نازک موقعہ پر بھی اس کی چھٹی حس بیدار نہ ہو سکی۔ پھر آخر وہ ایمان لاتا بھی کیسے؟ جو لوگ غصہ و عناد سے کجروی اختیار کئے ہوتے ہیں انہیں ہدایت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ ظالمین وہی لوگ ہوتے ہیں جو خالی الذہن ہو کر کبھی حق اور حقیقت پر غور ہی نہیں کرتے اور اپنی ضد و نفسانیت پر قائم رہتے ہیں اس آیت سے مجموعی طور پر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایمان مستقیم اور فہم سلیم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اس قصہ نے بتا دیا کہ ابراہیمؑ کی راہ میں ایک طاغوت حائل ہوا مگر اللہ نے ان کی فوراً راہنمائی کی اور ایک نئی دلیل و حجت سکھا دی اور اس طرح کائنات خلق کو ظلمت سے نور کی طرف لے آیا مگر نمرود طاغوت کی غلامی کرتا تھا خواہ وہ اس کی خواہش تھی یا حکومتی مجبوری اس لئے اور زیادہ وہ کفر میں پختہ کار ہو گیا۔ شخصیتیں دونوں اپنے اپنے وقت پر چلی گئیں لیکن کردار دونوں کا باقی رہ گیا۔ پھر اس کردار پر یہاں بھی فیصلہ ہوا اور وہاں بھی ہو گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات زندگی کو اس تفسیر کی اسی جلد میں یعنی سورہ بقرہ کے حاشیہ نمبر

Marfat.com

۲۴۴ کے بعد درج کیا گیا ہے وہاں بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

زیر نظر آیت میں کس شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے غور طلب ہے

۴۴۷ زیر نظر آیت کا ترجمہ چاہو جس کے ترجمہ سے پڑھو یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ یہ واقعہ کس شخصیت کا ہے؟ کس بستی کا ہے؟ اور کس زمانہ کا ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ درس و عبرت حاصل کرنے کے لئے ان تینوں ہی سوالوں کے جواب کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔ جو ہدایت اس آیت کریمہ سے مقصود ہے وہ ان سارے سوالوں اور ان کے جوابات سے مستغنی ہے اور اس بحث میں گئے بغیر ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن چونکہ مفسرین نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جو ایک حد تک آپس میں مختلف فیہ ہے اس لئے اس جگہ گفتگو کرنا حرام و ممنوع نہیں کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ملتی ہاں! مقصود آیت متاثر نہیں ہونا چاہئے۔

"اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ" کے الفاظ پر بہت بحث کی گئی ہے جس کو زیر بحث لانے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ کسی نے اس شخص سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام لئے ہیں کسی نے کوئی اور نبی، بنی اسرائیل سے بھی مراد لئے ہیں لیکن بعض نے اس سے مراد کوئی کافر بھی لیا ہے کسی نے اس کو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اس واقعہ کا ہونا تسلیم کیا اور کسی نے بہت بعد کا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا زمانہ جو بنی اسرائیل میں سے ایک مشہور و معروف نبی گزرے ہیں جن کے متعلق یہود کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ "اللہ کے بیٹے ہیں" جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے کہ "وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ" ایک قول کے مطابق اس سے مراد یرمیاہ نبی ہیں۔ عزیر علیہ السلام کا زمانہ نبوت پانچویں صدی قبل مسیح تھا ۴۵۰ ق م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر واپس فلسطین لائے۔ بائبل میں ان کا نام عزرا کاتب یعنی کاتب تورات کی حیثیت سے آتا ہے۔ ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ اور یرمیاہ نبی کا زمانہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھا۔ اور تاریخ یہود میں آتا ہے کہ انہیں نبوت ۶۴۶ ق م میں ملی تھی۔ بعض لوگوں نے اس سے مراد حضرت حزقیل نبی بھی لئے ہیں جو یرمیاہ نبی کے ہم عصر اور چھٹی صدی قبل مسیح میں تھے۔

یہ بستی کون سی تھی؟ نام مختلف لئے گئے ہیں لیکن اکثریت بیت المقدس کی طرف گئی ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ شہر بخت نصر تاجدار بابل کے ہاتھوں ۵۸۶ ق م میں پوری طرح تاخت و تاراج ہوا ہے بظاہر یہ واقعہ اسی شہر سے متعلق یعنی اس کی تباہی کے بعد قریب ہی کے زمانہ کا ہے۔

عجائب پرستوں نے اس قصہ اور واقعہ کو دیو پری کا قصہ بنا دیا ہے حالانکہ قرآن کریم کا انداز غور و فکر کرنے کی طرف دعوت دینے کا ہے اس وقت بھی جب کہ یہ بصورت وحی نازل کیا گیا اور آج بھی اور رہتی دنیا تک اس کے اندر قومی زندگی کے لئے بہت سی راہنمائیاں ہیں جو ملتی رہی ہیں اور آج بھی مل رہی ہیں جب کہ

Marfat.com

کوئی ان کے حاصل کرنے والا بھی ہو۔ آیت کے معنی بالکل صاف ہیں اور کسی طرح کا ان میں ابہام نہیں۔ یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ کاف حرف تشبیہ کا ہے اور "کان" بھی اسی کاف تشبیہ سے بنا ہے اور کاف تشبیہ کو بہ سبب کسی ضرورت کے مثلاً بغرض اہتمام تشبیہ یا تبدیل سیاق کلام یا کسی اور ضرورت زبان کے مشبہ بہ سے جدا کر کے مقدم کر دینا بھی جائز ہے مثلاً زید کالاسد سے جب کاف تشبیہ کو کسی سبب سے جدا کر کے مقدم کریں تو یوں کہیں گے۔ کان زید الاسد اس جگہ بھی الذی مشبہ بہ نہیں ہے بلکہ اس سے اس شخص کے مرور کی تشبیہ یا تمثیل مراد ہے پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ كَاَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ" یعنی کیا نہیں دیکھا تو نے اس شخص کو جو گویا کہ گزرا تھا ایک قریہ پر۔ مگر نحوی قاعدہ کے مطابق "کان" کا لفظ الذی موصول کے صلہ میں واقع نہیں ہو سکتا تھا اس ضرورت سے حرف تشبیہ یعنی لفظ کان کو مقدم لانا پڑتا تھا اور وہ مقدم ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے اسم و خبر صلہ کے جزو تھے اس لئے حرف کاف جو اصل لفظ تشبیہ کا تھا وہ اس جگہ مقدم کیا گیا۔

مطلب واضح ہو گیا کہ "یعنی کیا نہیں دیکھا تو نے اس شخص کو جو گویا کہ گزرا تھا ایک قریہ پر اور درحقیقت وہ شخص گزرا نہیں تھا بلکہ اسی نے رویا میں دیکھا تھا کہ میں ایک قریہ یعنی بستی پر گزرا ہوں جو ویران پڑی تھی۔" اور پھر پورا واقعہ جو اس نے دیکھا تھا بیان کر دیا۔

قرآن کریم میں اس شخص کا جس کا رویا بیان ہوا ہے ذکر نہیں ہے اور نہ ہی اس قریہ کا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا جس میں گزرنا اس شخص نے رؤیا میں دیکھا تھا اگرچہ اس بستی کے تعین کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس سے کچھ مقصود نہیں کہ وہ کونسی بستی ہو اور تعین کرنے والوں نے اس کو جو تعین کیا ہے ممکن ہے کہ وہ ہی بستی ہو۔ البتہ اس شخص کی جس نے یہ رویا دیکھا تھا تعین کرنا چاہئے اسی طرح بستی خود بخود متعین ہو جائے گی۔ یہ بات حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں اس بستی کو اور اس گزرنے والے شخص کے متعلق ہر کوئی جانتا ہو گا جس وجہ سے ان کا تعین نہ کیا گیا ہو ممکن ہے۔ تاریخی واقعات سے جہاں تک کہ تحقیق ہو سکتے ہیں اور پھر جن پر اعتماد بھی ہو سکتا ہے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نحمیا نبی تھے۔ اور یہ نبی عزیر علیہ السلام کے معاً بعد ہوئے۔

توریت میں جو واقعات بیت المقدس کی ویرانی کے لکھے ہیں اور جو زمانہ اس کا قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا اور ۵۸۴ ق م میں بیت المقدس کو فتح کر لیا اور معبد کو جلا دیا اور بیت المقدس کو تباہ و ویران کر دیا مگر کیخسرو بادشاہ ایران نے غلبہ پا کر یہودیوں کو قید بابل سے آزاد کیا اور ۵۴۶ ق م میں انہوں نے بیت المقدس میں واپس آکر قربانیاں کیں اس کے بعد کسی بادشاہ نے یہودیوں کو بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دی اور کسی نے پھر منع کر دیا۔ پھر ۵۱۸ ق م میں دارا نے بیت المقدس کی تعمیر کی اجازت دی لیکن ہامان کی دشمنی سے اس پر بھی عمل درآمد نہ ہو سکا۔

Marfat.com

۴۶۷ ق م میں عزیر پیغمبر بیت المقدس گئے اور یہودیوں کی بھلائی کا زمانہ شروع ہوا مگر بیت المقدس اس طرح جلا ہوا اور گرا پڑا تھا کہ عزیر نبی بھی اللہ کو پیارے ہوئے اور ازیں بعد نحمیا نبی ان کی تحریک کو دوبارہ لے کر اٹھے ان کو بھی بیت المقدس کا بہت رنج تھا انہوں نے اللہ سے بہت التجا کی اور دعا کرتے رہے کہ وہ کسی طرح پھر تعمیر ہو۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت کے پاس حاضر تھے لیکن بہت ہی رنجیدہ خاطر بادشاہ نے پوچھا کہ تم کیوں رنجیدہ ہو انہوں نے کہا کہ میں کیوں رنجیدہ نہ ہوں کہ وہ شہر جس میں ہمارے آباء کے نشانات اور بیت المقدس جیسی عبادت گاہ تھی وہ ویران پڑا ہے۔ اس کے دروازے آگ سے جلے پڑے ہیں اور چھتیں ڈھ ڈھیری ہوئی ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا پھر آپ کیا چاہتے ہیں نحمیا نبی نے کہا کہ آپ مجھ کو وہاں جانے دیں تاکہ میں اس کو پھر تعمیر کروں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اور ایک میعاد بھی مقرر کر دی کہ اتنے عرصہ کے اندر اندر اس کو تعمیر کر لو۔

حضرت نحمیا بیت المقدس کی تعمیر میں مصروف تھے تو لوگ اور خصوصاً مخالفین ان پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ کیا وہ بیت المقدس کو دوبارہ بنائیں گے اس کے پتھروں کو جو جلے ہوئے اور خاک کے ڈھیروں کے تلے جمع ہیں نکال لیں گے۔ کتاب نحمیا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نحمیا کو بیت المقدس کی تعمیر کی بڑی ہی فکر تھی اور اپنے اللہ کے سامنے ہمیشہ التجا اور دعا کیا کرتے تھے بلاشبہ ان کے دل میں یہ بات گزری ہوگی کہ اس شہر کے مرجانے یعنی ویران ہو جانے کے بعد کس طرح اللہ تعالیٰ اس کو زندہ یعنی آباد کرے گا۔ انہیں ترددات اور اللہ سے التجا کرنے کے زمانہ میں جیسا کہ مقتضائے فطرت انسانی ہے حضرت نحمیا نے رویا میں دیکھا اور ان کو تسلی ہوئی کہ بیت المقدس آباد اور تعمیر ہو جائے گا۔ اس رویا کا ذکر اس آیت میں جس کی اس وقت تفسیر کی جا رہی ہے اور وہ رویا یہی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ میں ایک قریہ میں گیا ہوں جو بالکل تباہ و برباد اور ویران پڑا ہے رویا ہی میں انہوں نے کہا کہ اس قریہ کے اس طرح مرجانے یعنی ویران ہو جانے کے بعد کس طرح اللہ اس کو زندہ یعنی آباد کر دے گا۔ اسی حالت رویا میں انہوں نے دیکھا کہ میں مر گیا ہوں اور پھر جی اٹھا ہوں رویا ہی میں ان سے کسی نے کہا کہ کتنی دیر تک تم پڑے رہے انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم اس نے رؤیا ہی میں کہا کہ تم تو سو برس تک پڑے رہے اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ تو نہیں بگڑیں اور اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کا کیا حال ہو گیا ہے اور دیکھو کہ اس کی ہڈیاں کس طرح ہلتی ہیں اور آپس میں ملتی ہیں اور پھر کس طرح ان کے اوپر گوشت چڑھتا ہے۔ اس عجیب رویا سے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کو مکمل تسلی ہوئی کہ بیت المقدس ضرور تعمیر ہو جائے گا پس یہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت و عظمت کو جتاتا ہے اور اس طرح زیر نظر آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ہمارے مفسرین نے اس سیدھی بات کو بھی ایک عجوبہ بات بنا کر بیان کیا اور سنی سنائی باتیں جن کی کوئی تحقیق نہ کی اور دور از کار قصے کہانیاں اس میں شامل کر دیئے۔ بہ ایں ہمہ ان تمام باتوں پر غور کیا جاتا ہے تو

Marfat.com

مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ

جس کے مکانوں کی چھتیں گر چکی تھیں اور گری ہوئی چھتوں پر درودیوار کا ڈھیر تھا یہ تباہی و بربادی کی حالت دیکھ کر وہ شخص بول اٹھا کہ جس بستی کی ویرانی کا یہ عالم ہے یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اسے موت یعنی غیر آبادی کے بعد دوبارہ زندہ یعنی آباد کر دے؟

پھر ایسا ہوا کہ اللہ نے اس شخص پر بحالت خواب سو برس تک موت طاری کر دی پھر اسی حالت میں اس کو اٹھا دیا اور پوچھا کتنی دیر یہاں رہے ہو؟ اس نے کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ ارشاد ہوا نہیں بلکہ تم سو برس تک یہاں ٹھہرے۔ پس اپنے کھانے اور پانی پر نظر ڈالو ان پر برسوں پڑے رہنے کی کوئی نشانی نہیں ہے اور اپنی سواری کے گدھے پر بھی نظر کرو کہ وہ کس حالت میں ہے؟ اور یہ سب کچھ اس لئے کیا

اصل بات بھی اس میں سے نکل آتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر بھی جو روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر کبیر میں بیان کی گئی ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ تمام واقعہ جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ ایک رؤیا تھا اس روایت میں بھی بجائے حضرت نحمیا کے حضرت عزیر کا نام لکھا ہے ممکن ہے کہ اس خواب کے دیکھنے والے حضرت عزیر ہی ہوں مگر تاریخ سے مطابقت کرنے سے حضرت نحمیا کا ہونا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے۔ اس روایت میں لکھا ہے کہ جب وہ بیت القدس میں پہنچے تو وہاں انجیر اور انگور پھل رہے تھے۔ انہوں نے انجیر اور انگور کھائے اور انگوروں کو نچوڑ کر ان کا شیرہ پیا اور سو رہے اور سونے ہی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مردہ کر دیا اور سو برس تک مرے پڑے رہے۔ ان لفظوں سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ علمائے متقدمین کی بھی یہ رائے تھی کہ یہ واقعہ حالت نوم میں گزرا تھا جس کو ہم نے سیدھی طرح رؤیا سے تعبیر کیا ہے۔

قرآن کریم کا سیاق کلام اس طرح پر واقع ہوا ہے کہ جو قصے اس میں بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ دیکھو سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے کہا کہ میں نے گیارہ ستاروں' چاند اور سورج کو اپنے تئیں سجدہ کرتے دیکھا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ میں نے ایسا خواب میں دیکھا کہ چاند ستارے اور سورج مجھ کو سجدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ خواب میں دیکھنا قرینہ کلام سے علانیہ روشن تھا والد نے فوراً فرمایا کہ بیٹا اپنا خواب دوسرے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا اور پھر یہ سن کر بیٹے یعنی یوسف نے بھی نہیں فرمایا کہ ابوجان! میں نے تو حقیقت میں دیکھا تھا۔ اس مقام پر بھی حضرت نحمیا کے خواب کا مقصد بیان کیا گیا ہے اور پھر "فَلَمَّا تَبَيَّنَ" کے لفظ سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ تمام واقعات جو زیر نظر آیت میں بیان ہوئے ہیں رؤیا میں واقع ہوئے ہیں۔

رویا میں اصل حقیقت واضح کر کے دکھادی گئی

۴۴۸ "اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں پر نظر ڈالو ان پر برسوں پڑے رہنے کی کوئی نشانی نہیں ہے اور اپنی سواری کے گدھے پر بھی نظر کرو کہ وہ کس حالت میں ہے؟" اس پورے منظر سے گویا اللہ تعالیٰ نے حیات افرادی اور حیات قومی کا فرق ظاہر کر کے بتا دیا کہ حیات افراد میں صرف کھانے پینے کی اشیاء پر انحصار ہوتا ہے اگر یہ ساری چیزیں بافراغت ملتی رہیں تو حیات افراد موجود رہتی ہے اور اس کا تعلق روزمرہ زندگی کے ساتھ ہے لیکن قومی زندگی اور موت کا تعلق صدیوں سے ہوا کرتا ہے۔ کوئی قوم اچانک ہی نہیں مرتی بلکہ مرتے مرتے مرتی ہے اور اس طرح جب وہ زندہ ہونے لگتی ہے تو اچانک زندہ نہیں ہو جاتی بلکہ زندہ ہوتے ہوتے ہی زندہ ہوتی ہے۔ قوموں کا عروج و زوال انفرادی زندگی کی طرح نہیں ہوتا۔ اس رویا صادقہ میں انفرادی زندگی کو کھانے اور پینے کی اشیاء سے تعبیر کیا گیا اور قومی زندگی کو سواری کے جانور کے مرنے اس کی ہڈیاں اور پارہائے گوشت کے گل سڑ جانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ پورا منظر دکھا کر اس کو باور کرا دیا گیا ہے کہ موت و حیات معنوی کے لئے یہی قانون قدرت اپنا کام کر رہا ہے جو ان اصولوں سے فائدہ اٹھائے گا یقیناً ان کو فائدہ دیا جائے گا اور جو غافل رہے گا وہ بھی اپنی غفلت کا انجام دیکھے گا۔

Marfat.com

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ

گیا ہے کہ ہم آپ کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور پھر اس کے جسم کی ہڈیوں پر غور کرو کہ کس طرح ہم ان کا ڈھانچا بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر اس پر کس طرح گوشت کا غلاف چڑھا دیتے ہیں۔ پس اس شخص پر یہ حقیقت کھل گئی اور وہ حالت بیداری میں آیا تو وہ بول اٹھا میں یقین کرتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہوا ہے یعنی موت و حیات معنوی کے لئے بھی قانون قدرت کام کر رہا ہے۔ ۲۵۹

پھر اس واقعہ[۴۴۹] پر غور کرو جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اے رب! مجھے دکھا دے کہ تو

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایک رؤیا کا ذکر

۴۴۹ جس طرح پچھلی آیت کے سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا قصہ ایک رویا کا واقعہ تھا اسی طرح اس قصہ کا بھی رویا میں واقع ہونا پایا جاتا ہے اول تو اس وجہ سے کہ سب سے اول جو قصہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ بیان ہوا وہ ظاہر صورت میں ایک واقعہ تھا اس سے ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کو علیحدہ کر کے اس قصہ کے بعد بیان کیا ہے جو رویا میں واقع ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کیفیت احیائے موتی امر مشاہد بالعین نہیں ہے اور اس لفظ "ارنی" سے کسی ایسے امر سے مراد نہیں ہے جو وقوع فی المشاہدہ ہو بلکہ ارات قلبی مراد ہے پس گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ "اے رب! میرے دل کو بتا دے کہ مردے کس طرح زندہ ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ اس طرح کے ترددات جو بزرگوں کو اور اہل دل کو واقع ہوتے ہیں ان کا رفع اور تسلی اس طریق سے ہوتی ہے جس کو مشاہدات یا مکاشفات یا رؤیا سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو فطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا تھا اس کا رفع ہونا چاہا تھا اس کا

Marfat.com

رفع ہونا دنیاوی مشاہدہ اور ان ظاہری آنکھوں کے دیکھنے سے علاقہ نہیں رکھتا تھا۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ جو یہاں مذکور ہوا ہے وہ ایک رؤیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔

انہوں نے رؤیا میں اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ اے اللہ! مجھ کو دکھلا یا بتا کہ تو کس طرح مردے زندہ کرے گا۔ پھر خواب ہی میں اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے انہوں نے چار پرندہ جانور لئے اور ان کو ہلا کر اور مانوس کر کے پہاڑ پر رکھ دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چار پہاڑوں پر رکھا گیا ہو۔ پھر ان کو ایک ایک کر کے بلایا تو وہ سب جانور الگ الگ زندہ ہو کر چلے آئے اور اس طرح حضرت ابراہیم کے دل کو مردوں کے زندہ ہونے سے جن کے اجزاء بعد مرنے کے عالم میں مخلوط اور منتشر ہوتے ہیں طمانیت ہوگئی۔

مسلمان علماء کرام اور قدیم مفسرین کو بھی اس بات پر یقین نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سچ مچ جانوروں کا قیمہ کر کے پہاڑ پر رکھ دیا تھا اور اس لئے اس آیت کی نسبت مفسرین کی تین رائیں قائم ہوتی ہیں۔

ایک وہ لوگ ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانوروں کا قیمہ کر کے پہاڑوں پر رکھ دیا اور پھر جب بلایا تو وہ زندہ ہو کر چلے آئے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو "صرھن" کے معنی قیمہ کرنے کے نہیں لیتے بلکہ اپنے سے ہلا لینے یعنی مانوس کر لینے کے لیتے ہیں اور جزء کے معنی ہر ایک جانور کے جزء کے نہیں لیتے بلکہ چار کل میں سے ایک کے جزء ہونے کے لیتے ہیں کیونکہ جب مجموعہ چار ہے تو ایک اس کا جزء ہی ہے جس سے آیت کا مطلب صرف یہ رہ جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چند جانور اپنے سے ہلائے یعنی مانوس کئے اور پھر کوئی جانور کسی پہاڑ پر اور کوئی کسی پہاڑ پر چھوڑ دیا اور پھر جب بلایا تو سب چلے آئے۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جانوروں کا قیمہ کرنا اور پہاڑوں پر رکھنا واقع نہیں ہوا بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسا کرنے کا حکم دیا تو اس حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کو طمانیت ہوگئی پھر انہوں نے نہ جانور پکڑے نہ ان کا قیمہ کیا یا ہلایا اور مانوس کیا نہ پہاڑوں پر رکھا نہ اس کی ضرورت باقی رہی۔ ہمارے خیال میں ان تینوں گروہوں نے رویا کے واقعات کو ظاہری واقعات سمجھنے میں غلطی کی ہے۔

عیسائی بحث کرنے والوں نے ہمارے مفسرین کے ان اقوال کو غنیمت سمجھا اور بلا تحقیق اصل مطلب کے قرآن کریم پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے اور ان کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ جن الفاظ پر وہ بحث اٹھا رہے ہیں وہ الفاظ قرآن کریم کے نہیں بلکہ مفسرین کے ہیں جن الفاظ کا قرآن کریم متحمل ہی نہیں ہے۔ اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ ان کی اپنی کتابوں میں کیا کیا تحریر ہے؟ چنانچہ کتاب حزقیل میں حضرت حزقیل کے رویا کا ذکر ہے کہ "وہ ایک جنگل میں جس میں آدمیوں کی بہت سی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں پہنچے خدا نے کہا کہ کیا یہ ہڈیاں زندہ ہو سکتی

Marfat.com

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً

ان کفر کی موت مرے ہوؤں کو کس طرح زندہ کر دے گا۴۵۰؟ اللہ نے فرمایا کیا تمہیں اس کا یقین نہیں ہے؟ عرض کیا ضرور ہے لیکن یہ اس لئے چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار آجائے اس پر ارشاد الٰہی ہوا۔ اچھا یوں کرو کہ پرندوں میں سے چار پرندے پکڑ لو اور

ہیں پھر حزقیل نے ان ہڈیوں سے خدا کے حکم سے کہا کہ تم زندہ ہوگی۔ تم پر رگ اور گوشت آجاوے گا اور جان پڑ جاوے گی اور تم زندہ ہو جاؤ گے۔ چنانچہ وہ ہڈیاں ہلیں اور گوشت و چمڑہ پیدا ہوا پھر وہ سب اسی طرح زندہ ہوگئیں۔" اور توریت کتاب پیدائش باب ۱۵ میں لکھا ہے "کہ حضرت ابراہیم کا بیٹا پیدا ہونے کی بشارت کے وقت خدا نے کہا تھا کہ چار جانور لے اور ان کے دو دو ٹکڑے کر کے ہر ایک ٹکڑے کو اس کے مقابل رکھ دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چارپایوں کے ٹکڑے کئے مگر پرندوں کے ٹکڑے نہیں کئے اور پھر اس کو نیند آگئی اور وہ سوگیا۔" پس عیسائیوں نے ہمارے مفسرین کی ناتحقیق روایتوں کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ دونوں قصے جو قرآن کریم میں موجود ہیں اور جن کے ساتھ مفسرین نے روایتیں ملائی ہیں وہ ان دونوں قصوں سے جو تورات میں موجود ہیں بنائی گئی ہیں لیکن ہم کو اس وقت ناقابل فہم قصوں پر جو تورات میں اور کتاب حزقیل میں مذکور ہیں بحث کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر بتانا ضروری ہے کہ قرآن کریم میں جو یہ دونوں قصے مذکور ہیں ان سے اور کتاب حزقیل اور تورات کے مندرجہ قصوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے بعض مفسرین کی سادگی اور عیسائیوں کی چالاکی کا یہ نتیجہ ہے۔ زیر بحث آیت میں علاوہ ازیں مفہوم کی بھی گنجائش موجود ہے۔ ہمارا بیان صحیح ہے تو وہ اللہ کا احسان ہے اور اگر اس میں کوئی غلطی یا کمی ہے تو وہ میری کم علمی کی وجہ سے ہے۔ اور میری دعا ہے کہ رب زدنی علما

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی التجا بدرگاہ خدا

۴۵۰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میں نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا جو کفر کی موت مر چکے ہیں لیکن انہوں نے میری بات پر ذرا دھیان نہ دیا اب تو ہی بتا کہ ان کو ایمان کی زندگی کیونکر ملے گی اور کس طرح یہ زندہ ہوں گے؟ یہ سوال یوں پیدا ہوا کہ اللہ نے فرمایا تھا "تیری نسل ایک عظیم الشان قوم بن جائے گی" میں نے بہت مدت تک ان کو دعوت دی لیکن بے اثر رہی اب اس کا خیال

Marfat.com

آنا عین فطرت انسانی کے مطابق ہے کہ یہ کس طرح ہو گا؟ اور کب ہو گا؟ یہی وجہ ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ ''کیا تمہیں یقین نہیں ہے؟'' عرض کی ضرور ہے ''وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ'' لیکن یہ اس لئے چاہتا ہوں تاکہ میرے دل کو قرار ہو جائے۔'' یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ آپ کو احیائے موتی پر شک نہیں بلکہ ان معاندین کے متعلق دل میں صرف ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ وقت کب آنے والا ہے جس کا وعدہ دیا گیا ہے کہ ''تیری نسل ایک عظیم الشان قوم بن جائے گی۔'' چنانچہ بالکل اس سے ملتے جلتے الفاظ تورات میں بھی موجود ہیں جب یہ وعدہ آپ کو دیا گیا۔

''کہ کنعان کا ملک آپ کو دیا جائے گا تو آپ نے دریافت کیا اے خداوند خدا! میں کس طرح جانوں کہ میں اس کا وارث ہوں گا۔'' (پیدائش ۱۵ : ۸)

آپ خود غور فرمالیں کہ کیا ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کو مردے زندہ ہونے کے بارے میں سوال کیا یا ان مردہ لوگوں کے زندہ ہونے کے بارے میں جن پر آپ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اور وہ قوت ایمانی ضائع کر کے اور کفر کی روش اپنا کر زندگی ہی میں مر چکے تھے۔ ان دو احتمالوں میں سے جو احتمال بھی آپ کے پیش نظر ہے اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے۔ عام مفہوم جو سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ

ابراہیم علیہ السلام کو ان چار پرندوں کو پکڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے یا قیمہ کر دینے کا حکم ہوا اور انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر ان پارہ ہائے گوشت یا قیمہ شدہ گوشت کو چار حصوں میں تقسیم کر کے چار پہاڑوں پر رکھ دیا گیا اور پھر ان کے ناموں سے جو ان کے ابراہیم علیہ السلام نے رکھے تھے یا جن ناموں سے وہ معروف تھے ان کو بلایا گیا تو وہ دوڑ کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچنے لگے جس سے ابراہیم علیہ السلام کو یقین آگیا یا شک دور ہو گیا۔

حالانکہ یہ تفہیم کسی لحاظ سے بھی درست نہیں ہے کیونکہ نہ تو قرآن کریم کے الفاظ اس کے متحمل ہیں اور نہ ہی کوئی صحیح حدیث اس سلسلہ میں موجود ہے بلکہ اس طرح مفہوم قرار دینے میں بہت کچھ اپنے پاس سے ملانے کی ضرورت پیش آتی ہے جو خواہ مخواہ قرآن کریم سے زیادتی ہے۔

''صرھن'' کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا قیمہ کرنا نہ لغت کے اعتبار سے صحیح ہے اور نہ ہی سیاق و سباق اس کا ساتھ دیتا ہے۔ بلکہ اس کے صحیح معنی سدھا لینے' ہلا لینے' اور مانوس کر لینے کے ہیں۔

''ادعھن'' میں جو ضمیر ہے وہ ذی روح کے لئے ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ پرندے جن کو بلانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اگر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے یا قیمہ کوٹ لینے کے بعد بھی وہ زندہ تھے تو پھر صحیح ہے ورنہ اس کا یہ مفہوم لینا سراسر قرآنی الفاظ کے ساتھ زیادتی ہے۔

مختصر یہ کہ اس آیت کا واضح مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اگر تم چار پرندوں کو لو اور ان کو خوب مانوس کر لو کہ وہ تم سے اچھی طرح مانوس ہو جائیں جس طرح شکاری پرندے شکار کرنے والے یا سدھانے والے سے

Marfat.com

مانوس ہو جاتے ہیں پھر ان کو الگ الگ پہاڑ پر چھوڑ دو جو درحقیقت ان کا اصل مسکن ہے اور اس طرح اب تم ان کو آزاد کرنے کے بعد بلاؤ تو وہ بے ساختہ آزادی کو چھوڑ کر تمہاری طرف چلے آئیں گے کیونکہ وہ تم سے اس قدر مانوس ہو چکے ہیں کہ اب ان کو آزاد رہنا گویا پسند ہی نہیں ہے تو پھر یہ چار عناصر سے مرکب انسان جو اس قدر مردہ دل ہو چکے ہیں کہ آپ کی زندہ کر دینے والی تعلیم کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے اگر آپ ان کو اخلاق حسنہ سے مسلسل تعلیم کے ساتھ مانوس کرلیں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی تعلیم و تبلیغ کا اثر قبول نہ کریں؟ آپ ان کی تعلیم کا خیال رکھیں ان کو مانوس کرنے کی پوری کوشش جاری رکھیں اور بددل نہ ہوں وہ دن دور نہیں کہ تمہاری اس تبلیغ کا اثر ہو کر رہے گا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تبلیغ کا ایک ایسا ڈھنگ اور ایسا بہترین طریقہ سکھا دیا جس کے اچھے نتیجہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مفسرین ہی میں سے وہ بھی ہیں جو اس طرح تفسیر کرتے چلے آرہے ہیں اگرچہ وہ کم ہوں۔ پھر اس سے اس کی تائید ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو نہ تو کبھی احیائے موتی میں شک ہوا اور نہ ہی ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کی کوئی ضرورت۔ وہ تو دوسرے سارے انسانوں کی نسبت ایمان بالغیب کے زیادہ پابند ہوتے ہیں بلکہ ان کا ایمان بالغیب اتنا قوی اور اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ عام انسانوں کا مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی اتنا قوی نہیں ہو سکتا۔ پھر کشف حجاب کا سوال کیسا؟ اور ایسے جواب کی ضرورت ہی کیا؟ دراصل یہ سب ہمارے مفسرین اور ذی علم لوگوں کا اپنا تخیل ہے یہی وجہ ہے کہ پرندوں کی بحث کہیں سے کہیں نکل گئی جس کا اصل مطلب سے کوئی واسطہ نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک ارشاد نبویؐ بھی پیش کیا جاتا ہے اس کا حال بھی سنتے جائیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ آپؐ کا یہ ارشاد گرامی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے کہ "نحن احق بالشک من ابراھیم" اس کا مطلب نہایہ ابن الاثیر، مجمع البحار، فتح الباری، نووی، مشکل الاثار طحاوی ص ۱۳۵ ج اول میں امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں امام خطابی اور امام مزنی نے عبداللہ بن مبارک سعید بن جبیر عبداللہ بن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ انبیاء کرام کے لئے احیاء موتی میں شک مستحیل ہے اگر وہ نبوت کے منافی نہ ہوتا تو ہم بھی کر سکتے تھے مگر جب ہمیں شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کو کیسے شک ہو سکتا ہے۔ فتح الباری میں ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حدیث میں "نحن" سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے کہ ہم مسلمانوں کو جب شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو کیسے ہو سکتا ہے؟

لیکن اس فقرہ کا مطلب اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ان الفاظ کو قرآن کریم کے الفاظ کے بالمقابل رکھ دیا جائے اور مطلب خود بخود واضح ہو جائے گا چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ (البقرہ ۲ : ۲۴۷) کہ جو لوگ ملک کے حق دار ہیں ان کو تو ملک دیا نہیں اور جو اس کے حق دار نہیں تھے ان کو دے دیا گیا ہے اور یہ کیسی بے انصافی ہے۔ بالکل اسی طرح اب حدیث کے اس فقرہ کا ترجمہ کر کے دیکھو۔

Marfat.com

مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ

انہیں اپنے پاس رکھ کر اپنے ساتھ مانوس کرو اور ان کو ہلا لو پھر ان چاروں میں سے ۴۵۱ ہر ایک کو اپنے سے دور ایک ایک پہاڑ پر بٹھا دو۔ پھر انہیں بلاؤ وہ آواز سنتے ہی تمہاری طرف اڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ یاد رکھو اللہ سب باتوں پر غالب ہے اور اپنے تمام

ہماری طرف تو ان نادانوں نے کوئی شک منسوب نہیں کیا جن کے ساتھ ان کا اصل تنازع ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی طرف انہوں نے شک منسوب کر دیا جو کہ ان کے تسلیم شدہ نبی بھی ہیں یہ کیسی بے انصافی ہے۔

کیا آسان کو مشکل اور پھر مشکل ترین بنانا تفسیر ہے؟

۴۵۱ "ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا" پھر ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دیجئے۔ "پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو" غور کرو کہ "کل" چار ہو تو ایک اس "کل" کا جز نہیں ہوتا؟ کتنی آسان بات ہے جس کو جان بوجھ کر مشکل کر دیا یعنی ان میں ایک ایک حصہ کہہ کر کیا ثابت کیا کہ پہلے اس کل کو جو چار ہیں قطع و برید کر کے ملاؤ یا ان کو کوٹ کر ان کا قیمہ کرو پھر ان قطع و برید کئے گئے ٹکڑوں میں سے ہر ایک کا ایک ایک حصہ یا اس پورے قیمہ کا چوتھا چوتھا حصہ لے کر پہاڑ پر رکھو۔ یہ اتنی بڑی لمبی چوڑی عبارت کیوں بنائی گئی؟ کیا آیت قرآنی اس کی متحمل ہے؟ اس آسان کو مشکل کیوں کیا گیا؟ محض اس وجہ سے کہ ایک مفہوم خود اخذ کر لیا جس مفہوم کے قرآنی الفاظ متحمل نہ تھے اس لئے اس کو اتنا پھیلا دیا گیا تاکہ متعین مفہوم کی ترجمانی ہو سکے۔ ورنہ بات بالکل آسان تھی کہ ان چاروں میں سے ایک ایک کو الگ الگ پہاڑ پر رکھو تم جس کو بلاؤ گے وہ تمہارے پاس دوڑتا آئے گا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا تمہارے پاس آنا اس بات پر دلیل ہے کہ تم نے ان کو مانوس کر لیا۔ پھر کہا گیا کہ "منھن جزء" کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ملے جلے ہوئے گوشت کا ایک ایک حصہ لو۔ کیوں؟ اس لئے کہ جزء" کے اصل معنی ہی عربی میں ٹکڑے کے ہیں جس کا فارسی مترادف پارہ ہے جو جزء" یعنی پارہ پارہ کردن۔

یہ تکلیف کیوں برداشت کرنا پڑی کہ "کل" چار کا "ایک" جز نہ ہو جائے تاکہ ان کا اختیار کیا ہوا مفہوم گڈمڈ نہ ہو پارہ اور ٹکڑا میں بات کو لٹکا کر رکھ دو تاکہ نہ چار "کل" کا "ایک جزء" ہوگا اور نہ بات صاف ہو کر ختم ہوگی۔ ماشاء اللہ بہت محنت کی ہمارے علمائے کرام اور مفسرین عظام نے لیکن اس "کل" اور "جزء" کو ذرا

Marfat.com

ع ۳۵ ۳

اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۲۶۰ مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ

کاموں پر حکمت رکھنے والا ہے۔ ۲۶۰

جو لوگ اللہ[۴۵۲] کی راہ میں اپنا کمایا ہوا مال خرچ کرتے ہیں ان کی اس نیکی کی مثال

قرآن کریم کی زبان میں پڑھ کر دیکھ لو پھر یار زندہ صحبت باقی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ :

اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ○ لَهَا سَبۡعَةُ اَبۡوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ ○ (الحجر ۱۵ : ۴۴)

"بلاشبہ ان کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں اس کے سات دروازے ہیں ان کی ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا جس میں سے جہنم میں داخل ہوں گے۔"

اب جہنم میں داخل کرنے کے لئے ان سب دوزخ کے مستحقین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا ان کا قیمہ کوٹ کر دوزخ میں داخل کیا جائے گا یا ان کے مختلف گروہ بنا کر ان دروازوں سے گزرنے کا کہا جائے گا۔ جیسے تمہاری خوشی۔ لیکن لفظ جزء کو ذہن میں رکھیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے حدیث پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

عن عمران بن حصين ان رجلا اعتق ستة مملوكين له عند موته لم يكن له مال غيرهم فدعابهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فجزءهم اثلاثا الحديث رواه مسلم۔

عن مالك بن هبيرة الشامى وكانت صحبته قال كان آزا اتى بجنازة فتقال من تبعها جزءهم ثلاثة صفوف ثم صلى عليها الحديث رواه ابن ماجة

وكان مالك بن هبيرة اذا صلى جنازة فقال الناس عليها جزءهم ثلاثة اجزاء الحديث رواه الترمذى فكان مالك اذا استقل اهل الجنازة جزءهم ثلاثة صفوف الحديث رواه ابو داؤد

ان سب احادیث میں "جزء" کا لفظ موجود ہے کیا ہمارے علمائے کرام اور مترجمین ان سب جگہوں پر ان سب انسانوں کو جو نماز جنازہ پر حاضر ہوں ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا ان کا قیمہ کوٹ کر تین حصوں میں تقسیم کا حکم دیں گے یا حاضرین جنازہ کو تین صفوں میں کھڑا ہونے کا ارشاد فرمائیں گے۔ جیسے تمہاری خوشی ہاں ان جگہوں پر جزء کے لفظ پر غور فرمالیں بس اتنی ہی ہماری اپیل ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا زمین میں غلہ بونے کے مترادف ہے

۴۵۲ خلیفہ اسلام کو سلطنت کے بقاء و استحکام، قوم کی تعلیم و تربیت مجاہدین کے لشکروں کی تیاری، سامان حرب کی خرید داری اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ جو شخص ایسی ضرورت کے موقعہ پر مال صرف کرے گا اس کے خرچ کی مثال اس بیج کی سی ہے جو ایک دانہ سے سات سو بن جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس قسم کے صدقات کی خیر و برکت بیان کرتے رہے۔

Marfat.com

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ
فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ

اس بیج کے دانے کی سی ہے جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ اس بوئے ہوئے ایک دانے[۴۵۳] سے سات بالیاں پیدا ہوگئیں اور ہر بالی میں سو سو دانے نکل آئے تو وہ ایک سے سات سو ہوگئے اور اللہ اپنے قانون کے مطابق جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی دوگنا کر دیتا

"اور جو اچھی زمین میں بویا گیا یہ وہ ہے جو کلام کو سنتا اور سمجھتا ہے اور پھل بھی لاتا ہے' کوئی سو گنا پھلتا ہے' کوئی ساٹھ گنا اور کوئی تیس گنا۔" (متی ۱۳ : ۳۲)

"اور جو کچھ اچھی زمین پر گرا اور وہ اگا اور بڑھ کر پھلا اور کوئی تیس گنا' کوئی ساٹھ گنا' کوئی سو گنا پھل لایا۔" (مرقس ۴ : ۸)

مگر قرآن کریم بتاتا ہے کہ ایک مسلم قانت جب جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دیتا ہے تو وہ سات سو گنا بڑھتا ہے اور اس سے زیادہ کی حد نہیں۔ صحابہ کرام نے اس وعدہ کو دیکھ لیا کہ سینکڑوں خرچ کر کے کروڑوں کے مالک بن گئے۔ جس مال کے یہ ثمرات و نتائج ہوں وہاں خرچ کرنے سے آدمی کی کیوں کرے؟ جو کچھ اس کے پاس وقتی ضرورت سے زائد ہے وہ الٰہی بینک میں جمع کیوں نہ کرا دے؟

گزشتہ بیانات میں جس قدر احکام دیئے گئے ہیں ان سب کی سچی اور صحیح تعمیل جبھی ہو سکتی ہے جب کہ نیکی کے لئے مال خرچ کرنے کی پوری پوری استعداد پیدا ہو جائے۔ وصیت' روزہ' حلال و طیب کمائی' حج' جہاد' نکاح' طلاق' یتیموں کی خبر گیری' عورتوں کے ساتھ حسن سلوک یہ تمام امور ایسے ہیں جن پر ٹھیک عمل وہی کر سکتا ہے جو روپے کے عشق میں نہ مرتا ہو اور نیکی کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ولولہ رکھتا ہو اس لئے پچھلے بیانات کے بعد خصوصیت کے ساتھ انفاق فی سبیل اللہ کے مواعظ بیان کئے جا رہے ہیں یہ گویا ان سب کے لئے ایک متمم بیان ہے۔

اللہ کی راہ میں مال صرف کرنے کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیوں؟

۴۵۳ ایک عام فہم اور مادی مثال دے کر یہ سمجھا دیا کہ اس تکثیر اجر پر اتنی حیرت کیوں کی جائے۔ ایسی مثالیں تو مادیات میں روزمرہ مل جاتی ہیں تجارتی اور کاروباری تلمیحیں قرآن کریم میں بکثرت ملتی ہیں اور زرعی اور کاشتکارانہ تلمیحیں مفقود نہیں۔ یہاں نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کو کھیتی سے لطیف تشبیہ دی گئی ہے

Marfat.com

يَشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝٢٦١ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ
اَذًى ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہے وہ بہت ہی وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲۶۱

جو اللہ کی راہ میں[۴۵۴] خرچ کرتے ہیں اور اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ لینے والے کو دکھ[۴۵۵] پہنچاتے ہیں تو ان کے رب کے حضور ان کے عمل کا اجر محفوظ رہتا ہے نہ تو ان کے لئے کسی قسم کا ڈر ہے اور نہ کسی طرح کی

جس سے دو نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اپنے مصارف خیر کی حفاظت و نگہداشت بھی اہل زراعت ہی کی طرح کرتے رہنا چاہئے۔ ریا، نمائش، عجب، تکبر، ایذا اور احسان رکھنے سے انہیں برباد نہ کر دینا چاہئے۔

۲۔ دوم جس طرح تخم ریزی، آبپاشی وغیرہ کے اختلاف سے پیداوار محنت اور قیمت اور نفع میں مختلف ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح اجر گو مقدار میں برابر ہو تاہم حسن قبول اور قرب درجات وغیرہ کی کیفیات میں نیت و اخلاص کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اس کے وسعتوں کی کوئی انتہا نہیں اس لئے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ عطاء و بخشش سے اس کے خزانہ میں کوئی کمی آسکتی ہے ہرگز نہیں اور اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ نہیں چھپ سکتا اسی لیے مشرک قومیں یہ نہ سمجھیں کہ کوئی بھی مخلص و مستحق نظر انداز ہونے پائے گا۔

راہ خدا میں خرچ کرنا نیکی ہے تو نیکی کرو اور دریا میں ڈال دو

۴۵۴ عام دستور ہے کہ کسی محتاج کو پیسہ دے کر لوگ اس پر احسان جتاتے ہیں اور اس طرح مال دینے کے بعد مال لینے والے کو تکلیف بھی دیتے ہیں۔ جنہیں قومی کاموں میں خرچ کرنے کی کچھ عادت ہے وہ ہر موقعہ پر اپنے چندوں کا ذکر فخر و مباہات سے کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کم چندہ دیا ہے ان کا ذکر اکثر حقارت سے کرتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں بری ہیں کہ صدقہ بھی دو اور احسان بھی رکھو۔ ایک سچے مسلمان کی شان یہ ہے کہ جس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک کیا ہے اس پر احسان بالکل نہ رکھے اور نہ ہی اسے اپنے برتاؤ سے تکلیف

Marfat.com

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۲۶۲ ۞ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۲۶۳ ۞ يٰۤاَيُّهَا

غمگینی۔! ۲۶۲

سیدھے منہ سے[۴۵۶] ایک اچھا بول اور عفو و درگزر کی کوئی بات اس خیرات سے کہیں بہتر ہے جس کے ساتھ اللہ کے بندوں کے لئے اذیت ہو اور یاد رکھو کہ اللہ بے نیاز اور نہایت ہی بردبار ہے۔ ۲۶۳

پہنچائے۔ حقارت سے پیش آنا یہ بھی تکلیف دہ برتاؤ میں داخل ہے۔ کسی کی خدمت کا موقعہ ہاتھ لگ جائے تو یہ تو خود اپنے لئے باعث اجر اور موجب سعادت ہے نہ یہ کہ الٹا اس پر فخر کیا جائے اور جس کے ساتھ سلوک کیا گیا ہے اسے کسی درجہ میں بھی ذلیل ٹھہرایا جائے۔ کیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا نیکی نہیں؟ کیوں نہیں، نیکی ہے پھر آپ نے یہ نہیں سنا کہ "نیکی کر دریا میں ڈال" دریا میں ڈالنا یہی ہے کہ نیکی کر کے جتایا نہ جائے۔

نیکی وہی نیکی ہے جس کے بعد احسان نہ جتایا جائے

۴۵۵ جس قدر خلوص اور جتنے گہرے جذبے کے ساتھ انسان اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ جو خدا ایک دانے میں اتنی برکت دیتا ہے کہ اس سے سات سو دانے اگ سکتے ہیں اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ تمہاری خیرات کو بھی اس طرح نشوونما بخشے اور ایک روپے کے خرچ کو اتنی ترقی دے دے کہ اس کا اجر سات سو گنا ہو کر تمہاری طرف لوٹے لیکن یہ کب ہو سکتا ہے؟ جب کہ خرچ کرنے کے بعد اس کو ضائع نہ کیا جائے بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کی آبیاری کی جائے۔ پھر آبیاری کیونکر ممکن ہے؟ فرمایا پہلی شرط یہ ہے کہ خرچ کرنے کے بعد احسان نہ جتاؤ اور نہ انہیں یاد دلا کر ان کو اذیت دو۔ اللہ کے نزدیک صرف وہ مال قدر و قیمت رکھتا ہے جس کے بعد من اور اذی نہ ہو۔ ورنہ سب کیا کرایا برباد ہو جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روپیہ بھی خرچ ہو گیا اور اجر و ثواب کی بجائے جوتے بھی کھانے پڑے۔

سیدھے منہ کی بات اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت ہو

۴۵۶ اپنی حاجت کا اظہار کرنے والے کی بات سن کر معذرت کی نرم بات کہہ دینا یعنی سائل یا حاجت مند کی بات کو سن کر اس وقت ٹال جانا خصوصاً جب وہ سختی یا بد تہذیبی سے پیش آنے لگے۔ گویا آیت میں صاف صاف یہ تعلیم ہے کہ صدقہ یا خیرات مقصود بالذات نہیں مقصود اصلاح قلب ہے اور اس کے بعد

Marfat.com

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اے مسلمانو! اپنی خیرات[457] کو احسان جتا کر اور لوگوں کو اذیت پہنچا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ آدمی برباد کر دیتا ہے جو محض لوگوں کو دکھانے[458] کے لئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا سو ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے

دینے والا لینے والے پر کوئی احسان نہیں رکھتا بلکہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے بلکہ الٹا لینے والے کا شکر گزار ہوتا ہے کہ اس نے قبول کر کے اس کو ایک بار سے ہلکا کر دیا۔

"اذی" کا لفظ عام ہے ہر قسم کی دل آزاری کو شامل ہے۔ زبان سے یا عمل سے احسان جتانا بھی اس میں داخل ہے۔ ناداری کے وقت نرمی سے جواب دے دینا اور سائل کی سختی کو پی جانا موجب قرب و اجر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو خیر کہا گیا ہے۔ وہ "غنی" ہے کہ تمہارا مال تمہارے ہی فائدے کے لئے خرچ کراتا ہے اور جو کوئی کچھ خرچ کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے خرچ کرتا ہے۔ کوئی مشرک یا مشرک صفت احمق یہ نہ سمجھ لے کہ خدائی راہ میں جو خرچ کیا جاتا ہے وہ خود خدا کو دیا جاتا ہے اور خدا ہمارے زر و مال کا محتاج ہے۔ حاشاء للہ ہرگز ہرگز نہیں۔ وہ نہایت ہی بربادر اور حلیم ہے کہ قانون شکنوں کو فی الفور سزا نہیں دیتا۔ سائل کی بد تہذیبی اور غنی کی بددماغی سب کو ایک مدت تک معاف کرتا رہتا ہے۔

ایمان والوں کو تاکید مزید ہے کہ اپنے خرچ کئے ہوئے کو مٹا نہ دو

۴۵۷؎ لکھ کر کاٹا ہوا کبھی لکھنے والے کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ اس طرح راہ خدا میں خرچ کرنے کے بعد ضائع کر دینے والے کے لئے یہ عمل کب مفید ہوگا؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے صدقات و خیرات کو احسان اور اذیٰ سے برباد نہ کریں اور یہ تو ایک مسلم کی شان ہی نہیں کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے کچھ خرچ کرے۔ بلکہ یہ تو اس شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کو نہ اللہ پر یقین ہے اور نہ یوم آخرت پر۔ اس کی ریاکاری خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ اللہ اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اس کا محض لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرنا صریحاً یہ معنی رکھتا ہے کہ خلق ہی اس کی خدا ہے جس سے وہ اجر چاہتا ہے۔ اللہ سے نہ اس کو اجر کی کوئی توقع ہے اور نہ اسے یقین ہے کہ ایک روز اعمال کا حساب ہوگا اور اجر عطا کیا جائے گا۔ ایمان والوں کو دوبارہ بلکہ سہ بارہ تاکید کی جاتی ہے کہ تم مال خرچ کرو لیکن خالصتہً اللہ کی رضا کے لئے

Marfat.com

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۲۶۴

پتھر کی ایک چٹان[۴۵۹] کہ اس پر مٹی کی ایک تہ جم گئی ہو اور اس پر بیج بو دیا جائے جب زور سے بارش برسے تو ساری مٹی مع بیج کے بہہ جائے اور ایک صاف اور سخت چٹان کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔ یہی حال ان ریاکاروں کا ہے جنہوں نے خیرات کر کے جو کچھ بھی کمایا تھا وہ ریاکاری کے باعث رائیگاں گیا کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ لگا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ ان لوگوں پر سعادت کی کبھی راہ نہیں کھولتا جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

۲۶۴

جس نے تم کو مال دیا ہے وہی تم کو اس کا اجر بھی دے گا لیکن اجر تب ہی ملے گا جب خرچ کیا ہوا مال محفوظ رہا ضائع نہ ہو گیا۔

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ دکھاوے کی خیرات اکارت جاتی ہے اور یہ برائی پچھلی برائی سے بھی سخت ہے کیونکہ جو شخص نیکی کو نیکی کے لئے نہیں بلکہ نام و نمود کے لئے کرتا ہے اور خدا کی جگہ انسانوں کی نگاہوں میں بڑائی چاہتا ہے وہ یقیناً خدا پر سچا ایمان نہیں رکھتا۔

دکھاوے کی خیرات کرنے والا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔

۴۵۸ھ دو صورتیں الگ الگ بیان ہوئی ہیں۔ دونوں کے فرق کو خوب سمجھ لو۔ پہلی صورت میں نفس صدقہ تو ان لوگوں کا قبول ہو جائے گا لیکن احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے سے ترقی درجات اور اضافہ اجر سلب ہو جائے گا۔ دوسری صورت زیادہ ہی خطرناک ہے کیونکہ اس نے وضاحت کر دی اور اس کی حیثیت معلوم ہو گئی کہ جب اللہ اور آخرت پر اس کا ایمان ہی نہیں تو اس کو صدقہ و خیرات سے بہ ظاہر جو کچھ بھی مقصود ہو سب کا حاصل دنیا ہی ہو گا پھر اس کو آخرت میں اجر کس چیز کا؟ گویا ریا ایسی بری شے ہے کہ اس نے ایمان ہی سے خارج کر دیا اور بتا دیا کہ ریاکار کبھی مومن نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

اس آیت نے ایک طرف انفاق فی سبیل اللہ کی پوری وضاحت کر دی اور دوسری طرف ریاکار کی پوزیشن کو واضح کر دیا اور پورے عزم و یقین سے کہہ دیا کہ ریاکار یعنی دکھاوے کا عمل کرنے والا اپنے کفر پر مہر ثبت کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح نہ وہ صرف اپنے خرچ کئے ہوئے کو ضائع کرتا ہے بلکہ اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جس سے خسر الدنیا والاخرۃ کا مصداق قرار پاتا ہے۔

دکھاوے کی خیرات کرنے والوں کی مثال قرآن کریم میں

۴۵۹ جو لوگ دکھاوے کے لئے اپنی دولت صرف کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ کی ایک چٹان جس پر مٹی کی ایک تہہ جم گئی ہو' ایسی جگہ پر کتنی ہی بارش ہو لیکن کبھی سرسبز نہ ہوگی کیونکہ اس میں پانی سے فائدہ اٹھانے کی استعداد ہی نہیں۔ پانی جب برسے گا تو دھل دھلا کر صاف چٹان نکل آئے گی۔ اس تمثیل میں بارش سے مراد خیرات ہے۔ پتھر کی اس چٹان سے مراد نیت کی اور جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی۔ مٹی کی ہلکی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہوئی ہے۔ اس توضیح کے بعد مثال اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ بارش کا فطری اقتضاء تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور کھیتی نشوونما پائے۔ لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین محض برائے نام اوپر ہی اوپر ہو اور اس اوپری تہہ کے نیچے نری پتھر کی چٹان رکھی ہوئی ہو تو بارش مفید ہونے کی بجائے الٹی مضر ہوگی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشوونما دینے کی قوت رکھتی ہے مگر اس کے نافع ہونے کے لئے حقیقی نیک نیتی شرط ہے۔ نیک نیت نہ ہو تو ابر کرم کا فیضان بجز اس کے کہ محض ضیاع مال ہے اور کچھ بھی نہیں۔

"کافرین" کا لفظ یہاں منکرین انعامات الٰہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے فرمایا جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی راہ میں خالصتہ" اس کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی بجائے خلق کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور خواہش نفس ان سے کراتی ہے جو کچھ کراتی ہے تو ان کا یہ کیا کرایا سب اکارت جاتا ہے وہ دراصل ناشکرے اور اپنے مالک حقیقی کے احسان فراموش ہیں اور جو لوگ خود ہی رضائے الٰہی کے طالب نہیں تو ان کو خواہ مخواہ رضائے الٰہی کیوں نصیب ہوگی؟ یہ دوسری مثال ہے جو ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ایسے ہی منکرین کے متعلق دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ○ (ابراہیم ۱۴ : ۱۸) "جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا تو ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ آندھی کے دن ہوا لے اڑے جو کچھ انہوں نے اپنے اعمال کے ذریعہ کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہ آئے گا۔ یہی گمراہی کی حالت ہے جو بڑی ہی بھاری گمراہی ہے۔"

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ

Marfat.com

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا

ہاں! جو لوگ اپنا[۴۶۰] مال صرف اور صرف اللہ کی رضا طلب کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اس بات پر ان کے دل جم چکے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اونچی[۴۶۱] زمین پر اگایا ہوا باغ ہو کہ اس پر پانی برسے تو دوچند پھل پھول پیدا ہو جائیں اور اگر زور سے پانی نہ برسے تو ہلکی بوندیں بھی اسے شاداب کر دینے کے لئے کافی ہوں اور یاد رکھو

يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ○ (الکھف ۱۸ : ۱۰۴، ۱۰۵) ”اے پیغمبر اسلام! تو کہہ دے ہم تمہیں خبر دے دیں کہ کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہوئے؟ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رہے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے پس ان کے سارے کام اکارت گئے اور اسی لئے قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کا کوئی وزن تسلیم نہیں کریں گے۔ انہوں نے جیسی کچھ کفر کی راہ اختیار کی تھی اور ہماری آیتوں اور رسولوں کی ہنسی اڑائی تھی تو عذاب دوزخ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔“

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور ۲۴ : ۳۹، ۴۰) ”مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو ان کا حال دوسرا ہے۔ ان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے ریگستان میں نظر کا دھوکا کہ پیاسا پانی سمجھ کر دوڑے مگر جب پاس پہنچے تو کچھ بھی نہ پائے۔ ہاں! اللہ کو اپنے پاس موجود پائے جو اس کی سعی لاحاصل کا پورا پورا حساب چکا دے اور وہ حساب چکانے میں بڑا ہی تیز ہے۔ یا پھر ان کی مثال ایسی سمجھو جیسے گہرے سمندر کی اندھیری اور سمندر کی لہروں کو چادر نے ڈھانک رکھا ہو۔ ایک لہر

Marfat.com

کے اوپر دوسری لہر اور پھر لہروں کے اوپر بادل چھایا ہوا گویا تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوئیں ایک تاریکی پر دوسری تاریکی آدمی اگر خود اپنا ہاتھ نکالے تو امید نہیں کہ سجھائی دے اور جس کسی کے لئے اللہ نے اجالا نہیں کیا تو پھر اس کے لئے روشنی میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔"

اس جگہ ارشاد فرمایا :

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان ۲۵ : ۲۳) "اور ہم ان کے اعمال کی جانب متوجہ ہوں گے پھر ان کو اڑتا ہوا غبار بنا دیں گے۔"

رضائے الٰہی کی خاطر مال خرچ کرنے والوں کا حال

۴۶۰ فرمایا دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کو محض اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی رضا مندی حاصل ہو اور نفس میں پختگی پیدا ہو۔ یہ اصول طے شدہ ہے کہ جس کام میں نفس کو تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے اس کے بار بار کرنے سے عادت ہو جاتی ہے۔ اور پھر طبیعت میں وہی ملکہ راسخ ہو جاتا ہے' نفس کی مزاحمت جاتی رہتی ہے اور دوسرے اعمال صالح میں بھی دقت نہیں پیدا ہوتی پھر اس پختگی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ چونکہ ہم اپنی عزیز ترین متاع حیات اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو جس چیز کے لئے اس کو خرچ کریں گے خود اس سے بھی ایک قسم کا ربط و تعلق قائم ہو جائے گا۔ اس سے اللہ کی راہ میں زیادہ ثابت قدمی اور وفاداری نوازش ہوگی۔ اور اس سے مزاحمت کی قوت مغلوب و ضعیف ہو جاتی ہے۔ یہی دلیل ہے اس بات کی کہ عمل صالح سے جس طرح حصول اجر مقصود ہوتا ہے اسی طرح اصلاح نفس بھی مقصود ہوتی ہے۔

"تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ" کے یہ معنی تو ظاہر ہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے کہ وہ خرچ اس لئے کرتے ہیں کہ کمال ایمان اور ثابت قدمی اور اطمینان حاصل ہو لیکن اب دوسرے معنی بھی اس سے لئے گئے ہیں وہ یہ کہ ان کے دل اللہ کے کرم اور ثواب پر مطمئن ہیں وہ صرف مال کو نہ نقصان سمجھتے ہیں نہ بوجھ جانتے ہیں۔

اس باغ سے تشبیہ جو کسی اونچے مقام پر لگایا گیا ہو

۴۶۱ سائنس نے آج ثابت کیا کہ جوں جوں بلندی کی طرف جائیں ہوا لطیف ہوتی جاتی ہے اور موسم معتدل۔ قرآن کریم نے آج سے صدیوں پیشتر اس باغ کی مثال پیش کی جو کسی بلند مقام پر واقع ہو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اخلاص کے ساتھ صدقہ و خیرات کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بلند اور موزوں مقام پر باغ ہو۔ جب بارش ہوگی تو اس کی شادابی دوگنی ہو جائے گی اگر زور سے پانی نہ بھی برسے گا تو ہلکی ہلکی بوندیں بھی اسے سرسبز و شاداب کر دیں گی کیونکہ اس میں شادابی کی استعداد موجود ہے جو اپنی اونچائی جگہ کی وجہ سے دوگنی ہوگئی کیونکہ اونچائی کی ہوا قدرۃً بار آور ہوتی ہے۔

اس جگہ "زور دار بارش" سے مراد وہ خیرات ہے جو انتہا جذبہ خیر اور کمال درجے کی نیک نیتی کے ساتھ کی جائے اور ہلکی ہلکی پھوار سے مراد ایسی خیرات ہے جس کے اندر جذبہ خیر کی اتنی شدت نہ ہو تاہم خیر بہرحال

Marfat.com

وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۲۶۵ اَيَوَدُّ
اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ

کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔[۴۶۲] ۲۶۵
کیا[۴۶۳] تم میں سے کوئی شخص بھی یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں کے درختوں اور انگوروں کی بیلوں کا ایک باغ ہو اس میں نہریں بہہ رہی ہوں' نیز اس میں

خیر ہی ہے۔ اسی حالت کو دوسری جگہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ○ (النساء ۴ : ۴۰)
"یاد رکھو اللہ جزائے عمل میں ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اس کا قانون تو یہ ہے کہ اگر ذرہ برابر بھی کسی نے نیکی کی ہے تو وہ اسے دوگنا کر دے گا اور پھر اپنے پاس سے اس کا ایسا بدلہ بھی عطا فرمائے گا جو بہت بڑا بدلہ ہوگا۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا (القصص ۲۸ : ۸۴) "جو شخص نیکی لے کر حاضر ہوگا تو اس کو اس نیکی سے بہتر بدلہ ملے گا۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا (الانعام ۶ : ۱۶۰) "یاد رکھو جو کوئی اللہ کے پاس نیکی لائے گا تو اس کے لئے اس کے عمل نیک سے دس گنا زیادہ ثواب یعنی بدلہ ہوگا۔"

ایک جگہ ارشاد فرمایا :

وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ○ (الروم ۳۰ : ۳۹) "اور جو صدقہ و خیرات تم اللہ کی رضاجوئی کے لئے دو گے تو وہی لوگ ہیں جن کے مال خوب بڑھائے جائیں گے۔"

متلاشیان رضائے الٰہی سے خطاب

۴۶۲ "جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔" مندرجہ بالا تمثیل کی زبان میں بیان اس حقیقت کا بھی تھا کہ جس درجہ کا اخلاص ہوگا اس درجہ کا اس کا بدلہ بھی تاہم اخلاص پھر بھی اخلاص ہے اگر وہ درجہ اعلیٰ میں نہ ہو تب بھی جبکہ احسان نہ جتایا اور اس طرح ایذا نہ پہنچائی تو بھی صدقہ کے مقبول ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہوگی۔ پھر اللہ وہ ذات ہے کہ نسل انسانی میں سے کوئی ہو کافر' مومن' مخلص اور غیر مخلص سب کے محرکات

Marfat.com

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ

اور بھی ہر طرح کے پھل پھول پیدا ہوئے ہوں پھر ایسا ہو کہ جب بڑھاپا[۴۶۴] آجائے اور ناتواں اولاد اس آدمی کے چاروں طرف جمع ہو تو اچانک جھلستی ہوئی آندھی چلے اور آن کی آن میں وہ باغ جل کر ویران ہو جائے؟ اللہ ایسی ہی مثالوں کے انداز میں تم پر

عملی اور سب کے درجہ اخلاص و عدم اخلاص سے وہ خوب اچھی طرح واقف ہے اور اس کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

فطرت انسانی سے استشہاد کی ایک مثال

۴۶۳ احسان جتانے' دکھ دینے اور ریاکاری کرنے سے صدقات و خیرات پر کس طرح تباہی آتی ہے اس کی یہ تیسری مثال بیان کی جا رہی ہے کہ خلاف شرائط صدقہ کرنے کی مثال ایسی ہی ہے کہ بظاہر وہ صدقہ کر کے آخرت کے لئے بہت سا ذخیرہ جمع کر رہا ہے لیکن اللہ کے نزدیک یہ ذخیرہ کچھ بھی کام نہیں آتا۔ اور اس مثال میں جو چند قیدیں بڑھائی گئی ہیں کہ اس کو بڑھاپا آگیا۔ اس کے اولاد بھی ہے اور اولاد بھی چھوٹے بچے جو ضعیف و کمزور ہیں۔ ان قیدوں کا مقصد یہ ہے کہ جوانی کی حالت میں کسی کا باغ یا کھیتی جل جائے تو اسے یہ امید ہو سکتی ہے کہ پھر باغ لگا لوں گا اور جس شخص کے اولاد نہ ہو اس کو دوبارہ باغ لگانے کی امید بھی نہ ہو تو باغ جل جانے کے بعد بھی اس کو کوئی خاص فکر معاش نہیں ہوتی کیونکہ اکیلا آدمی جس طرح بن پڑے تنگی ترشی سے گزارہ کر سکتا ہے۔ اور اگر اولاد بھی ہو مگر جوان و صالح ہو جن سے یہ توقع کی جائے کہ وہ باپ کا ہاتھ بٹائیں گے اور مدد کریں گے ایسی صورت میں بھی باغ کے جل جانے یا لٹ جانے پر کچھ زیادہ صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ اولاد کی فکر سے تو فارغ ہے بلکہ اب اولاد اس کا بھی بوجھ اٹھا سکتی ہے۔ غرض یہ تینوں قیدیں شدت احتیاج کا بیان کرنے کے لئے لائی گئیں کہ ایسا شخص جس نے اپنا مال اور محنت خرچ کر کے ایک باغ لگایا اور وہ باغ تیار ہو کر پھل بھی دینے لگا اور اس حالت میں اس کا بڑھاپا اور کمزوری کا زمانہ بھی آگیا۔ اور یہ شخص صاحب عیال بھی ہے اور عیال بھی چھوٹے اور کمزور بچے ہیں تو ان حالات میں اگر اس کا لگایا ہوا باغ جل جائے تو صدمہ شدید ہوگا اور اتنی ہی تکلیف بھی زیادہ ہوگی۔

Marfat.com

بڑھاپے کی مثال موت کے ساتھ کیوں؟

۴۶۴ اس طرح جس شخص نے ریاکاری سے صدقہ و خیرات کیا یہ گویا اس نے باغ لگایا پھر موت کے بعد اس کی حالت اس بوڑھے جیسی ہوگئی جو کمانے اور دوبارہ باغ لگانے کی قدرت نہیں رکھتا کیونکہ موت کے بعد انسان کوئی عمل ہی نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح عیال دار بوڑھا اس کا بہت محتاج ہوتا ہے کہ پچھلی کمائی محفوظ ہو تاکہ ضعیفی میں کام آئے اور اگر اس حالت میں اس کا باغ اور مال و متاع جل جائے تو اس کے دکھ اور درد کی انتہا ہی نہ رہے گی۔ اس طرح یہ صدقہ و خیرات جو ریا و نمود کے لئے کیا گیا تھا عین ایسے وقت ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ جب کہ وہ اس کا بہت حاجت مند ہوگا۔ اور بڑھاپے کی مثال موت کے ساتھ اس لئے دی گئی کہ قانون الٰہی میں جس طرح بڑھاپے کے بعد جوانی ممکن نہیں اسی طرح موت کے بعد دوبارہ دنیوی زندگی بھی ممکن نہیں۔

مختصر یہ کہ اس پوری آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ صدقہ و خیرات قبول ہونے کی اللہ کے نزدیک ایک بہت بڑی شرط اخلاص ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے خرچ کیا جائے کسی نام و نمود کا اس میں دخل نہ ہو۔ زیر نظر مثال کی موید امثال قرآنی پر ایک نظر ڈال لو۔ ارشاد الٰہی ہے :

مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا كَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ۝ (آل عمران ۳ : ۱۱۷) "دنیا کی اس زندگی میں یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس ہوا کا چلنا جس کے ساتھ سخت سردی ہو جس کو پالا کہتے ہیں۔ فرض کرو ایک گروہ نے اپنے اوپر ہر طرح کی محنت و مشقت برداشت کر کے ایک کھیت تیار کیا ہو لیکن پالا پڑے اور پورا کھیت برباد ہو کر رہ جائے اور یاد رکھو یہ جو کچھ انہیں پیش آیا تو اس لئے نہیں کہ اللہ نے ان پر ظلم کیا ہو یہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔"

ایک جگہ ارشاد ہے جس کا ترجمہ اس طرح ہے :

"دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چارپایوں کے لئے غذا کا کام دیتی ہیں اس سے شاداب ہو کر پھلیں پھولیں اور باہم دگر مل گئیں۔ پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنی سبزی اور لالی کے سہارے زیور پہن لیا اور اس طرح لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے خوشنما ہوگئی اور زمین کے مالک سمجھے اب فصل ہمارے قبضہ میں آگئی تو اچانک ہمارا حکم دن کے وقت یا رات کے وقت نمودار ہوگیا اور ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کر رکھ دی گویا ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان ہی نہ تھا اس طرح ہم حقیقت کی دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔" (یونس ۱۰ : ۲۴)

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

Marfat.com

”اے پیغمبر اسلام! ان لوگوں کو ایک مثال سنا دو۔ دو آدمی تھے' ان میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دیئے جن کے اردگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا بیچ کی زمین میں کھیتی تھی۔ پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے پیداوار میں کسی طرح کی بھی کمی نہ ہوئی ہم نے ان کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ آدمی دولت مند ہوگیا۔ تب ایک روز گھمنڈ میں آکر اپنے دوست سے جسے یہ خوش حالیاں نصیب نہ تھیں باتیں کرتے کرتے بول اٹھا کہ دیکھ کہ میں تجھ سے زیادہ مال دار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقت ور ہے۔

پھر وہ باتیں کرتے کرتے اپنے باغ میں داخل ہوا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا اس نے کہا' میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی برپا ہوگی اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لئے کیا کھٹکا ہے مجھے ضرور وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا۔ یہ سن کر اس کے دوست نے کہا اور باہم سلسلہ گفتگو جاری تھا کہ

کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے اور اس کی شادابیاں دیکھیں تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا؟ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کمتر رکھتا ہوں تو اس پر مغرور نہ ہو کیا عجیب ہے کہ میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر باغ مجھے دے دے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ یہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔ یا پھر اس کی بربادی کی کوئی اور ناگہانی صورت نکل آئے مثلاً یہ کہ اس کی نہر کا پانی ہی نیچے اتر جائے اور تم کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو۔

اور پھر دیکھو کہ ایک دن ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت بربادی کے گھیرے میں آگئی۔ وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کیا کچھ خرچ کیا تھا وہ سب برباد ہوگیا اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ اس کی ٹہنیاں گر کر زمین بوس ہوگئیں۔ اب وہ کہتا ہے کہ اے کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا۔ یہاں سے معلوم ہوگیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اس کے ہاتھ میں بہتر انجام ہے۔“ (الکہف ۱۸ : ۳۲' ۴۳)

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے :

”جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا اسی طرح ہم نے ان کافروں کی بھی آزمائش کی ہے۔ ان باغ والوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کے میوے توڑیں گے۔ اور اس سے کوئی بھی استثناء نہ

Marfat.com

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن ۲۶۶

حقیقت کی نشانیاں۴۶۵ واضح کردیتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو۔ ۲۶۶

اے مسلمانو! جو کچھ تم نے کمائی۴۶۶ کی ہو اس میں سے خرچ کرو یا جو کچھ ہم

ہونے پائے گا۔ پھر دیکھو کہ وہ سوتے ہی سوتے رہے اور تمہارے پروردگار کی طرف سے باغ پر ایک ایسی بلا چھا گئی کہ صبح ہوتے ہی وہ بالکل خالی رہ گیا جیسے کوئی سارے میوے لوٹ کر لے گیا۔ سویرے جب یہ لوگ اٹھے اور ایک دوسرے کو آواز دی کہ تم کو میوے توڑنے ہیں تو اٹھو تڑکے سے باغ میں جا پہنچو۔ لوگ اٹھے اور چل کھڑے ہوئے آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ دیکھنا آج کوئی غریب آدمی باغ کے اندر نہ آنے پائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بس اب جاتے ہی سارے میوے توڑلیں گے ساز و سامان سے چلے اور بہت سویرے پہنچ گئے۔ باغ کو جب دیکھا کہ اجڑا پڑا ہے تو کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ نہیں راستہ تو یہی ہے بس ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں سے جو سب سے بہتر آدمی تھا وہ کہنے لگا کیا میں تم سے نہیں کہا کرتا تھا کہ اپنے اس اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کیوں نہیں کرتے؟ وہی تو تمام مشکلوں کا حل کرنے والا ہے۔ وہ بولے پاک ہے ہمارا پروردگار یقیناً ہم ہی ظالم تھے۔ پس لگے آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے اور آخر کار سب ہی بول اٹھے کہ ہائے ہماری کم بختی! بے شک ہم بڑی ہی نافرمانیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ ہم ہی حد سے تجاوز کر گئے تھے شاید ہمارا پروردگار ہمیں اسکے بدلے اس سے اچھا باغ عنایت کرے۔ اب ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ظالموں پر ایسے ہی عذاب اترتا ہے۔ اور انجام کار عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اگر اسکی حقیقت جان لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اس سے بھی بڑا اور بہت بڑا عذاب ہے۔" (القلم ۶۸ : ۱۷، ۳۳)

تمثیل سے کون لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

۴۶۵ مختلف باتیں سمجھانے کے لئے مختلف مثالیں دے کر بات کو واضح کیا جاتا ہے اور یہ وضاحت اس لئے کی جاتی ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دی جائے لیکن ان سے فائدہ تو وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو آثار کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھیں بلکہ ان پر غور و فکر بھی کریں اور خصوصاً جو چیزیں مشاہدہ میں آتی ہیں ان کو مشاہدہ کرکے فائدہ اٹھائیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کے لئے جب بھی آپ بیٹھیں تو ترجمہ پر ضرور نظر رکھیں آپ دیکھیں گے کہ جب کوئی تمثیل دی گئی کوئی مثل بیان کی گئی تو آیت کے آخر میں ضرور توجہ دلا دی گئی کہ یہ بات بیان کی گئی ہے لیکن اس سے فائدہ وہی حاصل کرسکتے ہیں جو عقل و فکر سے کام لینے والے ہیں۔ جو غور و غوض کرنے والے ہیں۔ جو لب لباب تک پہنچنے والے ہیں۔ جو آسمان و زمین کی ساخت

Marfat.com

میں غور کرتے ہیں۔ وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ اے پروردگار تو نے یہ سب کچھ فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ چنانچہ اس آیت کے آخر میں بھی فرمایا کہ "اللہ ایسی ہی مثالوں کے انداز میں تم پر حقیقت کی نشانیاں واضح کر دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو۔"

ان آیات میں تین باتوں سے روکا گیا اور بار بار روکا گیا احسان جتانے سے۔ دکھ دینے سے اور ریا و نمود سے پھر ان تینوں باتوں کی وضاحت تین مثالوں سے کر دی پھر بھی جس کی سمجھ میں نہ آئے قصور اس کی سمجھ کا ہو گا یا بتانے والے کا؟

بات ہو رہی ہے عقل و فکر کی تو ذرا اس رکوع یعنی ۲۶۱ سے ۲۶۶ تک غور کر لیں تو ان چھ آیات میں انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ و خیرات کے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی چھ شرائط معلوم ہوں گی۔ بس ان کو یاد رکھ لو۔

۱۔ اس مال کا حلال و طیب ہونا جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اور یاد رکھو کہ ہر طیب مال حلال ہوتا ہے لیکن ہر حلال مال طیب نہیں ہوتا۔

۲۔ اس مال کا رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق خرچ کرنا صرف اپنی خواہش ہی پر خرچ نہ کرنا۔

۳۔ مال کے خرچ کرنے کا مصرف صحیح اور درست ہونا یعنی شریعت کی رو سے جائز و مستحسن ہو۔

۴۔ مال صدقہ و خیرات میں دے کر پھر بالکل نہ جتانا فعل سے اور نہ قول سے۔

۵۔ مال خرچ کر دینے کے بعد اس شخص کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ کرنا جس سے اس کی تحقیر ہو جس کو مال دیا گیا ہے۔

۶۔ جو مال خرچ کیا جائے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کیا جائے اور صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو نام و نمود کے لئے نہ ہو۔

جائز طریقوں سے کمائے ہوئے حلال مال میں سے وہ خرچ کرو جو بڑھیا ہو

۴۶۶ "کَسَبْتُمْ" کسب وہ ہے جس میں انسان اپنے آپ کو لگاتا ہے جس میں نفع اٹھانے اور فائدہ حاصل کرنے کی غرض ہو۔ "طَیِّبَات" طیب کا اطلاق صرف پاک ہی کمائی پر ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ زکوٰۃ اسی مال پر ہے جو اپنا کمایا ہوا ہو گویا لفظ "کَسَبَ" کے اندر بہت کچھ آ گیا۔ اور طیب کی قید نے مزید وضاحت کر دی مثلاً باسی روٹی یا سالن پڑا ہے لیکن سڑ نہیں گیا اس میں بو نہیں آتی کھانا چاہے تو کھایا جا سکتا ہے حلال ہے لیکن جب تازہ روٹی اور تازہ سالن بھی موجود ہو گا تو اس کی موجودگی میں وہ باسی روٹی گویا طیب نہ رہی۔ وہ مال خرچ کرو جو جائز طریقہ سے کمایا گیا ہو اور اس میں سے بہتر اور اچھا چھانٹ کر دو یا کم از کم ایسا نہ کرو کہ اچھا چھانٹ کر خود رکھ لو اور باقی میں سے پھر جو ناکارہ نکلے اس کو صدقہ و خیرات کر دو۔ محنت و مزدوری

Marfat.com

طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا
تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ
اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۲۶۷

تمہارے لئے زمین[۴۶۷] میں پیدا کر دیتے ہیں اس میں سے تم جمع کر لو بہرحال کوئی صورت بھی ہو لیکن چاہئے کہ اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اچھی چیز خیرات کرو ایسا نہ کرو کہ فصل کی پیداوار میں سے کسی چیز کو ردی اور خراب دیکھ کر تم خیرات کر دو حالانکہ اگر ویسی ہی چیز تمہیں دی جائے تو تم کبھی اسے خوش دلی[۴۶۸] سے لینے والے نہیں مگر ہاں! جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لو تو دوسری بات ہے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ اللہ کی ذات بے نیاز اور ساری ستائشوں کے لائق ہے۔ ۲۶۷

اور تجارت وغیرہ سے جو مال کمایا جاتا ہے وہ سب "کسب" میں آجاتا ہے۔

زمین کی پیداوار میں سے بھی جو غلہ پیدا ہوتا ہے اس کا مخصوص حصہ نکالو

۴۶۷ "مِنَ الْاَرْضِ" یعنی زمین کی پیداوار میں سے جیسے پھل، ترکاریاں، غلہ جات اور معدنیات۔ یہ سب چیزیں زمین میں پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ایک خاص قاعدہ کے مطابق خرچ کرنا لازم و ضروری ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عشری زمینوں میں سے ہر قلیل یا کثیر مقدار پر عشر لازم ہے اور اس کو شریعت کے حکم کے مطابق باقاعدہ حصہ نکال کر حکومت وقت کو دے یعنی جس طرح مال زکوٰۃ خرچ کرتے ہو اس کو بھی خرچ کرو۔

"اَلْخَبِيْثَ" ناپاک اور ردی دونوں چیزوں پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی حرام طریقوں سے کمائے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خبیث مال کا خرچ کرنا ہے اور ردی اور گھٹیا مال چھانٹ کر خرچ کرنا یہ خبیث مال کا خرچ کرنا ہے اور ان دونوں ہی باتوں سے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کو ناکارہ اور ردی چیزوں کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس! کہ اکثر کیا وہی جاتا ہے جس سے اسلام منع کرتا ہے۔ پہلے تو خرچ کرنے کو جی مانتا ہی نہیں لیکن جن لوگوں کو کچھ تھوڑی بہت خرچ کرنے کی عادت ہے وہ بھی وہی خرچ کرتے ہیں جو ناکارہ اور ردی ہو

Marfat.com

جائے۔ گھر کے پرانے اور ردی کپڑے۔ باسی کھانے پھلوں' ترکاریوں اور غلوں میں سے بھی وہی جو ادنیٰ قسم کا ہوتا ہے فقیروں اور غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ لینے والا تو بہرحال مجبور ہے اور اس کا وقت بھی چل جائے گا لیکن دینے والے کو اتنا خیال رکھنا چاہئے کہ یہی چیزیں آپ کو دی جاتیں تو آپ کیا کرتے؟ خوشی سے قبول کر لیتے۔

ہمارا اسلام بھی بڑا عجیب ہے کہ کچھ دینا پڑا تو ناکارہ اور ردی کی کوشش کی چلو باہر پھینکنے کی بجائے فقیر ہی کو دے دو تو بہتر ہے۔ سارا دن کام کر کے تھک گئے تو چلو مسجد میں کچھ عبادت بھی ہوگئی ریسٹ بھی ہوگیا۔ ذرا ستا بھی لیں گے۔ وقت کی کوئی پروا نہیں نماز ہے تو فارغ ہونے کے بعد آخری اور بالکل جاتے وقت میں چار ٹکریں مار لیں گے۔ اولاد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی بہترین کمائی ہے اس میں اگر کوئی ناکارہ ہے۔ آنکھیں نہ رہیں' ٹانگ نہ رہی' دماغی حالت درست نہ ہوئی۔ بلید الذہن عقل و فکر کا کمزور ہوا تو اسلامی درس میں داخل کرا دیا اور تعلیم اسلامی کے لئے وقف کر دیا۔ کوئی پھٹا پرانا قرآن گھر میں ہوا تو مسجد میں رکھ دیا۔ کام کاج کے نہ رہے تو مسجد میں ڈیرا لگا لیا۔ یہ سب امراض ہیں جو مسلم قوم کو مستقل طور پر لگ چکے ہیں اور ان کا کوئی علاج کسی کے پاس بھی نہیں۔ کیا دین اتنی نکمی چیز ہے؟

وہی کچھ خرچ کرو جو کل تم کو لوٹایا جائے یا لینا پڑے تو خوشی سے قبول کر سکو

۴۶۸: ایسا نہ کرو کہ جو چیز نکمی اور بے کار ہو اسے خیرات کے نام سے محتاجوں کو دے دو اور سمجھو کہ اس طرح تم نے ثواب کما لیا۔ ذرا غور کرو کہ اگر تم کو کوئی ایسی چیز دے دے تو تم اسے لینا پسند کرو گے؟ پھر اگر اپنے نفس کے لئے نکمی چیز لینا تم کو گوارا نہیں تو اپنے محتاج بھائیوں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ دوسروں کے ساتھ وہی کرو اور وہی پسند کرو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ساتھ ہو! یعنی تم کو وہ پسند ہو۔

"غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ" آیت کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بیان کی جا رہی ہیں کہ یاد رکھو اللہ بے نیاز اور بہترین صفات سے متصف ہے تم کو جو صدقہ و خیرات کی تاکید کی جا رہی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تمہارے مال کا محتاج ہے تم نہیں دو گے تو وہ بھوکوں مرے گا۔ اس نے تو تم کو دیا ہے اور یہ اس کا خاص فضل ہے کہ وہ چاہتا ہے تم اس کے اس دیئے ہوئے مال سے اپنے لئے اچھا بدلہ بھی حاصل کر لو۔ اگر تم کو اس کی ضرورت نہیں تو یاد رکھو اللہ کو بھی تمہارے ان ٹکڑوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو آج دے رہے ہو کل وصول کرنا ہوگا۔ اور اس طرح کا لیتے وقت جو منہ بسورو گے تو اس کا فائدہ؟ تم ہی بتاؤ کہ اچھا مال خرچ کرنے سے فائدہ کس کا ہے؟

یہ بات کتنی صاف اور سیدھی ہے کہ جو خود اعلیٰ درجہ کی صفات رکھتا ہے وہ برے اوصاف رکھنے والوں کو کیسے پسند کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو خود فیاض ہے اور اپنی تمام مخلوق پر ہر آن بخشش و عطا کے دریا بہا رہا ہے۔ کس طرح ممکن ہے کہ وہ تنگ نظر' کم حوصلہ اور پست اخلاق لوگوں سے محبت کرے۔ پھر سن لو کہ جو کرو اور

Marfat.com

اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمۡ مَّغۡفِرَۃً مِّنۡہُ وَفَضۡلًا ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۸﴾

شیطان[۴۶۹] تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور برائیوں کی ترغیب دیتا ہے۔ لیکن اللہ تمہیں ایسی راہ کی طرف بلاتا ہے جس میں اس کی مغفرت اور اس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے اور یاد رکھو اللہ وسعت رکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۲۶۸

جتنا کرو خوش دلی سے کرو ورنہ اچھا بول دو وہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔

شیطان کی دعوت کبھی نیکی کی دعوت نہیں ہو سکتی

۴۶۹ کسی فعل کا نتیجہ اور رزلٹ گویا اس فعل کا وعدہ ہے۔ فعل اچھا ہے تو اللہ کی مدد سے اور اس کے قانون مکافات سے اس کا نتیجہ بھی اچھا ہوگا اور یہ گویا اللہ کا وعدہ ہے۔ فعل برا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مدد اس میں شامل نہیں بلکہ یہ تمہارے نفس کی خرابی ہے اور شیطان کا وعدہ ہے جو اس نے ہر طرف سے ورغلانے کے متعلق کیا ہوا ہے۔ جب ایک شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگتا ہے تو اگر اسے خیال پیدا ہوتا ہے کہ میں غریب و مفلس بن جاؤں گا۔ اپنی ضرورت کے لئے کچھ نہیں رہے گا۔ ابھی کتنی ضرورتیں ہی جو منہ کھولے بیٹھی ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ تمام وساوس شیطانی ہیں۔ ایک مسلم کا فرض ہے کہ ان کی پرواہ نہ کرے بلکہ خوب دل کھول کر خلافت اسلامی کی مدد کرے غربا و یتماء کی دیکھ بھال کرے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ اس کی بعض غلطیوں کا کفارہ ہو جائے گا دوسرے اللہ تعالیٰ اس کو مال دے گا اور وہی ہے جو بغیر حساب دینے ولا ہے یعنی جہاں سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا وہاں سے مل جائے گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ یہ شیطان کہاں ہے؟ جو اس طرح کے خطرات اور وساوس پیدا کرتا ہے۔ ہاں! وہی جو تمہارے اندر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ وہی جو تمہاری ملکوتی طاقت کو دبا کر اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ وہی جس کے متعلق تم کو ہدایت دی گئی تھی کہ اس کو اپنے قابو میں رکھو وہی جو تمہارا توام ہے یعنی تمہارے ساتھ پیدا ہونے والا۔ تمہاری کتنی عزت کی گئی کہ تم کو کچھ نہیں کہا اس شیطان کا نام لیا گیا فرمایا جو خیالات اللہ کی راہ میں مال و جان خرچ کرنے سے مانع ہوتے ہیں۔ وہ حقیقت میں شیطانی خیالات وساوس ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں خرچ کر کے خود غریب ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں جن میں سے ایک یہ ہے

Marfat.com

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

وہ جسے چاہتا ہے حکمت[۵۷۴] دے دیتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی تو یقین جانو اس نے بڑی ہی بھلائی پالی اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں۔ ۲۶۹

کہ اللہ کی راہ میں مال دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور دنیا گواہ ہے کہ آج تک اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی کوئی شخص فقرو فاقہ میں مبتلا نہیں ہوا گو وہ ضرورت کے مطابق پورا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ البتہ رسم و رواج کی پابندیوں سے بہتیرے تباہ ہو گئے۔

اللہ ہی وہ ذات ہے جو وسعت رکھنے والا ہے۔ ایسے وصف والے کے ہاں انعام و اکرام کی کیا کمی؟ اور اللہ ہی ہے جو سب کچھ جاننے والا ہے ایسے کامل علم والے پر نیتوں کا حال رتی رتی روشن ہے اس لئے ثمرہ بھی نیتوں کے مطابق ہی ملے گا۔

حکمت کیا ہے؟ خیر کثیر ہے

۵۷۴ حکمت کی تشریح میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور فی الحقیقت بہت کچھ ہی لکھا جا سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جو حکمت دیا گیا اس کو خیر کثیر دے دی گئی تو گویا اب حکمت کیا ہوئی؟ خیر کثیر تو پھر وہ کیا چیز ہے جو باقی رہ گئی کیونکہ خیر کثیر میں تو سب کچھ آگیا۔ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا ہے کہ لفظ حکمت جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جائے تو معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل مراد ہوتا ہے۔

پھر اس مفہوم کی تعبیریں مختلف کی گئی ہیں کہ کس جگہ اس سے مراد قرآن کریم ہے' کس جگہ حدیث' کس جگہ علم صحیح' کس جگہ عمل صالح' کس جگہ قول صادق' کس جگہ عقل سلیم' کس جگہ فقہ فی الدین' کس جگہ اصابت رائے اور کس جگہ خشیت اللہ اور ایک حدیث میں بھی ہے "راس الحكمة خشية الله" یعنی اصل حکمت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ اور حقیقت وہی ہے جو اوپر بیان کر دی گئی کہ "حكمة" میں سب چیزیں آجاتی ہیں کیونکہ وہ خیر کثیر ہے۔ (بحر محیط ص ۳۲۰ ج ۲)

Marfat.com

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اور دیکھو خیرات[۴۷۱] کی قسم میں سے تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا اللہ کی نذر مان کر جو کچھ بھی تم نکالنا چاہو تو یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کے علم سے وہ پوشیدہ نہیں ہے اور اللہ کی نافرمانی یعنی شرک کرنے والوں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ۲۷۰

اگر تم کھلے طور[۴۷۲] پر خیرات کرو تو یہ بات بھی اچھی ہے اگر پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے دو تو اس میں بھی تمہارے لئے بڑی ہی بہتری ہے اور ایسا کرنا تمہارے[۴۷۳] گناہوں کو تم سے دور کر دے گا اور یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کے علم سے پوشیدہ

جب یہ بتا دیا کہ انفاق فی سبیل اللہ سے تنگ دستی کا پیدا ہونا محض شیطانی ڈراوا ہے تو اب اس جگہ بتا دیا کہ صرف مال ہی خیر نہیں بلکہ اصول حقہ کو سمجھ لینا خیر کثیر ہے اور یہ اصول حقہ یا اصول دین کی سمجھ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دیتا ہے گویا اس اصول کو سمجھ لینا کہ اللہ کی راہ میں دینے سے انسان تنگ دست نہیں ہوتا اصول دین میں سے ایک اصل ہے اور اس کو سمجھ کر انسان خیر کثیر کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس حکمت کو صحابہ کرامؓ نے سمجھا اور باوجودیکہ وہ غریب تھے اپنے مالوں کو انہوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی خیر کثیر کے مالک ہوگئے کیونکہ وہ ایک زندہ اور کامیاب قوم بن گئے۔ آج مسلمان ان سے بہت زیادہ مالدار تعداد میں ہزارہا گنے زیادہ ہیں مگر اس حکمت کی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کا مال ان کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے اور اس حکمت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ پوری دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ جو قومیں کبھی ان کی مرہون منت زندہ تھیں آج وہ ان کے مرہون منت زندہ ہیں۔

آیت کے آخر میں "اُولُوا الْاَلْبَاب" کے الفاظ ارشاد فرمائے اور الباب "لب" کی جمع ہے اور "لب" کسی

Marfat.com

چیز کے خلاصہ یا مغز کو کہتے ہیں اور انسان میں "لب" اس عقل خالص کو کہتے ہیں جو ہر قسم کے شائبوں سے پاک ہو یعنی نہایت ہی خالص عقل۔ پس ہر لب عقل ہے اور ہر عقل لب نہیں۔ فرمایا "نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو خالص عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں۔"

صدقہ و خیرات اور نذر کا فرق اور یہ کہ نذر کیا ہے؟

۴۷۱ "نَذْرٌ" نذر کیا ہے؟ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی اردو میں منت ماننا کہتے ہیں۔ اس کی تعریف اس طرح بھی کی گئی ہے کہ وہ کسی مراد کے پورے ہونے پر اپنے اوپر کوئی ایسی چیز لازم کر لینا ہے جو عام حالت میں واجب نہ تھی۔ یہ نذر عبادت بدنی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے مثلاً نماز نفل یا روزہ اور عبادت مالی کی صورت میں بھی۔ "یعلمه" یعنی اللہ تعالیٰ اس کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس نیت سے اور کس کی راہ میں مانی گئی ہے اور اس علم کامل کے مطابق جزا و سزا بھی ہوگی۔

مال و دولت کے صرف کرنے اور علم و حکمت کی نشر و اشاعت کے لئے تمام شرطوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر اب تمہیں اختیار ہے خواہ جب چاہو اللہ کے نام پر دو یعنی بغیر کچھ معین کئے اور چاہے ایک رقم نذر کے طور پر معین کر لو دونوں صورتوں میں تم کو عام اجازت ہے جب کہ نذر بھی صرف اللہ ہی کے نام پر ہو۔ ہاں! نذر مان لینے کے بعد اگر تم نے اس کو پورا نہ کیا بشرطیکہ اس کے پورا کرنے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ تو اس کا بہت بڑا اثر تمہارے اخلاق پر پڑے گا اور باقی فرائض ملت کے ادا کرنے میں بھی کاہلی اور سستی سے کام لو گے۔ اس قدر تعلیم دی جانے کے بعد بھی جو لوگ برمحل صرف نہ کریں اور بہانے بناتے پھریں اللہ انہیں خوب جانتا ہے ان کی کبھی وہ مدد نہیں کرے گا۔

صدقہ و خیرات ظاہر طور پر دو یا چھپا کر دونوں طرح جائز ہے

۴۷۲ صدقہ و خیرات لوگوں کے سامنے علی الاعلان دینا اور خاموشی کے ساتھ چھپا کر دینا دونوں طریقہ سے جائز و درست ہے۔ اگر رفاہ عامہ کے لئے دینا ہے مذہبی و ملکی ضرورتوں میں صرف کرنا ہے تو اعلاناً دینا ہی مفید ہوگا تاکہ دوسروں کی ترغیب و تشویق کا باعث ہو اور اگر فقراء و مساکین کو دینا ہو تو چھپا کر دینا مفید ہوگا۔ اصل چیز تو حسن نیت ہے اور اخلاص ہے۔ جب یہ ہے تو چھوٹے سے چھوٹا کام بھی مفید و نافع ہوگا۔

صدقہ و خیرات کے مخفی ادا کرنے کی حقیقت تو ظاہر ہی ہے لیکن زندگی میں ایسے مواقع بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں جہاں نیکی کا اعلان و اظہار بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ ایک شخص بھوک و پیاس سے نڈھال یا کسی بیماری میں مبتلا سڑک پر پڑا تڑپ رہا ہے ہم قریب سے گزر رہے ہیں اور بالکل ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اسے کھلا کر یا دوا دے کر گویا از سر نو زندہ اٹھا کھڑا کریں لیکن اس اندیشہ سے کہ کہیں ہماری اس خدمت کا شمار ریا اور نمائش نہ ہو جائے اس کے پاس سے کتراتے اور خاموش گزر جاتے ہیں تو یہ تقویٰ نہیں بلکہ عین معصیت ہے اور انتہائی قسم کی وہم پرستی جو شریعت اسلامی کے بالکل خلاف ہے۔ یہاں ضرورت ہے فی الفور مدد رسانی کی خواہ

Marfat.com

تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَیۡسَ عَلَیۡکَ ہُدٰىہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ
یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ

نہیں ہے وہ ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے۔ ۲۷۱

اے پیغمبر اسلام! تم پر اس بات کی کچھ ذمہ[۴۷۴] داری نہیں کہ لوگ ہدایت قبول ہی کریں تمہارا کام صرف راہ بتانا ہے۔ ہاں! اللہ جسے چاہتا ہے اپنے قانون کے مطابق

اس کے لئے اعلان بہ بانگ دہل ہی کرنا پڑے نہ یہ کہ شبہ' ریا اور شائبہ نمائشی سے بچنے کے لئے تلاش پہلے گوشہ تنہائی کی شروع ہو جائے تو یہ پرلے درجے کی بے وقوفی یا جہالت ہوگی۔ یہ خواہ مخواہ کا ایک تکلف ہے اور تکلف بجائے خود عمل خیر سے مانع ہو جائے تو پھر وہ کیا ہوا؟ اخلاص کا تعلق تو براہ راست انسان کے دل سے ہے اپنی طرف سے کوئی بات دکھاوے اور نمائش کی نہیں کرنی چاہئے لوگوں کے سامنے کسی عمل خیر کے کرنے کی تو ہرگز ممانعت نہیں ہے۔

نیکی برائی کو مٹا دینے کا کام بھی کرتی ہے

۴۷۳ نیکی ہی وہ شے ہے جس پر یہ محاورہ صادق آتا ہے کہ "ایک پنتھ دو کاج" نیکی جب رضائے الٰہی کے لئے کی جائے اور اس کا تعلق صرف حسن نیت سے ہے تو وہ دو کام کرتی ہے ایک تو نیکی کا اجر و نتیجہ ہے جس کا ملنا ضروری ہے اور دوسرا کام وہ یہ کرتی ہے کہ برائی کو بالکل محو کر دیتی ہے یعنی مٹا دیتی ہے۔

قرآن کریم نے ازالہ سیئات کی جہاں دوسری صورتیں رکھی ہیں وہاں ایک صورت یہ بھی ہے کہ نیکیاں بدیوں کا کفارہ خودبخود ہوتی رہتی ہیں اور حسنات سیات کو ساتھ ساتھ مٹاتی رہتی ہیں۔ پھر یہ چیز محض عقیدہ ہی کی نہیں مشاہدہ و تجربہ کی بھی ہے۔ خلق کی نظر سے چھپا کر طاعت اور نیکیوں کی عادت اگر ڈال لی جائے تو ایک عرصہ کی مشق کے بعد ایک بڑی حد تک نفس کی اصلاح خود بخود ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جو کچھ خرابیاں پھر بھی باقی رہ جائیں ان سے درگزر کے لئے خدائے رحمٰن و رحیم کا لطف و کرم کافی ہے جو خوبیوں کو خرابیوں کا اور بھلائیوں کو برائیوں کا عوض بناتا رہتا ہے۔

ہدایت کا قبول کروانا پیغمبر کی ذمہ داری نہیں

۴۷۴ رسول اللہ ﷺ کا یہی فرض تھا کہ لوگوں کے سامنے قانون صحیح پیش کر دیں۔ شکوک و شبہات کو دور کر دیں اور دولت کو کمانے اور صرف کرنے کے طریقے بتا دیں۔ علم کے سیکھنے اور سکھانے کے اصول

Marfat.com

سمجھا دیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کا شوق و ذوق پیدا کر دیں۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی افادیت ذہن نشین کرا دیں۔ لیکن یہ آپؐ کا فرض نہیں کہ لوگوں میں جذبات صادقہ بھی پیدا کریں یا ان کو ہدایت بھی دے دیں چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوریٰ ۴۲ : ۴۸) ”اگر اس طرح سمجھا دینے پر بھی یہ لوگ روگردانی کریں تو اے پیغمبر اسلام! ہم نے تجھ کو کوئی ان پر داروغہ بنا کر تو بھیجا نہیں۔ تمہارے ذمہ تو بس حکم الٰہی کا پہنچا دینا ہے ماننا نہ ماننا سننے والوں کا کام ہے۔“

ایک جگہ ارشاد ہوا۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (عبس ۸۰ : ۷) ”اگر وہ نہ سدھرے تو آپؐ پر اے پیغمبر اسلام! اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔“

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہوا :

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ (الغاشیۃ ۸۸ : ۲۱، ۲۲) ”اے پیغمبر اسلام! آپؐ نصیحت کئے جائیں۔ بس آپؐ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپؐ ان پر کوئی داروغہ مقرر نہیں ہیں۔“

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے :

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (القصص ۲۸ : ۵۶)

”اے پیغمبر اسلام آپؐ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ اپنے قانون کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا بھی ہے۔“

پھر جب ہادی برحق نبی کریم ﷺ کے ذمہ کی ایک بات نہ رہی تو امت کے کسی فرد کے ذمہ یہ بات کیونکر ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کو خود یہ ضرورت محسوس کرنی چاہئے کہ ان کی حیات ملی کا دارومدار انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر ہے۔ رہی ہدایت و راہنمائی تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ اسلام کی تعلیم کا تمام تر مقصد یہی ہوا کہ اپنی ساری دولت اللہ کی راہ میں لٹا دی جائے تو وہ ذرا غور کر کے دیکھیں کہ وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کا نفع خود انہی کی طرف لوٹتا ہے یا نہیں؟ وہ عزیز و اقارب کی ہدایت کا باعث ہوتے ہیں ان میں عزت کا مقام حاصل ہوتا ہے ان کے اس انفاق سے اسلام کا بول بالا ہوتا ہے۔ خلافت اسلامی محکم و استوار ہوتی ہے۔ مال غنیمت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ وہ الٰہی بنک کے کھاتہ دار بن جاتے ہیں۔ بلکہ جب ان کی قوم ظلم و جور کا تختہ مشق بنی ہوئی ہو تو اس کی آزادی کا باعث بنتے ہیں اور یہ سارے اعزازوں سے بڑا اعزاز ہے۔

Marfat.com

فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۲۷۲

ہدایت دیتا ہے جو کچھ بھی تم خیرات کرو گے تو خود اپنے ہی لئے کرو گے کیونکہ اس کا فائدہ یقیناً تم ہی کو ہو گا بشرطیکہ تمہارا خرچ کرنا صرف اللہ کی رضا[۴۷۵] کے لئے ہو اس طرح جو کچھ تم خرچ کرو گے تو اللہ اپنے قانون کے مطابق اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہو گی۔ ۲۷۲

تمہارا خرچ کرنا صرف اللہ کی رضا کے لئے ہو

۴۷۵ مطلب بالکل صاف ہے کہ مقصود جب اپنے لئے نفع اخروی یا حصول اجر ہے تو وہ تو ہر حاجت مند کی امداد سے ہو سکتا ہے۔ صدقہ مسلمانوں ہی پر مخصوص کرنے کی قید کیوں؟ ہاں! حاجت مند کی حاجت کا لحاظ تو کیا جا سکتا ہے کہ کس کی حاجت اہم اور ضروری ہے۔ "وَجْهُ اللّٰهِ" کے عام طور پر معنی ذات الٰہی کے کئے گئے ہیں لیکن اس کے دوسرے معنی رضائے الٰہی کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر جب مقصود رضائے الٰہی ہو تو وہ یقیناً جہاں بھی اور جب بھی اور جس پر بھی صدقہ و خیرات کرو گے یقیناً حاصل ہو گی۔ دوسری یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ ثواب اور اجر کے مقصد کو اخلاص کے منافی سمجھنا بھی سراسر جہالت ہے کیونکہ اجر و ثواب کی ترغیب و تلاش قرآن کریم کی آیات سے صراحتہ" ثابت ہے جیسا کہ آیت زیر نظر میں بھی موجود ہے کہ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ "سب کچھ تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا یعنی پورا پورا اجر و ثواب ملے گا اور تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی۔"

ابتداء میں مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں اور عام غیر مسلم حاجت مندوں کی مدد کرنے میں تامل کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ صرف مسلمان حاجت مندوں ہی کی مدد کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ آیت زیر نظر نے یہ غلط فہمی دور کر دی اور ارشاد الٰہی کا مطلب واضح کر دیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں ہدایت کا اتار دینا تمہاری ذمہ داری نہیں۔ تم حق پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے اب یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ ان کو اپنے قانون کے مطابق بصیرت کا نور عطا کرے یا وہ اس کے قانون کے مطابق گمراہ ہی رہیں۔ رہا دنیوی مال و متاع سے ان کی ضرورت و حاجت کو پورا کرنا تو اس میں تم محض اس وجہ سے تامل نہ کرو کہ انہوں نے ہدایات قبول نہیں کی۔ اللہ کی رضا کے لئے جس حاجت مند انسان کی بھی مدد کرو گے اس کا اجر اللہ تمہیں ضرور دے گا چنانچہ

Marfat.com

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ

خیرات تو ان ضرورت مندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر کر بیٹھ گئے ہوں[۴۷۶] کیونکہ انہیں یہ طاقت ہی نہیں رہی کہ وہ معیشت کی تلاش کر سکیں اور اس کے لئے دھوڑ دھوپ کریں پھر باوجود اس حالت کے ناواقف آدمی دیکھے تو خیال کرے کہ انہیں

ایک حدیث میں بھی اس مضمون کی وضاحت ملتی ہے حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میری والدہ مکہ سے آئی ہیں اور وہ کہتی ہیں کہ مجھے کچھ مال کی ضرورت ہے تو مجھے دے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئی ہیں۔ آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! تم اپنی والدہ کو مال دو اس صدقہ و خیرات کا دوہرا اجر تم کو نصیب ہوگا ایک اجر غریب کی اعانت کرنے کا اور دوسرا اجر والدہ کی مدد کرنے کا۔ جس سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ خویش و اقارب میں جو لوگ مستحق ہوں اگرچہ وہ مسلمان نہ بھی ہوئے ہوں تو ان کو دینے کا نہ صرف اجر ہی ملتا ہے بلکہ دوہرا اجر ملتا ہے۔ ہمارے علمائے گرامی قدر کو اس آیت اور ایسی ہی دوسری آیات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ کیا کہتے ہیں اور قرآن کریم کی ہدایات کیا ہیں؟ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کیا ہے؟ ہاں! اللہ تعالیٰ نے جو معیار مقرر فرمایا ہے اس کو ذہن میں رکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان کے مقابلہ میں علم الٰہی ہی کامل اور مکمل علم ہے۔

خاص طور پر مدد کے مستحق یہ تنگ دست ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے

۴۷۶ جو لوگ دین ہی کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے۔ ۱۔ وہ مجاہدین جو جہاد میں مصروف کر دیئے گئے ہوں اس وجہ سے جب تک وہ مصروف جہاد ہیں گویا وہ گھر گئے ہیں۔ ۲۔ جو لوگ جہاد میں شریک ہوئے تھے لیکن وہیں سے وہ دشمنوں کے قبضہ میں آگئے اور اب وہ ان ہی کی قید میں ہیں اور ظاہر ہے کہ قیدی آدمی کسب معاش نہیں کر سکتا۔ ۳۔ جہاد میں شریک ہوئے تھے لیکن ایسے زخمی ہوئے کہ اب ان کی زندگی برائے نام زندگی ہے لیکن کسب معاش کے قابل نہیں رہے اور اندھے ہوگئے' لنگڑے ہوگئے۔ ان کے ہاتھ پاؤں مثلہ کر دیئے گئے کہ اب وہ کسب معاش کے قابل نہیں رہے۔ اس طرح کے سارے لوگ خلافت اسلامی کے ذمہ ہیں کہ ان کی ساری ضروریات زندگی کا بندوبست کرنا ہے لہٰذا خلافت اسلامی کا حق ہے کہ ان صداقات و خیرات کے مالوں کو باقاعدہ وصول کر کے ان لوگوں پر خرچ کرے۔ ہاں! اگر خلافت

Marfat.com

أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُم بِسِيمَٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ ۝٢٧٣ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُم

کسی طرح کی احتیاج [477] نہیں۔ کیونکہ ان کی ظاہری حالت ایسی سفید پوشی کی ہے تم غور و فکر ہی سے ان کی حالت جان سکتے ہو۔ وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال کرنے والے نہیں اور خوب یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی نیکی کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے [478]۔ ۲۷۳

مختصر یہ کہ جو لوگ رات [479] کی تاریکی اور دن کی روشنی میں پوشیدہ طور پر اور کھلے

اسلامی کسی وجہ سے نہ موجود ہو تو معاشرہ کے سرکردہ لوگوں کے ذمہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خیال رکھیں۔
ہاں! الفاظ کی وسعت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جن لوگوں کی زندگیاں اسلام میں وقف کر دی گئی ہوں اور اس طرح بھی وہ اپنی معاش پیدا کرنے کے قابل نہ رہے ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس قسم کے رضاکاروں کا ایک گروہ موجود تھا جو تاریخ اسلامی میں اصحاب صفہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں یہ کوئی تین چار سو آدمی تھے اگرچہ پہلے ان کی تعداد کم تھی لیکن بعد میں وہ زیادہ ہوگئے جو اپنے اپنے گھربار چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آگئے تھے اور ہمہ وقت نبی کریم ﷺ کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ ہر خدمت کے لئے ہر وقت حاضر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس مہم پر چاہتے ان کو بھیج دیتے اور جب مدینہ سے باہر کوئی کام نہ ہوتا تو یہ لوگ مسجد نبویؐ میں رہ کر دین کا علم حاصل کرتے اور دوسروں کو دین الٰہی سکھاتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ پورا وقت اسلام کی راہ میں دے چکے تھے یا اسلام نے ان کا پورا وقت لے لیا تھا اور اب ان کی ضروریات زندگی بھی اسلام کے ذمہ لازم تھیں اور ابھی کوئی مستقل نظام قائم نہ ہوا تھا اندریں صورت ان پر روپیہ خرچ کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی پہچان مسلمان کو خود کرنا ہوگی

۴۷۷ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی غیرت و خودداری گوارا ہی نہیں کرتی کہ وہ لوگوں کو اپنی حالت بتائیں

Marfat.com

اور اپنی طرف متوجہ کر سکیں کیونکہ دست سوال بڑھانا ان کے بس کا معاملہ نہیں ہے۔ ناواقفوں کو ان کی حالت دیکھ کر کبھی گمان نہیں ہو سکتا کہ ان کو بھی کسی قسم کی حاجت ہو سکتی ہے بلکہ ان کو دیکھ کر ناواقف تو یہی گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال لوگ ہیں مستحق امداد نہیں۔ کیوں؟ ان کے سوال نہ کرنے کے باعث ناواقف انہیں غنی ہی خیال کرے گا۔ گویا اسلام کی نگاہ میں اسلامی معاشرہ کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کی زندگیوں کو اچھی طرح جانتے اور سمجھتے رہیں اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں۔ یعنی قریب رہنے والے لوگ جن کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا رہتا ہے ایک محلہ میں رہنے کی وجہ سے۔ ایک مسجد میں اکٹھا ہونے کی وجہ سے۔ ہمسائیگی کے لحاظ سے۔

پھر فرمایا "اِلْحَافًا" یعنی اگر ان کی ظاہری حالت کچھ بتاتی بھی ہو جیسے جوتا کپڑے ظاہری ساخت اور ڈیل ڈول سے محسوس بھی ہوتا ہے لیکن وہ لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے اس وجہ سے ان کی پہچان نہیں ہو سکتی جب کہ معاشرہ میں سوال کرنے والے بھی موجود ہیں حالانکہ ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ سوال کرنے یا مانگنے کے مستحق نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ مانگتے پھرتے ہیں اور پھر ہر ایک سے مانگتے ہیں اور سب کچھ مانگتے ہیں اور ہر وقت مانگتے رہتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے مستحق بھی ہوتے ہیں کہ اگر وہ سوال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں تاہم وہ سوال نہیں کرتے۔ کیوں نہیں مانگتے؟ اس لئے کہ مانگنا اور پھر خصوصاً پیچھے ہی پڑ جانا نہایت بری عادت ہے اور وہ بھی اس کو برا جانتے اور سمجھتے ہیں لہٰذا وہ تقاضا نہیں کرتے۔

مال لینے والوں اور دینے والوں سب کو اللہ جانتا ہے

۴۷۸ فرمایا جا رہا ہے کہ مال خرچ کرنے والوں یعنی صدقہ و خیرات دینے والوں اور صدقہ و خیرات لینے والوں سب کو اللہ جانتا ہے۔ علم الٰہی سے کوئی بھی پوشیدہ نہیں۔ زیر نظر آیت پر ان پیشہ ور واعظوں اور پیروں کو خصوصاً غور کرنا چاہئے اور اپنے استحقاق پر بھی کہ وہ قوم کو کس طرح اور کس انداز سے لوٹ رہے ہیں۔ کیا یہ ان کا حق ہے؟ کیا ان کے اس کام سے اللہ ناواقف ہے؟ کیا وہ اللہ کے ہاں جواب دہ نہیں؟ کیا ان کو کبھی خیال نہیں آیا کہ قرآن کریم ان کے متعلق کیا کہتا ہے؟ چنانچہ قرآن کریم میں ہے

"مسلمانو! یاد رکھو علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق اور ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں اور جو لوگ چاندی، سونا اپنے ذخیروں میں ڈھیر کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی اطلاع پہنچا دو۔ عذاب دردناک کا وہ دن جب کہ ان کا جمع کیا ہوا سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو، اور ان کی کمریں داغی جائیں گی اور اس وقت ان کو کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزہ آج چکھ لو۔"

Marfat.com

بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۲۷۴

طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو یقیناً ان کے رب کے ہاں ان کا اجر محفوظ ہے نہ تو ان کے لئے عذاب کا ڈر ہوگا اور نہ ہی وہ رنجیدہ[۴۸۰] خاطر ہوں گے۔ ۲۷۴

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا اجر محفوظ ہے

۴۷۹ ان لوگوں کے اجر عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی ہیں۔ حالات کچھ بھی ہوں جب رضائے الٰہی میں خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ تیار ہوتے ہیں اور دنیا کی کوئی چیز ان کو مانع نہیں ہوتی۔ رات ہو یا دن' خفیہ ہو یا اعلانیہ ہر طرح وہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے ضمن میں یہ بھی بتا دیا کہ صدقہ و خیرات کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے جب کہ وہ صدقہ فرائض میں سے نہ ہو جیسے زکوٰۃ۔ نہ رات اور دن کی کوئی تعین ہے اور نہ خفیہ و علانیہ کی کوئی قید۔ اس خرچ کرنے میں صرف اپنے مال کو دیکھنا ہے کہ صحیح کمائی کا مال ہے اور جہاں خرچ کرنا ہے اس کو دیکھنا ہے کہ یہ جگہ خرچ کرنے کی صحیح جگہ ہے اور پھر طریقہ کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے کہ یہ طریقہ جس طریقہ سے مال خرچ کیا جا رہا ہے صحیح ہے یا نہیں۔ ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر جو مال خرچ کیا جاتا ہے اور خرچ کرنے سے ناک و نمود کا مسئلہ بھی نہیں بلکہ رضائے الٰہی کے لئے خرچ کیا جا رہا ہے تو اس کا اجر انشاء اللہ یقیناً محفوظ ہے جو کبھی ضائع ہونے والا نہیں۔ یہی وہ زندہ و جاوید صدقہ ہے جو قیامت تک برابر بڑھتا بھی رہے گا اور اس کا اجر اتنا ہوگا کہ صدقہ کرنے والا خود حیران ہوگا کہ میرے پاس اتنا مال ہی کہاں تھا جو میں نے خرچ کیا لیکن اس کو کہا جائے گا کہ یہ تیرے ہی خرچ کئے ہوئے مال کا نتیجہ ہے جو تو نے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کیا تھا چونکہ یہ زندہ صدقہ تھا برابر بڑھتا رہا اور آج تجھے اس قدر نظر آ رہا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے قانون کے مطابق بغیر حساب کے دے دیتا ہے۔ یعنی اتنا دیتا ہے کہ خود خرچ کرنے والے کو مال اتنا بڑھ جانے کی امید نہیں ہوتی اور مال اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

اسی کے متعلق ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ، لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (فاطر ۳۵ : ۲۹' ۳۰) "جو لوگ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے رات دن خرچ کرتے ہیں

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ

جو لوگ ان حاجت مندوں[۴۸۱] کو دینے کی بجائے ان سے سود لینے کے عادی ہوں وہ قیامت کے روز اپنے رب کے سامنے اسی طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان[۴۸۲] کے

وہ ایک ایسی تجارت کی امید لگائے ہوئے ہیں جس کو کبھی خسارہ نہیں ہوگا۔ تاکہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے ان کو دے اور اپنے فضل سے ان کو مزید عطا فرمائے بے شک وہ بڑا بخشنے والا، قدر دان ہے۔"

راستہ الٰہی میں خرچ کرنے والے کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوں گے

۴۸۰ فطرت انسانی ہے کہ انسان ہمیشہ خسارہ سے ناخوش اور نفع پر خوش ہوتا ہے۔ جب سودا نفع کا رہا تو آخر وہ ناخوش ہوں گے ہی کیوں؟ نفع بھی اتنا کہ سو کا سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ یہ تو خوشی ہی خوشی ہے۔ پھر جب اس دنیائے فانی کے نفع پر آدمی خوش ہوتا ہے حالانکہ نفع بھی فی الحقیقت کوئی نفع نہیں بلکہ اکثر اوقات آخرت کے نقصان ہی کا باعث ہوتا ہے۔ پھر جہاں نہ انسان کو فنا ہے اور نہ انسان کے نفع کو کبھی فنا ہے دونوں کی زندگی ہی زندگی ہے تو ایسے نفع پر تو انسان جتنا خوش ہو لے اس کا فطری حق ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ (حم السجدہ ۴۱ : ۳۰) "جن لوگوں نے اقرار کیا کہ صرف اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے پھر اپنے کاموں کے اندر اس اعتقاد کا ثبوت دے کر درجہ استقامت حاصل کر لیا۔ ماسوا کی طرف سے ان پر طمانیت و سکینت کے فرشتے نازل ہوں گے اور ان کو مطمئن کر دیں گے کہ نہ کسی طرح کا خوف اپنے دلوں میں لاؤ اور نہ غمگین ہو۔ اور اس جنت کی زندگی میں رہو جس کا تم ایسے استقامت والے مومنوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَیْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ۝ (النمل ۲۷ : ۸۹) "جو شخص نیکی لے کر حاضر ہوگا تو اس کو اس نیکی سے بہتر بدلہ ملے گا۔ اور یہ لوگ اس دن گھبراہٹ سے امن میں رہیں گے۔"

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے:

لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝ (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۳) "انہیں روز قیامت کی بڑی سے بڑی ہولناکی بھی ہراساں نہ کرے گی۔ فرشتے انہیں بڑھ کر لیں گے اور کہیں گے

Marfat.com

یہ ہے وہ تمہارا جس کا کلام حق میں تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

پہلی بات اس جگہ زیر نظر آیت میں ارشاد فرمائی گئی کہ "ان کے رب کے ہاں ان کا اجر محفوظ ہے نہ تو ان کے لئے عذاب کا ڈر ہوگا اور نہ ہی وہ رنجیدہ خاطر ہوں گے۔"

جو لوگ حاجت مندوں کے لئے تنگی کا باعث ہوتے ہیں ان کی حالت

۴۸۱ نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشوونما نہیں پا سکتی تھی اگر اس کا حکم دیتے ہوئے ان باتوں سے روک نہ دیا جاتا جو ٹھیک ٹھیک اس کی ضد ہیں پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سود کی ممانعت کر دی گئی جو دنیا میں دوسری قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھی۔

دین حق انسانوں میں باہمی محبت و ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے اس نے خیرات کا حکم دیا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی حاجت روائی کرے اور اس کی احتیاج کو اپنی احتیاج سمجھے لیکن سود خوری کی ذہنیت بالکل اس کی ضد ہے۔ سود خور ایک انسان کو حاجت مند دیکھتا ہے تو اس کی مدد کا جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ سود خور چاہتا ہے اس کی احتیاج اور بے بسی سے اپنا کام نکال لے اور اس کی محتاجی کو اپنی دولتمندی کا ذریعہ بنائے۔ خود غرضی کا یہ جذبہ اگر بے روک بڑھتا رہے تو پھر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان میں انسانی ہمدردی کو بو باس تک باقی نہیں رہتی۔ وہ ایک بے رحم اور بے پناہ درندہ بن جاتا ہے۔

مشہور و معروف سودی قرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لئے مجبور اور حاجت مند لوگ لیتے ہیں۔ دوسرا وہ قرض جو تجارت اور صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ کے کاموں میں خرچ کرنے کے لئے پیشہ ور لوگ لیتے ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم کے قرض کو تو ایک دنیا جانتی ہے کہ اس پر سود وصول کرنے کا طریقہ نہایت تباہ کن ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس میں مہاجن افراد اور مہاجن ادارے اس ذریعے سے غریب مزدوروں' کاشتکاروں اور قلیل المعاش عوام کا خون نہ چوس رہے ہوں۔ سود کی وجہ سے اس قسم کا قرض ادا کرنا ان لوگوں کے لئے سخت مشکل بلکہ بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے پھر ایک قرض کو ادا کرنے کے لئے وہ دوسرا پھر تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں۔ اصل رقم سے کئی کئی گنا سود دے چکنے پر بھی اصل رقم جوں کی توں باقی رہتی ہے۔ محنت پیشہ آدمی کی آمدنی کا بیشتر حصہ مہاجن لے جاتا ہے اور اس غریب کی اپنی کمائی میں سے اس کے پاس اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے بھی کافی روپیہ نہیں بچتا۔ یہ چیز رفتہ رفتہ اپنے کام سے کارکنوں کی دلچسپی ختم کر دیتی ہے کیونکہ جب ان کی محنت کا پھل دوسرے لے اڑے تو وہ کبھی دل لگا کر محنت نہیں کر سکتے پھر سودی قرض کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ہر وقت کی فکر اور پریشانی اس قدر گھلا دیتی ہے اور تنگ دستی کی وجہ سے ان کے لئے صحیح غذا اور علاج اس قدر مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی صحت کبھی درست نہیں رہ سکتی اسی طرح سودی قرض کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ چند افراد تو لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمیوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے رہتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی پوری قوم کی پیدائش دولت

Marfat.com

اپنے امکانی معیار کی بہ نسبت بہت ہی گھٹ جاتی ہے اور مال کار خود وہ خون چوسنے والے افراد بھی اس کے نقصانات سے نہیں بچ سکتے کیونکہ ان کی اس خود غرضی سے غریب عوام کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان کی بدولت مال دار لوگوں کے خلاف غصے اور نفرت کا ایک طوفان دلوں میں اٹھتا اور گھٹتا رہتا ہے اور کسی انقلابی ہیجان کے موقع پر جب یہ آتش فشاں پھٹتا ہے تو ان ظالم مالداروں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور آبرو تک سے ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔

ان آیات کریمات میں جس سود کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی سود ہے جو اس وقت کے لوگوں میں وبائی مرض کی طرح پھیلا ہوا تھا جب قرآن کریم کا نزول ہوا جس کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ قرآن کریم نے کر دیا اور مختلف مقامات پر اس کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر بھی کیا گیا باقی جتنی صورتیں سودی قرض کی ہیں وہ سب کی سب بعد کی بنائی ہوئی ہیں اور آئے دنوں نئی نئی صورتیں اور شکلیں پیدا ہو رہی ہیں اور لوگ علماء کے گرد جمع ہیں کہ کون سا سود جائز ہے اور کونسا ناجائز اور علماء بھی وقت کی رعایت کے ساتھ کسی کو سود اور کسی کو نفع کا نام رکھ دیتے ہیں جس کی تفصیل بہت لمبی ہے۔

سود خور قیامت کے روز اس طرح ہوگا جیسے کوئی مخبوط الحواس ہوتا ہے

۴۸۲ اس جگہ چھ آیتیں ہیں جن میں سود کی حرمت کے احکام بیان کئے گئے ہیں یعنی آیت ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک۔ قرآن کریم نے اس پہلی آیت یعنی آیت ۲۷۵ ہی میں اسی حالت کو جو سود خوار کی حالت ہوتی ہے مرگی کے مرض سے تشبیہ دی ہے جسے عربی میں شیطان کے مس سے تعبیر کرتے تھے یعنی مال و زر پرستی کے جوش سے تمام انسانی احساسات فنا ہو جاتے ہیں اور وہ پیسے کے پیچھے اندھا دھند دوڑتا ہے۔ گویا اس آیت میں ان کی رسوائی اور گمراہی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اپنے رب کے ہاں اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کے اثر سے مخبوط الحواس آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ یعنی مرگی کے روگ والا۔

یہ ایک حالت تھی جو اس جنونی کی بیان کی گئی ہے جس کو مال بڑھانے کا خبط ہے اور اس کو حق و ناحق اور جائز و ناجائز سے کوئی بحث نہیں۔ وہ دولت کے پیچھے ایسا اندھا دھند لگ گیا ہے کہ اس کو کچھ سجھائی نہیں دیتا اس کے دل و دماغ میں صرف اور صرف ایک ہی بات پیوست ہو چکی ہے کہ ہائے مال۔ جس کی حالت یہ ہے کہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (الھمزہ ۱۰۴ : ۲) "وہ مال جمع کرنے اور اس کو گن گن کر رکھنے میں مصروف رہتا ہے۔"

ایک جگہ ارشاد ہوا اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِیْدٌ (العادیات ۱۰۰ : ۸) "اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے۔"

ایک جگہ فرمایا گیا : اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝ (التکاثر ۱۰۲ : ۱۔۲) "مال کی کثرت نے

Marfat.com

تمہیں بیدار ہونے ہی نہیں دیا ایسا غفلت کا پردہ تم پر پڑا کہ پوری زندگی اتر ہی نہ سکا یہاں تک کہ قبروں کا چہرہ تمہیں نظر آگیا۔"

یہ ان پیسے کے پجاریوں کی حالت تھی جو مختلف تماثیل میں بیان کی گئی تاکہ قوم مسلم کے افراد ان کی اس حالت سے نفرت کریں اور ان کو اچھی نگاہ سے دیکھنے کی بجائے بری نظروں میں دیکھیں۔ ان عادات و خصائل کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے تاکہ مسلم قوم کے کسی فرد کو یہ بیماری لگ نہ جائے۔ کیونکہ اکثر ایسی بیماریاں نسلی ہوتی ہیں جو نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ سود کھانے اور مال جمع کرنے کا مرض بھی ان ہی مہلک امراض میں سے ایک ہے۔ جس طرح کفر' شرک اور منافقت ایمان کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہیں اسی طرح ایک بیماری سود کی بھی ہے۔ سود کھانے والا فرد ہو یا کوئی ادارہ ان کے ایمان کا بھی جنازہ نکل چکا ہوتا ہے۔

یہاں جس حالت کو "یَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" کے الفاظ سے بیان کیا گیا تھا۔ ہمارے مفسرین کی اکثریت اور علمائے کرام کی کثرت نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کر لیا کہ جنات و شیاطین انسان میں حلول کر جاتے ہیں اور ان سے ایسے ایسے فعل سرزد کراتے ہیں۔ پس پھر کیا ہوا کہ قوم کے نوجوانوں زیادہ تر نوجوان عورتوں کو جنات کی زد میں لے آئے اور مختلف طریقوں سے ان کے نام رکھ لئے۔ پھر جن ڈالنے والے اور نکالنے والے پیدا ہوگئے اور قوم کو ایسا بے وقوف بنایا کہ ان سود خواروں سے بھی بڑھ گئے جن کی مذمت میں یہ الفاظ بیان کئے گئے تھے۔

قوم مسلم کا ایک دکھ دور کرنے کی قرآن کریم نے کوشش کی اور ان دکھ دینے والوں کو انسانیت سے خارج کر دینے والی حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کو جن الفاظ سے یاد کیا تھا ان ہی الفاظ سے قوم کو ایک کی بجائے بیسیوں دکھ دینے والے وہ لوگ خود ہوگئے جن کی طرف قرآن کریم جیسی ہدایت کی کتاب آئی تھی۔ اب مولویوں' پیروں اور عالموں نے اس کاروبار کو اتنی ترقی دی کہ سودی کاروبار کرنے والوں کو شکست دے کر بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ سود خوروں کی قرآن کریم نے مذمت کی اور قوم کے ہر فرد خواہ وہ سود خوار ہو یا سود دینے والا سب نے اس فعل کو برا جانا' مانا اور سمجھا لیکن ان شاطروں نے اتنی چالاکی اور بے باکی سے کام لیا کہ اس کو قرآن کریم سے ثابت کر دکھایا اور اپنے پیٹ کی خاطر ان سودیوں سے نجات دلانے کی بجائے نئے سود کی راہیں کھول دیں۔ وہ سودی تو کچھ رقم صرف کر کے بڑھوتری کے نام پر سود لیتے تھے ان سودیوں کی نہ ہلدی لگی نہ پھٹکری اور سود کی ایسی راہیں نکالیں کہ دم چھو کو راس المال بنا کر من مانا سود کھایا اور ایسی شاطرانہ چال چلی کہ سود کو سود بھی ثابت نہ ہونے دیا بلکہ ہم خرما و ہم صواب کے مصداق ہوگئے۔

اس وقت پوری قوم کے اندر پھر کر دیکھ لو شہر ہو یا دہ' بستی ہو یا گاؤں' جنگل ہو یا ڈیرہ کوئی جگہ بھی ان ساحروں کی سود خواری سے بچی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ قوم کے بڑے بڑے مترفین اور وڈیرے' خود سودی کاروبار کرنے والے حتیٰ کہ ڈاکو اور لٹیرے بھی ان کے چنگل سے بچ نہ سکے' آج اگر سارا سودی نظام ختم کر دیا

Marfat.com

الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ
بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ

اثر سے مخبوط الحواس آدمی کھڑا ہوتا ہے یعنی جیسے مرگی کے روگ والا۔ ایسا کیوں ہوگا؟
اس لئے کہ انہوں نے کہا خرید و فروخت[۹۸۳] کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے قرض دے کر سود لینا

جائے تو بھی ان سود خوروں کا کوئی نقصان نہیں ہو گا کیونکہ اس سود کی سند جواز انہوں نے قرآن کریم سے اخذ کر لی ہے اور پھر جتنے مکاتب فکر اس ملک کے اندر موجود ہیں ان سب کے مذہبی راہنماؤں کی تائید بھی ان کو حاصل ہے الاماشاء اللہ۔

تعجب ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنی پریشانیاں ہیں اگر ان کو شمار کرنا شروع کیا جائے تو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اگر ان سودی ساحروں اور سحرزدہ مولویوں' پیروں اور صوفیوں کے پاس خبطی کر دینے والے جنات و شیاطین موجود ہیں تو یہ کیوں ان عالم اسلام میں پریشانیاں پیدا کرنے والوں پر نہیں چھوڑتے تاکہ یہ ان کو تہس نہس کریں اور عالم اسلام کو ان پریشانیوں سے بچالیں۔ آخر ان کے جنات و شیاطین مسلم قوم کی جوان عورتوں اور مردوں ہی پر کیوں کام کرتے ہیں؟

حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم نے یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ کی تشریح خود کر دی جہاں مشرکین کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :

قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤی اَعۡقَابِنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ کَالَّذِی اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّیٰطِیۡنُ فِی الۡاَرۡضِ حَیۡرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ یَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَی الۡهُدَی ائۡتِنَا (الانعام ۶ : ۷۱) ''اے پیغمبر اسلام! ان لوگوں سے پوچھو کیا تم چاہتے ہو ہم خدا کو چھوڑ کر انہیں پکاریں جو بے بس اور عاجز مخلوق ہیں نہ تو ہمیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور باوجودیکہ خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا چکا ہے لیکن ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیاطین نے بیابان میں گمراہ کر دیا ہو کہ وہ حیران و پریشان پھر رہا ہے اور اس کے ساتھی ہیں جو اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ تو کدھر کھویا گیا ادھر آ' ادھر آ؟

اس آیت میں جس طرح ایک منکر حق کی مثال بیان کی گئی ہے اور زیر نظر آیت میں جس کی یہاں تشریح کی جا رہی ہے اس میں سود خوار کی مثال بیان کی ہے۔ یہاں بھی یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ مومن وحی و نبوت کی ہدایت اور علم یقین کی روشنی اپنے سامنے رکھتا ہے اس لئے فلاح و سعادت کی شاہراہ سے وہ کبھی نہیں بھٹک سکتا لیکن منکر حق کے سامنے کوئی روشنی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی بیابان میں کھویا گیا ہو اور

Marfat.com

حیران و سرگرداں پھر رہا ہو کبھی ایک طرف کو دوڑے کبھی دوسری طرف کو کوئی معین اور یقینی راہ اس کے سامنے نہ ہو۔ ایمان و کفر کو سمجھنے کے لئے اس مثال پر غور کرو جس قدر غور و فکر کرتے جاؤ گے حقیقت کی وضاحت خودبخود ہوتی چلی جائے گی۔

سود خور مخبوط الحواس کیوں ہو گا؟

۴۸۳ کسی مریض کا علاج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مرض کا کھوج لگایا جائے۔ وجہ معلوم کی جائے کہ یہ مرض کیوں ہے؟ جب تک یہ معلوم نہ ہو اس وقت تک علاج کوئی علاج نہیں بلکہ ایک تکہ ہے کہ لگ گیا تو لگ گیا۔ اگر نہ لگا تو طبیب کی بلا سے اس کی غرض تو پوری ہو گئی کہ پیسہ اس کو مل گیا۔ سود خوار کی بیماری بھی بالکل اس طرح کی بیماری ہے کہ اس نے اس بیماری کو کبھی بیماری تسلیم ہی نہیں کیا اور یہی اس کے شیطان سے خبطی ہونے کی علامت ہے۔ اس لئے اس کا یہ روگ کبھی جانے والا نہیں۔ یہاں دراصل شیطان اس کی اپنی ہی قوت واہمہ کو کہا گیا ہے اور وہم کا مریض ہمیشہ اپنے وہم کے ساتھ ہی قبر کے گڑھے میں دفن ہوتا ہے۔ فرمایا سودی بھی اس وہم میں مبتلا ہوتا ہے کہ ایک تاجر تجارت پر پیسہ خرچ کر کے دوگنے کرتا ہے تو وہ حلال ہے اور ایک سودی اپنے روپے کو خرچ کر کے سوایا ڈیوڑھا کر لیتا ہے تو وہ حرام کیسے ہو گیا؟ اس طرح کی دلیلیں قائم کر کے وہ دراصل سود کے ناجائز ہونے سے انکاری ہے اس کو جواب دیا جاتا ہے کہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام تو پھر دونوں باتیں ایک طرح کی کیسے ہو سکتی ہیں؟

یہ جواب اس کو کیوں دیا گیا؟ اس لئے کہ موضوع تھا صدقات و خیرات کا اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے کا۔ ایک انسان پر دوسرے انسان کے حقوق کا۔ الٰہی رضامندی حاصل کرنے کا۔ بتایا یہ جا رہا تھا کہ سود کی لعنت وہ لعنت ہے جو صدقات و خیرات کے جذبہ کو روکتی ہے۔ دوسروں کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے سے مانع ہے۔ انسان کے انسان پر جو حقوق ہیں ان کی نفی کرتی ہے اور رضائے الٰہی کی جگہ خواہش نفس کی پرستار بناتی ہے اس لئے وہ حرام ہے۔ لیکن سود کھانے والے کے وہم و گمان نے ان سب باتوں کو چھوڑ کر مثال میں منطبق کرنے کے لئے تجارت کے موضوع کو تلاش کیا ان ساری باتوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس لئے کہ خواہش نفس کا پرستار اصل موضوع کو خلط ملط کر کے اپنا مطلب حاصل کرتا ہے اور قرآن کریم ایسے لوگوں سے کبھی الجھنا پسند نہیں کرتا وہ صرف اپنا موقف بیان کر کے آگے بڑھ جاتا ہے اور یہاں بھی اس نے یہی کیا ہے۔

کسی بات کو سمجھانا اس جگہ مفید ہوتا ہے جب مخاطب بھی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور جب مخاطب سمجھنے کی بجائے الجھنے کی کوشش کرے وہاں سمجھانا کبھی مفید نہیں ہوتا۔ یہ وہ نکتہ یا اصول ہے جس کو قرآن کریم نے اختیار کیا ہے اور وہ کسی موقعہ پر بھی اس کو نہیں چھوڑتا بلکہ وہ اپنے قارئین کو یہ اصول اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ امید ہے کہ اب بات سمجھ میں آجائے گی کہ سود خور مخبوط الحواس کیوں ہو گا؟

Marfat.com

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷۵

حالانکہ خرید و فرخت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے [۴۸۴] دونوں باتیں ایک جیسی کیسے ہو سکتی ہیں؟ ہاں! اب جس کسی کو اس کے رب کی یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ اپنی اس حرکت سے باز آ گیا یعنی سود لینا چھوڑ دیا البتہ جو پہلے لے چکا اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے لیکن جو شخص باز نہ [۴۸۵] آیا یعنی سود لیتا ہی رہا وہ یقیناً دوزخی گروہ سے ہے جو ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔ ۲۷۵

جیسا جرم ویسی سزا قانون الٰہی کے عین مطابق ہے

۴۸۴ جرم و سزا میں مناسبت ہونا ہی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سزا کسی شخص یا جماعت کو کسی جرم کے مقابلہ میں دی جاتی ہے وہ یقیناً اس جرم کے مناسب ہوتی ہے۔ اس لئے سود خواروں کو خبطی بنا کر محشر میں اٹھانا شاید اس کا اظہار ہے کہ سود خوار روپیہ پیسہ کی حرص میں اس قدر مدہوش ہوتا ہے کہ اس کو نہ کسی غریب پر رحم آتا ہے نہ کسی کی شرم مانع ہوتی ہے۔ وہ چونکہ اپنی زندگی میں درحقیقت بے ہوش و بدمست تھا اس لئے محشر میں بھی اس حالت میں اٹھایا جائے گا گویا یہ سزا اس لئے دی گئی کہ دنیا میں اس نے اپنی بے عقلی کو عقلی رنگ میں ظاہر کیا کہ بیع کو مثل سود قرار دیا اس لئے اس کو بے عقل ہی اٹھانا چاہئے تھا گویا اس کے ساتھ وہی ہوا جو اس نے خود اپنے لئے اختیار کیا تھا۔ اور آخرت میں ہے ہی کیا؟ اپنے کئے کی جزا۔

اب دو صورتوں میں سے ایک ضرور ہوگی یا تو سود خور سود کی ناپاکی و خبث کو سمجھ کر سود لینا چھوڑ دے گا ہاں! جو پہلے لے چکا وہ لے چکا اور پھر اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اس کے ذمہ صرف معافی کی درخواست کرنا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ سود کو بزعم خویش بیع و شرا پر منطبق کر کے کھاتا رہے گا یعنی وصول کرتا رہے گا۔ یاد رہے کہ اگر صورت دوسری اختیار کی یعنی سود لیتا ہی رہا تو وہ اب دوزخی گروہ میں پکا ہو گیا۔ یہ سزا تو اس کی آخرت کی سزا ہے لیکن دنیا میں بھی وہ کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا کیونکہ اس کی پیٹھ پیچھے تو ہر کوئی اس کو برا کہے گا۔

Marfat.com

سود خور کا انجام یقیناً برا ہے

۴۸۵ ذرا غور کریں کہ برے کام کا انجام کبھی اچھا بھی ہو سکتا ہے؟ سود خوار تو دوہرے جرم کا مجرم ہے اس نے بیک وقت دو جرم کئے۔ ایک تو بذریعہ سود حرام مال کھایا اور دوسرے اس کو حلال سمجھا اور حرام کہنے والوں کے جواب میں یہ کہا کہ بیع و شراء بھی تو بیع ہی کی مثل ہے جس طرح ربا کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح بیع و شراء کے ذریعہ نفع مقصود ہے۔ اگر سود حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہئے حالانکہ اس کو تو کوئی بھی حرام نہیں کہتا۔ اس جگہ بظاہر مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ اس طرح کہتا کہ ربا بھی تو مثل بیع کے ہے جب بیع حلال ہے تو ربا بھی حلال ہونی چاہئے مگر اس نے طرز بیان بدل کر حرام کہنے والوں پر ایک قسم کا استہزاء کیا کہ تم ربا کو حرام کہتے ہو تو بیع کو بھی حرام کہو؟

فرمایا کہ عجیب منطق ہے ان لوگوں کی کہ یہ بیع کو ربا کی مثل اور برابر قرار دیتے ہیں حالانکہ عنداللہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ اللہ نے ایک کو حلال قرار دیا ہے اور دوسرے کو حرام پھر دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

اگر ان سے یہ پوچھ لیا جائے کہ دنیا کے علائق و تعلقات میں ایک کو تم ماں یا بہن کہتے ہو اور ایک کو بیوی۔ آخر عورت ہونے میں ان کا ذرا فرق واضح کرو اپنی نظر دوڑاؤ جہاں تک دوڑانا چاہتے ہو ایک بار نہیں بار بار دوڑاؤ اور فرق بیان کرو۔ اگر بیوی عورت ہے تو کیا ماں یا بہن عورت نہیں؟ پھر ایک کو حلال اور دوسری کو حرام کیوں کہتے ہو؟

اگر ان سے پوچھ لیا جاتا کہ ان جانوروں میں سے جو حلال کہلاتے ہیں جیسے گائے، بھینس بکری تم نے اپنے گھر رکھ کر پرورش کیا لیکن مشیت ایزدی کے مطابق ان میں سے ایک کی موت واقع ہوگئی۔ جس کی موت واقع ہوئی اس کو تم کیا کہتے ہو؟ حلال یا حرام؟ انہی جانوروں میں سے آپ نے ایک جانور کو پکڑا اور اپنی ضرورت کے لئے اس پر چھری چلا کر اللہ کے نام سے ذبح کر لیا۔ ذرا بتاؤ کہ حلال ہوا یا حرام؟ کس کو کھاؤ گے اور کس کو نہیں؟ اگر طبعی موت مرے ہوئے کو نہیں کھا رہے تو کیا ذبح شدہ زندہ ہے؟ کیا دونوں مر نہیں گئے؟ ہاں! ایک کو اللہ نے مارا ہے اور دوسرے کو تم نے۔ کیا اللہ کا مارا حرام اور تمہارا مارا حلال ہے؟

تم خود ہی بتاؤ کہ سود خوار کا انجام برا کیوں نہ ہوگا؟ جو شخص نصیحت سن کر بھی اسی قول و فعل کی طرف عود کرے جس سے اللہ نے منع فرمایا اور اللہ کے منع فرمانے میں ایک نہیں سو حکمت ہوگی۔ اگر اس نے غور نہیں کیا یا سمجھ کا اتنا بودا ہے کہ حکمت کی بات کو وہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اللہ کا حکم اس کے گلے میں اس لئے اٹک گیا ہے کہ اس کی خواہش نفس کے خلاف ہے۔ گویا وہ اللہ کی بجائے اپنے نفس کا پجاری ہے۔ اس نے اپنی خواہش ہی کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور اسی وجہ سے تو وہ دوزخ کا مستحق قرار پایا؟ کیا دوزخی فرد ہو یا جماعت اس کا انجام اچھا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سود خوار کا انجام بھی یقیناً برا ہے۔

Marfat.com

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

اللہ سود[۴۸۶] کو مٹاتا ہے اور صدقہ و خیرات کو بڑھاتا ہے اور یاد رکھو اللہ ایسے ناقدر

سود کیا ہے؟ اللہ سود کو مٹاتا ہے' کا مطلب؟

۴۸۶ سود کیا ہے؟ سود کی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

الامر الذی کان مشھورا متعارفا فی الجاھلیۃ انھم کانوا یدفعون المال علٰی ان یاخذوا کل شھرا قدرا معینا ویکون راس المال باقیاثم اذا حل الدین طالبوا المدیون براس المال فان تعذر علیہ الاداء ازدادوا فی الحق والاجل (کبیر رازی)

زمانہ جاہلیت میں ربا ایک مشہور و متعارف امر تھا۔ ان کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ اس شرط پر قرض دیتے کہ ہر ماہ ایک معین رقم وصول کر لیا کریں گے اور اصل رقم بدستور باقی رہے گی۔ پھر جب قرض کے ادا کرنے کا وقت آجاتا تو قرضدار سے راس المال طلب کرتے۔ اگر وہ اصل رقم کے ادا کرنے ہی سے اپنے آپ کو معذور پاتا تو رقم اور مدت دونوں میں اضافہ کر دیتے۔

ہماری سمجھ کے مطابق پاک و ہند میں بھی بالکل اسی طرح کیا جاتا ہے۔ عرب اس کو رباء کہتے ہیں اور یہاں اس کو سود اور بیاج کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہاں بھی شیخ و خواجہ اور ساہوکار مہاجن یہی کچھ کرتے ہیں کہ سود و بیاج کو اپنی سہولت کے اعتبار سے ماہوار یا سال کے ختم پر کاغذی طور سے وصول کر کے راس المال میں شامل کر لیتے ہیں اور جب یہ صورت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو سود در سود کہنے لگتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق کوئی اختلاف عرب و عجم میں نہیں۔ ہاں! جوں جوں زمانہ ترقی پذیر ہے توں توں ربا و سود کے بھی نئے نئے طریقوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نئے نئے نام اور نئی نئی ترکیبوں سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ نزول قرآن کے وقت تو اس کو مس شیطان سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن آج لوگوں نے ایسی ایسی ترکیبیں نکال لی ہیں کہ شیطان کو بھی کان پکڑوا دیتے ہیں اور اگر یہ صحیح نہیں ہے تو پھر لوگ گویا خود ہی شیطان ہو گئے ہیں۔

سود کیا ہے؟ خوب سمجھ لو کہ کسی حاجت مند و ضرورت مند کی حاجت و ضرورت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا نام ربا یا سود ہے۔ ہم جنس اشیاء میں سے کم دے کر زیادہ وصول کرنے کا نام سود یا ربا ہے۔ دھوکہ اور فریب کر کے مال کمانا سود و ربا ہے۔ سرمایہ کاری کا ہر وہ طریقہ جس سے سرمایہ دار کا سرمایہ اس طرح بڑھے کہ غریب پہلے سے بھی غریب تر ہوتا جائے ایسی سرمایہ کاری سود و ربا کی سرمایہ کاری ہے "اللہ سود کو مٹاتا ہے" یہ فقرہ سود کی ممانعت کی علت ظاہر کرتا ہے اور لوگوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اللہ تمہارے سود لینے سے خوش نہیں اور نت نئے طریقے نکالنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب سود سود نہیں رہا۔ دین اسلام کا مقصد یہ ہے کہ سود کو مٹائے

Marfat.com

اور اس کے مٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کے جذبہ کو ترقی دی جائے۔ جس قدر صدقات و خیرات میں ترقی ہوگی سود اتنا ہی مٹتا چلا جائے گا۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے یعنی تم کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا ہے اور سود لینے کی عادت بد سے منع کرتا ہے۔ اگر خیرات کا جذبہ پوری طرح ترقی کر جائے تو سوسائٹی کا کوئی فرد محتاج و مفلس ہو ہی نہیں سکتا۔

"اللہ سود کی خواہش کو مٹا کر صدقہ و خیرات کی خواہش کو نشوونما دینا چاہتا ہے۔" اس آیت میں ایک ایسی صداقت بیان کی گئی ہے جو اخلاقی و روحانی حیثیت سے بھی سراسر حق ہے اور معاشی اور تمدنی حیثیت سے بھی۔ اگرچہ بظاہر سود سے دولت بڑھتی نظر آتی ہے اور صدقات سے گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے اللہ کا قانون فطرت یہی ہے کہ سود اخلاقی و روحانی معاشی اور تمدنی ترقی میں نہ صرف مانع ہوتا ہے بلکہ تنزل کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کے برعکس صدقات ہیں جن میں قرض حسنہ بھی شامل ہے اخلاق و روحانیت اور تمدن و معیشت ہر چیز کو نشوونما نصیب ہوتا ہے۔

اخلاقی و روحانی حیثیت سے دیکھئے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ سود دراصل خود غرضی' بخل' تنگ دلی اور سنگ دلی جیسی صفات کو جنم دیتا ہے اور انہی صفات کو انسان میں نشوونما بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات و خیرات نتیجہ ہیں فیاضی' ہمدردی' فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات کا اور صدقات پر عمل کرتے رہنے سے یہی صفات انسان کے اندر پرورش پاتی ہیں۔ کون ہے جو اخلاقی صفات کے ان دونوں مجموعوں میں سے پہلے مجموعہ کو بدترین اور دوسرے کو بہترین نہ مانتا ہو۔ دور نہ جاؤ کسی سود خوار ہی سے پوچھ کر دیکھ لو۔

تمدنی حیثیت سے دیکھئے تو بادنیٰ تامل سے یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آجائے گی کہ جس سوسائٹی میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خودغرضی کا معاملہ کریں۔ کوئی شخص اپنی ذاتی غرض اور اپنے ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے۔ ایک آدمی کی حاجت مندی کو دوسرا آدمی اپنے لئے نفع اندوزی کا موقع سمجھے اور اس کا پورا فائدہ اٹھائے اور مالدار طبقوں کا مفاد عامۃ الناس کے مفاد کی ضد ہو جائے۔ ایسی سوسائٹی کبھی مستحکم نہیں ہو سکتی۔ اس کے افراد آپس کی محبت کی بجائے باہمی بغض و حسد اور بے دردی و بے تعلقی میں نشوونما پائیں گے۔ اس کے اجزاء ہمیشہ انتشار و پراگندگی کی طرف مائل رہیں گے اور اگر دوسرے اسباب بھی اس صورت حال کے لئے مددگار ہو جائیں تو ایسی سوسائٹی کے اجزاء کا باہم متصادم ہو جانا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس کے برعکس جس سوسائٹی کا اجتماعی نظام آپس کی ہمدردی پر مبنی ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں جس میں ہر شخص دوسرے کی حاجت کے موقع پر فراخ دلی کے ساتھ مدد کا ہاتھ بڑھائے اور جس میں باوسیلہ لوگ بے وسیلہ لوگوں سے ہمدردانہ اعانت یا کم از کم منصفانہ تعاون کا طریقہ برتیں ایسی سوسائٹی میں آپس کی محبت' خیر خواہی اور دلچسپی نشوونما پائے گی اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ اور ایک دوسرے کے پشتیبان ہوں گے۔ اس میں اندرونی نزاع و تصادم کو راہ پانے کا موقع نہ مل سکے گا اس میں باہمی تعاون اور خیر

Marfat.com

كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

شناسوں، منکروں اور نافرمانوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ ۲۷۶

جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور پھر اچھے کام بھی کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو بلاشبہ ان کے رب کے ہاں ان کا اجر موجود ہے ان کے لئے کسی طرح کا خوف و ڈر نہیں اور نہ ہی وہ رنجیدہ خاطر ہوں گے۔ ۲۷۷

خواہی کی وجہ سے ترقی کی رفتار پہلی قسم کی سوسائٹی کی بہ نسبت بہت زیادہ تیز ہوگی۔

"اللہ ایسے ناقدر شناسوں، منکروں اور نافرمانوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔" اس فقرہ میں دونوں قسم کے نافرمان آگئے۔ وہ جو سود کا کاروبار کرتے ہیں اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ حرمت سود کے عقیدۃ" بھی منکر ہیں۔ "کفار" کافر سے صیغہ مبالغہ ہے یعنی ناشکرے اور کفران نعمت کرنے والے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو جواز سود کے قائل ہیں یعنی سود کو بیع و شراء کی مانند بتاتے ہیں۔ جس شخص پر اللہ اپنا فضل کرے کہ اسے اس کی اپنی ضروریات سے زیادہ مال دے اور پھر وہ اس مال کو بندوں کی آذاء رسانی پر صرف کرے تو اس سے بڑھ کر سوء استعمال کی مثال اللہ کے فضل کی اور کیا ہوگی اور ایسے بدبخت سے بڑھ کر ناشکرا اور کون قرار پائے گا؟ "اثیم" بڑے گنہگار، یعنی سود خواری جیسی شدید معصیت میں مبتلا۔ ایسا گنہگار جو دین و دنیا دونوں میں رسوائی سے دوچار ہوگا۔ یعنی بے لذت گناہ کرنے والا۔ اور سود خوار ہی دنیا میں وہ انسان ہے جو صحیح معنوں میں لذت گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ سود خوار کو مال کے خرچ ہونے کا غم ہمیشہ بے قرار رکھتا ہے جس سے اس کو دن کا آرام اور رات کا چین کبھی نصیب نہیں ہوا اور یہ بھی اس کے گنہگار ہونے کی خاص علامت ہے۔

اللہ والوں کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ کبھی بے چین نہیں ہوتے

۴۸۷ اس معاشرہ میں رہنے والوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا پرست، فیاض اور انسانوں کے نہایت ہی ہمدرد ہوتے ہیں مخلوق اور اللہ دونوں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنی قوت بازو سے کما کر خود بھی کھاتے اور استعمال کرتے ہیں اور دوسروں کو کھلاتے اور استعمال کراتے ہیں۔ وہ رضائے الٰہی کے لئے جب

Marfat.com

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا

اے مسلمانو! اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ لازم بنا رکھا ہے اسے چھوڑ دو۔ [۴۸۸] ۲۷۸

یاد رکھو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے [۴۸۹] کے

خرچ کا وقت آتا ہے تو دل کھول کر مال کو خرچ کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن سے صالح سوسائٹی تشکیل پاتی ہے جس میں ان کو خاص مقام حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے ان کا مال موجب فلاح ہے۔ اللہ کے خاص فضل و کرم سے یہ لوگ نہ تو دنیا میں ہی کبھی بے چین ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی انشاء اللہ ان کے لئے بے چینی نہیں ہوگی۔ ایسے خادم خلق انسانوں کی خوش انجامی تو ظاہر ہی ہے لیکن دنیا میں بھی جو سکون قلب، یکسوئی، طمانیت خاطر اور قناعت کی مسرتیں ایسے لوگوں کو حاصل رہتی ہیں ان کا اندازہ وہ بدنصیب کر ہی نہیں سکتے جو چوبیس گھنٹہ آنہ پائی کی میزان لگاتے رہتے ہیں۔ جو مخلوق کی ایذا رسانی کا خوگر ہو کر پیسہ پیسہ گنتے رہتے ہیں اور جن لوگوں پر ہر گھڑی یہی "بہی کھاتہ" سنبھالے رہنے کا بھوت سوار رہتا ہے۔ ان کی دولت نہ ان کے کام آتی ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

اس کے برعکس زکوٰۃ، خیرات اور صدقات سے تمام ملک یکساں طور پر فائدہ اٹھاتا ہے۔ فقراء اور مساکین اپنی حالت کو درست کر لیتے ہیں۔ دولت کا ایک خاص حصہ تقسیم ہو جاتا ہے اور اس طرح دولت مندوں اور غریبوں کا باہمی کشمکش کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے کسی طرح کا خوف و ڈر نہیں ہوگا اور وہ ماشاء اللہ کبھی کبیدہ خاطر بھی نہیں ہوں گے۔

ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حرمت سود کے بعد طے شدہ سود بھی چھوڑ دیا جائے

۴۸۸ سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عام عرب میں سود کا رواج پھیلا ہوا تھا اس آیت سے پہلی آیتوں میں جب اس کی ممانعت آئی تو حسب عادت تمام مسلمانوں نے سود کے معاملات ترک کر دیئے لیکن کچھ لوگوں کے مطالبات سود کی بقایا رقموں کے دوسرے لوگوں پر تھے۔ اس میں یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی ثقیف اور بنی مخزوم کے آپس میں سودی معاملات کا سلسلہ تھا اور بنو ثقیف کے لوگوں کا کچھ سودی مطالبہ بنی مخزوم کی طرف تھا۔ بنو مخزوم مسلمان ہوگئے تو اسلام لانے کے بعد انہوں نے سود کی رقم ادا کرنا جائز نہ سمجھا۔ ادھر بنو ثقیف

Marfat.com

کے لوگوں نے مطالبہ شروع کیا کیونکہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مسلمانوں سے مصالحت کر لی تھی۔ بنو مخزوم کے لوگوں نے کہا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہم ان پر اسلامی کمائی کو سود کی ادائیگی میں خرچ نہ کریں گے۔

یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ کے امیر حضرت معاذؓ اور ایک روایت کے مطابق عتاب بن اسیدؓ تھے انہوں نے اس جھگڑے کا قضیہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بغرض دریافت حکم لکھ بھیجا اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سود کے تمام سابقہ معاملات ختم کر دیئے جائیں۔ پچھلا سود بھی وصول نہ کیا جائے صرف راس المال وصول کیا جائے۔

یہ اسلامی قانون رائج کیا گیا تو مسلمان تو اس کے پابند تھے جو غیر مسلم قبائل بطور صلح و معاہدہ اسلامی قانون کو قبول کر چکے تھے وہ بھی اس کے پابند ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود جب حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے اس قانون کا اعلان کیا تو اس کا اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص یا قوم یا مسلمانوں کے مالی مفاد کے پیش نظر نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر اور اصلاح و فلاح کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم سب سے پہلے مسلمانوں کی بہت بڑی رقم سود جو غیر مسلموں کے ذمہ تھی اس کو چھوڑتے ہیں تو اب ان کو بھی اپنے بقایا سود کی رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے چنانچہ آپؐ نے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا:

الا ان کل ربا کان فی الجاھلیۃ موضوع عنکم کلہ لکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون واول ربا موضوع ربا العباس بن عبد المطلب کلہ (ابن ابی حاتم) یعنی زمانہ جاہلیت میں جو سودی معاملات کئے گئے سب کا سود چھوڑ دیا گیا اب ہر شخص کو اصل رقم ملے گی لیکن سود کی زائد رقم نہ ملے گی نہ تم زیادتی وصول کر کے کسی پر ظلم کر سکو گے اور نہ کوئی اصل راس المال میں کمی کر کے تم پر ظلم کر سکے گا اور سب سے پہلے جو سود چھوڑا تھا وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے جس کی بہت بھاری رقمیں غیر مسلموں کے ذمہ بطور سود کے عائد ہوتی تھیں۔ قرآن کریم کی زیر نظر آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور بقایا سود چھوڑنے کا حکم مذکور ہے۔

اس آیت کو شروع اس طرح کیا گیا کہ مسلمانوں کو خطاب کر کے اول "اِتَّقُوا اللّٰہَ" کا حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس کے بعد اصل مسئلہ کا حکم سنایا گیا یہ قرآن کریم کا وہ خاص طرز ہے جس میں وہ دنیا بھر کے قانون کی کتابوں سے ممتاز ہے کہ جب کوئی ایسا قانون بنایا جاتا ہے جس پر عمل کرنے میں لوگوں کو کچھ دشواری معلوم ہو تو اس کے آگے پیچھے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش اعمال کے حساب اور آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر کر کے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں کو اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس کے بعد حکم سنایا جاتا ہے۔ یہاں بھی پچھلے عائد شدہ سود کی رقم کا چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر بار ہو سکتا تھا اس لئے پہلے "اِتَّقُوا اللّٰہَ"

Marfat.com

فرمایا اور اس کے بعد حکم دیا کہ "جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ لازم بنا رکھا ہے اسے چھوڑ دو۔" اور آیت کے آخر میں فرمایا کہ "اگر تم ایمان والے ہو۔" جس میں اشارہ کر دیا کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حکم خداوندی کی اطاعت کی جائے اس کی خلاف ورزی ایمان کے منافی ہے۔ یہ حکم چونکہ طبائع پر بھاری تھا اس لئے حکم سے پہلے "اِتَّقُوا اللّٰہَ" اور حکم کے بعد "اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" کے ارشادات ملا دیئے گئے۔

اگر سود کی رقم کو چھوڑنا مشکل ہے تو اللہ اور رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ

۴۸۹ غور کرو قرآن کریم نے انسانی معاصی و جرائم کے متعلق طرح طرح کی وعیدیں فرمائی ہیں لیکن سود کے متعلق جو سخت وعید سنائی ہے وہ آپ نے سن لی اس سے سخت تر وعید اور کسی سخت سے سخت جرم و معصیت کی بھی نسبت نہیں آئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کا کوئی فعل طلب نفع اور غرض خویش سے خالی نہیں ہوتا یا کم ہی ہوتا ہے اور اس خود غرضی کا ایک بدترین ظہور جمع و حصول مال کی بھوک ہے۔ اگر غور سے دیکھئے تو عالم انسانیت میں اس مرض کا کوئی ظہور اس درجہ انسان کے ملکوتی فضائل کے لئے مہلک اور اس کی قوت بہیمی کے لئے اس سے زیادہ کوئی مقوی فعل نہیں ہے جتنا کہ سود کا لینا یہ ایسا بدترین فعل ہے کہ اسلام کی ہیئت اجتماعیہ اور پوری انسانیت کی صحت مدنی کے لئے سم قاتل ہے۔ یہ عالم انسانیت کو ایک خوفناک درندہ بنا دینے کے لئے کافی و وافی ہے۔ سود سے زیادہ بڑھ کر کوئی عمل السحر نہیں ہے سود اور سود خواری کی مختلف شکلیں اس پر کھلی شہادت پیش کر رہی ہیں۔ پھر اس نامراد بیماری سے جس جس طرح کے سوتے پھوٹتے ہیں اس کا مسلسل ذکر آپ پڑھتے آ رہے ہیں۔ یہ معاشرہ اسلامی کے لئے سرطان کے نامراد مرض سے کچھ کم نہیں۔ جو اس کی زد میں ایک بار آیا وہ زندگی میں مشکل ہی سے اس سے نجات حاصل کر سکا۔

یقیناً تمام انسانی گناہوں میں صرف یہی وہ معصیت ہے جس کو "حَرْبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ" کہا گیا ہے۔ کیونکہ اور کسی معصیت میں انسان خدا کے بندوں کے لئے اس درجہ بے رحم اور خونخوار نہیں ہو جاتا جس درجہ سود کو اپنا وسیلہ معاش بنا لینے کے بعد از سرتاپا مجسمہ شقاوت و قساوت اور بہیمی قوتوں کا مجسمہ بن جاتا ہے اور خدا کے بندوں کے آگے بے رحمی سے مغرور ہونا فی الحقیقت خدائے قدوس کے آگے مغرور ہو کر آمادۂ جنگ و پیکار ہونا ہے۔

ایک شخص چور ہے' ڈاکو ہے' قاتل ہے تو قانون اس کو سزا دے گا اور انسانی آبادی اس سے پناہ مانگے گی لیکن ایک سود خوار کہتا ہے کہ "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" گویا اس نے ایک تجارت کی دکان کھول دی ہے اور ضرورت و احتیاج پہلے ہی وہ چیز ہے جو انسان کے ہوش و حواس معطل کر دیتی ہے۔ ڈاکو سے انسان بھاگتا ہے مگر مظلوم قرضدار خود دوڑ کر اس کے پاس جاتا ہے۔ پس فی الحقیقت قتل و غارت کسی قانون اور مذہب کے لئے اس درجہ سختی کی مستحق نہیں جس قدر سود اور سود خواری کی مہیب زندگی پھر کیا "حَرْبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ" سے اس کی تعبیر صحیح نہیں ہے؟

Marfat.com

دنیا میں خود غرضی کے جس قدر اعمال کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس درجہ استمرار اور مداومت نہیں جیسی اس کاروباری بے رحمی میں۔ سود خوار کا عمل ظلم دائمی اور انسانی عمروں' خاندانوں اور نسلوں تک جاری رہتا ہے اور وہ جس شکار کو پکڑتا ہے اس کی بیکس اور مظلومی کا نظارہ برسوں تک دیکھتا رہتا ہے اور جب تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے تڑپنے' لوٹنے اور کراہنے کے نظارہ کا تحمل اپنے اندر نہ پیدا کرے وہ سود خوار نہیں بن سکتا۔ اس لئے صرف اور صرف اسی معصیت کو "حرب من اللّٰه ورسوله" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہاں! اگر توبہ و انابت الی اللہ کر کے آئندہ سود کو بالکل ترک کر دینے کا عہد کر لے تو اپنا راس المال لینے میں کوئی گناہ نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ربا کی ہر شاخ کو حرام قرار دیا اور سود خواروں کو اس کے نتائج الیمہ سے ڈرایا لیکن افسوس کہ مسلمان کہلوانے والوں نے سود کی نت نئی صورتیں وضع کرنا شروع کر دیں اور سب سے بڑھ کر تعجب یہ ہوا کہ سود حرام' سود حرام کا شور کرنے والوں نے خود سود کی ایسی ایسی صورتیں ایجاد کر لیں کہ پہلے سود خواروں کو وہ شکست دے گئے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے سود کو پاکیزہ بنا لیا اور اپنی دکانداریوں کو خانقاہوں' مقدس مقاموں اور مسجد کے حجروں میں سجایا اور بغیر ہلدی پھٹکڑی کے کروڑوں کمانے شروع کر دیئے اور ریلی سو چوہے کھانے کے بعد پھر پاک کی پاک اور صاف کی صاف رہی۔

زیر نظر آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اور مضمون کی مناسبت سے اس سلسلہ کلام میں داخل کر دی گئی یعنی موجودہ ترتیب میں اس کو اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے حکم الٰہی سے رکھوا دیا۔ اس کے نزول سے قبل اگرچہ سود ایک ناپسندیدہ فعل سمجھا جاتا تھا مگر قانوناً اسے بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد اسلامی حکومت کے دائرے میں سودی کاروبار ایک فوجداری جرم بن گیا۔ عرب کے جو قبیلے سود کھاتے تھے اور جو افراد بھی اس بیماری میں مبتلا تھے ان سب کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اعمال کے ذریعے سے آگاہ فرما دیا کہ اگر اب وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ نجران کے عیسائیوں کو جب اسلامی حکومت کے تحت اندرونی خودمختاری دی گئی تو معاہدے میں یہ تصریح کر دی گئی کہ اگر تم سودی کاروبار کرو گے تو معاہدہ فسخ ہو جائے گا اور ہمارے اور تمہارے درمیان حالت جنگ قائم ہو جائے گی۔ آیت کے آخری الفاظ کی بنا پر کہ "ان تبتم" بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کی رائے یہ ہے کہ جو شخص دارالاسلام میں سود کھائے اسے توبہ پر مجبور کیا جائے اور اگر باز نہ آئے تو آخر الکلام اس کو ختم کر دیا جائے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے اور جب تک وہ سود خوری چھوڑ دینے کا عہد نہ کرے اسے قید سے رہا نہ کیا جائے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور دار قطنی نے عبداللہ بن حنظلہ سے روایت کیا ہے کہ "درهم ربو یا كله الرجل وهو يعلم اشد من ستة و ثلثين زينة" جو شخص معلوم ہونے کے باوجود سود کا ایک درہم کھاتا ہے اس کو چھتیس بغایا کی اجرت کھانے والے سے بھی زیادہ گناہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ
رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ

لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم اپنی اس روش سے توبہ کرتے ہو یعنی باز آتے ہو تو پھر تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ اپنا اصل زر[۴۹۰] لے لو اور سود چھوڑ دو اس طرح نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے گا۔ ۲۷۹

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "الربو اسبعون جزاء الیسرھا ان ینکح الرجل امہ" سود کے گناہ کے ستر اجزاء ہیں اور ان میں سے ادنیٰ ترین جزء یہ ہے کہ کوئی شخص ماں سے نکاح کرے۔ یہ ایک محاورہ ہے جو عربوں میں عام بولا جاتا ہے جب کہ کوئی شخص وہ کام کرے جس سے اس کو منع کیا گیا ہو۔ اس محاورہ میں نکاح کا ترجمہ "زنا" کرنا ایک ادبی غلطی ہے۔

توبہ کے بعد سود کو چھوڑ دو اور اصل زر وصول کر لو یہ تمہارے حق میں بڑی رعایت ہے

۴۹۰ اگر تم توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے سود کی بقایا رقم چھوڑنے کا عزم کر لو تو تمہیں تمہارے اصل زر یعنی راس المال مل جائیں گے۔ نہ تم اصل زر سے زائد حاصل کر کے کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی اصل زر میں کمی یا پورے کا پورا غصب کر کے تم پر ظلم کرنے پائے گا۔ اس میں اصل زر واپس دینے کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ تم توبہ کر لو اور آئندہ کو سود چھوڑ دو تب اصل زر ملے گا ورنہ اصل زر بھی بحق سرکار ضبط ہو جائے گا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے باوجود سود کو حرام ہی نہ سمجھے اور سود لیتا رہے یعنی سود باقاعدہ وصول کرتا رہے تو اس حرکت سے وہ شخص اسلام سے خارج ہو گیا اور اس پر ارتداد کا قانون نافذ ہو جائے گا اور اس کی ایک سزا اس کو یہ بھی ملے گی کہ اصل زر بھی ضبط کر لیا جائے گا جو بیت المال میں جمع ہو گا۔ اگر وہ عملاً باز بھی نہیں آتا اور اسلامی حکومت کے خلاف کسی قسم کی تحریک اٹھاتا ہے اور مقابلہ کرتا ہے تو وہ باغی ہے اور اس پر بغاوت کا مقدمہ چلے گا اور اس کی کل جائیداد بھی بیت المال میں داخل کر دی جائے گی جو بطور امانت ہو گی۔ جب وہ توبہ کرے گا تو اس کا مال اس کو واپس دے دیا جائے گا اور یہ کام حکومت اسلامی سرانجام دے گی افراد کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی طرف سے قانون نافذ کرنا شروع کر دیں اور سب حدود اللہ میں یہی حکم ہے۔

Marfat.com

كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ ۲۸۰ وَاتَّقُوْا

پھر اگر ایسا[۴۹۱] ہو کہ کوئی مقروض تنگ دست ہے کہ فوراً قرض ادا نہیں کر سکتا تو چاہئے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دے دو یعنی اصل زر وصول کرنے میں بھی کچھ وقت مزید دے دو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے یہ عمل بہت ہی بہتر ہے کہ تم ایسے تنگ دست بھائی کو قرض بالکل ہی معاف کر دو یعنی بطور خیرات بخش دو۔ ۲۸۰

غریب اور نادار مقروض کے ساتھ مساہلت کا سلوک کرنے کی ہدایت

۴۹۱ سود خواری کی انسانیت سوز حرکت سے توبہ کر لی ہے اور توبہ بھی سچے دل کی توبہ ہے تو اب غریب اور نادار مقروض کے ساتھ مساہلت کا سلوک کرو یعنی اگر تمہارا مدیوں تنگ دست ہے کہ تمہارا قرض ادا کرنے پر فی الوقت قادر نہ ہو تو تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ اس کو فراخی اور آسودگی کے وقت تک مہلت دے دو اور اگر سمجھتے ہو کہ وہ اتنا غریب ہے کہ بظاہر کوئی صورت اس کی ادائیگی کی نظر نہیں آتی تو اپنا قرض معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہوگا کہ تم نے اس کی آسانی کا خیال رکھا ہے تو یقیناً تمہاری آسانی کا بھی قانون الٰہی میں خیال رکھا جائے گا۔

سود خواروں کی عادت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی مدیون مفلس ہے اور معیاد مقرر پر وہ قرضہ ادا نہیں کر سکتا تو سود کی رقم اصل زر میں جمع کر کے سود در سود کا سلسلہ چلاتے ہیں اور سود کی مقدار بھی اور بڑھا دیتے ہیں۔

لیکن احکم الحاکمین نے یہ قانون بنا دیا کہ اگر کوئی مدیون واقعی مفلس ہے اور ادائے قرض پر قادر نہیں تو اس کو تنگ کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اس وقت مہلت دینی چاہئے کہ جب تک وہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو جائے اور ساتھ ہی اس کی ترغیب بھی دی جائے کہ اس غریب کو اپنا قرض ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے۔

اس جگہ معاف کرنے کو قرآن کریم نے بلفظ صدقہ تعبیر فرمایا ہے جس میں ارشاد ہے کہ یہ معافی

Marfat.com

تمہارے لئے بحکم صدقہ ہو کر موجب ثواب ہوگی پھر یہ جو فرمایا کہ معاف کر دینا تمہارے ہی لئے زیادہ بہتر ہے حالانکہ بظاہر تو ان کے لئے نقصان کا سبب ہے کہ سود تو چھوڑا ہی تھا اصل زر بھی گیا لیکن قرآن کریم نے اس کو بہتر بتایا۔ اس کی دو وجوہات ہیں پہلے تو یہ کہ یہ بہتری اس دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد مشاہدہ میں آجائے گی جب کہ اس حقیر مال کے بدلے میں جنت کی دائمی نعمتیں اس کو ملیں گی۔ دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی تمہیں اس عمل کی بہتری کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ تمہارے مال میں اس طرح برکت ہوگی کہ تمہیں معلوم بھی نہیں ہوگا۔ برکت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تھوڑے مال میں بہت کام نکل جائیں یہ ضروری نہیں کہ مال کی مقدار یا تعداد بڑھ جائے۔ اور یہ بات روزمرہ زندگی میں کئی بار مشاہدہ ہو جاتی ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے والوں کے مال میں بے شمار برکت ہوتی ہے۔ ان کے تھوڑے مال سے اتنے کام نکل جاتے ہیں کہ حرام مال والوں کے بڑے بڑے اموال سے وہ کام نہیں نکلتے۔

اور جس مال میں بے برکتی ہوتی ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لئے خرچ کرتا ہے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اور اکثر غیر مقصود چیزوں میں مثلاً دوا' علاج اور ڈاکٹروں کی فیسوں میں ایسے مالداروں کی بڑی بڑی رقمیں خرچ ہو جاتی ہیں جس کا غریبوں کو کبھی سابقہ نہیں پڑتا۔ اول تو اللہ تعالیٰ ان کو تندرستی کی نعمت عطا فرماتا ہے تاکہ علاج میں کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے اور اگر کبھی بیماری آ بھی گئی تو معمولی اخراجات سے تندرستی حاصل ہوگئی۔ اس لئے مدیون مفلس کو قرض معاف کر دینا جو بظاہر اس کے لئے نقصان دہ نظر آتا تھا قرآن کریم کی تعلیم کے پیش نظر وہ ایک مفید و نافع کام بن گیا۔

مفلس مدیون کے ساتھ نرمی و مساہلت کی تعلیم کے لئے احادیث صحیحہ میں جو ارشادات نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے درج ہیں ان کے چند جملے بھی آپ اپنی زبان میں سن لیجئے۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ "جو شخص یہ چاہے کہ اس کے سر پر اس روز اللہ کی رحمت کا سایہ ہو جب کہ اس کے سوا کسی کو کوئی سایہ سرچھپانے کے لئے نہ ملے گا تو اس کو چاہئے کہ تنگ دست مقروض کے ساتھ نرمی اور مساہلت کا معاملہ کرے یا اس کو بالکل ہی معاف کر دے۔" بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ "جو شخص کسی مفلس مدیون کو مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملے گا جتنی اس مدیون کے ذمہ واجب ہے اور یہ حساب معیاد قرض پورا ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب معیاد قرض پوری ہو جائے اور وہ شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو اس وقت اگر کوئی مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔"

ایک حدیث میں ہے کہ "جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دور ہو تو اس کو چاہئے کہ تنگ دست مدیون کو مہلت دے دے۔"

Marfat.com

يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۖ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۸۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

اور اس دن[۴۹۲] کی حاضری سے ڈرو جب تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے اور پھر ایسا ہوگا کہ ہر جان کو جو کچھ اس نے کمایا ہوگا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کی بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ ۲۸۱

اے مسلمانو! جب[۴۹۳] کبھی ایسا ہو کہ تم خاص معیاد کے لئے ادھار لینے دینے لگو تو

احکام سود کی آیات کے ختم پر دوبارہ بارگاہ ایزدی کا حکم

۴۹۲ احکام سود پر نازل کی گئی چھ آیات ختم ہو چکی ہیں اور اب اس ساتویں آیت میں اہل ایمان کو مخاطب فرما کر کہا جاتا ہے کہ اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہاں تم سب کی اپنے اپنے اعمال کی پیشی ہوگی پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ یعنی کئے کا بدلہ پورا پورا ملے گا اور ان پر ظلم ذرا بھی نہ ہوگا کہ کسی کا عمل بلامعاوضہ رہ جائے یا کسی کے نامہ اعمال میں کوئی بدی خواہ مخواہ لکھ دی جائے۔ "توفی ما کسبت" یعنی اعمال کا پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا۔ اور یہ بات اپنی جگہ حق ہے کہ کسی کو پورا پورا معاوضہ ادا کر دینے کے بعد اس کو جتنا کچھ زیادہ عطا کیا جائے تو یہ عطا کرنے والے کی مزید عطا ہے اس کو معاوضہ میں کمی بیشی نہیں کہا جا سکتا یا یہ بات پورا پورا معاوضہ ادا کرنے کے کسی حال میں بھی منافی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت اس سلسلہ میں نازل نہیں ہوئی۔ اس کے اکتیس روز بعد نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا بھی مذکور ہے۔

ربا کے متعلق سورہ بقرہ کی آیات ختم ہوئیں جو اس آخری ہدایت کی آیت کو ملا کر سات آیات کریمات ہوتی ہیں اور سوہ آل عمران میں ایک آیت اس حکم ربا کے متعلق موجود ہے اور سورہ نساء میں بھی دو آیتیں اس مضمون کی ہیں اور ایک آیت سورہ روم میں بھی ہے جس کی تفسیر میں اگرچہ اختلاف ہے بعض نے اس کو بھی اس سود یعنی بیاج کے مفہوم میں شمار کیا ہے اور بعض نے اس کی تفسیر میں خاندانی رسم و رواج کے لین دین کے متعلق بیان کیا ہے۔ اس طرح گویا قرآن کریم کی دس آیات کریمات میں سود و رباء کے احکام بیان ہوئے ہیں۔

Marfat.com

اس ضمن میں قرآن کریم کی دوسری آیات

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (ال عمران ۳ : ۱۳۰) "اے مسلمانو! سود کی کمائی سے اپنا پیٹ نہ بھرو جو اصل زر میں مل کر دوگنی چوگنی ہو جاتی ہے اللہ سے ڈرو یعنی اس کی نافرمانی سے بچو تاکہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔"

ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے :

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ○ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ○ (النساء ۴ : ۱۶۰، ۱۶۱) "دیکھو! یہودیوں کے اس ظلم کی وجہ سے ہم نے کئی ایک اچھی چیزیں ان پر سزا حرام کر دیں جو دراصل حلال تھیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہت روکنے لگے تھے۔ اور ان کی یہ بات کہ وہ سود لینے لگے حالانکہ وہ اس سے روک دیئے گئے تھے اور یہ بات کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے لگے اور یاد رکھو ان میں جو لوگ احکام حق کے منکر ہوگئے ہم نے ان کے لئے پاداش عمل میں دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اس آیت میں یہود کو سود سے روکنے کا ذکر آیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق کے لئے یہود کی کتاب سے کوئی عبارت بتائی جائے جس میں یہ حکم موجود ہو تاکہ قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا واضح ہو جائے۔ تورات میں اگرچہ بے شمار تحریف ہو چکی اور قوم یہود کے علماء نے دل کھول کر اس کتاب الٰہی میں ردوبدل کیا تورات کی اصل ہدایات کو حذف کر کے اپنی طرف سے عبارات کی عبارات داخل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تاہم تورات کے اندر آج تک یہ احکامات موجود ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ :

"اگر تو میرے لوگوں میں سے جس کسی کو جو تیرے آگے محتاج ہے کچھ قرض دے دے تو اس سے بیاجیوں کی طرح سلوک مت کر اور سود مت لے۔" (خروج ۲۲ : ۲۵)

"تو اس سے سود اور نفع مت لے، اپنے خدا سے ڈر تاکہ تیرا بھائی تیرے ساتھ زندگی بسر کرے تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اسے نفع کے لئے کھانا کھلا۔" (احبار ۲۵ : ۳۶، ۳۷)

واضح ہوگیا کہ یہود کو سود سے روکا گیا تھا لیکن یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ سود خور قوم یہی یہود ہیں اور ان کے شائیلاک دنیا کے ادبیات میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔

لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کریم کی آیات میں مسلمانوں کو بھی اس لعنت سے بچنے کی صرف تلقین ہی نہیں بلکہ ان کو دنیوی اور اخروی دونوں عذابوں کے متعلق پوری وضاحت سے سمجھایا گیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ آج اس قوم میں بھی ان لوگوں کی کوئی کمی نہیں جو کھلے بندوں سودی کاروبار کرتے ہیں اور کوئی بستی یا شہر ایسا نہیں ملتا جہاں یہ مہاجن موجود نہ ہوں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اپنا نام مہاجن کی

Marfat.com

بجائے شیخ یا سیٹھ رکھ لیا ہو۔

اور آج جو سود کی نئی نئی شکلیں اور نئے نئے نام رکھ لئے گئے ہیں ان کا ذکر بھی آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں اور وہ اس سود کو سود ماننے کے لئے تیار کب ہیں؟ اور وہ آخر مانیں گے بھی کیوں؟ اور اپنے پاؤں پر کلہاڑی کیوں ماریں؟ ان کو بغیر پیسہ لگائے مال ملتا ہے پھر سود خور بھی کوئی نہیں کہتا۔ عزت الگ ہوتی ہے۔ لیکن خوب سن لو کہ اگر یہ مال کھانے کا طریقہ باطل نہیں تو دنیا میں کوئی طریقہ بھی باطل نہیں ہوگا۔ اور یہ راز اس وقت کھلے گا جب ان سارے سود خوروں کے ہاتھ خالی ہو چکے ہوں گے خواہ وہ کسی قوم سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔

سورہ روم کی اختلافی آیت کہ اس کا حکم کس طرح کے سود سے ہے

وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۝ (الروم ۳۰ : ۳۹) "جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں شامل ہو کر وہ بڑھ جائے اللہ کے نزدیک وہ نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ارادے سے دیتے ہو اس کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد وہ معروف ربا یا سود ہے جسے شریعت نے بعد میں مکمل طور پر حرام ٹھہرایا ہے اور یہاں صرف ترغیب ہے کہ اس طریقہ سے مال نہیں بڑھتا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہاں ربا سے مراد وہ سود نہیں ہے جو شرعاً حرام کیا گیا ہے بلکہ وہ عطیہ یا ہدیہ و تحفہ ہے جو اس نیت سے دیا جائے کہ لینے والا بعد میں اس سے زیادہ واپس کرے گا جیسے شادی بیاہ یا دوسری لین دین کی رسومات میں لے لیا جاتا ہے یا اس لئے کہ معطی کے لئے کوئی مفید خدمت انجام دے گا جیسے حکومتی افسروں، مولوی اور پیروں کو یا اس کا خوش ہو جانا معطی کی اپنی ذات کے لئے نافع ہوگا۔ ابن عباسؓ، مجاہدؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ اور محمد بن کعب القرظی اور حضرت شعبی کا قول بھی یہی ہے اور یہ تفسیر دوسری تفسیر کی نسبت زیادہ مشہور بھی ہے اور صاف بھی۔

ادھار دینا بھی ایک قسم کی مالی اعانت ہے جو ضرورت کے وقت لیا، دیا جا سکتا ہے

۴۹۳ پہلے انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا جا رہا تھا اور بتایا گیا تھا کہ انسانیت سے پیار و محبت مال و دولت کی پیار و محبت سے بہت زیادہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اس کا درجہ مال و دولت کی نسبت بہت بڑا ہے۔ پھر سود کی لعنت کا ذکر کیا جس نے انسانیت کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کی بجائے دکھوں میں مبتلا کر دیا۔ اب جبکہ سود کی حرمت سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا گیا یہاں تک کہ خاندانوں اور برادریوں کے اندر جو چھوٹے پیمانے پر سود لیا دیا جاتا ہے اس سے بھی نفرت دلائی اور اس کو ختم کرنے پر پورا زور دیا تو اب بتایا جا رہا ہے کہ کسی بھائی کو ضرورت پڑ جائے تو وہ اپنی ضرورت کو کس طرح پورا کرے فرمایا کہ عند الضرورت مال والا اپنے بھائی کو اس کی ضرورت کی چیز ادھار دے دے تاکہ اس کا کام چل جائے اگر مکمل طور پر اس کی مدد کرنے سے قاصر ہے تو وقتی

Marfat.com

إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ
وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن

اس کو ضرور[۴۹۴] لکھ لیا کرو اور ضروری ہے کہ تمہارے درمیان ایک لکھنے والا ہو جو پوری دیانتداری کے ساتھ ایک دستاویز لکھے اور پھر لکھنے والے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ حقیقت حال پوری دیانتداری سے لکھے جس طرح اللہ نے اس کو سکھایا ہے کیونکہ

طور پر اس کے لئے آسانی کا باعث بنے۔ اس پہلو کی طرف متوجہ کرنے کے لئے لین دین کا ایک قانون مرتب کیا تاکہ لین دین کے متعلق جس قدر انسانی ہمدردی کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے اس قدر اس کا لحاظ کر لیا جائے۔ جس کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

الف = کبھی لینے اور دینے کی دونوں چیزیں موجود ہوتی ہیں۔

ب = قیمت تو موجود ہے لیکن جس چیز کو خریدنا ہے وہ موجود نہیں۔

ج = جس چیز کو خریدنا ہے وہ تو موجود ہے مگر قیمت اس وقت موجود نہیں۔

یہ تینوں صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں اور اسلام نے ان تینوں ہی صورتوں کو جائز قرار دیا ہے اور ان صورتوں کے متعلق ہی اس آیت میں احکام بیان کئے گئے ہیں لیکن آج کل ایک لین دین کی اور صورت بھی ہے جس کو اسلام جائز نہیں کہتا بلکہ حرام قرار دیتا ہے وہ یہ ہے کہ

د = لینے اور دینے کی کوئی چیز بھی موجود نہیں۔ فرضی بیع ہے نہ روپیہ پاس ہے اور نہ چیز۔ اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے لیکن ہمارے بڑے بڑے سیٹھوں میں اب یہی کاروبار زیادہ چل نکلا ہے۔

ادھار لینے' دینے لگو تو ضرور اس کو لکھ لیا کرو

۴۹۴ جب آپس میں کوئی معاملہ کرنے لگو اور دام یا چیز ادھار ہو تو اس کو ضرور لکھ لیا کرو۔ اس دستاویز یا یادداشت میں ادا کرنے کی مدت ضرور معین کرو۔ تمہارے درمیان ایک تحریر لکھنے والا آدمی ہونا چاہئے یعنی کوئی کاتب یا وثیقہ نویس۔ کاتب یا وثیقہ نویس کے لئے یہ ہدایت ہے کہ وہ وہی لکھے جو اس کو لکھوایا جا رہا ہے اور پوری دیانت داری کے ساتھ لکھے۔ بددیانتی نہ کرے اگر اس نے کوئی ایسی حرکت کی تو وہ عنداللہ مجرم ہو گا۔

عموماً دوستوں اور عزیزوں کے درمیان قرض کے معاملات میں دستاویز لکھنے اور گواہیاں لینے کو معیوب اور

Marfat.com

يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ

اللہ بددیانتی نہیں سکھاتا۔ پھر لکھا پڑھی[۴۹۵] بھی اس طرح ہونی چاہئے کہ جس کے ذمے دینا ہے وہ مطلب بولتا جائے اور کاتب لکھتا جائے اور چاہئے کہ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنے رب کا خوف دل میں رکھے اور جو کچھ اس کے ذمے آتا ہے اس میں کسی طرح کی کمی

بے اعتمادی کی دلیل خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ کا حکم یہ ہے کہ قرض اور تجارتی قراردادوں کو تحریر میں لانا چاہئے اور اس پر شہادت ثبت کرا لینی چاہئے تاکہ لوگوں کے درمیان معاملات صاف رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جو اللہ سے فریاد کرتے ہیں مگر ان کی فریاد رسی نہیں کی جاتی۔ ایک وہ شخص جس کی بیوی بدچلن ہو اور وہ اس کو طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو یتیم کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا مال اس کے حوالے کر دے۔ تیسرا وہ شخص جو اپنا مال قرض دے اور اس پر گواہ نہ بنائے اور تحریر نہ لکھے۔

ادھار کی تحریر لکھوانا ادھار لینے والے کا حق ہے یا ادھار دینے والے کا

۴۹۵ جس شخص کے ذمہ حق واجب ہے اور جس کو وہ رقم یا چیز ادا کرنا ہوگی تحریر وہ لکھوائے گا۔ کاتب کا کام یہ ہے کہ وہ ایمانداری سے جو اس کو لکھوایا جاتا ہے وہ لکھتا جائے اور ضرورت کے وقت کاتب یا وثیقہ نویس لکھنے سے انکار نہ کرے۔ مثلاً خالد نے محمود سے جنس' غلہ یا کوئی اپنی ضرورت کی چیز خریدی جو طے پایا وہ خالد نے وصول پالیا اور محمود کو رقم نہیں دی گویا وہ خالد کے ذمہ ادا کرنا باقی ہے۔ بس اس تعلیم کے مطابق خالد کو حق ہے کہ وہ تحریر لکھوائے کیونکہ اس کے ذمے' دینا ہے۔ اگرچہ زمانہ کا رواج یہ نہیں بلکہ زمانہ کے رواج کے مطابق جس کے ذمے اب لینا ہے وہ اپنے پاس لکھ لیتا ہے اور جس کے ذمے دینا ہے اس نے کبھی نہیں لکھوایا۔ حکم الٰہی میں ایک بہت بڑی حکمت پنہاں ہے جس وجہ سے قرآن کریم نے یہ ہدایت فرمائی کہ چاہئے کہ املا وہ شخص لکھوائے جس نے ادھار واپس کرنا ہے۔ علماء نے تحریر کیا ہے کہ یہ حکم وجوباً نہیں۔ مفسرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فی الواقع تحریر کرنا کوئی ضروری حکم نہیں ہے حالانکہ قرآن کریم نے اس پر بہت زور دیا ہے۔ اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ مفسرین نے کن الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ ابوسلیمان مرعشی نے جنہوں نے حضرت کعبؓ کی صحبت بھی اٹھائی تھی۔ اس نے ایک روز اپنے پاس والوں سے کہا کہ اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ لوگوں نے استفسار کیا کہ

Marfat.com

یہ بات کس طرح ہو سکتی ہے؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے اور نہ ہی لکھت پڑھت کرتا ہے۔ پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے۔ اب یہ اللہ سے دعا کرتا ہے لیکن رب کریم اس کی دعا کو قبول نہیں فرماتا اس لئے کہ اس نے یہ کام اللہ کے حکم کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث کے پیش نظر بعض مفسرین نے یہ کہہ دیا ہے کہ پہلے تو تحریر کرنا کرانا لازم و ضروری تھا یعنی فرض و واجب تھا بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہوگیا۔ اور فرمایا گیا کہ اگر ایک کو دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہئے کہ ادا کر دے پھر اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو درج ذیل ہے۔

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے۔ اس نے کہا گواہ لاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے۔ کہا اچھا ضمانت لاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی ضمانت کافی ہے۔ اس نے کہا کہ تو نے سچ کہا۔ ادائیگی کی معیاد مقرر ہوگئی اور اس نے اسے ایک ہزار گن دیئے۔ قرض لینے والے نے سمندر کا سفر کیا اور اپنے کام میں مصروف ہوا جب وہ فارغ ہوا اور معیاد بھی پورے ہونے کو پہنچ گئی تو وہ سمندر کے قریب آیا تاکہ واپس آکر اپنا قرض واپس کرے۔ اتفاق یہ ہوا کہ اس کو کوئی جہاز یا کشتی نہ مل سکی۔ جب اس کو پختہ یقین ہوگیا کہ اب وہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور اندر سے اس کو کھوکھلا کیا اس میں ایک ہزار دینار رکھ کر اوپر ایک پرچہ لکھ کر رکھا اور سوراخ کا منہ بند کر کے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے قرض لیا تھا اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی تھی اور میں نے تجھے ضامن دیا تھا اور اس پر وہ خوش ہوگیا۔ اس نے گواہ طلب کیا تو میں نے تجھے ہی گواہی میں بھی پیش کیا اس نے منظور کر لیا اب جب کہ وقت مقرر ختم ہونے کو ہے تو میں نے ہر چند کوشش کی مگر کوئی کشتی و جہاز مجھے نہیں ملا تو نیتوں کا مالک ہے اور خوب اچھی طرح میری نیت کو بھی جانتا ہے کہ میری نیت قرض واپس کرنے کی تھی لیکن وقت پر قرض واپس ہوتا دکھائی نہ دیا۔ میں نے یہ رقم تیرے سپرد کی۔

یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں بہا دی۔ لکڑی کو سمندر میں ڈال کر واپس چلا گیا۔ لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ کشتی مل جائے تو خود ہی جاؤں یہاں تو یہ صورت حال ہوئی اور وہاں جس شخص نے اس کو قرض دیا تھا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا جاتا ہے اور آج تو اس کو پہنچ جانا چاہئے تھا تو وہ اس کے انتظار میں سمندر کے کنارے جہاں کشتیاں' جہاز لنگر انداز ہوتے تھے وہاں آکھڑا ہوا کہ وہ آئے اور میں اپنی رقم وصول کروں مگر جب شام ہونے کو آئی اور وہ واپس نہ آیا اور نہ ہی کوئی کشتی آئی تو یہ واپس لوٹا جب واپس ہونے لگا تو اس نے کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ خیال کر کے کہ خالی ہاتھ جو جا رہا ہوں اس کو لئے چلتا ہوں اس نے وہ لکڑی وہاں سے اٹھا لی تاکہ سوکھ جائے تو ایندھن کے کام آئے۔ گھر پہنچ کر اسے چیرنا شروع کیا تو کھنا

Marfat.com

كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ

نہ کرے بلکہ ٹھیک لکھوائے پھر اگر قرض لینے والا ایسا شخص ہو کہ وہ عقل نہ رکھتا ہو یا ناتواں ہو یعنی لین دین کی مکمل سمجھ نہ رکھتا ہو یا بول کر لکھوانے کی استعداد نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں چاہئے کہ اس کی طرف سے اس کا کوئی سرپرست ۴۹۶

کھنی بجتی ہوئی اشرفیاں اس سے نکلنا شروع ہوگئیں۔ اس نے ان کو گنا تو وہ پوری ایک ہزار نکلیں وہیں اس کو ایک پرچہ بھی نظر پڑا اس کو دیکھا تو بات کو سمجھ گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس آدمی کو کشتی ملی اور وہ سوار ہو کر اسی کے ہاں پہنچ گیا اور ایک ہزار اشرفیاں پیش کیں اور کہا کہ یہ اشرفیاں لے لو یہ تمہارا قرض ہے جو میرے ذمہ واجب الادا تھا اور مجھے معاف کیجئے جو میں لیٹ ہوگیا۔ میں نے ہرچند کوشش کی تھی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے میں مجبور ہوگیا تھا اس لئے دیر لگ گئی۔ آج کشتی ملی تو میں حاضر ہوگیا۔ اس نے پوچھا کہ تم یہ بتاؤ کہ میری رقم آپ نے پہلے کسی کے ہاتھ مجھے بجھوائی بھی ہے؟ اس نے کہا کہ میں تو کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی تھی لہٰذا مجھے دیر ہوگئی۔

بہرحال اس قرض واپس لینے والے نے کہا کہ خوش ہو جاؤ کہ تمہاری رقم مجھے پہنچ گئی۔ آپ نے اس کو توکلاً" علی اللہ لکڑی میں رکھ کر سمندر میں بہا دیا تھا اسے اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنچا دیا یعنی وہ مجھ تک پہنچ گئی اور میں نے اپنی رقم پوری کی پوری وصول کرلی۔ یہ حدیث صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔ لیکن اس سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ بالکل اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کا حکم اپنی جگہ ایک اٹل حکم ہے جو اس طرح منسوخ نہیں ہو سکتا اور اس کی وضاحت آیت کے اندر موجود ہے۔

مقروض اگر ایسا شخص ہو کہ املا نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا ولی املا لکھائے گا

۴۹۶ قرض دینے والا وہ شخص ہے جو اس وقت بظاہر قرض لے رہا ہے اور ادھار لی ہوئی رقم واپس کرنا جس پر لازم آتا ہے اگر وہ اتنی عقل نہیں رکھتا کہ زبان سے کچھ الفاظ جن کی اس وقت ضرورت ہے ادا کرے تو چاہئے کہ اس کا ولی یعنی سرپرست و ذمہ دار املاء لکھوائے۔ اگر اس تحریر کی کوئی خاص اہمیت نہ ہوتی تو جس کا لکھنا اور نہ لکھنا برابر ہوتا اور قرض یا دوسرے ہر قسم کے لین دین میں اللہ کی ضمانت پر ہی کام چل سکتا تو اتنی احتیاط کی آخر ضرورت کیا تھی؟ قانون جو بنایا جاتا ہے وہ سب انسانوں کے لئے ایک جیسی حیثیت رکھتا ہے

Marfat.com

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

دیانتداری کے ساتھ مطلب بولتا جائے۔ اور یاد رکھو جو دستاویز لکھی جائے اس پر اپنے ۴۹۷ دو آدمیوں کو گواہ کر لو۔ ہاں! اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم

اور سب کو اس کی پابندی لازمی و ضروری ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص دیانت و امانت میں کتنی ہی شہرت رکھتا ہو اس کی اچھی شہرت کی وجہ سے قانون الٰہی میں لچک نہیں ڈالی جا سکتی۔

حکم الٰہی کتنا واضح اور صاف ہے کہ جس کو رقم یا چیز ادا کرنی ہوگی وہ خود اپنی زبان سے لکھوائے ہاں! لکھواتے وقت اللہ کا خوف دل میں رکھے اور پوری طرح دیانت و امانت کے ساتھ لکھوائے اور اس میں ذرا برابر بھی کمی و بیشی نہ کرے اور کسی بات کو مبہم نہ رکھے بلکہ وضاحت کرے مثلاً جس سے معاملہ طے ہوا ہے وہ دیسی مہینوں کی گنتی جانتا ہے یا چاند کے مہینوں کا وہ علم نہیں رکھتا بلکہ انگریزی مہینوں کو سمجھتا ہے تو لکھنے والا اسی مہینہ کا ذکر کرے گا جس کو فریقین جانتے ہیں ایسا نہ ہو کہ طے تو چاند کے مہینے ہوئے تھے لیکن لکھواتے وقت اس کے برابر کا انگریزی مہینہ لکھوا دے۔ نہیں وہی جو اصل میں طے ہوا ہے۔ پھر یاد رکھو کہ اگر وہ شخص کم گو یا کم عقل ہو یعنی مجنون ہو یا حواس باختہ ہو۔ ضعیف البدن ہو یا نابالغ ہو یا پیر فرتوت ہو یا کسی اتفاقی امر سے خود بیان کرنے اور لکھوانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ گونگا ہے کاتب اس کے اشارہ کو نہیں سمجھتا۔ اجنبی ملک کا باشندہ ہے اور زبان سے ناواقف ہے تو ان سب صورتوں میں اس کا رکن۔ کفیل یا ترجمان ٹھیک ٹھیک لکھوا دے۔ ولی جس کا تصرف اس کے مال میں نافذ ہو سکتا ہے جیسے باپ' دادا' باپ کا وصی' دادا کا وصی یا قاضی اور حکومت کا نمائندہ۔

قرض یا ادھار کی دستاویز پر گواہ ٹھہرانا بھی ضروری ہیں

۴۹۷ جہاں گواہ بنانا اختیاری فعل ہو جیسے لین دین کے معاملہ میں اختیار کو عمل دخل ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں ہی کو گواہ بنائیں غیر مسلموں کو گواہ نہ بنائیں۔ ہاں! ذمی آدمی ذمیوں کو گواہ بنا سکتا ہے۔ اور ہر کس و ناکس کو گواہ نہ بنایا جائے کیونکہ سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ ایسے لوگوں کو گواہ بنایا جائے جو اپنے اخلاق و دیانت کے لحاظ سے بالعموم لوگوں کے درمیان قابل اعتماد ہوں۔ ناقابل اعتماد نہ ہوں۔ گواہوں کی تاکید اس حد تک ضروری ٹھہرائی کہ اگر دو آدمی کسی وقت میسر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کے لئے مقرر کر لو۔ اس سے ایک طرف تو تحریر کی تاکید ہوگئی کہ تحریر ضروری

Marfat.com

الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰى ؕ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا ؕ وَلَا

گواہ کرنا پسند کرو۔ دو عورتوں کی گواہی اس لئے ہے کہ اگر ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی۔ اور ضروری ہے کہ جب گواہ طلب[۴۹۵] کیے جائیں تو وہ گواہی کے

ہے وہ بات نہیں جو عام طور پر سمجھ لی گئی ہے کہ تحریر کی تو کی ورنہ نہ کرنے میں بھی تو خیر ہی ہے۔ ہرگز نہیں پھر گواہوں کی تاکید اور لزوم بھی اس آیت سے نکل آیا۔ اور تیسری بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ اگر لین دین کے معاملات میں کسی وقت دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کی جاسکتی ہیں تاکہ ”ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔“ ان الفاظ کے اندر کیا کچھ پنہاں ہے؟ اس کی تشریحات بہت لمبی ہیں۔ کیا بھول جائے؟ یعنی شہادت کے کسی حصہ کو اور واقعہ کے کسی جزء کو۔ رہا یہ امر کہ عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں مانی گئی ہے؟ اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں بالکل ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیات کی دنیا میں یہ دریافت کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت سے ہی کیوں رکھا گیا ہے اور مرد کو باوجود اس کی قوت و جسامت کے اس بار کے برداشت کے کیوں ناقابل سمجھ لیا گیا؟ یہ فاطر کائنات پر ظاہر ہے جو جسمیات و مادیات کے ایک ایک ذرہ سے واقف ہے اس کے پیش نظر ذہنیات و اخلاقیات کی باریک سے باریک حقیقتیں ہیں اور وہی ان کی اصل حقیقت کو جانتا ہے۔ کتنی حقیقتیں ہیں جو اس وقت کھل کر سامنے آچکی ہیں اور جو ابھی تک مکمل طور پر نہیں کھلیں وہ بھی انشاء اللہ جب کھل کر سامنے آئیں گی تو تسلیم کرنا پڑیں گیں اس وقت تک اگر ایک بات پردۂ غیب میں ہے تو کل وہ شہادہ میں بھی آسکتی ہے۔

اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ہر معاملہ میں عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں کمزور و ضعیف نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں ایک مرد کی گواہی بھی ایک عورت کے مقابلہ میں ضعیف و کمزور سمجھی گئی ہے جیسے جنائی و رضاعت میں اور اس کی مثالیں ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں خود اسلام کے اندر موجود ہیں۔ اور بہت سی چیزوں میں گواہی اور شہادت کے معاملہ میں عورت بالکل مرد کے برابر بھی ہے۔ جیسے لعان وغیرہ میں جوں جوں آپ غور کرتے جائیں گے تو سربستہ راز کھلتے جائیں گے اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ کسی صنفی اور فطری کمزوری کو کمزوری کہا جائے تو یہ گویا اس کی فطرت ہی کا اظہار ہوتا ہے اور فطرت وہی ہے جو کسی کے

Marfat.com

بدلنے سے بھی نہیں بدلتی۔ بلکہ اس کے بدلنے والوں کو ظالم یا حد سے تجاوز کرنے والا کہا جاتا ہے۔

گواہ طلب کیے جائیں تو وہ گواہی سے انکار نہ کریں

۴۹۸ گواہوں کے لئے دو اوقات ہوتے ہیں کہ وہ انکار کر سکتے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ان دونوں ہی مقامات پر انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ایک اس وقت جب کوئی معاملہ طے ہونے لگے تو گواہوں کو گواہ بنانے کے لئے طلب کیا جاتا ہے تو ایسے وقت بھی ضروری ہے کہ گواہ گواہ بننے سے انکار نہ کریں اگر ایسا ہوا تو کاروبار زندگی مختل ہو کر رہ جائے گا۔ دوسرا وقت وہ ہے کہ جب لینے دینے میں کوئی ایسا جھگڑا شروع ہو جائے اور اس وقت گواہوں کو طلب کیا جائے خواہ یہ گواہی موجودہ عدالت میں پیش کر دینا ہو یا کسی پنچائیت وغیرہ میں تو بہرحال گواہوں کو جب بھی اور جہاں بھی طلب کیا جائے تو وہ بالکل سچی بات کہہ دیں کسی کی رعایت ہرگز نہ کریں نہ گواہی دیتے ہوئے رشتہ داری کا لحاظ کریں نہ اپنی مذہبی یا سیاسی پارٹی کا اور بالکل یہی حکم کاتب یعنی لکھنے والے کے لئے ہے کہ جس وقت لکھنے کی ضرورت پیش آئے تو لکھنے سے انکار نہ کرے اور لکھنے والے کو کسی جگہ طلب کیا جائے تو وہاں جانے سے پرہیز نہ کرے جس سے لکھنے یا لکھوانے والے کا کوئی نقصان ہو۔ یعنی یہ سب لوگ دونوں فریقوں کے درمیان بغیر رو رعایت کے اپنا موقف بیان کر دیں۔ اور گواہوں کو وہ گواہی دینا چاہئے جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی ہو اگر بات سنی سنائی ہے تو گواہی میں اس کی ضرور وضاحت کریں۔ سنی سنائی بات آنکھوں دیکھا حال نہ کہیں۔

فرمایا جا رہا ہے کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ضبط تحریر میں ضرور لایا کرو اس وقت کا تساہل کیا ہوا تمہارے لئے مشکلات کا باعث ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے اور بعض دفعہ جس بات کو انسان آسان و سہل خیال کرتا ہے وہی اس کے لئے مشکل ہو کر رہ جاتی ہے۔ میعاد کا مقرر کرنا اور لکھنے سے جی نہ چرانا ہی اللہ کے نزدیک انصاف پسندی کی بات ہے اور زیادہ سے زیادہ قرین عدل ہے اللہ کے نزدیک انصاف کی بات یہی ہے کیونکہ جب عدالت میں مقدمہ چلا گیا تو وہاں اللہ کو گواہی کے لئے تو پیش نہیں کیا جا سکتا اور قاضی کو فیصلہ کرنے میں جو مدد ملے گی وہ اس تحریر اور گواہوں ہی سے مل سکتی ہے اور اس سے صحیح واقعات اس کے سامنے آسکتے ہیں۔ گواہوں کو شک و اشتباہ کا موقعہ بھی نہ رہے گا کیونکہ دستاویز دیکھتے ہی حق بات ظاہر ہو جائے گی کہ گواہ کون کون تھے اور انہوں نے کسی قسم کی تحریر پر گواہی ثبت کی ہے اور یہ لوگ سچی گواہی بھی دے سکیں گے اگر ان کا نفس ان کو کچھ الٹی سیدھی پڑھائے گا بھی تو قانون کا ڈنڈا ان کو خود سیدھا کر لے گا اگر یہ راہ راست سے کھسکنے کی کوشش کریں گے تو تحریر ان کو اس فعل سے بھی باز رکھنے میں مدد دے گی اور یہ خود مستوجب سزا ہوں گے اگر کوئی ایسی حرکت کریں گے اور جب قرض کی مقدار اور مدت واضح طور پر تحریر ہوگی تو بدگمانی کا موقع بھی یقیناً نہیں رہے گا۔

☆☆☆☆

Marfat.com

تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا
تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا

لئے تیار ہوں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی معیاد لکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک اس میں تمہارے لئے انصاف کی بات یہی ہے اور شہادت کو اچھی طرح قائم رکھنا ہے اور اس بات کا حتی الامکان بندوبست کر دینا ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ ہاں! اگر نقد[۴۹۹] لین دین کا کاروبار ہو جسے تم ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو تو ایسی صورت میں اگر تم لکھا پڑھی نہ کرو تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن سودا کرتے ہوئے گواہ

اگر سودا دست بدست ہو تو تم لکھ لینے سے آزاد ہو چاہو لکھو چاہو نہ لکھو

۴۹۹ خرید و فروخت کی اشیاء اور معاوضہ کی رقم اگر دست بدست ہے تو پھر ضروری نہیں کہ اس کو ضبط تحریر میں لایا جائے تاہم ضابطہ تحریر میں لے آنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی خرید و فروخت میں معاملہ بیع کا تحریر میں آجانا بہتر ہے اور اس سلسلہ میں صرف کیش میمو بھی کفایت کرتا ہے۔ اور اس کو استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے لہٰذا دکاندار سے اس کا مطالبہ کرنا ایک اچھا عمل ہے۔

غور کرو کہ نافہموں نے آج کل شور برپا کر رکھا ہے کہ اب زمانہ اس کا نہیں کہ مذہب خصوصاً اسلام کو عقائد معاد سے پرکھا جائے۔ اب تو دیکھنا یہ ہے کہ اس دنیا کے لئے سب سے زیادہ عملی مذہب کون سا ہے؟ روزانہ زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں کون سا مذہب سب سے زیادہ زور دے رہا ہے؟ یہ معیار بجائے خود کس حد تک صحیح ہے؟ یہ تو ایک الگ سوال ہے لیکن بہرحال جو لوگ اس معیار کو مانے ہوئے ہیں کم از کم و خالی الذہن ہو کر ذرا غور کریں کہ ساری شریعتوں میں اسلام سے بڑھ کر کس شریعت نے روزانہ زندگی کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے حل کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اگر وہ غور کریں گے تو یقیناً اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے زندگی کے ہر چھوٹے بڑے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔

Marfat.com

إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ

ضرور مقرر کر لیا کرو۔ اور یاد رکھو کہ کاتب ۵۰۰ اور گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہوگی اور چاہئے کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اس نے اپنے قانون کے مطابق تم کو سکھایا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ۵۰۱

۲۸۳ اور اگر تم سفر میں ہو اور وہاں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو اس صورت میں کوئی چیز

کاتب اور گواہوں کو نقصان نہ پہنچانے کا تاکیدی حکم

۵۰۰ اخلاقی طور پر جس طرح کاتب کے لئے ہدایت ہے کہ جب اس کو تحریر لکھنے کے لئے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کرے اور گواہوں کے لئے ہدایت تھی کہ وہ صحیح اور سچ سچ گواہی دیں اور جب اور جہاں طلب کئے جائیں گواہی کے لئے حاضر ہوں۔ کاتب اور گواہوں کو بھی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں ظاہر ہے کہ ایک وثیقہ نویس سے صرف کام ہی لیا جائے لیکن معاوضہ کی بات نہ کی جائے اس کو دبایا جائے تو کام کیوں کرے گا لہٰذا اس کی اجرت ادا کر دینا بھی لازم و ضروری ہے ان سے مفت میں کام لے کر ان کو دکھ میں نہ مبتلا کرو۔ اس طرح سے عدلیہ کو بھی تکلیف ہوگی اور فرمایا جا رہا ہے کہ اس سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہو دنیوی فوائد کو آخرت پر ترجیح نہ دو۔ اس جگہ کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے یہاں کسی چیز کو بھی ثبات نہیں اور تاکیداً اگر حکم دیا جاتا ہے کہ علم سے کام لو اور یاد رکھو علم حقیقی عین نتیجہ ہوتا ہے تقویٰ الٰہی کا۔ تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کو علم الٰہی مرحمت کیا جا سکے۔ چند ٹکوں کی خاطر دین و دنیا کو برباد نہ کرو اور نہ ہی عدالت کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرو۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہی قانون تمہارے جھگڑوں کو دور کر سکتا ہے۔

سورہ بقرہ کی اس آیت ۲۸۲ کا ماحصل

۵۰۱ زیر بحث آیت کریمہ میں قانون معاملات جن کو آج کل کے قانون میں معاہدات کہا جاتا ہے اس کے اہم اصولوں کا بیان ہے اور اس آیت کے اندر ضابطہ شہادت کے خاص اصول بھی مذکور ہیں۔ آج کل تو

Marfat.com

زمانہ لکھنے لکھانے کا ہے اور تحریر ہی انسان کی زبان کی قائم مقام ہو کر رہ گئی ہے لیکن آپ اس وقت کے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھیں گے جب نزول قرآن کریم ہوا تو معلوم ہوگا کہ دنیا کا سارا کاروبار صرف زبانی ہوتا تھا۔ لکھنے لکھانے اور دستاویز مہیا کرنے کا اصول بالکل نہ تھا سب سے پہلے قرآن کریم ہی نے اس کی طرف توجہ دلائی۔ اور ان تحریرات کو ضروری قرار دیا اور جھگڑے اور جہالت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ اکھاڑ کر پھینک ہی دیا۔ اور صاف صاف حکم فرما دیا۔

اِذَا تَدَا یَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکۡتُبُوۡہُ یعنی تم آپس میں ادھار کا معاملہ کرو تو وقت مقرر کر کے ضرور لکھ لیا کرو جس سے ایک اصول تو یہ بنا دیا کہ ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنا ضروری ہے تاکہ بھول چوک یا انکار کے وقت پر کام آئے دوسرا اصول یہ بیان ہوا کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی معیاد یعنی معین مدت ضروری ہے اور غیر معین مدت کے لئے ادھار لینا دینا جائز نہیں ہے۔ اور معیاد بھی ایسی متعین کرنا چاہئے جس میں ابہام نہ ہو۔ ابہام کی معیاد اس طرح ہو سکتی ہے کہ تحریر کیا جائے "گندم کے کاٹنے کے مہینے میں" "کپاس بیچنے کے دنوں میں" مروجہ تاریخ کی مقررہ تاریخ کو تحریر کرنا لازم ہے مثلاً ۶/ اگست ۱۹۹۴ء - ۷ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ وغیرہ۔

وَلۡیَکۡتُبۡ بَّیۡنَکُمۡ کَاتِبٌۢ بِالۡعَدۡلِ یعنی "یہ بھی ضروری ہے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے۔" اس میں ایک اصول تو یہ بتایا گیا کہ کاتب کسی فریق کا مخصوص آدمی نہ ہو اور نہ ہی فریقین میں سے کوئی خود تحریر کرے بلکہ تیسرا آدمی ایسا ہو جو غیر جانبدار ہو تاکہ کسی کو شبہ اور خلجان نہ ہو۔ دوسرے کاتب کے لئے ہدایت دی گئی جو معاہدہ کا گویا چوتھا اصول ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ لکھے دوسرے کے عارضی نفع کے لئے اپنا دائمی نقصان نہ کرے۔ اور کاتب کے لئے ہدایت بھی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ ہنر دیا ہے کہ وہ لکھ سکتا ہے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔

دستاویز کی کتابت کس کی طرف سے ہو فرمایا "وَلۡیُمۡلِلِ الَّذِیۡ عَلَیۡہِ الۡحَقُّ" یعنی تحریر لکھوانے والا وہ آدمی ہو جس کے ذمہ حق ہے مثلاً سودا خریدا اور قیمت کا ادھار کیا تو جس شخص کے ذمہ ادھار ہے وہ دستاویز کا مضمون لکھوا دے کیونکہ یہ اس کی طرف سے گویا اقرار نامہ ہے اور اس پر اب ادائیگی کی ذمہ داری واجب ہے جس سے وہ چیز یا سودا سلف خریدا گیا اس نے تو دے دیا اور اس طرح لکھوانے میں بھی یہ احتمال تھا کہ کوئی کمی بیشی کر دے اس لئے فرمایا کہ "وَلۡیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَلَا یَبۡخَسۡ مِنۡہُ شَیۡئًا" یعنی اللہ تعالیٰ سے جو آپ کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور حق کے لکھوانے میں ذرہ برابر کمی بیشی نہ کرے معاملات میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق عائد ہوں خفیف العقل یا نہایت بوڑھا یا نابالغ بچہ ہو یا کوئی گونگا اور بہرا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہو جس کو کاتب نہیں سمجھتا اس لئے دستاویز لکھوانے پر اس کو قدرت نہیں ہوتی اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ اگر ایسی صورت پیش اجائے تو اس کی طرف سے اس کا ولی لکھوا دے مجنون اور نابالغ کی طرف سے ولی ہونا ظاہر

Marfat.com

ہے کہ ان کے سارے معاملات ولی ہی کے ذریعہ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح گونگے یا دوسری زبان بولنے والے کا ولی بھی یہ کام کر سکتا ہے۔ یہاں تک تو معاملات دستاویز لکھنے لکھوانے کے متعلق بات ہو رہی تھی اب فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی تحریر اس وقت تک تحریر کہلوانے کی مستحق نہیں جب تک اس پر گواہ نہ متعین کئے جائیں۔ گویا محض تحریر حجت شرعی نہیں ہے جب تک اس پر شہادت شرعی موجود نہ ہو خالی تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے جب اس طرح کے ادھار لین دین کے معاملات ہوں کیونکہ یہ مقدمات فوج داری نہیں کہ جلدی جلدی تاریخ ہو گی بلکہ یہ دیوانی معاملات ہیں جن کی تاریخیں لمبی ہوں گی مختصر یہ کہ ضابطہ شہادت کے اہم اصول یہ ہیں۔

گواہ دو مرد ہوں اگر کسی وجہ سے دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہیں ایک اکیلا مرد یا دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لئے کافی نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ گواہ مسلمان ہوں کیونکہ فرمایا گیا "مِنْ رِّجَالِكُمْ" یعنی تمہارے مردوں ہی سے ہوں۔ تیسرے یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں جن کے قول پر اعتماد کیا جا سکے کہ فاسق و فاجر نہ ہوں۔ "مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ" میں یہی حکم مذکور ہے۔

گواہی دینے سے بلا عذر شرعی انکار کرنا بھی گناہ ہے۔ اس میں ہدایت یہ ہے کہ جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ شہادت ہی احیائے حق کا ذریعہ ہے اور جھگڑے چکانے کا طریقہ پھر تاکیداً فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کو ضابطہ تحریر میں لانا شرعی نکتہ نگاہ سے ضروری ہے اور تحریر بھی باقاعدہ شرعی احکام کے مطابق ہو۔

ہاں! اگر کوئی لین دین دست بدست ہو یعنی ادھار نہ ہو اس کو اگر نہ لکھیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر اتنا اس میں بھی کیا جائے کہ کیش میمو حاصل کر لیا جائے اور اگر کوئی شرط ہو تو وہ بھی اس پر تحریر کر دینا ضروری ہے۔ مثلاً اگر ریٹ میں فرق ہو تو چیز واپس کرنا ہو گی۔ آپ کی چیز اچھی نہ ہوئی تو واپس ہو گی اگر یہ روپیہ کھوٹا ہوا تو واپس ہو گا۔ وغیرہ۔

"وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ" یعنی ضروری ہے کہ لکھنے والے یا گواہ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ اپنی مصلحت اور فائدہ کے لئے ان کی مصلحت اور فائدہ کو نظر انداز کر دیا جائے یا اس میں خلل اندازی کی جائے۔ بعض اوقات جس کے خلاف گواہی دی جائے تو وہ اس گواہی کے دکھ میں لگ جاتا ہے کہ ہاں ہاں اس نے گواہی کیوں دی یہ بری بات ہے۔ یہ جتنی چیزیں بیان کی گئی ہیں اس وقت ان سب پر اخلاقی پابندیاں لگائی گئیں اور حکومت وقت اس میں باقاعدہ قانون بنانے کی مجاز ہے تاکہ ان سب باتوں پر عمل کیا جا سکے۔ اور خلاف ورزی کرنے والوں کو اس سزا کا سامنا ہو اور پھر یہ سزا ایسی ہو جس میں ردوبدل بھی کیا جا سکتا ہو یعنی جس طرح حالات بدل رہے ہیں ان کے مطابق کسی میں مزید سختی کی ضرورت ہو تو وہ کی جا سکے اور اگر کچھ کمی یا نرمی

Marfat.com

وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ

گرو رکھ کر یعنی اس چیز کا قبضہ قرض دینے والے کو دے دو اس طرح اگر ایک آدمی نے ۵۰۲

کی ضرورت ہو تو اس میں بھی گنجائش موجود ہو۔

رہن رکھنے کا طریقہ اور اس کی حقیقت کا بیان

۵۰۲ رہن یعنی گرو رکھنے میں سفر کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ سفر میں اس کی زیادہ ضرورت پیش آسکتی ہے۔ فرمایا کہ سفر میں اگر قرض لینے کی ضرورت محسوس ہو اور کاتب و گواہ دستیاب نہ ہوں تو ایسی حالت میں اطمینان کی یہی ایک صورت ممکن ہے کہ قرض دار اپنی کوئی چیز رہن کے طور پر قرض خواہ کے پاس رکھ دے اور اگر ان کو ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو اس کی ضرورت نہیں۔ ہاں اب مدیون کو چاہئے کہ اللہ سے ڈر کر حق نہ مارے اس میں خصوصاً لفظ "مقبوضۃ" سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شے مرہون سے نفع اٹھانا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ مرتہن کو صرف اتنا حق ہے کہ اپنا قرض وصول ہونے تک اس کی چیز پر اپنا قبضہ رکھے۔ اور آخر میں تبصرہ کر کے فرما دیا کہ شہادت اور گواہی کو چھپانے کی کوشش نہ کرو ورنہ تمہارے اعمال و اخلاق پر برا اثر پڑے گا۔

عرب کے لوگ نزول قرآن کریم کے وقت کچھ لکھے پڑھے نہ تھے۔ ان کے تمام قومی معاملات' معرکہ ہائے کارزار اور دوا دین و اشعار کا دارومدار صرف حافظہ پر تھا۔ ان کے سامنے قرآن کریم نے یہ قانون بیان کیا اور نہایت ہی لطیف طریقہ سے بتا دیا کہ تم عن قریب دنیا کی عظیم الشان قوم بن جاؤ گے کامیابی و کامرانی تمہارے ہم رکاب ہوگی۔ تمہارے معاملات اس قدر وسیع ہو جائیں گے کہ ان میں کتابت اور تحریر کی ضرورت محسوس ہوگی۔

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ایک ترقی یافتہ قوم کی تمام ضروریات اجتماعی کے لئے جو چیز اساس و بنیاد کا کام دے سکتی ہے وہ یہی ہے کہ عرائض نویس ہوں اور ان کی تحریر کا معاوضہ دیا جائے۔ گواہی کا قاعدہ یہ ہے کہ گواہ شہادت سے انکار نہ کریں اور رہن رکھنے کی ضرورت پیش آئے تو رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع نہ حاصل کیا جائے۔ ہاں! اگر سواری کا جانور ہے یا دودھ دینے والا جانور ہے تو اس کی چونکہ خوارک کا بندوبست کرنا ہوگا اس لئے اگر اس پر سواری کی گئی یا دودھ دوہا گیا تو وہ انتفاع میں نہیں آئے گا بلکہ حق الخدمت تصور ہوگا۔ ان ساری تعلیمات کا ماحصل اور نچوڑ صرف اور صرف یہ ہے کہ کسی کی غرض سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں اور جو ناجائز فائدہ حاصل کرے گا اور کسی کی غرض کو اس وقت تک پورا نہ کرے جب تک اس کو نفع وصول نہ ہو تو اس طرح کا ہر نفع نفع نہیں بلکہ سود ہی ہے۔ اور اگر نیت کسی کے

Marfat.com

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَ
لْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا

دوسرے پر اعتبار کیا ہے تو ضروری ہے کہ قرض کی رقم لے کر مقروض کی امانت واپس[۵۰۳] کردی جائے یعنی وہ گرو رکھی گئی چیز گویا قرض دینے والے کے پاس ایک امانت تھی اور و یاد رکھو کہ اللہ سے بے خوف نہ ہو جاؤ۔ اور کسی حال میں بھی گواہی مت چھپاؤ اور جو

ساتھ احسان کرنے کی ہو اور اس کے کام آنے کی۔ اس کی مصیبت دور کرنے اور اس کے لئے کوئی ایسی صورت کرنا جس سے دوسرے کو تو فائدہ حاصل ہو جائے لیکن اپنا بھی نقصان نہ ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین رہے تو زیادہ باریکیوں کی ضرورت نہیں۔ دین اسلام کی تعلیمات بالکل آسان اور سہل ہیں ان کو مشکل بنا دینا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ آسان کو مزید آسان بنانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اسلامی تعلیمات کا اختصار یہی ہے کہ ع ”کام آئے دنیا میں انسان کے انساں۔“

آؤ گے تو کیا لاؤ گے؟ اور ہم جائیں گے تو کیا دو گے؟ کا اصول دل میں چھپانا اور عملی طور پر اس کا اظہار کرنا گنہگار دل کا ہی کام ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کسی کے دل کی حالت پوشیدہ نہیں ہے۔ یاد رہے کہ کفر جو سارے کبائر سے بڑھ کر ہے وہ بھی قلب ہی کا گناہ ہے اس لئے اس اسلوب بیان نے خود یہ ظاہر کر دیا کہ کتمان شہادت شدید ترین گناہ ہے اور اگر شہادت کی اجرت موصول ہو جائے تو چاہے جو شہادت دلوا لو کا اصول بنانا اور اس پر یہ بات اختیار کرنا کہ ہم تو شہادت چھپانا نہیں چاہتے بذاتہ ایک ظلم عظیم ہے یعنی جھوٹی گواہی دینا اسلام کا کام نہیں بلکہ کفر کا شیوہ ہے۔ اپنی حالت اگر انسانوں سے چھپائی بھی جا سکتی ہو تو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے رازوں تک کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں اور عذاب و ثواب کا تعلق بھی خالصتہً اللہ سے ہے بندہ کسی کو اس کا اجر نہیں دے سکتا۔

رہن کیا ہے؟ گویا ایک قسم کی امانت ہے جو ہر حال میں قابل واپسی ہے

۵۰۳ رہن رکھی گئی چیز گویا امانت ہے وہ ہر حال میں واپس کرنا ہی پڑے گی اس حکم کی کیا ضرورت ہوئی؟ اس لئے کہ کسی کی غرض سے اس طرح بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ آج ایک چیز گروی رکھی اور قرض دے دیا۔ شرط یہ لگا دی کہ آپ کی چیز /۱۵۰ روپے کی ہے لیکن میں ایک صد روپے /۱۰۰ اس کے دے سکتا ہوں اگر اس مدت کے اندر تم نے رقم واپس کردی تو رہن رکھی ہوئی چیز جو /۱۵۰ روپے کی مالیت رکھتی ہے

Marfat.com

فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۲۸۳ ۞ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي

کوئی گواہی چھپائے گا یقیناً اس کا دل گنہگار ہوگا اور خوب یاد رکھو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے یعنی اللہ اس کو جانتا ہے۔ ۲۸۳
آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب ۵۰۴ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں

تمہاری ہوگی اور اگر تم نے متعین مدت کے اندر قرض واپس نہ کیا تو یہ چیز ناقابل واپسی ہوگی۔ گویا سود کھانے کا ایک نیا طریقہ بنا لیا گیا ایسی شرطیں باطل ہیں اگر زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے تو یہ کہ "آپ کی ڈیڑھ سو کی چیز فروخت کر دی جائے گی اور جو رقم وصول ہوگی اس میں سے اپنا قرض یعنی /۱۰۰ روپے وصول کر کے باقی رقم آپ کو ادا کر دی جائے گی۔" اگر وہ خود فروخت کر کے رقم واپس کرے تو بھی اس کو حق ہے کہ اس چیز کو فروخت کر دے۔ ہاں! قبضہ رکھنے والا بھی یہ حق رکھتا ہے کہ وہ خریدنا چاہے تو قیمت طے کر کے خرید لے اور اپنی رقم منہا کر کے باقی رقم اس کو دے دے۔

آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے

۵۰۴ یہ آیت ایک لحاظ سے گزشتہ آیت کا تتمہ ہے یا اس کا تکملہ جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ شہادت کا چھپانا حرام ہے۔ اگر تم نے معاملہ کو جانتے ہوئے چھپایا تو رب کریم جو علیم و خبیر بھی ہے تم سے اس کا حساب لے گا یہ تو اس کی مخصوص صورت اور مخصوص حکم ہے اور عموم الفاظ کے اعتبار سے عام ہے اور تمام اعتقادات' عبادات اور معاملات کو شامل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مشہور قول ہی اس کی تفسیر ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائے گا اور وہ عمل بھی جس کو وہ کر گزرے ہیں اور وہ بھی جن کا دل میں پختہ ارادہ کر لیا ہے دل میں چھپا کر رکھا مگر عمل کی نوبت نہیں آئی۔

ارکان خلافت کو بتایا جا رہا ہے کہ زمین و آسمان کی حکومت اللہ کے قبضہ میں ہے البتہ یہ امانت تمہارے سپرد کر دی گئی ہے اس لئے اترا نہ جانا بلکہ اعلیٰ ترین حکمران جماعت ہونے کی وجہ سے تمہارا احتساب اور بھی زیادہ سخت ہوگا۔ اگر دوسروں کے اعمال پر نظر ہوگی تو تمہارے اردے بھی ہمارے محاسبہ سے بچ نہ سکیں گے

نزدیکاں رابیش بود حیرانی؟

صحابہ اس حکم کو سن کر چیخ اٹھے اور کانپ کر رہ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ وساوس و خطرات سے بچنا مشکل ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم یہودیوں کی طرح "سمعنا و عصینا" نہ کہنے لگ جاؤ۔ اس

Marfat.com

أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

ہے تم اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو ہر حال میں اللہ جاننے والا ہے وہ تم سے ضرور حساب ۵۰۵ لے گا اور پھر یہ اسی کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اپنے قانون کے مطابق جسے چاہے

پر سب کی گردنیں تسلیم و رضا کے طور پر جھک گئیں اور فوراً بعد دوسری آیت نازل ہوئی جس نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔

بعض لوگوں نے آیت کو "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" سے منسوخ جانا ہے۔ حالانکہ ان آیات میں نسخ کی بحث ماننا ہی بے کار ہے حقیقت یہ ہے کہ آیت منسوخ نہیں بلکہ جس وقت صحابہ کرام پریشان و مضطرب ہو کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو غایت خشیتہ اور شدت خوف کی بنا پر آپ کی نظر بھی الفاظ کے ظاہری عموم پر پڑی مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً بات کو واضح کر دیا اور صحابہ کے اشکال کو کھول کر رکھ دیا کہ یاد رکھو "اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قدرت سے زائد تکلیف نہیں دیتا۔"

جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر اختیاری وساوس اور خیالات پر مواخذہ نہیں ہوگا اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اطمینان ہوگیا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں بروایت ابن عباس نقل کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا ہوا ہے

۵۰۵ انسان پر جو اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے گئے ہیں یا حرام کئے گئے ہیں وہ کچھ تو ظاہری اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں جیسے نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں اور کچھ اعمال و احکام بھی ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان و اعتقاد کے تمام مسائل اس میں داخل ہیں اور کفر و شرک جو سب سے زیادہ حرام و ناجائز ہیں ان کا تعلق بھی انسان کے قلب ہی سے ہے۔ اخلاق صالحہ' تواضع' صبر' قناعت' سخاوت وغیرہ اسی طرح اخلاق رذیلہ' کبر' حسد' بغض' حب دنیا' حرص وغیرہ یہ سب چیزیں ایک درجہ میں حرام قطعی ہیں۔ ان سب کا تعلق بھی انسان کے اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ دل سے اور باطن سے ہے۔

سورہ بقرہ قرآن کریم کی ایسی بڑی اور اہم سورۃ ہے جس میں احکام الٰہی کا بڑا حصہ آگیا ہے۔ اس سورت میں اصول اور فرعی معاش و معاد کے متعلق اہم ہدایات نماز' روزہ' زکوٰۃ' قصاص' حج' جہاد' طہارت' طلاق' عدت' خلع' رضاعت' حرمت شراب' ربا اور قرض لین دین کے جائز و ناجائز طریقوں کا تفصیلی بیان آگیا ہے۔

Marfat.com

قَدِيرٌ ۞ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ ۲۸۴

بخش دے، جسے چاہے عذاب دے اس نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا ہوا ہے۔
۲۸۴ اللہ کا رسول اس کلام پر[۵۰۶] ایمان رکھتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر

اس لئے حدیث میں اس سورت کا نام "سنام القرآن" بھی آیا ہے یعنی قرآن کریم کا سب سے بلند ترین حصہ اور ان تمام احکام کی تعمیل میں سب کی روح اخلاص ہے۔ یعنی کسی کام کو کرنا یا اس سے بچنا دونوں ہی خالصتہ "اللہ تعالیٰ کی" رضا جوئی کے لئے ہوں۔ ان میں نام و نمود یا دوسری نفسانی اغراض شامل نہ ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اخلاص کا تعلق انسان کے باطن اور قلب سے ہے۔ سب کی دوستی اس پر موقوف ہے۔ اس لئے سورت کے آخر میں اس آیت کے ذریعہ انسانوں کو تنبیہہ کردی گئی کہ فرائض کی ادائیگی یا محرمات سے پرہیز کے معاملہ میں مخلوق کے سامنے تو حیلہ جوئی کے ذریعہ بھی راہ فرار اختیار کی جا سکتی ہے مگر حق تعالیٰ علیم و خبیر ہے اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اس لئے جو کچھ کرے یہ سمجھ کر کرے کہ رقیب و حفیظ میرے سب ظاہری اور باطنی حالات کو دیکھ رہا ہے اور سب کا حساب قیامت کے روز دینا ہے۔ یہی وہ روح ہے جو قرآن کریم انسانوں میں پیدا کرتا ہے کہ ہر قانون کے اول یا آخر میں خوف الٰہی اور فکر آخرت کا ایسا محافظ ان کے قلوب پر بٹھاتا ہے کہ وہ رات کی اندھیری میں اور خلوتوں میں بھی کسی حکم کی خلاف ورزی کرتا ہوا ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اندازہ کرنے کا مطلب قبل ازیں کئی بار بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ بس اپنے ہی ارادہ یا مشیت کے علاوہ کسی اور قانون کا پابند نہیں ہے بلکہ وہ مختار کل ہے جو قانون اس نے بنائے ہیں اسی حیثیت سے بنائے ہیں کسی کی پابندی سے نہیں۔ وہ قادر مطلق ہے اس نے کوئی قانون ایسا نہیں بنایا کہ وہ قانون بنانے کے بعد اس کے سامنے مجبور ہو۔ اس نے اپنے ہی اختیار سے یہ فرمایا ہے کہ میں اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور نہ ہی خلاف ہونے دیتا ہوں۔ سزا دینے سے معاف کرنے کے لئے بھی اس نے قانون اپنی مرضی سے بنائے ہیں اور وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس طرح اس کا قانون بھی ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔ وہ کسی کے سامنے مجبور نہیں بلکہ ہر قانون اس کی ذات کے مقابلہ میں کمزور ہے کیونکہ اس کا بنایا ہوا ہے۔ اور خلق خالق پر زور آور نہیں ہو سکتی۔

رسول بھی اپنی رسالت پر اسی طرح یقین رکھتا ہے جس طرح دوسروں کو ایمان کی دعوت دیتا ہے

۵۰۶ نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک ذکر نہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تعظیم و تشریف اس میں ہے کہ امت اپنے رسول کا نام لے کر مخاطب نہ کرے۔ بلکہ رسول اللہ۔ نبی اللہ ہی کے خطاب سے خطاب کیا جائے جس کی تعلیم دوسرے مقامات پر دی گئی ہے فرمایا گیا کہ رسول بھی اپنی وحی پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں

Marfat.com

رَبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ قف

نازل ہوا ہے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب ۵۰۷ ایمان لاتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو ایک دوسرے سے ۵۰۸ جدا نہیں کرتے یعنی ایسا

جس طرح دوسرے مومنوں کو ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اور یہ طرز بیان اسی طرح لایا گیا ہے کہ پہلا جملہ نبی کریم ﷺ کے ایمان ہی میں ذکر ہے اور آپؐ کا ذکر کرنے کے بعد دوسرے مومنین کے ایمان کا تذکرہ کیا گیا۔ اس میں اشارہ فرما دیا کہ اگرچہ نفس ایمان میں نبی کریم ﷺ اور دوسرے سب مسلمان شریک ہیں لیکن درجات ایمان کے اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا علم مشاہدہ اور سماع کی بناء پر ہے اور دوسرے مسلمانوں کا علم ایمان بالغیب یعنی نبی کریم ﷺ کی رویت کی بناء پر۔

ایمان مجمل کی تفصیل بھی بتا دی

۵۰۷ بعد ازیں اس ایمان مجمل کی تفصیل بتا دی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مومنین میں شریک تھا کہ وہ ایمان تھا اللہ تعالیٰ کے موجود اور ایک ہونے پر اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہونے پر اور فرشتوں، اللہ کی کتابوں اور رسولوں پر۔ اس کے بعد اس کی وضاحت فرمائی کہ اس امت کے مومنین پچھلی امتوں کی طرح ایسا نہیں کریں گے کہ اللہ کے رسولوں میں باہمی تفرقہ ڈالیں کہ بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نہ مانیں بلکہ بعض کا واضح طور پر انکار کریں۔ ایسا نہیں ہو سکتا جیسا کہ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا لیکن خاتم المرسلین ﷺ کو نبی نہ مانا۔

ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے۔

۵۰۸ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جس نے کسی ایک نبی کی نبوت کا انکار کیا گویا اس نے تمام انبیاء کرام کا انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس امت کی یہ مدح فرمائی کہ یہ اللہ کے کسی رسول کا بھی انکار نہیں کرتے اور پھر ان کے اس جملہ پر بھی تعریف فرمائی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے موافق زبان سے کہا تھا "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" اے ہمارے رب! ہم نے تیرا حکم سنا۔ ہم نے تیرے حکم کے سامنے سر نیاز جھکا دیا۔ تیری مغفرت ہی کے ہم طلب گار ہیں اور اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم سب کو

Marfat.com

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا

نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں اور برملا کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیرے سامنے اطاعت کا سر جھکا دیا۔ تیری مغفرت کے ہم طلبگار ہیں۔ اور اے اللہ! ہم سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ ۲۸۵

اللہ وہ ذات ہے کہ کسی جان پر اس کی طاقت[۵۰۹] سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔ ہر

تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

گویا یہ وسعت صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دنیا کی تمام صداقتوں پر ایمان کا اظہار کرتا ہے۔ حق و صدق کی آواز دنیا کے کسی گوشہ سے بلند ہو مسلمان اس کو لبیک کہنے کو تیار ہوں گے کیا کوئی اس خصوصیت میں اسلام کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا

۵۰۹ اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اب اس کی مزید وضاحت فرما دی کہ اس سے مراد غیر اختیاری امور نہیں ہیں کیونکہ اللہ کبھی ایسے احکام صادر نہیں فرماتا جو ایک شخص کی طاقت و قوت سے باہر ہوں۔ ان کے لئے اسباب فراہم نہ ہو سکیں فرمایا نہیں جتنا کرو گے اس کے مطابق جزا ملے گی۔ قوت ارادی میں ضعف و کمزوری نہ آنے پائے اور کام کرنے کا عزم صمیم ہو پھر اگر غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اے اللہ! ہم سے اگر کوئی بھول کر غلطی ہو جائے یا باوجود یاد ہونے کے پھر بے ارادہ کوئی فعل سرزد ہو تو اس پر مواخذہ نہ فرما۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زائد کام کا حکم نہیں دیتا اس لئے غیر ارادی طور پر یعنی غیر اختیاری طور پر جو خیالات دوسرے کے دل میں پیدا ہو جائیں لیکن ان پر کوئی عمل نہ ہو بلکہ ان وسوسوں کے آنے پر انسان اپنے نفس کو ملامت کرے وہ سب اللہ کے نزدیک معاف ہیں۔ حساب اور مواخذہ صرف ان افعال پر ہوگا جو اختیار اور ارادہ سے کئے جائیں۔

تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ جس طرح انسان کے اعمال و افعال جو ہاتھ' سر' آنکھ اور زبان وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اعمال ظاہرہ کہا جاتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری جو ارادہ و اختیار سے کئے جاتے

Marfat.com

كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا

جان کے لئے وہی کچھ ہے جیسی کچھ اس کی کمائی ہے جو کچھ اسے پانا ہے[۵۱۰] وہ بھی اس کی کمائی ہے اور جس کے لئے اسے جواب دہ ہونا ہے وہ بھی اس کی کمائی ہے۔ ایمان

ہیں جیسے ارادہ سے بولنا' ارادہ کے ساتھ کسی کو مارنا اور دوسرے غیر اختیاری جو بلا ارادہ سرزد ہو جائیں جیسے زبان سے کہنا چاہتا تھا کچھ لیکن کچھ اور ہی نکل گیا یا رعشہ سے بالاختیار حرکت ہوئی اور ہاتھ سے کسی دوسرے کو کوئی تکلیف پہنچ گئی یا کوئی چیز گر کر ٹوٹ گئی۔ انسان ان ہی افعال کا ذمہ دار ہے جو ارادہ و اختیار سے کئے ہوں غیر ارادی افعال پر اگرچہ ناگواری ہوتی ہے لیکن مواخذہ نہیں ہوتا۔

قانون کے متعلق دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں کیونکہ اگر یوں ہی ان کو عمل کرنے کے لئے مجبور کیا گیا تو وہ کبھی اس کے پابند نہ رہ سکیں گے۔

۲۔ طاقت اور استطاعت سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی فطری امر ہے کہ طاقت و استطاعت سے زیادہ بوجھ اٹھایا ہی نہ جائے گا اگرچہ یہ بات ہر انسان پر لازم نہیں آتی کہ وہ خود اس کا فیصلہ کرے بلکہ اس کا فیصلہ بھی اللہ کے پاس ہے۔

نتیجہ عمل کے ساتھ وابستہ ہے جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ بھی

۵۱۰ اللہ کا قانون مجازات ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ ہر آدمی انعام اسی خدمت پر پائے گا جو اس نے خود انجام دی ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص کی خدمات پر دوسرا انعام پائے اور یہ اصول عنداللہ ہے۔ اسی طرح ہر شخص اسی قصور میں پکڑا جائے گا جس کا وہ خود مرتکب ہوا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے قصور میں دوسرا پکڑا جائے۔ ہاں! یہ ضرور ممکن ہے کہ ایک آدمی نے کسی نیک کام کی بنیاد رکھی ہو اور دنیا میں ہزاروں سال تک اس کے اثرات چلتے رہیں اور یہ سب اس کے کارنامے میں لکھے جائیں اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے شخص نے کسی برائی کی بنیاد ڈالی ہو اور صدیوں تک دنیا میں اس کا اثر جاری و ساری رہے اور وہ اس ظالم اول کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے لیکن یہ اچھا یا برا جو کچھ بھی اس کا پھل ہوگا اس کی سعی اور اس کے کسب کا نتیجہ ہوگا۔ بہرحال یہ ممکن نہیں ہے کہ جس بھلائی یا برائی میں آدمی کی نیت اور سعی و عمل کا کوئی حصہ نہ ہو اس کی جزاء یا سزا اسے مل جائے۔ اللہ کے ہاں یہ اندھیر کھاتہ بالکل ممکن نہیں۔

آیت کے حصہ پر غور کرنا چاہئے خصوصاً ان لوگوں کو جو بلا قصد و ارادہ کے بھی ثواب و عذاب کے قائل

Marfat.com

أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ

عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

والوں کی ہر حال میں پکار یہ ہے کہ اے اللہ! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو اس کے لئے ہم پر مواخذہ نہ کر۔ ہمیں بخش دے۔ اے اللہ! ہم پر وہ بوجھ[۵۵۱] نہ ڈال جیسا ان لوگوں پر ڈالا گیا جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اے اللہ! وہ بوجھ ہم سے مت[۵۵۲] اٹھوا جس

ہیں اور دن رات مردوں کو بخشوانے کے ٹھیکہ دار ہیں۔ دراصل وہ دھندا کرتے ہیں اپنے پیٹ کا اس کی ان کو فکر ہے اور چونکہ ان کی پیٹ پوجا چل رہی ہے لہٰذا وہ اس کاروبار کو چھوڑ کر جو نہایت سہل و آسان ہونے کے ساتھ ساتھ سود بخش بھی ہے کیوں چھوڑیں گے؟

اے اللہ! ہم پر ایسا بوجھ مت ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا گیا

۵۵۱ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ مت ڈال جو ہم سے پیشتر لوگوں پر ڈالا گیا تھا۔ یعنی جیسی جیسی آزمائشوں سے انہیں دوچار کیا گیا ہم کو مت ان کا سامنا کرنا پڑے ہم اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے درخواست پیش کر رہے ہیں۔ "اصراً" سے مراد ہے وہ حکم جو اتنا سخت ہو کہ حد بشری سے خارج تو نہ ہو لیکن اس کی تعمیل میں مشقت و کلفت زیادہ ہی برداشت کرنا پڑتی ہو۔ قرآن کریم نے ضمناً اس مبالغہ بیان کی بھی اصلاح کر دی اور یہ اشارہ کر دیا کہ گو وہ احکام سخت ضرور تھے یا سوال در سوال کر کے سخت کروا لئے گئے تھے لیکن ایسے نہیں تھے کہ ان پر قابل برداشت ہونے کا اطلاق ہو سکے۔

جب ایک کام ہو گیا اگرچہ وہ نہایت مشقت و کلفت کے ساتھ ہوا تو اس پر بھی ناقابل برداشت کے الفاظ صادق نہیں آتے ہاں! اس کی مشقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی انسان کی اپنی ہی کم عقلی یا بے وقوفی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مطلب واضح ہو گیا کہ ہمارے پیش رووں کو تیری راہ میں جو آزمائشیں پیش آئیں۔ جن زبردست ابتلاؤں سے وہ گزرے۔ جن مشکلات سے انہیں سابقہ پڑا ان سے ہمیں بچا اگرچہ اللہ کی سنت یہی رہی ہے کہ جس نے بھی حق و صداقت کی پیروی کا عزم کیا ہے اسے سخت آزمائشوں اور فتنوں سے دوچار ہونا ہی پڑا ہے اور جب آزمائشیں پیش آئیں تو مومن کا کام یہی ہے کہ پورے استقلال سے ان کا مقابلہ کرے۔ لیکن بہرحال مومن کو اللہ سے دعا یہی کرنا چاہئے کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے لئے حق پرستی کی راہ آسان کر دے۔

Marfat.com

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ

کے اٹھانے کی ہم کو ہمت نہیں۔ اے اللہ! ہم پر رحم فرما۔[۵۱۳] اے اللہ! تو ہی ہمارا مالک و

اے رب کریم ہم سے وہ بوجھ مت اٹھوا جس کے ہم متحمل نہ ہوں

۵۱۲ بارگاہ ایزدی میں یہ دعا گویا فطرت انسانی کی بار بار تصدیق کرتی ہے کہ زور آور کے ساتھ اپنی کمزوری کا اظہار ایک بار کر کے آدمی بس نہیں کر سکتا۔ پھر وہ زور آوروں کا زور آور ہے اس کے سامنے سرنیاز جھکانا چاہئے کہ وہ ہمیشہ جھکا ہی رہے۔ دینے والا بے شک بغیر مانگے دے لیکن پھر بھی اگر مانگا ہی جائے تو وہ ضرور خوش ہوگا۔ غور کرو اپنی اولاد کا کس کو خیال نہیں ہوتا ان کے بغیر مانگے دن رات انسان کوشش کر کے' محنت و مشقت کر کے ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی جدوجہد کرتا ہی رہتا ہے لیکن کیا اولاد نے اپنی احتیاج کبھی پیش نہیں کی؟ کیا وہ ان کی احتیاج سے ناخوش ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ ان کی احتیاج کو پورا کرنے کے لئے پہلے سے کئی گنا زیادہ زور خرچ کرتا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ان کی احتیاج کو دوسروں کے سامنے بیان بھی کر دیتا ہے تاکہ اس طرح وہ اپنی خوشی کا اظہار کرے کہ میری اولاد کو میری اتنی ضرورت ہے۔

اے پروردگار حقیقی! مشکلات کا بار ہم پر اتنا ہی ڈال جسے ہم سہار لے جائیں۔ آزمائشیں بس اتنی ہی ہوں کہ ہم ان پر پورے اتر سکیں ایسا نہ ہو کہ ہماری قوت برداشت سے بڑھ کر سختیاں ہم پر نازل ہوں اور ہمارے قدم راہ حق سے ڈگمگا جائیں۔ ہم پر ہماری بے سمجھی اور نادانی کا بار عظیم نہ ڈال۔ اور جو قانون بھی نوازش ہو تو ہماری طاقت کا لحاظ کر کے دیا جائے۔ ہم اگرچہ غلطی کریں مگر تو رحیم و کریم ہے عفو و درگزر سے کام لینا اور ہم پر سختی سے پیش نہ آنا۔ ہماری غلط کاری کا مواخذہ نہ کرنا بلکہ مہلت عطا کرنا تاکہ ہم اپنی اصلاح کر لیں۔ ابھی ترقی کے بہت سے مواقع ہیں۔ مقاصد ہمہ پیش نظر ہیں اور ہم ابھی تک ایسے جرائم کے مرتکب نہیں ہوئے کہ ہمیں اس ترقی سے محروم کر دیا جائے۔ بلکہ اپنی خاص رحمت سے ہمیں آگے بڑھنے کا موقع نوازش فرما کہ تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا اور ہماری احتیاجوں کو پورا کرنے والا ہے۔

اے ہمارے رب! ہم خطا کار ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار بھی

۵۱۳ فطرت انسانی میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو وہ پوری زندگی سیکھتا ہی رہتا ہے وہ کون ہے جس کا سیکھنا ختم ہو جائے؟ اور اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ میرا سیکھنا ختم ہو گیا تو یہ سمجھنا بجائے خود جہالت ہے۔ انسان اور خطا لازم و ملزوم ہیں۔ انسان اگر انسان ہے تو خطا اس سے ہوگی۔ خطا کرنے اور خطا کے سرزد ہونے میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا سب غلطیوں سے بڑی غلطی ہے اتنی بڑی غلطی کہ گویا اس کو کفر کہا جا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بخشش کی امید اس کے مقابلہ کی نیکی ہے۔

Marfat.com

مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ۲۸۶

آقا ہے پس ان مشرکوں اور زیادتی کرنے والوں کے مقابلے میں جن کا گروہ منکروں ۵۱۴ کا گروہ ہے ہماری مدد ۵۱۵ فرما۔ ۲۸۶

یا ارحم الراحمین ہماری دعا قبول فرما۔

یعنی مایوسی بہت بڑا گناہ ہے اور رحمت کی امید بذاتہ بہت بڑی نیکی ہے۔" "وارحمنا" یعنی ہم پر رحمت کامل ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اصل کامیابی تو وہی کامیابی ہے جو آخرت کی کامیابی ہو۔ اس لئے ہماری طلب دنیا میں بھی ہے لیکن آخرت کی کامیابی کا انحصار بھی صرف اور صرف تیری ہی رحمت پر ہے ہمارے اعمال پر نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اعمال اور خصوصاً اچھے اعمال کا ہونا بھی اللہ کی رحمت ہی سے خاص ہے۔ جس سے اچھے اعمال ہوں گویا اس پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت ہے۔

کفر کے مقابلہ میں مدد کی اپیل بارگاہ رب ذوالجلال

۵۱۴ مادی ترقی بھی ایک حد تک اپنا اثر دکھاتی ہے لیکن روحانی ترقی بھی مادی ترقی کے ساتھ موجود ہو تو اس کا مقابلہ کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی۔ ہوتا یہ ہے کہ جب مادی ترقی حاصل ہوتی ہے تو اکثر و بیشتر انسان روحانی ترقی کو بھول جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو جب دنیاوی ترقی میں حصہ وافر نصیب ہوا تو ان حالات میں بھی مسلمانوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ اپنے مالک حقیقی سے اس طرح دعا مانگا کرو۔ ظاہر ہے کہ دینے والا جب خود ہی مانگنے کا ڈھنگ سکھائے تو ملنے کا یقین آپ سے آپ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس وقت یہ دعا مسلمانوں کے لئے غیر معمولی تسکین قلب کا باعث ہوئی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو اس دعا میں ضمناً یہ بھی تلقین کر دی گئی کہ وہ اپنے جذبات کو کسی نامناسب رخ پر نہ بہنے دیں بلکہ انہیں اس دعا کے سانچے میں ڈھال لیں۔ ایک طرف ان حالات کو دیکھئے جو محض حق پرستی کے جرم میں مسلمانوں پر ڈھائے جا رہے تھے اور ذرا وقت درست ہوا حالات نے رخ بدلا تو مسلمانوں کو اس دعا کی صورت میں زندگی کی فراوانیوں کا سارا ذکر سمجھا دیا۔ جس میں دشمنوں کی تلخیوں کا شائبہ تک بھی موجود نہیں اور کہا جا رہا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کو مخاطب فرما کر اے اللہ! اے ہمارے رب ہمارے دکھوں اور غموں کا تو اور صرف تو ہی مداوا ہے اور ان معاندین کے مقابلہ میں ہمارا مددگار تو ہی ہے اور ہم اپنی فریاد رسی کے لئے مادی و روحانی مدد تجھ ہی سے طلب کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی دوسرے سے مدد طلب نہیں کر سکتے۔ جب ہم تیرے ہی غلام ہیں اور تو ہی ہمارا آقا و مولا ہے تو ہمیں کفار پر غلبہ نوازش فرما دے۔ آمین یا رب العالمین۔

Marfat.com

انسان کی انسانیت کی بلندی کا معیار یہی ہے کہ جو طلب کرے اللہ سے کرے

۵۱۵ انسان کو اپنی انسانیت کا اگر پاس موجود ہو تو وہ جو مانگے گا صرف اللہ ہی سے مانگے گا۔ وہ مسبب الاسباب ہے' وہ عطا کرنے کے لئے جو سبب چاہے بنائے یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ وہ جو سبب بنائے گا بندہ کے لئے اچھا ہوگا۔ بلکہ سبب کا اچھا ہونا ہی اس کی دلیل ہے کہ اس بندہ کی طلب سچی ہے جو صرف اسی ذات کے ساتھ ہے جو سب کی بگڑی بنانے والا ہے۔ جسمانی تکلیف ہو یا مالی نقصان اس کا دور کرنے والا تو اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ پھر اس دعا کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے آپ دیکھیں گے کہ اس دعا میں دنیوی مفاد کی طلب کا ادنیٰ نشان تک بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کی نہایت خستہ حالی کو دیکھئے اور دوسری طرف ان بلند اور پاکیزہ جذبات کو دیکھئے جن سے یہ دلربا دعا لبریز ہے۔ اس تقابل ہی سے صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو کس درجہ میں اخلاقی و روحانی تربیت دی جا رہی ہے کہ کوئی مذہب بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سورہ بقرہ کے اس حسن خاتمہ کے قربان جایئے جس میں اسلام کے انتہائی نصب العین اور غایت الغایات کو نہایت ہی واضح اور روشن الفاظ میں بیان کر دیا کہ فرزندان توحید' دنیا کی تمام اقوام و ملل اور مذاہب و ادیان پر حاکم بنا کر بھیجے گئے ہیں اور "شہدائے علی الناس" اسی صورت میں بن سکتے ہیں جب کہ اس قانون پر عمل کریں جو رسول اللہ ﷺ کی معرفت انہیں نوازش کیا گیا ہے۔ صبر و استقامت' عزم و استقلال اور ولولہ دینی و حب مذہبی اپنے اندر پیدا کریں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ تیار رہیں اور اللہ تعالیٰ سے فتح و کامرانی کی دعا مانگیں۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی مجموعی اہمیت

آیت ۲۸۵' ۲۸۶ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات ہیں۔ احادیث صحیحہ معتبرہ میں ان دونوں آیتوں کے بڑے فضائل ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "جس شخص نے رات کو یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ دونوں آیتیں اس کے لئے کفایت کریں گی۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائیں ہیں جن کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لئے قیام اللیل یعنی نماز تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔

پہلی حدیث میں جو ان آیتوں کے لئے کافی ہونے کا ذکر ہے اس سے اس کی بھی وضاحت ہوگئی کہ قیام اللیل کی بجائے ان کا کافی ہونا مراد ہے اور مستدرک حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے سورہ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خزانہ خاص سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے اس لئے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ اس لئے حضرت فاروق اعظم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہمارے خیال میں کوئی آدمی جس کو کچھ بھی عقل ہو وہ سورہ

Marfat.com

بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔ ان دونوں آیتوں کی معنوی خصوصیات تو بہت ہیں لیکن ان میں سے ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں اکثر احکام شرعیہ اجمالاً" و تفصیلاً" ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ اعتقادات' عبادات' معاملات' اخلاق اور معاشرت وغیرہ آخری دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں "اطاعت" شعار مومنین کی طرح کی گئی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر لبیک کہا اور تعمیل کے لئے تیار ہوگئے اور دوسری آیت میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے جو ان دو آیتوں سے پہلی آیت میں صحابہ کرام کو پیدا ہوگیا تھا اور ساتھ ہی اپنے فضل و رحمت بے حساب کا ذکر فرمایا گیا۔ ورنہ یہ تھا کہ جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی "وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ" جو تمہارے دلوں میں ہے تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ ہر حال میں اللہ تعالیٰ تم سے حساب لے گا۔"

آیت کی اصل مراد تو یہ تھی کہ اپنے اختیار و ارادہ سے جو کوئی عمل اپنے دل سے کرو گے اس کا حساب ہوگا۔ غیر اختیاری وسوسہ اور بھول چوک اس میں داخل ہی نہ تھی لیکن الفاظ قرآن کریم بظاہر عام تھے ان کے عموم سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ انسان کے دل میں غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو اس کا حساب بھی ہوگا۔ صحابہ کرامؓ یہ سن کر گھبرا اٹھے اور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے ہیں حساب ان ہی اعمال کا ہوگا غیر اختیاری خیالات جو دل میں آجاتے ہیں ان کا حساب نہ ہوگا۔ اس طرح سے تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اگرچہ یہ بات معلوم تھی کہ اس کا مطلب کیا ہے تاہم آپؐ خاموش رہے تاکہ وحی الٰہی کا انتظار کیا جائے اور یہ آپؐ کا معمول تھا۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے اس سوال پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ مومن کا کام تسلیم ہے کہ اللہ کا حکم جب آئے تو "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" کہے اور اس کو ماننے میں ذرا بھی تامل نہ کرے اور اس طرح کی بات ذہن میں نہ لائے کیونکہ ہمارا کام تعمیل حکم ہے نتیجہ اللہ کے سپرد کرنا چاہئے صحابہؓ خاموش ہوگئے لیکن جب تک دل کسی چیز کے متعلق اطمینان نہ پائے کھٹکا ختم نہیں ہوتا اس کھٹکے کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آخری دونوں آیتیں نازل فرمائیں جن میں پہلے مسلمانوں کی گویا مدح فرمائی اور دوسری آیت ان کے دل کے کھٹکا کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمائی

سورہ بقرہ کی آخری آیت ۲۸۶ کے دعائیہ کلمات

یہ دعائیہ کلمات اور قرآن کریم کی دوسری ادعیاء جو مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں ہمیں اس بات کا درس دیتی ہیں کہ انسان جب بھی کسی مصیبت اور دکھ میں مبتلا ہو تو اسے صرف اور صرف اپنے مالک حقیقی ہی کو پکارنا چاہئے جو ہر ایک انسان کی پکار کو سننے والا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ ہی اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو لیکن یہ خیال نہ کرو میں تم سے دور ہوں۔ نہیں میں اپنے بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض و معروض کر سکتا ہے حتیٰ کہ دل میں میرا بندہ جو کچھ مجھ سے گزارش

Marfat.com

کرتا ہے میں اسے بھی سنتا اور جانتا ہوں اور پھر صرف سنتا ہی نہیں فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے اللہ اور رب قرار دے رکھا ہے ان کے پاس تو تمہیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ ان میں طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائنات بے پایاں کا فرمانروائے مطلق تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطہ و وسیلہ اور سفارش کے براہ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو میں جو دعوت تمہیں دے رہا ہوں اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو' میری طرف رجوع کرو مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی اور اطاعت میں آجاؤ۔ قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بار بار یہ دعائیں سکھائی گئی ہیں ان کو انہی الفاظ میں یاد کرو اور ان کے معانی پر نظر رکھو اور اسی اللہ حقیقی کی طرف اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور اس طرح کہو

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ○ (آل عمران ۳ : ۸' ۹)

"اے ہمارے رب! ہمیں سیدھے رستے پر لگا دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانوا ڈول نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت نازل فرما! یقیناً تو ہی ہے کہ بخشش میں تجھ سے بڑا کوئی نہیں۔ اے ہمارے رب! اس میں کوئی شک نہیں کہ تو ایک دن سب کو اپنے حضور جمع کرنے والا ہے کیونکہ یہ تیرا وعدہ ہے اور یقیناً تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا۔"

رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ○ (ال عمران ۳ : ۱۶) "اے ہمارے رب! ہم تجھ پر ایمان لائے۔ پس ہمارے گناہ بخش دے اور عذاب جہنم سے ہمیں بچا لے۔"

رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ○ (ال عمران ۳ : ۵۳) "اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم نے تیرے رسول کی پیروی کی پس ہماری گنتی بھی ان لوگوں میں ہو جو حق کی شہادت دینے والے ہیں۔"

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ○ (ال عمران ۳ : ۱۴۷) "اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے ہم سے ہمارے کام میں جو زیادتیاں ہو گئی ہیں ان سے درگزر فرما۔ ہمارے قدم راہ حق میں جمادے اور منکرین حق کے گروہ پر ہمیں فتح مند کر دے۔"

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ○ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ

Marfat.com

لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ○ (ال عمران ۳ : ۹۱، ۹۴) "اے ہمارے رب! یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بے کار و عبث نہیں پیدا کیا ہے یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ ایک بے کار کام اس سے صادر ہو۔ اے اللہ اے ہمارے رب! ہمیں عذاب آتش سے جو دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے بچا لے۔" اے ہمارے رب! جس بدبخت کے لیے ایسا ہو کہ تو اسے دوزخ میں ڈالے تو بلاشبہ تو نے اسے بڑی خواری میں ڈالا یعنی وہ تیرے قانون کے مطابق بڑی خواری میں گر گیا اور جس دن ایسا ہوگا' تو اس دن ظلم کرنے والوں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی منادی سنی جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے' ہماری برائیاں مٹا دے اور اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ ہماری موت نیک کرداروں کے ساتھ ہو۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور اپنے لطف و کرم سے ایسا کر کہ قیامت کے دن ہمیں ذلت و خواری نصیب نہ ہو! بلاشبہ تو ہی ہے کہ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہو سکتا۔"

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ○ (المائدہ ۵ : ۸۳) "اے ہمارے رب! ہم اس کلام پر ایمان لائے۔ پس ہمیں بھی انہی سے لکھ لے جو تیری سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔"

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ○ (الاعراف ۷ : ۲۳) "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔"

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (الاعراف ۷ : ۴۷) "اے ہمارے رب! ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ شامل نہ فرما۔"

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ○ (الاعراف ۷ : ۸۹) "اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ○ (الاعراف ۷ : ۱۲۶) "اے ہمارے رب! ہمیں صبر و شکیبائی سے معمور کر دے اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ تیرے فرمانبردار ہوں۔"

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (یونس ۱۰ : ۸۵، ۸۶) "اے ہمارے رب! ہمیں اس ظالم گروہ کے لئے آزمائش کا موجب نہ بنا اور اپنی خاص رحمت سے ایسا کر کہ ہم اس کافر گروہ کے پنجہ سے نجات پا جائیں۔"

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس ۱۰ : ۸۸) "اے ہمارے رب! ان کی دولت زائل کر دے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے

Marfat.com

کہ اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔"

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ○ رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ○ (ابراہیم ۱۴ : ۳۸) "اے ہمارے رب! میری نسل کے لوگ نماز قائم رکھیں۔ پس تو اپنے فضل و کرم سے ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔ اے ہمارے رب! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں وہ بھی تو جانتا ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے۔ آسمان اور زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو۔"

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ○ (ابراہیم ۱۴ : ۴۰' ۴۱) "اے ہمارے رب! ہماری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو اور ان سب کو جو ایمان لائے اپنے فضل و کرم سے بخش دے اور حساب کی سختی میں نہ ڈال۔"

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (ابراہیم ۱۴ : ۴۴) "اے ہمارے رب! تھوڑی سی مدت کے لئے ہمیں مہلت دے دے ہم تیری پکار کا جواب دیں گے اور پیغمبروں کی پیروی کریں گے۔"

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا○ (الکھف ۱۸ : ۱۰) "اے ہمارے رب! تیرے حضور سے ہم پر رحمت ہو اور تو ہمارے اس کام کے لئے کامیابی کا سامان مہیا کر دے۔"

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ○ (المومنون ۲۳ : ۱۰۶' ۱۰۷)

"اے ہمارے رب! دراصل ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہمارا گروہ گمراہوں کا گروہ تھا۔ اب ہمیں اس حالت سے نکال دے اگر ہم پھر ایسی گمراہی میں پڑیں تو بلاشبہ نافرمان ہوئے۔"

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المومنون ۲۳ : ۱۰۹) اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے۔ پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما' تجھ سے بہتر رحم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (الفرقان ۲۵ : ۶۵) "اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور کر دے اس کا عذاب تو ہمیشہ کی تباہی ہے۔"

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان ۲۵ : ۷۴) "اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔"

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ○ (السجدہ ۳۲ : ۱۲) "اے ہمارے رب! اب ہم نے خوب اچھی طرح دیکھ لیا اور سن لیا۔ سو آپ ہم کو واپس بھیج دیجئے ہم نیک عمل کریں۔ اب ہمیں

Marfat.com

پورا یقین ہو گیا ہے۔"

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ (الاحزاب ۳۳ : ۶۷) "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری کی سو انہوں نے ہمیں سیدھی راہ سے گمراہ کر دیا۔"

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○ (الاحزاب ۳۳ : ۶۸) "اے ہمارے رب! ان کو دوہرا عذاب دے اور ان کو بڑی لعنت کر یعنی اپنی خاص رحمت سے ان کو دور کر دے۔"

رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (سباء ۳۴ : ۱۹) "اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کی مسافتیں بھی دور کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ آخر کار ہم نے ان کو قصہ پارینہ بنا دیا اور ان کو بالکل تتر بتر کر کے رکھ دیا۔"

رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ○ (صٓ ۳۸ : ۶۱) "اے ہمارے رب! جو شخص یہ مصیبت ہمارے آگے لایا ہے اسے جہنم میں دوگنا عذاب دے۔"

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (المومن ۴۰ : ۷، ۸، ۹) "اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے سو ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اے ہمارے رب! ان کو ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل فرما بیشک تو ہی زبردست کمال حکمت کا مالک ہے اور ان کو برائیوں کی پاداش سے بچا لے اور جس کو تو نے برائیوں کی پاداش سے بچا لیا تو اس پر واقعی تو نے رحم کیا یعنی اس کو تیری رحمت نے گھیر لیا اور یہ کامیابی ہی دراصل بہت بڑی کامیابی ہے۔"

رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (حٰم السجدہ ۴۱ : ۲۹، ۳۰) "اے ہمارے رب! ہم کو وہ جن اور انسان دکھا دیجئے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ہم انہیں پاؤں تلے روند ڈالیں گے تاکہ وہ خوب ذلیل ہوں۔ جن لوگوں نے اقرار کیا کہ صرف اللہ ہمارا رب ہے پھر اپنے کاموں کے اندر اس اعتقاد کا ثبوت دے کر درجہ استقامت حاصل کر لیا سو اس کی طرف سے ان پر طمانیت و سکینت کے فرشتے نازل ہوں گے اور ان کو مطمئن کر دیں گے کہ نہ تو کسی طرح کا خوف اپنے دلوں میں ڈالو اور نہ ہی غمگین ہو اور اس جنت کی زندگی میں رہو جس کا تم ایسے استقامت والے مومنوں سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

Marfat.com

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○ (الدخان ۴۴ : ۱۲) ”اے ہمارے رب! ہم سے عذاب دور کر دے بلاشبہ ہم ایمان لانے والے ہیں۔“

رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ○ (ق ۵۰ : ۲۷) ”اے ہمارے رب! میں نے تو اس کو گمراہ نہ کیا تھا یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔“

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحشر ۵۹ : ۱۰) ”اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے بغض و عداوت کو جگہ نہ دے۔ اے ہمارے رب! تو بڑی شفقت کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے۔“

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الممتحنہ ۶۰ : ۴، ۵) ”اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا ہے اور تیری ہی طرف سب کی بازگشت ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم گروہ کے لئے آزمائشوں کا موجب نہ بنا۔ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو سب پر غالب اور حکمت والی ہے۔“

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (التحریم ۶۶ : ۸) ”اے ہمارے رب! اس روشنی کو ہمارے لئے آخر تک رکھئے اور ختم نہ کر دیجئے ہمارے قصوروں کو معاف کر دیجئے بے شک تو ہی ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

رَبَّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ○ (القلم ۶۸ : ۳۲) ”اے ہمارے رب! اس سے اچھا باغ ہمیں عنایت فرما دے، اب ہم تو اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔“

آمین ثم آمین

Marfat.com

سرٹیفکیٹ

ہم نے اس قرآن کریم کو حرفاً" حرفاً" بغور پڑھا ہے اور ہم تصدیق کرتے ہیں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔

محمد رمضان

۱- عبدالکریم ۲- محمد رمضان- 15-11-94

رجسٹرڈ پروف ریڈر حکومت پاکستان۔

Marfat.com

تفسیر عروۃ الوثقیٰ

کا
ایک خاکہ ۱۹۹۴ء دسمبر

جلد اوّل ☆ سورۃ "الفاتحۃ" سے "البقرہ" تک — طبع شدہ دسمبر ۱۹۹۴

جلد دوم ☆ سورۃ "آل عمران" سے "المائدہ" تک — زیر طبع

جلد سوم ☆ سورۃ "الانعام" سے "یوسف" تک — //

جلد چہارم ☆ سورۃ "الرعد" سے "الحج" تک — زیر کتابت

جلد پنجم ☆ سورۃ "المؤمنون" سے "الزمر" تک — //

جلد ششم ☆ سورۃ "المومن" سے "الحدید" تک — زیر تالیف

جلد ہفتم سورۃ "المجادلہ" سے "الناس" تک — //

باہتمام: جامع مسجد اہل حدیث (الغنائیہ) جناح اسٹریٹ گجرات

Marfat.com

فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرۃ ۲۵۶)

پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا
اُس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں

تفسیر عُروۃ الوُثقیٰ

سورۃ فاتحہ اور بقرہ

جلد اوّل

ازافادات وعبارات مشاہیر علماء اسلام

عبدالکریم اثری

مکتبۃ الأثریۃ
جناح اسٹریٹ گجرات: پاکستان

Marfat.com